

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فَإِنَّ زَيْنًا عَلِيًّا كَمَا تَبَيَّنَا لَكَ الْحَقُّ شَاءَ
أَوْرَثَهُمْ نَبِيًّا بِرَأْسِ كِتَابٍ كَوْنًا لِيَا بُو مُهَرِّجٍ كَارُونَ بَيْنَ

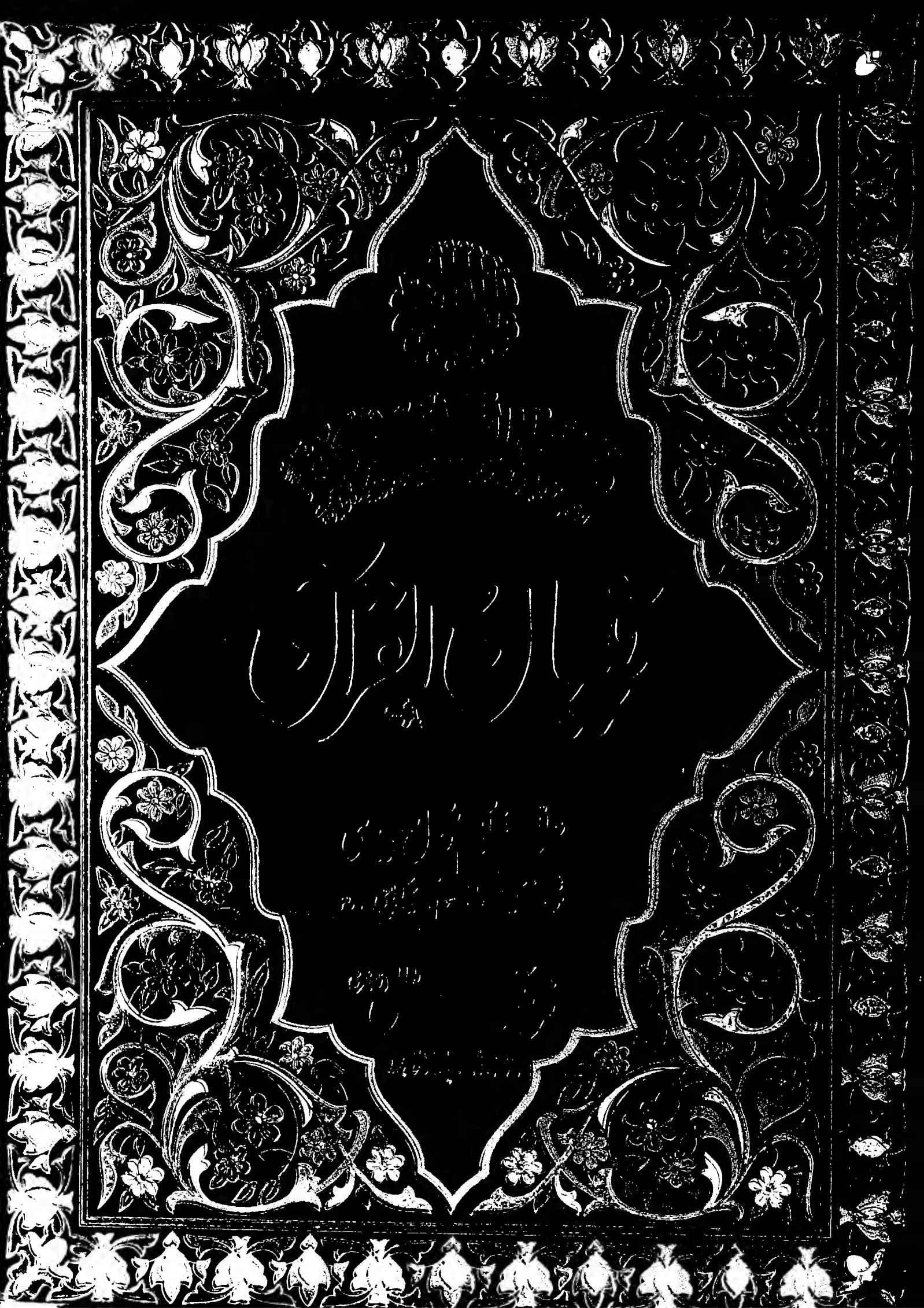
تَبْيَاكُ الْقُرْآنِ

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی - ۳۸

فریدنگار طال (رجسٹرڈ)

۳۸۔ اردو بازار لاہور



Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مَوْلَانِي

الَّذِي كَلَّمَ

الْأَمُورِ

الْحَمْدُ

الْحَمْدُ

الْمَلِكِ

الْقُدُّوسِ

السَّلَامِ

الْمُؤْمِنِ

الْمُهَيَّمِ

الْعَزِيزِ

الْجَبَّارِ

الْمُتَكَبِّرِ

الْمَلُوقِ

الْبَارِئِ

الْمُصَوِّمِ

الْغَفَّارِ

الْقَهَّارِ

الْوَهَّابِ

الزَّاقِ

الْفَتَّاحِ

الْعَلِيمِ

الْقَاضِ

الْبَاسِ

الْفَضْلِ

الْوَسْعِ

الْمُحْسِنِ

الْحَكِيمِ

الْبَصِيرِ

الْسَّمِيعِ

الْمَلِكِ

الْعَدْلِ

الطَّافِ

الْخَبِيرِ

الْعَلِيمِ

الْعَظِيمِ

الْغَفُورِ

الشَّهِيدِ

الْعَلِيِّ

الْكَبِيرِ

الْحَفِظِ

الْمُقِيتِ

الْمُحِيطِ

الْمَلِكِ

الْيَكِينِ

الْقَرِيبِ

الْمُجِيبِ

الْوَسْعِ

الْحَكِيمِ

الْوَدُودِ

الْمُجِيبِ

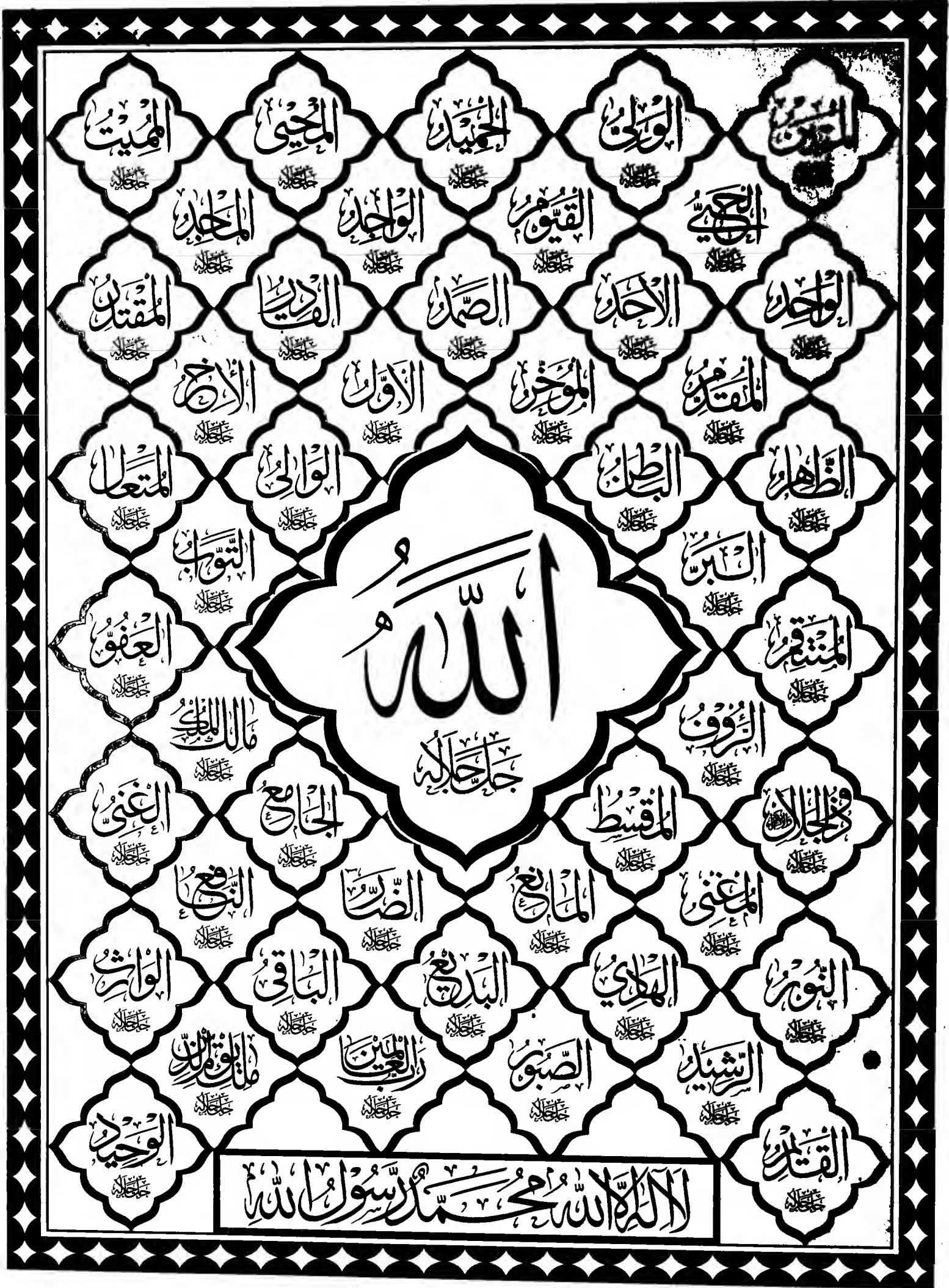
الْعَبَسِ

الشَّهِيدِ

الْجَوِيِّ

الْمُكِيلِ

الْقَوِيِّ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَقَدْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّلْحَقِّ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ
لِّلَّذِينَ آمَنُوا أَنَّهُمْ يُخْرِجُونَ مِنَ الْغَمِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

تِبْيَانُ الْقُرْآنِ

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

فریدنگ پٹال (رجسٹرڈ)

۳۸۔ اردو بازار لاہور

وَقَدْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّلْظُلُمَاتِ
اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

صغیر

جلد اول

المقدمہ ○ الفاتحہ ○ البقرہ

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی - ۳۸

ناشر

فریدی ٹیکسٹائل ۳۸- اردو بازار، لاہور-۲

marfat.com

Marfat.com

Copyright ©

All Rights reserved

This book is registered under the copyright act. Reproduction of any part, line, paragraph or material from it is a crime under the above act.

جملہ حقوق محفوظ ہیں

یہ کتاب کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا کوئی جملہ، پیرہ، لائن یا کسی قسم کے مواد کی نقل یا کاپی کرنا قانونی طور پر جرم ہے۔



تصحیح بار اول: مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی، فاضل علوم شرقیہ
تصحیح بار دوم: قاری ظہور احمد فیضی، خطیب جامع مسجد الف
مطبع: رومی پبلی کیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الثالث: ربیع الاول ۱۴۲۰ھ / جون ۱۹۹۹ء
الطبع السادس: رجب ۱۴۲۶ھ / اگست ۲۰۰۵ء

Farid Book Stall®

Phone No: 092-42-7312173-7123435

Fax No. 092-42-7224899

Email: info@faridbookstall.com

Visit us at: www.faridbookstall.com

فرید بک اسٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

فون نمبر ۰۹۲-۴۲-۷۳۱۲۱۷۳-۷۱۲۳۴۳۵

فیکس نمبر ۰۹۲-۴۲-۷۲۲۴۸۹۹

ای۔میل: info@faridbookstall.com

ویب سائٹ: www.faridbookstall.com

marfat.com

Marfat.com

سرنامہ

بہ حضور سرور کائنات
علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات

اے اللہ! مجھ پر حق کی حقانیت واضح کر اور
مجھے اس کی اتباع عطا فرما !
اے اللہ! مجھ پر باطل کا بطلان واضح کر اور
مجھے اس سے اجتناب عطا فرما !

آمین

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
	حقائق کائنات کی خبر دینے کے اعتبار سے قرآن مجید	۳۷	حدیث دل
۶۴	کا معجز ہونا		مقدمہ تفسیر
۷۰	حج کی تحقیق	۴۳	
۷۰	حج کا لغوی معنی		وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنی
۷۰	حج کا شرعی معنی	۴۳	ضرورت وحی اور ثبوت وحی
۷۱	حج میں مذاہب	۴۵	وحی کی اقسام
۷۲	حج کے متعلق پرویز صاحب کے نظریہ کا علمی جائزہ	۴۶	قرآن مجید کی تعریف اور قرآن مجید کے اسماء
۷۵	حج کے وقوع پر قرآن مجید سے استدلال	۴۸	قرآن کریم کے فضائل اور اجر و ثواب
۷۶	ثبوت حج کے ذرائع	۵۰	قرآن مجید کو پڑھنے اور سننے کے احکام، آداب اور بعض ضروری مسائل
	مصنف کی تحقیق کے مطابق قرآن مجید کی آیات		تفسیر کی کتابوں کو بے وضو ہاتھ لگانے کی تحقیق
۷۶	منسوخہ کا بیان	۵۴	قرآن مجید کا آغاز
۸۰	احکام شریعہ کو منسوخ کرنے کی حکمتیں	۵۹	عدم التفسیر ہونے کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا
۸۲	حج القرآن ہانتہ کے قائلین اور ان کے دلائل	۶۰	فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا
۸۲	حج القرآن ہانتہ کے مافین اور ان کے دلائل کا تجزیہ		کی اور زیادتی نہ ہو سکے کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا
۸۳	حج القرآن ہانتہ میں سنت کا محمل	۶۱	شہادت کو نبیوں کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا
۸۴	حج القرآن ہانتہ میں حج کا محمل		
۸۴	حج القرآن ہانتہ کی مثالیں	۶۱	
۸۶	حج انتہا ہانتہ کا بیان		
۸۶	حج انتہا ہانتہ کا بیان	۶۲	
۸۸	اسبب نزول کا بیان	۶۲	

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۸۹	اسباب نزول کے فوائد	۱۱۲	مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات
۹۰	عام سبب اور آیت کے عام الفاظ	۱۱۴	قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگانے کی تاریخ اور تحقیق
۹۱	خاص سبب اور آیت کے خاص الفاظ	۹۱	قرآن مجید پر رموز، اوقاف لگانے کی تاریخ اور تحقیق
۹۱	خاص سبب اور آیت کے عام الفاظ	۱۱۷	مضامین قرآن کا خاکہ ایک نظر میں
۹۳	ایک آیت کے متعدد اسباب اور ایک سبب کی متعدد آیات	۱۲۲	تفسیر اور تاویل کا لغوی معنی
۹۴	مکمل قرآن یکبارگی نازل نہ کرنے کی حکمتیں	۱۲۳	تفسیر کی اصطلاحی تعریف
۹۴	سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت اور سورت کا بیان	۱۲۳	تفسیر اور تاویل کا فرق
۹۶	سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت اور سورت کا بیان	۱۲۴	تفسیر قرآن کی فضیلت پر عقلی دلائل
۹۸	مکی اور مدنی سورتوں کی معرفت	۱۲۵	تفسیر قرآن کی فضیلت کے متعلق احادیث اور آثار
۹۹	عہد رسالت میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان	۱۲۵	قرآن مجید کی تفسیر کرنے پر اعتراضات کے جوابات
۱۰۲	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان	۱۲۶	قرآن مجید کی تفسیر کرنے کی مشروعیت اور جواز پر قرآن مجید، احادیث اور آثار سے دلائل
۱۰۲	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان	۱۲۹	طبقات مفسرین کا بیان
۱۰۴	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اوراق قرآن جلانے کا محمل اور قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کے متعلق فقہاء کے نظریات	۱۳۳	قرآن مجید کی تفسیر کے اصل مآخذ
۱۰۵	قرآن مجید کے غیر محرف ہونے کے متعلق علماء شیعہ کی تصریحات	۱۳۳	قرآن مجید کی تفسیر کے لیے ضروری علوم
۱۰۷	جمع قرآن کے متعلق علماء شیعہ کا نظریہ	۱۳۵	سورہ فاتحہ
۱۰۸	سنت حروف پر قرآن مجید کے نزول کی تحقیق	۱۳۷	سورہ فاتحہ کے اسماء
۱۰۹	قرآن مجید کی سورتوں، آیتوں اور حروف کی تعداد کا بیان	۱۴۰	سورہ فاتحہ کے فضائل
۱۱۱	قرآن مجید کے محفوظ اور غیر مبدل ہونے پر	۱۴۲	سورہ فاتحہ کا مقام نزول
		۱۴۵	سورہ فاتحہ کی آیات کی تعداد
		۱۴۵	سورہ فاتحہ کے مضامین
		۱۴۷	اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
	لواکل سور میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ان	۱۴۷	اموز ہائے کے مفہومات کے معنی
	سورتوں کے جز نہ ہونے کی تحقیق اور مذاہب	۱۴۷	اموز ہائے کے صرف اور ارباب کا بیان
۱۵۸	اربہ		نماز اور غیر نماز میں آموز ہائے پڑھنے کے حلق
۱۵۸	نماز میں بسم اللہ پڑھنے کے متعلق مذاہب اربہ	۱۴۷	احادیث
	نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو آہستہ سے پڑھنے		نماز میں آموز ہائے پڑھنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا
۱۶۰	کی تحقیق اور مذاہب اربہ	۱۴۷	مذہب
	بسم اللہ الرحمن الرحیم کے احکام شریعہ اور		نماز میں آموز ہائے پڑھنے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا
۱۶۱	مسائل	۱۴۸	مذہب
	اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسماء		نماز میں آموز ہائے پڑھنے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا
۱۶۲	لکھنے اور پڑھنے کے آداب	۱۴۹	مذہب
۱۶۳	بسم اللہ الرحمن الرحیم کے فوائد اور حکمتیں		نماز میں آموز ہائے پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کا
۱۶۵	الحمد لله رب العلمین (۱)	۱۴۹	مذہب
۱۶۵	حمد کے لغوی اور اصطلاحی معنی	۱۵۱	بسم اللہ الرحمن الرحیم
	تمام قرینوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے استحقاق پر	۱۵۱	ہائے بسم اللہ کا معنی
۱۶۶	دلیل	۱۵۱	صل کو بسم اللہ کے بعد مقدر کرنے کی وجہ
	مخلوق کا شکر ادا کرنے سے پہلے خالق کا شکر ادا کیا	۱۵۲	بسم اللہ میں اسم کا لفظ حذف کرنے کی وجہ
۱۶۷	جائے		لفظ "سبحہ" کا معنی اور اس کے وصف یا علم ہونے
۱۶۷	اللہ تعالیٰ کی کماحقہ حمد و ثناء سے مخلوق کا عاجز ہونا	۱۵۲	کی تحقیق
۱۶۸	اللہ کی حمد کرنے کے اقوال اور اوقات	۱۵۴	رحمن اور رحیم کا معنی
۱۶۹	اللہ کی حمد کی فضیلت اور اجر و ثواب	۱۵۴	رحمن کو رحیم پر مقدم کرنے کی وجہ
۱۷۰	خود اپنی حمد و ثناء کرنے کی شرعی نوعیت		بسم اللہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
	کسی دوسرے شخص کے سامنے اس کی حمد و ثناء	۱۵۵	طرف رحل اور اشادہ
۱۷۲	کرنے کی شرعی نوعیت	۱۵۶	بسم اللہ الرحمن الرحیم سے حلق نفسی مباحث
۱۷۴	منہ پر تعریف کرنے کے جواز اور عدم جواز کا محمل		بسم اللہ الرحمن الرحیم کے آیت قرآن ہونے کی
۱۷۵	رب کا لغوی اور شری معنی	۱۵۶	تحقیق
۱۷۶	انظہین کا لغوی اور معنی معنی		بسم اللہ الرحمن الرحیم کے سورہ فاتحہ کے جز نہ
۱۷۷	انظہین کے حلق اقوال میں مصنف کا فائدہ	۱۵۷	ہونے کی تحقیق اور مذاہب اربہ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۹۰	نکات	۱۷۷	اللہ تعالیٰ کی تربیت میں غور و فکر
	غیبت سے خطاب کی طرف التفات کے اسرار		کمل ذات، گزشتہ احسان، رجا اور خوف سے حمد و ثناء کا تقاضا
۱۹۱	اور نکات	۱۷۸	الرحمن الرحیم (۲)
۱۹۱	استغاثت کا معنی	۱۷۸	بعض مفسرین کی فروگزاشت
۱۹۱	ایک مستعین کی تفسیر	۱۷۸	مالک یوم الدین (۳)
۱۹۲	عبادت کو استغاثت پر مقدم کرنے کی وجوہ	۱۷۹	مالک اور ملک کی دو قراءتیں
۱۹۲	اولیاء اللہ سے استغاثت کی تحقیق	۱۷۹	یوم کا عنی اور شرعی معنی
۱۹۴	اولیاء اللہ سے استغاثت کا صحیح طریقہ	۱۷۹	یوم قیامت کی مقدار
۱۹۵	وسیلہ کا لغوی معنی	۱۸۰	وقوع قیامت پر عقلی دلیل
	انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی ذوات سے	۱۸۱	وقوع قیامت پر شرعی دلائل
۱۹۵	توسل کے متعلق فقہاء کرام کی عبارات	۱۸۲	دنیا میں راحت اور مصیبت کا آنا، مکمل جزا اور سزا
	حضرت آدم علیہ السلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا	۱۸۲	نہیں ہے
۱۹۷	رسول اللہ ﷺ کا خود اپنے وسیلہ سے دعا فرمنا		دین کا لغوی معنی
۱۹۹	رسول اللہ ﷺ کا خود اپنے وسیلہ سے دعا کرنے کی ہدایت دینا	۱۸۳	دین، شریعت اور مذہب وغیرہ کی تعریفات
۱۹۹	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کا رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کرنا	۱۸۴	اللہ، رب، رحمن، رحیم اور مالک یوم الدین میں وجہ ارتباط
۲۰۱	حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں صحابہ کا رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کرنا	۱۸۵	ایک نعبد و ایک نستعین (۴)
۲۰۲	شیخ ابن تیمیہ کے حوالہ سے حضرت عثمان بن حنیف کی روایت کی تائید، توثیق اور تصحیح	۱۸۵	عبادت کا لغوی معنی
۲۰۳	طبرانی کی روایت مذکورہ کا صحاح کی دوسری روایت سے تعارض کا جواب	۱۸۵	عبادت کا اصطلاحی معنی
۲۰۳	توسل بعد از وصال پر شیخ ابن تیمیہ کے اعتراضات اور مصنف کے جوابات	۱۸۶	قرآن مجید میں عبد کے اطلاقات
۲۰۴	توسل بعد از وصال کے متعلق شیخ عبدالحق محدث	۱۸۷	اپنے غلام کو ”میرا عبد“ کہنے کی کراہت اور عبد النبی وغیرہ نام رکھنے کی تحقیق
		۱۸۸	عبادت کا اللہ تعالیٰ میں منحصر ہونا
		۱۸۹	ایک نعبد میں حرف خطاب کو مقدم کرنے کے اسرار اور نکات
			ایک نعبد میں جمع کا صیغہ لانے کے اسرار اور

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۲۲	انعام یافتہ لوگوں کے راستوں کا بیان	۲۰۶	ملوی کا نظریہ
۲۲۳	منضوب کا معنی	۲۰۷	توسل بعد از وصل کے حلق علامہ آلوسی کا نظریہ
۲۲۳	المنضوب علیم کی ماثر تفسیر	۲۰۸	توسل بعد از وصل کے حلق غیر مقلد عالم شیخ وحید الرحمن کا نظریہ
۲۲۳	منضوب کا معنی بیان کرنے میں بعض علماء کی لغزش	۲۰۹	توسل بعد از وصل کے حلق غیر مقلد عالم قاضی شوکانی کا نظریہ
۲۲۴	ضالین کے معانی	۲۰۹	انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین سے براہ راست استدلو کے حلق احادیث
۲۲۶	رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے ضالین کی معقول تفسیر	۲۱۰	رجل غیب (بدل) سے استدلو کے حلق فقہاء اسلام کے نظریات
۲۲۶	آمین کا معنی	۲۱۱	امام ابن اثیر اور حافظ ابن کثیر کے حوالوں سے عمد صحابہ میں ندائے یا محمد کا رد
۲۲۸	نماز میں آمین کہنے کے حلق مذاہب اربعہ	۲۱۲	ندائے یا محمد اور توسل میں علامہ دیوبند کا موقف
۲۲۸	آمین کہنے کی فضیلت میں احادیث	۲۱۴	نداء غیر اللہ اور توسل کے حلق مصنف کا موقف
۲۲۹	آمین بالبر کے حلق احادیث	۲۱۸	اهدنا الصراط المستقیم (۵)
۲۲۹	آمین بالسر کے حلق احادیث	۲۱۸	ہدایت کا تقویٰ معنی اور اس کی اقسام
۲۳۰	آمین قرآن مجید کا جز نہیں ہے	۲۱۸	ہدایت کی اقسام کی مزید تفصیل
۲۳۰	فاتحہ خلف اللام میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۲۱۹	اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کا فرق
۲۳۱	فاتحہ خلف اللام میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۲۲۰	سرلا مستقیم کا تقویٰ اور شرعی معنی
۲۳۲	فاتحہ خلف اللام میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۲۲۰	کیا نمازی کا سرلا مستقیم کی دعا کا تحصیل حاصل ہے؟
۲۳۲	فاتحہ خلف اللام میں فقہاء احناف کا نظریہ	۲۲۱	جمع کے صیغہ سے دعا کرنے کی وجہ اور رد آیات صراط الذین انعمت علیہم غیر المنضوب علیہم ولا الضالین (۷-۶)
۲۳۹	سورہ بقرہ	۲۲۲	انعام یافتہ لوگوں کا بیان
۲۴۱	سورہ بقرہ کا اعلیٰ تعارف		
۲۴۲	سورہ بقرہ کی وجہ تسمیہ		
۲۴۲	سورہ بقرہ کے محل نزول اور آیات اور حروف کی تعداد کا بیان		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
	ایمان میں کمی اور زیادتی کے ثبوت پر قرآن مجید سے استشاد	۲۴۴	سورہ بقرہ کے فضائل میں احادیث اور آثار
۲۴۵	ایمان میں کمی اور زیادتی کے ثبوت پر احادیث سے استشاد	۲۴۶	الم (۱)
۲۴۶	ایمان میں کمی اور زیادتی کے دلائل کے جوابات	۲۴۸	حروف مقطعات کے علم کی تحقیق
۲۴۶	آیا اسلام اور ایمان متغایر ہیں یا متحد؟	۲۵۰	ذالک الكتاب لاریب فیہ
۲۴۹	غیب کا معنی	۲۵۰	کتاب کالغوی اور اصطلاحی معنی
۲۴۹	آیات مذکورہ میں غیب کا مصداق	۲۵۱	ریب کا معنی
۲۶۰	آیات مذکورہ میں مومنین بالغیب کا مصداق	۲۵۱	قرآن مجید میں ریب کی نفی اور اثبات کا محمل
	آیا مخلوق کے علم پر علم غیب کا اطلاق جائز ہے یا نہیں	۲۵۲	ہدی للمتقین (۲)
۲۶۰	خلاصہ بحث	۲۵۲	آیا قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے یا صرف متقین کے لیے؟
۲۶۵	جس غیب کی خبر دے دی جائے آیا وہ غیب رہا یا نہیں؟	۲۵۳	تقویٰ کا صیغہ اور اس کالغوی معنی
۲۶۵	و یقیمون الصلوۃ (۳)	۲۵۴	تقویٰ کا اصطلاحی معنی
۲۶۶	صلوۃ کالغوی معنی	۲۵۴	تقویٰ اور متقین کے متعلق احادیث
۲۶۶	اقامت صلوۃ کے معانی اور محامل	۲۵۶	تقویٰ کے مراتب
۲۶۶	بہ تدرج نمازوں کی فرضیت کی کیفیت کا بیان	۲۵۶	الذین یؤمنون بالغیب (۳)
۲۶۹	عبادات میں نماز کی جامعیت	۲۵۸	ایمان کے لغوی معنی کی تفصیل اور تحقیق
۲۶۹	قرآن مجید اور احادیث میں نماز پڑھنے کی تاکید		ایمان کی تعریف میں اہل قبلہ کے مذاہب کا خلاصہ
۲۸۱	تارک نماز کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات	۲۹۰	نفس ایمان اور ایمان کامل کا بیان
۲۸۲	تارک نماز کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۲۹۱	مومن ہونے کے لیے فقط جاننا اور سمجھنا کافی نہیں ہے بلکہ ماننا ضروری ہے
۲۸۲	تارک نماز کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۲۹۲	ایمان کی حقیقت میں فقط تصدیق کے معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشاد
۲۸۲	فقہاء شافعیہ کے دلائل کے جوابات	۲۹۳	ایمان کی حقیقت میں فقط اقرار کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشاد
۲۸۲	تارک نماز کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۲۹۳	ایمان کی حقیقت میں اعمال کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشاد
۲۸۵	تارک نماز کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ	۲۹۴	ایمان کی حقیقت میں اعمال کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشاد
۲۸۵	فقہاء احناف کے موقف پر دلیل		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۹۵	بیضوی کی دلیل اور اس کا جواب	۲۸۴	وما رزقنہم ینفقون (۳)
۲۹۵	جن کا ایمان نہ لانا مقدر ہو چکا ہے ان کو تبلیغ کرنے کی وجہ	۲۸۴	رزق کا لغوی معنی
۲۹۵	جب کفار کے دلوں پر مر لگا دی گئی تو ان سے مواخذہ کیوں؟	۲۸۴	رزق کا اصطلاحی معنی
۲۹۶	قلب کی تعریف	۲۸۴	حرام کے رزق نہ ہونے پر معتزلہ کے دلائل
۲۹۸	ومن الناس من یقول امنا باللہ (۸-۱۰)	۲۸۶	معتزلہ کے دلائل کے جوابات
۲۹۹	متنفقین کے اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کے سلسلہ میں اعتراضات کے جوابات	۲۸۸	حرام کے رزق ہونے پر اہل سنت کے دلائل
۳۰۰	شعور کا معنی	۲۸۸	آیا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بالخصوص زکوٰۃ مرلوں کا عام
۳۰۰	مرض کی تعریف اور متنفقین کے مرض کا بیان	۲۸۹	راہ خدا میں کل مل خرچ کرنے کی شرعی حیثیت
۳۰۱	جھوٹ کی تعریف اس کا شرعی حکم اور متنفقین کے جھوٹ کا بیان	۲۹۰	والذین یؤمنون بما انزل الیک (۴)
۳۰۱	جھوٹ بولنے کی ممانعت اور اس کے عذاب کے متعلق احادیث	۲۹۰	انزل کا معنی اور اس کی کیفیت
۳۰۲	جھوٹ بولنے کی رخصت کے مواقع	۲۹۰	ما نزل الیک و ما انزل من قبلک کی تفصیل
۳۰۲	جان 'مل اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت	۲۹۱	ختم نبوت پر دلیل
۳۰۳	شعور اور مبالغہ میں جھوٹ کا جواز	۲۹۱	دار آخرت اور یقین کا معنی
۳۰۳	تقریض اور توریہ میں جھوٹ بولنے کا جواز	۲۹۲	اولئک علی ہدی من ربہم واولئک ہم المفلحون (۵)
۳۰۵	توریہ کے سلسلہ میں فقہاء کی رائے	۲۹۲	ان الذین کفروا (۶-۷)
۳۰۶	خلاصہ بحث	۲۹۳	کفر کا لغوی معنی
۳۰۶	واذا قیل لہم لا تفسدوا فی الارض (۸)	۲۹۳	دگر مفہومات کے لغوی معنی
۳۰۶	متنفقین اپنے اللہ کو اصلاح کیوں کہتے تھے؟	۲۹۳	شان نزہل
۳۰۶	ممد رسالت سے لے کر آج تک اللہ کو اصلاح کا ہم دینے کا تسلسل	۲۹۳	اللہ تعالیٰ کے کلام کے قدیم ہونے پر معتزلہ کا اعتراض اور اس کا جواب
۳۰۶		۲۹۳	اللہ تعالیٰ نے جس ممکن کے عدم وقوع کی خبر دی ہے اس کے ساتھ ممکن کرنے کی تحقیق
			مل ہدایت کے ساتھ ممکن کرنے پر غور

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۱۹	اعتراض کا جواب	۳۰۷	ایمان لانے کے لیے صحابہ کرام کے ایمان کا معیار ہونا
۳۱۹	مومنین، کفار اور منافقین کے لیے عبادت کے حکم کا الگ الگ معنی	۳۰۸	زندیق کی توبہ کی قبولیت پر دلیل
۳۱۹	کفار کا فروع کے مکلف ہونے میں علماء بخارا اور علماء شافعیہ کا اختلاف اور صحیح موقف کا بیان	۳۰۸	زندیق کی تحقیق اور اس کا شرعی حکم
۳۲۰	اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا اعتراف	۳۱۰	صحابہ کرام پر سب و شتم کی مذمت اور رد۔
۳۲۰	اللہ تعالیٰ کے خالق اور لاشریک ہونے پر دلائل	۳۱۰	واذا لقوا الذين امنوا قالوا امنا (۱۵)۔
۳۲۲	لعلکم تتقون میں امید کی نسبت بندوں کی طرف ہے	۳۱۱	(۱۳) ان شیاطین کا بیان جن سے منافق خلوت میں ملتے تھے
۳۲۳	انسان عبادت پر غرور کرے نہ عبادت کی وجہ سے خود کو اجر کا مستحق سمجھے	۳۱۱	اللہ تعالیٰ کے استہزاء کی توجیہ
۳۲۴	زمین کا گول ہونا اور اس کا گردش کرنا اس کے فرش ہونے کے منافی نہیں ہے	۳۱۲	اولئک الذین اشتروا الضلالة بالهدی (۱۸-۲۱)۔
۳۲۴	پھلوں کو بتدریج پیدا کرنے کی حکمت	۳۱۳	منافقین کے احوال کی پہلی مثال
۳۲۵	اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے کا بیان	۳۱۴	او کصیب من السماء (۲۰-۱۹)
۳۲۷	شرک کی تعریف	۳۱۴	منافقین کے احوال کی دوسری مثال
۳۲۷	کیا چیز شرک ہے اور کیا چیز شرک نہیں ہے	۳۱۵	دونوں مثالوں کا تجزیہ
۳۲۹	وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا (۲۳-۲۲)	۳۱۵	آیا عہد رسالت کے بعد منافقوں کا وجود ہے یا نہیں؟
۳۳۰	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل	۳۱۵	شے کے معنی میں اہل سنت اور معتزلہ کا اختلاف
۳۳۱	شہید کا معنی	۳۱۶	اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کا محال ہونا
۳۳۲	دوزخ میں جلنے والے پتھروں کا بیان	۳۱۶	اللہ تعالیٰ کی قدرت کے معنی کی تحقیق اور اس کے کذب کے محال ہونے پر دلائل
۳۳۲	وبشر الذین امنوا وعملوا الصلحت (۲۵)	۳۱۸	یا ایہا الناس اعبدوا ربکم (۲۲-۲۱)
۳۳۲	نجات کا مدار اللہ کے فضل پر ہے نہ کہ اعمال پر	۳۱۸	ربط آیات اور التفات کے فوائد
۳۳۲	جنت کا معنی، قرآن اور حدیث میں جنت کی	۳۱۸	بلوجود اللہ تعالیٰ کے قرب کے یا یہا الناس سے ندا کرنے کی توجیہ
۳۳۳	ترغیب اور اس کی طلب کا بیان	۳۱۸	یا یہا الناس سے سورہ بقرہ کے مدنی ہونے پر

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۵۲	لہ تعالیٰ کی طرف مشورہ کی نسبت کا شرعی حکم	۳۳۶	جنتی عورتوں اور مردوں کی پاکیزگی، حسن و جمال اور بان کے ساتھ نکاح کی کیفیت کا بیان
۳۵۳	حضرت آدم کے خلیفہ بنانے پر فرشتوں کے سوال کرنے کا محمل	۳۳۷	جس عورت نے دنیا میں متحد نکاح کیے ہوں وہ آخرت میں کس خلوند کے نکاح میں ہوگی؟
۳۵۳	حضرت آدم کو خلیفہ بنانے کی وجہ اور فرشتوں کے شبہ کا ازالہ	۳۳۸	جن مردوں اور عورتوں کا دنیا میں نکاح نہیں ہوا، ان کا جنت میں نکاح ہو جائے گا
۳۵۴	آدم کی لفظی تحقیق اور حضرت آدم کی تخلیق کے مراحل	۳۳۸	جنت میں ٹپاک اور تاباثر خواہشات نہیں ہوں گی
۳۵۵	حضرت آدم کو تمام اسماء کی تعلیم کا بیان	۳۳۹	ان اللہ لا یستحیٰ ان یضرب مثلاً ما بعوضۃ فما فوقہا (۲۷-۲۸)
۳۵۵	واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم (۳۹-۴۰)	۳۴۰	مثلاً بیان کرنے کا قصہ
۳۵۶	حضرت آدم کو فرشتوں کے سجدہ کرنے کی وجہ	۳۴۰	حیاء کا معنی اور قرآن اور حدیث میں اللہ کی طرف حیاء کی نسبت کا محمل
۳۵۶	سجدہ کے لغوی اور شرعی معنی	۳۴۱	لہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے کی توجیہ
۳۵۶	تکبر کا معنی اور ابلیس کے تکبر کا بیان	۳۴۲	فسق کی تعریف اور اس کی اقسام
۳۵۸	ابلیس کا معنی اور اس کے فرشتہ یا جن ہونے کی تحقیق	۳۴۲	ممد موثق کا معنی اور اس کی اقسام
۳۶۰	حضرت حوا کی خلقت کا بیان	۳۴۳	مناہقین کا شر اور فساد
۳۶۱	آیا حضرت آدم کو جنت المکدہ میں رکھا گیا تھا یا زمین کے کسی بلخ میں؟	۳۴۳	کیف تکفرون باللہ (۳۹-۴۸)
۳۶۲	شجر ممنوع کا بیان	۳۴۴	حیات اور موت کا معنی
۳۶۲	آیا شجر ممنوع سے کھانا معصیت تھا یا نہیں؟	۳۴۵	زمین اور آسمان کی تخلیق کی ترتیب
۳۶۲	شجر ممنوع سے کھانے کے لیے ابلیس کی وسوسہ	۳۴۶	لہات کے اصل ہونے کی تحقیق
۳۶۳	اندازی کا بیان	۳۴۸	حشر اجلہ پر دلیل
۳۶۵	صمت انبیاء کا اصطلاحی معنی	۳۴۸	واذ قال ربک للملائکۃ (۳۳-۳۰)
۳۶۶	انبیاء عظیمہ اسلام کی صمت پر دلائل	۳۴۹	بدلیات
۳۶۶	صمت انبیاء کے حلق فقہاء اسلام کے نظریات	۳۴۹	ما کہ کی حقیقت ان کی خصوصیت اور ان کے فرائض
۳۶۸	لور مذہب	۳۵۱	خصی کا بیان
۳۶۸	صمت انبیاء کے حلق متعین کا مذہب	۳۵۲	خلیفہ کی تعریف اور اس کی اقسام
۳۶۸	انبیاء عظیمہ اسلام کی صمت پر اعتراضات کا ابطال		تکذیب کوہ میں خلیفہ کے صدیق کا بیان
۳۶۸	جواب		
۳۶۸	حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجے کی حکمتوں		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۹۰	جماعت کے شرعی حکم میں مذاہب فقہاء	۳۹۸	کابیان
۳۹۲	نوافل کی جماعت کی تحقیق		حضرت آدم کی توبہ کے کلمات اور سیدنا حضرت محمد
۳۹۳	خواتین کی امامت کی تحقیق	۳۶۰	ﷺ سے توسل
۳۹۴	خواتین کی امامت کے متعلق احادیث	۳۶۲	توبہ کا لغوی اور شرعی معنی
۳۹۵	خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۳۶۳	قرآن اور سنت میں توبہ کا بیان
۳۹۵	خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۳۶۵	نیچے اترنے کا دوبار حکم دینے کی حکمت
۳۹۵	خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ		عصمت آدم پر حشویہ کے اعتراضات اور ان کے
۳۹۶	خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ	۳۶۵	جوابات
۳۹۷	سمجھ دار نابالغ لڑکے کی امامت کی تحقیق		حضرت سیدنا محمد ﷺ کا حقیقت میں خلیفہ اعظم
۳۹۹	یہود کی بے عملی کا بیان	۳۶۶	ہونا
۳۹۹	بے عمل علماء کے عذاب کا بیان	۳۶۸	بشر اور فرشتہ کے درمیان افضلیت کا بیان
۴۰۰	آیائیکہ کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے	۳۶۹	قصہ آدم اور ابلیس میں حکمتیں اور نصیحتیں
	خود نیک ہونا ضروری ہے؟		یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی الہی
۴۰۲	بے علم کے وعظ، تقریر اور اس کے مرید کرنے کا	۳۸۰	(۳۶-۴۰)
۴۰۴	شرعی حکم	۳۸۰	ربط آیات
۴۰۴	مصر کے معانی		بنو اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان اور ان
۴۰۶	مصر کے متعلق احادیث	۳۸۱	نعمتوں کے یاد دلانے کی وجہ
۴۰۸	نماز سے مدد حاصل کرنے کا بیان	۳۸۲	بنو اسرائیل اور اللہ تعالیٰ کے مابین عہد کا بیان
۴۰۸	خشوع کا معنی		قرآن مجید کس چیز میں تورات کا مصدق ہے؟ ہر
	یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی الہی		نبی کے زمانہ میں اس کی شریعت پر عمل اور حضور
۴۰۹	(۳۷-۴۸)	۳۸۲	کی رسالت کا عموم
۴۱۰	شفاعت کی تحقیق	۳۸۴	تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی تحقیق
۴۱۱	شفاعت پر قرآن کریم سے دلائل	۳۸۸	قرآن خوانی کے نذرانوں کے جواز کا بیان
۴۱۳	شفاعت پر احادیث سے دلائل	۳۸۹	یہود کی تلبیس اور کتمان حق کا بیان
۴۱۵	واذنبینا کم من ال فرعون (۵۳-۵۹)		زکوٰۃ کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کے وجوب کی
۴۱۶	بنو اسرائیل پر فرعون کے عذاب کا بیان	۳۸۹	شرائط کا بیان
	فرعون کا نام	۳۹۰	باجماعت نماز پڑھنے کے فوائد

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۴۳۲	والنصارى (۳)	۴۱۷	کل کاٹوی مٹی
۴۳۳	صہبیین کے دین کی تحقیق	۴۱۸	نبی علیہ السلام کی اصل کے صدق کی تحقیق
۴۳۵	ایمان لائے ہوئے لوگوں کے ایمان لانے کی توجیہ	۴۲۰	بنو اسرائیل کے لیے سمندر چرنے کا بیان
۴۳۵	آیا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے سے موجودہ	۴۲۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام و نسب کا بیان
۴۳۵	یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات ہو جائے گی	۴۲۱	تورات کا نزول اور بنو اسرائیل کی کوسلہ پرستی
۴۳۵	نجات کے لیے صرف کسی دین کی طرف منسوب	۴۲۲	بنو اسرائیل کی قبولیت توبہ کا بیان
۴۳۶	ہونا کافی نہیں ہے	۴۲۳	واذ قلتم یا موسیٰ لن نؤمن لک (۵۵-۵۶)
۴۳۶	واذا اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم	۴۲۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معذرت کے لیے ستر
۴۳۸	الطور (۳-۳۳)	۴۲۵	بنو اسرائیل کو طور پر لے جانا
۴۳۸	مدد اور میثاق کے معنی	۴۲۵	ستر اسرائیلیوں کا وہ ہار زندہ ہونا ان کے ملک
۴۳۸	کتبوں کو نازل کرنے سے مقصود عمل ہے	۴۲۵	ہونے کے متعلق نہیں
۴۳۸	کیا بنو اسرائیل کے سروں پر پہاڑ کو معلق کر کے	۴۲۶	میدان تیار میں بنو اسرائیل کی سرگردانی کا پس
۴۳۹	ان سے تورات کو قبول کرانا ان کے اختیار کے	۴۲۶	منظر و پیش منظر اور اللہ کی نعمتوں کا بیان
۴۳۹	متعلق نہیں تھا؟	۴۲۸	بنو اسرائیل کا حد کو منہ نہ کرنا
۴۴۰	موجودہ بندوں کے مسخ شدہ اسرائیلی ہونے یا نہ	۴۲۸	بنو اسرائیل پر ظالموں کا عذاب
۴۴۲	ہونے کی تحقیق	۴۲۸	ظالموں کے حلق احلیث
۴۴۲	تسخیر اور تملیح کا بیان	۴۲۹	ظالموں کے حلق قدیم علماء اور جدید میٹیکل
۴۴۲	حیلہ کی تحقیق	۴۳۰	سائنس کی تحقیق
۴۴۵	قرآن اور سنت میں حیلہ کا ثبوت	۴۳۰	ظالموں کا علاج
۴۴۶	حیلہ کی تعریف اور اس کی اقسام	۴۳۰	واذا سنسقی موسیٰ لقومہ (۳-۳۳)
۴۴۶	فقہاء کے بیان کئے ہوئے بعض حیلے	۴۳۱	زمین سے پانی نکالنے میں حضرت موسیٰ کا مجرہ اور
۴۴۷	حیلہ استقامت کی تحقیق	۴۳۱	اس کے مقابلہ میں ہارے نبی کا مجرہ
۴۴۸	واذ قال موسیٰ لقومہ ان اللہ بامرکم (۷)	۴۳۲	یہودیوں کے عیہوں کو قتل کرنے پر تورات کی
۴۴۹	بنو اسرائیل کے گئے نزع کرنے کا بیان	۴۳۲	شہادت
۴۵۰	بنو اسرائیل کی گئے کا بیان	۴۳۳	یہودیوں پر ذلت مسلط کئے جانے کے وجود
۴۵۱	گئے نزع کرنے کے واقعہ سے استنبلا شدہ مسائل	۴۳۳	اسرائیل کی حکومت کی توجیہ
			ان الذین امنوا والذین ہادوا

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۴۵۸	ولقد اتینا موسیٰ الکتب (۸۸-۸۷)	۴۵۱	واذ قتلتم نفسا فادارء تم فیہا (۷۳-۷۲)
۴۵۹	عیسیٰ، مریم اور روح القدس کے معنی	۴۵۲	گائے کا ایک عضو مقتول پر مارنے سے اس کا زندہ ہونا
۴۵۹	انبیاء کرام سے یہود کے عناد رکھنے کا بیان	۴۵۲	گائے ذبح کر کر مقتول کو زندہ کرنے کی حکمت
۴۶۰	آیات مذکورہ سے مسائل کا استنباط	۴۵۲	پتھروں، درختوں اور جانوروں کا اور اک اور ان کا
۴۶۰	ولما جاء ہم کتاب من عند اللہ (۹۰-۸۹)	۴۵۳	آپ کی رسالت کی گواہی دینا
۴۶۱	ہمارے نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا کا قبول ہونا	۴۵۴	افتطمعون ان یؤمنوا لکم (۷۹-۷۵)
۴۶۲	خلاصہ آیات اور استنباط مسائل	۴۵۴	آیات مذکورہ کا شان نزول
۴۶۲	واذا قیل لہم امنوا بما انزل اللہ (۹۳-۹۱)	۴۵۴	بنو اسرائیل کی تحریف کا بیان
۴۶۳	تورات پر یہود کے دعویٰ ایمان کا رد اور ابطال	۴۵۸	یہود کے نفاق کا بیان
۴۶۴	قرآن کے احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ	۴۵۹	امی اور امینہ کا بیان
۴۶۵	قل ان کانت لکم الدار الاخرۃ (۹۴-۹۳)	۴۵۹	ویل کا معنی
۴۶۵	یہودیوں کے اس دعویٰ کا رد کہ جنت کے صرف وہی مستحق ہیں	۴۶۰	وقالوا لن تمسنا النار (۸۳-۸۰)
۴۶۵	قرآن مجید کی صداقت اور ہمارے نبی ﷺ کی صداقت کی دلیل	۴۶۱	عذاب یہود کے مزعمہ چند دنوں کا بیان
۴۶۶	حصول شہادت کے لیے موت کی تمنا کا استحباب	۴۶۱	بلا توبہ مرتکب کبیرہ مرنے والوں کے دائمی عذاب پر معتزلہ کا استدلال اور اس کا جواب
۴۶۶	اور مصیبت سے گھبرا کر موت کی تمنا کی ممانعت	۴۶۲	واذاخذنا میثاق بنی اسرائیل (۸۳)
۴۶۷	قل من کان عدوا للجبریل (۱۰۱-۹۷)	۴۶۲	ربط آیات
۴۶۸	یہود کا جبرائیل کو اپنا دشمن کہنا	۴۶۴	والدین کی اطاعت پر ثواب کے متعلق احادیث
۴۶۸	جبرائیل کو دشمن کہنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب	۴۶۴	ماں باپ کی نافرمانی پر عذاب کے متعلق احادیث
۴۸۰	ہمارے نبی ﷺ کی نبوت پر دلیل	۴۶۴	رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق احادیث
۴۸۱	یہودیوں کا آپ پر ایمان لانے کے عہد کو توڑنا	۴۶۶	واذاخذنا میثاقکم لا تسفکون
۴۸۱	واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملک	۴۶۶	دماء کم (۸۶-۸۳)
۴۸۱	سلیمان (۱۰۳-۱۰۲)	۴۶۸	یہود مدینہ کا ایک دوسرے کو قتل کر کے میثاق توڑنے کا بیان

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۰۴	حج کی تحقیق	۴۸۴	حجرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جلد کی نسبت کی تحقیق
۵۰۴	حج کے دو معنی	۴۸۴	حج کے لغوی معنی
۵۰۵	حج اور بداء کا فرق	۴۸۴	حج کے شرعی معنی
۵۰۷	حج کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف	۴۸۵	حج کی تحقیق میں مذاہب، حج کے دلائل اور ان پر اعتراضات کے جوابات
۵۰۷	حج اور تہنصیف کا فرق	۴۸۵	حج کے شرعی حکم کی تحقیق
۵۰۸	حج اور تہنصیف کا فرق	۴۸۸	حج کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ
۵۰۸	عرف اور تعال کا بدلنا حج نہیں ہے	۴۸۸	حج کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ
۵۰۹	قرآن مجید کی آیات منسوخہ کی تعداد میں اختلاف کا غناء	۴۸۹	حج کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ
۵۰۹	الم نعلم ان اللہ له ملک السموت والارض (۳۷-۳۷)	۴۸۹	حج کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ
۵۱۰	رہب آیات	۴۹۱	مذاہب اربعہ کا خلاصہ اور تجزیہ
۵۱۱	نبی ﷺ سے سوالات کی ممانعت کا محمل	۴۹۲	ہادوت اور ہادوت پر حج کو نازل کرنے کی حکمت
۵۱۲	حسد کی تحقیق	۴۹۲	ہادوت اور ہادوت کی معصیت کی روایت
۵۱۳	حسد کے متعلق احادیث اور آثار	۴۹۲	ہادوت اور ہادوت کی معصیت کی روایت کا قرآن مجید سے بطلان
۵۱۴	حسد کے مراتب	۴۹۳	ہادوت اور ہادوت کی معصیت کی روایت پر بحث و نظر
۵۱۵	حسد کے اسباب	۴۹۴	علم کے تقاضوں پر عمل نہ کرنا حکماً جہل ہے
۵۱۶	حسد کو زائل کرنے کا علاج	۴۹۴	اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کا فرق
۵۱۶	کافروں اور مشرکوں کی زیادتی سے نبی ﷺ کا درگزر کرنا	۴۹۴	یا ایہا الذین آمنوا لا نقولوا راعنا (۳۵-۳۵)
۵۱۷	حضور اور درگزر کا منسوخ ہونا	۴۹۴	راہا کرنے کی ممانعت اور انکار کرنے کا حکم
۵۱۸	محض معاملہ میں زیادتی سے درگزر کرنا اور دین کے معاملہ میں رعایت نہ کرنا	۴۹۶	رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے شرعی حکم کی تحقیق
۵۱۹	آخرت کے لیے نیکیوں کا سمجھا	۴۹۸	گستاخانہ کلام میں توہین کی نیت کی بحث
۵۲۰	وقالت لیہود لیست بنصری (۳۳)	۵۰۱	ہا نسیخ من ایہا ونسیہا (۳۶)
۵۲۱	یہود و نصاریٰ کا فرق میں جٹا	۵۰۲	
۵۲۱	ملت اسلامیہ کا بیان اور اسلامی فرقوں کی تحقیق		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۲۵	(۱۳۲-۱۳۳) نسبت ابراہیم کی وجہ سے یہود، نصاریٰ اور مشرکین پر دین اسلام کا حجت ہونا	۵۲۶	شریعت، طریقت اور حقیقت کا بیان
۵۲۶	ان کلمات کا بیان جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی گئی	۵۲۶	ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ (۱۱۵-۱۱۳)
۵۲۷	امام کا لغوی معنی	۵۲۷	آیت مذکورہ کے شان نزول کی تحقیق
۵۲۸	اہل سنت کے نزدیک امام کا شرعی معنی	۵۲۷	ذکر بابہر کی تحقیق
۵۲۸	اہل تشیع کے نزدیک امامت کا شرعی معنی اور بحث و نظر	۵۲۹	مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق مذاہب ائمہ
۵۲۹	امام کے معصوم ہونے پر علماء شیعہ کے دلائل اور بحث و نظر	۵۲۹	وللہ المشرق والمغرب کے شان نزول کا بیان
۵۵۱	علماء شیعہ کے نزدیک اللہ اور رسول کی تصریح سے	۵۳۰	چلتی ہوئی ٹرین میں فرض نماز پڑھنے کا جواز
۵۵۲	امام کا تقرر اور بحث و نظر	۵۳۲	وقالوا اتخذ اللہ ولدا (۱۱۹-۱۱۶)
۵۵۳	علماء شیعہ کے نزدیک امام کو مقرر کرنے کا اللہ پر وجوب اور بحث و نظر	۵۳۳	اللہ تعالیٰ کی اواداء نہ ہونے پر دلائل
۵۵۴	اہل تشیع کے بارہ اماموں کا بیان	۵۳۳	ابداع اور بدعت کا معنی
۵۵۵	اہل سنت کے نزدیک امامت کو منعقد کرنے کے طریقے	۵۳۴	بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام
۵۵۶	امامت کے مسائل	۵۳۵	سنت کی تعریف، اس کی اقسام اور اس کا شرعی حکم
۵۵۶	امامت کے وجوب پر دلائل	۵۳۶	ڈاڑھی میں قبضہ کی بحث
۵۵۷	کیا اب امام نہ بنانے کی وجہ سے پوری امت گمراہ ہے؟	۵۳۷	کیا ترک سنت کی سزا شفاعت سے محرومی ہے؟
۵۵۸	فاسق کی امامت امت میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۵۳۷	کن فیکون کی تحقیق
۵۵۹	فاسق کی امامت امت میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۵۳۸	مشرکین کے فرمائشی معجزات اور مطالبات پورا نہ کرنے کی وجہ
۵۶۰	فاسق کی امامت امت میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۵۴۰	نبی ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کی بحث
۵۶۱	فاسق کی امامت امت میں فقہاء حنفیہ کا نظریہ	۵۴۳	ولن ترضی عنک الیہود (۱۳۱-۱۳۰)
۵۶۲	فاسق کی امامت نماز میں ائمہ مالکیہ کا نظریہ	۵۴۳	یہود و نصاریٰ کی عدم اطاعت کی خبر کا قرب قیامت میں ان کے ایمان لانے کی آیت سے تعارض اور اس کا جواب
۵۶۲	فاسق کی امامت نماز میں ائمہ حنبلیہ کا نظریہ	۵۴۴	بعض آیات میں بہ ظاہر رسول اللہ ﷺ سے اور حقیقت میں مسلمانوں سے خطاب ہونا
۵۶۳	فاسق کی امامت نماز میں ائمہ شافعیہ کا نظریہ	۵۴۴	تورات اور انجیل کی تلاوت کا ناجائز ہونا اور قرآن مجید کی تلاوت کے آداب
۵۶۳	فاسق کی امامت نماز میں ائمہ حنفیہ کا نظریہ	۵۴۴	یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی النی

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۸۰	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں کی سوانح	۵۴۸	حضرت ابراہیم کے مطلقاً ذریت کے لیے دعا کرنے کی توجیہ
۵۸۱	جبریل اور قدریہ کے نظریہ کا رد	۵۴۸	واذجعلنا البيت مثابة للناس وامنا
۵۸۱	کسی کے گناہ کی سزا دوسرے کو نہ دینا	۵۴۹	حرم میں قصاص لینے اور حدود جاری کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ
۵۸۲	قرآن اور حدیث کی بناء پر اکابر علماء سے اختلاف کرنے کا جواز	۵۴۹	مقام ابراہیم کے تعیین کی تحقیق
۵۸۲	وقالوا کونوا ہونا او نصاریٰ (۳۵-۳۷)	۵۵۰	آیا کہ کرمہ ابتداء آفرینش سے حرم ہے یا
۵۸۵	ضیف کا معنی	۵۵۱	حضرت ابراہیم کی دعا کے بعد سے؟
۵۸۵	تمام انبیاء پر ایمان لانے کی وجہ	۵۵۲	واذیرفع ابراہیم القواعد (۳۷-۳۸)
۵۸۶	باقی انبیاء پر جو نازل کیا گیا اس پر ایمان لانے کے محال	۵۵۲	تفسیر کعبہ کی تاریخ کے متعلق روایات کا بیان
۵۸۶	اللہ کی مثل پر ایمان لانے میں مشکل اور اس کے جوابات	۵۵۲	حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے مسلمان
۵۸۶	صبغة اللہ من احسن من اللہ صبغة (۳۸-۳۹)	۵۵۲	کرنے کی دعا پر اعتراض اور اس کا جواب
۵۸۸	صبغة اللہ (اللہ کا رنگ) کی تفسیر	۵۵۵	اپنی اولاد کے لیے دعا کی تخصیص کا جواب
۵۸۸	اخلاص کا معنی	۵۵۵	حضرت ابراہیم کو منکح حج کی تعلیم کا بیان
۵۸۹	حضرت ابراہیم اور اسماعیل و عیسیٰ کے دین یسویت	۵۵۵	ربنا وابعث فیہم رسولا (۳۹)
۵۸۹	اور عیسائیت پر نہ ہونے کا بیان	۵۵۶	حضرت ابراہیم نے جس عظیم رسول کی بعثت کی
۵۹۰	اس شہادت کا بیان جس کو یہودیوں اور عیسائیوں نے چھپایا	۵۵۶	دعا کی وہ سیدنا محمد ﷺ ہیں
۵۹۰	ایک شخص کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچنے کی تحقیق	۵۵۶	فل کہ میں ہی سے رسول کو مبعوث کرنے کی حکمت
۵۹۲	سبقول السفہاء من الناس (۳۲-۳۳)	۵۵۶	نماز میں حضرت ابراہیم پر صلوٰۃ کی تخصیص اور ان کے ساتھ تشبیہ کی حکمتیں
۵۹۲	آیا کہ کرمہ میں ابتداء آپ کا قبلہ کعبہ تھا یا بیت المقدس؟	۵۵۶	کلب و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس کی تشریح
۵۹۳	تحویل قبلہ کا بیان	۵۵۸	ومن یرغب عن ملقا ابراہیم (۳۴-۳۵)
۵۹۳	تحویل قبلہ سے حلق مساف	۵۵۸	ملک کا معنی
۵۹۳	نماز کے لیے کسی ایک جہت کی طرف نہ کرنے	۵۵۸	ملک ابراہیم سے انحراف کا حکمت ہونا
۵۹۵	کے اسرار	۵۵۹	تمام انبیاء کا پیدائشی مومن ہونا
		۵۵۹	ووصی بہا ابراہیم بنیہ (۳۳-۳۴)

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۴۱۴	تمام نعمت کا مصداق	۵۹۵	کعبہ کو قبلہ بنانے کے اسرار
	دعائے ابراہیم میں تزکیہ کا موخر ہونا اور دعائے	۵۹۶	استقبال قبلہ کے فقہی مسائل
۴۱۵	استجاب میں مقدم ہونا	۵۹۷	کعبہ کا اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے جانا
۴۱۶	نبی اور رسول کی تعریف	۵۹۸	امت مسلمہ کا باقی امتوں پر گواہ ہونا
۴۱۷	نبی اور رسول کو مبعوث کرنے کی حکمتیں		دین اسلام اور مسلک اہل سنت و جماعت کا سب
۴۱۸	نبی کی شرائط	۵۹۹	سے افضل ہونا
۴۱۸	ہر نبی کے پیدائشی نبی ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق		عدالت صحابہ اور حجیت اجماع
	نبیوں، رسولوں، کتابوں اور صحیفوں کی تعداد کی		قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں پچھلی امتوں
۴۱۹	تحقیق		اور اس امت کے افعال اور احوال کا نبی ﷺ پر
۴۲۱	ذکر کی اقسام اور ذکر کے متعلق اقوال	۶۰۰	پیش کیا جانا
	یا یہا الذین آمنوا استعینوا بالصبر		بعض ترجموں سے اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی کا مشکل
۴۲۳	والصلوة (۱۵۷-۱۵۳)	۶۰۳	اور اس کے جوابات
۴۲۳	ربط آیات	۶۰۴	اہل کتاب پر تحویل قبلہ کے بھاری ہونے کی وجہ
	اللہ کے نزدیک موت اور حیات کا معنی اور شان	۶۰۴	نمازوں پر ایمان کے اطلاق کی توجیہ
۴۲۴	نزل	۶۰۵	قلندری نقشب و جھک (۱۳۶-۱۳۴)
۴۲۴	برزخ میں حیات کا بیان	۶۰۶	نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی تحقیق
۴۲۵	اولیاء اللہ کی جسمانی حیات کا بیان	۶۰۶	اہل کتاب کو تحویل قبلہ کے برحق ہونے کا علم
۴۲۵	شہداء کی حیات کا بیان	۶۰۶	علماء سے معصیت کے صدور کا زیادہ قبیح ہونا
	شہادت کے بعد بعض جسموں کے تغیر سے ان کی	۶۰۶	اہل کتاب کا نبی ﷺ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانا
۴۲۶	حیات پر معارضہ کا جواب		الحق من ربک فلا نکونن من
	سبز پرندوں میں شہید کی روح کے متمثل ہونے	۶۰۹	الممترین (۱۵۲-۱۴۷)
۴۲۷	سے تلخ کا جواب		قبلہ کے بارے میں شک کرنے کی ممانعت کی
۴۲۷	انبیاء علیہم السلام کی حیات کا بیان	۶۱۰	توجیہ
	حیات انبیاء پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے	۶۱۱	اللہ کی ذات کا حضور کے لیے قبلہ ہونا
۴۳۰	گرنے سے معارضہ کے جوابات	۶۱۱	پانچوں نمازوں کے مستحب اوقات
	وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کے دکھائی دینے		کعبہ کی طرف منہ کرنے کے حکم کو تین بار ذکر
۴۳۰	کی کیفیت کا بیان	۶۱۲	کرنے کی حکمتیں

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۴۲۸	ان الذین کفروا و ماتوا وهم کفار (۲۱۱-۲۱۳)	۴۳۱	شہید کا معنی
۴۲۹	مردہ کافروں پر لعنت کرنے کا جواز اور زندہ کافروں پر لعنت کرنے کی ممانعت	۴۳۲	شہداء کی تعداد کا بیان
۴۵۰	مسلمانوں پر لعنت کرنے کی ممانعت	۴۳۳	شہید کے متعلق فقہی احکام
۴۵۲	کفار کے عذاب میں تخفیف نہ ہونے پر دلائل	۴۳۴	علم اور شعور کا فرق
۴۵۳	اور ابولہب وغیرہ کے عذاب میں تخفیف کے جوابات	۴۳۵	دنیا میں مصائب پیش آنے کی وجوہات
۴۵۳	واحد کا معنی اور لا الہ الا اللہ پڑھنے کی فضیلت	۴۳۶	صبر کے معنی اور مصیبت پر صبر کرنے کی فضیلت
۴۵۴	ان فی خلق السموات والارض (۲۱۴)	۴۳۷	انا لله وانا الیہ راجعون پڑھنے کی فضیلت
۴۵۴	اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی وحدت اور اس کے علم پر دلائل	۴۳۸	صلوٰۃ کا معنی اور غیر انبیاء پر صلوٰۃ بھیجنے کی شرعی حیثیت
۴۵۵	ومن الناس من يتخذ من دین الله	۴۳۹	موجہ ماتم کی شرعی حیثیت
۴۵۶	مومن کے نزدیک محبوبین کے مدارج	۴۳۹	ان الصفا والمروة من شعائر الله (۱۵۸-۱۶۰)
۴۵۶	البقرہ کی آیت : ۲۵ کے متعدد نحوی تراکیب کے اعتبار سے آٹھ معانی	۴۴۰	ربط آیات
۴۵۷	گمراہ کرنے والے متبوعین کا اپنے تابعین سے قیامت کے دن بری ہونا	۴۴۱	صفا اور مردہ کے معنی
۴۵۸	یا ایہا الناس کلوا مما فی الارض (۱۷۸-۱۷۹)	۴۴۲	حج اور عمرہ کا لغوی اور شرعی معنی
۴۵۹	ربط آیات	۴۴۳	شوال میں عمرہ کرنے والے پر استطاعت کے بغیر حج فرض ہونے کی تحقیق
۴۵۹	حلال اور طیب اور گناہ اور بدعت کا معنی	۴۴۴	یہ فرمانے کی وجہ کہ صفا اور مردہ میں سعی گناہ نہیں ہے
۴۶۰	سوء اور فحشاء کا معنی	۴۴۵	صفا اور مردہ کے درمیان سعی میں مذاہب ائمہ
۴۶۱	تقلید کی تعریف	۴۴۶	علم چھپانے پر وعید کا بیان
	ومثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق (۱۷۱-۱۷۳)	۴۴۷	باحل لوگوں کے سامنے علم اور حکمت کو بیان کرنے کی ممانعت
		۴۴۸	لعنت کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کے شرعی احکام
			توبہ کے قبول ہونے کے لیے گناہ کو ترک کرنے اور اس کی تلافی کرنے کی شرط

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۶۷۹	المشرق والمغرب (۱۷۷)	۶۶۱	نلق کا معنی
۶۸۰	آیت مذکورہ کے شان نزول کے متعلق اقوال	۶۶۲	حرام کھانے کا وہل
۶۸۰	اللہ تعالیٰ، یوم آخرت، فرشتوں، کتابوں اور نبیوں پر ایمان لانے کا معنی	۶۶۳	حرام کئے ہوئے مردہ جانوروں میں سے مستثنیات
۶۸۱	رشتہ داروں پر مال خرچ کرنے کی فضیلت	۶۶۳	کامیان
۶۸۲	یتیم، مسکین اور ابن السبیل کا معنی	۶۶۳	عزیر کی تحقیق
۶۸۲	سوال کرنے کی جائز حد	۶۶۴	سطح آب پر آنے والی مردہ مچھلی کا شرعی حکم
۶۸۳	سائلین کو دینے کے متعلق مصنف کی تحقیق	۶۶۴	ملکی اور غیر ملکی صانیوں کو استعمال کرنے کا شرعی حکم
۶۸۴	غلام آزاد کرنے، نماز پڑھنے اور زکوٰۃ وغیرہ کے معانی	۶۶۵	بہائے ہوئے خون کا بلا جمع حرام ہونا
۶۸۴	یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم	۶۶۶	ضرورت کی وجہ سے ایک شخص کے جسم میں دوسرے شخص کے خون کو منتقل کرنے کا جواز
۶۸۵	القصاص فی القتل (۱۷۸-۱۷۹)	۶۶۶	حرام چیزوں سے علاج کی ممانعت کے متعلق احادیث
۶۸۵	آیات مذکورہ کا شان نزول	۶۶۷	فقہاء اسلام کے نزدیک احادیث مذکورہ کا محمل
۶۸۵	غلام اور ذی کے خون کا قصاص نہ لینے کے حق میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل	۶۶۷	ضرورت کے وقت حرام چیزوں سے علاج کے متعلق احادیث اور فقہاء اسلام کی تشریحات
۶۸۵	غلام اور ذی کے قصاص کے متعلق امام ابو حنیفہ کا مذہب	۶۶۸	صحت اور زندگی کی حفاظت کا حکم باقی تمام احکام پر مقدم ہے
۶۸۶	آزاد سے غلام کا قصاص لینے کے ثبوت میں قرآن اور سنت سے دلائل	۶۶۸	اللہ کی دی ہوئی رخصت پر عمل کرنا واجب ہے
۶۸۶	آزاد سے غلام کا قصاص نہ لینے کے متعلق ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب	۶۶۹	وما اهل به لغير الله کی تحقیق
۶۸۸	مسلمان سے ذی کا قصاص لینے کے متعلق قرآن اور سنت سے دلائل	۶۷۰	ان الذین یکتبون ما انزل اللہ من الکتاب (۱۷۶-۱۷۷)
۶۸۹	متعدد لوگوں کی جماعت سے ایک شخص کے قصاص لینے کا بیان	۶۷۱	تورات میں نبی ﷺ کے اوصاف کو چھپانے کا گناہ ہونا
۶۹۰	سلاطین اور حکام سے قصاص لینے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۷۲	اللہ تعالیٰ کے کلام نہ کرنے اور نظر نہ فرمانے کی توجیہ
		۶۷۳	لیس البر ان تولوا وجوهکم قبل

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۷۰۷	انجیکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹنے کا بیان	۷۹۱	قصص لہذا حکومت کا منصب ہے
۷۰۸	مریض کے روزہ قضاء کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ	۷۹۱	کیفیت قصص اور آلہ قتل میں ائمہ مذاہب کی
۷۰۹	مسافر کے روزہ قضاء کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ	۷۹۳	آرام اور ان کے وظائف
۷۱۰	الذین یطیقونہ کے معنی کی تحقیق میں احادیث اور آثار	۷۹۴	ولی مقول کے معنی کی تفصیل
۷۱۲	برہائے یاد آگئی مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کے متعلق مذاہب ائمہ	۷۹۴	وہت کی مقدار اور عاتلہ کا بیان
۷۱۵	شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن (۱۸۵)	۷۹۵	کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت (۱۸۰-۱۸۲)
۷۱۶	رمضان کے اسرار و رموز اور رمضان میں نزول قرآن کا بیان	۷۹۵	ربط آیات اور خلاصہ تفسیر
۷۱۷	قطبین میں روزہ اور نماز کی تحقیق	۷۹۵	وصیت کالغوی اور شرعی معنی
۷۱۷	سعودی عرب کے حساب سے روزہ رکھتا ہوا	۷۹۵	وصیت کی اقسام
۷۱۷	پاکستان آیا تو عید کس حساب سے کرے گا؟	۷۹۶	وصیت کی شرائط اور رکن
۷۱۷	پاکستان سے روزہ رکھتا ہوا سعودی عرب گیا تو عید کس حساب سے کرے گا۔	۷۹۶	وصیت کا لزوم
۷۱۸	سعودی عرب سے عید کے دن سوار ہو کر پاکستان آیا اور یہاں رمضان ہے	۷۹۶	در ثاء کے لیے وصیت کا منسوخ ہونا اور غیر در ثاء کے لیے تہائی مال کی وصیت کا استحباب
۷۱۸	روزہ کی رخصت کے لیے شرعی مسافت کا بیان	۷۹۷	احادیث کی روشنی میں وصیت کے احکام
۷۱۸	میت کی طرف سے روزے رکھنے میں مذاہب ائمہ	۷۹۷	یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام (۱۸۳-۱۸۴)
۷۱۹	حاملہ اور مرض کے لیے روزہ کی رخصت میں مذاہب ائمہ	۷۹۹	ربط آیات
۷۲۰	اسلام دین یسر ہے	۷۹۹	روزہ کالغوی اور شرعی معنی اور اس کی مشروعیت کی تاریخ
۷۲۲	عید گاہ جاتے ہوئے تکبیرات پڑھنے میں مذاہب ائمہ	۷۹۹	رمضان اور روزوں کے فضائل کے متعلق احادیث
		۷۰۰	بعض نقلی روزوں کی فضیلت
		۷۰۳	بعض ایام میں روزہ رکھنے کی ممانعت
		۷۰۵	روزہ کے اسرار و رموز
		۷۰۵	روزہ کے فضلو و عدم فضلو کے بعض ضروری مسائل

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۷۲۲	رشوت کی اقسام	۷۲۳	واذا سالک عبادی عنی فانی قریب (۱۸۶-۱۸۷)
۷۲۳	قاضی اور دیگر سرکاری افسروں کے ہدیہ قبول کرنے کی تحقیق	۷۲۴	شان نزول
۷۲۴	قضاء کے ظاہر اور باطن "نافذ ہونے میں مذاہب ائمہ	۷۲۴	اللہ سے دعا کرنے کے متعلق احادیث
۷۲۴	قضاء کے ظاہر اور باطن "نافذ ہونے میں فقہاء احناف کا موقف	۷۲۵	ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق احادیث
۷۲۴	جن صورتوں میں فقہاء احناف کے نزدیک قضاء ظاہر اور باطن "نافذ ہو جاتی ہے	۷۲۶	فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق احادیث
۷۲۵	فقہاء احناف کے نزدیک قضاء کے ظاہر اور باطن "نافذ ہونے کی شرائط	۷۲۶	فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء
۷۲۶	قضاء باطنی کے نفاذ میں فقہاء احناف کے دلائل اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا تجزیہ	۷۳۰	طلب جنت کی دعا کرنے کا قرآن اور سنت سے بیان
۷۵۰	یسئلونک عن الاہلۃ (۱۸۹-۱۹۰)	۷۳۱	دعا قبول ہونے کی شرائط اور آداب
۷۵۰	اسلامی تقویم کا بیان	۷۳۳	دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات
۷۵۱	اپنی طرف سے عبادت کے طریقے مقرر کرنے کی مذمت	۷۳۵	روزہ کی رات میں سونے کے بعد کھانے پینے اور عمل زوجیت کی اجازت
۷۵۱	اجازت جہاد کی پہلی آیت کا بیان	۷۳۶	سفید دھاگے اور کالے دھاگے کا بیان
۷۵۲	قتل اور جہاد میں بچوں، بوڑھوں، اور عورتوں وغیرہ کو قتل کرنے کی ممانعت	۷۳۸	اعتکاف کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کی اقسام
۷۵۳	ہجرت سے پہلے قتل کرنے کی ممانعت	۷۳۸	اعتکاف کی شرائط
۷۵۴	واقتلوہم حیث ثقتہم (۱۹۱-۱۹۳)	۷۳۸	اعتکاف کے آداب
۷۵۴	خلاصہ آیات	۷۳۹	اعتکاف کے مفادات
۷۵۴	حرم میں ابتداء "قتل کرنے کی ممانعت کا منسوخ ہونا اور کفار سے مدافعت جنگ کا جائز ہونا	۷۳۹	اعتکاف کے بعض ضروری مسائل
۷۵۴	الشہر الحرام بالشہر الحرام (۱۹۳-۱۹۵)	۷۴۰	ولا تاكلوا اموالکم بینکم بالباطل (۱۸۸)
۷۵۴	حرمت والے مہینوں کا بیان	۷۴۰	مل حرام کھانے کی حرمت
		۷۴۰	مل حرام سے صدقہ کرنے کا شرعی حکم
		۷۴۱	رشوت کا معنی
		۷۴۱	قرآن مجید کی روشنی میں رشوت کا حکم
		۷۴۲	احادیث اور آثار کی روشنی میں رشوت کا حکم

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۷۷۲	فرضیت حج کے سبب میں ائمہ مذاہب کے اقوال	۷۵۵	خود کو ہلاکت میں ڈالنے کی تفسیر
۷۷۳	ایام حج میں نقش باتیں، گناہ اور جھگڑا کرنے کی ممانعت	۷۵۸	وانموا الحج والعمرة لله (۱۹۱)
۷۷۳	حج کے لیے سفر خرچ تیار کرنے کا حکم	۷۵۹	فرضیت حج کی تاریخ اور حج کی اقسام
۷۷۴	حج کے دوران روزی کمانے کا جواز	۷۵۹	احرام میں ممنوع کام
۷۷۴	مشعر حرام کا بیان	۷۶۰	احرام میں جائز کام
۷۷۵	نسلی برتری کے تقاخر کا ناجائز ہونا	۷۶۰	احرام میں مستحب کام
۷۷۶	فاذا قضیت مناسککم فاذکروا اللہ (۲۰۰-۲۰۳)	۷۶۰	عمو کرنے کا طریقہ
۷۷۶	دوزخ سے پناہ اور جنت کی طلب کی دعا کرنا انبیاء کرام اور صحابہ عظام کا طریقہ ہے	۷۶۱	حج کرنے کا طریقہ
۷۷۹	اللہ کے جلد حساب لینے کی تفسیر	۷۶۲	مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نمازوں کا اجر و ثواب
۷۷۹	تکبیرات تشریق میں مذاہب ائمہ	۷۶۲	رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا طریقہ
۷۸۱	ذکر بالہر میں امام ابو حنیفہ کا موقف	۷۶۲	”احصار“ (حج یا عمرہ کے سفر میں پیش آنے والی رکاوٹ) کی تعریف میں مذاہب ائمہ
۷۸۲	قیام منیٰ کی مدت کا بیان	۷۶۵	امام ابو حنیفہ کے موقف پر ائمہ لغت کی تصریحات
۷۸۲	خجاج کرام کے اجر و ثواب اور ان سے مصافحہ کرنے کے متعلق احادیث و آثار	۷۶۶	امام ابو حنیفہ کے موقف پر احادیث سے استدلال
۷۸۳	رسول اللہ ﷺ پر سلام عرض کرنے اور شفاعت طلب کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۷۶۶	امام ابو حنیفہ کے موقف پر آثار صحابہ سے استدلال
۷۸۴	ومن الناس من یعجبک قوله فی الحیوة الدنیا (۲۰۴-۲۰۶)	۷۶۸	امام ابو حنیفہ کے موقف پر اقوال تابعین سے استدلال
۷۸۵	دنیا اور آخرت کو برپا کرنے والا	۷۶۹	امام ابو حنیفہ کے موقف کی ہمہ گیری اور معقولیت
۷۸۵	الا لد الخصام (خت جھگڑالو) کا بیان	۷۶۹	مُحَرَّر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں امام ابو حنیفہ کا مسلک
۷۸۶	ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللہ (۲۱۰-۲۰۷)	۷۷۰	مُحَرَّر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب
۷۸۶	رضاء الہی کی خاطر دنیا ترک کرنے والا	۷۷۰	ضرورت کی وجہ سے منیٰ میں پہنچنے سے پہلے سر منڈوانے کی رخصت
۷۸۶	دین اسلام کے ساتھ کسی اور دین کی رعایت یا	۷۷۱	حج تمتع کا بیان
		۷۷۲	الحج اشہر معلومات (۱۹۹-۱۹۷)
		۷۷۲	حج کے مہینوں کے متعلق فقہاء امت کے نظریات

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۸۰۵	مرتد کی تعریف اور اس کا شرعی حکم	۷۸۸	موافقت کا جائز ہونا
۸۰۶	قتل مرتد پر قرآن اور سنت سے دلائل	۷۸۹	بیعت کی تفسیر
۸۰۶	مرتد کو قتل کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور	۷۸۹	بدلوں کے ساتھ عذاب کی تمثیل کا بیان
۸۰۶	فقہاء احناف کے دلائل	۷۹۰	صل بنی اسرائیل کم انینہم من ایتہ
۸۰۶	کیا مرتد کو قتل کرنا آزادی فکر کے خلاف ہے	۷۹۰	بینۃ (۲۳۳-۲۳۴)
۸۰۸	ارتداد سے نیک عمل ضائع ہونے کے متعلق	۷۹۰	بنو اسرائیل کا اللہ کی نعمتوں کو کفر سے تبدیل کرنا
۸۱۰	مذاہب فقہاء	۷۹۰	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ تبدیل کرنے کا
۸۱۰	دارالاسلام دارا لکفر اور دارالحرب کی تعریفات	۷۹۱	سبب
۸۱۰	یسئلونک عن الخمر والمیسر	۷۹۲	کان الناس امۃ واحدة (۲۳۳)
۸۱۰	(۲۱۹-۲۲۰)	۷۹۳	تاریخ انسانیت
۸۱۱	قرآن مجید سے خمر (شراب) کی تحریم کا بیان	۷۹۳	ابتداء میں نوع انسان کے دین حق پر ہونے کے
۸۱۲	احادیث سے خمر (شراب) کی تحریم کا بیان	۷۹۴	دلائل
۸۱۲	خمر کی تعریف میں ائمہ مذاہب کا نظریہ اور امام	۷۹۴	تمام انسانوں کا دین صرف اسلام ہے
۸۱۲	ابو حنیفہ کے موقف پر دلائل	۷۹۵	ام حسبکم ان تدخلوا الجنة (۲۳۳-۲۳۴)
۸۱۵	جوئے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کا بیان	۷۹۶	راہ حق میں پیش آنے والے مصائب
۸۱۶	لاٹری اور انعامی بانڈ وغیرہ کا شرعی حکم	۷۹۶	راہ خدا میں مال خرچ کرنے کے مصارف
۸۱۶	”غزو“ (زائد از ضرورت) کے محلی اور محال	۷۹۶	جہاد کی تعریف اور اس کی اقسام
۸۱۶	غزو کے لفظ سے سوشلزم کے جواز پر استدلال اور	۷۹۸	جہاد کرنے میں عزت اور جہاد ترک کرنے میں
۸۱۶	اس کا جواب	۷۹۸	ذلت کا بیان
۸۱۹	زیر کفالت یتیم کے ساتھ طرز معاشرت	۷۹۸	جہاد کے درجات اور اجر و ثواب کے متعلق
۸۲۰	ولا تنکحوا المشرک حتی یؤمن (۲۲۱)	۷۹۸	احادیث
۸۲۰	مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کے ساتھ	۸۰۰	یسئلونک عن الشهر المحرام قتال فیہ
۸۲۰	مسلمانوں کے نکاح کا عدم جواز	۸۰۱	(۲۱۷-۲۱۸)
۸۲۱	مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کے بلوجود	۸۰۱	ربط آیات اور شان نزول
۸۲۱	اہل کتاب سے نکاح کے جواز کی توجیہ	۸۰۱	حضری کے قتل کی تاریخ کی تحقیق
۸۲۲	ویسئلونک عن المحیض (۲۲۲-۲۲۳)	۸۰۳	حرمت والے مہینوں میں ممانعت قتل کے منسوخ
			ہونے کی تحقیق

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۸۳۹	قرء بہ معنی حیض کی تائید میں احادیث اور فقہاء احناف کے دلائل	۸۲۳	حیض کا حکم بیان کرنے کا شان نزول
۸۴۱	قرء کے معنی کی تفسیر میں دیگر ائمہ مذاہب کی آراء	۸۲۴	حیض کا لغوی اور اصطلاحی معنی
۸۴۲	اسلام میں عورتوں کے مردوں پر حقوق	۸۲۵	لیام حیض کی تفسیر میں مذاہب ائمہ
۸۴۶	اسلام میں مردوں کے عورتوں پر حقوق	۸۲۸	حیض، نفاس اور استحاضہ میں جلا خواتین کے مسائل
۸۴۹	آیا عورت پر مرد کی خدمت واجب ہے یا نہیں؟ حاصل بحث	۸۲۹	ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم (۲۲۳-۲۲۷)
۸۵۰	الطلاق مرتان (۲۳۰-۲۳۹)	۸۳۰	قسم کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور قسم کی شرائط اور ارکان
۸۵۰	طلاق کا لغوی معنی	۸۳۱	غیر اللہ کی قسم اور مستقبل اور ماضی میں طلاق اور عتاق کی قسم کھانے کی تحقیق
۸۵۰	طلاق کا اصطلاحی معنی	۸۳۲	یہین نموس (جھوٹی قسم)
۸۵۱	طلاق کی اقسام	۸۳۳	یہین لغو (بلا قصد قسم)
۸۵۱	طلاق کیوں مشروع کی گئی؟	۸۳۳	یہین منعقدہ (بالقصد قسم)
۸۵۲	صرف ناگزیر حالات میں طلاق دی جائے	۸۳۴	احکام شرعیہ کے اعتبار سے قسم کی اقسام
۸۵۲	صرف مرد کو طلاق کا اختیار کیوں دیا گیا؟	۸۳۴	ایلاء کا معنی اور ایلاء کے بعد وقوع طلاق میں فقہاء احناف کا موقف
۸۵۳	طلاق میں عورت کی رضامندی کا اعتبار کیوں نہیں ہے؟	۸۳۵	ایلاء کے بعد وقوع طلاق میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب اور دلائل اور فقہاء احناف کی طرف سے جوابات والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء (۲۲۸)
۸۵۴	خلع	۸۳۶	مطلقہ عورتوں کی عدت مقرر کرنے کا شان نزول
۸۵۴	قاضی اور حکمین کی تفریق	۸۳۶	مطلقہ عورتوں کی اقسام اور ان کی عدتوں کا بیان
۸۵۴	تین طلاقیں کی تحدید کی وجوہات، مصلح اور حکمیت	۸۳۸	عدت کا لغوی اور شرعی معنی اور عدت کے احکام
۸۵۵	سنت کے مطابق اور احسن طریقہ سے طلاق دینے کے فوائد	۸۳۸	عدت مقرر کرنے کی حکمتیں
۸۵۵	طلاق کی تدریج میں مرد کی اور تحدید میں عورت کی رعایت ہے	۸۳۹	قرء کے معانی کے متعلق ائمہ لغت کی تصریحات
۸۵۶	ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں کے نتائج		
۸۵۶	بہ یک وقت دی گئی تین طلاقیں کے حکم میں جمہور		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۸۵۷	بیک وقت دی گئی تین طلاقیں کے تین ہونے پر	۸۵۷	کا موقف
۸۵۸	جمہور کے قرآن مجید سے دلائل	۸۵۷	بہ یک وقت دی گئی تین طلاقیں میں شیخ ابن تیمیہ
۸۵۹	قرآن مجید سے استدلال پر اعتراض کے جوابات	۸۵۷	اور ان کے موافقین کا موقف
۸۶۰	بیک وقت دی گئی تین طلاقیں پر جمہور فقہاء	۸۵۸	بہ یک وقت دی گئی تین طلاقیں میں علماء شیعہ کا
۸۶۰	اسلام کے احادیث سے دلائل	۸۵۸	موقف
۸۶۲	حضرت عومیر کی حدیث سے استدلال پر اعتراض	۸۵۸	تین طلاقیں کو ایک طلاق قرار دینے پر شیخ ابن
۸۶۲	کے جوابات	۸۵۸	تیمیہ اور ان کے موافقین کے دلائل
۸۶۳	صحیحین کی ایک اور حدیث سے استدلال پر	۸۵۹	شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کے دلائل کے
۸۶۴	اعتراض کا جواب	۸۵۹	جوابات
۸۶۴	سید بن غفلہ کی روایت کی تحقیق	۸۶۰	زنا کی شہادت اور قسامت کی قسموں پر قیاس کے
۸۶۴	سنن نسائی کی روایت سے استدلال پر اعتراض کا	۸۶۰	جوابات
۸۶۴	جواب	۸۶۰	تبیح فاطمہ پر قیاس کے جوابات
۸۶۶	بیک وقت دی گئی تین طلاقیں کے واقع ہونے	۸۶۱	حضرت عمر پر عہد رسالت کے معمول کو بدلنے کے
۸۶۹	میں آثار صحابہ اور اقوال تابعین	۸۶۱	الزام کے جوابات
۸۶۹	حرف آخر	۸۶۱	صحیح مسلم کی زیر بحث روایت غیر صحیح اور مردود ہے
۸۸۰	واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن (۲۳۱-۲۳۲)	۸۶۲	صحیح مسلم کی زیر بحث روایت کے غیر صحیح ہونے پر
۸۸۱	جس عورت کو خلوند خرچ نہ دے اس کی	۸۶۲	دوسری دلیل
۸۸۱	گلو خلاصی میں آراء ائمہ	۸۶۲	اعتبار راوی کی روایت کا ہے یا اس کی رائے کا؟
۸۸۲	خرچ سے محروم عورت کی گلو خلاصی پر جمہور فقہاء	۸۶۴	مسلم میں درج طاؤس کی روایت کے غلط اور شاذ
۸۸۲	کے دلائل	۸۶۵	ہونے پر مزید دلائل
۸۸۳	مذاق میں دی ہوئی طلاق کا نفاذ ہونا	۸۶۵	طاؤس کی روایت کا صحیح محمل
۸۸۳	بغیر دلی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے متعلق	۸۶۵	حضرت رکنہ سے متعلق مسند احمد کی روایت کے
۸۸۳	مذہب ائمہ	۸۶۵	فی اسقام
۸۸۴	بغیر دلی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے جواز	۸۶۶	حضرت رکنہ سے متعلق صحاح کی روایت کی
۸۸۴	کے متعلق احادیث اور آثار	۸۶۶	تقویت
۸۸۵	والوالدات یرضعن اولادھن (۲۳۳)	۸۶۸	حضرت رکنہ سے متعلق سنن ابوداؤد کی ایک شاذ
۸۸۵		۸۶۸	روایت کے ضعف کا بیان

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
			دودھ پلانے کے شرعی احکام
		۸۸۵	دودھ پلانے کی مدت میں ائمہ مذاہب کی آراء
۹۰۲	نجر کی نماز کے صلوٰۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث	۸۸۶	والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجہ
			(۲۳۳-۲۳۵)
۹۰۲	ظہر کی نماز کے صلوٰۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث	۸۸۷	عدت وقات کا بیان اور عدت کی تعریف
		۸۸۸	عدت کے مسائل اور شرعی احکام
۲۰۳	عصر کی نماز کے صلوٰۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث	۸۸۹	گناہ کے ارتکاب پر مواخذہ ہونے اور گناہ کے ارادہ پر مواخذہ نہ ہونے کی تحقیق
۹۰۲	باتیں نہ کرنے اور خضوع خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم	۸۹۰	لا جناح علیکم ان طلقتم النساء
۹۰۵	چلتی ٹرین اور طیارہ وغیرہ پر نماز پڑھنے کا بیان	۸۹۱	(۲۳۶-۲۳۷)
		۸۹۲	غیر دخولہ کے مہر اور متاع کی ادائیگی کا بیان
	حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق ائمہ کی آراء	۸۹۲	مطلقہ کی متاع کی مقدار میں ائمہ مذاہب کی آراء
۹۰۴		۸۹۳	مطلقہ کی متاع کے شرعی حکم کے متعلق ائمہ مذاہب کی آراء
۹۰۴	حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق احادیث		متاع کے وجوب پر فقہاء احناف کے دلائل
		۸۹۴	متاع کے وجوب کے خلاف فقہاء مالکیہ کے دلائل کے جوابات
۹۰۸	حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب	۸۹۴	نکاح کی گرہ کا مالک شوہر ہے یا عورت کا ولی؟
		۸۹۴	شوہر کے حق میں عقد نکاح کی ملکیت پر جمہور کے دلائل
۹۰۸	حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب	۸۹۴	شوہر کے حق میں عقد نکاح کی ملکیت کے متعلق احادیث
		۸۹۵	حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطیٰ (۲۳۸-۲۴۲)
۹۰۸	حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب	۸۹۵	حفاظت نماز کی تاکیدات اور نماز میں سستی اور اس کو ترک کرنے پر وعیدات
۹۰۹	حفاظت نماز اور عدت وقات میں مناسبت کا بیان	۸۹۶	صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء
۹۱۰	ایک سال تک عدت وقات کے منسوخ ہونے کا بیان		
		۸۹۶	
۹۱۰	عدت وقات کے شرعی حکم میں اختلاف فقہاء		
۹۱۱	حدیث سے عدت وقات کا بیان		
۹۱۱	عدت وقات کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ		
۹۱۲	عدت وقات کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ		
۹۱۳	عدت وقات کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۹۲۸	تبرکت سے استفادہ اور حصول شفاء	۹۱۳	عدت وفات کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ
	فلما فصل طالوت بالجنود	۹۱۳	عدت وفات کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ
۹۳۱	(۲۴۹-۲۵۲)	۹۱۴	مطلقہ عورتوں کے مہر کی ادائیگی کا وجوب
۹۳۲	طالوت کی فتح اور جالوت کی شکست کا بیان		الم تر الى الذین خرجوا من
	نیکو کاروں کی برکت سے گنہ گاروں سے عذاب کا	۹۱۴	دیارِ رھم (۲۴۳-۲۴۵)
۹۳۳	دور ہونا		طاعون سے ڈر کر بھاگنے والوں کا مرنا اور دوبارہ
	سیدنا محمد ﷺ کی رسالت پر دلیل اور آپ کو تسلی	۹۱۵	زندہ ہونا
۹۳۴	دینے کا بیان		وقت سے پہلے موت آنے اور تیسری موت کے
	تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض	۹۱۶	اشکال کا جواب
۹۳۷	(۲۵۳)	۹۱۶	الم تر (کیا آپ نے نہیں دیکھا) کی تحقیق
۹۳۷	رسولوں کی باہمی فضیلت	۹۱۷	جہاد کی تحریک
	بعض کفار عرب کے اسلام نہ لانے پر آپ کو تسلی	۹۱۷	اللہ کو قرض حسن دینے کا بیان
۹۳۸	دینا	۹۱۸	قبض اور بسط کا معنی
	رحمتہ للعالمین ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل	۹۱۸	اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کے متعلق احادیث
۹۳۹	الرسل ہونا		الم تر الى الملا من بنی اسرائیل
	تمام نبیوں اور رسولوں کے نبی ہونے کی وجہ سے	۹۱۹	(۲۴۶-۲۴۷)
۹۴۰	آپ کا افضل الرسل ہونا		نبی ﷺ اور مسلمانوں کو بنو اسرائیل کی ایک
	تمام انبیاء کے اوصاف اور کمالات کے جامع ہونے	۹۲۰	جماعت کے جہاد کی طرف متوجہ کرنے کے اسرار
۹۴۲	کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا		بنو اسرائیل کی اس جماعت کے نبی آیا شمول تھے
	رسالت کے عموم کی وجہ سے آپ کا افضل	۹۲۱	یا شمعون؟
۹۴۴	الرسل ہونا	۹۲۲	یہود کو سرزنش
	خاتم الانبیاء ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل	۹۲۳	طالوت کا بیان
۹۴۵	الرسل ہونا	۹۲۴	وقال لهم نبیہم ان ایتہ ملکہ (۲۴۸)
	کثرت معجزات کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل	۹۲۴	بنو اسرائیل کے تابوت کی تحقیق
۹۴۷	ہونا	۹۲۵	سکینہ کے معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق
	آپ کے دین کے ناسخ لادیان ہونے کی وجہ سے	۹۲۶	آل موسیٰ اور آل ہارون کے باقی ماندہ تبرکت کا بیان
۹۴۸	آپ کا افضل الرسل ہونا		دیگر انبیاء علیہم السلام اور پھر نبی ﷺ کے

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۹۴۹	رزقنا کم (۲۵۳)	۹۴۹	امت کی کثرت اور افضلیت کی وجہ سے آپ کا افضل المرسل ہونا
۹۴۹	راہ خدا میں مل خرچ کرنے کی تاکید	۹۵۰	مقام محمود پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل المرسل ہونا
۹۴۹	آخرت میں دوستی اور سفارش سے مسلمانوں کے انتقال کا بیان	۹۵۱	اللہ کی رضا جوئی کی وجہ سے آپ کا افضل المرسل ہونا
۹۶۰	اللہ لا الہ الا هو الحی القيوم (۲۵۵-۲۵۶)	۹۵۲	آپ کے ذکر کی رفعت کی وجہ سے آپ کا افضل المرسل ہونا
۹۶۱	آیت الکرسی کے مفروات اور جملوں کی تشریح	۹۵۳	دنیا میں اعلان مغفرت ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل المرسل ہونا
۹۶۳	آیت الکرسی کے فضائل	۹۵۴	نبی ﷺ کی طرف مغفرت کی نسبت کے محال
۹۶۴	کرسی پر بیٹھنے کی تحقیق	۹۵۸	بحث تحقیق کائنات ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل المرسل ہونا
۹۶۵	کرسی کا لغوی معنی	۹۵۹	قائد المرسلین ہونے اور بعض دیگر فضائل کی وجہ سے آپ کا افضل المرسل ہونا
۹۶۵	قرآن مجید، احادیث اور آثار سے کرسی پر بیٹھنے اور چار زانو بیٹھنے کا جواز	۹۶۱	خالق اور خلق کے محبوب ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل المرسل ہونا
۹۶۴	دین میں جبر نہ ہونے کی تحقیق	۹۶۳	خلیل اور حبیب میں فرق کا بیان
۹۶۸	مشروعیت جملہ پر، فنی جبر کی وجہ سے اعتراض اور معاصر مفسرین کے جوابات	۹۶۴	کلیم اور حبیب میں فرق کا بیان
۹۶۹	جوابات مذکورہ پر بحث و نظر	۹۶۵	انبیاء سابقین علیہم السلام کے معجزات پر نبی ﷺ کے معجزات کی افضلیت
۹۸۰	مصنف کی طرف سے مشروعیت جملہ پر اعتراض کا جواب	۹۶۶	سب سے پہلے قبر سے اٹھنے والی حدیث کا حضرت موسیٰ کے پہلے اٹھنے والی حدیث سے تعارض کا جواب
۹۸۳	اللہ ولی الذین امنوا یخرجہم من الظلمت الی النور (۲۵۷)	۹۶۸	جس حدیث میں ﷺ نے دوسرے انبیاء پر فضیلت دینے سے منع کیا ہے اس کے جوابات
۹۸۳	مومنوں کو ظلمت سے نکالنے کے محال		یا ایہ الذین امنوا انفقوا مما
۹۸۳	کافر کو نور سے نکالنے کے محال		
۹۸۴	طاغوت کا معنی		
۹۸۴	الم تر الی الذی حاج ابراہیم فی ربہ (۲۵۸-۲۵۹)		
۹۸۵	مومن کے نور اور کافر کی ظلمت کی مثالیں		
	حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مباحثہ کا		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
	یا یہا الذین امنوا انفقوا من طیب	۹۸۵	پس منظر اور پیش منظر
۱۰۰۰	ماکسبتم (۲۶۷-۲۷۳)	۹۸۶	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کا خلاصہ
۱۰۰۲	صدقہ میں دیئے جانے والے مال کی صفت کا بیان	۹۸۷	مناظرہ اور مباحثہ کے احکام اور آداب
	حلال کمائی کی مدح اور برہنہ ضرورت اولاد کے مال		تباہ شدہ بستی اور اس کے پاس سے گزرنے والے
۱۰۰۳	سے کھانے کا جواز	۹۸۸	فحش کی تحقیق
۱۰۰۴	حرام مال سے صدقہ کرنے کا وہل	۹۸۹	حضرت عزیر کو حیات بعد الموت کا مشاہدہ کرنا
۱۰۰۵	عشر کا بیان		واذ قال ابراہیم رب ارنی کیف نحی
۱۰۰۵	عشر کے نصاب میں فقہاء کے نظریات	۹۹۰	المونی (۲۶۰)
۱۰۰۵	عشر کے نصاب میں ائمہ ثلاثہ کا نظریہ	۹۹۰	حضرت ابراہیم کو حیات بعد الموت کا مشاہدہ کرنا
۱۰۰۶	عشر کے نصاب میں امام ابو حنیفہ کا نظریہ		مثل الذین ینفقون اموالہم فی سبیل
۱۰۰۸	عشری اور خراجی اراضی کی تعریفیں	۹۹۱	اللہ (۲۶۱-۲۶۲)
۱۰۰۹	خراج کی مقدار کا بیان		حیات بعد الموت کے ذکر کے بعد صدقہ و خیرات
۱۰۰۹	ارضی پاکستان کے عشری ہونے کا بیان	۹۹۳	کے ذکر کی مناسبت
۱۰۱۰	بغل کو بے حیائی کے ساتھ تعبیر کرنے کی توجیہ	۹۹۳	انفاق فی سبیل اللہ کے مصارف
	حکمت کے مصداق میں صحابہ اور فقہاء تابعین کے		دس گنے، سات سو گنے اور بے حساب اجر دینے
۱۰۱۰	اقوال	۹۹۴	کی وجوہات
۱۰۱۱	حکمت کی تعریف اور اس کی اقسام	۹۹۵	صدقات و خیرات کے آداب اور شرائط
۱۰۱۱	حکمت کے متعلق احادیث		صدقات کے مصارف، اجر و ثواب اور آداب و
۱۰۱۲	نذر کا لغوی اور شرعی معنی اور نذر کی اقسام	۹۹۶	شرائط کے متعلق احادیث
۱۰۱۳	نذر صحیح اور نذر باطل کا بیان		جہاد اور اللہ کی رضا جوئی میں خرچ کرنے کی
۱۰۱۴	خفیہ اور علانیہ صدقہ کرنے کے متعلق احادیث	۹۹۷	مثالوں کا فرق
۱۰۱۶	احل ذمہ کو نفلی صدقات دینے کا جواز		ریاکار، منافق اور مخلص مومن کے راہ خدا میں
	گداگری کی مذمت اور سوال نہ کرنے کی فضیلت	۹۹۷	خرچ کرنے کی مثالوں کا فرق
۱۰۱۸	میں احادیث		اللہ کی رضا جوئی اور اسلام پر ثابت قدمی کے لیے
۱۰۱۹	سوال کرنے کی حد جواز	۹۹۸	خرچ کرنے کی صورتیں
۱۰۲۰	مسجد میں سائل کو دینے کی تحقیق		سخت حاجت کے وقت بلوغ کے جل جانے کی مثل
	خفیہ اور علانیہ صدقہ کی آیات کے شان نزول میں	۹۹۹	کی دو تقریریں

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
			متعدد اقوال
۱۰۳۹	قیامت میں سود خور کے مجبوط الحواس ہو کر اٹھنے سے جن چڑھنے پر استدلال اور اس کا جواب	۱۰۲۰	الذین یا کلون الربو لا یقومون الا کما یقومون (۲۷۵-۲۸)
۱۰۴۰	ربا اور بیع کافرق	۱۰۲۱	صدقہ کے بعد سود کی آیات ذکر کرنے کی مناسبت
۱۰۴۱	ربا کو بہ تدریج حرام کرنے کا بیان	۱۰۲۳	ربا کا لغوی معنی
۱۰۴۲	ربا کو حرام قرار دینے کی حکمتیں	۱۰۲۳	ربا کا اصطلاحی معنی
۱۰۴۳	سود خور کے لیے دائماً "دوزخ کی وعید کی توجیہ	۱۰۲۳	ربا الفضل کی تعریف اور اس کی علت کے متعلق
۱۰۴۳	سود کا کم ہونا اور صدقہ کا بڑھنا		مذہب ائمہ
	سودی کاروبار ترک نہ کرنے والے کے خلاف	۱۰۲۴	ربا الفضل میں ائمہ کی بیان کردہ علت کا ایک جائزہ
۱۰۴۴	جنگ کرنے کا حکم	۱۰۲۶	ربا الفضل کی حرمت کا سبب
۱۰۴۵	سود پر وعید کے متعلق احادیث	۱۰۲۸	نفع اور سود میں فرق
	مقروض کو مہلت دینے اور اس سے قرض وصول کرنے کا طریقہ	۱۰۲۸	بینک کے سود کے مجوزین کے دلائل
۱۰۴۶	مقروض کو مہلت دینے اور قرض معاف کرنے کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث	۱۰۲۹	مجوزین سود کے دلائل کے جوابات
۱۰۴۶	قرآن مجید میں نازل ہونے والی آخری آیت	۱۰۲۹	افراط زر کی صورت میں اصل زر کو بحال رکھنے کا حل
۱۰۴۷	یا ایہا الذین امنوا اذا تداینتم بدین (۲۸۳-۲۸۲)	۱۰۳۱	دار الحرب کے سود میں جمہور فقہاء کا نظریہ
۱۰۴۹	سود کے بعد تجارتی قرضوں کے تحفظات کے ذکر کی مناسبت	۱۰۳۱	دار الحرب کے سود میں فقہاء احناف کا نظریہ
۱۰۵۰	مال کے مذموم یا محمود ہونے کا مدار	۱۰۳۲	دار الحرب میں جواز ربہ والی حدیث کی فنی حیثیت
۱۰۵۱	بیع مطلق اور بیع سلم کی تعریفات	۱۰۳۲	دار الحرب میں ربا کے متعلق فقہاء احناف کے دلائل کا تجزیہ
۱۰۵۲	بیع سلم کی شرائط	۱۰۳۳	مکھول کی روایت کا محمل
۱۰۵۳	دین اور قرض کی تعریضیں اور ان کا فرق	۱۰۳۳	دار الحرب کے سود کے بارے میں امام ابو حنیفہ کے قول کی وضاحت
۱۰۵۳	آیت مداینہ کے حکم کا تمام دیون کو شامل ہونا	۱۰۳۴	کیا سود اور دیگر عقود فاسدہ کے ذریعہ حبلی کافروں کا پیسہ بھرتا جائز ہے
۱۰۵۴	دین پر مبنی عقود کی دستاویز لکھوانے، ان پر گواہ بنانے یا رہن رکھنے کا شرعی حکم	۱۰۳۵	حضرت ابو بکر کے قمار کی وضاحت
۱۰۵۴	شہادت کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۱۰۳۶	دار الحرب، دارا کفر اور دار الاسلام کی تعریفات
۱۰۵۴		۱۰۳۸	

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۰۵۵	گواہی دینے کا وجوب اور دل کی طرف گناہ کی	۱۰۵۵	شہادت کی اقسام
۱۰۵۹	اضافت کی حکمتیں	۱۰۵۵	قرآن مجید کی روشنی میں شہادت کا بیان
۱۰۶۰	وثیقہ لکھنے، گواہ بنانے، رہن رکھنے کے اسرار اور حکمتیں	۱۰۵۶	شہادت کا حکم
۱۰۶۱	لہ ما فی السموات وما فی الارض (۲۸۶-۲۸۷)	۱۰۵۶	شہادت کی تعریف، رکن اور سبب وغیرہ کا بیان
۱۰۶۲	بیچ اور رہن کے بعد اعمال صالحہ سے مکلف	۱۰۵۶	تحمل شہادت کی شرائط
۱۰۶۲	کرنے کی مناسبت	۱۰۵۶	بہ لحاظ شاہد ادائیگی شہادت کی شرائط
۱۰۶۲	خواطر قلب کی تکلیف کے منسوخ ہونے کا بیان	۱۰۵۸	عدالت کی تعریف
۱۰۶۲	”ہم“ اور عزم کی تحقیق	۱۰۵۹	عورت کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے
۱۰۶۵	دل کے انفعال پر مواخذہ کی تحقیق	۱۰۶۰	نظریات
۱۰۶۶	تکلیف مالایطاق پر استدلال اور اس کا جواب	۱۰۶۲	مالی معاملات میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں
۱۰۶۶	سورہ بقرہ کے اقتلاع اور اختتام کی مناسبت	۱۰۶۳	کی شہادت مقرر کرنے کی وجوہات
۱۰۶۸	اللہ، فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے	۱۰۶۳	وہ امور جن میں صرف عورتوں کی گواہی معتبر ہے
۱۰۶۸	کے ذکر کی ترتیب	۱۰۶۴	عورت کی شہادت کو نصف شہادت قرار دینے کی حکمتیں
۱۰۶۸	کسب اور اکتساب کا معنی اور شرک و اکتساب کے	۱۰۶۵	گواہی کے لیے بلائے جانے پر گواہوں کے جانے
۱۰۶۹	ساتھ مخصوص کرنے کی توجیہ	۱۰۶۶	کا شرعی حکم
۱۰۶۹	دوسروں کے عمل سے نفع یا ضرر پہنچنے کا بیان	۱۰۶۶	کاتب اور گواہ کے ضرر کا بیان
۱۰۸۰	خطا، نسیان اور جو کام جبراً کرائے جائیں ان پر	۱۰۶۷	سفر اور حضر میں رہن رکھنے کا جواز
۱۰۸۰	مواخذہ نہ ہونا	۱۰۶۷	رہن کی تعریف اور رہن سے فائدہ اٹھانے میں
۱۰۸۱	سابقہ امتوں کے سخت احکام	۱۰۶۷	مذہب فقہاء
۱۰۸۱	سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت	۱۰۶۷	رہن کی شرائط اور ضروری مسائل
۱۰۸۱	کلمات تشکر	۱۰۶۷	اعتماد کی صورت میں وثیقہ لکھوانے، گواہ بنانے
۱۰۸۳	ماخذ و مراجع	۱۰۶۷	اور گروی رکھنے کو ترک کرنے کی رخصت
		۱۰۶۸	احادیث کی روشنی میں دین اور قرض کے ضروری مسائل

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين الذي استغنى في حمده عن الحامدين وانزل القرآن تبليانا لكل شئ عند العارفين والصلاة والسلام على سيدنا محمد الذي استغنى بصلاة الله عن صلاة المصلين واختص بارضاء رب العالمين الذي بلغ اليما انزل عليه من القرآن وبين لنا ما نزل عليه بتبيان وكان خلقه القرآن وتحدى بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجان وهو خليل الله وحبيب الرحمن لواءه فوق كل لواء يوم الدين قائد الانبياء والمرسلين امام الاولين والآخرين شفيع الصالحين والمذنبين واختص بتنصيب المظفرة له في كتاب مبين وعلى اله الطيبين الطاهرين وعلى اصحابه الكاملين الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر اولياء امته وعلماء ملته اجمعين - اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله - اعوذ بالله من شرور نفسي ومن سيئات اعمالى من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي له اللهم ارني الحق حقا وارزقني اتباعه اللهم ارني الباطل باطلا وارزقني اجتنابه اللهم اجعلنى فى تبيان القرآن على صراط مستقيم وثبتنى فيه على منهج قويم واعصمنى عن الخطأ والزلل فى تحريره واحفظنى من شر الحاسدين وزيع المعاندين فى تقرير اللهم الق فى قلبى اسرار القرآن وشرح صدرى لمعانى الفرقان ومتعنى بفيوض القرآن ونورنى بانوار الفرقان واسعدنى لتبيان القرآن، رب زدنى علما رب ادخلنى مدخل صدق واخرجنى مخرج صدق واجعل لى من لدنك سلطانا نصيرا - اللهم اجعله خالصا لوجهك ومقبولا عندك وعند رسولك واجعله شائعا ومستفيضا ومفيضا ومرغوبا فى اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لى ذريعة للمغفرة ووسيلة للنجاة وصدقة جارية الى يوم القيامة وارزقنى زيارة النبي صلى الله عليه وسلم فى الدنيا وشفاعته فى الآخرة واحينى على الاسلام بالسلامة وامتنى على الايمان بالكرامة اللهم انت ربى لا اله الا انت خلقتنى وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابوء لك بذنبي فاغفر لى فانه لا يغفر الذنوب الا انت امين يا رب العالمين -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ رب العلمین کے لیے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے نزدیک ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ و سلام کا سیدنا محمد پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العلمین ان کو راضی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا، ان کے اوصاف سرایا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں۔ قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہو گا وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں، اولین اور آخرین کے امام ہیں، تمام نیکو کاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں، یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے، اور ان کی پاکیزہ آل، ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المؤمنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے، اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما، اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ مجھے ”بتیان القرآن“ کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القا کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لیے کھول دے۔ مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے ”بتیان القرآن“ کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب میرے علم کو زیادہ کر۔ اے میرے رب تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقہ سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا، اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لیے) مددگار ہو۔ اے اللہ اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لیے مقدر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول کی بارگاہ میں مقبول کر دے۔ اس کو قیامت تک کے لیے تمام دنیا میں مشہور، مقبول، محبوب اور اثر آفرین بنادے۔ اس کو میری مغفرت کا ذریعہ، اور نجات کا وسیلہ بنا اور قیامت تک کے لیے اس کو صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما۔ اے اللہ تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کیے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بد اعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما، کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العلمین!

حدیثِ دل

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلیٰ ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

اللہ تعالیٰ کا بہت کرم اور بے حد احسان ہے کہ شرح صحیح مسلم کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ”تبیان القرآن“ لکھنے کی سعادت عطا فرمائی اور کلام رسول کی تشریح کے بعد کلام اللہ کی تفسیر کی توفیق عطا فرمائی۔ ہمارے علماء متقدمین نے تفسیر کے موضوع پر اس قدر زیادہ اور عظیم کام کیا ہوا ہے کہ اس پر کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ علماء اسلام کی زیادہ تر کاوشیں عربی زبان میں ہیں جن تک عام اردو دان طبقہ کی رسائی نہیں ہے تو اس بات کی بے شک ضرورت تھی کہ علوم اور معارف کے ان جواہر پاروں کو سہل اور عام فہم انداز میں جدید اسلوب نگارش کے مطابق اردو زبان میں منتقل کر دیا جائے۔ اسی طرح قرآن مجید کے تراجم کا حال ہے، ہمارے بزرگ علماء نے اپنے اپنے زمانہ میں اس دور کی زبان کے مطابق قرآن مجید کے مفہیم کو اردو زبان میں منتقل کیا اور ان کی یہ مساعی بہت قابل قدر بلکہ لائق رشک ہیں لیکن زبان کا اسلوب اور مزاج وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے، اس وجہ سے میں محسوس کرتا تھا کہ اس دور کے اردو پڑھنے والوں کے مزاج اور ان کے اسلوب کے مطابق قرآن مجید کا ترجمہ کرنا چاہئے تاکہ پڑھنے والوں کے لیے وہ ترجمہ اجنبی اور نامانوس نہ ہو۔

میں نے قرآن مجید کا ترجمہ تحت اللفظ نہیں کیا اور نہ ہی ایسا کیا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ سے بالکل الگ اور عربی متن کی رعایت کیے بغیر قرآن مجید کے مفہوم کی ترجمانی کی جائے۔ میں نے اپنے آپ کو قرآن مجید کے الفاظ اور عبارت کا پابند رکھا ہے لیکن لفظی ترجمہ نہیں کیا۔ تفسیر میں میں نے اسلام کے مسلمہ عقائد کو دلائل سے مزین کیا ہے اور قرآن مجید کی جن آیات میں احکام اور مسائل کا ذکر ہے وہاں میں نے تمام فقہی مذاہب کا دلائل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ہمارے متقدمین مفسرین نے قرآن کریم کی تفسیر میں جو نکات بیان کیے ہیں ان سے میں نے استفادہ کیا ہے لیکن جو بہت بعید نکات ہیں یا دور از کار تاویلات ہیں ان کو ترک کر دیا ہے۔ میں نے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں زیادہ سے زیادہ احادیث اور آثار کو پیش کروں، عام طور پر مفسرین صرف حدیث کا ذکر کر دیتے ہیں اس کی تخریج نہیں کرتے۔ میں نے کافی محنت اور جانفشانی کر کے تبیان القرآن میں درج ہر حدیث کی تخریج کی ہے اور اس کا مکمل حوالہ بیان کیا ہے، البتہ حافظ منذری، حافظ البیہمی اور حافظ سیوطی چونکہ علم حدیث میں بہت ثقہ ہیں اس لیے ان کی تصانیف میں درج مسلم ائمہ حدیث کی روایات کو ان کے حوالوں کے ساتھ ذکر کر دیا ہے اور کہیں کہیں اصل ماخذ کے حوالوں کی بھی نشاندہی کر دی ہے۔ ہمارے بعض مصنفین ایسا کرتے ہیں مثلاً حافظ سیوطی نے ایک حدیث کو دس ائمہ حدیث کے حوالوں سے ذکر کیا ہے، اب وہ حافظ سیوطی کا ذکر کیے بغیر اس حدیث کو ان حوالوں کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں اور یہ تلیس کرتے ہیں کہ گویا اس حدیث

کو انہوں نے ان دس حدیث کی کتابوں سے تلاش کیا ہے۔ اسی طرح علامہ شامی نے اگر کسی مسئلہ کو دس فقہاء کے حوالوں سے ذکر کیا ہے تو وہ علامہ شامی کا ذکر کیے بغیر اس مسئلہ کو ان دس فقہاء کے حوالوں سے ذکر کر دیتے ہیں اور پڑھنے والے پر یہ تاثر قائم کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے اس مسئلہ کو ان دس فقہاء کے حوالوں سے تلاش کیا ہے، میرے نزدیک یہ تلیس سخت مذموم ہے۔ اگر حافظ منذری یا حافظ ابوشامی یا حافظ سیوطی نے کسی حدیث کو دس ائمہ حدیث کے حوالوں سے ذکر کیا ہے تو میں نے اس طرح لکھا ہے کہ حافظ منذری یا حافظ سیوطی نے اس حدیث کو ان دس ائمہ حدیث کے حوالوں سے ذکر کیا ہے اور اس کا مکمل حوالہ دیا ہے اور کسی کی محنت اور جانفشانی کو اپنی طرف منسوب کرنے کی مذموم تلیس نہیں کی۔ اسی طرح فقہاء کے حوالہ جات کا معاملہ ہے۔

نئے اور تازہ مسائل میں غور و فکر اور اجتہاد کی کافی وسعت اور گنجائش ہے اور ظاہر ہے اس میں علماء کی آراء مختلف ہوتی ہیں اور جو عالم بھی کسی تازہ اور نئے مسئلہ میں غور و فکر سے اجتہاد کرتا ہے وہ پوری دیانتداری اور خدا خونی سے اس کے حکم کو دلائل شرعیہ سے اخذ کرتا ہے اگر کسی عالم کو اس سے اختلاف ہو تو اس کو دلائل کے ساتھ اپنا نظریہ تو بیان کرنا چاہئے لیکن فریق مخالف پر کیچڑ نہیں اچھالنی چاہئے اور طعن تشنیع سے کام نہیں لینا چاہئے بد قسمتی سے ہمارے ہاں لوگوں کا یہ مزاج نہیں ہے اور لوگوں کا جس شخص سے کسی علمی مسئلہ میں اختلاف ہو وہ اس کو جاہل، خائن اور اس نوع کے دیگر القابات سے نوازتے ہیں بلکہ اس کو دین اور ملت سے خارج کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ ان تازہ مسائل میں سے بعض مسائل میں ہمارا دوسرے علماء سے اختلاف ہے لیکن ہم نے اپنا موقف دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان علماء کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں لکھا اور ان کے اعزاز، اکرام اور احترام کو پوری طرح قائم رکھا ہے، مثلاً ہمارے نزدیک اگر نماز کے پورے وقت میں ٹرین نہ رکے تو چلتی ٹرین میں نماز پڑھنا فرض ہے اور اس کا اعلاہ واجب نہیں ہے۔ تاہم جو علماء اس عمل کو ناجائز کہتے ہیں، ہم نے ان کو مطعون نہیں کیا، اسی طرح ہمارے نزدیک ایلوپیتھک دواؤں سے علاج کرنا اور ضرورت کے وقت خون کو منتقل کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے، اور اعضاء کی پیوند کاری جائز نہیں ہے، ہم نے اس سلسلہ میں ان کے دلائل پر بحث کی ہے لیکن طعن اور تشنیع سے اجتناب کیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

جن موضوعات پر شرح صحیح مسلم میں مفصل بحث آچکی ہے، بعض جگہ میں نے اسی بحث کو نقل کر دیا ہے، بعض جگہ اس کو مختص کیا ہے، اور بعض جگہ ان مباحث کو از سر نو لکھا ہے ترجمہ میں، میں نے زیادہ تر علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ کے ترجمہ البیان سے استفادہ کیا ہے اور تفسیر میں زیادہ تر احکام القرآن، الجامع لاحکام القرآن، البحر المحیط، تفسیر کبیر الدر المنثور اور روح المعانی سے استفادہ کیا ہے۔ جدید تفاسیر میں سے تفسیر منیر، مراغی، فی ظلال القرآن اور تفسیر قاسمی بھی میرے پیش نظر رہی ہیں۔ اسباب نزول کے بیان میں جامع البیان پر زیادہ تر اعتماد کیا ہے۔ احادیث کی بہت سی کتابیں جن کے ہم پہلے صرف نام سنتے تھے الحمد للہ اب وہ چھپ گئی ہیں اور ہمیں دستیاب ہیں میں نے زیادہ تر کوشش کی ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں احادیث کو ان کے اصل حوالہ جات کے ساتھ ذکر کروں، اسی طرح فقہی مباحث میں مذاہب ائمہ کو ان کی اصل کتابوں کے حوالے کے ساتھ درج کیا ہے، مأخذ اور مراجع کی فہرست میں نے سینین وفات کی ترتیب سے مرتب کی ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ پہلی بار اس نوع کی فہرست مرتب کی گئی ہے۔ اس کا یہ فائدہ ہو گا کہ ایک نظر میں یہ معلوم ہو جائے گا کہ محدث، مفسر، فقیہ یا مصنف کس زمانہ اور کس دور کا ہے۔

دس رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ کے مبارک دن اس تفسیر کا آغاز ہوا تھا اور بارہ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ کے مسعود دن میں اس کی پہلی جلد اختتام کو پہنچ گئی۔ فالحمد لله رب العلمین

اس جلد میں ایک مقدمہ ہے اور الفاتحہ اور البقرہ کی تفسیر ہے، میں نے اس تفسیر کو متوسط طریقہ پر لکھا ہے، اس میں بہت زیادہ تفصیل ہے نہ بہت اختصار ہے، مسائل حاضرہ پر میں نے بہت شرح و بیلط کے ساتھ شرح صحیح مسلم میں لکھ دیا ہے، اسی طرح عیالات اور معاملات پر بھی سیر حاصل بحث اس میں آگئی ہے تاہم جو مسائل اور مباحث اس میں آنے سے رہ گئے ہیں انشاء اللہ ان کا اس میں تفصیل کے ساتھ ذکر کروں گا، معاصرین اور عہد قریب کے مفسرین کی تحقیقات اور نگارشات کو میں نے اپنے پیش نظر رکھا ہے اور جمل میری رائے ان کے ساتھ متفق نہیں ہو سکی میں نے ادب اور احترام کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے۔

اخیر میں، میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کے منصہ شہود پر آنے میں میرے ساتھ تعاون کیا خاص طور پر سید اعجاز احمد صاحب، صاحبزادہ سید محسن اعجاز صاحب (فرید بک سٹال) پروفیسر مولانا مفتی فیض الرحمن صاحب زید، جمہم، مولانا محمد ابراہیم فیضی صاحب وغیرہم کا میں خصوصیت کے ساتھ شکر گزار ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس کتاب کو مکمل کرنے کی توفیق دے، اس کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے اور مجھے، اس کتاب کے تمام معاونین اور قارئین کو دنیا اور آخرت کے ہر شر سے محفوظ رکھے اور دنیا اور آخرت کی ہر خیر ہمیں عطا فرمائے۔ آمین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

خادم المدیث دارالعلوم نعیمیہ، بلاک نمبر ۱۵، فیڈرل ”بی“ ایریا

کراچی ۳۸

۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ / ۲۳ اگست ۱۹۹۵ء

المقدمة

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

مقدمہ تفسیر

قرآن مجید کی تفسیر سے پہلے ضروری ہے کہ بہ طور مقدمہ چند اہم امور کو جان لیا جائے، اس لیے پہلے ہم وحی کی حقیقت، قرآن مجید کی تعریف، قرآن مجید کے فضائل، قرآن مجید کا اعجاز، قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی وجوہ، سب سے پہلی اور سب سے آخری آیت کی تحقیق، مکی اور مدنی سورتوں کی بحث، قرآن مجید کو جمع کرنے اور اس کی سات قراءتوں کا بیان، اور قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں کی تعداد کا ذکر کریں گے، پھر تفسیر اور تاویل کی تعریف، تفسیر کے فضائل، تفسیر بالرأے کی تحقیق، اہمات، مآخذ تفسیر، شروط تفسیر، طبقات مفسرین اور بعض دیگر اہم امور کو بیان کریں گے

فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة یلیق

وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

حدیث میں وحی کا بہ کثرت ذکر ہے، لکھنے، اشارہ کرنے، کسی کو بھیجنے، الہام اور کلام خفی پر وحی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

(نہایہ ج ۳ ص ۱۲۳، مطبوعہ مؤستہ مطبوعاتی ایران، ۱۳۶۲ھ)

علامہ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

اشارہ، لکھنا، مکتوب، رسالت، الہام، کلام خفی، ہر وہ چیز جس کو تم غیر کی طرف القاء کرو اسے اور آواز کو وحی کہتے

ہیں۔ (قاموس ج ۳ ص ۵۷۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

وحی اس کلام کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی طرف نازل فرماتا ہے۔ ابن الانباری نے کہا اس کو وحی اس

لیے کہتے ہیں کہ فرشتہ اس کلام کو لوگوں سے مخفی رکھتا ہے، اور وحی نبی کے ساتھ مخصوص ہے جس کو لوگوں کی طرف بھیجا

جاتا ہے، لوگ ایک دوسرے سے جو خفیہ بات کرتے ہیں وہ وحی کا اصل معنی ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ

الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ

الْقَوْلِ غُرُورًا (الانعام: ۱۱۳)

اور ابواحق نے کہا ہے کہ وحی کا لغت میں معنی ہے خفیہ طریقہ سے خبر دینا، اسی وجہ سے الہام کو وحی کہتے ہیں، ازہری

نے کہا ہے اسی طرح سے اشارہ کرنے اور لکھنے کو بھی وحی کہتے ہیں۔ اشارہ کے متعلق یہ آیت ہے:

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا (مریم: ۱۱)

سو زکریا اپنی قوم کے سامنے (عجلت کے) جمو سے باہر نکلے، پس ان کی طرف اشارہ کیا کہ تم صبح اور شام (اللہ کی) تسبیح کیا کرو۔

اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جو خفیہ طریقہ سے کلام کیا گیا اس کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بآذِنِهِ مَا يَشَاءُ (الشوری: ۵۱)

اور کوئی بشر اس لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے، مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے، یا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے وہ پہنچائے جو اللہ چاہے۔

بشر کی طرف وحی کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بشر کو خفیہ طور سے کسی چیز کی خبر دے، یا الہام کے ذریعہ، یا خواب کے ذریعہ، یا اس پر کوئی کتاب نازل فرمائے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل کی تھی، یا جس طرح سیدنا حضرت محمد ﷺ پر قرآن نازل کیا، اور یہ سب اعلام (خبر دینا) ہیں، اگرچہ ان کے اسباب مختلف ہیں۔

(تاج الغروس، ج ۱۰ ص ۳۸۵، مطبوعہ المطبعة الخيرية مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: وحی کا اصل معنی سرعت کے ساتھ اشارہ کرنا ہے، یہ اشارہ کبھی رمز اور تعریض کے ساتھ کلام میں ہوتا ہے، اور کبھی محض آواز سے ہوتا ہے، کبھی اعضاء اور جوارح سے ہوتا ہے اور کبھی لکھنے سے ہوتا ہے، جو کلمات انبیاء اور اولیاء کی طرف القاء کیے جاتے ہیں ان کو بھی وحی کہا جاتا ہے، یہ القاء کبھی فرشتہ کے واسطے سے ہوتا ہے جو دکھائی دیتا ہے اور اس کا کلام سنائی دیتا ہے، جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی خاص شکل میں آتے تھے۔ اور کبھی کسی کے دکھائی دئے بغیر کلام سنا جاتا ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا، اور کبھی دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے۔ جیسے حدیث میں ہے جبرئیل نے میرے دل میں بات ڈال دی اس کو نفث فی الروح کہتے ہیں اور کبھی یہ القاء اور الہام کے ذریعہ ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے:

وَ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ

(القصص: ۷)

اور کبھی یہ القاء تسخیر ہوتا ہے، جیسے اس آیت میں ہے:

وَ أَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنْ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ ڈالاکہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور ان چھپروں میں گھر بنا جنہیں لوگ (النحل: ۶۸)

اونچا بناتے ہیں۔

اور کبھی خواب میں القاء کیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے نبوت منقطع ہو گئی ہے اور سچے خواب باقی رہ گئے

ہیں۔ (المفردات ص ۵۸۱-۵۸۵ ملخصاً، مطبوعہ المكتبة الرضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

علامہ ابن منظور طبرقی نے بھی وحی کا معنی بیان کرتے ہوئے کم و بیش یہی لکھا ہے۔

(لسان العرب ج ۱۵ ص ۳۸۱-۳۷۹، مطبوعہ نشر ادب الحوزہ قم، ایران)

علامہ بدر الدین عینی نے وحی کا اصطلاحی معنی یہ لکھا ہے:

اللہ کے نبیوں میں سے کسی نبی پر جو کلام نازل کیا جاتا ہے وہ وحی ہے۔

(عمدة القاری ج ۱ ص ۱۳ مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية مصر ۱۳۳۸ھ)

اور علامہ تفتازانی نے الہام کا معنی یہ بیان کیا ہے :

دل میں بہ طریق فیضان کسی معنی کو ڈالنا یہ الہام ہے۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی)

ضرورت وحی اور ثبوت وحی

انسان مبنی الطبع ہے اور مل جل کر رہتا ہے اور ہر انسان کو اپنی زندگی گزارنے کے لیے خوراک، کپڑوں اور مکان کی ضرورت ہوتی ہے اور افزائش نسل کے لیے نکلح کی ضرورت ہے۔ ان چار چیزوں کے حصول کے لیے اگر کوئی قانون اور ضابطہ نہ ہو تو ہر زور آور اپنی ضرورت کی چیزیں طاقت کے ذریعہ کمزور سے حاصل کر لے گا۔ اس لیے عدل اور انصاف کو قائم کرنے کی غرض سے کسی قانون کی ضرورت ہے، اور یہ قانون اگر کسی انسان نے بنایا تو وہ اس قانون میں اپنے تحفظات اور اپنے مفادات شامل کرے گا، اس لیے یہ قانون مافوق الانسان کا بنایا ہوا ہونا چاہیے تاکہ اس میں کسی کی جانب داری کا شبہ نہ ہو، اور وہم و گمان نہ ہو، اور ایسا قانون صرف خدا کا بنایا ہوا قانون ہو سکتا ہے۔ جس کا علم خدا کے بتلانے اور اس کے خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

انسان عقل سے خدا کے وجود کو معلوم کر سکتا ہے، عقل سے خدا کی وحدانیت کو بھی جان سکتا ہے، قیامت کے قائم ہونے، حشر و نشر اور جزا و سزا کو بھی عقل سے معلوم کر سکتا ہے لیکن وہ عقل سے اللہ تعالیٰ کے مفصل احکام کو معلوم نہیں کر سکتا۔ وہ عقل سے یہ جان سکتا ہے کہ اللہ کا شکر ادا کرنا اچھی بات ہے اور ناشکری بری بات ہے لیکن وہ عقل سے یہ نہیں جان سکتا کہ اس کا شکر کس طرح ادا کیا جائے، اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے ہی ہو گا اور اسی کا نام وحی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں عبث اور بے مقصد نہیں بھیجا بلکہ اس لیے بھیجا ہے کہ وہ اپنی دنیاوی ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور حقوق اور فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے۔ برے کاموں اور بری خصلتوں سے بچے اور اچھے کام اور نیک خصلتیں اپنائے، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کیا ہیں؟ اور وہ کس طرح ادا کی جائیں۔ وہ کون سے کام ہیں جن سے بچا جائے اور وہ کون سے کام ہیں جن کو کیا جائے۔ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

انسان کو بنیادی طور پر کھلنے پینے کی اشیاء، کپڑوں اور مکان کی حاجت ہے اور اپنی نسل بڑھانے کے لیے ازدواج کی ضرورت ہے، لیکن اگر کسی قاعدہ اور ضابطہ کے بغیر ان چیزوں کو حاصل کیا جائے تو یہ نری حیوانیت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ سے ان کو حاصل کیا جائے تو یہ محض عبادت ہے اور اس قاعدہ اور ضابطہ کا علم اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور اس کی خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

بعض چیزوں کو ہم حواس کے ذریعہ جان لیتے ہیں جیسے رنگ، آواز اور ذائقہ کو، اور بعض چیزوں کو عقل سے جان لیتے ہیں جیسے دو اور دو کا مجموعہ چار ہے یا مصنوع کے وجود سے صانع کے وجود کو جان لیتے ہیں، لیکن کچھ ایسی چیزیں ہیں جن کو حواس سے جانا جاسکتا ہے نہ عقل سے، مثلاً نماز کا کیا طریقہ ہے، کتنے ایام کے روزے فرض ہیں، زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے

اور کس چیز کا کھانا حلال ہے اور کس چیز کا کھانا حرام ہے۔ غرض محبوبات اور معاملات کے کسی شعبہ کو ہم حواس خمسہ اور عقل کے ذریعہ نہیں جان سکتے، اس کو جاننے کا صرف ایک ذریعہ ہے اور وہ ہے وحی!

بعض اوقات حواس غلطی کرتے ہیں مثلاً ریل میں بیٹھے ہوئے شخص کو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بخار زدہ شخص کو میٹھی چیز کڑوی معلوم ہوتی ہے اور حواس کی غلطیوں پر عقل تنبیہ کرتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات عقل بھی غلطی کرتی ہے مثلاً عقل یہ کہتی ہے کہ کسی ضرورت مند کو مال نہ دیا جائے مال کو صرف اپنے مستقبل کے لیے بچا کے رکھا جائے اور جس طرح حواس کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لیے عقل کی ضرورت ہے، اسی طرح عقل کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لیے وحی کی ضرورت ہے۔

وحی کی تعریف میں ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو جو چیز بتلاتا ہے وہ وحی ہے، اور نبوت کا ثبوت معجزات سے ہوتا ہے، اب یہ بات بحث طلب ہے کہ وحی کے ثبوت کے لیے نبوت کیوں ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر نبوت کے بغیر وحی کا ثبوت ممکن ہوتا تو اس دنیا کا نظام فاسد ہو جاتا، مثلاً ایک شخص کسی کو قتل کر دیتا اور کہتا مجھ پر وحی اتری تھی کہ اس شخص کو قتل کرو۔ ایک شخص بہ زور کسی کا مال اپنے قبضہ میں کر لیتا اور کہتا کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی تھی کہ اس کے مال پر قبضہ کر لو، اس لیے ہر کس و ناکس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ وحی کا دعویٰ کرے۔ وحی کا دعویٰ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا ہو۔ لہذا وحی کا دعویٰ صرف نبی ہی کر سکتا ہے اور نبوت کا دعویٰ تب ثابت ہو گا جب وہ اس کے ثبوت میں معجزات پیش کرے گا۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب نبی کے پاس فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو نبی کو کیسے یقین ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے اور یہ اللہ کا کلام لے کر آیا ہے، امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ فرشتہ نبی کے سامنے اپنے فرشتہ ہونے اور حامل وحی الہی ہونے پر معجزہ پیش کرتا ہے، اور امام غزالی کی بعض عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو ایسی صفت عطا فرماتا ہے جس سے وہ جن فرشتہ اور شیطان کو الگ الگ پہچانتا ہے جیسے ہم انسانوں، جانوروں اور نباتات اور جمادات کو الگ الگ پہچانتے ہیں کیونکہ ہماری رسائی صرف عالم شہادت تک ہے اور نبی کی پہنچ عالم شہادت میں بھی ہے اور عالم غیب میں بھی ہے۔

وحی کی اقسام

بنیادی طور پر وحی کی دو قسمیں ہیں وحی متلو اور وحی غیر متلو۔ اگر نبی ﷺ پر الفاظ اور معانی کا نزول ہو تو یہ وحی متلو ہے اور یہی قرآن مجید ہے، اور اگر آپ پر صرف معانی نازل کیے جائیں اور آپ ان معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر کریں تو یہی وحی غیر متلو ہے اور اس کو حدیث نبوی کہتے ہیں۔ نبی ﷺ پر نزول وحی کی متعدد صورتیں ہیں جن کا احادیث صحیحہ میں بیان کیا گیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت حارث بن ہشام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور کہا یا رسول اللہ! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کبھی کبھی وحی گھنٹی کی آواز کی طرح (مسل) آتی ہے اور یہ مجھ پر بہت شدید ہوتی ہے۔ یہ وحی (جب) منقطع ہوتی ہے تو میں اس کو یاد کر چکا ہوتا ہوں،

اور نبی میرے پاس فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے، وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا جاتا ہے میں اس کو یاد کرتا جاتا ہوں۔ حضرت عائشہ نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ سخت سردی کے دنوں میں آپ پر وحی نازل ہوتی اور جس وقت وحی ختم ہوتی تھی تو آپ کی پیشانی سے ہینہ بہہ رہا ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے نزول وحی کی صرف دو صورتیں بیان کی ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ علامہ بدر الدین عینی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ یہ ہے کہ قائل اور سامع میں کوئی مناسبت ہونی چاہئے تاکہ ان میں تعلیم اور تعلم اور افادہ اور استفادہ متحقق ہو سکے اور یہ اتصاف یا تو اس طرح ہوگا کہ سامع پر قائل کی صفت کا غلبہ ہو اور وہ قائل کی صفت کے ساتھ متصف ہو جائے اور صلصلة الجرس (گھنٹی کی آواز) سے یہی پہلی قسم مرلو ہے، اور یا قائل سامع کی صفت کے ساتھ متصف ہو جائے اور یہ دوسری قسم ہے جس میں فرشتہ انسانی شکل میں متشکل ہو کر آپ سے کلام کرتا تھا۔

نبی ﷺ نے وحی کی پہلی قسم کی تشبیہ گھنٹی کی آواز کے ساتھ دی ہے، جس کی آواز مسلسل سنائی دیتی ہے اور اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا، اس میں آپ نے یہ متنبہ کیا ہے کہ جس وقت یہ وحی قلب پر نازل ہوتی ہے تو آپ کے قلب پر خطاب کی ہیبت طاری ہوتی ہے اور وہ قول آپ کو حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس قول کے ثقل کی وجہ سے اس وقت آپ کو اس کا پتا نہیں چلتا اور جب اس کے جلال کی ہیبت زائل ہو جاتی ہے تو پھر آپ کو اس کا علم ہوتا ہے، اور وحی کی یہ قسم ایسی ہے جیسے ملائکہ پر وحی نازل ہوتی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پروں کو جھڑ جھڑاتے ہیں جیسے پتھر پر زنجیر ماری جائے اور جب ان کے دلوں سے وہ ہیبت زائل ہوتی ہے تو وہ آپس میں کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں حق فرمایا اور وہ عظیم اور کبیر ہے، اور اس حدیث میں ہم پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ وحی کی پہلی قسم دوسری سے شدید ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم میں نبی ﷺ حالت بشری سے فرشتہ کی حالت کی طرف منتقل ہوتے تھے پھر آپ پر اس طرح وحی کی جاتی تھی جس طرح فرشتوں پر وحی کی جاتی ہے، اور یہ آپ کے لئے مشکل تھا اور دوسری قسم میں فرشتہ انسانی شکل میں آتا تھا اور یہ قسم آپ کے لئے آسان تھی۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۴۴، مطبوعہ اوارۃ الطباعة المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ گھنٹی کی آواز میں ہرچند کہ عام لوگوں کے لئے کوئی معنی اور پیغام نہیں ہوتا لیکن نبی ﷺ کے لیے اس آواز میں کوئی معنی اور پیغام ہوتا تھا جیسا کہ اس ترقی یافتہ دور میں ہم دیکھتے ہیں جب ٹیلی گرام دینے کا عمل کیا جاتا ہے تو ایک طرف سے صرف ٹک ٹک کی آواز ہوتی ہے اور دوسرے طرف اس سے پورے پورے جملے بنا لیے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ ہو سکتا ہے کہ وحی کی یہ آواز بہ ظاہر صرف گھنٹی کی مسلسل ٹن ٹن کی طرح ہو اور نبی ﷺ کے لیے اس میں پورے پورے فصیح و بلیغ جملے موجود ہوں۔

علامہ بدر الدین عینی نے نزول وحی کی حسب ذیل اقسام بیان کی ہیں:

(۱) کلام قدیم کو سننا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا، جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور ہمارے

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا، جس کا ذکر آثار مجیدہ میں ہے۔

(۲) فرشتہ کی رسالت کے واسطے سے وحی کا موصول ہونا۔

(۳) وحی کو دل میں القاء کیا جائے، جیسا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے روح القدس نے میرے دل میں اللہ کی ایک کاپی رکھ دی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اسی طرح وحی کی جاتی تھی، اور انبیاء علیہم السلام کے خیر کے لیے جو وحی کا لفظ بولا جاتا ہے وہ الہام یا تسخیر کے معنی میں ہوتا ہے۔

علامہ سہیلی نے الروض اللائف (ج ۱ ص ۱۵۴-۱۵۳، مطبوعہ ملتان) میں نزول وحی کی یہ سات صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) نبی ﷺ کو نیند میں کوئی واقعہ دکھایا جائے۔

(۲) گھنٹی کی آواز کی شکل میں آپ کے پاس وحی آئے۔

(۳) نبی ﷺ کے قلب میں کوئی معنی القاء کیا جائے۔

(۴) نبی ﷺ کے پاس فرشتہ انسانی شکل میں آئے اور حضرت جبریل آپ کے پاس حضرت وحیہ کلبیہ کی شکل

میں آئیں، حضرت وحیہ کی شکل میں آنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ حسین ترین شخص تھے، حتیٰ کہ وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر چلا کرتے تھے، مبادا عورتیں ان کو دیکھ کر فتنہ میں مبتلا ہوں۔

(۵) حضرت جبرائیل آپ کے پاس اپنی اصلی صورت میں آئیں اس صورت میں ان کے چہ سو پر تھے جن سے موتی

اور یاقوت جھڑتے تھے۔

(۶) اللہ تعالیٰ آپ سے یا تو بیداری میں پردہ کی اوٹ سے ہم کلام ہو جیسا کہ معراج کی شب ہوا، یا نیند میں ہم کلام

ہو، جیسے جامع ترمذی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے پاس حسین صورت میں آیا اور فرمایا ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں۔

(۷) اسرائیل علیہ السلام کی وحی، کیونکہ شعبی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو حضرت اسرائیل کے سپرد کر دیا گیا تھا اور

وہ تین سال تک نبی ﷺ کو دیکھتے رہے، اور وہ آپ کے پاس وحی لاتے تھے، پھر آپ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سپرد

کر دیا گیا، اور مسند احمد میں سند صحیح کے ساتھ شعبی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور

تین سال تک آپ کی نبوت کے ساتھ حضرت اسرائیل علیہ السلام رہے اور وہ آپ کو بعض کلمات اور بعض چیزوں کی خبر

دیتے تھے، اس وقت تک آپ پر قرآن مجید نازل نہیں ہوا تھا اور جب تین سال گزر گئے تو پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام

آپ کے پاس رہے پھر بیس سال آپ پر آپ کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا، دس سال مکہ میں اور دس سال مدینہ میں اور

ترہٹھ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ البتہ واقدی وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام

کے علاوہ آپ کو اور کسی فرشتہ کے سپرد نہیں کیا گیا۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۳۰، مطبوعہ دارۃ البیاعۃ المیریہ، مصر ۱۳۳۸ھ)

قرآن مجید کی تعریف اور قرآن مجید کے اسماء

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ سابقہ آسمانی کتابوں کے مختلف محرف اور محو ہو جانے کے بعد دنیا میں قیامت تک

وحی الہی صرف قرآن مجید کی صورت میں باقی اور محفوظ رہے، گزشتہ شریعتیں، شریعت مصطفوی کے بعد منسوخ ہو گئیں اور

اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے صرف شریعت محمدی اور دین اسلام کے واجب القبول ہونے کا اعلان فرما دیا، اور دین

اسلام اور شریعت محمدی کی اساس اور برہان قرآن مجید ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر دلائل ہیں، انبیاء

سابقین اور سیدنا حضرت محمد ﷺ کی نبوت، رسالت اور ان کی عظمتوں کا بیان ہے، حلال اور حرام، عبادات اور معاملات،

آداب اور اخلاق کے جملہ احکام کا بیان ہے، معلو جسمانی، حشر و نشر اور جنت و دوزخ کا تفصیل سے ذکر ہے، اور انسان کی

ہدایت کے لئے جس قدر امور کی ضرورت ہو سکتی ہے، ان سب کا قرآن مجید میں بیان ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ نَبِيًّا نَّا لِكُلِّ شَيْءٍ
وَهْدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ (النحل: ۸۹)
ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن
بیان ہے اور ہدایت اور رحمت ہے اور مسلمانوں کے لئے بشارت ہے۔
علماء اصول فقہ نے قرآن مجید کی یہ تعریف کی ہے:

قرآن مجید، اللہ تعالیٰ کا معجز کلام ہے جو ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد ﷺ پر عربی زبان میں نازل ہوا یہ مصاحف میں
لکھا ہوا ہے اور ہم تک تو اتر سے پہنچا ہے اس کی ابتداء سورہ فاتحہ سے ہے اور اس کا اختتام سورہ والناس پر ہے۔

قرآن مجید کے ترجمہ پر قرآن مجید کا اطلاق نہیں ہوگا کیونکہ قرآن مجید الفاظ عربیہ میں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (یوسف: ۲)
ہم نے اس کتاب کو بہ طور عربی قرآن نازل کیا۔

اسی طرح قرأت شاذہ جو تو اتر سے منقول نہیں ہیں ان پر بھی قرآن مجید کا اطلاق نہیں ہوگا۔
قرآن مجید میں قرآن مجید کے پانچ اسماء ذکر کئے گئے ہیں۔ قرآن، فرقان، کتاب، ذکر اور نور، ان اسماء کا ذکر حسب
ذیل آیات میں ہے:

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِی كِتَابٍ مَّكْنُونٍ
(الواقعه: ۷۸-۷۷) بے شک یہ بہت معزز قرآن ہے، محفوظ کتاب میں
(موجود ہے)

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ۝ فِی لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ
(البروج: ۲۲-۲۱) بلکہ وہ بہت معظم قرآن ہے، لوح محفوظ میں (لکھا ہوا ہے)
(البروج: ۲۲-۲۱)

قرآن مجید میں اٹھاون مرتبہ القرآن کا ذکر ہے، دس مرتبہ قرآن کا ذکر ہے اور دو مرتبہ قرآن کا بہ طور مصدر ذکر ہے۔
قرآن کا لفظ قراءت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے پڑھنا اور چونکہ اس کو بہت زیادہ پڑھا جاتا ہے اس لیے اس کو قرآن کہتے
ہیں۔ نیز قرء کا معنی ہے جمع کرنا، اور چونکہ قرآن مجید میں سورتیں اور آیات مجتمع ہیں اس لیے اس کو قرآن کہتے ہیں۔
فرقان کا ذکر اس آیت میں ہے:

تَبَارَكَ الَّذِی نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ ۝
لِیَكُونُ لِلْعَلَمِیْنَ نَذِیْرًا (الفرقان: ۱)
بہت برکت والا ہے جس نے اپنے (محبوب) بندہ پر
”فرقان“ کو نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔

فرقان، فرق سے ماخوذ ہے اور کیونکہ یہ کتاب حق اور باطل، ایمان اور کفر اور خیر اور شر کے درمیان فرق کرتی ہے،
اس لیے اس کا نام فرقان ہے۔

کتاب کا ذکر اس آیت میں ہے:

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ (البقرہ: ۲)
یہ عظیم کتاب (ہے) اس میں کوئی شک نہیں (ہے)

قَالُوا یَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ
بَعْدِ مُوسَىٰ (الاحقاف: ۳۰)
جنوں نے کہا اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب
کو سنا ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے۔

کتاب کا لفظ کتب سے بنا ہے، اس کے معنی ہیں جمع کرنا اور اس میں مختلف قصص، آیات اور احکام کو جمع کیا گیا ہے،
اس لیے اس کا نام کتاب ہے۔

ذکر اس آیت میں مذکور ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

(الحجر: ۹) محافظ ہیں۔

ذکر کے معنی ہیں نصیحت اور چونکہ قرآن مجید میں بہت زیادہ نصیحتیں بیان کی گئی ہیں اس لیے اس کا نام ذکر ہے۔

نور کا ذکر اس آیت میں ہے :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا (النساء: ۱۷۴)

اے لوگو بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے مستحکم دلیل آگئی اور ہم نے تمہاری طرف بیان کرنے والا نور نازل کیا۔

نور اس کو کہتے ہیں جو خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرے اور قرآن مجید بھی خود ظاہر ہے اور بہت سی اخبار، احکام اور اسرار کا مظہر ہے۔

مذکور الصدر اسماء کے علاوہ قرآن مجید کو مصحف بھی کہتے ہیں، مصحف کا معنی ہے جس میں صحیفوں کو جمع کیا گیا ہو اور صحیفہ چرمی ٹکڑے یا کاغذ کے ورق کو کہتے ہیں۔ علامہ نیشاپوری نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو جمع کرنے کے بعد اس کا نام رکھنے کے متعلق لوگوں سے مشورہ کیا اور پھر اس کا نام مصحف رکھا۔ (غرائب القرآن ج ۱ ص ۲۵ مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیرہ بولاق مصر ۱۳۲۳ھ)

قرآن کریم کے فضائل اور اجر و ثواب

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن مجید کا علم حاصل کرے اور لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۲، مطبوعہ نور مداح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص سورہ کہف پڑھ رہا تھا، اس کے گھر میں ایک جانور تھا۔ اچانک وہ جانور بدکنے لگا اس نے دیکھا کہ ایک بادل نے اس کو ڈھانپا ہوا ہے، اس شخص نے نبی ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا اے شخص! پڑھتے رہو، یہ سیکھنے ہے جو قرآن مجید کی تلاوت کے وقت نازل ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص قرآن مجید میں ماہر ہو وہ معزز اور بزرگ فرشتوں کے ساتھ رہتا ہے، اور جس شخص کو قرآن مجید پڑھنے میں دشواری ہوتی ہو اور وہ اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہو اس کو دو اجر ملتے ہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سنو! عنقریب فتنے برپا ہوں گے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان فتنوں سے نکلنے کی کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا کتاب اللہ! اس میں تم سے

پہلے لوگوں کی خبریں ہیں اور تمہارے بعد والوں کے لیے پیش گوئیاں ہیں اور یہ تمہارے درمیان حکم ہے، یہ (حق اور باطل کے درمیان) فیصلہ ہے، بے فائدہ نہیں ہے، جس متکبر نے اس کو ترک کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا، جس نے اس کے علاوہ کسی اور چیز میں ہدایت کو تلاش کیا اللہ تعالیٰ اس کو گمراہی میں رہنے دے گا، یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے، یہ حکمت آمیز نصیحت ہے۔ یہ صراطِ مستقیم ہے۔ اس کی وجہ سے خواہشات میں کجی نہیں آئے گی، کسی زبان کا کلام اس کے مشابہ نہیں ہو سکتا۔ علماء اس سے کبھی سیر نہیں ہوں گے، بار بار پڑھنے کے باوجود اس سے اکتاہٹ نہیں ہوگی، اس کے اسرار کبھی ختم نہیں ہوں گے، جنوں نے جب اس کو سنا تو اس پر ایمان لانے میں بالکل توقف نہیں کیا اور بے ساختہ کہا ”بے شک ہم نے حیرت انگیز کلام سنا جو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے، ہم اس پر ایمان لے آئے۔“ جس نے اس کے مطابق کہا اس نے سچ کہا۔ جس نے اس پر عمل کیا اس کو اجر دیا گیا۔ جس نے اس کے مطابق حکم کیا اس نے عدل کیا۔ جس نے اس کی دعوت دی وہ صراطِ مستقیم پر ہدایت یافتہ ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۳-۴۱۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اس کے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا دس گنا اجر ہے، اور میں یہ نہیں کہتا کہ ”الم“ ایک حرف ہے، لیکن الف ایک حرف ہے، اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۴۱۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن قرآن پڑھنے والا آئے گا تو قرآن کہے گا اے رب اس کو مزین کر، تب اس کو عزت کا تاج پہنایا جائے گا۔ پھر قرآن کہے گا اے رب! اس کو اور مزین کر، تو اس کو عزت والے حلے پہنائے جائیں گے، پھر قرآن کہے گا اے رب! اس سے راضی ہو جا! تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا۔ پھر اس شخص سے کہا جائے گا قرآن پڑھتا جا اور (جنت کے درجوں میں) چڑھتا جا اور ہر آیت کے بدلہ میں اس کو نیکی دی جائے گی۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے پیٹ میں قرآن نہ ہو وہ ویران گھر کی مانند ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجوں میں چڑھتا جا، اور جس طرح دنیا میں آہستہ آہستہ قرآن پڑھتا تھا، اسی طرح پڑھ، جہاں تو آخری آیت پڑھے گا وہی تیرا ٹھکانہ ہوگا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ علانیہ قرآن پڑھنے والا، علانیہ صدقہ کرنے والے کی مانند ہے اور پوشیدگی سے قرآن پڑھنے والا پوشیدگی سے صدقہ دینے والے کی مثل ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رب تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص قرآن پڑھنے میں مشغولیت کی وجہ سے میرا ذکر نہ کر سکا اور مجھ سے دعائے کرسکا۔ میں اس کو دعا کرنے والوں سے زیادہ عطا فرماؤں گا، اور

اللہ کے کلام کی فضیلت باقی کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ کی فضیلت مخلوق پر ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۱۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے۔ الحمد للہ رب العلمین پڑھتے پھر ٹھہرتے، پھر الرحمن الرحیم پڑھتے، پھر ٹھہرتے پھر مالک یوم الدین پڑھتے۔

(جامع ترمذی ص ۳۱۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ کی مخلوق سے کچھ لوگ اہل اللہ ہیں، صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا اہل قرآن، وہ اہل اللہ ہیں اور اللہ کے خاص بندے ہیں۔ (سنن کبریٰ ج ۵ ص ۱۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۱ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صرف دو خصلتوں میں حسد (رشک) کرنا جائز ہے، ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ دن رات اس مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتا ہے، اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا اور وہ دن رات قیام میں قرآن پڑھتا ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۵ ص ۱۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۱ھ)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: جس شخص نے قرآن مجید پڑھا اور اس کو حفظ کیا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا اور اس کو اس کے گھر کے دس ایسے افراد کی شفاعت کرنے والا بنائے گا جن میں سے ہر ایک کے لیے جہنم واجب ہو چکا ہو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حافظ نور الدین البیہقی بیان کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں قرآن مجید پڑھانے کا حکم دیا اور اس پر برا نیگینہ کیا، اور فرمایا قیامت کے دن جب قرآن پڑھنے والے کے گھروالوں کو بہت سخت حاجت ہوگی تو قرآن ان کے پاس آئے گا اور مسلمان سے کہے گا مجھے پہچانتے ہو؟ وہ شخص کہے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گا میں وہ ہوں جس سے تم محبت کرتے تھے اور اس سے جدائی کو ناپسند کرتے تھے، جو تم کو کھینچتا تھا اور تم کو قریب کرتا تھا، وہ شخص کہے گا شاید تم قرآن ہو، پھر قرآن اس کو اس کے رب عز و جل کے پاس لے جائے گا، اس کے دائیں طرف فرشتہ ہو گا اور بائیں طرف جنت ہوگی، اس کے سر کے اوپر سیکنہ کو رکھا جائے گا اور اس کے ماں باپ کو تمام دنیا سے قیمتی حلے دیئے جائیں گے، وہ کہیں گے کہ ہمارے اعمال تو اس انعام کے لائق نہیں یہ کس چیز کا صلہ ہیں، قرآن کہے گا یہ تمہارے بیٹے کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں سوید بن عبد العزیز متروک راوی ہے اور ہشیم نے اس کے متعلق اچھے کلمات کہے ہیں اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۰، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت، ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے بزرگ لوگ حاملین قرآن ہیں۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں سعد بن سعید ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۱، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت، ۱۴۰۲ھ)

معاذ بن انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: جس شخص نے سبحان اللہ العظیم کہا اس

کے لیے جنت میں ایک پودا اگایا جاتا ہے اور جس نے پورا قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا اس کے والدین کو ایک تاج پہنایا جائے گا جو سورج کی روشنی سے زیادہ حسین ہوگا۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں زبان بن قائد ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۲۱-۱۲۲، مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے قرآن مجید کی کسی ایک آیت کو قعداً سنا، اس کے لیے ایک نیکی کو دگنا کر کے لکھا جائے گا اور جس نے اس کو تلاوت کیا وہ قیامت کے دن اس کے لیے نور ہو جائے گی۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں عبد بن میسرہ ہے۔ امام احمد نے اس کو ضعیف کہا ہے اور امام ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۲۲، مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن پڑھنے والا جب قرآن کے حلال کو حلال قرار دے اور اس کے حرام کو حرام قرار دے تو وہ اپنے گھر کے ان دس افراد کے لیے شفاعت کرے گا جن میں سے ہر ایک کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہوگی، اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں جعفر بن حارث ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۲۲، مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ اس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرے وہ غور کرے اگر وہ قرآن سے محبت کرتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص علم کا ارادہ کرے وہ قرآن میں غور کرے کیونکہ اس میں اولین اور آخرین کا علم ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے کئی سندوں سے روایت کیا ہے اور ایک سند کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۲۵، مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

عثمان بن عبد اللہ بن اوس اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مصحف میں دیکھے بغیر قرآن پڑھنے کا ہزار درجہ اجر ہے اور مصحف میں دیکھ کر پڑھنے کا دو ہزار درجہ اجر ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں ابو سعید بن عون ہے، ابن معبد سے اس کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک روایت میں اس کی تضعیف کی ہے اور دوسری میں اس کی توثیق کی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۲۵، مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنے بیٹے کو ناظرہ قرآن پڑھایا اس کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے اس کو زبانی قرآن پڑھایا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ایسی صورت پر اٹھائے گا جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے اور اس کے بیٹے سے کہا جائے گا قرآن پڑھو اور جب بھی وہ ایک آیت پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے باپ کا ایک درجہ بلند کر دے گا حتیٰ کہ اس کا بیٹا وہ تمام قرآن پڑھ لے گا جو اس کو یاد ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کے ایک راوی کو میں نہیں پہچانتا۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۲۶-۱۲۵، مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص بھی اپنے بچے کو دنیا میں قرآن کی تعلیم دیتا ہے اس کو قیامت کے دن جنت میں تاج پہنایا جائے گا جس کو تمام جنت والے پہچان لیں گے کہ یہ دنیا میں اس کے بیٹے کو

قرآن پڑھانے کی وجہ سے پہنایا گیا ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں جلیل بن سلیم ہے، جس کو ازدی نے ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۶-۱۶۵، مطبوعہ دارالکتب العربی، ۱۴۰۲ھ، بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس گھر میں قرآن پڑھا جائے اس میں بہت خیر ہوتی ہے اور جس گھر میں قرآن نہ پڑھا جائے اس میں کم خیر ہوتی ہے۔ اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عمرو بن نبہان ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۷۱، مطبوعہ دارالکتب العربی، ۱۴۰۲ھ، بیروت)

قرآن مجید کو پڑھنے اور سننے کے احکام، آداب اور بعض ضروری مسائل

جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کا ارادہ کرے اس کو چاہیے کہ اپنے منہ کو ہر قسم کی بدبو سے اچھی طرح صاف کر لے۔ خاص طور پر تمباکو نوشی کرنے والے، نسوار ڈالنے والے اور کپا لسن اور پیاز کھانے والوں کو کسی اچھی پیسٹ سے منہ صاف کرنا چاہیے اور منہ میں الاپچی وغیرہ رکھنی چاہیے اور دیگر عطریات کی خوشبو لگانا چاہیے کیونکہ فرشتے تلاوت قرآن کے دوران حاضر ہوتے ہیں اور بدبو سے ان کو تکلیف ہوتی ہے، اور خوشبو سے راحت ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت با وضو کرنا مستحب ہے، اور اگر قرآن مجید کو چھوئے بغیر زبانی بے وضو پڑھا جائے تو جائز ہے، اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور اس سلسلہ میں بکثرت احادیث ہیں، تاہم یہ خلاف مستحب اور خلاف اولیٰ ہے۔ اگر پانی نہ ملے تو تیمم کر کے تلاوت کرے، جس عورت کو حیض نہ ہو صرف استحاضہ کا خون جاری ہو وہ بے وضو کے حکم میں ہے، وہ نماز کے کسی ایک وقت کے شروع میں وضو کر لے تو دوسرے وقت کے شروع ہونے تک اس کا وضو رہے گا۔ بشرطیکہ کسی اور وجہ سے اس کا وضو نہ ٹوٹے، جنبی اور حائض کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کرنا حرام ہے، خواہ ایک آیت ہو یا اس سے کم ہو، البتہ جنبی اور حائض بغیر تلفظ کے دل میں قرآن مجید کو پڑھ سکتے ہیں، البتہ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ تسبیح، تہلیل، تحمید، درود شریف اور دیگر تمام اذکار اور وظائف جنبی اور حائض پڑھ سکتے ہیں اور اگر تلاوت قرآن کا قصد نہ ہو تو بطور دعا قرآن مجید کی آیات بھی پڑھ سکتے ہیں مثلاً: بے طور شکر الحمد للہ رب العلمین پڑھ سکتے ہیں۔ سواری پر بیٹھتے وقت سبحان الذی سخر لنا هذا والی آیت اور مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ سکتے ہیں، لیکن یہ بھی خلاف مستحب اور خلاف افضل ہے۔

کسی پاک اور صاف جگہ پر بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے۔ مسجد میں تلاوت کرنا بہت عمدہ ہے، اسی طرح اعتکاف میں، اور جب بھی انسان مسجد میں داخل ہو اعتکاف کی نیت کرے، اگر مسجد میں تھا ہو تو متوسط بلند آواز سے تلاوت کرے اور اگر لوگ بھی تلاوت کر رہے ہوں، یا دوسرے لوگ نماز اور اور اذکار میں مشغول ہوں تو پھر آہستہ تلاوت کرے تاکہ کسی کی تلاوت اور عبادت میں خلل نہ پڑے۔ نیز سر ڈھانک کر سکون، خضوع، خشوع، وقار اور ادب کے ساتھ بیٹھ کر تلاوت کرے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے تلاوت کرے۔ حدیث میں ہے کہ بہترین نشست وہ ہے جس میں منہ قبلہ کی طرف ہو۔ امام ابو داؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حمام میں قرآن مجید کی تلاوت نہ کرے۔ ابو میرہ سے روایت ہے کہ پاک جگہ قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، آج کل لوگ اچھے باتھ میں وضو کرتے ہیں، بسم اللہ اور وضو کی دعائیں اس جگہ نہیں پڑھنی چاہئیں اور کسی بھی مہمان، مبتذل اور غیر محترم جگہ پر قرآن مجید پڑھنے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا نام لینے سے اجتناب کیا جائے۔

قرآن مجید کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھے، اور قرآن مجید کی آیات کے معانی میں غور و فکر اور تدبر و تفکر کرے، جس آیت میں ذوق و شوق اور وجد آئے اس کو بار بار دہرائے، کیونکہ امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ ایک رات صبح تک اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے۔ (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۵۷-۱۵۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)۔

اِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَلَا تَنْفَعُكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (المائدہ: ۷۸)
اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں،
اور اگر تو ان کو بخش دے تو بہت غالب، بڑی حکمت والا ہے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات صبح تک آپ اس آیت کو دہراتے رہے:
اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَوْا السَّيِّئَاتِ اَنْ
تَجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ سَوَآءٌ
مَّحْيًا هُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءٌ مَا يَحْكُمُوْنَ
(الباقیۃ: ۲۱)
کیا جن لوگوں نے گناہ کیے ہیں انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے
کہ ہم انہیں ان لوگوں کی مثل کر دیں گے جو ایمان لائے اور
انہوں نے نیک کام کیے کہ ان (سب) کی زندگی اور موت برابر ہو
جائے۔ وہ کیا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

اسی طرح صحابہ کرام اور فقہاء تابعین سے منقول ہے کہ انہوں نے تلاوت کے دوران بعض آیات کو بار بار پڑھا۔
قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے یا تلاوت کو سنتے ہوئے، جب اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب، اس کی گرفت اور اس کے
عذاب کی آیات سے گزریں تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونا چاہیے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰوْتُوْا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ
يَخْرُوْنَ لِلّٰذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا
اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخْرُوْنَ لِلّٰذْقَانِ
يَسْكُوْنَ وَيَرْيَدُوْهُمْ خُشُوْعًا ۝
(بنی اسرائیل: ۱۰۹-۱۰۷)
بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا، جب ان پر
اس (قرآن) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ
میں گر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب (ہر عیب سے) پاک
ہے، بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہونا تھا اور وہ روتے
ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے
(دلوں میں) خوف خدا کو اور زیادہ کرتا ہے۔

اس سلسلہ میں بہ کثرت احادیث ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا قرآن پڑھتے ہوئے روؤ اگر رونانہ آئے تو کوشش کر کے
روؤ۔ (سنن ابن ماجہ ص ۵۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)
امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے اس قدر روتے تھے کہ
مشروکوں کی عورتیں بھی ان کا گریہ سن کر متاثر ہوتی تھیں، (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۷، مطبوعہ نور محمد الطالع کراچی ۱۳۸۱ھ)
اسی طرح بہ کثرت صحابہ اور تابعین سے تلاوت قرآن کے دوران رونا منقول ہے۔

قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جلدی جلدی
پورا قرآن پڑھنے کی بہ نسبت میرے نزدیک یہ بہتر ہے کہ صرف ایک سورت ترتیل کے ساتھ پڑھ لی جائے، قرآن مجید میں
ہے:

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلًا (المزمل: ۴)
قرآن مجید آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے۔

مجاہد سے روایت ہے کہ ہمیں جلدی جلدی قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور وہ ان کے گلوں کے نیچے سے نہیں اترتا، لیکن جب قرآن مجید دل میں ٹھہر کر جم جائے تو نفع دیتا ہے۔ ترتیل کے ساتھ پڑھنے میں قرآن مجید کی زیادہ توقیر اور احترام ہے اور اس کی دل میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۷۵ھ)

جب قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت پڑھے جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کا ذکر ہو تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت اور مغفرت کا سوال کرے، اور جب عذاب کی آیت کو پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ طلب کرے۔ جب کسی آیت میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کا ذکر ہو تو سبحان اللہ کہے۔ امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب (نفل) نماز میں کسی رحمت کی آیت کو پڑھتے تو اس کا سوال کرتے اور جب عذاب کی آیت پڑھتے تو اللہ کی پناہ مانگتے اور جب اللہ کی عظمت کی آیت پڑھتے تو سبحان اللہ کہتے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۹۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا ذکر ہو تو دعا کرے کہ اللہ ان کی اتباع نصیب فرمائے۔ اسی طرح جنت کے ذکر پر جنت کا سوال کرے اور دوزخ کے ذکر پر دوزخ سے پناہ مانگے۔ جب یہ آیت پڑھے الیس اللہ با حکم الحاکمین تو کئے بلی وانا علی ذالک من الشاہدین جب فباى الا ربکما نکذ بان پڑھے یا فباى حدیث بعدہ یومنون پڑھے تو کئے امنت باللہ جب الیس ذالک بقادر علی ان یحیی الموتی پڑھے تو کئے ملی۔ (سنن ابو داؤد و جامع ترمذی) امام شافعی کے نزدیک نماز میں بھی اس طرح دعا کرنا اور جواب دینا مستحب ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا استحباب فرض نماز کے غیر میں ہے، فرض نماز میں اس طرح کرنا مکروہ ہے۔ البتہ نفلی نمازوں میں جائز ہے اور سنن ابن ماجہ میں نفلی نماز کی تصریح ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کے دوران اس کا مکمل احترام ملحوظ رکھے، اس دوران باتیں نہ کرے، ہنسنے سے گریز کرے الا یہ کہ کوئی ناگزیر بات کرنی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الاعراف: ۲۰۴)

اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

امام ابو داؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب تک وہ اپنے ارادہ کے مطابق قراءت نہیں کر لیتے تھے کسی سے بات نہیں کرتے تھے، اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید سے فارغ ہونے سے پہلے بات نہیں کرتے تھے۔

جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اس کے سننے کے متعلق فقہاء احناف کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض عین ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا سننا فرض کفایہ ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

قرآن مجید کا سننا مطلقاً واجب ہے، خواہ نماز میں سنے یا خارج از نماز میں، کیونکہ یہ آیت اگرچہ نماز کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے لیکن اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوصیت سبب کا نہیں ہوتا، لیکن یہ اس وقت واجب ہے جب کوئی عذر نہ ہو، تنبیہ میں مذکور ہے کہ گھر میں بچہ قرآن کریم پڑھ رہا ہو اور گھر والے کام میں مشغول ہوں تو وہ نہ سننے میں معذور ہیں نہ شرطیکہ انہوں نے کام پہلے شروع کیا ہو، ورنہ نہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کے دوران فقہ کی کتابوں کے مطالعہ

کسے کا حکم ہے، فتح القدیر میں خلاصہ سے منقول ہے کہ کوئی شخص فقہ لکھ رہا ہو اور اس کے پاس بیٹھ کر کوئی شخص قرآن پڑھنا شروع کر دے اور اس کے لیے قرآن مجید کو سننا ممکن نہ ہو تو نگاہ پڑھنے والے پر ہے۔ اس طرح اگر کوئی شخص چست پر قرآن مجید پڑھے اور لوگ سوئے ہوئے ہوں تو پڑھنے والا گنہ گار ہوگا، کیونکہ وہی شخص ان کے استماع سے اعراض کا سبب بنا ہے، کیونکہ وہ ان کو جگا کر ایذا پہنچا رہا ہے، اور شرح المنیتہ میں مذکور ہے کہ اصل یہ ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض کفایہ ہے کیونکہ قرآن مجید پڑھنے کا حق یہ ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور اس کو ضائع نہ کیا جائے اور بعض لوگوں کے خاموش ہونے سے یہ حق ادا ہو جاتا ہے جیسے مسلمان کے سلام کا جواب دینا اس مسلمان کے حق کی رعایت کی وجہ سے واجب ہے اور بعض لوگوں کے جواب دینے سے یہ حق ادا ہو جاتا ہے، اور باقی تمام لوگوں سے اس کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ ہاں! قرآن مجید پڑھنے والے پر قرآن کریم کا احترام کرنا واجب ہے، بایں طور کہ بازاروں میں قرآن نہ پڑھے، نہ ایسی جگہوں پر قرآن کریم پڑھے جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں، اگر اس نے ایسی جگہوں پر قرآن مجید پڑھا تو وہی شخص قرآن مجید کے احترام کو ضائع کرنے والا ہوگا، نہ کہ مصروف اور مشغول لوگ تاکہ لوگ حرج میں مبتلا نہ ہوں۔ علامہ حموی نے اپنے استاذ قاضی القضاۃ منقاری زادہ سے نقل کیا ہے کہ ان کی تحقیق یہ ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض عین ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۶۷-۳۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

ہمارے زمانہ میں لوگ مسجدوں میں مائیک پر تراویح اور شینے پڑھتے ہیں اور باہر کے اسپیکروں کو کھول دیتے ہیں جس سے گھلوں اور بازاروں میں دور دور تک قرآن مجید کی آواز جاتی ہے اور لوگ اپنی مصروفیات کی وجہ سے قرآن مجید نہیں سن سکتے اور یوں قرآن مجید کی بے حرمتی ہوتی ہے اور اس کا گنہ گار ہوتا ہے جو مسجد کے باہر کے اسپیکر چلاتے ہیں۔ اس لیے واجب ہے کہ صرف مسجد کے اندر کے اسپیکروں کو چلایا جائے اور ان کی آواز بھی اتنی اونچی نہ کی جائے جس سے مسجد کے باہر آواز جائے۔

تلاوت کے دوران صرف قرآن مجید پر نظر رکھنی چاہیے اور ہر اوہر نہ دیکھے خاص طور پر اجنبی عورتوں اور خوبصورت اور بے ریش لڑکوں کی طرف نہ دیکھے کیونکہ خوبصورت بے ریش لڑکے بھی عورتوں کے حکم میں ہیں اور عورتوں کی بہ نسبت ان سے قضاء شہوت زیادہ سہل ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۷۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ) البتہ خرید و فروخت، علاج معالجہ اور تعلیم کے وقت بہ قدر ضرورت ان کی طرف دیکھنا جائز ہے مگر باندھ کر ان کی طرف نہ دیکھے اور یہ حکم صرف بے ریش لڑکے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جو شخص بھی اس کی شہوت کا محل ہو، مرد ہو یا عورت۔

قرآن مجید کو مصحف کی ترتیب کے مطابق پڑھنا چاہیے مثلاً پہلے سورہ فاتحہ پھر سورہ بقرہ، امام طبرانی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہیں بتایا گیا کہ ایک شخص الٹی قراءت کرتا ہے۔ فرمایا اس کا دل الٹا ہے (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۸) اس لیے کسی سورت کو آخر سے شروع تک الٹا پڑھنا سخت ممنوع ہے۔ البتہ بچوں کو تعلیم کے لیے آخری پارہ کی آخری سورتوں سے حفظ کی ابتداء کرنا جائز ہے۔ قرآن مجید کو مصحف سے دیکھ کر پڑھنا، زبانی پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ مصحف میں دیکھنا بھی عبادت مقصودہ ہے لیکن اگر کسی شخص کا خضوع اور خشوع اور تدبر اور تفکر زبانی پڑھنے سے زیادہ ہوتا ہے تو اس کو زبانی پڑھنا افضل ہے، امام طبرانی نے حضرت عثمان بن عبداللہ بن اوس ثقفی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بغیر مصحف کے پڑھنے کے ہزار درجات ہیں اور مصحف میں دیکھ کر پڑھنے کے دو ہزار درجات

ہیں (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۵) بعض صورتوں میں قرآن مجید کو آہستہ پڑھنا افضل ہے اور بعض صورتوں میں بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے، آہستہ پڑھنا خدشہ ریا سے مامون ہے، اور جب یہ خطرہ نہ ہو تو بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے، کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ دوسروں تک پہنچتا ہے، اور اس سے پڑھنے والے کا دل بیدار اور اس کا ذہن متوجہ رہتا ہے، اور اس کو سننے کا ثواب بھی ملتا ہے۔ اس کی نیند دور ہوتی ہے۔ اور اس کی تروتازگی زیادہ ہوتی ہے اور وہ غفلتوں کو متنبہ کرتا ہے لیکن یہ فضیلت اس وقت ہے جب اس کے بلند آواز کے ساتھ پڑھنے سے کسی کی نیند، آرام، عبادت اور کام میں حرج اور خلل نہ ہو، قرآن مجید کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ امام ابو داؤد اور امام نسائی وغیرہا نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی آوازوں کے ساتھ قرآن مجید کو مزین کرو۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۷)

البتہ قرآن مجید کو سازوں اور دھنوں کے تابع کر کے نہیں پڑھنا چاہیے اور نہ اس طرح کہ صیغہ بدل جائے یا لفظ حدود قراءت سے نکل جائے جن فقہاء کرام نے قرآن مجید کو تفسی کے ساتھ پڑھنے سے منع کیا ہے اس کا یہی محمل ہے۔ قرآن مجید کو پڑھنا مطلقاً مستحب ہے مگر بعض احوال میں مکروہ ہے۔ نماز کے رکوع، سجود اور تشہد میں قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے، امام کے پیچھے قیام میں بھی قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے، بیت الخلاء اور حمام میں قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے، اونگھتے ہوئے اور جمعہ کے خطبہ کے وقت نمازیوں کا قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے۔ حالت طواف میں قرآن مجید پڑھنا امام مالک کے نزدیک مکروہ ہے اور جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے۔ دوسری رکعت میں پہلی رکعت سے بہت زیادہ قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے، ایک یا دو آیتیں زیادہ ہوں تو حرج نہیں۔ اسی طرح نماز میں اتنی زیادہ قراءت کرنا جو مقتدیوں پر گراں اور دشوار ہو یہ بھی مکروہ ہے یا کسی ایک سورت کو معین کر لینا اور دوسری سورت پڑھنے کو ناجائز سمجھنا یہ بھی مکروہ ہے۔

جب کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا ہو اور اس دوران کوئی بزرگ عالم دین، یا اس کا والد یا اس کا استاذ آجائے تو اس کے احترام اور اکرام کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں علی ہاشم الہندی ج ۳ ص ۴۲۲، مطبوعہ مطبع کبری بولاق مصر ۱۳۱۰ھ) اکرام اور تعظیم کے لیے قیام کرنا نبی ﷺ آپ کے اصحاب اور فقہاء تابعین اور علماء صالحین سے ثابت ہے بشرطیکہ اس میں ریا اور دنیاوی غرض نہ ہو۔

جب کوئی شخص چلتے ہوئے قرآن مجید پڑھ رہا ہو اور اس کا کسی قوم پر گذر ہو تو قراءت منقطع کر کے ان کو سلام کرے اور پھر سے قراءت شروع کر دے، اور مستحب یہ ہے کہ دوبارہ اعوذ باللہ پڑھے اور اگر کوئی شخص قرآن مجید پڑھنے والے کے پاس آئے تو اولیٰ یہ ہے کہ وہ اس کو سلام نہ کرے، اگر اس نے سلام کر دیا تو قاری اشارہ سے جواب دے اور اگر اس نے زبان سے جواب دیا تو دوبارہ اعوذ باللہ پڑھ لے اور اگر قرآن کریم پڑھنے کے دوران چھینک آئے تو الحمد للہ کہنا مستحب ہے۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کو ایک ماہ میں ختم کیا جائے اور سات دن سے کم میں ختم نہ کیا جائے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطالعی کراچی ۱۳۸۱ھ) قرآن مجید کو نماز میں ختم کرنا مستحب ہے یا سنت فجر میں ختم کرے، اور اگر غیر نماز میں ختم کرے تو دن یا رات کے اول حصہ میں ختم کرے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید ختم کرتے تو اپنے گھروالوں کو جمع کر کے دعا کرتے، بعض

احادیث صحیحہ میں ہے کہ ختم قرآن کے وقت اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے، اور ختم قرآن کے وقت دعا کرنا مستحب ہے، اس وقت اپنے اہم کاموں اور عام مسلمانوں کی فلاح کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ قرآن مجید کی یا مصحف کی تحفیف کرنا، یا اس کی تکذیب کرنا، یا اس کے کسی حرف پر انکار کرنا یا اس میں قصداً کسی حکم کو کم کرنا یا زیادہ کرنا یا تحریف کرنا کفر ہے، اور بغیر علم کے قرآن مجید کے معنی بیان کرنا یا اس کی تفسیر کرنا حرام ہے۔ امام ابو داؤد حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن مجید میں کوئی بات کی اگرچہ وہ صحیح ہو پھر بھی اس نے خطا کی (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵۸) قرآن مجید یاد کر کے اس کو بھول جانا سخت گناہ ہے۔ امام ابو داؤد حضرت سعد بن عبلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے بھی قرآن مجید پڑھ کر بھلا دیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کوڑھ کی حالت میں ملاقات کرے گا۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۷) امام بخاری حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے فلاں فلاں آیت بھلا دی بلکہ یہ کہے کہ فلاں فلاں آیت نے مجھے بھلا دیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۵۳) قرآن مجید پڑھ کر دم کرنا جائز ہے۔ امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر رات کو سورہ اخلاص، سورہ فلق اور سورہ الناس پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیوں پر دم کرتے پھر ان ہتھیلیوں کو اپنے سر اور اپنے چہرے پر اور جہاں تک ہاتھ پہنچتا ان ہتھیلیوں کو جسم پر پھیرتے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۵) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی (۱۳۸۱ھ)

تفسیر کی کتابوں کو بے وضو ہاتھ لگانے کی تحقیق

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

تفسیر کی کتابیں مصحف کی مثل ہیں۔ (قرآن مجید کی طرح ان کو بھی بلا وضو چھونا جائز نہیں ہے) باقی دیگر شرعی کتابوں کا یہ حکم نہیں ہے اور ماسوا تفسیر کے باقی دینی کتابوں کو بے وضو چھونا جائز ہے، درر میں مجمع الفتاویٰ سے اسی طرح منقول ہے۔ سراج میں لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ باقی شرعی کتابوں کو بھی بے وضو ہاتھ نہ لگائے۔ لیکن اشباہ میں یہ قاعدہ مذکور ہے کہ جب حلال اور حرام مجتمع ہوں تو حرام کو ترجیح دی جاتی ہے اور ہمارے اصحاب نے بے وضو تفسیر کی کتابوں کو ہاتھ لگانے کی اجازت دی ہے اور انہوں نے یہ فرق نہیں کیا کہ اس کتب میں اکثر حصہ تفسیر کا ہو یا قرآن مجید کا اور اگر وہ یہ فرق کرتے تو بہتر تھا۔ (در مختار علی حاشیاء رد المحتار ج ۱ ص ۸۹-۸۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ)

علامہ شامی نے لکھا ہے اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں:

(۱) بے وضو کے لیے مصحف (قرآن کریم) کو ہاتھ لگانا مکروہ (تحریمی) ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اسی طرح احادیث اور کتب فقہ کو بھی بے وضو کا ہاتھ لگانا مکروہ ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ مکروہ نہیں ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ) شرح المنیہ میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ احادیث اور کتب فقہ میں جو قرآن مجید کی آیات ہیں وہ بہ منزلہ تابع ہیں اور حدیث اور فقہ کی کتابوں کے مس کرنے والے کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ قرآن مجید کو مس کر رہا ہے۔

(۲) علامہ ابن حامد نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ تفسیر حدیث اور فقہ کی کتابوں کو بے وضو چھونا بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ کتابیں قرآن مجید کی آیات سے خالی نہیں ہوتیں۔ اس قول کے مطابق نحو کی شروحات کو بھی بے وضو ہاتھ لگانا مکروہ ہوگا

کیونکہ ان میں بھی قرآن مجید کی آیات ہوتی ہیں (بلکہ بعض منطق کی کتابوں میں بھی قرآن مجید کی آیات ہوتی ہیں۔)
(۳) النہر الفائق میں مذکور ہے کہ جن کتابوں میں قرآن مجید کی آیات زیادہ ہوں ان کتابوں کو بے وضو چھونا مکروہ ہے اور جن کتابوں میں قرآن مجید کی آیات کم ہوں ان کو بے وضو چھونا مکروہ نہیں ہے کیونکہ اعتبار اکثر اور اغلب کا ہوتا ہے۔ اس بنا پر کتب تفسیر کو بے وضو چھونا مکروہ ہوگا اور باقی دینی کتابوں کو بے وضو چھونا مکروہ نہیں ہوگا، اور ان کتابوں میں بھی جس جگہ قرآن مجید کی آیات لکھی ہوں وہیں بے وضو ہاتھ نہ لگایا جائے۔

علامہ شامی نے اس تیسرے قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں قرآن مجید کی آیات کو بالقصد لکھا جاتا ہے بالتبع نہیں لکھا جاتا اس لیے یہ مصحف کے مشابہ ہیں۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۱۹-۱۱۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)
قرآن مجید کا اعجاز

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جو عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ یہ سیدنا حضرت محمد ﷺ کی تصنیف ہے نہ حضرت جبریل علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ
غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا۔ (النساء: ۸۲) غیر کی جانب سے ہوتا تو وہ ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔
وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَلَمِينَ ۚ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ
الْأَمِينُ ۚ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ (الشعراء: ۱۹۵-۱۹۴) بے شک وہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے جسے جبریل نے واضح عربی زبان میں آپ کے قلب پر نازل کیا ہے تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔

قرآن مجید معجز کلام ہے، اور تمام جن و انس مل کر بھی اس کی نظیر لانا چاہیں تو وہ اس کی نظیر نہیں لاسکتے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لِّیْنَ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا
بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ (الاسراء: ۸۸) آپ کہیے کہ اگر تمام انسان اور جن قرآن کی مثل لانے پر جمع ہو جائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لاسکتے۔

نیز فرمایا:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ
مُفْتَرِيَاتٍ وَّادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ
كُنْتُمْ صَادِقِينَ (ہود: ۱۳) کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن خود گھڑ لیا ہے، آپ فرمادیتے کہ پھر تم اس کی مثل دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور اپنی مدد کے لئے اللہ کے سوا جس کو بلا سکتے ہو بلاؤ، اگر تم سچے ہو۔

اور فرمایا:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا
فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهِ (البقرہ: ۲۳) اگر تم کو (اس کلام کے کلام ربانی ہونے میں) شک ہے جس کو ہم نے اپنے (محبوب) بندہ پر نازل کیا ہے تو اس کی مثل ایک سورت ہی لے آؤ۔

اور یہ بھی فرمایا:

قَلْبًا تَوَّابًا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ط
انہیں چاہئے کہ وہ اس کی مثل کوئی بات (آیت) لے
(الطور: ۳۴) آئیں اگر وہ سچے ہیں۔

عدم النظیر ہونے کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا

چودہ سو سال سے زیادہ گزر چکے ہیں اور دن بہ دن دنیا میں علوم و فنون کی ترقی ہو رہی ہے، اور اسلام کے مخالفین اور منکرین بھی بہت زیادہ ہیں، اس کے باوجود آج تک کوئی شخص قرآن مجید کی کسی ایک سورت یا کسی ایک آیت کی مثل نہیں لاسکا، اگر کسی شخص کی قدرت میں اس کی کسی ایک سورت یا کسی ایک آیت کی مثل لانا ممکن ہوتا تو وہ اب تک لاچکا ہوتا۔ قرآن مجید کی ہر سورت بلکہ ہر آیت ایک چیلنج ہے اور اس کی ہر آیت معجزہ ہے اور اس کی ہر آیت قرآن کریم کی صداقت، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور سیدنا حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی روشن دلیل ہے۔

قرآن کریم کے معجز ہونے کے لیے یہ امر کافی ہے کہ چودہ سو سال سے لے کر آج تک کوئی اس کی نظیر اور مثل نہیں لاسکا۔۔۔۔۔ علامہ طبری نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں صرف مواعظ (نصیحتیں) بیان کی ہیں، اور زبور میں صرف اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثناء ہے اور انجیل میں صرف مثالیں بیان کی ہیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر جو کتب نازل کی ہے اس میں مواعظ، حمد و ثناء اور تمثیلات بھی ہیں اور وہ تمام خصوصیات ہیں جو کتب سابقہ میں تھیں اور ان پر مستزاد یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایسے اصول اور احکام بیان کئے گئے ہیں جو عہد رسالت سے لے کر قیامت تک آنے والی تمام نسل انسانی کے نظام حیات کے لیے کافی اور وافی ہیں۔

فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا

قرآن مجید میں جو مضامین بیان کئے گئے ہیں ان کی عبارت ایسی فصیح و بلیغ ہے کہ بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء حیران و ششدر رہ گئے اور ان کو یہ تسلیم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں، اللہ وحدہ لا شریک کا کلام ہے۔ قرآن مجید کے مضامین میں توحید و رسالت ہے، ہدایت ہے، ترغیب و ترہیب ہے، وعد اور وعید ہے، امر اور زجر ہے، قصص ہیں، دلائل اور براہین ہیں، مثالیں ہیں، حقائق کائنات ہیں اور ان کے اسرار ہیں، ماضی اور مستقبل کے واقعات ہیں، غیب کی خبریں ہیں اور بہ کثرت پیش گوئیاں ہیں جو حرف بہ حرف صادق ہوئیں اور مسلسل صادق ہو رہی ہیں۔

قرآن مجید کے مضامین جس نظم اور عبارت میں بیان کئے گئے ہیں ان کے معجز ہونے کا اور انسان کی قدرت کے قاصر ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک فصیح و بلیغ انسان جب ایک خطبہ یا قصیدہ لکھتا ہے تو وہ اس میں اپنی تمام صلاحیت بروئے کار لاتا ہے، پھر اس میں مسلسل غور کرتا رہتا ہے اور کئی لفظ حذف کرتا ہے، کئی جملے تبدیل کرتا ہے، لکھتا ہے مٹاتا ہے پھر تصحیح در تصحیح کرتا ہے، پھر کسی اور شخص کو دکھاتا ہے اور وہ اس میں طبع آزمائی کرتا ہے اور اس کی تنقید کرتا ہے اور اس میں غور و فکر کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے، پھر بھی حتیٰ طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں اب کوئی لفظ تبدیل نہیں کیا جاسکتا یا کوئی جملہ حذف نہیں کیا جاسکتا، اور قرآن مجید میں کسی ایک لفظ کو اس کی جگہ سے ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھنا چاہیں تو تمام لغت عرب کو چھاننے کے بعد بھی اس لفظ کا متبادل نہیں مل سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام معجزہ ہے اور انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے بغیر غور و فکر کے فی البدیہہ یہ کلام پیش کیا جب

کہ آپ امی تھے، کسی مکتب میں لکھنے پڑھنے کبھی نہیں گئے تھے اور یہ ایسا کلام ہے کہ اس کی ہر آیت میں اعجاز ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

کفار عرب میں سے بعض لوگوں نے قرآن مجید کو جب پہلی بار سنا تو سنتے ہی اس کے اعجاز کو جان لیا اور فوراً مسلمان ہو گئے، اور بعض نے اس کے اعجاز کو جانا لیکن عناداً "کفر کیا" کسی نے کہا یہ شعر ہے، کسی نے کہا کہانت (جنوں کا کلام) ہے، کسی نے کہا یہ سحر ہے۔ جن لوگوں نے قرآن کریم کو سنتے ہی اس کے اعجاز کو جان لیا ان میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو سورۃ طہ کی چند آیات سنتے ہی ہادی اسلام کی دہلیز پر قبول اسلام کے لیے جا پہنچے، اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں جو حم السجدہ کی ابتدائی چند آیات سنتے ہی مسلمان ہو گئے، اور جو قرآن مجید کے اعجاز کا اور اک کرنے کے باوجود کفر پر قائم رہے ان میں سے عتبہ ہے، اور ولید بن مغیرہ ہے۔ علامہ ابو الحیمان اندلسی نے بیان کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے بنو مخزوم سے کہا میں نے ابھی ابھی (سیدنا) محمد ﷺ سے ایسا کلام سنا ہے جو کسی انسان کا کلام ہو سکتا ہے نہ جن کا، اس کلام میں شہد کی شیرینی ہے اور سمندروں کی روانی ہے، اس کی بلندی ثمر آور ہے اور اس کی گہرائی چشموں کا منبع ہے، یہ کلام سب کلاموں پر فائق اور غالب ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اس کے باوجود وہ نفسانیت اور حسد سے مغلوب ہو گیا اور یہ کہہ کر ایمان نہیں لایا:

(البحر المحیط ج ۱ ص ۱۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

یہ وہی جادو ہے جو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے، یہ محض بشر

فَقَالَ اِنْ هَذَا اِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَرُ ۚ اِنْ هَذَا اِلَّا

ہی کا قول ہے۔

قَوْلُ الْبَشَرِ (المدثر: ۲۵-۲۴)

کمی اور زیادتی نہ ہو سکنے کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا

قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن کریم میں سے کسی لفظ کو کم کیا جاسکتا ہے نہ اس میں کسی لفظ کو زیادہ کیا جاسکتا ہے

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَرَاٰنَا لَهُ لَحَافِظُوْنَ (الحجر: ۹) اس کے محافظ ہیں۔

اس آیت میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کا محافظ ہے اس لئے اس میں کوئی سورت بلکہ کوئی آیت بلکہ کوئی لفظ بھی کم نہیں ہو سکتا۔ اس چیلنج کو چودہ صدیاں گزر گئیں اور اسلام کا کثر سے کثر مخالف بھی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ قرآن مجید میں فلاں سورت یا فلاں آیت یا فلاں لفظ کم ہو گیا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيزٌ ۙ لَا يٰۤاْتِيْهِ الْبٰطِلُ مِنْ

قرآن) اس میں سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔

بَیِّنٍ يَّدِيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (حم السجدة: ۴۲-۴۱)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں کسی لفظ کو بڑھایا نہیں جاسکتا اور چودہ سو سال گزر چکے ہیں اور کوئی بڑے سے بڑا منکر اسلام بھی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ قرآن مجید کی فلاں آیت میں تحریف ہو گئی، اور پہلے قرآن مجید میں یہ لفظ نہیں تھا اور اس کو بعد میں ملایا گیا، اور قرآن مجید میں کسی لفظ کے کم نہ ہو سکنے اور زیادہ نہ ہو سکنے کے ان دونوں دعوؤں کی صداقت قرآن مجید کی حقانیت کی دلیل ہے اور یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے۔

پیش گوئیوں کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَلَكِنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ (البقرة: ۹۵-۹۴)

آپ کہیے اگر اللہ کے نزدیک دار آخرت لوگوں کے سوا صرف تمہارے لئے مخصوص ہے، تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو، اور جو کام وہ پہلے کر چکے ہیں ان کی وجہ سے وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

اس آیت میں قرآن نے پیش گوئی فرمائی ہے کہ یہودی ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے، ”یہودی قرآن کے منکر اور مخالف تھے۔ ان کو چاہئے تھا کہ وہ اسلام اور قرآن کی تکذیب کے لئے موت کی تمنا کرتے، لیکن وہ موت کی تمنا نہ کر سکے اور قرآن مجید کا صدق ظاہر ہو گیا اور یہ قرآن مجید کا عظیم معجزہ ہے کہ قرآن نے مخالفین کے دلوں کے متعلق پیش گوئی کی اور وہ قرآن مجید کی پیش گوئی کے خلاف دل میں خیال تک نہ لاسکے!

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبَلَتِهِمُ الْبَنَىٰ كَانُوا عَلَيْهَا (البقرة: ۱۷۷)

اب یہ جاہل لوگ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلہ پر (پہلے)

تھے اس سے ان کو کس نے پھیر دیا۔

اس آیت میں قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق یہ پیش گوئی کی ہے کہ وہ ضرور تحویل قبلہ پر اعتراض کریں گے، یہودی جو قرآن کے منکر اور مخالف تھے ان کو چاہئے تھا کہ وہ اس پر کوئی اعتراض نہ کرتے اور کہتے کہ دیکھو قرآن جھوٹا ہو گیا۔ قرآن نے کہا تھا کہ یہ تحویل قبلہ پر اعتراض کریں گے اور ہم نے کوئی اعتراض نہیں کیا لیکن ہوا وہی جس کی قرآن نے پیش گوئی کی تھی، قرآن مجید نے مخالفین کی زبانوں کے متعلق پیش گوئی کی کہ یہ فلاں بات کہیں گے اور انہوں نے وہی بات کہی اور قرآن مجید کا صدق ظاہر ہو گیا، اور یہ قرآن کریم کا عظیم معجزہ ہے کہ مخالفین کی زبانوں اور ان کے دلوں کے ذریعہ قرآن مجید کی تصدیق ہوئی۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ (المائدہ: ۴۴)

اور وہ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس

تورات ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے۔

اس آیت میں حکم اللہ سے مراد رجم ہے، یعنی شادی شدہ زانی کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا کہ تورات میں یہ حکم موجود ہے، یہود آئے دن تورات میں تحریف کرتے رہتے ہیں، اگر وہ چاہتے یا چاہیں تو تورات سے رجم کا حکم نکل دیں، اور پھر کہیں کہ دیکھو قرآن نے کہا تھا کہ تورات میں رجم کا حکم ہے، حالانکہ اس میں یہ حکم نہیں ہے، کتنی صدیاں گزر گئیں تورات میں کتنی تبدیلی اور تحریف ہوئی اور کتنی آیتیں نکال دی گئیں لیکن رجم کی آیت تورات میں ہر دور میں موجود رہی اور یہ قرآن مجید کی صداقت کی زبردست دلیل ہے اور قرآن کریم کا عظیم معجزہ ہے۔

تورات کی حسب ذیل آیات میں رجم کا حکم موجود ہے:

پر اگر یہ بات سچی ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکل لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مرجائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان

شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔

(استثناء : باب ۲۲، آیت : ۲۰-۲۱)

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے، تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھانک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مرجائیں۔ لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔ (استثناء : باب ۲۲، آیت : ۲۲-۲۳)

یوحنا کی انجیل میں بھی تورات کے حوالے سے رجم کا حکم موجود ہے: (یوحنا : باب ۸، آیت : ۵)
اللہ تعالیٰ نے فرعون کے متعلق فرمایا:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّكَ بِدَرَنِكٍ لَتَكُونَنَّ لِمَنْ
خَلَفَكَ آيَةً (یونس : ۹۲)
سو آج ہم تیرے (بے روح) جسم کو بچالیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے (عبرت) کا نشان ہو جائے۔

جب فرعون سمندر میں غرق ہو گیا تو چاہئے تھا کہ فطرت کے عادی نظام کے مطابق سمندر کی موجیں اسے دور کہیں بہا کر لے جاتیں اور سمندر کا کھار اپانی اس کے گوشت اور پوست کو گلا دیتا اور سمندری جانور اس کو کھا لیتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم کو باقی رکھا تاکہ دنیا دیکھ لے کہ خدائی کے دعوے دار کا کیا انجام ہے، سو سمندری موجوں نے اس کے بے جان جسم کو ایک ٹیلہ پر پھینک دیا، یہ جگہ آج بھی جبل فرعون کے نام سے مشہور ہے، اس کی لاش کو دیکھ کر بنو اسرائیل کو بھی اس کی موت کا یقین ہو گیا اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے بھی اس میں اللہ کی قدرت پر دلیل ہے کیونکہ مصر کے عجائب گھر میں اس کی لاش آج بھی محفوظ ہے اور ماہرین آثار قدیمہ کی تحقیق ہے کہ یہی وہ فرعون (ریمیس ثانی یا منفتاح دوم) ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ ہوا تھا۔ ہر چند کہ قرآن مجید نے یہ نہیں کہا کہ قیامت تک کے لوگوں کے لیے اس کا جسم باقی اور محفوظ رہے گا اور یہ طور نشان عبرت قائم رہے گا لیکن قرآن مجید نے یہ کہا ہے کہ وہ فرعون کے (بے جان) جسم کو بعد والوں کے لیے عبرت کا نشان بنادے گا۔ یہ فرعون ۱۲۶۳ قبل مسیح میں غرق ہوا (اردو دائرۃ المعارف ج ۱۵ ص ۲۷۵) اور یہ ۱۹۹۶ء ہے اور اس کی موت کو اب تین ہزار دو سو اٹھ سال گزر چکے ہیں اور اس کا جسم اب بھی مصر کے عجائب خانہ میں موجود ہے اور دیکھنے والوں کے لیے یہ اب بھی عبرت کا نشان ہے۔ مصر پر غیر مسلموں کی حکومت بھی رہی اور یہ ظاہر ان کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ فرعون کی لاش کو تباہ و برباد اور نیست و نابود کر دیتے لیکن یہ قرآن کریم کا عظیم معجزہ ہے کہ اس نے مخالفین اسلام اور دشمنان قرآن کے ہاتھوں بھی فرعون کی لاش کی حفاظت کرائی اور قرآن مجید کی پیش گوئی کے مطابق وہ آج بھی بعد والی نسلوں کے لیے عبرت بنا ہوا ہے۔

حقائق کائنات کی خبر دینے کے اعتبار سے قرآن کا معجز ہونا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (الانبیاء : ۳۳)

نیز فرمایا:

اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو
پیدا کیا (سورج اور چاند) ہر ایک (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہا

وَسَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى (الزمر: ۲۰ الفاطر: ۳۰)
اور فرمایا:

اور اس (اللہ تعالیٰ) نے سورج اور چاند کو ایک نظام کا پابند کیا اور (ان میں سے) ہر ایک مقرر ميعاد تک چل رہا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (یس: ۳۸-۴۰)

اور سورج اپنے مقرر راستے پر چلتا رہتا ہے، یہ زبردست عظیم ذات کا مقرر کیا ہوا نظام ہے، اور ہم نے چاند کی بھی منزلیں مقرر کر دی ہیں حتیٰ کہ وہ ان سے گزرتا ہوا کھجور کی پرانی شاخ کی مانند رہ جاتا ہے، نہ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے۔ ہر ایک (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں۔

قدیم فلسفیوں کا یہ نظریہ تھا کہ زمین ساکن ہے اور چاند اور سورج اور دیگر کواکب سیارہ حرکت کر رہے ہیں، اس کے بعد سائنس دانوں نے یہ کہا کہ زمین متحرک ہے اور چاند سورج وغیرہ ستارے ساکن ہیں۔ مجھے یاد ہے آج سے چالیس سال پہلے میں نے ایک سائنس کے طالب علم سے کہا قرآن میں ہے کہ سورج اور چاند متحرک ہیں تو اس نے کہا یہ غلط ہے، سورج اور چاند ساکن ہیں۔ میرا اس وقت بھی یہی ایمان تھا کہ صحیح وہی ہے جو قرآن نے کہا ہے اور اب سائنس دانوں نے آلات رصدیہ سے مشاہدہ کر کے یہ تحقیق کر لی ہے کہ زمین بھی متحرک ہے اور چاند اور سورج بھی متحرک ہیں۔ جس حقیقت کو سائنس دانوں نے برسا برس کے مشاہدات، تجربوں اور تحقیق سے پایا اب سے چودہ سو سال پہلے ایک امی نبی نے بغیر کسی رصد گاہ کے یہ بتایا کہ سورج اور چاند دونوں حرکت کر رہے ہیں اور ہر سیارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے، زمین کا جو حصہ سورج کے سامنے آ جاتا ہے وہ دن ہوتا ہے اور جو حصہ اس سے چھپا رہتا ہے وہ رات ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے جو کچھ فرمایا تھا چودہ سو سال بعد سائنس نے اس کی تصدیق کر دی ہے، کیا یہ اس بات کی واضح دلیل نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے یہ جو کچھ فرمایا تھا یہ کسی انسان کا کلام نہیں تھا بلکہ وحی الہی تھی اور یہ قرآن کریم کا عظیم معجزہ ہے کہ جو کچھ قرآن نے کہا تھا چودہ سو سال بعد علم اور سائنس نے اس کی حرف بہ حرف تصدیق کر دی۔

نیز قرآن مجید نے فرمایا:

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِی ظُلُمٍ ثَلَاثٍ (الزمر: ۶)

وہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تین تاریکیوں میں تم کو پیدا کرتا ہے، ایک پیدائش کے بعد دوسری پیدائش۔ جس وقت علم تشریح الاعضاء کی ابتداء نہیں ہوئی تھی اس وقت قرآن مجید نے یہ بتایا تھا کہ رحم کے اندر تین تاریکیوں میں انسان کی تخلیق ہوتی ہے اور جدید میڈیکل سائنس نے اب انکشاف کیا ہے کہ رحم کے اندر تین پردوں میں انسان کی تخلیق ہوتی ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ (الرحمن: ۲۰-۱۹)

اس نے (تلخ اور شیریں) دو سمندر رواں کر دیئے، جو ایک دوسرے سے (بہ ظاہر) ملے ہوئے ہیں، ان کے درمیان ایک حجاب ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔

حاتم دیالا نے لکھا ہے کہ فرانسیسی سائنس دان کوستو (COSTEAU) جو سمندری تحقیقات میں عالمی شہرت

رکتے ہیں، نے یہ دریافت کیا کہ بحیرہ روم اور بحر اوقیانوس، کیمیائی اور حیاتیات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان کے ملنے کے مقام پر بھی یہ ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے، اور جبل الطارق (جبرالٹر) کی باڑہ دونوں کو الگ کرتی ہے، اس تحقیق کے بعد جب کوسیٹو کو ان قرآنی آیات کا علم ہوا تو وہ قرآن مجید کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے مسلمان ہو گیا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

قرآن کریم کا معجز ہونا دس اعتبار سے ہے :

(۱) قرآن مجید ایسی حسین نظم اور عبارت میں نازل ہوا ہے جو بالکل منفرد ہے، اس سے پہلے زبان عرب میں اس کی کوئی مثال تھی نہ کسی اور زبان میں، کیونکہ اس سے پہلے اصناف کلام میں، یا شعر تھا، یا کہانت (جنوں کا کلام) تھی یا سحر تھا، صحیح مسلم میں ہے، حضرت ابوذر کے بھائی حضرت انیس نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں میری ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو تمہارے دین پر ہے، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کو اللہ نے رسول بنایا ہے، میں نے پوچھا کہ لوگ ان کو کیا کہتے ہیں، اس نے کہا لوگ ان کو شاعر، کاہن اور ساحر کہتے ہیں، حضرت انیس خود شاعر تھے انہوں نے کہا بہ خدا میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے یہ کاہنوں کا قول نہیں ہے، اور میں نے اس کلام کا شعر کی تمام اصناف اور اقسام سے تقابل کر کے دیکھا، یہ شعر نہیں ہے، بہ خدا وہ سچے ہیں اور لوگ جھوٹے ہیں۔ اسی طرح جب نبی ﷺ نے یہ آیات پڑھیں :

حَمْدٌ ۙ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ كُنْتُ
فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝
بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ
(حَم السَّجْدَة : ۱-۳)

حم یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کلام ہے، جو نہایت رحم کرنے والا اور بے حد رحیم ہے، یہ کتاب ہے جس کی آیتیں وضاحت سے بیان کی گئی ہیں، درآن حالیکہ یہ عربی قرآن (عربی میں پڑھا جاتا ہے) علم والے لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والا ہے اور ڈرانے والا ہے، سو اکثر لوگوں نے (اس سے) منہ پھیر لیا تو وہ نہیں سنتے۔

تو عتبہ بن ربیعہ نے ان آیات کو سن کر کہا کہ یہ جادو ہے نہ شعر ہے اور اس نے کہا اس نے فصاحت اور بلاغت میں قرآن کی طرح کوئی اور کلام نہیں سنا، اور اس نے قرآن مجید کے معجز ہونے کا اقرار کر لیا۔

(۲) قرآن مجید کا اسلوب کلام عرب کے تمام اسالیب سے مختلف ہے۔

(۳) قرآن مجید کے خطاب میں ایسی جلالت اور عظمت ہے جو کسی اور خطاب میں متصور نہیں ہے، جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے :

ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ ۝ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ
مُنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۝
إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَا لِكْرٍ جُمِعَ بَعْیْدٌ ۝
ق : قرآن مجید کی قسم، بلکہ ان کو اس پر تعجب ہوا کہ انہی میں سے ایک ڈرانے والا آگیا تو کافروں نے کہا یہ عجیب بات ہے۔ جب ہم مرجائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے؟) یہ لوٹنا تو قسم سے بعید ہے۔ (ق : ۱-۳)

نیز فرمایا :

لَمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن : ۱۶)
 آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ کی ہے جو واحد ہے،
 سب پر غالب ہے۔

ابن الحناء نے کہا یہ حسین نظم، منفرد اسلوب اور جلالت خطاب، ہر سورت بلکہ ہر آیت میں لازم ہیں اور ان تین اوصاف سے قرآن مجید کی ہر سورت تمام انسانوں کے کلام سے متمیز ہے اور انہی اوصاف کے ساتھ قرآن مجید کی نظیر لانے کا چیلنج کیا گیا ہے اور ہر سورت میں یہ تین اوصاف الگ الگ اطوار سے بیان کئے گئے ہیں۔ سورہ کوثر قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورت ہے اس میں بھی یہ تینوں امور بہ طریق اتم موجود ہیں اور اس میں غیب کی خبریں بھی ہیں، ایک خبر یہ ہے کہ آپ کو کوثر دی جائے گی اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ آپ کے پیروکار دنیا میں تمام رسولوں کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے اور فی الواقع ایسا ہی ہوا، دوسری ولید بن مغیرہ کے متعلق یہ پیش گوئی ہے کہ وہ مقطوع النسل ہو گا، حالانکہ اس آیت کے نزول سے پہلے وہ بہت مالدار اور کثیر الاولاد تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے مال اور اولاد کو ہلاک کر دیا اور اس کی نسل منقطع کر دی۔

(۴) قرآن مجید میں عربی زبان کے مطابق ایسا تصرف ہے کہ ہر کلمہ اور حرف اپنی جگہ پر صحیح ہے اور کسی کلمہ اور حرف کو اس کی جگہ سے ہٹایا نہیں جاسکتا۔

(۵) نبی ﷺ اسی تھے اور بعثت سے پہلے آپ نے کوئی کتاب پڑھی تھی اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا تھا، پھر نبی ﷺ نے انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے واقعات بیان کئے اور گزشتہ اقوام کے واقعات پڑھے اور اہل کتاب کے سوالات کے جوابات دیئے، انہوں نے بہ طور چیلنج کے آپ سے اصحاب کف، حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا ماجرا اور ذوالقرنین کا حل پوچھا اور آپ نے ان کا صحیح صحیح واقعہ بیان کر دیا، حالانکہ آپ ایک ان پڑھ قوم سے مبعوث ہوئے تھے، اور خود اسی تھے کسی مکتب میں گئے تھے نہ کسی استاد سے پڑھا تھا نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا تھا، اس لیے آپ کا یہ دعویٰ سچا ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

(۶) قرآن مجید کے وعدوں کا سچا اور پورا ہونا، اللہ تعالیٰ نے جتنے وعدے کیے ہیں ان سب کا پورا ہونا مشاہدہ میں آچکا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار آپ کو بے وطن کریں گے اور اللہ آپ کی مدد فرمائے گا، اور جو وعدے کسی شرط کے ساتھ معلق کئے گئے وہ اس شرط پر پورے ہوئے مثلاً :

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ط
 اور جو اللہ پر توکل کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

(الطلاق : ۳)

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۚ
 اور جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے لیے نجات کا راستہ بنا

(الطلاق : ۲) دے گا۔

إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا
 اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر
 غالب ہو جائیں گے۔

(الانفال : ۶۵)

(۷) قرآن کریم نے مستقبل کے واقعات کے متعلق ایسی خبریں دی ہیں جن کو وحی کے سوا جاننے کا اور کوئی ذریعہ نہیں

ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (الفتح : ۲۸)

وہ (اللہ) ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ نبی ﷺ کا دین تمام دینوں پر غالب آجائے گا، اور فی الواقع ایسا ہو گیا، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جب کسی کافر قوم پر حملہ کرتے تو مسلمان لشکر کو یہ بلور کر دیتے کہ انہی کو غلبہ حاصل ہو گا، حتیٰ کہ وہ پے در پے فتوحات کرتے رہے اور شرق و غرب اور بحرو میں اسلام پھیل گیا۔

لَقَدْ صَدَّقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الْتَرُوكَا بِالْحَقِّ
لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ لَا
بے شک اللہ نے اپنے رسول کو حق کے ساتھ سچا خواب دکھایا کہ اللہ کے چاہنے سے تم ضرور بہ ضرور مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہو گے۔ (الفتح : ۲۷)

اور آٹھ ہجری کو فتح مکہ کے دن ایسا ہو گیا۔

الْم ۱ غَلَبَتِ الرُّومُ ۲ فِیْ اَدْنٰی الْاَرْضِ وَهُمْ
مِنْ اَبْعَدَ غَلِبِهِمْ سَبْعُ مِائَاتٍ ۳ فِیْ بَضْعِ سِنِیْنَ ۴
الم ○ اہل روم (فارس سے) قریب کی زمین میں شکست کھا گئے اور وہ اپنی شکست کے بعد عنقریب چند سالوں میں فتح یاب ہوں گے۔ (الروم : ۱-۴)

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اہل فارس بہت طاقتور اور رومی ان کے مقابلہ میں بہت کمزور تھے اور اس وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رومی ایرانیوں کو شکست دیں گے، لیکن چند سال بعد وہی ہوا جس کی قرآن نے پیش گوئی کی تھی۔

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ
(الانفال : ۷) اور جب اللہ نے تم سے وعدہ فرمایا کہ دو گروہوں میں سے ایک گروہ یقیناً تمہارے لیے ہے۔

ایک گروہ کفار کا تجارتی قافلہ تھا جس پر قبضہ سے مسلمانوں کو مال و دولت کی فراوانی حاصل ہوتی، اور دوسرا گروہ کفار کا لشکر تھا جس پر فتح حاصل کرنے سے مسلمانوں کی ہیبت کفار پر چھا جاتی، رسول اللہ ﷺ کے رجحان کے پیش نظر مسلمانوں نے لشکر کفار سے مقابلہ کا فیصلہ کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق ان کو فتح عطا فرمائی۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور : ۵۵)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور بہ ضرور خلافت دے گا، جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے ایمان اور اعمال صالحہ کی اعلیٰ روایات قائم کیں اور اللہ تعالیٰ نے خلفاء راشدین کی خلافت کو روئے زمین پر عرصہ دراز تک قائم رکھا اور جب تک مسلمان اسلام پر کاربند رہے اور تبلیغ اسلام میں سرگرم رہے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکومت عطا کی اور زمانہ میں سرخ رو رکھا۔ (برصغیر میں مسلمانوں کی طویل غلامی کا باعث یہ تھا کہ وہ جذبہ جملہ سے عاری ہو چکے تھے، اور اپنی حکمرانی کے طویل دور میں تبلیغ اسلام کو چھوڑ بیٹھے تھے)

(۸) قرآن مجید میں حلال اور حرام اور دیگر احکام شرعیہ کا بیان ہے جو نوع انسانی کے لیے مکمل دستور حیات ہے۔

(۹) قرآن مجید میں ایسی بلوغ حکمتیں بیان کی گئیں ہیں جو عداۃ "ایک انسان نہیں بیان کر سکتا۔"

(۱۰) قرآن مجید میں تناسب اور یکسانیت ہے اور اس میں ظاہر "اور باطن" کوئی اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا وَا فِيهِ
اٰخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء : ۸۲)
اور اگر قرآن اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا تو وہ ضرور اس
میں بہت اختلاف پاتے۔ (۱)

قرآن مجید میں تناسب دو اعتبار سے ہے ایک تو یہ ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیات فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے معجز ہیں، اور کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جو فصاحت اور بلاغت میں درجہ اعجاز سے کم ہو، اس کے برعکس انسان کے کلام میں عداۃ "یکسانیت نہیں ہوتی، بعض جملے اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں اور بعض سرسری ہوتے ہیں، بعض کتابوں میں شروع شروع میں تو بہت تحقیق ہوتی ہے اور بعد میں محض بھرتی ہوتی ہے، اسی طرح شروحات میں ابتداء میں تو بہت تفصیل کی جاتی ہے اور بعد میں صرف برائے نام شرح ہوتی ہے، اور اول تا آخر پوری کتاب میں ایک معیار کو قائم رکھنا یہ انسان کے بس میں نہیں ہے یہ صرف اسی قادر و قیوم کے کلام کا اعجاز ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان نسیان اور خطا کا پتلا ہے وہ ایک جگہ کچھ لکھتا ہے اور دوسری جگہ کچھ اور لکھ دیتا ہے جو اس کے خلاف ہوتا ہے، اس لیے تناقض اور اختلاف سے مبرا ہونا یہ اللہ رب العزت ہی کے کلام کو زیبا ہے اور اسی کے کلام کا خاصہ ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب (قرآن مجید) کے سوا ہر کتاب کی عصمت کا انکار فرماتا ہے۔ (در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۱ ص ۲۵)
مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۳۷ھ

علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کے سوا کسی کتاب کے لیے عصمت کو مقرر نہیں کیا یا کسی اور کتاب کی عصمت پر راضی نہیں ہے، یہ صرف اسی کی کتاب کی شان ہے جس کے حق میں فرمایا :

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ط
اس کتاب میں باطل سامنے سے آ سکتا ہے نہ پیچھے سے
(الحم السجدة : ۴۲)

سو قرآن مجید کے علاوہ دوسری کتابوں میں خطائیں اور لغزشیں واقع ہوتی ہیں، کیونکہ وہ انسان کی تصنیفات ہیں اور خطا اور لغزش انسان کی سرشت ہے۔

علامہ عبد العزیز بخاری نے اصول بزدوی کی شرح میں لکھا ہے کہ بوہلی نے امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ امام شافعی نے کہا میں نے اس کتاب کو تصنیف کیا ہے، میں نے اس میں صحت اور صواب کو ترک نہیں کیا لیکن اس میں ضرور کوئی نہ کوئی بات اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف ہوگی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

(۱) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۷۵-۷۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ
اٰخِنًا فَاكْثِيْرًا (النساء : ۸۲)
اور اگر قرآن اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا تو لوگ اس
میں ضرور بہت اختلاف پاتے۔

لہذا تم کو اس کتاب میں جو بات کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف ملے اس کو چھوڑ دو، کیونکہ میں
کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرنے والا ہوں۔ منی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کی
کتاب ”الرسالۃ“ ان کے سامنے اسی مرتبہ پڑھی، اور ہر مرتبہ امام شافعی اس میں کسی خطا پر مطلع ہوئے، بلاآخر امام شافعی
نے فرمایا : اب تصحیح کو چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ اس بات سے انکار فرماتا ہے کہ اس کی کتاب کے سوا اور کوئی کتاب صحیح ہو۔
(رد المحتار ج ۱ ص ۲۶، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ)

نسخ کی تحقیق :

علوم قرآن میں نسخ بھی ایک اہم اور معرکہ الآراء موضوع ہے ہم اس سلسلہ میں پہلے نسخ کا لغوی اور شرعی معنی بیان
کریں گے پھر نسخ میں مذاہب اسلامیہ اور بعض مجددین کے نظریات کا ذکر کریں گے، اس کے بعد نسخ القرآن
بالقرآن، نسخ القرآن بالسنة، نسخ السنة بالقرآن اور نسخ السنة بالسنة کا تفصیل سے ذکر کریں
گے اور مثالوں اور شواہد سے ان چاروں قسموں کی وضاحت کریں گے۔ اور اس سلسلہ میں اہل حق کے نظریہ پر دلائل پیش
کریں گے اور مخالفین کے شبہات کا ازالہ کریں گے۔ فتقول وبالله التوفیق۔

نسخ کا لغوی معنی :

علامہ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں :

نسخ کا معنی ہے کسی چیز کو زائل اور مغیر کرنا، کسی چیز کو باطل کر کے دوسری چیز کو اس کا قائم مقام کرنا۔

(قاموس ج ۱ ص ۵۳۳ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۱۲ھ)

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں :

عرب کہتے ہیں نسخت الشمس الظل سورج نے سائے کو منسوخ کر دیا، یعنی سائے کو زائل کر دیا، سائے کو
لے گیا، ایک آیت نے دوسری آیت کو منسوخ کر دیا، یعنی اس کے حکم کو زائل کر دیا اور نسخ کا معنی ہے ایک چیز کو ایک جگہ
سے دوسری جگہ منتقل کر دیا، لیٹ نے کما نسخ کی تعریف یہ ہے کہ جس چیز پر پہلے عمل کیا جاتا تھا اس کو زائل کر دیا جائے اور
کسی نئے کام پر عمل کیا جائے، فراء نے کما نسخ یہ ہے کہ پہلے ایک آیت پر عمل کیا جائے، پھر دوسری آیت نازل ہو تو اس پر
عمل کیا جائے اور پہلی آیت پر عمل کو ترک کر دیا جائے اور ابن الاعرابی نے کما نسخ یہ ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز سے
تبدیل کر دیا جائے۔ (تاج العروس ج ۲ ص ۲۸۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نسخ کا شرعی معنی :

امام رازی لکھتے ہیں :

نسخ وہ دلیل شرعی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخ سے پہلے جو حکم کسی دلیل شرعی سے ثابت تھا وہ حکم
اب نہیں ہے اور نسخ کی یہ دلیل پہلے حکم کی دلیل سے متاخر ہوتی ہے اور اگر یہ نسخ نہ ہوتا تو وہی حکم ثابت رہتا

(تفسیر کیرج ج ۱ ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ)

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں :

نسخ یہ ہے کہ ایک دلیل شرعی کے بعد ایک اور دلیل شرعی آئے جو پہلی دلیل شرعی کے حکم کے خلاف کو واجب کرے۔ (توضیح مجموع ج ۲ ص ۳۱، مطبوعہ دارالکتب العربیہ الکبریٰ، مصر)

علامہ میرسید شریف لکھتے ہیں :

صاحب شرع کے حق میں کسی حکم شرعی کی انتہاء کو بیان کرنا نسخ ہے، اس حکم کی انتہاء اللہ تعالیٰ کے نزدیک معلوم ہوتی ہے، مگر ہمارے علم میں اس حکم کا دوام اور استمرار ہوتا ہے اور نسخ سے ہمیں اس حکم کی انتہاء معلوم ہوتی ہے، اس لیے ہمارے حق میں نسخ تبدیل اور تغیر سے عبارت ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۱۰۶، مطبوعہ المطبعة الخیرتہ ۱۳۰۶ھ)

علامہ محمد عبدالعظیم زر قانی لکھتے ہیں :

کسی حکم شرعی کو دلیل شرعی سے ساقط کر دینا نسخ ہے۔ (مناہل العرفان، ج ۲ ص ۱۰۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نسخ میں مذاہب :

امام رازی لکھتے ہیں :

ہمارے نزدیک نسخ عقلاً جائز ہے اور دلائل سمعیہ سے نسخ ثابت اور واقع ہے، اس میں یہود کا اختلاف ہے، بعض یہود نے نسخ کا عقلاً انکار کیا اور بعض یہود نے نسخ کو عقلاً جائز کہا اور سمعاً انکار کیا، بعض مسلمانوں سے بھی نسخ کا انکار منقول ہے، جمہور مسلمین نے نسخ کے جواز اور وقوع پر اس سے استدلال کیا ہے کہ دلائل سے حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت ثابت ہے اور جب تک یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ آپ سے پہلے کی تمام شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں اس وقت تک آپ کی نبوت اور شریعت ثابت نہیں ہوگی اس لیے قطعی طور پر نسخ واقع ہے۔

یہود کے خلاف نسخ پر حجت یہ ہے کہ تورات میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی ذریت کے لیے تمام جانور حلال کر دیئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل پر بہت سے جانور حرام کر دیئے، دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بہن کا بھائی سے نکاح کر دیتے تھے اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اس کو حرام کر دیا گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۳۳-۳۳۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ محمد عبدالعظیم زر قانی لکھتے ہیں :

نصاری نے بھی نسخ کا انکار کیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا : آسمان اور زمین زائل ہو جائیں گے اور میرا کلام زائل نہیں ہوگا، اس کا اولاً جواب یہ ہے کہ جو کتاب ان کے ہاتھوں میں ہے ہم اس کو وہ انجیل تسلیم نہیں کرتے جو حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی تھی، کیونکہ اس میں تاریخی واقعات ہیں جن کو بعض عیسائیوں نے وضع کیا ہے جس میں حضرت مسیح کی ولادت، ان کی نشوونما، ان کی دعوت، ان کے سفر، ان کے معجزات اور ان کے وعظ اور مناظرات کا ذکر ہے، اور اس میں ان کے صلیب پر چڑھائے جانے کا بیان ہے اور ان واقعات کے راویوں کی کوئی سند نہیں ہے اور نہ ان کے ضبط اور اتصال کا بیان ہے۔

اور بر تقدیر تسلیم حضرت مسیح علیہ السلام کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ان کی نبوت منسوخ نہیں ہوگی نہ کہ ان کی شریعت، اور متی کی انجیل میں حضرت مسیح کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا : ”امتوں کے

راستوں پر نہ جاؤ اور سامریوں کے شہر میں نہ داخل ہو، اور مرقس کی انجیل میں مذکور ہے۔ ”تمام عالم میں جاؤ۔“ اور قول مانی قول اول کا نسخ ہے۔ (مناہل العرفان ج ۲ ص ۱۰۱-۱۰۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیز علامہ زر قانی لکھتے ہیں :

اہل اسلام میں سے ابو مسلم نے نسخ کا انکار کیا ہے اور ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے :

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ط
تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (حَم السَّجْدَة : ۴۲)
اس کے پیچھے سے یہ حکمت والے حمد کئے ہوئے (رب) کی

طرف سے اتاری ہوئی (کتاب) ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس حکم کو منسوخ فرمایا ہے وہ باطل نہیں ہے بلکہ جس زمانہ میں وہ حکم مشروع تھا اس زمانہ کے اعتبار سے وہی حکم برحق تھا، اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید میں باطل چیز نہیں آسکتی۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کے بیان کردہ عقائد عقل کے موافق ہیں اور اس کے احکام حکمتوں پر مبنی ہیں اور اس کی دی ہوئی خبریں واقع کے مطابق ہیں اور اس کے الفاظ تغیر اور تبدیل سے محفوظ ہیں اور اس میں کسی وجہ سے بھی خطاء کا در آنا ممکن نہیں ہے۔ (مناہل العرفان ج ۲ ص ۱۰۳-۱۰۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نسخ کے متعلق پرویز صاحب کے نظریہ کا علمی جائزہ

غلام احمد پرویز صاحب کے نزدیک کچھلی شریعتیں منسوخ ہو گئی ہیں اور قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے اور قرآن مجید میں جہاں نسخ کا ذکر ہے اس سے مراد شرائع سابقہ کا منسوخ ہونا ہے اور قرآن مجید میں نسخ کی نفی پر انہوں نے یہ دلیل قائم کی ہے :

اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خدا نے قرآن کریم میں کسی بات کا حکم دیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اس نے سوچا کہ اس حکم کو منسوخ کر دینا چاہئے۔ چنانچہ اس نے ایک اور آیت نازل کر دی جس سے وہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ حکم اس سے پہلے حکم سے بہتر ہوتا تھا۔ واضح رہے کہ اس نئی آیت میں یہ کہیں نہیں بتایا جاتا تھا کہ اس سے فلاں آیت کو منسوخ سمجھا جائے۔ اس لئے قرآن کریم میں منسوخ آیات بھی اسی طرح سے موجود ہیں اور نسخ آیات بھی۔ اللہ نے ان کے متعلق کہیں نہیں بتایا کہ فلاں آیت منسوخ ہے فلاں آیت سے۔ یہ تعین بعد میں روایات کی رو سے یا مفسرین کے اپنے خیالات کی رو سے کیا گیا۔ چنانچہ ان آیات کی تعداد ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہی۔ حتیٰ کہ شاہ ولی اللہ کے نزدیک ان کی تعداد صرف پانچ ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں :

اس عقیدہ کی رو سے اب دیکھئے کہ خدا، قرآن کریم اور رسول اللہ کے متعلق کس قسم کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ خدا کا تصور اس قسم کا ہے کہ وہ آج ایک حکم صادر کرتا ہے لیکن بعد کے حالات بتا دیتے ہیں کہ وہ حکم ٹھیک نہیں تھا اس لئے وہ قرآن کریم کے اس حکم کو منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم دے دیتا ہے۔

(لغات القرآن ص ۲۰۸، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام، ۱۹۸۳ء)

قائلین نسخ کے نزدیک نسخ کی یہ تعبیر ہرگز نہیں ہے جو پرویز صاحب نے بیان کی ہے بلکہ نسخ کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے جن حالات میں جو حکم پہلے دیا تھا ان حالات میں وہی حکم برحق اور صحیح تھا اور جب حالات بدل گئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم بدل دیا اور بعد کے حالات میں وہی حکم صحیح اور برحق ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ابتداء میں کفار کی زیادتیوں کے خلاف غزوہ درگزر کا حکم دیا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی اتنی جمعیت نہیں تھی کہ وہ کفار سے ایک بڑی جنگ کا خطرہ مول لیتے اس لیے فرمایا :

فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ
تو انہیں معاف کر دو اور درگزر کرو، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا
(البقرہ : ۱۰۹) کوئی (اور) حکم لے آئے۔

اور جب مسلمانوں کی جمعیت قوی ہو گئی تو یہ ارشاد فرمایا :

فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ
تم جہاں کہیں بھی مشرکین کو پاؤ تو ان کو قتل کر دو، اور ان
وَخُذُوا وَهُمْ وَأَخْصِرُوهُمْ وَأَقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ
کا محاصرہ کر لو، اور ان کی ٹاک میں ہر گھلت کی جگہ بیٹھو۔
(التوبہ : ۵)

نیز ۹ھ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے منع فرمادیا، اس کا صریح مغایہ یہ ہے کہ ۹ھ سے پہلے مشرکین کو بیت اللہ میں داخل ہونے اور طواف کرنے کی اجازت تھی اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد یہ اجازت منسوخ کر دی گئی وہ آیت یہ ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ
اے ایمان والو تمام مشرکین محض ناپاک ہیں تو وہ اس سل
فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ
کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔
هَذَا (التوبہ : ۲۸)

نیز پرویز صاحب نے سابقہ شریعتوں کے منسوخ ہونے کو جائز کہا ہے تو کیا ان کے طور پر معاذ اللہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک شریعت کو نازل کیا پھر سوچا کہ معاذ اللہ یہ شریعت ٹھیک نہیں ہے تو دوسری شریعت کو نازل کر دیا اور جس دلیل سے یہ نسخ جائز ہے اسی دلیل سے اسلام کے بعض احکام کا منسوخ ہونا بھی جائز ہے۔

پرویز صاحب سابقہ شریعتوں کے منسوخ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

دوسری بات یہ ہے کہ انسانیت کے تقاضے اور اس کی ذہنی سطح بھی اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی اور اوپر کو اٹھتی چلی آ رہی ہے۔ اس لئے ہر قوم کو اس کے حالات اور ارتقائی سطح کے مطابق ہی احکام دیئے جاتے تھے۔ ان کی سطح سے بلند احکام و قوانین روک لئے جاتے تھے۔ تا آنکہ ان کے بعد دوسری قوم آتی جو ارتقائی منزل میں ان سے آگے ہوتی۔ تو وہ ”روکے ہوئے“ احکام و قوانین اس وقت نازل کر دیئے جاتے۔ تنزیل وحی میں یہ اصول بھی کار فرما رہا ہے۔

(لغات القرآن ص ۲۰۹، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام، ۱۹۸۳ء)

یہی بات اسلام کے بعض احکام کے نسخ کے متعلق کہی جاسکتی ہے اور اس کی واضح مثال یہ ہے کہ پہلے شراب نوشی سے منع نہیں کیا گیا نہ جوئے کو حرام کیا گیا۔ مکی زندگی کے پورے دور اور مدینہ منورہ کے ابتدائی دور میں شراب اور جو امباح رہے بعد میں جب مسلمانوں کے دل و دماغ میں اسلام پوری طرح رچ بس گیا تو شراب اور جوئے کو مکمل اور قطعی طور پر حرام کر دیا گیا، حرمت شراب کے متعلق ان آیات کو غور سے پڑھا جائے :

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا
إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ
نَفْعِهِمَا (البقرہ : ۲۱۹)

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے حلق پوچھتے ہیں
آپ فرمادیجئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور لوگوں کے لیے کچھ
فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

اس آیت سے بھی شراب اور جوئے کی ایک گونہ اباحت کا پہلو نکلتا ہے!
نیز فرمایا :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ
سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ
(النساء : ۴۳)

اے ایمان والو! نماز کے وقت شرب و نوش کی حالت میں قریب نہ جاؤ،
یہاں تک کہ تم اس چیز کو سمجھنے لگو جس کو تم کہتے ہو۔

اس آیت سے بھی یہ مفہوم نکلتا ہے کہ حالت نماز کے علاوہ دیگر احوال میں شراب نوشی سے منع نہیں کیا گیا ہے اور
غیر اوقات نماز میں شراب نوشی کی اباحت ہے اور سورہ مائدہ کی مذکور ذیل آیت سے اس اباحت کو کلی اور قطعی طور پر
منسوخ کر دیا گیا :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ
وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ
فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ (المائدہ : ۹۰)

اے ایمان والو! شراب، جو، بت اور جوئے کے تیر (سب)
محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں میں سے ہیں، سو تم ان سے بچو
تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

جس قوم کو اسلام کا پیغام پہنچایا گیا تھا وہ جوئے اور شراب کی رسیا تھی اور یک لخت ان پر شراب کو حرام کرنا حکمت
کے خلاف تھا اس لیے بہ تدریج ان پر شراب کی خرابیاں واضح کی گئیں اور شراب نوشی کے سلسلہ میں ان پر مختلف النوع
پابندیاں عائد کی گئیں اور جب ان کے دلوں میں اسلام کی جڑیں راسخ ہو گئیں اور وہ اسلام کے حکم کے مقابلہ میں ہر مرغوب
طبعی کو ترک کرنے پر تیار ہو گئے تو شراب نوشی کی سابقہ اباحت کو منسوخ کر کے شراب کو قطعی طور پر حرام کر دیا گیا۔

اسی طرح زنا کار عورتوں کے لیے پہلے آسان سزا رکھی کہ ان کو گھروں میں قید کر دیا جائے اور بعد میں جب اسلام کی
جڑیں لوگوں کے دل و دماغ میں راسخ ہو گئیں تو کنواری عورتوں کے لیے سو کوڑوں کی سزا مقرر فرمائی اور شادی شدہ عورتوں
کے لیے رجم کی حد مقرر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَالنَّبِيُّ يَأْتِيَنِ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَائِكُمْ
فَاسْتَشْهَدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا
فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّهِنَّ الْمَوْتُ
أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا (النساء : ۱۵)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کے
خلاف اپنے چار مردوں کی گواہی طلب کرو، پھر اگر وہ ان کے
خلاف گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں اس وقت تک
مقید رکھو کہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راہ پیدا

فرمادے (کوئی اور حد مقرر فرمادے)

پھر زانی عورتوں کی اس سزا (گھروں میں تاحیات مقید رکھنا) کو منسوخ کر کے یہ حد مقرر فرمائی :

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور : ۲)

(کنواری) زانیہ عورت اور (کنوارے) زانی مرد، ان میں
سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

جمل تک قرآن کا تعلق ہے اس میں ایک لفظ بھی منسوخ نہیں۔ اس کا ہر حکم اپنی جگہ محکم و غیر متبدل ہے۔ البتہ ہر حکم خاص حالات کے ماتحت نفاذ پذیر ہوتا ہے۔ جب حالات بدل جائیں تو اس کی جگہ قرآن کا دوسرا حکم نافذ ہو جاتا ہے۔ مثلاً صلوٰۃ کے لیے وضو کرنے کا حکم ہے، لیکن اگر پانی نہ ملے یا انسان مریض ہو تو وضو کی جگہ تیمم کا حکم ہے۔ ان حالات میں وضو کا حکم پیچھے ہٹ جائے گا اور تیمم کا حکم آگے آجائے گا۔ جب پانی مل جائے گا (یا مرض جاتا رہے گا) تو پھر وضو کا حکم آگے آجائے گا اور تیمم کا حکم پیچھے چلا جائے گا۔ (لغات القرآن ص ۱۱۳، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام، ۱۹۸۳ء)

تسخ کا معنی بیان کرتے ہوئے پرویز صاحب لکھتے ہیں :

تسخ کے معنی ہیں ایک چیز کو مٹا دینا اور اس کی جگہ دوسری چیز کو لے آنا۔ دوسری چیز کو اس کے قائم مقام کر دینا (ابن فارس) نسخت الشمس الظل آفتاب نے سایہ کو مٹا دیا اور اس کی جگہ روشنی لے آیا یا کسی چیز میں تبدیلی کر دینا۔ نسخت الريح اثار الديار ہوانے آبادی کے آثار (نشانات و علامات) کو تبدیل کر دیا۔ (لغات القرآن ص ۱۰۶، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام، ۱۹۸۳ء)

پرویز صاحب قرآن کے الفاظ کا مفہوم احادیث اور آثار کے بجائے لغت سے متعین کرتے ہیں اور لغت میں تسخ کا معنی کسی چیز کو مٹا دینا اور اس کی جگہ دوسری چیز کو لے آنا ہے، کسی حکم کو بار بار آگے پیچھے کرنا نہیں ہے اور تیمم کے وقت وضو، منسوخ نہیں ہوتا بلکہ بدستور مشروع رہتا ہے، اسی طرح جس معاشرہ میں چوری اور زنا نہ ہو وہاں حدود مٹ نہیں گئیں بلکہ بدستور مشروع ہیں، اسی طرح جس شخص کے پاس مل نہ ہو یا جو مرتے وقت ترکہ نہ چھوڑے اس کے حق میں زکوٰۃ اور میراث بدستور مشروع ہیں مٹ نہیں گئے لیکن چونکہ ان لوگوں کے حق میں ان احکام شرعیہ کی فرضیت کی شرائط نہیں پائی گئیں اس لیے ان پر یہ احکام فرض نہیں ہوئے ایسا نہیں ہے کہ یہ احکام منسوخ یا معطل ہو گئے۔ اس کے برخلاف ہم نے مثالوں کے ذریعہ جو منسوخ احکام بیان کئے ہیں وہ کسی حل میں بھی مشروع نہیں ہو سکتے۔

تسخ کے وقوع پر قرآن مجید سے استدلال :

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلَهَا (البقرہ : ۱۰۶)

ہم جو آیت منسوخ کر دیتے ہیں یا اس کو بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنْزِلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (النحل : ۱۰۱)

اور جب ہم ایک آیت کو بدل کر اس کی جگہ دوسری آیت لاتے ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ نازل فرماتا ہے، تو کافر کہتے ہیں آپ یہ آیتیں خود بنا لیتے ہیں (یہ بات نہیں) بلکہ ان میں سے اکثر جاہل ہیں۔

ان دونوں آیتوں میں تسخ کے وقوع کی واضح اور روشن دلیل ہے، پرویز صاحب نے آیت کا معنی یہاں سابقہ شریعتیں اور حوادث کائنات کیا ہے اور یہ دونوں معنی لغت اور اسلوب قرآن کے خلاف ہیں اور باطل ہیں۔

تمام علماء سلف کا اس پر اجماع ہے کہ شریعت اسلامیہ میں تسخ واقع ہے اور قرآن مجید میں بعض ایسی آیات ہیں جن کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں ان کی تفصیل انشاء اللہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

ثبوت نسخ کے ذرائع

علامہ سیوطی لکھتے ہیں :

نسخ کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کی صریح نقل (حدیث) سے کیا جائے گا یا کسی صحابی کا قول اس طرح منقول ہو کہ فلاں آیت فلاں آیت سے منسوخ ہو گئی، اور کبھی نسخ کو استنباط سے معلوم کیا جائے گا جب دو آیتوں میں قطعی تعارض ہو اور کسی دلیل سے معلوم ہو جائے کہ ان میں سے ایک آیت متاخر ہے، نسخ کے متعلق عام مفسرین کے قول پر اعتما نہیں کیا جائے گا اور نہ بغیر کسی نقل صریح کے مجتہدین کے اجتہاد پر عمل کیا جائے گا، کیونکہ نسخ میں کسی ایسے حکم کو اٹھالینا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ثابت تھا اور اس کی جگہ کسی دوسرے حکم کو ثابت کرنا ہے اور اس میں نقل اور تاریخ پر اعتما کیا جاتا ہے نہ کہ رائے اور اجتہاد پر، نسخ کے ثبوت میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نسخ میں اخبار آحاد صحیحہ بھی معتبر نہیں ہیں اور بعض علماء اس میں تسلل کر کے یہ کہتے ہیں کہ مفسر یا مجتہد کے قول سے نسخ ثابت ہو جاتا ہے، اصل میں یہ دونوں قول افراط اور تفریط پر مبنی ہیں۔ (الاقان ج ۲ ص ۲۳، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

مصنف کی تحقیق کے مطابق قرآن مجید کی آیات منسوخہ کا بیان

ہماری تحقیق کے مطابق قرآن مجید کی بارہ آیات کا حکم منسوخ ہے ان کے منسوخ ہونے پر دلائل انشاء اللہ ہم ان آیات کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کریں گے، وہ آیات یہ ہیں :

(۱) كُنْتُمْ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ
بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (البقرہ : ۱۸۰)

جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑے تو اس پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ اپنے مال باپ اور قریبی رشتہ داروں کے لیے دستور کے موافق وصیت کرے یہ متقین پر حق ہے۔

اس آیت کا مغلایہ ہے کہ والدین اور قرابت داروں کے لیے اس شخص پر وصیت کرنا فرض ہے جس کی موت کا وقت قریب آ پہنچا ہو، اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے البتہ اس کے نسخ میں اختلاف ہے، بعض لوگوں نے کہا یہ آیت اس حدیث سے منسوخ ہے :

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے، اس لیے اب وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۳ ص ۳۰، مطبوعہ مجبائی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

امام دارمی نے اس حدیث کو عمر بن خارجہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۳۰۲، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان) اور بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ آیت اجماع سے منسوخ ہے، کیونکہ اس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ والدین اور قرابت داروں کے لیے وصیت کرنا واجب نہیں ہے۔

اور صحیح یہ ہے کہ یہ آیت موارث کی آیات سے منسوخ ہے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے والدین اور قرابت داروں کے حصے خود متعین کر دیئے تو ان کے لیے وصیت کرنا جائز نہ رہا، عکرمہ اور حسن بصری کا بھی یہی مذہب ہے۔ (سنن دارمی ج ۲)

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُنْزُوا عَلَيْكُمْ الصِّيَامَ كَمَا كُنْتُمْ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ (البقرہ : ۱۸۳) اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح سے پہلے لوگوں پر روزہ فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ سونے کے بعد روزہ دار پر کھانا پینا اور عمل زوجیت حرام ہو جس طرح پہلی امتوں پر سونے کے بعد یہ کام حرام ہو جاتے تھے کیونکہ اس آیت میں ہمارے روزوں کو پچھلی امتوں کے روزوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ پھر اس کے بعد امت مسلمہ کو سہولت دی گئی اور روزہ دار کے لیے رات میں کھانا پینا اور عمل زوجیت حلال کر دیا گیا۔

أَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ ط روزے کی رات میں تمہارے لیے عورتوں کے پاس جانا (البقرہ : ۱۸۷) حلال کر دیا گیا۔

(۳) يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ط لوگ آپ سے ماہ حرام میں قتل کا حکم پوچھتے ہیں، آپ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ (البقرہ : ۲۱۷) کہتے کہ ان مہینوں میں قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔

رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم یہ حرمت والے مہینے ہیں، اس آیت میں ان مہینوں میں قتل کرنے کی حرمت بیان کی ہے اور اس آیت کے آخری حصہ میں اس حرمت کو منسوخ کر دیا گیا ہے :

وَصَدُّ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ط (البقرہ : ۲۱۷) اور اللہ کی راہ سے روکنا، اور اللہ اور مسجد حرام کا کفر کرنا اور اہل حرم کو وہاں سے نکالنا، اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے اور فساد کرنا قتل سے بہت بڑا گناہ ہے۔

نیز حرمت والے مہینوں میں قتل کا منسوخ ہونا ان آیات سے بھی واضح ہے :

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً (التوبہ : ۳۶) اور تم سب مشرکوں سے قتل کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتل کرتے ہیں۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبہ : ۵) تم جہاں کہیں بھی مشرکین کو پاؤ تو ان کو قتل کر دو۔

سورہ توبہ کی پہلی آیت میں اشخاص کا عموم ہے اور دوسری آیت میں اکمنہ کا عموم ہے یعنی ہر مشرک کو ہر جگہ قتل کر دو اور اشخاص اور اکمنہ کا عموم ازمنہ کے عموم کو بھی مستلزم ہے یعنی ہر وقت ہر زمانہ میں ان کو قتل کر دو اور یہ آیتیں حرمت والے مہینوں میں قتل کی ممانعت کی نذر ہیں۔

(۴) وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مِنكُمْ وَيَدْرُونَ أَنَّ أَرْوَاجَهُم مِّنَ اللَّهِ وَبِئْسَ مَا فَعَلْنَا فِي أَنفُسِهِمْ مِّنْ مَّعْرُوفٍ ط (البقرہ : ۲۴۰) اور جو لوگ تم میں سے مرجائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (مرنے سے پہلے) اپنی بیویوں کے لیے ان کو گھر سے نکلے بغیر ایک سل کا خرچ دینے کی وصیت کر جائیں پھر اگر وہ (خود) نکل جائیں تو تم پر ان کے اس کام کا کوئی گناہ نہیں ہے جو انہوں نے دستور کے موافق کیا۔

اس آیت میں بیوہ عورت کی عدت ایک سال مقرر کی ہے اس کے بعد یہ عدت منسوخ کر کے چار ماہ دس دن کردی گئی۔

اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں چار ماہ دس دن کی عدت گزاریں۔

وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا
يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ

(البقرہ : ۲۳۴)

اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔

(۵) وَإِنْ تَبَدُّوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْتَحْفَوْهُ
يَحَاسِبُكُمْ بِهِ اللَّهُ (البقرہ : ۲۸۲)

اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ دل میں آنے والے خطرات پر بھی محاسبہ اور مواخذہ ہو گا، لیکن مذکور ذیل آیت سے

اس کو منسوخ کر دیا گیا :

اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ ممکن نہیں

لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ

کرتا۔

(البقرہ : ۲۸۶)

اور دل میں آنے والے خطرات انسان کی قدرت اور اختیار میں نہیں ہیں لہذا ان پر مواخذہ کرنے کو منسوخ کر دیا گیا۔

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کے

(۶) وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ

خلاف اپنے چار مردوں کی گواہی طلب کرو، پھر اگر وہ ان کے

فَاسْتَشْهِلُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا

خلاف گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں اس وقت تک

فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ

مقید رکھو کہ انہیں موت آجائے، یا اللہ ان کے لیے کوئی راہ پیدا

أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا (النساء : ۱۵)

فرمادے (کوئی اور حد مقرر فرمادے)

یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہو گئی۔

(کنواری) زانیہ عورت اور (کنوارے) زانی مرد ان میں

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

مِائَةً جَلْدَةٍ (النور : ۲)

اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں اور حرمت والے مہینوں کی

(۷) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ

بے خرمی نہ کرو۔

وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ (المائدہ : ۲)

حرمت والے مہینوں میں قتل کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اس کی تفصیل نمبر ۳ میں گزر چکی ہے۔

اگر تم میں سے بیس مہر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر

(۸) إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا

غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں تو وہ ہزار کافروں

مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ

پر غالب آجائیں گے، کیونکہ وہ بے وقوف لوگ ہیں۔

الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ

(الانفال : ۶۵)

یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا :

اب اللہ نے تمہارے لیے تخفیف کردی، اور اسکو علم ہے

أَلَّنْ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۖ

لَا يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مَا نَتَيْنَ وَإِنْ
يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ

(الانفال: ۶۶)

(۹) اَلرَّانِي لَا يَنْكِحُ اَلْاَزَانِيَةَ اَوْ مُشْرِكَةً
وَالرَّانِيَةَ لَا يَنْكِحُهَا اَلْاَزَانِ اَوْ مُشْرِكٌ وَحَرِّمَ
ذٰلِكَ عَلٰى الْمُؤْمِنِيْنَ (النور : ۳)

یہ آیت ان آیتوں سے منسوخ ہو گئی ہے

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ
عِبَادِكُمْ وَامَّا نِكَاحُكُمْ (النور : ۳۲)

اس آیت میں مطلقاً "بے نکاح مردوں اور عورتوں کے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے ساتھ غیر زانی کی قید نہیں لگائی۔

فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ (النساء: ۴) تو اپنی پسند کے موافق عورتوں سے نکاح کرو۔

(۱۰) لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ
بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ
يَمِينُكَ (الاحزاب : ۵۲)

ان (موجودہ ازواج) کے بعد اور عورتیں آپ کے لیے
حلال نہیں ہیں اور نہ یہ کہ آپ ان بیویوں کی جگہ اور بیویاں
تبدیل کریں، خواہ ان کا حسن آپ کو پسند ہو ماسوا اس کینز کے جو
آپ کی ملک ہو۔

جب ازواج مطہرات نے عسرت اور تنگ دستی کے باوجود نبی ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کر لیا اور مزید خرچ کا مطالبہ
ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی پھر بعد میں اس حکم کو منسوخ کر کے نبی ﷺ کو مزید ازواج کے ساتھ نکاح کی
اجازت دے دی ہر چند کہ اس اجازت کے باوجود آپ نے پھر کوئی نکاح نہیں کیا وہ آیت یہ ہے :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ النَّبِيِّ
أَنْتَ أَجْوَرُهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ
اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمَّتِكَ وَبَنَاتِ عَمَّتِكَ وَبَنَاتِ
خَالَكَ وَبَنَاتِ خَالَكَ النَّبِيُّ هَا جَرَنَ مَعَكَ
وَأَمْرًا مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ
النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ
الْمُؤْمِنِينَ (الاحزاب : ۵۰)

اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں حلال فرما
دیں جن کا آپ مردے چکے ہیں، اور وہ کنیزیں جن کے آپ
مالک ہیں جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت میں عطا فرمائی ہیں، اور
آپ کے چچا کی بیٹیاں، اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ
کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالائوں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ
کے ساتھ ہجرت کی، اور ایمان والی عورت اگر (بلا عوض) اپنا آپ
نبی کو بہہ کر دے، بشرطیکہ نبی اس سے نکاح کرنا چاہیں، یہ حکم
آپ کے لیے مخصوص ہے ماسوا دوسرے مسلمانوں کے۔

(۱۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ
فَقَدْ مَوَّابَيْنَ يَدَيَّ نَجُوا نَكُمْ صَدَقَةٌ (المجادلة: ۱۲)

اے ایمان والو! جب تم تمہاری میں رسول سے کچھ عرض
کرنا چاہو تو اپنی بات عرض کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا

کرو۔

اس کی تلخ یہ آیت ہے :

ءَاشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدَّ مُوَابِينَ يَدِي نَجْوَاكُمْ
صَدَقْتُمْ فَإِذَا كَمْ تَفْعَلُوا وَنَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ
فَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا اللَّهَ
وَرَسُولَهُ (المجادلہ : ۳)

کیا تم تملی میں اپنی ہات گزرا کرنے سے قبل صدقہ
دینے سے گھبراتے ہو؟ جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ نے رحمت
سے تم پر رجوع کیا تو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ لو اکرو اور اللہ اور اس
کے رسول کی اطاعت کرو۔

(۳) يَا أَيُّهَا الْمَرْمِلُ ۖ قِمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۖ
نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۖ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ
الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۖ (المزمل : ۱-۳)

اے چادر لپیٹنے والے رات کو نماز میں قیام کریں خولہ
تھوڑی رات آدمی رات یا اس سے کچھ کم کریں یا اس پر کچھ
زیادتی کریں اور ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھیں۔

اس آیت میں نبی ﷺ پر قیام لیل فرض کیا گیا ہے خولہ نصف شب ہو یا اس سے کم یا زیادہ! بعد میں مذکور ذیل
آیت سے اس قیام کو منسوخ کر دیا۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثَيِ
اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ وَاللَّهُ
يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصَوْهُ فَتَابَ
عَلَيْكُمْ فَاقْرَأُوا مَا تيسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ
(المزمل : ۲۰)

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (کبھی) دو تہائی
رات کے قریب قیام کرتے ہیں (کبھی) آدمی رات کے قریب
اور (کبھی) ایک تہائی رات کے قریب اور آپ کے ساتھیوں میں
سے ایک جماعت بھی ہوتی ہے اور اللہ دن اور رات کا اندازہ
کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ (اے مسلمانو) تم ہرگز اس کا احاطہ نہ کر
سکو گے پھر اس نے تم پر رحمت سے رجوع کیا تو جتنا تم کو آسان
لگے قرآن پڑھ لیا کرو۔

ہمارے نزدیک قرآن مجید کی ان بارہ آیتوں کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور ان کے علاوہ وہ آیتیں ہیں جن میں نبوت کے
ابتدائی دور میں کفار کی زیادتیوں کے مقابلہ میں صبر و ضبط سے کام لینے کا حکم دیا تھا پھر آیت سیف نازل ہونے کے بعد ان کا
حکم منسوخ ہو گیا۔

علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کی بیس آیتوں کا حکم منسوخ ہے۔ (الافتاح ج ۲ ص ۲۳ مطبوعہ سبیل الکیڈی
لاہور) اور بعض علماء نے بائیس آیات لکھی ہیں لیکن ہم نے باقی دس آیتوں میں غور کیا تو ان میں ایسا تعارض نہیں ہے
کہ ان کو جمع کرنا اور ان میں تطبیق دینا ممکن نہ ہو اور ان میں سے ہر ایک آیت کا الگ الگ محل ہے اس کی تفصیل
انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی اگر ہمیں اپنے قارئین کی اکتاہٹ کا خدشہ نہ ہو تا تو ہم ان سب کا یہاں تفصیل سے ذکر
کرتے۔

احکام شرعیہ کو منسوخ کرنے کی حکمتیں
اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ ان آیات کی تلاوت کو باقی رکھا گیا ہے اور ان کے حکم کو منسوخ کر دیا گیا
ہے؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی اس لیے تلاوت کی جاتی ہے کہ اس سے ایک شرعی حکم معلوم کیا

جائے اور اس پر عمل کیا جائے اسی طرح اس کی اس لیے تلاوت کی جاتی ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور اس کی تلاوت سے ثواب ملتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بالعموم احکام میں نسخ تخفیف کے لیے ہوا ہے جیسا کہ ان مثالوں سے واضح ہے اور منسوخ احکام آیتوں کو اس لیے برقرار رکھا گیا تاکہ مسلمان ان آیات کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مشقت سے نجات دی اور ان کے لیے آسان احکام مشروع کر دیئے۔

یہ کلام ان آیات کے متعلق ہے جن میں مشکل احکام کو منسوخ کر کے آسان احکام مشروع کئے گئے، لیکن بعض منسوخ احکام آیات ایسی ہیں جن میں آسان احکام کو منسوخ کر کے مشکل احکام مشروع کئے گئے ہیں، ان کی حکمت یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو وہ زمانہ فترت تھا اور برسوں سے جو عقائد، عادات اور معمولات ان میں رچ بس گئے تھے وہ ان کی فطرت ثانیہ بن چکے تھے اور یک لخت ان تمام چیزوں سے ان کو چھڑانا بہت مشکل تھا، کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا تو خدشہ تھا کہ وہ اسلام کو ہی چھوڑ جاتے، اس کی مثال یہ ہے کہ قریش نے وسائل کی کمی کی وجہ سے کعبہ کی نامکمل تعمیر کی تھی نبی ﷺ بناء ابراہیم کے مطابق کعبہ کو تعمیر کرنا چاہتے تھے (بناء ابراہیم میں حطیم کعبہ میں داخل تھا) اور آپ اس میں دخول اور خروج کے لیے دو دروازے بنانا چاہتے تھے، لیکن آپ نے اس لیے ایسا نہیں کیا کہ اہل عرب کو کعبہ سے بہت والہانہ اور جذباتی عقیدت تھی اگر نئی تعمیر کے لیے کعبہ کو منہدم کیا جاتا تو جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اسلام چھوڑ جاتے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴ (مفصلًا) مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ) سو اسی وجہ سے شروع میں آسان احکام مشروع کیے گئے اور جب لوگ اسلام میں راسخ ہو گئے تو پھر نسبتاً سخت احکام مشروع کیے گئے۔ حرمت خمر کی مثال سے ہم اس کی پہلے بھی وضاحت کر چکے ہیں۔

بعض ایسے احکام منسوخ کئے گئے جو مشکل اور سہل ہونے میں نسخ کے مساوی ہیں ان میں نسخ کی حکمت یہ تھی کہ مسلمانوں کو ابتلاء اور امتحان میں ڈالا جائے تاکہ مومنوں اور منافقوں میں امتیاز ہو جائے اور خبیث اور طیب الگ ہو جائیں، جیسے بیت المقدس کے قبلہ ہونے کو منسوخ کر کے بیت اللہ کو قبلہ بنایا گیا تو مومن اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور منافقوں کا خبث ظاہر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا
اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلٰى
عَقْبِيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلٰى الَّذِيْنَ هَدٰى
اللّٰهُ (البقرہ : ۱۴۳)

(اے رسول) آپ (پہلے) جس قبلہ پر تھے وہ ہم نے اسی لیے مشروع کیا تھا کہ جو لوگ رسول کی پیروی کرتے ہیں ان کو ہم ان لوگوں سے ممتاز کر دیں جو الٹے پاؤں پھر جاتے ہیں، اور بے شک یہ (تحويل قبلہ) شاق تھا ماسوا ان لوگوں کے جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی۔

یہ بحث اسلام کے بعض احکام کے نسخ کے سلسلہ میں تھی، رہا یہ امر کہ اسلام کے آنے کے بعد پچھلی تمام شریعتیں منسوخ ہو گئیں اس کی حکمت یہ ہے کہ نوع انسان اپنی عقل اور شعور کے اعتبار سے اس طرح تدریجاً ترقی کرتی رہی ہے جس طرح بچہ اپنی نشوونما کے اعتبار سے بتدریج ترقی کرتا ہے، اس لیے ہر نبی کے عہد میں نوع انسان اپنی عقل اور شعور کے اعتبار سے جس درجہ میں تھی اسی درجہ کے اعتبار سے اس پر احکام شرعیہ مشروع کئے گئے اور جب نوع انسان اپنے کمال ارتقاء کو پہنچ گئی تو سابقہ تمام احکام منسوخ کر کے اس پر قیامت تک کے لیے ایک کامل شریعت نازل کر دی گئی۔

نسخ القرآن بالسنة کے قائلین اور ان کے دلائل

امام مالک، اصحاب امام ابی حنیفہ، جمہور اشاعہ اور معتزلہ اس کے قائل ہیں کہ سنت سے قرآن کا نسخ ہو سکتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ سنت بھی اسی طرح وحی الہی ہے جس طرح قرآن وحی الہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم : ۳-۴)

ہے جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

اور قرآن اور حدیث میں اس کے سوال اور کوئی فرق نہیں ہے کہ قرآن کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں اور حدیث کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کی انشاء اور ترتیب پر مبنی ہیں اور دونوں کے معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل ہیں۔ اس لیے عقلاً اور شرعاً یہ جائز ہے کہ کسی ایک وحی سے ثابت ہونے والا حکم دوسری وحی سے منسوخ کر دیا جائے۔

نسخ القرآن بالسنة کے مانعین اور ان کے دلائل کا تجزیہ

امام شافعی، امام احمد کے ایک قول اور اہل ظاہر کے نزدیک سنت سے قرآن کا نسخ جائز نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے :

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل : ۴۴)

اور ہم نے آپ کی طرف قرآن اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو یہ بیان کر دیں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا منصب قرآن کے معانی بیان کرنے میں منحصر ہے اور اگر سنت قرآن کی نسخ ہو تو سنت قرآن کے بیان کی بجائے اس کی رافع ہو جائے گی۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں کوئی کلمہ حصر نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف بیان کرنے والے ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان : ۱)

وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندے پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی، تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو نذیر فرمایا ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ بشیر بھی ہیں، تو جس طرح آپ کو نذیر کہنے سے آپ کے بشیر ہونے کی نفی نہیں ہوتی اسی طرح آپ کی سنت کے بیان ہونے سے اس کے نسخ ہونے کی نفی نہیں ہوتی اور بالفرض اگر آپ کا منصب صرف قرآن کے بیان کرنے میں منحصر ہو تو پھر آپ کا شارع ہونا اور بعض چیزوں کو حلال اور بعض چیزوں کو حرام کرنا بھی اس حصر کے خلاف ہو گا حالانکہ قرآن مجید سے آپ کا شارع ہونا اور آپ کے لیے تحلیل اور تحریم کا منصب بھی ثابت ہے۔

وَمَا أَنْتُمْ إِلَّا رَسُولٌ فَخَذُّوهُ وَمَا نَهَكُمْ عَنْهُ فَأَنْتَهُوا (الحشر : ۷)

اور رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو، اور جس سے منع کریں (اس سے) رک جاؤ۔

اس آیت میں آپ کے شارع ہونے کا بیان ہے۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ

اور وہ (نبی امی) پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں

(الاعراف : ۱۵۷) اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں۔

اس آیت میں آپ کے منصب تحلیل اور تحریم کا بیان ہے۔

نیز ہم یہ کہتے ہیں کہ نسخ، بیان کے منافی نہیں ہے، کیونکہ سنت سے قرآن کا کوئی حکم بالکلیہ منسوخ نہیں ہوا بلکہ قرآن مجید کی بعض آیات کے عموم کو سنت سے خاص کر لیا گیا ہے اور سنت سے یہ متعین کرنا کہ اس آیت کے عموم سے ظلال فرد کو خاص کر لیا گیا ہے یہ بھی قرآن کا بیان ہے۔

مخالفین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن سے سنت کی حجت ثابت ہے اب اگر سنت خود قرآن کی نسخ ہو تو سنت بھی حجت نہیں رہے گی کیونکہ نسخ رفع ہے اور جب اصل اٹھ جائے گی تو فرع بھی اٹھ جائے گی، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی جن آیات سے سنت کی حجت ثابت ہے سنت ان کے لیے نسخ نہیں ہے حتیٰ کہ یہ اعتراض لازم آئے، بلکہ وہ دوسری بعض آیات کے عموم کی نسخ ہے۔

مخالفین کی تیسری دلیل یہ آیت ہے :

وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا إِنَّا بُرْءَانِ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدَّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِيَّ أَنْ أَبَدَّ لَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبَعُ إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ (يونس : ۱۵)

اور جب ہماری روشن آیتیں ان پر تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ لوگ کہتے ہیں جن کو (آخرت میں) ہم سے ملاقات کی امید نہیں ہے، آپ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آئیں یا اس کو بدل دیں آپ کہیے میرے لیے اس کو اپنی طرف سے بدلنا جائز نہیں ہے میں صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ میں تبدیلی کرنا آپ کے اختیار میں نہیں اور سنت کے نسخ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن کے الفاظ تبدیل کر دیئے جائیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے عموم سے بعض افراد کو خاص کر لیا جائے۔

مخالفین کی چوتھی دلیل یہ آیت ہے :

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلَهَا (البقرہ : ۱۰۶)

جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔

دلیل کی تقریر یہ ہے کہ اگر سنت قرآن کی نسخ ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ سنت قرآن کی مثل ہو یا اس سے افضل ہو، اور یہ محال ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ سنت کے الفاظ اور نظم قرآن کی مثل نہیں ہو سکتے اور سنت کے نسخ قرآن ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ قرآن کے عموم اور اطلاق کی تقید کرتی ہے اور سنت متواترہ سے ثابت ہونے والا حکم بھی اسی طرح قطعی ہے جس طرح قرآن قطعی ہے۔ نیز ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سنت بھی وحی الہی ہے، اس لیے درحقیقت منسوخ کرنے والا، اللہ تعالیٰ ہے اور رسول اللہ ﷺ فقط مبلغ اور معبر ہیں۔

نسخ القرآن بالنسخہ میں سنت کا محمل

واضح رہے کہ جو سنت قرآن مجید کے عام حکم کے لیے نسخ ہوتی ہے یہ وہ سنت ہے جو وحی پر مبنی ہو۔ اس سے مراد

سنت اجتہاد یہ نہیں ہے، نیز اس سے مراد سنت قطعیہ ہے اور جو سنت ظنی الثبوت ہو وہ اس میں داخل نہیں ہوتا۔ احادیث سنداً اخبار آحاد ہیں اس کے باوجود صحابہ کرام نے ان سے قرآن مجید کے عام حکم سے بعض افراد کو خاص کر لیا مثلاً قرآن مجید میں عام حکم ہے کہ وان كانت واحدة فلها النصف (النساء : ۱۱) ایک بیٹی کو باپ کے ترکہ سے نصف حصہ دیا جائے لیکن حضرت ابو بکر نے اس حدیث کی بناء پر کہ ”ہمارا وارث نہیں بنایا جاتا“ ہم نے جو چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔“ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی وراثت سے حصہ نہیں دیا، اور قرآن مجید کے عموم کی خبر واحد سے تخصیص کر لی، اسی طرح قرآن مجید میں کسی معاملہ میں دو مرد گواہ بنانے کا حکم عام ہے لیکن صحابہ نے ایک حدیث کی بناء پر حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۲، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ) اور اس کی اور بھی مثالیں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احادیث ہم تک واصل ہونے کے اعتبار سے اخبار آحاد ہیں اور صحابہ کرام نے چونکہ یہ احادیث بلا واسطہ رسول اللہ ﷺ سے سنی تھیں اس لیے ان کے نزدیک یہ اسی طرح قطعی الثبوت تھیں جس طرح قرآن مجید قطعی ہے، سو انہوں نے سنت قطعیہ سے قرآن مجید کے عموم کو منسوخ مانا ہے نہ کہ سنت ظنیہ سے۔

نسخ القرآن بالسنتہ میں نسخ کا محمل

علامہ صدر الشریعہ لکھتے ہیں :

قرآن کو سنت سے منسوخ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ مکہ مکرمہ میں کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے تھے، اور مدینہ آنے کے بعد بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے تھے، پس اگر پہلا حکم (مکہ مکرمہ میں کعبہ کی طرف نماز پڑھنا) قرآن سے ثابت تھا تو یہ سنت سے منسوخ ہو گیا اور دوسرا حکم (مدینہ میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا) سنت سے ثابت تھا اور اس کو قرآن نے منسوخ کر دیا۔

نبی ﷺ جب مکہ میں تھے تو کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے تھے، اور یہ معلوم نہیں کہ یہ حکم کتاب سے ثابت تھا یا سنت سے، پھر جب آپ مدینہ آئے تو سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر نمازیں پڑھیں، اور یہ حکم کتاب سے ثابت نہ تھا بلکہ سنت سے ثابت تھا، پھر کتاب سے یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور آپ کو مسجد حرام کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنے کا حکم دیا : فول وجھک شطر المسجد الحرام (البقرہ : ۱۴۴) پس سنت کا کتاب سے منسوخ ہونا یقینی ہے اور کتاب کا سنت سے منسوخ ہونا مشکوک ہے۔ (توضیح مع تلویح ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبریٰ مصر)

میں کہتا ہوں کہ اگر سنت کے نسخ قرآن ہونے سے یہ مراد ہے کہ قرآن مجید سے ثابت شدہ حکم بالکلیہ سنت سے مرتفع ہو جائے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ محض جواز عقلی کے درجہ میں ہے اور اگر اس کی یہ تقریر کی جائے کہ جو حکم قرآن مجید میں عام ہے اس کو سنت سے خاص کر دیا گیا یا اس کے عموم سے چند افراد کو مستثنیٰ کر لیا گیا تو اس کی بہت مثالیں ہیں۔

نسخ القرآن بالسنتہ کی مثالیں

(۱) الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ

مَنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور : ۲)

زانیہ اور زانی ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

قرآن میں یہ حکم عام ہے خلوہ زانیہ اور زانی کنوارے ہوں یا شادی شدہ اور سنت سے اس حکم کو کنواؤں کے ساتھ خاص کر لیا گیا اور شادی شدہ زانیوں کو رجم کا حکم دیا گیا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ کچھ زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا کہے گا کہ قرآن مجید میں رجم نہیں ہے اور وہ اس فرض کے ترک سے گنہ گار ہوں گے، جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، سنو، شادی شدہ زانی پر رجم کی سزا برحق ہے، جب کہ گواہی سے یا حمل یا اعتراف سے زنا ثابت ہو، سنو رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۸-۱۰۰۹ مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی ۱۴۳۸ھ)

(۲) اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّقْوُومًا (النساء : ۴۳)

بے شک ایمان والوں پر نماز (ایک) وقت مقرر میں فرض ہے۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھا جائے لیکن سنت متواترہ سے عرفات کی عصر کو خاص کر لیا گیا کیونکہ میدان عرفات میں وہ اپنے وقت سے پہلے ظہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اور مزدلفہ کی مغرب کو خاص کر لیا گیا کیونکہ وہ اپنے وقت کے بعد عشاء کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔

(۳) فَاَنْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ (النساء : ۳)

تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں، ان سے نکاح کر لو، دو سے، تین تین سے اور چار چار سے۔

اس آیت میں عموم ہے اور ہر شخص بہ شرط عدل دو دو، تین تین اور چار چار نکاح کر سکتا ہے، لیکن نبی ﷺ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنت ابی جہل کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمادیا۔

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ کے اوپر ابو جہل کی لڑکی کو نکاح کا پیغام دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : بے شک میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا، اور نہ حرام کو حلال کرتا ہوں، لیکن یہ خدا رسول اللہ کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی ایک محل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۸۳ مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

(۴) وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا (النساء : ۴۳)

حالت جنابت میں جب تک غسل نہ کر لو مسجد کے قریب نہ جاؤ، الا یہ کہ مسجد کو عبور کرنا ہو۔

اس آیت کے مطابق کوئی شخص بھی جنبی ہو کر مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا لیکن نبی ﷺ نے اس عموم سے اپنے آپ کو اور حضرت علی کو خاص کر لیا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا : اے علی! میرے اور تمہارے سوا کوئی شخص بھی اس مسجد سے حالت جنابت میں نہیں گزر سکتا۔ (جامع ترمذی ص ۵۳۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ

ان کے علاوہ اور بھی بہت مثالیں ہیں لیکن اختصار کی وجہ سے ہم نے صرف اسی قدر پر اکتفاء کی ہے۔
نسخ السنۃ بالقرآن کا بیان

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک سنت کا قرآن سے نسخ جائز ہے، اور امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں جمہور کی دلیل یہ ہے کہ سنت اور قرآن دونوں وحی ہیں اور ایک وحی کا دوسری وحی سے منسوخ ہونا جائز ہے۔
اور اس کی چند مثالیں ہیں :

(۱) ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنا صرف سنت سے معلوم ہے۔ امام بخاری نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ آنے کے بعد سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ) اور یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہے۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (البقرہ: ۱۴۴)
تو آپ اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا رخ اسی کی طرف پھیرو۔
(۲) پہلے رمضان کی راتوں میں (سونے کے بعد) کھانا پینا اور عمل ترویج حرام تھا :

امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رمضان میں جب کوئی شخص روزہ رکھتا اور شام کو سو جاتا تو اس پر کھانا پینا اور عورت حرام ہو جاتی حتیٰ کہ وہ اگلے روز افطار کرے، ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطاب، نبی ﷺ کے پاس سے رات کو لوٹے وہ آپ کے پاس باتیں کرتے رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ ان کی بیوی سوئی ہوئی تھیں، انہوں نے ان سے اپنی خواہش ظاہر کی، بیوی نے کہا میں تو سو چکی ہوں، حضرت عمر نے کہا تم نہیں سوئی تھیں، اور ان سے اپنی خواہش پوری کر لی، حضرت کعب بن مالک نے بھی ایسا ہی کیا تھا، صبح حضرت عمر نبی ﷺ کے پاس گئے اور آپ کو ماجرا سنایا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی : (مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (البقرہ: ۱۸۷)

اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنی جانوں میں خیانت کرتے تھے، اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تم کو معاف کر دیا، تو اب تم ان سے مباشرت کر سکتے ہو، اور جو (اولاد) اللہ نے تمہارے لیے مقدر کی ہے اس کو تلاش کرو، اور کھاؤ اور پیو، حتیٰ کہ تمہارے لیے صبح کا سفید دھاگا (رات کے) سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے۔

(۳) نبی ﷺ نے معاہدہ حدیبیہ میں یہ شرط مان لی تھی کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو آپ اس کو مکہ واپس کر دیں گے، اس شرط کے مطابق نبی ﷺ نے حضرت ابو جندل کو واپس کر دیا تھا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

پھر ایک عورت مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئی نبی ﷺ نے اس کو واپس کرنے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ
مُهْجِرَاتٍ فَاثْبُتُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ
عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى
الْكُفَّارِ (المنحنة : ۵)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں
ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کو آزما لیا کرو اللہ ان کے ایمان کو
خوب جانتا ہے، پھر اگر تم ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو انہیں
کفار کی طرف نہ لوٹاؤ۔

سخ التہ بالستہ کا بیان

سخ التہ بالستہ کی چار قسمیں ہیں، سنت متواترہ کا سنت متواترہ سے 'سخ' سنت آحلیہ کا آحلیہ سے 'سخ' اور سنت
آحلیہ کا سنت متواترہ سے 'سخ' یہ تین قسمیں بالاتفاق جائز ہیں، اور سنت متواترہ کا سنت آحلیہ سے 'سخ' اہل ظاہر کے نزدیک
جائز ہے اور جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ تواتر سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مطلقہ کے لیے رہائش اور نفقہ کا حق رکھا ہے،
حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے اس کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ
نے ان کے لیے سکنی کا حق نہیں دیا تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو مسترد کر دیا اور صحابہ نے اس رد کو برقرار رکھا
اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی یہ روایت سنت متواترہ کے خلاف تھی۔

لام مسلم روایت کرتے ہیں :

لام شعبی نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے سکنی (رہائش) اور نفقہ
(خرچہ) نہیں رکھا، پھر اسود نے اپنے ہاتھ سے کنکریاں اٹھا کر پھینک دیں اور کہا، افسوس ہے تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو،
حضرت عمر نے فرمایا تھا، ہم اللہ کی کتاب اور اپنے رسول ﷺ کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بنا پر ترک نہیں کریں
گے، ہم نہیں جانتے کہ اس کو (صحیح) حدیث یاد ہے یا یہ بھول گئی، اس کو سکنی بھی ملے گا اور نفقہ بھی، اللہ عز و جل نے فرمایا
ہے ان کو اپنے گھروں سے نہ نکالو لایہ کہ ان میں سے کوئی عورت کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب کرے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۵)
(مطبوعہ نور محمد راجع الطلح کراچی ۱۳۸۷ھ)

سخ التہ کا ثبوت یا تو شارع علیہ السلام کی تصریح سے ہوتا ہے : جیسے لام مالک روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں تین دن کے بعد قربانی کا گوشت
ذخیرہ کرنے سے منع کیا تھا، پس اب کھلو، صدقہ کرو اور ذخیرہ کرو، اور میں نے تم کو نبیذ پلنے سے منع کیا تھا، پس اب نبیذ پلاؤ
اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور میں نے تم کو قبوں کی زیارت سے منع کیا تھا، اب قبوں کی زیارت کرو اور کوئی بے ہودہ بات
مت کرو۔ (موطا لام مالک ص ۴۶۱، مطبوعہ مطبعہ مجملی پاکستان لاہور)

لام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم کو بعض برتنوں (دبا، ختم، مرفت اور منبر)
میں پینے سے منع فرمایا تھا، اور بے شک برتن کسی چیز کو طہل کرتا ہے اور نہ حرام کرتا ہے، اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔
(صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۷، مطبوعہ نور محمد راجع الطلح کراچی ۱۳۸۷ھ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم کو چڑے کے برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا اب تم ہر برتن میں پیا کرو، البتہ نشہ آور مشروب نہ پینا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

یا سخ السنۃ کا ثبوت صحابہ کی تصریح سے ہوتا ہے جیسے :

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری عمل یہ تھا کہ آپ آگ سے پکی ہوئی چیز کو کھانے کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۵، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان، لاہور ۱۳۰۵ھ)

سخ السنۃ کی معرفت کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ تاریخ سے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں سنت فلاں سنت سے موخر ہے جیسے آپ نے اپنے پہلے مرض میں فرمایا امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو اور آخری مرض میں آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ کھڑے ہوئے تھے اور آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا تو آخری مرض کی سنت پہلے حکم کی مانع ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس سے گر گئے جس سے آپ کی بائیں جانب زخمی ہو گئی تب آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم بھی آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے نماز کے بعد آپ نے فرمایا امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو امام بخاری کہتے ہیں کہ امام حمیدی نے کہا کہ نبی ﷺ کا یہ ارشاد کہ ”جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو“ مرض قدیم میں تھا پھر اس کے بعد آخری مرض میں نبی ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے اور آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور عمل آخری سنت پر کیا جائے گا اور آخری سنت یہی ہے کہ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

بعض علماء نے ایک چوتھی قسم بھی ذکر کی ہے کہ جس حدیث کے خلاف پر علماء کا اجماع ہو جائے وہ بھی منسوخ ہے اور اس کی یہ مثال دی ہے کہ جامع ترمذی میں یہ حدیث ہے کہ جو شخص شراب پیئے اس کو کوڑے مارو دوبارہ اور سہ بارہ بھی کوڑے مارو اور اگر چوتھی بار شراب پیئے تو اس کو قتل کر دو علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ اس کے نسخ پر اجماع کی دلالت ہے۔ کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ شراب پینے پر قتل نہیں کیا جائے گا۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۷۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابن عمر اس حدیث پر عمل کے قائل ہیں اور ابن حزم کا بھی یہی مختار ہے لہذا اس حدیث کے خلاف پر اجماع نہیں ہے۔ (توضیح الافکار ج ۱ ص ۳۱۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

میری رائے یہ ہے کہ جو حدیث سند صحیح سے ثابت ہو وہ اجماع پر مقدم ہے اور ائمہ اور علماء کے اجماع میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ حدیث رسول کے مزاحم ہو سکے نسخ تو دور کی بات ہے۔

اسباب نزول کا بیان

قرآن کریم کی آیات ۵۵ قسم کی ہیں، ایک قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ابتداءً نازل کیا اور وہ کسی خاص سبب یا واقعہ کے ساتھ مربوط نہیں تھی ۵۵ محض مخلوق کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی، اس قسم کی آیات بہ کثرت ہیں۔

۵۵ سری قسم وہ ہے جو کسی خاص سبب یا خاص واقعہ کے ساتھ مربوط ہے یا کسی سؤل کے جواب میں نازل کی گئی، ان سبب اور واقعات کو مفسرین کی اصطلاح میں سبب نزول اور شان نزول کہا جاتا ہے، بعض اوقات ایک آیت کے متعدد سبب ہوتے ہیں اور بعض اوقات ایک سبب کی وجہ سے متعدد آیات نازل ہوتی ہیں اور ہرچند کہ آیت کسی خاص مورد اور واقعہ میں نازل ہو لیکن جمہور ائمہ اور مفسرین کے نزدیک خصوصیت مورد کی بجائے عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

سبب نزول کے فوائد

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهَ اللّٰهِ (البقرہ : ۱۱۵)

اور مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے ہیں تو جہاں کہیں تم منہ کر دو ہیں اللہ (تمہاری طرف متوجہ) ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ جس طرف چاہے منہ کر کے نماز پڑھ لے، اور اس کے لیے سفر اور حضر میں کہیں بھی بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنا واجب نہیں ہے، لیکن اس آیت کا صحیح معنی صرف شان نزول سے معلوم ہوتا ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مسافر کی نماز اور سواری پر نفل نماز پڑھنے کے متعلق نازل ہوئی ہے، یعنی سفر میں نمازی کو یہ رخصت دی گئی ہے کہ وہ نفل نماز سواری پر پڑھ سکتا ہے خواہ سواری کا رخ کسی طرف ہو، اسی طرح اگر نماز کے پورے وقت میں ٹرین تیز رفتاری سے دوڑتی رہے اور کہیں نہ رکے تو چلتی ٹرین میں فرض نماز بھی پڑھی جائے گی خواہ ٹرین کا رخ کسی طرف ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ایک قوم کے متعلق نازل ہوئی جس پر ایک غزوہ میں قبلہ مشتبہ ہو گیا تھا اور انہوں نے اندھیرے میں جنوب یا شمال کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی اور جب صبح ہوئی تو وہ پریشان ہوئے کہ ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (مدح الطہارۃ ج ۲ ص ۳۶۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا تو اس پر صفا اور مروہ کے چکر لگانے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (البقرہ : ۱۵۸)

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفا اور مروہ کی سعی مباح ہے واجب نہیں ہے، عمرو بن زبیر کو بھی یہی اطلاع لاحق تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں فرمایا تھا اگر یہ سعی مباح ہوتی تو یہ آیت اس طرح ہوتی فلا جناح علیہما ان لا یطوف بہما اگر وہ ان کی سعی نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں، پھر حضرت عائشہ نے اس آیت کا شان نزول بتا کر یہ سمجھایا کہ سعی واجب ہونے کے باوجود اس طرح کیوں فرمایا ”صفا اور مروہ کے چکر لگانے میں کوئی حرج نہیں“ اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے :

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

عروہ نے اس آیت : (البقرہ : ۱۵۸) کو پڑھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا ”اس آیت کی رو سے اگر کوئی شخص صفا اور مروہ میں سعی نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا : اے بھتیجے تم نے درست نہیں کہا اگر اس آیت کا وہی معنی ہوتا جس طرح تم نے تاویل کی ہے تو یہ آیت اس طرح ہوتی لا جناح علیہ ان لا یطوف بہما ”جو ان کے درمیان سعی نہ کرے اسے کوئی گناہ نہیں۔“ لیکن یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ اسلام لانے سے پہلے مناة (بت) کے لیے احرام باندھتے تھے جس کی وہ مثل کے پاس عبادت کرتے تھے، پھر جو احرام باندھتا وہ صفا اور مروہ کی سعی میں گناہ سمجھتا، پھر جب وہ اسلام لے آئے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا اور عرض کیا : (یا رسول اللہ) ہم (زمانہ جاہلیت میں) صفا اور مروہ کی سعی میں گناہ سمجھتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی : (ترجمہ) بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا تو اس پر صفا اور مروہ کے چکر لگانے (سعی کرنے) میں کوئی حرج نہیں ہے، حضرت عائشہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان سعی کو واجب قرار دیا ہے، پس کسی شخص کے لیے ان کے درمیان سعی کو ترک کرنا جائز نہیں ہے، عروہ کہتے ہیں میں نے ابو بکر بن عبد الرحمن کو یہ حدیث سنائی تو انہوں نے کہا لاریب! یہی علم ہے۔ میں نے پہلے یہ نہیں سنا تھا، اور میں نے اہل علم سے یہ سنا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ (انصار کے ان لوگوں کے سوا جن کا حضرت عائشہ نے ذکر کیا ہے) مناة کے لیے احرام باندھتے تھے، یہ سب صفا اور مروہ میں طواف کرتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کرنے کا حکم دیا اور قرآن میں صفا اور مروہ کا ذکر نہیں کیا، تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم (زمانہ جاہلیت میں) صفا اور مروہ کا طواف کرتے تھے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا ہے اور صفا کا ذکر نہیں کیا تو اگر ہم اب بھی صفا اور مروہ کا طواف کریں تو آیا کوئی گناہ ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ترجمہ :) بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا تو اس پر صفا اور مروہ کی سعی میں کوئی گناہ نہیں ہے، ابو بکر بن عبد الرحمن نے عروہ سے کہا تو سنو! یہ آیت ان دونوں فریقوں کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ لوگ جو زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ میں طواف کرنے کو گناہ سمجھتے تھے، اور وہ لوگ جو زمانہ جاہلیت میں ان کے درمیان طواف کرتے تھے، پھر اسلام لانے کے بعد ان کے درمیان طواف کرنے کو اس لیے گناہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا تھا اور صفا کا ذکر نہیں کیا تھا حتیٰ کہ بعد میں بیت اللہ کے طواف کے بعد صفا کا ذکر بھی فرمادیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۳-۲۲۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ آیت کس لیے نازل ہوئی، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس آیت کے نزول کے دو سبب ہیں، جیسا کہ اس حدیث میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

عام سبب اور آیت کے عام الفاظ

قرآن مجید میں کبھی سبب عام ہوتا ہے اور آیت کے الفاظ بھی عام ہوتے ہیں اور کبھی سبب خاص ہوتا ہے اور آیت کے الفاظ بھی خاص ہوتے ہیں، اور کبھی سبب خاص ہوتا ہے اور آیت کے الفاظ عام ہوتے ہیں اور اسی میں اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک خصوصیت سبب کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

پہلی صورت جب سبب اور الفاظ دونوں عام ہوں تو بالاتفاق عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے، اور اس کی سورہ آل عمران

میں بہ کثرت متعلق ہیں جو غزوہ بدر اور غزوہ احد کے سلسلے میں نازل ہوئیں مثلاً یہ آیت ہے :

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (آل عمران : ۱۶۹)
 اور سستی نہ کرو اور غمگین نہ ہو اگر تم کامل مومن ہو تو
 تم ہی غالب رہو گے۔

یہ آیت بالعموم لعل احد کے متعلق نازل ہوئی اس کے الفاظ عام ہیں اور اس میں عموم ہی کا اعتبار ہے۔
 خاص سبب اور آیت کے خاص الفاظ

دوسری صورت جس میں سبب اور لفظ خاص ہو تو خصوص ہی کا اعتبار ہوتا ہے اور لفظ کا خاص ہونا یا علم کی وجہ سے
 ہو گا یا لام عہد کی وجہ سے۔

علم کی وجہ سے خصوصیت کی مثل یہ آیت ہے :

فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا (الاحزاب : ۳۷)
 پھر جب زید نے اس (قطع تعلق) کی غرض پوری کر لی تو
 ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا۔

حضرت زید بن حارثہ اور ان کی زوجہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا میں ان بن رہتی تھی اس وجہ سے وہ
 ان کو طلاق دینا چاہتے تھے رسول اللہ ﷺ ان کو روکتے تھے بہر حال جب حضرت زید نے طلاق دے دی تو عدت کے بعد
 اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب بنت جحش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر دیا۔

اور لام عہد کی وجہ سے خصوصیت کی مثل یہ آیت ہے :

وَسَيَجْزِيَنَّكَ اللَّهُ الْآثِقَ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ
 يَنْزِكُ ۖ وَمَا لَاحِدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ ۖ
 إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۚ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ
 اور سب سے بڑے متقی کو جہنم سے بہت دور رکھا جائے
 گا جو حصول پاکیزگی کے لیے اپنا مال راہ الہی میں خرچ کرتا ہے
 اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے اس کا یہ مل
 خرچ کرنا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہے اور وہ
 (البقرہ : ۲۶۱-۲۶۲) ضرور عنقریب راضی ہو گا۔

یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی جب انہوں نے حضرت بلال کو خرید کر آزاد کر دیا جس کو
 ایمان لانے کے جرم میں سخت عذاب دیا جا رہا تھا کفار نے کہا ضرور بلال نے پہلے کوئی ابو بکر پر احسان کیا ہو گا جس کا بدلہ
 اٹانے کے لیے ابو بکر نے ان کو آزاد کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ بلال تو الگ رہے روئے زمین پر کسی کا ابو بکر پر
 کوئی دنیوی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جاسکے۔ ان کا یہ عمل تو صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہے۔ اور اس آیت کے
 صدق صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے ہے کیونکہ باقی تمام مسلمانوں پر کسی نہ کسی کا کوئی نہ کوئی دنیوی احسان ضرور تھا اس آیت میں
 حضرت ابو بکر کا لا نفی سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ لام عہد ہے اور اس سے مراد حضرت ابو بکر ہیں۔ لہذا اس آیت کا سبب
 بھی خاص ہے اور الفاظ بھی خاص ہیں۔

خاص سبب اور آیت کے عام الفاظ

تیسری صورت یہ ہے کہ آیت کا سبب خاص ہو اور الفاظ عام ہوں۔ اس صورت میں جمہور علماء کے نزدیک عموم
 لفظ کا اعتبار کیا جاتا ہے اس کی مثل یہ آیات ہیں :

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ (النور : ۷-۶)

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس ان کی اپنی جانوں کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے کسی شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ بے شک وہ ضرور سچا ہے اور پانچویں گواہی یہ کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

امام ابو داؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت حلال بن امیہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا : میں عشاء کے وقت اپنی اہلیہ (خولہ بنت عاصم) کے پاس گیا تو میں نے اس کے پاس ایک مرد (شریک بن سحاء) دیکھا، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا، رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو ناپسند کیا، صحابہ کرام کا خیال تھا کہ اب حضرت حلال پر حد قذف لگ جائے گی تب رسول اللہ ﷺ پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (روح المعانی ج ۱۸ ص ۱۰۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ان آیات میں لعان کا حکم بیان کیا گیا ہے اور ہرچند کہ اس کا سبب نزول حضرت حلال بن امیہ کے ساتھ خاص ہے لیکن اس کے الفاظ عام ہیں اور جو شخص بھی اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو شوہر اور بیوی کے درمیان لعان کیا جائے گا۔ امام بخاری نے بھی اس حدیث کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام بخاری حضرت سہل بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے پہلے حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ سے یہ معلوم کیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھے تو آیا اس کو قتل کر دے؟ تو پھر وہ قتل کر دیا جائے گا، تو وہ کیا کرے حضور نے اس کو ناپسند کیا، تب حضرت عویمر نے کہا کہ میں حضور سے براہ راست سوال کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان تھے حضرت عویمر آئے اور کہا یا رسول اللہ یہ بتائیے کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو دیکھے تو آیا وہ اس کو قتل کر دے؟ تو پھر آپ اس کو قصاص میں قتل کر دیں گے! پھر وہ شخص کیا کرے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے اور تمہاری بیوی کے متعلق مجھ پر آیت نازل ہو چکی ہے۔ جاؤ اس کو لے آؤ، حضرت سہل نے کہا پھر ان دونوں نے لعان کیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۰-۷۹۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حلال بن امیہ اور حضرت عویمر رضی اللہ عنہ ان دونوں کے واقعے ان آیات کا شان نزول ہیں اور یہ کہ ان آیات کے دو سبب نزول ہیں۔

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں (اپنی بیوی سے

کہیں تیری پشت میری مل کی پشت کی طرح ہے) پھر اسی کام کے لیے لوٹا چاہیں جس کے لیے اتنی سخت بات کہ چکے ہیں (یعنی عمل زوجیت) تو ان پر عمل تزویج سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، یہ ہے وہ نصیحت جو تمہیں کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّ ذَا لِكُمُّ نَوْعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّ ۖ فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۖ

کاموں سے خوب خبردار ہے، تو جس کو غلام نہ مل سکے وہ عمل
ترویج سے پہلے مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے، پھر جو (روزوں کی
(المجادلہ : ۳-۴) بھی) طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھانا ہے۔

علامہ سیوطی ان آیات کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

امام ابن ماجہ امام ابن ابی حاتم، امام حاکم نے صحیح سند سے اور امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ
عنها سے روایت کیا ہے کہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے شوہر کی شکایت کی اور کہا میرا شوہر میری
جولنی کھا گیا اور اب میں زیادہ عمر کی ہو گئی اور میرے بچے بھی نہیں رہے تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا وہ مسلسل یہ شکایت
کرتی رہی حتیٰ کہ یہ آیات نازل ہو گئیں۔ (در منثور ج ۶ ص ۱۷۹، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ النجفی ایران)

ظہار کی آیات کا سبب خاص ہے اور وہ خولہ بنت ثعلبہ کے شوہر کا ان سے ظہار کرنا ہے اور اس کے الفاظ عام ہیں اور
اعتبار اسی عموم کا ہے، یعنی ہر ظہار کرنے والے مسلمان کا یہی حکم ہے۔

ایک آیت کے متعدد اسباب اور ایک سبب کی متعدد آیات

ہم اس سے پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ بعض اوقات ایک آیت کے نزول کے متعدد اسباب ہوتے ہیں، اسی طرح
بعض اوقات سبب واحد ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں متعدد آیات نازل ہوتی ہیں، اس کی مثال یہ ہے کہ امام ترمذی نے
روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا : یا رسول اللہ! میں نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت میں
عورتوں کا ذکر کیا ہو تو سورہ آل عمران میں کئی آیات نازل ہوئیں، نیز امام حاکم نے حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے کہ
انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ مردوں کا ذکر کرتے ہیں اور عورتوں کا ذکر نہیں کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی :

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنِينَ وَالْقَنِاتِ وَالصَّادِقِينَ
وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ
وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ
وَالْعَاقِلِينَ وَالْعَاقِلَاتِ وَالْحَفِظِينَ وَالْحَفِظَاتِ
وَالذَّكِرِينَ وَالذَّكِرَاتِ أَكْثَرًا وَالذَّكِرَاتِ أَعَدَّ
لَهُنَّ مَغْفِرَةً وَآجْرًا عَظِيمًا ○

(الاحزاب : ۳۵)

پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی کہ میں تم میں
کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا خولہ مو ہوا
اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو بہت یاد کرنے والی
عورتیں، اللہ نے ان سب کے لیے بخشش اور بہت بڑا ثواب تیار
کیا ہے۔

اور یہ آیت نازل ہوئی :

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أَضِلُّ عَمَلًا
مَّنْ عَمَلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ نَسَى بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَآخَرُوا جُؤَارًا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا
فِي سَبِيلِي وَقُتِلُوا وَقُتِلُوا لَا كُفْرَانَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ
وَلَا دُخْلَ لَهُمْ جَنَّتِ نَجْرِي مِنْ نَحْنِهَا إِلَّا نَهْرٌ ثَوَابًا
مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

(آل عمران : ۸۵)

عورت 'تم سب آپس میں ہم جنس ہو' تو جن لوگوں نے ہجرت کی
اور وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور جن کو میری راہ میں
تکلیفیں دی گئیں اور جنہوں نے جملہ کیا اور وہ شہید ہوئے 'تو میں
ضرور ان کے سب گناہ مٹا دوں گا' اور ضرور ان کو ایسے بانوں میں
داخل کروں گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی 'اللہ کی طرف
سے ثواب ہو گا' اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔

اسباب نزول سے متعلق یہ اہم اور ضروری مباحث تھے جن کا ہم نے یہاں ذکر کیا ہے۔

کامل قرآن یکبارگی نازل نہ کرنے کی حکمتیں

نبی ﷺ کی نبوت کی تیس سالہ زندگی میں قرآن مجید متفرق طور پر تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا 'یکبارگی کامل
کتب نازل نہیں ہوئی' قرآن مجید میں ہے :

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى
مَكْنٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝ (بنی اسرائیل : ۱۰۶)

اور ہم نے اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے
تاکہ آپ اس کو ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کے سامنے پڑھیں اور ہم نے
اس کو (حسب حالات) بہ تدریج نازل کیا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ
جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُنشِئَ بِهِ قُرْآنَكَ وَرَتَّلْنَاهُ
تَنْزِيلًا ۝ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ
وَاحْسَنَ نَفْسِيرًا ۝ (الفرقان : ۳۲-۳۳)

اور کافروں نے کہا اس (رسول) پر پورا قرآن ایک ہی
مرتبہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ (ہاں! ہم نے) اسی طرح (تھوڑا
تھوڑا نازل کیا ہے) تاکہ ہم اس سے آپ کو کامل مضبوط کریں اور
ہم نے اس کی بہ تدریج تلاوت فرمائی ہے۔ (اور اس میں یہ
حکمت بھی ہے) کہ جب بھی یہ لوگ آپ کے پاس کوئی عجیب
سوال لے کر آئے تو ہم نے اس کا (بدلت) صحیح اور نفوس
جواب دیا اور واضح اور روشن بیان کر دیا۔

قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کی حکمتیں حسب ذیل ہیں :

(۱) نبی ﷺ کی قوم ان پڑھ تھی اور لکھنا پڑھنا ان کا باہموم شعار نہ تھا 'اگر قرآن یکبارگی کامل نازل ہو جاتا تو ان کے لیے
اس کو ضبط کرنا مشکل ہوتا اور ان سے اس میں بہت غلطیاں ہوتیں' نبی ﷺ ہی تھے نازل کتب سے پہلے آپ لکھتے اور
پڑھتے نہیں تھے اور تورات کو یکبارگی نازل کیا گیا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے پڑھ کر لوگوں کو سناتے تھے۔

(۲) جس شخص کے پاس کتب ہو وہ اس کتب پر اُحد کر لیتا ہے اور اس کو حفظ کرنے میں تسلسل اور سستی کرتا ہے 'اس
لئے اللہ تعالیٰ نے یکبارگی کامل کتب نازل نہیں فرمائی تاکہ آسانی سے اس کو حفظ کیا جاسکے اور مسلمان اس میں سستی نہ
کریں۔

(۳) اگر کامل کتب یکبارگی نازل کر دی جاتی تو پوری شریعت ایک مرتبہ ہی نازل ہو جاتی اور اس پر عمل کر لوگوں کے لیے

دخول ہوتا اس کے برعکس جب قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا تو لوگ بہ تدریج احکام کے مکلف ہوئے اور ان پر عمل کرنا لوگوں کے لیے آسان ہو گیا۔

(۴) نبی ﷺ جب بار بار حضرت جبرائیل سے ملاقات کرتے تو ان کی ملاقات سے آپ کا دل قوی ہو جاتا اور تبلیغ رسالت میں پیش آنے والی کفالتوں اور دشواریوں پر آپ کا صبر اور پختہ ہو جاتا اور فرائض نبوت کی لواستگی میں آپ کا شوق اور ولولہ اور بیدار رہتا۔

(۵) تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے سے قرآن مجید کا اعجاز اور واضح ہو گیا، کیونکہ اگر کسی انسان کی قدرت میں ایسا کلام لانا ممکن ہوتا تو وہ بھی اس طرح کی چند آیات پیش کر دیتا۔

(۶) مختلف مواقع پر لوگ مختلف سوالات کرتے تھے اور ان کے سوالوں کے جواب میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی رہتی تھیں، اگر مکمل کتب یکبارگی نازل ہوتی تو یہ ممکن نہ تھا۔

(۷) جب قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا تو نبی ﷺ چند آیتوں کے ساتھ ان کو پہنچا کرتے اور جب وہ قرآن کریم کی چند آیتوں کی نظیر بھی نہ لاسکے تو پورے قرآن کی نظیر نہ لانا اور زیادہ واضح ہو گیا اور آپ کے دل میں اور استحکام آ گیا کہ یہ قوم آپ کے معارضہ سے عاجز ہے۔

(۸) اگر پورا قرآن کریم ایک ہی بار نازل ہو جاتا تو حضرت جبرائیل صرف ایک بار آتے اور آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سفارت منقطع ہو جاتی اور جب کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا تو آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سفارت کا رابطہ تاحیات قائم رہا۔

(۹) اس میں آپ کی دوسرے رسولوں پر فضیلت ہے کیونکہ ان پر یکبارگی کتب نازل کر دی گئی اور ان کے پاس صرف ایک بار حضرت جبرائیل آئے اور اس کے بعد ان کے اور اللہ کے درمیان سفارت منقطع ہو گئی، اور جو سفارت کا رابطہ دوسرے رسولوں کے ساتھ صرف ایک بار ہوا وہ رابطہ آپ کے ساتھ تاحیات برقرار رہا۔

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یک بارگی کوہ طور پر تورات نازل ہوئی، تو کوہ طور کو محبط وحی الہی ہونے کا شرف حاصل ہوا اور جب حضرت سیدنا محمد ﷺ پر تھوڑا تھوڑا کر کے مختلف لوقات اور مختلف مقلات پر قرآن مجید نازل ہوا تو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے متعدد مقلات کو محبط وحی الہی ہونے کا شرف حاصل ہوا حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہ کے بستر پر بھی قرآن نازل ہوا۔

(۱۱) مختلف اسباب اور واقعات کی وجہ سے بھی قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی تھیں، مثلاً کسی کافرا یا منافق نے کوئی دل آزار کلمہ کہا تو اس کے رد میں اور آپ کو تسلی دینے کے لیے آیات نازل ہوئیں، مسلمانوں نے رات کے روزے میں روزہ توڑ لیا تو رات کا روزہ ختم کرنے میں آیات نازل ہوئیں۔ منافقین نے حضرت عائشہ پر تهمت لگائی تو آپ کی براءت میں آیات نازل ہوئیں، علیٰ ہذا القیاس اگر قرآن مجید مکمل یک بارگی نازل ہوتا تو یہ ممکن نہ تھا۔

(۱۲) بعض لوقات کوئی حکم نازل کیا جاتا پھر اس کو منسوخ کر دیا جاتا، مثلاً پہلے یہود عورت کی عدت ایک سال رکھی گئی پھر یہ عدت چار ماہ دس دن کر دی گئی، اور مکہ مکرمہ میں جملہ مشرکین نہیں کیا گیا اور کفار کے مقابلہ میں صبر و ضبط کا حکم دیا گیا تھا اور مدینہ منورہ میں جملہ کفار کا حکم دیا گیا اس طرح ملخ اور منسوخ آیتوں اور احکام کا سلسلہ اسی وقت ممکن تھا جب قرآن مجید تھوڑا

تھوڑا کر کے نازل ہو۔ اگر قرآن مجید یک بارگی نازل ہوتا تو یہ ممکن نہ تھا۔

(۳) عرب کے لوگ جو زمانہ جاہلیت کی علوتوں اور رسوں میں جکڑے ہوئے تھے اگر یکبارگی ان پر تمام احکام شرعیہ کا بوجھ ڈال دیا جاتا تو وہ گھبرا جاتے اور ممکن تھا کہ وہ ان تمام احکام کو قبول نہ کر پاتے۔ اس لیے حکمت اور مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کو بہ تدریج احکام کا مکلف کیا جائے، اس لیے قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا تاکہ جو علوات ان میں راسخ ہو چکی تھیں ان کو آہستہ آہستہ بدلا جائے۔

(۴) جیسے جیسے واقعات اور حوالث پیش آتے رہے اور ان کے اعتبار سے جس جس طرح حکمت اور مصلحت کا تقاضا تھا اسی اعتبار سے قرآن مجید کو نازل کیا جاتا رہا۔

رمضان کے مہینہ کی شب قدر میں قرآن مجید کا نزول شروع ہوا اور مسلسل تیس سال تک سیدنا محمد ﷺ پر قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا اور اس طرح نبی ﷺ کی رسالت کی زندگی کا کوئی وقت وحی الہی سے رابطہ کے بغیر نہیں گزرا اور حضرت جبرائیل کی رفقت اور معیت سے آپ کی بعثت کی زندگی کا کوئی دور خللی نہیں رہا۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت اور سورت کا بیان

علامہ سیوطی لکھتے ہیں :

نبی ﷺ پر سب سے پہلے کون سی آیت نازل ہوئی اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ سب سے پہلے اقرار باسم ربک نازل ہوئی، امام بخاری، امام مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے کی گئی، آپ جب بھی کوئی خواب دیکھتے تو روشن صبح کی طرح اس کی تعبیر آ جاتی، پھر آپ کے دل میں خلوت گزینی کی محبت پیدا کی گئی، آپ حرام میں جا کر کئی کئی راتیں گزارتے اور وہیں عبادت کرتے، آپ وہیں قیام کے لیے کھٹا لے جاتے، اس کے بعد حضرت خدیجہ کے پاس لوٹے اور پھر کھٹا لے جاتے، آپ عذر حرام میں تھے کہ ایک دن فرشتہ آیا، اور اس نے کہا پڑھو، آپ نے فرمایا میں پڑھنے والا نہیں ہوں (یا) میں کیا پڑھوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے مجھے پکڑ کر خوب بھینچا حتیٰ کہ اس نے پوری قوت صرف کر دی پھر اس نے مجھے چھوڑ کر کہا پڑھو، میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں (یا) میں کیا پڑھوں؟ اس نے سہ بار مجھے پکڑ کر بھینچا حتیٰ کہ اس نے پوری قوت صرف کی پھر مجھے چھوڑ کر کہا پڑھو، اقرار باسم ربک الذی خلق لور یہ آیت مالم یعلم تک پڑھی، رسول اللہ ﷺ نے ان آیتوں کو دہرایا درانما یکہ آپ کے کندھے کپکپا رہے تھے۔

امام حاکم نے مستدرک میں اور امام بیہقی نے دلائل النبوة میں سند صحیح کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی جو سورت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ اقرار باسم ربک ہے۔

امام طبرانی نے حدیث صحیح کی شرط کے مطابق سند صحیح کے ساتھ ابو رجاہ طاہری سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری دو سفید کپڑے پہنے ہوئے ایک حلقہ میں ہم کو قرآن پڑھا رہے تھے، جب انہوں نے اقرار باسم ربک لے کر حلقہ کی حلقہ کی تو کہا یہ پہلی سورت ہے، جو سیدنا محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔

امام سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اپنی سند کے ساتھ عبید بن مہر سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل نبی

ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے کہا پڑھو، آپ نے فرمایا : میں کیا پڑھوں؟ یہ خدا میں پڑھنے والا نہیں ہوں، حضرت

ہمراہ نے کہا اقرار باسم ربکا الذی خلق لور یہ پہلی آیت نازل ہوئی تھی۔

ابو سعید نے فضائل قرآن میں مجاہد سے نقل کیا ہے کہ قرآن کی پہلے نازل ہونے والی سورتوں میں اقرار باسم ربکا لورن والقلم ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے یا ایہا المدثر نازل ہوئی، کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم نے ابو سلمہ بن عبدالرحمن سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے پوچھا : کہ سب سے پہلے کن سی سورت نازل ہوئی؟ تو انہوں نے کہا یا ایہا المدثر (المدثر) اس حدیث کا یہ جواب ہے کہ سب سے پہلی آیت اقرار باسم ربکا ہے، لور سب سے پہلے جو مکمل سورت نازل ہوئی وہ یا ایہا المدثر ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اقرار باسم ربکا کے نزول کے بعد کچھ عرصہ کے لیے وحی کا آثار رک گیا تھا اس فترت لور وقفہ کے بعد جو سب سے پہلی سورت نازل ہوئی وہ یا ایہا المدثر ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ سورہ مدثر اس لحاظ سے پہلی سورت ہے کہ اس میں احکام ہیں، نبی ﷺ کو تبلیغ کرنے لور لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا ہے اور اقرار باسم ربکا مطلقاً سب سے پہلی آیت ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ سورہ فاتحہ سب سے پہلی سورت ہے : امام بیہقی لور امام واحدی نے ابو میرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو میں ایک آواز سنتا ہوں، بہ خدا مجھے خوف ہے کہ یہ کوئی عجیب و غریب بات ہے! حضرت خدیجہ نے کہا معذرتاً اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ایسا نہیں کرے گا، بہ خدا آپ لالت کو لور کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں لور سچ بولتے ہیں، پھر جب حضرت ابو بکر، حضرت خدیجہ کے پاس آئے تو حضرت خدیجہ نے ان کو یہ قصہ سنایا لور کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ورقہ کے پاس جاؤ، سو وہ آپ کے ساتھ ورقہ کے پاس گئے لور یہ قصہ سنایا لور فرمایا جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو کوئی مجھے پیچھے سے آواز دیتا ہے یا محمد یا محمد تو میں بھاگ کر افق میں (ہمت دور) چلا جاتا ہوں، ورقہ نے کہا آپ ایسا نہ کریں، جب یہ آواز آئے تو آپ ٹھہرے رہیں لور سنیں کہ وہ کیا کہتا ہے، پھر آکر مجھے بتائیں، پھر آپ کو تنہائی میں آواز آئی یا محمد کہیے بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین حتی کہ ولا الضالین تک سورہ فاتحہ آپ نے سنی، یہ حدیث مرسل ہے لور اس کے رلوی ثقہ ہیں، امام بیہقی نے کہا اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ واقعہ سورہ اقرأ لور سورہ مدثر کے نزول کے بعد پیش آیا۔

چوتھا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی، واحدی نے اپنی سند کے ساتھ مکرر لور حسن سے روایت کیا ہے کہ پہلی آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم لور پہلی سورت اقرأ ہے۔ (الافتح ج ۱ ص ۳۳-۳۴ مطبوعہ سبیل الہدیٰ لاہور ۱۳۳۵ھ)

سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت لور سورت کا بیان

علامہ سیوطی لکھتے ہیں :

اس میں اختلاف ہے کہ سب سے آخر میں کون سی آیت نازل ہوئی، امام بخاری لور امام مسلم نے حضرت برادر بن مالک سے روایت کیا ہے کہ سب سے آخر میں یہ آیت نازل ہوئی : یسئفونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالہ لور سب سے آخری سورت، سورہ توبہ ہے، امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سب سے

آخر میں آیت ربا نازل ہوئی ہے، امام بیہقی نے بھی حضرت عمرؓ سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اس سے مراد یہ آیت ہے یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وذرّوا ما بقی من الربو، امام احمد اور امام ابن ماجہ نے بھی حضرت عمرؓ سے یہ روایت کیا ہے کہ سب سے آخر میں آیت ربا نازل ہوئی ہے۔

امام نسائی نے از عمرہ از ابن عباس روایت کیا ہے کہ آخری آیت یہ ہے وانقوا یوما ترجعون فیہ۔ امام ابن جریر نے بھی حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آخری آیت یہ ہے : وانقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ، اس آیت کے نزول کے ایک ہی (۸۷) دن بعد نبی ﷺ کا وصل ہو گیا تھا، اور امام ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی جو آخری آیت نازل ہوئی وہ وانقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ہے، اور اس کے نزول کے نو دن بعد پیر کے دن ۲۸ ربیع الاول کو نبی ﷺ کا وصل ہو گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ میراث میں آخری آیت یستفتونک قل اللہ یتفیکم فی الکلالۃ ہے اور سود میں آخری آیت یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وذرّوا ما بقی من الربا ہے اور مطلقاً آخری آیت وانقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ہے۔

امام حاکم نے متدرک میں حضرت ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ آخری آیت لقد جاءکم رسول من انفسکم ہے۔

امام مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آخری سورت جو نازل ہوئی وہ اذا جاء نصر اللہ والفتح ہے۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے جو سورت آخر میں نازل ہوئی وہ سورہ مائدہ ہے۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آخری سورت 'سورہ مائدہ اور سورہ فتح ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ سے مشہور روایت ہے کہ سب سے آخر میں سورہ توبہ نازل ہوئی ہے۔ امام بیہقی نے یہ کہا ہے کہ ان مختلف روایات کی بہ تقدیر صحت یہ توجیہ ہے کہ ہر صحابی نے اپنے نظریہ کے مطابق کہا ہے، چنانچہ ابو بکرؓ نے یہ کہا ہے کہ ان اقوال میں سے کوئی بھی نبی ﷺ کا صریح ارشاد نہیں ہے، اور ہر صحابی کا قول اس کے اجتہاد اور غلبہ ظن پر محمول ہے۔ (الافتحان، ص ۷۷، مطبوعہ سبیل الہندی لاہور، ۱۳۷۷ھ)

مکی اور مدنی سورتوں کی معرفت

علامہ سیوطی لکھتے ہیں :

مکی اور مدنی سورتوں کے متعلق علماء و تین اصطلاحیں ہیں، ان میں زیادہ مشہور یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی ہیں اور جو سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں، امام ازہری کہہ رہے ہیں کہ وہ کہہ میں نازل ہوئی ہوں یا مدینہ میں، فتح مکہ کے سال نازل ہوئی ہوں یا فتح ہوداج کے سال میں، یا کسی سفر کے دوران میں نازل ہوئی ہوں۔

دوسری اصطلاح یہ ہے کہ جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں وہ مکی ہیں جو مدینہ ہجرت کے بعد مکہ میں نازل ہوئی ہوں اور

معدنہ منورہ میں نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں، اس اصطلاح کی بناء پر مکی اور مدنی سورتوں میں ایک واسطہ ہو گا کیونکہ جو آیات دوران سفر نازل ہوئیں وہ مکی ہوں گی نہ مدنی۔ اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابو لہبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن تین جگہوں میں نازل ہوا ہے، مکہ، مدینہ اور شام میں۔ ولید نے کہا شام سے مراد بیت المقدس ہے، اور شیخ محمد الدین بن کثیر نے کہا شام کی تفسیر تبوک سے کرنا زیادہ بہتر ہے، اور میں کہتا ہوں کہ مکہ میں اس کے مضامین مثلاً منی، عرفات اور حدیبیہ داخل ہیں اور مدینہ میں بدر، احد اور صلح داخل ہیں۔

تیسری اصطلاح یہ ہے کہ جن سورتوں میں لیل مکہ سے خطاب ہو، وہ مکی ہیں اور جن سورتوں میں لیل مدینہ سے خطاب ہو وہ مدنی ہیں۔

قاضی ابوبکر نے کہا مکی اور مدنی سورتوں کی معرفت میں صحابہ اور تابعین کی معرفت پر اعتکاف کیا گیا ہے، اور اس سلسلہ میں نبی ﷺ سے کوئی ارشاد منقول نہیں ہے، اور فرائض اور واجبات میں سے کوئی چیز ان کی معرفت پر موقوف نہیں ہے، البتہ تلخ اور منسوخ کی معرفت میں سورتوں کے مکی اور مدنی ہونے کا دخل ہے۔ (الاتقان ج ۱ ص ۸۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور) (۳۳۰۰)

حمد رسالت میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان نبی ﷺ کے عہد میں سب سے پہلے قرآن مجید کو حفظ کر کے سینوں (دماغوں) میں جمع کیا گیا اور سب سے پہلے یہ نبی ﷺ کے سینہ (ذہن مبارک) میں محفوظ اور جمع ہوا۔

قرآن مجید میں ہے :
لَا تُحِزُّكَ بِهِ لِسَانُكَ لِنَعْلَجَ بِهِ ۖ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۚ فَإِذَا قَرَأَهُ فَانْبِغْ قُرْآنَهُ فُتَمَّ ۚ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (القیامہ : ۱۷-۱۸)
آپ (قرآن یاد کرنے کے لیے) جلدی جلدی زبان کو حرکت نہ دیں بے شک اس کو (آپ کے ذہن میں) محفوظ کرنا اور آپ کا اسے پڑھنا ہمارے ذمہ ہے تو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو پھر آپ اس پڑھے ہوئے کو پڑھیں پھر بے شک اس کا بیان ہمارے ذمہ ہے

نبی ﷺ ہر رمضان میں حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے اور جس سل آپ کا وصل ہوا آپ نے دو مرتبہ جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا۔
لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت سیدنا قاسم رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے سرگوشی کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا جبریل ہر سال مجھ سے قرآن مجید کا دور کرتے ہیں اور اس سل انہوں نے مجھ سے دو مرتبہ دور کیا ہے اور مجھے یہ یقین ہے کہ اب میرا وقت آگیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۸، مطبوعہ نور محمد اربعہ المطابع کراچی ۱۴۳۸ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ جولو تھے، اور آپ کی جو دو سلا رمضان کے مہینے میں بہت زیادہ ہوتی تھی، کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام کی ہر رات میں آپ سے ملاقات کرتے تھے حتیٰ کہ ماہ رمضان پورا ہو جاتا، رسول اللہ ﷺ ان سے قرآن کریم کا دور کرتے تھے اور جب جبریل آپ سے ملاقات کرتے تو آپ ہادش برس کے بڑے ہوتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۸، مطبوعہ نور محمد اربعہ المطابع کراچی ۱۴۳۸ھ) نبی ﷺ

سے سن کر صحابہ کرام قرآن مجید کو یاد کرتے تھے۔

لہام بخاری روایت کرتے ہیں :

ابراہیم خثعی بیان کرتے ہیں کہ مسروق کے سامنے حضرت عبداللہ بن عمرو نے حضرت عبداللہ بن مسعود کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا میں ان سے ہمیشہ محبت کرتا ہوں کیونکہ میں نے نبی ﷺ سے یہ سنا ہے کہ چار آدمیوں سے قرآن مجید کو حاصل کرو عبداللہ بن مسعود، سالم، معاذ اور ابن ابی کعب۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطلق کراچی ۱۴۳۸ھ)

شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے ہمیں خطبہ دیا اور کہا کہ خدائے نے رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے (سن کر) ستر سے زیادہ سورتیں یاد کی ہیں، اور نبی ﷺ کے اصحاب کو علم ہے کہ مجھے کتب اللہ کا سب سے زیادہ علم ہے حالانکہ میں ان سب سے افضل نہیں ہوں۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطلق کراچی ۱۴۳۸ھ)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے کہا اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، کتب اللہ کی جو سورت بھی نازل ہوتی تھی، مجھے اس کے متعلق علم ہوتا تھا کہ یہ سورت کس نازل ہوئی ہے اور کتب اللہ کی جو آیت نازل ہوتی تھی مجھے اس کے متعلق علم ہوتا تھا کہ یہ کس کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ کتب اللہ کا علم رکھتا ہے اور لوٹ پر سفر کر کے اس تک پہنچا جاسکتا ہے تو میں سفر کر کے اس کے پاس جاتا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطلق کراچی ۱۴۳۸ھ)

قلوبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک ؓ سے سوا ل کیا کہ نبی ﷺ کے عہد میں کس نے قرآن جمع کیا تھا، انہوں نے کہا چار صحابہ نے اور وہ سب انصار میں سے تھے، حضرت ابی بن کعب، حضرت معقل بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو زید رضی اللہ عنہم (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطلق کراچی ۱۴۳۸ھ)

حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت صرف چار صحابہ نے قرآن مجید جمع کیا تھا، حضرت ابو درداء، حضرت معقل بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو زید۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطلق کراچی ۱۴۳۸ھ)

حضرت انس ؓ کی موخر لفظ کردہ حدیثوں پر دو اعتراض ہوتے ہیں، ایک اعتراض یہ ہے کہ پہلی حدیث میں حضرت انس ؓ نے چار صحابہ میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا ہے اور دوسری حدیث میں حضرت ابو درداء کا ذکر کیا ہے اور یہ ان کے ذکر کردہ حصر کے خلاف ہے، اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جس حدیث میں حضرت ابو درداء کا ذکر ہے وہ غیر محفوظ اور غیر رائج ہے، اور محفوظ اور رائج وہ حدیث ہے جس میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر ہے اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت انس نے دو مختلف وقتوں میں یہ حدیثیں بیان کی ہوں ایک دفعہ حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا اور دوسری دفعہ حضرت ابو درداء کا ذکر کیا، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن ابی الدؤد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انصار میں سے پانچ صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا ہے : حضرت معقل بن جبل، حضرت عجلہ بن صامت، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابو درداء اور حضرت ابو ایوب انصاری، یہ حدیث مرسل ہونے کے باوجود حسن ہے اور اس کا ایک شلہ بھی ہے، کیونکہ شعیبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چھ صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا جس میں حضرت ابو درداء، حضرت معقل، حضرت ابو زید، اور حضرت زید بن جہت رضی اللہ عنہم شامل ہیں، مرسل ہونے کے باوجود اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی شخص

نے حضرت ابوہریرہؓ کے قرآن مجید جمع کرنے کا انکار کیا ہو تو حضرت انسؓ نے اس کا رد کرنے کے لیے بہ طریق حصر حضرت ابوہریرہؓ کا ذکر کیا ہو۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۳۹۰ھ)

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے یہ بیان کیا ہے کہ صرف چار صحابہ نے قرآن مجید جمع کیا، حالانکہ ابو عبیدہؓ نے ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے قراء صحابہ میں خلفاء اربعہ، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت سالم، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن سائب، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر شامل ہیں اور خواتین میں سے حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ ہیں (البتہ ان میں سے بعض نے نبی ﷺ کے بعد قرآن مجید کھل کیا) اور ابن ابوداؤد نے مہاجرین میں سے حضرت تمیم بن لوس داری اور حضرت عقبہ بن عامر اور انصار میں سے حضرت عبلہ بن صامت، حضرت معاذ ابو حلیمہ، حضرت مجمع بن حارث، حضرت فضالہ بن عبید اور مسلمہ بن قطلہ وغیرہم کا ذکر کیا، (اور ان میں سے بھی بعض نے نبی ﷺ کے وصل کے بعد قرآن کریم جمع کیا تھا) اور جن صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا ان میں حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عمرو بن عاص، حضرت سعد بن عبلہ اور حضرت ام ورقہ ہیں۔ علامہ مازری نے کہا ہے کہ حضرت انسؓ نے جو یہ کہا ہے کہ چار صحابہ کے سوا اور کسی نے قرآن کو جمع نہیں کیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفس الامر اور واقع میں بھی اسی طرح ہو، اور حضرت انسؓ کی طرف سے توجیہ یہ ہے کہ ان کو ان چار کے سوا باقی کا علم نہیں تھا، ورنہ اس کا کس طرح احاطہ ہو سکتا ہے جب کہ صحابہ بہت زیادہ تھے اور مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے، اور حضرت انسؓ کا یہ قول صرف اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب تمام صحابہ میں سے ہر ایک نے حضرت انسؓ سے ملاقات کر کے ان کو یہ بتایا ہو کہ اس نے کھل قرآن جمع نہیں کیا اور یہ علوہ بہت بعید ہے۔

اس حدیث کی وجہ سے طہدوں نے قرآن مجید کے متواتر ہونے پر طعن کیا ہے، تاہم اگر فی نفسہ یہ قول درست بھی ہوتا، تب بھی جم غفیر میں سے ہر ایک کو پورا قرآن مجید یاد نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس جم غفیر کو مجموعی طور پر بھی قرآن مجید یاد نہ ہو، اور تواتر کی یہ شرط نہیں ہے کہ ہر فرد کو پورا قرآن حفظ ہو، بلکہ اگر کل نے مل کر کل کو یاد کر رکھا ہو پھر بھی کافی ہے، اور علامہ قرطبی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جنگ یملمہ میں ستر حافظ قرآن شہید ہو گئے تھے اسی طرح عہد رسالت میں بیرونہ میں ستر قاری شہید ہو گئے تھے اس لیے یہ قول کیسے درست ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ کے عہد میں صرف چار صحابہ کو پورا قرآن مجید یاد تھا۔

حضرت انسؓ کی اس حدیث کی بعض مزید توجیہات یہ ہیں :

- (۱) تمام وجوہ اور تمام قرأت کے ساتھ صرف ان چار صحابہ کو پورا قرآن مجید یاد تھا۔
- (۲) ان چار صحابہ نے نبی ﷺ سے بلا واسطہ سن کر پورا قرآن مجید یاد کیا تھا باقی صحابہ نے پورا قرآن آپ سے بلا واسطہ نہیں سنا تھا۔
- (۳) یہ چار صحابہ قرآن مجید کی تعلیم دینے میں بہت مشہور تھے اور باقی اتنے مشہور نہیں تھے اس لیے ان کا حل عقلی رہا انہوں نے رہا اور عجب کے خدشہ سے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا۔
- (۴) ان چار کے جمع کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے کھل قرآن مجید لکھ کر جمع کیا تھا اور باقی صحابہ نے دل میں یاد کیا تھا۔
- (۵) ان چار نے اعلان کر دیا تھا کہ انہوں نے کھل قرآن جمع کیا ہے اور باقی صحابہ نے اعلان نہیں کیا تھا۔ (فتح الباری ج ۹)

ص ۵۵۵، مطبوعہ دار النثر الکتاب الاسلامیہ لاہور، ۱۳۹۰ھ)

علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں قرآن جمع کر لیا گیا تھا، کیونکہ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی رسول اللہ ﷺ کتاب قرآن کو یہ حکم دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں جگہ لکھ دو، اور جب بھی کوئی سورت نازل ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کتاب کو یہ حکم دیتے کہ اس کو فلاں سورت کے بعد لکھو۔ (غرائب القرآن ج ۱ ص ۲۳، مطبوعہ مطبع امیریہ کبری بولاق مصر، ۱۳۲۳ھ)

ڈاکٹر وجہ زحلی لکھتے ہیں :

نبی ﷺ سے سن کر صحابہ کرام قرآن مجید لکھ لیتے تھے، اور مشہور یہ ہے کہ چھٹیس صحابہ کتاب وحی تھے، اور تحقیق یہ ہے کہ وہ ساٹھ صحابہ تھے، ان میں زیادہ مشہور خلفاء اربعہ، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت معلویہ بن ابی سفیان، حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت خالد بن ولید ہیں، پھر علامہ زحلی نے ابو عبیدہ کے حوالے سے ان حفاظ صحابہ کا ذکر کیا ہے جن کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں اور یہ لکھا ہے کہ زیادہ مشہور حفاظ، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابو درداء، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری تھے۔ (التفسیر المنیر ج ۱ ص ۲۱-۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو بکر کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں قرآن مجید کو ایک مصحف میں اس لیے جمع نہیں کیا گیا کہ نزول وحی کا عمل آپ کی حیات مبارکہ میں مسلسل جاری تھا اور ہر وقت کسی نئی وحی کے نازل ہونے کا امکان تھا، البتہ قرآن مجید کی تمام آیات کپڑے کے ٹکڑوں پر، ہڈیوں پر، پتھروں پر اور پتوں سے صاف کی ہوئی کھجور کی ٹہنیوں پر لکھی ہوتی تھیں، پھر جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جنگ یملمہ کے دوران بہت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے تب قرآن مجید کو پہلی بار ایک مصحف میں جمع کرنے کی تحریک ہوئی جیسا کہ اس حدیث میں ہے :

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ یملمہ کے دوران، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلوایا، اس وقت ان کے پاس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت ابو بکر نے کہا میرے پاس حضرت عمر آئے اور کہا جنگ یملمہ میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے، اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر ہوشی مختلف جنگوں میں حفاظ قرآن شہید ہوتے رہے تو بہت سا قرآن مجید چلا جائے گا، اور میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیں، میں نے حضرت عمر سے کہا آپ ایسا کام کیوں کر رہے ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ حضرت عمر نے کہا: خدا اس میں خیر ہے، پھر حضرت عمر مسلسل مجھ سے یہ کہتے رہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا شمع صدر کر دیا، اور میری رائے حضرت عمر کی رائے کے موافق ہو گئی۔ حضرت زید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے کہا تم حلقہ غصص ہو اور ہم کو تسلسلے حلق کسی قسم کی کوئی بدگفتی نہیں ہے، اور تم رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھتے تھے، سو تم قرآن مجید کو تلاش کر کے جمع کرو، یہ خدا اگر یہ لوگ مجھ سے یہ کہتے کہ ہمارا کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دو تو یہ میرے لیے اتنا دشوار نہ ہوتا جتنا قرآن مجید کو جمع کرنے کے حکم پر عمل کرنا میرے لیے دشوار تھا، میں نے کہا آپ لوگ میرا کام کیوں کر رہے ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ

نے نہیں کیا؟ حضرت ابو بکر نے کہا یہ خدا اس میں خیر ہے، پھر حضرت ابو بکر مجھ سے مسلسل اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا جس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر کا سینہ کھول دیا تھا، پس میں نے قرآن مجید کو جمع کیا حتیٰ کہ سورہ توبہ کی آخری آیت : لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ مجھے حضرت ابو خزیمہ انصاری کے پاس ملی، پھر صحیفوں میں جمع شدہ یہ قرآن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس رکھا گیا پھر ان کی وفات کے بعد تابعیات حضرت عمر کے پاس رہا پھر ان کے بعد حضرت ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶، مطبوعہ نور محمد اربع الطلح ۱۴۳۸ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں :

ابن ابی داؤد نے مصاحف میں سند حسن کے ساتھ عبد خیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا مصاحف کا سب سے زیادہ اجر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہو گا، اللہ تعالیٰ حضرت ابو بکر پر رحم کرے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مصحف میں قرآن مجید کو جمع کیا۔ بعض روایات میں حضرت علی کے پہلے جمع کرنے کا ذکر ہے لیکن وہ ضعیف روایات ہیں اور بعض روایات میں حضرت عمر کے پہلے جمع کرنے کا ذکر ہے لیکن اس سے مراد ہے ان کا جمع کرنے کے لیے مشورہ دینا۔

ابن ابی داؤد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے آکر کہا جس شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر جتنا قرآن مجید لکھ لیا ہو وہ اس کو لے کر آئے اور اس وقت لوگ صحیفوں میں تختیوں پر اور پتوں سے خلی شاخوں پر لکھتے تھے اور حضرت زید کسی سے اس وقت تک کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے جب تک کہ دو گواہ اس پر گواہی نہ دیتے اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت زید صرف لکھے ہوئے کو کفلی نہیں سمجھتے تھے حتیٰ کہ دو گواہ اس پر گواہی دیتے تھے کہ اس کو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، حالانکہ حضرت زید بن ثابت خود حافظ قرآن تھے لیکن وہ حفاظت میں مبالغہ کرنے کے لیے ایسا کرتے تھے۔

ابن ابی داؤد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر اور حضرت زید سے فرمایا کہ آپ دونوں مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جائیں، اور جو شخص کتب اللہ پر دو گواہ لے کر آئے اس کو لکھ لیں، علامہ ابن حجر نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دو گواہ اس پر گواہی دیں کہ انہوں نے اس آیت کو حفظ کیا تھا اور اس کو لکھ لیا تھا، علامہ سخوی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس پر گواہی دیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس آیت کو لکھ لیا گیا تھا، ابو شامہ نے کہا ان کی اس سے غرض یہ تھی کہ صرف اسی آیت کو لکھا جائے جس کے متعلق یہ یقین ہو جائے کہ علی رضی اللہ عنہ اس آیت کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھ لیا گیا تھا کیونکہ جب تک کسی آیت کا تحریری ثبوت نہ مل جائے وہ اس کے صرف حفظ کو کفلی نہیں سمجھتے تھے۔

ابن اشعث نے مصاحف میں یث بن سعد سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر نے قرآن کو جمع کیا، اور حضرت زید نے لکھا لوگ حضرت زید کے پاس قرآن مجید کی آیات لے کر آتے اور جب تک وہ ان آیتوں کے لکھے جانے پر دو گواہ نہ پیش کرتے حضرت زید ان کو نہیں لکھتے تھے، اور سورہ توبہ کی آخری آیت کے مکتوب ہونے پر صرف حضرت خزیمہ بن حذاف انصاری کی شہادت تھی، حضرت زید نے کہا اس کو لکھ لو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہ کی اہلی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا ہے پھر اس آیت کو لکھ لیا گیا۔ (لائسنس ج ۱ ص ۵۸-۵۷، مطبوعہ سہیل اکیڈمی

لاہور، ۱۴۳۸ھ)

جس حدیث میں حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے :

لہام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

عمارہ بن خزیمہ کے چچا چلو بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا، نبی ﷺ نے اس سے کماؤ گھوڑے کی قیمت لے کر آتے ہیں، رسول اللہ ﷺ جلدی جلدی چل کر گھوڑے کی قیمت لینے گئے اور وہ اعرابی آہستہ آہستہ چلتا رہا، لوگ اس اعرابی کے ساتھ چلنے لگے اور اس سے اس گھوڑے کی قیمت پوچھنے لگے اور ان کو یہ پتہ نہ تھا کہ نبی ﷺ اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں، اس اعرابی نے نبی ﷺ کو ندا کی اگر آپ اس گھوڑے کو خرید رہے ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ میں اس گھوڑے کو بیچ رہا ہوں، جب نبی ﷺ نے اعرابی کی یہ ندا سنی تو آپ نے فرمایا کیا میں تم سے یہ گھوڑا خرید نہیں چکا؟ اعرابی نے کہا نہیں! بہ خدا میں نے یہ گھوڑا آپ کو نہیں بیچا، آپ نے فرمایا کیوں نہیں میں تم سے یہ گھوڑا خرید چکا ہوں، اعرابی کہنے لگا اچھا آپ گولہ لائیں، حضرت خزیمہ نے کہا میں گولہ دیتا ہوں کہ بے شک یہ گھوڑا آپ نے اس سے خریدا ہے، نبی ﷺ نے مڑ کر حضرت خزیمہ سے فرمایا تم کس بنا پر گولہ دے رہے ہو؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کی تصدیق کرنے کی وجہ سے، تب نبی ﷺ نے حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دیا۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۵۲، مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

بہ ظاہر نبی ﷺ کا حضرت خزیمہ کی گولہ دو گواہوں کے برابر قرار دینا ان کے ایمان کی پختگی کی بنا پر تھا اور اس بات کا انعام تھا کہ انہوں نے بن دیکھے نبی ﷺ کے دعویٰ کی تصدیق کر دی لیکن درحقیقت نبی ﷺ اور نبوت سے دیکھ رہے تھے کہ ایک وقت آئے گا کہ سورہ توبہ کی آخری آیت کے لکھے جانے پر حضرت خزیمہ کے علاوہ اور کوئی گولہ نہیں ہو گا اگر حضرت خزیمہ کی گولہ دو گواہوں کے برابر نہ قرار دیا گیا تو سورہ توبہ کی آخری آیت قرآن میں درج ہونے سے رہ جائے گی اور قرآن نامکمل رہ جائے گا۔ سو اس حدیث سے نبی ﷺ کے خصوصی اختیار کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ جس کو چاہیں نواز دیں اور ایک گولہ دو کے برابر کر دیں اور آپ کے علم کی عظمتوں کا بھی پتا چلتا ہے کہ مستقبل میں ہونے والے واقعات آپ کی نظر میں ہوتے ہیں اور نہ صرف نظر میں ہوتے ہیں بلکہ آپ ان کا تدارک بھی فرماتے ہیں!

حضرت عثمان کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان

قرآن مجید سلت حرفوں پر نازل ہوا تھا، اور ہر قبیلہ کو ایک حرف پر قرآن مجید پڑھنے کی اجازت تھی، لیکن جب اسلام سرزمین عرب سے نکل کر دنیا کے در دراز علاقوں میں پہنچا اور لوگوں نے مختلف حرفوں پر قرآن پڑھا تو جو شخص دوسرے حرف سے پڑھا تھا اس نے اس کی تکذیب شروع کر دی مثلاً کوئی پڑھا تھا ننشرھا اور دوسرا پڑھا تھا ننشرھا یا کوئی پڑھا تھا ننمت کلمۃ ربک اور دوسرا پڑھا تھا ننمت کلمات ربک اور ہر شخص کو یہ اصرار تھا کہ جس حرف پر اس نے قرآن پڑھا ہے وہ صحیح ہے اور دوسرے کا پڑھا ہوا غلط ہے۔ اس صورت حال کی اصلاح کے لیے حضرت عثمان نے اس نسخہ کو منگوایا جو حضرت ابو بکر کے عہد میں جمع کیا گیا تھا، اور اس کی متحدہ نقلیں تیار کر کے تمام شہروں میں بھجوا دیں اور باقی تمام نسخوں کو اکٹھا کر کے پانی میں دھوا دھا اور پھر ان کو جلا دھا، اور تمام امت کو قرآن مجید کے ایک حرف پر جمع کر دیا جو لغت قریش کے مطابق تھا اور یہ وہی نسخہ تھا جس کو حضرت ابو بکر کے عہد میں جمع کیا گیا تھا اور بعد میں حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھ لیا گیا تھا۔

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن یمان حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ آرمینیا اور آذربائیجان کو فتح کرنے کے لیے جہاز میں گئے ہوئے تھے، حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان کو مسلمانوں کے قرات میں اختلاف سے خبردار کیا، حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان سے کہا اے امیر المؤمنین! اس سے پہلے کہ یہ امت اپنی کتب میں یہود و نصاریٰ کی طرح مختلف ہو جائے اس کی کوئی تدبیر کر لیجئے، پھر حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس جو صحیفے ہیں وہ ہمیں بھیج دیجئے، ہم ان کو مصاحف میں نقل کریں گے، پھر آپ کو واپس کر دیں گے، حضرت حفصہ نے وہ مصحف حضرت عثمان کے پاس بھیج دیا، حضرت عثمان نے حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمن بن عمار بن مثنیٰ سے کہا کہ وہ اس مصحف کو لکھیں اور حضرت عثمان نے قریشیوں کی جماعت سے کہا جب تمہارا اور حضرت زید بن ثابت کا کسی قرات میں اختلاف ہو تو اس کو لسان قریش میں لکھنا کیونکہ قرآن مجید لسان قریش میں نازل ہوا ہے، سو انہوں نے ایسا ہی کیا، اور جب انہوں نے حضرت حفصہ کے مصحف سے نقل کر کے ایک مصحف تیار کر لیا تو حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کا مصحف ان کو واپس بھیج دیا، اور جو مصحف اس سے نقل کر کے تیار کیا تھا اس کی نقلیں تیار کر کے ہر علاقہ میں بھجوا دیں اور یہ حکم دیا کہ اس کے ماسوا جس قدر صحائف میں قرآن مجید لکھا ہوا ہے ان کو جلا دیا جائے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۶۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی ۱۳۸۸ھ)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :

حضرت زید، حضرت ابن الزبیر، حضرت سعید اور حضرت عبدالرحمن قرآن مجید لکھنے کے لیے بیٹھے اور جب ان کا اس میں اختلاف ہوا کہ اس لفظ کو کس لغت پر لکھا جائے تو وہ حضرت عثمان کی طرف رجوع کرتے مثلاً تبوت میں اختلاف ہوا کہ اس لفظ کو کس لغت پر لکھا جائے آیا اس کو ہا کے ساتھ تبوہ لکھا جائے یا تا کے ساتھ، تبوت لکھا جائے، حضرت زید بن ثابت نے کہا یہ تبوہ ہے اور تین قرشی صحابہ نے کہا یہ تبوت ہے، تب انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا، حضرت عثمان نے فرمایا اس کو لغت قریش پر لکھو کیونکہ قرآن لغت قریش پر نازل ہوا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر مطبوعہ ادارۃ اللاندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

حضرت عثمان کے دور میں لور لوق قرآن جلانے کا محمل لور قرآن کریم کے بوسیدہ اور اراق کے متعلق فقہاء کے نظریات

صحیح بخاری کی مذکور الصدر حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے جمع کیے ہوئے مصحف کی نقلیں سب شہوں میں بھجوائیں اور اس سے پہلے جن صحیفوں میں قرآن لکھا ہوا تھا ان کو جلانے کا حکم دیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں :

ابن ابی دلؤد اور طبرانی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے بھیجے ہوئے مصحف کے خلاف جو مصحف تھا اس کو حضرت عثمان نے جلانے کا حکم دیا، اور اس زمانہ میں عراق میں مصاحف کو جلایا گیا، اور سوید بن غنہ نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ مصاحف جلانے کے سلسلہ میں حضرت عثمان کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ نہ کہو، اور ابو قلابہ کی روایت میں ہے جب حضرت عثمان مختلف شہوں میں مصحف بھیجے سے قبل ہو گئے تو انہوں نے ان شہروں کی طرف لکھا ہمیں

نے اس طرح قرآن مجید جمع کیا، اور میرے پاس (پہلے) جو کچھ لکھا ہوا تھا اس کو میں نے مٹا دیا، اور تمہارے پاس جو کچھ پہلے لکھا ہوا ہے تم بھی اس کو مٹا دو۔" اور مٹانے کا مفہوم ان صحائف کو دھونے اور جلانے سے عام ہے۔ اور اکثر روایات میں جلانے کی تصریح ہے اور ہوا یہی ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کتھذات سے آیات کے نقوش کو دھو کر پھر انہیں جلا دیا ہو، اور قاضی عیاض مالکی نے وثوق سے کہا ہے کہ پہلے ان کتھذات کے نقوش کو دھویا پھر اس کو مٹانے میں مبالغہ کے لیے ان کتھذات کو جلا ڈالا، علامہ ابن بطل نے کہا اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جن کتابوں میں اللہ کا نام لکھا ہوا ہو، ان کو جلانا جائز ہے اس عمل میں ان کتابوں کی تکریم ہے، اور ان کو بے لوبی سے بچانا ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۲۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۳۹۰ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں :

حضرت ابو بکر کے عہد میں جو مجموعہ تیار کیا گیا تھا وہ سورتوں کے الگ الگ صحائف تھے، ہر سورت میں آیات ترتیب سے تھیں لیکن تمام سورتیں متفرق تھیں، ترتیب وار نہ تھیں اور حضرت عثمان نے جو مصحف جمع کیا وہ مرتب تھا اس میں سورتیں ترتیب وار تھیں، حضرت عثمان نے جو باقی صحائف کو جلانے کا حکم دیا تھا، اس کا علامہ کرنلی نے یہ جواب دیا ہے کہ جو آیات منسوخ التلاوت تھیں یا جو غیر لغت قریش پر آیات تھیں، یا آیات کے ساتھ جو تفسیر لکھی ہوئی تھی اس کو جلانے کا حکم دیا تھا، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ آیات کو دھو کر پھر نقوش کے محو میں مبالغہ کرنے کے لیے کتھذات کو جلایا تھا، علامہ ابن بطل نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ بے لوبی سے بچانے کے لیے جن کتابوں میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہے ان کو جلا دیا جائے، لیکن یہ جلانے کی صورت اس دور میں تھی، اور اب اگر قرآن مجید کے کسی ورق کو زائل کرنا ہو تو اس کو دھونا بہتر ہے اور ہمارے اصحاب حنفیہ نے یہ کہا ہے کہ جب مصحف بوسیدہ ہو جائے اور وہ نفع پہنچانے کے قائل نہ رہے تو اس کو ایسی پاک جگہ دفن کر دیا جائے جو لوگوں کے پیروں تلے آنے سے بعید ہو۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۸۸، مطبوعہ لواء البعثة المیریہ مصر، ۱۳۳۸ھ)

علامہ قاری حنفی لکھتے ہیں :

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو صحائف جلائے تھے، ان پر قرآن مجید کے بوسیدہ ورق کو قیاس نہیں کرنا چاہئے کیونکہ انہوں نے ان ورق کو جلایا تھا جس کا قرآن ہونا ان کے نزدیک ثابت نہیں تھا، یا جو الفاظ تفسیر قرآن کے الفاظ کے ساتھ اس طرح ملے ہوئے تھے جن کا الگ کرنا ممکن نہ تھا، انہوں نے جلانے کو اس لیے اختیار کیا تھا تاکہ کوئی شخص یہ شک نہ کرے کہ انہوں نے قرآن مجید کا کچھ حصہ ترک کر دیا ہے، کیونکہ اگر وہ واحد قرآن ہوتا تو کوئی مسلمان اس کے جلانے کو جائز نہ کہتا، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اس کی راکھ کو محفوظ کرنے اور نبالت سے بچانے کا حکم بھی نہیں دیا، اور بحث اس میں ہے کہ جس کا قرآن ہونا قطعیت سے ثابت ہے، جب اس کے ورق بوسیدہ ہو جائیں تو ان کو دھونا متعین ہے یا نہیں، بلکہ چاہئے یہ کہ دھونے کے بعد اس کے فضلہ (دھون) کو پی لیا جائے کیونکہ قرآن ہر پلہ کی دوا ہے۔ (مرقت نہ ص ۲۹، مطبوعہ مکتبہ المدینہ، ۱۳۹۰ھ)

علامہ قاری رحمہ اللہ نے جو بوسیدہ ورق کے دھونے کا مسئلہ لکھا ہے یہ ان کے نذر کے اعتبار سے ہے آج کل

جب کہ پختہ سیاحی سے طہارت ہوتی ہے تو ان کا دھونا متصور نہیں ہے ان کو عزت و احترام سے ایسی جگہ دفن کرنا چاہئے

جو کہ لوگوں کے یہاں سے نہ آئی ہو۔

علامہ علاء الدین صکنی لکھتے ہیں :

جن بوسیدہ کتابوں سے نفع حاصل نہ کیا جاسکے، ان سے اللہ، فرشتوں اور رسول (علیہ السلام) کا نام مٹا کر باقی کو جلادیا جائے، اور ان کو اسی طرح جاری پانی میں ڈالنے میں بھی حرج نہیں ہے یا ان کو دفن کر دیا جائے اور یہ احسن ہے، جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق کہا جاتا ہے۔ (در مختار علی حاشیہ المجلد ج ۳ ص ۲۱۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۵ھ)

علامہ احمد مظلوی لکھتے ہیں :

قرآن مجید جب بوسیدہ ہو جائے اور اس کو پڑھنا دشوار ہو تو ہم اس کو آگ میں نہیں جلائیں گے، ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔ (حاشیہ المجلد ج ۳ ص ۲۰۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۵ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں :

بجہاں میں لکھا ہے کہ جب مصحف پر انا اور بوسیدہ ہو جائے تو اس کو دفن کرنا احسن ہے جیسے نبیوں اور ولیوں کو دفن کیا جاتا ہے، اور باقی دینی کتابیں جب بوسیدہ ہو جائیں تو ان کا بھی یہی حکم ہے، اور دفن کرنا تعظیم کے خلاف نہیں ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو بھی دفن کیا جاتا ہے، اور ذخیرہ میں لکھا ہے کہ جب مصحف پر انا ہو جائے اور اس سے پڑھنا دشوار ہو جائے تو اس کو آگ میں نہیں جلایا جائے گا، امام محمد نے اسی طرف اشارہ کیا ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور مناسب یہ ہے کہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر اس کی لحد بنائی جائے، کیونکہ اگر اس کی قبر بہ طریق شق بنائی گئی تو اس پر مٹی گرے گی اور اس میں ایک قسم کی تحقیر ہے، ہاں اگر چھت بنا کر پھر مٹی ڈالی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر کسی پاک جگہ قرآن مجید کو رکھ دیا جائے جہاں نہ کسی بے وضو کا ہاتھ لگے نہ گرد و غبار پڑے اور نہ اس کی تعظیم میں فرق آئے تو یہ بھی جائز ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۳۷۳-۳۷۴، مطبوعہ مطبعہ مکتبہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

قرآن مجید کے غیر محرف ہونے کے متعلق علماء شیعہ کی تصریحات

شیخ ابو علی فضل بن حسن طبری لکھتے ہیں :

اگر تم یہ سنو کہ روایات شیعہ میں ہے کہ قرآن مجید میں تحریف ہوئی اور اس کا بعض حصہ ضائع ہو گیا، تو ان روایات کا کوئی وزن نہیں ہے، یہ روایات مضرب اور ضعیف ہیں اور یہ روایات مسلمانوں کے مخالف ہیں۔ (مجمع البیان ج ۱ ص ۱۸، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران ۱۳۸۱ھ)

نیز شیخ طبری لکھتے ہیں :

شیخ الحدیث نے کتب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ ”ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قرآن کو اپنے نبی ﷺ پر نازل کیا یہ وہ قرآن ہے جو مسلمانوں کے درمیان موجود ہے، اور وہ اس سے زیادہ نہیں ہے اور جو ہماری طرف یہ منسوب کرتا ہے کہ ہم اس سے زیادہ قرآن کو مانتے ہیں وہ جھوٹا ہے اور جن روایات میں ہے کہ قرآن مجید کو کم کر دیا گیا ہے ان کے کئی محمل ہیں، شیخ منید نے فصل الخطاب کے مواخر میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں سے کوئی کلمہ، کوئی آیت اور کوئی سورت کم نہیں ہوئی البتہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے مصحف میں آیات قرآن کے معانی کی جو تفسیر اور تلویل لکھی ہوئی تھی اس کو حذف کر دیا گیا، یہ مرتضیٰ نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی کمی نہیں ہے، بعض ائمہ اور بعض حشویہ

نے بعض ضعیف روایات کی بنا پر یہ کہا کہ قرآن مجید میں کمی کی گئی ہے لیکن ان کا اختلاف غیر محترم ہے اور صحیح طوسی نے تفسیر تبیان کے لول میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں زیادتی اور کمی کے موضوع پر بحث کرنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید میں زیادتی کے باطل ہونے پر اجماع ہے اور کمی کا قول کرنا بھی مسلمانوں کے مذاہب کے خلاف ہے، اور ہمارا صحیح مذہب یہی ہے اور یہی ظاہر الروایات ہے، البتہ بہت سی روایات میں قرآن مجید میں کمی کرنے کا ذکر ہے لیکن یہ روایات اخبار احوال ہیں جو علم اور عمل کے لیے مفید نہیں ہیں اور ان سے اعراض کرنا بہتر ہے۔ (مجمع البیان ج ۱ ص ۲۶، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۳۱ھ)

شیخ کشانی لکھتے ہیں :

قرآن مجید جس طرح نازل ہوا تھا اسی طرح باقی ہے، اور زیادتی اور کمی سے محفوظ ہے، تمام علماء اسلام عام ہوں یا خاص اس پر متفق ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی چیز زیادہ نہیں ہوئی، البتہ کمی کے متعلق ایک جماعت کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید میں کمی ہوئی ہے اور منافقین نے چند آیات کو حذف کر دیا اور شیعہ فرقے کے اکثر علماء اور سنی علماء اس پر متفق ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی تغیر، تبدل، کمی اور زیادتی نہیں ہوئی۔ (الی قولہ) جن روایات سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں تحریف، تبدل، حذف یا تغیر ہوا ہے ان روایات کی تاویل اور توجیہ کرنی چاہیے اور اگر ان روایات کی توجیہ نہ ہو سکے تو ان کو مسترد کر دینا چاہئے۔ (منہج الصلوٰۃ ج ۱ ص ۳۸-۳۷، مطبوعہ خیابن ناصر خسرو، ایران)

جمع قرآن کے متعلق علماء شیعہ کا نظریہ

آیت اللہ مکارم شیرازی لکھتے ہیں :

اس جگہ ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ ایک گروہ کے درمیان یہ مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قرآن متفق صورت میں تھا، اس کے بعد (حضرت) ابو بکر (حضرت) عمر (حضرت) عثمان کے زمانہ میں اس کو جمع کیا گیا، اس کے برعکس واقعہ یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کے زمانہ میں قرآن اسی طرح جمع کیا ہوا تھا جس صورت میں آج جمع کیا ہوا ہے، اور اس کی ابتداء میں ہی سورت فاتحہ تھی، اور اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس پر متعدد دلائل ہیں کہ جس صورت میں آج قرآن ہمارے سامنے ہے، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں آپ کے حکم سے اس کو اسی طرح جمع کیا گیا تھا۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ علی بن ابیہم نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا : قرآن مجید ریشم اور کھنڈ و فیو کے ٹکڑوں میں متفق ہے اس کو جمع کرو، پھر حضرت علی علیہ السلام اس مجلس سے اٹھے اور زرد رنگ کے ایک کپڑے میں قرآن مجید کو جمع کر کے اس پر سر لگادی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مشہور سنی عالم خوارزمی نے کتب المناقب میں علی بن ابیہم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ تل سنت کے مشہور امام نیشاپوری نے متعدد کتب میں حضرت زید بن جہش سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قرآن کو متفق ٹکڑوں سے جمع کر کے پیش کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک جس آیت کا جو مقام تھا وہی اس آیت کو رکھنے کا حکم دیتے تھے، البتہ اس وقت یہ روش متعلق تھا (لکھا)

نہ تھا) خیر علیؑ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ اس کو ایک جگہ جمع کریں، اور ہم کو اس سے خبردار کرتے تھے کہ کہیں قرآن ضائع نہ ہو جائے۔

علماء شیعہ کے بہت بڑے عالم سید مرتضیٰ کہتے ہیں کہ جس صورت میں آج ہمارے پاس قرآن ہے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس صورت میں موجود تھا۔

طبرانی اور ابن عساکر نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ چھ انصاری صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قرآن مجید کو جمع کیا اور قلعہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کس نے قرآن کو جمع کیا تھا؟ انہوں نے کہا چار صحابہ نے اور وہ سب انصار سے تھے حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت معاذ اور حضرت ابو زید۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علیؑ نے قرآن جمع کیا تھا یا دوسروں نے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے صرف قرآن کو جمع نہیں کیا تھا بلکہ اس مجموعہ میں قرآن بھی تھا، تفسیر بھی تھی آیات کا شلن نزول بھی تھا اور اس کی مثل دیگر امور تھے، اور ہمارے ہاتھوں میں جو قرآن ہے یہ حضرت عثمانؓ کا جمع کیا ہوا ہے جس میں انہوں نے اختلاف قراءات کو ختم کر کے ایک قرأت پر قرآن کو جمع کیا اور حروف پر نقطے لگائے کیونکہ اس سے پہلے نقطے لگانے کا رواج نہ تھا۔ البتہ اس پر اصرار کرنا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قرآن جمع کیا ہوا نہ تھا یہ حضرت عثمانؓ یا خلیفہ اول یا دوم کا حصہ ہے، محض ان کی فضیلت سازی ہے۔ (تفسیر نمونہ ج ۱ ص ۸۸، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران، ۱۳۶۹ھ)

تفسیر نمونہ کے اس اقتباس میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قرآن مجید کو جمع کر لیا گیا تھا، یہ ہمارے خلاف نہیں ہے جب کہ اس میں یہ اعتراف کر لیا ہے کہ جمع کا مطلب یہ ہے کہ آیات اور سورتوں کے محل اور مقامات بتلائے گئے تھے اور اس کو لکھ کر جمع کر لیا گیا تھا لیکن ایک جگہ جمع نہیں کیا گیا، ایک جگہ جمع پہلی بار حضرت ابو بکر کے عہد خلافت میں حضرت عمر کے مشورہ سے کیا گیا اور حضرت عثمانؓ نے مختلف لغات یا قراءات کو ختم کر کے ایک قرات پر قرآن مجید کو جمع کیا اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

سات حرفوں پر قرآن مجید کے نزول کی تحقیق

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبرئیل نے مجھے ایک حرف پر قرآن پڑھایا میں نے ان سے رجوع کیا اور مسلسل زیادتی طلب کرتا رہا اور وہ حروف زیادہ کرتے رہے حتیٰ کہ سات حرفوں پر انتہا ہو گئی۔ (الحج بخاری ج ۲ ص ۷۷، مطبوعہ نور محمد احاطہ کراچی، ۱۳۸۱ھ)

نیز لام بخاری نے حضرت عمرؓ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے، اس میں ہے :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے، جو حرف تم کو آسان لگے، اس پر قرآن پڑھو۔

(الحج بخاری ج ۲ ص ۷۷، مطبوعہ نور محمد احاطہ کراچی، ۱۳۸۱ھ)

علماء قرطبی ماکی لکھتے ہیں :

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سات حرفوں سے کیا مراد ہے، ابو حاتم محمد بن حبان جسی نے اس مسئلہ میں علماء کے

پنہتیس اقوال ذکر کئے ہیں ہم ان میں سے پانچ اقوال کا اختصار کے ساتھ ذکر کریں گے۔

(۱) اکثر لیل علم مثلاً سفیان بن عیینہ، عبد اللہ بن وہب، ابن جریر طبری، ابو جعفر طحاوی وغیرہم کا یہ نظریہ ہے کہ سات حرفوں سے مراد ہے سات مختلف الفاظ سے متقارب معانی مثلاً اقبل، تعال اور ہلم ان سب کا معنی ہے آؤ، اور اذہب، اسر ع اور عجل ان کا معنی ہے جاؤ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب سورہ الحديد کی آیت نمبر : ۳۳ 'لذین امنوا انظرونا میں للذین امنوا امهلونا' للذین امنوا اخرونا' للذین امنوا ارقبونا پڑھتے تھے، اور حضرت ابی بن کعب سورہ بقرہ کی آیت نمبر : ۲۰ 'کلما اضاء لهم مشوا فیه میں مروافیہ اور سعوافیہ پڑھتے تھے، اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ ان تمام حروف کا معنی واحد ہے، اور ان میں حلال اور حرام کا کوئی فرق نہیں ہے۔

امام طحاوی نے کہا ہے کہ ان حروف میں پڑھنے کی لوگوں کو اس لیے اجازت دی گئی تھی کہ وہ اپنی لغت کے علاوہ دوسری لغت پر پڑھنے سے عاجز تھے، کیونکہ ماسوا چند کے وہ سب ان پڑھ لوگ تھے اور دوسروں کی لغت پر پڑھنے سے ان کو دشواری ہوتی تھی، اس لیے جب معنی واحد ہو تو ان کو اختلاف الفاظ کی اجازت دی گئی، حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ سات حروف میں پڑھنے کی اجازت اس خاص وقت میں ضرورت کی بناء پر تھی اور جب یہ ضرورت ختم ہو گئی تو سات حروف میں پڑھنے کی اجازت ہی ختم ہو گئی اور اب صرف ایک حرف پر قرآن مجید پڑھنے کی اجازت ہے، جس حرف پر ابتدا میں قرآن مجید نازل ہوا تھا۔

(۲) ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ سات حرفوں سے مراد عرب کی سات لغت ہیں اور اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ایک لفظ کو سات لغت پر پڑھا جائے گا، بلکہ یہ سات لغت قرآن مجید میں متفرق ہیں، بعض آیات لغت قریش پر ہیں، بعض لغت حذیل پر ہیں، بعض لغت ہوازن پر ہیں، بعض لغت یمن پر ہیں، علامہ خطابی نے کہا کہ عبد الطاغوت کو سات لغت پر پڑھا گیا ہے، ان کی مراد یہ ہے کہ بعض آیات کو سات لغت پر پڑھا گیا ہے اور ہر آیت اس طرح نہیں ہے۔ ابو عبیدہ اور ابن عباس کا یہی مختار ہے، ابو عبیدہ نے اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان نے صحابہ کی ایک جماعت کو مصحف لکھنے کا حکم دیا تو فرمایا : جب تمہارا اور زید کا اختلاف ہو تو اس لفظ کو لغت قریش پر لکھنا، قاضی ابن العیوب اور حافظ ابن عبد البر نے یہ کہا ہے کہ جس کا یہ قول ہے کہ قرآن مجید لغت قریش پر نازل ہوا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کا اکثر حصہ لغت قریش پر نازل ہوا ہے کیونکہ اس میں بعض الفاظ دوسری لغت پر بھی ہیں۔

(۳) ایک قوم نے یہ کہا کہ یہ سات لغت معر میں ہیں، کیونکہ حضرت عثمان نے کہا ہے کہ قرآن لغت معر پر نازل ہوا ہے اور انہوں نے یہ کہا کہ قریش، کنانہ، اسد، حذیل، حمیم، نبہ اور قیس یہ سب معر کے قبائل ہیں اور یہ سات لغت انہی مراتب پر ہیں، البتہ معر میں بعض شواہد بھی ہیں کیونکہ قیس میں مونت کی ضمیر خطاب میں کاف کی جگہ فین لاتے ہیں وہ جعل ربک نحنک سرب (مرہم : ۲۴) کو یوں پڑھتے ہیں جعل ربک نحنک سربا اور حمیم الناس کو اللات اور کبایس کو اکبات پڑھتے ہیں، قرآن مجید کو اس طرح پڑھا جائز نہیں ہے۔

(۴) سات حروف سے مراد سات قراءات ہیں، صاحب الدلائل اور قاضی ابن العیوب نے کہا ہے کہ ہم نے اختلاف

قرآن میں تسبیح کیا تو یہ سلت ہیں۔ حفظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس سے یہ مرلو نہیں ہے کہ ہر کلمہ اور ہر آیت میں سلت قراءت جاری ہوتی ہیں، بلکہ اس سے مرلو یہ ہے کہ ایک کلمہ میں قراءت کی زیادہ سے زیادہ سلت وجوہ ہیں، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض کلمات میں سلت سے زیادہ وجوہ قراءت ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر اور غالب کلمات میں سلت سے زیادہ قراءت نہیں ہیں۔ فتح الباری ج ۹، ص ۲۳، طبع لاہور) اس اختلاف قراءت کی حسب ذیل مثالیں ہیں :

(۱) حرکت تغیر ہو اور صورت اور معنی تغیر نہ ہو مثلاً ولا یضار کاتب ولا شہید، ر پر زیر ہو یا پیش ہو۔

(ب) میضہ کا تغیر ہو، مثلاً بعد بین اسفار نا اور باعد بین اسفار نا پہلی قراءت میں امر کا میضہ ہے اور دوسری میں فعل ماضی کا۔

(ج) نقطہ کا تغیر ہو مثلاً ایک قراءت میں ثم ننشرھا ہے اور ایک قراءت میں ثم ننشرھا ہے۔

(د) قریب المخرج لفظ کے ساتھ تبدیل کرنے یا نہ کرنے کا فرق، مثلاً ایک قراءت میں ہے طلح منصود اور دوسری قراءت میں طلح منصود ہے

(ه) تقدیم اور تاخیر کا فرق ہو، مثلاً وجاءت سكرة الموت بالحق اور حضرت ابو بکر صدیق، طلح بن مصرف اور زین العابدین کی قراءت میں ہے، وجاءت سكرة الحق بالموت۔

(و) زیادتی اور کمی کے ساتھ تغیر مثلاً حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو درداء کی قراءت میں ہے واللیل اذا یغشی والنهار اذا انجلی والذکر والانثی یہ کمی کی مثل ہے کیونکہ مشہور قراءت میں ہے وما خلق الذکر والانثی اور زیادتی کی مثل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں وانذر عشیرتک الا قریبین کے بعد ہے ورھطک منهم المخلصین۔

(ز) ایک کلمہ کو دوسرے مترادف کلمہ کے ساتھ بدلنا، مثلاً مشہور قراءت میں ہے کالعین المنفوش۔ اور حضرت ابن مسعود اور سعید بن جبیر کی قراءت میں ہے کالصوف المنفوش۔

(۵) سلت حرفوں سے مرلو قرآن مجید کے سلت معلیٰ ہیں، اور یہ ہیں : امر، نہی، وعد، وعید، قصص، مجاہدہ اور امثل۔ ابن عبید نے کہا یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ ان عنوانات کو حروف نہیں کہتے، نیز اس پر اجماع ہے کہ حلال، حرام اور کسی معنی کے تغیر میں وسعت کی گنجائش نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۶-۳۷، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

قرآن مجید کی سورتوں، آیتوں اور حرفوں کی تعدد کا بیان

سورت کا لفظ سورۃ سے ماخوذ ہے، شر کے گرد جو دیوار ہوتی ہے جس نے شر کا احاطہ کیا ہوا ہوتا ہے اس کو سورۃ کہتے ہیں اور قرآن کی سورت نے بھی اس کے مضامین کا احاطہ کیا ہوا ہوتا ہے، یا اس کا معنی ہے منازل قراءت میں سے ایک محل۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں :

اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ ایک سو تیس سورتیں ہیں، انہوں نے سورہ فصل اور سورہ توبہ کو ایک سورت قرار دیا ہے۔

آیت کا لغوی معنی طاقت ہے اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے : قرآن مجید کا ایک طائفہ (مجموعہ) جو اتمل اور

مابعد سے منقطع ہو، ایک قول یہ ہے کہ آیت کسی سورت کا ایک حصہ ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ آیت ایک کلام کے ماقبل اور مابعد سے منقطع ہونے کی علامت ہے۔ علامہ زبیری نے کہا آیات کا علم تو قیسی ہے اس میں قیاس کی جہل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ الم جس سورت میں بھی ہے اس کو ایک آیت شمار کیا ہے اور المص کو بھی ایک آیت شمار کیا ہے :
الر اور المز کو ایک آیت نہیں شمار کیا، حم یس اور طہ کو ایک آیت شمار کیا ہے اور طس کو آیت نہیں شمار کیا۔
آیات کو شمار کرنا بہت مشکل اور دقیق کام ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ آیت کی طرف پر وقف فرماتے تھے اور بعض لوگ دو آیتوں کو ملا کر پڑھتے، جس سے سننے والا یہ گمان کر تا کہ یہ ایک آیت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی کل آیات کی تعداد چھ ہزار چھ سو سولہ (۶۲۳۶) ہے اور قرآن مجید میں کل تین لاکھ تیس ہزار چھ سو اکتتر (۳۳۳۶۷) حروف ہیں۔ علامہ دہلوی نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید میں چھ ہزار آیات ہیں، پھر اس کے بعد اختلاف ہے، بعض نے کہا اس سے زائد نہیں ہیں۔ بعض نے کہا دو سو چار زائد ہیں، بعض نے کہا چودہ زائد ہیں، بعض نے انیس کہا، بعض نے پچیس کہا اور بعض نے چھتیس کہا۔ (لائق ج ۱ ص ۶۷-۷۳، ملخصاً، مطبوعہ سیل انڈیا لاہور، ۱۳۰۰ھ) بعض جدید محققین کی رائے ہے کہ کل آیات کی تعداد ۶۲۳۶ ہے۔

قرآن مجید کے محفوظ اور غیر مبہل ہونے پر مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات ہم پہلے تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کو تین مرتبہ جمع کیا گیا ہے۔

(۱) نبی ﷺ کے عہد مبارک میں کتب میں قرآن مجید کو جمع کیا گیا، اور تمام سورتوں اور آیتوں کو مرتب کر کے اپنی اپنی جگہ پر لکھ دیا گیا، امام بخاری روایت کرتے ہیں : حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے میری طرف یہ پیغام بھیجا کہ تم رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کو لکھتے تھے لہذا اب تم قرآن مجید کو جمع کرو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی، ۱۳۸۸ھ)

سو ہڈیوں پر، پتھروں پر اور کپڑوں کے ٹکڑوں پر قرآن مجید کو لکھا گیا لیکن یہ تمام اجزاء متفق تھے اور کسی کتبہ کل میں مجمع اور مدون نہیں تھے۔

(۲) حضرت ابو بکر کے عہد میں لقت قریش کے مطابق قرآن مجید کا ایک مجموعہ کتب یا مصحف کی شکل میں مرتب کر لیا گیا، لیکن مسلمانوں کو اپنی اپنی لغات کے مطابق قرآن مجید پڑھنے کی اجازت تھی۔

(۳) حضرت عثمان کے عہد میں اسی نسخہ قرآن کی نقول تیار کی گئیں جو حضرت ابو بکر کے زمانہ میں لقت قریش پر مرتب کیا گیا تھا، اور تمام اسلامی شہروں میں اسی کی نقول ارسال کی گئیں اور ہر مقامی تمام نسخوں کو دھوا کر جلا دیا گیا۔

عہد رسالت سے آج تک تمام امت مسلمہ کے پاس یہی قرآن مجید ہے اس میں کسی قسم کی کوئی کمی اور بیشی نہیں ہوئی، مستشرقین اور غیر مسلم محققین نے قرآن مجید کے محفوظ اور غیر مبہل ہونے پر کئی اعتراضات کئے ہیں جن میں سے بعض اعتراض تو بالکل سخی اور بے وزن ہیں جو مطلقاً لائق التفات نہیں ہیں ہم چونکہ بلوچ طوالت سے اجتناب کرنا چاہتے ہیں اس لیے ہم صرف ان اعتراضات کے جوابات لکھ رہے ہیں۔ جن کی سرمل کوئی نہ کوئی نہیاد ہے۔

پس اعتراض یہ ہے کہ غیر اسلام حضرت سیدنا محمد ﷺ کو بھی قرآن مجید محفوظ نہیں تھا تو بعد ازاں کو کسے محفوظ رہے گا اس کی سند یہ ہے :

لام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں ایک شخص کو قرآن مجید کی ایک سورت پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا اللہ اس شخص پر رحمت فرمائے، اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جو مجھے فلاں سورت سے بھلا دی گئی تھی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ :

اللہ تعالیٰ بعض لوگ اپنی کسی حکمت کو پیدا کرنے کے لیے کسی چیز کی طرف سے وقتی طور پر نبی ﷺ کی توجہ ہٹا دیتا ہے اور بعد میں آپ کو پھر اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے، عام لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ وہ کسی چیز کو بھول جاتے ہیں، پھر کسی سے سن کر یا کسی اور سبب سے ان کو وہ چیز یاد آ جاتی ہے، اس سے قرآن مجید کے محفوظ اور غیر مبہل ہونے پر کیا زہ پڑتی ہے! اس حدیث کا منشاء صرف اتنا ہے کہ کسی چیز سے وقتی طور پر توجہ کا ہٹ جانا منصب نبوت کے خلاف نہیں ہے، اس شخص کے حفظ کرنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے ان آیتوں کو حفظ کر لیا تھا، پھر وحی لکھنے والوں سے اس آیت کو لکھوایا تھا، اور مسلمانوں کو اس آیت کی تبلیغ فرمادی تھی اور انہوں نے آپ سے سن کر ان آیات کو یاد کر لیا تھا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ چند آیتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بکری کھا گئی تھی اس لیے وہ ضائع ہو گئیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے :

لام احمد روایت کرتے ہیں :

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رجم کی آیت نازل کی گئی اور ہلن آدمی کو دس چسکیں دودھ پلانے سے رضاعت کی آیت نازل کی گئی، یہ آیتیں ایک پتے پر لکھی ہوئی تھیں جو میرے گھر میں میرے بکری کے نیچے رکھا ہوا تھا، جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے تو ہم آپ کی تیمارداری میں مشغول ہو گئے ایک چوپایہ گھر میں داخل ہوا اس پتے کو کھا گیا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۶۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت رجم اور دس چسکیوں سے رضاعت کے ثبوت کی آیت منسوخ التلوات ہے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس کے منسوخ ہونے کی قائل ہیں، نیز اس کا ثبوت محض خبر واحد سے ہے تو اتر سے نہیں ہے اور قرآن اس مجموعہ کلام اللہ کا نام ہے جو ہم تک تو اتر سے پہنچا ہے، لہذا ان آیتوں کے ضائع ہونے سے قرآن مجید کے محفوظ ہونے پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) کو قرآن مجید کی دو سورتیں نہیں ملتے تھے، اور اس کا ثبوت ان احادیث سے ہے :

لام احمد روایت کرتے ہیں :

عبدالرحمن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصحف سے معوذتین کو کھینچ دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ دونوں اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلام میں سے نہیں ہیں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۰۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ)

حافظ المستغنی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے 'امام احمد کی سند صحیح ہے اور امام طبرانی کی سند ثقہ ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۹، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۳۰۲ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں :

عبدالرحمن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت عبداللہ بن مسعود معوذتین کو کھینچ دیتے تھے 'اور کہتے تھے کہ جو اس میں نہیں ہے 'اس کو تم کیوں زیادہ کرتے ہو؟ دوسری روایت میں ہے حضرت ابن مسعود نے کہا : انہوں نے قرآن میں اس کو خلط کر دیا جو اس میں نہیں ہے 'تیسری روایت میں ہے حضرت ابن مسعود نے کہا یہ دونوں کتب اللہ سے نہیں ہیں 'چوتھی روایت میں ہے حضرت ابن مسعود نے کہا جو قرآن میں نہیں ہے اس کو قرآن کے ساتھ خلط نہ کرو 'یہ دونوں پناہ طلب کرنے کی دعائیں ہیں اور نبی ﷺ نے ان دعوؤں کے ذریعہ پناہ طلب کی ہے۔ (المجموع الکبیر ج ۹ ص ۲۳۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس اشکل کے جواب میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

علامہ نووی نے اس کے جواب میں شرح المذنب میں لکھا کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ معوذتین اور سورہ فاتحہ قرآن مجید میں شامل ہیں اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا بھی انکار کرے گا وہ کافر ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار منقول ہے وہ نقل باطل ہے اور روایت صحیح نہیں ہے۔ شیخ ابو محمد بن حزم نے بھی علی میں اس روایت کو جھوٹ قرار دیا ہے۔ امام رازی نے بھی تفسیر کبیر میں اس نقل کو جھوٹ اور باطل قرار دیا ہے۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ روایات صحیح ہوں تو ان کی توجیہ یہ ہے کہ ہر چند کہ حضرت ابن مسعود کے نزدیک معوذتین کا قرآن ہونا ثابت تھا لیکن ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے معوذتین کا قرآن مجید میں لکھنا ثابت نہیں تھا (اگرچہ دوسرے صحابہ کے نزدیک لکھنا بھی ثابت تھا) اس لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کے لکھنے پر رد فرماتے تھے۔ امام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ فی نفسہ اگرچہ معوذتین کا قرآن ہونا متواتر ہے لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ متواتر نہیں تھا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۳۳-۳۳۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۹۹ھ)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ شرح مواقف میں ہے قرآن مجید کی بعض سورتوں میں جو بعض صحابہ کا اختلاف منقول ہے وہ اخبار آحاد سے منقول ہے اور ان سورتوں کا قرآن ہونا متواتر سے ثابت ہے اور آحاد میں اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ متواتر کے مزامن ہو سکیں اور نہ عن 'یقین کے معارض ہو سکتا ہے۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۷۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے حافظ ابی شیبہ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے یا ثقہ ہے 'اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ نقل باطل ہے 'اس کا جواب یہ ہے کہ صرف سند کے صحیح ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث کی سند صحیح ہو اور اس کے متن میں کوئی غلطی ہو۔ اور وہ حدیث منقطع ہو یا اس میں شد و زہد ہو اور وہ حدیث شاذ ہو اور یہ دونوں امر صحت حدیث کے متعلق نہیں۔ یہ حدیث شاذ اس لیے ہے کہ یہ زیادہ صحیح راویوں کی روایت کے خلاف ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں : حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا آج رات مجھ پر ایسی آیات مبتل کی گئی ہیں جن کی مثل نہیں دیکھی گئی قبل اے عود برب الفلق اور قل اعوذ

بِرَبِّ النَّاسِ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۲، مطبوعہ نور محمد صالح المصالح کراچی، ۱۴۷۵ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۸۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں علت خفیہ یہ ہے کہ یہ تواتر اور اجمال مسلمین کے خلاف ہے۔ لہذا یہ حدیث شاذ اور مطل ہے اس لیے یہ حدیث غیر صحیح اور غیر معتبر ہے اور لائق استدلال نہیں ہے۔

ایک اور توجیہ یہ کی گئی ہے کہ حضرت ابن مسعود نے معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار اس وقت کیا تھا جب انہیں ان کے قرآن ہونے کا علم نہیں ہوا تھا اور جب ان کو ان کے قرآن ہونے کا علم ہو گیا اور تواتر اور اجمال سے ان کا قرآن ہونا ثابت ہو گیا تو حضرت ابن مسعود بھی معوذتین کے قرآن ہونے پر ایمان لے آئے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ عاصم کی قرأت از زمرہ از ابن مسعود ہے اور اس میں سورہ فاتحہ بھی ہے اور معوذتین بھی ہیں، اور یہ چیز سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے ثابت ہے۔

حضرت ابن مسعود نے جس طرح معوذتین کو اپنے مصحف میں نہیں لکھا تھا اسی طرح انہوں نے سورہ فاتحہ کو بھی اپنے مصحف میں نہیں لکھا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سورہ فاتحہ کا ان کے نزدیک قرآن ہونا اس قدر جلی اور واضح تھا کہ اس کو لکھ کر محفوظ کرنے کی ان کے نزدیک ضرورت نہیں تھی، کیونکہ سورہ فاتحہ کو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے، سو اس طرح کی توجیہ معوذتین کے متعلق بھی کی جاسکتی ہے۔ تاہم قطعی اور یقینی بات یہ ہے کہ سورہ فاتحہ اور معوذتین کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت ہے اور حضرت ابن مسعود کا انکار خبر واحد سے ثابت ہے اور خبر واحد خبر متواتر کے مزامم نہیں ہو سکتی۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے اپنے مصحف میں دعاء قنوت اللہم انا نستعینک ونستغفرک الخ بھی لکھی ہوئی تھی اور اس کا نام سورہ خلع اور سورہ حفد رکھا تھا اور موجودہ قرآن میں یہ سورت نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں کمی بیشی ہوئی ہے۔

حفظ البیسی بیان کرتے ہیں :

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ہم کو امیہ بن عبداللہ بن خالد نے خراسان میں نماز پڑھائی اور دو سورتوں میں سے انا نستعینک ونستغفرک الخ پڑھا اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجل صحیح ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۵۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۲ھ)

حفظ سیوطی لکھتے ہیں :

حضرت ابن مسعود کے مصحف میں ایک سو بارہ سورتیں تھیں کیونکہ انہوں نے معوذتین کو نہیں لکھا، اور حضرت ابی بن کعب کے مصحف میں ایک سو سولہ سورتیں ہیں کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کے آخر میں دو سورتیں حفد اور خلع لکھی ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے اپنے مصحف میں فاتحہ الکتاب، معوذتین اور اللہم انا نستعینک واللہم ایاک نعبد لکھا۔ حضرت ابن مسعود نے ان کو ترک کر دیا اور حضرت عثمان نے ان میں سے فاتحہ الکتاب اور معوذتین کو لکھا۔ (لائحان ج ۱ ص ۶۵، مطبوعہ سبیل اکیڈمی لاہور)

حفظ سیوطی نے اپنی تفسیر کے آخر میں سورۃ الخلع اور سورۃ الحفد سے متعلق روایات جمع کی ہیں۔ (لدر المشرع ج ۶ ص ۳۳۱-۳۳۲، مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ امین)

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کلام اللہ کے اس مجموعہ کا نام ہے جو تواتر سے ثابت ہے اور سورہ فتح اور سورہ حد
اخبار آملو سے ثابت ہیں لہذا یہ قرآن نہیں ہیں اور حضرت ابی بن کعب کی طرف سے توجیہ یہ ہے کہ وہ ان کو بہ طور قوت
اور دعا کے اپنے مصحف میں لکھتے تھے بہ اعتبار قرآن کے نہیں لکھتے تھے۔

قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگانے کی تاریخ اور تحقیق

شروع میں جب قرآن مجید کو لکھا جاتا تھا تو قرآن مجید کے حروف پر نقطے نہیں لگائے جاتے تھے اور نہ حرکت، سکنت
اور اعراب لگائے جاتے تھے اور نہ رموز لوقف تھے، کیونکہ اہل عرب اپنی زبان اور محلوہ کی مدد سے نقطوں اور حرکت
سکنت اور اعراب کے بغیر بالکل صحیح قرآن پڑھ لیتے تھے، اور نہ انہیں کسی فقرہ کو ملانے یا اس پر وقف کرنے کے لیے رموز
لوقف کی ضرورت تھی، وہ لہل زبان تھے اور ان تمام چیزوں سے مستغنی تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصحف تیار کر لیا تھا
وہ بھی ان تمام چیزوں سے معری تھا، پھر جیسے جیسے اسلام پھیلا گیا اور غیر عرب لوگ مسلمان ہوتے گئے اور وہ لہل زبان نہ
ہونے کی وجہ سے قرأت میں غلطیاں کرنے لگے تو پھر قرآن مجید کی کتب میں ان تمام چیزوں کا اہتمام اور التزام کیا گیا۔ سب
سے پہلے قرآن مجید کے حروف پر نقطے لگائے گئے، پھر حرکت سکنت اور اعراب لگائے گئے، پھر قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کے
لیے قرأت اور تجوید کے قواعد مقرر کئے گئے، اور عام لوگوں کی سہولت کے لیے قرآن کریم کی آیتوں پر رموز لوقف کو لکھا
گیا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

عبد الملک بن مولیٰ نے مصحف کے حروف کو مشکل کرنے اور ان پر نقطے لگانے کا حکم دیا اس نے اس کام کے لیے
جلج بن یوسف کو شروسط میں فارغ کر دیا، اس نے بہت کوشش سے اس کام کو انجام دیا اور اس میں احزاب کا اضافہ کیا،
اس وقت جلج عرق کا گور نہ تھا، اس نے حسن اور یحییٰ بن۔ بمر کے ذمہ یہ کام لگایا، اس کے بعد واسطہ میں ایک کتب لکھی
جس میں قرأت کے متعلق مختلف روایات کو جمع کیا، بڑے عرصہ تک لوگ اسی کتب پر عمل کرتے رہے حتیٰ کہ ابن جلد
نے قرأت میں ایک کتب لکھی۔

زیدی نے کتب البصائر میں مبرو کے حوالے سے یہ لکھا ہے جس شخص نے سب سے پہلے مصحف کے حروف پر
نقطے لگائے وہ ابو لاسود المدولی (متوفی ۳۹ھ) ہیں اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ابن سیرین کے پاس ایک مصحف تھا جس پر یحییٰ بن
بمر نے نقطے لگائے تھے۔ (الملاح للاحکام القرآن ج ۱ ص ۳ مطبوعہ اشکدات مصر خزانہ ابن ۸۷۷ھ)

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں :

ابو لاسود المدولی کا پورا نام ہے : خالم بن مہوی بن سفیان بن جمل بن۔ بمر بن طس بن نفل بن ہدی بن الدیل بن
برکادہ بن۔ یہ وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے علم نحو کو وضع کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو بتایا کہ کلام کی کل تین
قسمیں ہیں اسم، فعل اور حرف اور فرمایا اس بنید پر تم قواعد تحریر کرو۔

ایک قول یہ ہے کہ ابو لاسود عرق کے گور زبیر کے بچوں کو پڑھاتا تھا ایک دن وہ زبیر کے پاس گیا اور کہا اللہ امیری
خیر کرے میں دیکھتا ہوں کہ عربوں کے ساتھ بہ کثرت عم محلوہ ہو گئے ہیں اور ان کی زبان خیر ہو گئی ہے کیا آپ مجھے
اجازت دیتے ہیں کہ میں ان کے لیے ایسے قواعد تحریر کروں جس کی مدد سے وہ درست طریقہ سے علی پولیس؟ زبیر نے کہا

تیس؟ پھر ایک دن ایک شخص نے زیاد سے کما توفی ابانا و ترک بنون زیاد نے حیرت سے کما توفی ابانا و ترک بنون؟ (کما چاہئے) کما توفی ابونا و ترک بنین ہمارا باپ فوت ہو گیا اور اس نے بیٹے چھوڑے ہیں، گویا اس نے عربی زبان میں گرامر کی غلطی کی) تب زیاد نے کہا ابو لاسود کو بلاؤ، جب وہ آیا تو اس سے کہا: لوگوں کے لیے وہ قواعد تحریر کرو جن سے میں نے پہلے تم کو منع کیا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ زیاد نے از خود ابو لاسود سے اس علم کی فرمائش کی لیکن اس نے زیاد سے معذرت کر لی، پھر ایک دن ابو لاسود نے ایک شخص سے سنا وہ سورہ توبہ کی آیت غلط پڑھ رہا تھا:

إِنَّ اللَّهَ بِرَبِّهِ لَعَلِّمٌ الْفُتُورِ سُوْرَةُ (التَّوْبَةُ: ۳) اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہیں۔

اس آیت میں رسولہ میں رسول پر پیش ہے، وہ شخص زیر پڑھ رہا تھا اور اس سے یہ معنی ہو جاتا ہے: ”اللہ مشرکوں اور اپنے رسول سے بیزار ہے۔“ العیاذ باللہ! تب ابو لاسود زیاد کے پاس گیا اور کہا میں اب عربی قواعد لکھنے پر تیار ہوں، اس وقت ابو لاسود نے زیر کی علامت حرف کے اوپر ایک نقطہ قرار دی (—) اور پیش کی علامت حرف کے سامنے ایک نقطہ قرار دی (—) اور زیر کی علامت حرف کے نیچے ایک نقطہ قرار دی (—) ابو لاسود ۶۹ھ میں بصرہ میں طاعون کی بیماری میں فوت ہوا اس کی عمر ۸۵ سال تھی۔ (وفیات الامیاء ج ۲ ص ۵۳۹-۵۴۰، ملخصاً مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران ۱۳۶۳ھ) حافظ ابن عساکر نے اس واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص نے سورہ توبہ کی اسی آیت کو غلط پڑھا تو حضرت عمر نے ابو لاسود کو قرآن مجید کے قواعد مرتب کرنے کا حکم دیا۔ (مختصر تاریخ دمشق، مطبوعہ دار الفکر ۱۳۴۳ھ)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ عروق کے گورز زیاد کے کہنے سے ابو لاسود نے عربی زبان کے قواعد مرتب کئے۔ (البدایہ و النہایہ ج ۸ ص ۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۴۳ھ)

علامہ زرقلی لکھتے ہیں:

عبد الملک بن مویان نے حجاج کو یہ حکم دیا کہ قرآن مجید پر نقطے لگائے جائیں اور حجاج نے نصر بن عاصم اللیشی اور یحییٰ بن عمر الحدادی کو اس کام کے لیے مقرر کیا، یہ دونوں ابو لاسود الدؤلی کے شاگرد تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ابو لاسود نے سب سے پہلے نقطے لگائے اور اس پر مورخین کا اتفاق ہے کہ جب ابو لاسود نے ایک شخص کو سورہ توبہ کی آیت غلط پڑھتے سنا تو اس نے علم نحو اچھا کیا اور زیر، زیر اور پیش کے لیے نقطوں کی علامت وضع کیں۔ ایک عرصہ تک حرکت اور اعراب کے لیے یہی علامت رائج رہیں لیکن چونکہ ان علامت کا نقطوں کے ساتھ التباس اور اشتباہ تھا اس لیے پھر زیر اور پیش کے لیے —، —، — اس طرح کی علامت مقرر کر دی گئیں۔ (مثل العرقان ج ۱ ص ۳۰۱-۳۰۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

عبد الملک بن مویان ۶۶ھ میں سرے آرائے سلطنت ہوا اور ۸۶ھ میں فوت ہوا، اور ابو لاسود ۶۹ھ میں فوت ہوا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ۶۶ھ اور ۶۹ھ کے درمیان میں قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگائے گئے۔

قرآن مجید پر رموز لوقف لگانے کی تاریخ اور تحقیق

قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وقف اور وصل کا صحیح علم حاصل کیا جائے، یعنی کس جملہ کو

دوسرے جملہ یا کس لفظ کو دوسرے لفظ کے ساتھ ملا کر پڑھنا ہے یا کس جملہ اور لفظ کو دوسرے جملہ اور لفظ سے جدا کر کے پڑھنا ہے اردو میں اس کی مثل ہے روکو، مت جانے دو اگر روکو پر وقف کر لیا جائے تو اس کا معنی روکنا ہے اور روکو مت پر وقف کر کے جانے دو پڑھا جائے تو اس کا معنی نہ روکنا ہے قرآن مجید سے اس کی حسب ذیل دو واضح مثالیں ہم پیش کر رہے ہیں :

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ (ال عمران : ۷)
اور اس کی (آیات متشابہت کی) تویل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔

اس آیت میں اگر لا اللہ پر وقف کیا جائے تو یہی معنی ہو گا جو ہم نے لکھا ہے اور اگر والراسخون فی العلم پر وقف کیا جائے تو معنی بدل جائے گا اور اب یوں معنی ہو گا آیات متشابہت کی تویل کو اللہ اور علماء راغبین کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ وَإِلَى سَبِيلِ اللَّهِ (النوبہ : ۲۰-۲۱)
اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

اس آیت میں اگر القوم الظالمین پر وقف کیا جائے تو یہی معنی ہو گا جو ہم نے لکھا ہے اور اگر اس پر وقف نہ کیا اور اس کو دوسری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو پھر یہ معنی ہو گا اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور ایسے لوگوں کو ظالم کہنا قرآن مجید کی بہت ساری آیتوں کی تکذیب ہے اور قرآن مجید کی تکذیب کفر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں صحیح جگہ پر وقف نہ کرنا قرآن مجید کے معنی اور فہم کو بدل دیتا ہے اور بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

اصل عرب اپنی زبان دہلی کی وجہ سے جس طرح بغیر اعراب کے قرآن مجید کو صحیح پڑھنے پر قادر تھے اسی طرح وہ قرآن مجید کو پڑھنے وقت صحیح جگہ پر وقف کرتے تھے اور ان سے معنی میں کوئی غلطی واقع نہیں ہوتی تھی لیکن جب اسلام کا پیغام عرب کے باہر پہنچا اور عربی زبان سے متوقف لوگوں نے قرآن مجید کو پڑھنا شروع کیا تو معنی سے غلطی کی وجہ سے وہ غلط جگہ پر وقف کرنے لگے اس لیے اس وقت کے علماء نے قرآن مجید کی آیات پر رموز لوقف لگانے کی ضرورت محسوس کی۔ سب سے پہلے اس موضوع پر امام احمد بن حنبل الشیبہ النعمانی رحمہ اللہ نے کتب لوقف و لا بداءہ کے ہم سے کتب لکھی۔ اس طرح تیسری صدی ہجری میں قرآن مجید کی آیات پر رموز لوقف لگائے گئے۔ قرآن مجید کی آیات پر وقف کرنے کی اصل یہ حدیث ہے۔

امام طحاوی روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا : ایک بڑے عرصہ تک اہل ایہ معمول رہا کہ ہم میں سے کوئی شخص قرآن پڑھنے سے پہلے ایمان لے آتا تھا، سیدنا حضرت محمد ﷺ پر کوئی سورت پڑھتا تو ہم اس سورت کے محل اور حرام کاظم حاصل کرتے اور اس چیز کاظم حاصل کرتے کہ اس سورت میں کس کس وقف کرنا چاہئے جس طرح تم آج کل

قرآن کا حکم حاصل کرتے ہو، اور لب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ ایمان لانے سے پہلے قرآن کو پڑھ لیتے ہیں، وہ فاتحہ سے لے کر آخر قرآن تک قرآن پڑھتے ہیں اور ان سے کسی کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ قرآن نے کس چیز کا حکم دیا ہے، اور کس چیز سے منع کیا ہے، اور نہ اس کو یہ پتا ہوتا ہے کہ قرآن کی آیتوں میں کس کس جگہ وقف کرنا چاہئے۔ (شرح مشکل الآثار ج ۳ ص ۸۵، مطبوعہ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث کو امام حاکم (۱) اور امام بیہقی (۲) نے بھی روایت کیا ہے۔
حافظ البیہقی نے فرمایا اس حدیث کو امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۸۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں :

الوقف والابتداء کے موضوع پر حسب ذیل علماء اور ائمہ نے کتابیں تصنیف کی ہیں :

امام ابو سعید حسن بن عبد اللہ السیرانی المتوفی ۳۶۸ھ، امام ابو جعفر احمد بن محمد النحاس النحوی المتوفی ۳۳۸ھ، امام احمد بن یحییٰ الشطب النحوی المتوفی ۳۹۹ھ، امام محمد بن حسن الرواسی، امام ابن مقسم محمد بن الحسن المتوفی ۳۵۵ھ، امام ابو بکر محمد بن القاسم بن بشار اللانباری المتوفی ۳۲۸ھ، امام محمد بن محمد بن عبد الرشید بن یمنور السجلندی المتوفی ۶۰۰ھ، امام ابو عمرو عثمان الدلانی المتوفی ۳۴۴ھ، امام الزجاج النحوی المتوفی ۳۱۰ھ، امام برحان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری المتوفی ۷۳۲ھ، امام ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن عبد المقری النحوی المتوفی ۳۳۳ھ، امام ابو محمد عبد السلام بن علی بن عمر الزرداوی المتوفی ۶۸۱ھ (كشف القنون ج ۲ ص ۷۷، مطبوعہ مطبع اسلامیہ طہران ۱۳۷۸ھ)

وقف کی پانچ مشہور اقسام ہیں : وقت لازم، وقف مطلق، وقف جائز، الرخص بوجہ، اور الرخص ضروریہ۔ ان کی تعریضات اور مثالیں حسب ذیل ہیں :

(وقف لازم) اس کو کہتے ہیں کہ اگر اس جگہ وقف نہ کیا جائے اور ملا کر پڑھا جائے تو ایسا معنی لازم آئے گا جو اللہ کی مراد نہیں ہے اس کی مثال یہ ہے :

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ يُخْدَعُونَ اللَّهَ (وہ منافق) مومن نہیں ہیں، وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔

(البقرہ : ۸-۹)

اگر اس جگہ بمؤمنین پر وقف نہ کیا جائے اور اس کو بخدعون اللہ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو یہ معنی ہو گا، وہ منافق ایسے مومن نہیں ہیں جو اللہ کو دھوکا دیں، حالانکہ مراد یہ ہے کہ وہ مطلقاً مومن نہیں ہیں۔

(وقف مطلق) وہ ہے جس کو ملائے بغیر ابتدا پڑھنا مستحسن ہو، اس کی مثال یہ ہے :

وَلَيَسِّرَ لَكُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُ وَنَيْنِ
لَا يُشْرِكُ كُودَيْبِي شَيْئًا (التور : ۵۵)

اللہ ان کے خوف کے بعد ان کی حالت کو ضرور امن سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دیں گے۔

(۱) امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری حنفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۱ ص ۳۵، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

(۲) امام ابو بکر محمد بن یحییٰ بیہقی حنفی ۵۸۸ھ، سنن کبیری ج ۳ ص ۲۴، مطبوعہ نشر السنن

پہلے جملہ میں اللہ تعالیٰ کے فعل کا بیان ہے، اور دوسرے جملہ میں بندوں کے فعل کا بیان ہے، اس لیے کہ دونوں جملوں کو ملائے بغیر الگ الگ پڑھنا مستحسن ہے۔

وقف جائز وہ ہے جس میں ایک جملہ کو دوسرے جملہ سے ملا کر پڑھنا اور پہلے جملہ پر وقف کر کے دوسرے کو ابتداً پڑھنا دونوں طرح جائز ہو، اس کی مثل یہ آیت ہے :

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا ج لَوْلَا اَنْ رَّا بُرْهَانَ رَبِّهٖ (یوسف : ۲۳)

اگر ہم بہا پر وقف کیا جائے تو معنی اس طرح ہو گا : عزیز مصر کی عورت نے یوسف کے ساتھ برے فعل کا قصد کیا اور یوسف نے اس عورت سے اجتناب کا قصد کیا، اگر یوسف نے زنا کی برائی پر اپنے رب کی برحقان کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو وہ اس برائی میں مبتلا ہو جاتے اور اگر ”ہم بہا“ کے بعد والے جملہ سے ملا کر پڑھا جائے تو معنی اس طرح ہو گا :

عزیز مصر کی عورت نے یوسف کے ساتھ برے فعل کا قصد کیا، اگر یوسف نے اس فعل کی برائی پر اللہ کی برحقان کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ برے فعل کا قصد کر لیتے۔

واضح رہے کہ ”ہم“ کا درجہ عزم سے کم ہوتا ہے، ”ہم“ کا معنی ہے کسی فعل کا قصد کیا جائے اور اس میں اس فعل کو نہ کرنے کا بھی پہلو ہو، اور عزم کا معنی ہے کسی فعل کو کرنے کا پختہ قصد ہو اور اس میں اس فعل کو نہ کرنے کا پہلو بالکل نہ ہو۔ اس کی وضاحت ہم نے ولا نعرزوا عقدة النکاح (البقرہ : ۲۵) میں کر دی ہے۔

المرخص بوجہ جس میں ایک وجہ سے وقف کرنا اور دوسری وجہ سے ملا کر پڑھنا جائز ہو اس کی مثل یہ آیت ہے :

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوْا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
بِالْآخِرَةِ فَلَا يَخَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ
(البقرہ : ۸۶)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلہ دنیا کی زندگی خریدی تھی، سو ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔

فلا يخفف عنهم العذاب پہلے جملہ کے لیے بہ شرط سبب اور جزاء ہے اور اس کا خلاصہ ملا کر پڑھنا ہے۔ اور لفظ فام ابتداً کو چاہتا ہے اس لیے پہلے جملہ پر وقف کر کے فلا يخفف سے ابتداً پڑھنا بھی جائز ہے۔

المرخص ضرورۃً جو لفظ یا جملہ پہلے لفظ یا جملہ سے مستثنیٰ نہ ہو اور اس میں اصل ملا کر پڑھنا ہو، لیکن مسلسل پڑھنے کی وجہ سے انسان کا سانس ٹوٹ جائے اور وہ ملا کر پڑھنے کی بجائے ٹھہر جائے تو اس کی اجازت ہے اور وہ بلا ملا کر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کی مثل یہ آیت ہے :

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ
بِنَاءً وَّاَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً (البقرہ : ۲۲)

جس ذات نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو

انزل من السماء میں تزل کی ضمیر لفظی کی طرف لوٹ رہی ہے اس لیے یہ جملہ پہلے جملہ سے مستثنیٰ نہیں ہے اور ان کو ملا کر پڑھنا چاہئے لیکن اگر طول کلام کی وجہ سے پڑھنے والے کا سانس ٹوٹ جائے اور وہ السماء ببناء پر وقف کرے تو اس کی اجازت ہے کیونکہ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً کو الگ پڑھنے سے بھی اس کا معنی سمجھ میں آ جاتا ہے۔

جس جگہ ملا کر پڑھنا ضروری ہے اور وقف کرنا جائز نہیں ہے وہ کلام ہے جو شرط اور جزاء پر مشتمل ہو مثلاً اور جزا کو ملا کر پڑھنا ضروری ہے اور شرط پر وقف کرنا جائز نہیں ہے یا کلام مبتداً اور خبر پر مشتمل ہو تو مبتداً پر وقف کرنا صحیح

اسی طرح موصوف اور صفت کو ملا کر پڑھنا چاہئے اور موصوف پر وقف نہ کیا جائے۔ اس کی مثل یہ ہے :

وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ الَّذِيْنَ
يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ (البقرہ : ۳۶-۳۷) کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔

اس آیت میں الذین ینقضون الفاسقین کی صفت ہے اس لیے ان کو ملا کر پڑھا جائے۔
رموز لوقف کی تفصیل حسب ذیل ہے :

م : وقف لازم

ط : وقف مطلق

سکتہ : اس طرح ٹھہرا جائے کہ سانس نہ ٹوٹے پورے قرآن مجید میں صرف سات جگہ یہ علامت ہے۔
مذکور المصدر علامت پر وقف کرنا ضروری ہے۔

لا : جب ہ اور ہ کے بغیر "لا" ہو تو ملا کر پڑھنا ضروری ہے اس کی مثل یہ آیت ہے :

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا
مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْهِحُونَ عَلَى الَّذِيْنَ
كَفَرُوا (البقرہ : ۸۹)

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب آگئی جو
اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس (اصل آسمانی
کتاب) ہے حالانکہ وہ (یہود) اس سے پہلے (اس کتاب اور
صاحب کتاب کے وسیلہ سے) کفار کے خلاف فتح کی دعا کرتے
تھے۔

و کلا من قبل کا جملہ 'سابقہ جملہ کی "ہم" ضمیر سے مل واقع ہو رہا ہے اور مل اور ذوالحلل میں فصل نہیں ہوتا
اس لیے یہاں ملا کر پڑھنا ضروری ہے۔

حسب ذیل مقلات پر وصل کر کے پڑھنا لینی ہے۔

ز : وقف مجوز

ج-ز : وقف جائز و مجوز

ق : وقف کا قول ضعیف ہے

صلی : وصل کر کے پڑھنا لینی ہے۔

اور جمل وقف لکھا ہو اس کا معنی ہے وقف کرنا لینی ہے۔

صل : ملاؤ۔

ہ : اس کا مطلب ہے اس کے وقف یا وصل میں اختلاف ہے۔

و : وقف اور وصل دونوں جائز ہیں۔

ج : وقف کرنا جائز ہے۔

ص : وقف کی رخصت ہے۔

قرآن مجید میں جب ایک مضمون ختم ہو جاتا ہے تو وہاں رکوع کی علامت ع لکھی ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں کل ۵۵۸

رکوع ہیں، یہ معلوم نہیں ہو سکا اس کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی۔ قرآن مجید میں سورتوں کے اسماء اور آیتوں کی تعداد لکھنے کا بھی پہلے رواج نہیں تھا، حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس کا بہ کثرت رواج ہے اور علماء سلف کی اتباع کرنا لوٹی ہے۔ (تفسیر القرآن ج ۷ ص ۲۵۱، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

قلوی عالم گیری میں مذکور ہے : قرآن مجید میں سورتوں کے اسماء اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہر چند کہ یہ ایک نیا کام ہے لیکن یہ بدعت حسنہ ہے، اور کتنے ہی کام نئے ہیں اور وہ بدعت حسنہ ہیں اور کتنی چیزوں کا حکم زمین اور مکان کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے۔ (قلوی عالم گیری ج ۵ ص ۲۲۳ مطبوعہ مطبع بولاق مصر ۱۳۳۰ھ)

مضامین قرآن کا خاکہ ایک نظر میں

- ۱۔ قرآن مجید کے پارے ۳۰
- ۲۔ قرآن مجید کی سورتیں ۱۱۴
- ۳۔ قرآن مجید کی آیتیں حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق ۶۲۶۱
- ۴۔ امر ۱۰۰۰
- ۵۔ نہی ۱۰۰۰
- ۶۔ وعد ۱۰۰۰
- ۷۔ وعید ۱۰۰۰
- ۸۔ قصص و اخبار ۱۰۰۰
- ۹۔ عبر و امثل ۱۰۰۰
- ۱۰۔ حرام و حلال ۵۰۰
- ۱۱۔ دعا ۱۰۰
- ۱۲۔ منسوخ الحکم آیات (باعتبار شریعت) ۳

تفسیر اور تلویل کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

فسر کا معنی ہے معقول کا اظہار کرنا، مفہوم الفاظ کی تفسیر اور مشکل معنی کے بیان کو تفسیر کہتے ہیں اور کبھی تفسیر و تلویل کا اطلاق ہوتا ہے، اسی لیے خواب کی تعبیر بیان کرنے کو تفسیر اور تلویل کہتے ہیں۔ (المفردات ص ۲۸۰، مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ، ایران ۱۳۳۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں :

ابن لا عربی نے کہا فسر کا معنی ظاہر کرنا اور بند چیز کو کھولنا ہے، بصر میں ہے معنی معقول کو منکشف کرنا، فسر ہے، نیز فسر کا معنی، طبیب کا پیشاب کا معائنہ کرنا ہے، تنفہ اس پیشاب کو کہتے ہیں جس سے مریض کے مرض پر استدلال کیا جاتا ہے، اس کا طبیب معائنہ کرتے ہیں، اور اس کے رنگ سے مریض کے مرض پر استدلال کرتے ہیں، تفسیر اور تلویل دونوں کا ایک معنی ہے۔ یا تفسیر مشکل فقرہ کی مراد کے بیان کرنے کو کہتے ہیں، اور تلویل وہ اشیا میں سے کسی ایک اشیا کے ترجیح دینے

کہتے ہیں جو ظاہر مہارت کے مطابق ہو 'لسان العرب' میں اسی طرح مذکور ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو محمل قسے ہیں ان کی شرح کرنا اور مشکل الفاظ کے معنی بیان کرنا اور آیات کا شن نزول بیان کرنا تفسیر ہے اور معنی قشلبہ کو بیان کرنا تویل ہے اور جن الفاظ کا غور و فکر کے بغیر قطعیت کے ساتھ معنی معلوم نہ ہو سکے۔ وہ قشلبہ ہیں۔ (تاج العروس ج ۳ ص ۴۰، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں :

تفسیر کالغوی معنی ہے کشف اور ظاہر کرنا اور اصطلاحی معنی ہے واضح لفظوں کے ساتھ آیت کے معنی کو بیان کرنا اس سے مسائل مستنبط کرنا اس کے متعلق احادیث و آثار بیان کرنا اور اس کا شن نزول بیان کرنا۔ (کتاب التعریفات ص ۳۸، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

تویل کالغوی معنی ہے لوٹنا اور اصطلاح شرع میں 'ایک لفظ کو اس کے ظاہری معنی سے ہٹا کر ایک ایسے معنی پر محمول کرنا جس کا وہ احتمال رکھتا ہو اور وہ احتمال کتب اور سنت کے موافق ہو' مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَمِيتِ" "وہ مردے سے زندہ کو نکالتا ہے" اگر اس آیت میں انڈے سے پرندے کو نکالنا مراد ہو تو تفسیر ہے اور اگر کافر سے مومن کو پیدا کرنا یا جہل سے عالم کو پیدا کرنا مراد ہو تو یہ تویل ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۲۲، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

تفسیر کی اصطلاحی تعریف

علامہ ابوالحیسان اندلسی لکھتے ہیں :

تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت نطق 'ان کے مدلولات' ان کے مفرد اور مرکب ہونے کے احکام' حالت ترکیب میں ان کے معنی اور ان کے تمت سے بحث کی جاتی ہے۔ (البحر المحیط ج ۱ ص ۲۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۲ھ)

الفاظ قرآن کی کیفیت نطق سے مراد علم قراءات ہے 'الفاظ قرآن کے مدلولات سے مراد ان الفاظ کے معنی ہیں اور اس کا تعلق علم لغت سے ہے 'مفرد اور مرکب کے احکام' اس سے مراد علم صرف 'علم نحو (عربی گرامر) اور علم بیان اور علم بدیع (فصاحت اور بلاغت) ہے اور حالت ترکیب میں الفاظ قرآن کے معنی سے مراد یہ ہے کہ کبھی لفظ کا ظاہری معنی مراد نہیں ہوتا اور اس کو مجاز پر محمول کیا جاتا ہے 'اس کا تعلق علم معنی اور بیان سے ہے اور تمت سے مراد 'تلاخ اور منسوخ کی معرفت' آیات کا شن نزول اور مہمت قرآن کا بیان کرنا ہے۔

علامہ ابن الجوزی لکھتے ہیں :

کسی چیز کو (جہالت کی) تدریج سے نکل کر (علم کی) روشنی میں لانا تفسیر ہے 'اور کسی لفظ کو اس کے اصل معنی سے نقل کر کے دوسرے معنی پر محمول کرنا تویل ہے۔ جس کی وجہ ایسی دلیل ہو کہ اگر وہ دلیل نہ ہوتی تو اس لفظ کو اس کے ظاہر سے نہ ہٹایا جاتا۔ (زوا المسیر ج ۱ ص ۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۰۷ھ)

تفسیر اور تویل کا فرق

جس لفظ کا صرف ایک معنی ہو اس کو بیان کرنا تفسیر ہے اور جس لفظ کے کئی معنی ہوں تو دلیل سے کسی ایک معنی کو بیان کرنا تویل ہے 'لام ماتریدی نے کہا ہے کہ قطعیت سے بیان کرنا کہ اس لفظ کا یہ معنی ہے 'اور اس بات کی شہادت دینا

کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ سے یہ معنی مرلو لیا ہے، یہ تفسیر ہے، سو اگر کسی دلیل قطعی کی بنا پر یہ شمولت دی گئی ہے تو یہ تفسیر صحیح ہے ورنہ تفسیر بالرائے ہے، اور یہ منع ہے، اور لفظ کے کئی محتملات میں سے کسی ایک احتمال کو بغیر قطعیت اور شمولت کے متعین کرنا توویل ہے، اور ابو طالب ثعلبی نے بیان کیا ہے کہ لفظ کی حقیقت اور مجاز کو بیان کرنا تفسیر ہے، جیسے صراط کی تفسیر راستہ ہے اور صیب کی تفسیر بارش ہے اور توویل لفظ کے باطن کو بیان کرنا ہے مثلاً ان وبك بالمرصاد (الفجر : ۳۷) اس کا لفظی معنی ہے : بے شک آپ کا رب ضرور گھلت میں ہے اور اس کی توویل یہ ہے کہ وہ نافرمانوں کو دیکھ رہا ہے اور اس سے ان کو نافرمانی کرنے سے ڈرایا گیا ہے۔ توویل میں دلیل قطعی سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ یہاں لفظ کا حقیقی معنی مرلو نہیں ہے۔ علامہ اصبہانی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ تفسیر کا معنی ہے قرآن کے معانی کو بیان کرنا، کبھی اس میں مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے جاتے ہیں مثلاً بحیرہ، سائبہ اور وید کے معانی اور کبھی کوئی کلام کسی قصہ کو متضمن ہوتا ہے اور اس قصہ کے بیان کیے بغیر اس کلام کی معرفت نہیں ہوتی۔ مثلاً

إِنَّمَا التَّيْسُ بِي زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ
تقدم و تاخیر کفر میں زیادتی کے سوا کچھ نہیں۔

(النوبہ : ۳۷)

یہ آیت اس قصہ کو متضمن ہے کہ کفار اپنی ہوائے نفس کی بناء پر مبینوں کو آگے پیچھے کر دیتے تھے۔ اور توویل میں کبھی لفظ کو عموم پر محمول کیا جاتا ہے اور کبھی خصوص پر، مثلاً ایمان کا لفظ مطلقاً تصدیق کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے اور تصدیق شرعی کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔

اور کبھی ایک لفظ جو کئی معنی میں مشترک ہوتا ہے اس کے کسی ایک معنی کی تعین کی جاتی ہے جیسے قرء یہ فیض اور طہر دونوں میں مشترک ہے۔ بعض علماء نے کہا تفسیر کا تعلق روایت کے ساتھ ہے اور توویل کا تعلق درایت کے ساتھ ہے، اور ابو نصر قسیری نے کہا تفسیر ابتداء اور سماع میں منحصر ہے اور توویل کا تعلق استنبلا کے ساتھ ہے، علامہ بلغوی اور کواشی نے کہا کہ آیت جس معنی کا احتمال رکھتی ہو اور اس کا سیاق اور سبق اس کے موافق ہو اور وہ معنی کتب و سنت کے خلاف نہ ہو تو استنبلا کے طریقہ سے آیت کو اس معنی پر محمول کرنا توویل ہے، اور بعض علماء نے تفسیر کا یہ معنی بیان کیا، آیات کے اسباب نزول اور ان کے قصص اور ان کے کی اور مدنی ہونے کا علم اور ان کے محکم، قسب، بلع، منسوخ، خاص، عام، مطلق، مقید، مجمل، منسر، طائل، حرام، وعدہ، وعید، امر، نہی، جبر اور امثال کا علم تفسیر ہے، اور علامہ زرکشی نے کہا تفسیر وہ علم ہے جس سے اس کتب کی فہم حاصل ہوتی ہے جو سیدنا محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے، اور اس کے معانی کا بیان اور اس کے احکام کا استخراج معلوم ہوتا ہے، اور علم لغت، نحو، صرف، علم بیان، اصول فقہ اور قرأت سے اس میں مدد حاصل ہوتی ہے اور اس کی معرفت کے لیے اسباب نزول اور بلع اور منسوخ کو جاننے کی ضرورت ہے۔ (لائسنس ج ۲ ص ۳۵۵، مطبوعہ سبیل الہدی لاہور ۲۰۰۰ء)

علم تفسیر کا فائدہ قرآن مجید کے معانی کی معرفت ہے اور اس کی غرض شمولت و دلربائی ہے، اور اس کا موضوع کلام اللہ لفظی ہے کیونکہ موضوع وہ ہوتا ہے جس کے حواض ذاتیہ سے اس علم میں بحث کی جاتی ہے اور علم تفسیر میں کلام لفظی کے حواض ذاتیہ سے بحث کی جاتی ہے۔

تفسیر قرآن کی فضیلت پر عقلی دلائل

لہام راجب اسماعیلی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ تمام صنعتوں میں سب سے افضل صنعت قرآن مجید کی تفسیر اور تلویل ہے کیونکہ صنعت کی فضیلت یا تو اس کے موضوع کے اعتبار سے ہوتی ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ سار کی صنعت دہلغ کی صنعت سے افضل ہے کیونکہ سار کا موضوع سونا اور چاندی ہے اور دہلغ (کھل رنگنے والا) کا موضوع مردار کی کھل ہے، یا صنعت کی فضیلت اس کی غرض کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے طب کی صنعت جمعہ دار کی صنعت سے افضل ہے کیونکہ طب کی غرض صحت کا اقلہ کرنا ہے اور جمعہ داری کی غرض بیت الخلاء کی صفائی ہے، نیز صنعت کی فضیلت صورت کے اعتبار سے ہوتی ہے، جیسے تلواری کی صنعت بیڑیاں بنانے کی صنعت سے افضل ہے۔

اور صنعت تفسیر ان تینوں جہات کے اعتبار سے تمام صنعتوں سے افضل ہے، کیونکہ اس کا موضوع اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ہر حکمت کا منبع اور ہر صورت کا معدن ہے اور اس کی صورت اللہ تعالیٰ کے مخفی اسرار کا اظہار ہے اور تدوین شریعت ہے اور یہ ہر صورت سے افضل ہے اور اس کی غرض سعادت حقیقیہ تک پہنچنا اور خیر کثیر کا حصول ہے جو ہر غرض سے افضل ہے قرآن مجید میں ہے :

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا^ط اور جسے حکمت دی گئی تو بے شک اسے خیر کثیر دی گئی۔
(البقرہ : ۲۴)

ایک قول یہ ہے کہ خیر کثیر سے مراد قرآن کریم کی تفسیر ہے۔
تفسیر قرآن کی فضیلت کے متعلق احادیث اور آثار
علامہ ابن علیہ لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ قرآن کا کون سا علم افضل ہے؟ آپ نے فرمایا : اس کی عربیت، سو تم اس کو شعر میں تلاش کرو، نیز نبی ﷺ نے فرمایا : قرآن مجید کے معانی کی فہم حاصل کرو، اور اس کے مشکل الفاظ کے معنی تلاش کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے معانی کی معرفت حاصل کرنے کو پسند کرتا ہے (اس حدیث کو لہام ابو یعلیٰ نے حضرت ابن مسعود سے اور لہام یحییٰ نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

قاضی ابو محمد عبدالحق رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ قرآن مجید کے اعراب شریعت میں اصل ہیں، کیونکہ اسی کے ذریعہ وہ معانی حاصل ہوتے ہیں جو شرع میں مطلوب ہیں۔

قاضی ابو علیہ نے ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا کی تفسیر میں کہا حکمت سے مراد قرآن کی فہم ہے، اور قلہ نے کہا حکمت سے مراد قرآن میں نکتہ کرنا ہے اور دوسرے علماء نے کہا حکمت سے مراد قرآن کی تفسیر ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رحمہ اللہ کے علم کی تعریف کی، ان سے ایک شخص نے کہا میں آپ پر قولن جاؤں، آپ کا خود لفظا عظیم مقام ہے اور آپ حضرت جابر کی تعریف کر رہے ہیں؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا : حضرت جابر کو قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر کا علم ہے : ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد۔

نصیحی نے کہا مسروق نے ایک آیت کی تفسیر کے لیے ہمیں کا سفر کیا وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ جو شخص اس آیت کی تفسیر کرتا تھا وہ شام چلا گیا ہے پھر وہ شام پہنچے اور اس شخص سے اس آیت کی تفسیر کا علم حاصل کیا۔

لیاس بن معلویہ نے کہا : جو لوگ قرآن کریم پڑھتے ہیں اور اس کی تفسیر کو نہیں جانتے وہ ان لوگوں کی مثل ہیں جن کے پاس اندھیری رات میں بلو شلہ کا مکتوب آیا ہو اور ان کے پاس چراغ نہ ہو اور ان کو علم نہ ہو سکے کہ اس میں کیا لکھا ہے اور وہ اس وجہ سے پریشان اور مضطرب ہوں اور جو لوگ قرآن مجید کی تفسیر جانتے ہیں ان کی مثل ان لوگوں کی طرح ہے جن کے پاس رات کے وقت بلو شلہ کا مکتوب آیا ہو اور اس کے پڑھنے کے لیے ان کے پاس چراغ موجود ہو۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کی تفسیر نہیں جانتا وہ شعر پڑھنے والے جنگلی کی طرح ہے۔ (یعنی اشعار کی طرح جلدی جلدی پڑھتا ہے)

مجلد نے کہا اللہ کے نزدیک اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ شخص ہے جس کو قرآن مجید کا سب سے زیادہ علم ہو۔

نبی ﷺ نے فرمایا کوئی شخص اس وقت تک مکمل فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو قرآن کی وجوہ کثیرہ کا علم نہ ہو۔

حسن بصری نے کہا غیر عربی ہلاک ہو گئے ان میں سے ایک شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کی وجوہ (تفسیر) سے جاہل ہوتا ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا ہے۔

حضرت ابن عباس اپنی مجلس میں پہلے قرآن پڑھتے پھر اس کی تفسیر کرتے پھر حدیث بیان کرتے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر چیز کا علم قرآن میں ہے لیکن انسان کی عقل اس کو حاصل کرنے سے عاجز ہے۔

علامہ ابو الیمین اندلسی نے بھی ان احادیث اور آثار کو بیان کیا ہے۔ (الحرر الوبرین ج ۱ ص ۱۱-۱۲، المکتب النہاریہ، مکہ مکرمہ) قرآن مجید کی تفسیر کرنے پر اعتراضات کے جوابات

حافظ البیہقی نے مسند بزار اور مسند ابو یعلیٰ کے حوالے سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ماسوا ان چند محدود آیات کے جن کا علم حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو پہنچایا ہے قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر اپنی رائے سے نہ بیان کی جائے۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۰۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۴ھ)

علامہ ابو الیمین اندلسی متوفی ۷۴۶ھ اور علامہ عبد الرحمن شافعی متوفی ۴۸۶ھ نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ان امور کی تفسیر پر محمول ہے جن کا تعلق توقیف سے ہے مثلاً جن کا تعلق مضیبات سے ہے جیسے وقت وقوع قیامت کا علم یا صور پھونکنے کی تعداد اور آسمان و زمین کی تخلیق کی ترتیب کا علم۔ اور اس سے وہ امور خارج ہیں جن کا تعلق بیان لغت، مشکل اعراب قرآن، شان نزول اور احکام کے استخراج اور استنباط سے ہے۔

لام تہذیب حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے صحیح بات بھی کہی تو اس نے خطا کی۔ (جامع تہذیب ص ۳۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت کراچی) اس حدیث کو لام بودود نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن بودود ج ۲ ص ۵۸، مطبوعہ مجلس تبیین پاکستان، لاہور ۱۴۰۵ھ)

علامہ آلوسی حنفیؒ نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ اس حدیث کی صحت کے متعلق بحث کی گئی ہے، مدخل میں ہے کہ اس حدیث کی صحت پر اعتراض ہے، اور اگر بالفرض یہ حدیث صحیح ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے شخص اپنی رائے سے صحیح بات بھی کہی ہے تو اس نے طریقہ میں خطا کی ہے، کیونکہ قرآن مجید کی تفسیر کا طریقہ یہ ہے کہ معنی بیان کرنے کے لئے لغت کی طرف رجوع کیا جائے، اور تلخ اور منسوخ کو بیان کرنے کے لیے احادیث کی طرف رجوع کیا جائے اور مرلوی بیان کرنے کے لیے صاحب شرع کی طرف رجوع کیا جائے، اور جب یہ امور نہ ہوں تو پھر غور و فکر کرنے اور آیات سے مطلق اور احکام کا استنباط کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ جو شخص قرآن کی تفسیر میں کوئی ایسی بات کہے جو اس کے مذہب کے موافق ہو اور اپنے مذہب کو اصل اور قرآن مجید کو اس کے تابع قرار دے تو اس نے واقعی خطا کی ہے کیونکہ اصل قرآن کریم ہے جو اس کے موافق ہو وہ مقبول ہے اور جو اس کے مخالف ہو وہ مردود ہے۔ اور اس حدیث کا چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مشابہت پر محمول ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے، تو ان کے مطلق اگر اس نے اپنی رائے سے کوئی صحیح بات بھی کہی تو اس کی خطا یہ ہے کہ اس نے ان آیات میں رائے نفی کی ہے جن میں غور و فکر کی اجازت نہیں ہے، اور اس کا پانچواں جواب یہ ہے کہ جس شخص نے بلا دلیل قطعیت کے ساتھ یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی یہی مرلہ ہے اس نے خطا کی کیونکہ بلا دلیل قطعیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مراد بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ (روح المصلیٰ ج ۱ ص ۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے بغیر علم کے قرآن میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے، پہلی حدیث حسن صحیح ہے اور دوسری حسن ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ان حدیثوں کے حسب ذیل جوہریت ہیں:

(۱) جس شخص نے بغیر علم کے قرآن مجید کے کسی اشکال کو حل کرنے کی کوشش کی، یہ وعید اس کے متعلق ہے۔
(۲) جس شخص کو علم ہو کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ حق کے خلاف ہے اور محض ہوائے نفس یا اتانیت یا اپنی موضوعی فکر کی تائید میں کہہ رہا ہے، وہ اس وعید کا مصداق ہے۔

(۳) جس شخص نے بغیر کسی چینی یا عقلی دلیل کے کوئی بات کہی یا بغیر کسی ایسی عقلی دلیل کے بات کہی جو قواعد شرع کے مطابق ہو۔

(۴) جس شخص نے ائمہ لغت، ائمہ عربیہ اور ائمہ مجتہدین کی نقل کے بغیر قرآن مجید کے کسی لفظ کا معنی یا کوئی شرعی حکم بیان کیا۔

(۵) جس شخص نے اسباب نزول اور تلخ و منسوخ سے حلق بغیر نقل صحیح کے اپنی طرف سے کوئی بات کہی۔ یہ وعید اس کے متعلق ہے۔

قرآن مجید کی تفسیر کرنے کی مشہوریت اور جواز پر قرآن مجید، احادیث اور آثار سے دلائل

تفسیر کی مشہوریت اور جواز پر قرآن مجید اور احادیث میں بہت دلائل ہیں بعض ازل میں یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ
لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ (النساء : ۸۳)

لو کہ وہ اس بات کو رسول کی طرف لوٹا دیتے تو ان کی
طرف لوٹا دیتے جو ان میں سے صاحبان امر ہیں تو اس بات کی
مصلحت) کہ وہ لوگ جان لیتے یہی بات کا نتیجہ نکالنے کے لئے ہیں۔
کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل
لگے ہوئے ہیں؟

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ
أَقْفَالُهَا (محمد : ۲۴)

ہم نے آپ کی طرف کتب کو نازل کیا ہے یہ مبارک
ہے تاکہ وہ اس میں غور کریں اور عقلمند لوگ نصیحت حاصل
کریں۔

كِتَابٍ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ
وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ (ص : ۲۹)

یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں
لو ان کو صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضِيبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا
إِلَّا الْعَالِمُونَ (العنکبوت : ۴۴)

ہم ابو نعیم اور دیگر ائمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن نرم اور نوجوہ ہے (اس کے
متعدد محال ہیں) سو اس کو سب سے بہتر محمل پر محمول کرو۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
ہم بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو نعیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی (مخصوص) کتب
ہے فرمایا نہیں صرف کتب اللہ یا (استنبلا کی) وہ ہم ہے جو مسلمان شخص کو دی گئی ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱ مطبوعہ دار
الاحیاء التراث العربی کراچی ۸۸ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سینہ سے لگایا اور دعا کی کہ اے اللہ
اس کو کتب کا علم عطا فرما۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی کراچی ۸۸ھ)

ہم ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سینہ سے لگایا اور دعا کی : اے اللہ
اس کو سنت اور قرآن کی توفیق عطا فرما۔ (سنن ابن ماجہ ص ۵۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :

ہم حمیدی، ہم احمد، ہم ابن حبان، ہم طبرانی اور ہم بغوی و غیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابن
عباس کے لیے دعا میں فرمایا : اے اللہ اس کو دین کی توفیق عطا فرما۔ (فہم) عطا فرما اور اس کو توفیق کا علم عطا فرما۔ (صحیح ابوداؤد ج ۱ ص ۵۰)
مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۰ھ

اور ہم ترمذی اور ہم نسائی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا میرے لیے
عکس کی دعا کی اس لیے کتب سے مراد قرآن ہے اور حکمت سے مراد سنت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دعا فرمائی : تم کیا خوب تر علم

طبقات مفسرین کا بیان

مفسرین کے چھ مشہور طبقات ہیں :

(۱) دس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں معروف ہیں : حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت لہٰی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔

خلفاء راشدین میں حضرت علی متوفی ۴۰ھ کی تفسیری روایات باقی خلفاء سے بہت زیادہ ہیں، اور حضرت ابن مسعود متوفی ۳۸ھ کی روایات، حضرت علی سے بھی زیادہ ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس متوفی ۶۸ھ، ترجمان القرآن، حبر الامت اور امام المفسرین ہیں، اور ان سے بے شمار تفسیری روایات منقول ہیں، علامہ فیروز آبادی صاحب القاموس کی روایت سے وہ تفسیر چھپ گئی ہے جو حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے علامہ فیروز آبادی نے اس کا نام ”تنویر المعباس من تفسیر ابن عباس“ رکھا ہے۔

اس تفسیر کو حضرت ابن عباس کی تفسیر قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ اس تفسیر کی سند یہ ہے از کلبی از ابی صلح از ابن عباس (الدر المنثور ج ۱ ص ۱، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران) اور محمد بن سائب کلبی کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

یث بن ابی سلیم نے کہا کوفہ میں دو کذاب تھے ایک کلبی اور دوسرا سدی، یثی بن معین نے کہا یہ کوئی چیز نہیں، ابو حوانہ نے کہا میں نے کلبی سے کفریہ اقوال سنے ہیں، ابو جزء نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے، یزید بن زریع نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے، میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جبرئیل نبی ﷺ کے پاس وحی لائے، آپ کسی کام کے لیے اٹھے اور حضرت علیؓ آکر بیٹھ گئے تو جبرئیل نے حضرت علیؓ پر وحی نازل کر دی، وہ اپنا سینہ پیٹ کر کہتا تھا کہ میں سہلی ہوں، میں سہلی ہوں، عقیلی نے کہا وہ عبداللہ بن سبا کے اصحاب میں سے تھا، ابو جناب کلبی کہتے ہیں کہ ابو صلح نے حلف اٹھا کر کہا میں نے کلبی کو تفسیری روایات بالکل نہیں سائیں، سفیان ثوری کہتے ہیں کہ کلبی نے کہا میں نے از ابو صلح از ابن عباس جس قدر روایات بیان کی ہیں وہ سب جھوٹ ہیں ان کو مجھ سے روایت نہ کرو، یہ شخص ۳۶ھ میں فوت ہو گیا تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۸۸۰، مطبوعہ دائرة المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۳۶ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جس سند سے تنویر المعباس موی ہے، وہ جھوٹی سند ہے اور اس کتب میں ہر قسم کی روایت ہیں اور اس کتب کو حضرت ابن عباس کی تفسیر قرار دینا صحیح نہیں ہے، حضرت ابن عباس کی صحیح تفسیری روایات وہ ہیں جو مستند کتب المطبوعہ میں اسناد صحیحہ سے موی ہیں۔ حضرت ابن عباس کی جس روایت میں محمد بن سائب کلبی متوفی ۳۶ھ اور محمد بن موالن السدی متوفی ۸۶ھ دونوں موجود ہوں وہ علت درجہ کی ضعیف روایت ہے۔

(۲) مفسرین کا دوسرا طبقہ تابعین کا ہے، ان میں حضرت ابن عباس متوفی ۶۸ھ کے حسب ذیل خلفاء بہت مشہور ہیں، یہ علامہ کہ ہیں :

(۱) جابر بن جبر متوفی ۳۳ھ (ب) سعید بن جبیر متوفی ۴۳ھ (ج) عکرمہ موی ابن عباس متوفی ۵۵ھ (د) طلوس بن

کیسان یملی متونی ۴۰۶ھ (عطاء بن ابی رباح متونی ۳۳ھ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متونی ۳۸ھ کے حسب ذیل تلافہ تفسیری روایات میں معروف ہیں یہ علماء کوفہ ہیں۔

(۱) ملقمہ بن قیس متونی ۴۰۲ھ (ب) اسود بن یزید متونی ۴۰۵ھ (ج) ابراہیم نخعی متونی ۴۰۵ھ (د) شعبی متونی ۴۰۵ھ حضرت زید بن اسلم متونی ۳۶ھ کے تلافہ یہ علماء مدینہ ہیں۔

(۱) عبد الرحمن بن زید متونی ۴۱۲ھ (ب) مالک بن انس متونی ۴۰۹ھ (ج) حسن بصری متونی ۴۱۱ھ (د) عطاء بن ابی مسلم خراسانی متونی ۳۵ھ (ه) محمد بن کعب قرظی متونی ۴۰۷ھ (و) ابو العلیہ رفیع بن مران ریاحی متونی ۴۰۷ھ (ز) ضحاک بن مزاحم متونی ۴۰۵ھ (ح) عطیہ بن سعید عوفی متونی ۴۰۷ھ (ط) قتادہ بن دعلج سدوسی متونی ۴۰۷ھ (ی) ربیع بن انس متونی ۳۹ھ (ک) اسماعیل بن عبد الرحمن سدوسی متونی ۴۰۷ھ

(۳) مفسرین کا تیسرا طبقہ وہ ہے جس نے صحابہ اور تابعین کے اقوال کو جمع کیا ہے، ان میں مشہور علماء حسب ذیل ہیں :

(۱) سفیان بن یزید متونی ۴۰۸ھ (ب) وکیع بن جراح کوفی متونی ۴۰۷ھ (ج) شعبہ بن حجاج متونی ۴۱۰ھ (د) یزید بن ہارون سلمیٰ (ه) عبد الرزاق متونی ۴۱۰ھ (و) کوم بن ابی لیاں متونی ۴۱۱ھ (ز) اسحاق بن راہویہ متونی ۴۳۸ھ (ح) روح بن عبیدہ متونی ۴۰۵ھ (ط) عبد اللہ بن حمید حنفی (ی) ابو بکر بن ابی شیبہ متونی ۴۳۵ھ

(۳) مفسرین کے چوتھے طبقہ میں ابو جعفر محمد بن جریر طبری متونی ۴۳۰ھ ہیں، وہ اس زمانہ میں سب سے مشہور مفسر تھے، علامہ سیوطی نے اتفاق میں لکھا ہے کہ ان کی کتاب بہت عظیم تفسیر ہے وہ متضاد اقوال میں تطبیق دیتے ہیں اور بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں، علامہ نووی اور علامہ ابواسحاق اسفرائینی نے اس تفسیر کی بہت تعریف کی ہے حافظ ابن کثیر متونی ۷۴۷ھ کی تفسیر بھی اسی کا خلاصہ ہے۔ ان کے علاوہ اس طبقہ کے دیگر مفسرین یہ ہیں :

(۱) علی بن ابی طلحہ متونی ۴۳۳ھ (ب) ابن ابی حاتم عبد الرحمن بن محمد رازی متونی ۴۳۲ھ (ج) ابو عبد اللہ محمد ابن ماجہ قزوینی متونی ۴۳۳ھ (د) ابن مردودہ ابو بکر احمد بن موسیٰ اصفہانی متونی ۴۳۰ھ (ه) ابو الشیخ بن حبان بی متونی ۴۳۵ھ (و) ابراہیم بن منذر متونی ۴۳۶ھ

(۵) پانچویں طبقہ میں ایسے مفسرین ہیں جنہوں نے اپنی تفسیروں میں اسانید کو حذف کر دیا، ان کے اسلام حسب ذیل ہیں :

(۱) ابواسحاق زجاج ابراہیم بن السری النہوی متونی ۴۱۰ھ (ان کی تفسیر کا نام معانی القرآن ہے) (ب) ابو علی قدسی متونی ۴۰۷ھ (یہ لغت اور بلاغت میں ماہر تھے۔ (ج) ابو بکر محمد بن الحسن المعروف بالنقاش الموصلی متونی ۴۰۵ھ (د) ابی بن ابی طالب القیس النہوی المغربی متونی ۴۰۳ھ (ه) ابو جعفر النہاس مصری متونی ۴۳۸ھ (و) ابو العباس احمد بن محمد المصدی متونی ۴۳۰ھ (ان کی تفسیر کا نام ہے : التحصیل للجامع لطوم التنزیل)

(۶) چھٹے دور میں ایسے مفسرین ہیں جنہوں نے اپنے اپنے زمانوں کے پہنچ کا مقابلہ کیا کیونکہ اسلام کی نشر و اشاعت کئی براعظموں تک ہو چکی تھی اور مخالفین اسلام، قرآن کریم اور اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کر رہے تھے، یونہی کے فلسفی، منطق اور فلسفہ سے اسلام پر اعتراض کر رہے تھے، یہود و نصاریٰ الگ اعتراضات کر رہے تھے، دہریوں نے بھی ایک طوفان اٹھا رکھا تھا، اور نفسی مکتب فکر کے اختلاف کی وجہ سے آپس میں لے دے ہو رہی تھی اس دور میں قرآن مجید کی تفسیر کے ساتھ ساتھ ایک اور رنگ بھی شامل ہو گیا اور اس کی تفصیل کچھ یوں ہے :

(۶) بعض علماء نے صرف قرآن مجید کی فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے قرآن کریم کی تفسیر کی، ان میں مشہور علامہ جلالہ زہری متوفی ۷۷۷ھ کی تفسیر ”کشف“ ہے، یہ چونکہ معتزلی تھے اس لیے تفسیر میں اعتزال کا رنگ غالب ہے۔

(ب) بعض علماء نے صرف قرآن مجید کے الفاظ کے لغوی معنی بیان کئے اس سلسلہ میں امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ کی ”المفردات“ بہت مشہور ہے۔ اور ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فراء متوفی ۲۰۷ھ کی معانی القرآن ہے۔ یہ تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

(ج) بعض علماء نے خصوصیت کے ساتھ قرآن مجید کے صنفی اور نحوی مباحث کو موضوع بنایا، زجاج نے اس موضوع پر ”معانی القرآن“ کے نام سے تفسیر لکھی اور علامہ واحدی نیشاپوری متوفی ۴۲۸ھ نے ”البسیط“ کے نام سے تفسیر لکھی اور علامہ ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۵۴۳ھ نے ”البحر المحیط“ لکھی، یہ کتاب نو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ البحر المحیط نحو کے علاوہ دیگر علوم اور مباحث کی بھی جامع ہے اور بہت عمدہ تفسیر ہے۔

(د) بعض علماء نے صرف گزشتہ واقعات اور قصص کی طرف توجہ کی اور انہوں نے قرآن مجید کے بیان کردہ قصص کی تفسیر میں کتب تاریخ اور اسرائیلیات سے جو چاہا نقل کر دیا، انہوں نے اس سلسلہ میں تورات، انجیل اور اہل کتاب کے نزدیک دوسری معتبر کتابوں پر اقتصار نہیں کیا، بلکہ انہوں نے یہودی اور عیسائی علماء سے جو کچھ سنا اس کو صحیح اور ضعیف کی تحقیق کئے بغیر نقل کر دیا اور اس بات کو واضح نہیں کیا کہ کون سی بات شرع اور عقل کے مخالف یا موافق ہے، ان میں زیادہ مشہور ابو اسحق احمد بن محمد ثعلبی کی ”الکشف والبیان من تفسیر القرآن“ ہے اور علامہ علاؤ الدین بن محمد المعروف بالٹازن متوفی ۷۲۵ھ کی ”طلب التویل“ ہے۔

(ه) بعض علماء نے صرف فقہی مسائل کے استنبلا اور تحقیق کی طرف توجہ کی، ان میں علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص خفی متوفی ۳۷۰ھ کی ”احکام القرآن“ اور علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۴۱۸ھ کی ”الجامع لاحکام القرآن“ ہے۔

علامہ ابو بکر رازی نے فقہ حنفی پر دلائل فراہم کئے ہیں، اور اختلاف مسائل میں زیادہ تر فقہ شافعی کا رد کیا ہے، اور علامہ قرطبی مذہب اربعہ کا ذکر کرتے ہیں اور فقہ مالکی کے دلائل فراہم کرتے ہیں، فقہ کے علاوہ قرآن مجید کے دیگر اسرار اور نکات کا بھی بیان کرتے ہیں، علامہ ابو بکر رازی کی تفسیر تین جلدوں میں ہے اور انہوں نے صرف فقہی احکام سے متعلق آیات کی تفسیر کی ہے اور علامہ قرطبی کی تفسیر تین جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ بہت جامع تفسیر ہے، علامہ ابو الحسن مازنی شافعی متوفی ۴۵۰ھ نے ”نکت والعیون“ کے نام سے چھ جلدوں میں تفسیر لکھی ہے اور اس میں فقہ شافعی پر دلائل فراہم کئے ہیں، اور علامہ احمد جیون خفی متوفی ۳۳۰ھ نے بھی احکام سے متعلق آیات کی ایک جلد میں مختصر تفسیر لکھی ہے جو ”تفسیرات لاحمدیہ“ کے نام سے دستیاب ہے۔

(و) بعض علماء نے زیادہ تر عقائد کے مباحث سے بحث کی اور اپنے زمانہ کے گمراہ فرقوں کا رد کیا ان میں امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۴۳۶ھ کی ”تفسیر کبیر“ مشہور ترین تفسیر ہے، اس میں معتزلہ، جبریہ، قدریہ اور رافضیہ کا بہت رد کیا گیا ہے اور آیات سے بہت نصیں اور عمدہ نکات کا استنبلا کیا ہے، فقہی مسائل میں فقہ شافعی کو ترجیح دینے میں کافی مبالغہ کیا ہے، آیات کا شان نزہل بیان کیا ہے اور احادیث کا بھی ذکر کیا ہے، امام رازی سے پہلے ایسی جامع تفسیر کسی نے نہیں لکھی

تھی، ان کی وفات کو آٹھ سو سال گزر گئے اور اس کے بعد بہت تفسیریں لکھی گئیں لیکن لام رازی کی تفسیر کو کوئی تفسیر نہیں پہنچ سکی وہ واقعی تفسیر کبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ لام رازی کے درجات بلند کرے اور ان کو اپنے قرب خاص سے نوازے۔

(ز) بعض علماء نے فضائل، آداب، صوفیاء کی حکایات اور وعظ و نصیحت پر زور دیا، ان میں علامہ اسماعیل حنفی متونی ۷۳۳ھ کی ”روح البیان“ بہت مشہور ہے۔

(ح) بعض علماء نے اپنی تفسیر میں ایسے حقائق کی طرف اشارہ کیا جو صرف ارباب سلوک پر منکشف ہوتے ہیں اور طریقت اور معرفت کے رموز بیان کئے ہیں ان میں محی الدین بن عربی متونی ۷۳۸ھ کی تفسیر ہے جو ”عرائس البیان“ کے نام سے مشہور ہے۔

(ط) متاخرین میں علامہ سید محمود آلوسی حنفی متونی ۱۲۷۰ھ کی ”روح المصطفیٰ“ بہت عمدہ اور جامع تفسیر ہے، اس میں صرف ’نحو‘ بلاغت‘ قراءات‘ شان نزول اور عقائد سے بحث کی ہے اور فقہی مسائل میں فقہ حنفی کو ترجیح دی ہے، علامہ ہالائی شولہ الحق میں لکھا ہے کہ ان کا پوتا نعمان آلوسی شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی اور شیخ ابن تیمیہ کے افکار سے متاثر تھا اور اس نے ان کی تفسیر کے بعض مقلد میں تحریف کر دی ہے۔

سید خمد نطلب شہید نے ”فی ظلال القرآن“ لکھی ہے اور اس میں مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات لکھے ہیں۔ علامہ مظلوی جوہری نے ”الجواہر فی تفسیر القرآن“ لکھی ہے اور قرآن مجید کے مضامین کو سائنس کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔

(ی) اردو تفسیریں ہمارے شیخ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز کی تفسیر ”التیسلیں“ نہایت جامع تفسیر ہے اس کا صرف ایک پارہ لکھا جاسکا، اگر آپ کو حیات مملت دینی اور آپ یہ تفسیر مکمل کر لیتے تو یہ تفسیر تمام اردو تفسیر پر فائق ہوتی۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ”تفسیر القرآن“ چھ جلدوں پر محیط ہے، اس تفسیر میں بعض مقلد پر مقام نبوت کا لوب اور احترام نہیں کیا گیا اور ایک امتی کو اپنے نبی سے جو عقیدت اور محبت ہوتی ہے، اس کا مصنف اس سے محروم ہے، یہ دہلی عقائد کی ترجمان ہے۔

پیر محمد کرم شاہ لاہری کی ”نبیہ القرآن“ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، اس میں آیات اور مندرج احادیث کا ترجمہ بالعموم تحت اللفظ ہے تفسیر میں زیادہ تر اختصار ہے، تفسیر کی عبارت اردو لوب کا بہترین شاہکار ہے، اس میں مسلک صوفیاء کو ترجیح دی گئی ہے۔

حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ کی ”تفسیر نعیمی“ بہت مبسوط تفسیر ہے۔ وہ گیارہویں پارے تک پہنچے تھے کہ انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ یہ تفسیر لام احمد رضا رحمہ اللہ کے افکار کی ترجمان ہے۔

مفتی محمد شفیع کی ”معارف القرآن“ آٹھ جلدوں میں ہے، اس میں ترجمہ قرآن شیخ محمود الحسن کا ہے، اور خلاصہ تفسیر کے عنوان سے شیخ تھوری کی مکمل بیان القرآن ہے، اور معارف و مسائل کے عنوان سے خود مفتی محمد شفیع نے تفسیر کی ہے اس تفسیر کا مغلذہ تفسیر قرطبی اور البحر المحیط ہے، اس تفسیر میں دیہندی رنگ کو بجا کر کیا ہے۔

شیخ امین احسن اسلامی کی ”تہ قرآن“ ہے یہ نو جلدوں میں ہے، انہوں نے فہم القرآن کے لیے لوب جاہلیت کو مٹ

میت دی ہے اور احمد فرہی کی فکر کے تلخ ہیں۔ یہ اپنی تفسیر میں احادیث، آثار صحابہ، اقوال تابعین اور مفسرین کی تفسیروں کا باطل ذکر نہیں کرتے، صرف اپنے ذاتی غورو فکر کا حاصل بیان کرتے ہیں، اقوال مجتہدین سے بحث کرتے ہیں نہ نفسی احکام سے۔

قرآن مجید کی تفسیر کے اصل مآخذ

قرآن مجید کی تفسیر کے چار اہم مآخذ ہیں ان کی تفصیل یہ ہے :

(۱) کسی آیت کی جو تفسیر نبی ﷺ سے منقول ہو لیکن اس میں ضعیف اور موضوع روایات سے احتراز کرنا واجب ہے، اور ایسی روایات بہت زیادہ ہیں، اسی وجہ سے امام احمد نے کہا ہے کہ تین قسم کی کتابوں کی کوئی اصل نہیں ہے، مغازی، ملاحم (میدان ہائے جنگ) اور تفسیر۔

(۲) قرآن مجید کی تفسیر کا دوسرا مآخذ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیان کردہ تفسیر ہے، کیونکہ قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق صحابہ کرام کے اقوال رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے بہ منزلہ ہیں اور تابعین کے اقوال کی طرف رجوع کرنے میں حنبلیہ کے دو قول ہیں، ابن عقیل نے منع کیا ہے، لیکن عام مفسرین کا عمل اس کے برعکس ہے انہوں نے تابعین کے اقوال کو اپنی تفسیروں میں درج کیا ہے، کیونکہ اکثر بیشتر تابعین کے اقوال صحابہ سے سماع پر مبنی ہوتے ہیں۔

(۳) تیسرا مآخذ لغت ہے، کیونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے، امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ میں امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جس شخص کو لغت عرب کا علم نہ ہو اور وہ قرآن مجید کی تفسیر کرے تو میں اس کو عبرتناک سزا دوں گا۔

(۴) چوتھا مآخذ قولہ شرعیہ کے لحاظ سے قرآن مجید کی آیات سے احکام کا استخراج اور معانی کا استنباط ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے حضرت ابن عباس کے لیے دعا کی اور کہا اے اللہ اس کو دین کی فہم عطا فرما اور اس کو تویل کا علم عطا فرما اور حضرت علی نے جو فرمایا تھا، مگر اس میں قرآن مجید کی وہ فہم ہے جو ہر شخص کو دی جاتی ہے، اس سے بھی یہی مراد ہے اور بغیر کسی اصل اور قاعدہ کے محض رائے اور اجتہاد سے قرآن مجید کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (الاسراء: ۲۶) اور جس چیز کا تم کو علم نہیں اس کے درپے نہ ہو۔

”اور شیطان تمہیں صرف برے کاموں اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ کے متعلق ایسی باتیں کہنے کا حکم دیتا ہے جو تم

نہیں جانتے۔“ (البقرہ: ۱۷۴)

قرآن مجید کی تفسیر کے لیے ضروری علوم

علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

قرآن مجید کی تفسیر میں علم لغت کی ضرورت ہے کیونکہ علم لغت کے ذریعہ مفہومات قرآن کے وضعی معنی معلوم ہوتے ہیں، اور صرف اور نحو کے قولہ کا علم ضروری ہے کیونکہ اس سے قرآن مجید کی حرکت اور اعراب کا علم ہوتا ہے اور یہ پتا چلتا ہے کہ کون سے اعراب اور حرکت کے لحاظ سے قرآن مجید کا کیا معنی ہے، معنی بیان اور بدیع (فصاحت و بلاغت) کے علم کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے ذریعہ مقتضی حل کے اعتبار سے معنی، حقیقت، مجاز اور کنایات کے مختلف پیرایوں کے اعتبار سے قرآن کے معنی اور حسین کلام کا علم ہوتا ہے، علم حدیث کی ضرورت ہے اس سے اسباب نزول کا علم ہوتا ہے، علم اصول فقہ کی ضرورت

ہے اس سے قرآن مجید کے عام، خاص، مطلق، مقید اور امر اور نہی کی دلالت کا علم ہوتا ہے، علم کلام کی ضرورت ہے تاکہ معلوم ہو اللہ تعالیٰ کے لیے کیا چیز جائز ہے اور کیا محال ہے اور نبی کی صفات اور اس کے مقام کا علم ہو، اور علم قراءات کی ضرورت ہے تاکہ بعض قراءات کے بعض پر رائج ہونے کی وجہ معلوم ہو سکے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ

(۱)

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ

رُكُوعُهَا

رُكُوعُ ۱

سُورَةُ فَاتِحَةُ مَكِّيَّةٌ

اَتَيْنِ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ ۱ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ ۲ مُلِكِ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے ۝ نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ۝ روز جزاء کا

يَوْمِ الدِّينِ ۝ ۳ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ ۴ اهْدِنَا

ایک ہے ۝ (اس پر روگاں) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں ۝ ہم کو

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ ۵ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ ۶

سیدھے راستے پر چلا ۝ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ ۷

نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا ۝

سورہ فاتحہ کے اسماء

سورہ فاتحہ کے بہت اسماء ہیں، اور کسی چیز کے زیادہ اسماء اس چیز کی زیادہ فضیلت اور شرف پر دلالت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ بہت شرف اور مرتبہ والی سورت ہے، ان اسماء کی تفصیل حسب ذیل ہے :

۱۔ فاتحۃ الکلب : فاتحۃ الکلب کے ساتھ اس سورت کو اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ مصحف کا افتتاح اس سورت سے ہوتا ہے، تعلیم کی ابتدا بھی اس سورت سے ہوتی ہے اور نماز میں قراءت کا افتتاح بھی اس سورت سے ہوتا ہے اور ایک قول کے مطابق کتب اللہ کی سب سے پہلے یہی سورت نازل ہوئی تھی۔ اور بہ کثرت احادیث میں تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے اس سورت کو فاتحۃ الکلب فرمایا۔

لام تنفی روایت کرتے ہیں :

حضرت عبید بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے فاتحۃ الکلب کو نہیں پڑھا اس کی

نذر (کال) نہیں ہوئی۔ (جامع تنفی ص ۳۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تحلیات کتب کراچی)

اس حدیث کو امام ابن ماجہ (۱) اور امام احمد (۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

۳۔ ام القرآن : کسی چیز کی اصل اور اس کے مقصود کو ام کہتے ہیں 'اور پورے قرآن کا مقصود چار چیزوں کو ثابت کرنا ہے 'الوہیت (اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات) معلو (مر کر دوبارہ اٹھنا) نبوت اور قضاء و قدر 'سورہ فاتحہ میں الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم کی الوہیت پر دلالت ہے 'اور مالک يوم الدين کی معلو پر دلالت ہے 'ایاک نعبد وایاک نستعین کی اس پر دلالت ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے ہے اور انسان مجبور محض ہے نہ اپنے فعل کا خالق ہے اور اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی نبوت پر دلالت ہے 'کیونکہ اس آیت میں اس راستہ کی ہدایت کی دعا کی گئی ہے جو انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہے اور انعام یافتہ لوگ انبیاء علیہم السلام ہیں۔

نبی ﷺ نے اس سورت کو "ام القرآن" فرمایا ہے : امام دارمی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تالحمد للہ "ام القرآن" ہے 'اور "ام الکتاب" ہے اور "سبع مثلی" ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۳۱۱ مطبوعہ نثرانیہ لبنان)

اور امام مسلم نے حضرت عبید بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأَمِّ الْقُرْآنِ جو ام القرآن نہ پڑھے اس کی نماز کامل نہیں ہے۔ " (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۹۹ مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی ۱۹۷۵ء)

۴۔ سورۃ الحمد : اس سورت کا نام "سورۃ الحمد" بھی ہے کیونکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے 'جیسے سورہ بقرہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سورت میں بقرہ کا ذکر ہے 'اسی طرح سورہ اعراف 'سورہ انفال اور سورہ توبہ کے اسماء ہیں نیز مذکور الصدر سنن دارمی کی حدیث میں نبی ﷺ نے اس سورت کو الحمد للہ سے تعبیر فرمایا ہے۔

۵۔ السبع المثلی : قرآن مجید میں ہے :

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي

(الحجر : ۸۷)

امام بخاری نے روایت کیا ہے :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : الحمد للرب العلمین السبع المثلی ہے اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷ مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی ۱۹۷۵ء)

سنن دارمی کی مذکور الصدر حدیث میں بھی نبی ﷺ نے اس سورت کو السبع المثلی فرمایا ہے۔ اس سورت کو السبع اس لیے فرمایا ہے کیونکہ اس میں سات آیتیں ہیں اور مثلی فرمانے کی سبب ذیل وجہ ہیں :

(اول) اس سورت کے نصف میں اللہ تعالیٰ کی ثناء ہے اور نصف میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے۔ (ثانی) ہر دو رکعت نماز میں اس کو دو مرتبہ پڑھا جاتا ہے۔ (ثالث) یہ سورت دو بار تہلیل کی گئی ہے (اربع) اس سورت کو پڑھنے کے بعد نماز میں دو سری سورت کو پڑھا جاتا ہے۔

(۱) امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن مہر متوفی ۲۵۵ھ سنن ابن ماجہ ص ۳۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کتب کراچی

(۲) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۸ مطبوعہ کتب اسلامیہ ص ۸۸

ہم الکتاب : سنن داری کی مذکور الصدر حدیث میں اس سورت کو نبی ﷺ نے ”ام الکتاب“ فرمایا ہے اور صحیح بخاری میں ہے حضرت ابو سعید خدری نے ایک شخص پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا جس کو بچھونے کاٹا ہوا تھا اور کہا میں نے صرف ام الکتاب پڑھ کر دم کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی ۱۳۸۱ھ)

۶۔ **الوافیہ :** سفیان بن عیینہ نے اس کا نام سورہ وافیہ رکھا، کیونکہ صرف اس سورت کو نماز میں آدھا، آدھا کر کے نہیں پڑھا جاسکتا، لیکن یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سورہ الکوتر کو بھی ایک رکعت میں آدھا آدھا کر کے نہیں پڑھا جاسکتا لہذا یوں کہنا چاہیے کہ اس سورت کے مضامین جامع اور وافی ہیں اس لیے اس کو وافیہ کہا جاتا ہے۔

۷۔ **الکافیہ :** اس سورت کو کافیہ اس لیے کہتے ہیں کہ دوسری سورتوں کے بدلہ میں اس سورت کو پڑھا جاسکتا ہے اور اس سورت کے بدلہ میں کسی سورت کو نہیں پڑھا جاسکتا۔ حضرت عبید بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ”ام القرآن“ دوسری سورتوں کا عوض ہے اور دوسری کوئی سورت اس کا عوض نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۹۰، الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۳)

۸۔ **الشفاء :** امام داری روایت کرتے ہیں : حضرت عبدالملک بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : فاتحہ الکتاب ہر بیماری کی شفاء ہے۔ (سنن داری ج ۲ ص ۳۲۰، مطبوعہ نثرانت ملتان)

امراض جسمانی بھی ہیں اور روحانی بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا ہے فی قلوبہم مرض (البقرہ : ۱۰) ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ اور اس سورت میں اصول اور فروع کا ذکر ہے، جن کے تقاضوں پر عمل کرنے سے روحانی امراض میں شفاء حاصل ہوتی ہے اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی ثناء اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے جس سے جسمانی اور دیگر ہر قسم کی بیماریوں سے شفاء حاصل ہوتی ہے۔

۹۔ **سورۃ الصلوۃ :** نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس سورت پر صلوۃ کا اطلاق کیا ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے :

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نماز (سورہ فاتحہ) کو میرے اور میرے بندہ کے درمیان آدھا، آدھا تقسیم کیا گیا ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سول کہے پس جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العلمین تو میں کہتا ہوں بندہ نے میری حمد کی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۰-۱۷۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی ۱۳۷۵ھ)

۱۰۔ **سورۃ الدعاء :** یہ سورت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے شروع ہے، پھر بندہ کی عبادت کا ذکر ہے پھر اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم پر ہدایت قدم رہنے کی دعا ہے اور دعا اور سول کا یہی اسلوب ہے کہ پہلے داتا کی حمد و ثناء کی جائے پھر دست طلب بوحلیا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی ہے پھر اپنے لیے دعا کی ہے :

وہ جس نے مجھے پیدا کیا تو وہی مجھے ہدایت دے گا۔ اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں تو وہی مجھے شفا دے گا۔ اور وہی مجھے وفات دے گا اور پھر زندہ فرمائے گا۔ اور اسی سے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن وہی میری (ظاہری یا باطنی) خطائیں

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ۝ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ۝ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۝ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِيَنِي ۝ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۝ رَبِّ

هَبْ لِي حُكْمًا وَالْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ ۝ وَاجْعَلْ
لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ۝ وَاجْعَلْنِي مِنْ
وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۝

(الشعراء: ۸۵-۸۷)

وے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی :

فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيَّتِي فِي
الْغَنِيِّ وَالْآخِرَةِ ۚ تَوْفَّنِي مُسْلِمًا ۚ وَالْحَقْنِي
بِالصَّالِحِينَ (یوسف : ۳۱)

اے آسمانوں اور زمینوں کو ابتدا پیدا کرنے والے 'تو ہی دنیا
اور آخرت میں میرا کارساز ہے' میری وقت اسلام پر کر اور مجھے
نیکیوں کے ساتھ لاحق کر دے۔

سودا کا یہی طریقہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے پھر اس سے سوال کیا جائے 'اور سورہ فاتحہ میں اسی طریقہ سے
دعا کرنے کی تعلیم دی ہے' اس لیے اس کو سورہ دعا کہتے ہیں۔

علامہ بقائی نے ان اسماء کے علاوہ سورہ فاتحہ کے اسماء میں اس 'کنز' و 'ایقہ' رقیہ اور شکر کا بھی ذکر کیا ہے۔

علامہ بقائی نے ان اسماء میں نظم اور ربط کو بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں :

فاتحہ کے اعتبار سے ہر نیک چیز کا افتتاح اس سورت سے ہونا چاہئے اور اسم کے لحاظ سے یہ ہر خیر کی اصل ہے اور ہر نیکی کی
اساس ہے اور ثنی کے لحاظ سے دوبار پڑھے بغیر یہ لائق شمار نہیں 'اور کنز کی حیثیت سے یہ ہر چیز کا خزائنہ ہے' ہر بیماری کے لیے
شفاء ہے ہر مہم کے لیے کافی ہے 'ہر مقصود کے لیے کافی ہے واثق کے لحاظ سے ہر ریل کی سے بچانے والی ہے 'رقیہ کے اعتبار سے ہر
آفت نامگنی کے لیے دم ہے اس میں حمد کا اثبات ہے جو صفات مکمل کا احاطہ ہے اور شکر کا بیان ہے جو منعم کی تعظیم ہے اور یہ
بینہ دعا ہے 'جو مطلوب کی طرف توجہ ہے اور ان تمام امور کی جامع صلوة ہے۔ (نظم لہ ررج اص ۲۰۰) مطلوبہ دارالکتب الاسلامی
قاہرہ ۳۳۳)

علامہ آلوسی نے سورہ فاتحہ کے ہائیں اسماء کا ذکر کیا ہے ان میں فاتحہ القرآن، تعلیم المسند، سورۃ السوال، سورۃ النجاة،
سورۃ التنبیض شافیہ، اور سورۃ النور بھی ہیں۔

سورہ فاتحہ کے فضائل

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید بن معلی جریج بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا (اور ان لمنا) نبی ﷺ نے مجھے بلایا میں حاضر نہیں
ہوا میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا : کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا :
اسحبوا اللہ و لیلہ رسولہ ادا دعا کہ (لا تعال : ۳۳) "اللہ اور رسول کے بلانے پر (خوار)" حاضر ہو جاؤ۔ "پھر
فرمایا سنو! میں تم کو مسجد سے باہر نکلنے سے پہلے قرآن کی سب سے عظیم سورت کی تعلیم دوں گا پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا
جب ہم نے باہر نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا میں تم کو قرآن کی سب سے عظیم
سورت کی تعلیم دوں گا آپ نے فرمایا الحمد للہ رب العلمین یہ سچ مثل ہے اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا
ہے۔ (صحیح بخاری ۲۷۵۷) مطلوبہ نور محمد احیاء کرامی ۱۴۳۵ھ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت 'سورت فاتحہ' ہے، اور اس کا نام "الْبِسْمِ الثَّلَاثِي" بھی ہے، اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ اگر نماز کے دوران بلائیں، تب بھی آنا واجب ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے، ہم نے ایک جگہ قیام کیا، ایک لڑکی نے آکر کہا کہ قبیلہ کے سردار کو ایک بچہ نے ڈس لیا ہے اور ہمارے لوگ حاضر نہیں ہیں، کیا تم سے کوئی شخص دم کر سکتا ہے؟ ہم میں سے ایک شخص اس کے ساتھ گیا جس کو اس سے پہلے ہم دم کرنے کی ہمت نہیں لگاتے تھے، اس نے اس شخص پر دم کیا جس سے وہ تندرست ہو گیا، اور اس سردار نے اس کو تیس بکریاں دینے کا حکم دیا، اور ہم کو دودھ پلایا، جب وہ واپس آیا تو ہم نے اس سے پوچھا کیا تم پہلے دم کرتے تھے، اس نے کہا نہیں، میں نے تو صرف ام الکلب (سورہ فاتحہ) پڑھ کر دم کیا ہے، ہم نے کہا اب اس کے متعلق کوئی بحث نہ کرو، حتیٰ کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے متعلق پوچھ لیں، جب ہم مدینہ پہنچے تو ہم نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا، نبی ﷺ نے فرمایا اس کو کیا معلوم کہ یہ دم ہے، (ان بکریوں کو) تقسیم کرو، اور ان میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ پڑھ کر بیمار شخص پر دم کرنا جائز ہے، اس لیے اس سورت کو "سورة الرقية" اور "سورة الشفاء" بھی کہتے ہیں، اور اس حدیث میں یہ تصریح بھی ہے کہ اس سورت کو "ام الکلب" بھی کہتے ہیں، اور یہ کہ قرآن پڑھ کر دم کرنے کی اجرت لینا جائز ہے اور اس میں قرآن مجید اور کتب دینیہ پر اجرت لینے کا بھی جواز ہے، اور اس میں مصحف کو قیمت "فروخت کرنے اور مصحف کی کتبت پر اجرت لینے کا بھی جواز ہے اور یہ کہ استاذ کی تعلیم سے تلمیذ کو جو آمدنی ہو اس میں استاذ کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ اگر یہ سول کیا جائے کہ اب کسی بیمار کو سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا جائے اور وہ شفاء نہ پائے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دم کرنے والے میں روحانیت کی کمی ہے سورہ فاتحہ کے شفاء ہونے میں کوئی کمی نہیں ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے ابی! اور وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، حضرت ابی نے مڑ کر دیکھا اور حاضر نہیں ہوئے، حضرت ابی نے جلدی جلدی نماز پڑھی پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا : السلام علیک یا رسول اللہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : وعلیک السلام اے ابی! جب میں نے تم کو بلایا تھا تو تم کو آنے سے کس چیز نے روکا تھا؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں نماز میں تھا، آپ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے جو میری طرف وحی فرمائی ہے کیا تمہیں اس میں یہ حکم نہیں ملا، استنجیو باللہ وللہ رسول اذا دعاکم لما یحبیکم (الانفال : ۳۳) جب اللہ اور رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندہ کر دے گی تو (فورا) حاضر ہو جاؤ۔ حضرت ابی نے کہا کیوں نہیں؟ اور میں انشاء اللہ دوبارہ ایسا نہیں کروں گا، آپ نے فرمایا کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ میں تم کو ایسی سورت کی تعلیم دوں جس کی مثل تورات میں نہیں ملے گی نہ انجیل میں، نہ زبور میں نہ قرآن میں، میں نے کہا جی! یا رسول اللہ! رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا تم نماز میں کس طرح پڑھتے ہو؟ تو انہوں نے ام القرآن (سورہ فاتحہ) پڑھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اس کی مثل تورات میں نازل ہوئی ہے نہ انجیل میں نہ زبور میں نہ فرقان میں، یہ السبع من المثنائی (دو دو بار پڑھی جانے والی سات آیتیں) ہے اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۰۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام بغوی نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، نیز وہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں :
السبع من المثنائی میں ”من“ زائدہ ہے، اس سے مراد سورہ فاتحہ ہے جس کی سات آیتیں ہیں، اور اس کو مثنی اس لیے کہتے ہیں کہ ہر نماز میں سورہ فاتحہ کو دو بار پڑھا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ مثنی استثناء سے ماخوذ ہے، کیونکہ اس سورت کے ساتھ یہ امت مستثنیٰ ہے۔ اس امت سے پہلی امتوں پر یہ سورت نازل نہیں کی گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ثنا سے ماخوذ ہے، کیونکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ مثنی سے مراد قرآن مجید ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے :

اللَّهُ تَزَلَّ أَحْسَنَ الْحَمْدِ يُثِيبُ كِتَابًا مُنَشَّأً
مَثْنً (الزمر : ۲۳)
اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا، ایسی کتاب جس کی آیتیں آپس میں قشذبہ ہیں بار بار دہرائی ہوئی ہیں۔

تمام قرآن کو مثنی اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں قصص اور امثال کو دہرایا گیا ہے اس تقدیر پر السبع من المثنائی کا معنی ہے قرآن کی سات آیتیں اور ایک قول یہ ہے کہ مثنی سے مراد قرآن مجید کی وہ سورتیں ہیں جس میں سو سے کم آیتیں ہوں۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے نماز باطل نہیں ہوتی، کیونکہ تم السلام علیک ایہا النبی کہہ کر نماز میں حضور سے خطاب کرتے ہو، جب کہ کسی اور کے ساتھ نماز میں خطاب کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (شرح السنہ ج ۳ ص ۵۰۵)

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے اور میرے بندے کے درمیان صلوة (سورہ فاتحہ) کو ”آدھا“ ”آدھا“ تقسیم کر دیا گیا ہے، اور میرے بندے کے لیے وہ چیز ہے جس کا وہ سوا کرے، اور جب بندہ کہتا ہے الحمد لله رب العلمین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد کی، اور جب وہ کہتا ہے الرحمن الرحیم تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثناء کی، اور جب وہ کہتا ہے مالک يوم الدين تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعظیم کی، اور ایک بار فرمایا میرے بندے نے (خود) کو میرے سپرد کر دیا، اور جب وہ کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے، اور میرے بندے کے لیے وہ چیز ہے جس کا وہ سوا کرے، اور جب وہ کہتا ہے اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المعصوب علیہم ولا الضالین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ چیز ہے جس کا وہ سوا کرے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث میں سورہ فاتحہ کا ذکر ہے اور اس کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ذکر نہیں ہے اس

سے علامہ اسحاق لور علامہ ماکہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے لور یہ ان کی بہت قوی دلیل ہے فقہاء شافعیہ نے اس کے جواب میں جو تعلیقات کی ہیں وہ بہت ضعیف ہیں، ہم نے شرح صحیح مسلم جلد اول میں ان کا ذکر کر کے ان کا رد کیا ہے۔

لام نسائی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس وقت جبرائیل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے لور کی جانب سے ایک چڑھ اہٹ کی آواز سنی، حضرت جبرائیل نے کہا یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج کھولا گیا ہے لور آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس دروازہ سے ایک فرشتہ نازل ہوا، حضرت جبرائیل نے کہا یہ فرشتہ جو زمین کی طرف نازل ہوا ہے یہ آج سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا تھا، اس فرشتہ نے آکر سلام کیا لور کہا آپ کو دو نوروں کی بشارت ہو جو آپ کو دیئے گئے ہیں لور آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے، (ایک نور) فاتحہ الکتاب ہے لور (دوسرا) سورہ بقرہ کی آخری آیتیں ہیں، ان میں سے جس حرف کو بھی آپ پڑھیں گے وہ آپ کو دے دیا جائے گا۔

(سنن نسائی ج ۵ ص ۳۳-۳۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

لام داری روایت کرتے ہیں :

عبد الملک بن عمیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : فاتحہ الکتاب سے ہر بیماری کی شفاء

ہے۔ (سنن داری ج ۲ ص ۳۲۰، مطبوعہ نشر الاستاذین)

حافظ نور الدین دمشقی بیان کرتے ہیں :

حضرت ابو زید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا، آپ نے ایک شخص کی آواز سنی جو تہجد کی نماز میں ام القرآن (سورہ فاتحہ) پڑھ رہا تھا، نبی ﷺ کھڑے ہو کر اس سورت کو سنتے رہے حتیٰ کہ اس نے وہ سورت ختم کر لی آپ نے فرمایا قرآن میں اس کی مثل (لور کوئی سورت) نہیں ہے، لام طبرانی نے اس حدیث کو معجم لوسط میں روایت کیا ہے، اس کی سند میں ایک رلوی حسن بن رنار ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۱۰، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابو ہریرہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن فاتحہ الکتاب (سورہ فاتحہ) نازل ہوئی، اس دن ابلیس بہت رویا تھا،

لور یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس حدیث کو لام طبرانی نے معجم لوسط میں روایت کیا ہے لور اس کی سند صحیح

ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۱۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

سورہ فاتحہ کا مقام نزول

سورہ فاتحہ کے نزول کے حلق متحد روایات ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی

ہے لور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے، اس لیے محققین کا یہ موقف ہے کہ یہ سورت دو

بار نازل ہوئی ہے ایک بار مکہ میں لور ایک بار مدینہ میں۔ علامہ سیوطی نے ان تمام روایات کو جمع کر دیا ہے۔

علامہ سیوطی کہتے ہیں :

واللہ اعلم بالصواب نزول میں لور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں حضرت علی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ میں

ایک خزانہ سے نازل ہوئی ہے جو عرش کے نیچے ہے۔

لام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں لور ابو نعیم اور بیہقی دونوں نے اپنی اپنی دلائل النبوة لور واحدی لور ثعلبی نے ازبلی میسرو از عمرو بن شریل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو میں ایک آواز سنتا ہوں بہ خدا مجھے یہ خدشہ ہے کہ یہ کوئی عجیب و غریب چیز ہے، حضرت خدیجہ نے کہا معذرتاً اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ایسا نہیں کرے گا، بہ خدا آپ لانت کو لو اکرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں لور سچ بولتے ہیں، اسی اثناء میں حضرت ابو بکر آئے اس وقت گھر میں رسول اللہ ﷺ نہیں تھے، حضرت خدیجہ نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا، لور کہا آپ (سیدنا) محمد (ﷺ) کے ساتھ ورقہ کے پاس جائیں، جب رسول اللہ ﷺ آئے تو حضرت ابو بکر نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ ورقہ کے پاس چلیں، آپ نے پوچھا تم کو کس نے بتایا؟ انہوں نے کہا حضرت خدیجہ نے، پھر دونوں ورقہ کے پاس گئے، لور اس کو واقعہ سنیا، آپ نے فرمایا جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو مجھے اپنے پیچھے سے آواز آتی ہے یا محمد، یا محمد تو میں بھاگنے لگتا ہوں، ورقہ نے کہا آپ ایسا نہ کریں، جب آپ کے پاس یہ آواز آئے تو آپ ٹھہرے رہیں لور سنیں کہ وہ کیا کہتا ہے، پھر مجھے آکر بتائیں، پھر جب آپ خلوت میں تھے تو آپ کو آواز آئی یا محمد کیسے بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العلمین لور اس کو لا الضالین تک پڑھا، لور کہا کیسے لا الہ الا اللہ پھر آپ ورقہ کے پاس گئے لور اس کو یہ واقعہ سنیا، ورقہ نے کہا آپ کو بشارت ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جس کے آنے کی ابن مریم کو بشارت دی گئی تھی، لور آپ کے پاس حضرت موسیٰ کے ناموس کی مثل ہے، لور آپ نبی مرسل ہیں۔ لام ابو نعیم نے دلائل النبوة میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب بنو سلمہ کے جوہن مسلمان ہوئے لور عمرو بن جموح کا بیٹا مسلمان ہوا تو عمرو کی بیوی نے عمرو سے کہا: تم اپنے بیٹے سے پوچھو وہ اس شخص سے کیا روایت کرتے ہیں؟ عمرو نے اپنے بیٹے سے کہا مجھے اس شخص کا کلام سنو تو اس کے بیٹے نے پڑھا الحمد للہ رب العلمین لور الصراط المستقیم تک پڑھا، اس نے کہا یہ کتنا حسین لور جمیل کلام ہے، کیا اس کا سدا کلام اسی طرح ہے؟ اس کے بیٹے نے کہا اے لہا اس سے بھی زیادہ حسین ہے، لور یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے ان تینوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

لام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں ابو سعید بن اعرابی نے معجم میں لور طبرانی نے لوسط میں مجاہد کی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب فاتحہ الکلب نازل ہوئی تو ابلیس خوب رویا لور یہ منہ میں نازل ہوئی تھی۔ دیکھ لور فریابی نے اپنی تفسیروں میں ابو سعید نے "فضائل قرآن" میں "لام ابن ابی شیبہ نے مصنف" میں "مہد بن حید لور ابن منذر نے اپنی تفسیر میں ابو بکر بن عبدی نے "کتاب المصنف" میں "ابو الشیخ نے "المعتمد" میں لور ابو نعیم نے "طیہ" میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ فاتحہ الکلب منہ میں نازل ہوئی ہے۔

دیکھ لور ابن ابی تفسیر میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ فاتحہ الکلب منہ میں نازل ہوئی ہے۔

(لور النشران اص ۳، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ انجمنی امین)

ان تینوں روایاتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ منہ میں نازل ہوئی ہے۔

سورہ فاتحہ کے مضامین

اس پر تاحیات برقرار رکھے اور آخرت میں عذاب سے نجات، جنت، نعیم، اپنی خوشنودی، رضا اور دیدار عطا فرمائے۔ سورہ فاتحہ میں ان تمام مضامین کا ماحول، اختصار اور اشارات سے بیان کر دیا گیا ہے۔

(۱) سورہ فاتحہ کے شروع میں فرمایا الحمد لله رب العلمین ”تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے“ یعنی حمد کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، کیونکہ وہی تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی اپنی پرورش سے ان کو بقی رکھے ہوئے ہے، آسمان، زمین، پہاڑ، سمندر، جملات، نباتات، حیوانات، انسان اور جن یہ سب اپنے وجود میں کسی موجد کے اور اپنی بقا میں کسی رب کے محتج ہیں، اور یہ سب ممکنات ہیں، اس لیے ان کو پیدا کرنے والا اور ان کو بقی رکھنے والا ممکن نہیں ہو سکتا کیونکہ ممکن تو پھر انہی کی طرح اپنے وجود اور بقاء میں محتج ہو گا، اس لیے ضروری ہے کہ ان کا موجد اور ان کا رب واجب بالذات ہو، اور واجب بالذات صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہی تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ان کی پرورش کرنے والا ہے، اس کائنات رنگ و بو میں جو حسن اور کمال ہے وہ اسی کا دیا ہوا ہے، اور حمد حسن اور کمال پر ہوتی ہے تو تمام حمد کا وہی مستحق ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لائق ہیں اس آیت میں جملہ یہ بتایا ہے کہ تعریف کا مستحق صاحب کمال نہیں ہے خالق کمال ہے، وہی یہ بھی بتا دیا ہے کہ تمام کائنات کا خالق اور مہی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ قرآن کا وہ پہلا مضمون ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

(۲) سورہ فاتحہ کی چھٹی آیت میں ہے صراط الذین انعمت علیہم ”ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔“

اور جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ان کا بیان اس آیت میں ہے :

أَنعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ
وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ (النساء : ۶۹)
جن پر اللہ نے انعام کیا وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔

نیز فرمایا :

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ
ذُرِّيَّةِ آدَمَ (مريم : ۵۸)
جن پر اللہ نے انعام کیا وہ نسل آدم سے انبیاء ہیں۔

قرآن مجید کا وہ سراہم مضمون نبوت ہے اور اس کی طرف اشارہ صراط الذین انعمت علیہم میں ہے۔

(۳) قرآن مجید کا تیسرا اہم مضمون مہلت ہے، اور اس کا ذکر ابابک نعبد ”ہم تیری ہی مہلت کرتے ہیں“ میں ہے۔

(۴) وعدہ اور وعید کی طرف اشارہ مالک یوم الدین میں ہے۔

(۵) گزشتہ امتوں کے واقعات اور مثالیں، نیکیوں پر انعام اور بد کردوں پر غضب اور عذاب، اس کی طرف اشارہ چھٹی اور

ساتویں آیت صراط الذین انعمت علیہم غیر المعصوب علیہم ولا الضالین میں ہے۔

(۶) مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور مومنین کے لیے جزاء اور کفار کے لیے سزا کی طرف اشارہ بھی مالک یوم

الدین میں ہے۔

(۷) قرآن مجید کا بہت اہم مضمون اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ہے، اور اس سورت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کس

طرح دعا کی جائے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے، جس کا ذکر الحمد لله رب العلمین

الرحمن الرحیم میں ہے پھر خضوع اور خشوع کا اظہار کیا جائے جس کا ذکر ابابک نعبد و ابابک نستعین میں

ہے پھر اپنے محو اور احتیاج کو بیان کیا جائے جس کا بیان ایسا کہ بعد وایا کہ نستعین میں ہے۔ پھر حرف مدعا زبان پر لیا جائے اور اس سے مانگا جائے "نیز یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ سے کیا مانگا جائے اور کیا نہ مانگا جائے تو بتلایا اس سے صراط مستقیم پر برقرار رہنے کی ہدایت مانگو وہ راستہ جو اللہ تعالیٰ کے انعام یافتگان کا راستہ ہے نہ ان کا راستہ جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا اور نہ گمراہوں کا پھر جیسے ہی ہدایت کی دعا ختم ہوتی ہے تو اس کے جواب میں فوراً "ہدایت آ جاتی ہے الم ○ ذالک الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين یعنی تم نے ہم سے ہدایت مانگی تھی تو یہ پوری کتاب تمہارے لیے ہدایت ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ سے دعا کرو گے تو اس دعا کی استجاب یقینی ہے۔

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
میں شیطان مردود (کے وسوسوں) سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں

اموذ باللہ کے مفہومات کے معنی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (النحل : ۹۸)
پس جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔

استعذہ کا معنی ہے کسی ناپسندیدہ چیز سے بچنے کے لیے کسی چیز کی پناہ میں آنا، شیطان کا لفظ شطن سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے خیر سے دور ہونا، شیطان کو شیطان اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا، ایک قول یہ ہے کہ شیطان شیط سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے ہلاک ہونا، اس بناء پر شیطان کو شیطان اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب میں ہلاک ہو گیا، رجیم کا لفظ رجم سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے سنگسار کرنا، قتل کرنا، لعنت کرنا اور دھکارنا چونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان پر لعنت کی ہے اس کو دھکار کر رہا ہوا کہہ کر دیا ہے اس وجہ سے اس کو رجیم کہتے ہیں۔

اموذ باللہ کے صرف اور اعراب کا بیان

شیطان صفت شب کا صیغہ ہے، اگر یہ شیط سے بنا ہے تو اس کا وزن فعلان ہے اور اگر یہ شطن سے بنا ہے تو اس کا وزن فاعل ہے رجیم فاعل کے وزن پر صفت شب کا صیغہ ہے اور مفعول کے معنی میں ہے، اس کا معنی ہے راندہ ہوا، دھکارا ہوا۔

"من" ابتداء کے لیے ہے اور جار مجرور اموذ کے متعلق ہے اس کا معنی ہے میں شیطان رجیم سے پناہ مانگنے کی ابتدا اللہ سے کرتا ہوں، اور یہ من سیہ بھی ہو سکتا ہے، اور اس کا معنی ہو گا شیطان رجیم کے سبب سے میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

نماز اور غیر نماز میں اموذ باللہ پڑھنے کے متعلق احادیث

لام اہود تود ہدایت کرتے ہیں :

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز میں قیام کرتے تو اللہ اکبر کہتے پڑھتے :

سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک پھر تین مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھتے پھر تین مرتبہ اللہ اکبر کبیرا اعوذ باللہ السميع العليم من الشیطان الرجیم من همزہ ونفخہ ونفشہ (میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں جو بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے شیطان رجیم کے مجنون کرنے اس کے تکبر اور اس کے شر سے) اس کے بعد آپ قرأت کرتے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

اس حدیث کو امام عبدالرزاق (۱) اور امام بیہقی (۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نماز شروع کرتے تو فرماتے : اللہم انی اعوذ بک من الشیطان الرجیم من همزہ ونفخہ ونفشہ (المصنف ج ۱ ص ۳۳۸ مطبوعہ لواء القرآن کراچی ۱۳۰۶ھ)

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں :

عطا نے کہا اموز ہلثہ پڑھتا ہر قرأت میں واجب ہے خواہ وہ قرأت نماز میں ہو یا غیر نماز میں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : ”پس جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔“ (النمل : ۹۸) ابن جریج نے کہا ہاں میں پڑھتا ہوں بسم اللہ الرحمن الرحیم اعوذ باللہ السميع العليم الرحمن الرحیم من الشیطان الرجیم واعوذ بک رب ان يحضرون او يدخلوا بینی الذی یووننی عطا نے کہا یہ پڑھتا بھی تمہیں کفایت کرے گا لیکن تم اموز ہلثہ من الشیطان الرجیم سے زیادہ نہ پڑھا کرو۔

(المصنف ج ۱ ص ۸۳ مطبوعہ کتب اسلامی صحت ۱۳۴۰ھ)

مکن بن ابی العاص بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! میرے نور میری طلوت قرآن کے درمیان شیطان مائل ہو جاتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا اس شیطان کا نام خنزب ہے تم جب اس کو محسوس کرو تو اموز ہلثہ من الشیطان الرجیم پڑھو اور ہائیں جب تین بار تھو کو۔

(المصنف ج ۱ ص ۸۵ مطبوعہ کتب اسلامی صحت ۱۳۴۰ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قرآن مجید پڑھنے سے پہلے اموز ہلثہ من الشیطان الرجیم پڑھتے تھے۔ (المصنف ج ۱ ص ۸۶ مطبوعہ کتب اسلامی صحت ۱۳۴۰ھ)

ابراہیم نے کہا ہر چیز سے پہلے اموز ہلثہ من الشیطان الرجیم پڑھنا کافی ہے۔

(المصنف ج ۱ ص ۸۵ مطبوعہ کتب اسلامی صحت ۱۳۴۰ھ)

نماز میں اموز ہلثہ پڑھنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب

طامہ قرطبی مائل نکلتے ہیں :

(۱) امام عبدالرزاق بن حنبل رحمہ اللہ (المصنف ج ۱ ص ۳۳۸ مطبوعہ کتب اسلامی صحت ۱۳۴۰ھ)

(۲) امام ابو بکر محمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۲۵۵ مطبوعہ قرأتی مکتبہ)

لام مالک فرض نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں، اور ترلوت میں پڑھنے کے قائل ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۸۶، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

علامہ درودیرماکی لکھتے ہیں :

نفل نماز میں سورہ فاتحہ سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا (بلا کرہت) جائز ہے اور فرض نماز میں مکروہ ہے۔

(الشرح الکبیر علی حاشیہ لدسوتی ج ۱ ص ۲۵۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں :

نماز میں قرأت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت ہے، حسن، ابن سیرین، عطاء، ثوری، لوزاعی، شافعی اور اصحاب رائے کا یہی نظریہ ہے، لام مالک نے کہا نماز میں قرأت سے پہلے اعوذ باللہ نہ پڑھے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نماز کو الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(المغنی ج ۱ ص ۳۴۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں اعوذ باللہ اور بسم اللہ کو جبراً نہیں پڑھتے تھے۔ سراً پڑھتے تھے اور جبراً قرأت الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے تھے تاکہ اس روایت کا ان احادیث سے تعارض نہ ہو جس میں قرأت قرآن سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنے کی تصریح ہے۔

نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں :

دعاء استخار (سجاء اللهم) کے بعد اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنا مستحب ہے، ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ اعوذ باللہ السبع العظیم من الشیطن الرجیم پڑھے، اور ہر اس لفظ کا پڑھنا جائز ہے جس سے یہ معنی حاصل ہو، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نماز سری ہو یا جہری اس کو سراً پڑھے، ایک قول یہ ہے کہ جہری نماز میں جبراً پڑھے، ایک قول یہ ہے کہ پڑھنے والے کو اختیار ہے، ایک قول یہ ہے کہ مستحب یہ ہے کہ قلحاً آہستہ پڑھے، نیز مذہب یہ ہے کہ ہر رکعت میں اعوذ باللہ پڑھے اور پہلی رکعت میں پڑھنا زیادہ موکد ہے، لام شافعی نے اس کی تصریح کی ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۴۶، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ)

نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

علامہ علاء الدین سبکی حنفی لکھتے ہیں :

جب نماز میں قرأت شروع کرے تو اعوذ باللہ پڑھے، اگر سورہ فاتحہ مکمل پڑھنے کے بعد اس کو اعوذ باللہ پڑھنا یاد آیا تو اب اس کو چھوڑ دے اور اگر سورہ فاتحہ کے دوران اس کو یاد آیا تو اعوذ باللہ پڑھے اور از سر نو سورہ فاتحہ پڑھے، اور جب شکر استلو کو قرآن مجید سنائے تو اس وقت اعوذ باللہ نہ پڑھے۔ یعنی اس وقت پڑھنا سنت نہیں ہے، جب مسبوق اپنی بقیہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو تو قرأت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھے، لام عید کی نماز میں تکبیرات عید کے بعد اعوذ باللہ پڑھے کیونکہ تکبیرات عید کے بعد قرأت شروع ہوتی ہے اور عید علی حاشیہ بدائع الصالحات ج ۱ ص ۳۲۸-۳۲۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن عبدین شامی حنفی لکھتے ہیں :

اگر سورہ فاتحہ کے دوران اس کو اعوذ باللہ پڑھنا یاد آیا تو اب سورہ فاتحہ کو دوبارہ اعوذ باللہ کے ساتھ پڑھنا درست نہیں ہے، کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ سنت کی وجہ سے فرض (قرات) کو چھوڑ دیا جائے، نیز اس سے واجب کا ترک کرنا بھی لازم آئے گا کیونکہ سورہ فاتحہ یا اس کے اکثر حصہ کو دوبارہ پڑھنا سجدہ سو کا موجب ہے، اور فقیہ ابو جعفر نے نو لور میں ذکر کیا ہے کہ نمازی نے اللہ اکبر پڑھنے کے بعد اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھی اور ثناء پڑھنا بھول گیا تو اب ثناء پڑھے اس طرح اگر اس نے اللہ اکبر کے بعد قرات شروع کر دی اور ثناء، اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو اب ان کو دوبارہ نہ پڑھے کیونکہ ان کا محل فوت ہو گیا اور اس پر سجدہ سو نہیں ہے، اس کو زہدی نے ذکر کیا ہے۔ (خلاصہ یہ ہے کہ علامہ حنفی کا یہ کہنا درست نہیں کہ اگر اعوذ پڑھنا بھول گیا اور سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کر دی تو اعوذ پڑھ کر از سر نو سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کرے) ذخیرہ میں یہ مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے اور اس سے اس کا مقصد قرآن مجید کی تلاوت ہو تو اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھے اور اگر حصول برکت کے لیے بسم اللہ پڑھتا ہے تو پھر اس سے پہلے اعوذ باللہ نہ پڑھے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب کوئی شخص شکر لیا کرنے کی نیت سے الحمد للہ رب العالمین پڑھتا ہے تو پھر اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر قرآن مجید کی تلاوت کا قصد کرتا ہے تو پھر اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا ضروری ہے۔ یہ قاعدہ پڑھنے کے اعتبار سے ہے افضل کے لیے یہ قاعدہ نہیں ہے اس لیے بیت الخلاء جانے سے پہلے اعوذ باللہ من الجنٹ والنجاسٹ پڑھنا اس قاعدے کے متعلق نہیں ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۲۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں :

نماز میں ثناء کے بعد اعوذ باللہ پڑھنا جمہور علماء کے نزدیک سنت ہے۔ ثوری اور عطاء نے یہ کہا ہے کہ یہ واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنے کا حکم دیا ہے اور امر واجب کے لیے ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ قول اجتماع کے خلاف ہے۔ اعوذ باللہ پڑھنے کے محل میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا محل ثناء کے بعد ہے اور یہ قرات کے تلح نہیں ہے، لہذا جو شخص بھی ثناء پڑھے گا وہ اعوذ باللہ پڑھے گا، کیونکہ اعوذ باللہ پڑھنا دفع دوسرے کے لیے ہے اور دفع دوسرے کے سب ممکن ہیں، لہذا امام اور منقول جس طرح ثناء کے بعد اعوذ باللہ پڑھیں اسی طرح مقتدی بھی پڑھے اور عید کی نماز میں بھی امام اس کو ثناء کے بعد پڑھے نہ کہ تکبیرات کے بعد، اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اعوذ باللہ پڑھنا قرات کے تلح ہے لہذا جو شخص تلاوت قرآن کرے گا وہی اعوذ باللہ پڑھے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ”جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔“ اور مقتدی چونکہ قرات نہیں کرتا اس لیے وہ اعوذ باللہ نہیں پڑھے گا اور امام اور منقول جو ثناء کرتے ہیں اس لیے وہ اعوذ باللہ پڑھیں گے اسی طرح عید کی نماز میں چونکہ قرات تکبیرات کے بعد شروع ہوتی ہے اس لیے تکبیرات کے بعد اعوذ باللہ پڑھی جائے گی۔ فتاویٰ قاضی خاں، بدایہ اس کی شروع، کفای، اختیار اور اکثر کتابوں میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول کو ترجیح دی ہے کہ اعوذ باللہ پڑھنا قرات کے تلح ہے اور ہذا بھی یہی قاعدہ ہے۔ (فتاویٰ المستمل ص ۳۴، مطبوعہ سبیل الہدی لاہور ۱۳۸۴ھ)

نیز علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں :

”دوسری رکعت میں ثناء پڑھے گا، اعوذ باللہ پڑھے گا کیونکہ ان کا محل اول صلوٰۃ اور اول قرات ہے، اگر یہ اعتراض کیا

جائے کہ دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے اعوذ باللہ نہ پڑھنے سے امام ابو یوسف کی تائید ہوتی ہے کہ اعوذ باللہ پڑھنا ثناء کے تابع ہے اور جب دوسری رکعت میں ثناء نہیں پڑھی جائے گی تو اعوذ باللہ بھی نہیں پڑھی جائے گی، اگر یہ قرأت کے تابع ہوتی جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے تو دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے اعوذ باللہ کو بھی پڑھا جاتا، سو اس طریقہ میں امام ابو یوسف کے قول پر عمل ہے حالانکہ تمہارے نزدیک امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا قول مختار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب نمازی نے ایک مرتبہ قرأت سے پہلے اعوذ باللہ کو پڑھ لیا اور قرأت کے درمیان میں کسی اجنبی فعل کو داخل نہیں کیا تو اس کے لیے دوبارہ اعوذ باللہ پڑھنا سنت نہیں ہے اور افضل نماز، قرأت کے حق میں اجنبی نہیں ہیں کیونکہ نماز کے اعتبار سے تمام افضل واحد ہیں، لہذا اس کی قرأت کے دوران کوئی اجنبی فعل خلل انداز نہیں ہوا، اس لیے اب اعوذ باللہ کا تکرار مسنون نہیں ہے۔ (غنیۃ المستمل ص ۳۳۳، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۳۳ھ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

بائے بسم اللہ کا معنی

عربی زبان میں باء متعدد معانی کے لیے آتی ہے اور اس میں تفصیل ہے کہ بسم اللہ میں باء کس معنی میں ہے، علامہ زعفرانی کی تحقیق یہ ہے کہ بسم اللہ میں باء مصابحت اور ملاہت کے لیے ہے یعنی شروع کرنے کا فعل اللہ تعالیٰ کے نام سے ملاہت ہے اور اس کے نام کے ساتھ شروع ہے، جیسے کہتے ہیں کنیت باللقلم میں نے قلم کے ساتھ لکھا، یا اس کا معنی ہے حبر کا بسم اللہ اقرء، اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے میں پڑھتا ہوں، یا شروع کرتا ہوں۔ (۱) اور علامہ بیضوی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ باء استعانت کے لیے ہے، یعنی اللہ کے نام کی مدد سے میں شروع کرتا ہوں۔

(انوار التنیل علی حاشیہ معانی القاضی ج ۱ ص ۳۸، مطبوعہ بیروت)

بعض علماء نے یہاں فعل امر مقدر کیا ہے، یعنی اللہ کے نام سے ہی شروع کرو۔

فصل کو بسم اللہ کے بعد مقدر کرنے کی وجہ

اس فصل کو بسم اللہ سے پہلے مقدر نہیں کیا بلکہ بسم اللہ کے بعد مقدر کیا ہے یعنی بسم اللہ اقرء یا اشرع اللہ کے نام سے ہی میں شروع کرتا ہوں یا پڑھتا ہوں، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ فعل کو بسم اللہ کے بعد مقدر ماننے سے عربی قواعد کے مطابق حصر ہو جائے گا اور معنی ہو گا اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں، مشرکین کسی اہم کام کو بتوں کے نام سے شروع کرتے تھے اور جب ہم کہیں گے اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں تو اس سے ان مشرکین کا رد ہو گا، جیسے قرآن مجید میں ہے ایاک نعبد اس میں بھی فعل کو موخر ذکر کیا ہے تاکہ حصر مستغلو اس کا معنی ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ مقدم اس کو کیا جاتا ہے جو اہم ہو اور اللہ تعالیٰ کے نام اور ہمارے فعل ان دونوں میں اہم اللہ تعالیٰ کا نام ہے، اس لیے فعل کو موخر اور اللہ تعالیٰ کے نام کو مقدم ماننا چاہئے، تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بندہ کے تذلل کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر ہو اور پھر ہمارے کام کا ذکر ہو، چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ ترتیب

(۱) علامہ جلال الدین محمد بن عمر زعفرانی حنفی عالم دین، مشفق، جامع، ۲، مطبوعہ مطبعہ بیضوی، ۱۴۳۳ھ

نفس الامر اور واقع کے بھی مطابق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام پہلے ہے ہم اور ہمارا فعل بعد میں ہے پانچویں وجہ یہ ہے کہ انبیاء سابقین نے بعض مواقع پر پہلے اپنا ذکر کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کا اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے ہر موقع پر پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لیا، پھر اپنا نام لیا، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ان معی ربی (الشعراء: ۳) ”بے شک میرے ساتھ ہے میرا رب“ اور سیدنا محمد ﷺ نے فرمایا: ان اللہ معنا (التوبہ: ۴۰) ”بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے“ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی طرف خط لکھا:

اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَلَئِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (النمل: ۳۰)

بے شک یہ (خط) سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک یہ اللہ کے نام سے ہے جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے حرقل کی طرف خط لکھا:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم (سیدنا) محمد عبد اللہ و رسولہ کی جانب سے روم کے بادشاہ حرقل کے نام“ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵) اور صلنامہ حدیبیہ میں لکھوایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ وہ ہے جس کا (سیدنا) محمد رسول اللہ (ﷺ) نے فیصلہ کیا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۹)

سو اگر فعل کو بسم اللہ سے پہلے مقدار مانا گیا تو حضرت موسیٰ اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی اتباع ہوگی۔ اور اگر بسم اللہ کے بعد فعل کو مقدار مانا گیا تو سیدنا محمد ﷺ کی اتباع ہوگی اور چھٹی وجہ یہ ہے کہ بسم اللہ کے بعد فعل کو مقدار ماننا کلام اللہ کے مطابق ہے کیونکہ قرآن مجید میں فعل کا ذکر بسم اللہ کے بعد ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرَهَا وَمَنْسَهَا (هود: ۲۱)

ہم نے بسم اللہ کا ترجمہ کیا ہے: اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) اس میں لفظ اللہ کو پہلے ذکر کر کے ان وجوہ کی طرف اور ”ہی“ سے حصر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بسم اللہ میں اسم کا الف حذف کرنے کی وجہ مشہور نحوی فراء لکھتے ہیں:

تمام مصاحف کے لکھنے والوں اور قراء کا اس پر اجماع ہے کہ بسم اللہ میں اسم کا الف محذوف ہے اور فسیح باسم ربک العصبیہ (الواقعة: ۵۴) میں الف کو برقرار رکھا گیا ہے کیونکہ سورتوں اور دیگر کتابوں کی ابتدا میں بسم اللہ کی جگہ معروف ہے اور پڑھنے والا اس کے معنی سے متوقف نہیں ہے اور اس کے الف کو پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے اس کو حذف کر دیا کیونکہ عرب کا طریقہ اختصار اور کثیر الاستعمال لفظ کے حروف کو کم کرنا ہے۔ بشرطیکہ اس کا معنی معروف ہو اور فسیح باسم ربک میں الف کو برقرار رکھا گیا ہے کیونکہ بسم اللہ کی بہ نسبت باسم ربک کا استعمال بہت کم ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ کائنات اپنے ذوق کرنے بلکہ ہر نیک کام سے پہلے بسم اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(مغنی المرقبین ص ۱۵۰)

علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ اسم کا الف جو حذف کیا گیا ہے اس کے عوض ہائے بسم اللہ کو لہا کر کے لکھا جاتا ہے۔

لفظ اللہ کا معنی اور اس کے وصف یا علم ہونے کی تحقیق

علامہ کی بنی علی طالب لکھتے ہیں :

لفظ اللہ اصل میں ”للاہ“ ہے پھر اس پر الف لام داخل کیا گیا تو ”لالاہ“ ہو گیا، پھر تخفیفاً ”الف“ کو حذف کیا اور اس کی حرکت پہلے لام پر داخل کر دی اور پہلے لام کا دو سرے لام میں لوغام کر دیا تو یہ لفظ اللہ ہو گیا ایک قول یہ ہے کہ یہ اصل میں ”للاہ“ ہے اس پر الف لام داخل کیا اور لام کا لام میں لوغام کیا تو یہ لفظ اللہ ہو گیا اور ظلیل سے منقول ہے کہ اس کی اصل ”وللاہ“ ہے۔ (مشکل اعراب القرآن، مطبوعہ انتشارات نور ایران، ۱۳۳۳ھ)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں :

الہ کا معنی ہے حیرت زدہ ہونا، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال میں غور کرتا ہے تو حیرت زدہ ہو جاتا ہے، اور ”للاہ“ سریانی زبان کا لفظ ہے، جو چیز بلند اور محبوب ہو اس کو ”للاہ“ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانی آنکھوں سے محبوب ہے اور جو چیز اس کے لائق نہ ہو اس سے بلند ہے، اور ”وللاہ“ کا معنی ہے بچہ کا خوف زدہ ہو کر مل کی طرف لپکتا، اور تمام مخلوق اپنے مصائب اور پریشانیوں میں گھبرا کر اللہ تعالیٰ کی طرف لپکتی ہے، ان وجوہ سے کہا جاتا ہے کہ لفظ اللہ ”الہ“ سے ”للاہ“ سے یا ”وللاہ“ سے بنا ہے۔ ابن اثیر نے کہا یہ ”للاہ“ سے بنا ہے اور منذری نے کہا یہ ”لالاہ“ سے بنا ہے۔

(لسان العرب ج ۳ ص ۳۶۹-۳۷۰، مطبوعہ نشر ادب الحوزة قم ایران)

اور علامہ فیوز آبادی لکھتے ہیں :

سیویہ نے کہا کہ لفظ اللہ کا ”للاہ“ سے بننا جائز ہے اس کا معنی بلندی اور ارتقاء ہے۔

(قاموس ج ۳ ص ۳۶۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۳۳ھ)

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں :

زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ لفظ اللہ ذات واجب الوجود کے لیے علم (مفہوم نام) ہے جو کہ تمام صفات کمال کی جامع ہے اور یہ لفظ مشتق نہیں ہے، ابن العربی نے کہا یہ علم ہے اور الہ حق پر دلالت کرتا ہے اور یہ تمام اسماء حسنی الیہ احدیہ کا جامع ہے۔ (تاج المعوس ج ۱ ص ۳۷۳، مطبوعہ المکتبۃ الخیریہ، مصر، ۱۳۰۶ھ)

ہمارے نزدیک تحقیق یہی ہے کہ لفظ اللہ کسی لفظ سے نہیں بنا، اور یہ اصل میں علم ہے وصف نہیں ہے کیونکہ لفظ اللہ موصوف ہوتا ہے اور کسی موصوف کی صفت نہیں بناتا نیز اللہ تعالیٰ کی متعدد صفات ہیں اور ان صفات کے عمل کے لیے کسی موصوف کی ضرورت ہے اور لفظ اللہ کے علاوہ اور کوئی لفظ اس کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور اگر لفظ اللہ مشتق اور صفت ہو تو پھر لا الہ الا اللہ سے توحید ثابت نہیں ہوگی کیونکہ صفت کلی ہوتی ہے اور شرکت کثیرین سے مانع نہیں ہوتی اور علامہ بیضوی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ لفظ اصل میں وصف تھا اور غلبہ استعمال کی وجہ سے یہ منزلہ علم ہو گیا کیونکہ پھر مرتبہ وضع میں توحید ثابت نہیں ہوگی، اور لہ، ولہ اور لہ کے ساتھ لفظی مناسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ لفظ ان میں سے کسی ایک لفظ سے بنا ہو اور حق یہ ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات کسی سے نہیں بنی اسی طرح اس کی ذات پر دلالت کرنے والا لفظ بھی کسی لفظ سے نہیں بنا۔

علامہ شہی لکھتے ہیں :

علامہ سعد الدین قسطلانی اور علامہ عصام الدین نے کہا ہے کہ لفظ اللہ اس ذات کے لیے علم (مفہوم نام) ہے جو

واجب الوجود ہے، اور تمام صفات محمودہ کی جامع ہے، اور علامہ میر سید شریف نے کہا جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کا لور اک کرنے سے انسان کی عقل حیران اور عاجز و درماندہ ہے اسی طرح اس کی ذات پر دلالت کرنے والے اسم کی حقیقت کو پانے سے بھی عقلیں حیران اور پریشان ہیں کسی نے کہا یہ لفظ سریانی ہے کسی نے کہا یہ عربی ہے کسی نے کہا یہ وصف اور مشتق ہے کسی نے کہا علم ہے اور جمہور کا موقف یہ ہے کہ لفظ اللہ عربی ہے اور علم مرتبہ ہے (کوئی اور لفظ اس کی اصل نہیں ہے) امام ابو حنیفہ، امام محمد بن الحسن، امام شافعی اور خلیل کا یہی نظریہ ہے، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم یہی اسم ہے، امام طحاوی اور دیگر کثیر علماء اور عارفین کا یہی قول ہے۔

(رد المحتار ج ۵، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ)

رحمن اور رحیم کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

رحمت اس رقت قلب کو کہتے ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ مرحوم پر احسان کیا جائے، کبھی یہ لفظ رقت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی صرف احسان کے معنی میں، اور جب رحمت اللہ تعالیٰ کی صفت ہو تو پھر اس کا معنی صرف احسان اور افضل ہے نہ کہ رقت قلب، اور جب رحمت آدمیوں کی صفت ہو تو پھر اس کا معنی رقت اور شفقت ہے۔

رحمن کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے سوالور کسی پر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ رحمن کا معنی ہے وہ ذات جس کی رحمت ہر چیز کو محیط ہو اور اس معنی کا مصدق اللہ تعالیٰ کے سوالور کوئی نہیں ہو سکتا، اور رحیم کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے غیر پر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ رحیم کا معنی ہے جو بہت رحم کرتا ہو، قرآن مجید میں رحیم کا اطلاق اللہ پر بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ پر بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا :

إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَكَرُّؤٌ وَفَرَّحِيمٌ (الحج : ۷۵)

ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر نہایت مہربان اور بہت رحم

فرمانے والا ہے۔

لور سیدنا محمد ﷺ کے متعلق فرمایا :

لَقَدْ حَاءَ كُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ

ہے کہ تمہارے پاس تمہاری ہی سے ایک عظیم رسول آئے

جن پر تمہارا مشقت میں جلا ہونا سخت دشوار ہے وہ تمہاری بھلائی پر

بہت حرص میں ہیں اور مومنوں پر نہایت مہربان اور بہت رحم فرمانے

والے ہیں۔ (النورہ : ۲۸)

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں رحمن ہے کیونکہ دنیا میں اس کا احسان مومنوں اور کافروں دونوں پر ہے اور آخرت

میں رحیم ہے کیونکہ آخرت میں اس کا احسان صرف مومنوں پر ہو گا کافروں پر نہیں ہو گا۔

(المنذات ص ۳۳۷، مطبوعہ المکتبۃ المشرقیہ، لندن، ۱۳۳۲ھ)

رحمن کو رحیم پر مقدم کرنے کی وجہ

خلاصہ یہ ہے کہ رحمن اور رحیم دونوں بھلا کے صفت ہیں اور رحمن میں رحیم کی بہ نسبت زیادہ بھلا ہے۔ اب

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ عرب کا طریقہ یہ ہے کہ صفت مزہ میں لونی سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں

فلان عالم نحریر (کمال فصاحت) اس لیے بہ ظاہر پہلے رحیم اور پھر رحمن کا ذکر ہونا چاہئے تھا اس کا جواب یہ ہے کہ رحمن کا اطلاق چونکہ اللہ تعالیٰ کے غیر پر نہیں ہوتا اس لیے یہ لفظ اللہ کی طرح ہے اور بہ منزلہ علم ہے اور رحیم وصف ہے اور علم وصف پر مقدم ہوتا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ رحمن کا لفظ تمام عظیم اور جلیل نعمتوں کو شامل ہے جو بہ منزلہ اصول ہیں اور رحیم اس کا تہ ہے جو فروغی اور دقیق نعمتوں کو شامل ہے اور جو لفظ جلیل، عظیم اور اصل نعمتوں پر دلالت کرتا ہے وہ اس لفظ پر مقدم ہونا چاہئے جو دقیق اور فروغی نعمتوں پر دلالت کرتا ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ رحمن کا تعلق دنیا سے ہے اور رحیم کا تعلق آخرت سے ہے اور دنیا آخرت سے پہلے ہے اس لیے رحمن کا ذکر رحیم سے پہلے کیا ہے چوتھا جواب یہ ہے کہ رحمن عام ہے کیونکہ اس کا تعلق مومن اور کافر دونوں سے ہے اور رحیم خاص ہے کیونکہ اس کا تعلق صرف مومن سے ہے اور عام خاص پر مقدم ہوتا ہے اس لیے رحمن کو رحیم پر مقدم کیا ہے کیونکہ رحمن میں رحیم کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے اس لیے ہم نے رحمن کا معنی نہایت رحم فرمانے والا اور رحیم کا معنی بہت مہربان کیا ہے۔

بسم اللہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف رمز اور اشارہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

الف بسیط اور مطلق ہے اور وہ اپنی بساطت اور اطلاق کی وجہ سے اللہ عز و جل کی ذات مطلقہ پر دلالت کرتا ہے اور الف کے بعد باء ہے اور یہ تمام تعینات پر مقدم ہے سو باء اپنے تعین اول کے لحاظ سے حقیقت محمدی پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح بسم اللہ کی باء میں ذات محمد (ﷺ) کی طرف اشارہ ہے اور باء پر کسرو (زیر) ہے اور اس سے آپ کی صفت رحمت کی طرف اشارہ ہے قرآن مجید میں ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ
ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے صرف بہ طور رحمت
(الانبیاء : ۱۰۷) بھیجا ہے۔

نیز فرمایا :

بِالْمُؤْمِنِينَ رُحُوفٌ رَّحِيمٌ (النوہ : ۴۸)
اور مومنوں پر نہایت مہربان اور بہت رحم فرمانے والے

ہیں۔

اس میں یہ رمز ہے کہ جن پر یہ کتب نازل ہوئی ہے اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں اگرچہ وہ صاحب عقل عظیم ہیں اور ان کا ہر وصف اعلیٰ ہے لیکن ان پر صفت رحمت کا غلبہ ہے وہ رؤف رحیم ہیں اور جس کی طرف وہ دعوت دے رہے ہیں وہ الرحمن الرحیم ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کی ہر سورت سے پہلے بسم اللہ ہے اور اس میں آپ کی صفت رحمت کی طرف اشارہ ہے سورہ توبہ کی ابتدا میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی وہ برآءۃ سے شروع ہے اور باء سے آپ کی ذلت اور باء کی فتح (زیر) سے آپ کی صفت جلال کی طرف اشارہ ہے قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں ایک سو تین سورتیں میں بسم اللہ کے ذکر سے آپ کی رحمت کی طرف اشارہ ہے اور ایک سورت میں برآءۃ کی نصب سے آپ کے غضب کی طرف اشارہ ہے خلاصہ یہ ہے کہ ہر سورت کی لوح جمیں پر حقیقت محمدی کی طرف رمز ہے۔ ایک سو تین سورتیں میں آپ کے جلال کی طرف اور ایک سورت میں آپ کے جلال کی طرف اشارہ ہے۔ (روح المعانی ص ۵۵۵)

مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

بعض محققین نے بیان کیا کہ بسم اللہ میں باء کے بعد اسم اللہ ہے اور اسم اللہ میں بھی حقیقت محمدی کی طرف رمز ہے کیونکہ اسم وہ ہے جو مسمیٰ پر دلالت کرے اور یوں تو ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتی ہے لیکن کمال دلالت کرنے والا وہ ہو گا جس کی دلالت سب کے لیے ہو جو نبیوں اور رسولوں کے لیے بھی اللہ کی دلیل ہو 'انسانوں اور جنوں کے لیے بھی رہنما ہو 'شجر و حجر' دشت و جبل' بحر و بر اور کائنات کی ہر حقیقت کے لیے اللہ کی دلیل ہو اور ایسی کمال دلیل بہ جز ذات محمد ﷺ کے اور کوئی نہیں ہے تو وہی اسم اللہ ہیں اور یوں اسم اللہ میں بھی حقیقت محمدی کی طرف رمز ہے۔ آپ اللہ کا اسم ہیں اور اسم مسند اور مسند الیہ ہوتا ہے اور آپ اللہ کی طرف مسند ہیں اور ساری کائنات کے لیے مسند الیہ ہیں 'اسم کا خلاصہ ہے حرف جر' اور جر کا معنی ہے کھینچنا اور آپ لوگوں کو جہنم کے کنارے سے کھینچ کر جنت کی طرف لائے اور حروف جارہ میں من اور الی ہیں من ابتدا کے لیے اور الی انتہاء کے لیے ہے اور نبوت کی ابتداء بھی آپ سے ہے اور نبوت کی انتہاء بھی آپ پر ہے اور حروف جارہ میں باء ہے 'باء الصلق کے لیے آتی ہے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانے کے لیے' اور آپ نے بندوں کو خدا سے ملایا ہے 'اور حروف جارہ میں علی ہے علی استواء اور بلندی کے لیے آتا ہے اور آپ ساری کائنات پر بلند ہیں 'خلاصہ یہ ہے کہ بسم اللہ کی باء' باء کی کسو اور اسم اللہ ان سب میں حقیقت محمدی کی طرف رمز ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم سے متعلق فقہی مباحث

ایک بحث یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے شروع میں جو بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی ہے آیا وہ قرآن کریم کا جز ہے یا نہیں۔ دوسری بحث یہ ہے کہ آیا وہ سورہ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں 'تیسری بحث یہ ہے کہ سورتوں کے لواٹل میں جو بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی ہے وہ ان سورتوں کا جز ہے یا نہیں۔ چوتھی بحث یہ ہے کہ نماز میں بسم اللہ پڑھنے کا کیا حکم ہے 'پانچویں بحث یہ ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت پڑھنے سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے یا نہیں 'چھٹی بحث یہ ہے کہ بسم اللہ کو جہرا پڑھا جائے یا آہستہ 'اور ساتویں بحث میں بسم اللہ کے احکام شریعہ اور مسائل ہیں اور آٹھویں بحث میں بسم اللہ کے فوائد اور حکمتیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے آیت قرآن ہونے کی تحقیق

علامہ ابو بکر رازی لکھتے ہیں :

مسلمانوں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سورہ نمل کی یہ آیت انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم (النمل : ۳۰) قرآن کریم کا جز ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ نبی ﷺ پر سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ قرآن یا بسم ربک اللہ خلق ہے۔ مسعودی نے حادث کلبی سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ پہلے سے مکیہ کی ابتداء میں ر سمک اللہ لکھتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی بسم اللہ معجرھا و مرسھا (ہود : ۴۱) تو آپ ﷺ نے لکھنے لگے پھر یہ آیت نازل ہوئی قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمان (الاسراء : ۵۰) تو آپ ﷺ نے لکھنے لگے سنن ہمدانی میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو اس وقت تک نہیں لکھا جب تک کہ سورہ نمل نازل نہیں ہوئی 'اور جب نبی ﷺ نے صلوات اللہ علیہ وسلم لکھا تو آپ

نے حضرت علیؓ سے فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم تو سبیل نے کہا باسْمِکَ اللہم لکھو کیونکہ ہمارے نزدیک رَحْمَنُ محروف نہیں ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پہلے قرآن مجید میں نہیں تھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سورہ نمل میں نازل کیا۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۸، مطبوعہ سبیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۰۰ھ) صحیح بخاری میں ہے: جب نبی ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھوائی تو سبیل نے کہا بہ خدا میں نہیں جانتا کہ رَحْمَنُ کیا چیز ہے لیکن آپ باسْمِکَ اللہم لکھیں جس طرح آپ پہلے لکھتے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

ہر چند کہ سورہ نمل کی سورت ہے لیکن اس سے پہلے متعدد سورتیں نازل ہو چکی تھیں اگر بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورت کے لوائے کا جز ہوتی تو نبی ﷺ ابتداء ہی سے باسْمِکَ اللہم کی بجائے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھتے لہذا سنن ابوداؤد کی مذکور الصدر حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سورہ نمل نازل ہونے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن مجید میں نہیں تھی اور نہ ہی لوائے سور قرآن کا جز تھی۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے سورہ فاتحہ کے جز نہ ہونے کی تحقیق اور مذاہب اربعہ علامہ ابوبکر رازی حنفی لکھتے ہیں :

اس میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورہ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں، قراء کوفہ نے اس کو سورہ فاتحہ کی ایک آیت قرار دیا ہے اور قراء بصریہ نے اس کو سورہ فاتحہ کی آیات سے شمار نہیں کیا، ہمارے اصحاب (فقہاء احناف) سے یہ تصریح مقول نہیں ہے کہ یہ سورہ فاتحہ کی آیت ہے، البتہ ہمارے شیخ ابوالحسن کرخی نے فقہاء احناف کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ بسم اللہ کو نماز میں جہراً نہیں پڑھا جائے گا اس سے یہ معلوم ہوا کہ فقہاء احناف کے نزدیک بسم اللہ سورہ فاتحہ کی ایک آیت نہیں ہے ورنہ اس کو بھی جہراً پڑھا جاتا جیسے سورہ فاتحہ کی باقی آیات کو جہراً پڑھا جاتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بسم اللہ سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے اور میرے بندے کے درمیان صلاۃ (سورہ فاتحہ) کو نصف، نصف تقسیم کر دیا گیا ہے، نصف میرے لیے ہے اور نصف میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے، پس جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العلمین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بندہ نے میری حمد کی، اور جب بندہ کہتا ہے الرحمن الرحیم تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بندہ نے میری تعظیم کی یا میری شاک، اور جب بندہ کہتا ہے کہ مالک یوم الدین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بندہ نے خود کو میرے سپرد کر دیا، اور جب بندہ کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے پھر میرا بندہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم اخیر سورت تک، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۸۰۹، مطبوعہ سبیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۰۰ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۳۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

اگر بسم اللہ سورہ فاتحہ کا جز ہوتی تو سورہ فاتحہ کی آیات میں اس کا بھی ذکر اس حدیث میں ہوتا اور جب آپ نے سورہ

فاتحہ کی آیات میں بسم اللہ کا ذکر نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ بسم اللہ 'سورہ فاتحہ کی آیت لور جز نہیں ہے۔
شرح صحیح مسلم جلد اول میں ہم نے اس کے مزید دلائل ذکر کئے ہیں اور علماء شافعیہ نے ان دلائل کے جوہریت
دیئے ہیں ان پر بحث کی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک بسم اللہ الرحمن الرحیم سورہ فاتحہ کی جز نہیں
ہے اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سورہ فاتحہ کی جز ہے۔

لوائل سور میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ان سورتوں کے جز نہ ہونے کی تحقیق لور مذہب اربعہ
علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں :

لوائل سور میں بسم اللہ قرآن کا جز ہے، کیونکہ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول
اللہ ﷺ ہمارے پاس سوئے ہوئے تھے، پھر آپ نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا، ہم نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کس بات پر
ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر آپ نے تلاوت کی بسم اللہ الرحمن
الرحیم انا اعطیناک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانک ہوا لابر

(شرح مسلم، ج ۱ ص ۲۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی، ۱۴۰۵ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے سورہ کوثر سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو تمہارے پڑھا ہے سورہ
کوثر کی آیت ہونے کے لحاظ سے نہیں پڑھا کیونکہ اگر بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورت کی ابتداء میں اس کا جز
ہوتی تو آپ پر سب سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوتی حالانکہ صحیح بخاری اور دیگر کتب صحاح میں یہ
تصریح ہے کہ آپ پر سب سے پہلے اقرا باسم ربک الذی خلق نازل ہوئی ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے کہ آپ
پر سب سے پہلے یہی آیت نازل ہوئی ہے۔

علامہ ابن العربی مالکی لکھتے ہیں :

اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ سورہ نمل میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کتب اللہ کی آیت ہے اور ہر
سورت کی ابتداء میں اس کے آیت ہونے میں اختلاف ہے، امام مالک اور امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ ہر سورت کی ابتداء میں
یہ آیت نہیں ہے، اس کو اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں سے سورت شروع ہوئی ہے۔

(لکھام القرآن ج ۱ ص ۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ ابو الحسن مولوی خلی لکھتے ہیں :

اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ سورہ فاتحہ کے سوا ہر سورت کے لول میں بسم اللہ اس سورت کا جز نہیں ہے،

علامہ زرکشی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (انصاف ج ۲ ص ۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۵ھ)

غالباً علامہ مولوی کو اس مسئلہ میں امام شافعی کے اختلاف کا علم نہیں ہے۔

علامہ ابو بکر رازی حنفی لکھتے ہیں :

اس میں اختلاف ہے کہ آیا لوائل سور میں بسم اللہ الرحمن الرحیم ان سورتوں کی ایک آیت ہے یا

نہیں؟ ہمارے نزدیک ہر سورت کے لول میں جو بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے وہ اس سورت کی آیت نہیں ہے،

کیونکہ اس سورت کے ساتھ بسم اللہ کو جبراً نہیں پڑھا جاتا نیز جب یہ سورہ فاتحہ کی جز نہیں ہے تو اسی طرح ہی سورتوں کی

نہیں ہے کیونکہ یہ کسی کا قول نہیں ہے کہ یہ سورہ فاتحہ کی جز نہیں ہے اور باقی سورتوں کی جز ہے، اور لام شافعی کا یہ قول ہے کہ ہر سورت سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم اس سورت کی ایک آیت ہے اور ان سے پہلے یہ قول کسی نے نہیں کیا۔ اس سے پہلے صرف یہ اختلاف تھا کہ یہ سورہ فاتحہ کی جز ہے یا نہیں۔ لوائل سور سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے جز نہ ہونے کے یہ دلائل ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے پوچھا اس کا کیا سبب ہے کہ آپ نے سورہ توبہ اور سورہ انفل کو سات بڑی سورتوں میں رکھا ہے؟ اور آپ نے ان دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی، حضرت عثمان نے کہا جب نبی ﷺ پر کئی آیات نازل ہوتیں تو آپ کسی لکھنے والے کو بلا تے اور فرماتے اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو، اور جب آپ پر ایک یا دو آیتیں نازل ہوتیں تب بھی آپ اسی طرح فرماتے، سورہ انفل اس وقت نازل ہوئی جب آپ شروع شروع مدینہ میں آئے تھے اور سورہ توبہ قرآن کی آخری سورتوں میں سے ہے اور سورہ انفل کا مضمون سورہ توبہ کے مضمون کے مشابہ تھا تو میں نے یہ گمان کیا کہ یہ اس کے ساتھ لاحق ہے، اس لیے میں نے ان دونوں کو سات بڑی سورتوں میں رکھا، اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم کی سطر نہیں لکھی۔ اس حدیث میں حضرت عثمان نے یہ تصریح کی ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کسی سورت کا جز نہیں ہے اور وہ سورت سے پہلے بسم اللہ کو صرف دو سورتوں کے درمیان فصل کے لیے لکھتے تھے، نیز اگر ہر سورت سے پہلے بسم اللہ اس سورت کا جز ہوتی تو نبی ﷺ کے بتلانے سے ہر شخص کو اس کا علم ہوتا، جیسا کہ دوسری آیات کا سب کو بغیر کسی نزاع کے علم ہے۔ دوسری دلیل یہ حدیث ہے :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : قرآن میں ایک سورت کی تین آیتیں ہیں جو اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرتی رہے گی حتیٰ کہ اس کی مغفرت کر دی جائے گی (وہ سورت ہے) نبارک الذی بیدہ الملک اور تمام قراء و فیوہ کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ نبارک الذی میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے علاوہ تین آیتیں ہیں، اگر بسم اللہ اس سورت کا جز ہو تو اس سورت کی اکتیس آیتیں بن جائیں گی اور یہ نبی ﷺ کی اس حدیث کے خلاف ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ تمام قراء اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ کوثر کی تین اور سورہ اخلاص کی چار آیتیں ہیں اگر بسم اللہ کو ان سورتوں کا جز ملتا جائے تو پھر ان کی آیتوں کی تعداد چار اور پانچ ہو جائے گی اور یہ ان کے اتفاق کے خلاف ہے۔ حکام القرآن ج ۱ ص ۱۵۰ مطبوعہ سبیل الایذی لاہور ۱۳۰۰ھ)

نماز میں بسم اللہ پڑھنے کے متعلق مذاہب اربعہ علامہ ابو بکر رازی حنفی لکھتے ہیں :

لام ابو حنیفہ، لام محمد، لام زفر اور لام شافعی یہ کہتے ہیں کہ نماز میں اعوذ باللہ کے بعد سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے، اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھی جائے یا نہیں؟ اسی طرح سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے یا نہیں۔ لام ابو یوسف نے لام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھے اور لام ابو حنیفہ اور لام ابو یوسف کے نزدیک (ضم) سورت سے پہلے دوبارہ بسم اللہ نہ پڑھے، اور لام محمد اور حسن

بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے یہ روایت کیا ہے کہ جب پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے بسم اللہ پڑھ لی ہے تو لب اس نماز میں سلام پھیرنے تک اس پر بسم اللہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے، اور اگر اس نے ہر سورت کے ساتھ بسم اللہ پڑھ لی تو مستحسن ہے۔ حسن بن زیاد نے کہا اگر وہ مسبوق ہے تو اس کی پہلی رکعت میں اس پر بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ امام پہلی رکعت میں بسم اللہ پڑھ چکا ہے اور امام کی قرات اس کی قرات ہے۔

امام مالک بن انس نے یہ کہا ہے کہ فرض نماز میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھے نہ بلند آواز سے اور نفل میں اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو پڑھے اور اگر چاہے تو ترک کر دے اور ہمارے نزدیک تمام نمازوں میں بسم اللہ پڑھے کیونکہ حضرت ام سلمہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز میں پڑھتے تھے بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العلمین اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں، وہ پست آواز سے بسم اللہ پڑھتے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ وہ جہراً بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۳-۱۳، ملخصاً، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

امام شافعی کے نزدیک چونکہ ہر سورت کے اول میں بسم اللہ اس سورت کا جز ہے اس لیے ان کے نزدیک ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے گی اور امام احمد کے نزدیک بسم اللہ صرف سورہ فاتحہ کا جز ہے اس لیے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے گی اور سورت سے پہلے نہیں پڑھی جائے گی۔

نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو آہستہ سے پڑھنے کی تحقیق اور مذاہب اربعہ علامہ ابوبکر رازی حنفی لکھتے ہیں :

ہمارے اصحاب (احناف) اور ثوری نے یہ کہا ہے کہ نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو آہستہ پڑھا جائے، اور امام شافعی نے کہا ہے کہ بسم اللہ کو نماز میں جہراً پڑھے، یہ اختلاف اس وقت ہے جب امام نماز میں جہراً قرات کرے، اس مسئلہ میں صحابہ کرام کا بہت اختلاف ہے، عمر بن ذر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بلند آواز سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی، حملہ نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بسم اللہ کو آہستہ پڑھتے تھے پھر سورہ فاتحہ جہر سے پڑھتے تھے، حضرت انس سے بھی اسی طرح مروی ہے، ابراہیم نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب بسم اللہ الرحمن الرحیم آہستہ پڑھتے تھے، جہر سے نہیں پڑھتے تھے، اور حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بسم اللہ الرحمن الرحیم آہستہ پڑھتے تھے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور مغیرہ نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ نماز میں بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا بدعت ہے، امام ابو حنیفہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نماز میں بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا اعرابیوں (بدوؤں) کا طریقہ ہے، اسی طرح عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے، ابوالاکل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو جہر سے پڑھتے تھے نہ اعوذ باللہ کو نہ آمین کو، اور حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ نبی ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان نماز میں بسم اللہ کو آہستہ سے پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مغفل جہر سے بسم اللہ پڑھنے کو بدعت کہتے تھے۔ (جامع ترمذی ص ۶۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو اللہ اکبر اور الحمد للہ رب العلمین

کی طرف سے شروع کرتے تھے اور سلام سے ختم کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی فرض نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو جہراً نہیں پڑھا نہ حضرت ابو بکر نے نہ حضرت عمر نے (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۷۸-۱۷۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور۔ ۱۴۰۰ھ)

علامہ ابوالحسن مولوی ضحلی لکھتے ہیں :

بسم اللہ کو نماز میں جہراً نہ پڑھا جائے، خواہ ہم اس کو سورہ فاتحہ کا جز کہیں یا نہ کہیں، یہی صحیح قول ہے، مجہد نے اپنی شرح میں اس کی تصحیح کی ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ ترک جہر کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، خواہ ہمارے نزدیک یہ سورہ فاتحہ کا جز ہے، ابن حمدان، ابن حمیم، ابن جوزی اور زرکشی وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے اور اس قول کو مقدم رکھا ہے اور یہی جمہور کا موقف ہے۔

ابن حلد اور ابوالخطل نے ایک روایت جہر کی بیان کی ہے، بہ شرطیکہ بسم اللہ کو سورہ فاتحہ کا جز کہا جائے، ابن عقیل نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، ایک قول یہ ہے کہ مدینہ میں جہر کیا جائے اور ایک قول یہ ہے کہ نفل میں جہر کیا جائے، اور شیخ تقی الدین کا عقیدہ یہ ہے کہ بسم اللہ اعدو ذبالہ اور سورہ فاتحہ کو نماز جنازہ وغیرہ میں کبھی کبھی جہر سے پڑھا جائے۔ (انصاف ج ۲ ص ۳۹-۴۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۷ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ جہری نماز میں سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کی سورت سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو جہراً پڑھا جائے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۳۳۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطالیع کراچی ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں :

امام مالک نے فرض نماز میں بسم اللہ پڑھنے سے منع کیا ہے خواہ جہری نماز ہو یا سری، سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھے نہ اس کے بعد والی سورت سے پہلے اور نفل نماز میں جائز کہا ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۸۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک جہری نماز میں سورہ فاتحہ اور بعد کی سورت سے پہلے بسم اللہ کو جہراً پڑھے اور امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک جہری نماز میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ کو آہستہ پڑھے اور امام مالک کے نزدیک فرض نماز میں مطلقاً بسم اللہ نہ پڑھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے احکام شرعیہ اور مسائل

علامہ سید احمد طحاوی بسم اللہ الرحمن الرحیم کے احکام شرعیہ کے بیان میں لکھتے ہیں :

(۱) نزع کرتے وقت، فکھار کی طرف تیر بھیجتے وقت اور فکھاری کتاب چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔ البحر الرائق میں لکھا ہے کہ بسم اللہ کما ضروری نہیں ہے صرف اللہ کا نام لینا شرط ہے، اور بعض کتابوں میں ہے الرحمن الرحیم نہ کہے (صرف بسم اللہ کہے) کیونکہ نزع کے وقت رحمت کا ذکر مناسب نہیں ہے۔

(۲) قیہ میں لکھا ہے کہ ہر رکعت میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا واجب ہے، اور اس کے ترک سے بعد سو کہ لازم ہے، لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔

(۳) وضو کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا سنت ہے، استنہاء سے پہلے اور بعد بھی، لیکن حالت استنہاء

اور محلِ نجاست میں نہ پڑھے۔ اگر وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو دورانِ وضو جب بھی یاد آئے بسم اللہ پڑھ لے وضو کے اول میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا سنت ہے اور درمیان میں پڑھنا مستحب ہے۔

(۴) کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا سنت ہے، اگر بھول گیا تو درمیان میں پڑھنا بھی سنت ہے اور درمیان میں یوں پڑھے : بسم اللہ اولہ و آخرہ۔

(۵) سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے خواہ نماز سری ہو یا جری۔

(۶) کسی کتاب کے شروع میں اور ہر نیک اور اہم کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔

(۷) قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ کے بعد بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔

(۸) مشتبہ چیز کھاتے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا مکروہ ہے، جمہور کے نزدیک تمباکو نوشی کے وقت بھی بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے۔

(۹) سورہ انفال کے بعد سورہ توبہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے، اگر سورہ توبہ سے ہی پڑھنا شروع کیا ہے تو پھر بعض مشائخ کے نزدیک بسم اللہ مکروہ نہیں ہے۔

(۱۰) اٹھنے، بیٹھنے، چلنے پھرنے اور دیگر کاموں کے وقت بسم اللہ پڑھنا مباح ہے۔

(۱۱) خلاصۃ الفتاویٰ میں مذکور ہے اگر کسی شخص نے شراب پیتے وقت یا حرام کھاتے وقت یا زنا کرتے وقت بسم اللہ پڑھی تو وہ کافر ہو جائے گا یہاں حرام سے مراد حرام قطعی ہے، کیونکہ کسی کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ سے استعانت اور برکت حاصل کرنے کے لیے بسم اللہ پڑھی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے مدد اسی کام میں حاصل کی جائے گی جس کام کو اس نے جائز کیا ہو اور اس پر وہ راضی ہو، اس لیے کسی حرام کام پر بسم اللہ پڑھنا اس کو حلال قرار دینے کے مترادف ہے اور حرام کو حلال قرار دینا کفر ہے۔

(۱۲) جنبی اور حائض کے لیے بہ طور قرآن بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا حرام ہے، البتہ بطور ذکر اور برکت حاصل کرنے کے لیے پڑھنا جائز ہے۔ (حاشیۃ الخطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۶-۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۵ھ)

اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسماء لکھنے اور پڑھنے کے آداب

علامہ سید احمد خطاوی لکھتے ہیں :

فصول میں مذکور ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام سنے اس پر اللہ کی تعظیم کرنا واجب ہے مثلاً عز و جل، مجدہ یا تبارک و تعالیٰ کہے اور بعض کتابوں میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا نام لکھے تو اس کے ساتھ کوئی تعظیمی کلمہ مثلاً عز و جل لکھے، اسی طرح نبی ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی حفاظت کرے اور بار بار پڑھنے سے نہ اکتائے، اگر اصل کتاب میں صلوٰۃ و سلام نہ ہو تو خود زبان سے پڑھے، اسی طرح صحابہ کرام کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ اور علماء کے اسماء کے ساتھ رحمہ اللہ لکھے اور پڑھے، اور صرف صلوٰۃ یا سلام پر اختصار کرنا مکروہ ہے، ملا مسکین نے لکھا ہے یہ مکروہ نہیں ہے، لیکن ان کی مراد یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی نہیں ہے مکروہ تنزیہی بہر حال ہے، اسی طرح لکھتے وقت رمز اور اشارہ سے صلوٰۃ و سلام اور رضی اللہ عنہ لکھنا (مثلاً ص یا صلعم یا لکھنا) مکروہ ہے مکمل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور رضی اللہ عنہ لکھے، تاہم خانہ کے بعض مقامات پر لکھا ہے کہ جس نے علیہ السلام کو ہمزہ اور میم کے ساتھ لکھا وہ کافر ہو

بسم اللہ کا یہ تکیہ یہ خفیف ہے اور انبیاء بسم الصلوٰۃ والسلام کی تخفیف کفر ہے، تاہم یہ کفر اس وقت ہو گا جب کوئی شخص خفیف کے قصد سے ایسا کرے گا، بہر حال اس سے احتیاط لازم ہے۔

(حاشیۃ المجلد علی الدر المختار ج ۱ ص ۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۵ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے فوائد اور حکمتیں

(۱) علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ کو مقدم کر کے ہمیں یہ اوب سکھایا ہے کہ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے تمام اقوال، افعال اور مہمت کو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سے شروع کیا کریں۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۸، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۲۳ھ)

(۲) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ کھانے، پینے، ذبح کرنے، جملع کرنے، وضو کرنے، کشتی میں سوار ہونے، غرض ہر (صحیح) کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فَكُلُوا مِمَّا ذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ

تو اس (ذبیحہ) سے کھاؤ، جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

(الانعام : ۱۱۸)

وَقَالَ اِذْ كُنْتُمْ فِي الْكَافِرَاتِ بِاللَّهِ مَجْرَهَا وَمَرْسَهَا

اور نوح نے کہا اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور رکنا

(ہود : ۴۱) اللہ کے نام سے ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دروازہ بند کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھو، چراغ گل کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھو، برتن ڈھانکتے ہوئے بسم اللہ پڑھو، اور محک کا منہ بند کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھو اور فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص عمل تزویج کے وقت کہے بسم اللہ، اے اللہ ہم کو شیطان سے محفوظ رکھ لو (ولاد)، ہم کو عطا کرے اس کو بھی شیطان سے محفوظ رکھ، تو اگر اس عمل میں ان کے لیے ولاد مقدر کی جائے گی تو اس کو شیطان کبھی ضرر نہیں پہنچا سکے گا، اور آپ نے عمر بن ابی سلمہ سے فرمایا اے بیٹے بسم اللہ پڑھو، اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاتے، اور اپنے سامنے سے کھاتے، اور آپ نے فرمایا شیطان ہر کھانے کو حلال کر لیتا ہے ماسوا اس کھانے کے جس پر بسم اللہ پڑھی گئی ہو، حضرت عثمان بن ابی العاص نے آپ سے شکایت کی کہ جب سے وہ اسلام لائے ہیں ان کے جسم میں درد رہتا ہے، آپ نے فرمایا تین بار بسم اللہ پڑھو، اور سلت باریہ پڑھو "اعوذ بعبرة اللہ وقدرہ من شر ما اجد احاذر" یہ تمام احادیث صحیح ہیں، اور امام ابن ماجہ اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جب بنو قومیت الکلاء میں داخل ہوں تو ان کی شرم گاہوں اور شیطین کے درمیان بسم اللہ تجلب ہے، اور امام دار قطنی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وضو کرتے تو پہلے بسم اللہ پڑھتے پھر اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالتے۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۹۸-۹۷، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

(۳) ہر نیک اور صحیح کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی انسان کو عادت پڑ جائے تو پھر اس کا برے کاموں سے باز رہنا زیادہ متوقع ہو گا کیونکہ اگر وہ کسی وقت خواہش نفس سے مغلوب ہو کر برائی میں ہاتھ ڈالے گا تو علامہ "اس کے منہ سے بسم اللہ نکلے گی، اور پھر اس کا ضمیر اس کو سرزنش کرے گا۔

(۴) انسان اسی کا نام بار بار لیتا ہے جس سے اس کو محبت ہوتی ہے، اس لیے جو انسان ہر صحیح کام کے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے اس کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی دلیل ہے۔

(۵) علامہ قرطبی لکھتے ہیں : سعید بن ابی سیکنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی نے ایک شخص کو بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھتے دیکھا تو فرمایا اس کو خوبصورت لکھو، کیونکہ ایک شخص نے بسم اللہ کو خوبصورت لکھا تو اس کو بخش دیا گیا۔

(۶) سعید بن ابی سیکنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے ایک کھنڈ کو دیکھا اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی ہوئی تھی، اس نے اس کو اٹھا کر بوسہ دیا اور اس کو اپنی آنکھوں پر رکھا تو اس کو بخش دیا گیا۔

(۷) بشر حافی پہلے ایک ڈاکو تھے انہوں نے راستہ میں ایک کھنڈ دیکھا جو لوگوں کے پیروں تلے آ رہا تھا، انہوں نے اس کھنڈ کو اٹھایا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا تھا انہوں نے بہت قیمتی خوشبو خریدی اور اس کھنڈ پر وہ خوشبو لگائی اور اس کو حفاظت کے ساتھ رکھ دیا، رات کو خواب میں انہوں نے سنا کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا اے بشر! تم نے میرے نام کو خوشبو میں رکھا ہے، میں تم کو دنیا اور آخرت میں خوشبودار رکھوں گا۔ اس کے بعد انہوں نے توبہ کی اور ولی کامل بن گئے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے انیس فرشتوں سے نجات دے وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے تاکہ اللہ تعالیٰ بسم اللہ کے ہر حرف کے بدلہ اس کو جہنم کے ایک فرشتہ سے محفوظ رکھے کیونکہ بسم اللہ کے انیس حرف ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۹۲-۹۱، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

(۹) امام رازی لکھتے ہیں : روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی انگوٹھی دی، اور فرمایا : اس میں لا الہ الا اللہ لکھاؤ، حضرت ابوبکر نے نقاش سے کہا اس میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ دو، جب نبی ﷺ کو وہ انگوٹھی پیش کی تو اس میں لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر صدیق، آپ نے پوچھا: اے ابوبکر یہ زائد (کیسے لکھا ہوا ہے؟) حضرت ابوبکر نے کہا : یا رسول اللہ! میں نے آپ کے نام کو اللہ تعالیٰ کے نام سے جدا کرنا پسند نہیں کیا اور باقی میں نے نہیں لکھوایا، اور حضرت ابوبکر اس پر شرمندہ تھے۔ تب جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا یا رسول اللہ ابوبکر کا نام میں نے لکھا ہے کیونکہ جب ابوبکر محمد ﷺ کے نام کو اللہ عز و جل کے نام سے جدا کرنے پر راضی نہ تھے تو اللہ تعالیٰ ابوبکر کے نام کو آپ کے نام سے جدا کرنے پر راضی نہ تھا، اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ سے محبت کی وجہ سے آپ کے نام کے فراق کو گوارا نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کی عنایات کا مرکز بن جاتا ہے تو جو اللہ تعالیٰ سے محبت کی وجہ سے اس کے نام سے فراق کو گوارا نہ کرے اور ہر کام کے ساتھ اللہ کا نام لے تو وہ کب اللہ تعالیٰ کی عنایات سے محروم ہو گا!

(۱۰) حضرت نوح علیہ السلام نے بسم اللہ مجرہا و مر سہا کہا تو طوفان سے نجات پائی، حالانکہ بسم اللہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا نصف ہے تو جب ایک بار نصف بسم اللہ کے پڑھنے سے طوفان سے نجات مل گئی تو جو شخص ساری عمر پوری بسم اللہ پڑھتا رہے وہ نجات سے کیسے محروم ہو گا!

(۱۱) قیصر روم نے حضرت عمر کی طرف لکھا کہ اس کے سر میں درد رہتا ہے جس سے افاقہ نہیں ہوتا، میرے لیے کوئی دوا بھیج دیجئے، حضرت عمر نے اس کے پاس ایک ٹوپی بھیجی، وہ اس ٹوپی کو پہن لیتا تو آرام آ جاتا اور اس ٹوپی کو اتار دیتا تو پھر سر میں درد شروع ہو جاتا، وہ حیران ہوا، اور ایک دن اس نے ٹوپی کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک کھنڈ تھا جس میں لکھا ہوا تھا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

(۱۲) بعض کفار نے حضرت خالد بن ولید سے کہا آپ ہمیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں، آپ ہمیں اسلام کی صداقت پر کوئی نشان دکھائیے تاکہ ہم بھی اسلام لے آئیں، حضرت خالد نے زہر منگایا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھالیا اور

اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ سلام کھڑے رہے، مجھس نے کہا واقعی یہ دین حق ہے۔

(۳) حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ایک قبر کے پاس سے گزرے تو دیکھا عذاب کے فرشتے ایک مردہ کو عذاب دے رہے ہیں، جب اپنے کام سے واپس لوٹے تو اس قبر میں رحمت کے فرشتوں کو دیکھا جن کے پاس نور کے طبق تھے، حضرت عیسیٰ کو اس سے تعجب ہوا، انہوں نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ! یہ شخص گنہگار تھا اور جب یہ مرا تو عذاب میں مبتلا ہو گیا مرتے وقت اس کی بیوی حلالہ تھی، اس کے بچہ ہوا، اس نے اس کو پلا حتیٰ کہ وہ بڑا ہو گیا، اس نے اس کو کتب میں داخل کیا، وہاں اس کو معلم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم (ان کی زبان میں) پڑھائی تو مجھے حیا آئی کہ جو بچہ زمین کے لوہر میرا نام لے رہا ہے، اس کے باپ کو میں زمین کے نیچے عذاب میں مبتلا رکھوں!

(۴) سورہ توبہ میں قل کا ذکر ہے لہذا اس سے پہلے بسم اللہ نہیں لکھی گئی، اور نزح سے پہلے بسم اللہ، اللہ اکبر کہا جاتا ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں کہا جاتا کیونکہ نزح کے وقت رحمت کا ذکر مناسب نہیں ہے، تو جو شخص ہر روز سترہ مرتبہ فرض نمازوں میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے گا وہ کب عذاب میں مبتلا ہو گا۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۸۹-۸۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ①

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے، ○

حمد کے لغوی اور اصطلاحی معانی

علامہ جوہری لکھتے ہیں :
حمد 'ذم کی نفیض ہے' تحمید 'حمد سے زیادہ بلیغ ہے اور حمد شکر سے زیادہ عام ہے' جس شخص میں بہ کثرت خصل محمودہ ہوں اس کو حمد کہتے ہیں۔ (الصحاح ج ۲ ص ۳۳۱، مطبوعہ دار العلم بیروت ۱۳۰۳ھ)

علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں :
حمد کا معنی ہے 'شکر'، 'رضا'، 'جزاء اور حق کو لوا کرنا'، تحمید کے معنی ہیں اللہ کا بار بار حمد کرنا، اور حمد کے معنی ہیں جس کی بار بار حمد کی گئی ہو۔ (کاموس ج ۱ ص ۵۳-۵۴، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۳۴ھ)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں :
حمد مذمت کی نفیض ہے، ثعلب نے کہا حمد کا تعلق نعمت اور غیر نعمت دونوں سے ہے اور شکر کا تعلق صرف نعمت سے ہے۔

لیکن نے کہا حمد شکر ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے، انھوں نے کہا الحمد لله کا معنی ہے الشکر لله اور الحمد لله اللہ کی شہاد اور اس کی تعریف ہے، ازہری نے کہا شکر صرف اس شہاد کو کہتے ہیں جو نعمت پر کی جاتی ہے، اور حمد بعض اوقات کسی کام کے شکر کو کہتے ہیں اور کبھی ابتدا نعمت کے بغیر کسی شخص کی شہاد کو حمد کہتے ہیں، سو اللہ کی حمد اس کی شہاد ہے اور اس کی ان نعمتوں کا شکر ہے جو سب کو محیط ہیں، اور حمد شکر سے عام ہے۔

(لسان العرب ج ۳ ص ۵۵۵، مطبوعہ نشر لوہ الحوزۃ قم، ایران ۱۳۰۵ھ)

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں :

حمد اور شکر متقارب ہیں اور ان میں حمد زیادہ عام ہے، کیونکہ تم انسان کی صفت ذاتیہ اور اس کی عطا پر اس کی حمد (تعریف) کرتے ہو اور اس کی صفت ذاتیہ پر اس کا شکر نہیں لیا کرتے (مثلاً کسی کی خلوت کی تعریف کرنا شکر ہے اور اس کے حسن کی تعریف کرنا شکر نہیں حمد ہے) حدیث میں ہے، 'حمد رئیس شکر ہے' جس شخص نے اللہ کی حمد نہیں کی اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا، حمد شکر کی رئیس اس لیے ہے کہ اس میں نعمت کا اظہار اور اس کو مشہور کرنا ہے اور حمد شکر سے عام ہے۔ (نمایہ ج ۱ ص ۳۳۷-۳۳۸، مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعاتی ایران ۱۳۶۳ھ)

علامہ میر سید شریف حمد پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

حمد : کسی خوبی کی بطور تعظیم ثنا کرنا خواہ کسی نعمت کی وجہ سے ہو یا اس کے بغیر۔

حمد قولی : زبان سے اللہ تعالیٰ کی وہ تعریف کرنا جو اللہ تعالیٰ نے انبیاءِ مطہم السلام کی زبانوں کے ذریعہ خود اپنی تعریف فرمائی ہے۔

حمد فعلی : اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے بدن سے نیک اعمال کرنا۔

حمد حالی : روح اور قلب کے اعتبار سے ثنا کرنا، مثلاً علمی اور عملی کمالات سے متصف ہونا، اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متعلق ہونا۔

حمد عنی : منعم کے انعام کی وجہ سے کوئی ایسا فعل کرنا جس سے اس کی تعظیم ظاہر ہو، عام ازیں کہ زبان سے ہو یا دیگر اعضاء سے۔ (کتاب التعریفات ص ۳۲-۳۱، مطبوعہ المجمعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کی غیر اختیاری خوبی پر اس کی تعریف کرنا مدح ہے، مثلاً یا قوت اور موتی کی خوبصورتی پر تعریف کرنا، اور کسی شخص کے انعام اور احسان پر اس کی تعظیم "ثنا کرنا شکر ہے اور کسی کی اختیاری خوبی پر اس کی تعظیم" تعریف کرنا خواہ اس نے کوئی نعمت دی ہو یا نہ دی ہو، یہ حمد ہے۔ کائنات کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے کہ جس کو اللہ نے کوئی نہ کوئی نعمت نہ دی ہو اس لیے اللہ تعالیٰ کی ہر ثنا اور ہر تعریف اس کا شکر ہے اور اس کی ہر حمد شکر کے ضمن میں ہے۔ تمام تعریفوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے استحقاق پر دلیل

الحمد لله میں الف لام یا استغراق کے لیے ہے یا جنس کے لیے ہے، اگر یہ لام استغراق ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہر حامد کی ہر زمانہ میں ہر حمد اللہ کا حق ہے اور اس کے ساتھ خاص ہے، اور اگر لام جنس کا ہو تو معنی یہ ہے کہ حمد کی ماہیت اور حقیقت اللہ کا حق اور اس کی ملک ہے، اور یہ اس کے منافی ہے کہ حمد کا کوئی فرد اللہ کے غیر کے لیے ثابت ہو، تو ہر دو طریقوں سے یہ معلوم ہوا کہ حمد صرف اللہ کا حق ہے کسی اور کا حق نہیں ہے، کیونکہ تعریف کسی حسن اور کمال کی ہوتی ہے اور تمام محاسن اور کمالات کا مبداء اللہ تعالیٰ ہے تو ثابت ہوا کہ تمام تعریفات کا مستحق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ للہ میں لام یا اختصاص لائق کے لیے ہے یا ملک کے لیے ہے، پہلی صورت میں معنی یہ ہے کہ تمام تعریضیں اللہ ہی کے لائق ہیں، کیونکہ ہر چیز کو اس نے پیدا کیا ہے اور ہر چیز اس کے فضل اور احسان سے معمور ہے، دوسری صورت میں معنی یہ ہے کہ تمام تعریفوں کا اللہ ہی مالک ہے کیونکہ ہر چیز ہر حال میں اللہ کی مملوک ہے تو جس حال میں وہ حمد کرتے ہیں اس حال میں بھی وہ

اللہ کی مخلوق ہیں لہذا وہ حمد بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بہ ظاہر کسی پھول کی خوشبو کی تعریف کر رہا ہے یا کسی عالم کے علم کی تعریف کر رہا ہے تو وہ درحقیقت اللہ ہی کی تعریف کر رہا ہے کیونکہ اس پھول میں خوشبو اور عالم میں علم کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لیے یہ تعریف درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے اور اسی ایک جملہ سے مخلوق پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے کیونکہ جو شخص سورج کی کسی نبی کی یا کسی دیوی اور دیوتا کی پرستش کرتا ہے وہ ان میں کسی خوبی اور مکمل کو دیکھ کر ان کی پرستش کرتا ہے حالانکہ وہ مکمل اور حسن ان کا اپنا ذاتی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا اور اس کا عطا کردہ ہے اس لیے پرستش کا حق دار صاحب مکمل نہیں ہے خالق مکمل ہے۔

مخلوق کا شکر ادا کرنے سے پہلے خالق کا شکر ادا کیا جائے

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا محسن شکر یہ لوائے جانے کا مستحق نہیں ہے امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۰۶ مطبوعہ مطبع مجاہد پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر محسن اور ہر منعم کا شکر ادا کرنا چاہئے اور ہم اس سے منع نہیں کرتے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر نعمت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ملتی ہے اس لیے کسی منعم کے انعام اور کسی محسن کے احسان پر اس کی تعریف کرنے اور اس کا شکر ادا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے کیونکہ ہر نعمت اور ہر احسان درحقیقت اللہ کی دی ہوئی نعمت اور اس کا احسان ہے مثلاً کسی بھوکے شخص کو بھوک سے بلبلا تے دیکھ کر کوئی شخص اس کو کھانا کھلا دیتا ہے یہ ظاہر اس شخص کا احسان ہے لیکن غور کیجئے اگر اللہ کھانا ہی پیدا نہ کرتا تو وہ شخص بھوکے کو کیسے کھلاتا یا کھانا تو پیدا کیا تھا لیکن اس شخص کے پاس کھانا خریدنے کے لیے پیسے نہ ہوتے تو کھانا سے کھانا بھی ہوتا اس کے حصول کے لیے پیسے بھی ہوتے لیکن اس کے دل میں بھوکے کو دیکھ کر رحم نہ پیدا ہوتا تو بھوکے کو کب کھلا سکتا تھا یہ سب کچھ ہوتا لیکن بھوکے آدمی میں کھانے کی صلاحیت نہ ہوتی مثلاً اس کے منہ میں ٹاسور ہوتا یا اوپر کا جڑا نچلے جڑے پر بیٹھ جانے کی وجہ سے اس کا منہ بند ہو گیا ہوتا تو وہ بھوکے کو کب کھلا سکتا تھا تو نعمت بھی اس نے پیدا کی نعمت کے حصول پر منعم کو قدرت بھی اس نے دی نعمت دینے کے لیے منعم میں رحم کا جذبہ بھی اس نے پیدا کیا اور نعمت سے فائدہ اٹھانے کی منعم علیہ میں صلاحیت بھی اس نے پیدا کی تو پھر حمد اور شکر کا کون مستحق ہو گا؟ اس لیے لولا اسی کی حمد کی جائے اور اسی کا شکر ادا کیا جائے اب یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے ظاہری وسائل اور اسباب کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور اس ظاہری منعم اور محسن کا بھی شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کماحقہ حمد و ثناء سے مخلوق کا عاجز ہونا

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں لامحدود ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اگر تم اللہ کی نعمتیں مکنو تو انہیں مکن نہ سکو گے۔

وَلَنْ نَعْدُوَ وَإِنَّمَا اللَّهُ لَا تُحْصَوْنَ

(النحل : ۸)

تو جب ہم اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو مکن نہیں سکتے تو ان کا شکر کیسے لدا کر سکتے ہیں؟ نیز اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق اور قدرت کے بغیر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں ہو سکتا اس لیے جب انسان کسی نعمت پر شکر لدا کرے تو اس شکر لدا کرنے کی توفیق اور

قدرت پر بھی شکر لو اکرے، پھر اس دوسرے شکر کی توفیق پر شکر لو اکرے اور یوں ساری عمر ختم ہونے کے بلوجود اس کی کسی ایک نعمت کا شکر لو انہیں ہو سکتا، تفسیر کبیر میں منقول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہی عرض کیا کہ خدایا میں تو تیری ایک نعمت کا بھی شکر لو انہیں کر سکتا کجا غیر مٹھی نعمتوں کا شکر لو کیا جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد! جب تم نے یہ جان لیا کہ تم ہماری نعمتوں کا شکر لو اکرنے سے عاجز ہو تو ہمارا شکر لو اہو گیا، بس تم اپنی قدرت اور طاقت کے مطابق ہمارا شکر لو اکرے رہو!

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندے اس کی حمد کرنے سے عاجز ہیں اور اس کی استطاعت نہیں رکھتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی حمد کی اور فرمایا: الحمد للہ رب العلمین، رسول اللہ ﷺ سے یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کی نعمتوں کا عارف، اور اس کی حمد و ثناء میں رطب اللسان رہنے والا کون ہو سکتا ہے! اس کے بلوجود آپ فرماتے ہیں: لا احصى ثناء علیک انت کما اثنت علی نفسک

میں تیری ایسی شانیں کر سکا جیسی ثناء تو خود اپنی کرتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۴۲، مطبوعہ نور محمد اصح المصاحف کراچی، ۱۳۷۵ھ) اللہ کی حمد کرنے کے احوال اور اوقات امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کلام کی ابتدا الحمد للہ سے نہیں کی جائے گی وہ ناتمام رہے گا۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۰۹، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ) امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس مہتمم بائشان کام کی ابتداء الحمد للہ سے نہیں کی گئی وہ ناتمام رہے گا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۳۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کا کیسا نصیب رکھا ہے! اس کو اگر بھلائی پہنچتی ہے تو اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس کو مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور صبر کرتا ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۲، ۱۷۷، ۱۷۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ایک بندہ کا بچہ فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے تم نے میرے بندہ کا بچہ اٹھالیا؟ وہ کہتے ہیں ہاں، اللہ فرماتا ہے تم نے اس کے دل کا ٹکڑا اٹھالیا، وہ کہتے ہیں ہاں! اللہ فرماتا ہے میرے بندہ نے کیا کیا؟ وہ کہتے ہیں تیری حمد کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔

(جامع ترمذی ص ۱۲۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ)

لام تہذیب روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب کھاتے یا پیتے تو فرماتے : تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا۔ (جامع تہذیب ص ۴۹۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت معاذ بن انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کھانا کھا کر کہا : تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور مجھ کو بغیر کوشش اور طاقت کے یہ رزق دیا، تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (جامع تہذیب ص ۴۹۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی شخص اپنا پسندیدہ خواب دیکھے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس پر الحمد للہ کہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے تو وہ الحمد للہ کہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۳۸۱ھ)

لام تہذیب روایت کرتے ہیں :

حضرت حذیفہ بن یمانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سونے کا ارادہ کرتے تو فرماتے اے اللہ میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے : تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میرے نفس پر موت وارد کرنے کے بعد اس کو زندہ کیا، اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔ (جامع تہذیب ص ۴۴۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

لام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب کسی نیلے یا کسی بلندی پر چڑھتے تو فرماتے اے اللہ ہر بلندی سے زیادہ بلندی تیرے لیے ہے، اور ہر حمد سے بلا حمد تیرے لیے ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۷۷، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ کی حمد کی فضیلت اور اجر و ثواب

لام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو مالک اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : پاکیزگی نصف ایمان ہے الحمد للہ میزوں کو بھرتا ہے اور سبحان اللہ اور الحمد للہ آسمان اور زمین کے درمیان کو بھردیتے ہیں : (صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۳۷۵ھ)

یعنی الحمد للہ یا اس کے اجر کو اگر مجسم کیا جائے تو اس سے میزوں کو بھر جائے گی، سبحان اللہ سے مروی اللہ کی تہنیت ہے اور الحمد للہ سے مروی اس کی ثناء ہے گویا آسمان اور زمین کے درمیان ہر چیز اللہ تعالیٰ کے نقص سے بری ہونے اور اس کی تعریف اور ثناء پر دلالت کرتی ہے۔

لام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت سمرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن کے بعد چار کلام افضل ہیں اور وہ بھی قرآن سے ہیں، تم ان میں جس سے بھی ابتدا کرو کوئی مضائقہ نہیں ہے سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر (مسند احمد ج ۵ ص ۲۰ ج ۴ ص ۳۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دلو سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام کو سبحان اللہ کہا اس نے گویا سو حج کئے اور جس نے سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام کو الحمد للہ کہا اس نے گویا جملونی سبیل اللہ کے لیے سو گھوڑے میا کئے۔ (جامع ترمذی ص ۵۰۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابو ہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے سو مرتبہ سبحان اللہ و بحمدہ کہا اس کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے، خواہ وہ گناہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۵۰۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباسؓ نے کہا الحمد للہ، شکر ہے، اللہ کی فرمانبرداری کرنا ہے اور اس کی نعمت اور ہدایت کا اقرار کرنا ہے۔ (جامع البیان، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

نبی ﷺ نے فرمایا جب تم کہتے ہو الحمد للہ رب العلمین تو تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہو اور وہ تم کو زیادہ نعمت دے گا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اسود بن سریعؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو حمد سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں ہے اسی لیے اس نے اپنی حمد کی اور فرمایا تا الحمد للہ۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ قرطبی بیان کرتے ہیں :

امام مسلم حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ بندہ کی اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ وہ کچھ کھائے تو اللہ کی حمد کرے اور کچھ پیے تو اللہ کی حمد کرے۔

حسن بصریؒ نے کہا ہر نعمت کی بہ نسبت الحمد للہ کمنا افضل ہے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ کی دی ہوئی کسی نعمت پر الحمد للہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے افضل نعمت عطا فرماتا ہے۔

نوادیر الاصول میں حضرت انس بن مالکؓ کی نبی ﷺ سے ایک روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے : اگر کسی کو تمام دنیا دے دی جائے پھر اس کو الحمد للہ کہنے کی توفیق دی جائے تو الحمد للہ کہنے کی نعمت تمام دنیا سے افضل ہے۔

(المجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۳۱، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران)

خود اپنی حمد و ثنا کرنے کی شرعی نوعیت

جس طرح کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے اور انسان کے لیے تکبر کرنا حرام ہے، اسی طرح انسان کا عیوب سے اپنی تزیینہ اور محاسن سے خود اپنی حمد و ثناء کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے، کیونکہ تسبیح اور تزیینہ اور حمد و ثنا اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے،

تعلیٰ لور اس کے رسول ﷺ نے خود ستلی سے منع فرمایا ہے لور اس کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَلَا تَزْكُوا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى
(النجم : ۳۲)
خود ستلی نہ کرو، پرہیزگاروں کو وہی زیادہ جانتا ہے۔

تزکیہ کا معنی ہے، عیوب لور قبلح سے منزہ کرنا یعنی نہ عیوب سے اپنی برات بیان کرو نہ اپنے محاسن بیان کرو۔
علامہ آلوسی اس آیت کے شلن نزول میں لکھتے ہیں :

یہ آیت ان مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو نیک اعمل کرتے پھر اپنی نمازوں، لور حج کا ذکر کرتے تھے۔
(روح المعانی ج ۲ ص ۶۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ جب یهود و نصاریٰ نے اپنی تعریف کی لور یہ کہا نحن ابناء اللہ و احباءہ ”ہم اللہ کے بیٹے لور اس کے محبوب ہیں“ لور بعض روایات میں ہے کہ یودیوں نے کہا ہم بچوں کی طرح گناہوں سے پاک ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی : (الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۳۶، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْكُونَ أَنْفُسَهُمْ بِاللَّهِ
يَزْكِي مَنْ يَشَاءُ (النساء : ۴۹)
کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی کا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے پاکیزہ بنا دیتا ہے۔

لام مسلم روایت کرتے ہیں :

ابن حطا کہتے ہیں میں نے اپنی بیٹی کا نام برہ (نیوکارہ) رکھا، مجھ سے حضرت زینب بنت ابی سلمہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس نام سے منع فرمایا ہے، میرا نام پہلے برہ تھا، (یعنی نیکی کرنے والی) تو میرا نام زینب رکھا گیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم خود ستلی نہ کرو، اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ تم میں سے نیکی کرنے والا کون ہے، صحابہ نے پوچھا پھر ہم اس کا کیا نام رکھیں آپ نے فرمایا اس کا نام زینب رکھو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

قرآن مجید کی ان آیات لور اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ انسان کا خود اپنی تعریف لور حمد و ثنا کرنا اور اپنے آپ کو عیوب لور قبلح سے بری لور پاک دامن کہنا، اللہ تعالیٰ لور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، سب لور تنزیہ لور حمد و ثنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کو زیبا ہے وہی ہر عیب لور نقص سے پاک ہے لور وہی تمام خوبیوں لور کمالات کا جامع ہے لور وہی تمام تعریفوں لور حمد و ثنا کا مستحق ہے۔

تہم اگر کسی غرض صبح کی وجہ سے انسان اپنی تعریف کرے تو یہ جائز ہے جیسے حضرت عثمان نے باغیوں کے سامنے اپنی تعریف و توصیف کی تاکہ وہ باغی بعثت سے باز آجائیں لور ان پر اللہ کی جنت تمام ہو جائے۔

لام ترفی روایت کرتے ہیں :

ابو عبد الرحمن سلمیٰ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان کا محاصرہ کر لیا گیا تو انہوں نے اپنے گھر کی چھت سے ان کی طرف حوجہ ہو کر کہا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر یاد دلاتا ہوں کہ جب جبل حراء لٹنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے حراء پر سکون ہو جا کیونکہ تم پر صرف نبی ہے یا صدیق ہے یا شہید ہے، باغیوں نے کہا ہاں! آپ نے کہا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر یاد دلاتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے لیے فرمایا تھا اس کے لیے کون مقبول خرچ مہیا کرتا ہے؟ اس وقت

مسلمان سخت مشکل اور تنگ دستی میں تھے تو میں نے اس لشکر کے لیے زور لہو مہیا کیا باغیوں نے کہا ہاں پھر آپ نے کہا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر یاد دلاتا ہوں کیا تمہیں علم ہے کہ چارہ رومہ (ایک کنواں) سے صرف قیمت دے کر پینے کے لیے پانی حاصل کیا جاتا تھا میں نے اس کنویں کو خرید کر امیروں، غریبوں اور مسافروں کے لیے وقف کر دیا باغیوں نے کہا ہاں اس کے علاوہ اور بہت سی نیکیاں حضرت عثمان نے گنوائیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۵۳۱-۵۳۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

ثمامہ بن حزن قیسری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان نے باغیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو چارہ رومہ کے سوالور کوئی بیٹھے پانی کا کنواں نہیں تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی ہے جو چارہ رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دے؟ اور اس نیکی کے عوض میں جنت لے لے! میں نے اس کنویں کو خالص اپنے مل سے خرید اور آج تم مجھ کو اس کنویں کا پانی پینے نہیں دیتے! حتیٰ کہ میں سمندر کا کھار اپانی پی رہا ہوں! باغیوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ مسجد نبوی میں جگہ کم تھی تو نبی ﷺ نے فرمایا کوئی ہے جو فلاں شخص سے زمین خرید کر اس مسجد کو وسیع کرے؟ اور اس نیکی کے عوض جنت لے لے! پھر اس جگہ کو میں نے اپنے خالص مل سے خرید لیا اور آج تم مجھے اس میں دو رکعت نماز پڑھنے نہیں دیتے! باغیوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ غزوہ تبوک کے لیے میں نے اپنے مل سے خرچ مہیا کیا تھا، انہوں نے کہا ہاں! آپ نے پھر فرمایا میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں جبل ثبیر پر کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر تھے اور میں تھا، اس وقت پہاڑ ہلنے لگا، حتیٰ کہ اس کے پتھر نیچے گرنے لگے، تو آپ نے اس پر اپنا پیر مارا اور فرمایا اے ثبیر ساکن ہو جا! تجھ پر نبی ہے، صدیق ہے اور دو شہید ہیں، باغیوں نے کہا ہاں! آپ نے تین بار فرمایا اللہ اکبر! خدا کی قسم ان باغیوں نے میرے حق میں گواہی دے دی اور میں شہید ہوں۔ (جامع ترمذی ص ۵۳۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عثمان نے باغیوں کے سامنے اپنی حمد و ثنا اس لیے کی تھی کہ یہ باغی اسلام کے لیے حضرت عثمان کی خدمات اور بارگاہ رسالت میں ان کے مقام کو پہچان کر بغاوت سے باز آجائیں، تو ایسی کوئی غرض صحیح ہو مثلاً غاصبوں کے سامنے اپنا استحقاق ثابت کرنے کے لیے یا محض اللہ تعالیٰ کے انعامات بیان کرنے کے لیے اپنی تعریف کی جائے اور اس سے اپنی بڑائی کا اظہار کرنا مقصود نہ ہو تو پھر اپنی تعریف کرنا جائز ہے اور اگر حمد و ثنا سے اپنی بڑائی کا اظہار کرنا مقصود ہو تو اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں، حمد و ثناء اور کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اسی کو زیبا ہے۔

کسی دوسرے شخص کے سامنے اس کی حمد و ثنا کرنے کی شرعی نوعیت

جس طرح بغیر کسی غرض صحیح کے خود اپنی تعریف کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے اسی طرح کسی غرض صحیح کے بغیر کسی

دوسرے شخص کے سامنے اس کی تعریف کرنا بھی مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوبکرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے سامنے ایک شخص نے کسی کی تعریف کی، آپ نے فرمایا: تم پر

فسوس ہے تم نے تو اپنے صاحب کی گردن کٹ دی، یہ جملہ آپ نے کئی بار فرمایا : جب تم میں سے کسی شخص نے اپنے صاحب کی ملامت تعریف کرنی ہو تو یوں کہو کہ میرا فلاں کے متعلق یہ گمان ہے اور اس کو حقیقت میں اللہ ہی جاننے والا ہے اور میں کسی کو اللہ کے نزدیک سر لہا ہوا نہیں کہتا، خواہ وہ اس کے متعلق اسی طرح جانتا ہو۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا، ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی شخص فلاں فلاں چیز میں اس سے افضل نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تم پر فسوس ہے! تم نے اپنے صاحب کی گردن کٹ دی۔ یہ جملہ آپ نے کئی بار فرمایا : پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اگر تم میں سے کسی شخص نے خواہ مخواہ اپنے بھائی کی تعریف کرنی ہو تو یہ کہے میرا فلاں کے متعلق یہ گمان ہے خواہ وہ اس کو اسی طرح سمجھتا ہو اور وہ یہ نہ کہے کہ وہ اللہ کے نزدیک ایسا ہی ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ) ان احادیث میں کسی شخص کے سامنے اس کی تعریف سے منع کیا گیا ہے اور بعض احادیث سے اس کا جواز بھی ثابت ہے : لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خطبہ میں فرمایا کہ اللہ سبحانہ نے ایک بندے کو دنیا اور جو اس کے پاس ہے، اس کے درمیان اختیار دیا تو اس نے اس چیز کو اختیار کر لیا جو اللہ کے پاس ہے، حضرت ابو بکر یہ سن کر رونے لگے، حضرت ابو سعید کہتے ہیں میں نے دل میں سوچا : اگر اللہ نے ایک بندے کو دنیا اور جو اس کے پاس ہے اس کے درمیان اختیار دے دیا ہے اور اس نے جو اللہ کے پاس ہے اس کو پسند کر لیا تو اس بوڑھے کو کیا چیز رلاتی ہے؟ لیکن آپ کے اس ارشاد میں بندے سے مراد رسول اللہ ﷺ تھے اور حضرت ابو بکر ہم سب سے زیادہ عالم تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے ابو بکر امت روؤ! بے شک اپنی صحبت اور مل سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کر۔ نروالے ابو بکر ہیں اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا لیکن اسلام کی اخوت اور محبت قائم رہے گی، اور ابو بکر کے دروازے کے سوا مسجد میں (کھلنے والا) ہر دروازہ بند کر دیا جائے، باقی نہ رکھا جائے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۸۱، ۶۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو لام تنذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (جامع تنذی ص ۵۸۱-۵۸۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) نبی ﷺ نے حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کے سامنے بھی ان کی تعریف کی ہے۔ لام تنذی روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان احد (پہاڑ) پر چڑھے، وہ چلنے لگا، آپ نے فرمایا : اے احد ساکن ہو جا، تجھ پر صرف نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔ (جامع تنذی ص ۵۳۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اور آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی ان کی تعریف کی ہے، لام تنذی روایت کرتے ہیں : حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا : تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لیے ہارون تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔

(جامع تنذی ص ۵۳۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

منہ پر تعریف کرنے کے جواز اور عدم جواز کا محمل

امام مسلم نے ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن میں کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنے سے منع کیا گیا ہے، جبکہ ہم طبرانی میں ایسی روایات ہیں جن میں کسی کے سامنے تعریف کرنے کی اجازت ہے اور صحاح ستہ میں بکثرت ایسی روایات ہیں جن میں خود رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کے سامنے ان کی تعریف کی ہے، اس لیے علماء کرام نے ان احادیث میں یہ تطبیق دی ہے کہ اگر کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنے سے اس کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہو تو پھر اس کے سامنے اس کی تعریف نہ کی جائے اور اگر یہ خدشہ نہ ہو تو پھر اس کے سامنے اس کی تعریف جائز ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں :

امام مسلم نے وہ احادیث ذکر کی ہیں جن میں کسی کے منہ پر تعریف کرنے سے منع کیا گیا ہے، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور بکثرت کتب حدیث میں ایسی روایات بھی ہیں جن میں منہ پر تعریف کی گئی ہے، ان احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ کسی کی بے جا تعریف کرنا یا تعریف میں مبالغہ کرنا یا دنیاوی طمع کی وجہ سے تعریف کرنا یا جس شخص کے متعلق یہ اندیشہ ہے کہ وہ تعریف سن کر اکر جائے گا یا تکبر میں مبتلا ہو جائے گا، اس کے منہ پر تعریف کرنا منع ہے، اور جس شخص کے مکمل تقویٰ اور عقل میں پختگی کی وجہ سے یہ خدشہ نہ ہو اس کے منہ پر تعریف کرنا منع نہیں ہے، بہ شرطیکہ وہ بے جا تعریف نہ ہو اور دنیاوی طمع کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ اگر کسی دینی مصلحت کی وجہ سے تعریف کی جائے یا کسی شخص میں کسی نیک خصلت کے حصول یا اس کی زیادتی کے لیے یا اس کو اس نیک خصلت پر برقرار رکھنے کے لیے یا اس نیک خصلت کی اقتداء کے لیے اس کے منہ پر تعریف کی جائے تو یہ تعریف کرنا مستحب ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۳۳، مطبوعہ نور محمد امح المطلاع کراچی، ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

علامہ ابن بطل نے کہا ہے کہ ممانعت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کسی کی ان اوصاف کے ساتھ تعریف کرے گا جو اس میں نہ ہوں تو ہو سکتا ہے کہ وہ شخص اپنے متعلق ان اوصاف کا یقین کر لے اور ان اوصاف پر اعتما کر کے وہ شخص اپنے اعمال ضائع کر دے اور نیکی کی جدوجہد کرنا چھوڑ دے (مثلاً ایک شخص کسی سے کہے میں نے تم کو خواب میں بارگاہ رسالت میں دیکھا ہے، اور تمہارے جنتی ہونے کی بشارت سنی ہے یا کہے کہ میں نے حضور سے یہ سنا ہے کہ جو تمہارے ہاتھ پر بیعت کرے گا وہ جنتی ہو گا، یا جو تمہارے وعظ میں شریک ہو گا وہ جنتی ہو گا۔ العیاذ باللہ) اس لیے جس ”حدیث میں یہ ہے کہ تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دو۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جھوٹی تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دو اور جس شخص نے ان اوصاف کے ساتھ تعریف کی جو موصوف میں موجود ہوں تو وہ اس حکم میں داخل نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ کے سامنے بعض صحابہ نے اپنے اشعار اور خطاب میں آپ کی تعریف کی اور آپ نے ان کے منہ میں مٹی نہیں ڈالی، علامہ ابن بطل کا کلام ختم ہوا۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ کسی شخص نے حضرت عثمان کے سامنے ان کی تعریف کی تو حضرت مقداد نے اس کے منہ پر کنکریاں پھینکیں اور مذکور الصدر حدیث سے استدلال کیا، اس حدیث کا دوسرا محمل یہ ہے کہ منہ پر مٹی ڈالنے کا مطلب ہے اس کو ناکام اور نامراد کرنا یعنی جھوٹی تعریف کرنے والے کی غرض اور مقصد کو پورا نہ کرو، تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس سے کہو تمہارے منہ میں مٹی، چوتھی توجیہ یہ ہے کہ ممدوح اور موصوف اس جھوٹی تعریف سے دھوکا نہ کھائے اور

عرف کرنے والے سے کہ تم فلا کہہ رہے ہو میں ایسا نہیں ہوں، لور یہ اس کے منہ میں مٹی ڈالنا ہے، پانچویں توجیہ یہ ہے کہ وہ شخص جس مقصد لور غرض سے تعریف کر رہا ہے اس کا وہ مقصد پورا کر کے اس کا منہ بند کر دیا جائے لور اس کو مدونہ کر دیا جائے، مثلاً کوئی شخص کسی سے کچھ رقم مانگنے کے لیے اس کی بے جا تعریف کر رہا ہے تو وہ اس کو وہ رقم دے کر کہے یہ رقم لو لور جلا! لور یہ اس کے منہ کو بند کرتا ہے جو اس کے منہ میں مٹی ڈالنے کے مترادف ہے، علامہ بیضوی اور علامہ طیبی نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ مدح کی آفت یہ ہے کہ مدح کرنے والا کبھی جھوٹ بولتا ہے اور کبھی اپنی مدح سے ممدوح کو مزید برائی میں مبتلا کرتا ہے، خصوصاً جب وہ فاسق یا ظالم کی مدح کرے، امام ابو علی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ جب فاسق کی مدح کی جائے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے، اور کبھی وہ ایسی تعریف کرتا ہے جو اس کے نزدیک مستحق نہیں ہوتی، لور جس شخص کی مدح کی جائے وہ اس خطرہ سے خالی نہیں ہے کہ وہ اترانے لگے یا تکبر کرے یا تعریف کی شہرت پر اعتدال کر کے عمل میں کمی کر دے، اگر تعریف ان قباحتوں سے خالی ہو تو پھر اس میں حرج نہیں ہے بلکہ بعض اوقات تعریف مستحب ہوتی ہے، ابن عیینہ نے کہا جو شخص اپنے نفس کو پہچانتا ہو اس کو کسی کی تعریف سے ضرر نہیں ہوتا لور بعض سلف نے کہا جب کسی کے منہ پر تعریف کی جائے تو وہ یہ دعا کرے : اے اللہ! میرے ان کاموں کو بخش دے جن کو یہ لوگ نہیں جانتے لور ان کی تعریف کی وجہ سے میری پکڑ نہ کر اور مجھے ان کے گمان سے بہتر بنا دے۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۷۸-۷۹، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ لاہور)

رب کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں :

الرب اللہ عز وجل ہے، لور وہ ہر چیز کا رب ہے، یعنی ہر چیز کا مالک ہے، اور تمام مخلوق اس کی ملک میں ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے لور وہ رب الارباب لور مالک الملوک ہے، ابو منصور نے کہا لغت میں مالک، سید، مدبر اور مستم پر رب کا اطلاق ہوتا ہے لور جب اس پر الف لام ہو (الرب) تو پھر اس کا اللہ عز وجل کے غیر پر اطلاق نہیں ہوتا، اور جب اللہ تعالیٰ کے غیر پر رب کا اطلاق کیا جائے تو پھر اس کی کسی چیز کی طرف اضافت کی جاتی ہے جیسے رب الدار (مکان کا مالک) حدیث میں علالت قیامت کے ذکر میں ہے : ان تلدا لا مقربنہا "باندی اپنی مالکہ کو جنم دے گی۔" یعنی بہت زیادہ باتیں ہوں گی، لور تو ان کی دعا میں ہے اللہم رب هذه الدعوة "اے اس نداء کے صاحب" لور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "کوئی مملوک اپنے مالک کو میرا رب نہ کہے، آپ نے اس کو پسند کیا کہ مالک کو رب قرار دے کر اس کو رعیت میں اللہ کے ساتھ شریک کیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے اذکرنی عند ربک حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدی سے کہا تم اپنے رب کے سامنے میرا ذکر کرنا لور میں عزیز معرب رب کا اطلاق کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ کلام اس زمانہ لور ان لوگوں کے عرف کے مطابق تھا، اسی طرح نبی ﷺ نے گم شدہ لونٹ کے حلق فرمایا : حنی بلقاھا رہا "لونٹ چرتا پھرے گا حتیٰ کہ اپنے رب (مالک) سے مل جائے گا، کیونکہ جانور مہلوت کہتے ہیں نہ احکام کے حاکم ہوتے ہیں، بلکہ جانور مل و متاع کے حکم میں ہیں لور جس طرح رب اللہ اور فیو کی اضافت جائز ہے اسی طرح ان کی طرف اضافت بھی جائز ہے۔ لور حضرت یوسف علیہ السلام نے جو فرمایا تھا ان عربی احسن منوای "بے

علامہ زبیدی لکھتے ہیں :

زجلج نے کہا عالم کا اس لفظ سے کوئی واحد نہیں ہے اور اس کے علاوہ اور کسی لفظ کی جمع واؤ اور نون (عالمون یا عالمین) کے ساتھ نہیں آتی، بصائر میں مذکور ہے کہ اس کی جمع اس لیے آتی ہے کہ موجودات کی ہر نوع ایک عالم ہے مثلاً عالم انسان، عالم نار، وغیرہ اور روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دس ہزار سے زیادہ عالم پیدا کئے ہیں اور اس کی جمع سالم اس لیے آتی ہے کہ انسان بھی عالم کا ایک فرد ہے (ورنہ غیر زوی العقول کی جمع، جمع مکسر ہوتی ہے) ایک قول یہ ہے کہ اس کی جمع سالم اس لیے آتی ہے کہ اس سے مراد مخلوق کی اصناف میں سے صرف ملائکہ، جن اور انس ہیں اور دوسرے غیر زوی العقول یا غیر زوی العلوم اس سے مراد نہیں ہیں، یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے، جعفر صادق نے کہا اس سے صرف انسان مراد ہے اور ہر انسان ایک عالم ہے، میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس نے رب العلمین کی تفسیر میں کہلرب الجن والانس، اور قلموہ نے اس کی تفسیر میں کہا تمام مخلوق کے رب، ازہری نے کہا حضرت ابن عباس کے قول کی دلیل یہ آیت ہے:

ہا کہ آپ عالمین کے لیے نذیر ہو جائیں۔

لِيَكُونَ لِلْعَلَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان : ١)

اور سیدنا محمد ﷺ جانوروں اور فرشتوں کے لیے نذیر نہیں ہیں حالانکہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں، آپ صرف جن لور انس کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اور وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ کل اٹھارہ ہزار عالم ہیں اور یہ دنیا ان میں سے ایک عالم ہے۔ (تاج العروس ج ۸ ص ۴۰۷، مطبوعہ المطبعة الخيرية ۱۳۰۶ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

علامہ مریبی تھے ہیں ۔
حضرت ابوسعید خدری نے کہا اللہ تعالیٰ نے چالیس ہزار عالم پیدا کئے اور یہ دنیا شرق سے غرب تک ایک عالم ہے،
مقاتل نے کہا اسی ہزار عالم ہیں، چالیس ہزار خشکی میں ہیں اور چالیس ہزار سمندر میں، ابو العالیہ سے مروی ہے کہ جن ایک

عالم ہے، اس ایک عالم ہے، ان کے سوا زمین کے چار زلوے ہیں اور ہر زلوے میں پندرہ سو عالم ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۸، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

الطین کے متعلق اقوال میں مصنف کا مختار

میں کہتا ہوں کہ ان تمام اقوال میں صحیح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر موجود عالم ہے اور ہر مخلوق عالم میں شامل ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے :

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۚ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِن كُنْتُمْ مُوقِنِينَ (الشعراء : ۲۳-۲۴)

فرعون نے کہا رب العالمین کیا ہے؟ (موسیٰ نے) کہا وہ آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان ہر چیز کا رب ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ تمام آسمان، زمینیں اور ان کے درمیان ہر چیز عالم ہیں، اور اس کی جمع عالم کی انواع اور اصناف کے اعتبار سے لائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تربیت میں غور و فکر

ایک بیج زمین میں گرا دیا جاتا ہے، پھر زمین میں وہ پھول جاتا ہے، پھولنے کے بعد وہ ہر طرف سے پھٹ سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت باللہ کی وجہ سے وہ صرف اوپر اور نیچے سے پھٹتا ہے اوپر سے پھٹ کر اس میں سے ایک جز زمین کو پھاڑ کر لکڑا ہے اور درخت بن جاتا ہے، اس میں شاخیں پھوٹی ہیں، پھر ان شاخوں میں پھول کھلتے ہیں اور پھل بنتے ہیں اور پھلوں میں چملا بنتا ہے، مغز بنتا ہے اور مغز میں روغن ہوتا ہے، اور بیج کے نیچے سے جو جز زمین کو پھاڑ کر لکڑا ہے وہ جڑ بنتی ہے اور زمین کی گہرائی میں راستہ بناتی ہوئی وہ جڑیں نکل جاتی ہیں اور مٹی اور پانی سے اپنی طبعی غذا حاصل کر کے پورے درخت کو پہنچاتی ہیں اور اس کو سرسبز اور شاداب رکھتی ہیں۔

ہاں کی پشت سے ایک قطرہ نکل کر مٹ کے رحم میں پہنچتا ہے، پھر وہ قطرہ پہلے جما ہوا خون بن جاتا ہے، پھر گوشت کا ٹکڑا پھر اس میں ہڈیاں، رگیں اور مختلف اعضاء بنتے ہیں، پھر ان میں الگ الگ اثرات کی قوتیں رکھی جاتی ہیں۔ آنکھ میں دیکھنے کی، کان میں سننے کی اور زبان میں گویائی کی قوت رکھی جاتی ہے تو سب مل کر وہ جس نے ہڈی میں سماعت، چربی میں بصارت اور گوشت کے ایک ٹکڑے میں گویائی رکھی!

ہاں ہاں کے دل میں ایسا جذبہ رکھا کہ انہوں نے اپنے سکھ اور آرام کو چھوڑ کر اس کی پرورش کی، مٹ کے سینے میں اس کے لیے دودھ اتر اور ہاں کے دل میں شفقت رکھی اور یوں تدریجاً اس کو پالتا رہا، تربیت کرتا رہا، بڑھاتا رہا اور جب وہ اپنی نشوونما کے مکمل طبعی کو پہنچ کر پہنچ ہو گیا، اس کا شعور بڑھتا اور عقل کامل ہو گئی تب کہا اب ہماری ان نعمتوں کا شکر ادا کرو ہمارے ان کمالات کی حمد و ثناء کرو جن کے نتیجے میں تم اس مکمل طبعی تک پہنچے ہو، دیکھو اس نے تمہارے چلنے کے لیے زمین بنائی ہے، تمہارے سانس لینے کے لیے ہواؤں کے سمندر، دوں دوں کئے ہوئے ہیں، تمہارے پینے کے لیے آسمان سے پانی اتر اور زمین کی تھوں میں چشمے جاری کئے، تمہیں روشنی پہنچانے کے لیے دن بنایا، تمہارے آرام کے لیے رات بنائی، سورج کی حرارت سے تمہاری کھیتیں پکتی ہیں اور چاند کی کرنوں سے ان میں زائقہ پیدا ہوتا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے ان تمام احسان اور نعمتوں کو دیکھنے اور غور کرنے کے بعد تمہارے دلوں میں اس کی حمد و ثناء کرنے اور اس کا شکر بجالانے کا کوئی

جذبہ پیدا نہیں ہوتا!

کمل ذات گزشتہ احسان، رجا اور خوف سے حمد و ثناء کا تقاضا

دنیا میں انسان کسی شخص کی چار وجوہ سے تعریف کرتا ہے یا اس لیے کہ وہ شخص اپنی ذات و صفات میں کمال ہے اور عیوب اور نقائص سے بری ہے، خواہ اس نے اس انسان پر کوئی احسان کیا ہے یا نہیں وہ شخص کمال ذات کی وجہ سے اس کی تعریف کرتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے اس پر ماضی میں احسانات کیے ہیں اور انعمت دے دیے ہیں، تو وہ ان گزشتہ احسانوں کی وجہ سے اس کی تعریف کرتا ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ مستقبل میں اس سے انعمت کی توقع رکھتا ہے، چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے غیظ و غضب اور اس کے قہر اور قدرت سے ڈر کر اس کی تعریف کرتا ہے، تو گویا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر تم کمال ذات کی وجہ سے کسی کی حمد و ثناء کرتے ہو تو میری ذات کمال ہے سو میری حمد کرو اور اس کی طرف الحمد للہ سے اشارہ ہے اور اگر گزشتہ نعمتوں کی وجہ سے حمد و ثناء کرتے ہو تو ساری نعمتیں میں نے دی ہیں میری تعریف کرو میں ہی رب العلمین ہوں، اور اگر مستقل میں نعمتیں حاصل کرنے کے لیے تعریف کرتے ہو تو میں الرحمن الرحیم ہوں سو میری حمد کرو اور اگر ڈر اور خوف کی وجہ سے حمد و ثناء کرتے ہو تب بھی میری حمد و ثناء کرو میں ہی مالک یوم الدین ہوں۔

الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۲

نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ۰

بعض مفسرین کی فروگزاشت

بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر میں ہم الرحمن الرحیم کی تفسیر کو بیان کر چکے ہیں، یہاں پر ہم بعض مفسرین کی ایک فروگزاشت پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں
سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں :

انسان کا خاصہ ہے کہ جب کوئی چیز اس کی نگاہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے تو وہ مبالغہ کے صیغوں میں اس کو بیان کرتا ہے، اور اگر ایک مبالغہ بول کر وہ محسوس کرتا ہے کہ اس شے کی فراوانی کا حق ادا نہیں ہوا، تو پھر وہ اسی معنی کا ایک اور لفظ بولتا ہے تاکہ وہ کمی پوری ہو جائے جو اس کے نزدیک مبالغہ میں رہ گئی ہے۔ اللہ کی تعریف میں رَحْمَن کا لفظ استعمال کرنے کے بعد پھر رحیم کا اضافہ کرنے میں بھی یہی نکتہ پوشیدہ ہے۔ رحمن عربی زبان میں بڑے مبالغہ کا صیغہ ہے لیکن خدا کی رحمت اور مہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے، اس قدر وسیع ہے، ایسی بے حد و حساب ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغہ لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا۔ اس لیے اس کی فراوانی کا حق ادا کرنے کے لیے پھر رحیم کا لفظ مزید استعمال کیا گیا۔ اس کی مثل ایسی ہے جیسے ہم کسی شخص کی فیاضی کے بیان میں ”سخی“ کا لفظ بول کر جب تشنگی محسوس کرتے ہیں تو اس پر ”داتا“ کا اضافہ کرتے ہیں۔ رنگ کی تعریف میں جب ”گورے“ کو کافی نہیں پاتے تو اس پر ”چٹے“ کا لفظ اور بڑھا دیتے ہیں۔ درازی قد کے ذکر میں جب ”لمبا“ کہنے سے تسلی نہیں ہوتی تو اس کے بعد ”ترنگا“ بھی کہتے ہیں۔

(تفسیر القرآن ج ۱ ص ۴۴، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۸۳ء)

ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے اس پر دو اعتراض کئے ہیں، اول یہ کہ اگر کسی اہم چیز کا بیان

مبالغہ کے معنیوں سے کرنا انسان کا خاصہ ہے تو اس کو اللہ کے کلام پر منطبق کرنا درست نہیں ہے کیونکہ خاصہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ جس چیز کا خاصہ ہو اسی میں پایا جاتا ہے، دوسرے میں نہیں پایا جاتا، دوسرا اعتراض یہ ہے کہ الرحمن الرحیم کی مثل گورے چنے اور لمبے ترنگے سے دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ الرحمن الرحیم دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور گورے چنے اور لمبے ترنگے میں سے کوئی لفظ بھی مبالغہ کا صیغہ نہیں ہے۔ (الستین ص ۲۹-۳۰، کاظمی، پبلیکیشنز ملتان، ۱۹۹۳ء)

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۳

روز جزاء کا مالک ہے ۰

مالک اور ملک کی دو قراتیں
مالک اور ملک اس آیت میں دونوں متواتر قراتیں ہیں، امام عاصم، امام کسائی اور امام یعقوب کی قرات میں مالک ہے اور باقی پانچ ائمہ کی قرات میں ملک ہے۔
مالک اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی مملوکہ چیزوں میں جس طرح چاہے تصرف کرنے پر قنور ہو۔ اور ملک اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی رعایا میں احکام (امرو نہی) نافذ کرتا ہو۔
قرآن مجید کی بعض آیات مالک کی موافقت میں ہیں اور بعض ملک کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكِ الْمُلْكِ تُؤْنِى الْمُلْكِ مَنْ
نَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ نَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ نَشَاءُ
وَتُذِلُّ مَنْ نَشَاءُ يُبْدِكِ الْخَيْرُ ۝

(آل عمران : ۳۶)

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَلَا مَرْبُومٌ
لَّيْلُوا (الانفطار : ۸)

ان دونوں آیتوں سے مالک کی تائید ہوتی ہے۔

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝

(الناس : ۱۲)

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

(المؤمن : ۴)

الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۝

(الحج : ۵۱)

اور ان دونوں آیتوں سے ملک کی تائید ہوتی ہے۔

یوم کا معنی اور شرعی معنی

کہیے اے اللہ! ملک کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت میں مبتلا کرتا ہے اور تمام بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

یہ وہ دن ہے جس میں کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا اور اس دن اللہ ہی کا حکم ہوگا۔

آپ کہیے میں تمام لوگوں کے رب، تمام لوگوں کے بادشاہ کی پندہ میں آتا ہوں۔

آج کس کی بادشاہی ہے؟ اللہ کی جو واحد ہے اور سب پر غالب ہے۔

اس دن صرف اللہ ہی کی بادشاہی ہوگی، وہی ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

عرف میں طلوع شمس سے لے کر غروب شمس تک کے زمانہ کو یوم کہتے ہیں، اور امش کے سوا اہل سنت کے نزدیک شریعت میں طلوع فجر ثانی سے لے کر غروب شمس تک کے وقت کو یوم کہتے ہیں اور یوم قیامت اپنے معنوں میں حقیقت شرعیہ ہے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۸۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یوم قیامت کی مقدار

قیامت کے دن کے متعلق قرآن مجید میں ہے :

نَعْرُجُ الْمَلَائِكَةَ وَالرُّوحَ الْيَوْنِي يَوْمَ كَانَ
مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (المعارج : ۴)

جبرئیل اور فرشتے اس کی طرف عروج کرتے ہیں (جس دن عذاب ہو گا) اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

امام ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، 'عرض کیا گیا یا رسول اللہ! قرآن مجید میں اس دن کے متعلق ہے کہ وہ پچاس ہزار برس کا ہو گا! یہ کتنا لمبا دن ہو گا! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں (سیدنا) محمد (ﷺ) کی جان ہے، 'مومن پر اس دن میں تخفیف کی جائے گی' حتیٰ کہ وہ جہنم میں دیر میں دنیا میں فرض نماز پڑھتا تھا اس پر وہ دن اس سے بھی کم وقت میں گزرے گا۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ۲ ص ۳۴، مطبوعہ دار المأمون، تراث بیروت، ۱۴۰۳ھ)

اس حدیث کو حافظ ابن جریر (جامع البیان ج ۲۹ ص ۴۵) اور حافظ ابن کثیر (تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۴۳) نے بھی اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

(موارد النعمان الی زوائد ابن حبان، ص ۳۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

علامہ سیوطی نے بھی اس کو امام احمد، امام ابو یعلیٰ، امام ابن جریر، امام ابن حبان اور امام بیہقی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۲۶۵-۲۶۴، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

علامہ آلوسی نے بھی اس کو مذکور الصدر حوالہ جات کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(روح المعانی ج ۲۹ ص ۵۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابو سعید خدری کی حدیث مذکور کے متعلق حافظ ابی شیبہ لکھتے ہیں :

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اس کا ایک راوی ضعیف ہے اور اس کی سند ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۷، مطبوعہ دار الکتب العربی، ۱۴۰۲ھ)

نیز حافظ ابی شیبہ لکھتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا لوگ رب العلمین کے سامنے آدھے دن تک کھڑے رہیں گے جو دن پچاس ہزار برس کا ہو گا اور مومن پر آسانی کر دی جائے گی، جیسے سورج کے مائل بہ غروب ہونے سے اس کے غروب ہونے تک، اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۷، مطبوعہ دار الکتب العربی، ۱۴۰۲ھ)

لام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کافر کے لیے قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا مقرر کیا جائے گا کیونکہ اس نے دنیا میں نیک عمل نہیں کئے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۷۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

عدل و انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ جو لوگ دنیا میں اس طرح نماز پڑھتے ہیں کہ گویا وہ نماز میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں پھر وہ اس میں اس طرح محو ہو جاتے ہیں کہ انہیں گرد و پیش کا ہوش نہیں رہتا۔ لام ابو حنیفہ نماز پڑھ رہے تھے کہ مسجد کی چھت سے سب گر پڑا، افراتفری مچ گئی مگر وہ اسی محبت سے نماز پڑھتے رہے، ایک انصاری صحابی کو نماز کے دوران تیر لگا خون بہتا رہا اور وہ اسی انصاف سے نماز پڑھتے رہے، لام بخاری کو نماز میں تنبیہ نے سترہ ڈنک مارے اور انہیں احساس تک نہ ہوا، سو ایسے ہی کالمیں کی یہ جزاء ہوگی کہ قیامت کے دن ان کو فی الواقع دیدار الہی عطا کیا جائے اور جب ان کو دیدار الہی عطا کیا جائے گا تو وہ اس کی دید میں ایسے مستغرق ہوں گے کہ قیامت کے ہنگامہ خیز پچاس ہزار برس گزر جائیں گے اور ان کو یوں معلوم ہو گا جیسے ایک فرض نماز پڑھنے کا وقت گزرا ہو، لیکن اللہ تعالیٰ ہم پر عدل نہیں کرم فرماتا ہے، عدل کے لحاظ سے تو ہم دنیا میں بھی کسی نعمت کے مستحق نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ہم کو نیکیوں کے صدقہ میں نعمتیں دیتا ہے، سو آخرت میں بھی ان نیکیوں کے طفیل ہم پر قیامت کا دن بہ قدر فرض نماز گزارے گا اور اپنے دیدار سے معمور فرمائے گا۔

وقوع قیامت پر عقلی دلیل

ہم اس دنیا میں دیکھتے رہتے ہیں کہ بعض لوگ ظلم کرتے کرتے مر جاتے ہیں اور ان کو ان کے ظلم پر کوئی سزا نہیں ملتی اور بعض لوگ ظلم سہتے سہتے مر جاتے ہیں اور ان کی مظلومیت پر کوئی جزا نہیں ملتی اگر اس جہان کے بعد کوئی اور جہان نہ ہو تو ظالم سزا کے بغیر اور مظلوم جزا کے بغیر رہ جائے گا اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس عالم کے بعد کوئی اور عالم ہو جس میں ظالم کو سزا دی جائے اور مظلوم کو جزا۔

اور جزاء اور سزاء کے نظام کے برپا کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس عالم کو با لکلیہ ختم کر دیا جائے، کیونکہ جزاء اور سزا اس وقت جاری ہو سکتی ہے جب بندوں کے اعمال ختم ہو جائیں، اور جب تک تمام انسان اور یہ کائنات ختم نہیں ہو جاتی لوگوں کے اعمال کا سلسلہ ختم نہیں ہو گا۔ مثلاً قاتل نے قتل کرنے کا طریقہ ایجلا کیا اب اس کے بعد جتنے قتل ہوں گے ان کے قتل کے جرم سے قاتل کے ثمرہ اعمال میں گنہ لکھا جاتا رہے گا، اس لیے جب تک قتل کا سلسلہ ختم نہیں ہو جاتا قاتل کا ثمرہ اعمال مکمل نہیں ہو گا، اسی طرح قاتل نے ظالم سے بدلہ نہ لینے کی رسم ایجلا کی، اب اس کے بعد جو شخص بھی یہ نیکی کرے گا اس کی نیکی میں سے قاتل کے ثمرہ اعمال میں نیکی لکھی جاتی رہے گی اس لیے جب تک اس نیکی کا سلسلہ ختم نہیں ہو جاتا قاتل کا ثمرہ اعمال مکمل نہیں ہو گا، اسی طرح ایک شخص مسجد یا کنوئیں بنا کر مر جاتا ہے تو جب تک اس مسجد میں نماز پڑھی جاتی رہے گی جب تک اس کنوئیں سے پانی پیا جاتا رہے گا، اس شخص کے ثمرہ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی اور کوئی شخص بت خانہ یا شراب خانہ بنا کر مر گیا تو جب تک وہاں بت پرستی یا شراب نوشی ہوتی رہے گی اس کے ثمرہ اعمال میں برائیاں لکھی جاتی رہیں گی۔

اس لیے جب تک یہ دنیا اور اس دنیا میں انسان موجود ہیں اس وقت تک لوگوں کا ثمرہ اعمال مکمل نہیں ہو سکتا اور لوگوں کے ثمرہ اعمال کو مکمل کرنے کے لیے دنیا اور دنیا والوں کو مکمل ختم کرنا ضروری ہے اور اسی کا نام قیامت ہے خلاصہ یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کی متقاضی ہے کہ جزا اور سزا کا نظام قائم کیا جائے اور جزا اور سزا کو بخند کرنے سے پہلے قیامت کا قائم کرنا ضروری ہے۔
وقوع قیامت پر شرعی دلائل

یہ دنیا دار الامتحان ہے اور اس میں انسان کی آزمائش کی جاتی ہے اور اس امتحان کا نتیجہ اس دنیا میں ظاہر نہیں ہوتا لیکن نیک اور بد اطاعت گزار اور نافرمان موافق اور مخالف اور مومن اور کافر میں فرق کرنا ضروری ہے اور یہ فرق صرف قیامت کے دن ظاہر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى (النجم : ۳۱)

تاکہ برے کام کرنے والوں کو ان کی سزا دے اور نیک کرنے والوں کو اچھی جزا دے۔

آمَنْتُمْ بِاللَّهِ تَزَكَّيْكُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ (ص : ۲۸)

کیا ہم ایمان والوں اور نیک کرنے والوں کو زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کر دیں گے؟ یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟

آمَنْتُمْ بِاللَّهِ تَزَكَّيْكُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ (ص : ۲۸)

کیا برے کام کرنے والوں نے یہ ممکن کر لیا ہے کہ ہم ان کو ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے کہ (ان سب کی) زندگی اور موت برابر ہو جائے؟ وہ کیا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ مَا لَكُمْ مِنْتُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ (القلم : ۳۶-۳۵)

کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں جیسا کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہوا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟

دنیا میں راحت اور مصیبت کا آنا مکمل جزاء اور سزا نہیں ہے ہرچند کہ بعض لوگوں کو دنیا میں ہی ان کی بد اعمالیوں کی سزا مل جاتی ہے مثلاً ان کا مالی نقصان ہو جاتا ہے یا وہ ہولناک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا ان پر دشمنوں کا خوف طاری ہو جاتا ہے، لیکن یہ ان کی بد اعمالیوں کی پوری پوری سزا نہیں ہوتی، اور ہم کتنے ہی لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ساری عمر عیش پرستی، ہوسناکیوں اور ظلم و ستم کرنے میں گزار دیتے ہیں پھر اچانک ان پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے اور ان کی دولت اور طاقت کا نشہ کافور ہو جاتا ہے لیکن ان کے جرائم کے مقابلہ میں یہ بہت کم سزا ہوتی ہے اس لیے ان کی مکمل سزا کے لیے ایک اور جہان کی ضرورت ہے جہاں قیامت کے بعد ان کو پوری پوری سزا ملے گی۔

وَلَنَذِقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (السجدة : ۲۱)

ہم ان کو بڑے عذاب سے پہلے (دنیا میں) ہلکا عذاب ضرور چکھائیں گے تاکہ وہ باز آجائیں۔

اس طرح بہت سے نیک بندے ساری عمر ظلم و ستم سہتے رہتے ہیں اور مصائب برداشت کرتے رہتے ہیں اور انہیں اپنی زندگی میں آرام اور راحت کا بہت کم موقعہ ملتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ قیامت کو قائم کرے گا اور ہر شخص کو اس کی نیکی اور بدی کی پوری پوری جزا اور سزا دے گا!

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۖ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (الزلزال : ۷-۸)

سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کی (جزا) پائے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کی (سزا) پائے گا۔

دین کا لغوی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں :

دین کا معنی ہے جزا اور مکافات، قرآن مجید میں مالک یوم الدین کا معنی ہے یوم جزا کا مالک، دین کا معنی عبادت بھی ہے کہا جاتا ہے مازال ذالک دینی میری ہمیشہ سے یہ عبادت ہے، اور دین کا معنی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، اور دین کا معنی اطاعت ہے، حدیث میں ہے :

یمرقون من الدین مروق السهم من الرمية (۱) وہ امام کی اطاعت سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

دین، شریعت اور مذہب وغیرہ کی تعریفات

میر سید شریف لکھتے ہیں :

دین ایک الہی دستور ہے جو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتا ہے جو عقل والوں کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے، دین اور ملت متحدہ بلذات ہیں اور مختلف بلا اعتبار ہیں کیونکہ شریعت بہ حیثیت اطاعت دین ہے اور بہ حیثیت ضبط اور تحریر ملت ہے، اور جس حیثیت سے اس کی طرف رجوع کیا جائے مذہب ہے، ایک قول یہ ہے کہ دین اللہ کی طرف منسوب ہے اور ملت رسول ﷺ کی طرف منسوب ہے اور مذہب مجتہد کی طرف منسوب ہے۔

(کتاب التعریفات ص ۴۷، مطبوعہ المبدع الخیریہ، مصر ۱۳۰۶ھ)

عبودیت کا التزام کر کے حکم ماننا شریعت ہے ایک قول یہ ہے کہ شریعت دین کا ایک راستہ ہے۔

(کتاب التعریفات ص ۵۵، مطبوعہ المبدع الخیریہ، مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں :

”شرعہ و منہاجا“ کی تفسیر میں قلوہ نے کہا دین ایک ہے اور شریعت مختلف ہے۔

(عمدة القاری ج ۱ ص ۱۷۷، مطبوعہ لواء الباعث النوریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

علامہ قرطبی ماکلی لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے کل تورات کے لیے تورات مقرر کی اور کل انجیل کے لیے انجیل اور اہل قرآن کے لیے قرآن مقرر کیا اور یہ تقرر شریعتوں اور عبادتوں میں ہے اور اصل توحید ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(المجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۲۸، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

لام بخاری مجلد سے روایت کرتے ہیں :

اے محمد (ﷺ) ہم نے آپ کو اور حضرت نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۶)

(۱) علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی ۱۳۰۵ھ، تاج المعوس ج ۹ ص ۲۰۸-۲۰۷، مطبوعہ المبدع الخیریہ ۱۳۰۶ھ

مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی (۱۳۸۸ھ)

قرآن مجید میں ہے :

”اللہ نے تمہارے لیے اسی دین کا راستہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے لوح کو دیا تھا اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور وہ اسلام ہے۔

لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَاۓ

ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور (المائدہ : ۴۸) واضح راہ عمل بنائی ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نبی کی شریعت الگ ہے۔

قرآن مجید کی ان آیات، احادیث اور عبارات علماء کا حاصل یہ ہے کہ جو عقائد اور اصول تمام انبیاء میں مشترک ہیں مثلاً توحید، رسالت، قیامت، جزاء، سزا، اللہ کی تعظیم اور اس کے شکر کا واجب ہونا، قتل اور زنا کا حرام ہونا، ان کا نام دین ہے اور ہر نبی نے اپنے زمانہ کے مخصوص حالات کے اعتبار سے عبادات اور نظام حیات کے جو مخصوص احکام بتائے وہ شریعت ہے، ان کو مدون اور منضبط کرنا ملت ہے اور امام اور مجتہد نے کتاب اور سنت سے جو احکام مستنبط کیے ان کا نام مذہب ہے اور مشلح طریقت نے جو اوراد اور وظائف کے مخصوص طریقے بتائے ان کا نام مسلک اور مشرب ہے اور کسی مخصوص درجہ کے نظریات کا نام مکتب فکر ہے۔ مثلاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہم دین کے اعتبار سے مسلمان ہیں، شریعت کے اعتبار سے محمدی ہیں، مذہب کے اعتبار سے ماتریدی اور حنفی ہیں اور مسلک اور مشرب کے اعتبار سے قلوری ہیں اور مکتب فکر کے لحاظ سے بریلوی ہیں۔

اللہ، رب، رحمن، رحیم اور مالک یوم الدین میں وجہ ارتباط

سورہ فاتحہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پانچ اسماء ذکر کئے ہیں۔ اللہ، رب، رحمن، رحیم اور مالک یوم الدین اور ان میں ارتباط اس طرح ہے کہ اللہ کے تقاضے سے اس نے انسان کو پیدا کیا، ”رب“ کے تقاضے سے اس نے غیر متمنی نعمتوں سے انسان کی پرورش کی، ”رحمن“ کے تقاضے سے انسان کے گناہوں پر پردہ رکھا، ”رحیم“ کے تقاضے سے انسان کی توبہ قبول کر کے اس کو معاف فرمایا اور ”مالک یوم الدین“ کے تقاضے سے انسان کو اس کے اعمال صالحہ کی جزاء عطا فرمائی۔

اگر یہ سوال ہو کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں بھی اللہ تعالیٰ کی صفت رحمن و رحیم کا ذکر ہے اور سورہ فاتحہ کی ابتداء میں پھر ان صفات کا ذکر ہے، اس کی کیا وجہ ہے کہ رحمن اور رحیم کو دو مرتبہ ذکر کیا ہے اور باقی اسماء کا دو مرتبہ ذکر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس میں یہ اشارہ ہو کہ اللہ تعالیٰ پر رحمت کا غلبہ ہے اس لیے بندہ کو اس سے مایوس نہیں ہونا چاہئے اور ہر وقت اس کی رحمت پر نظر رکھنی چاہئے، اس کے بعد مالک یوم الدین فرمایا کہ کہیں اس کی رحمت سے دھوکا کھا کر انسان گناہوں پر دلیر نہ ہو جائے کیونکہ وہ مالک یوم الدین بھی ہے۔

جس طرح اس آیت میں فرمایا ہے :

عَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ۝
وہ گنہ بخشے والا اور توبہ قبول کرنے والا بہت سخت عذاب دینے والا قدرت والا ہے۔ (ذی الطولۃ المؤمن : ۴۰)

الحمد لله میں مسند الیہ مقدم ہے اور خبر معروفہ ہے اور علی قولہ کے مطابق ایسی ترکیب مفید حصر ہوتی ہے نیز اللہ تعالیٰ کی صفت رب 'رحمن' رحیم اور مالک یوم الدین بہ منزلہ علت ہیں اس اعتبار سے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی حمد کا مستحق نہیں ہے کیونکہ وہی رب ہے وہی رحمن رحیم اور مالک روز جزاء ہے اور اس میں یہ رمز ہے کہ جس میں یہ صفت نہ ہوں وہ تو ستائش کے لائق بھی نہیں ہے چہ جائیکہ وہ پرستش کا مستحق ہو اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ ہی حمد وثنا کے لائق ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے تو ہم سے یہ کہلویا : اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ ط

(اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں) ○

عبادت کا لغوی معنی

علامہ جوہری لکھتے ہیں :

عبودیت کی اصل خضوع اور ذلت ہے 'عبادت کا معنی ہے اطاعت کرنا اور تعبد کا معنی ہے تشنگ (فرمانبرداری کرنا) (الصحاح ج ۲ ص ۵۰۳ 'مطبوعہ دارالعلم بیروت' ۱۳۰۴ھ)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں :

لغت میں عبادت کا معنی ہے خضوع (تواضع اور عاجزی) کے ساتھ اطاعت کرنا۔

(لسان العرب ج ۳ ص ۲۷۳ 'مطبوعہ نشر لوب الحوزة' قم 'ایران' ۱۳۰۵ھ)

علامہ سید زبیدی لکھتے ہیں :

عبادت کا معنی ہے طاعت 'بعض ائمہ نے کہا عبودیت کی اصل ذلت اور خضوع ہے' دوسرے ائمہ نے کہا عبودت کا معنی ہے رب کے فعل پر راضی ہونا اور عبادت کا معنی ہے ایسا فعل کرنا جس سے رب راضی ہو 'اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ آخرت میں عبادت ساقط ہو جائے گی عبودت ساقط نہیں ہوگی 'کیونکہ عبودت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے حقیقت میں متصرف ہونے کا عقیدہ نہ رکھے 'ہمارے شیخ نے کہا یہ صوفیہ کی اصطلاح ہے 'اس میں لغت کا دخل نہیں ہے' ازہری نے کہا غلام جو اپنے مولیٰ کی خدمت کرتا ہے اس کو عبادت نہیں کہتے اور مسلمان جو اپنے رب کی طاعت کرتا ہے اس کو عبادت کہتے ہیں 'اللہ عز و جل نے فرمایا ہے اعبدوا ربکم اس کا معنی ہے اپنے رب کی طاعت کرو 'اور ایاک نعبد کا معنی ہے ہم خضوع اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طاعت کرتے ہیں۔ ابن الاثیر نے کہا عبادت کا لغت میں معنی ہے عاجزی کے ساتھ طاعت کرنا (تاج المعوس شرح القاموس ج ۲ ص ۲۶۰ 'مطبوعہ المطبعة الخيرية مصر' ۱۳۰۶ھ)

عبادت کا اصطلاحی معنی

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں :

نفس کی خواہش کے خلاف اپنے رب کی تعظیم کے لیے مکلف کا کوئی کام کرنا عبادت ہے۔
 عہد کو پورا کرنا، اللہ کی حدود کی حفاظت کرنا جو مل جائے اس پر راضی رہنا اور جو نہ ملے اس پر صبر کرنا عبادت ہے۔
 (کتاب التعریفات ص ۳۳، مطبوعہ المجمع الخیر مصر ۱۳۰۶ھ)

قرآن مجید میں عبادت کا لفظ توحید اور اطاعت کے لیے استعمال ہوا ہے :
 وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا
 (النساء : ۳۶)

اے لولاد آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم
 الشَّيْطَانُ (یسن : ۶۰)

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عبادت کا اصطلاحی معنی ہے : اعتقاد الوحیت کے ساتھ کسی کی تعظیم اور اطاعت کرنا اور
 یا یہاں الناس اعبدوا ربکم کا معنی ہے : اے لوگو! اپنے رب کو اللہ مان کر اس کی تعظیم اور اطاعت کرو۔ اور یا باک
 نعبد کا معنی ہے : ہم اعتقاد الوحیت کے ساتھ تیری تعظیم اور اطاعت کرتے ہیں۔
 قرآن مجید میں عبد کے اطلاقات
 قرآن مجید میں پانچ قسم کے لوگوں پر عبد کا اطلاق کیا گیا ہے۔
 غلام اور مملوک پر عبد کا اطلاق کیا گیا ہے۔

الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ (البقرہ : ۱۷۸)
 غلام کے بدلہ میں غلام (کو قتل کیا جائے)۔
 ضرب اللہ مثلاً عبداً مملوگاً لا یقدر علی شئ اللہ مثل بیان فرماتا ہے ایک مملوک (غلام) کی جس کو کسی
 چیز پر قدرت نہیں ہے۔ (النحل : ۷۵)
 (۲) جو اللہ کی تسخیر سے عبد ہیں

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي
 الرَّحْمَنِ عَبْدًا (مریم : ۹۳)
 آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہیں وہ اللہ کی بارگاہ میں
 بطور عبد حاضر ہوں گے۔

(۳) جو اپنے اختیار سے اللہ کے عبد ہیں اور عبدیت میں کمال ہیں۔
 ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا
 شَكُورًا (بنی اسرائیل : ۳)

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ
 الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى
 (بنی اسرائیل : ۱)

(۴) جو اپنے اختیار سے اللہ کے عبد ہیں اور عبدیت میں ناقص ہیں۔
 إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ
 أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (المائدہ : ۱۱۸)

اگر تو انہیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں
 اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی بہت غالب ہے بڑی

حکمت والا ہے۔

کہیے اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

قُلْ يُعْبَادِي الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر: ۵۳)
(۵) جو اپنے اختیار سے غیر اللہ کے عبد ہیں۔

لور جس دن اللہ انہیں جمع کرے گا لور جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے پھر اللہ ان (معبودوں) سے فرمائے گا : کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود ہی گمراہ ہو گئے تھے۔

وَيَوْمَ يُخْشَرُهُمْ وَمَا يَعْْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَصْلَلْتُمْ عِبَادِيَ هٰۤؤُلَاءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوْا السَّبِيْلَ (الفرقان : ۱۷)

ہائے افسوس ان بندوں پر! ان کے پاس جو رسول بھی آیا یہ ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

يَحْسِرُوْۤا عَلٰۤى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيْهِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا يَهْتَفُوْنَ عَلَيْهِ فَوْنِ (يس : ۳۱)

خلاصہ یہ ہے کہ جو مملوک لور غلام ہیں، جو تسخیرا عبد ہیں، جو اپنے اختیار سے اللہ کے عبد ہیں اور عبد کامل ہیں اور جو اپنے اختیار سے اللہ کے عبد ہیں لور عبد ناقص ہیں لور جو اپنے اختیار سے غیر اللہ کے عبد ہیں ان سب پر قرآن مجید میں عبد کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اپنے غلام کو ”میرا عبد“ کہنے کی کراہت اور عبد النبی وغیرہ نام رکھنے کی تحقیق

غلام کے لیے اپنے مالک کو میرا رب کہنا مکروہ تنزیہی ہے اسی طرح مالک کا غلام کو میرا عبد کہنا مکروہ تنزیہی ہے۔

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ اپنے رب کو کھلاؤ، اپنے رب کو پلاؤ، بلکہ میرا سید لور میرا مولا کہے، لور تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے میرا عبد اور میری بندی، اسے یہ کہنا چاہئے، میرا نوکر، میری نوکرانی لور میرا غلام۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۷-۳۳۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۴۳۸ھ)

لام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : تم میں سے کوئی شخص اپنے مملوک کے لیے میرا عبد نہ کہے، لیکن میرا غلام کہے، لور نہ مملوک اپنے مالک کو میرا رب کہے لیکن میرا سید کہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۲۸ھ)

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کوئی شخص اپنے مملوک کو میرا عبد نہ کہے بلکہ میرا نوکر یا غلام کہے، یہ ممانعت اس لیے کی گئی ہے تاکہ مالک سے تکبر لور بڑائی کی نفی کی جائے لور مالک کی طرف غلام کی عبودیت کی نسبت کی نفی کی جائے کیونکہ اس کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے لور وہی تمام بندوں کا رب ہے۔

(نیلۃ ج ۳ ص ۱۷۰، مطبوعہ مؤستہ مطبوعاتی ایران ۱۳۳۳ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں :

کسی شخص کا اپنے مملوک کو میرا عبد کہنا مکروہ تنزیہی ہے حرام نہیں ہے کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مملوک اللہ کا عبد ہے اور اس کی عبادت کرتا ہے اب اگر اس کا مالک بھی اس کو اپنا عبد کہے تو یہ شرک اور مشابہت کو واجب کرتا ہے لہذا اس سے احتراز کے لیے مستحب ہے کہ وہ اس کو میرا نوکر اور میرا خدام کہے اور یہ حرام اس لیے نہیں ہے کہ قرآن مجید میں مالک کی طرف عبد کی اضافت کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمُ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ (النور : ۳۲)

اور تم اپنے بے نکاح (آزاد) مردوں اور عورتوں کا اپنے نیک عبد (غلاموں) اور باندیوں سے نکاح کرو۔

علامہ ابن بطل نے کہا ہے کہ اس آیت کی رو سے کسی شخص کا اپنے غلام کو میرا عبد کہنا جائز ہے اور احادیث میں ممانعت تعلیل کے لیے ہے تحریم کے لیے نہیں اور یہ مکروہ اس لیے ہے کہ یہ لفظ مشترک ہے کیونکہ اس کا غلام بہر حال اللہ کا عبد ہے اب اگر وہ اسے میرا عبد کہے گا تو اس سے اس غلام کا مشترک ہونا لازم آگیا۔

(عمدة القاری ج ۳ ص ۱۰، مطبوعہ لواء البیضاء المینریہ ۱۳۳۸ھ -)

بعض لوگوں کا نام عبد النبی اور عبد الرسول رکھا جاتا ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی نے کفر اور شرک کی باتوں کا بیان اس عنوان کے تحت لکھا ہے :

علی بخش، حسین بخش، عبد النبی وغیرہ نام رکھنا۔ (بہشتی زیورج ۱، ص ۳۵ مطبوعہ ناشران قرآن لیڈ لاہور)

ظاہر ہے کہ یہ دین میں غلو اور زیادتی ہے عبد النبی اور عبد الرسول نام رکھنا سورہ نور کی اس آیت کے تحت جائز ہے اور احادیث میں جو ممانعت وارد ہے اس کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے۔ ہمارے نزدیک مختار یہی ہے کہ عبد النبی عبد الرسول اور عبد المصطفیٰ نام رکھنا ہرچند کہ جائز ہے لیکن احادیث میں اس کی ممانعت ہے اس لیے مکروہ تنزیہی ہے اس لیے افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ ان کے بجائے غلام نبی، غلام رسول اور غلام مصطفیٰ نام رکھے جائیں۔

علامہ شامی لکھتے ہیں :

فقہاء نے عبد فلاں نام رکھنے سے منع کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبد النبی نام رکھنا ممنوع ہے علامہ مناوی نے علامہ دمیری (شافعی) سے نقل کیا ہے کہ ایک قول جواز کا ہے جب کہ اس نسبت سے مشرف ہونا مقصود ہو اور اکثر فقہاء نے اس خدشہ سے منع کیا ہے کہ کوئی حقیقت عبودیت کا اعتقاد کرے جیسے عبد الدار نام رکھنا جائز نہیں ہے۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۳۶۹، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

عبادت کا اللہ تعالیٰ میں منحصر ہونا

”(اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔“ اس آیت میں عبادت کا اللہ تعالیٰ میں حصر کر دیا ہے بعض علماء نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ اس حصر کی وجہ کیا ہے اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی اللہ (مستحق عبادت) نہیں ہے اس لیے ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں اور کسی کی عبادت نہیں کرتے اور اس کی یہ توجیہ بھی کی گئی ہے کہ عبادت نہایت تعظیم کو کہتے ہیں اور نہایت تعظیم اسی کی کی جائے گی جس نے بے شمار نعمتیں دی ہوں اور چونکہ تمام نعمتیں اسی کی دی ہوئی ہیں اس لیے عبادت بھی اسی کی کی جاتی ہے دیکھئے اللہ تعالیٰ ہم کو عدم سے وجود میں لایا، جہل سے نکل کر علم عطا

فرمایا: پھر تمام زمین آسمان، سیارگان، جملات، نباتات اور حیوانات کو ہمارے نفع کے لیے مسخر کر دیا!

وَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُنْ شَيْئًا

اور بے شک میں نے تم کو اس سے پہلے پیدا کیا، حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔

(مریم: ۹)

وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ

اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا، حالانکہ تمہیں کسی چیز کا علم نہ تھا اور تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر بجالاؤ۔

لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (النحل: ۷۸)

اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے، سب کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے نفع کے لیے مسخر کر دیا۔

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ (البجانبہ: ۳)

اس سے بڑا اور کیا انعام ہو گا تو اس کے سوا اور کون عبادت کا مستحق ہو گا۔

ایک انبعد میں حرف خطاب کو مقدم کرنے کے اسرار اور نکات

اس آیت میں یوں نہیں فرمایا: نعبدک ہم تیری عبادت کرتے ہیں، بلکہ فرمایا ہے: ایاک نعبد تیری ہی عبادت کرتے ہیں ہم، اللہ تعالیٰ کا ذکر پہلے ہے اور ہماری عبادت کرنے کا ذکر بعد میں ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہے، اور ہم اور ہماری عبادت بعد میں ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے جس شخص کی نظر نعمت کے وقت نعمت کی بجائے منعم پر ہو، تو مصیبت کے وقت اس کی نظر مصیبت کی بجائے مصیبت میں مبتلا کرنے والے پر ہوتی ہے پھر مصیبت، مصیبت نہیں رہتی اور نعمت آنے کے بعد اگر وہ نعمت زائل ہو جائے تو اس کو ملال نہیں ہوتا، اور جس کی نظر نعمت پر ہوتی ہے تو حصول نعمت کے وقت بھی وہ پریشان رہتا ہے کہ کہیں وہ نعمت زائل نہ ہو جائے اور مصیبت کے وقت بھی وہ رنج اور افسوس میں مبتلا رہتا ہے، اور جس کی نظر ہر حال میں اللہ پر ہو وہ ہمیشہ خوش رہتا ہے، لہذا ان کے مقام کا کیا کتنا جن کی توجہ ہر حال میں صفات کی بجائے ذات کی طرف رہتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا واذکروا نعمتی میری نعمت کو یاد کرو اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے فرمایا فاذکرونی اذکرکم تم مجھے (میری ذات کو یاد کرو) میں تمہیں یاد کروں گا، ان کی رسالتی صفت تک تھی ہماری رسالتی ذات تک کر دی ہے اور جب اس تصور سے انسان کے گاتیری ہی عبادت کرتے ہیں ہم، اور اس کی ذات کا اس لیے مقدم ذکر کرے گا کہ وہ ہر حال میں پہلے اس کو دیکھتا ہے بعد میں اور کو دیکھتا ہے تو پھر ایاک نعبد پڑھنے کا کچھ اور لطف ہو گا!

نیز اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ کمال عبادت یہ ہے کہ تم اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اس سے ہلشہ خطاب کر رہے ہو، اور اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ عبادت میں صعوبت اور مشقت تو بہت ہے لیکن جب عابد کی نظر مجبوء کے جمل پر ہو اور وہ محو ظلالہ ذات ہو تو پھر کسی مشقت اور صعوبت کا ہوتا نہیں چلتا جس طرح مصر کی عورتوں کی نظر جب حسن یوسف پر پڑی تو انہوں نے پھل کی جگہ انگلیں کاٹ ڈالیں اور ان کو کچھ درد نہیں ہوا، یہی وجہ ہے کہ ایک صحابی کو نماز کے دوران تیر لگتے رہے، خون بہتا رہا اور وہ اسی انسانک سے نماز پڑھتے رہے۔ (۱) مسجد کی چھت سے سٹپ گر پڑا، بلکہ زچ مکی اور لام ابو حنیفہ اسی محبت سے نماز پڑھتے رہے۔ (۲) لام بخاری کو نماز میں حنیفہ نے سترہ ڈنک مارے اور

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸ (۲) تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۹

ان کو کچھ پتا نہیں چلا (۱) عروہ بن زہر کے کسی عضو میں زخم ہو گیا اس عضو کو کٹنا ضروری تھا جب انہوں نے نماز شروع کی تو لوگوں نے وہ عضو کٹ دیا اور ان کو ذرا احساس نہیں ہوا۔ (۲)

ایک نعبہ میں جمع کا صیغہ لانے کے اسرار اور نکات

اس آیت میں فرمایا ہے ہم تیری ہی عبلت کرتے ہیں، یہاں پر لفظ جمع لایا گیا ہے، کیونکہ اگر بندہ یوں کہتا کہ میں تیری عبلت کرتا ہوں تو اس سے تکبر اور عجب کا وہم ہوتا اور جب کہا ہم (سب) تیری ہی عبلت کرتے ہیں تو اس کا حاصل یہ ہے کہ میں تیرے عبلت گزار بندوں میں سے ایک عبلت گزار بندہ ہوں اور اس میں تواضع اور انکسار ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بندہ اپنی عبلت کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ اس کا اللہ تعالیٰ کے سامنے ذکر کرے اس میں بہت سے نقائص اور تقصیرات ہیں اس لیے وہ اپنی عبلت کو تمام عبلت گزاروں کی عبلت میں درج کر کے ذکر کرتا ہے کہ ان عبلت گزاروں میں صالحین اور مقبولین بھی ہیں، جن کی عبلتوں کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا، اور یہ اس کے کرم سے بعید ہے کہ وہ بعض کی عبلتیں قبول کرے اور بعض کو مسترد کر دے۔

علامہ محی الدین درویش لکھتے ہیں

ایک شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جو آدمی مختلف جنس کی چیزوں کو بیع واحد کے ساتھ فروخت کرے، پھر خریدار بعض چیزوں کے کسی عیب پر مطلع ہو تو اس کو تمام چیزیں واپس کرنے کا اختیار ہے، یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ بعض چیزوں کو رکھ لے اور بعض کو واپس کر دے، کیونکہ تمام چیزیں بیع واحد کے ساتھ فروخت کی گئی ہیں وہ ان میں تفریق نہیں کر سکتا (مثلاً کوئی شخص سیوں کا ایک کریٹ خریدے اور کوئی ایک سیب داندھار ہو تو وہ صرف اس سیب کو واپس نہیں کر سکتا یا سب کو واپس کرے گا یا سب کو رکھے گا) علیٰ هذا القیاس جب عبلت گزار نے اپنی عبلت کو ناقص اور معیوب جانا تو اس نے اپنی عبلت کو الگ نہیں پیش کیا بلکہ تمام عبلتوں کی عبلت میں درج کر دیا، اس امید سے کہ تمام عبلت مسترد نہیں ہوں گی، کیونکہ ان میں بعض مقبولین کی عبلت بھی ہیں اور جب بقی مقربین کی عبلت مقبول ہوں گی تو اس کی عبلت بھی مقبول ہو جائے گی اور یہی اس کے کرم عظیم کے مناسب اور فضل عظیم کے لائق ہے۔

(اعراب القرآن الکریم و بیانہ ج ۱ ص ۱۸، دار ابن کثیر بیروت، الطبعة الثانیہ ۱۴۳۳ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھر میں نماز پڑھنے پر ایک نماز کا اجر ہے اور قبائل کی مسجد (محلہ کی مسجد) میں نماز پڑھنے پر پچیس نمازوں کا اجر ہے (بعض روایات کے مطابق ستائیس نمازوں کا اجر ہے) اور جامع مسجد میں نماز پڑھنے پر پانچ سو نمازوں کا اجر ہے، اور مسجد اقصیٰ میں پچاس ہزار نمازوں کا اجر ہے، اور میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھنے کا (بھی) پچاس ہزار نمازوں کا اجر ہے، اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا اجر ایک لاکھ نمازوں کا اجر ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۷۲، مطبوعہ اصح المطالعات دہلی۔)

اجر میں اس اضافہ کی وجہ ایک تو ان مساجد کی عظمت اور خصوصیت ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ محلہ کی مسجد کی نسبت جامع مسجد میں زیادہ نمازی ہوتے ہیں، اور جہاں زیادہ نمازی ہوں گے وہاں اللہ کے نیک بندے بھی زیادہ ہوں گے، اللہ تعالیٰ اپنے مقرب اور نیک بندوں کو زیادہ اجر عطا فرمائے گا اور ان کے واسطے سے سب نمازیوں کو زیادہ اجر و ثواب عطا فرمادے گا۔

ملی خدا تعالیٰ جیسے جیسے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جائے گی اجر و ثواب بڑھتا جائے گا اس لیے بندہ اپنی عبادت کا علیحدہ ذکر نہیں کرتا بلکہ تمام عبادوں کی عبادت میں اپنی عبادت ضم کر کے ذکر کرتا ہے تاکہ اسے بھی وہ برکتیں مل جائیں جو مقربین بارگاہِ بزرگ کے قلیل سب عبادوں کو ملیں گی۔

فیصوت سے خطاب کی طرف التفات کے اسرار اور نکات

بلاغت کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ کلام کے پیرائے کو مثلاً صیغہ غائب سے صیغہ خطاب کی طرف منتقل کیا جائے اس کو اصطلاح میں التفات کہتے ہیں، کیونکہ مسلسل ایک طرز سے سننے والا آتا جاتا ہے اور جب کلام کا پیرایہ تبدیل کیا جاتا ہے تو سننے والے کا ذہن حاضر اور بیدار رہتا ہے اور اس کا شوق برقرار رہتا ہے اور تجسس بڑھتا رہتا ہے۔

سورہ فاتحہ کے شروع کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا صیغہ غائب کے ساتھ ذکر کیا گیا اور اس کی حمد و ثناء کی گئی پھر ایاک نعبد ”ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں“ میں اس سے بالمشافہ خطاب کیا گیا، اس میں صنعت التفات کے علاوہ حسب ذیل اسرار ہیں:

(۱) جب بندہ نے اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت، رحمت اور اس کے مالک ہونے کا ذکر کیا تو اس کو حرمِ ناز میں داخل ہونے کی اجازت ملی اور اس سے کہا گیا کہ لب جو کہنا ہے بالمشافہ کو تو بندہ نے کہا ”ایاک نعبد و ایاک نستعین“

(۲) دعا اور سوال میں اصل یہ ہے کہ بالمشافہ خطاب کر کے سوال کیا جائے جیسے نبی ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل رب زدنی علماً (طہ: ۸۳) ”آپ کہئے کہ اے رب میرے علم کو زیادہ کر“ سو اسی نہج پر یہاں بہ صورت خطاب دعا کی گئی ہے۔

(۳) الحمد سے مالک یوم الدین تک اللہ کی حمد و ثناء ہے، اور تعریف میں اصل یہ ہے کہ غیب میں کی جائے اور ایاک نعبد میں عبادت کا ذکر ہے اور عبادت میں اصل یہ ہے کہ حضور میں اور بالمشافہ ہو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

ان تعبدوا اللہ کانک نراہ (۱)

تم اس طرح عبادت کرو گویا کہ اللہ کو دیکھ رہے ہو۔

استعانت کے معنی

استعانت کا لفظ عون سے ماخوذ ہے، علامہ زبیدی عون کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کسی کام پر مدد کرنے والے کو عون کہتے ہیں، عرب کہتے ہیں: جب قحط آتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے اعموان بھی آتے ہیں، یعنی ٹڈیاں، کھیاں اور پہلیاں، لیٹ نے کہا ہر وہ چیز جو تمہاری مدد کرے وہ تمہاری عون ہے، جیسے روزہ عبادت کے لیے عون ہے، اس کی جمع اعموان ہے، اور عرب کہتے ہیں: استعننہ فاعاننی میں نے اس سے مدد طلب کی تو اس نے میری مدد کی۔ (تاج المعوس ج ۹ ص ۲۸۵، مطبوعہ المکتبۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

ایاک نستعین کی تفسیر

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں:

ایاک نستعین کا معنی یہ ہے: اے ہمارے رب! ہم اپنی عبادت، اپنی طاعت اور اپنے تمام معاملات میں صرف

(۱) لام ہوا حسنین مسلم بن حجاج قسری حنفی ۳۷۸ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۷، مطبوعہ نور محمد اصح المصالح کراچی ۱۳۷۵ھ

تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں، تیرے سوا اور کوئی مددگار نہیں ہے، کفار اپنے مصلحتات میں اپنے باطل معبودوں سے مدد طلب کرتے ہیں اور ہم اخلاص کے ساتھ تیری عبادت کرتے ہیں اور اپنے تمام امور میں تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ہم اپنی لطافت اور تمام امور میں تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۵۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی وجہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عبادت بھی اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ ظاہر یہ چاہئے تھا کہ پہلے ایسا کہ نستعین ہوتا پھر ایسا کہ نعبد ہوتا، اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ولو ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ (آل عمران : ۴۳)

اے مریم! اپنے رب کی عبادت کر، سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔

اس آیت میں پہلے سجدہ اور پھر رکوع کا ذکر ہے حالانکہ ترتیب کے اعتبار سے پہلے رکوع اور پھر سجدہ ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وسیلہ مقصود پر مقدم ہوتا ہے، بندہ کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب تم نے دعا اور سوال کرنا ہو تو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، تاکہ تمہاری دعا قبول ہو، اس لیے مدد طلب کرنے سے پہلے عبادت کرنے کا ذکر کیا گیا، تیسرا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے الحمد للہ رب العلمین اور مالک يوم الدين فرمایا تھا تو اسی وزن پر ایسا کہ نعبد وایسا کہ نستعین فرمایا، اگر ایسا کہ نستعین وایسا کہ نعبد ہوتا تو ان آیات کے آخری الفاظ کا اختتام ایک فصل اور ایک وزن پر نہ ہوتا۔

اولیاء اللہ سے استعانت کی تحقیق

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

استعانت میں عموم مراد ہے، ہر چیز میں ہم صرف تجھ سے ہی استعانت کرتے ہیں کیونکہ حدیث صحیح میں نبی ﷺ نے حضرت ابن عباس سے فرمایا:

اذا استعنت فاستعن بالله (جامع ترمذی ص ۳۶۱)

جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

اسی حدیث کی وجہ سے حضرت ابن عباس نے استعانت میں عموم کا قول اختیار کیا ہے، سو جس شخص نے اپنے اہم معاملات بلکہ دوسرے غیر اہم معاملات میں بھی غیر اللہ سے مدد چاہی ہو تو اس نے ایک عبث عمل کیا، اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں مدد طلب کی جاتی حالانکہ وہ غنی کبیر ہے اور دوسروں سے کیسے مدد طلب کی جائے گی جب کہ سب اس کے محتاج ہیں، اور محتاج کا محتاج سے مدد طلب کرنا ناچختہ رائے ہے اور عقل کی کج روی، اور میں نے کتنے لوگوں کو دیکھا جنہوں نے غیر اللہ سے عزت اور دولت طلب کی اور وہ ذلیل اور فقیر ہوئے، سو اللہ کے سوا اور کوئی اس لائق نہیں کہ اس سے مدد طلب کی جائے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۹۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ مراغی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی ایسی تعظیم کریں جیسی معبود کی تعظیم کی جاتی ہے اور اللہ کے سوا

کسی سے مدد نہ طلب کریں اور کسی کام کو پورا کرنے کے لیے جو طاقت درکار ہوتی ہے وہ کسی اور سے نہ مانگیں ماسوا ان اسباب کے جن کا سب کرنا اور جن کو حاصل کرنا ہمارے لیے عام اسباب میں شروع اور میسر ہے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اسباب کو مسببات کے ساتھ مربوط کیا ہے، اسی طرح ارتقاء موانع پر بھی ان کو موقوف کیا ہے اور ان اسباب کے حصول کے لیے انسان کو علم اور معرفت سے نوازا ہے اور موانع اور رکاوٹوں کے دور کرنے پر انسان کو قدرت عطا کی ہے اور اسی اعتبار سے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم ایک دوسرے کی مدد کریں اور تعاون کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدة : ۲)

اور تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا (الكهف : ۹۵)

ذوالقرنین نے کہا میرے رب نے جس پر مجھے قدرت دی ہے وہ (تمہارے مل سے) بہتر ہے تو تم (مخت کے کام میں) طاقت سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان نہایت مضبوط دیوار بنا دوں گا۔

اسی اعتبار سے ہم بیماروں کی شفا کے لیے اطباء سے دوائیں طلب کرتے ہیں اور دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ہتھیاروں اور سپاہیوں سے مدد طلب کرتے ہیں اور اپنی فصلوں کی فراوانی کے لیے حشرات الارض اور مضر کیڑوں مکوڑوں کو دور کرتے ہیں اور ان کو ہلاک کرتے ہیں۔ اور ان اسباب کے بغیر اگر ہم بیماروں کے لیے شفاء اور دشمن پر غلبہ چاہتے ہوں تو اس کے لیے صرف اللہ تعالیٰ سے استعانت کی جائے گی اور زمین و آسمان کی تمام حاجات کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے دست سول دراز کیا جائے گا اور نبی ﷺ کی حیات طیبہ میں ہمارے لیے اسوہ اور نمونہ ہے آپ نے مختلف غزوات میں کفار کے خلاف غلبہ اور فتح کے لیے صرف اللہ کے آگے ہاتھ پھیلائے ہیں، اسی سے فتح اور نصرت کی دعائیں کی ہیں اور اسی سے بیماری میں حصول شفا کے لیے دعا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو تو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا اور فرمایا ہے کہ میں تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ تم سے قریب ہوں۔

سو جو شخص اپنی حاجت پوری کرانے کے لیے کسی بیمار کی شفا کے لیے، دشمن پر غلبہ کے لیے یا لولاد کی طلب کے لیے لولیاہ اللہ کے مزارات پر جا کر ان سے مدد مانگتا ہے وہ شخص سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا، اس نے اللہ کی شریعت سے امراض کیا اور اس نے زمانہ جاہلیت کے بت پرستوں کا سا کام کیا۔

(تفسیر المرافی ج ۱ ص ۳۳-۳۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ہمارے نزدیک علامہ مراغی کا یہ فتویٰ علی الاطلاق صحیح نہیں ہے، زمانہ جاہلیت میں کفار جوں کو مستحق مہلت قرار دیتے تھے اور اسی عقیدہ کے ساتھ ان سے استعانت کرتے تھے، لیکن جو مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مستحق مہلت قرار دیتے ہیں، اور نہ لولیاہ اللہ کو تصرف ہلذات سمجھتا ہو، نہ ان کو تصرف میں مستقل سمجھتا ہو بلکہ یہ سمجھتا ہو کہ لولیاہ اللہ، اللہ

کی دی ہوئی قدرت اور اس کے لڑن سے اس کائنات میں تصرف کرتے ہیں اور اسی عقیدہ کے ساتھ ان سے استعانت کرے تو اس مسلمان کا یہ فعل شرک ہے نہ زمانہ جاہلیت کے بت پرستوں کا سا کام ہے۔ تمام ہمارے نزدیک شریعت کا اصل تقاضا یہی ہے کہ ان تمام امور میں صرف اللہ تعالیٰ سے استعانت کرنی چاہئے، اولیاء اللہ بھی اللہ کے محتاج ہیں اور ہم بھی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، تو سلامت روی اسی میں ہے کہ ہر حاجت اللہ سے طلب کی جائے اور ہر ضرورت میں اس کے آگے دست سواں دراز کیا جائے۔

ہم نے ان پڑھ عوام اور جملاء کو اولیاء اللہ کے مزارات پر بارہا سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، جو منع کرنے کے بلوجود باز نہیں آتے اسی طرح ان کو مزارات پر صاحب مزار کی نذر اور منت مانتے ہوئے دیکھا ہے حالانکہ سجدہ عبوت ہو یا سجدہ تعظیم، اللہ کے غیر کے لیے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے اور نذر بھی عبوت ہے اور غیر اللہ کی نذر ماننا جائز نہیں۔

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ
إِذَا أَكُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ
وَفَرَحُوا بِهَا جَاءَ تَهَارِيجُ عاصِفٍ وَجَاءَهُمُ
الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا
اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَذِهِ
لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ
يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

وہی ہے جو تم کو خشک زمین اور سمندر میں چلاتا ہے، حتیٰ کہ جب تم کو کشتیاں موافق ہوا کے ساتھ لے کر چلتی ہیں اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں، تو (چانک) کشتیوں پر تند و تیز آندھیاں آئیں اور سمندر کی موجوں نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا اور (مسافروں نے) سمجھ لیا کہ وہ طوفان میں گھر گئے، تب سب نے اپنے دین کو خالص اللہ کے لیے کر کے دعائیں مانگیں کہ اگر تو نے ہمیں اس (طوفان) سے بچالیا تو ہم ضرور تیرے شکرگزاروں میں سے ہو جائیں گے، پھر جب اللہ نے ان کو بچالیا تو وہ ناگہل زمین

(یونس : ۲۳-۲۴) میں ناحق زیادتی کرنے لگے۔

جب انسان مصائب کے گرداب اور پریشانیوں کے طوفان میں گھر جائے تو کٹر سے کٹر مشرک بھی صرف اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے، سو مسلم اور موحد اس بات کے زیادہ لائق اور مستحق ہے کہ وہ اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں میں صرف اللہ تعالیٰ سے التجاء کرے، اسی سے مدد مانگے اور اس کے آگے ہاتھ پھیلائے۔

امام رازی سورہ یونس آیت: ۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان کافروں نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی صورتوں کے بت بنا لیے تھے اور ان کا یہ زعم تھا کہ جب وہ ان بتوں کی عبادت کریں گے تو وہ بت اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے، اور اس زمانہ میں اس کی نظیر یہ ہے کہ بہت لوگ اولیاء اللہ کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ جب وہ ان قبروں کی تعظیم کریں گے تو وہ اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۵۵۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت - ۱۳۹۸ھ)

قبر کو سجدہ کرنا، قبر کا طواف کرنا اور حصول منفعت کے لیے صاحب قبر کی نذر ماننا، قبر کے سامنے جھکنا، یہ تمام امور ناجائز اور حرام ہیں۔

اولیاء اللہ سے استعانت کا صحیح طریقہ

ہونا یہ چاہئے کہ اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کی جائے کیونکہ زیارت قبور سنت ہے، ان کے مزارات پر ایصال

ثواب کیا جائے یہ بھی احادیث سے ثابت ہے، ان کی مغفرت اور ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کی جائے، کیونکہ قرآن مجید میں وقت یافتہ مسلمانوں کے لیے دعا کرنے کی تعلیم ہے، اور ان کے وسیلہ سے اپنی حاجت کی قبولیت کی دعا کی جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت اسد کی مغفرت کے لیے اپنے اور انبیاء سابقین کے وسیلہ سے دعا فرمائی ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ ہماری حاجت روائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیں اور اس کی اصل بیہیما کی حدیث ہے جس کو انشاء اللہ ہم عنقریب تفصیل سے بیان کریں گے، اب ہم وسیلہ اور غیر اللہ سے استمداد کے موضوع پر تفصیل سے لکھ رہے ہیں۔ فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

وسیلہ کا لغوی معنی

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

هی فی الاصل ما ینوصل به الی الشئی
و ینقرب به (۱)

جس چیز سے کسی شے تک رسائی حاصل کی جائے اور اس شے کا تقرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

الجوهری: الوسيلة ما ینقرب به الی
الغیر (۲)

امام لغت علامہ جوہری نے کہا ہے کہ جس چیز سے غیر کا تقرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔

علامہ زبیدی نے ابن اثیر اور علامہ جوہری کے حوالوں سے وسیلہ کی تعریف میں مذکور الصدر عبارات نقل کی ہیں۔

(تاج المعروس ج ۸ ص ۵۳ مطبوعہ المطبعة الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابن منظور افریقی اور علامہ زبیدی نے علامہ جوہری کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے!

جس چیز سے غیر کا تقرب کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔ (الصراح ج ۵ ص ۱۸۳۱ مطبوعہ دارالعلم بیروت ۱۳۰۳ھ)

ائمہ لغت کی ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ جس چیز سے غیر کا تقرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے، اللہ تعالیٰ کا تقرب اہل صلہ اور عبادت سے حاصل ہوتا ہے، تاہم انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو عزت اور وجاہت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت دعا کے لیے اس عزت اور وجاہت کو پیش کرنا اور ان سے دعا کی درخواست کرنا بھی جائز ہے، زندگی میں اور وفات کے بعد بھی۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی ذوات سے توسل کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات امام محمد بن جریر آداب دعا میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا وسیلہ پیش کرے۔

(صحن حصین مع تحفة لذاکرین ص ۳۳ مطبوعہ مطبعہ المطبی البلی مصر ۱۳۵۰ھ)

ملاحظہ فرمائی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

مصنف نے کہا دعا میں انبیاء اور صالحین کا وسیلہ پیش کرنا امور مستحبہ میں سے ہے کیونکہ صحیح بخاری کی کتاب

(۱) علامہ محمد بن اثیر جزری متوفی ۶۶۶ھ، نلیہ ج ۵ ص ۱۸۵، مطبوعہ مکتبہ مطبوعاتی ایران ۱۳۳۳ھ

(۲) سید جمال الدین محمد بن کرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۴۲ھ، لسان العرب ج ۱ ص ۴۵۵-۴۵۳، مطبوعہ نشر لوب الحوزة، قم ایران

الاستقاء میں ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پہلے ہم اپنے نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے تو (اے اللہ) تو بارش نازل فرماتا تھا۔ اب ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں تو ہم پر بارش نازل فرما، پھر ان پر بارش ہو جاتی، اور جیسا کہ بیہنا کی حدیث میں حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا کا ذکر ہے جس کو امام حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا اور یہ کہا کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور امام ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح، غریب ہے اور ہم نے اس کو حسن میں ذکر کیا ہے اور حدیث ابو امامہ کی بناء پر جس کو ہم نے صحیح کی دعوتوں میں ذکر کیا ہے، اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر اور کتب الدعاء میں ذکر کیا ہے۔

(الحزب الثمین ص ۱۷۶، مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۴ھ)

امام جزری نے حضرت ابو امامہ کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

اسئلک بنور وجهک الذی اشرقت له
السموت والارض وبکل حق هو لک وبحق
السائلین علیک (۱)
اے اللہ میں تجھ سے تیری ذات کے اس نور کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جس سے آسمان اور زمین روشن ہیں اور تیرے ہر حق کے وسیلہ سے اور جو سوال کرنے والوں کا تجھ پر حق ہے اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں۔

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سوال کرنے والوں کا اللہ پر اس لیے حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (اپنے کرم سے) ان کی دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، گویا کہ بندے نے اللہ تعالیٰ سے بندوں پر اس کے حق کے وسیلہ سے، اور سائلین کا اللہ پر جو حق ہے اس کے وسیلہ سے سوال کیا، اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں، اس کی حمد و ثناء کریں، اس کے احکام پر عمل کریں، اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے رکیں، اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ اپنے وعدہ کے مطابق ان کو ثواب عطا کرے، کیونکہ اس کے وعدہ کا پورا ہونا واجب ہے، کہ اس کا وعدہ حق ہے اور اس کی خبر صلوٰۃ ہے۔

(الحزب الثمین ص ۱۷۶، مطبوعہ امیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۴ھ)

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

ہم یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے والا یہ کہتا ہے کہ میں تجھ سے فلاں کے حق اور فلاں فرشتے اور انبیاء اور صالحین وغیرہم کے حق سے سوال کرتا ہوں یا فلاں کی حرمت اور فلاں کی وجاہت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں، اس دعا کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک ان مقربین کی وجاہت ہو، اور یہ دعا صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان مقربین کی وجاہت اور حرمت ہے، جس کا یہ تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور ان کی قدر افزائی کرے اور جب یہ شفاعت کریں تو ان کی شفاعت قبول کرے، حالانکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کون اس سے شفاعت کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۱۱، مطبوعہ بامرفند بن عبدالعزیز۔)

غیر مقلد عالم قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

(۱) امام محمد بن محمد جزری متوفی ۸۳۳ھ، حسن حصین معہ تفسیر الذاکرین ص ۶۸، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البلبلی واولادہ مصر ۱۳۵۰ھ

یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سائنس کے حق سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو مسترد نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ فرمایا ہے: ”مجھ سے دعا کرو“ میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔“
(تحفہ الذاکرین ۶۹، مطبوعہ مطبع مصلیٰ البلبلی واولادہ مصر ۱۳۵۰ھ)

نیز قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کے وسیلہ کے جواز پر وہ حدیث دلیل ہے جس کو امام ترمذی نے روایت کر کے کہا یہ حدیث حسن، صحیح اور غریب ہے، امام نسائی، امام ابن ماجہ، اور امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور امام حاکم نے اس کو روایت کر کے کہا یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے، حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یتیم نامی علیہ السلام کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری بصارت بحال کر دے، آپ نے فرمایا: یا میں رہنے دوں؟ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھ پر یتیمائی بہت دشوار ہے، آپ نے فرمایا: جاؤ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو، پھر کہو اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور محمد نبی رحمت کے وسیلہ سے میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، الحدیث۔ حسن حصین کے باب صلوۃ الحاجۃ میں اس حدیث کا ذکر آئے گا، اور صالحین کے توسل کے جواز پر وہ حدیث دلیل ہے جو صحیح (بخاری) میں ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کے لیے دعا کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ! ہم تیرے نبی کے عم محترم کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں۔
(تحفہ الذاکرین ص ۳۷، مطبوعہ مطبع مصلیٰ البلبلی واولادہ مصر ۱۳۵۰ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کا رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنا

نبی ﷺ کی ولادت سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگی جس کو خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب حضرت آدم سے (اجتہادی) خطا ہو گئی تو انہوں نے کہا: اے رب میں تجھ سے بہ حق (سیدنا) محمد (ﷺ) سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے، اللہ عز و جل نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد (ﷺ) کو کیسے جانا حالانکہ میں نے ابھی ان کو پیدا نہیں کیا، حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کیونکہ اے رب! جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور تو نے مجھ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے پایوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا، سو میں نے جان لیا کہ تو نے جس کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے وہ تجھ کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہو گا۔ اللہ عز و جل نے فرمایا: اے آدم! تم نے سچ کہا وہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور کیونکہ تم نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا ہے اس لیے میں نے تم کو بخش دیا اور اگر محمد (ﷺ) کو پیدا کرتا نہ ہوتا تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ (دلائل النبوة ج ۵ ص ۳۸۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
اس حدیث کی سند میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم ایک ضعیف راوی ہے لیکن فضائل میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔

امام طبرانی نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر سے روایت کیا ہے (معجم صغیر ج ۲ ص ۸۳-۸۴)

مطبوعہ مکتبہ سلفیہ منہ منورہ ۳۸۸ھ

امام ابن جوزی نے بھی اس حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس مضمون کی حدیث کو روایت کیا ہے۔ (الوفاء ص ۳۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

شیخ ابن تیمیہ نے بھی ان دونوں حدیثوں کو روایت کیا ہے، لیکن انہوں نے لکھا ہے کہ ابو نعیم حافظ نے اس حدیث کو دلائل النبوة میں روایت کیا ہے، اس نسبت میں شیخ ابن تیمیہ کو خطا لاحق ہوئی، یہ حدیث حافظ ابو نعیم کی دلائل النبوة میں نہیں ہے بلکہ حافظ بیہقی کی دلائل النبوة میں ہے، ان دونوں حدیثوں کے متعلق شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

یہ دونوں حدیثیں احادیث صحیحہ کی تفسیر کے درجہ میں ہیں۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۲ ص ۹۶، مطبوعہ دار البیروتیہ ریاض ۱۴۱۸ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو حافظ ابوشامہ نے بھی ذکر کیا ہے وہ اس روایت کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم صغیر اور معجم لوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے ایک رولوی کو میں نہیں پہچانتا۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۳، مطبوعہ دار الکتب العربیہ ۱۳۰۲ھ)

شیخ ناصر الدین البانی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (توسل ص ۱۰۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امام حاکم نیشاپوری نے بھی اس حدیث کو حضرت عمر سے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح الاسناد لکھا ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۶۱۵، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ)

امام حاکم نیشاپوری نے ایک اور حدیث اس کے مقارب روایت کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی اے عیسیٰ، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ، اور جو تمہاری امت میں سے ان کا زمانہ پائے اس کو بھی ان پر ایمان لانے کا حکم دو۔ کیونکہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا، اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا اور میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ ٹپنے لگا پھر میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تو وہ ساکن ہو گیا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۶۱۵، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ)

علامہ ذہبی نے ان دونوں حدیثوں کے راویوں کی صحت سے اختلاف کیا ہے، لیکن شیخ ابن تیمیہ کی تصحیح مقدم ہے۔

علامہ سیوطی نے امام حاکم، امام بیہقی، امام طبرانی، امام ابو نعیم اور امام ابن عساکر کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی

روایت کو بیان کیا ہے۔ (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

علامہ قسطلانی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام حاکم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(المواہب اللدنیہ مع الزرقانی ج ۱ ص ۲۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ)

علامہ زرقلانی نے اس کی شرح میں امام حاکم اور ابوالشیخ کے حوالے سے حضرت ابن عباس کی مذکور الصدر روایت

بیان کی ہے اور لکھتے ہیں کہ امام حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ سبکی نے شفاء السقام میں اور علامہ بلقینی

نے اپنے فتاویٰ میں اس تصحیح کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ اس قسم کی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی اس لیے یہ حدیث

حکماً مرفوع ہے، علامہ ذہبی نے کہا اس کی سند میں عمرو بن اوس ہے، پتا نہیں وہ کون ہے؟ اور امام دیلمی نے حضرت ابن

عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ میرے پاس حضرت جبرائیل آئے اور انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر آپ نہ

ہوئے تو میں جنت کو پیدا کرنا نہ مار کو پیدا کرتا۔ (شرح الموابہ اللدنیہ ج ۱ ص ۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ)
 ملا علی قاری نے بھی امام دہلی کی اس روایت کو استشہاد کے طور پر پیش کیا ہے۔

(موضوعات کبیر ص ۵۹، مطبوعہ مطبع مجبائی دہلی ۱۳۱۵ھ)

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے حقیقت محمدی پر بحث کرتے ہوئے یہ دو حدیثیں لکھی ہیں:
 اگر آپ کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو میں اخلاک کو پیدا نہ کرتا، اگر آپ کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔ (مکتوبات دفتر سوم، حصہ دوم، مکتوب نمبر ۱۲۲)

یہ حدیثیں ہر چند کہ ان الفاظ کے ساتھ کتب حدیث میں مذکور نہیں ہیں لیکن یہ معنی ”ثابت ہیں“ حدیث لولاک پر مقالات سعیدی میں ہمارا ایک تفصیلی مقالہ ہے۔

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ مقربین بارگاہ کے وسیلہ سے دعا کرنا ابتداء آفرینش سے مشروع اور معمول ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مقام مدح میں اس دعا کا ذکر فرما کر اس دعا کے جواز اور استحسان کو بیان فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کا خود اپنے وسیلہ سے دعا فرمانا

حافظ ابوشامی بیان کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں اور رسول اللہ ﷺ ان کی لحد کھودنے سے فارغ ہو گئے تو آپ ان کی لحد میں لیٹ گئے اور یہ دعا کی اللہ ہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے، اور وہی زندہ ہے جسے موت نہیں آئے گی، اے اللہ! اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کے وسیلہ سے میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما، ان کو حجت القافرا، ان کی قبر کو وسیع کر، بلاشبہ تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے پھر آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور آپ نے حضرت عباس نے اور حضرت ابوبکر صدیق نے ان کو قبر میں اتارا، اس حدیث کو امام طبرانی نے کبیر اور لوسط میں روایت کیا ہے، اس میں روح بن صلاح نام کا ایک راوی ہے، امام حبان اور امام حاکم نے اس کی توثیق کی ہے اور اس میں ضعف ہے، اور اس کے باقی راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵۷-۲۵۸، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

اس حدیث کو علامہ نور الدین سمودی نے بھی ذکر کیا ہے (وفاء الوفاء ج ۳ ص ۸۹۸، ۸۹۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت)
 شیخ ناصر الدین البانی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (توسل: ص ۱۰۲، مطبوعہ مکتب اسلامیہ بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنا نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کی بلکہ خود نبی ﷺ کی بھی سنت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا خود اپنے وسیلہ سے دعا کرنے کی ہدایت دینا

انبیاء علیہم السلام اور بزرگن دین کے وسیلہ سے دعا کرنے کی اصل یہ حدیث ہے:

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یتیم شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے عرض کیا آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھیں ٹھیک کر دے، آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں اس کام کو موخر کر دوں اور یہ تمہارے لیے بہتر ہو گا اور اگر تم چاہو تو (ابھی) دعا کر دوں، اس نے کہا آپ دعا کر دیجئے، آپ نے فرمایا تم اچھی طرح

وضو کرو، دو رکعت نماز پڑھو اس کے بعد یہ دعا کرو۔ ”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور محمد نبی رحمت (ﷺ) کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد! (ﷺ) میں آپ کے وسیلہ سے اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو، اے اللہ! نبی ﷺ کو میرے لیے شفاعت کرنے والا بنا دے۔“

(سنن ابن ماجہ ص ۹۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۵۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس حدیث کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ (مستدرک ج ۱ ص ۵۹، مطبوعہ دارالباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ)

اس حدیث کو امام ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے (مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۳۰۴، مطبوعہ دار الفکر دمشق)

امام ابن ماجہ، امام ترمذی، امام احمد اور امام حاکم نے اس حدیث کو عمارہ بن خزیمہ بن ثابت کی سند سے روایت کیا ہے اور امام بیہقی نے اس حدیث کو اس سند کے علاوہ ابو امامہ بن سہل بن حنیف کی سند سے بھی روایت کیا ہے اس روایت میں یہ اضافہ ہے:

قال عثمان : فوالله ما نفرقنا ولا طال الحدیث حتی دخل الرجل وکانه لم یکن به ضرر قط (۱)
حضرت عثمان بن حنیف نے کہا یہ خدا ابھی ہم اس مجلس سے اٹھے نہیں تھے اور نہ ابھی سلسلہ گفتگو دراز ہوا تھا کہ وہ (ناہیا) شخص اس حل میں داخل ہوا کہ اس کی آنکھ میں کوئی تکلیف نہیں تھی۔

امام ابن السنی نے بھی اس حدیث کو ابو امامہ بن سہل بن حنیف کی سند سے روایت کیا ہے جس میں مذکورہ الصدر اضافہ ہے۔ (عمل الیوم واللیلہ ص ۲۰۲، مطبوعہ مجلس الدائرة المعارف دکن ۱۳۱۵ھ)

علامہ نووی نے اس حدیث کو امام ابن ماجہ اور امام ترمذی کے حوالوں سے بیان کیا اور اس میں یا محمد کے الفاظ ہیں، علامہ نووی نے لکھا ہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح لکھا ہے۔ امام نسائی نے اس حدیث کو سنن کبریٰ (ج ۶ ص ۲۹۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ) میں روایت کیا ہے۔

امام محمد جزری نے اس حدیث کو امام ترمذی، امام حاکم اور امام نسائی کے حوالوں سے ذکر کیا اور اس میں بھی یا محمد کے الفاظ ہیں۔ (اللاذکار ص ۱۶۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ)

قاضی شوکانی صحن حصین کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام ترمذی، امام حاکم نے مستدرک میں اور نسائی نے روایت کیا ہے جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، امام طبرانی نے اس حدیث کی تمام اسانید بیان کرنے کے بعد کہا یہ حدیث صحیح ہے، امام ابن خزیمہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا، سو ان ائمہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، البتہ نسائی کی روایت میں یہ تفرد ہے کہ اس میں یہ ذکر بھی ہے اس نے دو رکعت نماز پڑھی، اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ پیش کرنے کے جواز کی دلیل ہے، اس کے ساتھ یہ اعتقاد لازم ہے کہ حقیقتہ ”دینے والا اور منع کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، جو وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور

(۱) امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۳۵۸ھ، دلائل النبوة ج ۶ ص ۲۷۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

جوہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ (تحفۃ الذاکرین ص ۳۸-۳۷ مطبوعہ مصطفیٰ البیہی ولولادہ مصر ۱۳۵۰ھ)

حضرت عثمان بن حنیف کی یہ حدیث جس کو بکثرت محدثین نے اپنی اپنی تصانیف میں صحت سند کی صراحت کے ساتھ روایت کیا ہے اس مطلوب پر قوی دلیل ہے کہ نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنا اور آپ سے دعا کی درخواست کرنا جائز اور مستحسن ہے اور چونکہ آپ کی ہدایات قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے حجت ہیں، اس لیے آپ کے وصل کے بعد بھی آپ کے وسیلہ سے دعا کرنا اور آپ سے دعا کی درخواست کرنا جائز ہے اور بالخصوص آپ کے وصل کے بعد آپ کے توسل سے دعا کے جواز پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک شخص کو اس کی قضاء حاجت کے لیے یہ دعا تعلیم کی، اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بیہقی نے اپنی تصانیف میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، جیسا کہ عنقریب ہم بیان کریں گے۔ یہاں تک جو ہم نے احادیث بیان کی ہیں ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہرہ میں آپ کے توسل پر دلیل ہے، اب ہم ایسی احادیث پیش کر رہے ہیں جن میں آپ کی وفات کے بعد آپ کے توسل پر دلیل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کا رسول ﷺ سے دعا کی درخواست کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک سال قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن حارث منی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے روضہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے۔

حافظ ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مالک للدار، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر خوراک تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) لوگوں پر قحط آیا، ایک شخص (حضرت بلال بن حارث منی) رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ، ان کو سلام کہو اور یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی، اور ان سے کہو تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے، تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے، پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو یہ خبر دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہا: اے اللہ! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔

(المصنف ج ۳ ص ۳۲ مطبوعہ دار الفکر لکرائی ۱۴۰۶ھ)

نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

حافظ ابو بکر بیہقی اپنی سند کے ساتھ مالک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں (ایک بار) قحط واقع ہوا ایک شخص (حضرت بلال بن حارث منی) نبی ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ اور ان کو میری طرف سے سلام کہو، اور ان کو یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی اور ان سے کہو کہ تم سوجھ بوجھ سے کام لو، اس شخص نے جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی، حضرت عمر نے کہا اے میرے رب! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(البدایہ والنہی ج ۷ ص ۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابو عمرو ابن عبد البر (۱) اور حافظ ابن کثیر نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔

(الکامل فی الترمذی ج ۲ ص ۳۹۰-۳۸۹ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۰ھ)

علم حدیث میں حافظ ابن کثیر کی شخصیت موافقین اور مخالفین سب کے نزدیک مسلم ہے اور حافظ ابن کثیر نے امام بیہقی کی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصل کے بعد حضرت بلال بن حارث منی رضی اللہ عنہ نے آپ کی قبر انور پر جا کر آپ سے بارش کی دعا کے لیے درخواست کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ اور اپنا خواب بیان کیا اور حضرت عمر نے اس کو مقرر رکھا اور اس پر انکار نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی وصل کے بعد صاحب قبر سے دعا کی درخواست کرنا جائز ہے۔

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عمر کے خازن مالک الدار سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) قطہ واقع ہوا، ایک شخص نبی ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے، کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں، پھر اس شخص کو خواب میں آپ کی زیارت ہوئی اور یہ کہا گیا کہ عمر کے پاس جاؤ، الحدیث۔ سیف نے فتوح میں روایت کیا ہے کہ جس شخص نے یہ خواب دیکھا تھا وہ یکے از صحابہ حضرت بلال بن حارث منی رضی اللہ عنہ تھے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۱-۳۹۵ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۶ھ)

اس حدیث کو حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن حجر عسقلانی دونوں نے سنداً صحیح قرار دیا ہے اور ان دونوں کی تصحیح کے بعد کسی تردد کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور نہ کسی کا انکار درخور اعتناء ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے کسی کام سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، اور نہ اس کے کام کی طرف دھیان دیتے تھے، ایک دن اس شخص کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی، اس نے حضرت عثمان بن حنیف سے اس بات کی شکایت کی، حضرت عثمان نے اس سے کہا: تم وضو خانہ جا کر وضو کرو، پھر مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز پڑھو، پھر یہ کہو اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی، نبی رحمت محمد ﷺ کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد میں آپ کے واسطے سے آپ کے رب عز و جل کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ میری حاجت روائی کرے اور اپنی حاجت کا ذکر کرنا پھر میرے پاس آنا حتیٰ کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں وہ شخص گیا اور اس نے حضرت عثمان بن حنیف کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا پھر وہ حضرت عثمان بن عفان کے پاس گیا دربان نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور ان کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا، حضرت عثمان نے اس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور پوچھا تمہارا کیا کام ہے؟ اس نے اپنا کام ذکر کیا، حضرت عثمان نے اس کا کام کر دیا اور فرمایا تم نے اس سے پہلے اب تک اپنے کام کا ذکر نہیں کیا تھا اور فرمایا جب بھی تمہیں کوئی کام ہو تو تم ہمارے پاس آ جانا، پھر وہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے چلا گیا اور جب اس کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے

(۱) حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ عبد البر قرطبی مالکی متوفی ۴۶۳ھ، الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۲ ص ۴۶۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت

تھے اور میرے معاملہ میں غور نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی، حضرت عثمان بن حنیف نے کہا بخدا میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی بات نہیں کی، لیکن ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھا، آپ کے پاس ایک بیٹھا شخص آیا اور اس نے اپنی بیٹی کی آپ سے شکایت کی، نبی ﷺ نے فرمایا کیا تم اس پر صبر کرو گے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے اور مجھے بڑی مشکل ہوتی ہے، نبی ﷺ نے اس سے فرمایا تم وضو خانے جاؤ اور وضو کرو، پھر دو رکعت نماز پڑھو، پھر ان کلمات سے دعا کرو، حضرت عثمان بن حنیف نے کہا ابھی ہم الگ نہیں ہوئے تھے اور نہ ابھی زیادہ باتیں ہوئی تھیں کہ وہ بیٹھا شخص آیا در آں حالیکہ اس میں بالکل بیہوشی نہیں تھی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری متوفی ۶۵۶ھ نے الترغیب والترہیب (ج ۱ ص ۷۶-۷۷) مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ ۱۴۰۷ھ میں اور حافظ البیہقی نے مجمع الزوائد (ج ۲ ص ۲۹۹) مطبوعہ بیروت میں اس حدیث کو بیان کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کے حوالے سے حضرت عثمان بن حنیف کی روایت کی تائید، توثیق اور تصحیح

لام طبرانی نے اس حدیث کو روایت کر کے کہا اس حدیث کو شعبہ نے ابو جعفر سے روایت کیا ہے اور شعبہ سے اس حدیث کو صرف عثمان بن عمر نے روایت کیا ہے اور وہ اس سے روایت کرنے میں متفرد ہے (یعنی اس کا کوئی متابع نہیں ہے اور یہ حدیث غریب ہے) اور حدیث صحیح ہے، شیخ ابن تیمیہ نے لام طبرانی پر اعتراض کیا کہ اس حدیث کو شعبہ سے روایت کرنے میں صرف عثمان بن عمر متفرد نہیں ہے بلکہ روح بن عبیدہ نے بھی اس حدیث کو شعبہ سے روایت کیا ہے اور یہ اسناد صحیح ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے لام طبرانی کی یہ روایت دو صحیح سندوں سے موی ہے، شیخ ابن تیمیہ کی اصل عبارت یہ ہے: لام طبرانی نے کہا اس حدیث کو شعبہ نے ابو جعفر سے روایت کیا ہے اور اس کا نام عمر بن ابی یزید ہے اور وہ ثقہ ہے، عثمان بن ابی عمر، شعبہ سے اس روایت میں متفرد ہے۔ ابو عبد اللہ مقدسی نے کہا اور حدیث صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں کہ لام طبرانی نے اپنے مبلغ علم کے اعتبار سے عثمان بن ابی عمر کو متفرد کہا ہے، ان کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ روح بن عبیدہ نے بھی شعبہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور یہ اسناد صحیح ہے اس سے معلوم ہوا کہ عثمان بن ابی عمر اس روایت میں متفرد نہیں ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۹۵-۱۹۴ مطبوعہ دار الجلیل ریاض ۱۴۱۸ھ) اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث دو صحیح سندوں سے موی ہے۔

طبرانی کی روایت مذکورہ کا صحیح کی دو سری روایت سے تعارض کا جواب

ایک سوال یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف کی اس روایت کو لام ترمذی، لام ابن ماجہ، امام احمد اور امام ابن سنی نے روایت کیا اور اس میں حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں وسیلہ کے ساتھ دعا کا ذکر نہیں ہے اس کے برخلاف لام طبرانی اور لام بیہقی نے حضرت عثمان بن حنیف کی اس روایت میں حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں بھی حضور سے توسل کرنے کا ذکر کیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ایک حدیث کو بعض ائمہ اختصار کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور بعض ائمہ تفصیل کے ساتھ روایت کرتے ہیں، اعتراض کا محل یہ تھا کہ اس روایت کی سند صحیح نہ ہوتی یا ضعیف ہوتی اور جب شیخ ابن تیمیہ

نے خود بیان کیا کہ طبرانی کی مفصل حدیث دو صحیح سندوں کے ساتھ موی ہے تو پھر اعتراض کی کب گنجائش ہے؟
لام بیہقی نے پہلے دو سندوں کے ساتھ اس حدیث کو اختصاراً روایت کیا (دلائل النبوة ج ۲ ص ۱۷۷) پھر اس
حدیث کو روح بن قاسم، عن ابی جعفر مدنی عن ابی لہم بن سہل بن حنیف کی سند سے تفصیل کے ساتھ روایت کیا جیسا
کہ لام طبرانی نے روایت کیا ہے اس کے بعد مزید یہ کہا کہ:

اس حدیث کو ہشام دستوائی نے از ابو جعفر از ابو لہم بن سہل از عم خود روایت کیا ہے، ابو لہم کے چچا حضرت عثمان
بن حنیف ہیں۔ (دلائل النبوة ج ۶ ص ۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

لام بیہقی کی اس مفصل روایت کالور اس دوسری سند کا شیخ ابن تیمیہ نے بھی ذکر کیا ہے لکھتے ہیں:
لام بیہقی نے اس سند کے ساتھ اس قصہ کو روایت کیا ہے لور اس سے آپ کے وصل کے بعد آپ سے توسل پر
استدلال کیا جاتا ہے، بشرطیکہ یہ روایت صحیح ہو۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۳۱۸، مطبوعہ بامرفند بن عبد العزیز آل سعود)
توسل بعد از وصل پر شیخ ابن تیمیہ کے اعتراضات اور مصنف کے جوابات

شیخ ابن تیمیہ نے یہ تو کہا ہے کہ اگر اس حدیث کی سند صحیح ہو تو اس حدیث سے وفات کے بعد وسیلہ ثابت ہے،
لیکن انہوں نے اس حدیث کی سند پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور اس میں کوئی ضعف نہیں نکل سکے، علاوہ ازیں لام بیہقی کی
روایت بیان کرنے کے بعد انہوں نے اسی روایت کو لام طبرانی کے حوالے سے بیان کیا اور اس کا ایک متعلق بھی بیان کیا ہے
اور یہ تصریح کی ہے کہ یہ دونوں سندیں صحیح ہیں، جیسا کہ ہم باحوالہ بیان کر چکے ہیں، لہذا جب لام طبرانی کی روایت صحیح ہے
اور اس روایت کی دوسری سند بھی صحیح ہے تو شیخ ابن تیمیہ کے اپنے اقرار کے مطابق وفات کے بعد وسیلہ ثابت ہو گیا اور یہ
واضح ہو گیا کہ نبی ﷺ کے وصل کے بعد آپ سے دعا کی درخواست کرنا اور آپ کو یا محمد کے صیغہ سے ندا کرنا صحابہ کرام
کے نزدیک جائز تھا، جہی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ دعا تلقین کی کہ ”اے محمد! میں آپ کے وسیلہ
سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کر دے۔“

شیخ ابن تیمیہ نے اس بحث میں جو آخری اعتراض کیا ہے وہ یہ ہے:

حافظ ابو بکر بن خیشم نے اپنی تاریخ میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر
ہوا اور اس نے عرض کیا میری بینائی چلی گئی ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کیجئے، آپ نے فرمایا جا کرو وضو کرو اور دو
رکعت نماز پڑھو پھر کہو: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ
ہوتا ہوں، اے محمد! میں اپنے رب کے حضور اپنی بصارت لوٹانے کے لیے آپ کی شفاعت طلب کرتا ہوں، اے اللہ!
میرے حق میں میری شفاعت کو قبول کر اور میری بصارت لوٹانے میں میرے نبی کی شفاعت قبول فرما، اور اگر تمہیں کوئی
اور کام ہو تو پھر اسی طرح کرنا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت لوٹادی۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۷۵، مطبوعہ بامرفند بن عبد العزیز آل سعود)

اس روایت پر شیخ ابن تیمیہ نے حسب ذیل اعتراض کیے ہیں:

(۱) ”اگر تمہیں کوئی اور کام ہو تو اسی طرح کرو“ یہ حضرت عثمان بن حنیف کے الفاظ ہیں نبی ﷺ کے الفاظ نہیں ہیں۔

(۱) دوسرے راویوں کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں (جیسا کہ گزر چکا ہے) اور اگر بالفرض یہ الفاظ ثابت ہوں تب بھی یہ دلیل نہیں ہے کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعا کے بعض الفاظ کافی ہیں کیونکہ انہوں نے مشروع دعا کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ دعا کے بعض الفاظ کہنے کا حکم دیا ہے۔

(۲) حضرت عثمان بن حنیف نے یہ گمان کیا کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی اس طرح (یعنی حضور ﷺ کے وسیلہ سے) دعا کرنا جائز ہے، حالانکہ حدیث کے الفاظ اس کے خلاف ہیں، کیونکہ بیہنا صحابی نے نبی ﷺ سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ اس کے لیے دعا کریں اور اس کو یہ یقین تھا کہ آپ اس کے لیے دعا کریں گے اور آپ نے اس کو حکم دیا تھا کہ وہ دعائیں یہ کہے کہ ”اے اللہ حضور ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما!“ اور اس طریقہ سے یہ دعا اس وقت صحیح ہوگی جب نبی ﷺ اس کے لیے دعا کریں اور اس کی شفاعت کریں، اور جس کو آپ کی دعا کرنے اور آپ کے شفاعت کرنے کا علم نہیں ہے، اس کا اس طریقہ سے دعا کرنا صحیح نہیں ہے، اس طریقہ سے دعا کرنا اور شفاعت طلب کرنا آپ کی حیات دنیاوی میں ہی درست تھا اور یا قیامت کے دن درست ہو گا جب آپ شفاعت فرمائیں گے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۷۶-۲۷۷ مطبوعہ بامرفد بن عبدالعزیز آل سعود)

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ کے نہ ہوں بلکہ حضرت عثمان بن حنیف ہی کے ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کے جائز یا ناجائز ہونے میں شیخ ابن تیمیہ کی بہ نسبت صحابی رسول کی فہم اور ان کے اجتہاد پر اہم کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن ابی خشمہ کی اس روایت سے ہمارا استدلال نہیں ہے اگر اس پر شیخ کو اعتراض ہے تو اس روایت کو ہم چھوڑ دیتے ہیں، ہمارا استدلال تو امام طبرانی کی روایت سے ہے جس کے متعلق خود شیخ ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ دو صحیح سندوں سے مروی ہے۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس درخواست کی طرف متوجہ کر دیتا ہے یا اس درخواست پر مطلع کر دیتا ہے پھر رسول اللہ ﷺ ہماری دعا کی قبولیت کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کرتے ہیں اور اس میں کون سا شرعی یا عقلی استبعاد ہے؟
لام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت کے اچھے اور برے تمام اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۷ مطبوعہ نور محمد راجع المصالح کراچی ۷۵ھ)

اس حدیث کے پیش نظر جب آپ کا کوئی امتی آپ سے دعا کی درخواست کرے گا تو آپ کو اس کا علم ہو جائے گا اور آپ اس کی شفاعت فرمائیں گے، کیونکہ آپ نے خود اپنے وسیلہ سے دعا کرنے اور دعا کی درخواست کرنے کی ہدایت دی ہے اور اس ہدایت کو عام رکھا ہے اور اس میں حیات یا بعد از وفات کی قید نہیں لگائی اس لیے شیخ ابن تیمیہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ”مگر اس طریقہ سے دعا اس وقت صحیح ہوگی جب نبی ﷺ اس کے لیے دعا کریں اور اس کی شفاعت کریں اور جس کو آپ کے دعا کرنے اور آپ کے شفاعت کرنے کا علم نہیں ہے اس کا اس طریقہ سے دعا کرنا صحیح نہیں ہے۔“ کیونکہ حیات اور ممات میں وسیلہ کے جواز اور عدم جواز کا فرق علم کے ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے ہو سکتا تھا اور آپ کو ہر دو

صورت میں علم حاصل ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے تمام احکام مسلمانوں کے لیے قیامت تک کے لیے حجت ہیں اور آپ کے افعال مسلمانوں کے لیے اسوہ اور نمونہ ہیں، اگر آپ کا کوئی حکم صرف آپ کی حیات مبارکہ کے ساتھ مخصوص ہو اور بعد کے لوگوں کے لیے اس کا کرنا ناجائز ہو تو آپ پر لازم ہے کہ آپ یہ بیان فرمائیں کہ یہ حکم میری زندگی کے ساتھ خاص ہے اور بعد کے لوگوں کے لیے اس حکم پر عمل کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر بن نيار کو ایک شش ماہہ بکرے کی قربانی کرنے کا حکم دیا اور فرمادیا تمہارے بعد کسی کے لیے یہ عمل جائز نہیں ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی، نبی ﷺ نے فرمایا اس کے بدلہ میں اور قربانی کرو، انہوں نے کہا میرے پاس صرف چھ ماہ کا ایک بکرا ہے جو سال کے بکرے سے فریہ ہے آپ نے فرمایا اس کے بدلہ میں اس کی قربانی کر دو، اور تمہارے بعد کسی اور کے لیے شش ماہہ بکرے کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۴، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۸۳۸ھ)

نبی ﷺ نے یہ استثناء اس لیے بیان فرمایا کہ نبی ﷺ کے تمام اقوال اور افعال مسلمانوں کے حق میں قیامت تک کے لیے حجت ہیں اگر آپ یہ استثناء نہ فرماتے تو چھ ماہ کے بکرے کی قربانی سب کے لیے قیامت تک جائز ہو جاتی، شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں وفات کے بعد کسی بزرگ سے دعا کی درخواست کرنا شرک کی طرف لے جاتا ہے:

ہر چند کہ انبیاء اور صالحین اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ وہ زندوں کے لیے دعا کرتے ہیں اور بے شک اس کی تائید میں احادیث بھی ہیں، پھر بھی کسی شخص کے لیے ان سے دعا کو طلب کرنا جائز نہیں ہے اور پہلے لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کیا کیونکہ یہ شرک کا سبب ہے، اور اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کا ذریعہ ہے، اس کے برخلاف اگر ان کی زندگی میں ان سے دعا طلب کی جائے تو یہ شرک نہیں ہے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۳۳۰، مطبوعہ دار فہد بن عبد العزیز)

شیخ ابن تیمیہ کا یہ قاعدہ باطل ہے کیونکہ وفات کے بعد کسی سے دعا کی درخواست کرنا شرک کا سبب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نابینا صحابی سے فرمادیتے کہ اس طریقہ سے دعا کرنا صرف میری زندگی میں جائز ہے اور میرے وصل کے بعد اس طریقہ سے دعا کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ شرک کا سبب ہے، کیونکہ آپ کی بعثت کا مقصد ہی شرک کی بچہ کنی کرنا تھا اور جب نبی ﷺ نے بغیر کسی استثناء کے نابینا صحابی کو دعا کا یہ طریقہ تعلیم کیا تو معلوم ہوا کہ قیامت تک اس طریقہ سے دعا کرنا جائز ہے، اور صحابی رسول حضرت عثمان بن حنیف نے اس حدیث سے یہی سمجھا تھا اسی وجہ سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی ایک شخص کو دعا کا یہ طریقہ بتلایا اور ہمارے لیے صحابی رسول کے طریقہ کی اتباع کرنا، شیخ ابن تیمیہ کے افکار کی اتباع کرنے سے بہتر ہے۔

توسل بعد از وصل کے متعلق شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا نظریہ

شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

کاش میری عقل ان لوگوں کے پاس ہوتی، جو لوگ اولیاء اللہ سے استدعا اور ان کی امداد کا انکار کرتے ہیں، یہ اس کا کیا مطلب سمجھتے ہیں؟ جو کچھ ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ دعا کرنے والا اللہ کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اس

ہے اپنی حاجت کو طلب کرتا ہے اور یہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! تو نے اپنے اس بندہ مکرم پر جو رحمت فرمائی ہے اور اس پر جو لطف و کرم کیا ہے اس کے وسیلہ سے میری اس حاجت کو پورا فرما کہ تو دینے والا کرم ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اس اللہ کے ولی کو دعا کرتا ہے اور اس کو مخاطب کر کے یہ کہتا ہے کہ اے بندہ خدا اور اے اللہ کے ولی! میری شفاعت کریں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ وہ میرا سوال اور مطلوب مجھے عطا کرے اور میری حاجت بر لائے سو مطلوب کو دینے والا اور حاجت کو پورا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور یہ بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے اور قلور قائل اور اشیاء میں تصرف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اولیاء اللہ اللہ تعالیٰ کے فعل سطوت قدرت اور غلبہ میں فانی اور ہالک ہیں اور ان کو اب قبر میں افضل پر قدرت اور تصرف حاصل ہے اور نہ اس وقت قدرت اور تصرف حاصل تھا جب وہ زندہ تھے۔

اور لہذا استدلال کا جو معنی میں نے ذکر کیا ہے اگر موجب شرک اور غیر اللہ کی طرف توجہ کو مستلزم ہوتا جیسا کہ منکر کا زعم فاسد ہے تو چاہیے یہ تھا کہ صالحین سے طلب دعاء اور توسل زندگی میں بھی ناجائز ہوتا حالانکہ یہ بجائے ممنوع ہونے کے بلا متعلق جائز اور مستحسن و مستحب ہے اور اگر منکر یہ کہیں کہ موت کے بعد اولیاء اللہ اپنے مرتبہ سے معزول ہو جاتے ہیں اور زندگی میں جو فضیلت و کرامت انہیں حاصل تھی وہ باقی نہیں رہی تو اس پر کیا دلیل ہے؟

اور اگر یوں کہیں کہ بعد موت کے وہ ایسی آفات و بلیات میں مبتلا ہوئے کہ انہیں دعا وغیرہ کی فرصت نہ رہی تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اور نہ اس پر دلیل ہے کہ اولیاء اللہ کے لیے ابتلا قیامت تک رہتا ہے زیادہ سے زیادہ جو کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر اہل قبر سے استدلال سودمند نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اولیاء جذب و استغراق کی کیفیت میں ہوں اور عالم لاہوت کے مشاہدہ میں اس طرح منہمک ہوں کہ اس دنیا کے حالات کی طرف توجہ اور شعور نہ رہے تو وہ اس دنیا میں تصرف نہ کریں جیسا کہ دنیا میں بھی اولیاء اللہ کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ ہاں اگر اولیاء اللہ کے حق میں زائرین کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ مدد کرنے میں مستقل ہیں اور اللہ کی جانب میں توجہ کئے بغیر بطور خود ذاتی قدرت سے امداد کرتے ہیں جیسے بعض جلاء کا عقیدہ ہے کہ وہ قبر کو بوسہ دیتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں یہ تمام افضل ممنوع اور حرام ہیں اور بلا توقف عوام کے افضل کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ خارج از بحث ہیں۔ اور عارف بشریت و عالم بہ احکام دین ان تمام منکرات سے سخت بیزار ہیں اور مثل قلور لیل کشف سے ارواح کللہ سے استفادہ کے بارے میں جو کچھ موی ہے وہ حصر سے خارج ہے اور ان کی کتابوں میں مشہور اور مذکور ہے حاجت نہیں کہ ہم اس کا ذکر کریں اور ممکن ہے کہ وہ منکر متعصب کو قائم نہ دے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس بد عقیدگی سے محفوظ رکھے۔

(اشد اللطت ج ۳ ص ۳۰۴-۳۰۵ مطبوعہ مطبعہ نج مار لکھنؤ)

توسل بعد از وصل کے متعلق علامہ آلوسی کا نظریہ
علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کی زندگی میں اور آپ کے وصل کے بعد آپ کی عزت اور وجاہت کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرنے میں میرے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے اور آپ کی وجاہت سے یہاں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت مرلو ہے خلا اللہ تعالیٰ کی آپ سے کامل محبت جس کا یہ قضا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو مسترد نہ کرے اور آپ کی شفاعت کو قبول فرمائے اور جب کوئی شخص دعا میں کہتا ہے: اے اللہ! میں تجھے نبی ﷺ کی وجاہت کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ تو میری حاجت کو پورا

فرما۔ ”تو اس دعا کا یہ معنی ہے! ”اے اللہ! میں اپنی اس حاجت کے پورا ہونے میں تیری محبت کو وسیلہ بناتا ہوں اور اس دعا میں اور تمہارے اس قول میں کوئی فرق نہیں ہے کہ ”اے اللہ میں تیری رحمت کو وسیلہ بناتا ہوں کہ تو میرا یہ کام کر دے۔“ بلکہ میں یہ کہنا بھی جائز سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ ”اے اللہ! میں تجھ کو نبی ﷺ کی وجاہت کی قسم دیتا ہوں کہ تو یہ کام کر دے۔“ وجاہت اور حرمت کے ساتھ سوال کرنے میں ایک جیسی بحث ہے، تو سل اور زلت محض کی قسم دینے میں یہ بحث جاری نہیں ہوگی، ہاں وجاہت اور حرمت کے وسیلہ سے دعا کرنا کسی صحابی سے منقول نہیں ہے اور شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ صحابہ و سیلہ کے ساتھ دعا کرنے سے اس لیے اجتناب کرتے تھے کہ لوگوں کے ذہنوں میں کوئی بد عقیدگی جگہ نہ پکڑے، کیونکہ ان کا زمانہ بتوں کے ساتھ توسل کرنے کے قریب تھا، اس کے بعد ائمہ طاہرین نے بھی صحابہ کی اقتداء میں وسیلہ کے ساتھ دعا نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ کعبہ کی اس وقت کی عمارت کو منہدم کر کے بناء ابراہیم پر اس کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہتے تھے، لیکن چونکہ آپ کی قوم تازہ تازہ کفر سے نکلی تھی، اس لیے آپ نے فتنہ پیدا ہونے کے خدشہ سے اپنے ارادہ کو ترک کر دیا جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے، میں نے وجاہت سے توسل اور قسم دینے کا جواز اور اس کی توجیہ اس لیے بیان کی، تاکہ عام مسلمانوں کو اس دعا میں حرج نہ ہو، کیونکہ بعض لوگ نبی ﷺ کی وجاہت کے وسیلہ سے دعا کرنے پر گمراہی کا حکم لگانے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس تقریر سے میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس طرح وسیلہ سے دعا کرنا ان دعاؤں سے افضل ہے، جو قرآن مجید اور احادیث میں مذکور ہیں اور جن دعاؤں پر صحابہ کرام کاربند رہے اور اخبار تابعین نے جس طریقہ کو اپنایا یقیناً ”دعا کا یہی طریقہ زیادہ اچھا“ زیادہ جامع زیادہ نفع آور اور زیادہ سلامتی والا ہے۔

(روح المعانی ج ۶ ص ۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

توسل بعد از وصل کے متعلق غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان کا نظریہ
شیخ وحید الزمان لکھتے ہیں:

جب دعائیں غیر اللہ کے وسیلہ کا جواز ثابت ہے تو اس کو زندوں کے ساتھ خاص کرنے پر کیا دلیل ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حضرت عباس کے وسیلہ سے دعا کی تھی، وہ نبی ﷺ کے وسیلہ سے ممانعت پر دلیل نہیں ہے، انہوں نے حضرت عباس کے وسیلہ سے اس لیے دعا کی تاکہ حضرت عباس کو لوگوں کے ساتھ دعائیں شریک کریں، اور انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اسی طرح شداء اور صالحین بھی زندہ ہیں، ابن عطاء نے ہمارے شیخ ابن تیمیہ کے خلاف دعویٰ کیا پھر اس کے سوا اور کچھ ثابت نہیں کیا کہ بطور عبادت نبی ﷺ سے استعانت کرنا جائز نہیں ہے، ہاں نبی ﷺ کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عثمان بن حنیف نے اس شخص کو آپ کے وسیلہ سے دعا تعلیم کی جو حضرت عثمان کے پاس جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف التفات نہیں کرتے تھے۔ اس دعا میں یہ الفاظ تھے: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی محمد نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے سند متصل کے ساتھ ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے، کاش میری عقل ان منکرین کے پاس ہوتی! جب کتاب اور سنت کی تصریح سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے تو صالحین کے وسیلہ کو بھی اس پر قیاس کیا جائے گا اور امام جزری نے حسن حصین کے آداب دعائیں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء اور صالحین کا وسیلہ پیش کرنا چاہئے، اور ایک اور حدیث میں ہے: یا محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں،

یہ دے گا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے موضوع نہیں ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، ایک حدیث میں ہے میں میرے نبی محمد اور موسیٰ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں، اس کو علامہ ابن اثیر نے منلیہ میں اور علامہ طاہر ثقفی نے مجمع بحار الانوار میں ذکر کیا ہے، اور امام حاکم، امام طبرانی اور امام بیہقی نے ایک حدیث میں حضرت آدم کی اس دعا کو روایت کیا ہے: ”اے اللہ! میں تجھ سے تجنی محمد سوال کرتا ہوں۔“ اور ابن منذر نے روایت کیا ہے اے اللہ! میرے نزدیک محمد (ﷺ) کی جو وجاہت اور عزت ہے میں اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں، علامہ سبکی نے کہا ہے کہ وسیلہ پیش کرنا، مدد طلب کرنا اور شفاعت طلب کرنا مستحسن ہے، علامہ قسطلانی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی ﷺ کے وسیلہ سے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر آہ و زاری کرنے کا حقد میں اور متاخرین میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تھا حتیٰ کہ ابن تیمیہ آیا اور اس نے انکار کیا، قاضی شوکلانی نے کہا کہ انبیاء میں سے کسی نبی، اولیاء میں سے کسی ولی اور علماء میں سے کسی عالم کا بھی وسیلہ پیش کرنا جائز ہے جو شخص قبر پر جا کر زیارت کرے یا فقط اللہ سے دعا کرے اور اس میت کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں تو اس دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے فلاں بیماری سے شفاء دے اور میں اس نیک بندے کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں تو اس دعا کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔ قاضی شوکلانی کا کلام ختم ہوا۔ (ہدیت الہدی ص ۳۹-۴۰، مطبوعہ میو پریس دہلی، ۱۳۲۵ھ) تو سل بعد از وصل کے متعلق غیر مقلد عالم قاضی شوکلانی کا نظریہ

غیر مقلد عالم شیخ مبارکپوری ”لدر التنفید“ سے قاضی شوکلانی کی عبارت نقل کرتے ہیں:

انبیاء اور صالحین کے تو سل سے منع کرنے والے قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں: ”ہم ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔“ (زمر: ۳) ”اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔“ (جن: ۱۸) اسی کو (معبود سمجھ کر) پکارنا برحق ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو (معبود سمجھ کر) پکارتے ہیں جو ان کو کوئی جواب نہیں دے سکتے۔“ (رعد: ۱۴) ان آیات سے استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ سورہ زمر کی آیت نمبر ۳ میں یہ تصریح ہے کہ مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے اور جو شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے وہ اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس عالم کے علم کی وجہ سے اس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت اور وجاہت ہے وہ اس وجہ سے اس کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے، اسی طرح سورہ جن کی آیت نمبر ۱۸ میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کر کے پکارنے (یا عبادت کرنے) سے منع کیا ہے، مثلاً کوئی شخص کہے میں اللہ اور فلاں کی عبادت کرتا ہوں، اور جو شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے وہ صرف اللہ سے دعا کرتا ہے اور اللہ کے بعض نیک بندوں کے اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرتا ہے، جیسا کہ ایک عہد میں تین شخص تھے اور اس عہد کے منہ پر ایک چٹن گر گئی، تو انہوں نے اپنے اعمال صالحہ کے وسیلہ سے دعا کی، اسی طرح سورہ رعد کی آیت نمبر ۱۴ میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو ان لوگوں کو (معبود سمجھ کر) پکارتے تھے جو ان کو کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے اور اپنے رب کو نہیں پکارتے تھے جو ان کی دعا قبول کرتا ہے اور جو شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے، وہ صرف اللہ سے دعا کرتا ہے اور کسی اور سے دعا نہیں کرتا، اللہ کے بغیر نہ اللہ کے ساتھ۔

(تحدہ لاحوذی ج ۴ ص ۲۸۳، مطبوعہ نثرانتہ لمن)

انبیاء عظیم اسلام اور بزرگن دین سے براہ راست استدلال کے متعلق احادیث

انبیاء عظیم اسلام اور بزرگن دین سے براہ راست مدد طلب کرنے کی اصل یہ حدیث ہے:

لہام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”کرلما“ کاتین کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کیے ہیں جو درختوں سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں جب تم میں سے کسی شخص کو سفر میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ یہ ندا کرے۔ ”اے اللہ کے بندو تم پر اللہ رحم فرمائے میری مدد کرو۔“ (المصنف ج ۱۰ ص ۳۹۰، مطبوعہ لواء القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

حافظ ابو بکر بخاری معروف بہن السنی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک شخص کی سواری ویران زمین میں بھاگ جائے تو وہ یہ ندا کرے: اے اللہ کے نیک بندو! اس کو روک لو! اے اللہ کے نیک بندو! اس کو روک لو! کیونکہ زمین میں اللہ عزوجل کے کچھ روکنے والے ہیں جو اس کو روک لیتے ہیں۔

(عمل الیوم واللیلہ ص ۱۲۲، مطبوعہ مطبع مجلس الدائرة العارف حیدر آباد دکن ۱۳۱۵ھ)

لہام بزار اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کرلما“ کاتین کے سوا، اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں، جب تم میں سے کسی شخص کو جنگل کی سرزمین میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ یہ ندا کرے: اے اللہ کے نیک بندو! میری مدد کرو۔

(کشف الاستار عن زوائد البرزخ ج ۳ ص ۳۴، مطبوعہ مؤسستہ الرسالہ بیروت)

حافظ الیشمی بیان کرتے ہیں:

حضرت عتبہ بن غزوآن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کو گم کر دے درآن حالیکہ وہ کسی اجنبی جگہ پر ہو تو اس کو یہ کہنا چاہئے کہ ”اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔“ کیونکہ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے۔ یہ امر مجرب ہے، اس حدیث کو لہام طبرانی نے روایت کیا اور اس کے بعض رویوں کے ضعف کے باوجود ان کی توثیق کی گئی ہے، البتہ یزید بن علی نے حضرت عتبہ کو نہیں پایا۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۲، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کرلما“ کاتین کے سوا اللہ کے فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں جب کسی ویران زمین پر کسی کو مشکل پیش آئے تو وہ یہ ندا کرے۔ ”اے اللہ کے نیک بندو میری مدد کرو۔“ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۲، دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی ایک کی سواری کسی ویران زمین میں بھاگ جائے تو وہ یہ ندا کرے: ”اے اللہ کے نیک بندو روک لو! اے اللہ کے نیک بندو روک لو! اے اللہ کے نیک بندو روک لو! کیونکہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے روکنے والے ہیں جو اس کو عنقریب روک لیں گے، اس کو لہام ابو یعلیٰ اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے وہ اس کو تمہارے لیے روک لیں گے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۲، دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

رجل غیب (ابدال) سے استمداد کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

علامہ نووی امام ابن السنی کی کتاب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

مجھ سے میرے بعض اساتذہ نے بیان کیا جو بہت بڑے عالم تھے کہ ایک مرتبہ ریگستان میں ابن کی سواری بھاگ گئی، ابن کو اس حدیث کا علم تھا انہوں نے یہ کلمات کہے (اے اللہ کے بندو روک لو) اللہ تعالیٰ نے اس سواری کو اسی وقت روک دیا۔ (علامہ نووی فرماتے ہیں:) ایک مرتبہ میں ایک جماعت کے ساتھ سفر میں تھا، اس جماعت کی ایک سواری بھاگ گئی، وہ اس کو روکنے سے عاجز آگئے، میں نے یہ کلمات کہے تو بغیر کسی اور سبب کے صرف ابن کلمات کی وجہ سے وہ سواری اسی وقت رک گئی۔ (کتب لازکار ص ۲۰۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، طبع رابع ۱۴۰۵ھ)

ملا علی قاری نے بھی علامہ نووی کی عبارت کو نقل کیا ہے۔

(الحرمین شرح صحن حصین علی ہاشم لدر الغلال ص ۳۷۸، مطبوعہ المطبعۃ المیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۳ھ)

شیخ شوکانی نے بھی علامہ نووی کی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔

(تحت لذا کریں بعدۃ الحسن الحصین ص ۱۵۵، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البلبلی و لولادہ مصر ۱۳۵۰ھ)

ملا علی قاری یا عبداللہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

”اے اللہ کے بندو!“ اس سے مراد فرشتے ہیں یا مسلمان جن یا اس سے مراد ان غیب مراد ہیں جن کو ابدال کہتے ہیں۔

(الحرمین الشہین علی ہاشم لدر الغلال ص ۳۷۸، مطبوعہ المطبعۃ المیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۳ھ)

شیخ محمد بن جزری نے صحن حصین میں اس حدیث کو طبرانی، ابو یعلیٰ، ابن السنی، بزار اور ابن ابی شیبہ کے حوالوں سے درج کیا ہے، ابن تمام روایات کو درج کرنے کے بعد ملا علی قاری لکھتے ہیں:

بعض ثقہ علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور مسافروں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے اور مشائخ سے مروی ہے کہ یہ امر مجرب ہے۔ (الحرمین الشہین علی ہاشم لدر الغلال ص ۳۷۹، مطبوعہ المطبعۃ المیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۳ھ)

شیخ شوکانی، حضرت ابن عباس کی روایت میں لکھتے ہیں:

مجمع الزوائد میں ہے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، اس حدیث میں ابن لوگوں سے مدد حاصل کرنے پر دلیل ہے جو نظر نہ آتے ہوں، جیسے فرشتے اور صلح جن، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ جب سواری کھسک جائے یا بھاگ جائے تو انسانوں سے مدد حاصل کرنا جائز ہے۔ (تحت لذا کریں ص ۱۵۵، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البلبلی و لولادہ مصر ۱۳۵۰ھ)

امام ابن اثیر اور حافظ ابن کثیر کے حوالوں سے عمد صحابہ میں نہائے یا محمدؐ کا رواج

عمد صحابہ اور تابعین میں مسلمانوں کا یہ شعار تھا کہ وہ شہداء اور یتیماء کے وقت ”یا محمدؐ“ کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو برا کرتے تھے۔

جنگ یمامہ میں جب میلہ کذاب اور مسلمانوں کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، اس کا نقشہ کھینچنے کے بعد علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

پھر حضرت خالد بن ولید نے (دشمن کو) للکار اور للکارنے والوں کو دعوت (قتل) دی پھر مسلمانوں کے معمول کے مطابق یا محمدؐ کہہ کر نکل گیا، پھر وہ جس شخص کو بھی للکارتے اس کو قتل کر دیتے تھے۔

(الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۲۳۶، مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت)

حافظ ابن کثیر بھی جنگ کے اس منظر کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

پھر حضرت خالد نے مسلمانوں کے معمول کے مطابق نعرہ لگایا اور اس زمانہ میں ان کا معمول یا نعرہ کا نعرہ لگانا تھا۔

(المبدیہ والتعلیہ ج ۶ ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن اثیر اور ابن کثیر نے یہ تصریح کی ہے کہ عہد صحابہ اور تابعین میں شہداء اور لشکروں کے وقت یا عہدہ کرنے کا معمول تھا، ندائے غائب کے منکرین کے ہاں حافظ ابن کثیر کی ہمت پذیرائی ہے اور ان کا یہ لکھنا عہد صحابہ و تابعین میں یا عہدہ کرنے کا معمول تھا ان کے خلاف قوی حجت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے مطالب عالیہ میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر عیسیٰ میری قبر پر کھڑے ہو کر ”یا محمد“ کہیں تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔ (المطالب العلیہ ج ۳ ص ۳۳۹، مطبوعہ مکہ مکرمہ)

ندائے یا محمد اور توسل میں علماء دیوبند کا موقف

شیخ رشید احمد گنگوہی ”یا رسول اللہ انظر حالنا“ یا نبی اللہ اسمع قالنا کے جواز یا عدم جواز کی بحث میں لکھتے ہیں:

یہ خود معلوم آپ کو ہے کہ ندا غیر اللہ تعالیٰ کو دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل عقیدہ کرے ورنہ شرک نہیں، مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرمادیوے گا یا بلاؤںہ تعالیٰ انکشف ان کو ہو جلوے گا یا بلاؤںہ تعالیٰ ملا کہ پنچادیویں گے جیسا کہ درود کی نسبت وارد ہے، یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں یا عرض حل محل نحر و حن میں ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطاب یہ بولتے ہیں لیکن ہرگز نہ مقصود اسمع ہوتا ہے نہ عقیدہ، پس ان ہی اقسام سے کلمات مناجات و اشعار بزرگان کے ہوتے ہیں کہ فی حد ذاتہ نہ شرک ہیں نہ معصیت مگر ہاں بوجہ موہم ہونے کے ان کلمات کا مجامع میں کہنا مکروہ ہے کہ عوام کو ضرر ہے اور فی حد ذاتہ ابہام بھی ہے لہذا نہ ایسے اشعار کا پڑھنا منع ہے اور نہ اس کے مولف پر طعن ہو سکتا ہے۔ (الی قولہ) مگر ایسی طرح پڑھنا اور پڑھوانا کہ اندیشہ عوام کا ہو بندہ پسند نہیں کرتا گو اس کو معصیت بھی نہیں کہہ سکتا مگر خلاف مصلحت وقت کے جانتا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کمال ص ۲۸، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

گویا یا محمد یا رسول اللہ کے نعروں سے علماء دیوبند کا منع کرنا ذاتی ناپسندیدگی کی وجہ سے ہے کوئی حکم شرعی نہیں ہے۔ شیخ گنگوہی سے سوال کیا گیا:

سوال: اشعار اس مضمون کے پڑھنے: ”یا رسول کبریا فریاد ہے، یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے۔ مدد کر، ہر خدا حضرت محمد مصطفیٰ، میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے۔“ کیسے ہیں؟

جواب: ایسے الفاظ پڑھنے محبت میں اور خلوت میں بایں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو مطلع فرمادیوے یا محض محبت سے بلا کسی خیال سے جائز ہیں اور بعقیدہ عالم الغیب اور فریاد رس ہونے کے شرک ہیں اور مجامع میں منع ہیں کہ عوام کے عقائد کو فاسد کرتے ہیں لہذا مکروہ ہوں گے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کمال ص ۹۵، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

عام مسلمان رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب نہیں سمجھتے، عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی صفت عطا فرمائی ہے جس سے آپ پر حقائق غیبیہ منکشف ہو جاتے ہیں جس طرح ہم کو ایسی صفت عطا فرمائی ہے جس سے ہم پر عالم شہادت کے واقعات منکشف ہو جاتے ہیں، نہ ہم بذاتہ شہادت (عالم ظاہر) کے عالم ہیں نہ

رسول اللہ ﷺ بذلہ غیب کے عالم ہیں۔ ہم پر اللہ تعالیٰ نے عالم شہوت منکشف کیا اور رسول اللہ ﷺ پر اللہ عز و جل نے عالم غیب بھی منکشف کیا۔ یہی عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور شیخ گنگوہی کی تصریح کے مطابق یہ شرک اور معصیت نہیں ہے بلکہ جائز ہے، علامہ اہل سنت اپنی قطاریں اور تصانیف میں عوام کو یہ فرق ہمیشہ سے ہر دور میں بتاتے رہے ہیں اور عام مسلمان اس فرق کو جانتے ہیں اس لیے عوام کے جلسوں میں بھی اس قسم کے اشعار پڑھنا جائز ہیں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مانتا ہے اور اس کی عبودیت بجا لاتا ہے اس کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو مستقل سامع یا مستقل عالم گرد مانتا ہے البتہ ذاتی ناپسندیدگی کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

شیخ رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

اور لولیاہ کی نسبت بھی یہ عقیدہ ایمان ہے کہ حق تعالیٰ جس وقت چاہے ان کو علم و تصرف دیوے اور عین حالت تصرف میں حق تعالیٰ ہی مصرف ہے، لولیاہ ظاہر میں مصرف ہی معلوم ہوتے ہیں، عین حالت کرامت و تصرف میں حق تعالیٰ ہی ان کے واسطے سے کچھ کرتا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کمال ص ۴۹، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

شیخ محمود الحسن ایسا کہ نستعین کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے، ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔ (حاشیہ القرآن الحکیم ص ۲، مطبوعہ تاج کہنی کراچی)

منفی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

اور حقیقی طور پر اللہ کے سوا کسی کو حاجت روانہ سمجھے، اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے، کسی نبی یا ولی وغیرہ کو وسیلہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا اس کے منافی نہیں۔

(معارف القرآن، مطبوعہ دارالعارف کراچی ۱۳۹۷ھ)

شیخ رشید احمد گنگوہی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: دعا میں بحق رسول و ولی اللہ کہنا ثابت ہے یا نہیں، بعض فقہاء و محدثین منع کرتے ہیں اس کا کیا سبب ہے؟

جواب: بحق فلاں کہنا درست ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو تو نے اپنے احسان سے وعدہ فرمایا ہے اس کے ذریعہ سے مانگتا ہوں مگر معتزلہ اور شیعہ کے نزدیک حق تعالیٰ پر حق لازم ہے اور وہ بحق فلاں کے یہی معنی مراد رکھتے ہیں، سو اس واسطے معنی موہم اور مشابہ معتزلہ ہو گئے تھے لہذا فقہاء نے اس لفظ کا بولنا منع کر دیا ہے تو بہتر ہے کہ ایسا لفظ نہ کہے جو رافضیوں کے ساتھ تشبہ ہو جلوسے۔

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۳، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

شیخ محمد سرفراز خاں صندل لکھتے ہیں:

یہاں ہم صرف المسند کی عبارت پر اکتفا کرتے ہیں جو علامہ دیوبند کے نزدیک ایک اجماعی کتب کی حیثیت رکھتی ہے جواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء و لولیاہ و صدیقین کا توسل جائز ہے، ان کی حیات میں یا بعد وفات کے ہیں طور کے کہ یا اللہ میں وسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت برائی چاہتا ہوں، اسی جیسے اور کلمات کے چنانچہ اس کی تصریح فرمائی ہے، ہمارے شیخ مولانا محمد اسحاق دہلوی ثم الہی نے پھر مولانا رشید احمد گنگوہی

نے بھی اپنے قلوبی میں اس کو بیان فرمایا ہے جو چھپا ہوا آج کل لوگوں کے ہاتھ میں موجود ہے اور یہ مسئلہ اس کی پہلی جلد کے صفحہ نمبر ۳۳ پر مذکور ہے جس کا تمی چاہے دیکھ لے۔ (انتہی المند ص ۳۳)

(تسکین الصدور ص ۳۳، مطبوعہ ادارہ نفع العلوم گوجرانوالہ)

شیخ اشرف علی تھانوی، امام طبرانی اور امام بیہقی کے حوالوں سے حضرت عثمان بن حنیف کی روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

(ف) اس سے تو سل بعد الوفا بھی ثابت ہوا اور علاوہ ثبوت بالروایت کے درایت ”بھی ثابت ہے کیونکہ روایت لول کے ذیل میں جو تو سل کا حاصل بیان کیا گیا ہے وہ دونوں حالتوں میں مشترک ہے۔

(نثر الیب ص ۲۵۳، مطبوعہ تلج کمپنی کراچی)

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو رسول اللہ ﷺ کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر بارش کی دعا کے لیے درخواست کی تھی اس کے متعلق شیخ محمد سرفراز خاں صمد لکھتے ہیں:

اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں اور حافظ ابن کثیر، حافظ ابن حجر اور علامہ سمودی وغیرہ اس روایت کو صحیح کہتے ہیں، امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ۷ھ اور ۸ھ کی ابتداء کا ہے، (تاریخ طبری ج ۳ ص ۹۸، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۹) اور موسیٰ بن عبد الرحمن بن محمد بن خلدون (الموتی ۸۰۸ھ) فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ۸ھ کا ہے (ابن خلدون ج ۲ ص ۹۶۹)

یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی وفات حسرت آیات سے تقریباً ”سات آٹھ سال بعد پیش آیا اس وقت بکثرت حضرات صحابہ کرام موجود تھے۔ خواب دیکھنے والے کوئی مجہول شخص نہیں تھے، بلکہ جلیل القدر صحابی حضرت بلال بن حارث منی (الموتی ۶۷ھ) رضی اللہ عنہ تھے۔ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلب دعا اور سوال شفاعت شرک نہیں ورنہ یہ جلیل القدر صحابی یہ کارروائی ہرگز نہ کرتے۔

یہ معاملہ نرے خواب کا نہیں ہے بلکہ اس سچے خواب کو خلیفہ راشد حضرت عمر کی تائید و تصویب حاصل ہے اور اس کارروائی کا حکم پہلے تو علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين الحدیث کے تحت سنیت کا ہو گا ورنہ استجب اور اقل درجہ جواز سے کیا کم ہو گا۔ (تسکین الصدور ص ۳۵۲-۳۵۹، ملخصاً، مطبوعہ ادارہ نفع العلوم گوجرانوالہ)

نیز شیخ محمد سرفراز خاں صمد لکھتے ہیں:

علاوہ ازیں متعدد کتابوں میں آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر طلب دعا کا تذکرہ ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ: ایک جماعت نے عتبی سے یہ مشہور حکایت نقل کی ہے جس جماعت میں شیخ ابو منصور الصبلغ بھی ہیں انہوں نے اپنی کتاب الشامل میں بیان کیا ہے کہ عتبی فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی قبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا، کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے ”اور اگر بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تیرے پاس آتے پس وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور ان کے لیے رسول بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے، اس لیے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی پیش کرنے آیا ہوں۔“ اس کے بعد اس نے درود دل سے چند اشعار پڑھے اور جذبہ محبت کے پھول پھول کر کے چلا

آخر میں مذکور ہے کہ خواب میں اس کو کامیابی کی بشارت بھی مل گئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ
 اے جنتی جا کر اس اعرابی سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۰) یہ واقعہ امام
 نووی نے کتب اللذکر ص ۱۸۵ طبع مصر میں اور علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد السنفی الحنفی المتوفی ۷۰۷ھ نے اپنی تفسیر
 مدارک ج ۱ ص ۳۹۹ میں اور علامہ تقی الدین سبکی نے شفاء المقام ص ۴۶ میں اور شیخ عبد الحق نے جذب القلوب ص ۹۵
 میں اور علامہ بحر العلوم عبد الحلی نے رسائل الارکان ص ۲۸۰ طبع لکھنؤ میں نقل کیا ہے، اور علامہ علی بن عبد الکافی السبکی
 اور علامہ سمودی لکھتے ہیں کہ:

جنتی کی حکمت اس میں مشور ہے اور تمام مذاہب کے مصنفین نے مناسک کی کتابوں میں اور مورخین نے اس کا ذکر کیا
 ہے اور سب نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے اسی طرح دیگر متعدد علماء نے قدیم و حدیث اس کو نقل کیا ہے اور حضرت
 تھانوی لکھتے ہیں کہ مواہب میں بسند امام ابو منصور مبلغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمہم اللہ تعالیٰ نے محمد
 بن حرب ہلالی سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے
 عرض کیا کہ یا خیر الرسل، اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک نئی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد ہے ولوا نهم اذ ظلموا
 انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجود واللہ نوابا رحیما اور میں آپ کے
 پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوں آیا ہوں پھر وہ شعر
 پڑھے، اور اس محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی ہے، غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت تکبر منقول
 نہیں بس حجت ہو گیا (نثر الیب ص ۲۵۳) اور حضرت مولانا نازوقی یہ آیت کریمہ لکھ کر فرماتے ہیں: ”کیونکہ اس میں کسی کی
 تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں، اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے
 یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرنا جب ہی مقصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں، اہ
 (آب حیات ص ۴۰) اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی یہ سابق واقعہ ذکر کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ: پس ثابت ہوا کہ اس آیت
 کریمہ کا حکم آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۰) ان اکابر کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر
 پر حاضر ہو کر شفاعت مغفرت کی درخواست کرنا قرآن کریم کی آیت کے عموم سے ثابت ہے، بلکہ امام سبکی فرماتے ہیں کہ یہ
 آیت کریمہ اس معنی میں صریح ہے (شفاء المقام ص ۴۸) اور خیر القرون میں یہ کارروائی ہوئی مگر کسی نے انکار نہیں کیا جو اس
 کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے۔ (تسکین الصدور ص ۳۶۵-۳۶۶، مطبوعہ دارہ نفعہ العلوم گوجرانوالہ)

رسول اللہ ﷺ کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر دعا کی درخواست کرنے کو ناجائز ثابت کرنے کے لیے شیخ ابن تیمیہ، شیخ
 ابن قیم اور شیخ ابن ہلدی وغیرہم کی ایک یہ دلیل ہے کہ حضرات صحابہ کرام، ائمہ دین اور سلف صالحین سے ایسی کارروائی ثابت
 نہیں اگر یہ جائز ہوتی تو وہ ضرور ایسا کرتے، اس کے جواب میں شیخ محمد سرفراز خان صخر لکھتے ہیں:

یہ ان حضرات کا ایک علمی مغلطہ ہے کیونکہ قبر کے پاس حاضر ہو کر سفارش کرنا اور طلب دعا نہ تو فرض و واجب
 ہے اور نہ سنت مؤکدہ، تاکہ یہ حضرات اس پر خولہ بخولہ ضرور عمل کر کے دکھاتے اور اس کارروائی کے نہ کرنے پر وہ
 طاعت کئے جاتے اس کارروائی کے مقرر اس کو صرف جائز ہی کہتے ہیں اور جواز کے اثبات کے لیے حضرت بلال بن العمارؓ کا
 یہ فعل جس کی حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرام نے تائید کی ہے کیا کم ہے؟ اگر حضرت ابن عمرؓ صحابی ہیں جنہوں

نے ایسا نہیں کیا تو یقین جانئے کہ حضرت بلال بن الحارثؓ اور ان کی اس کارروائی کے صدقین بھی صلب ہی ہیں اگرچہ
حافظ ابن تیمیہ یہ کارروائی تسلیم نہیں کرتے لیکن اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ کارروائی بعض متاخرین سے ثابت ہے۔
(محملہ قاعدہ جلیلہ ص ۷۲) (تسکین الصدور ص ۳۵۳، مطبوعہ لواء نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

خلاصہ یہ ہے کہ تمام اکابر اور اصغر علماء دیوبند کے نزدیک یا رسول اللہؐ کتنا جائز ہے اور رسول اللہ ﷺ اور دیگر
مقربین کے وسیلہ سے دعا کرنا اور ان سے دعا کی درخواست کرنا بھی جائز ہے، بلکہ سنت اور مستحب ہے اور ہم بھی اس سے
زیادہ نہیں کہتے۔

ندائے غیر اللہ اور توسل کے متعلق مصنف کا موقف

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استدلال کے متعلق جو ہم نے احادیث اور فقہاء اسلام کی عبارات نقل کی ہیں اس سے
ہمارا صرف یہ منشاء ہے کہ عام مسلمان جو شائد اور ابتلاء میں یا رسول اللہؐ کہہ کر پکارتے ہیں، ان کا یہ پکارنا شرک نہیں ہے
اور اس نداء کو شرک کہنا شدید ظلم اور زیادتی ہے کیونکہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو بہر حال اللہ کی مخلوق اور اس کا مقرب
بندہ گردانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ حقیقی کارساز صرف اللہ تعالیٰ ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا ہر فعل اور ہر
تصرف اللہ تعالیٰ کے اذن اس کی مشیت اور اس کی دی ہوئی قدرت کے تابع ہے، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ہوں یا
عام انسان، اس کائنات میں جس سے بھی جو فعل صادر ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے صادر ہوتا ہے، اور اللہ
تعالیٰ کے بغیر کسی انسان کو کسی شے پر ذرہ برابر بھی قدرت نہیں ہے، اور اس اعتقاد کے ساتھ ندائے غیر اللہ کو علماء دیوبند بھی
جائز کہتے ہیں، جیسا کہ شیخ گنگوہی کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

اس اعتقاد کے ساتھ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استدلال اور استغاثہ کرنا ہر چند کہ جائز ہے لیکن افضل،
احسن اور اولیٰ یہی ہے کہ ہر حال میں اور ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے اور اسی سے استدلال اور استغاثہ کی
جائے، امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن ایک سواری پر نبی ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ
نے فرمایا: اے بیٹے! میں تم کو چند باتوں کی تعلیم دیتا ہوں تم اللہ کو یاد رکھو، اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا، تم اللہ کو یاد
رکھو، تم اللہ کو سامنے پاؤ گے جب تم سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو
اور جان لو کہ اگر تمام امت تم کو نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نفع پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ
نے پہلے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، اگر تمام لوگ تم کو نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائیں تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نقصان
پہنچا سکتے ہیں جو اللہ نے لکھ دیا ہے، قلم اٹھالئے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۶۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ (۱)، امام ابن سنی (۲) اور امام ابن عبد البر (۳) نے بھی روایت کیا ہے۔

(۱) امام ابو یعلیٰ احمد بن علی بن المثنیٰ الموصلی ۳۰۷ھ، مسند ابو یعلیٰ موصلی ج ۳ ص ۸۵-۸۴، مطبوعہ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت

(۲) حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن سنی متوفی ۳۶۳ھ، عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۳۶

(۳) حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، تمہید ج ۴ ص ۱۱۱، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۱۴۰۳ھ

رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم اور تحقیق کے پیش نظر مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں اور اسی سے مدد چاہیں اور دعائیں مستحسن طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگیں، زیادہ محفوظ اور زیادہ سلامتی اس میں ہے کہ وہ دعائیں مانگی جائیں جو قرآن مجید اور احادیث میں مذکور ہیں، تاکہ دعاؤں میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سلویہ انگلیں رہے اگر کسی خاص حاجت میں دعا مانگتی ہو تو رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنی چاہئے۔

ہمارے فاضل معاصر علامہ محمد عبدالحکیم صاحب شرف قادری ثم نقشبندی لکھتے ہیں:

البتہ یہ ظاہر ہے کہ جب حقیقی حاجت روا، مشکل کشا اور کارساز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو احسن اور لوٹی یہی ہے کہ اسی سے مانگا جائے اور اسی سے درخواست کی جائے اور انبیاء و اولیاء کا وسیلہ اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے، کیونکہ حقیقت ہے اور مجاز، مجاز ہے، یا بارگاہ انبیاء و اولیاء سے درخواست کی جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں کہ ہماری مشکلیں آسان فرمادے اور حاجتیں بر لائے، اس طرح کسی کو غلط فہمی بھی پیدا نہیں ہوگی اور اختلافات کی خلیج بھی زیادہ وسیع نہیں ہوگی۔ (ندائے یار رسول اللہ ص ۲۲، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا، لاہور۔ ۱۳۰۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ نداء غیر اللہ اعتقاد مذکور کے ساتھ ہرچند کہ جائز ہے، لیکن افضل، لوٹی اور احسن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے اور اسی سے استدعا اور استعانت کی جائے جیسا کہ حدیث مذکور کا تقاضا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استدعا، نداء اور توسل کے متعلق میں نے بہت طویل بحث کی ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں اس مسئلہ میں جانبین سے غلو کیا جاتا ہے، شیخ ابن تیمیہ، ابن القیم اور ابن الہلوی کے پیروکار اور علماء نجد، غیر اللہ سے استدعا اور وصل کے بعد ان کے توسل سے دعا مانگنے کو ناجائز اور شرک کہتے ہیں اور بعض غلی اور ان پڑھ عوام، اللہ سے دعا مانگنے کے بجائے ہر معاملہ میں غیر اللہ کی دہائی دیتے ہیں، انہی کو پکارتے ہیں اور انہی کی نذر مانتے ہیں، سو میں نے چاہا کہ قرآن مجید، احادیث صحیحہ، آثار صحابہ اور فقہاء اسلام کی عبارات کی روشنی میں حق کو واضح کروں، تاکہ بلاوجہ کسی مسلمان کو مشرک نہ کہا جائے نہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور استعانت کا رابطہ منقطع کیا جائے اور نہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی تعظیم و تکریم میں کوئی کمی کی جائے۔

اللہ العظیم! ان سطور میں اثر آفرینی پیدا فرما، اور جانبین سے غلو کرنے والوں کو اعتدال کی راہ اور صراط مستقیم پر گھرن فرما، مجھے اس کتب کے کھل کرنے کی توفیق مرحمت فرما، اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما، اس کتب کو میری بخشش کا ذریعہ بنادے اور اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ کر دے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین و علی الہ الطیبین الطاہرین واصحابہ الکاملین الراشدین وازواجه امہات المومنین و اولیاء امنہ الواصلین و علماء ملتہ الراسخین والائمة المجتہدین والمحدثین والمفسرین و سائر المسلمین اجمعین الی یوم الدین۔



إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ

ہم کو سیدے راستہ پر چلا ○

ہدایت کا لغوی معنی اور اس کی اقسام

”احد“ کا لفظ ہدایت سے مشتق ہے، علامہ راغب اصفہانی ہدایت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
جو چیز مطلوب تک پہنچا دے اس کی طرف طاعت اور نرمی سے رہنمائی کرنا ہدایت ہے، قلل شخص کو ہدایت دی
یعنی اس کی رہنمائی کی، اللہ تعالیٰ نے انسان کو چار قسم کی ہدایت دی ہے۔
(۱) عقل اور شعور کی ہدایت اور بدیہیت کا علم ہر شخص کو عطا فرمایا ہے۔

أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى
جس نے ہر چیز کو اس کی (مخصوص) مخلوق عطا فرمائی پھر

(طہ : ۵۰) ہدایت دی۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کی زبانوں سے اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ ہدایت عطا فرمائی:

وَجَعَلْنَا هُمْ أُمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا
اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے

(الانبیاء : ۷۳) تھے۔

(۳) توفیق الہی جو ہدایت یافتہ لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآثَمَهُمْ نَقُوهُمْ
جن لوگوں کو ہدایت کی توفیق مل گئی (یعنی جنہوں نے

ہدایت قبول کی) اللہ نے ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا اور انہیں ان

(محمد : ۱۷) کا تقویٰ عطا فرمایا۔

(۴) آخرت میں جنت کی طرف پہنچانا۔

قَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا
جنتی کہیں گے اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے

(الاعراف : ۴۳) ہم کو یہاں تک پہنچایا۔

یہ چاروں ہدایتیں ترتیب وار ہیں کیونکہ جس چیز کو ہدایت کی پہلی قسم (عقل و شعور) حاصل نہیں ہے اس کو باقی
اقسام بھی حاصل نہیں ہوں گی بلکہ وہ محکف بھی نہیں ہے، جیسے حیوانات، اور جس کو دوسری قسم کی ہدایت حاصل نہیں
ہوئی اس کو باقی دو قسمیں بھی حاصل نہیں ہوں گی۔ (اس میں اشکال ہے) اور جس کو تیسری قسم حاصل نہیں ہوئی جیسے کفار
ان کو چوتھی قسم حاصل نہیں ہوگی اور جس کو چوتھی قسم حاصل ہوگی اس کو پہلی تین قسمیں حاصل ہو چکی ہوں گی۔

(المفردات ص ۵۳۹-۵۳۸، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران، ۱۳۳۲ھ)

ہدایت کی اقسام کی مزید تفصیل

اس کی تفصیل میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہدایت کی پہلی قسم وجدان ہے جو انسان کو مبداء و ولادت میں عطا کیا جاتا ہے
جب اس کو بھوک اور پیاس کا ادراک ہوتا ہے جب وہ غذا کی طلب کے لیے روتا اور چلاتا ہے، اور دوسری قسم حواس کی
ہدایت ہے اور یہ قسمیں انسان اور حیوان میں مشترک ہیں، اور تیسری قسم عقل کی ہدایت ہے جو انسان کے ساتھ مخصوص

ہر عمل کی ہدایت سے انسان حواس کی اصلاح کرتا ہے مثلاً مغرور مزاج ولا میٹھی چیزوں کو کڑوا محسوس کرتا ہے تو عقل ہدایت دیتی ہے کہ یہ میٹھی چیز ہے، ہدایت کی جو تھی قسم دین اور شریعت کی ہدایت ہے، اور ہدایت کی پانچویں قسم توفیق ہے۔
وہد ان حواس اور عقل کی ہدایت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنَا السَّبْعَ دُرِّ الْبَلَدِ (۸-۱۰)
کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں، زبان اور ہونٹ نہیں بنائے؟
اور ہم نے اسے (نکی اور بدی کے) دونوں واضح راستے دکھائے۔

اور دین اور شریعت کی ہدایت کے متعلق فرمایا:

وَاَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَخْبَتُوا الْعَمٰی عَلٰی الْهٰدٰی (حم السجدة : ۱۷)
رہے ثمود کے لوگ تو ہم نے ان کو ہدایت دی سو انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر پسند کر لیا۔

اور ہدایت کی توفیق کے متعلق فرمایا:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ
ہم کو سیدھے راستے پر چلا
اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار، اس کی رضا اور جنت الفردوس کی ہدایت ہے، اس ہدایت کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہم کو وہد ان، عقل اور شعور (حواس سے لورا رک) کی ہدایت عطا فرمائی، پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے واسطے سے ہم کو دین اور شریعت کی ہدایت میسر کی، اب ہم دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم کو دین اور شریعت پر چلا اور اس کی توفیق مرحمت فرما تاکہ ہم کو جنت کی ہدایت حاصل ہو سکے۔
اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کا فرق

ہدایت کا ایک معنی ایصال الی المطلوب الخیر (نیک مطلوب تک پہنچانا) ہے اور دوسرا معنی ارشاد اور ارشاد الطریق (راستہ دکھانا) ہے، مطلوب خیر تک پہنچانا یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے، اس کو ہدایت یافتہ بنانا اور باطن میں ہدایت دینے سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور ”راستہ دکھانا“ نبی ﷺ کا منصب ہے اس کو ہدایت یافتہ کرنے اور ظاہراً ہدایت دینے سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں جملہ نبی ﷺ کی طرف ہدایت کی نسبت کی گئی ہے اس سے مراد راستہ دکھانا ہے اور جملہ آپ سے ہدایت دینے کی نفی کی گئی اس سے مراد ہدایت یافتہ بنانا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اٰحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (القصاص : ۵۱)
بے شک آپ اس کو ہدایت یافتہ نہیں بناتے جس کو آپ چاہیں، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت یافتہ بناتا ہے۔

كَيْسَ عَلَیْكَ هٰذِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (البقرہ : ۲۷)
انہیں ہدایت یافتہ بنانا آپ کے ذمہ نہیں لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت یافتہ بناتا ہے۔

ہدایت یافتہ بنانا، مطلوب خیر تک پہنچانا اور باطن میں ہدایت دینا یہ آپ کا منصب نہیں ہے، آپ کا منصب اللہ کی ہدایت کو بخند کرنا ظاہراً ہدایت دینا اور راستہ دکھانا ہے اسی اعتبار سے فرمایا:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (الشوری : ۵۲)
اور بے شک آپ ضرور صراط مستقیم کا راستہ دکھائے

صراط مستقیم کا لغوی اور شرعی معنی

دو نقطوں کو ملانے والے سب سے چھوٹے خط کو لغت میں صراط مستقیم کہتے ہیں اور شریعت میں صراط مستقیم سے مراد وہ عقائد ہیں جو سعادت دارین تک پہنچاتے ہیں، یعنی وہ دین اسلام جس کو دے کر تمام انبیاء اور رسل کو مبعوث کیا گیا اور ان تمام کی نبوت اور رسالت کو حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت پر ختم کر دیا گیا جس دین سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی صحیح معرفت ہو اور تمام احکام شرعیہ کا علم ہو وہ صراط مستقیم ہے۔ یہ صراط مستقیم کا خاص معنی ہے، اور اس کا عام معنی یہ ہے:

تمام اخلاق، اعمال اور امور میں افراط اور تفریط کے درمیان متوسط طریقہ۔

خواص مسلمین کے نزدیک صراط مستقیم کا معنی یہ ہے:

کفر، فسق، جمل، بدعت اور ہوائے نفسانیہ کے جنم کی پشت پر علم، عمل، خلق اور حل کے اعتبار سے شریعت پر

استقامت کا پل۔

اس معنی میں صراط مستقیم سے ذہن آخرت کے پل صراط کی طرف متوجہ ہوتا ہے، پل صراط کے متعلق احادیث میں ہے کہ وہ بل سے زیادہ باریک اور تلواریں سے زیادہ تیز ہے اور شریعت پر استقامت بھی بل سے زیادہ باریک اور تلواریں سے زیادہ تیز ہے۔ مثلاً ہمارے ہاں عام طور پر دیور اور بھاگی میں پردہ نہیں ہوتا، حالانکہ شریعت میں ان کے درمیان پردہ کی سخت تاکید ہے، سرکاری ملازمتیں رشوت، سود اور بے ایمانی کی آمدنی کے بغیر ممکن نہیں، یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم مخلوط طریقہ تعلیم کے بغیر ناگزیر ہے، دکاندار اور ٹھیلے والے پولیس کو بھتہ دیئے بغیر اپنا کاروبار نہیں چلا سکتے۔ نجی لوگوں اور دفاتر میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اشاف ہوتا ہے، استقبالیہ اور معلوماتی کاؤنٹر پر بے پردہ خواتین سے گفتگو کرنی پڑتی ہے، سرکاری ٹینڈرز پر کوئی ٹھیکہ رشوت کے بغیر منظور نہیں ہو سکتا، پولیس اور دیگر سرکاری محکموں میں کوئی شخص رشوت میں ملوث ہوئے بغیر ملازمت نہیں کر سکتا، غرضیکہ پورا معاشرہ شریعت کی خلاف ورزیوں اور اخلاقی پستیوں میں ڈوبا ہوا ہے، ایسے معاشرہ میں اگر کوئی شخص شریعت پر مستقیم رہنا چاہے تو یہ صراط مستقیم بل سے زیادہ باریک اور تلواریں سے زیادہ تیز ہے اور جو اس صراط مستقیم پر آسانی سے گزر گیا وہ آخرت کی پل صراط سے بھی آسانی سے گزر جائے گا۔

اور عوام مسلمین کے اعتبار سے صراط مستقیم کا یہ معنی ہے:

اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو ماننا اور اس پر عمل کرنا اور ہر اس کام سے رکنا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

خواص جب اھدنا الصراط المستقیم کہتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے: اے اللہ ہمیں سیرالی اللہ کے بعد سیر فی اللہ عطا فرما اور ہم پر اپنے جلال اور جلال کی صفات غیر متناہیہ منکشف کر دے اور جب عوام اھدنا الصراط المستقیم کہتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے: اے اللہ ہمیں اپنے تمام احکام پر عمل کی توفیق عطا فرما۔

کیا نمازی کا صراط مستقیم کی دعا کرنا تحصیل حاصل ہے

اس جگہ ایک مشہور سوال یہ ہے کہ جب نمازی نماز میں کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم سو وہ تو خود صراط

مستقیم کی ہدایت پر ہے، اگر صراط مستقیم پر نہ ہوتا تو نماز کیسے پڑھتا! لہذا یہ تحصیل حاصل ہے۔ اس کے دو جواب ہیں!

(۱) اس دعا کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ مجھ کو صراط مستقیم کی ہدایت پر قائم اور ثابت رکھ اور اس میں دوام عطا فرما۔ یہ معنی

موم مسلمین کے عقیدے ہے اور اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا

(اَلْاَعْمَرَان : ۸) کو ٹیڑھا نہ کر

اور اس حدیث میں بھی اس کی تائید ہے: امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یکثر ان یقول یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ کثرت یہ کہتے تھے اے دلوں کے پلٹنے والے میرے دل کو اپنے دین پر قائم اور ثابت رکھ۔

(جامع ترمذی ص ۳۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

(۲) اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کی معرفت کے درجات غیر مثنیٰ ہیں اور نمازی معرفت کے جس درجہ میں ہے وہ اس سے اگلے مقام کی معرفت کی دعا کرتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ میری ہدایت میں ترقی عطا فرما۔ یہ خواص مسلمین کے اعتبار سے ہے اور اس کی تائید ان آیات میں ہے:

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى (مریم : ۷۶)

اور ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اللہ تعالیٰ زیادتی فرماتا ہے۔

اور ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت کو اللہ نے زیادہ کیا اور ان کو تقویٰ عطا فرمایا۔

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآثَمًا
تَقْوَاهُمْ (محمد : ۱۷)

اور بے شک آپ کی ہر بعد کی گھڑی، پہلی گھڑی سے بہتر

وَلَا خَيْرَ خَيْرٍ لَّكُمْ مِنَ الْأُولَى

(الضحیٰ : ۴) ہے۔

جمع کے صیغہ سے دعا کرنے کی وجہ اور ربط آیات

وہ اسرا رسول یہ ہے کہ یہاں جمع کے صیغہ سے دعا کی تعلیم ہے، ”ہم کو سیدھے راستہ پر چلا“ واحد کا صیغہ کیوں نہیں ہے؟ ”مجھ کو سیدھے راستہ پر چلا“ اس کا جواب یہ ہے کہ جب نمازی تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے گا تو ان میں کچھ اللہ کے مقرب اور مقبل بندے بھی ہوں گے جن کے حق میں اللہ تعالیٰ دعا کو ضرور قبول فرمائے گا اور یہ اس کے کرمِ معیہ سے ہے کہ وہ بعض کے حق میں دعا قبول کرے اور باقی بعض کے حق میں دعا کو مسترد کر دے۔

ان آیات میں ربط اس طرح ہے کہ جب بندوں نے کہا اے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہاری مصلحت یا عبادت میں؟ میں تمہاری کیسے مدد کروں؟ پس بندوں نے کہا ہمیں دین اسلام پر چلا اور چونکہ دین اسلام پر چلا اللہ کی خاص نعمت ہے اس لیے فرمایا:

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ

وَالضَّالِّينَ فرمایا: ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب ہوا

وَالصَّالِّينَ ۝

اور نہ گمراہوں کا ○

جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے وہ گزشتہ امتوں میں سے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔ لام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ”ہمیں ان لوگوں کے راستہ پر چلا جن پر تو نے اپنی اطاعت اور عبادت کا انعام کیا ہے جو ملائکہ، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں جنہوں نے تیری اطاعت اور عبادت کی۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۵۸-۵۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے انعام یافتہ لوگوں کا اجمالاً ذکر کیا ہے اور اس کی تفصیل ان آیتوں میں ہے:

انعام یافتہ لوگوں کا بیان

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ (النساء : ۶۹)

جن لوگوں پر اللہ نے انعام کیا وہ اولاد آدم میں سے انبیاء ہیں اور ان لوگوں (کی نسل) سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا، اور ان میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی اور ان کو منتخب کر لیا، جب ان پر رحمن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہیں اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَةِ إِبْرَاهِيمَ وَأَسْرَأَيْنَا هَدًى وَاجْتَبَيْنَا إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا (مريم : ۵۸)

انعام یافتہ لوگوں کے راستوں کا بیان

ان انعام یافتہ نفوس قدسیہ کے راستہ پر چلنے کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو بالکل اطاعت الہی اور اس کی قضاء پر راضی ہونے میں جذب کر لے، اور وہ ایسا ہو جائے کہ اگر اس کو یہ حکم دیا جائے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دے تو اس کی اس طرح اطاعت کرے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اطاعت کی تھی، اور اگر خود اس کو ذبح ہونے کا حکم دیا جائے تو اپنے آپ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح ذبح کے لیے تیار پائے، اور اگر کسی بڑے منصب پر فائز ہونے کے بعد اس کو کسی سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح طلب علم کے لیے روانہ ہو جائے، اور اپنی بڑائی کو عار نہ بنائے۔ اور اگر اس کو یہ حکم دیا جائے کہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے خواہ اس راہ میں اس کو آڑے سے چیر دیا جائے تو حضرت یحییٰ اور زکریا کی طرح قتل ہو جائے اور اف نہ کرے، سخت موذی بیماریوں میں مبتلا کیا جائے تو حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے! اگر قاضی اور حاکم بنے تو عدل اور انصاف کے سامنے جھکنے میں عار محسوس نہ کرے اور اگر اس کے بیٹے کا کیا ہوا فیصلہ اس کے کئے ہوئے فیصلہ کے مقابلہ میں صحیح ہو تو قبول حق کے راستہ میں انسانیت کو نہ آنے دے، جیسے حضرت داؤد نے اپنے کئے ہوئے فیصلہ کے مقابلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کو راجح قرار دیا تھا، اور سلطنت اور شاہی طے تو حکومت کے رعب اور دبدبہ میں اللہ کی یاد، عبادت و ریاضت اور شب بیداری

کو نہ بھولے، جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اتنی عظیم الشان حکومت ملنے کے باوجود اطاعت الہی سے غافل نہ تھے اور رکوع اور سجود میں راتیں گزارتے تھے اور اگر قضاء الہی سے کسی بلا اور مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو شکوہ و شکایت نہ کرے بلکہ اپنے قصور نفس کا اعتراف کرے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل میں مصروف رہے جیسے حضرت یونس علیہ السلام جھیل کے پیٹ میں گرفتار ہو کر بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل کرتے رہے، اگر نوجوان، حسین و جمیل اور پیارا بیٹا گم ہو جائے تو حرف شکایت زبان پر نہ لائے اور حضرت یعقوب کی طرح مبر جمیل کرے، اور اگر کوئی باختیار و اقتدار حسین و جمیل عورت کسی جوان مرد کو گنہ کی دعوت دے تو قید خانے میں جانا منظور کر لے اور گنہ سے دامن بچائے رکھے اور جب قید خانہ میں جائے تو وہیں بھی دعوت و ارشاد کو نہ بھولے اور وہیں کے قیدیوں کو اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت کی دعوت دے اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا اسوہ اور نمونہ ہے اور ان کا راستہ ہے۔

یہ سابق انعام یافتہ لوگوں کی سیرتوں کا اجمالی بیان ہے اور سب سے زیادہ انعام حضرت سید المرسلین و سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ پر کیا گیا ہے اور ان کی سیرت تمام انبیاء سابقین کی سیرتوں کی جامع، کامل، اتم اور اکمل ہے اور یہ سارا قرآن انہی کی سیرت کا بیان ہے اور اس کی تفصیل آپ کی احادیث اور سنت میں ہے اس لیے قرآن اور سنت ہی دراصل صراط مستقیم ہے، اس لیے جو شخص انعام یافتہ نفوس قدسیہ کی صراط مستقیم پر چلنا چاہتا ہو وہ قرآن اور سنت کو دانتوں سے پکڑ لے اور ان پر پورا پورا عمل کرے۔

مغضوب کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: غضب کا معنی ہے ”انتقام کے ارلوے سے دل کے خون کا کھولنا اور جوش میں آنا“ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غضب سے بچو کیونکہ یہ ایک انگارہ ہے جو بنو آدم کے دلوں میں دکھتا ہے کیا تم غضبناک شخص کی گردن کی پھولی ہوئی رگوں اور اس کی سرخ آنکھوں کو نہیں دیکھتے، اور جب اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے صرف انتقام مرلو ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَعَصِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ وَلَعَنَهُ (النساء: ۳)

اور اللہ (مومن کے قاتل سے) انتقام لے گا اور اس کو اپنی

رحمت سے دور کر دے گا۔

المغضوب علیہم کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے یہود مرلو ہیں۔

(المفردات ص ۳۸، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران، ۱۳۳۲ھ)

المغضوب علیہم کی دوسری تفسیر

لام ابن جریر نے متحدہ امتیہ کے ساتھ حضرت عدی بن حاتم، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ المغضوب علیہم سے مرلو یہود ہیں۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۸۹ھ)

مغضوب کا معنی بیان کرنے میں بعض علماء کی لغزش

یہود و اعلیٰ مسیحی نے المغضوب علیہم کے ترجمہ میں لکھا ہے ”مردمِ مشرک نہیں ہوئے“

(تفہیم القرآن ج ۱ ص ۳۵، مطبوعہ دار ترجمان القرآن لاہور)

ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز اس پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک معاصر نے ”غیر المغضوب علیہم“ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ”جو معتبوب نہیں ہوئے“ یہاں ”مغضوب“ کا ترجمہ ”معتوب“ صحیح نہیں، عمد رسالت سے لے کر آج تک کسی نے یہ ترجمہ نہیں کیا۔ بلکہ لونی تال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ غضب سے عتب مراد لینا مراد الہی کے قطعاً خلاف ہے اس لیے کہ اللہ کا غضب انہی لوگوں کے ساتھ ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے ارادۂ انتقام متعلق فرمایا۔ رہا ”عتب“ تو فی الجملہ وہ رسولوں کی طرف بھی متوجہ ہوا۔ معینین کی متعلق علیہ حدیث میں ہے۔ عتب اللہ علیہ ”اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عتب فرمایا۔“ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۹) بلکہ سورہ مجس و تولى کی تفسیر میں یہ حدیث وارد ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کی آمد پر فرمایا: مرحبا بمن عاتبني فيه ربي جس کی وجہ سے مجھ پر عتب ہوا اس کو خوش آمدید (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۷۰، روح المعانی ج ۳۰ ص ۳۹، ابن جریر ج ۳۰ ص ۲۸-۲۹، ارشاد الساری ج ۷ ص ۴۸) جس سے ظاہر ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف بھی عتب متوجہ ہوا۔ اگر ”مغضوب“ کا ترجمہ ”معتوب“ صحیح مان لیا جائے تو معلو اللہ حبیب و کلیم ملیہما الصلوۃ والتسلیم بھی ”مغضوب علیہم“ میں شامل ہو جائیں گے۔ واضح رہے کہ غضب جو اللہ کی صفت ہے اس کی بنیاد صرف عقوبت اور ارادۂ انتقام ہے، اور اس عتب کا بنی مودت و محبت ہے۔ لہذا لغت نے عتب کے معنی مخاطبۃ الادلال لکھے ہیں یعنی محبوب کی لاپرواہی یا بے توجہی پر محبت بھری خفگی کا اظہار۔ صاحب لسان العرب اور صاحب تلح العروس نے اس معنی پر بطور شاہد یہ شعر نقل کئے:

اعتاب ذ المودة من صد يق اذا ما رابني منه اجتناب
اذ اذهب العتاب فليس ود ويبقى الودما بقى العتاب

(لسان العرب ج ۱ ص ۵۷۷، تلح العروس ج ۱ ص ۳۶۵)

”محبت والے دوست کے ساتھ میں عتب سے پیش آتا ہوں، جب مجھے اس کی کنارہ کشی کا اندیشہ ہو۔“ جب عتب گیا تو محبت بھی نہ رہی کہ محبت اسی وقت تک رہتی ہے جب تک عتب باقی رہے۔ ”یعنی عتب سے پیش آنا محبت کی نشانی ہے۔ اگر کہا جائے کہ اردو لغت کی کتابوں میں ”غضب“ کے معنی عتب اور ”عتب“ کے معنی غضب اور ”مغضوب“ کے معنی ”زیر عتب“ لکھے ہیں تو عرض کروں گا کہ ہر زبان کے علماء لغت کی طرح اردو لغت والوں نے بھی اپنی اردو زبان کے استعمالات و محاورات کو اردو لغت کی کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔ مگر قرآن مجید ”اردو“ میں نہیں بلکہ ”عربی“ زبان میں نازل ہوا ہے۔ ہر زبان کے محاورات و استعمالات اس کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں اس لئے اردو استعمالات پر عربی استعمالات کا قیاس درست نہیں۔ بالخصوص قرآنی استعمالات میں غضب اللہ سے عتب مراد لینا یا مغضوب کا ترجمہ معتبوب کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔ (النسیان ج ۱ ص ۳۳-۳۲ مطبوعہ کاظمی پبلیکیشنز ملتان، ۱۹۹۳ء)

ضالین کے معانی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں

ضلال کے معنی ہیں: طریق مستقیم سے عدول اور اعراض کرنا اس کی ضد ہدایت ہے قرآن مجید میں ہے:

مِنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا (الاسراء : ۱۵)

ہدایت قبول کی اور جو گمراہ ہوا تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر پڑا۔

صحیح راستہ سے ہر انحراف کو ضلال کہتے ہیں خولہ وہ انحراف عدا ہو یا سہواً کم ہو یا زیادہ کیونکہ جو صحیح راستہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے اس پر چلنا بہت دشوار ہے نبی ﷺ نے فرمایا مستقیم رہو اور تم ہرگز اس کا احاطہ نہ کر سکو گے، بعض حکماء نے کہا ہمارے صحت اور صواب پر ہونے کی ایک وجہ ہے اور ہمارے ضلال پر ہونے کی بہت سی وجوہ ہیں۔ بعض صالحین نے نبی ﷺ کی خواب میں زیارت کی تو پوچھا آپ نے یہ کیوں فرمایا تھا کہ مجھے سورہ ہود اور اس کی نظائر نے بوڑھا کر دیا! ان میں سے کس آیت نے آپ کو بوڑھا کر دیا فرمایا: فاستنقم کما امرت جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اس طرح مستقیم رہو۔ (ہود ۳) اور جب کہ ضلال کا معنی ہے طریق مستقیم کو ترک کرنا خواہ یہ ترک کرنا عدا ہو یا سہواً کم ہو یا زیادہ تو ضلال کا استعمال متعدد وجوہ سے ہوتا ہے یہ لفظ انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اور کفار کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اگرچہ دونوں کی ضلالت میں بہت زیادہ فرق ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق ان کے بیٹوں نے کہا

قَالُوا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِي ضَلَالٍ الْقَدِيمِ (یوسف : ۹۵)

وہ بولے اللہ کی قسم یقیناً آپ اسی اپنی پرانی محبت میں جا محبت تھی اس لیے انہوں نے اس محبت کو ضلال کے ساتھ تعبیر کیا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں بالکل وارفتہ ہو گئے تھے تو آپ کو امت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے فرمایا:

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (الضحیٰ : ۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ فَعَلْنَاهَا اِذَا وَاَنَا مِنَ الضَّالِّينَ (الشعراء : ۲۰)

موسیٰ نے کہا میں نے وہ کام اس وقت کیا جب میں بے خبروں میں سے تھا۔

اس میں یہ تنبیہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل کا قتل سہواً ہوا تھا ضلال نسیان کے معنی میں بھی استعمال ہے:

اَنْ تَوَضَّلَ اِحْدُھُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدُھُمَا (البقرہ : ۲۸)

کہ ان دو میں سے کوئی ایک (مورت) بھول جائے تو ان میں سے دوسری اس کو یاد دلا دے۔

علم اور عمل کے اعتبار سے ضلال کے دو اور معنی ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی وحدانیت اور نبوت اور رسالت میں کوئی شخص صحیح راہ سے بھٹک جائے اس معنی کا استعمال اس آیت میں ہے:

وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ

جو شخص اللہ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اس کے

وَالْيَوْمَ لَا خَيْرَ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا

رسولوں اور روز قیامت کے ساتھ کفر کرے تو بے شک وہ گمراہ

(النساء : ۴۲) ہو گیا (سیدھی راہ سے) بہت دور جا پڑا۔

دوسرا معنی ہے عبادات اور احکام شریعہ میں صحیح راہ سے بھٹک جانا اس معنی کا استعمال اس آیت میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَقَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا (النساء : ۴۷)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا یقیناً وہ گمراہ ہو گئے (سیدھی راہ سے) بہت دور جا پڑے۔

ضلال غفلت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے:

قَالَ عَلِمَهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسِي (طہ : ۵۲)

(موسیٰ نے کہا پچھلی قوموں کا) علم میرے رب کے پاس ایک کتاب (روح محفوظ) میں ہے، میرا رب نہ غافل ہوتا ہے نہ بھولتا ہے۔

زیر بحث آیت میں ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔
 رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے ضالین کی منقول تفسیر
 امام ابن جریر لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود اور کئی اصحاب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔
 (جامع البیان ج ۱ ص ۶۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

ہر وہ شخص جو سیدھے راستے سے انحراف کرے اس کو عرب ضل کہتے ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو ضالین فرمایا، کیونکہ انہوں نے سیدھے راستے سے انحراف کر کے غلط راستہ اختیار کر لیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہود نے بھی تو طریق مستقیم سے انحراف کر کے غیر طریق مستقیم اختیار کر لیا، پھر کیا وجہ ہے کہ ان کو مغضوب کی صفت کے ساتھ مخصوص کیا اور نصاریٰ کو ضالین کی صفت کے ساتھ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں ہی ضالین ہیں لیکن نصاریٰ نبی کی محبت میں گمراہ ہوئے اور نبی کو خدا کا بیٹا کہا، اور یہود نبی سے بغض میں گمراہ ہوئے کیونکہ انہوں نے کئی نبیوں کو قتل کر ڈالا، اس لیے یہود پر اللہ تعالیٰ کا غضب زیادہ ہے اور ان کو مغضوب فرمایا۔

جن لوگوں تک اسلام کا پیغام نہیں پہنچا آیا وہ شریعت کے مکلف ہیں یا نہیں؟

ضالین کا مصداق وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی بالکل معرفت حاصل نہیں ہوئی، یا ان کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل نہیں ہوئی، اول الذکر وہ لوگ ہیں جن کو نبوت کا پیغام نہیں پہنچا، اور ثانی الذکر وہ لوگ ہیں جن کو پیغام نبوت پہنچا لیکن ان پر حق اور باطل اور صواب اور خطا میں اشتباہ ہو گیا، اور جن لوگوں کے زمانہ میں نبی مبعوث نہیں ہوا، وہ اصحاب فترت ہیں، وہ کسی شریعت کے مکلف ہیں نہ آخرت میں ان کو عذاب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى تَبْعَثَ رَسُولًا

جب تک رسول کو نہ بھیج دیں، ہم عذاب دینے والے

(الاسراء : ۴) نہیں ہیں۔

جمہور کی رائے یہی ہے، لیکن علماء کی ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ شریعت کا مکلف ہونے کے لیے صرف عقل کافی ہے، سو جس شخص کو عقل دی گئی ہے اس پر لازم ہے کہ آسمانوں اور زمین کی نشانیوں میں غور و فکر کرے اور ان کے

خالق کی معرفت حاصل کرے اور جس طرح اس کی عقل ہدایت دے اس کے مطابق خالق کی تعظیم اور عبادت کرے اور نعمتوں پر اس کا شکر بجالائے۔

علامہ محب اللہ بھاری لکھتے ہیں :

جو شخص دور دراز کے پہاڑوں میں بلوغت کی عمر پالے اور اس کو پیغام نہ پہنچے اور وہ عقائد صحیحہ کا معتقد نہ ہو اور احکام شریعہ پر عمل نہ کرے تو معتزلہ اور بعض احناف کے نزدیک اس کو آخرت میں عذاب ہو گا، کیونکہ جن امور کا عقل اور اک کر سکتی ہے اس نے ان کے تقاضوں پر عمل نہیں کیا، اور اشاعرہ اور جمہور احناف کے نزدیک اس کو آخرت میں عذاب نہیں ہو گا، کیونکہ انسان احکام کا مکلف شریعت سے ہوتا ہے اور فرض یہ کیا گیا ہے کہ اس کو شریعت کی دعوت میں پہنچی۔ (مسلم اثبوت مع شرح للبخاری ص ۳۳، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

آمین کا معنی

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں :

یہ وہ کلمہ ہے جو دعا کے بعد کہا جاتا ہے، یہ اسم اور فعل سے مرکب ہے اور اس کا معنی ہے اللھم استجب لى "اے اللہ میری دعا کو قبول فرما۔" اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے حامیوں کے لیے دعا ضرر کی اور فرمایا :

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاَشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ (یونس : ۸۸)

اے ہمارے رب ان کے اموال کو تباہ و برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی تو حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا آمین۔ ایک قول یہ ہے کہ آمین کا معنی ہے : اسی طرح ہو گا۔ زجاج نے کہا ہے اس میں دو لغتیں ہیں امین اور آمین۔ ابو العباس نے کہا ہے کہ آمین عاصین کی طرح جمع کا صیغہ ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حسن سے منقول ہے کہ آمین اللہ عز و جل کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، مجاہد نے بھی کہا ہے کہ یہ اللہ کا ایک اسم ہے، اور یہ یا اللہ کے معنی میں ہے اور اس کے بعد استجب مقدر ہے، ازہری نے کہا یہ قول صحیح نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آمین رب العالمین کی اپنے بندوں پر مہر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کی اقلت اور بلیات کو آمین سے دور کرتا ہے جیسے جب کسی لفافے پر مہر لگا دی جائے تو اس مہر کی وجہ سے اس میں فاسد اور مفسد چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ امین جنت میں ایک درجہ ہے، ابو بکر نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ آمین کہنے والے کو جنت میں ایک درجہ ملے گا۔

(لسان العرب ج ۳ ص ۲۷۷-۲۷۸، مطبوعہ نشر لوب الحوزہ قم ایران ۱۳۰۵ھ)

نماز میں آمین کہنے کے متعلق مذہب اربعہ

علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس الرطبی الشافعی لکھتے ہیں :

سورہ فاتحہ یا اس کے قائم مقام کسی دعا کے بعد کچھ وقفہ سے آمین کہنا سنت ہے، خولودہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں، لیکن نماز میں یہ سنت زیادہ مستحب ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب نبی ﷺ سورہ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو بلند

آواز کے ساتھ آمین کہتے اور الف کو کھینچ کر (دراز کر کے) آمین کہتے۔

(نہایت المحتاج ج ۱ ص ۳۸۹-۳۸۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ محمد بن عبد اللہ خرشی مالکی لکھتے ہیں :

ولا الضالین کے بعد آہستہ آواز کے ساتھ آمین کہنا مستحب ہے، سری نماز میں صرف لام آمین کے اور جری نماز میں امام اور مقتدی دونوں پست آواز کے ساتھ آمین کہیں کیونکہ آمین دعا ہے اور دعا میں اصل یہ ہے کہ پست آواز کے ساتھ دعا کی جائے۔ (الخرشی علی مختصر ظلیل ج ۱ ص ۲۸۲، مطبوعہ دار صادر بیروت)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں :

سنت یہ ہے کہ جری نمازوں میں امام اور مقتدی جہراً آمین کہیں اور سری نمازوں میں دونوں سرا آمین کہیں۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک آمین آہستہ کہیں، ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے بہ آواز بلند آمین کی اور آپ نے امام کے آمین کہنے کے وقت آمین کہنے کا حکم دیا اگر امام نے بلند آواز سے آمین نہ کہی تو امام کی آمین پر مقتدی کی آمین نہیں ہو سکے گی۔ (المغنی ج ۱ ص ۲۹۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ حکنی حنفی لکھتے ہیں :

امام اور مقتدی پست آواز سے آمین کہیں خواہ نماز سرا ہو یا جہراً اور جس حدیث میں یہ ہے کہ جب امام آمین کہے تو آمین کو یہ پست آواز سے آمین کہنے کے منافی نہیں ہے، کیونکہ یہ معلوم اور متعین ہے کہ ولا الضالین کے بعد آمین کہی جاتی ہے، اس لیے مقتدی کا آمین کہنا امام سے سننے پر موقوف نہیں ہے، کیونکہ سورہ فاتحہ کے اخیر میں آمین کہی جاتی ہے حدیث میں ہے جب امام ولا الضالین کہے تو آمین کہو۔

(در مختار مع حاشیۃ الطحطاوی ج ۱ ص ۲۲۰-۲۱۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

آمین کہنے کی فضیلت میں احادیث

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص آمین کہتا ہے تو آسمان میں فرشتے (بھی) آمین کہتے ہیں پس جب ایک فریق کی آمین دوسرے کے موافق ہو جائے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۶)، امام ابوداؤد (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۵)، امام نسائی (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۳۷)، امام مالک (موطا امام مالک ص ۶۹)، اور امام احمد (مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۹) نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے لیے پس پشت دعا کرتا ہے تو وہ قبول ہوتی ہے، جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے خیر کی دعا کرتا ہے تو اس کے پاس کھڑا ہوا ایک فرشتہ آمین کہتا ہے اور وہ فرشتہ اس کے لیے بھی وہی دعا کرتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۲۰۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۸۵ ج ۶ ص ۳۵۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہود تم سے کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا وہ تم سے آمین پر حسد کرتے ہیں سو تم بہ کثرت آمین کہا کرو۔

(سنن ابن ماجہ ص ۶۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

آمین بالجہر کے متعلق احادیث

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ ولا الضالین پڑھتے تو بہ آواز بلند فرماتے آمین۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۳۵-۱۳۴ مطبوعہ مطبع مجتہائی پاکستان۔ لاہور)

امام ترمذی نے اس حدیث کو اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں رفع بہا صوتہ کی بجائے مدبہا صوتہ (آمین کو مد کے ساتھ پڑھا) ہے۔ (جامع ترمذی ص ۶۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

نیز امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی تو آپ نے بہ آواز بلند آمین کی۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۳۵، مطبوعہ مطبع مجتہائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۶ھ)

امام نسائی روایت کرتے ہیں :

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی، آپ نے اللہ اکبر کہہ کر کلاں کے بالقلل رفع یدین کیا، پھر آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور اس سے فارغ ہو کر بہ آواز بلند آمین کی۔ (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۳۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے آمین کہنا ترک کر دیا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ جب ولا الضالین پڑھتے تھے تو آمین کہتے تھے جس کو صف لول والے سنتے تھے۔ پھر آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔

(سنن ابن ماجہ ص ۶۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس میں یہ نہیں ہے کہ آمین سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۳۵، مطبوعہ مطبع مجتہائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۶ھ)

فقہ احمدی اور فقہ مالکیہ کے نزدیک یہ تمام احادیث ابتداء امر لور تعلیم پر محمول ہیں۔

آمین بالسر کے متعلق احادیث

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قرآن پڑھنے والا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کے لور اس کے پیچھے (نمازی) آمین کہے اور اس کا قول آمین والوں کے موافق ہو جائے تو اس

کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ فرشتوں کی موافقت جبر سے نہیں انفاء سے حاصل ہوگی۔
امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے غیر المفضوب علیہم ولا الضالین پڑھا پھر کہا آمین اور پست آواز سے کہا۔ (جامع ترمذی ص ۳۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)
حافظ زبلی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد، امام ابو داؤد طیالسی اور امام ابو یعلیٰ موصلی نے اپنی مسانید میں، امام طبرانی نے اپنی معجم میں اور امام دار قطنی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

(نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۶۹، مطبوعہ مجلس علمی سورت حند، ۱۳۵۷ھ)

امام بغوی روایت کرتے ہیں۔

شعبہ نے سلمہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کو آہستہ کہا۔

(شرح السنۃ ج ۲ ص ۲۰۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۲ھ)

ہر چند کہ امام بغوی نے اس کے مقابلہ میں سفیان کی روایت کو زیادہ صحیح کہا ہے جس میں مدبھا صوتہ ہے ”آمین کو کھینچ کر پڑھا“ لیکن مد کے ساتھ پڑھنا آہستہ پڑھنے کے خلاف نہیں ہے۔ نیز شعبہ کی روایت کو بھی انہوں نے صحیح کہا ہے ضعیف نہیں قرار دیا۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما (نماز میں) بسم اللہ الرحمن الرحیم اعدو ذبا للہ من الشیطن الرجیم اور آمین کو بلند آواز کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔

(جامع الاحادیث الکبیر ج ۱ ص ۳۶۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۳۳ھ)

اس حدیث کو امام ابن جریر، امام طحاوی اور امام ابن الشامین نے کتب السنۃ میں روایت کیا ہے۔

”آمین“ قرآن مجید کا جز نہیں ہے

علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

اس پر اجماع ہے کہ آمین قرآن مجید کا جز نہیں ہے، اسی وجہ سے سورہ فاتحہ اور آمین کے درمیان تھوڑا سا وقفہ کیا جاتا ہے، مجاہد سے یہ منقول ہے کہ آمین سورت کا جز ہے لیکن یہ قطعاً ”باطل قول“ ہے، مصحف عثمان اور دیگر مصاحف میں آمین کو نہیں لکھا جاتا، اور متعدد علماء نے یہ کہا ہے کہ آمین کو قرآن کا جز ماننا کفر ہے۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۹۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فاتحہ خلف الامام میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس شخص کی نماز (کامل) نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ کو نہ پڑھے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

ہم نے اس شرفِ نووی شافعی لکھے ہیں :

اس حدیث سے نماز میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور اس سورت کا نماز میں پڑھنا متعین ہے اس کے سوا کوئی دوسری سورت اس سے کفایت نہیں کرتی، لایہ کہ کوئی شخص اس کی قرأت سے عاجز ہو، یہ امام مالک، امام شافعی، جمہور فقہاء، صاحب، تابعین اور بعد کے علماء کا مذہب ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ایک قلیل جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے، بلکہ قرآن مجید کی کسی ایک آیت کا پڑھنا واجب ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ”جو کچھ تم آسانی سے پڑھ سکو وہ پڑھو۔“ (علامہ نووی نے یہ صحیح نہیں لکھا، امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے کیونکہ فرضیت قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ دلیل سے حاصل ہوتی ہے اور اس حدیث کی بناء پر امام ابو حنیفہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کو واجب کہتے ہیں، امام اعظم کا مذہب ہم انشاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔)

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔ ”ام القرآن (سورۃ فاتحہ) کے بغیر نماز (کامل) نہیں ہوتی۔“ اگر انہوں نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ نماز کامل نہیں ہوتی تو یہ خلاف ظاہر ہے (بلکہ یہی ظاہر ہے کیونکہ حدیث میں ہے جس نے سورۃ فاتحہ کو نہیں پڑھا اس کی نماز ناقص ہے، یہ کلمہ آپ نے تین بار فرمایا اور ناقص کے مقابلہ میں کامل ہے، اگر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو آپ فرماتے جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز باطل ہے۔ اور اس کی تائید حضرت ابو ہریرہ رحمہ اللہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے وہ نماز کلنی نہیں ہوتی جس میں سورۃ فاتحہ کی قرأت نہ کی جائے، اس حدیث کو امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں سند صحیح کے ساتھ بیان کیا ہے، اور ابو حاتم بن حبلان نے بھی بیان کیا ہے، اور جس حدیث میں ہے ”جو کچھ تم آسانی سے پڑھ سکو وہ پڑھو۔“ وہ سورۃ فاتحہ پڑھنے پر محمول ہے کیونکہ اس کا پڑھنا آسان ہے (یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث میں لفظ ”ما“ ہے جو عام ہے۔ سعیدی غفرلہ)

اس حدیث میں امام شافعی اور ان کے موافقین کے مذہب پر دلیل ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ امام، مقتدی اور مفرد سب پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنے کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رحمہ اللہ سے کسی نے کہا ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو کیا کریں؟ حضرت ابو ہریرہ رحمہ اللہ نے کہا سورۃ فاتحہ کو دل میں پڑھو اس کا معنی ہے اس کو چپکے چپکے پڑھو جس کو تم خود سنو اور بعض ماکیہ وغیرہم نے جو اس کا یہ محمل بیان کیا ہے کہ سورۃ فاتحہ کے محل میں تدریس یہ غیر مقبول ہے، کیونکہ قرأت کا اطلاق صرف زبان کی اس حرکت پر ہوتا ہے جو سنائی دے، اسی وجہ سے اس پر اتفاق ہے کہ جبئی اور حائض اگر زبان کی حرکت کے بغیر قرآن مجید کے محل میں تدریس کریں تو اس پر قرأت کا اطلاق نہیں ہو گا۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۵۰، مطبوعہ نور محمد اصح المصالح کراچی ۱۳۵۷ھ)

علامہ نووی کا یہ جواب بھی صحیح نہیں ہے، زبان کی جو حرکت سنائی دے، خواہ آہستہ یا زور سے وہ قرأت لفظی ہے قرأت نفسی نہیں ہے، قرأت نفسی کا معنی یہی ہے کہ الفاظ کے محل میں تدریس کیا جائے جیسا کہ علامہ نووی نے بعض ماکیہ سے نقل کیا ہے، اور اگر جبئی قرآن کے معنی میں تدریس کرے تو اس کو قرأت نفسی کہہ سکتے ہیں۔

فاتحہ خلف امام میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں :

صحیح مذہب یہ ہے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، یہ امام مالک، امام لوزاعی اور امام شافعی کا مذہب ہے، امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ نماز کی صرف دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، 'حنفی' ثوری اور امام ابو حنیفہ سے بھی اسی طرح روایت ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرو اور دوسری دو رکعتوں میں تسبیح کرو، نیز اگر باقی رکعات میں قرأت واجب ہوتی تو جہری نمازوں میں ان میں جہر سے قرأت واجب ہوتی، حسن بصری سے روایت ہے کہ اگر ایک رکعت میں قرأت کر لی تو کافی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (المزمل : ۲۰) تو قرآن سے جتنا (تم پر) آسان ہو پڑھ لیا کرو۔

اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر تین رکعات میں قرأت کر لی تو کافی ہے کیونکہ وہ نماز کا اکثر حصہ ہیں، ہماری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعات میں سورہ فاتحہ اور کوئی اور سورت پڑھتے تھے، پہلی رکعت میں زیادہ قرأت کرتے اور دوسری میں کم، اور کبھی ہم کو قرأت سناتے تھے، اور دوسری دو رکعت میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے، نیز امام بخاری اور امام مسلم کی روایت میں ہے : اس طرح نماز پڑھو، جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز (کامل) نہیں ہوتی، اور حضرت ابو سعید اور حضرت عبادہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کو پڑھیں، نیز جس شخص نے اچھی طرح نماز نہیں پڑھی تھی اس کو جب نبی ﷺ نے نماز کی پہلی رکعت سکھائی تو اس کو فرمایا تمام رکعات اس طرح پڑھو اور یہ حکم تمام رکعات میں قرأت کو بھی شامل ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص نے ایک رکعت نماز پڑھی اور اس میں قرأت نہیں کی تو اس کی یہ نماز صرف امام کے پیچھے ہو سکتی ہے۔ (اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے، سعیدی غفرلہ) اس حدیث کو امام مالک نے موطا میں روایت کیا ہے، اور اس سے پہلے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر بیان کیا گیا ہے اس کی سند میں حارث اعور ہے اور اس کو شعبی نے کذاب کہا ہے، نیز حضرت عمر اور حضرت جابر نے اس کی مخالفت کی ہے۔

(المغنی ج ۱ ص ۲۸۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں :

امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد کچھ دیر خاموش رہے اور آرام کرے تاکہ اس وقفہ میں مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھ لیں تاکہ مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھنے میں امام کے ساتھ کھینچا تلی نہ کریں، یہ امام لوزاعی، امام شافعی اور اسحاق کا مذہب ہے، امام مالک اور اصحاب رائے نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ امام ابو داؤد اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت سمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو سکتے یاد رکھے ہیں، ایک سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد اور ایک سکتہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی قرأت کے بعد، عمران نے اس کا انکار کیا اور ان دونوں نے حضرت ابی بن کعب کو خط لکھا انہوں نے جواب دیا کہ سمہ کو یہ حدیث محفوظ ہے، اور ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے کہا امام کے لیے دو سکتے ہیں ان میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کو غنیمت جانو، ایک سکتہ نماز کے شروع کے وقت ہے اور ایک سکتہ جب وہ ولا الضالین کہے، عروہ بن زبیر نے کہا میں امام کے ان دو سکتوں کو غنیمت جانتا ہوں جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہتا ہے تو میں اس وقت سورۃ فاتحہ پڑھ لیتا ہوں اور جب وہ سورت ختم کرتا ہے تو میں رکوع سے

پہلے قرأت کر لیتا ہوں، یہ بولیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ان کے نزدیک معروف تھا۔
(المغنی ج ۱ ص ۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

فاتحہ خلف اللام میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ
علامہ دمشقی لکھتے ہیں :

قاضی عیاض مالکی نے بیان کیا ہے کہ اشب مالکی، ابن وہب مالکی اور کوفیوں کا قول یہ ہے کہ امام کے پیچھے کسی حل میں قرأت نہ کی جائے، صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ”سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے۔“ ان سے کہا گیا کہ بعض لوگ تو امام کے پیچھے ہوتے ہیں؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا ”اس وقت اپنے دل میں پڑھو“ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب امام قرأت کرے تو اس کے معانی میں تدریس کرنا، تابعین کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ امام کے پیچھے کسی حل میں قرأت نہ کی جائے، وہ کہتے ہیں کہ صرف ہونٹ ہلائے جائیں اور خود کو بھی آواز نہ آئے، اور جس نے خود کو سنیلا اس نے اچھا کیا، امام مالک اور ان کے عام اصحاب اور بہت سے حنفیہ میں یہ کہا ہے مقتدی امام کے ساتھ سری نمازوں میں پڑھے اور جہری نمازوں میں نہ پڑھے، امام احمد نے یہ کہا ہے کہ امام کے پیچھے سری اور جہری دونوں نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھے، امام شافعی کے اس میں تین قول ہیں ایک قول کوفین کی طرح ہے، ایک قول امام احمد کی مثل ہے اور ایک قول جمہور صحابہ اور تابعین کی مثل ہے، امام احمد اور داؤد ظاہری کے نزدیک سورہ فاتحہ کا سری نمازوں میں پڑھنا فرض ہے ہمارے نزدیک اس میں اختلاف ہے، ایک قول سنت ہے اور ایک قول مستحب ہے۔

(اکمل اکمل المعلم ج ۲ ص ۱۵۰-۱۴۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

فاتحہ خلف اللام میں فقہاء حنفیہ کا نظریہ
علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں :

مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے، ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کا امام ہو، تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے (سنن ابن ماجہ و طحاوی) اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے، یہ رکن امام اور مقتدی دونوں کے درمیان مشترک ہے، لیکن مقتدی کا کام یہ ہے کہ وہ خاموش رہے اور سننے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے، جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو، امام محمد سے ایک روایت یہ ہے کہ احتیاطاً قرأت کرنا مستحسن ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک امام کے پیچھے قرأت کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس پر وعید ہے۔

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں :

قرآن مجید میں تمام نمازیوں کو قرأت کرنے کا حکم دیا ہے فاقراء واما نیسر منہ ”جس قدر قرآن مجید آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو“ اور رسول اللہ ﷺ کا بھی حکم ہے کہ کوئی نماز قرآن مجید پڑھے بغیر نہیں ہو سکتی، لیکن جب حدیث صحیح میں وارد ہے ”جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرأت اس شخص کی قرأت ہے۔“ تو اس آیت اور حدیث کے عموم کی تخصیص کرنا واجب ہے جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا قہدہ ہے، اس لیے مقتدی اس حکم کے عموم سے خارج ہے، نیز اس پر اجماع ہے کہ رکوع میں نماز کو پانے والا نماز کی رکعت کو پالیتا ہے حالانکہ اس رکعت میں اس نے قرأت نہیں کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر رکوع بھی قرأت کے عمومی حکم سے خارج ہے، اس طرح جس حدیث میں ہے ”اللہ اکبر کو پھر تم کو جس قدر

قرآن یاد ہے پڑھو" یہ بھی مقتدی کے غیر معمول ہے تاکہ دلائل میں تطبیق ہو، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ مقتدی کے لیے بھی شرعاً "قرأت ثابت ہے" کیونکہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے، اگر مقتدی نے قرأت کی تو ایک نماز میں دو قراتیں ہو جائیں گی! یہ حدیث متعدد اسانید سے حضرت جابر بن عبد اللہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے، امام دارقطنی، امام بیہقی اور امام ابن عدی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا ضعیف ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے، متعدد رلوئیوں نے اس حدیث کو ارسل سے بیان کیا ہے، ایک سند سے امام ابو حنیفہ نے بھی اس کو مرسلاً روایت کیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے اور اس سے صرف نظر کر کے ہم یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کو مرفوعاً بھی روایت کیا ہے، امام محمد بن الحسن نے اپنی موطا میں روایت کیا ہے از ابو حنیفہ، از ابو الحسن موسیٰ بن ابی عائشہ از عبد اللہ بن شداد از جابر رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو بے شک، امام کی قرأت اس شخص کی قرأت ہے، اس حدیث کو سفیان، شریک، جریر اور ابو الزہیر نے اپنی اپنی اسانید صحیحہ کے ساتھ اپنی اپنی مسانید میں مرفوعاً روایت کیا ہے اور سفیان کی سند امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اس لیے مخالفین کا اس حدیث کو مرسل قرار دینے پر اصرار کرنا باطل ہے، کیونکہ اگر ثقہ رلوی کسی حدیث میں متفرد ہو تو اس کو قبول کرنا واجب ہے اور رفع ارسل پر زیادتی ہے اور ثقہ اگر متفرد ہو تب بھی اس کی زیادتی مقبول ہوتی ہے، چہ جائیکہ یہاں چار سے زائد ثقہ راوی اس حدیث کو مرفوعاً روایت کر رہے ہیں اور ثقہ راوی کبھی حدیث کی ایک سند کو ارسل سے بیان کرتا ہے اور کبھی اتصال سے، امام ابو عبد اللہ حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے نماز پڑھائی، آپ کے پیچھے ایک شخص قرأت کر رہا تھا، نبی ﷺ کے ایک صحابی اس کو نماز میں قرأت سے روکتے رہے، جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو اس نے صحابہ سے کہا کیا تم مجھ کو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز میں قرأت کرنے سے منع کرتے ہو؟ وہ دونوں تکرار کرنے لگے، حتیٰ کہ نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا، نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس شخص کی قرأت ہوتی ہے، امام ابو حنیفہ نے ایک روایت سے بیان کیا ہے کہ ظہر یا عصر کی نماز میں ایک شخص نے قرأت کی تو اس کو ایک صحابی نے منع کیا، الحدیث اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کی اصل یہ واقعہ ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کبھی پورا واقعہ بیان کیا اور کبھی صرف اس کا حکم بیان کر دیا اور کبھی امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت کو بیان کیا۔

اس حدیث کے معارض یہ روایت ہے مجھ سے قرآن کیوں کھینچا جا رہا تھا اگر کسی مقتدی نے ضرور قرآن پڑھنا ہو تو وہ صرف سورہ فاتحہ پڑھے، اسی طرح امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید پڑھا تو آپ پر قرآن پڑھنا دشوار ہوا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: شاید تم اپنے امام کے پیچھے قرآن پڑھ رہے تھے! ہم نے کہا! ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا سو سورہ فاتحہ کے اس طرح نہ کرو کیونکہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث میں امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے منع کیا ہے اس کی سند زیادہ قوی ہے اور اس میں ممانعت علی الاطلاق ہے اس لیے قوت سند اور عموم کی وجہ سے وہ حدیث ان احادیث پر مقدم ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث دیگر احادیث سے موید ہے، ہر چند کہ ان کی اسانید ضعیف ہیں اور صحابہ کے مذاہب سے بھی موید ہے حتیٰ کہ صاحب ہدایہ نے یہ کہا کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے پر اجماع صحابہ ہے، وہ احادیث حسب ذیل ہیں:

۱۔ امام نے اپنی موطا میں ازین عمر رضی اللہ عنہما روایت کیا: جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کے لیے کافی ہے اور جب وہ تنہا نماز پڑھے تو قرأت کرے، اور حضرت ابن عمر امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

۲۔ امام دارقطنی نے اس حدیث کو مرفوعاً بیان کیا ہے اور یہ کہا اس کا مرفوع ہونا راوی کا وہم ہے لیکن یہ حکماً مرفوع ہے کیونکہ حضرت ابن عمر کا یہ قول رسول اللہ ﷺ سے سماع پر محمول ہے۔

۳۔ امام ابن عدی نے کمال میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرأت اس شخص کی قرأت ہے، اس حدیث کی سند میں اسماعیل ضعیف راوی ہے اس کا کوئی متابع نہیں ہے۔

۴۔ امام ابن عدی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے، بلکہ اسماعیل کا متابع ہے نضر بن عبد اللہ، امام طبرانی نے معجم اوسط میں نضر بن عبد اللہ از حسن اس حدیث کو روایت کیا ہے اور حسن سے سنداً "اور متناً" یہی روایت ہے، امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس سے بھی مرفوعاً روایت کیا ہے لیکن اس میں کلام ہے۔

۵۔ امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن مقاسم نے حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کسی نماز میں بھی امام کے پیچھے قرأت نہ کرو۔

۶۔ امام محمد بن حسن نے اپنی موطا میں اپنی سند کے ساتھ ابوداؤد ائیل سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا خاموش رہو نماز میں صرف ایک مشغل ہے اور تمہارے لیے امام کافی ہے، اور اسی کتب میں حضرت سعد کے بعض بیٹوں سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں انگارے ڈال دوں، اس کو امام عبد الرزاق نے بھی روایت کیا ہے مگر ان کی روایت میں ہے میں اس کے منہ میں پتھر ڈال دوں۔

۷۔ امام محمد نے اپنی موطا میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے کاش اس کے منہ میں پتھر ہوتے، اس اثر کو امام عبد الرزاق نے بھی روایت کیا ہے۔

۸۔ امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ ابوجہم سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کیا میں امام کے ہوتے ہوئے قرأت کروں؟ انہوں نے کہا نہیں!

۹۔ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرو خواہ جہری نماز ہو یا سری۔

۱۰۔ امام عبد الرزاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے فطرت میں خطا کی۔

۱۱۔ امام نسائی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کیا ہر نماز میں قرأت ہے فرمایا ہاں، فصل کے ایک شخص نے کہا قرأت واجب ہو گئی، حضرت ابودرداء کہتے ہیں میں نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا اور

کما جب امام کسی قوم کو نماز پڑھائے تو اس کی قرأت قوم کے لیے کافی ہے۔ اگر موقوفہ کر نی ﷺ کا کلام نہ ہو بلکہ حضرت ابوہریرہ کا کلام ہو تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پہلے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کریں کہ ہر نماز میں قرأت ہے، پھر امام کی قرأت کو مقتدی کی قرأت قرار دیں، یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ان کو یہ علم ہو کہ نبی ﷺ نے مقتدی کی قرأت کو امام کی قرأت قرار دیا ہے۔

اسی (۸۰) کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت منقول ہے، ان میں حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے اسماء شامل ہیں، اور محدثین نے ان تمام صحابہ کے اسماء کو ضبط کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ قرأت نماز کا ایک رکن ہے اور اس میں امام اور مقتدی دونوں مشترک ہیں، ہم کہتے ہیں کہ دونوں مشترک ہیں لیکن مقتدی کا حصہ قرآن مجید سننا اور خاموش رہنا ہے، کیونکہ قرأت سے مطلوب تدر اور تفکر ہے اور اس پر عمل کرنا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ الْبَيِّنَاتِ لِيَذَّبَ تَبَرُّوْا بَيْنَهُ

یہ (قرآن مجید) مبارک کتب ہے جو ہم نے آپ کی

(ص: ۲۹) طرف نازل فرمائی ہے تاکہ وہ اس کی آیات میں غور کریں۔

اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو گا جب وہ قرآن مجید کو سنیں گے، جیسے جمعہ کا خطبہ وعظ اور تذکیر کے لیے مشروع کیا گیا ہے تو اس کا سننا واجب ہے تاکہ اس کا فائدہ حاصل ہو یہ نہیں کہ ہر شخص اپنے نفس کو خطبہ دینے لگے، اس کے برخلاف باقی ارکان خشوع کے لیے مشروع کئے گئے ہیں اور خشوع رکوع اور سجود سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ وجہ تو صرف جہری نماز میں درست ہو سکتی ہے اور قرأت خلف الامام کا اختلاف تو سری نماز میں بھی ہے، اس میں یہ فائدہ کس طرح حاصل ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے سننے کا اور خاموش رہنے کا:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کلن لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الانفال: ۲۰۴)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

امام مسلم نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں دو چیزوں کا حکم ہے، سننے کا اور خاموش رہنے کا اور جب امام زور سے قرأت نہ کرے اور اس کے لیے سننا ممکن نہ ہو تو اس کے لیے خاموش رہنا تو ممکن ہے، محیط میں مذکور ہے کہ مقتدی سے قرأت ساقط نہیں ہوئی لیکن امام کی قرأت اس کی قرأت ہے حتیٰ کہ وہ امام کے ساتھ قیام میں شریک ہو جائے جو قرأت کا محل ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ مقتدی کے لیے بھی قرأت رکن ہے کیونکہ اگر مقتدی کو رکعت فوت ہونے کا خوف ہو (اور وہ رکوع میں مل جائے) تو اس کی نماز جائز ہے، خواہ وہ بالکل قرأت نہ کرے اور اس کے جواز پر اجماع ہے مثلاً جب ایک شخص امام کو رکوع میں پائے، اور اگر مقتدی کے لیے بھی قرأت رکن ہوتی تو اس عذر کی وجہ سے اس سے قرأت ساقط نہ ہوتی، جیسے رکوع اور سجود اس سے ساقط نہیں ہوتے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا رکوع کے فوت ہونے کے خدشہ سے قیام ساقط نہیں ہوتا؟ تو ہم کہیں گے نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص رکوع کی حالت میں اللہ اکبر کہے تو یہ

جائز نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کھڑا ہو کر اللہ اکبر کے 'البتہ قیام کا امتداد اور رکوع کے فوت ہونے کے غرض کی وجہ سے اس سے ملحق ہو جاتا ہے اور قیام کا فرض کوئی قیام سے حاصل ہو جاتا ہے جیسے رکوع مطلقاً" جھکنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۹۷-۲۹۸، ملخصاً موضوعاً، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

لام دار قطنی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس نے لام کی پشت سیدھی ہونے سے پہلے لام کو رکوع میں پالیا اس نے نماز (کی رکعت) کو پالیا۔ (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۳۳۷، مطبوعہ نشر السنۃ لمان)

شرح صحیح مسلم جلد اول میں ہم نے قرأت خلف اللام کے موضوع پر مزید دلائل تحریر کئے ہیں۔

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ کو میں نے تفسیر تبیان القرآن کا مقدمہ لکھنا شروع کیا، اور اس دوران سفر حج کی تیاریوں میں بھی مصروف رہا، سفر حج سے پہلے میں نے یہ مقدمہ مکمل کر لیا، اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم ہے کہ اس نے مجھے حج اکبر عطا فرمایا، چالیس روز حرمین مسین میں بسر ہوئے۔ تقریباً "ایک ماہ سفر کی تھکاوٹ اتارنے میں گزرا اور آج تیس صفر ۱۴۳۵ھ کو سورہ فاتحہ کا ترجمہ اور اس کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ فالحمد للہ۔

للا علمین! جس طرح آپ نے مجھے سورہ فاتحہ کا ترجمہ اور تفسیر مکمل کرنے کی توفیق، ہدایت اور سعادت عطا کی ہے۔ اسی طرح باقی قرآن مجید کا ترجمہ اور اس کی تفسیر کی بھی توفیق، ہدایت اور سعادت سے سرفراز فرمائیں اور اس تفسیر کو موافقین کے لیے استقامت، مخالفین کے لیے ہدایت اور میرے لیے نجات کا ذریعہ اور صدقہ جاریہ بنائیں، مجھے، میرے والدین، احباب اور میرے قارئین کو دنیا اور آخرت کی ہر بلا اور عذاب سے محفوظ رکھیں اور دارین کی سعادتوں کو ہمارے لیے مقدر کر دیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین شفیع المذنبین قائد الغر المحجلین وعلیٰ آلہ الطیبین الطاہرین وعلیٰ اصحابہ الکاملین الراشدین وعلیٰ اولیاء ائمہ وعلما ملتنا جمعین۔

سُورَةُ الْبَقَرَةِ

(۲)

سورہ بقرہ قرآن مجید کی سب سے طویل سورت ہے، اور یہ مدنی سورت ہے، علامہ واحدی نیشاپوری نے لکھا ہے کہ عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ مدینہ میں جو سورت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ سورۃ البقرۃ ہے۔ (اسباب النزول ص : ۱۱)

مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی تمام سورتوں میں مسلمانوں کے انفرادی اور اجتماعی نظام حیات، عبادات، سیاسیات، معاشیات، اقتصادیات، اور عمرانیات کے اصول اور احکام بیان کئے گئے ہیں اس کے برخلاف مکی سورتوں میں اعتقادات اور اخلاقیات پر زیادہ زور دیا گیا ہے، کیونکہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی اپنی ریاست قائم ہو چکی تھی، اور نظام مملکت کو چلانے کے لیے جن اصول اور قواعد کی ضرورت ہوتی ہے اور مسلمانوں کی تمدنی زندگی کی فوز و فلاح اور عبادات کے اجتماعی نظام کے لیے جن ہدایات کی احتیاج ہو سکتی ہے وہ سب ان مدنی سورتوں میں نازل کی گئیں۔

عقائد اسلامیہ کی اساس ایمان بالغیب ہے، اور بغیر دیکھے اللہ تعالیٰ کو واحد لا شریک ماننا ہے، اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا ہے اور تمام آسمانی کتابوں کو ماننا ہے، جزاء اور سزا کا اقرار کرنا ہے اور اعمال صالحہ میں ہمہ گیر اور ہمہ جہت عبادت نماز کو قائم کرنا ہے اور طبقاتی منافرت کا سد باب کرنے کے لیے اہم عبادت زکوٰۃ کو ادا کرنا ہے۔ اس لیے سورہ بقرہ ایمان بالغیب، اقامت صلوٰۃ اور لواء زکوٰۃ کے بیان سے شروع ہوتی ہے۔ پھر آگے چل کر اس سورت میں شریعت اسلامیہ کو وضاحت سے بیان کیا ہے اور عبادات اور معاملات کی تفصیل کی گئی ہے اور اقامت صلوٰۃ اور لواء زکوٰۃ کے علاوہ تحویل قبلہ توحید پر دلائل، ماہ رمضان کے روزوں، بیت اللہ کے حج، جملہ فی سبیل اللہ، انفاق فی سبیل اللہ، والدین اور قرابت داروں کے حقوق، زکوٰۃ اور صدقات کے مصارف، یتیموں کی کفالت، عائلی زندگی کے اصول اور احکام میں نکاح، طلاق، رضاع، عدت اور ایلاء کو بیان کیا گیا ہے، قسم کھانے کا شرعی حکم، جلود کا حرام ہونا، قتل ناحق کی ممانعت، قاتل پر قصاص کو واجب کرنا، ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مل کھانے کی ممانعت، شراب، جوئے اور سود کی حرمت، ایام حیض میں عمل ازدواج کی ممانعت، عورتوں سے عمل معکوس کرنے کی تحریم کو بیان کیا ہے۔

اسی سورت میں ایک آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی وحدت اور اس کی اہم صفات کا بیان ہے اور یہ آیت الکرسی ہے (البقرۃ : ۲۵۳) اسی سورت میں وہ آیت ہے جو قرآن مجید کی سب سے طویل آیت ہے اس کو آیت مدینہ کہتے ہیں، اس آیت میں قرض دینے، قرض کو لکھنے اور کاروباری معاملات میں مردوں اور عورتوں کو گواہ بنانے، رہن رکھنے، لات لوار کرنے اور گواہی چھپانے کی ممانعت کو بیان کیا ہے۔ (البقرۃ : ۲۸۲) اسی سورت میں ایک ایسی آیت ہے جو قرآن مجید کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے۔

اور وہ آیت ہے :

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ

(البقرۃ : ۲۸۶) اور ان پر علم نہیں کیا جائے گا۔

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں صرف مشرکین تھے، اس لیے مکی سورتوں میں صرف توحید اور آخرت پر ایمان لانے پر زور دیا گیا ہے۔ مدینہ میں پہنچ کر جب مختلف قبائل نے اسلام قبول کر لیا اور انصار کی وجہ سے مدینہ میں مسلمانوں کی

ریاست قائم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے قانون، سیاست، معیشت، معاشرت اور تمدن اور ثقافت کے متعلق بھی اصول اور ہدایات نازل فرمائیں، یہاں مسلمانوں کا مقابلہ یہود سے تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گزرے ہوئے تقریباً ۸ صدیاں گزر چکی تھیں اور اس عرصہ میں یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور تورات کو بالکل مسح کر دیا تھا، اور تورات میں لفظی اور معنوی تحریف ہو چکی تھی، مدینہ منورہ میں یہود کے علاوہ منافقین بھی تھے، یہ منافقین کئی قسم کے تھے، سورہ بقرہ میں کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ اور منافقین سب کے متعلق آیات نازل کی گئی ہیں۔

سورہ فاتحہ میں اس دعا کی تعلیم دی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کی جائے اور اس دعا کی استجابت کے طور پر سورہ بقرہ میں مسلمانوں کے لیے صراطِ مستقیم بیان کی گئی ہے اور کمال مومنوں کی صفات بیان کی گئی ہیں اور ان کے مخالف کفار اور مشرکین کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں، اس سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی سعادت کا مبنی دین اسلام کی اتباع اور شریعت اسلام پر استقامت ہے اس سورت کا خاتمہ اللہ تعالیٰ سے اس دعا پر ہے کہ وہ مشکل اور دشوار احکام ہم سے اٹھالے اور کفار کے مقابلہ میں ہم کو فتح اور نصرت عطا فرمائے اور اپنے فضل اور احسان سے ہم کو ایمان اور اسلام پر ثابت قدم رکھے۔

سورہ بقرہ کی وجہ تسمیہ

سورہ بقرہ کا نام بقرہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں بقرہ (گائے) کا ذکر ہے، قرآن مجید کی تمام سورتوں کے نام تو قیسی ہیں اور اونٹنی مناسبت سے رکھے گئے ہیں۔ بعض احادیث سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس سورت کو سورہ بقرہ کہنا منع ہے۔ حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں: امام بیہقی نے شعب الایمان میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سورہ بقرہ نہ کہو، نہ سورہ آل عمران اور نہ سورہ نساء اسی طرح پورا قرآن، لیکن یوں کہو کہ یہ وہ سورت ہے جس میں بقرہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور یہ وہ سورت ہے جس میں آل عمران کا ذکر کیا جاتا ہے، اسی طرح پورے قرآن کی سورتوں کے متعلق کہو، اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر کا یہ قول روایت کیا ہے کہ سورہ بقرہ نہ کہو لیکن یہ کہو کہ یہ وہ سورت ہے جس میں بقرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۱۸، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ النجفی ایران)

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں اس طرح سورتوں کا نام رکھنے سے منع کیا گیا تھا، کیونکہ کفار ان سورتوں کا نام لے کر ان کا مذاق اڑاتے تھے، پھر جب اسلام کا غلبہ ہو گیا اور قرآن کریم کا نور ہر طرف پھیل گیا تو یہ ممانعت منسوخ ہو گئی کیونکہ بہ کثرت احادیث اور آثار میں نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سورت پر سورہ بقرہ کا اطلاق کیا ہے۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں، امام احمد، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رمضان کی ایک شب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے بقرہ شروع کی، میں نے دل میں کہا شاید آپ پوری سورت ایک رکعت میں پڑھیں گے، پھر آپ نے نساء شروع کی، اور اس کو پڑھا، پھر آپ نے آل عمران شروع کی

لور اس کو آہستہ آہستہ پڑھا جب آپ ایسی آیت پڑھتے جس میں تسبیح کا ذکر ہو تا تو آپ سبحان اللہ پڑھتے لور جب آپ سوال کی آیت پڑھتے تو سوال کرتے لور جب تعویذ کی آیت پڑھتے تو اعوذ باللہ پڑھتے۔

امام احمد، امام ابن الضریس لور امام بیہقی نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں ایک شب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہی تھی آپ نے بقرہ، آل عمران، اور نساء کو پڑھا جب آپ بشارت ولی آیت کو پڑھتے تو دعا کرتے لور جب آپ ڈرانے والی آیت کو پڑھتے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے۔

امام ابو داؤد، امام ترمذی نے شائل میں، امام نسائی لور امام بیہقی نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے سورہ بقرہ پڑھی، آپ جب بھی کسی رحمت کی آیت کو پڑھتے تو ٹھہر کر سوال کرتے لور جب بھی کسی عذاب کی آیت کو پڑھتے تو رک کر اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے، پھر آپ نے جتنا قیام کیا تھا اتنا ہی رکوع کرتے لور رکوع میں یہ پڑھتے سبحان ذی الجبروت والملكوت والكبرياء والعظمة پھر اتنا ہی لمبا سجدہ کرتے لور سجدہ میں بھی یہی کلمات فرماتے، پھر کھڑے ہو کر آپ نے آل عمران پڑھی، پھر ایک ایک سورت پڑھی۔

امام ابو عبید، امام احمد، امام حمید بن زنجویہ نے فضائل القرآن میں، امام مسلم، امام ابن الضریس، امام ابن حبان، امام طبری، امام بوذر صوی نے فضائل قرآن میلہام حاکم لور امام بیہقی نے اپنی سنن میں اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابوالامہ بللی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے اصحاب کی شفاعت کرنے والا ہو گا، زہر لوین (یعنی) سورہ بقرہ لور سورہ آل عمران پڑھا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن بلالوں کی طرح آئیں گی، یا صف ہاندھے ہوئے پرندوں کی طرح آئیں گی، اور اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کریں گی، سورہ بقرہ پڑھا کرو، کیونکہ اس کا پڑھنا برکت ہے لور اس کا ترک کرنا حسرت ہے لور بدکار لوگ اس کو پڑھنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۱۸، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ النجفی ایران)

ان احادیث لور آثار میں نبی ﷺ لور صحابہ کرام نے سورہ بقرہ لور سورہ آل عمران وغیرہا فرمایا ہے، اس سے واضح ہوا کہ سورہ بقرہ کتنا جائز ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت کے آداب میں سے یہ ہے کہ مثلاً رحمت کی آیت پڑھی جائے تو اللہ سے رحمت کے حصول کی دعا کی جائے لور عذاب کی آیت پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ سے عذاب سے پناہ طلب کی جائے، لور رات کی نفل نمازوں میں اس طرح قرآن کریم پڑھنا جائز ہے لور آپ کی سنت ہے۔ سورہ بقرہ کے محل نزول لور آیات لور حروف کی تعداد کا بیان علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

سورہ بقرہ مکی ہے، یہ کئی عرصہ تک منسل ہوتی رہی ہے، یہ مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی سب سے پہلی سورت ہے، اس کی ایک آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے لور وہ ہے وانقوا بیوما نرجعون فیہ الی اللہ (البقرہ: ۸۱) یہ آخری آیت ہے جو آسمان سے نازل ہوئی۔ یہ حجتہ الوداع میں یوم نحر (عید الاضحیٰ) کو مکی میں نازل ہوئی ہے۔ لور سو کی رحمت کی آیات بھی قرآن مجید کی آخری آیتوں میں سے ہیں۔ (الملاحح لاحکام القرآن ج ۱ ص ۵۵)

(مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایمان)

یہ قرآن مجید کی سب سے طویل سورت ہے، جیسے سب سے قصیر سورت 'سورہ کوثر' ہے، اور اس میں آیت مدینہ (البقرہ : ۲۸۲) ہے جو قرآن مجید کی سب سے طویل آیت ہے جیسے وانصی اور والفجر قرآن مجید کی سب سے قصیر آیات ہیں۔

حفظ ابن کثیر لکھتے ہیں :

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ سورت ایک ہزار خبر، ایک ہزار امر، اور ایک ہزار نہی پر مشتمل ہے، اور شمار کرنے والوں نے بتایا ہے کہ اس سورت میں دو سو ستاسی آیات ہیں، چھ ہزار اسی کلمات ہیں اور پچیس ہزار پانچ سو حروف ہیں۔
(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۴۰-۲۴۱، مطبوعہ دارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

سورہ بقرہ کے فضائل میں احادیث اور آثار

اہم مسلم روایت کرتے ہیں :

نواس بن سلیمان کلابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن قرآن مجید اور ان پر عمل کرنے والوں کو نالیا جائے گا ان کے آگے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ہوں گی، رسول اللہ ﷺ نے ان سورتوں کی تین مثالیں بیان فرمائیں جن کو میں آج تک نہیں بھولا، فرمایا وہ ایسی ہیں جیسے دو ببلوں ہوں، یا دو سیاہ ساہن ہوں جن کے درمیان نور ہو، یا صف باندھے ہوئے پرندوں کی دو قطاریں ہوں، وہ سورتیں اپنے پڑھنے والوں کی وکالت اور حمایت کریں گی۔

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا فرمائے گا جو ببلوں، ساہن یا پرندوں کی قطاروں کی طرح ہوں گی اور قرآن پڑھنے والوں اور قرآن پر عمل کرنے والوں پر سایہ کریں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ناگاہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آواز سنی، نبی ﷺ نے سر اوپر اٹھایا، حضرت جبرائیل نے کہا یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جس کو صرف آج کھولا گیا ہے اور آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا، پھر اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا یہ فرشتہ جو آج نازل ہوا ہے آج سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا، اس فرشتے نے سلام کیا اور کہا آپ کو ان دو نوروں کی بشارت ہو جو آپ کو دیئے گئے ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے، ایک سورہ فاتحہ اور دوسرا سورہ بقرہ کا آخری حصہ، ان میں سے آپ جو حرف بھی پڑھیں گے آپ کو اس کا مصداق مل جائے گا۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص رات کو سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھے گا وہ اس کو کافی ہوں گی۔

یعنی ناگہانی مصائب اور شیطان کی فتنہ انگیزیوں سے اس کی حفاظت کریں گی۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے ابوالمنذر کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے نزدیک کتاب اللہ کی سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟ میں نے عرض کیا : اللہ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے، آپ نے فرمایا تمہارے نزدیک کتاب اللہ کی سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟ میں نے عرض کیا : اللہ لا الہ الا هو والحي

القیوم (آیت الکرسی) آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا اے ابو المنذر! تمہیں یہ علم مبارک ہو۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۱، مطبوعہ نور محمد اصح المصنف کراچی ۱۹۷۵ء)

آیت الکرسی کی ایک وجہ فضیلت یہ ہے کہ اس میں اسم ظاہر، اسم صفت اور اسم ضمیر کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا سترو مرتبہ ذکر ہے اور کسی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ کا اتنی بار ذکر نہیں ہے۔

لام نقلی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بہت خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتے تھے وہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں سورہ بقرہ پڑھ رہا تھا اس وقت میرا گھوڑا بندھا ہوا تھا اور میرا بیٹا بچی میرے قریب لیٹا ہوا تھا وہ اس وقت کم سن بچہ تھا اچانک وہ گھوڑا اچھلنے لگا میں کھڑا ہو گیا مجھے اس وقت صرف اپنے بیٹے بچی کے متعلق تشویش تھی پھر گھوڑا پرسکون ہو گیا اور میں نے وہ سورت پڑھنی شروع کر دی گھوڑا پھر اچھلنے لگا میں پھر کھڑا ہو گیا اور مجھے صرف اپنے بیٹے بچی کی فکر تھی میں نے پھر پڑھنا شروع کیا لو گھوڑے نے پھر اچھلنا شروع کیا اچانک میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان سے ایک ساتبن کی طرح کوئی چیز اتر رہی ہے جس میں روشن چراغ ہیں میں خوفزدہ ہوا اور صبح کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا اے ابو بکر بچہ پڑھو میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! جب میں نے پڑھا تو گھوڑا اچھلنے لگا اور مجھے اپنے بیٹے کی فکر تھی آپ نے فرمایا اے ابن حضیر! پڑھو وہ کہتے ہیں میں نے پڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سر کے اوپر ساتبن کی مثل کوئی چیز تھی اور اس میں چراغ روشن تھے میں خوفزدہ ہو گیا آپ نے فرمایا یہ فرشتے ہیں جو تمہاری آواز کی وجہ سے قریب آئے ہیں۔ اگر تم صبح تک پڑھتے رہے تو لوگ ان کو دیکھ لیتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ صدقہ کی کجوروں کی حفاظت کر رہے تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی ہاتھ کجوریں لے رہا ہے انہوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا تم اس کو پکڑنا چاہتے ہو تو یہ کہو :

”سمعان ہے وہ ذات جس نے تجھ کو (سیدنا) محمد ﷺ کے لیے مسخر کر دیا۔“

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ناگلا وہ ایک جن تھا جو میرے سامنے کھڑا ہوا تھا میں نے اس کو پکڑ لیا تاکہ اس کو نبی ﷺ کی خدمت میں لے آؤں اس نے کہا میں نے فقراء جن کے لیے یہ کجوریں لی تھیں اور میں دوبارہ ہرگز نہیں آؤں گا حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں وہ پھر آیا میں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا تم اس کو پکڑنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا کتنا سبب ہے وہ جس نے تجھ کو (سیدنا) محمد ﷺ کے لیے مسخر کر دیا پھر دوبارہ جب میں نے اس کو پکڑ لیا اور اس کو نبی ﷺ کے پاس لے جانے لگا تو اس نے عہد کیا کہ وہ آئندہ نہیں آئے گا تیسری بار پھر ایسا ہی ہوا تو میں نے انہی کلمات کی برکت سے اس کو پکڑا اور کہا کہ تم مجھ سے عہد کرتے ہو اور جھوٹ بولتے ہو اور پھر آ جاتے ہو اس دفعہ میں تم کو ضرور نبی ﷺ کے پاس لے جاؤں گا اس نے کہا تم مجھے چھوڑ دو میں تم کو ایسے کلمات سکھاتا ہوں کہ اگر تم وہ کلمات پڑھ لو تو کوئی مذکر یا مؤنث جن تمہارے قریب نہیں آسکے گا میں نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں؟ اس نے کہا ہر صبح اور شام کو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو میں نے اس کو چھوڑ دیا اور نبی ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا آپ نے مجھ سے فرمایا : کیا تم کو نہیں معلوم ان کلمات (آیت

الکری کی یہی تاثیر ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہماری (دوسرے) لوگوں پر تین وجہ سے فضیلت ہے، تمام روئے زمین ہمارے لیے مسجد بنا دی گئی ہے اور اس کی مٹی ہمارے لئے ذریعہ طہارت بنا دی گئی ہے، اور ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح ہیں اور ہم کو یہ آیات دی گئی ہیں سورہ بقرہ کی آخری آیات جو عرش کے نیچے سے نازل ہوئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی کو دی گئی ہیں اور نہ میرے بعد کسی کو دی جائیں گی۔

(السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۵۵-۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں :

امام دارمی کعب سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے بقرہ اور آل عمران کو پڑھا، قیامت کے دن وہ سورتیں کہیں گی اے ہمارے رب اس سے مواخذہ نہ کر۔

امام ابو عبید نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے تو شیطان اس گھر سے نکل جاتا ہے۔

امام دارمی، امام طبرانی، امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر چیز کا ایک کوہان ہوتا ہے اور قرآن مجید کا کوہان سورہ بقرہ ہے۔ جب کسی گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے تو شیطان گوزارتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔

امام وکیع، امام حارث بن ابی اسلمہ، امام محمد بن نصر اور امام ابن الضریس نے سند صحیح کے ساتھ حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن میں افضل سورہ بقرہ ہے اور اس میں ایک آیت سب سے عظیم ہے وہ آیت الکری ہے اور جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جائے تو شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۰-۱۹ مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ النجفی، ایران)

سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ

۲۸۹ آیتیں

سورۃ بقرہ مدنی ہے

رکوع ۲۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَىٰ لِلْمُتَّقِينَ ۝

افلام ایم ۝ (یہ) وہ عظیم الشان کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے، یہ ان متقین کیلئے ہدایت ہے

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے

رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ

(ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں ۝ اور یہ لوگ اس (کلام) پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل

إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝

کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور یہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ۝

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّنْ رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

وہی (کامل متقی) اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، اور وہی فلاح پانے والے ہیں ۝

الْحَمْدُ لِلَّهِ

الف لام میم ۝

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو ان حروف مقطعات کے ساتھ شروع فرمایا تاکہ قرآن مجید کے وصف اور اس کے اعجاز پر تنبیہ ہو، اور اس چیلنج کی طرف اشارہ ہو کہ کوئی انسان قرآن مجید کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل بھی نہیں لاسکتا، اور یہ اللہ کا کلام ہے جس کے مشابہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا کہ یہ قرآن عربوں کی لغت اور ان کے حروف حسی مثل الف، لام، میم سے مرکب ہو کر نازل ہوا ہے، اگر یہ کسی انسان کا کلام ہے تو انہی حروف سے ایک کلام بنا کر تم بھی لے لو کیونکہ یہ ان حروف چھ سے مرکب ہے جن سے ہر لہلہ زبان عرب کلام کرتا ہے، اس کے بلوجود جب تم اس کلام کی نظیر

لانے سے ہمیشہ عاجز رہے تو پھر مان لو یہ انسان کا نہیں اللہ کا کلام ہے۔

حروف مقطعات کے علم کی تحقیق

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ”الم“ اور اس کی مثل دیگر حروف مقطعات کا معنی کسی کو معلوم ہے یا نہیں! ایک قول یہ ہے کہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ سے اس قسم کی روایات منقول ہیں۔

علامہ بیضوی لکھتے ہیں :

خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کی مراد یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان اسرار اور رموز ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو ان حروف مقطعات پر مطلع کرنے کا قصد نہیں کیا گیا، اور یہ نہیں ہو سکتا کہ حضور ﷺ کو بھی ان حروف کے معانی کا علم نہ ہو ورنہ لازم آئے گا کہ غیر مفید کلام کے ساتھ حضور ﷺ سے خطاب کیا گیا اور یہ بہت بعید ہے۔

(انوار التنزیل مع المفاتیح، ج ۸ ص ۸۷ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۴۲۸ھ)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

ظن غالب یہ ہے کہ حروف مقطعات کا علم مخفی ہے، علماء اس کی تویل سے عاجز ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر کتاب کے اسرار ہوتے ہیں اور قرآن مجید کے اسرار لو اکل سور ہیں، امام شیعہ نے کہا اللہ تعالیٰ کے اسرار کی کھوج نہ لگاؤ، اس لیے رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کی معرفت صرف اولیاء کرام کو ہے جو وارث علم رسول ہیں، ان کو اسی دربار سے معرفت حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ حروف خود ان کو اپنا معنی بتا دیتے ہیں، نبی ﷺ کے مبارک ہاتھوں میں سنگریزوں نے تسبیح کا نطق کیا، اور گوہ اور ہرن نبی ﷺ سے ہم کلام ہوئے۔ بعض علماء نے کہا اگر ان حروف کا کوئی معنی نہ ہو تو یہ مہمل ہوں گے، یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ مراد ہو کہ تمام لوگوں کو ان حروف کا معنی معلوم ہو تو یہ ضروری نہیں اور اگر یہ مراد ہو کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کا معنی معلوم ہو تو کوئی مومن اس میں شک نہیں کر سکتا اور ہر صاحب ایمان کا یہ ایمان ہے کہ نبی ﷺ کو ان حروف کے معنی معلوم ہیں۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۱۰۱-۱۰۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حروف مقطعات مشابہات میں سے ہیں اور فقہاء شافعیہ اور حنفیہ کا اس پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کو دنیا میں مشابہات کا علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادیا۔

ملاحیون لکھتے ہیں :

مشابہ کا حکم یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اس کی مراد حق ہے، اگرچہ قیامت سے پہلے ہم کو وہ مراد معلوم نہیں ہے اور قیامت کے بعد مشابہ ہر ایک پر منکشف ہو جائے گا اور یہ امت کے حق میں ہے اور بہر حال نبی ﷺ کو مشابہات کا قطعی طور پر علم ہے، ورنہ آپ کو ان سے خطاب کرنے کا فائدہ باطل ہو جائے گا اور یہ مہمل کلام سے خطاب کرنے کی طرح ہو گا جیسے حبشی کے ساتھ عربی میں گفتگو کی جائے اور یہ تقریر ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی کے نزدیک تمام راغبین فی العلم کو مشابہات کا علم ہے۔

(نور الانوار ص ۹۳، مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی کراچی)

قاضی ثناء اللہ مظہری نقشبندی لکھتے ہیں :

میرے نزدیک حق یہ ہے کہ حروف مقطعات مشابہات میں سے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ

و سلم کے درمیان اسرار ہیں، ان حروف سے عام لوگوں کو سمجھانے کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ صرف رسول اللہ ﷺ کو ان حروف سے افہام مقصود تھا یا رسول اللہ ﷺ اپنے کمال متبعین میں سے جن کو چاہیں ان کا معنی سمجھا دیں۔ (الی قولہ) علامہ جلودی نے کہا ہے کہ یہ حروف مقطعات اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ کے درمیان اسرار ہیں اور کبھی محسن کے درمیان کچھ کلمات بہ طور معنی ہوتے ہیں، ان میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ ان کلمات کو محرمین راز کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ ایک قول یہ ہے کہ حروف مقطعات اور تشابہات کا علم اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے ساتھ مخصوص کر لیا ہے، ان کا علم نبی ﷺ کو عطا کیا ہے اور نہ آپ کے متبعین کو یہ قول بہت بعید ہے، کیونکہ خطاب افہام کے لیے ہوتا ہے، اگر ان حروف سے افہام نہ ہو تو ان سے خطاب کرنا مہمل کلمات سے خطاب کرنے کی طرح ہو گا، یا جیسے عربی کے ساتھ ہندی میں خطاب کیا جائے، نیز پورا قرآن بیان اور ہدایت نہیں رہے گا (کیونکہ جب ان الفاظ کا کوئی مفہوم حاصل نہ ہو تو ان سے ہدایت کیسے حاصل ہوگی) اور اللہ تعالیٰ نے جو یہ وعدہ فرمایا ہے :

پھر اس قرآن کا بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔

ثُمَّ إِنِّي عَلَيْنَا بَيَانَهُ (القیامہ : ۸)

اس وعدہ کا خلاف لازم آئے گا، (اسی طرح الرحمان علم القرآن کا بھی خلاف لازم آئے گا، کیونکہ حروف مقطعات بھی قرآن ہیں اور رحمان نے ان کو نہیں سکھایا) اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن خواہ محکم ہو یا تشابہ، نبی ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا بیان واجب اور ضروری ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں راغبین فی العلم سے ہوں اور میں ان علماء سے ہوں جن کو ان کی تویل کا علم ہے۔ اسی طرح مجاہد سے مروی ہے، حضرت مجاہد الف ثانی رحمہ اللہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر حروف مقطعات کی تویل کو ظاہر فرمادیا ہے اور ان کے اسرار کو بیان کر دیا ہے لیکن عام لوگوں کے لیے ان کا بیان ممکن نہیں ہے کیونکہ ان کا بیان کرنا ان کے اسرار الہیہ ہونے کے منافی ہے۔ (تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۵-۱۳، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ) شیخ محمود الحسن لکھتے ہیں :

ان حروف کو مقطعات کہتے ہیں ان کے اصلی معنی تک لوروں کی رسائی نہیں بلکہ یہ بحید ہے اللہ اور اس کے رسول کے درمیان جو بوجہ مصلحت و حکمت ظاہر نہیں فرمایا۔ (حاشیہ القرآن ص ۳ مطبوعہ تاج کمپنی لینڈ کراچی)

ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اکثر علماء ان حروف مقطعات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان اسرار قرار دیتے ہیں اور بعض علماء نے ان حروف کی تویلات کی ہیں، علامہ بیضوی لکھتے ہیں :

ایک قول یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات ان سورتوں کے اسماء ہیں، ایک قول یہ ہے کہ یہ تنبیہ کے لیے حروف زائدہ ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ان حروف سے ان کلمات کی طرف اشارہ ہے جو ان حروف سے مرکب ہیں جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا الف سے مرلو آلاء اللہ (اللہ تعالیٰ کی نعمتیں) ہیں اور لام سے مرلو اللہ کا لطف ہے اور میم سے مرلو اس کا ملک ہے، اور حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ الہر، حم لورن اس کے مجموعہ سے الہر حمین مرلو ہے اور یہ روایت بھی ہے کہ الہم سے مرلو ہے انا اللہ اعلم (میں اللہ ہی خوب جانتا ہوں) اور باقی سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات ہیں ان سے بھی اسی طرح کے کلمات مرلو ہیں، حضرت ابن عباس سے یہ روایت بھی ہے کہ الف سے اللہ کی طرف، لام سے جبریل کی طرف اور میم سے سیدنا محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ قرآن اللہ نے لسان جبریل سے

سیدنا محمد ﷺ پر نازل کیا یا ان حروف سے بعض اقوام کی مدتوں کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب نبی ﷺ کے پاس یہ آئے تو آپ نے ان پر الم بقرہ کی تلاوت کی انہوں نے حسب کر کے کہا ہم اس دین میں کیسے داخل ہوں جس کی مدت اکثر سال ہے، رسول اللہ ﷺ مسکرائے، انہوں نے کہا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ تو آپ نے پرمحا الکحص الکرا الکمر وہ کہنے لگے آپ نے ہم پر حسب مشتبہ کر دیا، اس کے علاوہ اور بھی تعلیقات ہیں۔

(انوار التنزیل علی حاشی الخفائی ج ۱ ص ۳۷۰۔ ۳۷۱ مطبوعہ دار صلور بیروت)

ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ

(یہ) وہ عظیم الشان کتاب ہے جس (کے کلام اللہ) نے ہمیں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے ۷

سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بقرہ لانے کی مناسبت یہ ہے کہ سورہ فاتحہ میں اللہ کے بندوں نے اللہ سے صراط مستقیم کی ہدایت کا سوال کیا تھا جو انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہو، گمراہ اور مغضوب لوگوں کا راستہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس ہدایت کا تم نے سوال کیا ہے وہ اس کتاب میں ہے اور اس میں انعام یافتہ لوگوں کی صفات بیان کیں کہ وہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں، غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مل سے خرچ کرتے ہیں، اے نبی! آپ پر جو کتاب نازل کی گئی اور آپ سے پہلے جو کتابیں نازل کی گئیں ان سب پر یقین رکھتے ہیں اور یہی لوگ دنیا میں ہدایت یافتہ ہیں اور آخرت میں فوز و فلاح پانے والے ہیں، پھر گمراہ اور مغضوب لوگوں کی نشانی بیان کیں کہ ان لوگوں پر تبلیغ دین کا کوئی اثر نہیں ہوتا، یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، یہ کلمہ حق کو سننے کے لیے ہرے ہیں، اعتراف حق کے لیے گونگے ہیں، آیات اللہ کو بہ غور دیکھنے سے، اندھے ہیں، ان کی آنکھوں پر بغض اور عناد کی پٹی بندھی ہوئی ہے اور یہ حق و صداقت کی طرف رجوع نہیں کریں گے!

عربی قواعد کے مطابق ذالک کسی بعید چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آتا ہے اور یہاں کتاب کی طرف اشارہ ہے جو قریب ہے لیکن یہاں بعد رتبہ کو بعد مسافت کے قائم مقام کیا گیا ہے اس لیے اس کا معنی ہے وہ عظیم الشان کتاب۔

کتاب کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

کتاب کا معنی ہے چمڑے کے دو ٹکڑوں کو کسی کر ایک دوسرے کے ساتھ ملا دینا، اور عرف میں اس کا معنی ہے، بعض حروف کو لکھ کر بعض دوسرے حروف کے ساتھ ملانا، اور کبھی صرف ان ملائے ہوئے حروف پر بھی کتاب کا اطلاق ہوتا ہے، اسی اعتبار سے اللہ کے کلام کو کتاب کہا جاتا ہے اگرچہ وہ لکھے ہوئے نہیں ہیں، قرآن مجید میں ہے الم ذالک الکتاب، کتاب اصل میں مصدر ہے پھر مکتوب کا نام کتاب رکھ دیا گیا، نیز کتاب اصل میں لکھے ہوئے صحیفہ کا نام ہے قرآن مجید میں ہے:

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا
مِّنَ السَّمَاءِ (النساء : ۱۵۳)

آسمان سے کوئی صحیفہ نازل کر دیں۔

فرض اور تقدیر کے معنی میں کتاب کا لفظ مستعمل ہے، قرآن مجید میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ
اے ایمان والو تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح

کَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ (البقرة : ۸۳) تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔

قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كُتِبَ اللَّهُ لَنَا

(التوبہ : ۵۱) اللہ نے مقدر کر دی ہے

کتاب کا لفظ بنانے اور شمار کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے، قرآن مجید میں ہے :

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ (ال عمران : ۵۳) سو گواہی دینے والوں کے ساتھ ہمارا شمار کر لے۔

اللہ کی طرف سے حجت ثابتہ کے معنی میں بھی کتاب کا لفظ مستعمل ہے، قرآن کریم میں ہے۔

أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ

(الزخرف : ۲۱) کیا ہم نے اس (قرآن) سے پہلے انہیں کوئی حجت ثابتہ دی

فَأَنؤا بِكِتَابِكُمْ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ

(الصافات : ۱۵۷)

کتاب کا لفظ حکم کے معنی میں بھی وارد ہے، قرآن مجید میں ہے :

لَوْلَا كِتَابُكَ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا

أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (الانفال : ۶۸) اگر پہلے سے (معاف کر دینے کا) حکم اللہ کی طرف سے نہ

ہوتا تو (کافروں سے) جو (ندیہ کامل) تم نے لیا تھا، تمہیں اس

قرآن مجید میں جمل اہل کتاب کا لفظ آتا ہے تو اس کتاب سے تورات، انجیل یا یہ دونوں کتابیں مراد ہوتی ہیں۔

(المفردات ص ۳۲۵-۳۲۳، مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

کتاب کا اصطلاحی معنی یہ ہے : وہ صحیفہ جو ایسے متعدد مسائل کا جامع ہو جو جنسا، متحد ہوں اور نوعاً اور صنفاً

مختلف ہوں اور وہ صحیفہ ابواب اور فصول پر منقسم ہو۔ جیسے کتاب الصلوة، کتاب الزکوٰۃ وغیرہ۔

اس آیت میں کتاب سے مراد آسمانی صحیفہ ہے یعنی قرآن مجید۔

رب کا معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں :

رب کا معنی حاجت ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے کچھ یہودی گزرے، بعض نے کہا ان

سے سوال کرو، اور بعض نے کہا مارا بکم الیہ تمہیں ان سے سوال کی کیا حاجت ہے؟ اور رب کا معنی شک اور تہمت

ہیں، ابن الاثیر نے کہا ہے کہ رب اس شک کو کہتے ہیں جس میں تہمت کا عنصر شامل ہو، حدیث میں ہے جس چیز میں رب

ہو اس کو چھوڑ دو اور اس کو اختیار کرو جس میں رب نہ ہو، حضرت ابو بکر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت کی علیہ

بالرانب من الامور جس چیز میں بالکل شبہ نہ ہو اس کو لازم کر لو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے

فولایا یرینی ما یریبھا جو چیز (حضرت) عائشہ کو بے قرار کرتی ہے وہ مجھے بے قرار کرتی ہے اور تہذیب میں ہے شک

مع تہمت کو رب کہتے ہیں۔ (راجحوس ج ۱ ص ۲۸۳-۲۸۴، مطبوعہ المکتبۃ الخیرۃ مصر ۱۳۰۶ھ)

قرآن مجید میں رب کی نفی اور اثبات کا محمل

شک کی حقیقت ہے کسی چیز کا دل میں کھٹنا اور دل کا مضطرب ہونا، شک کی ضد طمانیت ہے، آیت کا معنی یہ ہے کہ اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے میں اس کی ہدایت اور ارشاد میں فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے اس کے معجز اور بے مثل ہونے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے :

وَأَن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا
فَأَنزِلْ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ (البقرة : ۲۳)
جو کلام ہم نے اپنے عبد (مقدس) پر نازل کیا ہے اگر تم کو
اس (کے منزل من اللہ ہونے) میں شک ہے تو اس جیسی کوئی
سورت (بنا کر) لے آؤ۔

اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کو اس میں شک تھا، اور پہلی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے ایسے بلند مرتبہ پر ہے کہ اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے، اور جو شخص بھی کھلے ہوئے ذہن اور بصیرت کی آنکھوں سے اس کو پڑھے گا یا بہ غور اس کلام کو سنے گا تو اس کو اس کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہوگا، اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی شخص اس میں شک نہیں کرتا بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے واضح اور روشن دلائل کی وجہ سے یہ شک کا محل نہیں ہے اور اس میں تردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس کے بلوجود اگر کفار اور مشرکین اس میں شک کرتے ہیں تو اس کی وجہ ان کی بصیرت سے محرومی ہے، خواہش نفس کی اتباع، تکبر اور ہٹ دھرمی ہے، اور اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید ہے انہوں نے اپنے دماغ کے درتچے بند کر لیے ہیں اور وہ کسی نئی فکر کو اپنے ذہن میں آنے نہیں دیتے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ”فیہ“ ریب کی صفت ہے اور للمتقین اس کی خبر ہے اور معنی یہ ہے کہ متقین کے لیے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور جن لوگوں نے شک کیا ہے وہ متقین نہیں ہیں۔ کفار اور مشرکین ہیں۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝۶

یہ (کتاب) متقین کے لیے ہدایت ہے

آیا قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے یا صرف متقین کے لیے
اس جگہ فرمایا ہے کہ قرآن مجید متقین کے لئے ہدایت ہے، اور ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ یہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى
لِّلنَّاسِ (البقرة : ۱۸۵)
رمضان کے مہینہ میں قرآن کو نازل کیا گیا ہے در آن
حالیکہ وہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔

قرآن مجید کی صراط مستقیم پر دلالت ہے اور متقین کو قرآن مجید کے احکام پر عمل کی توفیق بھی نصیب ہوتی ہے، وہ قرآن مجید کے انوار سے مستنیر اور مستفید ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں تدبیر اور تفکر کرنے سے ان کے دماغ کی گرہیں کھلتی چلی جاتی ہیں اور غیر متقین کے لیے بھی قرآن کریم ہدایت ہے، نیکی اور دنیا کی خیر کی طرف رہنمائی ہے، اگرچہ وہ اس کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور اس کے احکام پر عمل کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو روشن نہیں کرتے، اور جن کفار اور مشرکین نے قرآن مجید کی ہدایت کو قبول نہیں کیا، اس سے قرآن کریم کے ہدایت ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اگر اندھا

قلب کو نہ دیکھے اور اس سے قلب کے روشن ہونے میں کیا فرق پڑتا ہے! اور مغرور مزاج والا اگر شہد کی شیرینی محسوس نہ کرے تو اس سے شہد کی محاس میں کیا کمی ہوتی ہے!

قرآن مجید میں جمل فرمایا ہے کہ یہ تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ فی نفسہ قرآن مجید کی ہدایت تمام انسانوں کے لیے ہے اور یہاں جو فرمایا ہے کہ یہ متقین کے لیے ہدایت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نتیجتاً اور مکمل کر یہ متقین ہی کے لیے ہدایت ہے کیونکہ اس ہدایت سے وہی فیضیاب ہوتے ہیں، دو سراجواب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تعارض نہیں ہے کیونکہ حقیقت میں انسان وہی ہیں جو متقی ہیں اور رہے غیر متقی تو وہ اس آیت کا مصداق ہیں :

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْبَشَرِ ۚ وَالْإِنسِ
لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ
بِهَا وَلَهُمْ أَذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَانُوا لِنِعْمِ بَنِي
آدَمَ أَصْلًا ۚ وَلَٰكِنَّمَا أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

اور بے شک ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جن اور انسان پیدا کئے، ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں، وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے (بھی) زیادہ گمراہ

(الاعراف : ۱۷۹) ہیں۔ وہی غافل ہیں۔

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ قرآن تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے لیکن چونکہ متقی انسانوں کے اعلیٰ افراد ہیں اس لیے ان ہی کا تشریفاً "لور تکریم" ذکر کیا گیا ہے۔

تقویٰ کا صیغہ لور اس کا لغوی معنی علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں :

ابن سیدہ نے کہا ہے کہ تقویٰ اصل میں قوی تھا، یہ فعلی کے وزن پر اسم (حاصل بالمصدر) ہے اور وقیت سے بنا ہے، ولو کو تا سے بدل دیا یہ تقویٰ ہو گیا اسی طرح تقاة اصل میں وقاة ہے لور تجلہ لور تراث اصل میں وجاہ اور وراث ہیں وقاہ بقیہ کا معنی ہے کسی چیز کو وقیت سے محفوظ رکھنا لور اس کی حملیت لور حفاظت کرنا، قرآن مجید میں ہے ما لھم من اللہ من واق (الرعد : ۳۲) "انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہے۔"

(تاج المعوس ج ۱۰ ص ۳۹۱، مطبوعہ المکتبۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

تقویٰ کا معنی ہے کسی ڈرانے والی چیز سے نفس کو بچانا لور اس کی حفاظت کرنا، لور کبھی خوف کو بھی تقویٰ کہتے ہیں اور اس کا شرعی معنی ہے گنہ کی آلودگی سے نفس کی حفاظت کرنا، لور یہ ممنوعہ کاموں کے ترک سے حاصل ہوتا ہے، لور کمال تقویٰ تب حاصل ہوتا ہے جب بعض مباحات کو بھی ترک کر دیا جائے، جیسا کہ حدیث میں ہے طلال ظاہر ہے لور حرام ظاہر ہے لور ان کے درمیان کچھ مشابہت ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے سو جو شخص مشابہت سے بچ گیا اس نے اپنے دین لور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا، لھیت (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳، طبع کراچی) تقویٰ کے کئی مراتب ہیں جو حسب ذیل آیات سے ظاہر ہوتے ہیں :

(الفردات ص ۵۳۱-۵۳۰، مطبوعہ المکتبۃ الرقعیہ ایم ان ۱۳۳۲ھ)

ہیں جو لوگ گناہوں سے باز رہے لور انہوں نے نیکیاں کیں، تو ان پر کوئی خوف ہو گا لور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

يَحْزَنُونَ (الاعراف : ۳۵)

اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ (ال عمران : ۴۲) اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔
وَسِبْقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ط (الزمر: ۴۳) جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ جنت کی طرف گروہ
درگروہ بھیجے جائیں گے۔

تقویٰ کا اصطلاحی معنی

علامہ میر سید شریف نے تقویٰ کی حسب ذیل تعریفات لکھی ہیں :

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے نفس کو عدم اطاعت کے عذاب سے بچنا تقویٰ ہے، اللہ تعالیٰ کی معصیت کے عذاب سے نفس کو بچنا تقویٰ ہے، اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے خود کو محفوظ کرنا تقویٰ ہے، آداب شریعت کی حفاظت کرنا تقویٰ ہے، ہر وہ کام جو تم کو اللہ سے دور کر دے اس سے خود کو باز رکھنا تقویٰ ہے، حظوظ نفسانیہ کو ترک کرنا اور ممنوعات سے دور رہنا تقویٰ ہے، تم اپنے نفس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ دیکھو یہ تقویٰ ہے، تم اپنے آپ کو کسی سے بہتر مگن نہ کرو یہ تقویٰ ہے، ماسوی اللہ کو ترک کرنا تقویٰ ہے اور نبی ﷺ کی قولا اور فعلا اقتداء کرنا تقویٰ ہے۔

(کتاب التعریفات ص ۳۹، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ ۱۳۰۶ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

تقویٰ کا معنی ہے کسی ناپسندیدہ چیز سے خود کو بچانے کے لیے، اپنے اور اس چیز کے درمیان کوئی آڑ بنا لینا، اور متقی وہ شخص ہے جو اپنے نیک اعمال اور پر خلوص دعاؤں سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالے، زر بن حیش کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دن فرمایا : لوگ بہت ہیں لیکن ان میں بہتر وہ ہیں جو تائب ہوں یا متقی ہوں، پھر ایک دن کہا لوگ بہت ہیں لیکن ان میں بہتر وہ ہیں جو عالم ہوں یا متعلم ہوں، ابو یزید بسطامی نے کہا متقی وہ ہے جس کا ہر قول اور ہر عمل اللہ کے لیے ہو، ابوسلیمان دارانی نے کہا متقی وہ ہے جس کے دل سے شہوات کی محبت نکل لی گئی ہو، ایک قول یہ ہے کہ متقی وہ ہے جو شرک سے بچے اور نفاق سے بری ہو، ابن عطیہ نے کہا یہ غلط ہے کیونکہ فاسق بھی اس طرح ہوتا ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا کیا آپ نے کانٹوں والا راستہ دیکھا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں! پوچھا پھر آپ نے کیا کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے پانچے اوپر اٹھائے اور ان سے بچ کر نکلا، حضرت ابی بن کعب نے کہا یہی تقویٰ ہے، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا تقویٰ ہر قسم کی خیر کا جامع ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اولین اور آخرین کو وصیت کی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۲۱-۲۲ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

امام رازی لکھتے ہیں :

متقی وہ شخص ہے جو عبادات کو انجام دے اور ممنوعات سے بچے، اس میں اختلاف ہے کہ گناہ صغیرہ سے بچنا بھی تقویٰ میں داخل ہے یا نہیں، حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کوئی بندہ اس وقت تک متقین کے درجہ کو نہیں پاسکتا جب تک ان چیزوں کو ترک نہ کر دے جن میں حرج نہ ہو اس خوف سے کہ شاید ان میں حرج ہو، حضرت ابن عباس نے فرمایا متقی وہ لوگ ہیں جو عذاب سے بچنے کے لیے خواہش نفس پر عمل نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید رکھتے ہیں۔

لام رہی فرماتے ہیں میں تقویٰ سے مراد خوف خدا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء اور سورہ حج کی ابتدا میں فرمایا :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ (النساء: ۱ الحج: ۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔

حسب ذیل آیات میں بھی تقویٰ سے مراد خوف خدا ہے!

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ (الشعراء: ۱۰۶)

جب ان کے ہم قوم نوح نے ان سے کہا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ (الشعراء: ۱۱۳)

جب ان کے ہم قوم ہود نے ان سے کہا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ (الشعراء: ۱۱۳)

جب ان کے ہم قوم صالح نے ان سے کہا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ (الشعراء: ۱۱۷)

جب ان کے ہم قوم لوط نے ان سے کہا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟

إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ (الشعراء: ۱۷۷)

جب شعیب نے ان سے کہا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟

وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ (العنكبوت: ۲)

اور ابراہیم نے جب اپنی قوم سے کہا 'اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو۔

اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ (ال عمران: ۱۳)

اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

ہرچند کہ تقویٰ خشیت الہی کا نام ہے لیکن قرآن مجید میں تقویٰ توحید پر ایمان، توبہ، طاعت، ترک معصیت اور اخلاص کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔

وَالزَّمَهُمْ كَلِمَةً اتَّقُوا (الفتح: ۱۶)

اللہ نے انہیں کلمہ توحید پر مستحکم کر دیا۔

اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور توبہ کرتے۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا

(الاعراف: ۹۷)

أَن آذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ

لوگوں کو ڈر لو کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، سو

(النحل: ۲)

میری طاعت کرو۔

اور گھروں میں ان کے دو اندوں سے داخل ہو اور اللہ کی

(البقرة: ۱۸۸)

بغیر نی نہ کرو۔

اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو یہ دلوں

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى

کے اخلاص سے ہے۔

(الحج: ۳۲)

تقویٰ کا تمام معنی عظیم اور بلند ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

بے شک اللہ متقین کے ساتھ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا (النحل : ۴۸)

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے مکرم وہ ہے جو

إِنْ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَوْا أَنْفُسَكُمْ۔

(الحجرات : ۳) سب سے زیادہ متقی ہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم ہو وہ اللہ سے ڈرے، اور حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا معصیت پر اصرار نہ کرنا، اور عجلت پر مغرور نہ ہونا، تقویٰ ہے، ابراہیم بن لوطم نے کہا تقویٰ یہ ہے کہ تمہاری زبان پر مخلوق کا عیب نہ ہو، فرشتے تمہارے افعال میں عیب نہ پائیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں کوئی عیب نہ دیکھے، علامہ ولقدی نے کہا تقویٰ یہ ہے کہ جس طرح تم اپنے ظاہر کو مخلوق کے لیے مزین کرتے ہو اس طرح اپنے باطن کو اللہ کے لیے مزین کرو، ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو وہاں نہ دیکھے جہاں اس نے منع کیا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو اپنائے اور دنیا کو پس پشت ڈال دے، اپنے نفس کو اخلاص اور وفا کا پابند کرے اور حرام اور جفا سے اجتناب کرے وہی متقی ہے اور اگر ہدیٰ للمتقین کے سوا متقین کی فضیلت میں اور کوئی آیت نہ ہوتی تو یہی آیت کافی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ہدیٰ للمتقین فرمایا ہے اور اس کے بعد ہدیٰ للناس فرمایا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حقیقت میں انسان وہی ہے جو متقی ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۲۲-۲۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

تقویٰ اور متقین کے متعلق احادیث

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کوئی بندہ اس وقت تک متقین میں سے شمار نہیں ہو گا جب تک کہ وہ بے ضرر چیز کو اس خوف سے نہ چھوڑ دے کہ شاید اس میں ضرر ہو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۵۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت میمون بن مہران نے کہا بندہ اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنا اس طرح حساب نہ کرے جس طرح اپنے شریک کا محاسبہ کرتا ہے کہ اس کا کھانا کھل سے آیا اور اس کے کپڑے کھل سے آئے۔

(جامع ترمذی ص ۳۵۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام مسلم روایت کرے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، تباہی نہ کرو، کسی کو پھنسانے کے لیے زیادہ قیمت لگانا نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے روگردانی نہ کرو، کسی کی بیعت پر بیعت نہ کرو، اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ، مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے اس پر ظلم نہ کرے اس کو رسوا نہ کرے، اس کو حقیر نہ جانے حضور ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا ”تقویٰ یہاں ہے۔“ کسی شخص کے برے ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو برا جانے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر مکمل حرام ہے، اس کا خون اس کا

مال اور اس کی عزت (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۷، مطبوعہ نور محمد اصح المصالح کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کلمۃ التقویٰ کی تفسیر میں فرمایا لا الہ الا اللہ (جامع ترمذی ص ۳۷۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

لام داری روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا، تمہارا رب یہ فرماتا ہے کہ میں ہی اس بات کا مستحق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے، سو جو شخص مجھ سے ڈرے گا تو میری شان یہ ہے کہ میں اس کو بخش دوں۔

(سنن داری ج ۲ ص ۲۳، مطبوعہ نثرانتہ ملکن)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے ایک ایسی آیت کا علم ہے کہ اگر لوگ صرف اسی آیت پر عمل کر لیں تو وہ ان کے لیے کافی ہوگی : جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔

(سنن داری ج ۲ ص ۲۳، مطبوعہ نثرانتہ ملکن)

لام احمد روایت کرتے ہیں :

ابو نضرہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے ایام تشریق کے وسط میں رسول اللہ ﷺ سے خطبہ سنا اس نے یہ حدیث بیان کی : آپ نے فرمایا اے لوگو سنو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، سنو کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں ہے نہ عجمی کو عربی پر فضیلت ہے، نہ گورے کو کالے پر فضیلت ہے، نہ کالے کو گورے پر فضیلت ہے، مگر فضیلت صرف تقویٰ سے ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : شاید اس سال کے بعد تم مجھ سے ملاقات نہیں کرو گے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے فراق کے صدمہ میں رونے لگے، پھر نبی ﷺ مدینہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میرے سب سے زیادہ قریب متقی ہوں گے خولہ وہ کوئی ہوں اور کہیں ہوں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تقویٰ کے مراتب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید کا متقین کے لیے ہدایت ہونا تحصیل حاصل ہے کیونکہ متقین تو خود ہدایت یافتہ ہیں اس کے کئی جواب ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ متقین سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ تقویٰ حاصل کرنے کا ارادہ کریں سو یہ کتب ان کے لیے ہدایت ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہدایت سے مراد ہدایت پر دوام اور ثبات ہے یعنی اس کتب کے مطالعہ اور اس پر عمل کرنے سے متقین کو ہدایت پر دوام اور ثبات حاصل ہوگا، تیسرا جواب یہ ہے کہ تقویٰ کے کئی مراتب ہیں : (۱) نفس کی کفر اور شرک سے حفاظت کرنا، (ب) نفس کی گنہ کبیرہ سے حفاظت کرنا، (ج) نفس کی گنہ صغیرہ سے حفاظت کرنا، (د) نفس کی خلاف سنت سے حفاظت کرنا، (ه) نفس کی خلاف لولی سے حفاظت کرنا، (و) نفس کی ماسوی اللہ سے حفاظت کرنا، سو جو شخص تقویٰ کے کسی ایک مرتبہ پر فائز ہو یہ کتب اس کے لیے تقویٰ کے اگلے مرتبہ کے لیے ہدایت ہے۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں

متقین کی تین صفات بیان کی ہیں، ایمان بالغیب، اقامت صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ، پہلی صفت ایمان بالغیب ہے جس کا اس آیت میں بیان ہے اس آیت کریمہ کی تفسیر کے جاننے کے لیے ایمان اور غیب کو سمجھنا ضروری ہے، ہم پہلے ایمان کی تشریح اور تحقیق کریں گے اور اس کے بعد غیب پر مفصل گفتگو کریں گے فنقول وبالله التوفیق وہ الا سنعانة یلیق۔

ایمان کے لغوی معنی کی تفصیل اور تحقیق علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

ایمان امن سے ماخوذ ہے اور امن کا معنی ہے نفس کا مطمئن ہونا، اور خوف کا زائل ہونا، امن، امانت اور امان اصل میں مصلور ہیں، امان انسان کی حالت امن کو کہتے ہیں، انسان کے پاس جو چیز حفاظت کے لیے رکھی جائے اس کو امانت کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ
وَتَخُونُوا أَمْنَكُمْ (الانفال : ۲۷)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو، اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔

نیز قرآن مجید میں ہے :

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ (الاحزاب : ۷۲)

بے شک ہم نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر اپنی امانت پیش کی۔

اور قرآن مجید میں ہے :

وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (آل عمران : ۹۷)

یعنی وہ دوزخ سے بے خوف ہو گیا، یا وہ دنیا کی مصیبتوں سے بے خوف ہو گیا، اس کا معنی ہے کہ حرم میں اس سے قصاص لیا جائے گا نہ اس کو قتل کیا جائے گا۔

ایمان کا استعمال کبھی اس شریعت کو ماننے کے لیے کیا جاتا ہے جس کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے اس استعمال کے مطابق قرآن مجید کی یہ آیت ہے :

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى
وَالصَّابِئِينَ (البقرہ : ۶۲)

بے شک اسلام قبول کرنے والے، یہودی، عیسائی اور ستارہ پرست۔

ایمان کے ساتھ ہر اس شخص کو متصف کیا جاتا ہے جو حضرت محمد ﷺ کی شریعت میں داخل ہو در آل حالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کا اور آپ کی نبوت کا اقرار کرتا ہو۔

اور کبھی ایمان کا استعمال بر سبیل مدح کیا جاتا ہے اور اس سے مراد ذہن کا بہ طور تصدیق حق کو ماننا اور قبول کرنا ہے اور اس کا تحقق دل کے ماننے، زبان سے اقرار کرنے اور اعضاء کے عمل کرنے سے ہوتا ہے، اس اعتبار سے ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے :

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ
الصَّادِقُونَ وَالشَّهَادَةُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر (کامل) ایمان لائے وہی اپنے رب کی بارگاہ میں صدیق اور شہید ہیں ان کے لیے اجر

وَنُورُهُمُ الْحَلِيدُ : ۸)

لورن کا نور ہے۔

تصدیق بالقلب، اقرار باللسان اور عمل بلا رکن میں سے ہر ایک پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ تصدیق بالقلب پر ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے :

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ

وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت فرمادیا۔

(المجادلہ : ۲۲)

دل میں صرف تصدیق ہوتی ہے اس لیے اس آیت سے مراد صرف تصدیق ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں بھی ایمان کا اطلاق تصدیق پر کیا گیا ہے :

وَمَا آنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ

اور آپ ہماری بات کی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں خواہ

(یوسف : ۱۷) ہم سچے ہوں۔

لور اہل صلہ پر ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے :

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ إِيْمَانَكُمْ

اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ (تحویل قبلہ سے پہلے

(البقرہ : ۲۳) تمہاری پڑھی ہوئی) نمازوں کو ضائع کر دے۔

جب جبرائیل علیہ السلام نے نبی ﷺ سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں، اس کے صحیفوں، اس کے رسولوں، قیامت اور ہر اچھی اور بری چیز کو تقدیر کے ساتھ وابستہ ماننا ایمان ہے، اس حدیث میں چھ چیزوں کے ماننے پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے، یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور حدیث کی دوسری مشہور کتابوں میں ہے۔

(المفردات ص ۲۶-۲۵، مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ، ایران، ۱۳۳۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں :

ایمان تصدیق ہے، علامہ زبیدی نے اس میں اسی پر اعتکاف کیا ہے، اور اہل علم میں سے اہل لغت وغیرہ کا اسی پر اتفاق ہے، علامہ سعد الدین تفتازانی نے کہا ہے کہ ایمان کا حقیقی معنی تصدیق ہے، اور کشف میں لکھا ہے کہ کسی شخص پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ اس کو تکذیب سے مامون اور محفوظ رکھا جائے، بعض محققین نے کہا ہے کہ ایمان کا معنی تصدیق ہو تو یہ بنفسہ متعدی ہوتا ہے، لور جب اس کا معنی لزعلن (ماننا اور قبول کرنا) ہو تو لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور جب اس کا معنی اعتراف ہو، تب بھی لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے، ازہری نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے بندے کو جس امانت پر امین بتایا ہے اس میں صدق کے ساتھ داخل ہونا ایمان ہے، اگر بندہ جس طرح زبان سے تصدیق کرتا ہے اسی طرح دل سے بھی تصدیق کرے تو وہ مومن ہے لور جو صرف زبانی اقرار کرے لور دل سے تصدیق نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت کو لوٹا نہیں کر رہا، وہ منافق ہے لور جس کا یہ زعم ہے کہ تصدیق بالقلب کے بغیر صرف زبان سے اظہار کرنا ایمان ہے وہ یا منافق ہو گا یا جمل (علامہ زبیدی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ کبھی صرف زبانی اقرار پر بھی ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَىٰ

یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے مگر

انہوں نے (دل کا) کفر (ظاہر) کیا تو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔

قُلُوبِهِمُ الْمَنَافِقُونَ : ۳)

اور اس آیت میں بھی زہنی اعتبار پر ایمان کا اطلاق ہے۔ ا

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا
ثُمَّ آمَنُوا كُفَرًا (النساء : ۳۷)
بے شک جو لوگ زہن سے ایمان لائے پھر مل سے کافر ہوئے
پھر (زہن سے) ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر کافر میں
اور یہ گئے۔

زجلج نے کہا ہے کبھی ایمان کا اطلاق اظہار خشوع پر کیا جاتا ہے اور کبھی شریعت کے قبول کرنے پر اور نبی ﷺ جو
دین لے کر آئے ہیں اس پر اعتقاد رکھنے اور دل سے اس کی تصدیق کرنے پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے، لام راغب نے کہا
ہے کہ ایمان نبی ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا نام ہے اور کبھی بہ طور مدح حق کی تصدیق کرنے اور ماننے کو ایمان کہتے ہیں،
ایمان تصدیق، اقرار اور عمل سے متحقق ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ بھی ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے، مومن
اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جس کا معنی ہے مخلوق کو ظلم سے امن دینے والا، یا اپنے لولیا کو عذاب سے امن میں رکھنے والا،
منذری نے ابو العباس سے روایت کیا ہے کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ امتوں سے اپنے رسولوں کی تبلیغ کے متعلق
سوال کرے گا اور وہ امتیں انبیاء کی تکذیب کریں گی اور اللہ تعالیٰ کے مسلمان بندے انبیاء کی تصدیق کریں گے پھر نبی ﷺ
کو لایا جائے گا، نبی ﷺ اپنی امت کی تصدیق کریں گے اور اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور
آپ کی امت کی تصدیق کرے گا اور اسی تصدیق کی وجہ سے اللہ کا نام مومن ہے، ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں
سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرتا ہے اور وہ اس اعتبار سے مومن ہے، ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے
بندوں کو عذاب سے امن میں رکھے گا اس وجہ سے وہ مومن ہے، یہ علامہ ابن اثیر کا قول ہے۔

(تاج العروس ج ۹ ص ۳۵، مطبوعہ المطبعة الخيرية مصر ۱۳۰۶ھ)

ایمان کی تعریف میں اہل قبلہ کے مذاہب

ایمان کی تعریف میں اہل قبلہ کے مذاہب کا خلاصہ یہ ہے :

- (۱) جمہور متکلمین کے نزدیک صرف تصدیق بالقلب کا نام ایمان ہے۔
- (۲) امام ابو منصور ماتریدی کا مذہب ہے کہ ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے اور اقرار اجراء احکام مسلمین کے لیے
شرط ہے۔ یہ دونوں تعریفیں نفس ایمان کی ہیں۔
- (۳) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایمان کے دو جز ہیں، اقرار اور تصدیق، لیکن اکراہ کے وقت اقرار ساقط ہو سکتا ہے۔
- (۴) ائمہ ثلاثہ اور محدثین کے نزدیک ایمان کے تین جز ہیں، تصدیق، اقرار اور اعمل صالح، لیکن اعمل کے ترک کرنے
سے انسان ایمان سے خارج ہوتا ہے اور نہ کفر میں داخل ہوتا ہے بلکہ فاسق ہو جاتا ہے، یہ تعریف ایمان کامل کی ہے۔
- (۵) معتزلہ میں سے واصل بن عطاء، ابو الہذیل اور قاضی عبد الجبار کا یہ نظریہ ہے کہ تصدیق، اقرار اور اعمل کے مجموعہ کا
نام ایمان ہے اور اعمل میں واجب اور مستحب داخل ہیں اور عمل کے ترک کرنے سے انسان ایمان سے نکل جاتا ہے لیکن
کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ عمل کی نفی سے وہ ایمان سے خارج ہو گیا اور تکذیب نہ کرنے کی وجہ سے وہ کفر میں داخل نہیں ہوا۔
- (۶) ابو علی جبائی معتزلی اور ابو ہاشم معتزلی کا یہ مسلک ہے کہ فقط اعمل واجبہ کا نام ایمان ہے، باقی تفصیل حسب سابق ہے۔
- (۷) نظام معتزلی کا مذہب ہے جس کام پر وعید ہے اس کے ترک کرنے کا نام ایمان ہے۔

(۶) خروج کلمہ ب ہے تصدیق، اقرار اور عمل کے مجموعہ کا نام ایمان ہے اور انسان معصیت کے ارتکاب سے کافر ہو جاتا ہے خواہ معصیت صغیر ہو یا کبیرہ۔

(۷) کرمیہ کا یہ قول ہے کہ فقط زبان سے اقرار کرنا ایمان ہے۔

(۸) فیضان بن مسلم دمشق اور فضل رقاشی کا یہ نظریہ ہے کہ اقرار بہ شرط معرفت کا نام ایمان ہے۔

(۹) جم بن صفوان کا یہ نظریہ ہے کہ فقط معرفت بالقلب کا نام ایمان ہے۔

(۱۰) مرجسہ کے نزدیک ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔

نفس ایمان اور ایمان کامل کا بیان

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں :

لام شافعی سے منقول ہے کہ ایمان تصدیق، اقرار اور عمل کا نام ہے، جس کی تصدیق میں خلل ہو وہ منافق ہے، جس کے اقرار میں خلل ہو وہ کافر ہے اور جس کے عمل میں خلل ہو وہ فاسق ہے، وہ دونوں کے دائمی عذاب سے نجات پالے گا، اور جنت میں داخل ہو جائے گا، لام رازی نے کہا اس مسلک پر یہ قوی اشکل ہے کہ جب عمل ایمان کی جز ہیں اور جز کی نفی سے کل کی نفی ہو جاتی ہے تو بے عمل شخص مومن کیسے ہو گا؟ اور وہ کیسے دوزخ سے خارج اور جنت میں داخل ہو گا؟ اس اشکل کا یہ جواب ہے کہ شارع کے کلام میں ایمان کبھی اصل ایمان کے معنی میں ہوتا ہے اور اصل ایمان میں عمل کا اعتبار نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس سے ملاقت پر، اس کے رسولوں پر اور مرنے کے بعد اٹھنے پر ایمان لاؤ، اور اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور نماز قائم کرو اور فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ (صحیح مسلم)

اور کبھی شارع کے کلام میں ایمان، ایمان کامل کے معنی میں ہوتا ہے جس میں عمل داخل ہوتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے وفد عبدالقیس سے فرمایا :

کیا تم جانتے ہو کہ اللہ وحدہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے، آپ نے فرمایا : اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور مل غنیمت سے فہم لانا۔ (صحیح مسلم)

پہلی حدیث میں ایمان اصل ایمان یا نفس ایمان کے معنی میں ہے اور اس دوسری حدیث میں ایمان، ایمان کامل کے معنی میں ہے، اور جن احادیث میں عمل کی نفی سے ایمان کی نفی کی گئی ہے ان میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہے اور جن احادیث میں عمل کی نفی کے بلحاظ ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے اور جنت کی بشارت دی گئی ہے ان میں ایمان سے مراد نفس ایمان ہے۔ اس کی مثل یہ ہے :

جس وقت زانی زنا کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں ایمان کامل کی نفی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا :

جس شخص نے بھی لا الہ الا اللہ کہا پھر اسی پر مرگیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا میں نے کہا خولہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو! آپ نے فرمایا خولہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں نفس ایمان مراد ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف لفظی ہے کیونکہ اس کا رجوع ایمان کی تفسیر کی طرف ہے، اور ایمان کا کون سا معنی منقول شرعی ہے اور کون سا معنی مجاز ہے اس میں اختلاف ہے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جس ایمان کی وجہ سے دوزخ میں دخول سے نجات ملتی ہے وہ ایمان کامل ہے اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، اور جس ایمان کی وجہ سے دوزخ کے خلود سے نجات ملتی ہے وہ نفس ایمان ہے، اس میں اہل سنت کا اتفاق ہے اور خوارج اور معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ سلف اور امام شافعی نے جو عمل کو ایمان کی جز کہا ہے اس ایمان سے ان کی مراد ایمان کامل ہے نہ کہ نفس ایمان یا اصل ایمان مراد ہے، اور جب وہ کسی بے عمل یا بد عمل شخص پر مومن کا اطلاق کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد نفس ایمان ہوتی ہے نہ کہ ایمان کامل، وہ کہتے ہیں کہ اس شخص میں ہرچند کہ ایمان کامل نہیں ہے لیکن وہ نفس ایمان کی وجہ سے نجات پا جائے گا۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۱۰۲-۱۰۳، ملخصاً، مطبوعہ ادارة البعثة المنيرية مصر ۱۳۸۳ھ)

مومن ہونے کے لیے فقط جاننا اور سمجھنا کافی نہیں ہے بلکہ ماننا ضروری ہے

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں :

ایمان کی تعریف میں جو تصدیق بالقلب معتبر ہے اس سے مراد علم، معرفت اور جاننا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنا اور نبی ﷺ کے دعویٰ کی تصدیق کرنا اور آپ کو مخبر صلوٰۃ ماننا ہے، کیونکہ بعض کفار بھی حضرت محمد ﷺ کی رسالت کو جانتے تھے لیکن وہ مومن نہیں تھے، قرآن مجید میں ہے :

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرفُوْنَہٗ کَمَا
يَعْرِفُوْنَ اٰبْنَآءَهُمْ (البقرہ : ۱۷۶)

پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حکایت کی ہے، انہوں نے فرعون سے فرمایا :

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا اَنْزَلَ هٰؤُلَاءِ اِلَّا رُبَّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصٰئِرٌ وَّاَنِّیْ لَاطْلُکَ
یَا فِرْعَوْنُ مُتَبَوِّرًا (بنی اسرائیل : ۱۰۲)

موسیٰ نے فرمایا : یقیناً تو جانتا ہے کہ ان (چمکتی ہوئی نشانیوں) کو آسمانوں اور زمینوں کے رب نے ہی اتارا ہے جو آنکھیں کھولنے والی ہیں اور اے فرعون میں گمان کرتا ہوں کہ تو ہلاک ہونے والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا کفار اور فرعون کو علم تھا، اس کے باوجود وہ کافر تھے اور وہ مومن نہیں تھے، نیز اس سے واضح ہوا کہ ایمان کے تحقق کے لیے صرف جاننا کافی نہیں ہے ماننا ضروری ہے، یعنی اپنے قصد اور اختیار سے مخبر کی طرف صدق کو منسوب کرے اور اسے اس کی دی ہوئی خبروں میں صلوٰۃ قرار دے۔

(عمدة القاری ج ۱ ص ۱۰۵-۱۰۶، ملخصاً، مطبوعہ ادارة البعثة المنيرية مصر ۱۳۸۸ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں :

ایمان سچا سمجھنے کو کہتے ہیں، عمل کرنا دوسری بات ہے، پس جتنی کتابیں اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاءِ مسلمہ السلام پر نازل کی ہیں سب کو سچا سمجھنا فرض اور شرط ایمان ہے۔

(بیان القرآن ص ۳، مطبوعہ تاج کپنی لیڈز لاہور)

جیسا کہ باحوالہ تفصیل اور تحقیق سے واضح ہو گیا ہے ایمان سچا سمجھنے یا سچا جاننے کو نہیں کہتے بلکہ ایمان سچا ماننے کو کہتے ہیں، اس لیے ایمان کی یہ تعریف صحیح نہیں ہے، شیخ محمود الحسن نے بھی یؤمنون بالغیب کی تفسیر میں اسی طرح لکھا ہے ”یعنی جو چیزیں ان کے عقل و حواس سے مخفی ہیں (جیسے دوزخ، جنت، ملائکہ وغیرہ) ان سب کو اللہ اور رسول کے ارشاد کی وجہ سے حق اور یقینی سمجھتے ہیں۔ (۱)“ شیخ محمود الحسن کی بھی یہ عبارت صحیح نہیں ہے، اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد کی وجہ سے کسی خبر کو حق اور یقینی ماننا ایمان ہے، اس کو حق اور یقینی سمجھنا ایمان نہیں ہے، کیونکہ بعض کفار ان خبروں کو حق اور یقینی سمجھتے تھے لیکن غلطاً مانتے نہیں تھے، البتہ انہوں نے اس کے بعد یہ جملہ لکھا ہے : ان امور غائبانہ کا منکر ہدایت سے محروم ہے۔ ”یہ جملہ صحیح ہے، لیکن ان دونوں شیوخ نے ایمان کی تعریف صحیح نہیں لکھی۔

ایمان کی حقیقت میں فقط تصدیق کے معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد

ہم نے ذکر کیا تھا کہ محققین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت فقط تصدیق بالقلب ہے اس پر محققین نے حسب ذیل دلائل پیش کئے ہیں قرآن مجید میں ہے :

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ

(المجادلہ : ۲۲) دیا۔

انہوں نے اپنے منہ سے کہا ہم ایمان لائے ہیں، حالانکہ ان کے دل مومن نہیں۔

قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ
قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ
(الحجرات : ۳)

ان آیات میں ایمان کا محل قلب کو قرار دیا ہے اور قلب میں تصدیق ہوتی ہے، اقرار کا محل زبان اور اعمال کا تعلق باقی اعضاء سے ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے۔

ایمان کی حقیقت میں فقط اقرار کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد

صرف اقرار باللسان کے ایمان نہ ہونے پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ (البقرة : ۸)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے، حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔

زبان سے اقرار کے بلوجود ان لوگوں کو اس لیے مومن نہیں قرار دیا گیا کہ انہوں نے نبی ﷺ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق نہیں کی تھی، نیز قرآن مجید میں ہے :

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ

(۱) شیخ محمود الحسن حنفی ص ۳۹، حاشیہ القرآن ص ۳، مطبوعہ العربیہ السعودیہ

لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ أَنَّ
الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ (المنافقون : ۱)
دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے
کہ یقیناً ضرور آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کو اس کا ہے کہ
بے شک منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

ایمان کی حقیقت میں اعمال کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد

اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں اس پر قرآن مجید کی حسب ذیل آیات دلیل ہیں :

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ
جَنَّاتُ الْفِرَاتِ نَزْلًا (الكهف: ۱۰۷)
بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے
ان کے لیے جنت الفردوس کی مسمانی ہے۔

اس آیت میں اعمال کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف میں اصل تغیر ہے اس سے معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کا
غیر ہیں اور ایمان میں داخل نہیں ہیں اور قرآن مجید میں ایسی بہت آیات ہیں۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْشَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (النحل: ۹۷)
جس نے نیک عمل کیے خواہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ
مومن ہو تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے۔

اس آیت میں اعمال کو مشروط اور ایمان کو شرط قرار دیا ہے اور مشروط شرط سے خارج ہوتا ہے اس سے واضح ہو گیا
کہ اعمال ایمان سے خارج ہیں اور اسی منہج پر یہ آیات ہیں :

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْشَىٰ
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ (النساء: ۱۳)
اور جس نے نیک کام کئے خواہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ
مومن ہو تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَلَا يَخَفُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا (طہ: ۱۳)
اور اپنے باہمی معاملات درست رکھو اور اللہ اور اس کے
رسول کا حکم مانو بہ شرطیکہ تم مومن ہو۔

وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ
وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (الانفال: ۱)
قرآن مجید میں مرتکب کبیرہ پر بھی مومن کا اطلاق کیا گیا ہے اگر نیک اعمال ایمان کی جز ہوتے تو معصیت کبیرہ کرنے
والے پر مومن کا اطلاق نہ کیا جاتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ
فِي الْقَتْلِ (البقرة: ۱۷۸)
اے ایمان والو! تم پر ان کا بدلہ فرض کیا گیا ہے جن کو ناحق
قتل کیا گیا ہے۔

قصاص قاتل پر فرض کیا جاتا ہے اور اس آیت میں قاتل پر مومن کا اطلاق کیا گیا ہے اور قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے۔
وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا
فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا (الحجرات: ۹)
اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں قتل کریں تو ان
میں صلح کرا دو۔

جب دو جماعتیں قتل کریں گی تو ان میں سے ایک حق پر اور دوسری باطل پر ہوگی اور اس آیت میں دونوں جماعتوں
پر مومنوں کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اے مومن! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو۔

وَتَوْبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ

(النور : ۳۱)

توبہ معصیت پر واجب ہوتی ہے۔ اس آیت میں مومنین کو توبہ کا حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ معصیت ایمان کے معنی میں ہے اور اسی نوح پر یہ آیت ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً تَصَوُّحًا (التحریم : ۸)

اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو۔

ایمان میں کمی اور زیادتی کے ثبوت پر قرآن مجید سے استشہاد

ائمہ ثلاثہ اور محدثین اور دیگر اسلاف جو یہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے وہ قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں :

وَإِذَا تَلَّيْتُمْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا

(الانفال : ۲)

اور جب ان پر اللہ کی آیات پڑھی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیں۔

وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (النورہ : ۳۳)

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کر دیا ہے سو جو ایمان والے ہیں تو اس سورت نے ان کے ایمان کو زیادہ کر دیا اور وہ خوش ہوتے ہیں۔

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا

(آل عمران : ۱۷۳)

لوگوں نے ان سے کہا بے شک لوگوں نے (تم سے مقابلہ کے لیے بڑے لشکر جمع کر لیے ہیں سو تم ان سے ڈرو) تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا۔

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا (الاحزاب : ۱۷)

اور جب مسلمانوں نے (کافروں کے) لشکر دیکھے (تو) کہنے لگے یہ وہ ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور اسلام زیادہ ہی ہوا۔

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (محمد : ۱۷)

اور جن لوگوں نے ہدایت کو قبول کیا اللہ نے ان کی ہدایت کو اور زیادہ کر دیا۔

إِنَّهُمْ فِتْنَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى (الكهف : ۳)

بے شک کچھ جو ان اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا۔

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى (مريم : ۷۶)

اور جن لوگوں نے ہدایت پائی اللہ نے ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا عَدَّتْهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا

لَيَسْتَبِيقَنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَنَزَدَا الَّذِينَ
أَمَنُوا إِيْمَانًا (المائدة: ۳۱)

قرآن ہے کہ کافروں کی آنکھوں میں گندہ لکڑی کی طرح
ایمان والوں کا ایمان اور زیادہ ہو جائے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ
الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيْمَانًا مَعَ إِيْمَانِهِمْ
(الفتح: ۴)

وہی ذات ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں سکون
نازل فرمایا تاکہ ان کے ایمان میں اور ایمان کی زیادتی ہو۔

ایمان میں کمی اور زیادتی کے ثبوت پر احادیث سے استشلال

ائمہ ثلاثہ، محدثین اور دیگر اسلاف جن کے نزدیک اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی
ہے، انہوں نے بکثرت احادیث سے استدلال کیا ہے، جن میں سے بعض احادیث یہ ہیں :

امام بخاری روایت کرتے ہیں :
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایمان کے ساتھ اور کچھ حصے ہیں، اور حیاء بھی ایمان کا ایک
حصہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے
ضرر) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کے منع کئے ہوئے کاموں کو ترک کر دے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۶ مطبوعہ نور محمد اصح المصاحف کراچی ۱۴۳۸ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے لوگوں سے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے
حتیٰ کہ وہ شہوت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ کو لو
کریں، اور جب وہ یہ کریں گے تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے ماسوا اس کے جو اسلام کا حق ہو اور ان کا
حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸ مطبوعہ نور محمد اصح المصاحف کراچی ۱۴۳۸ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : کیا تم اللہ وحدہ پر ایمان لانے کا
معنی جانتے ہو؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے! آپ نے فرمایا یہ شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا
مستحق نہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے خمس لیا کرنا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳ مطبوعہ نور محمد اصح المصاحف کراچی ۱۴۳۸ھ)

ان احادیث میں ایمان کے متعدد اجزاء بیان کئے گئے ہیں اور جو شخص ان اجزاء میں سے کسی جز پر عمل کو ترک کرے
گا اس کا ایمان اس شخص سے کم ہو گا، جو ان تمام اجزاء پر عمل کرے گا۔

ایمان میں کمی اور زیادتی کے دلائل کا جواب

مذکورہ صدر آیات اور احادیث سے ائمہ ثلاثہ اور محدثین نے اس پر استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان کا جز ہیں اور
ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے اگر اعمال کم ہوں گے تو ایمان کم ہو گا اور اگر اعمال زیادہ ہوں گے تو ایمان زیادہ ہو گا۔

ان تمام آیات اور احادیث کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام آیات اور احادیث ایمان کامل پر محمول ہیں اور ایمان کامل میں
اعمال داخل ہیں، اور نفس ایمان میں اعمال داخل نہیں ہیں اور ان آیات اور احادیث میں نفس ایمان بلا اتفاق مراد نہیں ہے۔

لام رلائی نے کہا یہ بحث قطعی ہے کیونکہ اگر ایمان سے مراد تصدیق ہو تو وہ کی اور زیادتی کو قبول نہیں کرتا اور اگر اس سے مراد عبادت ہو تو وہ کی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے، پھر لام نے کہا عبادت تصدیق کی تکمیل کرتی ہیں، اور جن دلائل کا یہ قضا ہے کہ ایمان کی اور زیادتی کو قبول نہیں کرتا، ان سے مراد اصل ایمان اور نفس ایمان ہے اور جن دلائل کا یہ قضا ہے کہ ایمان کی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے ان سے مراد ایمان کامل ہے جس میں اعمال داخل ہیں۔

بعض متاخرین نے یہ کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ ایمان کی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے، خواہ ایمان تصدیق اور اعمال کا مجموعہ ہو یا فقط تصدیق کا نام ہو کیونکہ تصدیق بالقلب وہ اعتقاد جازم ہے جو قوت اور ضعف کو قبول کرتا ہے، کیونکہ جس شخص کو ہم قریب سے دیکھتے ہیں اس کی ہمیں اس سے زیادہ تصدیق ہوتی ہے جس کو ہم دور سے دیکھتے ہیں۔

بعض محققین نے یہ کہا کہ حق یہ ہے کہ تصدیق دو وجہوں سے کی اور زیادتی کو قبول کرتی ہے، پہلی وجہ تو یہ ہے کہ تصدیق کیفیت نفسانیہ ہے، جیسے خوشی، غم اور غصہ وغیرہ کیفیات نفسانیہ ہیں اور ان میں قوت، ضعف اور کی اور زیادتی ہوتی ہے، اسی طرح تصدیق میں بھی کی اور زیادتی ہوتی ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو لازم آئے گا کہ رسول اللہ ﷺ اور عام افراد امت کا ایمان برابر ہو اور یہ اجملاً باطل ہے اور دوسری وجہ ہے تصدیق تفصیلی، کیونکہ انسان کو جس چیز کے متعلق علم ہوتا جائے گا کہ نبی ﷺ اس کو لے کر آئے ہیں، اس کا ایمان اس کے ساتھ متعلق ہوتا جائے گا، اور ایمان زیادہ ہوتا جائے گا۔

بعض علماء نے اس کی تفصیل میں یہ کہا ہے کہ پہلے انسان اجملی طور پر تمام شریعت پر ایمان لاتا ہے، پھر جیسے جیسے اس کو احکام شریعہ کی تفصیل کا علم ہوتا جاتا ہے وہ ان سب پر ایمان لاتا جاتا ہے اور یوں اس کا ایمان زیادہ ہوتا ہے اور بعض محققین نے یہ کہا ہے کہ زیادہ غور و فکر کرنے اور کثرت دلائل سے ایمان زیادہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صدیقین اور علماء راہین کا ایمان دوسروں کی بہ نسبت زیادہ قوی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تشکیک اور مغالطہ آفرینی سے ان کا ایمان متزلزل نہیں ہوتا۔

(عمدة القاری ج ۱ ص ۱۰۸-۱۰۹، مطبوعہ دارۃ البیضاء المنیریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

آیا اسلام اور ایمان متغایر ہیں یا متحد

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں :

ایک بحث یہ ہے کہ آیا اسلام اور ایمان متغایر ہیں یا متحد ہیں، پس ہم کہتے ہیں کہ لغت میں اسلام کا معنی ہے انقیاد (طاعت) اور توکل (متنا اور تسلیم کرنا) اور اسلام کا شرعی معنی ہے رسول اللہ ﷺ کو مان کر اللہ کی طاعت کرنا، کلمہ شہادت پڑھنا و اجابت پر عمل کرنا اور ممنوعات کو ترک کرنا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی ﷺ سے اسلام کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا : اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ مفروضہ لو کرو اور رمضان کے روزے رکھو، اور اسلام کا اطلاق دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی کیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں دین یسویت، دین نصرانیت، اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہے۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (آل عمران: ۸۵)

اور نبی ﷺ نے فرمایا :

جس شخص نے اللہ کو رب مان لیا، اور اسلام کو دین مان

ذاق طعم الاسلام من رضى بالله ربا و

بالا سلام دینا

یا اس نے اسلام کا اذکار چکے لیا۔

پھر اس میں علماء کا اختلاف ہے، محققین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان اور اسلام متماثل ہیں اور یہی صحیح ہے، اور بعض محدثین، متکلمین اور جمہور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان اور اسلام شرعاً حروف ہیں، علامہ خطابی نے کہا ایمان اور اسلام مطلقاً متماثل نہیں ہیں، کیونکہ مسلم بعض اوقات مسلم ہوتا ہے، اور بعض اوقات مسلم نہیں ہوتا (یعنی بعض اوقات اسلام کے احکام کی پیروی کرتا ہے اور بعض اوقات نہیں کرتا) اور مومن ہر وقت مومن ہوتا ہے، (یعنی ہر وقت انقیاد و باطن کرتا ہے) لہذا ہر مسلم مومن ہوتا ہے، اور ہر مومن مسلم نہیں ہوتا۔

ایمان کی اصل تصدیق ہے اور اسلام کی اصل استسلام اور انقیاد (طاعت) ہے بالوقت انسان ظاہر میں طاعت گزار ہوتا ہے اور باطن میں طاعت گزار نہیں ہوتا، اور کبھی باطن میں صلیق ہوتا ہے اور ظاہر میں طاعت گزار نہیں ہوتا، میں کہتا ہوں کہ اس کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان میں عموم، خصوص مطلق کی نسبت ہے، جیسا کہ بعض فضلاء نے اس کی تصریح کی ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ ان میں عموم، خصوص من وجہ کی نسبت ہے، کیونکہ کبھی ایمان بغیر اسلام کے ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص کسی پہاڑ کی چوٹی پر اپنی عقل سے اللہ کی معرفت حاصل کرے اور کسی نبی کی دعوت پہنچنے سے پہلے اللہ کے وجود، اس کی وحدت اور اس کی تمام صفات کی تصدیق کرے، اسی طرح کوئی شخص تمام ضروریات دین پر ایمان لے آئے اور اقرار اور عمل کرنے سے پہلے اچانک مرجائے تو یہ مومن ہے اور مسلم نہیں ہے، کیونکہ اس نے باطنی اور ظاہری طاعت نہیں کی، اور منافقین ظاہری طاعت کرتے تھے اور باطنی طاعت نہیں کرتے تھے تو وہ مسلم تھے مومن نہیں تھے اور صحابہ کرام، تابعین اور بعد کے مسلمان مومن بھی ہیں اور مسلم بھی ہیں، لہذا ایمان اور اسلام میں ایک مادہ اجتماعی اور دو مادے افتراقی ہیں۔

علامہ عینی کا ایمان اور اسلام کو متماثل قرار دینا، صحیح نہیں ہے تحقیق یہ ہے کہ ایمان اور اسلام منہوماً متماثل اور مصداقاً متحد ہیں۔

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں :

ایمان اور اسلام واحد ہیں، کیونکہ اسلام خضوع اور انقیاد ہے، یعنی احکام کو قبول کرنا اور ماننا، اور یہی ایمان کی حقیقت ہے اور اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے :

فَاَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ○
فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ
اس بیتی میں جو مومنین تھے ہم نے ان سب کو نکل لیا تو
ہم نے اس میں مسلمین کے ایک گھر کے سوا (اور کوئی گھر) نہ
(الذاریات: ۳۶-۳۵) پلا۔

اگر اسلام ایمان کا غیر ہو تو اس آیت میں مومنین سے مسلمین کا استثناء صحیح نہیں ہو گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ شریعت میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فلاں شخص مومن ہے اور مسلم نہیں ہے یا مسلم ہے اور مومن نہیں ہے، ایمان اور اسلام کے اتحلو سے ہماری یہی مراد ہے (یعنی ان دونوں کا مصداق واحد ہے، خواہ مفہوم متماثل ہو) اور مثلث کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایمان اور اسلام کو مصداق کے لحاظ سے واحد اور مفہوم کے لحاظ سے متماثل مانتے ہیں، جیسا کہ کفایہ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبروں اس کے اوامر اور نواہی کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے اور انقیاد اور خضوع (طاعت) کا نام

اسلام ہے اور جب تک انسان اللہ تعالیٰ کے لو امر اور نہی کی تصدیق نہیں کرے گا اقتیاد مستحق نہیں ہوگا اس لیے ایمان اسلام سے صدق کے لحاظ سے الگ نہیں ہوتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے :

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا (الحجرات: ۳)

دہاتیوں نے کہا ہم ایمان لائے، آپ فرمائیں تم ایمان نہیں لائے، ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے (مطبع ہوئے ہیں)

اس آیت میں ایمان کے بغیر اسلام کے تحقق کی تصریح ہے، ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ شریعت میں جو اسلام مستحب ہے وہ ایمان کے بغیر مستحق نہیں ہوتا، اور اس آیت میں اسلام کا شرعی معنی مراد نہیں ہے بلکہ لغوی معنی مراد ہے یعنی تم ظاہری اطاعت کر رہے ہو باطنی اطاعت نہیں کر رہے، جیسے کوئی شخص بغیر تصدیق کے کلمہ شہادت پڑھ لے۔ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی ﷺ سے اسلام کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا :

اسلام یہ ہے کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور یہ کہ (حضرت) محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ لو اکرو اور رمضان کے روزے رکھو اور اگر تم کو استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اسلام اعمل کا نام ہے نہ کہ تصدیق قلبی کا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اسلام سے مراد اسلام کے ثمرات اور اس کی علامات ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ عبد القیس کے وفد سے فرمایا : کیا تم جانتے ہو کہ فقط اللہ پر ایمان لانے کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے آپ نے فرمایا، یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور (حضرت) محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ لو اکرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مل غنیمت میں سے خمس لو اکرنا۔ (بخاری)

اس حدیث میں بھی ایمان سے مراد ایمان کی علامات اور اس کے ثمرات ہیں۔

غیب کا معنی

علامہ رافع اسفہانی لکھتے ہیں :

جس چیز کا حواس (خمس) سے لو اک نہ کیا جاسکے اور نہ اس کو ابتداً عقل سے معلوم کیا جاسکے، وہ غیب ہے، اس کا علم صرف انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے سے ہوتا ہے۔ (المفردات ص ۳۶۷، مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ، ایران ۱۳۳۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں :

جو چیز تم سے غائب ہو وہ غیب ہے، ابو اسحق زجاج نے یؤمنون بالغیب کی تفسیر میں کہا ہے : جو چیز متقین سے غائب تھی اور نبی ﷺ نے ان کو اس کی خبر دی وہ غیب ہے، جیسے مرنے کے بعد اللہ جنت، دوزخ، اور ہر وہ چیز جو ان سے غائب تھی اور نبی ﷺ نے ان کو اس کی خبر دی وہ غیب ہے۔ (تاج المعوس ج ۱ ص ۳۸، مطبوعہ المکتبۃ الخیرۃ مصر ۱۳۰۶ھ)

تکذیب کو وہ میں غیب کا صدق

عہ قرطبی لکھتے ہیں :

اس جگہ غیب کے مصداق میں مفسرین کا اختلاف ہے، ایک گروہ نے کہا اس آیت میں غیب سے مراد اللہ سبحانہ ہے، ابن العربی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، دوسرے مفسرین نے کہا اس سے مراد قضاء و قدر ہے، ایک جماعت نے کہا اس سے مراد قرآن اور قرآن میں مذکور غیوب ہیں، بعض علماء نے کہا ہر ایسی چیز جس کی طرف عقل کی رسائی نہیں ہے اور نبی ﷺ نے اس کی خبر دی ہے وہ غیب ہے مثلاً علامات قیامت، عذاب قبر، حشر، نشر، صراط، میزان اور جنت، دوزخ وغیرہ، ابن عطیہ نے کہا یہ اقوال متعارض نہیں ہیں، بلکہ ان سب پر غیب کا اطلاق ہوتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۲۳۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

آیت مذکورہ میں مومنین بالغیب کا مصداق

علامہ سمرقندی لکھتے ہیں :

اس سے مراد صحابہ کرام اور ان کے قیامت تک کے متبعین ہیں کیونکہ وہ قرآن کے غیب کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے، اور اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام قرار دیتے ہیں، حارث بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا اے اصحاب محمد! ہم آپ کو اس لیے افضل سمجھتے ہیں کہ آپ نے سیدنا محمد ﷺ کا دیدار کیا ہے! حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہم تم کو اس لیے افضل سمجھتے ہیں کہ تم آپ پر بن دیکھے ایمان لائے ہو اور افضل ایمان، ایمان بالغیب ہے پھر حضرت عبداللہ نے یہ آیت پڑھی الذین یؤمنون بالغیب

(تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۹۰، مطبوعہ مکتبہ دارالباز، مکہ مکرمہ ۱۴۳۳ھ)

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس نے مجھ کو دیکھا اس کے لیے ایک سعادت ہے، اور جس نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کے لیے سات سعادتیں ہیں۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے، ان میں سے ایک شخص کی یہ خواہش ہوگی کہ کاش وہ اپنے (سارے) اہل اور مال کے بدلہ میں سیری زیارت کر لے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

آیا مخلوق کے علم پر علم غیب کا اطلاق جائز ہے یا نہیں؟

اس آیت میں متیقن کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں یعنی جنت دوزخ وغیرہ کی تصدیق کرتے ہیں اور تصدیق علم کی قسم ہے، اس کا معنی ہے وہ غیب کا علم رکھتے ہیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متیقن کے علم پر علم غیب کا اطلاق فرمایا ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ اس غیب سے مراد غیب المطلق (جمع معلومات الہیہ) نہیں ہے بلکہ غیب کے وہ افراد مراد ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے متیقن کو رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے خبر دی ہے۔ ہمارا مدعا صرف اتنا ہے کہ مخلوق کی طرف علم غیب کا اسناد عقلاً جائز ہے شرک نہیں ہے بہ شرطیکہ اس سے مراد مخصوص غیب ہو، الغیب المطلق (تمام معلومات کا علم) نہ ہو۔

علامہ زحری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

غیب سے مراد وہ عقلی چیز ہے جس کا ابتداء "صرف اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے اور ہم کو اس میں سے صرف ان ہی چیزوں کا علم ہوتا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم دیا ہے یا جن کے علم پر دلیل قائم ہے" اس لیے مطلقاً "یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص کو غیب کا علم ہے اور یہاں غیب سے مراد صانع اور اس کی صفات، امور نبوت، حشر و نشر اور حساب وغیرہ ہیں۔ (کشف ج ۱ ص ۱۷، مطبوعہ مطبعہ بیہ مصر، ۱۳۳۳ھ)

لام رازی لکھتے ہیں :

رہا وہ غیب جس کے حصول پر دلیل قائم ہے تو یہ کہنا ناجائز نہیں کہ ہمیں اس غیب کا علم ہے جس کے حصول پر ہمارے لیے دلیل قائم ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ)

متحد مفسرین نے وعلمناہ من لدنا علما (الکہف : ۶۵) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت خضر کو غیب کا علم تھا۔

علامہ سیوطی شافعی لکھتے ہیں :

حضرت خضر ایک مودتے جو علم الغیب جانتے تھے۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۲۳۱، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ الخجندیہ ایران)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو علم الغیب سے علم عطا فرمایا تھا۔

(زاوالمسیر ج ۵ ص ۲۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں :

ہم نے ان کو اپنا علم لدنی سکھایا، یعنی علم الغیب۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۱ ص ۲۱، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابو سعود حنفی نے اس علم کے متعلق لکھا ہے۔

(تفسیر ابو سعود علی حاشیہ الکبیر ج ۶ ص ۵۲۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ)

یہ غیب کا علم ہے۔

علامہ آلوسی حنفی نے بھی لکھا ہے یہ غیب کا علم ہے۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۳۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ان کے علاوہ علامہ ابن جریر طبری، علامہ ابو حیان اندلسی، علامہ شوکانی ظاہری، علامہ اسماعیل حقی حنفی، علامہ بیضاوی

شافعی اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالی ظاہری نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اسی طرح لکھا ہے۔

ان کے علاوہ بعض دیگر مستند علماء نے مخلوق کی طرف علم غیب کی اصافت کو جائز لکھا ہے۔

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں :

فتماء نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے قرآن مجید کو سنانوں کے ساتھ پڑھا، یا اس سے پوچھا گیا تم غیب جانتے ہو؟

اور اس نے کہا ہاں تو یہ کفر ہے اور جو شخص سفر کے لیے نکلا، اور کو اہل پڑا اور وہ لوٹ آیا تو اس کے کفر میں اختلاف ہے

میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ ان تینوں مسئلوں میں کفر نہیں ہے۔

(روضة الطالبین ج ۷ ص ۲۸۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن حجر کی شافعی لکھتے ہیں :

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں جو کہتا ہوں کہ ”مومن کو غیب کا علم ہے۔“ اس سے میری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اولیاء کو بعض غیب کا علم عطا فرماتا ہے تو اس کا یہ قول مقبول ہو گا کیونکہ یہ عقلاً جائز ہے اور فقلاً واقع ہے، یہ ان جملہ کرامت سے ہے جو شمار سے باہر ہیں۔ بعض اولیاء کو خطاب (الہام) کے ذریعہ غیب کا علم ہوتا ہے، بعض کو کشف حجب کے ذریعہ غیب کا علم ہوتا ہے، اور بعض اولیاء اللہ کے لیے لوح محفوظ کو منکشف کر دیا جاتا ہے اور وہ اس کو دیکھ لیتے ہیں، اور اس پر دلیل کے لیے یہ کافی ہے کہ حضرت خضر بعض کے نزدیک ولی تھے (اگرچہ تحقیق یہ ہے کہ وہ نبی تھے) اور قرآن مجید نے ان کے علم غیب کو بیان کیا ہے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کے حمل کے متعلق خبر دی کہ ان کے ہاں لڑکا ہو گا، اور اسی طرح ہوا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر عجم میں ساریہ اور اس کا لشکر منکشف ہو گیا، اور انہوں نے جمعہ کے دن دور ان خطبہ کہا، اے ساریہ پہاڑ کی لوٹ میں ہو جا، رسلہ قیسری اور عوارف المعارف میں بعض اولیاء کے غیب کی خبر دینے کے بہت واقعات ہیں۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۳۱۷، مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البلبلی ولولادہ مصر ۱۳۵۶ھ)

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں :

شیخ اکبر ابو عبد اللہ نے اپنی کتاب معتقد میں لکھا ہے ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ بندہ اپنے احوال میں ترقی کرتا ہوا مقام روحانیت سے واصل ہو جاتا ہے پھر اس کو غیب کا علم ہوتا ہے۔ (مرقات ج ۱ ص ۳۳، مطبوعہ مکتبہ لدویہ ملتان ۱۳۹۰ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں :

جس شخص نے ایک معاملہ میں یا چند معاملات میں علم غیب کا دعویٰ کیا اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، علامہ نووی نے روضۃ الطالین میں جو تکفیر کی نفی کی ہے اس کا یہی محمل ہے اور جس نے تمام معاملات میں علم کا دعویٰ کیا اس کی تکفیر کی جائے گی اور جن فقہاء نے علم غیب کے مدعی کی تکفیر کی ہے اس کا یہی محمل ہے۔

(رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۳۷، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں :

علامہ ابن حجر مکی نے کہا ہے کہ قرآن مجید کی جن آیتوں میں اللہ کے غیر سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے وہ اس کے منافی نہیں ہیں، کیونکہ انبیاء اور اولیاء کا علم اللہ تعالیٰ کے اعلام (خبر دینے) سے ہے، اور ہمارا علم ان کے اعلام سے ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس علم کا غیر ہے جس کے ساتھ وہ متفرد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی صفات قدیمہ ازلیہ دائمہ لدیہ میں سے ایک صفت ہے جو علامات حدوث، تغیر اور نقص سے منزہ ہے بلکہ وہ علم واحد ہے جس سے اس کو تمام کلیات اور جزئیات اور ماکان و مایکون کا علم ہے (صفت واحدہ امور غیر متماہیہ کے لیے منشاء انکشاف ہے) اور مخلوق کا علم اس طرح نہیں ہے، اور جب یہ معلوم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے جس علم کے ساتھ اپنی مدح کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کے علم میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا وہ یہی علم ہے اور اللہ کے علاوہ اگر کسی کو غیب کا علم ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے اعلام اور اس کی اطلاع سے چند جزئیات کا علم ہے، اور اس وقت مطلقاً یہ نہیں کہا جائے گا کہ ان کو غیب کا علم ہے، کیونکہ ان کے پاس ایسی کوئی صفت نہیں ہے جس کے ساتھ وہ مستقلاً علم غیب کو حاصل کرنے پر قادر ہوں نیز ان کو از خود علم نہیں ہوتا ان کو علم دیا جاتا ہے، اور وہ غیب مطلق کو نہیں جانتے اور ان کو جس چیز کا علم دیا جاتا ہے اس میں فرشتے اور دوسرے بھی ان کے شریک ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا انبیاء اور اولیاء کو بعض غیب کی خبر دینا کسی

جہ سے ہل کو مستحکم نہیں ہے اس لیے اس کا انکار کرنا عقیدہ کے سوا کچھ نہیں۔

(رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۱ھ)

لور علامہ شاہی لکھتے ہیں :

حاصل بحث یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ الغیب المطلق کے علم کے ساتھ متفرد ہے جو تمام معلومات کے ساتھ متعلق ہے، لور وہ اپنے رسولوں کو ان بعض غیب پر مطلع فرماتا ہے جو ان کی رسالت کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں ان کو یہ اطلاع وحی صریح کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے جو واضح لور جلی ہوتی ہے لور اس میں کوئی شک نہیں ہوتا، لور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ وہ اپنے بعض اولیاء کو بھی بعض غیب سے مطلع فرمائے لور یہ اطلاع انبیاء علیہم السلام کی اطلاع سے کم مرتبہ کی ہوتی ہے، بہر حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو غیب مختص ہے وہ الغیب المطلق ہے لور بندہ جس غیب کا مدعی ہوتا ہے وہ غیب حقیقی نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اعلام لور اس کی اطلاع سے ہوتا ہے۔

(رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۱ھ)

لام احمد رضا قادری رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے، اس کی تشریح حاشیہ کشف پر میرید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کر دی ہے لور یہ یقیناً حق ہے کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی ملنے یقیناً کافر ہے۔

(المفہوم ج ۳ ص ۷۷-۷۶، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

علامہ میرید شریف نے حاشیہ کشف پر لکھا ہے :

غیر اللہ کی طرف مطلقاً علم غیب کی نسبت کرنا اس لیے جائز نہیں کہ اس سے مقبلہ ہوتا ہے کہ وہ شخص ابتداءً لور از خود علم غیب رکھتا ہے، لیکن جب مقید کر کے یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم غیب دیا ہے، یا اللہ تعالیٰ نے اس کو غیب پر مطلع کیا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(حاشیہ کشف بر کشف ج ۱ ص ۲۸، مطبوعہ مصر)

نیز لام احمد رضا قادری رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

علم غیب میں عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا (الی قولہ) برابری تو درکنار میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کر دی ہے کہ اگر تمام اولین و آخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الہی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہو سکتی جو ایک قلم کے کروڑوں حصہ کو کروڑ سمندر سے ہے کہ یہ نسبت قہقہ کی قہقہ کے ساتھ ہے لور وہ (علم الہی) غیر قہقہ ہے، غیر قہقہ کو قہقہ سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

(المفہوم ج ۱ ص ۳۶، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

قرآن مجید میں ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا
إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولِهِ (الجن : ۲۶)

وہ عالم الغیب ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں

فرماتا، مگر جن کو اس نے پسند فرمایا ہے جو اس کے (سب) رسول

ہیں۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے، لور اولیاء کو غیب پر

مطلع نہیں فرماتا لور یہ کرکلت اولیاء کے خلاف ہے، علامہ تھتلانی اس کے جواب میں لکھتے ہیں :

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں الغیب سے مراد عموم نہیں ہے (الغیب المطلق مراد نہیں ہے) بلکہ مطلق الغیب مراد ہے (یعنی غیر رسول سے ہر غیب کی نفی مراد نہیں ہے) یا غیب سے مراد غیب خاص ہے اور وہ وقت وقوع قیامت ہے جیسا کہ سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے اور یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض رسل ملائکہ یا رسل بشر کو وقت وقوع قیامت پر مطلع فرمائے (گویا کہ اولیاء کرام کو وقت وقوع قیامت پر مطلع نہیں فرماتا اور باقی غیوب میں سے جس قدر چاہے مطلع فرماتا ہے) اور اگر اس استثناء کو منقطع قرار دیا جائے تو پھر کوئی اشکل نہیں ہے کیونکہ جب اسم جنس مضاف ہو تو وہ بہ منزلہ معرف باللام ہوتا ہے یا یہ کلام سلب عموم کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ہر غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا اور یہ اس کے متلفی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض کو بعض غیوب پر مطلع فرمائے اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ بہ طریقہ وحی صرف رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے تب بھی کوئی اشکل نہیں ہے (کیونکہ اولیاء کو بہ طریقہ الہام غیب پر مطلع فرماتا ہے) خلاصہ یہ ہے کہ مخالفین کا استدلال اس پر قائم ہے کہ یہ کلام عموم السلب کے لیے ہو یعنی اللہ تعالیٰ اپنے غیب میں سے کسی چیز کو کسی فرد پر ظاہر نہیں فرماتا اور یہ لازم نہیں ہے۔

(شرح مقاصد ج ۵ ص ۷۷-۷۶، مطبوعہ منشورات الشریف اہل ان ۱۳۰۹ھ)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

حق کی آنکھ سے کل کا مشاہدہ کرنا غیب ہے، کبھی قرب نوافل کی وجہ سے بندہ پر کرم ہوتا ہے اور حق سبحانہ اس کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے کلن ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اور قرب فرائض کے بعد وہ اور ترقی کرتا ہے، پھر وہاں ایسا نور ہو جاتا ہے کہ اس کے لیے غیب شہود ہو جاتا ہے اور جو چیزیں ہمارے سامنے سے غائب ہوں وہ اس کے سامنے حاضر ہو جاتی ہیں، اس کے بلوجود جو شخص اس مقام پر واصل ہو، میں اس کے حق میں یہ کہنا جائز نہیں قرار دیتا کہ اس کو غیب کا علم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ (النمل: ۶۵)

فرمادیجئے! اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی (بہ ذات خود) غیب کو نہیں جانتا۔
(روح المعانی ج ۱ ص ۱۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

حق یہ ہے کہ جس علم کی اللہ کے غیر سے نفی ہے یہ وہ علم ہے جو بذاتہ ہو اور بلا واسطہ ہو اور جو علم خواص کو حاصل ہے وہ اللہ عز و جل کے افاضہ کرنے کی وجہ سے ہے، اس لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ انہوں نے بذاتہ اور بلا واسطہ غیب کو جان لیا، بلکہ یہ کفر ہے، اس لیے یہ کہا جائے گا کہ ان پر غیب ظاہر کیا گیا یا وہ غیب پر مطلع کئے گئے، ہرچند کہ عقلاً یہ کہنا جائز ہے کہ انہیں غیب کا علم دیا گیا سو انہیں غیب کا علم ہے یا وہ غیب جانتے ہیں لیکن اس کا استعمال شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی ظاہر آیات سے تصادم اور تعارض ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ اور اس میں سوء اوب بھی ہے۔
(روح المعانی ج ۱ ص ۲۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو علی حسب المراتب غیب کی خبروں پر مطلع فرمایا ہے لیکن غیب مطلق (یعنی تمام معلومات کا احاطہ کللہ) یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اسی کو غیب مطلق کا علم ہے، اور غیب کی جن خبروں پر اللہ نے اپنے خواص کو مطلع فرمایا ہے، ان کے اعتبار سے ان بندوں کو غیب کا علم ہے، لیکن اس کو علم الغیب کہنا درست نہیں ہے کیونکہ ان کو ایسی صفت حاصل نہیں ہے جس سے ان پر ہر غیب منکشف ہو، یہ علامہ شامی کی بیان کردہ توجیہ ہے، اور علامہ آلوسی کی توجیہ یہ ہے کہ اگرچہ ان کو بعض غیوبات پر مطلع کیا گیا لیکن ظاہر آیات سے تعارض کی بناء پر یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ان کو غیب کا علم ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ان کو غیب پر مطلع کیا گیا ہے یا ان پر غیب ظاہر کیا گیا ہے، اور امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ کی تحقیق ہے کہ مطلقاً "علم غیب بولا جائے تو اس سے علم ذاتی مراد ہوتا ہے" اس لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص کو علم غیب ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر بعض غیوب کو ظاہر فرمایا، آپ کو بعض غیوب پر مطلع کیا گیا یا آپ کو غیب کی خبریں دی گئیں، اور جن علماء اور فقہاء کی عبارات میں مخلوق کی طرف علم غیب کا اسناد کیا گیا ہے، وہاں چونکہ غیب سے مراد غیب مطلق نہیں ہے اس لیے وہ عبارات عقلاً جائز ہیں اور کفر و شرک نہیں ہیں لیکن ایسا کہنا شرعاً مستحسن نہیں ہے۔

جس غیب کی خبر دے دی جائے آیا وہ غیب رہا یا نہیں؟

ایک عام سوال یہ کیا جاتا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو غیب کی خبر دے دی گئی تو پھر وہ غیب نہ رہا، اور اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ غیب ایک امر اضافی ہے سو جن لوگوں کو اس کی خبر نہیں دی گئی ان کے اعتبار سے وہ غیب ہے، جیسے اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں سو اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا بھی اضافی ہے یعنی جو چیز ہمارے اعتبار سے غیب ہے وہ اس کا عالم ہے، لیکن یہ سوال و جواب غیب کے لغوی معنی کے اعتبار سے ہیں، غیب کے اصطلاحی معنی کے اعتبار سے یہ سوال وارد نہیں ہوتا، کیونکہ غیب کا اصطلاحی معنی ہے جو چیز حواس خمسہ (علویہ) اور بدامت عقل سے معلوم نہ ہو سکے، اور جس غیب کی خبر دے دی جائے وہ پھر بھی غیب ہے کیونکہ اس کو حواس خمسہ اور بدامت عقل سے معلوم نہیں کیا جاسکتا، مثلاً ہم کو جنت، دوزخ اور قیامت کی خبر دے دی گئی لیکن یہ چیزیں پھر بھی غیب ہیں کیونکہ ہم ان کو حواس خمسہ سے معلوم نہیں کر سکتے نہ بدامت عقل سے جان سکتے ہیں، اگر یہ سوال کیا جائے کہ صاحب قوت قدسیہ تو ان مغیبت کا مشاہدہ کر لیتا ہے اس کے لیے یہ چیزیں غیب نہ رہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیزیں اس کے لیے بھی غیب ہیں کیونکہ وہ بھی اپنے حواس خمسہ علویہ سے ان چیزوں کو نہیں جان سکتا اس نے ان کو غیر معمولی اور غیر علوی قوتوں سے جانتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ جو چیز انسان کے حواس خمسہ (علویہ) اور اس کی بدامت عقل سے معلوم نہ کی جاسکے، وہ اس کا عالم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ حواس خمسہ اور عقل سے پاک اور منزہ ہے۔

وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ

اور نماز قائم رکھتے ہیں

ایمان بالغیب کے بعد اس آیت میں متقین کی دوسری صفت بیان کی ہے کہ وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں۔

صلوة کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

صلوة، عبادت مخصوصہ (نماز) کا نام ہے، اس کی اصل دعا ہے اور چونکہ اس عبادت کا ایک جز دعا ہے، اس لیے کل کو جز کا نام دے دیا گیا، کوئی شریعت صلوٰۃ سے خالی نہیں رہی اگرچہ اس کی ہیئت مختلف شریعتوں میں مختلف تھی، عبادت کی جگہ کو بھی صلوٰۃ کہتے ہیں، اس لیے کلیسا پر بھی صلوٰۃ کا اطلاق کیا جاتا ہے، قرآن مجید میں ہے :

لَهْدِمَتْ صَوَامِعُ وَبَيْعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ

تو ضرور گرا دی جاتیں راہبوں کی خانقاہیں مگر بے اور کلیسے

(الحج: ۳۰) اور مسجدیں

(المفردات ص ۲۸۶-۲۸۵، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ، ایران ۱۳۳۲ھ)

اقامت صلوٰۃ کے معنی اور محال

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ جب کسی چیز کو اس کے تمام حقوق و فرائض اور اس کے تمام ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ ادا کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس کو اقامت کے ساتھ تعبیر فرماتا ہے، قرآن کریم میں ہے :

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ط

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس (کلام) کو

(قائم رکھتے) جو ان کے رب کی طرف سے ان کے لیے نازل کیا

گیا ہے تو وہ ضرور اپنے اوپر سے کھاتے اور اپنے پاؤں تلے سے

(المائدہ: ۲۱)

(کھاتے)

اسی دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ط

(الشوری: ۳)

اگر تم کو یہ خوف ہو کہ وہ دونوں (میاں، بیوی) اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت کے بدل خلع میں ان پر کوئی حرج نہیں ہے۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يَقِيْمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ (البقرہ: ۲۲۹)

اور انصاف کے ساتھ وزن کو قائم رکھو اور تولنے میں کمی نہ کرو۔

وَاقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ (الرحمان: ۹)

اس اعتبار سے اقامت صلوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ نماز کی تمام شرائط پوری کی جائیں، اس کے تمام فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کے ساتھ نماز کی تمام ظاہری حدود پوری کی جائیں، اور نماز میں اوھر اوھر کی سوچ و بچار نہ ہو، اور نماز کے دوران دنیاوی منصوبوں اور دنیاوی خیالات میں منہمک اور مستغرق نہ ہو، وہ صرف یہ سوچے کہ وہ اللہ کے دربار میں کھڑا ہے اور اس سے مناجات کر رہا ہے، فقط اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور دوران نماز اس کا ڈر اور خوف دامن گیر رہے یہ نماز کی باطنی حدود ہیں اور اسی کا نام خشوع ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وہ لوگ جو اپنی نمازیں خشوع سے پڑھتے ہیں۔

الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ

(المؤمنون: ۲)

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

ثم قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
من توضأ نحو وضوئي هذا ثم صلى ركعتين
لا يحدث فيهما نفسه غفر له ما تقدم من ذنبه
پھر حضرت عثمان بن عفان نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا جس نے میرے اس طریقہ سے وضو کیا پھر اس طرح
دو رکعت نماز پڑھی کہ اس میں اپنے دنیوی کاموں کے
منصوبے بنائے اور نہ ان میں سوچ و بچار کی تو اس کے
پچھلے تمام گنہ بخش دیئے جائیں گے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

عن انس قال قال النبي صلى الله عليه
وسلم ان احكم انا صلى بنا جبريه الحديث
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا
بے شک جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو وہ
اپنے رب سے چپکے چپکے ہمکلام ہوتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

نیز اقام العود کا معنی ہے گیلی لکڑی کی کچی کو آگ کی گرمی پہنچا کر سیدھا کرنا، اس لحاظ سے اقامت صلوٰۃ کا
معنی ہے ہر قسم کی کمی اور کچی سے افضل نماز کی حفاظت کرنا، قرآن مجید میں ہے :
وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ

اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

(المومنون: ۹)

اقام کا معنی کسی چیز کو دانا کرنا بھی ہے، اس لحاظ سے اقامت صلوٰۃ کا معنی ہے نماز کو پابندی کے ساتھ ہمیشہ پڑھنا۔
قرآن مجید میں ہے۔

الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ كَانُوا مُتَمِرِينَ (المعارج: ۲۳)

اقام الامر کا معنی کسی چیز کو شوق کی فرلونی، پوری توجہ اور دلچسپی سے کرنا بھی ہے، اس لحاظ سے اقامت
صلوٰۃ کا معنی ہے نماز کو اس کے وقت پر پوری توجہ، شوق اور اسماک سے پڑھنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سستی اور غفلت کے
ساتھ نماز پڑھنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔

فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ
سَاهُونَ (الماعون: ۵)

وَلَا تَقَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَى
مِثْلَ مَوْتٍ النَّاسِ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا
اور جب متفق نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی
سے کھڑے ہوتے ہیں (مصل) لوگوں کو دکھانے کے لیے اور
صرف تمہارا اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ (النساء: ۳۳)

خلاصہ یہ ہے کہ نماز قائم کرنے کا معنی ہے نماز کو اس کے ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ پڑھنا، ہر قسم کی کمی اور
کچی سے نماز کی حفاظت کرنا، نماز کو پابندی اور دوام کے ساتھ پڑھنا اور نماز کو اپنے وقت پر شوق اور توجہ سے پڑھنا۔
یہ درجہ تکمیل کی فریست کی کیفیت کا بیان

علامہ حنفی حنفی لکھتے ہیں :

بعثت سے پہلے نبی ﷺ کسی مخصوص نبی کی شریعت پر عمل نہیں کرتے تھے، بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یا کسی اور نبی کی شریعت میں سے جو چیز آپ کے کشف (یا احتمال) کے مطابق ہوتی تھی، آپ اس پر عمل کرتے تھے اور حدیث صبح میں ہے کہ آپ غار حرا میں عبلت کرتے تھے (بخاری)

(الدر المختار علی رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں :

غار حرا میں آپ کی عبلت کئی انواع پر مشتمل تھی، لیگوں سے تخلیہ، اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور غور و فکر، اور بعض علماء نے کہا ہے کہ غار حرا میں آپ کی عبلت صرف فکر تھی۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ سیلی لکھتے ہیں کہ امام ابو نعیم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ :

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور وضو کی تعلیم دی، حضرت جبریل وضو کرتے تھے اور نبی ﷺ ان کو وضو کرتے ہوئے دیکھتے رہے، پھر نبی ﷺ نے اسی طرح وضو کیا، پھر جبریل علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور نبی ﷺ نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

(الروض الانف ج ۱ ص ۲۳۳، مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان)

اس طرح پہلی وحی کے ساتھ نماز کی ابتدا ہو گئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ شب معراج سے پہلے صرف رات کی ایک نماز فرض تھی اور اس میں وقت کی کوئی تحدید نہیں تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

يَا أَيُّهَا الْمَرْمِلُ ۝ قُمْ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝
نِصْفَهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ
الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ (المزمل: ۱-۴)

علامہ حنبلی نے کہا ہے کہ پہلے دو نمازیں فرض تھیں، دو رکعت صبح (طلوع آفتاب سے پہلے) کی نماز فرض تھی اور دو رکعت شام (غروب آفتاب سے پہلے) کی نماز فرض تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (آل عمران: ۴۱)
اور امام شافعی نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ پہلے پوری رات کی نماز فرض تھی پھر حسب ذیل آیت سے پوری رات کا قیام منسوخ ہو گیا اور رات کے بعض حصہ کا قیام فرض ہو گیا :

عَلِمَ أَنَّ لَنْ تُحْصَوْهُ فَنَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا
مَا نَزَّلَ مِنْهُ مِنَ الْقُرْآنِ (المزمل: ۲۰)
اللہ کو علم ہے (اے مسلمانو!) تم پوری رات کا ہرگز احاطہ نہ کر سکو گے تو وہ رحمت سے تم پر متوجہ ہوا سو اس میں سے جتنا آسان ہو، پڑھ لیا کرو۔

اور جب شب اسراء کو پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو رات کے اس حصہ کے قیام کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔

(الحج المبرور ج ۱ ص ۳۷۵، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۳۸۱ھ)

علمہ سہلی لکھتے ہیں :

معراج ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے ہوئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پہلے نماز دو، دو رکعت فرض ہوئی تھی، پھر سفر میں یہ تعدد اور قرار رہی اور حضر میں رکعت کی تعدد اور بڑھادی گئی، ہجرت کے ایک سال بعد یہ تعدد اور بڑھائی گئی تھی۔ (الروض للانف ج ۱ ص ۲۲۳-۲۲۲، مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان)

عبوات میں نماز کی جامعیت

نماز اسلام کی تمام عبوات کی جامع ہے، نماز میں توحید و رسالت کی گواہی ہے، راہ خدا میں مل خراج کرتا ہے، قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے، دوران نماز کھانے پینے کو ترک کرنا اور نفسانی خواہشوں سے باز رہنا ہے اور ان امور میں زکوٰۃ، حج اور روزہ کی طرف اشارہ ہے، قرآن کریم کی تلاوت ہے، اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور اس کی تعظیم ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام اور آپ کی تکریم ہے، آخر میں سلام کے ذریعہ مسلمانوں کی خیر خواہی ہے، اپنے اور دوسرے مسلمانوں کے لیے دعا ہے، اخلاص ہے، خوف خدا ہے، تمام برے کاموں سے بچتا ہے، شیطان سے، نفس کی خواہشوں سے اور اپنے بدن سے جہاد ہے، احکام ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان ہے، اپنے گناہوں کا اعتراف اور استغفار ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، مراقبہ ہے، مجاہدہ ہے، مشاہدہ ہے اور مومن کی معراج ہے۔

قرآن کریم میں نوے سے زیادہ مرتبہ نماز کا ذکر کیا گیا ہے، اسلام میں سب سے پہلی عبوات نماز ہے، یہ صرف نماز کی خصوصیت ہے کہ وہ امیر و غریب، بوڑھے اور جوان، مرد اور عورت، صحت مند اور بیمار ہر ایک پر یکساں فرض ہے، یہی وہ عبوات ہے جو کسی محل میں ساقط نہیں ہوتی، اگر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھو، اگر بیٹھ بھی نہیں سکتے تو لیٹ کر پڑھو، اگر قیام نہیں کر سکتے تو چلتے ہوئے پڑھو، حالت جنگ یا سفر میں اگر سواری سے اتر نہیں سکتے تو سواری پر پڑھو، بہر حال نماز کسی محل میں مسلمان سے ساقط نہیں ہوتی۔

قرآن مجید اور احادیث میں نماز پڑھنے کی تاکید

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اور نماز قائم رکھو اور تم مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

وَأَقِمْوَا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ

الْمُشْرِكِينَ (الروم: ۳۱)

(جنتی مجرموں سے سوال کریں گے) تم کو کس چیز نے

مَاسَلَكَكُمْ فِي سَفَرٍ ۚ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ

دو رخ میں داخل کر دیا؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے

الْمُصَلِّينَ (المشر: ۴۳-۴۲)

نہ تھے۔

لام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کسی شخص اور اس کے کفر اور شرک کے درمیان نماز کو ترک

کرتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی، ۱۴۰۵ھ)

یعنی نماز کو ترک کرنا کافروں اور مشرکوں کا کام ہے۔

لام نسائی روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ سے قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے، اگر وہ مکمل ہوئی تو مکمل لکھی جائے گی اور اگر اس میں کچھ کمی ہوئی تو کما جائے گا دیکھو کیا اس کی کچھ نقلی نمازیں ہیں جن سے اس کے فرض کی کمی کو پورا کر دیا جائے، پھر باقی اعمال کا اسی طرح حساب لیا جائے گا۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۸۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ)

امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دواؤد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات سال کی عمر میں اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو، اور دس سال کی عمر میں ان کو مار مار کر ان سے نماز پڑھاؤ، اور ان کے بستر الگ الگ کرو۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۷۱، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۷، ۱۸۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس مرض میں رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اس میں آپ بار بار فرماتے تھے، نماز اور غلام۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۷۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام محمد بن سعد روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نزع روح کے وقت جب اپنی جان کی سختی فرما رہے تھے تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے نماز اور غلام۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۵۳، مطبوعہ دار صادر بیروت)

امام احمد روایت کرتے ہیں :

ابو عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا، انہوں نے ایک خشک شاخ پکڑ کر اس کو ہلایا حتیٰ کہ اس کے پتے گرنے لگے پھر انہوں نے کہا اے ابو عثمان کیا تم مجھ سے سوال نہیں کرو گے کہ میں نے ایسا کیوں کیا! میں نے کہا آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا تھا، میں آپ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا، آپ نے ایک خشک شاخ کو پکڑ کر اسے ہلایا حتیٰ کہ اس کے پتے جھڑنے لگے، آپ نے فرمایا اے سلمان! کیا تم مجھ سے سوال نہیں کرو گے کہ میں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا جب مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے اور پانچ وقت کی نمازیں پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے گر رہے ہیں پھر آپ نے یہ آیت پڑھی :

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفًا مِّنَ اللَّيْلِ

دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز کو

لَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىَٰ يَدْعُوْنَ إِلَىٰ ذَٰلِكُمُ الْكَرْبَىٰ قَامَ رَكْعُوْا بَعْدَ نِيْلٍ بِرَأْيِهِمْ كَوْنَهُمْ فِيْ هَٰذَا لَوْ كَانُوا يَدْرُسُوْنَ
لِلنَّاسِ كَرِهَتْ (هود: ۳)

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۹-۳۳۸-۳۳۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ)

اس حدیث کو امام دارمی (۱) اور امام طبرانی (۲) نے بھی روایت کیا ہے :

حفظ البیہقی لکھتے ہیں :

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور امام طبرانی نے اس حدیث کو معجم لوسط اور معجم کبیر میں روایت کیا ہے
امام احمد کی سند میں ایک راوی علی بن زید ہے اس کی روایت سے استدلال میں اختلاف ہے اور اس کی سند کے بقیہ راوی
صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۹۸ مطبوعہ دار الکتب العربی ۱۴۰۲ھ)

حفظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

ابو داؤد بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب بندہ نماز پڑھتا ہے تو اس کے سر کے اوپر اس کے
گنہ جمع ہو جاتے ہیں اور جب وہ سجدہ کرتا ہے تو گنہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں اس
حدیث کو امام ابن زنجویہ نے روایت کیا ہے۔ (جامع الاصل ص ۵۸-۵۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام ابن عساکر حضرت ابو امامہ ہاشمی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص وضو کرے اور
تین بار اپنے ہاتھوں کو دھوئے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں کے ہر گنہ کو مٹا دیتا ہے اور جو کھلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے تو
اللہ تعالیٰ اس کی زبان اور ہونٹوں کے ہر گنہ کو مٹا دیتا ہے اور جو اچھی طرح وضو کرے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھے
وہ گناہوں سے اس طرح صاف ہو جاتا ہے جس طرح اپنی مل کے بطن سے پیدا ہوا ہو راوی نے پوچھا آپ نے اس حدیث
کو رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے؟ فرمایا ایک 'دو' تین 'چار' پانچ 'چھ بار نہیں بے شمار مرتبہ سنا ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۰ مطبوعہ دار الفکر دمشق ۱۴۰۳ھ)

تارک نماز کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں :

جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار نہ کرتا ہو لیکن نماز کا تارک ہو اور کہنے کے باوجود بھی نماز نہ پڑھتا ہو اس کے
مقتل امام احمد 'اسحق' اور ابن المبارک نے یہ کہا ہے کہ وہ کافر ہو گیا اور اس کو قتل کرنا واجب ہے اور امام مالک اور امام
شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس شخص کو حد اقل قتل کر دیا جائے اور امام ابو حنیفہ اور اہل ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ اس کو قید کیا
جائے اور اس پر تعزیر لگائی جائے حتیٰ کہ وہ نماز پڑھنے لگے۔

اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان کو تین وجہ کے سوا اور کسی وجہ سے قتل کرنا جائز نہیں ہے ایمان کے بعد کفر کرے یا
شادی شدہ شخص زنا کرے یا کسی شخص کو بغیر بدلہ کے قتل کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱) امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی حنفی ۴۵۵ھ سنن دارمی ج ۱ ص ۳۸ مطبوعہ نشر السنۃ لمن

(۲) امام ابو حامد سلیمان بن احمد طبرانی حنفی ۴۵۳ھ معجم کبیر ج ۶ ص ۲۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

یہ حدیث امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ہمارے اور ان کے درمیان (سلامتی کا) عہد نماز ہے سو جس شخص نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا (ترمذی و نسائی) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : بندہ اگر کفر اور شرک کے درمیان نماز کا ترک کرتا ہے۔ (صحیح مسلم)

یہ حدیثیں امام احمد، اسحاق اور ابن المبارک کی دلیل ہیں جو تارک نماز کو کافر قرار دیتے ہیں اور اس کے کفر کی وجہ سے اس کے قتل کو واجب قرار دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہ اس حدیث کو تفسیر اور زبردستی پر محمول کرتے ہیں اور یہ تاویل کرتے ہیں کہ نماز کو ترک کرنا کافروں کا فعل ہے اور یہ صورت ”کفر ہے حقیقتہً“ کفر نہیں ہے اور امام مالک اور امام شافعی جو تارک نماز کے حداثہ قتل کرنے کو واجب کہتے ہیں ان کا قول ضعیف ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں ہے البتہ ایک ضعیف قیاس ہے کہ سب سے بڑا حکم نماز کا ہے اور سب سے بڑی نہی قتل کی ہے۔ اور امام احمد وغیرہ جو تارک صلوٰۃ کو کافر کہتے ہیں یہ قول خارجیوں کے مذہب کے مشابہ ہے جو گناہوں کی وجہ سے مومن کی تکفیر کرتے ہیں۔

(بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۶۵-۶۶، ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تارک نماز کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ مروادی حنبلی لکھتے ہیں :

اگر کسی شخص نے نماز کی فرضیت کا انکار کئے بغیر سستی سے نماز کو ترک کیا تو اس کو نماز پڑھنے کی دعوت دی جائے اگر وہ نماز کا وقت تنگ ہونے تک نماز نہ پڑھے تو اس کو قتل کرنا واجب ہے، یہی مذہب ہے اور اسی پر جمہور اصحاب کا عمل ہے، ابو اسحاق بن شافلانہ کہا اگر اس نے ایک نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت بھی نکل گیا تو اس کو قتل کرنا واجب ہے، یہ قول حسن ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ تین نمازیں ترک کرے اور چوتھی کا وقت تنگ ہو جائے تو اس کو قتل کرنا واجب ہے اور ایک روایت میں تین دن کی نمازوں کا ذکر ہے۔

(الانصاف ج ۱ ص ۴۰۱، ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نماز پڑھنے کی دعوت امام یا اس کے نائب کی طرف سے دی جائے گی اگر دعوت سے پہلے اس نے کثیر نمازیں بھی ترک کی ہوں تو اس کو قتل کرنا واجب نہیں ہے، اس کی توبہ نماز پڑھنا ہے۔

(الانصاف ج ۱ ص ۴۰۲، ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۲ھ)

آیا اس کو قتل حداثہ کیا جائے گا یا کفر؟ اس میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ اس کو کفر کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور یہی مذہب ہے اور اکثر فقہاء کا مختار ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس کو حداثہ قتل کیا جائے گا اور یہ بعض فقہاء کا مختار ہے، اور مذہب حنبلیہ کے مطابق اس کا حکم کفار کا حکم ہے، اس کو غسل دیا جائے گا نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی نہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا وہ کسی کا وارث ہو گا نہ اس کا کوئی وارث ہو گا، اور وہ مرتد کی مثل ہے۔

(الانصاف ج ۱ ص ۴۰۵-۴۰۴، ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۲ھ)

نماز کے علاوہ اور کسی عبادت کو سستی سے ترک کیا تو یہ کفر نہیں ہے۔

(الانصاف ج ۱ ص ۴۰۳، ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۲ھ)

فقہ حنبلیہ کا تارک نماز کو کافر قرار دینا صحیح نہیں ہے اور یہ مذہب خارجیوں کے مذہب کے مشابہہ ہے، ایمان کی بحث میں ہم خارجیوں کے مذہب کا رد کر چکے ہیں۔
تارک نماز کے حعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ
علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں :

جس شخص نے نماز کی فرضیت کا انکار کیا وہ مرتد ہے اور اس پر مرتدین کے احکام جاری ہوں گے۔
جس شخص نے کسی عذر کی وجہ سے نماز کو ترک کیا مثلاً نیند یا نسیان کی وجہ سے تو اس پر فقط قضا ہے اور اس کے لیے وقت میں وسعت ہے۔ جس شخص نے بغیر کسی عذر کے سستی کی وجہ سے نماز کو ترک کیا تو صحیح قول یہ ہے کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور مثلاً قول یہ ہے کہ وہ منکر نماز کی طرح مرتد ہے۔
صحیح قول کی بناء پر نماز کے تارک کو حد "قتل کیا جائے گا" اس کو کب قتل کیا جائے؟ صحیح قول یہ ہے کہ جب وہ ایک نماز کو ترک کر دے اور اس کا وقت تنگ ہو جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا، دو سراقول یہ ہے کہ جب دوسری نماز کا وقت تنگ ہو جائے تیسرا قول یہ ہے کہ جب چوتھی نماز کا وقت تنگ ہو جائے، چوتھا قول یہ ہے کہ جب وہ چار نمازیں ترک کر دے، پانچواں قول یہ ہے کہ جب وہ سستی کی وجہ سے نمازیں ترک کرنے کا علوی ہو جائے لیکن مذہب پہلا قول ہے۔
صحیح یہ ہے کہ اس کو مرتد کی طرح نکوار سے قتل کیا جائے گا۔

(روندہ الطالین ج ۱ ص ۲۱۸-۲۱۶ ملخصاً مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

جب تارک نماز کو قتل کیا جائے تو اس کو غسل دیا جائے گا، کفن پہنایا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور مسلمانوں کی طرح اس کی قبر بنائی جائے گی جیسا کہ باقی مرتکبین کبیرہ کے لیے کیا جاتا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو نہ غسل دیا جائے گا نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی نہ اس کو کفن پہنایا جائے گا اور اس کی قبر مٹا دی جائے گی۔

(روندہ الطالین ج ۱ ص ۳۳۳ مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی نے بھی تارک نماز کے متعلق یہی تفصیل لکھی ہے۔

(نہایت المحتاج ج ۲ ص ۳۲۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۳ھ)

نیز علامہ نووی لکھتے ہیں :

تارک نماز کو حد "قتل کرنے کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے :

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَجَدْتُمُوهُمْ
وَحُلُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ
فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا
سَبِيلَهُمْ (النوبہ : ۵)

تم مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ، قتل کرو، ان کو گرفتار کرو اور ان کا محاصرہ کرو۔ اور ان کی ہر گھلت کی جگہ بیٹھو، سو اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ لو اکریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے لوگوں سے قتل (جنگ) کرنے کا حکم دیا ہے حتیٰ کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ لو اکریں، جب وہ ایسا کریں گے، تو مجھ سے اپنی جانیں اور مالیں کو محفوظ کر لیں گے (صحیح بخاری و مسلم) اور حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا مجھے

نمازیوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص نماز نہ قائم کرے اس کو قتل کرنے کا حکم ہے، اور پہلی حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ جو نماز نہ پڑھے اس سے قتل کرنے کا حکم ہے اور دوسری حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ جو تارک نماز ہو اس کو قتل کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔ (شرح المہذب ج ۱ ص ۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء شافعیہ کے دلائل کے جوابات

اس آیت سے علامہ نووی نے جو استدلال کیا ہے، فقہاء احناف نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ ان کا استدلال مفہوم مخالف سے ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک مفہوم مخالف سے استدلال صحیح نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ لیا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر وہ نماز نہ پڑھیں تو ان کا راستہ نہ چھوڑ دو، اور راستہ نہ چھوڑنے کو قتل کرنا لازم نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو گرفتار کر کے ان کو قید کیا جائے یا مارا پیٹا جائے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر راستہ نہ چھوڑ دو کا مطلب قتل کرنا ہو تو پھر تارک نماز کی طرح تارک زکوٰۃ کو بھی حد "قتل کرنا واجب ہونا چاہئے کیونکہ اس آیت میں دونوں کا ذکر ہے حالانکہ امام شافعی تارک زکوٰۃ کو قتل کرنے کے قائل نہیں ہیں، چوتھا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مسلمان تارک نماز کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا اور بحث اسی میں ہے۔

علامہ نووی نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے جو حدیث ذکر کی ہے اس میں بھی مفہوم مخالف سے استدلال ہے، علاوہ ازیں اس میں تارک نماز سے قتل اور جنگ کرنے کا حکم دیا ہے اس کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا، اور تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں نماز اور زکوٰۃ دونوں کا ذکر ہے، اس لیے شافعیہ کا تارک نماز اور تارک زکوٰۃ میں فرق کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

علامہ نووی نے سنن ابوداؤد کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس میں بھی مفہوم مخالف سے استدلال ہے علاوہ ازیں اس حدیث کے متعلق علامہ نووی نے خود لکھا ہے : یہ حدیث ضعیف ہے اس میں ایک مجہول رولوی ہے۔ (شرح المہذب ج ۱ ص ۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تارک نماز کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ حطاب مالکی لکھتے ہیں :

جس شخص نے کئی نمازیں عمداً ترک کیں حتیٰ کہ ان کا وقت نکل گیا، اگر وہ ان کے متعلق سوال کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ وہ استغفار کرے اور ان نمازوں کی قضا کرے، اور جس شخص کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ سستی اور لاپرواہی کی وجہ سے نمازوں کو ترک کرتا ہے، اسے نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے گا اور اگر اس نے نماز نہیں پڑھی تو اس کو دھمکایا جائے گا اور مارا پیٹا جائے گا اگر اس کے بعد بھی اس نے نماز نہیں پڑھی تو اس کو حد "قتل کر دیا جائے گا نہ کہ کفر" بہ شرطیکہ وہ نماز کی فرضیت کا اقرار کرتا ہو اور منکر نہ ہو، ابن التلمسانی نے اپنی شرح میں ابن العربی سے نقل کیا ہے کہ روزہ بھی نماز کی طرح ہے اس کے تارک کو بھی قتل کیا جائے گا، ذخیرہ میں لکھا ہے کہ امام مالک کے نزدیک روزہ اور نماز کا تارک قتل کیا جائے گا اور امام شافعی اور عرافیین کے نزدیک تارک زکوٰۃ کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ زکوٰۃ جبراً لی جاسکتی ہے۔

(موسم الجلیل ج ۱ ص ۳۳۱-۳۳۰ کتب المجلع لیبیا)

علامہ غرشی مالکی لکھتے ہیں :

اگرچہ تارک نماز یہ کہے کہ میں نماز پڑھوں گا اور بدستور نماز ترک کرتا رہے، اور نماز شروع نہ کرے، پھر بھی اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ مذہب کے نزدیک قولاً "اور فعلاً" امتناع اور صرف فعلاً "امتناع میں کوئی فرق نہیں ہے" اس کو نماز کے ترک کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور نماز کا ترک محقق ہے۔ (الغرشی علی مختصر ظلیل ج ۱ ص ۲۲۷ مطبوعہ دار صلاہ بیروت)

علامہ درویر مالکی لکھتے ہیں :

تارک نماز کو تلوار سے حد "قتل کیا جائے گا اس کی نماز جنازہ کوئی فاضل عالم نہیں پڑھائے گا اور اس کی قبر قائم رکھی جائے گی اس کو ہموار نہیں کیا جائے گا۔ (الشرح الکبیر علی حاشیۃ لدسوق ج ۱ ص ۱۹۱-۱۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء مالکیہ کا جواب بھی وہی دلائل ہیں جن کو ہم نے فقہاء شافعیہ کے رد میں ذکر کیا ہے کیونکہ مالکیہ اور شافعیہ دونوں اس کے قائل ہیں کہ تارک نماز کو حد "قتل کر دیا جائے گا اور بقول قاضی ابن رشد مالکی اس نظریہ پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ تارک نماز کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ محمد بن علی بن محمد حکنی حنفی لکھتے ہیں :

جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے، اور جو شخص نماز کو عدا "سستی سے ترک کرے وہ فاسق ہے" اس کو قید کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ نماز پڑھنے لگے، کیونکہ بندہ کو بندوں کے حق کے بدلہ میں قید کیا جاتا ہے تو اللہ کے حق کے بدلہ میں بندہ کو قید کرنے کا زیادہ حق ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کو اس حد تک مارا جائے کہ اس کا خون بننے لگے۔

(لدر المختار علی رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن عبدین شامی لکھتے ہیں :

لام محبوبی نے کہا ہے کہ تارک نماز کو مارا جائے، اور حلیہ میں لکھا ہے کہ یہی مذہب ہے اور کہا بشمول زہری ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ تارک نماز کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر تعزیر لگائی جائے گی اور اس کو قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ مرجعے یا توبہ کرے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

فقہاء احناف کے موقف پر دلیل

فقہاء احناف تارک نماز کو فاسق کہتے ہیں اور اس کو حد "یا کفر" قتل کرنے کے قائل نہیں ہیں ان کے موقف پر یہ

حدیث صراحہ "دلائل کرتی ہے" لام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت عبلہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ عزوجل نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جس نے انہیں طرح ان کا وضو کیا اور ان نمازوں کو ان کے وقت میں پڑھا اور ان کے رکوع اور شروع کو مکمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے (اپنے کرم سے) اس کو بخشے گا ذمہ لیا ہے اور جس نے ایسا نہیں کیا تو اس کا اللہ تعالیٰ پر کوئی ذمہ نہیں، اگر وہ

چاہے تو اس کو بخش دے اور چاہے تو اس کو عذاب دے۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۶۱ مطبوعہ مطبع مجلی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو لام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۲، ۳۱۷ مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ)

اس حدیث کو حافظ سیوطی نے لام ابو داؤد اور لام بیہقی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

(الجامع لاحديث الكبير ج ۳ ص ۲۹۰، مطبوع دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

علامہ نووی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں : اس حدیث کو امام ابو داؤد اور دیگر ائمہ حدیث نے اسناد مجہولہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔
(شرح المذہب ج ۱ ص ۷۱، مطبوع دار الفکر بیروت)

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۳﴾

اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں ۵

اس آیت میں متقین کی تیسری صفت بیان کی گئی ہے۔

رزق کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

رزق کا معنی ہے 'عطا' خواہ دنیوی عطا ہو یا اخروی اور رزق کا معنی نصیب ہے، جو غذا پیٹ میں جائے اس کو بھی رزق کہتے ہیں، علم دینے کو بھی رزق کہتے ہیں۔

(المفردات ص ۱۹۳، مطبوع المکتبۃ الرضویۃ ایران ۱۳۳۲ھ)

رزق کا اصطلاحی معنی

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں :

رزق وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ جاندار تک پہنچائے اور وہ اس کو کھائے اور پیئے خواہ وہ حلال ہو یا حرام
(شرح عقائد ص ۷۴، مطبوع سکندر علی تاجران کتب کراچی-۳۸)

علامہ میرسید شریف لکھتے ہیں :

رزق وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ جاندار تک پہنچائے اور وہ اس کو کھائے اور رزق، حلال اور حرام دونوں کو شامل ہے اور معتزلہ کے نزدیک رزق اس چیز کو کہتے ہیں جو بندہ کی ملکیت میں ہو اور وہ اس کو کھائے، اس وجہ سے حرام رزق نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی ملکیت میں نہیں ہوتا۔
(التعریفات ص ۳۸-۳۹، مطبوعہ المطبعة الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

حرام کے رزق نہ ہونے پر معتزلہ کے دلائل

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف رزق کی اضافت کی ہے، اس آیت میں فرمایا ہے اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا ہے وہ خرچ کرتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ

بے شک اللہ ہی بڑا رزاق اور بڑی زبردست قوت والا
(لداریات : ۵۸) ہے۔

اگر حرام بھی رزق ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ بندوں تک حرام چیزوں کو پہنچانے والا ہے، اور یہ فبیح کام ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے، نیز اگر اللہ تعالیٰ نے بندوں تک حرام چیز پہنچائی اور بندوں نے اس کو کھالیا تو پھر بندوں سے مواخذہ کرنا کس طرح صحیح ہو گا! اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رزق میں سے خرچ کرنے پر بندوں کی مدح فرمائی ہے اگر حرام بھی رزق ہو تو خدا میں خرچ کرنا کب لائق تعریف ہو گا! اور کفار نے جب بعض رزق کو حرام

شے ہے نہ ساتھ نہ ویدہ لور نہ حالی۔

وَصِبْلَةٍ وَلَا حَافٍ (المائدة: ۴۳)

حرام کے رزق ہونے پر اہل سنت کے دلائل

اہل سنت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے رزق کو ازراہ کرم اپنے ذمہ لیا ہے :

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا

اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمہ

(ہود: ۳۱) (کرم) پر ہے۔

فرض کیجئے ایک شخص نے ساری عمر حرام کھلیا ہے، اب اگر حرام کو رزق میں شامل نہ کیا جائے تو لازم آئے گا اللہ

تعالیٰ نے اس شخص کو رزق نہیں دیا لور یہ اس آیت کے خلاف ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حرام پر بھی رزق کا اطلاق فرمایا ہے :

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھے کہ عمرو بن مویٰ آیا لور کہنے لگا،

یا رسول اللہ! اللہ نے میری تقدیر میں شقوت لکھ دی ہے لور میرا خیال ہے کہ میرے پاس سوائے اپنے ہاتھ میں دف

(دھول) بجانے کے کماٹی کا لور کوئی ذریعہ نہیں ہے، آپ مجھے اس قسم کے گلے کی اجازت دیں جس میں بے حیائی کے

کلمات نہ ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تجھے اجازت نہیں دوں گا لور نہ تجھے عزت دے کر تیری آنکھیں ٹھنڈی کروں

گا، اے خدا کے دشمن! اللہ نے تجھے پاک لور حلال رزق دیا لور تو نے اللہ کے حلال کئے ہوئے رزق کے بدلہ میں اللہ کے

رزق میں سے حرام کو اختیار کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے عمرو بن مرہ سے فرمایا :

اگر میں تجھے پہلے منع کر چکا ہوتا (لور تو اس کے بعد اجازت طلب کرتا) تو میں تجھے سزا دیتا میرے پاس سے اٹھ جا لور

اللہ تعالیٰ سے توبہ کر اور اگر تو نے اس کے بعد گلیا بجلیا، تو میں تجھے سخت دردناک سزا دوں گا، لور تیرا سرمونڈ دوں گا لور تجھ

کو مثلہ (ناک، کان یا دیگر اعضا کاٹنا) کروں گا اور تجھے تیرے گھر سے نکل دوں گا، لور تیرے مل، اسباب کو مدینہ کے جوانوں

کے لوٹنے کے لیے مباح کر دوں گا، یہ سن کر عمرو وہل سے اس قدر ذلت لور رسوائی کے ساتھ اٹھا جسے اللہ ہی جانتا ہے،

جب وہ پیٹھ پھیر کر چلا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا : یہی لوگ نافرمان ہیں! ان میں سے جو شخص بغیر توبہ کے مر گیا اللہ تعالیٰ اس

کو قیامت کے دن اسی طرح ننگا لور منٹ اٹھائے گا جس طرح دنیا میں وہ لوگوں سے اپنا ستر نہیں چھپاتا تھا، جب بھی کھڑا ہو گا

(سنن ابن ماجہ ص ۱۸۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

تو مدہوش ہو کر گر پڑے گا۔

اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے عبرت کا مقام ہے جو سازوں کے ساتھ گلے میں مشغول رہتے ہیں!

آیا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بالخصوص زکوٰۃ مراد ہے یا عام؟

نہ جس جانور کا دودھ بتوں کے نام کر دیا جائے اور کوئی اس کو استعمال نہ کرے وہ بکیرہ ہے، جو جانور بتوں کے نام پر ہمارے زمانہ کے سانڈ

کی طرح چھوڑ دیا جائے وہ سائبہ ہے، جو اونٹنی مسلسل مادہ بچے جنے اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اس کو ویدہ کہتے تھے، جو

ز اونٹ ایک خاص عدد سے جفتی کر چکا ہو اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اس کو حام کہتے تھے، مشرکین نے ان چاروں

جانوروں کے استعمال کو لوگوں پر حرام کر دیا تھا۔

اس اہمیت میں جو فرمایا ہے ”مگر جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔“ یہاں پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کیا مراد ہے؟ امام ابن جریر روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے اموال کی زکوٰۃ لیا کرتے ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے اپنے اصل و عیال پر خرچ کرنا مراد ہے۔

(جامع البیان ج ۸ ص ۸۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

لوہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس قدر ظاہری اور باطنی نعمتیں دی ہیں ان سب کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا مراد لیا جائے، سو متعین وہ ہیں جو ضرورت مندوں پر مل خرچ کرتے ہیں، لعل و عیال، قربات داروں اور عام لوگوں کی مدد کرتے ہیں، زبان کو خدا کی راہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ خرچ کرتے ہیں ہاتھ پیروں کی طاقت سے کمزوروں کے کام آتے ہیں، خدا کی دی ہوئی عقل سے کم عقلوں کو مشورے دیتے ہیں، تقویٰ اور پرہیزگاری کے اثر سے ان کو جو روحانیت حاصل ہے اس سے لوگوں کا تزکیہ کرتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے جو علم دیا ہے اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔

علامہ خلیلی لکھتے ہیں کہ حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اور امام طبرانی نے معجم الوسط میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جس علم کو حاصل کرنے کے بعد اس کو بیان نہ کیا جائے وہ اس خزانے کی طرح ہے جس کو خرچ نہ کیا جائے۔

(عیالۃ القاضی ج ۱ ص ۲۳۱، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۴۸۳ھ)

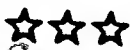
اللہ خدا میں کل مل خرچ کرنے کی شرعی حیثیت

اس آیت میں ”من“ تبیین ہے، یعنی کل مل سے اللہ کی راہ میں بعض مل کو خرچ کرنا مراد ہے، کیونکہ جو شخص عقل اور فہم پر مبرنہ کر سکے اس کے لیے کل مل کو صدقہ کرنا جائز نہیں ہے اور جو شخص مل نہ ہونے پر صبر کر سکتا ہو اس کے لیے کل مل کا صدقہ کرنا جائز ہے جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا کل اثاثہ لا کر رسول اللہ ﷺ کو پیش کر دیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا کیونکہ آپ کو ان کے صبر کا علم تھا اور ان کے دل میں جو ایمان اور توکل علی اللہ کی قوت تھی آپ اس پر مطلع تھے، حسن بن سہل سے کہا گیا اسراف میں کوئی خیر نہیں ہے تو انہوں نے کہا خیر میں کوئی اسراف نہیں ہے، یعنی خدا کی راہ میں اگر سب کچھ دے دیا جائے تو اسراف نہیں ہے، لیکن یہ مرتبہ اور مقام کے اعتبار سے ہے۔

امام رازی لکھتے ہیں :

شعین بن ابراہیم بخاری بھیس بدل کر عبد اللہ بن مبارک کے پاس گئے، پوچھا کہ انہوں نے کہا بلع سے پوچھا کیا تم شعین کو جانتے ہو؟ کہا ہاں، پوچھا ان کے اصحاب کا کیا طریقہ ہے؟ کہا جب انہیں کچھ نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں، اور مل جاتا ہے تو شکر کرتے ہیں، عبد اللہ بن مبارک نے کہا یہ تو ہمارے ہاں کتوں کا طریقہ ہے، شعین نے پوچھا پھر کمالین کا کیا طریقہ ہونا چاہئے؟ عبد اللہ بن مبارک نے کہا کمالین وہ ہیں جنہیں کچھ نہ ملے تو شکر لیا کرتے ہیں اور مل جائے تو دوسروں کو دے دیتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۸ھ)



وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ

اور یہ لوگ اس (کلام) پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا

قَبْلِكَ ۚ وَالْآخِرَةُ هُمْ يُوَفُّونَ ﴿٥﴾

اور یہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ۵

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں مستقین کی چوتھی صفت کا بیان ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا مطف مستقین پر ہو، یعنی یہ کتاب ان کے لیے ہدایت ہے جنہوں نے اپنے آپ کو شرک سے بچلایا اور ان کے لیے بھی ہدایت ہے جو کل کتاب سے ایمان لائے۔

انزال کا معنی اور اس کی کیفیت

انزال کے معنی ہیں کسی چیز کو اوپر کی طرف سے نیچے کی طرف منتقل کرنا، انزال اعیان کا ہوتا ہے اور یہاں وحی کا ”انزال“ مراد ہے جو از قبیل معلیٰ ہے اور معلیٰ کا ”انزال“ ان ذوات کے واسطے سے ہوتا ہے جن ذوات کے ساتھ وہ معلیٰ قائم ہوتے ہیں، وحی چونکہ اللہ کی جانب سے مخلوق کی طرف آتی ہے جو جانب علویٰ ہے اس لیے اس کو ”انزال“ کہا گیا ہے، اللہ کا کلام اس کے رسولوں پر نازل ہوتا ہے اور اس کی صفت یہ ہے کہ یا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اپنی نورانیت اور تجرد سے قریب ہوتے ہیں اور اللہ کا کلام حاصل کرتے ہیں اور یا لوح محفوظ سے اس کلام کو حاصل کرتے ہیں، اور پھر اس کلام کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچاتے ہیں۔

”ما انزل الیک وما انزل من قبلک“ کی تفصیل

ما انزل الیک سے مراد وہ وحی ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن کریم، اور وہ وحی بھی مراد ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی یعنی سنت، جیسے نماز کی رکعات کی تعداد اور اس کی صیئت مخصوصہ، زکوٰۃ، عشر اور قربانی کی مقدار اور کیفیت، روزہ اور حج کے احکام اور جنایات حدود کی تفصیلات یہ تمام امور صرف رسول اللہ ﷺ کے بیان سے ثابت ہیں، قرآن مجید میں ہے :

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴)

ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

غرضیکہ اس سے مراد پوری شریعت پر ایمان لانا ہے۔

وما انزل من قبلک سے تورات، انجیل اور کتب سماویہ مراد ہیں، ان کتابوں پر اجمالی ایمان لانا ضروری ہے، بایں طور کہ یہ کتابیں اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہیں اور جو کلام آپ پر نازل کیا گیا ہے اس پر اجمالی ایمان لانا فرض عین ہے اور اس پر تفصیلاً ”ایمان لانا فرض کفایہ ہے کیونکہ قرآن اور سنت کے ہر ہر جز پر تفصیلاً ”ایمان لانا اگر ہر شخص پر فرض عین ہو تو لازم آئے گا کہ تمام مسلمان روزگار حیات کی تمام ذمہ داریوں کو ترک کر کے صرف پڑھنے پڑھانے پر لگ جائیں اور اس سے حرج اور فساد معاش لازم آئے گا“ اس لیے جو کلام آپ پر نازل کیا گیا ہے اس پر تفصیلاً ”ایمان لانا فرض کفایہ ہے۔

تم نبوت پر دلیل

اس آیت میں یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ جو وحی آپ پر نازل ہوئی اس پر ایمان لایا جائے اور جو وحی آپ سے پہلے نازل ہوئی ہے اس پر ایمان لایا جائے اور اگر آپ کے بعد بھی وحی کا نزول ممکن ہو تا تو بعد میں آنے والی وحی پر بھی ایمان لانا ضروری قرار دیا جاتا اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا محمد ﷺ کے بعد نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور آپ کے اوپر نبوت ختم ہو گئی آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول مبعوث نہیں ہو گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے قرب قیامت میں نازل ہونا اس کے متنی نہیں ہے کیونکہ وہ مبعوث نہیں ہوں گے بلکہ نبی ﷺ کے ایک امتی کی حیثیت سے آئیں گے اور ہمارے رسول سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کی اتباع کریں گے اور ہمارے امام کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے اور لام تم میں سے ہو گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطلق کراچی ۱۳۸۱ھ)

دار آخرت اور یقین کا معنی

دار آخرت سے مراد 'اعمال کا دار الجزاء' ہے اور اس پر ایمان لانا حساب، میزان، صراط، جنت اور نار پر ایمان لانے کو مستلزم ہے بلکہ ہر اس چیز پر ایمان لانے کو مستلزم ہے جس کا ذکر قرآن اور سنت میں وارد ہے۔

یقین اس جازم تصدیق کو کہتے ہیں جس میں کوئی شک اور شبہ نہ ہو اور وہ جزم واقع کے مطابق ہو اور تشکیک مشکک سے زائل نہ ہو سکے اس کی تین قسمیں ہیں علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین، ہمیں جو اللہ، رسول اور آخرت پر یقین ہے وہ علم الیقین ہے، علم الیقین نظر اور استدلال سے حاصل ہوتا ہے، عین الیقین مشاہدہ سے اور حق الیقین تجربہ سے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم یقین کے ساتھ متصف نہیں ہوتا، کیونکہ اس کا علم استدلالی نہیں ہے۔

آخرت پر یقین کا اظہار اعمال کے آثار سے ہوتا ہے جو شخص جھوٹی گواہی دیتا ہو، شراب پیتا ہو، لوگوں کے حقوق پلٹ کر تا ہو، نماز اور روزہ کا تارک ہو اس کے آخرت پر یقین کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہے، قرآن مجید میں آخرت اور قیامت پر بہت زور دیا گیا ہے، کیونکہ صالحیت اور نیکی کی بنیاد آخرت اور قیامت پر یقین ہے، جب انسان کو محاسبہ کا خطرہ نہ ہو تو وہ عیش پرستی کا دلدادہ اور ظلم اور سرکشی پر دلیر ہو جاتا ہے، اس لیے قرآن مجید نے انسان کو بار بار یاد دلایا ہے کہ موت کے بعد اس کی دوسری زندگی شروع ہوگی اور اس دار العمل کے بعد دار الجزاء ہے تاکہ انسان خوف آخرت سے گناہوں سے باز رہے اور نیکیوں کے لیے کوشش رہے۔

اس آیت میں حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ متقین یا مومنین لکل کتب ہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں کیونکہ جو اہل کتب غیر مومن ہیں ان کا آخرت پر صحیح ایمان نہیں ہے، ان کا زعم ہے کہ جنت میں صرف یہودی یا عیسائی ہی داخل ہوں گے، اور ان کا زعم ہے کہ ان کو صرف چند ایام کے لیے دوزخ کا عذاب ہو گا، اور ان کا اس میں اختلاف ہے کہ جنت کی نعمتیں دنیا جیسی ہیں یا نہیں اور آیا جنت دائمی ہے یا نہیں لہذا آخرت کے متعلق ان کا اعتقاد صحت سے بہت دور ہے چہ جائیکہ وہ درجہ یقین پر ہو کیونکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یقین اس جزم کو کہتے ہیں جو واقع کے مطابق ہو۔

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّنْ رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۶﴾

وہی (کامل متقی) اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، اور وہی فلاح پانے والے ہیں ۰

یہ متقین کی پانچویں صفت ہے۔

اس آیت میں دونوں جگہ ”اولئک“ سے متقین کی طرف اشارہ کیا ہے جن کی پانچ صفات بیان کی ہیں، یعنی جو متقین غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم رکھتے ہیں، راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں، قرآن مجید اور اس سے پہلی کتب سکویہ پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں، اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کے ہدایت یافتہ ہونے اور فلاح پانے کا سبب یہ مذکورہ اوصاف ہیں اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان مذکورہ اوصاف کا نتیجہ فلاح کامل ہے۔

فلاح کے معنی کسی چیز کو بچاڑنا اور کٹنا ہے، کسان کو اس لیے فلاح کہتے ہیں کہ وہ مل چلا کر زمین کو بچاڑتا ہے، اور جو شخص محنت اور جدوجہد کرنے کے بعد کسی مطلوب کو حاصل کر لیتا ہے اس کو بھی مفلح کہتے ہیں گویا کہ اس پر غور و فکر کی راہیں کھل گئیں اور بند نہیں ہوتیں۔

معتزلہ اور خوارج نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ فلاح، کامل متقی کے لیے بیان کی گئی اس سے لازم آیا کہ فاسق ہمیشہ جہنم میں رہے گا اس کا جواب یہ ہے کہ کامل فلاح کامل متقی کے لیے ہے اور نفس فلاح فاسق مومن کو بھی حاصل ہوگی کیونکہ وہ بھی مکمل کار جنت میں چلا جائے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ

بے شک جو لوگ کفر میں راسخ ہو چکے ہیں، ان کے حق میں براہِ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں

لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۷﴾ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ

وہ ایمان نہیں لائیں گے ۰ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر ہر گادی ہے اور ان کی آنکھوں پر

أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۸﴾

پر دھڑ (بڑا ہوا) ہے اور ان کے لیے بڑا سخت عذاب ہے ۰

قرآن مجید میں پہلے مومنین اور متقین کی پانچ صفات بیان کیں، اس کے بعد غیر مومنین کی صفات بیان کیں، غیر مومنین میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنے کفر کا علی الاعلان اظہار کیا مذکور الصدر و آیتیں ان ہی کے متعلق ہیں، اور بعض وہ ہیں جنہوں نے علی الاعلان کفر کے اظہار کی جرات نہیں کی انہوں نے بہ ظاہر مسلمانوں سے موافقت کی اور درپردہ کافر رہے ان کو قرآن کی اصطلاح میں منافق کہا گیا ہے، اس کے بعد آنے والی تیرہ آیتوں میں منافقین کے احوال بیان کئے گئے ہیں اور ان کی مذمت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے بعد کفار کا بیان اس لیے شروع کیا ہے کہ شے اپنی ضد سے

بہن جلی ہے کیونکہ کفر ایمان کی ضد ہے کفار دائمی معذب ہیں اور مومن عذاب سے نجات پانے والے ہیں۔
کفر کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

نعت میں کفر کا معنی ہے کسی شے کو چھپانا، رات کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگوں کو چھپالیتی ہے، کسان کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے، جو شخص نعمت کو چھپائے اور اس کا شکر ادا نہ کرے اس کے فعل کو کفر اور کفران کہتے ہیں، اور سب سے بڑا کفر وحدانیت یا شریعت یا نبوت کا انکار کرنا ہے، قرآن مجید میں کفر کا لفظ کفران نعمت اور کفر باللہ دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔

لَيَبْلُوَنِيْٓ ؕ اَشْكُرْ اَمْ اَكْفُرْ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْٓ غَنِیٌّ ۚ كَرِيْمٌ
تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری، اور جس نے شکر کیا تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو بے شک میرا رب بے پرواہ، بزرگی والا ہے۔
(النمل: ۴۰)

اس آیت میں کفر کا لفظ کفران نعمت اور ناشکری کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ کٰفِرٍ بِهٖ (البقرة: ۴۴) اور تم سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو۔

اس آیت میں کفر، کفر بالقرآن کے معنی میں ہے، جب کافر کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے متعارف وہ شخص ہے جو وحدانیت یا شریعت یا نبوت یا ان تینوں کا انکار کرے۔ (المفردات ص ۴۳۳-۴۳۴، مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۳۲ھ) دیگر مفردات کے لغوی معانی

”انذار“ کا معنی ہے کسی خطرہ سے خبردار کرنا، ”ختم“ کا معنی ہے کسی چیز کو اس طرح چھپا دینا اور ڈھانپ دینا کہ اس میں دوسری چیز کسی طرف سے داخل نہ ہو سکے، قلوب سے مراد عقول ہیں یعنی ان کی عقول کو اس طرح ڈھانپ دیا ہے کہ ان میں ایمان اور نور داخل نہیں ہو سکتا، اس میں استعارہ تصریح ہے ان کے قلوب (عقول) کو اس طرف کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس پر مہر لگادی گئی ہو، ”سمع“ سے مراد کلن ہیں اور ”ابصار“ کا معنی آنکھیں ہیں جن سے رنگ، شکل اور دیگر مبہرات کا لوراک کیا جاتا ہے، ”فسلوة“ کا معنی ہے پردہ، مقصود یہ ہے کہ یہ کفار اللہ کی آیات کو دیکھنے سے از خود اور دانستہ اندھے بن گئے ہیں، عذاب کے معنی ہیں عبرتناک سزا، عذاب زائل کرنے کو بھی کہتے ہیں اور سزا آرام اور لذت کو زائل کرتی ہے اس لیے اس کو عذاب کہتے ہیں۔

شکل نعت

لام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مدینہ میں ایک محلہ بنا لیا تھا یہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور کفر پر مر گئے۔ ان کی خدمت میں یہ آیات نازل ہوئیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اس پر حرمیں تھے کہ سب لوگ ایمان لے آئیں، اور ہدایت میں آپ کی اتباع کریں تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دی کہ وہی لوگ ایمان لائیں گے جن کے لیے نازل میں ایمان لانا مقدر ہو چکا ہے اور وہی لوگ گمراہ رہیں گے جن کے لیے نازل میں ضلالت لکھی جا چکی ہے

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس سے وہ کفار مرلو ہیں جو بدر میں قتل کئے گئے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۸۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ بیضوی لکھتے ہیں :

اس آیت سے معین کافر مرلو ہیں مثلاً ابولہب، ابو جہل، ولید بن مغیرہ اور علماء یہود۔

(انوار النہل ص ۳۳ (درسی) مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی)

اللہ تعالیٰ کے کلام کے قدیم ہونے پر معتزلہ کا اعتراض اور اس کا جواب

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ پہلے ابولہب وغیرہ نے کفر کیا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ انہوں نے کفر کیا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ان کے کفر کے بعد حلوٹ ہوا، لہذا قرآن حلوٹ ہے، لہذا سنت اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ کا علم بھی حلوٹ ہونا چاہئے کیونکہ جب انہوں نے کفر کیا تب ہی اللہ کو ان کے کفر کرنے کا علم ہوا اور اگر ان کے کفر کرنے سے پہلے یہ علم ہو کہ انہوں نے کفر کر لیا ہے تو یہ واقع کے خلاف ہے اور اگر پہلے یہ علم تھا کہ وہ کفر کریں گے اور پھر یہ علم ہوا کہ انہوں نے کفر کر لیا ہے تو اس کے علم میں تغیر آگیا اور ہر متغیر حلوٹ ہوتا ہے تو اس طرح اللہ کا علم بھی حلوٹ ہو جائے گا حالانکہ معتزلہ کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ازل میں لا بشرط شئی کے مرتبہ میں ہے اور اس میں ماضی، حل اور استقبال کی اضافات نہیں ہیں اور ان اضافات کے تغیر سے اصل صفت علم میں تغیر پیدا نہیں ہوتا، مثلاً ازل میں اللہ تعالیٰ کو ابولہب کے کفر کا علم ہے، پھر جب اس کا ماضی سے تعلق ہو گا تو اس کی اور تعبیر ہوگی، حل سے تعلق ہو گا تو اور تعبیر ہوگی اور مستقبل سے تعلق ہو گا تو اور تعبیر ہوگی یعنی ابولہب کفر کرے گا، وہ کفر کر رہا ہے، وہ کفر کر چکا ہے، یہ تغیر متعلق میں ہے اصل صفت میں تغیر نہیں ہے اس کی مثل یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص ایک ستون کے گرد گھوم رہا ہے تو کبھی وہ ستون اس کے سامنے ہو گا، کبھی پیچھے، کبھی دائیں، کبھی بائیں لیکن یہ ان لوصلع اور نسبتوں میں تغیر ہے اس شخص کی ذات میں تغیر نہیں ہے اسی طرح اللہ کے علم کا تعلق جب مختلف زمانوں میں ہو گا تو ان تعلقات میں تغیر ہو گا، نفس علم میں تغیر نہیں ہو گا۔ اسی طرح اللہ کا کلام نفسی بھی ازل میں لا بشرط شئی کے مرتبہ میں ہے اور اس کا تعلق جب زمانہ کے ساتھ ہوتا ہے تو اس تعلق میں اختلاف ہوتا ہے مثلاً ابولہب کفر کرے گا، ابولہب نے کفر کر لیا، وغیرہ اور اس کی صفت کلام جو کلام نفسی ہے اس میں کوئی تغیر اور اختلاف نہیں ہوتا، قرآن مجید میں جہل بھی ماضی کے صیغے واقع ہوئے ہیں معتزلہ ان سے اسی طرح استدلال کرتے ہیں اور ان کا یہی جواب ہے، یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفت کلام ہے وہ کلام نفسی ہے اور جن الفاظ کو ہم پڑھتے ہیں وہ کلام لفظی ہیں اور قدیم کلام نفسی ہے، انشاء اللہ ان کی مزید وضاحت اور اس پر بحث اپنے مقام پر آئے گی۔

اللہ تعالیٰ نے جس ممکن کے عدم وقوع کی خبر دی ہے اس کے ساتھ مکلف کرنے کی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے ابولہب اور دیگر جن کفار کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ان کا ایمان لانا ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے، ان کا ایمان لانا ممکن بالذات اس لیے ہے کہ وہ ایمان لانے کے مکلف ہیں اور ممتنع لذاتہ کے ساتھ مکلف کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ انسان کی وسعت میں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرة: ۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف

نہیں کرتا۔

اور ممتنع بالغیر اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اب اگر وہ ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ کی خبر کذب ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی خبر کا کذب ہونا محل بلذات ہے لہذا ابولہب وغیرہ کا ایمان لانا محل بلذات کو مستلزم ہے اور جو ممکن محل بلذات کو مستلزم ہو وہ ممکن بلذات ممتنع بالغیر ہوتا ہے اس لیے ابولہب وغیرہ کا ایمان لانا ممکن بلذات ممتنع بالغیر ہے۔

محل بلذات کے ساتھ مکلف کرنے پر علامہ بیضوی کی دلیل اور اس کا جواب

علامہ بیضوی نے یہ کہا ہے کہ تکلیف بالحل عقلاً جائز ہے لیکن متع اور استقراء (جستجو اور تفتیش) سے یہ ثابت ہے کہ تکلیف بالحل واقع نہیں ہے، جواز عقلی پر انہوں نے یہ دلیل دی ہے کہ اگر ابولہب مثلاً ایمان لانے کا مکلف ہو تو وہ پورے قرآن پر ایمان لانے کا مکلف ہو گا اور پورے قرآن میں لا یؤمنون بھی ہے یعنی وہ ایمان نہیں لائے گا اور اس کی تصدیق تب ہوگی جب وہ ایمان نہ لائے تو وہ ایمان لانے اور ایمان نہ لانے کا مکلف ہوا، اور یہ اجتماع نقیضین ہے جو محل بلذات ہے لہذا ثابت ہوا کہ ابولہب محل بلذات کا مکلف ہے، لیکن علامہ بیضوی کی اس تقریر کا تقاضا یہ ہے کہ محل بلذات کے ساتھ مکلف کرنا صرف عقلاً جائز ہی نہیں بلکہ واقع بھی ہے اور یہ خود ان کی تصریح کے خلاف ہے۔

اس تقریر کا جواب یہ ہے کہ ابولہب مثلاً ایمان لانے کا فی نفسہ مکلف ہے اس سے قطع نظر کر کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق لا یؤمنون فرمایا ہے اور اس آیت سے صرف نظر کر کے فی نفسہ اس کا ایمان لانا ممکن بلذات ہے اور وہ اسی اعتبار سے ایمان لانے کا مکلف ہے، اور کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے کی خبر دینے سے وہ چیز نفس امکان سے خارج نہیں ہوتی مثلاً فرض کیجئے اللہ تعالیٰ کو زید کے متعلق علم ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا، اب زید کا نماز پڑھنا محل ہو گا، کیونکہ اگر وہ نماز پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ کا علم جمل سے بدل جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا جمل محل بلذات ہے، تو اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ زید کو نماز پڑھنے کا مکلف کرنا محل کا مکلف کرنا ہے کیونکہ اس کے نماز پڑھنے کا محل ہونا اللہ تعالیٰ کے علم کے اعتبار سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم سے قطع نظر فی نفسہ اس کا نماز پڑھنا ممکن ہے اور وہ اسی اعتبار سے نماز پڑھنے کا مکلف ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے عدم وقوع کی خبر دی یا اس کو جس چیز کے عدم وقوع کا علم ہے اس کے وقوع کا مکلف کرنا ممکن بلذات اور ممتنع بالغیر ہے اور اس کے ساتھ مکلف کرنا جائز ہے اور اس چیز کا واقع ہونا محل بالغیر ہے کیونکہ وہ اللہ کے کذب یا اس کے جمل کو مستلزم ہے اور یہ دونوں محل بلذات ہیں۔ یہ واضح رہے کہ اشاعرہ کے نزدیک محل بلذات کا مکلف کرنا صحیح ہے اور ماترید یہ کے نزدیک محل بلذات کا مکلف کرنا صحیح نہیں ہے اور اکثر شوافع اشاعرہ ہیں اور اکثر احناف ماترید یہ ہیں۔

جس کا ایمان نہ لانا مقدر ہو چکا ہے ان کو تبلیغ کرنے کی وجہ

اگر یہ سول ہو کہ جب یہ کفار تبلیغ کے بلوجود اسلام قبول نہیں کریں گے تو پھر ان کو تبلیغ کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کو تبلیغ نہ کی جائے تو ممکن ہے وہ قیامت کے دن یہ عذر پیش کریں کہ ہم کو تبلیغ ہی نہیں کی گئی ہم اسلام کیسے لائے؟ لہذا ان پر حجت تمام کرنے کے لیے ان کو تبلیغ کی گئی، دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کریں یا نہ کریں ان کو تبلیغ کرنے سے رسول اللہ ﷺ کو بہرمل ثواب حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سواہ علیہم

”ان کے لیے برابر ہے“ یہ نہیں فرمایا سواء علیک ”آپ کے حق میں برابر ہے۔“ جیسا کہ ہمت پرستوں کے حلق فرمایا:

وَاِنْ نَدَعُوهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ سَوَآءٌ عَلٰیكُمْ اَدَعَوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ۝
 اور (اے مشرکوں!) اگر تم اپنے جوں کو اپنی ہدایت کے لیے
 پکارو تو وہ تمہارے پیچھے نہ آئیں گے (نہذا) تمہارے لیے برابر
 (الاعراف : ۴۳) ہے کہ تم ان کو پکارو یا چپ رہو۔

اگر اس آیت سے معین کفار مراد ہوں جیسا کہ حضرت انس کی روایت ہے یا جس طرح علامہ بیضوی نے نقل کیا ہے کہ اس سے ابولسب، ابو جہل، وغیرہ مراد ہیں تو یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے کہ جن کے ایمان نہ لانے کی آپ نے پہلے خبر دی ہے وہ بہر حال ایمان نہ لاسکے اور کفر پر ہی مرے۔
 جب کفار کے دلوں پر مہر لگادی گئی تو پھر ان سے مواخذہ کیوں؟

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے تو اب ان کے لیے اسلام کے دلائل پر غور و فکر کرنا اور اس کو سننا اور دیکھنا ممکن نہ رہا تو اس صورت میں اگر وہ ایمان نہ لائے تو اس میں ان کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کفار اپنے باپ دلو کی اندھی تقلید میں راسخ ہو گئے، کفر اور معصیت سے والہانہ محبت کرنے لگے اور ایمان اور عبادت الہی کو بہت برا جاننے لگے اور اسلام کے دلائل میں غور و فکر کرنے سے اعراض اور امتناع پر ڈٹے رہے اور اپنی بے جا ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سرکشی اور ہٹ دھرمی کی سزا میں ان کے دلوں اور دماغوں کو ایسا بنا دیا کہ وہ قبول حق کے قتل نہ رہے اور کان حق کی سماعت سے عاری ہو گئے اس کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگانے کے ساتھ تعبیر فرمایا، اور انسان کی آنکھ خارج میں اور اپنے نفس میں جس صلاحیت سے دلائل توحید دیکھتی ہے ان کی آنکھوں سے وہ صلاحیت سلب کر لی اور اس کو ان کی آنکھوں پر پردہ کے ساتھ تعبیر فرمایا ورنہ حسی طور پر ان کے دلوں اور کانوں پر کوئی مہر تھی اور نہ ان کی آنکھوں پر کوئی پردہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کی مسلسل ہٹ دھرمی اور عناد کی سزا میں ان سے جو قبول حق کی استعداد سلب کر لی اس کو اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل آیتوں میں طبع، اغفل اور اقصاء سے تعبیر فرمایا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَسَمِعَتْهُمْ
 وَاَبْصَارِهِمْ (النحل: ۱۰۸)
 یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ
 نے مہر لگادی ہے۔

وَلَا تُطِيعُ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِ نَا
 (الکھف: ۱۸)
 اور آپ اس کی اطاعت نہ کریں جس کا دل ہم نے اپنی یاد
 سے غافل کر دیا۔

فِیْمَا نَقَضْهُمْ مِّثَاقَهُمْ لَعْنَهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ
 قَاسِیَةً (المائدة: ۱۳)
 تو ان کی (اتنی بڑی) عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر
 لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔

ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے بہ طور سزا ان کے دلوں اور کانوں کو
 لہ امام ابو نعیم نے دلائل النبوة میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ منہ

قل حق کے قل نہ رہے دیا اس کی دلیل حسب ذیل آیات ہیں :

فِيمَا نَقُضُهُمْ مِّثْقَاهُمْ وَكُفِّرْهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۚ وَيَكُفِّرْهُمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا (النساء ۵۵-۵۷)

پھر ان کے عہد توڑنے، اللہ کی آیات کا انکار کرنے، انبیاء (علیہم السلام) کو باحق قتل کرنے اور یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں، (یہ غلاف نہیں) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی تو ان میں سے ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑے، اور ان کے کفر اور مریم پر بہت بڑا عظیم گناہ (النساء ۵۵-۵۷)

ہمتان باندھنے کی وجہ سے بھی۔

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ

(الانفال: ۲۳)

اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو ان کو ضرور سنا دیتا۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (المطففين: ۳۳) چڑھا دیا۔

ہرگز نہیں! بلکہ ان کے کرتوتوں نے ان کے دلوں پر رنگ

لام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مومن کوئی گنہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نشان ہو جاتا ہے پس اگر وہ توبہ کرے، اس گنہ سے باز آئے اور استغفار کرے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ زیادہ گنہ کرے۔ تو وہ سیاہ نشان زیادہ ہو جاتے ہیں اور یہی وہ رنگ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتب میں ذکر فرمایا ہے کَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (سنن ابن ماجہ ص ۳۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو لام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کو لام احمد، لام عبد بن حمید، لام حاکم، لام ترمذی (مؤخر الذکر لاموں نے اس حدیث کو صحیح سند سے روایت کیا ہے) لام نسائی، لام ابن ماجہ، لام ابن جریر، لام ابن حبان، لام ابن المنذر، لام ابن مردیہ اور لام بیہقی کی شعب اللایمان کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۳۲۵، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ النجفی ایران)

ہرچند کہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ معصیت سے مومن کے دل پر رنگ چڑھ جاتا ہے، اور اگر معصیت سے توبہ نہ کی جائے تو وہ رنگ زیادہ ہو جاتا ہے تاہم اس حدیث سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جب معصیت سے دل پر رنگ چڑھ جاتا ہے اور معصیت پر اصرار سے وہ رنگ زیادہ ہو جاتا ہے تو کفر اور اس پر اصرار اور ہٹ دھرمی سے تو دل بہ طریق لونی مکمل طور پر سیاہ اور تدریک ہو جاتا ہے اور دل کی یہ سیاہی اور تدریک کفار کی اپنی شامت اعمال کی وجہ سے ہے۔

اللہ کا ان پر کوئی ظلم اور جور نہیں ہے۔

قلب کی تعریف

قلب گوشت کا ایک صوبہ صوبہ ہے، جس کا کلم خون کو تمام جسم میں پہنچاتا ہے، دل کے پھیلنے اور سکڑنے سے پورے جسم میں خون گردش کرتا ہے، اور جب طب اور میڈیکل سائنس کی زبان میں دل کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے یہی معنی مراد ہوتا ہے اور لوب اور ریزو موشکلوں میں دل کے لفظ سے عقل کا ارادہ کیا جاتا ہے کیونکہ سوچ و بچار، غور و فکر

اور علم اور لوہا کا محل عقل ہے اور قرآن طب اور میڈیکل سائنس کی کتاب نہیں ہے بلکہ رشد و ہدایت کی کتاب ہے اور اس میں عرب کے عام رواج اور اسلوب کلام کے مطابق خطاب کیا گیا ہے، اس لیے قرآن کی زبان میں قلب سے عقل ہی مراد ہوتی ہے، اس پر مزید تفصیل کے لیے شرح صحیح مسلم جلد رابع کا مطالعہ فرمائیں، فنکون لہم قلوب یفقهون بسا (الحج : ۳۲) کی تفسیر میں ہم اس پر انشاء اللہ سیر حاصل بحث کریں گے۔

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں :

اور قلب سے مراد علم کا محل ہے اور کبھی قلب کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے عقل اور معرفت مراد ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے : (۳)

رَأٰی فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ

بے شک اس قرآن میں اس شخص کے لیے نصیحت ہے جس کے پاس عقل اور معرفت ہو۔ (ق : ۳۷)

(انوار التنزیل ص ۲۵ (درسی) مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی)



وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُولُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لے آئے، حالانکہ وہ

ہُمْ بِہٖ مُّؤْمِنٰٓیْنَ ۝۸ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا یُخٰدِعُوْنَ

مومن نہیں ہیں ۝ وہ (بزرگ خویش) اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور (درحقیقت) وہ صرف

اِلَّا اَنْفُسُہُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۝۹ فِیْ قُلُوْبِہُمْ مَّرَضٌ فَزَادَہُمُ اللّٰہُ

اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے ۝ ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری

مَرَضًا وَّلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۱۰ بِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ ۝۱۱

کو زیادہ کر دیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے ۝

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو قرآن مجید کے بیان سے شروع کیا اور یہ فرمایا یہ کتاب متقین کے لیے ہدایت ہے، پھر تین آیتوں میں متقین کی پانچ صفات بیان کیں، اس کے بعد دو آیتوں میں کفار کا بیان کیا جو متقین کی ظاہر اور باطناً ضد ہیں، پھر اس کے بعد اب تیرہ آیتوں میں منافقین کا بیان فرمایا ہے جو کفر اور ایمان کے درمیان مذذب تھے، یہ زبان سے ایمان لائے اور دل سے ایمان نہیں لائے، یہ کفر کی بدترین قسم ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہے، کیونکہ انہوں نے کفر پر ایمان کا طمع چڑھایا، دھوکہ اور فریب سے کام لیا اور درپردہ مسلمانوں کے ساتھ استہزاء کیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے خبث، جمل ان کے فریب اور ان کی ہٹ دھرمیوں کا طویل بیان فرمایا، ان کی کئی مثالیں بیان فرمائیں

لور یہ مسلمان فرمایا کہ منافق جنم کے سب سے نچلے طبقے میں رہیں گے۔

”ومن الناس“ میں جن لوگوں کا ذکر فرمایا ہے یہ منافقین کی وہ جماعت ہے جو نزول قرآن کے زمانہ میں تھی، ان میں بڑا منافق عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا، ان میں اکثر یہودی تھے جو مطلب بر آری کے لیے وقتی طور پر بہ ظاہر مسلمان ہو گئے تھے۔

”الیوم الآخر“ سے مراد حشر سے لے کر غیر متعین مدت ہے یا روز حشر سے لے کر جنتوں کی جنت میں اور روزخوں کے دنوں میں جانے کا زمانہ مراد ہے۔

منافقین نے خصوصیت سے یہ کہا کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آخرت پر ایمان لائے، کیونکہ یہودیوں کا در حقیقت اللہ پر ایمان تھا نہ آخرت پر، اللہ پر ایمان اس لیے نہیں تھا کہ وہ کہتے تھے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اس لیے وہ مشرک تھے اور آخرت پر اس لیے ایمان نہیں تھا کہ ان کا اعتقاد تھا کہ جنت میں یہودیوں کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہو گا، اس لیے انہوں نے طمع کاری کے لیے اللہ اور آخرت پر ایمان کا ذکر کیا تا کہ مسلمان یہ سمجھیں کہ وہ یہودیت سے تائب ہو کر خالص مسلمان ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا وہ مومن نہیں ہیں، یعنی وہ ان سچے اور مخلص مسلمانوں میں داخل نہیں ہیں، جن کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خلوت اور جلوت پر مطلع ہے، کیونکہ منافقین بعض ظاہری عبادات کر لیتے تھے، لور یہ زعم کرتے تھے کہ ان سے ان کا رب راضی ہو جائے گا، اس کے بعد حرص، طمع، شر اور فساد اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت اور دیسہ کاری میں مشغول رہتے تھے، جیسا کہ اس کے بعد کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے فتنہ اور فساد کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

منافقین کے اللہ اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے سلسلہ میں اعتراضات کے جوابات یخادعون کا لفظ ”خدع“ سے بنا ہے، خدع کا معنی ہے کسی شخص کے ساتھ کئے ہوئے مکر و فریب یا سازش کو مخفی رکھ کر اس سے خیر خواہی لور ہمدردی کا اظہار کرنا، جس کا خلاصہ ہے اس کو دھوکہ دینا، لور ”یخادعون“ چونکہ باب ”مفاملہ“ سے ہے اس لیے اس کا معنی ہے ہر فریق کا دوسرے فریق کو دھوکہ دینا۔

منافقوں کا مسلمانوں کو دھوکہ دینا یہ تھا کہ وہ مسلمانوں پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ مومن ہیں لور اپنے کفر کو مخفی رکھتے تاکہ مسلمانوں کے خفیہ منصوبوں پر مطلع ہوں لور پھر اس کی خبر مسلمانوں کے دشمنوں یہودیوں اور مشرکوں تک پہنچا دیں۔

اس آیت میں یہ فرمایا کہ منافقین اللہ اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں، مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی تو وضاحت ہو گئی، اب سوال یہ ہے کہ اللہ کو دھوکہ دینا کس طرح صحیح ہو گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے لور نہ وہ خود اللہ کو دھوکہ دینے کا قصد کرتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ اللہ سے پہلے لفظ رسالہ بہ طور مضاف مضاف ہے لور یہ بہرہ پنهان ہے لور معنی یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دیتے تھے، دو سرا جواب یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حبیب اور خلیفہ ہیں اس لیے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دینا اللہ کو دھوکہ دینا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس کو واضح فرمایا ہے :

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ

(النساء: ۸۰) لی۔

رسول اللہ ﷺ نے بیعت عقبہ ثانیہ میں ستر انصار سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خریدا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ
وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ (النوبہ: ۱۱)
بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو
جنت کے بدلہ میں خریدا۔
إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ
(الفتح: ۱۰) سے بیعت کرتے ہیں۔

سو جس طرح آپ کی اطاعت کرنا اللہ کی اطاعت کرنا، آپ کا خریدنا اللہ کا خریدنا ہے اور آپ سے بیعت کرنا اللہ سے بیعت کرنا ہے اسی طرح آپ کو دھوکہ دینا اللہ کو دھوکہ دینا ہے اور یہ مجاز فی النسبۃ لا یقا عیہ ہے۔

دوسرا سوال یہاں پر یہ ہے کہ یخاد دعون باب ”مفاعله“ سے ہے اور اب اس باب کے اعتبار سے اس کا
معنی ہے ہر ایک کا دوسرے کو دھوکہ دینا، منافقین تو اللہ کو اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے تھے، اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ کہنا کس
طرح درست ہو گا کہ وہ منافقین کو دھوکہ دیتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں استعارہ تمثیلیہ ہے یعنی منافقین کی اللہ
کے سامنے ایمان کو ظاہر کرنے اور کفر کو مخفی رکھنے کی کارروائی اور اس کی سزا میں اللہ کی منافقوں پر مسلمانوں کے احکام
جاری کرنے کی کارروائی (حالات کہ وہ اس کے نزدیک بدترین کافر ہیں) کی مثل ایسے ہے جیسے دو شخص ایک دوسرے کو دھوکہ
دینے کی کارروائی کرتے ہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ یخاد دعون، یخاد دعون کے معنی میں ہے اور اس کو مبالغہ ”یخاد دعون“ کے
ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔

شعور کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : وہ صرف اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے، عقل سے جو اور اک
کیا جائے اس کو علم کہتے ہیں اور حواس سے جو اور اک کیا جائے اس کو شعور کہتے ہیں۔

مرض کی تعریف اور منافقین کے مرض کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری کو زیادہ کر دیا۔

انسان کے بدن کو ایسی چیزیں عارض ہوں جن سے اس کے مزاج اور اعتدال میں فرق واقع ہو اور اس کی کارکردگی
متاثر ہو جائے، اس کو مرض کہتے ہیں، عوارض جسمانیہ میں مرض حقیقت ہے اور عوارض نفسانیہ مثلاً حسد، بغض، برائی
سے محبت وغیرہ میں مرض مجاز ہے، منافقین کا مرض نفسانی تھا، کیونکہ جب سے نبی ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے مدینہ
میں یہودیوں کی ریاست جاتی رہی تھی، اس غم میں ان کا دل جلتا رہتا تھا اور یہی جلنا اور حسد کرنا ان کا مرض تھا، اور رسول
اللہ ﷺ کا اقتدار دن بدن بڑھ رہا تھا اس سے ان کا مرض بڑھ رہا تھا، یا بار بار وحی نازل ہونے اور ان کو دن بہ دن زیادہ احکام
کا مکلف کرنے سے ان کا مرض بڑھ رہا تھا۔

۱۔ ایک مرکب سے جو حالت یا کیفیت منتزع ہوتی ہے اس کو اس حالت یا کیفیت سے تشبیہ دینا جو دوسرے مرکب سے منتزع ہو

رہی ہو۔

جھوٹ کی طرف اس کا شرعی حکم اور منافقین کے جھوٹ کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

منافقین کا جھوٹ یہ تھا کہ ان کے دل میں کفر تھا اور زبان سے امانا (ہم ایمان لائے) کہہ کر جھوٹ بولتے تھے جو خبر واقع کے مطابق نہ ہو وہ جھوٹ ہے، جھوٹ بولنا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولنے پر دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔

جھوٹ بولنے کی ممانعت اور اس کے عذاب کے متعلق احادیث

لام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ، کیونکہ جھوٹ فجور (گناہ) تک پہنچاتا ہے اور فجور دوزخ تک پہنچاتا ہے، ایک شخص جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کے مواقع تلاش کرتا ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو کذاب لکھ دیا جاتا ہے (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۲۵، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ)۔
بہز بن حکیم کہتے ہیں کہ میرے دواۓ اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص کے لیے عذاب ہو جو بات کرتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے تاکہ لوگوں کو ہنسائے، اس کے لیے عذاب ہے اور اس کے لیے عذاب ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۲۵، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ)

لام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت حفص بن عاصم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کر دے۔
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی، ۱۳۵۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آخر زمانہ میں ایسے دجل اور کذاب ہوں گے جو تم سے ایسی احادیث بیان کریں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دلوئے، تم ان سے دور رہو، وہ تم سے دور رہیں، کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں اور فتنے میں جلا نہ کر دیں۔
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی، ۱۳۵۵ھ)

لام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تک بندہ کا ایمان مکمل نہیں ہو گا جب تک کہ وہ جھوٹ کو ترک نہ کر دے حتیٰ کہ مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے اور ریا کو ترک کر دے خواہ وہ اس میں صلاق ہو۔
(مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۳، ۳۵۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ)

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت سوہبن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صبح کو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ جبرائیل اور میکائیل میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ارض مقدسہ میں لے گئے، میں نے دیکھا وہاں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا اور وہ سرا آدمی اس کے پاس کھڑا ہوا تھا جس کے ہاتھ میں لوہے کا آکھڑا تھا اس نے وہ آکھڑا اس کی باجھ میں داخل کیا اور آکھڑے سے اس کی باجھ کو کھینچ کر گدی تک پہنچا دیا، پھر وہ آکھڑا دوسری باجھ میں داخل کیا اور اس باجھ کو گدی تک پہنچا دیا، اس نے پہلی باجھ لے لی اور اس نے پھر اس میں آکھڑا ڈال دیا، (الحی قول) جبرائیل نے کہا جس شخص کی باجھ

پھاڑ کر گدی تک پہنچائی جا رہی تھی یہ وہ شخص ہے جو جھوٹ بولتا تھا پھر اس سے وہ جھوٹ نقل ہو کے ساری دنیا میں پھیل جاتا تھا اس کو قیامت تک اسی طرح عذاب دیا جاتا رہے گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۵، مطبوعہ نور محمد اعلیٰ کراچی ۱۳۸۷ھ) جھوٹ بولنے کی رخصت کے مواقع

جیسا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ کذب حرام ہے لیکن حلال اور حرام کرنے کے احکام شارع کے اختیار میں ہیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے حلال کر دے اور جس چیز کو چاہے حرام کر دے، اللہ اور اس کے رسول نے کذب کو حرام قرار دیا ہے لیکن بعض مواقع پر اللہ اور اس کے رسول نے کذب کی اجازت دی ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

عن اسماء بنت یزید قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل الکذب الا فی ثلاث یحدث الرجل امرء ته یرضیہا والکذب فی الحرب والکذب لیصلح بین الناس (جامع ترمذی ص ۲۸۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین صورتوں کے سوا جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے۔ ۱۔ ایک شخص اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے جھوٹ بولے۔ ۲۔ جنگ میں جھوٹ بولنا۔ ۳۔ لوگوں میں صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا۔

جان، مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت

علامہ شامی احیاء العلوم کے حوالے سے لکھتے ہیں : ہر وہ نیک مقصد جس کو صدق اور کذب دونوں سے حاصل کیا جاسکتا ہو اس میں جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر کسی نیک مقصد کو صرف جھوٹ بولنے سے حاصل کیا جاسکتا ہو اور وہ مقصد مباح ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا مباح ہے اور اگر کسی نیک مقصد کو صرف جھوٹ بولنے سے حاصل کیا جاسکتا ہو اور وہ مقصد واجب ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے، مثلاً کسی شخص نے دیکھا کہ ایک ظالم کسی بے گناہ مسلمان کو قتل کر رہا ہے یا ایذا پہنچا رہا ہے اور وہ جھوٹ بول کر اس کو بچا سکتا ہے تو اس صورت میں جھوٹ بولنا واجب ہے، اسی طرح اگر ظالم اس سے کسی مسلمان کی امانت چھیننا چاہتا ہے تو اس کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے، اسی طرح لڑائی میں صلح کرانے کے لیے اور کسی مظلوم کی دلجوئی کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے چھپ کر زنا یا شراب پی یا حاکم اس کے متعلق سوال کرے تو اس کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ یہ کام میں نے نہیں کیا، کیونکہ یہ کام ہر چند کہ بے حیائی ہے لیکن اس کا اظہار کرنا ایک اور بے حیائی ہے، اسی طرح اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کا راز بتانے سے انکار کرے، اور یہ دیکھنا چاہیے کہ جھوٹ بولنے پر جو خرابی مترتب ہو رہی ہے آیا وہ سچ پر مترتب ہونے والی خرابی سے زیادہ ہے یا نہیں اگر جھوٹ بولنے سے زیادہ خرابی مترتب ہو تو جھوٹ نہ بولے ورنہ جھوٹ بول سکتا ہے۔ اگر جھوٹ بولنے سے انسان کا اپنا حق ضائع ہوتا ہے تو عزیمت یہ ہے کہ جھوٹ نہ بولے اور اگر دوسرے مسلمان کا حق ضائع ہوتا ہے تو پھر اس پر واجب ہے کہ وہ جھوٹ بولے اور دوسرے مسلمان کے حق کی حفاظت کرے۔ (۱) خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کا اپنی جان، مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے اور دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے۔

شعر اور مبالغہ میں جھوٹ کا جواز

(۱) علامہ سید محمد امین ابن عبدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۳۷۷، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

کسی بات میں مبالغہ کرنا جھوٹ نہیں ہے جیسا کہ کوئی شخص کے میں تمہارے پاس ہزار بار گیا ہوں، یعنی بار بار گیا ہوں، مبالغہ کے جواز پر اس حدیث صحیح میں دلیل ہے اما ابوجہم فلا یضع عصاه عن عاتقہ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۸۳ مطبوعہ اصح المطابع کراچی) ”لیکن ابو جہم تو اپنے کندھے سے لاشی اتارتا ہی نہیں۔“ یعنی وہ بیوی کو بہت مارتا ہے اسی طرح شعر میں بھی جھوٹ جائز ہے جبکہ اس کو مبالغہ پر نہ محمول کیا جاسکے، جیسا کہ یہ شعر ہے :

انا ادعوک لیلا ونهارا
ولا اخلی مجلسا عن شکرک
میں دن رات تمہارے لیے دعا کرتا ہوں، اور ہر مجلس میں تمہارا شکر ادا کرتا ہوں۔

علامہ رافعی اور علامہ نووی نے ان دونوں صورتوں کو جائز لکھا ہے۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۳۷۷، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

ہرچند کہ علامہ شامی نے علامہ رافعی اور علامہ نووی کے حوالے سے شعر میں بغیر مبالغہ کے بھی جھوٹ بولنا جائز لکھا ہے لیکن ہمارے نزدیک اگر مبالغہ نہ ہو تو پھر شعر میں جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے، کیونکہ مبالغہ کے لیے تو حضرت ابو جہم کی حدیث اصل ہے اور شعر میں جھوٹ کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

تعریض اور تور یہ میں جھوٹ بھلنے کا جواز

جمہور فقہاء اسلام نے تعریض اور تور یہ کے طور پر جھوٹ بولنا جائز لکھا ہے بلکہ بعض فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ تعریض اور تور یہ میں اس قدر وسعت ہے کہ اگر تعریض اور تور یہ سے کلام لیا جائے تو پھر حقیقتہ ”جھوٹ بولنے کی کبھی ضرورت نہیں ہوگی“ اس پر دلائل دینے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ تعریض اور تور یہ کی تعریفات ذکر کر دیں تاکہ عام قارئین اس بحث سے مستفید ہو سکیں۔

تعریض کا لغوی معنی ہے ”دوسرے پر ڈھل کر بت کرنا۔“ (المبند)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں : تعریض، تصریح نہ کرنے کو کہتے ہیں اور معاریض کا معنی ایک چیز کا دوسری چیز سے تور یہ (کنایہ) کرنا ہے، حضرت عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : معاریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا معاریض مسلمان کو جھوٹ سے مستغنی کر دیتی ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا مجھے معاریض سرخ لونٹوں سے زیادہ پسند ہیں۔ اگر کسی عورت کو اس کی عدت میں نکاح کا پیغام دینا ہو تو اس کی تصریح نہ کرے اور تعریضا کہے ”تم بہت خوبصورت ہو“ یا کہے ”مجھے نکاح کی ضرورت ہے۔“ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”ان و سادک لعریض“ ”تمہارا انکیہ بہت چوڑا ہے۔“ اور انکیہ سے ان کی نیند کا لہوہ کیا یعنی تم بہت سوتے ہو، حدیث میں ہے :

من عرض عرضنا له ومن مشی علی الکلا
جو شخص تعریض کرے گا تو ہم بھی اس کے ساتھ تعریض کریں گے اور جو شخص دریا کے کنارے چلے گا ہم اس کو دریا میں ڈال دیں گے۔

اس کی تفسیر یہ ہے کہ جو شخص کسی مسلمان پر تعریضا تمہمت لگائے گا تو ہم اس کو تعریضا سزا دیں گے یعنی ایسی سزا دیں گے جو حد سے کم ہوگی اور جو شخص کسی پر تعریضا تمہمت لگائے گا اور تمہمت کی کشتی پر سوار ہو کر دریا میں چلے گا ہم

اس پر حد جاری کریں گے اور اس کو ”حد“ کے دریا میں ڈال دیں گے۔

(لسان العرب ج ۷ ص ۷۸۳-۷۸۴، مطبوعہ نثر لوب المحدثہ قم ایران ۱۳۵۵ھ)
علامہ تفتازانی تعریض کی تعریف میں لکھتے ہیں : کلام کو ایک ایسی جانب پھیرنا جو مقصود پر دلالت کرے، تعریض ہے، یعنی جب اشارہ ایک جانب کیا جائے اور مرلود سری جانب ہو تو یہ تعریض ہے۔

(مختصر المعانی ص ۳۴۱-۳۴۰، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ جب کلام میں صراحت ”ایک شخص کی طرف کسی فعل کا اسناد ہو اور اشارہ اور مرلود کوئی دوسرا شخص ہو تو یہ تعریض ہے مثلاً کوئی بڑا افسردہ سے دفتر میں آتا ہو جس سے لوگوں کے کاموں میں دشواری ہوتی ہو اور اس کو صراحت ”تنبیہ کرنا اس کے وقار اور مرتبہ کے خلاف ہو تو کوئی شخص اس سے کہے کہ دفتر کاشف یا کلرک وغیرہ سے دفتر آتے ہیں اور اس سے بڑا حرج ہوتا ہے۔

توریہ کا معنی چھپانا اور کنلیہ کرنا ہے۔ علامہ زبیدی لکھتے ہیں : ”وری الخبر توریہ“ کا معنی ہے اصل خبر کو چھپا کر کچھ اور ظاہر کیا، حدیث میں ہے کہ جب آپ سفر کا ارادہ کرتے تو سفر کو چھپا کر یہ وہم ڈالتے کہ آپ کسی اور چیز کا ارادہ کر رہے ہیں۔

(تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۸۹، مطبوعہ المکتبۃ الخیرۃ مصر ۱۳۵۶ھ)
علامہ تفتازانی توریہ کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ توریہ کو ابہام بھی کہتے ہیں اور اس کی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں قریب اور بعید، اور بولنے والا کسی خفی قرینہ کی بناء پر اس لفظ کا بعید معنی مرلود لے اور مخاطب اس سے قریب سمجھے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین (ظاہری) جھوٹ بولے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)
اس حدیث میں توریہ پر جھوٹ کا اطلاق کیا گیا ہے کیونکہ وہ ظاہراً ”اور صورتہ“ جھوٹ ہوتا ہے حقیقتہ ”جھوٹ نہیں ہوتا۔ قرآن اور حدیث میں تعریض اور توریہ کی بہ کثرت مثالیں ہیں : اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

حضرت ابراہیم نے کہا میں بیمار ہوں۔

فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصفت : ۸۹)

سقیم کا قریب معنی ہے جسمانی بیمار اور بعید معنی ہے روحانی بیمار، حضرت ابراہیم جسمانی بیمار نہ تھے انہوں نے اس لفظ سے توریہ کر کے روحانی بیماری مراد لی، یعنی قوم کی بت پرستی کی وجہ سے ان کی روح بیمار تھی یا مستقبل میں بیمار ہونا مرلود لیا۔

انہوں نے کہا اے ابراہیم کیا آپ نے ہمارے معبودوں
قَالُوْۤا اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِالْهٰتِنَا یَا اِبْرٰهٰیْمُ ۝
قَالَ بَلْ فَعَلَهُ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَاَسَلُوْهُمۡ اِنْ کَانُوْۤا
(بت) نے یہ کام کیا ہے، اگر یہ بولتے ہیں تو تم ان سے پوچھ لو۔

یَنْطِقُوْنَ (الانبیاء : ۶۳-۶۲)

اس آیت میں کبیر ہم حذا کا قریب معنی ہے ”اس بڑے بت نے“ اور اس کا بعید معنی ہے قوم کے اس بڑے شخص نے، لوگوں نے یہی سمجھا کہ آپ کہہ رہے ہیں کہ اس بڑے بت نے باقی بتوں کو توڑا ہے، حالانکہ آپ کی مراد یہ تھی کہ قوم کے اس بڑے شخص یعنی خود حضرت ابراہیم نے ان بتوں کو توڑا ہے اور آپ نے اس بڑے بت کی طرف اسناد کا ابہام

اس نے کیا ہے کہ ان کی قوم خود کے کہ یہ بت تو مل جل بھی نہیں سکتے ہوں کو کس طرح توڑ سکتے ہیں اور ان کے خلاف جھٹ کام ہو جائے۔

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں گئے اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ اس ملک میں ایک شخص آیا ہے اس کے ساتھ ایک عورت ہے جو تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت ہے، بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو بلوایا اور پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا یہ میری بہن ہے۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اخت کے دو معنی ہیں نسبی بہن اور بعید معنی ہے دینی بہن، بادشاہ نے اس لفظ سے نسبی بہن سمجھا اور حضرت ابراہیم نے دینی بہن کا ارادہ کیا اور یہی تو یہ ہے۔

نیز لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر ایک شخص نے سواری طلب کی آپ نے فرمایا میں تم کو لونٹ کے بچہ پر سوار کروں گا، اس شخص نے کہا یا رسول اللہ میں لونٹ کے بچے کا کیا کروں گا، آپ نے فرمایا جو لونٹ پیدا ہوتا ہے وہ لونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔
(الادب المفرد ص ۷۷، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل)

اس حدیث کو لام ابو داؤد (۱) اور لام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (۲)

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا فوت ہو گیا، انہوں نے (بیوی سے) کہا لڑکے کی طبیعت کیسی ہے؟ حضرت ام سلیم نے کہا وہ پرسکون ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کو آرام مل گیا ہے! اور حضرت ابو طلحہ نے ان کی بات کو سچ سمجھا۔
(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ام سلیم نے جو کہا کہ ”بیٹا پرسکون ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کو راحت مل گئی ہے۔“ اس کا قریب معنی یہ تھا کہ اس کو بیماری سے شفا مل گئی ہے اور بعید معنی یہ تھا کہ وہ فوت ہو گیا اور اس کو ابدی راحت مل گئی، حضرت ام سلیم نے اس معنی کا ارادہ کیا تھا کیونکہ حضرت ابو طلحہ اسی وقت سفر سے آئے تھے اور وہ ان کو آتے ہی کوئی تکلیف دہ بات سنانا نہیں چاہتی تھیں، اس لئے انہوں نے صراحت ”یہ نہیں کہا کہ وہ فوت ہو گیا اور تو یہ سے کلام کیا۔“

لام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ آپ ہم سے خوش طبعی کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں حق کے سوا اور کچھ نہیں کہتا۔
(جامع ترمذی ص ۲۳۳-۲۳۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو لام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ (الادب المفرد ص ۷۷، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل)

تو یہ کے سلسلے میں فقہاء کی رائے

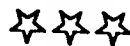
(۱) لام ابو داؤد سلیمان بن اشعث حنفی ۷۷ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۲۶، مطبوعہ مطبع مجملی پاکستان لاہور ۱۳۰۶ھ

(۲) لام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی حنفی ۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۳۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

علامہ شاہی لکھتے ہیں غرض صبح کے لیے توریہ اور تعریض جائز ہے مثلاً مزاح میں 'جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی۔" (یعنی بڑھیا بحیثیت بڑھیا نہیں جائے گی بلکہ جوان ہو کر جائے گی) نیز فرمایا "تیرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی ہے۔" نیز فرمایا "ہم تم کو لونٹ کے بچہ پر سوار کریں گے۔" (کیونکہ ہر لونٹ کسی لونٹ کا بچہ ہوتا ہے) (رد المحتار ج ۵ ص ۷۸، مطبوعہ مطبع مکتبہ استنبول ۱۳۷۷ھ)

خلاصہ بحث

قرآن مجید کی آیات 'احلیث' آثار صحابہ اور فقہاء کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ جس جگہ کسی مصلحت سے جھوٹ بولنا پڑے تو صراحتہ "جھوٹ بولنے کے بجائے توریہ اور تعریض سے کام لینا چاہئے تاہم بعض مواقع پر صراحتہ "جھوٹ بولنے کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ ہم نے امام غزالی اور علامہ شاہی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ مسلمان کے لیے اپنی جان، مل اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے لیکن یہ رخصت ہے اور عزیمت اس کے برعکس ہے 'اور دوسرے مسلمان کی جان، مل اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے اور ان مواقع پر بھی توریہ مستحسن ہے۔ فقہاء کرام نے اپنی جان اور دوسرے مسلمان کی جان بچانے کے سلسلے میں جو جواز اور وجوب کا فرق کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے معاملہ میں تو رخصت کو چھوڑ کر عزیمت پر عمل کر سکتا ہے لیکن دوسرے شخص کے معاملہ میں اس کو یہ اختیار نہیں ہے۔



وَإِذْ أَقِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝۱۱

اور جب ان سے کہا گیا کہ زمین میں فساد نہ کرو تو انہوں نے کہا ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں ۝

إِلَّا أَنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۱۲ وَإِذْ أَقِيلَ

سنو بے شک یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن ان کو شعور نہیں ہے ۝ اور جب ان سے

لَهُمْ آمَنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنْتُمْ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۝۱۳

کہا گیا اس طرح ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو انہوں نے کہا کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح بے وقوف

إِلَّا أَنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ۝۱۴

ایمان لائے ہیں، سنو یہی لوگ بے وقوف ہیں لیکن ان کو علم نہیں ہے ۝

منافقین اپنے افساد کو اصلاح کیوں کہتے تھے منافقین کا فساد یہ تھا کہ وہ کفار سے تعاون کر کے اور مسلمانوں کے راز ان پر ظاہر کر کے جنگ کی آگ بھڑکاتے تھے اور فتنوں کو جگاتے تھے کیونکہ جنگ کے نتیجہ میں زمین پر لہلہاتے ہوئے کھیت اجڑ جاتے تھے، مل اور مویشی ہلاک ہو جاتے

لے اور فساد کا کل ہوتا تھا یا ان کا فساد یہ تھا کہ وہ زمین پر اللہ کی نافرمانی کرتے تھے اور شریعت کے ساتھ استہزاء کرتے تھے اور اس کے نتیجہ میں زمین پر خون ریزی ہوتی تھی اور فتنہ اور فساد ہوتا تھا اور چونکہ منافقین کے دلوں میں بیماری تھی اس لیے وہ اپنے فساد کرنے کو اصلاح اور اپنی شرانگیزی کو کار خیر گمان کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا

تو کیا جس شخص کے لیے اس کا برا کام مزین کر دیا گیا تو اس نے اس کو اچھا سمجھا۔

(الفاطر : ۸)

منافقین کا مقصد یہ تھا کہ ہم تو فساد کرنے سے بہت دور ہیں، کیونکہ ہم اپنے علماء اور پیروں کی پیروی کرتے ہیں، جنہوں نے انبیاءِ مطہمہ اسلام سے تعلیم حاصل کی ہے تو ہم ان کے طریقہ کو کیسے چھوڑیں اور اپنے گلے میں ایک نئے دین کا قلعہ کیسے ڈال لیں؟ اور ہم مسلمانوں کے خلاف جنگ کی آگ بھڑکا کر ان کو کمزور کر رہے ہیں تاکہ یہ نیا دین پھیلنے پھولنے نہ پائے لہذا لوگوں کو اس نئے دین سے دور رکھنے کی ہماری یہ کوشش لوگوں کی اصلاح اور ان کی خیر خواہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

عمر رسالت سے لے کر آج تک افسوس کو اصلاح کا نام دینے کا تسلسل

ہر زمانہ میں مفسدین کا یہی حل رہا ہے، جو لوگ دین میں نئی نئی بدعات پیدا کرتے ہیں اور نئے نئے مذاہب ایجاد کرتے ہیں اور اللہ اور بے دینی کی تحریکات چلاتے ہیں۔ وہ اپنی مختصر بدعات، مذاہب اور تحریکات کو نہایت خوش نما اور خوبصورت نام دے دیتے ہیں، جیسے محبت لیل بیت کے نام پر تعزیر داری، ماتم اور سب صحابہ کی بدعات نکل آئیں ہیں اور توحید کے نام پر انبیاءِ مطہمہ اسلام اور اولیاءِ کرام کی شان اور عظمت کو کم کیا جاتا ہے اور جب ان لوگوں کا محاسبہ کیا جائے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کر رہے ہیں، لیل بیت کی عظمت اجاگر کر رہے ہیں اور شرک کو مٹا رہے ہیں، اس طرح بعض غیر معتدل لوگ رسول اللہ ﷺ سے عقیدت کے اظہار میں غلو کرتے ہیں، نماز، روزہ اور دیگر فرائض باقاعدگی سے ادا نہیں کرتے اور عید میلاد کے جلوس کو باقاعدہ میلوں ٹیلیوں کی طرح نکالتے ہیں۔ (تاہم سب جلوس ایسے نہیں ہوتے میں نے برطانیہ میں کئی بار میلاد کے جلوسوں میں شرکت کی جس میں نعت خوانی اور ذکر ہوتا ہے کوئی غیر شرعی بات نہیں ہوتی صبح سے جلوس نکلتا ہے اور عصر سے پہلے ختم ہو جاتا ہے اور تمام شرکاء جلوس باجماعت عصر کی نماز پڑھتے ہیں اور پھر جلسہ ہوتا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے فضائل اور آپ کی سیرت کا بیان ہوتا ہے اور عصر سے پہلے جلسہ ختم ہو جاتا ہے اور سب شرکاء جلسہ عصر کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، کاش پاکستان کے شہروں میں بھی ایسا ہو!) اسی طرح بعض غیر معتدل مقرر اور شاعر رسول اللہ ﷺ کے کلمات کو اللہ تعالیٰ سے بوجھا کر بیان کرتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت قتادہ بن نعمان کی نکلی ہوئی آنکھ کو دیکھا لگا دیا اور آپ کے دست تقدس کی برکت سے اس سے زیادہ نظر آنے لگا تو اس میں یہ نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ خدا کی دی ہوئی آنکھ سے اتنا نظر نہیں آتا تھا جتنا مصطفیٰ کی دی ہوئی آنکھ سے نظر آتا تھا، حالانکہ دونوں آنکھیں خدا کی دی ہوئی ہیں فرق یہ ہے کہ پہلی آنکھ مل ہاپ کے واسطے سے ملی ہے اور دوسری آنکھ سرکار کے ہاتھوں سے ملی ہے۔

ایمان لانے کے لیے صحابہ کرام کے ایمان کا معیار ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ”مور جب ان سے کہا گیا اس طرح ایمان لاؤ، جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو

جس نے کہا کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں“

علامہ ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس طرح لوگ ایمان لائے ہیں۔ ”اس سے مراد اصحاب محمد (ﷺ) ہیں، اور منافقین نے جو کہا جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں، اس سے ان کی مراد بھی اصحاب محمد (ﷺ) ہیں، یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۹۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس سے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب مراد ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۲۰۵، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ سیوطی نے ان اقوال کو نقل کرنے کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ تاریخ ابن عساکر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔

(در منثور ج ۱ ص ۳۱-۳۰، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

شیخ مفسر شیخ فضل بن حسن طبری لکھتے ہیں : اس آیت کا معنی یہ ہے کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) اور آپ پر نازل شدہ کتاب کی اس طرح تصدیق کرو جس طرح آپ کے اصحاب نے اس کی تصدیق کی ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ (حضرت) عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھ جو دوسرے یہودی ایمان لائے تھے، ان کی طرح آپ کی تصدیق کرو۔

(مجمع البیان ج ۱ ص ۳۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۱ھ)

ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے کے لیے صحابہ کرام کا ایمان معیار ہے۔

زندیق کی توبہ کی قبولیت پر دلیل

اس آیت سے زندیق کی توبہ کے مقبول ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے نفاق کی خبر دی اور ان کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا اور نبی (ﷺ) کو ان کے ظاہر اسلام کے قبول کرنے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ کو ان کے فاسد عقائد کا جو علم تھا اس کے مطابق ان کے ساتھ کفار کا معاملہ کرنے کا حکم نہیں دیا، اور یہ ثابت ہے کہ یہ آیات مدینہ منورہ میں کفار سے قتل کی مشروعیت کے بعد نازل ہوئی ہیں، نیز صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا مجھے لوگوں سے قتل کرنے کا حکم دیا گیا حتیٰ کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں جب وہ ایسا کریں گے تو وہ اپنی جانوں اور مالوں کو مجھ سے محفوظ کر لیں گے، البتہ اسلام کا حق لیا جائے گا اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے (۱) اور منافقین بہ ظاہر کلمہ پڑھتے تھے، نماز پڑھتے تھے اور زکوٰۃ لو کرتے تھے۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ منافق کا ایمان لانا اور اس کی توبہ مقبول ہے، اسی پر زندیق کو قیاس کیا گیا ہے۔ اب ہم پہلے زندیق اور ملحد کی تعریفیں ذکر کریں گے پھر ان کا شرعی حکم بیان کریں گے۔

زندیق کی تحقیق اور اس کا شرعی حکم

علامہ تفتازانی نے کافروں کی حسب ذیل اقسام لکھی ہیں :

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

کفر: جو شخص ظاہراً ایمان نہ لائے، مطلق: جو شخص بہ ظاہر ایمان لائے اور حقیقت میں کافر ہو، مرتد: جو شخص اسلام لانے کے بعد اسلام سے رجوع کر کے کفر کو قبول کر لے۔ مشرک: جو شخص متحد خدا ماننے، کتبلی: جو شخص لوہان سابقہ منسوخہ کا معتقد ہو جیسے یہودی اور عیسائی، دہری: جو شخص دہر کو قدیم مانے اور حوادث کی نسبت دہر کی طرف کرے، مطلق: جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم نہ کرے، زندیق: جو شخص نبی ﷺ کی نبوت کا اعتراف کرتا ہو، شعار اسلام کا اظہار کرتا ہو اور اس کے دل میں کفریہ عقائد ہوں۔

(شرح القاصد ج ۵ ص ۲۷۷، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران، ۱۳۰۹ھ)

ملاحظہ: جو شخص شریعت مستقیمہ سے کفر کی کسی حجت کی طرف میلان کرے، اس میں وجود باری کو ماننے کی شرط ہے نہ نبوت کے ماننے کی شرط ہے، نہ کفر کو چھپانے کی شرط ہے، نہ پہلے اسلام کو ماننے کی شرط ہے، یہ کفر کی تمام اقسام سے عام ہے۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۹۶)

علامہ سید احمد مظلوی حنفی، زندیق کے متعلق لکھتے ہیں:

فلوی قاری الحدیث میں لکھا ہے کہ زندیق وہ شخص ہے جو دہر کے قدیم ہونے کا معتقد ہو، خالق اور آخرت پر ایمان نہ لائے اور اس کا اعتقاد ہو کہ اموال اور محرمات مشترک ہیں، اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ زندیق وہ شخص ہے جو خدا کا قائل ہو نہ آخرت کا اور نہ کسی چیز کو حرام سمجھتا ہو، یہ علامہ بیہی سے منقول ہے، اور فتح القدیر میں ہے کہ زندیق کسی دین کا قائل نہیں ہوتا، اور حاشیہ لبی سعود میں ملتقات سے منقول ہے کہ زندیق کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ زندیق اصلی یہ وہ عجمی شخص ہے جو اپنے سابق شرک پر قائم ہو۔ ۲۔ زندیق غیر اصلی وہ شخص ہے جو پہلے مسلمان ہو اور پھر زندیق ہو جائے، اس پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر یہ مسلمان ہو گیا تو فیہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ یہ مرتد ہے۔ ۳۔ جو شخص پہلے ذی ہو اور پھر زندیق ہو جائے اس کو اس کے حل پر چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ کفر ملت واحدہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ زندیق کی توبہ مقبول ہے اور توبہ اس سے قتل کو ساقط کر دیتی ہے۔

(حاشیہ المظلوی علی لدر المختار ج ۲ ص ۲۸۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۵ھ)

علامہ مظلوی نے زندیق کی جتنی تعریضیں لکھی ہیں یہ سب اس کے لغوی معنی ہیں، اصطلاح شرع میں اس کا وہی

معنی ہے جو علامہ قسطلانی نے لکھا ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

علامہ ابن کمال پشانے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ لغت میں زندیق اس شخص کو کہتے ہیں جو خالق کی نفی کرے، اور جو متحد خدا لوں کا قائل ہو، اور جو اللہ کی حکمت کا انکار کرے، اور اصطلاح شرع میں زندیق وہ شخص ہے جو نبی ﷺ کی نبوت کا اعتراف کرے اور کفر کو حق قرار دے جیسا کہ شرح مقاصد میں ہے، زندیق کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ اپنی گمراہی کی طرف دعوت نہیں دیتا تو پھر اس کی تین قسمیں ہیں (زندقہ اصلی، غیر اصلی اور وہ زندیق جو پہلے عجمی ہو، ان کی تفصیل علامہ مظلوی کی عبارت میں گزر چکی ہے) اور اگر زندیق اپنی گمراہی کی طرف لوگوں کو دعوت دے تو اگر اس نے گرفتار ہونے سے پہلے اپنے اختیار سے توبہ کر لی ہے تو اس کی توبہ قبول ہوگی ورنہ اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ زندیق تو اپنے کفر کو حق قرار دیتا ہے وہ اپنی گمراہی کی طرف کیسے لوگوں کو دعوت دے گا، اس کا

جواب یہ ہے کہ وہ اپنے کفر پر اسلام کا طمع چڑھا کر اور اپنے عقائد فاسدہ کو عقائد صحیحہ کی صورت میں پیش کر کے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دے گا (جیسے ہمارے زمانہ میں مرزائی ہیں)

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۹۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

صحابہ کرام پر سب و شتم کی مذمت اور رد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سنو یہی لوگ بے وقوف ہیں لیکن ان کو علم نہیں ہے۔

منافقین نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو جلیل کہا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا اور ان کی زیادہ جہالت بیان کی کہ وہ نہ صرف جلیل ہیں بلکہ ان کو اپنی جہالت کا علم بھی نہیں اور اس آیت میں قصر قلب ہے اور کئی وجہ سے تاکید ہے، قصر قلب کا تقاضا یہ ہے کہ اصحاب رسول جلیل نہیں ہیں بلکہ یہی جلیل ہیں اور اپنی جہالت سے بھی جلیل ہیں اور خود کو عالم سمجھ رہے ہیں اور اس جملہ کو اللہ تعالیٰ نے 'الا' ان اور اسمیت جملہ سے موکد فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ ہمیشہ ہمیشہ جہالت میں رہیں گے اور ان کو اپنی جہالت کا علم نہیں ہو گا، اور ایسی جہالت زیادہ لائق مذمت ہے، کیونکہ جس شخص کو کسی چیز کا پتا نہ ہو اس میں صرف ایک جہالت ہے، اور وہ بالوقت معذور ہوتا ہے اور جب اس کو اس چیز کا پتا چل جائے یا اس کو مسئلہ بتا دیا جائے تو اس کی جہالت زائل ہو جاتی ہے اور اس کو ہدایت سے نفع پہنچتا ہے اور جو شخص جلیل ہو اور وہ اپنی جہالت سے بھی جلیل ہو اس میں دو جہالتیں ہیں ایک مسئلہ سے جہالت، دوسری اپنی جہالت سے جہالت، اس کو جہل مرکب کہتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو سب و شتم کرنا اللہ کو بہت ناگوار ہے، منافقین نے ایک بار صحابہ کو جلیل کہا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ آیت نازل کر دی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ جلیل نہیں بلکہ ان کو جلیل کہنے والے خود جلیل ہیں اور اپنی جہالت سے بھی جلیل ہیں اور ان کا جہل دائمی ہے، اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی جہل سے براءت کی اور ان کو جلیل کہنے والوں کی مذمت کی، منافقوں نے تو ایک بار صحابہ کو جلیل کہا تھا لیکن جب تک قرآن مجید پڑھا جاتا رہے گا یہ کہا جاتا رہے گا کہ منافق جلیل ہیں اور اپنی جہالت سے بھی جلیل ہیں اور دائمی جہل میں گرفتار ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ پر سب و شتم کرنے والوں کا رد کرنا چاہئے اور صحابہ کا دفاع کرنا چاہئے کہ یہ سنت اللہیہ ہے۔

وَإِذْ أَقْبَرُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ

اور جب یہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے، اور جب یہ اپنے شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں

شَيْطَانِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَؤُونَ ﴿۱۴﴾

ہوتے ہیں تو کہتے ہیں یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو ان کے ساتھ صرف مذاق کرتے ہیں ۰

اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۵﴾

اللہ ان کو ان کے مذاق کی مزاد سے رہا ہے اور ان کو دھیلے رہا ہے، یہ اپنی سرکشی میں اندھوں کی طرح بھٹک رہے ہیں ۰

من شیاطین کلین جن سے منافق خلوت میں ملتے تھے

لام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ بعض یہودی (یعنی منافق) جب نبی ﷺ کے اصحاب سے ملاقات کرتے تو کہتے ہم تمہارے دین پر ہیں، اور جب اپنے اصحاب سے تنہائی میں ملتے جو کافروں کے سردار تھے، تو کہتے یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف مذلق کرتے ہیں۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۱۰۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ خازن اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں :

روایت ہے کہ عبد اللہ بن ابی لور اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ سامنے سے صحابہ کرام ان کی طرف آرہے ہیں، اس نے اپنی قوم سے کہا دیکھو میں ان بے وقوفوں کو کس طرح تم سے واپس کرتا ہوں، اس نے حضرت ابو بکر کا ہاتھ پکڑ کر کہا : مرحبا اے بنو تیم کے سردار، شیخ الاسلام، غار میں رسول اللہ کے رفیق، رسول اللہ ﷺ کے لیے اپنی جان اور مال کو خرچ کرنے والے، پھر حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا مرحبا اے بنو عدی کے سردار، فاروق، اللہ کے دین میں قوی، اپنی جان اور مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے، پھر حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا مرحبا اے رسول اللہ! کے عمزاد آپ کے داماد رسول اللہ ﷺ کے سوا تمام بنو حاشم کے سردار! حضرت علیؓ نے فرمایا اے ابی! اللہ سے ڈر، نفاق نہ کر، منافق اللہ کی بدترین مخلوق ہیں، عبد اللہ بن ابی نے کہا اے ابو الحسن ذرا ٹھہریے خدا کی قسم میں نے یہ باتیں ازراہ نفاق نہیں کہیں، ہمارا ایمان آپ ہی کی طرح ہے، پھر صحابہ کرام کے جانے کے بعد عبد اللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم نے دیکھا میں نے ان کو کیسے بے وقوف بنایا! (معزلہ اللہ) صحابہ کرام نے واپس آکر یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کو سنایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر خازن ج ۱ ص ۳۰-۲۹، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

علامہ خفاجی نے اس روایت پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے :

اس حدیث کو واحدی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی سند بیان کر کے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے اور کہا یہ سلسلہ لاذہب نہیں ہے بلکہ سلسلہ الکذب ہے (یعنی جھوٹی سند ہے) اور اس حدیث کے موضوع ہونے کے آثار ظاہر ہیں، کیونکہ محدثین کی تصحیح کے مطابق نبی ﷺ کے مدینہ آتے ہی شروع میں سورہ بقرہ نازل ہوئی تھی، اور ہجرت کے دوسرے سال میں حضرت علیؓ کی حضرت سیدہ فاطمہؓ سے شادی ہوئی تھی، اور اس حدیث میں ہے کہ عبد اللہ بن ابی نے حضرت علیؓ کو رسول اللہ ﷺ کا دلو کہا۔

(عیات القاضی ج ۱ ص ۳۳۹، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۴۸۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جب یہ اپنے شیاطین سے خلوت میں ملتے ہیں :

علامہ ابو الیث سمرقندی نے لکھا ہے کہ شیاطین سے مراد یہود کے پانچ قبیلے ہیں : کعب بن اشرف مدینہ میں، ابو ہریرہ اسلمی بنو اسلم میں، ابو السوداء شام میں، عبدالدار جہنہ میں سے اور عوف بن مالک بنو اسد سے، ابو عبیدہ نے کہا ہر وہ شخص جو گمراہ اور سرکش ہو وہ شیطان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے استہزاء کی توجیہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : "اللہ ان کے ساتھ استہزاء فرماتا ہے۔"

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ قصداً مذاق کرنے کو استہزاء کہتے ہیں اور استہزاء کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو تو اس کا معنی استہزاء کی جزا دینا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ایک مدت تک مہلت دیتا ہے، پھر اچانک ان کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے، اس کو استہزاء اس لیے فرمایا ہے کہ منافقین اس دھوکے میں تھے کہ وہ مسلمانوں کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے نفاق اور سرکشی کے بلوغد ان پر مسلمانوں کے احکام جاری کئے گئے اور ان سے موافقہ نہیں کیا گیا لیکن حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ان کے نفاق کا علم تھا اور آخرت میں ان کے ساتھ سورۃ ”استہزاء“ لکھی جائے گا :

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں :

امام ابن المنذر نے ابوصالح سے روایت کیا ہے کہ دونخ میں دوزخیوں سے کہا جائے گا کہ دونخ سے نکلو اور دونخ کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، جب وہ دونخ کے کھلے ہوئے دروازے دیکھیں گے تو وہ دونخ سے نکلنے کے لیے بھاگیں گے اور مومن جنت میں اپنے تختوں پر بیٹھے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے ہوں گے، اور جب کفار دروازوں کے قریب پہنچیں گے تو وہ دروازے بند ہو جائیں گے اور مومن ان پر نہیں گے (۱) جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :

هـ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ۝ تُوَ آج (قیامت کے دن) ایمان والے کافروں پر ہنستے ہیں، عَلَىٰ آلَا رَائِكَ يَنْظُرُونَ ۝ هَلْ تُؤِوبُ الْكُفَّارُ ۝ وہ (علی شان) تختوں پر بیٹھے ہوئے دیکھتے ہیں کہ کافروں کو ان کے مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ (المطففين : ۳۶-۳۷) کیے ہوئے کاموں کا کیا بدلہ ملا ہے!

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے استہزاء کی جزاء (سزا) کو استہزاء سورۃ ”فرمایا ہے“ حقیقت میں یہ استہزاء نہیں ہے اس کی نظیر یہ آیت ہے :

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ : ۴۰) اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔

حالانکہ برائی کا بدلہ حقیقت میں عدل و انصاف ہوتا ہے، برائی نہیں ہوتی لیکن کسی چیز کا بدلہ سورۃ ”اسی کی مثل ہوتا ہے اس لیے اس کو برائی فرمایا، اسی طرح منافقین کے استہزاء کا بدلہ حقیقتہ ”استہزاء نہیں سورۃ“ مماثل ہونے کی وجہ سے اس کو استہزاء فرمایا۔

☆☆☆

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَحْمَتُ بٰرِئِكُمْ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلہ میں خریدا، سو ان کی تجارت نفع بخش نہ ہوئی اور

وَمَا كَانُوا مُهْتَدٰیۖنَ ﴿۱۶﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ

نہ یہ ہدایت یافتہ تھے ۝ ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی اور جب

(۱) حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، درمنثور ج ۱ ص ۳۱، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران

فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي

اس کا ماحول روشن ہو گیا تو اللہ نے ان کا نور بھارت سب کر لیا اور ان کو

ظِلْمٍ لَا يَبْصُرُونَ ۝ صُمُّ بَكْمُ عَمٰی فَمِمَّ لَا يَرْجِعُونَ ۝ ۱۸

اندھیر میں چھوڑ دیا کہ وہ نہیں دیکھتے ۝ بہرے ہیں، گونگے ہیں اندھے ہیں پس وہ ہدایت کی طرف رجوع نہیں کریں گے ۝

اس جگہ خرید و فروخت کا حقیقی معنی مرلو نہیں ہے، بلکہ مرلو یہ ہے کہ انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو اختیار کر لیا، ان کے سامنے قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی پیش کردہ ہدایت بھی تھی اور اس کے مقابلہ میں یہودیت کے عارضی منافع بھی تھے لیکن انہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو اختیار کر لیا اس تجارت میں ان کا اس المال بھی ضائع ہو گیا کیونکہ ان کی فطرت میں ہدایت کو قبول کرنے کی جو استعداد اور صلاحیت تھی وہ بھی ضائع ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”ان کی مثل اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی اور جب اس کا ماحول روشن ہو گیا تو اللہ نے ان کا نور بصارت سب کر لیا۔“

منافقین کے احوال کی پہلی مثل

علامہ ابن جریر لکھتے ہیں :

قلوبہ نے بیان کیا ہے کہ جب منافق لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو اس کے لیے دنیا میں روشنی ہو جاتی ہے وہ مسلمانوں سے اپنی جان و مال کو محفوظ کرتا ہے۔ زکوٰۃ صدقات اور مل غنیمت کے فوائد حاصل کرتا ہے اور مسلمانوں میں نکاح کرتا ہے اور ان کا وارث ہوتا ہے اور جب اس کو موت آتی ہے تو اسلام کے تمام ثمرات اور فوائد ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ دل سے مسلمان نہ تھا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۱۱۰-۱۱۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اور ان کو ظلمت (اندھیروں) میں چھوڑ دیا۔“

ظلمت اس چیز کو کہتے ہیں جو دیکھنے سے منع کرتی ہے، منافقوں کے لیے کئی ظلمات ہیں، ظلمت کفر، ظلمت نفاق اور ظلمت یوم قیامت، جس دن مومنوں کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب چمک رہا ہو گا، اور منافقوں کے سامنے اندھیرا ہو گا یا اس سے مرلو ہے گمراہی کی ظلمت، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی ظلمت اور دائمی عتاب کی ظلمت۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مثل بیان کی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایک طرح کی ہدایت مہیا کی اور انہوں نے اس کو ضائع کر دیا اور جنت کو حاصل نہیں کیا، اس آیت کے عموم میں یہ منافق بھی داخل ہیں کیونکہ انہوں نے کلمہ پر محالین کفر کو غفلت رکھ کر اپنے شیطانوں کی موافقت کرنے کی وجہ سے اس کو ضائع کر دیا، اس آیت کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئے اور اس آیت میں وہ بھی داخل ہیں جو مقام ارلوت (یہ احوال سالک کی ابتدا ہے جس سے وہ نفسانی خواہشوں کو ترک کرتا ہے راضی بہ رضاء الہی رہتا ہے تو اس پر انوار الہیہ کا فیضان ہوتا ہے) پر قاذم ہوتے ہیں اور اس سے اگلے مقام، مقام محبت کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں تو مقام ارلوت کا نور بھی جاتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بہرے ہیں، گونگے ہیں اندھے ہیں پس وہ (ہدایت کی طرف) رجوع نہیں کریں گے۔

یعنی حق کو سننے سے بہرے ہیں، حق بولنے سے گونگے ہیں اور حق کو دیکھنے سے اندھے ہیں، اللہ تعالیٰ نے کلمہ حق لئے دیئے ہیں کہ وہ حق کو سنے، سو جس نے حق کو نہیں سنا، وہ خولہ کلمہ رکھتا ہو اللہ کے نزدیک بہرا ہے، اور زبان کلمہ حق بولنے کے لیے دی ہے سو جس نے کلمہ حق نہیں بولا وہ خولہ زبان رکھتا ہو وہ اللہ کے نزدیک گونگا ہے اور جس نے حق کو نہیں دیکھا وہ خولہ آنکھیں رکھتا ہو وہ اللہ کے نزدیک اندھا ہے، یہ لوگ اب اس ہدایت کی طرف نہیں لوٹیں گے جس کو ضائع کر چکے ہیں اور اس گمراہی کو ترک نہیں کریں گے جس کو اختیار کر چکے ہیں۔

☆☆☆

اَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ

یا ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو آسمان سے برسنے والی بارش میں گھرے ہوئے (ہوں) اس بارش میں تاریکیاں، ٹرک

اَصَابِعُهُمْ فِيْ اَازِمٍ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ

اور چمک ہو، وہ ٹرک (ٹن کر) جان کے خوف سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں اور اللہ کافروں کو

بِالْكَافِرِيْنَ ۙ يَكَادُ الْبَرْقُ يُخْطِفُ اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا اَضَاءَ لَهُمْ

کھیرے ہوئے ہے ۰ لگتا ہے کہ بجلی ان کی بصارت اپک لے گی جب بھی ان کے لیے بجلی

مَشَوْا فِيْهِ ۚ وَاِذَا اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ

چمکتی ہے تو وہ اس میں چلنے لگتے ہیں، اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں، اور

بِسْمِعِهِمْ ۚ وَابْصَارِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ

اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت کو سلب کر لیتا یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۰

منافقین کے احوال کی دوسری مثال
امام ابن جریر طبری اس آیت کے شان نزول میں اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود وغیرہما سے روایت کرتے ہیں :

اہل مدینہ سے دو منافق رسول اللہ ﷺ کے پاس سے مشرکین کی طرف بھاگے، تو ان کو اس بارش نے آیا جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، اس میں شور، گرج اور کڑک تھی اور بجلی چمک رہی تھی اور جب بھی بجلی زور سے کڑکتی تو وہ موت کے ڈر سے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیتے اور جب بجلی چمکتی تو وہ اس کی روشنی میں چلتے اور جب اندھیرا چھا جاتا تو کھڑے رہ جاتے، وہ کہنے لگے کہ کاش صبح ہو جائے تو ہم پھر (سیدنا حضرت) محمد (ﷺ) کے پاس چلے جائیں، پھر جب صبح ہوئی تو وہ آپ کے پاس آئے اور خلوص دل سے اسلام لے آئے اور انہوں نے نیکی کے ساتھ اسلام کے احکام پر عمل کیا،

لہ تعالیٰ نے مدینہ کے منافقوں کی مثل ان دو منافقوں کے ساتھ دی ہے جو مدینہ سے نکلے تھے۔

منافق جب نبی ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تو وہ اس خوف سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے کہ مبدائی ﷺ پر ان کے حقائق کوئی کلام نازل ہوا ہو یا ان کی کوئی بات پکڑی گئی ہو اور ان کو قتل کرنے کا حکم دیا جائے، جس طرح بارش میں گھرے ہوئے ان دو منافقوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لی تھیں، اور جب فتوحات اسلام کی وجہ سے ان کو بہت زیادہ مال غنیمت ملا اور ان کے ہاں لولاد ہوئی تو وہ اسلام پر کچھ قائم ہوئے اور کہنے لگے کہ (سیدنا حضرت) محمد ﷺ کا دین حق ہے، جس طرح وہ دو منافق بجلی کی روشنی میں چل پڑتے تھے، اور جب کسی مصیبت کی وجہ سے ان کا دل اور اولاد ہلاک ہو جاتے تو پھر کفر کی طرف لوٹ جاتے اور کہتے کہ یہ دین (سیدنا حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے ہے، جس طرح جب بجلی چمکتی اور اندھیرا چھا جاتا تو وہ دو منافق کھڑے رہ جاتے تھے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۸۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

دونوں مثالوں کا تجزیہ

پہلی مثل ان لوگوں کی ہے جو دل میں قطعی منکر تھے اور کسی دنیوی غرض اور مصلحت کی وجہ سے مسلمان بن گئے تھے اور یہ دوسری مثل ان منافقین کی ہے جو شک اور تذبذب میں جھلاتے، زکوٰۃ اور مال غنیمت کو تو دلی رغبت سے قبول کرتے لیکن اسلام کی خاطر جلد کی آزمائشوں کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

آیا عہد رسالت کے بعد منافقوں کا وجود ہے یا نہیں؟

منافقوں کا وجود صرف رسول اللہ ﷺ کی حیات ظاہری میں ہی ممکن تھا، یہ آپ ہی کا منصب تھا کہ آپ وحی الہی سے یہ بتائیں کہ فلاں شخص منافق ہے، اور اب جب کہ وحی منقطع ہو چکی ہے تو اب کسی شخص کے متعلق یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ وہ منافق ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی شخص قطعی طور پر کسی کے دل کے حل پر مطلع نہیں ہو سکتا، لہذا جو شخص اسلام کو ظاہر کرے گا وہ مسلمان ہے، اور جو کفر کو ظاہر کرے گا وہ کافر ہے اور جو اسلام سے کفر کی طرف لوٹ جائے گا وہ مرتد ہے اور جو شخص اپنے کفریہ عقائد پر اسلام کا طبع چڑھائے گا وہ زندیق ہے، اور حقیقی منافق کوئی نہیں ہے البتہ جو شخص بے عمل ہو اس کو عمل کے اعتبار سے منافق کہا جاتا ہے۔

شے کے معنی میں اہل سنت اور معتزلہ کا اختلاف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

شے کے معنی میں معتزلہ اور اہل سنت کا اختلاف ہے، معتزلہ کے نزدیک شے کا معنی ہے جس کا موجود ہونا صحیح ہو، یہ معنی واجب اور ممکن دونوں کو شامل ہے، معتزلہ کے نزدیک شے کی دوسری تعریف یہ ہے جس چیز کا معلوم ہونا صحیح ہو یا جس چیز کی خبر صحیح ہو اور یہ معنی واجب ممکن، اور متمنع تینوں کو شامل ہے اور جب کہ واجب اور متمنع تحت قدرت نہیں ہیں اس لیے ہر قدر پر معتزلہ کو شے کے ساتھ ممکن کی قید لگنی پڑے گی یعنی اللہ ہر شے ممکن پر قادر ہے، اہل سنت کے نزدیک شے موجود کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ شے مصدر ہے اگر یہ معنی اسم فاعل ہے یعنی شہ تو اس وقت یہ واجب کو بھی شامل ہو گا جیسا کہ اس آیت میں ہے:

آپ کہنے سب سے بڑی کوئی کس کی ہے، آپ کہنے

قُلْ اَنْتَ شَيْءٌ اَعْجَبُ شَهَادَةٍ قُلِ اللّٰهُ عَزَّ

(الانعام: ۸) اللہ۔

شے کا دوسرا معنی ہے مشنی وجودہ جس کا وجود چلا گیا ہو، یہ اس وقت . معنی مفصل ہے، اس کا معنی ہے جو موجود ہو خواہ حل میں خواہ استقبل میں، ان اللہ خالق کل شئی اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے اور ان اللہ علی کل شئی قدیر میں شے . معنی موجود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر موجود پر قادر ہے خواہ وہ اب موجود ہو یا مستقبل میں۔

(الوار التنزیل ص ۳۸) (دری) مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کا محل ہوتا

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کے امکان کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور کذب بھی ایک شے ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کذب پر بھی قادر ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ شے کا معنی موجود ہے خواہ حل میں یا استقبل میں اگر تم اس آیت سے اللہ تعالیٰ کے کذب پر استدلال کرتے ہو تو صرف کذب کا امکان لازم نہیں آئے گا بلکہ یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ حل یا استقبل میں بالفعل کذب ہو (محض اللہ) اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

مخالفین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ زید کو اپنے کذب پر قدرت ہے اب اگر خدا کو اپنے کذب پر قدرت نہ ہو تو زید کی قدرت خدا کی قدرت سے بڑھ جائے گی۔ اس کا جواب (بہ طور نقض اجمالی) یہ ہے کہ اس طرح تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ زید کو اپنے عدم پر قدرت ہے مثلاً وہ خودکشی کر لے، اب اگر خدا کو اپنے عدم پر قدرت نہ ہو تو زید کی قدرت خدا سے بڑھ جائے گی تو خدا کا معدوم ہونا بھی ممکن ہو گیا، اور جس کا عدم ممکن ہو، وہ ممکن ہوتا ہے واجب نہیں ہوتا، اور اس کا دوسرا جواب (بہ طور نقض تفصیلی) یہ ہے کہ زید کی قدرت کا خدا کی قدرت سے بڑھنا تب لازم آئے گا کہ جس پر زید کو قدرت ہے بعینہ اسی چیز پر خدا کو قدرت نہ ہو، اور یہاں اس طرح لازم نہیں آتا کیونکہ زید کو اس پر قدرت ہے کہ زید جھوٹ بولے، اور اس پر خدا کو بھی قدرت ہے کہ زید سے جھوٹا کلام صادر کرائے بلکہ اصل میں خدا ہی کی قدرت ہے کہ زید کی قدرت تو مجازاً ہے، اور جس پر خدا کو قدرت نہیں ہے کہ خدا سے جھوٹ صادر ہو اس پر زید کو کب قدرت ہے! مغالطہ کی وجہ یہ ہے کہ معترض نے دونوں جگہ اپنے اپنے کے لفظ کو دیکھا زید کو اپنے کذب پر قدرت اور خدا کو اپنے کذب پر قدرت اور یہ نہیں غور کیا کہ زید کو اپنے کذب پر قدرت کا معنی ہے زید سے کذب کا صدور ہو، اور خدا کو اپنے کذب پر قدرت کا معنی ہے خدا سے کذب کا صدور ہو!

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے معنی کی تحقیق اور اس کے کذب کے محال ہونے پر دلائل

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں :

قادر وہ شخص ہے جو اگر چاہے تو کوئی کام کرے اور اگر چاہے تو وہ ترک کر دے اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو فعل اور ترک فعل کا اختیار ہو اور یہ اس کے لیے ممکن ہو یعنی اگر اس کے لیے فعل کا داعی اور محرک ہو تو اس کے لیے فعل کرنا ممکن ہو اور اگر اس کے لیے ترک کا باعث اور محرک ہو تو اس کے لیے ترک کرنا ممکن ہو۔ (شرح المقاصد ج ۲ ص ۸۹)

ملفوظات الشریف الرضیؒ (جلد ۱۰ ص ۳۳۷)

علامہ میرید شریف لکھتے ہیں :

قدرت وہ صفت ہے جس کی وجہ سے کسی زندہ شخص کے لیے اپنے ارادہ سے کسی فعل کا کرنا یا اس کا ترک کرنا ممکن ہوتا ہے۔ (التعريفات ص ۷۳، مطبوعہ المطبعة الخيرية مصر ۱۳۰۶ھ)

عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ اشکل ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کذب، ظلم، جمل اور دیگر برائیوں پر قادر نہ ہو تو یہ اس کے علی الاطلاق قادر ہونے کے متنی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشکل اس وقت لازم آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کذب، ظلم اور جمل وغیرہ کا ارادہ کرتا اور ان کو وجود میں نہ لاسکتا، لیکن اللہ تعالیٰ کذب اور ظلم وغیرہ کا ارادہ نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ سبحان ہے، اور اس کے سبحان اور قدوس ہونے کا تقضایہ ہے کہ اس کے لیے برائی کا ارادہ کرنا محال ہو، اس لیے کذب پر قادر نہ ہونے سے اس کا عجز لازم نہیں آتا، عجز اس وقت ہوتا جب وہ کذب اور ظلم کا ارادہ کرتا اور ان کو وجود میں نہ لاسکتا، دوسرا جواب یہ ہے کہ عجز اس وقت ہوتا جب کسی فعل کا ہونا ممکن ہوتا اور پھر اس فعل کو وجود میں نہ لایا جاسکتا، سو جس طرح دوسرے خدا کو پیدا کرنا ممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے ولد کا ہونا ممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی زوجہ کا ہونا ممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا پیدا ہونا یا اس کا مرنا ممکن نہیں ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا اور اس کا ظلم کرنا ممکن نہیں ہے اور چونکہ یہ تمام امور ممکن نہیں ہیں اس لیے ان پر اللہ تعالیٰ کے قادر نہ ہونے سے اس کا عجز لازم نہیں آتا۔

رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا کذب کیوں ممکن نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت قدیم ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت حادث ہو تو وہ محل حولت ہو گا اور محل حولت خود حادث ہوتا ہے اور جب کذب قدیم ہو گا تو پھر اللہ تعالیٰ صدق سے متصف نہیں ہو سکتا، کیونکہ صدق تو کذب کی نقیض ہے، لہذا اگر صفت کذب کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ صدق سے متصف ہو تو اجتماع نقیضین لازم آئے گا اور یہ محال ہے، اور اللہ تعالیٰ صدق سے متصف ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

لور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون صادق ہے۔

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا (النساء: ۸۷)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صادق ہے اور اس کا صدق قدیم ہے اور کذب، صدق کے زوال کا نام ہے، اور اس کا صدق زائل نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ قدیم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کذب ہو نہیں سکتا، صدق جا نہیں سکتا اور کذب آ نہیں

سکتا۔ (غیر ہم اس سے پہلے علامہ بخاری کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ ان اللہ علی کل شئی قدير کا معنی ہے، اللہ تعالیٰ ہر اس چیز پر قادر ہے جس کو وہ موجود کرنے کا ارادہ فرمائے اور اللہ تعالیٰ اس چیز کا ارادہ فرمائے گا جو اس کے سبحان اور قدوس ہونے کے خلاف نہ ہو کذب اور ظلم میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تحت آسکیں اس لیے وہ اس کی قدرت کے تحت نہیں ہیں، جیسے بلا متعلق اللہ تعالیٰ کے شریک کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی قدرت کے تحت نہیں ہے۔)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، اس امید پر کہ

قَبْلَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۲۱﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَ

تم متقی (پرہیزگار) بن جاؤ ۵ جس نے تمہارے نفع کے لیے زمین کو فرش اور

السَّمَاءَ بَنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ

آسمان کو چھت بنایا، اور آسمان سے پانی نازل کیا اور پانی سے تمہارے رزق کے لیے کچھ پھل پیدا کیے،

رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۲﴾

لہذا تم اللہ کے لیے شرکاء نہ بناؤ جب کہ تم جانتے ہو ۵

ربط آیات اور التفات کے فوائد

اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کے شروع سے یہاں تک مومنین، کفار اور منافقین کا ذکر فرمایا اور ان میں سے ہر ایک کے خواص کا ذکر فرمایا کہ مومنین نے قرآن مجید کی ہدایت سے نفع اٹھایا، غیب پر ایمان لائے، نماز پڑھی اور خدا کی راہ میں مال خرچ کیا، اور دنیا اور آخرت میں فلاح پائی، کفار نے کفر پر اصرار کیا، اور ان کی ضد اور عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور منافقین نے اپنے کفر کو مخفی رکھا اور اپنے زعم میں خدا، رسول اور مومنوں کو دھوکا دیا، پھر ان کی خصوصیات کے متعلق دو بلیغ مثالیں بیان فرمائیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان تمام گروہوں کو اے لوگو! فرما کر خطاب کیا، اور ان سب کو عبادت کرنے کا حکم دیا۔ پہلے ان کا عتاب کے صیغوں کے ساتھ ذکر فرمایا پھر ان سے بالمشافہ خطاب فرمایا تاکہ سننے والوں کا ذہن بیدار اور متوجہ رہے اور ان کی رغبت اور شوق میں اضافہ ہو اور اس پر تنبیہ ہو کہ عبادت ایک مہتمم باشان فعل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں سے مخاطب ہو کر ان کو عبادت کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ خطاب کی لذت سے عبادت کی مشقت اور کلفت جاتی رہے۔ ہم اس سے پہلے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں عبادت کا معنی بیان کر چکے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اعتقاد الوحیت کے ساتھ کسی کی تعظیم اور اطاعت کرنا، یا نفس کی خواہش کے خلاف اپنے رب کی تعظیم کے لیے مکلف کا کوئی کام کرنا عبادت ہے۔

باوجود اللہ تعالیٰ کے قرب کے یا یہاں الناس سے ندا کرنے کی توجیہ

عربی زبان میں بعید شخص اور دور والے کو ندا کرنے کے لیے ”یا“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور قریب والے اور نزدیک شخص کو ندا کرنے کے لیے ”ای“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور بعض اوقات قریب شخص کو بعید کے قائم مقام کر کے اس کو بھی یا کے ساتھ ندا کی جاتی ہے کبھی کسی کی عظمت کی وجہ سے بعد رتبہ کو بعد مقام کے مرتبہ میں نازل کرتے ہیں جیسے دعا کرنے والا یا اللہ کہتا ہے اور کبھی کسی کی غفلت کی وجہ سے اس کو بعید قرار دیتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا یہاں الناس اور

یہی اس اعتبار سے کہ واجب اور قدیم کے مقابلہ میں ممکنات اپنے حدوث اور امکان کی وجہ سے انتہائی پستی اور بعد میں ہیں جیسے قرآن مجید میں یا سماء، یا ارض، یا جبال، یا نار وغیرہ کی ندا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں سے ان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اس کے بلوجود اللہ تعالیٰ نے یا یہا الناس فرمایا اس لیے کہ تمام لوگ اپنی غفلت یا اپنے امکان اور حدوث کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے بعید ہیں۔

یا یہا الناس سے سورہ بقرہ کے مدنی ہونے پر اعتراض کا جواب
علامہ خفای لکھتے ہیں :

لام بزاز نے اپنی مسند میں 'لام حاکم نے مستدرک میں اور لام بیہقی نے دلائل النبوت میں اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس سورت میں یا یہا الناس ہو وہ مکی ہے اور جس سورت میں یا یہا الذین امنوا ہو وہ مدنی ہے ' اس لحاظ سے یہاں پر یہ اشکل ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اس میں یا یہا الناس سے خطاب ہے ' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ جس سورت میں فقط یا یہا الناس ہو وہ مکی ہوتی ہے اور اس سورت میں یا یہا الناس کے علاوہ یا یہا الذین امنوا سے بھی متعدد جگہ خطاب ہے ' نیز ایک اور قلعہ یہ ہے کہ جس سورت میں منافقین کا ذکر ہو ' وہ سورت مدنی ہوتی ہے لہذا روایت اور درایت کے لحاظ سے اس سورت کا مدنی ہونا متعین ہے اور علامہ بیضوی وغیرہ کا اس قلعہ پر اعتراض کرنا عدم تدبر پر مبنی ہے۔

(عنایۃ القاضی ج ۲ ص ۶ ملخصاً "مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۳ھ)

مومنین، کفار اور منافقین کے لیے عبلت کے حکم کا الگ الگ معنی

اس آیت میں مومنین، کفار اور منافقین کو عبلت کرنے کا حکم دیا ہے، مومنین کو عبلت کے حکم کا یہ معنی ہے کہ وہ زیادہ عبلت کریں یا دانا عبلت کریں، اور عبلت پر ثابت قدم رہیں، اور منافقین کو عبلت کے حکم کا معنی یہ ہے کہ وہ خلق کو ترک کر کے اخلاص سے عبلت کریں اور کفار کو عبلت کے حکم کا معنی یہ ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد عبلت کو شروع کریں، کیونکہ جو کلام کسی چیز پر موقوف ہو تو اس کلام کا حکم رہتا اس کو مستلزم ہے کہ پہلے اس چیز کو حاصل کرو پھر اس کلام کو کرو، جس طرح کسی شخص کو نماز کا حکم رہتا اس کو مستلزم ہے کہ وہ پہلے وضو کرے اور پھر نماز پڑھے، اسی طرح کفار کو عبلت کا حکم رہتا اس کو مستلزم ہے کہ وہ پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائیں اور پھر اس کی عبلت کریں۔

کفار کا فروع کے مکلف ہونے میں علماء بخارا اور علماء شافعیہ کا اختلاف اور صحیح موقف کا بیان

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کفار فروع (مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ) کے مکلف فقط اعتقاد میں ہیں یا لواء اور اعتقاد دونوں کے مکلف ہیں، بخارا کے علماء احتف کا مسلک یہ ہے کہ وہ صرف حق اعتقاد میں مکلف ہیں یعنی کفار پر یہ ضروری ہے کہ وہ نماز، روزہ وغیرہ کی فرضیت کا اعتقاد رکھیں اور جب تک وہ ایمان نہ لائیں ان پر ان عبلت کا لواء کرنا فرض نہیں ہے، اور عریق کے علماء احتف اور علماء شافعیہ کا یہ مسلک ہے کہ کفار نماز، روزہ وغیرہ کی فرضیت پر ایمان لانے اور ان کو لواء کرنے دونوں کے مکلف ہیں اور ان کو لواء نہ کرنے کی وجہ سے ان کو عذاب ہو گا، لام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے ان میں سے کسی جانب تصریح نہیں کی، لہذا لام محمد کی بعض عبارات سے عریق علماء کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے اور قرآن مجید کی اس آیت کا بھی یہ ظاہر ہی قضا ہے :

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ۚ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ
الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كَافِرُوْنَ ۝

عذاب ہے مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ لوٹا نہیں کرتے اور
وہی آخرت کے منکر ہیں۔

(حم السجدة: ۲۱)

علماء بخارا اس آیت کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ مشرکین کو زکوٰۃ کی فرضیت کا اعتقاد نہ رکھنے کی وجہ سے عذاب ہو گا
فریقین کے اس اختلاف کا بہ غور مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء بخارا کا نظریہ صحیح ہے، کیونکہ اگر کفار اپنے کفر
کے زمانہ میں نماز اور روزہ وغیرہ کے ادا کرنے کے مکلف ہوں تو اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر نمازوں اور روزوں کی
تضاء لازم ہونی چاہئے، حالانکہ عہد رسالت میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی شخص کو اسلام قبول
کرنے کے بعد زمانہ کفر میں چھوڑی ہوئی نمازوں اور روزوں کا مکلف کیا ہو!

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ عراقیوں کا قول ہی معتمد ہے جو کہتے ہیں کہ کفار اعتقاداً اور لواء دونوں کے مخاطب ہیں۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا اعتراف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تمام انسانوں کو یہ تسلیم ہے کہ ان کو اور ان سے پہلے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا
ہے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ کفار نے بھی اس کا اعتراف کر لیا تھا کہ ان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، قرآن مجید میں
ہے :

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى
يُؤْفَكُوْنَ (الزحرف: ۸۷)

اور اگر آپ ان سے یہ سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا
کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، سو یہ کہیں بھٹک رہے
ہیں۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ
فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (العنکبوت: ۶۱)

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو
کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا تو یہ ضرور
کہیں گے کہ اللہ نے سو یہ کہیں بھٹک رہے ہیں۔

اور اگر کوئی کافر اور مشرک اس کا اعتراف نہ کرے کہ ان کا اور ان سے پہلے لوگوں کا بلکہ کائنات کا پیدا کرنے والا اللہ
ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں بے شمار ایسے دلائل رکھے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خالق اور اس کے رب ہونے پر دلالت
کرتے ہیں، جو شخص ذرا سا بھی غور و فکر کرے گا، اس کو اللہ تعالیٰ کے خالق اور رب ہونے میں کوئی شک نہیں رہے گا، ہم
ان میں سے کچھ دلائل کا ذکر کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے خالق اور لاشریک ہونے پر دلائل

اس کائنات کا خالق انسان نہیں ہو سکتا کیونکہ انسان کا پیدا ہونا اور مرنا ہمارے سامنے ہے، جمادات، نباتات،
حیوانات، دریا اور سمندر وغیرہ خالق نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان کا بھی پیدا ہونا، فنا ہونا اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف

ہونا چاہیے کہ جس ہے 'سورج' چاند اور ستارے وغیرہ خالق نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کا ایک مقررہ نظام کے تحت گردش کرنا ہمارے مشاہدہ میں ہے اور ان کا ایک مقررہ نظام کے تابع ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ کسی زبردست اور قاہر نظام کے بنائے ہوئے نظام کے پابند ہیں اور جب اس سلسلہ کائنات میں سے کوئی چیز بھی اس کائنات کی خالق اور رب نہیں ہے تو ضرور اس کائنات کے علاوہ کوئی قہر و قیوم ہستی ہے جو اس سلسلہ ممکنات اور حولت کی غیر ہے جو واجب اور قدیم ہے جس نے اس کائنات کو بنایا ہے اور وہ اللہ ہی ہے کیونکہ اسی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اس پوری کائنات کو بنانے والا اور عدم سے وجود میں لانے والا ہے اسی نے دنیا والوں کے پاس انبیاء اور رسل بھیجے اور کتابیں نازل کیں اور نبیوں اور کتابوں کے واسطے سے اپنی ذلت کا عرفان کرایا اور یہ پیغام بھیجا کہ سب انسان اس کی مخلوق ہیں اور سب پر اس کی عبادت لازم ہے اللہ کے سوا اور کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو اس کائنات سے الگ اور مغائر ہو اور اس نے اس کائنات کو بنانے اور اپنے رب ہونے کا دعویٰ کیا ہو یا کسی نبی اور رسول کو بھیجا ہو یا اپنی حجت قائم کرنے کے لیے کوئی کتاب نازل کی ہو اور جب اس کائنات کے اندر کوئی چیز بھی اس کائنات کی خالق نہیں ہے اور اس کائنات سے باہر اللہ کے سوا اور کوئی اس کائنات کی تخلیق کا دعویٰ دار نہیں ہے اور بغیر کسی کے بنائے یہ کائنات بن نہیں سکتی تو پھر اللہ کا یہ دعویٰ کیوں نہ مانا جائے کہ وہی اس کائنات کا خالق اور رب ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے واحد لا شریک ہے۔

علاوہ ازیں اس کائنات کے اندر بھی کسی جن انسان فرشتے پھر کے تراشے ہوئے بت یا کسی درخت یا ستارے نے کبھی از خود یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ اس کائنات کا بنانے والا ہے سورج کے سامنے زمین کی گردش سے لیل و نہار اسی کے حکم سے بنتے ہیں اسی کے حکم سے بارش نازل ہوتی ہے کسی چیز نے آج تک از خود اس پوری کائنات کے خالق ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس سلسلہ ممکنات اور حولت میں سے کوئی چیز بھی اس کائنات کی خالق نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کوئی چیز اس کی تخلیق کی مدد ہے تو پھر اس کائنات کا خالق ضرور اس کائنات کا غیر اور اس سے الگ کوئی ہستی ہے جو اس کائنات کی طرح حلوٰث اور ممکن نہیں قدیم اور واجب ہے اور جب اس کائنات کے اندر اور باہر اللہ کے سوا اور کوئی اس کی تخلیق کا دعویٰ دار نہیں ہے تو پھر اللہ کو اس کائنات کا خالق اور رب کیوں نہ مانا جائے اور اس کو واحد اور لا شریک کیوں نہ تسلیم کیا جائے!

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ ساری کائنات بغیر کسی بنانے والے کے از خود بن گئی ہے تو یہ بات بالکل بجاہت کے خلاف ہے مٹی کے تیل کا ایک چراغ بھی از خود نہیں جلتا تو آسمانوں پر یہ اربوں ستارے خود بخود کیسے روشن ہو گئے؟ ایک گلاس پانی بھی خود بخود مہیا نہیں ہوتا تو زمین کے نیچے چشے خود بخود کیسے رول ہو گئے اور اتنا بڑا سمندر کیسے وجود میں آگیا اور یہ زمین و آسمان کیسے خود بخود بن گئے پھولوں میں رنگ اور خوشبو پھلوں میں ذائقہ اور ایک مربوط اور مقرر نظام کے تحت اس کائنات کا چلتا کیسے خود بخود ہو گیا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

اَمْ خَلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ○ کیا وہ کسی شے کے بغیر پیدا کئے گئے ہیں؟ یا وہ (خود) خالق

فرمانِ دیوبند نے اپنی رعیت یعنی لوگوں کے پالنے کا دعویٰ کیا پوری کائنات کے بنانے کا دعویٰ نہیں کیا وہ اپنی پرستش کرائے اور حق عبادت ہونے کے خواہیں اور مدعی تھے اور ان کے مرنے کے بعد ان کے دعویٰ کا مجموعہ ہونا ظاہر ہو گیا۔

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَا يُوْقِنُوْنَ
(الطور : ۳۶-۳۵) میں کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ وہ یقین نہیں رکھتے۔

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ
مِّنَ السَّمَاءِ مَآءً فَانْتَبٰتًا بِهٖ حَدَّ اَنْثٰقَ ذَاتِ بَهْجَةٍ
مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ
قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ
خِلَالَهَا اَنْهٰرًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيًّ وَجَعَلَ بَيْنَ
الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَّنْ يُجَنِّبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ
وَيَكْشِفُ السُّرَّءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ اِلٰهٌ
مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا ۝ مَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَمَّنْ يَهْدِيْكُمْ فِی
ظُلُمٍ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّیْحَ بُشْرًا بَيْنَ
یَدَیْ رَحْمَتِہٖ ؕ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعَالٰی اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝
اَمَّنْ یَّبْدُوْا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعْبِدُوْہُ وَمَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ
السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا
بُرْہَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (النمل : ۲۴-۲۰)

(ہلایا تو سہی!) آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اور تمہارے لیے آسمان سے پانی کس نے نازل کیا ہے؟ ہم نے ہی اس پانی میں خوشنما بلوغت کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ تم ان (باغوں) کے درخت اگاتے! کیا (اس تخلیق میں) اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو روبرو راست سے انحراف کر رہے ہیں! (ہلایا تو سہی) زمین کو ٹھہرنے اور قرار کی جگہ کس نے بنایا؟ اور زمین کے درمیان دریا کس نے پیدا کئے؟ اور زمین (کے قرار) کے لیے مضبوط پہاڑ کس نے پیدا کئے؟ اور دو سمندروں کے درمیان آڑ کس نے پیدا کی؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (نہیں) بلکہ اکثر لوگ علم نہیں رکھتے! (ہلایا!) جب بے قرار شخص اس کو پکارتا ہے تو اس کی پکار کا کون جواب دیتا ہے؟ اور اس سے تکلیف کو کون دور کرتا ہے؟ اور تمہیں زمین پر (پہلے لوگوں کا) ثاب کون بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو! (ہلایا!) تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں کون راہ دکھاتا ہے؟ اور اس کی رحمت کی خوشخبری دینے والی ہواؤں کو کون بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ جن چیزوں کو یہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں، اللہ ان سے بری اور برتر ہے! (ہلایا!) ابتداء تخلیق کو کس نے بنایا تھا؟ اور اس کو دوبارہ کون لوٹائے گا؟ اور تم کو آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ آپ کہئے اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لے آؤ!

لعلکم تتقون میں امید کی نسبت بندوں کی طرف ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا ہے اس امید پر کہ تم متقی بن جاؤ۔ عربی میں لعل کا لفظ امید کے لیے آتا ہے۔ اردو میں اس کا معنی شاید کیا جاتا ہے اور یہ اس شخص کے کلام میں متصور ہے جس کو مستقبل کا علم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے اس لیے یہاں اس لفظ کا معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ کو امید ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم یہ امید رکھو کہ عبادت کرنے سے تم متقی بن جاؤ گے، دوسرا جواب

یہ ہے کہ پہل سے پہلے معنی "مقی" ہے، یعنی تمہیں عجلت کرنے کا حکم دینے کی حکمت یہ ہے کہ تم مقی بن جاؤ اور فوز و فلاح و اجر حاصل کر لو۔

انسان عجلت پر غور کرے نہ عجلت کی وجہ سے خود کو اجر کا مستحق سمجھے

تقویٰ کا اصل مرتبہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے بری ہو جائے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو چھوڑ کر عبادوں میں بیٹھ کر اللہ کرے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام فرائض، حقوق اور ذمہ داریوں کو اللہ کی وجہ سے پورا کرے، اور ہر کام میں اس کی نیت اللہ کی اطاعت اور اس کی خوشنودی رہے اور یہ تقویٰ ہی سا لکین کے درجہ کی انتہاء ہے اسی کو فانی اللہ کا مرتبہ کہتے ہیں۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ عجلت سے اصل مقصود تقویٰ کا حصول ہے، اور یہ کہ انسان کو اپنی عجلت سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے بلکہ مکمل عجلت کرنے کے بعد بھی یہ یقین نہ کرے کہ وہ مقی ہو گیا ہے، بلکہ یہ امید رکھے کہ شاید وہ مقی ہو گیا ہو، اور اپنے آپ کو خوف اور رجا کے درمیان رکھے، اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت سے ڈرتا رہے اور اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور اپنی بخشش اور مغفرت کی امید رکھے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

تَنَجَّا فِي جُنُوبِهِمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا (السجدة ۴۰)

أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ (بنو اسرائیل ۵۷)

ان کے پہلو ان کی خواب گاہوں سے دور رہتے ہیں، وہ خوف اور امید سے اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

جن نیک بندوں کی (یہ کافر) پرستش کرتے ہیں وہ خود اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے۔ (کہ اس کی دعا سے خدا کا قرب حاصل ہو) وہ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ شب بیدار، تہجد گزار اور اللہ کے مقرب بندوں کا بھی یہ حل ہے کہ وہ خوف اور طمع کے درمیان ہیں، اپنی عجلت پر بھروسہ یا گھمنڈ نہیں کرتے بلکہ اس کی رحمت اور فضل کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں، جب اس کے شب بیدار اور مقرب بندوں کا یہ حل ہے تو عام فرائض اور نوافل ادا کرنے والوں کا کیا حل ہونا چاہئے!

لام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل ہرگز نہبت نہیں دے گا ایک شخص نے عرض کیا : یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں! آپ نے فرمایا مجھ کو بھی نہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے دھتپ لے گا لیکن تم نیک عمل کی کوشش جاری رکھو۔

عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما قال لمن ینجی احدا منکم عملہ قال رجل ولا ایاک یا رسول اللہ قال ولا ایاہ الا ان یتغمدنی اللہ منبر حمق لکن سدوا (۱)

میں نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل ہرگز نہبت نہیں دے گا ایک شخص نے عرض کیا : یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں! آپ نے فرمایا مجھ کو بھی نہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے دھتپ لے گا لیکن تم نیک عمل کی کوشش جاری رکھو۔

لہلہ سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، بلکہ یہ تمام جہان اس کی ملک ہے اور دنیا اور آخرت اس کی سلطنت ہے اور وہ اپنی سلطنت میں جو چاہے کرے۔ اگر وہ تمام نیکیوں اور صالحین کو عذاب دے اور جہنم میں داخل کر دے تو یہ اس کا عین عدل ہو گا۔ اور اگر وہ ان پر کرم فرمائے، ان کو نعمتوں سے نوازے اور جنت میں داخل کر دے تو یہ اس کا فضل ہے، اور اگر وہ کافروں کو بھی جنت میں داخل کر دے تو وہ اس کا مالک تھا، لیکن اس نے خبر دی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا بلکہ مومنین کو بخش دے گا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا اور یہ اس کا فضل ہے، اور کافروں کو عذاب دے گا اور ان کو ہمیشہ جہنم میں رکھے گا اور یہ اس کا عدل ہے اور اللہ تعالیٰ کی خبر کا جھوٹا ہونا محال ہے۔ اس خیال میں نہیں رہنا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے جنت کا وعدہ کر لیا ہے تو وہ سہر حل جنتی ہیں، اور اس وجہ سے عذاب سے بے خوف نہیں ہونا چاہئے، کیا پتا خاتمہ ایمان پر ہو یا نہ ہو، اور اگر خاتمہ ایمان پر ہو بھی گیا تو کیا پتا کہ ابتدائی مرحلہ میں نجات ہو جائے گی یا اپنی تقصیرات پر گرفت اور عذاب کے بعد نجات ہوگی اس لیے ہر حل میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ زمین کا گول ہونا اور اس کا گردش کرنا، اس کے فرش ہونے کے منطقی نہیں ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جس نے تمہارے نفع حاصل کرنے کے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنا لیا۔

پانی کی طبیعت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مٹی کے اوپر ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین کے بعض حصوں کو پانی سے الگ کر دیا، اور زمین کو سختی اور نرمی کے درمیان متوسط رکھا، تاکہ وہ فرش کی طرح ہو جائے اور لوگوں کا اس پر بیٹھنا اور لیٹنا ممکن ہو، اور زمین کا فرش ہونا اس کے گول ہونے کے منطقی نہیں ہے کیونکہ جو بہت عظیم اور جسیم کہ ہو وہ بہ ظاہر ایک سطح جسم معلوم ہوتا ہے، اسی طرح زمین کا گردش کرنا بھی اس فرش ہونے کے خلاف نہیں ہے، جیسے لوگ بحری جہاز میں سفر کرتے ہیں جہاز حرکت کر رہا ہوتا ہے اور وہ اس پر بستر بچھا کر سو جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے :

إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ (الفاطر: ۴۱)

سے روکتا ہے۔

بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ مطلب نکالا ہے کہ زمین ساکن ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو روکا ہوا ہے، اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ زمین اور آسمان اپنے محور پر گردش کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے محور سے ہٹنے نہیں دیتا۔ اب جبکہ سائنٹفک طریقہ سے زمین کی گردش ثابت ہو چکی ہے تو علم اور سائنس کے خلاف قرآن مجید کی تفسیر کرنے سے یہ خدشہ ہے کہ سائنس کے طلباء اور ماہرین قرآن مجید کا انکار کر دیں اور اس ترقی یافتہ دور میں پرانی لیکچروں کو پیٹتے رہنے میں دین کی کوئی خدمت نہیں ہے۔

آسمان کیا ہے؟ اس کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں، سائنس دان ابھی چاند تک ہی پہنچ پائے ہیں، چاند زمین سے پونے دو لاکھ میل کی مسافت پر ہے، آسمان تو چاند، سورج اور سیاروں سے بہت دور ہے، قدیم یونانی فلسفیوں کا خیال تھا کہ چاند پہلے آسمان میں مرکوز ہے، لیکن تحقیق اور مشاہدہ سے یہ بات غلط ثابت ہو گئی، قرآن مجید نے آسمان کی حقیقت اور ماہیت کے متعلق کوئی چیز نہیں بتائی اور نہ یہ قرآن کا موضوع ہے۔ قرآن مجید عقائد اور اعمال کی اصلاح کے لیے رشد و ہدایت کی کتاب ہے، اشیاء کی حقیقت اور ماہیت اور اس کے طبعی خواص بیان کرنا قرآن مجید کا موضوع نہیں ہے۔

پھلوں کو بتدریج پیدا کرنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور آسمان سے پانی نازل کیا اور پانی سے تمہارے رزق کے لیے کچھ پھل پیدا کئے۔

پھل اور زمین سے پیدا ہونے والی تمام غذائی اجناس صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مشیت سے پیدا ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا ظاہری سبب مٹی میں آلودہ پانی کو بتلایا ہے جس طرح نطفہ کو جاندار کی پیدائش کا مادہ بتلایا ہے، اللہ تعالیٰ نے زمین میں قوت قلبہ رکھی ہے اور پانی میں قوت فاملہ رکھی ہے اور ان دونوں قوتوں کے اجتماع سے زرعی اجناس پیدا ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر تھا کہ مٹی اور پانی کے بغیر پھلوں کو پیدا کر دیتا جس طرح خود مٹی اور پانی کو کسی سبب کے بغیر پیدا کیا ہے لیکن ان کو بتدریج پیدا کرنے میں نظر عائر سے دیکھنے والوں کے لیے ایسی حکمتیں ہیں جو ان کو دفعتاً پیدا کرنے میں نہیں ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے لیے یہ سبب بتلایا ہے کہ مرد عورت کے رحم میں تخم ریزی کرے اور نولہ کی طویل مدت کے بعد ایک بچہ کی شکل میں انسان کی پیدائش عمل میں آئے تاکہ بہ ظاہر انسان کی سعی اور جدوجہد بھی اس پیدائش کے حصول میں شامل ہو اور اسی وجہ سے انسان اپنے بچہ سے محبت کرتا ہے اور اس کی پرورش کرتا ہے اسی طرح مل چلا کر زمین کو قتل کاشت بنانے اور اس میں پانی پہنچانے سے زرعی پیداوار میں انسان کی سعی اور عمل کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے اور اس سعی اور عمل پر بے شمار ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

علامہ بیضوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا باطنی معنی یہ ہے کہ اس آیت میں انسان کے بدن کو زمین سے تشبیہ دی ہے اور روح کو آسمان سے تشبیہ دی ہے، اور عقل کو پانی سے تشبیہ دی ہے اور انسان کو عقل اور حواس کے استعمال کرنے اور قوت بدنہ اور روحانیہ کے امتزاج کے واسطے سے جو علمی اور عملی کمالات عطا کئے ہیں ان کو ان پھلوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ ہر آیت کا ایک ظاہری معنی ہے اور ایک باطنی معنی ہے اور ہر حد کے لیے ایک مطلع ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لہذا تم اللہ کے لیے شرکاء نہ بناؤ جب کہ تم جانتے ہو۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی یہ بڑی بڑی نعمتیں مستحق ہو چکی ہیں اور تمہارے علم میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل آچکے ہیں تو پھر علم کے بلوجود اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناؤ، کیونکہ تم غور و فکر کی اہلیت رکھتے ہو اور تم لوئی تامل سے یہ جان سکتے ہو کہ انسانوں کو اور زمین و آسمان کو پیدا کرنا اور زرعی اجناس کو اگانا یہ ایسا کام ہے جس کو اس کائنات میں سے کوئی بھی نہیں کر سکتا اور ممکنات میں سے کسی ممکن کی قدرت میں ان کو پیدا کرنا نہیں ہے تو ضرور ان کا پیدا کرنے والا اس کائنات اور ممکنات کا غیر ہے جو واجب اور قدیم ہے اور وہ اللہ ہی ہے، اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جن شرکاء کی تم پرستش کرتے ہو وہ انسانوں، آسمانوں اور زمین اور زرعی اجناس کے اگانے پر قدرت نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم هل من شرکاء انکم من ذالکم
 اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو رزق دیا، پھر تم پر موت طاری کرے گا، پھر تم کو (دوبارہ) زندہ کرے گا، کیا تمہارے شرکوں میں سے کوئی (شریک) ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے؟

(الروم: ۴۰)

اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوالوں میں کسی نے اس کائنات کی تخلیق کا دعویٰ نہیں کیا تو معلوم

ہو گیا کہ اس کائنات کی تخلیق میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے وہ تمام خالق ہے واجب اور قدیم ہے اور قادر مطلق ہے اور صرف وہی عبودیت کا مستحق ہے۔ اس آیت میں اندلو کی نفی کی ہے، اندلو، ند کی جمع ہے، ند اس مختلف کو کہتے ہیں جو جو ہر ذات میں کسی شخص کے مساوی ہو، اور ایک جنس کے تحت جو دایے افرلو ہوں جو آپس میں مختلف ہوں اور جمع نہ ہو سکیں ان کو ضد کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا کوئی ند نہیں ہے، کیونکہ کوئی اس کی ذات کے مساوی نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی ضد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اوپر کوئی جنس نہیں ہے۔

مشکمین نے اللہ تعالیٰ کے شریک نہ ہونے پر برہان تملع سے استدلال کیا ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر دو خدا فرض کئے جائیں اور ان میں سے ایک زید کے متحرک ہونے کا ارادہ کرے اور دوسرا اسی وقت اس کے ساکن ہونے کا ارادہ کرے تو بہ یک وقت زید متحرک ہو اور ساکن بھی یہ اجتماع ضدین ہونے کی وجہ سے محل ہے تو ان دونوں میں سے کسی ایک کا ارادہ پورا ہو گا، اور جس کا ارادہ پورا ہو گا وہی خدا ہے، اور جس کا ارادہ پورا نہ ہو سکے گا وہ عاجز ہو گا، اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا، لہذا فرض کیا تھا خدا دو ہیں، لازم آیا کہ ایک خدا ہے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ دونوں متعلق کر لیتے ہیں اور ایک دوسرے کے ارادہ کی مخالفت نہیں کرتے تو ہم کہیں گے ان میں اختلاف کرنا ممکن تو ہے اور اس امکان کی تقدیر پر جس کا ارادہ پورا ہو گا وہی خدا ہو گا۔ نیز جب وہ اتفاق کریں گے تو ایک دوسرے کی موافقت کرے گا اور موافقت کرنے والا تملع اور دوسرا متبوع ہو گا اور تملع خدا نہیں ہوتا، غرضیکہ جب بھی دو خدا فرض کریں گے لازم آئے گا وہ خدا نہیں ہیں، ان میں سے ایک خدا ہے۔

منطقیوں نے اس طرح دلیل دی ہے کہ اگر دو خدا فرض کریں تو وہ دونوں واجب ہوں گے اور وجوب ان میں ملبہ الاشتراک ہو گا اور وہ دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہوں گے کیونکہ اشئینت بلا امتیاز باطل ہے تو ان میں ایک ملبہ للا امتیاز بھی ہو گا، لہذا ہر ایک خدا دو چیزوں سے مرکب ہو گا ملبہ الاشتراک اور ملبہ للا امتیاز سے، اور جو مرکب ہو وہ اپنے اجزاء کی طرف محتاج اور حادث ہوتا ہے، اور محتاج اور حادث خدا نہیں ہوتا۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ ہر کثرت وحدت کی تابع ہوتی ہے، مثلاً کئی وزیر ہوں تو ان پر ایک وزیر اعلیٰ ہوتا ہے، کئی وزیر اعلیٰ ہوں تو ان پر ایک وزیر اعظم ہوتا ہے، کئی کانسیبل ہوں تو ان پر ایک ہیڈ کانسیبل ہوتا ہے، کئی ڈائریکٹر ہوں تو ان کا ایک چیئرمین ہوتا ہے۔ اگر سب وزیر ہوں اور ان کے اوپر کوئی وزیر اعلیٰ نہ ہو تو وزارت کا نظام فاسد ہو جائے گا، اگر کئی ماسٹر ہوں اور ان کے اوپر کوئی ہیڈ ماسٹر نہ ہو تو اسکول کا نظام فاسد ہو جائے گا لہذا جب تک کثرت کے اوپر کوئی وحدت نہ ہو اس کثرت کا نظام فاسد ہو جاتا ہے، تو اس کائنات کی کثرت کے اوپر اگر اللہ کی وحدت نہ ہوتی تو اس کا نظام فاسد ہو جاتا اور اس نظام کا قائم رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کسی وحدت کے تابع ہے۔

اسی کے قریب یہ دلیل ہے کہ کسی ملک میں مساوی طاقت اور اختیار کے دو حکمران نہیں ہوتے۔ جہاں پارلیمانی نظام ہے وہاں صرف ایک با اختیار وزیر اعظم ہوتا ہے اور جہاں صدارتی نظام ہے وہاں صرف ایک با اختیار صدر ہوتا ہے۔ اگر کسی ملک میں دو مساوی اختیار کے حکمران ہوں تو وہاں کا نظام چل نہیں سکتا ان میں اختلاف اور ٹکراؤ ہو گا اور ان میں سے کسی کی بھی حکومت قائم نہ رہ سکے گی تو جب ایک ملک کے دو صدر یا دو وزیر اعظم نہیں ہو سکتے تو اس کائنات کے دو خدا کیسے ہو سکتے ہیں!

علامہ زبیدی لکھتے ہیں :

الاشراک هو اثبات الشریک فی
الالوهیة بمعنى وجوب الوجود کما
للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة کما
لعبدة الاصنام
شرک یہ ہے کہ کسی کو الوہیت میں شریک مانا جائے، خواہ
کسی کو اللہ کے سوا واجب الوجود مانا جائے جیسا کہ مجوس مانتے ہیں
یا کسی کو عبادت کا مستحق مانا جائے جیسا کہ بت پرست مانتے ہیں۔
(شرح العقائد ص ۵۶، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ شرک کا مدار صرف دو چیزوں پر ہے، وجوب وجود اور استحقاق عبادت، اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے
سوا کسی کو واجب الوجود یا مستحق عبادت مانے تو یہ شرک ہے ورنہ نہیں۔
علامہ زبیدی لکھتے ہیں :

والذین ہم بہ مشرکون (النمل : ۲۰) کی تفسیر میں ابو العباس نے کہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی عبادت
کرتے ہیں اور اس کے ساتھ شیطان کی عبادت بھی کرتے تھے اسی وجہ سے یہ مشرک ہو گئے۔
(تاج العروس ج ۷ ص ۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کیا چیز شرک ہے اور کیا چیز شرک نہیں ہے

اگر کوئی شخص کسی کی کوئی صفت مستقل بذات مانے تو یہ بھی اس کو واجب الوجود مانتا ہے، لہذا جو شخص کسی نبی
علیہ السلام یا کسی ولی کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ ان کے سننے یا دیکھنے کی صفت مستقل ہے یعنی وہ اپنی ذاتی طاقت سے سنتے
یا دیکھتے ہیں یا ان کا علم ذاتی ہے یا ان کی قدرت ذاتی ہے تو یہ شرک ہے اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت
سے وہ سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور ان کا علم اور قدرت اللہ کی عطا سے ہے تو یہ شرک نہیں ہے۔

(یا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے متعلق، شیخ رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں :

اور جو شیخ قدس سرہ کو متصرف بذات اور عالم غیب بذات خود جان کر پڑھے گا وہ مشرک ہے اور اس عقیدہ سے
پڑھنا کہ شیخ کو حق تعالیٰ اطلاع کرتا ہے اور بذات تعالیٰ شیخ حاجت براری کر دیتے ہیں تو یہ شرک نہ ہو گا۔

(فتاویٰ رشیدیہ کمال مہربان ص ۵۰، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

(یا رسول اللہ انظر ما کانہ کمنہ کے متعلق شیخ رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں :

یہ خود آپ کو معلوم ہے کہ نداء غیر اللہ تعالیٰ کو کتنا دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سماع مستقل
معتقد کرے ورنہ شرک نہیں۔ مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دیوے گا یا بذات تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جلوسے گایا
بذات تعالیٰ ان کے پیچھا دیوں کے جیسا رسول کی نسبت وارد ہے یا محض شوقیہ کتا ہو محبت میں یا عرض حل محل تحرو حل
میں کہ ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات ظاہریہ بولتے ہیں لیکن ہرگز نہ مقصود اسلم ہوتا ہے نہ عقیدہ پس انہی اقسام سے
کلمات منہایت و اشعار بزرگن کے ہوتے ہیں کہ فی حد ذاتہ نہ شرک نہ معصیت۔

(فتاویٰ رشیدیہ کمال مہربان ص ۵۸، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

فل قور سے استقامت کے حلق شیخ گنگوہی لکھتے ہیں :

(استعانت کے تین معنی ہیں ایک یہ کہ حق تعالیٰ سے دعا کرے کہ حرمت فلاں میرا کام کر دے یہ باطل جائز ہے،
خولہ عند القبر ہو خولہ دوسری جگہ اس میں کسی کو کلام نہیں دوسرے یہ کہ صاحب قبر سے کہے کہ تم میرا کام کر دو یہ شرک
ہے خولہ قبر کے پاس کہے خولہ قبر سے دور کہے۔ اور بعض روایات میں جو آیا ہے 'امینی عیوب اللہ تو وہ فی الواقع کسی میت
سے استعانت نہیں بلکہ عیوب اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں ان سے طلب استعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے
واسطے وہاں مقرر کیا ہے تو وہ اس باب سے نہیں ہے اس سے حجت جواز پر لانا جمل ہے معنی حدیث سے تیسرے یہ کہ قبر
کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے اس میں اختلاف علماء کا ہے مجوز سلع
موتی اس کے جواز کے مقرر ہیں اور مانعین سلع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محل ہے مگر انبیاء علیہم السلام کے سلع
میں کسی کو خلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر
مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔)

(فتاویٰ رشیدیہ کمال بسوب ص ۳۳ مطبوعہ محمد سعید ایڈٹ سنز کراچی)

یہاں تک ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب الوجود ملتا جائے یا کسی غیر اللہ کی کوئی صفت
مستقل بالذات ملنی جائے تو یہ شرک ہے ورنہ شرک نہیں ہے 'لہذا عطلی علم' عطلی قدرت اور عطلی اختیارات ملنا شرک
نہیں ہے اور اس عقیدہ سے یا رسول اللہ کہنا جائز ہے 'جیسا کہ علماء دیوبند کے سب سے بڑے عالم شیخ رشید احمد گنگوہی کے
حوالوں سے گزر چکا ہے۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر غیر اللہ کی تعظیم بہ طور عبودیت کی جائے تو یہ شرک ہے اور اگر بہ
طور عبودیت تعظیم نہ کی جائے تو یہ شرک نہیں ہے۔

علامہ محمد حصفی لکھتے ہیں :

اگر کوئی شخص غیر اللہ کی تعظیم کے لیے جانور ذبح کرے تو یہ حرام ہے اور اس کے کفر ہونے میں دو قول ہیں 'صد
المنیہ میں لکھا ہے کہ یہ مکروہ ہے اور کفر نہیں ہے 'کیونکہ ہم کسی مسلمان کے متعلق یہ گمان نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے
کسی آدمی کا تقرب حاصل کرے گا۔ (الدر المختار علی حاشیاء رد المحتار ج ۵ ص ۱۹۷-۱۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)
علامہ شاہی تقرب کی شرح میں لکھتے ہیں :

یعنی جو تقرب بہ طور عبودیت ہو 'کیونکہ اسی تقرب سے تکفیر کی جائے گی' اور یہ مسلمان کے حل سے بہت بعید ہے
(کہ وہ کسی شخص کا تقرب بہ طور عبودیت حاصل کرنے کے لیے جانور کو ذبح کرے گا) اس لیے ظاہر ہے کہ اس نے دنیا کے
حصول کے لیے جانور ذبح کیا ہے 'یا اس سے اظہار محبت کے لیے جانور ذبح کیا ہے' لیکن جب کہ اس ذبح میں غیر اللہ کی
تعظیم شامل ہے 'تو اس کا بسم اللہ اکبر پڑھنا حکماً' خالص اللہ کے لیے نہیں ہے اس لیے یہ فعل حرام ہو گا' جیسے کوئی
شخص ذبح کے وقت کہے بسم اللہ و بسم فلاں 'تو یہ فعل حرام ہے' لیکن کسی چیز کے حرام ہونے اور اس کے کفر ہونے میں کوئی
تلازم نہیں ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۱۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

شیخ گنگوہی اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ جو شخص شیخ کو متصرف بالذات اور عالم الغیب کے عقیدہ کے ساتھ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شینا
اللہ کے تو یہ شرک ہے 'یہی قید یہاں بھی ملحوظ ہونی چاہئے کہ جو شخص صاحب قبر کو متصرف بالذات سمجھ کر یہ کہے کہ تم میرا کام کر دو'
تو یہ شرک ہے۔ منہ

نہ ملامہ کر سکتی تھیں :

بعض لوگ ملامہ اور مشائخ کے سامنے زمین کو بوسہ دیتے ہیں، یہ فعل حرام ہے، اس فعل کا کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں گنہگار ہیں کیونکہ یہ بت پرستوں کی عبادت کے مشابہ ہے اور آیا اس پر تکفیر کی جائے گی؟ اگر یہ فعل بہ طور عبادت اور تعظیم ہو تو یہ کفر ہے اور اگر یہ فعل صرف بہ طور تعظیم ہو تو پھر یہ کفر نہیں ہے، لیکن گنہ کبیرہ ہے۔

(در مختار ج ۵ ص ۲۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ کسی شخص کی کسی صفت کو مستقل بلذات سمجھنا شرک ہے اور کسی شخص کی تعظیم بہ طور عبادت کرنا شرک ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کے لیے تعظیماً قیام کرنا اور یا رسول اللہ کہنا شرک نہیں ہے اور اسی نوع کے دوسرے افعال جو آپ کی تعظیم اور محبت کی جہت سے کیے جاتے ہیں شرک نہیں ہیں۔

☆☆☆

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ

اگر تم کو اس کتاب کے کلام الہی ہونے میں شک ہے، جس کو ہم نے اپنے (محبوب) بندے پر نازل کیا ہے تو اس کی

مِثْلِهِ ۚ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۳﴾

مانند کوئی اور حدیث (بنا کر) آؤ، اور اللہ کے سوا اپنے مدعا داروں کو بھی بلاؤ، اگر تم سچے ہو۔

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا

سو اگر تم نہ کر سکو گے اور تم ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۲۴﴾

پتھر ہوں گے، جس کو کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو مخاطب فرما کر اپنے خالق، رب اور وحدہ لا شریک ہونے پر دلیل قائم کی تھی اور اب اس پر دلیل قائم کی ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کلام کو اس نے سیدنا محمد ﷺ پر نازل کیا ہے اور اس میں آپ کی رسالت پر دلیل ہے، کیونکہ عرب اپنی فصاحت و بلاغت پر بہت فخر کرتے تھے اور اپنے مقابلہ میں باقی دنیا کو محکم کہتے تھے اس کے باوجود قرآن مجید کی کسی چھوٹی سورت کی مثل لانے سے بھی عاجز رہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی سورت لانے کے بجائے جنگ و جدل کے درپے ہوئے اور اس سے سیدنا محمد ﷺ کے اس دعویٰ کا سچا ہونا ظاہر ہو گیا کہ ان پر اللہ کا کلام نازل ہوا ہے، اور جس طرح پہلی آیتوں میں یہ بتایا گیا تھا کہ آسمان سے پانی نازل کرنا اور اس سے زرعی اجناس کو اگانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور کوئی یہ کام نہیں کر سکتا، اور یہ اس کے خالق ہونے کی دلیل ہے اسی طرح ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ ایسا فصیح و بلیغ کلام اور جو کلام غیب کی خبروں اور علوم و معارف پر بھی مشتمل ہو وہ صرف قرآن کریم ہے اور کوئی

مقص اس کلام کی نظیر نہیں لاسکتا اور یہ آیتیں سیدنا محمد ﷺ کی رسالت پر دلیل ہیں۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مکی سورتوں میں قرآن مجید کی نظیر لانے کا چیلنج کیا تھا اور شلو فرمایا :

قُلْ لِّئِنْ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (الاسراء: ۸۸)

فرمائیے اگر تمام انسان اور جن اس قرآن کی مثل لانے پر جمع ہو جائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لاسکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔

اور جب وہ اس پورے قرآن کی مثل لانے سے عاجز رہے تو اللہ تعالیٰ نے چیلنج میں تخفیف کر کے فرمایا :

فَأْتُوا بِعَشْرِ سُورٍ مِثْلِهِ (هود: ۳)

سو تم اس کی مثل دس سورتیں لے آؤ۔

اور جب وہ اس کی مثل دس سورتیں بھی نہ لاسکے تو اور تخفیف کر کے فرمایا :

قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ (يونس: ۳۸)

آپ کہئے تم اس کی مثل کوئی ایک سورت لے آؤ۔

اور جب وہ کوئی ایک سورت بھی نہ لاسکے تو فرمایا :

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ (الطور: ۳۳)

یہ (مگر) اس کی مثل ایک ہمت (آیت) ہی لے آئیں۔

یہ تمام مکی سورتوں کی آیتیں ہیں جن میں قرآن مجید کی مثل لانے کا چیلنج کیا گیا ہے، اور اب اس مدنی سورت میں اس چیلنج کا دوبارہ ذکر کیا گیا ہے، تاکہ باقی کفار اور مشرکین کے سامنے بھی قرآن مجید کا معجز اور حجت ہونا ظاہر ہو جائے۔

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل

ان آیتوں میں سیدنا محمد ﷺ کی رسالت پر کئی وجوہ سے دلیل ہے :

مشرکین عرب نبی ﷺ کے سخت مخالف اور معاند تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن مجید کی سورتوں جیسی ایک سورت لانے کا چیلنج دیا اور اللہ تعالیٰ نے پیش گوئی بھی کر دی کہ وہ اس کی مثل نہیں لاسکتے، یہ قرآن ان کی لغت میں نازل ہوا تھا اگر اس کی مثل لانا ان کے لیے ممکن ہوتا تو وہ اس کی مثل ضرور لے آتے کیونکہ سیدنا محمد ﷺ کے دعویٰ نبوت کو باطل کرنا اور آپ کے اصحاب کو آپ سے متنفر کرنا ان کا انتہائی مقصود تھا، اور جب وہ اس کی مثل لانے سے عاجز رہے تو ظاہر ہو گیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اس سے معارضہ کرنا مخلوق کی قدرت میں نہیں ہے۔ نبی ﷺ کا یہ معجزہ قیامت تک باقی رہے گا۔ انبیاء سابقین علیہم السلام کو اپنے زمانے میں معجزات دیئے گئے مثلاً حضرت موسیٰ کو ید بیضاء دیا گیا اور ان کو عصا دیا گیا جو ان کے ہاتھ میں اڑدھا بن جاتا تھا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادر زائد ہوں کو بینائی عطا کرتے اور برص کے مریضوں کو شفا دیتے اور مردوں کو زندہ کرتے مگر ان کے یہ معجزات صرف ان کی حیات اور ان کے زمانہ میں قائم اور حجت تھے اور جب یہ انبیاء علیہم السلام ظاہری نگاہوں سے رخصت ہوئے تو یہ معجزات بھی ان کے ساتھ رخصت ہو گئے، اس کے برخلاف نبی ﷺ کے وصال کے بعد بھی قرآن مجید اسی طرح معجزہ ہے، اب سے چودہ سو سال پہلے بھی قرآن مجید کی نظیر کوئی نہیں لاسکتا تھا اور نہ اب تک لاسکا ہے، حالانکہ قرآن مجید کے مخالفین کی تعداد دن بہ دن زیادہ ہو رہی ہے اور علوم و فنون بھی روز افزوں ترقی پر ہیں تو اگر کسی شخص کے لیے قرآن مجید کی نظیر لانا ممکن ہوتا تو وہ اب تک لاپچا ہوتا۔ اگر کسی یہودی یا عیسائی کو اپنے دین کے متعلق تردد ہو تو اس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس کو اپنے نبی کی نبوت کے متعلق مطمئن کر سکے، اس کے برخلاف اگر کسی مسلمان کو اپنے دین کے متعلق بالفرض تردد ہو تو اس کو سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے متعلق

میں نے اسے پہلے کی لیے قرآن مجید کی ایک سوجھ بوجھ میں موجود ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ موافقین اور مخالفین سب کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی ﷺ کی نظر بہت دور رس تھی آپ بہت مسئلہ فہم اور احتمالی دانش مند تھے، آپ کی رائے بہت صائب اور فکر بہت صحیح تھی پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ آپ نبوت کا دعویٰ کرتے اور اپنی نبوت کی دلیل ایسے کلام کو قرار دیتے جس کی مثل پیش کرنے پر ہر عرب قہر ہوتا اور اس سے آپ کے دعویٰ کا کذب اور بطلان ظاہر ہوتا (الحیۃ باللہ) ظاہر ہے کہ آپ ایسا غیر معمولی ذہین شخص اس قسم کا کمزور چیلنج نہیں کر سکتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ جس کلام کی نظیر لانے کا آپ نے چیلنج کیا تھا وہ اللہ کا کلام ہے اور اس کلام کی نظیر لانا کسی انسان کی قدرت میں نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَنْ تَفْعَلُوا ”تم اس کلام کی مثل ہرگز نہ لاسکو گے“ یہ اللہ تعالیٰ کی پیش گوئی ہے اور اس آیت میں غیب کی خبر ہے اور بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ پیش گوئی درست تھی اور غیب کی یہ خبر صلیق تھی اور اب تو چودہ صدیاں گزر چکی ہیں، اسلام کے مخالفین بہ کثرت ہیں لیکن آج تک کوئی شخص قرآن مجید کی کسی آیت کی نظیر نہیں پیش کر سکا۔

شہید کا معنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اور اللہ کے سوا اپنے شہداء (مدگاروں) کو بھی لے آؤ اگر تم سچے ہو۔

شہداء، شہید کی جمع ہے، اس کا معنی ہے : حاضر، گواہی دینے والا، مدگار، اور امام۔ اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والے کو بھی شہید کہتے ہیں، کیونکہ اس کے قتل ہوتے ہی اس کے سامنے اس کا اجر اور سعادت حاضر ہو جاتی ہے یا اس کے سامنے حوریں حاضر ہو جاتی ہیں، یا اس کی عزت افزائی اور اس کو بشارت دینے کے لیے فرشتے حاضر ہو جاتے ہیں، قرآن مجید میں ہے :

نَسْتَرْزِلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ أَلَّا تَخَافُوا
وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ
(خم السجدة : ۳۰)

اور اس شہید سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ کے دین کی سرپندی کے لیے کفار سے لڑتا ہو، شہید ہوا، یہ دنیا اور آخرت کے حق میں شہید ہے، اور جو شخص دین کی سرپندی کے لیے لڑتا ہو، انہیں قتل ہوا بلکہ اپنی جان، مل یا عزت کی حفاظت کرتا ہو، قتل ہو گیا یا قتل کیا گیا، دنیا کے اعتبار سے شہید ہے، اور جو شخص غرق ہوا یا پیٹ کی بیماری میں فوت ہوا وہ آخرت کے اعتبار سے شہید ہے۔ لہٰذا لفظ کردوں قسم کے شہیدوں کو غسل دیا جائے گا نہ کفن پہنایا جائے گا، اس کو بغیر غسل کے انہی کپڑوں میں دفن کیا جائے گا اور اس کی نماز جتنا پڑھی جائے گی۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قرآن کی سورت کی مثل لانے کے لیے تم انسانوں، جنوں اور خود ساختہ معبودوں کو بلاؤ اور ان سے مدد حاصل کر لو، اللہ کے سوا اس کلام کی مثل اور کوئی نہیں لاسکتا، یا اللہ کے سوا اور گواہوں کو بلاؤ جو یہ گواہی دیں کہ تمہارا بیٹا ہوا کلام اللہ کے کلام کی مثل ہے، یا شہداء سے مراد وہ غیر اللہ ہیں جن کو تم نے اپنا کار ساز بنا کر رکھا ہے یا

شہداء سے مراد وہ خود ساختہ معبود ہیں جن کے متعلق تمہارا عقیدہ ہے کہ وہ قیامت کے دن تمہارے حق میں گواہی دیں گے۔
دوزخ میں جلنے والے پتھروں کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو اگر تم نہ کر سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا اندھن آدمی
پتھر ہیں ان پتھروں سے مراد وہ بت ہیں جن کو بنا کر انہوں نے ان کی پرستش کی قرآن مجید میں ہے :
إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ بے شک تم اور اللہ کے سوا تم جن (بتوں) کی مہلت
(الانبیاء : ۹۸) کرتے ہو وہ سب جنم کا اندھن ہیں۔

بتوں کو اس لیے آگ میں ڈالا جائے گا تاکہ مشرکین کی زیادہ ذلت اور رسولی ہو اور یہ واضح ہو کہ جن بتوں کو وہ اپنا
نجات دہندہ سمجھتے تھے وہ خود اپنے آپ کو عذاب سے نہیں بچا سکتے یا اس لیے کہ ان کے جرم اور شرک کا فناء یہ بت تھے
اس لیے ان بتوں کو عذاب دیا جائے گا جس طرح جو شخص سونے چاندی کی محبت کی وجہ سے ان کی زکوٰۃ نہ نکالے سونا
چاندی تپا کر ان سے اس کی پیشانی پہلوں اور ٹیٹھوں کو دلتا جائے گا قرآن مجید میں ہے :

يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فُتْكُوى
بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ (النورہ : ۳۵)
جس دن وہ (سونا چاندی) جنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر
اس سے ان کی پیشانیوں ان کے پہلوؤں اور ان کی ٹیٹھوں کو دلتا
جائے گا۔

☆☆☆

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کو یہ بشارت دے دیجئے کہ ان کے لیے ایسے باغات

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلًّا مِمَّا رِزْقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا

ہیں جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں جب بھی ان کو ان باغات سے کوئی پھل کھانے کے لیے دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ

الَّذِي رِزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأَتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا

یہ وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا، اور ان کو صورتہ ملتے جلتے پھل دیے جائیں گے، اور ان کے لیے ان

أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۵﴾

بانات میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ ان بانات میں ہمیشہ رہیں گے ۵

نجات کا مدار اللہ کے فضل پر ہے نہ کہ اعمال پر

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ ترہیب کے بعد ترغیب اور ڈرانے کے بعد خوشخبری کا ذکر فرماتا ہے اس سے پہلے کفار
کو دوزخ کے دائمی عذاب سے ڈرایا تھا اور اس آیت میں نبی ﷺ کو امر فرمایا ہے کہ آپ ایمان لانے والوں اور نیک عمل

لے والوں کو جنت، جنت کے پھلوں، پاکیزہ بیویوں اور ان نعمتوں کے دوام کی خوشخبری دے دیں، ان چار نعمتوں کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ انسان بنیادی طور پر رہائش، طعام اور نکل کو چاہتا ہے، اس کی رہائش کے لیے جنت کی، طعام کے لیے جنت کے پھلوں کی اور نکل کے لیے پاکیزہ بیویوں، یعنی حوروں کی خوشخبری دی اور اگر کسی نعمت کے ساتھ اس کے ذوق کا بھی خدشہ اور خطرہ لاحق ہو تو پھر انسان اس نعمت سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو سکتا اور حالت میں بھی وہ فکرمند رہتا ہے اس لیے مومنوں کو یہ بشارت بھی دی کہ یہ نعمتیں دائمی ہیں اور کبھی فنا نہیں ہوں گی، اس آیت میں نبی ﷺ کو اس خوشخبری کے سننے کا حکم دیا ہے اور آپ کے وصل کے بعد ہر زمانہ کے علماء اور مبلغین کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو یہ خوشخبری سنائیں۔

یہ خوشخبری سننے کا حکم ان لوگوں کے لیے دیا گیا ہے جو ایمان لائے ہوں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہوں اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس بشارت کا استحقاق ان دونوں کا مجموعہ ہے۔ ایمان بنیاد کی طرح ہے اور نیک اعمال اس پر بنی ہوئی عمارت کی طرح ہیں اور جس بنیاد پر عمارت نہ ہو وہ رہائش کے لیے کافی نہیں ہوتی، اسی لیے قرآن مجید میں ان دونوں کا اکثر و بیشتر ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ لوگ اپنے ایمان اور اعمال صلہ کے اعتبار سے ان نعمتوں کے مستحق ہوں گے لیکن یہ استحقاق اس اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نیک عمل کرنے والے مومنوں اور اس پر برقرار رہنے والوں سے ان نعمتوں کا وعدہ کر لیا ہے، یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے ان نعمتوں کے مستحق ہوتے ہیں کیونکہ انسان بالغ ہونے کے بعد نیک عمل شروع کرتا ہے اور اس کے ہر لقمہ بلکہ ہر سانس کے ساتھ اللہ کی غیر متناہی نعمتیں وابستہ ہیں سو اس کی ساری عمر کی عبادتیں تو ان نعمتوں کے برابر بھی نہیں ہیں جو وہ اس دنیا میں حاصل کر چکا ہے تو اب وہ اخروی نعمتوں کا مطالبہ کون سی عبادتوں کے عوض کرے گا، اس کے لیے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے اپنی پچھلی نعمتوں کا حساب نہ مانگے، اس لیے نبی ﷺ کا ارشاد ہے : کسی شخص کو بھی اس کا عمل جنت میں ہرگز نہیں داخل کرے گا، عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا مجھ کو بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت سے ڈھلپ لے گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۷۷، مطبوعہ نور محمد اصح المصالح کراچی، ۱۳۷۵ھ)

جنت کا معنی، قرآن اور حدیث میں جنت کی ترغیب اور اس کی طلب کا بیان

علامہ رافع اصغری جنت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”جن کا اصل میں معنی ہے کسی چیز کو حواس سے چھپالینا، قرآن مجید میں ہے :

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ (الانعام : ۷۱) جب رات نے ان کو چھپالیا۔

جنت، جن کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی حواس سے مستور ہوتا ہے، جنین، پیٹ میں بچہ کو کہتے ہیں وہ بھی مستور ہوتا ہے، جن اور جنہ ڈھل کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی حملہ آور کے حملہ سے چھپاتی ہے اور جن بھی حواس سے مستور ہوتے ہیں، اور جنت اس بلع کو کہتے ہیں جس میں بہت زیادہ گھنے درخت ہوں اور درختوں کے گھنے پن اور زیادہ ہونے کی وجہ سے زمین چھپ گئی ہو، اور دار الجزاء کا نام جنت اس لیے ہے کہ اس کو زمین کی جنت (گھنے بلع) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اگرچہ وہ دونوں جنتوں میں بہت فرق ہے، یا اس کو اس وجہ سے جنت کہا گیا ہے کہ اس کی نعمتیں ہم سے مستور ہیں، قرآن مجید میں ہے :

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ
(الم السجده : ۴۱) لیے کیا چیز پوشیدہ رکھی گئی ہے۔
سو کسی کو معلوم نہیں کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے

حضرت ابن عباس نے فرمایا جمع کے صیغہ سے ”جنت“ اس لیے فرمایا ہے کہ جتنی سات ہیں (۱) جنت الفردوس (۲)
جنت عدن (۳) جنت النعیم (۴) دار الخلد (۵) جنت الملوئی (۶) دار السلام (۷) ملیں۔

(المفردات ص ۹۸، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

بعض صوفیا اور قرب الہی کے مدعی جنت کو بہت کم درجہ کی اور گھٹیا چیز قرار دیتے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ ہم کو
جنت نہیں رضائے مولیٰ چاہئے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جس چیز کی تعریف و توصیف کی ہے اور اس
کو طلب کرنے کا حکم دیا ہے اس کو کم درجہ اور گھٹیا کہنے سے اللہ کیسے راضی ہو گا، بعض کہتے ہیں کہ ہم کو جنت نہیں مدینہ
چاہئے اور جنت کو لوئی اور مدینہ کو اعلیٰ قرار دیتے ہیں حالانکہ مدینہ کی افضلیت اس وجہ سے ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا
مسکن ہے اور جس جگہ رسول اللہ ﷺ اب آرام فرما رہے ہیں وہ بھی جنت کے بانوں میں سے ایک بلغ ہے، اور آخرت
میں بھی آپ کی قیام گاہ جنت ہوگی تو اگر رسول اللہ ﷺ کا مسکن ہونا وجہ محبت ہے تو آپ کا مسکن دنیا میں بھی جنت ہے
اور آخرت میں بھی جنت ہے تو اول آخر جنت ہی کو محبوب ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں جنت کی قدر و منزلت پیدا
فرمائے۔ قرآن مجید میں ہے :

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ
عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ
اپنے رب کی مغفرت اور ایسی جنت کی طرف جلدی کرو
جس کی پہنکی آسمان اور زمین ہیں، اس کو متقین کے لیے تیار کیا
(ال عمران : ۴۳) کیا ہے۔

لہام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : میں نے اپنے نیک بندوں
کے لیے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کلن نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال
آیا ہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو : فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ”سو کسی کو معلوم نہیں کہ
ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز پوشیدہ رکھی گئی ہے۔“

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطالبع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو پہلا گروہ جنت میں داخل ہو گا ان کا چہرہ
چودھویں رات کے چاند کی طرح ہو گا، نہ وہ اس میں تھوکیں گے، نہ ناک سے ریش آئے گی نہ فضلہ خارج ہو گا، ان کے
برتن جنت میں سونے کے ہوں گے اور کنگھے سونے اور چاندی کے ہوں گے اور اس میں عود کی خوشبو ہوگی ان کا پینہ مشک
کی طرح خوشبودار ہو گا، ہر جنتی کو دو بیویاں ملیں گی ان کی پنڈلیوں کا مغز گوشت کے پار سے نظر آئے گا یہ ان کے حسن کی
جھلک ہے، ان کے دلوں میں اختلاف اور بغض نہیں ہو گا سب کے دل ایک طرح کے ہوں گے اور وہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی
تسبیح کریں گے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطالبع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت سہل بن سعد سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں چابک جتنی جگہ بھی دنیا و

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۳-۳۷۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطلق کراچی ۱۴۳۸ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں ایک سو اسی سو سال تک چلنا رہے گا اور اگر تم چاہو تو یہ پڑھو وظل ممدود

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطلق کراچی ۱۴۳۸ھ)

اور دائیں طرف والے کیا ہی خوب ہیں دائیں طرف

وَاصْحَبُ الْيَمِينِ لَمَّا أَصْحَبُ الْيَمِينِ ۝

والے ۝ وہ بے کانتوں کی بیویوں میں رہیں گے ۝ اور تہ بہ تہ

فِي سِتْرِ مَخْصُودٍ ۝ وَطُلُحٍ مَّنْصُودٍ ۝ وَظِلٍّ

کیلوں میں ۝ اور پھیلی ہوئی لمبی چھاؤں میں ۝ اور (ہیش) چھلکتے

مَنْوُودٍ ۝ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ۝ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ۝

ہوئے پانی میں ۝ اور بہت سے (الذین) پھلوں میں ۝ جو نہ ختم

لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ۝ وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ۝ إِنَّا

ہوں گے نہ روکے ہوئے ہوں گے ۝ اور اونچے بستروں میں ۝

أَنشَأْنَهُمْ إِنشَاءً ۝ فَجَعَلْنَهُمْ أَبْنَاءَ لَا عُرْبًا

بے شک ہم نے (ان حوروں کو) خصوصیت سے بنایا ۝ سو ان کو

أَنرَابًا ۝ لَا صَحْبَ الْيَمِينِ ۝

کنواریاں بنایا ۝ اپنے شوہروں سے محبت کرنے والیاں اور ہم عمر

(الواقعه : ۲۷-۲۸)

۝ یہ دائیں طرف والوں کے لیے ہوں گی!

حضرت معلو بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک جنت میں سو درجہ ہیں اور ہر دو

درجوں میں آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور ان درجوں کے وسط میں ہے اور اس کے

لوپر رحمن کا عرش ہے اور وہیں سے جنت کے دریا جاری ہوتے ہیں پس جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال

کرو۔ (جامع ترمذی ص ۳۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ان کے لیے ایسی جنت ہیں جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں۔

بحر کا معنی ہے سمندر، نہر کا معنی ہے دریا اور جدول نہر کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان بھنات کے نیچے سے دریا

بہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ دریا کے دونوں کناروں پر درخت لگے ہوئے ہیں یہ مطلب نہیں ہے کہ وہاں کوئی لمبی نہر زمین

میں کھودی ہوئی ہے، مسوق سے لام ابن جریر، لام ابن مبارک اور لام بیہقی نے اس اثر کو روایت کیا ہے۔

(حاشیہ القاضی ج ۲ ص ۲۱ مطبوعہ دار صلور بیروت ۱۴۸۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جب بھی ان کو ان بھنات سے کھانے کے لیے کوئی پھل دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ وہی ہے

جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا۔ حسن ظن سے روایت ہے کہ جنتی کو ایک پیالہ دیا جائے گا وہ اس میں سے کھائے گا پھر اس کو دوسرا

اسی طرح کا پیالہ دیا جائے گا تو وہ کہے گا یہ تو پہلے کی طرح ہے تو فرشتے کہیں گے تم کھاتے ہو کارنگ ایک ہے اور ذائقہ مختلف

ہے، اور لام ابن جریر نے موقوفہ روایت کیا ہے اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مرفوعہ روایت کیا ہے

کہ فل جنت میں سے کوئی شخص پھل توڑے گا اور بھی وہ پھل اس کے منہ تک نہیں پہنچے گا کہ اس درخت پر اس کے

بدلہ دے گا پھل لگ جائے گا تو وہ کہے گا کہ یہ تو اسی طرح ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جنت کے پھل شکل و صورت میں

حفاظ کے پھلوں کی طرح ہوں تاکہ جنتی ان کی طرف راغب ہوں کیونکہ جب انسان کوئی نئی چیز دیکھتا ہے تو اس سے متوحش

ہوتا ہے اور اس وقت جنتی کہیں گے کہ یہ ایسے ہی پھل ہیں جیسے ہم کو دنیا میں دیئے گئے تھے حالانکہ وہ صرف صورت میں دنیا

کے پھلوں کی طرح ہوں گے ذائقہ مختلف ہو گا اور اس میں یہ حکمت ہے کہ ان کو بہت تعجب اور خوشی ہوگی کہ سورۃ مائیں ہونے کے باوجود ان کا ذائقہ کس قدر مختلف ہے۔ اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو اللہ کی عبادت اور اس کی معرفت سے جو لذت دنیا میں حاصل ہوتی تھی اسی جنس کی لذت جنت میں بھی ذکر الہی اور اس کی معرفت سے حاصل ہوگی لیکن جنت میں یہ لذت بہت زیادہ ہوگی اس کو پھلوں سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ جس طرح پھلوں سے حواس کو لذت حاصل ہوتی ہے اسی طرح معرفت الہی سے روح کو لذت حاصل ہوتی ہے۔
(عنایت القاضی ج ۲ ص ۷۳، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۴۸۳ھ)

جنتی عورتوں اور حوروں کی پاکیزگی، حسن و جمل اور ان کے ساتھ نکاح کی کیفیت کا بیان
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان کے لیے ان بہنات میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔

امام ابن جریر اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ نجاست سے پاک ہوں گی، مجاہد سے روایت ہے کہ وہ بول اور براز اور منی سے پاک ہوں گی اور مجاہد ہی سے روایت ہے کہ وہ حیض سے، بول اور براز سے، ناک کی ریزش سے، تھوک سے، منی سے اور بچہ جنم سے پاک ہوں گی، قتادہ سے روایت ہے کہ وہ گناہ سے پاک ہوں گی۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۷۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۹ھ)

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

امام احمد اور امام ترمذی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ لوئی درجہ کا جنتی شخص وہ ہو گا جس کے اسی ہزار خلوم اور بہتریویاں ہوں گی۔ (۱) (دو دنیا کی عورتیں ہوں گی اور ستر آخرت کی، ابن عساکر)

امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام نسائی، امام عبد بن حمید، امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم اپنی اسانید سے روایت کرتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا اے ابوالقاسم آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ اہل جنت کھائیں گے اور پیئیں گے، آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے ایک جنتی شخص کو کھانے، پینے، جماع اور شہوت سے سو دنیاوی آدمیوں کی قوت دی جائے گی، اس نے کہا جو شخص کھانا پیتا ہے وہ رفع حاجت بھی کرتا ہے اور جنت پاک جگہ ہے وہاں نجاست نہیں ہوتی، آپ نے فرمایا ان کی رفع حاجت ایک پسینہ نکلنے سے ہوگی جس سے مشک کی سی خوش بو آئے گی اور پسینہ آنے کے بعد اس کا پیٹ خالی ہو جائے گا۔

(در منثور ج ۱ ص ۴۰، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

امام طبرانی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ پیشاب اور جنابت (جماع کے وقت منی کا خروج) ایک پسینہ ہو گا جو ان کے بالوں کے نیچے سے لے کر پیروں تک سے نکلے گا اور اس سے مشک کی خوشبو آئے گی۔

(در منثور ج ۱ ص ۴۰، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

حافظ نور الدین البیہقی بیان کرتے ہیں :

امام طبرانی اور امام بزار نے حضرت سعید بن عامر بن حدیم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ

(۱) حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ در منثور ج ۱ ص ۳۹، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران

فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر کل جنت کی اندوچ میں سے کوئی عورت جھانکے تو تمام روئے زمین مشک کی خوشبو سے بھر جائے اور سورج اور چاند کی روشنی ملبہ پڑ جائے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۱۷، مطبوعہ دار الکتب العربی ۱۴۰۲ھ)

لام طبرانی روایت کرتے ہیں : نبی ﷺ کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا :

یا رسول اللہ! قرآن مجید میں ہے حور عین اس کی تفسیر فرمائیے آپ نے فرمایا وہ گورے رنگ کی بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی اور ان کی اتنی گھنی پلکیں ہوں گی جیسے گدھ کے پر میں نے کہا یا رسول اللہ! قرآن کی آیت ”كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ“ کی تفسیر فرمائیں آپ نے فرمایا جیسے صدف میں موتی صاف اور شفاف ہوتا ہے جس کو کسی نے چھوا نہ ہو وہ اس طرح صاف اور ان چھوئی ہوں گی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! فَيُهَنِّ خَيْرَاتٍ حِسَابٍ کی تفسیر فرمائیں آپ نے فرمایا ان کی صورت حسین اور سیرت جمیل ہوگی میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ کی تفسیر فرمائیں : فرمایا ان کی کھل اس طرح باریک ہوگی جیسے انڈے کے چھلکے کے اندر لپٹی ہوئی کھل باریک ہوتی ہے میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ ”عَرَبًا اَنْتَرَابًا“ کی تفسیر فرمائیں : آپ نے فرمایا : جو عورتیں دنیا میں بوڑھی ہو کر فوت ہوں گی ان کے بل سفید ہو چکے ہوں گے اور وہ کمزور ہو چکی ہوں گی اللہ تعالیٰ ان کو بدھاپے کے بعد دھیزہ بنا کر اٹھائے گا اور وہ اپنے شوہروں سے محبت کرنے والی ہوں گی اور سب ایک عمر کی ہوں گی میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ آیا دنیا کی عورتیں افضل ہوں گی یا حور عین افضل ہوں گی؟ آپ نے فرمایا دنیا کی عورتیں حور عین سے اس طرح افضل ہوں گی جس طرح ظاہر باطن سے افضل ہوتا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کی وجہ؟ آپ نے فرمایا اس کی فضیلت کا سبب ان کے روزے اور ان کی نمازیں ہیں اللہ تعالیٰ ان کے چہروں میں نور پیدا کر دے گا ان کا جسم ریشم کی طرح ہوگا رنگ گورا ہوگا کپڑے سبز ہوں گے سنہرے زیورات ہوں گے ان کی انگوٹھی موتی کی ہوگی اور ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی وہ کہیں گی سنو! ہم دائمی ہیں کبھی نہیں مرس گی سنو ہم ہمیشہ نعمت میں ہیں کبھی مغموم نہیں ہوں گی ہم قیام کرنے والیاں ہیں کبھی سفر نہیں کریں گی ہم خوش ہونے والیاں ہیں کبھی ناراض نہیں ہوں گی اس کو مبارک ہو جس کے لیے ہم ہیں اور وہ ہمارے لیے ہے! میں نے عرض کیا ہماری بعض عورتیں دنیا میں دو خلوندوں سے (یکے بعد دیگرے) نکاح کرتی ہیں بعض تین سے اور بعض چار سے تو وہ عورت جنت میں کس خلوند کے نکاح میں ہوگی؟ آپ نے فرمایا : اے ام سلمہ! اس عورت کو اختیار دیا جائے گا اور جس خلوند کا اخلاق دنیا میں سب سے اچھا ہو گا وہ اس کو اختیار کرے گی وہ کہے گی اے میرے رب میرے اس خلوند کا اخلاق سب سے اچھا تھا میرا اس کے ساتھ نکاح کرو۔ اے ام سلمہ! دنیا اور آخرت کی خیر اچھے اخلاق کے ساتھ وابستہ ہے۔

(المعجم الكبير ج ۳ ص ۳۶۸-۳۶۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جس عورت نے دنیا میں متحد نکاح کیے ہوں وہ آخرت میں کس خلوند کے نکاح میں ہوگی؟

جس عورت نے متحد نکاح کیے ہوں تو ایک صورت یہ ہے کہ ہر خلوند نے اس کو طلاق دے دی ہو اور جب وہ فوت ہو تو وہ کسی خلوند کے نکاح میں نہ ہو اس صورت میں اس کو جنت میں اختیار دیا جائے گا کہ جس خلوند کے اخلاق سب سے اچھے ہوں وہ اس سے نکاح کرے جیسا کہ حضرت ام سلمہ کی مذکور العدہ حدیث میں ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے متحد نکاح کیے ہوں اور آخری خلوند نے اس کو طلاق نہ دی ہو اور وہ اس کے نکاح میں فوت ہوئی ہو اس صورت میں وہ

جنت میں آخری خلوند کے نکاح میں ہوگی جیسا کہ حضرت ابو ذر اور حضرت عذیفہ کی حدیث میں ہے۔

(فتاویٰ حدیثیہ ص ۳۱، مطبوعہ مصطفیٰ البیہی ولولہ مصر ۱۳۵۶ھ)

جن مردوں اور عورتوں کا دنیا میں نکاح نہیں ہوا ان کا جنت میں نکاح ہو جائے گا
علامہ ابن حجر کی لکھتے ہیں :

جو کم سن بچہ حشر میں دنیاوی عمر اور جسامت پر اٹھایا جائے گا سو جنت میں دخول کے وقت اس کی جسامت بڑھادی جائے گی اور وہ بالغوں کی طرح جنت میں داخل ہو گا اور اس کا دنیاوی عورتوں اور حوروں کے ساتھ نکاح کر دیا جائے گا۔

(فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۵۶، مطبوعہ مصطفیٰ البیہی ولولہ مصر ۱۳۵۶ھ)

اس عبارت کی وضاحت یہ ہے کہ جس طرح بعض کم سن بچے فوت ہوتے ہیں اسی طرح بعض کم سن بچیاں فوت ہو جاتی ہیں اور یہ دونوں بالغوں کی طرح جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا ایک دوسرے سے نکاح کر دیا جائے گا۔
اسی طرح بعض مردوں کا ساری زندگی نکلن نہیں ہوتا اور وہ تجرد کی زندگی گزارتے ہیں اور بعض عورتیں بھی بغیر نکاح کے بوڑھی ہو جاتی ہیں ان کا بھی جنت میں ایک دوسرے سے نکاح کر دیا جائے گا۔
جنت میں تپاک اور ناجائز خواہشیں نہیں ہوں گی

بعض لوگ یہ بے ہودہ سوال کرتے ہیں کہ مردوں کو تو حوریں ملیں گی عورتوں کو جنت میں کیا ملے گا؟ بعض کہتے ہیں کہ جنت میں ان کو غلام ملیں گے، بعض کہتے ہیں کہ جب مردوں کو کئی حوریں اور بیویاں ملیں گی تو عورتوں کو بھی کئی کئی خلوند ملنے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی بے ہودہ اور تپاک خواہشوں کا مفع شیطاں ہے اور چونکہ شیطاں جنت میں نہیں ہو گا اس لیے یہ تپاک خواہشیں بھی جنت میں نہیں ہوں گی جب کوئی شخص یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کے کئی باپ ہوں تو اس کو یہ بھی نہیں سوچنا چاہئے کہ ایک عورت کے کئی خلوند ہوں۔

قرآن مجید میں ہے :

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُیْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُوْنَ (حم السجدة : ۳۱)
اور تمہارے لیے جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کی تم خواہش کرو اور جس کی تم طلب کرو۔

جنت میں انسان کی ہر خواہش پوری ہوگی لیکن تپاک اور ناجائز خواہشیں وہاں اس کے دل میں نہیں پیدا ہوں گی۔
فرض کیجئے کوئی شخص یہ خواہش کرے کہ شیطاں کو جنت میں داخل کر کے اس کو نبیوں اور رسولوں سے اونچا مقام دے دیا جائے، حالانکہ یہ محال ہے تو اس کا یہی جواب ہے کہ اس قسم کی لغو تپاک اور ناجائز خواہشوں کا مفع شیطاں ہے اور جب وہ جنت میں نہیں ہو گا تو ایسی لغو اور ناجائز خواہشیں بھی جنت میں نہیں ہوں گی۔

جنت کی عظمت اور کرامت کے متعلق میں نے بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں جھوٹے صوفی ازر بناوٹی محب رسول جنت کا بہت حقارت سے ذکر کرتے ہیں اور جنت طلب کرنے والوں کی مذمت کرتے ہیں اور ان کی تضحیک کرتے ہیں۔ اے بار الہ! رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے ہم کو جنت الفردوس عطا فرما!

☆☆☆

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا

بے شک اللہ (ہدایت کے سلسلہ میں) کسی بھی مثال کے بیان کو ترک نہیں کرتا خواہ بچہ کی مثال ہو یا اس سے بھی زیادہ حقیر چیز کی۔

الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنََّّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا

وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ مثال ان کے رب کی طرف سے سچی ہے اور رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَهُدًى بِهِ كَثِيرًا

وہ کہتے ہیں کہ اس (حقیر) مثال سے اللہ نے کیا ارادہ کیا ہے؟ وہ اس (مثال کے بیان) سے بہت لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے

وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۚ ۲۶ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ

اور بہت لوگوں کو اس (ہدایت) میں تباہی اور وہ صرف فاسقوں کو ہی اس گمراہی میں مبتلا کرتا ہے۔ جو اللہ سے خوب پکا عہد کرنے کے بعد اس کو

بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَفْسِدُونَ

ترک دیتے ہیں اور جن چیزوں کو اللہ نے لانے کا حکم دیا ہے اس کو کاٹتے ہیں اور زمین میں

فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۚ ۲۷

فساد کرتے ہیں، وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

لہام ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور کنی صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے منافقین کی دو مثالیں بیان کیں (آگ جلانے والے کی، اور بارش میں گھرے ہوئے شخص کی) تو منافقین نے کہا اللہ کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ وہ مثالیں بیان کرے اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں 'سیاق و سباق کے یہی شان نزول مناسب ہے' نیز لہام ابن جریر طبری نے قلعہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کمسی اور مکزی کی جو مثالیں دی تھیں ان پر مشرکین نے اعتراض کیا کہ اللہ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ کمسی اور مکزی کی مثالیں بیان کرے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جنوں کی حقارت بیان کرنے کے لیے ان کو کمسی اور مکزی سے تشبیہ دی ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ ۖ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ ۚ (العنكبوت: ۳۱)

وَلَنْ يَسْلُبَهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَفِيقُوهُ مِنْهُ

اور اگر کمسی ان جنوں سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ

صُعَفَ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ (الحج : ۷۳) اس کو اس سے چھڑا نہیں سکتے، طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔

پہلی مثل میں بتوں کی عبادت کا کمزور ہونا بتایا ہے کہ وہ مکڑی کے جالے کی مثل ہے، اور دوسری مثل میں بتوں کی خست اور حقارت بتائی ہے کہ اگر بتوں سے کبھی کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس کو چھڑا نہیں سکتے۔

علامہ بدر الدین یعنی لکھتے ہیں ان مثالوں پر منافقوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ کیا (سیدنا) محمد (ﷺ) کے رب کو حیا نہیں آتی کہ وہ کبھی اور مکڑی ایسی چھوٹی اور حقیر چیزوں کی مثالیں بیان کرتا ہے، تب ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔
(عمدة القاری ج ۱ ص ۷۷، مطبوعہ لواء البیان النیریہ ۱۳۳۸ھ)

مثل بیان کرنے کا قلعہ

مثل دینے کا قلعہ یہ ہے کہ جس وجہ سے مثل دی گئی ہے اس وجہ سے وہ مثل مثل لہ کے موافق ہو اگر کسی چیز کی عظمت بیان کرنا مقصود ہے تو عظیم چیز سے مثل دی جائے گی اور اگر کسی چیز کی خست بیان کرنا مقصود ہے تو حقیر چیز سے مثل دی جائے گی، کیونکہ مثل کے ذریعہ مثل لہ (مقصود) کے معنی کو منکشف کیا جاتا ہے اور امر معقول کو محسوس اور مشاہد کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ سمجھ آجائے۔

حیاء کا معنی اور قرآن اور حدیث میں اللہ کی طرف حیاء کی نسبت کا محمل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کسی بھی مثل دینے سے حیا نہیں فرماتا۔

برا کام کرتے وقت لوگوں کی ملامت اور مذمت کے خوف سے انسان کا منقبض ہونا (سکڑنا) اس کو حیاء کہتے ہیں، یہ بے باکی اور بزدلی کی ایک درمیانی کیفیت ہے، بے باک شخص دلیری کے ساتھ برے کام کرتا ہے اور بزدل شخص مطلقاً کوئی کام نہیں کر سکتا، برا ہو یا اچھا، حیاء کا یہ معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں محمل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کی ملامت سے متاثر ہو اس لیے یہاں حیا کا لازمی معنی مراد ہے، حیاء کی وجہ سے انسان کسی کو دیکھ کر برا کام ترک کر دیتا ہے۔ اس لیے حیاء کو ترک کرنا لازم ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے جب حیاء کا لفظ استعمال ہو تو اس سے ترک کرنا ہی مراد ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ترک کا لفظ استعمال کیوں نہیں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ برہماء مشاکلت ہے کیونکہ منافقوں نے کہا تھا کیا محمد (ﷺ) کے رب کو حیا نہیں آتی کہ وہ کبھی اور مکڑی کی مثالیں دیتا ہے! تو ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حق واضح کرنے کے لیے کسی بھی مثل دینے سے حیا نہیں فرماتا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف حیاء کی نسبت کی ہے: علامہ علی متقی ہندی امام ابن النجار کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یستحی من عبده
وامتہ یشیبان فی الاسلام ان یعذبہما
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کا جو بندہ اور بندی اسلام میں بوڑھے ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دینے سے حیا فرماتا ہے۔

(کنز العمال ج ۱۵ ص ۶۷۲، مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۵ھ)

حافظ سیوطی امام ابن النجار کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بوڑھا شخص صحیح عمل کرتا ہو اور پابندی سے سنت

پر عمل کرتا ہو اللہ تعالیٰ کو اس سے حیا آتی ہے کہ وہ کوئی رسول کرے اور اللہ اس کو نہ دے۔

(جامع الاحادیث الکبیر ج ۲ ص ۳۰۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب کوئی اللہ کا بندہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو اللہ کو اس سے حیا آتی ہے کہ وہ اپنی کسی حاجت کا رسول کرے اور اس کے پورا ہونے سے پہلے لوٹ جائے۔

(جامع الاحادیث الکبیر ج ۲ ص ۳۰۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

لام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک تمہارا رب حیا دار، کرم ہے جب بندہ اس کی طرف دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ ان کو خللی لوٹانے سے حیا فرماتا ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۹، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو لام ترمذی (۱) لام ابن ماجہ (۲) اور لام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (۳)

حافظ سیوطی نے بھی اس حدیث کو متعدد حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(جامع الاحادیث الکبیر ج ۲ ص ۲۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

یہاں پر غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک اور مولیٰ ہو کر بندوں کی بات ٹالنے اور ان کی دعا مسترد کرنے سے حیا فرماتا ہے تو جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کسی کام کا حکم دے تو اس کے حکم پر عمل نہ کرنے سے بندوں کو کس قدر حیا کرنی چاہئے، غالباً اسی نکتہ پر متنبہ کرنے کے لیے نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لیے ترک کرنے کے بجائے حیاء کرنے کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وہ اس (مثل کے بیان) سے بہت لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہت لوگوں کو اس سے ہدایت دیتا ہے۔ کفار اور منافقین نے جو یہ سوال کیا تھا کہ اللہ نے ان مشلوں کے بیان کرنے سے کیا ارادہ کیا ہے؟ اس آیت میں اس کا جواب ہے، یعنی جن لوگوں پر جہالت غالب ہے اور جو ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے وہ جب ان مشلوں کو سنیں گے تو ضد اور حلو کی وجہ سے ان مشلوں پر غور و فکر نہیں کریں گے اور فوراً ان کا انکار کر دیں گے لہذا ان مشلوں کا بیان کرنا ان کے حق میں گمراہی کا موجب ہو اور جن لوگوں کی علوت یہ ہے کہ وہ ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیتے، کھلے ہوئے ذہن سے سوچتے ہیں اور غور و فکر کرتے ہیں وہ جب ان مشلوں کو سنیں گے تو ہدایت پا جائیں گے، کلیات اور باریک چیزوں کی وضاحت مثل سے ہی ہوتی ہے اور جو شخص ان مشلوں پر غور و فکر کرتا ہے وہ ہدایت پالیتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنَلَّكَ الْأَمْثَالَ نَصِيرًا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا

(۱) لام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی حنفی ۷۸۰ھ، جامع ترمذی ص ۵۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۲) لام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۲۷۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۳) لام احمد بن حنبل حنفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۳۸، ج ۶ ص ۳۳، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ

ان کو صرف ملامت ہی سمجھتے ہیں۔

إِلَّا الْعَالِمُونَ (العنکبوت : ۳۳)

ایک سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ کثیر کو گمراہ کرتا ہے اور کثیر کو ہدایت دیتا ہے، ملائکہ گمراہ تو کثیر ہیں اور ہدایت یافتہ قلیل ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ گمراہ عدداً کثیر ہیں اور ہدایت یافتہ اپنے مرتبہ اور شرف کے اعتبار سے کثیر ہیں۔

فسق کی تعریف اور اس کی اقسام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور وہ صرف فاسقوں کو ہی اس سے گمراہی میں مبتلا کرتا ہے۔

فسق کا معنی ہے : اعتدال اور طریق مستقیم سے خروج، اور شریعت میں گنہ کبیرہ کرنے والے کو فاسق کہتے ہیں۔ اس کے تین مراتب ہیں (۱) تغلبی : جو شخص کبھی کبھی گنہ کبیرہ کرے اور اس کو برا جانتا ہو، (فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گنہ کبیرہ ہے) (۲) انسہاک : جو شخص گنہ کبیرہ کا علوی ہو اور اس کو اس کا کوئی خوف نہ ہو۔ (۳) محو : جو شخص گنہ کبیرہ کو اچھا اور صحیح سمجھ کر کرے پس جو شخص اس درجہ میں پہنچ جائے اس کا ایمان جاتا رہتا ہے اور وہ کافر ہو جاتا ہے، اور جب تک وہ تغلبی اور انسہاک کے درجہ میں ہوتا ہے وہ ایمان سے نہیں لگتا کیونکہ اس کے دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق قائم رہتی ہے اور اسی تصدیق کا نام ایمان ہے۔

یہاں فاسق سے مراد وہ منافقین ہیں جو فسق کے تیسرے درجہ میں پہنچ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ نے گمراہ کرنے کو جو فاسقوں میں منحصر کر دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فسق نے ہی ان کو گمراہی تک پہنچایا، کیونکہ مسلسل حق کا انکار کرنے اور باطل پر اصرار کرنے کی وجہ سے وہ ایسے معاند اور ہٹ دھرم ہو گئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہوئی مثالوں پر غور نہیں کیا اور یہ نہیں سمجھا کہ مکھی اور مکڑی کی مثالیں دے کر اللہ تعالیٰ نے بتوں کی خست اور حقارت کو بیان کیا ہے اور ان کی جہالت اور گمراہی اور پختہ ہو گئی اور اس طرح ان مثالوں کا مذاق اڑانے اور انکار کرنے سے ان فاسقوں کی گمراہی اور زیادہ راسخ ہو گئی اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ صرف فاسقوں کو ہی اس (ان مثالوں) سے گمراہ کرتا ہے۔

عہد موثق کا معنی اور اس کی اقسام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو اللہ سے خوب پکا عہد کرنے کے بعد اس کو توڑتے ہیں۔

پکے عہد کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی رعایت اور حفاظت کی جائے جیسے قسم اور وصیت کی رعایت اور حفاظت کی جاتی ہے، اس عہد سے مراد وہ عہد ہے جو لوگوں کو عقل دینے کی صورت میں لیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنی ذات اور صفات پر دلائل قائم کئے ہیں اور نشانیاں رکھی ہیں اور عقل میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ان نشانیوں سے صاحب نشان تک پہنچ سکتی ہے۔ اس عہد کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے :

اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پیٹھوں سے

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي اٰدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ

ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بنایا (فرمایا :) کیا

ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ

میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ ہم نے

قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّا كُنَّا

گواہی دی (یہ گواہی اس لیے لی ہے) کہ (کہیں) قیامت کے دن

عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ (الاعراف : ۱۷۲)

تم یہ (نہ) کہنے لگو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔

وہ سراسر عہدہ ہے جو نبیوں اور رسولوں کے واسطوں سے ان کی امتوں سے لیا گیا اور وہ یہ عہد تھا کہ جب ان کے پاس عظیم رسل آجائیں جن کی کچھلی کتبوں میں تصدیق ہے اور معجزات سے ان کی رسالت ثابت ہو جائے تو یہ سب اس عظیم رسل کی اتباع کریں گے اور ان کی کتبوں میں اس کی نبوت کا جو بیان ہے اس کو نہیں چھپائیں گے اور اس کی مخالفت نہیں کریں گے اور اس عہد کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے :

وَلَا تَتَّبِعُوا الْاَوَّلَ الَّذِي اَوْثَرُوا الْكِتَابَ
لَنْبِئِنَّكُمْ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَ فَنَبِّدُوْهُ وَاَوْثَرُ
ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبَسَّ
مَا يَشْتَرُوْنَ (ال عمران : ۷۷)

اور یاد کرو! جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ تم یہ عہد لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اس کو نہیں چھپاؤ گے سو انہوں نے اس عہد کو پس پشت پھینک دیا اور اس عہد کے بدلہ میں حقیر معلومہ لے لیا تو یہ کیسی بری چیز کو خرید رہے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کی فطرت میں جو ہدایت رکھی تھی اس کو انہوں نے غور و فکر سے کام نہ لے کر ضائع کر دیا اور ان کے نبیوں اور رسولوں نے جو ان سے آخری نبی کی پیروی کا عہد لیا تھا انہوں نے اپنے تعصب اور متلو کی وجہ سے اس عہد کو بھی توڑ دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جن چیزوں کو اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے ان کو کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں اور یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ منافقین کا شر اور فساد

اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا تھا کہ رشتے داروں سے تعلق جوڑیں یہ توڑتے تھے اللہ کا حکم تھا مسلمانوں سے محبت کریں یہ ان سے اعراض کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ نبیوں میں ایمان لانے کے لحاظ سے فرق نہ کریں یہ فرق کرتے تھے فرض نماز کو جماعت سے پڑھنے کا حکم تھا یہ ترک کرتے تھے اور ہر جس کام میں خیر ہو اس کو ترک کر کے شر کو اختیار کرتے تھے اور زمین میں ان کا فساد یہ تھا کہ لوگوں کو ایمان لانے سے روکتے تھے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑاتے تھے اور جن چیزوں کے وصل سے امن عالم قائم ہے ان میں فصل کرتے تھے۔

☆☆☆

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ

تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے، اس نے تم کو زندہ کیا، وہ پھر تم پر موت مٹا دی کرے گا

يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٨﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی

پھر تم کو زندہ کرے گا، پھر اس کی طرف تم لوٹے جاؤ گے ۵ (اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین میں سب چیزوں

الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اَسْتَوٰی اِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ

کو پیدا کیا، پھر وہ آسمان کی طرف منسوب ہوا تو اس نے سات ہموار

آسمان

پہلے اول

سَمَوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۲۹

بنادیے ، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ۝

اس آیت میں کفار کو مخاطب کر کے یہ بتایا کہ تم کس طرح اللہ کے ساتھ کفر کر سکتے ہو، حالانکہ پہلے تم نطفہ کی شکل میں بظاہر مردہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے جسم میں روح پھونک کر تم کو زندہ کیا، پھر جب تمہاری مدت حیات پوری ہو جائے گی تو پھر تم پر موت طاری کرے گا، پھر قبر میں سول و جواب کے وقت یا صور پھونکنے کے وقت تم کو دوبارہ زندہ کرے گا، پھر حشر کے بعد تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے، اور اللہ تم کو تمہارے اعمال کی جزا دے گا اور جب تم کو اپنے ان احوال کا علم ہے تو پھر تمہارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا کس قدر تعجب خیز ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار کو یہ تو علم تھا کہ وہ پہلے مردہ تھے، پھر ان کو زندہ کیا گیا اور پھر ان پر موت آئے گی، لیکن موت کے بعد دوبارہ زندگی کے تو وہ قائل نہ تھے تو اس حیات کو ان کے خلاف بطور حجت پیش کرنا کس طرح درست ہو گا، اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حیات بعد الموت پر دلائل بالکل ظاہر ہیں اس لیے ان دلائل کے ظہور کو کفار کے علم کے قائم مقام کیا گیا ہے، علاوہ ازیں اس آیت میں بھی حیات بعد الموت پر دلیل ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلی بار ان کو مردہ حالت میں زندگی کی طرف منتقل کیا تو دوبارہ ان پر موت طاری کر کے انہیں زندہ کرنا اس کے لیے کب مشکل ہو سکتا ہے! اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ موت طاری کرنے کو کس طرح نعمتوں میں سے شمار کیا جائے گا اس کا جواب یہ ہے کہ موت دوسری حیات کی طرف پہنچاتی ہے اور وہی حقیقی حیات ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں مومنوں سے خطاب ہو کہ پہلے تم مردہ تھے یعنی جلیل تھے پھر تم کو زندہ کیا یعنی علم اور ایمان سے سرفراز کیا، پھر تم پر معروف موت طاری کی جائے گی اور تم کو حقیقی حیات دے دی جائے گی اور تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر تم کو ایسا اجر و ثواب دیا جائے گا جس کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کلن نے سنا ہے اور نہ اس کا کسی دل میں خیال آیا ہے۔

حیات اور موت کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

حیات کے متعدد معنی ہیں :

(۱) نباتات میں جو نشوونما کی قوت ہے اس کو حیات کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے :

إِنَّ اللَّهَ يَحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

(الحديد : ۱۷) فرماتا ہے۔

(۲) حیوانات میں جو احساس اور حرکت بالارادہ کی قوت ہے اس کو حیات کہتے ہیں :

وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ

(الفاطر : ۲۲)

(۳) عمل اور عقل کی قوت کو حیات کہتے ہیں :

أَوْ مَن كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا

اور کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس

کودھنی دی جس سے وہ چلتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّعَامُ : (۴۲)

(۴) حیاتِ انعمیہ لہدیہ جس کو عقل اور علم سے حاصل کیا جاتا ہے :

اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (الانفال : ۲۴)

اللہ اور رسول جب تمہیں لہدیہ زندگی دینے والی چیز کی طرف بلائیں تو فوراً حاضر ہو جاؤ۔

(۵) جس حیات کے ساتھ اللہ تعالیٰ متصف ہے، اور اللہ تعالیٰ کے جی ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کے لیے موت ممکن نہیں ہے اور وہ عالم اور قادر ہے۔ حیات کے معنی کے مقابلہ میں موت کا معنی ہے، زمین کا بے آب و گیاہ ہونا اور بنجر ہونا زمین کی موت ہے، جس اور حرکت اور لویہ کی قوت کا ختم ہو جانا جانداروں اور حیوانوں کی موت ہے، عمل اور عقل کی قوت کا ختم ہو جانا انسانوں کی موت ہے۔ (المفردات ۳۸-۳۹، مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

زمین اور آسمان کی تخلیق کی ترتیب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے نفع کے لیے زمین میں سب چیزوں کو پیدا کیا، پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے سات ہموار آسمان بنادیئے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ زمین کو پہلے بنایا گیا یا آسمان کو، جو علماء پہلے زمین کی تخلیق کے قائل ہیں، ان کا استدلال اس آیت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو پیدا کرنے کے بعد آسمان کی طرف متوجہ ہوا، اور حسب ذیل آیات سے بھی ان کا استدلال ہے :

قُلْ اَنتَکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنٍ وَتَجْعَلُوْنَ لَہٗ اَنْدَادًا ذٰلِکَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَجَعَلَ فِیْہَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِہَا وَبَرَّکَ فِیْہَا وَفَلَکَ فِیْہَا اَفْوَآئِہَا فِیْ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ سَوَآءٍ لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَہِیْ دُخَانٌ فَقَالَ لَہَا وِلَا رِضٍ اَنْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْہًا قَالَتَا اَنْتِنَا طَآئِعَتِیْنَ ۝ فَقَضَہُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنٍ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَہَا وَزَیْنًا السَّمَآءُ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحٍ وَحِفْظًا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (حَم السجدة : ۴۳)

آپ کہیے بے شک تم ضرور اس ذات کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین کو بنایا اور تم اس کے لیے شریک بناتے ہو۔ وہ (عظیم) رب ہے تمام جہانوں کا اور اس نے زمین میں ہماری پہاڑوں کو گاڑ دیا، اور اس میں برکت رکھی اور چار دن میں اس نے زمین کے اندر اس (کے رہنے والوں) کی غذا میں ایک اندازے سے رکھیں، پھر آسمان کی طرف قصد کیا در آں حالیکہ وہ دھواں تھا، پھر آسمان اور زمین سے فرمایا تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو، ان دونوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہوئے، پھر دو دن میں سات آسمان بنادیئے اور ہر آسمان میں اس کے موافق حکم بھیجا اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کیا اور اس کی حفاظت کی اور یہ بہت زبردست ذات اور بڑے علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے۔

یہ آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور لام ابن جریر طبری نے قندہ سے یہ

نقل کیا کہ آسمان کو پہلے بنایا گیا ہے اور پھر زمین کو بنایا گیا ہے۔ ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے :

اَنۡتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمَ السَّمَآءُ بَنٰہَا ۝ رَفَعَ

آیا تمہاری تخلیق زیادہ سخت ہے یا آسمان کی؟ (اللہ نے)

سَمَكَهَا فَسَوْهَا ۚ وَآغَطَشَ لَبْلَهَا وَأَخْرَجَ
صُلْحَهَا ۚ وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا
(النازعات : ۳۰-۲۷) بعد زمین کو پھیلایا۔

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمان کے بعد پیدا کیا گیا ہے لیکن جمہور علماء اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ زمین کی تخلیق پہلے کی گئی تھی جیسا کہ سورہ البقرہ اور سورہ حم السجدة سے واضح ہوتا ہے اور زمین کو پھیلانے کا عمل آسمان کی تخلیق کے بعد کیا گیا جیسا کہ سورہ النازعات سے واضح ہوتا ہے۔

اباحت کے اصل ہونے کی تحقیق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ وہی ہے جس نے تمہارے نفع کے لیے زمین میں سب چیزوں کو پیدا کیا۔ اس آیت میں لام انتفاع کے لیے ہے سبب اور تعلیل کے لیے نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کی کوئی علت نہیں ہوتی (بیضوی) اس آیت سے جمہور فقہاء اور اصولیین نے یہ استدلال کیا ہے کہ احکام شرعیہ کے وارد ہونے سے پہلے اصل میں سب اشیاء مباح ہیں پھر جب احکام شرعیہ وارد ہوئے تو بعض کلام واجب ہو گئے اور بعض کلام حرام ہو گئے مثلاً شراب نوشی اور کتوں کے ساتھ اشتغال اور تصویریں بنانا پہلے مباح تھا اور جب شریعت میں ان سے ممانعت وارد ہو گئی تو یہ کلام حرام ہو گئے اسی طرح والدین کی اطاعت کرنا پہلے مباح تھا جب شریعت نے اس کا حکم دے دیا تو یہ واجب ہو گیا اور جن مشرکوں نے حکم شرع کے بغیر از خود کسی چیز کو حرام کر لیا جس طرح مشرکوں نے سائبہ، بحیرہ وغیرہ جانوروں کو حرام کر دیا تھا ان کا دودھ پینا، ان پر سواری کرنا اور ان کا گوشت کھانا سب کچھ حرام کر لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت میں یہ آیات نازل فرمائیں :

وَلَا تَقُولُوا لِمَا نَصَفَ الْإِسْنُكُمُ الْكَذِبَ
هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لَّنْفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ
الْكَذِبَ
اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں
ان کے متعلق نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام تاکہ تم اللہ پر
ہستان باندھو۔

(النحل : ۱۰۱)

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ
مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ اللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ
تَفْتَرُونَ (یونس : ۵۹)

آپ کہئے کہ بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا تو
تم نے کچھ اس میں سے حرام کر لیا اور کچھ حلال، آپ کہئے کہ آیا
اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی تھی یا تم اللہ پر ہستان باندھتے
ہو۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو از خود حرام کرنا صحیح نہیں ہے، جب تک اللہ اور رسول کسی چیز سے منع نہ کریں وہ چیز حلال ہے، اسی طرح حدیث میں ہے :

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

عن سلمان قال سئل رسول الله صلى الله
عليه وسلم عن السمن والجبن والفراء فقال
حضرت سلمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ
ﷺ سے گئی، پنیر اور پوستین (کھل کی قمیص، چغہ) کے

الحلال ما احل الله في كتابه والحرام ما حرم الله في كتابه وما سكت عنه فهو عفا عنه (۱)
 متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا جو چیز حلال ہے اس کو
 اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کر دیا اور جو چیز حرام ہے اس کو
 اپنی کتاب میں حرام کر دیا اور جس کے متعلق اللہ نے
 سکوت کیا اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

اس حدیث کو امام ابن ماجہ (۲) اور امام ابو داؤد (۳) نے بھی روایت کیا ہے :

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں :

اکثر مالکیہ نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اس حال میں ان کے نزدیک کوئی حکم نہیں ہے اور
 جب شریعت وارد ہوگی تو جو حکم چاہے گی وہ مانڈ کرے گی، اور عقل کسی چیز کو واجب یا حرام نہیں کر سکتی، عقل کا کام صرف
 یہ ہے کہ وہ اشیاء کی اس طرح معرفت حاصل کرے جس طرح وہ ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۲۵۲-۲۵۱، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

علامہ بیضوی شافعی لکھتے ہیں :

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ تمام اشیاء بلافحہ مباح ہیں۔ (انوار التنزیل (درسی) ص ۵۷، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں :

تحریر ابن حنبل میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک احکام میں اصل اباحت ہے، حدایہ اور
 خانیہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے، شرح تحریر میں لکھا ہے کہ معتزلہ بصرہ، کثیر شافعیہ اور اکثر حنفیہ کا یہی قول ہے، امام محمد نے
 بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ جس شخص سے کسی نے یہ کہا کہ تم مردار کھاؤ یا شراب پیو ورنہ تم کو
 قتل کر دیا جائے گا، اور اس نے اس طرح نہیں کیا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا گیا تو مجھے خدشہ ہے کہ وہ گنہ گار ہو گا، کیونکہ
 مردار کا کھانا اور شراب کا پینا صرف شریعت کی ممانعت کی وجہ سے حرام کیا گیا ہے۔ امام محمد نے اس عبارت میں اباحت کو
 اصل قرار دیا ہے اور حرمت کو شرعی ممانعت کی وجہ سے عارضی قرار دیا ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۷۷، مطبوعہ دار احياء التراث العربی بیروت)

قرآن، سنت اور فقہاء کرام کی آراء کے مطابق احکام میں اصل اباحت ہے اور قرآن اور سنت میں جن کاموں کو
 فرض، واجب، حرام یا مکروہ نہیں قرار دیا گیا ان کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، اس لیے نبی ﷺ اور دیگر مشاہیر
 اسلام کے فضائل اور سیرت کی مجالس کو منعقد کرنا، اور آپ کے میلاد پر خوشی کا اظہار کرنا، صدقہ، خیرات اور دیگر عبادات کا
 ثواب نبی ﷺ، بزرگان دین اور اپنے رشتہ داروں کو پہنچانا، انفرولی اور اجتماعی طور پر صلاۃ و سلام پڑھنا، ترلوتح میں باجماعت
 قرآن مجید کو ختم کرنا، وسیع و عریض مساجد بنانا، لائبریریاں قائم کرنا، مصحف (قرآن) پر سورتوں کا نام اور آیتوں کی تعداد لکھنا،
 پاؤں کے حلب سے قرآن مجید کو تقسیم کرنا، مسجدوں میں محراب اور منبر بنانا، دعا و نصیحت کے لیے جلسے منعقد کرنا، نبی

(۱) امام ابو یوسف، محمد بن یحییٰ ترمذی حنفی ص ۷۹، جامع ترمذی ص ۲۳۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۲) امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ حنفی ص ۷۳، سنن ابن ماجہ ص ۲۳۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۳) امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث حنفی ص ۷۵، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۷۳، مطبوعہ مطبع مجلی پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ

مکمل طور صحابہ کے ایام میں جلوس نکالنا اور ان کے ذکر کی مجلسیں قائم کرنا دینی مدارس کے سلسلہ طے کرنا اور وہ صرف پڑھانا اور ختم بخاری کرنا اور ایسے بہت سے دینی امور جن سے دین کے شعار اور اس کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے ہر چند کہ شریعت میں ان کے کرنے کا حکم ہے نہ ان کے کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ تمام کلام اپنی اصل پر مبلح ہیں لیکن ان کو فرض اور واجب اعتقاد نہ کیا جائے نہ ان کے ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ کیا جائے، ان کلاموں کو لازم سمجھا جائے نہ ان کے نہ کرنے والوں پر ملامت کی جائے اور ان پر طنز و تشنیع کی جائے۔ جب کسی مبلح کلام کو فرض اور واجب کا درجہ دے دیا جاتا ہے تو وہیں سے بدعت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

حشر اجسلا پر دلیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حشر اجسلا پر دلیل قائم کی ہے، مشرکوں کو یہ اشکل ہوتا تھا کہ مرنے کے بعد انسان کے اجسام بوسیدہ ہو جاتے ہیں اور پھر مٹی میں مل جاتے ہیں، پھر مختلف زلزلوں، آندھیوں اور طوفانوں میں یہ ذرات بکھر کر منتشر ہو جاتے ہیں اور دوسرے ذرات کے ساتھ خلط ملط ہو جاتے ہیں ایک ہی انسان کا جسم ذرات میں بکھر کر آندھیوں اور ہواؤں کے ذریعہ کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے اور اسی طرح کے دوسرے ذرات سے مخلط ہو جاتا ہے تو اب مثلاً ایک انسان کے تمام ذرات کو مختلف مقامات سے یکجا کرنا اور دوسرے ذرات سے ممتاز اور الگ کرنا ان کے خیال میں بہت بعید تھا، اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بتلادیا کہ یہ اس کے لیے بعید ہو گا جس کو علم نہ ہو، اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے اور اس کے لیے ان منتشر ذرات کو پھر سے جمع کر دینا کچھ مشکل نہیں اور جب وہ تم کو اور تم سے کہیں بڑی چیزوں آسمان اور زمین کو بنا چکا ہے تو پھر دوبارہ تم کو پیدا کرنا اس کے لیے کب مشکل ہے بلکہ زیادہ آسان ہے۔

☆☆☆

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا

اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانا والا ہوں فرشتوں نے

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ

کہا کیا آپ ایسے شخص کو نائب بنائیں گے جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا، حالانکہ ہم آپ کی حمد کے ساتھ تسبیح

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَتْ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ (۳۰) وَعَلَّمَ

کرتے ہیں اور آپ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں، فرمایا بے شک میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے ۝ اور اللہ نے

أَدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي

آدم کو سب چیزوں کے نام سکھا دیے، پھر ان چیزوں کو فرشتوں پر پیش کر کے فرمایا اگر تم سچے ہو تو

بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣١﴾ قَالُوا اسْبُحْنِكَ لَا عَلَمَ لَنَا

بجے ان چیزوں کے نام بتاؤ ۵ فرشتوں نے کہا تو پاک ہے ہمیں صرف انہی چیزوں

إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٣٢﴾ قَالَ يَادُمُ أَنْبِئْهُمْ

کام ہے جن کی تو نے ہمیں تعلیم دی ہے بے شک تو ہی سب جاننے والا ۵ بڑی محنت والا ہے ۵ فرمایا: اے آدم! ان کو ان سب چیزوں کے

بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ

نام بتاؤ جب آدم نے ان سب چیزوں کے نام ان کو بتا دیئے تو فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں ہی آسمانوں اور زمین کا

غَيْبِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٣٣﴾

غیب جاننے والا ہوں ، اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور جس کو تم چھپاتے تھے میں دوسب جانتا ہوں ۵

رابط آیات

جس طرح اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا، تاکہ انسان ان نعمتوں کا اعتراف کرے اور کفر اور معصیت سے باز آئے اللہ پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت کرے، اسی طرح ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ انسان کے مورث اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کن نعمتوں سے نوازا، حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اور نائب بنایا، ان کو اپنی صورت پر پیدا کیا، ان کو کائنات کی تمام اشیاء کے اسماء کا علم عطا فرمایا اور ان کو مسجود ملائک بنایا، ان کو پہلے جنت میں رکھا پھر ان کو خلافت جاری کرنے کے لیے زمین پر بھیجا اور یہ حضرت آدم پر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی لولہ اپنے مورث اعلیٰ پر کی گئی ان نعمتوں کا شکر بجالائے، اچھی طرح سے اس کی اطاعت کرے اور کفر اور معصیت سے دور رہے۔

ملاحظہ کی حقیقت، ان کی خصوصیت اور ان کے فرائض منصبی کا بیان
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں۔

علامہ بیہلوی لکھتے ہیں :

ملاحظہ کا لفظ لحاک کی جمع ہے یہ لہو کہ سے بنا ہے جس کا معنی رسالت (پیغام پہنچانا) ہے کیونکہ ملائکہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے درمیان واسطہ ہیں ان میں سے بعض حقیقت رسول ہیں مثلاً جو فرشتے خود ان کے لیے رسول ہیں، ان کی حقیقت میں اختلاف ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ جو ہر ہیں جو قائم بذاتہ ہے اکثر مسلمانوں کا یہ نظریہ ہے کہ یہ اجسام لیفہ ہیں جو مختلف شکلوں میں مشکل ہونے پر قادر ہیں، کیونکہ انبیاء کرام ان کو اسی طرح دیکھتے تھے، ان کی دو جہیں ہیں ایک جہیں جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستقر رہتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :

بَسْبَحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْترُونَ
وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے ہیں اور سوتے نہیں

(الانبیاء: ۲۰) ہیں۔

ان فرشتوں کو عین اور ملائکہ مقررین کہا جاتا ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے
تکوینی نظام کی تدبیر کرتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی سرمومخالفت یا نافرمانی نہیں کرتے، قرآن مجید میں ہے :
لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ
وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے
ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔
مَا يُؤْمَرُونَ (النحریم: ۳)

ان فرشتوں کو ”المذبرات امرًا“ کہا جاتا ہے، ان میں سے بعض فرشتے آسمانوں کے تکوینی نظام کی تدبیر کرتے ہیں اور
بعض زمین کے تکوینی نظام کی تدبیر کرتے ہیں۔
(انوار التنزیل (درسی) ص ۵۹، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

محمد رشید رضا لکھتے ہیں :

سلف صالحین نے فرشتوں کے متعلق یہ کہا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے وجود کی اور ان
کے بعض کاموں کی خبر دی ہے جس پر ہمیں ایمان لانا واجب ہے اور یہ ایمان لانا ان کی حقیقت کے جاننے پر موقوف نہیں
ہے، اس لیے ہم ان کی حقیقت کا علم اللہ کے حوالے کرتے ہیں۔ جب شریعت میں یہ وارد ہے کہ فرشتوں کے پر ہیں تو ہم
اس پر ایمان لاتے ہیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں ان پروں کی کیفیت کا علم نہیں ہے، اور جب شریعت میں یہ وارد ہے کہ
فرشتے سمندروں اور سبزہ زاروں پر مقرر کیے گئے ہیں تو ہم اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس کائنات میں اس عالم
محسوس سے زیادہ لطیف ایک اور عالم ہے اور اس عالم میں فرشتے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں اور عقل کے نزدیک یہ
جائز ہے اور وحی اس کی تصدیق کرتی ہے۔
(النار ج ۱ ص ۲۵۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

فرشتے جو محیر العقول کارنامے انجام دیتے ہیں اور ایک سیکنڈ کے ہزاروں حصے میں آسمان سے زمین پر پہنچ جاتے ہیں
اور آسمانوں کی خبریں زمین تک پہنچاتے ہیں سائنس کی ترقی اور کمپیوٹر کے اس دور میں اس کا سمجھنا آسان ہو گیا جب خلائی
سیاروں اور برقی لہروں کے ذریعہ ایک براعظم سے دوسرے بعید براعظم تک ایک آن میں آواز اور تصویر پہنچ سکتی ہے اور
چاند سے زمین پر ٹیلی فون سے گفتگو ہو سکتی ہے تو فرشتوں کے تصرفات اور نظام عالم میں ان کی تدبیروں کا واقع ہونا اب بعید
از فہم نہیں رہا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

کبھی فرشتے ایسے بدنوں میں ظاہر ہوتے ہیں جن کو ہر خاص اور عام دیکھ لیتا ہے، درآں حالیکہ وہ اپنی اصل صورت پر
بھی قائم رہتے ہیں، حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت دجیہ کلبیؓ کی صورت میں نبی ﷺ کی
بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے تو اسی وقت سدرۃ المنتہیٰ میں بھی موجود ہوتے تھے اور کمال ولی اللہ بھی اسی طرح بیک وقت کئی
جگہ موجود ہوتا ہے اور ہر چند کہ یہ چیز بہ ظاہر عقل سے بعید ہے، لیکن میرا اس پر ایمان ہے۔
(روح المعانی ج ۱ ص ۲۱۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حسب ذیل آیات میں فرشتوں کی بعض خصوصیات اور افعال کو بیان کیا گیا ہے :

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِمَّنْ
اور اللہ ہی فرشتوں اور انسانوں میں سے رسولوں کو چن لیتا

التَّائِبِينَ (الحج ۷۷)

۴۔

وَالَّذِينَ عَمِلُوا عَمَلًا ۖ وَالَّذِينَ نَسُوا ۖ
وَالَّذِينَ سَبَقُوا ۖ فَالَّذِينَ سَبَقُوا ۖ
فَالَّذِينَ آمَنُوا ۖ (النارعات: ۵۱)

ان فرشتوں کی قسم جو نہایت سختی سے (کافر کی جان) کھینچتے
ہیں اور جو بہت نرمی سے (مومن کی جان کی گرد) کھولتے ہیں اور
جو (زمین و آسمان میں) سرعت سے تیرتے پھرتے ہیں اور جو
(احکام الہیہ کی اطاعت میں) پوری قوت سے آگے بڑھتے ہیں اور
جو (امور نیکو۔ نیہ اور نظام عالم کی) تدبیر کرتے ہیں۔

اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو کام تقسیم کرنے والے ہیں۔
بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ
اس پر مضبوطی سے قائم رہے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ
خوف اور غم نہ کرو، اور اس جنت کے ساتھ خوش ہو جاؤ جس کا
تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھ رہے ہیں۔
اور بے شک ضرور تم پر تمکبان (مقرر) ہیں، معزز فرشتے
لکھنے والے، وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

فَالْمُقْسِمَاتِ أَمْرًا ۖ (الناربات: ۳)

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ
عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ ۖ لَا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا
وَابْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝

(حم السجدة: ۳۰)

وَرُسُلَنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ (الزخرف: ۸۴)

وَلَنْ عَلَيْكُمْ لَحِيفَتِينَ ۖ كِرَامًا كَانِيسِينَ ۖ

يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ (الانفطار: ۲۰-۲۱)

خلیفہ کی تعریف اور اس کی اقسام

خلیفہ، مہب یا قائم مقام کو کہتے ہیں جب اصل شخص خود کار حکومت انجام نہ دے سکے تو اس کا خلیفہ مقرر کیا جاتا
ہے، مثلاً اصل شخص کہیں چلا جائے تو عارضی طور پر اس کی جگہ کام کرنے کے لیے خلیفہ مقرر کرتے ہیں یا اصل شخص
فوت ہو جائے تو اس کی جگہ خلیفہ مقرر کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کہیں جانے یا فوت ہونے سے پاک ہے تو پھر اس کو خلیفہ کی کیا
ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خلیفہ کی ضرورت نہ تھی بلکہ بندوں کو ضرورت تھی کیونکہ انسان اپنی
مادی کثافت اور عدم قرب کے تجلیات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے براہ راست فیض حاصل نہیں کر سکتا تھا اور اس سے احکام
وصول نہیں کر سکتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے اور انسانوں کے درمیان ایک خلیفہ بٹایا اور اس کا نام نبی اور رسول رکھا،
اور انبیاء علیہم السلام کو ایسی صلاحیت اور استعداد عطا فرمائی کہ وہ فرشتوں کے واسطے سے یا بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے احکام
حاصل کر سکیں۔ عام انبیاء اور مرسلین کی طرف فرشتے بھیجے جاتے ہیں اور مقررین سے اللہ تعالیٰ خود بھی کلام فرماتا ہے، جیسے
حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے میقات میں کلام فرمایا اور ہمارے نبی حضرت سیدنا محمد ﷺ سے شب معراج کلام
فرمایا۔

خلیفہ کا ایک معنی یہ ہے جو اللہ کا مہب ہو اور اس کا خلیفہ ہو اور اللہ سے احکام حاصل کر کے بندوں تک پہنچائے یہ
معنی نبی اور رسول کے حروف ہے، خلیفہ کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جو نبی اور رسول کا مہب ہو اور اس کا خلیفہ ہو اور نبی کی بیان
کی پہلی شریعت کو لوگوں پر پختہ کرے اور منہج نبوت پر حکومت چلائے، قرآن مجید میں ہے :

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

الصَّلَاحِ لِيَسْتَخْلَفَهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور: ۵۵)

کے 'ان سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو ضرور بہ
ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو
خلیفہ بنایا تھا۔

اس آیت میں خلیفہ کا یہی دو سرا معنی مرلو ہے، اس معنی میں خلیفہ کے تقرر میں اہل سنت اور اہل تشیع کا اختلاف
ہے، شیعہ علماء کے نزدیک خلیفہ کے تقرر کے لیے نبی اور رسول کی نص صریح ضروری ہے، جب کہ اہل سنت کے نزدیک
نص، اہل اجتہاد کے اجماع اور ارباب حل و عقد کے انتخاب سے خلیفہ کا تقرر کرنا جائز ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خلیفہ اللہ
صرف اللہ کا نبی ہوتا ہے اور خلیفہ رسول لوگوں کے مقرر کرنے سے مقرر ہوتا ہے۔

آیت مذکورہ میں خلیفہ کے مصداق کا بیان

اس آیت میں خلیفہ سے مرلو حضرت آدم علیہ السلام ہیں، یا حضرت آدم اور ان کی اولاد مرلو ہیں، کیونکہ حضرت
آدم، اللہ کے خلیفہ تھے اور ان کے بعد آنے والی ان کی اولاد لغوی معنی کے اعتبار سے ان کی خلیفہ تھی یعنی بعد میں آنے والے

اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب کے لیے چار الفاظ استعمال فرمائے ہیں، اس آیت میں خلیفہ فرمایا اور اس کے بعد اسی آیت
میں اس کو آدم فرمایا :

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (البقرة: ۳۰)

اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھادیئے۔

اس کو بشر سے تعبیر فرمایا۔

إِنِّي خَالِقُ بَشَرٍ مِّنْ طِينٍ (ص: ۷۱)

(جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا :) میں مٹی
سے بشر بنانے والا ہوں۔

اس کو انسان بھی فرمایا :

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ

لَوْر بے شک ہم نے انسان کو بجنے والی سیاہ مٹی سے پیدا

حَمًا مَّسْنُونٍ (الحجر: ۲۶)

اللہ کے نائب ہونے کے اعتبار سے آپ کو خلیفہ فرمایا، گندی رنگ کی وجہ سے آدم فرمایا، جسم کی ظاہری وضع،
چہرے، مہرے اور کھل کی ساخت کے اعتبار سے بشر فرمایا اور حقیقت اور ماہیت کے اعتبار سے انسان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف مشورہ کی نسبت کا شرعی حکم

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے جو فرمایا تھا "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں" یہ فرشتوں سے مشورہ نہیں تھا،
کیونکہ مشورہ کا معنی ہے کسی شخص کا دوسرے شخص کی طرف رجوع کر کے ایک رائے کو حاصل کرنا (۱) اور اللہ تعالیٰ اپنے
کام میں کسی کی رائے حاصل کرنے سے پاک اور بری ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنی تخلیق کی پیشگی خبر دی تھی تاکہ
فرشتے اس خبر پر اپنی رائے کا اظہار کریں اور اللہ تعالیٰ ان کی رائے کے متعلق اپنا حکم اور اپنی حکمتوں کو بیان فرمائے اس لیے
علامہ بیضاوی کا اس آیت کو مشورہ کی تعلیم پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۱) علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، المفردات ص ۷۰، مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ ایران ۱۳۳۲ھ

حضرت آدم کے خلیفہ بنانے پر فرشتوں کے سوال کرنے کا عمل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : فرشتوں نے کہا کیا آپ ایسے شخص کو نائب بنائیں گے جو زمین میں فسلو اور خوں ریزی کرے گا حالانکہ ہم آپ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور آپ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں فرمایا بے شک میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔

اگر حضرت آدم کے متعلق فرشتوں نے یہ کہا تھا کہ وہ فسلو اور خوں ریزی کریں گے تو اس کی تلویل یہ ہے کہ چونکہ حضرت آدم اپنی لولاد کی اصل اور منشاء ہیں اور لولاد آدم میں سے بعض لوگ فتنہ 'فسلو اور خوں ریزی کریں گے اس لیے فرشتوں نے ان کی طرف ان کاموں کا اشارہ کر دیا اور اگر فرشتوں نے حضرت آدم کی لولاد کے متعلق یہ کہا تھا کہ تو پھر کسی تلویل کی ضرورت نہیں، کیونکہ حضرت آدم کی لولاد میں سے بعض فسق نے بہر حال یہ کام کئے۔

فرشتوں کا یہ قول اللہ تعالیٰ کی اس خبر یا اطلاع پر اعتراض یا انکار اور بنو آدم کی غیبت نہیں ہے کیونکہ فرشتے معصوم ہیں بلکہ یہ اس پر اظہار تعجب ہے کہ زمین کی آباد کاری اور اصلاح کے لیے فسلیوں اور ریزوں کو خلیفہ بنایا جائے گا یا فرشتوں جیسے لطافت گزاروں کو چھوڑ کر نافرمانوں کو خلیفہ بنایا جائے گا یا فرشتے اس سوال کے ذریعہ اس حکمت کو جاننا چاہتے تھے جس کی بناء پر ان مفسدوں کے فسلو سے صرف نظر کر کے ان کو خلیفہ بنایا جائے گا۔ جیسے استاذ کی تقریر پر متعلم کو کوئی شبہ پیدا ہو تو وہ اس شبہ کے ازالہ کے لیے استاذ سے سوال کرتا ہے۔ اس لیے فرشتوں کا یہ سوال اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر انکار ہے نہ بنو آدم کی غیبت اور عیب جوئی ہے، فرشتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ۝ لَا يَسْئَلُونَهُ بِالْقَوْلِ
وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ (الانبیاء: ۲۷)
بلکہ وہ (فرشتے) عزت والے بندے ہیں، کسی بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

باقی رہا یہ کہ فرشتوں کو کیسے علم ہوا کہ بعض بنو آدم فسلو اور خوں ریزی کریں گے اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے مطلع فرمایا تھا یا انہوں نے لوح محفوظ میں صرف اتنا مطالعہ کر لیا تھا کہ بنو آدم فسلو کریں گے اور بنو آدم کے شرف اور فضیلت کے مطالعہ سے ان کو روک دیا گیا تھا، کیونکہ اگر وہ اس کا بھی مطالعہ کر لیتے تو پھر ان کو کوئی شبہ نہ رہتا یا ان کی عقل میں یہ مرکب تھا کہ معصوم ہونا صرف ان کا خاصہ ہے، اس لیے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کے سوا باقی مخلوق گنہگار ہے گی یا اس لیے کہ اس سے پہلے زمین پر جن فسلو کر چکے تھے تو انہوں نے انسانوں کو بھی جنوں پر قیاس کیا۔

حضرت آدم کو خلیفہ بنانے کی وجہ اور فرشتوں کے شبہ کا ازالہ

فرشتوں نے جو کہا کہ ہم تیری تسبیح 'حمد اور تقدیس کرتے ہیں اس سے خود ستائی، خود نمائی، عجب اور تفاخر مقصود نہیں تھا بلکہ وہ یہ جانتا چاہتے تھے کہ جس کو خلیفہ بنایا گیا ہے اس میں تین قوتیں ہیں 'قوت شہوانیہ، قوت غضبیہ اور قوت عقلیہ، پہلی دو قوتوں کے لحاظ سے وہ فتنہ اور فسلو کرے گا اور ان دو قوتوں کے اعتبار سے تو اس کو پیدا ہی نہیں کرنا چاہئے چہ جائیکہ اس کو خلیفہ بنایا جائے اور دینی قوت عقلیہ تو وہ فرشتوں کو بھی حاصل ہے اور ان کو اس لیے ترجیح ہے کہ ان میں شہوت اور غضب نہیں ہے جو فتنہ اور فسلو کی موجب ہو تو پھر راجح کو چھوڑ کر مروج کو خلیفہ بنانے کی کیا حکمت ہے؟ اور اس میں حکمت یہ تھی کہ شہوت کو جب اعتدال میں رکھا جائے تو وہ قتل تعریف صفت ہے جس کو صفت کہتے ہیں اور

غضب کو جب اعتدال میں رکھا جائے تو وہ بھی قتل ستائش وصف ہے اور اس کو شجاعت کہتے ہیں اور جب ان دو قتل تعریف وصفوں کے ساتھ قوت عقیدہ بھی ہو تو ان قوتوں کا حامل اس سے یقیناً افضل ہے جو صرف قوت عقیدہ کا حامل ہو اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں اجمالی اشارہ فرمایا: بے شک میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے اور اگر یہ سوال ہو کہ بنو آدم میں نیک اور صالح افراد کم ہیں اور شریر اور فاسق زیادہ ہیں اس وجہ سے بنو آدم کو پیدا نہیں کرنا چاہئے تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ نیک اور صالح افراد میں خیر کثیر ہے اور فاسق اور فاجر افراد اگرچہ زیادہ ہیں لیکن نیک اور صالح افراد کی خیر کی عظمت اور شرف کے مقابلہ میں ان کا شر قلیل ہے اور شر قلیل کی وجہ سے خیر کثیر کو ترک نہیں کیا جاتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ جن میں خیر غالب ہے ان کو پیدا کیا جائے پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر حضرت آدم کی فضیلت علمی بیان کی اور یہ ظاہر فرمایا کہ خلیفہ بننے کے اہل حضرت آدم ہی ہیں نہ کہ فرشتے۔

آدم کی لفظی تحقیق اور حضرت آدم کی تخلیق کے مراحل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھادیے پھر ان چیزوں کو فرشتوں پر پیش کر کے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔

محی الدین درویش لکھتے ہیں:

آدم اسم علم ہے اور عجمی ہے جسے آذر، عابر اور عاذر ہے اور یہ علمیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ اومتہ (گندم گوں رنگ) سے مشتق ہے یا اوم الارض (زمین کی سطح) سے مشتق ہے ان کا قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اشتقاق عربی زبان کا خاصہ ہے، عجمی لفظ کاملہ اشتقاق عربی الفاظ کیسے ہو سکتے ہیں۔

(اعراب القرآن و بیانہ، ج ۱ ص ۸۰، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۲۳ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

امام فریابی، امام ابن سعد، امام ابن جریر، امام ابی حاتم، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم کو آدم اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کو اوم الارض (زمین کی سطح) سے بنایا گیا ہے، سرخ، سفید اور سیاہ مٹی سے اسی طرح لوگوں کے رنگ مختلف ہیں، سرخ، سفید اور سیاہ، پاک اور نجس

(الدر المنثور ج ۱ ص ۴۹، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

امام عبد بن حمید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اوم الارض سے پیدا کیا۔ سرخ، سفید اور سیاہ مٹی سے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۴۹، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

امام ابن سعد، امام ابو یعلیٰ، امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اس کو کچڑ (گیلی مٹی) کر دیا، پھر اس کو چھوڑ دیا، حتیٰ کہ سیاہ گار ہو گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے آدم کا پتلا بنایا اور ان کی صورت بنائی پھر اس کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ خشک ہو کر بجنے والی مٹی کی طرح ہو گیا، ابلیس اس پتلے کے پاس سے گزر کر کہتا تھا کہ یہ کسی امر عظیم کے لیے بنایا گیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پتلے میں اپنی پسندیدہ روح پھونک دی، اس روح کا اثر سب سے پہلے ان کی آنکھوں اور نتھنوں میں ظاہر ہوا، ان کو چھینک آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو الحمد للہ کہنے کا القاء کیا، انہوں نے الحمد للہ کہا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یرحمک اللہ پھر اللہ تعالیٰ

نے فرمایا اے آدم اس جماعت کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو، دیکھو یہ کیا کہتے ہیں، حضرت آدم ان (فرشتوں) کے پاس گئے اور کہا السلام علیکم، انہوں نے کہا وعلیک السلام ورحمتہ اللہ، پھر حضرت آدم اللہ کے پاس گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا انہوں نے کیا کہا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے، حضرت آدم نے کہا اے رب میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے کہا وعلیک السلام ورحمتہ اللہ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم یہ تمہارا اور تمہاری لولاد کے سلام کرنے کا طریقہ ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۸، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ، ایران)

امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا کیا تو ان کا طول ساٹھ ذراع (تیس انگریزی گز) تھا اور فرمایا جاؤ فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو، اور سنو وہ کیا جواب دیتے ہیں اور یہی تمہارا اور تمہاری لولاد کا سلام ہو گا، حضرت آدم نے جا کر کہا السلام علیکم، فرشتوں نے کہا السلام علیک ورحمتہ اللہ، انہوں نے رحمتہ اللہ کا لفظ زیادہ کہا سو جو شخص بھی آدم کی صورت پر جنت میں داخل ہو گا اس کا طول ساٹھ ذراع ہو گا، پھر یہ طول بہ تدریج کم ہوتا رہا حتیٰ کہ اب اتنا طول رہ گیا۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۸، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ، ایران)

حضرت آدم کو تمام اسماء کی تعلیم کا بیان

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت آدم نے ان چیزوں کے نام، اللہ تعالیٰ کی تعلیم دینے کی وجہ سے بتائے اگر فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتادیئے جاتے تو وہ بھی ان چیزوں کے نام بتادیئے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کا خیر مختلف اجزاء اور متضاد قوتوں کو ملا کر بنایا تھا اس وجہ سے وہ معقولات، محسوسات، مقیلات اور موهومات کے ادراک کی صلاحیت رکھتے تھے اور فرشتوں میں یہ صلاحیت نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اشیاء کے حقائق، خواص، اسماء، علوم کے قواعد اور مختلف صنعتوں کے قوانین تعلیم فرمائے، پھر فرشتوں کو عاجز کرنے اور اہلیت خلافت سے ان کے محز کو ظاہر کرنے کے لیے ان کو حکم دیا کہ ان چیزوں کے نام بتاؤ، اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ معصوم ہونے کی وجہ سے صرف تم خلافت کے لہلہ ہو، ہرچند کہ فرشتوں نے صراحتاً یہ دعویٰ نہیں کیا تھا لیکن ان کے کلام سے یہ دعویٰ مترشح ہوتا تھا۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ط أَبِي وَ

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا آدم کو سجدہ کرو تو ابیس کے سوا سب فرشتوں نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا

اسْتَكْبَرُ ۚ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝۳۳ وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَ

اور تکبر کیا اور کافر ہو گیا ۝ اور ہم نے فرمایا اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت

زَوْجَكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ

میں رہو اور اس جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس مدغت کے قریب نہ

الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۵﴾ فَازْلِكُهَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا

جانا در نہ تم حد سے بڑھنے والوں میں شمار ہو گے ○ پس شیطان نے انہیں اس ددخت کے ذریعے

فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ

نفرش میں مبتلا کیا، اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے ان کو نکال دیا، ہم نے فرمایا تم (سب) اچھے اترو، تم میں سے بعض بعض کے

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَفَىٰ أَدَمُ مِنْ

دشمن ہوں گے اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت مقررنیک ٹھکانا اور فائدہ اٹھانا ہے ○ پھر آدم نے اپنے رب کے چند

سَرَّيْهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا

کلمات سیکھ لیے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا بیحد رحم فرمانے والا ہے ○ ہم نے فرمایا

اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ

تم سب جنت سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئی تو جس نے میری ہدایت

هُدًى اِي فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَ

کی پیروی کی تو انہیں کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا اُولَٰئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۹﴾

ہماری آیات کی تکذیب کی وہی لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ اس دوزخ میں رہیں گے ○

حضرت آدم کو فرشتوں کے سجدہ کرنے کی وجہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا آدم کو سجدہ کرو۔

جب حضرت آدم کی فرشتوں پر فضیلت علمی ظاہر ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے حضرت آدم کی فضیلت علمی کا

اعتراف کرانے کے لیے انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ ایک اور آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کا

جسم بناتے ہی فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا۔

سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی پسندیدہ

فَاِذَا سَوَّيْتَهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِي فَقَعُوْا اِلَيْهِ

روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر جانا۔

سَجِدَیْنِ (الحجر : ۲۹)

اس آیت کے اعتبار سے فرشتوں کا امتحان ہے اور حضرت آدم کی فضیلت کا اظہار اور فرشتوں کی اطاعت گزاری کا

ہیں۔

سجدہ کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ محمد الدین فیوز آبادی نے لکھا ہے کہ سجدہ کا معنی ہے سر نیچے کیا اور جھک گیا۔

(قاموس ج ۱ ص ۵۷۹، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۳ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

سجدہ کا لغوی معنی ہے تذلل کے ساتھ جھکنا، سجدہ کو اللہ کی عبادت سے تعبیر کرتے ہیں، سجدہ کی دو قسمیں ہیں ایک

سجدہ اختیاری ہے اور دوسرا سجدہ تسخیر ہے، سجدہ اختیاری باعث ثواب ہے، قرآن مجید میں ہے :

فَاسْجُدْ لِلَّهِ وَاعْبُدْ (النجم : ۳) سوا اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو۔

اور سجدہ تسخیر، انسان، حیوان اور نباتات سب لوا کرتے ہیں :

(المفردات ص ۲۲۳، مطبوعہ المکتبۃ الرقنویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خوشی یا مجبوری سے اللہ

طوعاً و کرہاً (الرعد : ۱۵)

ہی کو سجدہ کر رہے ہیں۔

سجدہ کے شرعی معنی کے متعلق علامہ بیضوی لکھتے ہیں : عبادت کے قصد سے پیشانی کو زمین پر رکھنا سجدہ ہے۔

(انوار التشریح (درسی) ۳۳، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

پیشانی کو زمین پر رکھنا ہاتھوں کو اور گھٹنے یا پیروں میں سے کسی ایک کے زمین پر رکھنے پر موقوف ہے، اس لیے سجدہ کا رکن پیشانی، ہاتھوں اور گھٹنوں اور پیروں میں سے کسی ایک کو زمین پر رکھنا ہے، اور سنت کے مطابق سجدہ سات اعضاء پر ہوتا ہے : چہرہ، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ اور دونوں پیر، بعض علماء نے جو یہ لکھا ہے کہ پیروں کی انگلیاں اٹھ جائیں یا مڑ جائیں تو سجدہ نہیں ہوتا یہ صحیح نہیں ہے، اس کی پوری تفصیل اور تحقیق شرح صحیح مسلم جلد اول میں بیان کی گئی ہے۔

فرشتوں کو جس سجدہ کا حکم دیا گیا تھا اس سے یا تو شرعی سجدہ مرلو ہے اس صورت میں سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا اور حضرت آدم کو ان کی عزت افزائی کے لیے قبلہ بتایا گیا تھا، اور یا یہ لغوی سجدہ تھا یعنی سجدہ تعظیم، اور فرشتوں کو حضرت آدم کی تعظیم اور توحید کے لیے تو انھیں جھک جانے کا حکم دیا گیا تھا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تو انھیں سجدہ کر کے تعظیم کی تھی۔

تکبر کا معنی اور ایلیس کے تکبر کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو ایلیس کے سوا سب فرشتوں نے سجدہ کیا، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافر ہو گیا۔

تکبر کا معنی ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ بڑا خیال کرے اور انکسار کا معنی اپنے لیے بڑائی طلب

کرتا ہے۔

لام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص کے دل میں رلی کے دنہ برآمد بھی تکبر ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کے جوتے اچھے ہوں، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمل سے محبت کرتا ہے، تکبر (کا معنی

(ہے) حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جانا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۵، مطبوعہ نور محمد راجہ الطبع کراچی ۱۹۷۵ء)
ابلیس کا تکبر یہ تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حقیر جانا اور ان کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔

ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو برا جانا، کیونکہ اس کے خیال میں وہ حضرت آدم سے افضل تھا اور افضل کو مفصول کی تعظیم کا حکم دینا قبیح اور برا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو برا جانا کفر ہے، حسب ذیل آیت میں اس کے کفر کی وجہ صراحتہً بیان کی گئی ہے :

قَالَ يَا ابْلِيسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيدِي اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ ○
قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ○ (ص : ۴۵-۴۴)
اللہ نے فرمایا کہ اے ابلیس تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بیٹا، آیا تو نے اب تکبر کیا ہے یا تو پہلے سے ہی تکبر میں سے تھا، اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا۔

ابلیس کا معنی اور اس کے فرشتہ یا جن ہونے کی تحقیق :

محی الدین درویش لکھتے ہیں :

لفظ ابلیس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ مشتق ہے یا نہیں؟ صحیح قول یہ ہے کہ یہ عجمی علم ہے اور اسی وجہ سے یعنی علمیت اور عجمیت کی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے اور اگر یہ ابلاس (معنی مایوس ہونے) سے مشتق ہوتا تو منصرف ہوتا۔ (اعراب القرآن و بیانہ ج ۱ ص ۸۳، مطبوعہ مطبع دار ابن کثیر بیروت ۱۴۲۳ھ)

محمد صافی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (اعراب القرآن و صرفہ و بیانہ ج ۱ ص ۱۰۳، مطبوعہ انتشارات مدین، ایران ۱۴۲۳ھ)
جرتج نے کہا ہے کہ یہ علم ہے اور علامہ قرطبی نے اس کو مشتق لکھا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

جمہور کے قول کے مطابق ابلیس فرشتوں میں سے تھا، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، ابن جریج، ابن المسیب اور قتادہ وغیرہم کا یہی مختار ہے، امام ابوالحسن اشعری کا بھی یہی نظریہ ہے، امام ابن جریر طبری نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ابلیس کا نام عزازیل تھا اور یہ معزز فرشتوں میں تھا اور چار پروں والا تھا، اس کے بعد یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیا گیا، قتادہ سے روایت ہے کہ یہ فرشتوں کی عمدہ قسم میں شامل ہوتا تھا، سعید بن جبیر نے کہا کہ کچھ ملائکہ نار (آگ) سے پیدا کئے گئے تھے ابلیس بھی انہی میں سے تھا، اور باقی ملائکہ کو نور سے پیدا کیا گیا۔

ابن زید، حسن اور قتادہ نے کہا کہ ابلیس ابوالجن ہے جیسا کہ حضرت آدم ابوالبشر ہیں اور وہ فرشتہ نہیں ہے، اور اس کا نام حارث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے، ثمر بن حوشب اور بعض اصولیین نے یہ کہا کہ ابلیس ان جنوں میں سے تھا جو زمین پر رہتے تھے، فرشتوں نے ان سے قتل کیا اور کم عمری میں اس کو قید کر لیا، اس نے فرشتوں کے ساتھ عبادت کی اس وجہ سے اس کو فرشتوں کے ساتھ مخاطب کیا گیا، اس قول کو امام ابن

جریر نے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے، اس بناء پر یہ استثناء منقطع ہو گا۔

جن صحابہ اور ائمہ کا یہ نظریہ ہے کہ ابلیس فرشتہ نہیں جن تھا ان کی دلیل یہ ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی تھی اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہیں کرتے :

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (النحریم : ۶)

وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

اور اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ ابلیس جن تھا :

فَسَجَدُوا لِلْآدَامِ ابْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ (الكهف : ۵۰)

ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے سجدہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابلیس فرشتوں کے اس قبیلہ میں سے تھا جس کو جن کہا جاتا ہے، ان کو دھوئیں والی آگ سے پیدا کیا گیا تھا، اور فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا تھا، اس کا نام سریانی زبان میں عزائیل اور عربی زبان میں حارث ہے، یہ جنت کے خازنوں میں سے تھا اور آسمان دنیا کے فرشتوں کا سردار تھا، آسمان اور زمین پر اس کی سلطنت تھی، علم اور عبودت میں اس کی کوشش سب فرشتوں سے زیادہ تھی، آسمان سے زمین تک کے معاملات کا یہ محافظ اور منتظم تھا، ان امور کی وجہ سے یہ اپنا شرف اور مرتبہ سب سے زیادہ سمجھتا تھا، اس زعم نے اس کو کفر پر برا لگایا، کیا سو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو شیطان رجیم اور رائدہ درگاہ قرار دیا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۲۹۵-۲۹۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران ۱۳۸۷ھ)

جمہور مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ابلیس ملائکہ میں سے تھا ان کی دلیل سورہ بقرہ کی یہ آیت ہے : اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، ابلیس کو سجدہ کا حکم اسی وقت ہو گا جب وہ فرشتہ ہو کیونکہ اس آیت میں سجدہ کا حکم فرشتوں کو دیا گیا ہے اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ابلیس فرشتہ نہیں تھا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابلیس جنی تھا لیکن وہ فرشتوں کے درمیان چھپا رہتا تھا اس لیے بہ طور تظہیر وہ بھی فرشتوں میں داخل تھا، دو سراجواب یہ ہے کہ جنوں کو بھی سجدہ کرنے کا حکم تھا لیکن فرشتوں کے ذکر کے بعد ان کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ جب اکابر کو کسی کی تعظیم کرنے کا حکم دیا جائے تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اصغر کو اس کی تعظیم کا بہ طریق لوٹی حکم ہے۔

لام ابن جریر طبری، علامہ قرطبی، لام رازی، قاضی بیضوی، علامہ ابوالیمان اندلسی اور علامہ آلوسی وغیرہ کی تحقیق ہے کہ ابلیس ملائکہ میں سے تھا، اس کے برخلاف علامہ سیوطی، علامہ نسفی، علامہ زغری، بعض دیگر مفسرین اور متکلمین کی تحقیق یہ ہے کہ ابلیس جن تھا اور قرآن مجید کی ظاہر آیات اسی کے موافق ہیں، علامہ تفتازانی لکھتے ہیں :

ابلیس جن تھا اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی لیکن چونکہ وہ فرشتوں کی طرح عبودت گزار تھا اور ان میں چھپا رہتا تھا اس لیے اس کو بھی تظہیر فرشتوں میں شامل کر کے سجدہ کا حکم دیا گیا تھا۔

(شرح عقائد ص ۹۹، مطبوعہ محمد سعید تاجرن کتب کراچی)

ابلیس کے جن ہونے پر حسب ذیل دلائل قائم کئے گئے ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کان من الجن (الكهف : ۵۰) اس آیت میں ابلیس کے جن ہونے کی تصریح ہے۔

(۲) فرشتوں کی نسل نہیں چلتی اور ابلیس کی نسل ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے :

أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ (الكهف : ۵۰) کیا تم شیطان اور اس کی لولہ کو دوست بناتے ہو۔

حضرت ابن عباس کی طرف جو یہ منسوب ہے کہ فرشتوں کی ایک نوع میں تولد ہوتا ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (نبراس ص ۳۶)

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لا يعصون الله ما امرهم (النحریم : ۶) فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اور ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

(۴) امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا۔ (۱) اور قرآن مجید میں تصریح ہے کہ شیطان کو نار سے پیدا کیا گیا ہے۔

جو علماء ابلیس کو فرشتہ قرار دیتے ہیں وہ ان تین آیات اور اس حدیث میں تویل کرتے ہیں، اور جو ابلیس کو جن قرار دیتے ہیں وہ صرف فسجدوا الا ابلیس (البقرہ : ۳۴) میں تویل کرتے ہیں یا اس استثناء کو منقطع قرار دیتے ہیں اور زیادہ آیتوں میں تویل کرنے کی بہ نسبت ایک آیت میں تویل کرنا لوٹی ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ امام طبرانی نے معجم لوسط میں حضرت عمرؓ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس میں ہے : حضرت جبرائیلؑ رو رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے جبرائیلؑ اللہ نے تمہیں اتنا بڑا مقام دیا ہے اور پھر بھی تم رو رہے ہو! حضرت جبرائیلؑ نے کہا میں کیوں نہ روؤں، میں رونے کا زیادہ حقدار ہوں، ہو سکتا ہے اللہ کے علم میں میرا یہ مقام نہ ہو جس پر میں فائز ہوں اور ہو سکتا ہے کہ مجھے اس طرح آزمائش میں ڈالا گیا ہو جس طرح ابلیس کو آزمائش میں ڈالا گیا تھا بے شک وہ بھی فرشتوں میں سے تھا۔ (جامع الاصلیٰ الکبیر ج ۳ ص ۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۳ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا ایک رلوی متروک ہے جیسا کہ اس حدیث کے آخر میں لکھا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابلیس کے جن یا فرشتہ ہونے میں اختلاف ہے لیکن اس کے جن ہونے پر زیادہ دلائل قائم ہیں اور فرشتہ ہونے پر صرف اس آیت میں استثناء متصل سے استدلال کیا گیا ہے اور اس استثناء میں یا تویل کی جائے گی یا اس کو استثناء منقطع پر محمول کیا جائے گا۔

حضرت حوا کی خلقت کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ہم نے فرمایا : اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔

قرآن مجید میں حضرت حوا کو پیدا کرنے کا ذکر ہے :

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ

مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (الاعراف : ۱۸۹)

(اللہ) وہی ہے جس نے تم کو ایک ذات سے پیدا کیا اور اسی ذات سے اس کی بیوی کو بنایا تاکہ اس کی طرف سکون حاصل کرے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

(۱) امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۴۵۵ھ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کے ساتھ خیر خواہی اور اچھا سلوک کرو، کیونکہ عورت کو پہلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پہلی میں سب سے زیادہ ٹیڑھا پن اس کے لوہر والے حصے میں ہوتا ہے، اگر تم اس کو سیدھا کرو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر اس کو چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی رہے گی، سو عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۹، مطبوعہ نور محمد راجع الطلح کراچی ۱۴۳۸ھ)

لام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن مسعود اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ پھر ابلیس کو جنت سے نکل دیا گیا اور اس پر لعنت کی گئی اور حضرت آدم کو جنت میں رکھا گیا، حضرت آدم جنت میں تھے اور ان کو وحشت ہوتی تھی ان کی بیوی نہیں تھی جس سے ان کو سکون ملے، ایک دن وہ سو گئے جب وہ بیدار ہوئے تو ان کے سرہانے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کی پہلی سے پیدا کیا تھا، حضرت آدم نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا عورت، پوچھا تم کو کیوں پیدا کیا گیا ہے، کہا تاکہ تم کو مجھ سے سکون ملے، فرشتوں نے حضرت آدم سے پوچھا اے آدم! اس کا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا حواء پوچھا آپ نے اس کا نام حواء کیوں رکھا؟ فرمایا اس لیے کہ یہ حی (زندہ شخص) سے پیدا کی گئی ہے! تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۸۲، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۳۰ھ)

آیا حضرت آدم کو جنت الخلد میں رکھا گیا تھا یا زمین کے کسی بلغ میں؟

علامہ ابن علیہ لکھتے ہیں :

جنت اس بلغ کو کہتے ہیں جس کے گرد باڑ ہو، جس جنت میں حضرت آدم کو رکھا گیا تھا اس میں اختلاف ہے آیا وہ جنت الخلد تھی یا ان کے لیے کوئی بلغ تیار کیا گیا تھا، جو یہ کہتے ہیں کہ وہ جنت الخلد نہیں تھی ان کی دلیل یہ ہے کہ جو جنت الخلد میں داخل ہو جائے وہ اس سے نکلتا نہیں ہے اور یہ محل نہیں ہے، البتہ احادیث میں یہ ہے کہ جو بہ طور ثواب کے جنت میں داخل ہوا وہ اس سے نہیں نکلے گا اور جو حضرت آدم کی طرح ابتداء جنت میں داخل ہوا اس کا جنت سے نکلتا محل نہیں ہے اور اس کے متعلق احادیث میں یہ نہیں ہے کہ وہ نہیں نکلے گا۔

(الحرر ابو بیزج ص ۱۸۲، مطبوعہ مکہ مکرمہ ۱۴۳۵ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

معزلہ اور قدر یہ کا یہ نظریہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت الخلد میں رہنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ ان کو عدن کے ایک بلغ میں رہنے کا حکم دیا تھا، ان کی دلیل یہ ہے کہ جنت الخلد میں ابلیس نہیں جاسکتا کیونکہ جنت الخلد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وہ اس میں کوئی بے ہوش بات سنیں گے نہ کنہ کی بات

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا

(الواقعة : ۲۵)

وہ اس میں کوئی بے ہوش بات سنیں گے نہ جھوٹی بات۔

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَابًا

(النباء : ۳۵)

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُحَرِّجِينَ
(الحجر: ۳۸) جائیں گے۔

وہ کہتے ہیں کہ ابلیس نے جنت میں جھوٹ بولا اور بے ہودہ بات کی اور آدم اور حوا کو ان کی معصیت کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ جنت کی یہ صفت اس وقت ہوگی جب قیامت کے بعد لوگ بہ طور جزاء کے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ جنت دارالخلد ان لوگوں کے لیے ہوگی جن کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رکھنا چاہے گا اور جن کے لیے موت مقدر کر دی گئی ہے وہ جنت میں داخل ہونے کے بعد اس سے نکل آئیں گے، کیونکہ نبی ﷺ شب معراج جنت میں گئے اور پھر باہر آئے اور حضرت آدم کے معروف جنت میں داخل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا: آپ وہ آدم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کر لیا اور آپ کو اپنی جنت میں رکھا پھر آپ نے اپنی خطا کی وجہ سے لوگوں کو زمین پر اتارا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو دارالخلد میں رکھا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۰۲، مطبوعہ ایران ۱۳۸۷ھ)

شجر ممنوع کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس جنت میں جمل سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا، ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں شمار ہو گے۔

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

اس درخت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ یہ زیتون کا درخت تھا، ایک روایت یہ ہے کہ یہ گندم کا درخت تھا اور ایک روایت یہ ہے کہ یہ انگور کا درخت تھا۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حواء کو کسی معین درخت کے پھل کھانے سے منع کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ صراحت نہیں کی کہ وہ کون سا درخت ہے، اس درخت کا نام ذکر کیا اور نہ اس کی طرف کوئی اشارہ کیا اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے درختوں میں سے کسی خاص درخت کا پھل کھانے سے حضرت آدم اور حضرت حوا کو منع کیا تھا باقی تمام درختوں سے منع نہیں کیا تھا، ہمارے پاس اس کے علم کی کوئی سیبل نہیں ہے کہ وہ کون سا درخت تھا، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا کوئی ذکر کیا ہے نہ سنت صحیحہ میں اس کی کوئی تعیین ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں کہ یہ گندم کا درخت تھا، یا زیتون کا درخت تھا یا انگور کا درخت تھا اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کون سا درخت تھا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

آیا شجر ممنوع سے کھانا معصیت تھا یا نہیں؟

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت سے کھایا اور اس درخت کے قریب گئے تو کیا وہ ظالموں میں سے ہو گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قصد اور ارادہ سے درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ جب کسی کام سے منع کیا جائے تو اس کا محمل یہی ہوتا ہے کہ اس کام کو قصد اور ارادہ سے نہ

کیا بلے اور کتہ کی بھی یہی تعریف ہے کہ قصداً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے اور جو کام نسیان اور خطا سے سرزد ہو گیا وہ کتہ نہیں ہوتا؟ سولہ یہ دیکھنا ہے کہ حضرت آدم نے اس درخت سے قصداً کھلایا یا بھول کر؟ تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :
وَلَقَدْ عَیْنُنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَنسَىٰ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (طہ : ۸۵)

اور ب شک اس سے پہلے ہم نے آدم سے عمد لیا تھا (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائیں) پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا قصد نہیں پایا۔

اور جب آدم علیہ السلام نے بھول سے اس درخت سے کھلایا تو نہ ان سے معصیت سرزد ہوئی اور نہ وہ ظالموں میں سے ہوئے۔

اب اگر یہ سولہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے آدم نے معصیت کی :

وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ (طہ : ۸۶)
آدم نے اپنے رب کی معصیت کی سو وہ (جنت کی سکونت سے) بے راہ ہو گئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ حضرت آدم بھول کر درخت کے قریب گئے تھے اور ان کا یہ فعل حقیقت میں معصیت نہیں تھا، لیکن یہ فعل اپنی ظاہری صورت کے اعتبار سے معصیت تھا اور اس آیت میں ان کے اس فعل کو ظاہر اور صورت کے اعتبار سے معصیت فرمایا ہے۔ اس آیت سے مقصود تو یہ تھا کہ حضرت آدم اس درخت سے نہ کھائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اس درخت کے قریب نہ جانا اس سے معلوم ہوا کہ جو کام ممنوع ہو اس کے مبادی اور مقدمات بھی ممنوع ہوتے ہیں۔

شجر ممنوع سے کھانے کے لیے ابلیس کی وسوسہ اندازی کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پس شیطان نے انہیں اس درخت کے ذریعہ لغزش میں مبتلا کیا اور جملہ وہ رہتے تھے وہاں سے ان کو نکل دیا۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسہ کا حسب ذیل آیتوں میں بیان فرمایا ہے :

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ○
فَاْكُلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِعَا بِخِصْفِنِ عَلَىٰهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ (طہ : ۸۱-۸۰)

پھر شیطان نے آدم کی طرف وسوسہ کیا کہا اے آدم کیا تمہیں (جنت میں) ہمیشہ رہنے کا درخت بتا دوں اور ایسی بادشاہت جو کبھی کمزور نہ ہو تو (آدم و حوا) دونوں نے اس درخت سے کھا لیا سو ان کی ستر کاہیں کھل گئیں اور وہ دونوں جنت کے چوں سے اپنا جسم چھپانے لگے۔

اور شیطان نے کہا تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت سے صرف اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ اور ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔

وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَن تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ○
وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ ○ (الاعراف : ۲۰-۲۱)

حضرت آدم نے اجتناب کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کوئی جھوٹی نہیں کھا سکتا اور انہوں نے یہ اجتناب کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں منع کیا ہے اور یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں منع فرمایا تھا یا انہوں نے یہ اجتناب کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اس

درخت سے منع فرمایا ہے میں اس نوع کے کسی لور درخت سے کھا لیتا ہوں، دونوں صورتوں میں ان کے اجتہاد کو خطا لاحق ہوئی لور وہ یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نوع شجر سے منع کیا تھا لور یہ واضح رہے کہ اجتہادی خطا لور لسان عصمت کے منافی نہیں ہے لور باقی رہا ان کا عرصہ دراز تک توبہ لور استغفار کرنا تو یہ ان کا مکمل تواضع لور انکار ہے۔ ایک لور سول یہاں پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو جنت سے نکل دیا تھا تو وہ حضرت آدم کو دوسوہ ڈالنے کے لیے جنت میں کیسے پہنچ گیا؟

قَالَ فَاحْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ (الحجر: ۳۳) فرمایا تو جنت سے نکل جا سو بے شک تو مودد ہے۔

مفسرین نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عزت لور کرامت کے ساتھ جنت میں اس کے دخول کو منع فرمایا تھا لور وہ چوروں کی طرح چھپ کر گیا لور کسی لور صورت میں متمثل ہو کر حضرت آدم سے یہ گفتگو کی لور ان کو دوسوہ ڈالا، یا وہ جنت کے دروازہ کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا لور وہاں سے حضرت آدم کو آواز دے کر بلایا، یا وہ کسی جانور کی صورت میں جنت میں چلا گیا لور جنت کے محافظ اس کو نہ پہچان سکے، یا وہ سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں گیا اس نے اپنے بعض چیلوں کو یہ پیغام دے کر جنت میں بھیجا۔

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں :

حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس لور کئی صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے فرمایا : ”اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو لور جنت میں ہے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ لور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔“ اس وقت ابلیس نے ان دونوں کے پاس جنت میں جانے کا ارادہ کیا جنت کے محافظوں نے اس کو جانے نہیں دیا، اس وقت سانپ لونٹ کی طرح ایک چوپایہ تھا لور بہت حسین جانور تھا، ابلیس نے اس سے کہا وہ اس کو اپنے منہ میں رکھ کر جنت میں لے جائے، سو سانپ ابلیس کو اپنے منہ میں رکھ کر چلا گیا لور جنت کے محافظوں کو پتا نہ چلا، پھر ابلیس نے حضرت آدم سے کہا کیا میں تم کو ایسا درخت نہ بتاؤں جس کو کھانے کے بعد تم دونوں فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے یا ہمیشہ زندہ رہنے والے ہو جاؤ گے لور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی لور قسم کھا کر کہا کہ وہ ان کی خیر خواہی کر رہا ہے حالانکہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ ان کا ستر کھل جائے، حضرت آدم نے انکار کیا تو حضرت حواء نے آگے بڑھ کر اس درخت سے کھا لیا لور حضرت آدم سے کہا : اے آدم اسے کھاؤ، دیکھو میں نے کھلیا ہے مجھے کچھ نہیں ہوا، جب حضرت آدم نے اس کو کھا لیا تو ان دونوں کی شرم گاہیں کھل گئیں لور وہ درخت کے پتوں سے اپنے اپنے جسموں کو ڈھانپنے لگے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۱۸۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابن حیان اندلسی نے کہا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ ابلیس نے زمین سے ہی حضرت آدم کو بہ طریق دوسوہ خطاب کیا تھا لور وہ دھتکارے جانے کے بعد زمین سے آسمان کی طرف نہیں گیا۔

(البحر المحیط ج ۱ ص ۳۸۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت آدم علیہ السلام نے شجر ممنوع سے پھل کھلیا لور اس کے نتیجہ میں ان کا ستر کھل گیا لور ان کو جنت سے زمین پر بھیج دیا گیا، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہاں یہ بحث کی جاتی ہے کہ آیا ان کا شجر ممنوع سے کھانا ان کی عصمت کے منافی ہے یا نہیں، اس لیے ہم عصمت کا

اسلامی معنی، عصمت انبیاء میں مذاہب، عصمت انبیاء پر دلائل اور بہ ظاہر عصمت کے مثالی امور کا اجمالی جواب اور قصہ اوم کے تفصیلی جوہر ذکر کریں گے، ہم نے اس موضوع پر شرح صحیح مسلم جلد سابع (۷) میں بہت تفصیل اور تحقیق سے گفتگو کی ہے تاہم یہاں بھی ہم ضروری امور کا ذکر کریں گے فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

عصمت انبیاء کا اصطلاحی معنی

علامہ میر سید شریف جرجانی لکھتے ہیں :

ہمارے نزدیک عصمت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام میں گنہ پیدا نہ کرے اور حکماء کے نزدیک عصمت ایک ملکہ (صفت راسخہ، صفت نفسانیہ) ہے جو معاصی کی قناعت اور عبلت کی فضیلت کے علم کی وجہ سے ان کو گناہوں سے روکتی ہے اور عبلت پر برا نگیح کرتی ہے اور لو امر اور نواہی کی مسلسل وحی کی وجہ سے یہ صفت اور راسخ ہو جاتی ہے، اور انبیاء علیہم السلام سے جو سوا "اور بعض کے نزدیک عدا" صغائر صادر ہوتے ہیں یا وہ کسی اولیٰ اور افضل کام کو ترک کر دیتے ہیں، اس سے ان کی عصمت پر اعتراض نہیں ہو گا، کیونکہ صفات نفسانیہ ابتداء "غیر راسخ ہوتی ہیں، پھر بتدریج راسخ ہو جاتی ہیں (اور راسخ ہونے کے بعد وہ صفات ملکہ کہلاتی ہیں) اور ایک قوم (علماء شیعہ) نے عصمت کی تعریف میں یہ کہا ہے کہ کسی انسان کی مدح یا اس کے بدن میں ایسی خاصیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس سے گناہوں کا صدور ممتنع ہوتا ہے، یہ تعریف اس لیے باطل ہے کہ اگر ان سے گناہوں کا صدور محل ہو تو وہ گناہوں کے ترک پر دنیا میں مدح اور آخرت میں ثواب کے مستحق نہ ہوں، کیونکہ جو چیز محل ہو اس کے ترک سے تعریف ہوتی ہے نہ ثواب، کیونکہ اس کا کرنا قدرت اور اختیار میں نہیں ہے، نیز اس پر اجماع منعقد ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو گناہوں کے ترک سے ثواب ہوتا ہے اور وہ گناہوں کے ترک کرنے کے مکلف ہیں اور اگر ان سے گناہوں کا صدور محل ہو تا تو ان کو مکلف نہ کیا جاتا نہ ثواب دیا جاتا کیونکہ محل کو ترک کرنے کا مکلف نہیں کیا جاتا نہ اس پر ثواب دیا جاتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "آپ کہئے کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے۔" یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو امور بشریت کی طرف راجع ہیں آپ ان میں تمام بشروں کی مثل ہیں اور آپ کا امتیاز صرف وحی سے ہے، اس لیے جس طرح اور بشروں سے گناہوں کا صدور محل نہیں ہے، انبیاء علیہم السلام سے بھی گناہوں کا صدور محل نہیں ہو گا۔

(شرح المواقیف ج ۸ ص ۲۸۷-۲۸۰، مطبوعہ منشورات الشریف ایران ۱۳۳۳ھ)

انبیاء علیہم السلام اور عام بشروں میں صرف وحی کے لحاظ سے ہی فرق نہیں ہوتا بلکہ خصوصیات کے لحاظ سے بھی فرق ہوتا ہے، ان کی بشریت ملوی کثافتوں سے منزہ ہوتی ہے اور مکمل قرب الہی کی وجہ سے ان کا قلب انوار الہیہ کی جلوہ گاہ ہوتا ہے اور جس قدر خوف خدا ان کو ہوتا ہے مخلوق میں سے کسی کو نہیں ہوتا۔

علامہ شیعہ میں سے شیخ طوسی (۱) اور شیخ طبری (۲) نے یہ تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں صغیرہ اور کبیرہ گنہ محل ہیں۔

علامہ لیل سنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام گناہوں پر قدرت اور اختیار کے باوجود خوف خدا کے غلبہ سے گناہوں

(۱) شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی حنفی ۴۳۰ھ، التبیان ج ۱ ص ۱۵۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

(۲) شیخ ابو علی فضل بن حسن طبری حنفی ۴۳۸ھ، مجمع البیان ج ۱ ص ۸۵، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۴۹ھ

سے باز رہتے ہیں۔ صغیر اور کبیرہ عدا نہیں کرتے، البتہ لہیان یا اجتماعی خطاء سے ان سے بعض لوگ صغیر کا صدور ہو جاتا ہے یا تبلیغی مصلحت کی وجہ سے وہ کسی افضل اور لوٹی کام کو ترک کر دیتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر دلائل

انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے پر حسب ذیل دلائل ہیں :

(۱) اگر انبیاء علیہم السلام سے (العیاذ باللہ) گناہ صادر ہو تو ان کی اتباع حرام ہوگی، حالانکہ ان کی اتباع کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے :

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (آل عمران : ۳۱)

آپ فرمادیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تمہیں محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

(۲) جس شخص سے گناہ صادر ہوں اس کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا (الحجرات : ۶)

اے ایمان والو! اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا واجب ہے۔

(۳) فاسق نبوت کا اہل نہیں ہے، قرآن مجید میں ہے :

قَالَ لَا يَنْتَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ

اللہ نے فرمایا ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا۔

(البقرہ : ۱۷۴)

(۴) اگر نبی سے گناہ صادر ہوں تو ان کو (العیاذ باللہ) ملامت کرنا جائز ہو گا اور اس سے نبی کو ایذا پہنچنے کی اور انبیاء علیہم السلام کو ایذا پہنچانا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرُسُلَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (الاحزاب : ۵۷)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔

(۵) انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَأَذْكُرْ عَبْدَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولَى الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ۖ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ

اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو قوت اور نگاہ بصیرت والے ہیں ہم نے ان کو مخلص کر دیا۔

(ص : ۳۶-۳۵)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مخلصین کو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَا غُيُوبَ لَهُمْ أَجْمَعِينَ ۖ إِلَّا

ابلیس نے کہا تیری عزت کی قسم! تیرے مخلص بندوں کے

عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ (ص : ۸۳-۸۲)

سوا میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا۔

(۶) گناہ گار لائق مذمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی عزت افزائی کی ہے۔

وَلَا تَهْمُ عِنْدَنَا لِمَنِ الْمُصْطَفَيْنِ الْآخِيَارُ

اور بے شک وہ (سب) ہماری بارگاہ میں ضرور برگزیدہ

بندوں میں سے ہیں۔

(ص : ۴۷)

(۷) انبیاء عظیم السلام لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اگر وہ خود گنہہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَبُرَ مَقْنًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ
(الصف: ۳)
اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات سخت ناراضگی کی موجب ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے۔

حالات کہ اللہ تعالیٰ انبیاء سے راضی ہے، ارشاد ہے:
عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا
إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ (الجن: ۲۷-۲۸)
وہ عالم الغیب ہے، تو وہ اپنے غیب پر کسی کو (بذریعہ وحی) مطلع نہیں فرماتا بجز ان کے جن سے وہ راضی ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

اس آیت میں واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں سے راضی ہے، اور نیکی کا حکم دے کر خود عمل نہ کرنے والے سے وہ راضی نہیں ہے۔

(۸) اگر معاذ اللہ انبیاء عظیم السلام سے گناہوں کا صدور ہوتا تو وہ مستحق عذاب ہوتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا (الجن: ۲۳)
اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو لاریب اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

لور امت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء عظیم السلام جہنم سے محفوظ اور مامون ہیں اور ان کا مقام جنت خلد ہے۔
(۹) انبیاء عظیم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور فرشتوں سے گنہہ صدور نہیں ہوتے تو انبیاء عظیم السلام سے بطریق اولیٰ گنہہ صدور نہیں ہوں گے، فرشتوں سے افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ فرشتے عالمین میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء عظیم السلام کو تمام عالمین پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَالْآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ (آل عمران: ۳۳)
بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔

(۱۰) اگر انبیاء عظیم السلام معصیت کریں تو ہم پر معصیت کرنا واجب ہوگی کیونکہ ان کی اتباع واجب ہے اور دوسرے دلائل سے ہم پر معصیت کرنا حرام ہے سوا لازم آئے گا کہ ہم پر معصیت کرنا واجب بھی ہو اور حرام بھی ہو اور یہ اجتماع ضدین ہے۔

صحت انبیاء کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات اور مذاہب لام رازی نے صحت انبیاء کے متعلق حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

- (۱) حشویہ کا مذہب ہے کہ انبیاء عظیم السلام سے عدا گنہہ کبیرہ کا صدور جائز ہے۔
- (۲) اکثر معتزلہ کا مذہب ہے کہ انبیاء عظیم السلام سے عدا گنہہ کبیرہ کا صدور جائز نہیں، البتہ عدا گنہہ صغیرہ کا صدور جائز ہے البتہ ان معتزلہ کا صدور جائز نہیں جن سے لوگ خضر ہوں۔
- (۳) جبلی کا مذہب ہے کہ انبیاء عظیم السلام سے عدا گنہہ کبیرہ اور معتزلہ دونوں کا صدور جائز نہیں البتہ معتزلہ کا صدور جائز ہے۔

جلد اول

مصرین صحت یہ اعتراض بھی کرتے ہیں اگر حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ نہیں کیا تھا تو ان کو سزا کیوں ملی اور ان کو جنت سے کیوں نکالا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے کا حکم دینا، ان کے حق میں سزا نہیں ہے، بلکہ یہ ان کے مقصد تخلیق کی تکمیل ہے، کیونکہ ان کو زمین پر خلافت الہی کے لیے پیدا کیا گیا تھا، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آدم اور ابلیس کے معرکہ میں ابلیس کامیاب ہو گیا اور اس نے ان کو جنت سے نکلوا دیا، یہ بات بھی بالکل غلط ہے کیونکہ شیطان تو حضرت آدم کے جنت میں عارضی قیام کو بھی نہیں برداشت کر سکا تھا اور وہ اب دنیا میں آکر اور فرائض نبوت اور کلمہ خلافت کو انجام دے کر دائمی قیام کے لیے جنت میں جائیں گے اور شیطان تو ان کے تنہا وجود کو جنت میں برداشت نہیں کر سکا تھا اور حضرت آدم دنیا میں آنے کے بعد اپنی بے شمار ذریت کے ساتھ جنت میں جائیں گے اور شیطان لعنتی ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا، اس لیے حضرت آدم کا دنیا میں آنا ایک بہت بڑی کامیابی کا پیش خیمہ تھا اور شیطان کی ناکامی اور نامرلوی کا مقدمہ تھا سو اس معرکہ میں حضرت آدم علیہ السلام ہی کامیاب تھے اور ابلیس خائب و خاسر ہوا۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت آدم شجر ممنوع سے نہ کھاتے تو ہم جنت میں ہی رہتے ان کے شجر ممنوع سے کھانے کی وجہ سے ہمیں بھی جنت سے آنا پڑا، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کیسے جنت میں رہتے اور آپ کا کیا استحقاق تھا؟ جنت تو پاک لوگوں کی جگہ ہے حضرت آدم کی پشت میں پاک لوگ بھی تھے اور ناپاک لوگ بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو دنیا میں بھیجا کہ اپنی پشت سے تمام ذریت کو نکل کر زمین پر چھوڑ آؤ، پھر جو پاک لوگ ہوں گے وہ جنت میں چلے جائیں گے اور جو ناپاک ہوں گے ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا اور اس اعتبار سے دیکھا جائے تو حضرت آدم کی پشت میں ان ناپاک لوگوں کا وجود ان کے جنت سے آنے کا سبب تھا اور حقیقت یہ ہے کہ چونکہ حضرت آدم کو زمین کی خلافت کے لیے بتایا گیا تھا اس لیے انہوں نے بہر حال زمین پر آنا تھا شجر ممنوع سے کھانا سبب نہ ہوتا تو کوئی اور سبب ہوتا، نیز انبیاء علیہم السلام بعض اوقات اپنے مخالفین کے شرکی وجہ سے اپنی جگہ سے ہجرت کرتے ہیں لیکن وہ پھر دوبارہ کامیاب و کامران ہو کر اس جگہ لوٹتے ہیں جیسے سیدنا حضرت محمد ﷺ نے کفار کے شرکی وجہ سے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی اور پھر مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ حضرت موسیٰ نے مصر سے مدین کی طرف ہجرت کی اور پھر مصر میں فاتحانہ لوٹے، حضرت عیسیٰ نے زمین سے آسمان کی طرف ہجرت کی اور پھر زمین پر آئیں گے اور حضرت آدم علیہ السلام نے جنت سے زمین کی طرف ہجرت کی اور پھر جنت میں فاتحانہ داخل ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رَأَىٰ مِثْلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمِثْلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ

بے شک عیسیٰ کی مثل اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے

اسے مٹی سے بنایا۔

نرا یہ (آل عمران : ۵۹)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا متعدد حکمتوں کی وجہ سے ہے اور ان کی فضیلت کا موجب ہے کوئی سزا نہیں ہے۔

علامہ ابو جعفر طبری لکھتے ہیں :

حضرت آدم کے آسمانوں اور جنت میں ٹھہرنے کی مدت دنیوی سالوں کے اعتبار سے تینالیس سال ہے اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ مدت پانچ سو سال ہے، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت آدم کو ہند میں اور حضرت

حواء کو جدہ میں اتار گیا، حضرت آدم ان کی طلب میں گئے اور میدان عرفات میں دونوں کی ملاقات ہوئی، اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت آدم اور حواء جنت کی نعمتوں کے چلے جانے پر دو سو سال تک روتے رہے چالیس دن تک کھانا کھلیا نہ پانی پیا اور حضرت آدم ایک سو سال تک حضرت حواء سے مقارب نہیں ہوئے۔ زمین پر آنے کے بعد لولاد آدم اور ابلیس اور لولاد آدم اور سناپ میں اس وقت سے دشمنی چلی آ رہی ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۸۹، ۸۰، ۸۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۳۰ھ)

حضرت آدم کی توبہ کے کلمات اور سیدنا حضرت محمد ﷺ سے توسل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہی بہت توبہ قبول فرمانے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم نے کہا اے رب کیا تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا نہیں کیا؟ فرمایا کیوں نہیں! کہا کیا تو نے مجھ میں اپنی پسندیدہ روح نہیں پھونکی؟ فرمایا کیوں نہیں! کہا کیا تو نے مجھے اپنی جنت میں نہیں رکھا؟ فرمایا کیوں نہیں! عرض کیا اے رب! کیا تیری رحمت تیرے غضب پر غالب نہیں ہے فرمایا کیوں نہیں! عرض کیا یہ بتا کہ اگر میں توبہ کروں اور اصلاح کروں تو کیا تو مجھے اپنی جنت کی طرف لوٹا دے گا؟ فرمایا ہاں! قلدہ اور حسن نے کہا وہ کلمات یہ ہیں:

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۹۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۳۰ھ)

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا
وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ
اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (الاعراف: ۹۳)

حافظ ابن کثیر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد نے بیان کیا وہ کلمات یہ ہیں: (ترجمہ) اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری تسبیح اور حمد کے ساتھ میں کہتا ہوں، اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا سو مجھے بخش دے تو سب سے اچھا بخشنے والا ہے، اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں! تیری تسبیح اور حمد کے ساتھ میں کہتا ہوں، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو مجھ پر رحم فرما، بے شک تو سب سے اچھا رحم فرمانے والا ہے، اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری تسبیح اور حمد کے ساتھ میں کہتا ہوں، اے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو میری توبہ قبول فرما، بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا ہے اور بے حد رحیم ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۳۲، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۴۳۸ھ)

امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدم ﷺ نے (صورۃ) گنہ کر لیا تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور فرمایا میں محمد کے حق (وسیلہ) سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری مغفرت فرما، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی، محمد کون ہیں؟ حضرت آدم نے کہا تیرا نام برکت والا ہے، جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، تو میں نے جان لیا کہ تیرے

نزدیک اس شخص سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی شخص نہیں ہو گا جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے، تب اللہ عز و جل نے ان کی طرف یہ وحی کی : اے آدم وہ تمہاری لولاد میں سے تمام نبیوں کے آخر ہیں اور ان کی امت تمہاری لولاد کی امتوں میں سے آخری امت ہے اور اگر وہ نہ ہوتے اے آدم تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(المعجم الصغیر ج ۲ ص ۸۳، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ)

اس حدیث کو امام بیہقی (۱) امام ابن جوزی (۲) اور امام حاکم (۳) نے بھی اپنی اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ نور الدین البیہقی (۴) حافظ جلال الدین سیوطی (۵) شیخ ابن تیمیہ (۶) نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو حاکم بیہقی اور ابن عساکر کے حوالے سے لکھا ہے اور اس کے اخیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے آدم تم نے سچ کہا یہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور جب تم نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا ہے تو میں نے تم کو بخش دیا اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۸۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ)

شرح صحیح مسلم جلد سابع میں ہم نے اس حدیث کے مزید حوالہ جات بیان کئے ہیں۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

ایک جماعت نے کہا ہے کہ حضرت آدم نے عرش کے پائے پر ”محمد رسول اللہ“ لکھا ہوا دیکھا تو آپ کے وسیلہ سے دعا کی اور کلمات سے یہی کلمت مراد ہیں، یعنی سیدنا حضرت محمد ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرتا۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۲۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

خواجہ عبداللہ انصاری لکھتے ہیں :

روایت ہے کہ حضرت آدم نے عرش پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا تھا، جب ان سے لغزش ہو گئی تو انہوں نے نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا کی اور کہا : اے اللہ مجھے محمد (ﷺ) کے وسیلہ سے معاف فرما، رب العالمین نے فرمایا تم نے ان کو کیسے پہچانا جو ان کے وسیلہ سے دعا کی، عرض کیا جب میں نے عرش پر تیرے نام کے ساتھ ان کا نام لکھا ہوا دیکھا تو جان لیا کہ یہ بندہ تجھے بہت محبوب ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تمہیں بخش دیا۔

(كشف الاسرار و دة الابراج ص ۱۵۵-۱۵۶، مطبوعہ سپر طہران ۱۳۷۱ھ، الطبع الخامس)

علامہ ثعلبی (۷) علامہ اسماعیل حقی (۸) اور علامہ آلوسی (۹) نے بھی اس روایت کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ

(۱) امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۸ھ، دلائل النبوة ج ۵ ص ۳۸۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

(۲) امام عبدالرحمن جوزی متوفی ۵۹۷ھ، الوقاء ص ۳۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

(۳) امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۲۵۵، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ

(۴) حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی المتوفی ۶۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۲ھ

(۵) حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور ج ۱ ص ۵۸، مطبوعہ آیت اللہ العظمیٰ امین

(۶) شیخ ابو اسحاق علی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ، فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۹۶، مطبوعہ السعودیہ العربیہ

(بقیہ حواشی صفحہ آئندہ پردیکھیں)

حضرت آدم نے سیدنا حضرت محمد ﷺ کے وسیلہ سے دعا کی۔

حافظ سیوطی لکھتے ہیں :

لہام ابن المنذر، محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم سے لغزش ہو گئی تو ان کو بہت رنج ہوا، اور شدید ندامت ہوئی، تو حضرت جبرائیل آپ کے پاس آئے اور کہا اے آدم! کیا میں آپ کو توبہ کا دروازہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کر لے، حضرت آدم نے کہا کیوں نہیں! کہا آپ اللہ تعالیٰ سے مناجات کریں اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کریں، آپ نے کہا اے جبرائیل میں کیا کہوں، انہوں نے کہا آپ کہئے (ترجمہ :) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کا ملک ہے اور اس کے لیے حمد ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، وہ زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی، تمام اچھائیاں اس کی قدرت میں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کے بعد آپ اپنی خطا پر توبہ کریں اور کہیں اے اللہ تو سبحان ہے اور تیری حمد ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور برا کام کیا تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا، اے اللہ میں تجھ سے تیرے بندے حضرت محمد ﷺ کی وجاہت کے وسیلہ سے اور ان کی تیرے نزدیک کرامت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری خطا کو بخش دے، حضرت آدم نے اسی طرح دعا کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تم کو یہ دعا کس نے تعلیم کی، حضرت آدم نے کہا اے رب! جب تو نے مجھ میں روح پھونکی اور میں ہموار بشری صورت میں کھڑا ہوا تو میں نے عرش پر یہ لکھا ہوا دیکھا :

بسم اللہ الرحمن لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ محمد رسول اللہ اور جب میں نے دیکھا کہ تیرے نام کے ساتھ کسی مقرب فرشتے کا نام لکھا ہے نہ کسی نبی مرسل کا تو میں نے جان لیا کہ یہ تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے مکرم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے سچ کہا اور میں نے تمہاری خطا کو بخش دیا، پھر حضرت آدم نے اپنے رب کی حمد و ثناء کی اور اس کا شکریہ ادا کیا اور بہت خوش ہو کر لوٹے اور فرشتوں نے فوج در فوج آکر حضرت آدم کو مبارک باد دی۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۶۰، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

(حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت جبریل کی تعلیم کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام خود بھی عرش پر لکھا

ہوا دیکھا تھا اس لیے اسی کا حوالہ دیا)

توبہ کا لغوی اور شرعی معنی

توبہ کا لغوی معنی ہے رجوع کرنا اور بندہ کی توبہ یہ ہے کہ وہ معصیت سے طاعت کی طرف اور غفلت سے اللہ کو یاد کرنے کی طرف رجوع کرے، اور اللہ کے توبہ قبول کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ دنیا میں بندہ کے گناہ پر پردہ رکھے بایں طور کہ کوئی شخص اس کے گناہ پر مطلع نہ ہو، اور آخرت میں اس کو سزا نہ دے، خلاصہ یہ ہے کہ وہ عذاب دینے سے مغفرت کی طرف رجوع کرے۔

(بقیہ حواشی از صفحہ سابقہ)

(۷) علامہ عبدالرحمان بن محمد بن مخلوف ثعالبی متوفی ۸۷۵ھ، تفسیر الثعالبی ج ۱ ص ۵۳، مطبوعہ مؤستہ الاعلیٰ للمطبوعات بیروت

(۸) علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ، روح البیان ج ۱ ص ۱۱۳، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

(۹) علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۱ ص ۲۳۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

توبہ کا شرعی معنی یہ ہے کہ گناہ کو برا جان کرنی الغور ترک کر دے، اس سے جو تقصیر ہوئی ہے اس پر تادم ہو، آئندہ اس گناہ کو نہ کرنے کا عزم مصمم کرے، اور جو گناہ اس سے ہو گیا ہے اس کا تدارک اور تلافی کرے (مثلاً فوت شدہ نمازوں اور روزوں کو قضا کرے) اور اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو پھر توبہ کے قبول ہونے کی ایک زائد شرط یہ ہے کہ وہ صاحب حق کو اس کا حق واپس کرے یا اس سے معاف کرائے، اور اگر اس کے ذمہ حقوق اللہ ہیں تو وہ نوافل اور فروض کفایہ میں مشغول ہونے کے بجائے ان فوت شدہ فرائض کو لو اکرے، کیونکہ جس شخص کی نمازیں اور روزے قضا ہوں اور وہ نوافل میں مشغول ہو تو وہ نفل لو اکرے کے حل میں بھی فسق سے خارج نہیں ہو گا۔

قرآن اور سنت میں توبہ کا بیان

اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ (رجوع) کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً

تَصَوُّحًا (النحریم : ۸)

اللہ پر توبہ (کا قبول کرنا) صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو (عذاب الہی سے) جہالت کی بناء پر گناہ کر بیٹھیں، پھر جلدی سے توبہ کر لیں، تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ قبول فرماتا ہے، اور اللہ بہت جاننے والا اور بہت حکمت والا ہے اور توبہ (کا قبول ہونا) ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو (مسلسل) گناہ کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہتا ہے میں نے اب توبہ کی اور نہ یہ (قبول توبہ) ان لوگوں کے لیے ہے جو کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّوَاءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُنُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ (النساء : ۱۸-۱۷)

لام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گناہ کی توبہ یہ ہے کہ توبہ کے بعد دوبارہ وہ گناہ نہ کرے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

لام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت معقل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہ امت توبہ ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۳۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو لام احمد نے بھی روایت کیا ہے (مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۷۶، ج ۶ ص ۲۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

لام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اگر تم خطائیں کرو حتیٰ کہ تمہاری خطاؤں سے آسمان بھر جائے پھر تم توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جو شخص گناہ سے توبہ کر لے وہ اس شخص کی حل ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی آدمِ خطاکر ہے اور خطاکروں میں سب سے اچھے توبہ کرنے والے ہیں۔

اس حدیث کو امام دارمی (۱) اور امام احمد (۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ غرہ موت (جب سانس اکھڑنے لگتا ہے) سے پہلے پہلے بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے استغفار کر لیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ وہ ایک دن میں ستر مرتبہ گناہ کرے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۳، مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند قوی نہیں ہے۔

(جامع ترمذی ص ۵۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ستر مرتبہ سے مراد کثرت ہے، یعنی اگر ایک دن میں انسان کئی بار گناہ کرے اور ہر گناہ کے بعد تلوام ہو اور صحیح نیت سے توبہ کرے، اور شامت نفس سے پھر گناہ کر بیٹھے اور پھر تلوام ہو اور توبہ کرے اور بار بار ایسا ہوتا رہے تو یہ گناہ پر اصرار نہیں ہے، اصرار اس وقت ہوتا ہے جب معصیت پر تلوام اور تائب نہ ہو اور بغیر ندامت اور توبہ کے گناہ پر گناہ کرتا چلا جائے، صغیرہ گناہ پر اصرار اس کو کبیرہ بنا دیتا ہے، مجھ سے علماء کی مجلس میں ایک محترم فاضل نے سوال کیا تھا کہ صغیرہ کے بعد دوبارہ صغیرہ کا ارتکاب کرنا اسی کی مثل اور اسی درجہ کی معصیت ہے، یہ کبیرہ کیوں ہو جاتا ہے۔ میں نے جواب دیا جب انسان صغیرہ کے ارتکاب کے بعد بغیر توبہ اور استغفار اور بغیر ندامت کے دوبارہ اسی معصیت کو کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ معصیت کو بہت خفیف اور معمولی جانتا ہے اور کسی بھی معصیت کو ہلکا سمجھنا کبیرہ گناہ ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کے بعد اس پر اصرار کرنا یعنی اس پر تلوام اور تائب ہوئے بغیر دوبارہ اسی گناہ کا ارتکاب کرنا اس گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے، امام ابن عساکر روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گناہ کبیرہ استغفار کے بعد کبیرہ نہیں رہتا (یعنی مٹ جاتا ہے) اور صغیرہ پر اصرار کرنے کے بعد وہ گناہ، صغیرہ نہیں رہتا۔ (یعنی کبیرہ ہو جاتا ہے)

(مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۲۸، مطبوعہ دار الفکر دمشق ۱۳۰۴ھ)

نیز امام ابن عساکر روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے استغفار کرنے کو لازم کر لیا، اللہ تعالیٰ اس کی ہر پریشانی کا حل بنا دے گا، اور ہر تنگی سے اس کے لیے کشادگی کر دے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں اس کا وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۱۵۳، مطبوعہ دار الفکر دمشق ۱۳۰۴ھ)

(۱) امام عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی ج ۲ ص ۲۱۳، مطبوعہ نشر السنۃ لمطان

(۲) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرتا رہے اور یہ پڑھا کرے :
رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین یا یہ پڑھا کرے : اللھم اغفر لی ونب علی انک
انت التواب الرحیم۔

دوبارہ نیچے اترنے کا حکم دینے کی حکمت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئی تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو انہیں کوئی ڈر ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیت پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس سے پہلی آیت میں ہی یہ فرمایا تھا کہ تم (سب) نیچے اتر جاؤ اور دوبارہ پھر وہی حکم دیا ہے اور یہ تکرار ہے جو بلاغت کے منافی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تکرار نہیں ہے بلکہ تاکید ہے اور دونوں آیتوں سے مقصود مختلف ہے پہلی آیت سے مقصود یہ تھا کہ تم دار البقاء سے دار البلاء کی طرف منتقل ہو جاؤ جہاں تم ایک دوسرے سے عدوت رکھو گے اور تمہیں دوام نہیں ہو گا اور دوسری آیت سے مقصود یہ ہے کہ تم دار الجزاء سے دار التکلیف کی طرف منتقل ہو جاؤ جہاں تمہیں احکام شرعیہ کا مکلف کیا جائے گا جو ان پر عمل کرے گا وہ نجات پائے گا اور جو مخالفت کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلی آیت سے مقصود ہے جنت سے آسمان دنیا کی طرف اترنا اور دوسری آیت سے مقصود ہے آسمان دنیا سے زمین کی طرف اترنا لیکن اس توجیہ پر یہ اعتراض ہے کہ دوسری آیت میں ”منھا“ کی ضمیر جنت کی طرف راجع ہے لہذا اس آیت میں بھی جنت سے زمین کی طرف اترنا مراد ہے۔

علامہ ابو الیث سمرقندی نے لکھا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ معصیت نعمت کو زائل کر دیتی ہے کیونکہ حضرت آدم کو ان کی (ظاہری) معصیت کی وجہ سے جنت سے زمین پر بھیج دیا گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم میں اس وقت تک تغیر نہیں کرتا یعنی ان کو نعمت دے کر واپس نہیں لیتا جب تک کہ وہ خود اپنے اندر تغیر نہ کر لیں یعنی اطاعت اور شکر کے بجائے معصیت اور کفر ان نعمت کو اختیار نہ کر لیں۔

(تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۳۳۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئی۔ الخ

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی نبی یا رسول کو بھیجے اور کوئی کتب یا صحیفہ نازل کرے تو جو لوگ ان کی دی ہوئی ہدایت کی پیروی کریں گے تو ان کو اپنے مستقبل (آخرت) کے متعلق کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ اپنے ماضی پر پشیمان اور غمگین ہوں گے واضح رہے کہ اس آیت میں مطلقاً خوف کی نفی نہیں کی ہے کیونکہ اللہ کے نیک بندوں کو ہر حال خدا کا خوف ہو گا اور جو شخص جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کا مقرب ہے اس کو اتنا زیادہ اللہ کا خوف ہے یہاں وہ خوف مراد ہے جو باعث ضرر ہو کیونکہ علی قولہ کے مطابق ”علی“ ضرر کے لیے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا خوف اس کا باعث ہے۔

پھر اس آیت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی وہی لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ اس دوزخ میں رہیں گے۔

صحت آدم پر حشویہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات

فرقہ حشویہ نے حضرت آدم کے قصہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم نہیں ہوتے ان کے دلائل

اور جوہلت حسب ذیل ہیں :

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کو شجر ممنوع کے قریب جانے سے منع کیا تھا، انہوں نے اس درخت سے کھلیا، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم نے اس نہی کو تنزیہ پر محمول کیا یا وہ کھاتے وقت اس نہی کو بھول گئے۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام نے خود کہا ہم نے ظلم کیا، اور ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے تواضع و انکسار "ایسا کہا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا آدم نے معصیت کی اور وہ بے رلہ ہوئے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ظاہری اور صوری معصیت ہے۔ حقیقت میں معصیت نہیں ہے کیونکہ حضرت آدم بھول گئے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

(۴) حضرت آدم کو توبہ کی تلقین کی گئی اور بندہ کی توبہ یہ ہے کہ وہ گنہ پر تلام ہو اور طاعت کی طرف رجوع کرے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم اپنی اس غفلت پر تلام تھے جس کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کو بھول گئے اور اسی غفلت پر روتے رہے اور توبہ کرتے رہے اور یہی انبیاء علیہم السلام کی توبہ ہوتی ہے، اور گنہ پر تلام ہونا عام انسانوں کی توبہ ہے۔

(۵) اگر آدم علیہ السلام نے گنہ نہیں کیا تھا تو اس درخت سے کھاتے ہی ان کا لباس کیوں اتر گیا اور انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا کر زمین پر کیوں بھیجا! اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی غفلت پر عتاب تھا، اور غفلت گنہ نہیں ہے اور عتاب سزا نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ سبب پر مسبب کا ترتب ہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس درخت سے کھانے کو لباس کے اترنے اور زمین پر جانے کا سبب بنایا ہو جیسے کوئی آدمی بھولے سے زہر کھالے تو وہ پھر بھی مر جائے گا کیونکہ زہر کھانا موت کا سبب ہے۔

(۶) جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ اس درخت کے پھل کھانے سے وہ جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہو جائیں گے اور اس کے بعد انہوں نے اس درخت سے کھلیا تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے بھولے سے کھالیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کے اس وسوسہ کے فوراً بعد انہوں نے پھل نہیں کھلیا لیکن اس کے کہنے سے ان کی طبیعت میں اس پھل کی طرف میلان پیدا ہو گیا اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو اس پھل کے کھانے سے روکتے رہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ ہو، پھر ایک بار وہ اس حکم کو بھول گئے اور غلبہ میلان کی وجہ سے اس کو کھالیا یا انہوں نے اپنے اجتہاد سے اس نہی کو تنزیہ پر محمول کیا یا اس نہی کو اس معین درخت سے متعلق سمجھا اور اس نوع کے کسی اور درخت سے کھالیا۔

حضرت سیدنا محمد ﷺ کا حقیقت میں خلیفہ اعظم ہونا

عالم اجسام اور ظاہر میں حضرت آدم علیہ السلام ہی پہلے انسان اور اللہ کے خلیفہ ہیں لیکن حقیقت میں اول خلق اور اللہ کے خلیفہ اعظم سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جیسا کہ حسب ذیل احادیث میں اس کی تصریح ہے :

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟ آپ نے فرمایا اس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے۔ (جامع ترمذی ص ۵۹)

طیہ نور محمد کریم تہذیب کتب کراچی

لام محمد بن سعد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! آپ نبی کب بنے تھے؟ لوگوں نے کہا چپ کو، چپ کو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو، جس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے میں اس وقت نبی تھا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۸، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ)

اس حدیث کو لام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (المصنف ج ۱۳ ص ۲۴۳، مطبوعہ اوارۃ القرآن کراچی ۱۳۰۶ھ)

لام ابن جوزی روایت بیان کرتے ہیں :

حضرت میسرۃ الفجر بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کب نبی بنے تھے فرمایا اس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (الوفاء ج ۱ ص ۲۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

اس حدیث کو لام حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کو لام بخاری اور لام مسلم نے روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۰۹، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ)

لام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کب نبی بنائے گئے تھے؟ فرمایا اس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۶۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

لام احمد نے عبداللہ بن شقیق کی روایت کو ایک اور سند سے بھی بیان کیا ہے اور اس حدیث کو حضرت میسرۃ کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۵۹، ۳۷۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

حافظ ابی شیبہ حضرت میسرۃ الفجر کی اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں :

اس حدیث کو لام احمد اور لام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۳۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۲ھ)

حافظ سیوطی حضرت میسرۃ الفجر کی اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں :

اس حدیث کو لام ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں روایت کیا ہے اور لام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ (جامع لاحادیث الکبیر ج ۶ ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۳ھ)

لام رازی لکھتے ہیں کہ فرشتوں کو جو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ کریں اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں حضرت سیدنا محمد ﷺ کا نور تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۰۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اور علامہ آئوسی لکھتے ہیں :

نور نبی ﷺ ہی حقیقت میں خلیفہ اعظم ہیں اور زمینوں اور آسمانوں کی بلندیوں میں وہی خلیفہ اور پہلے لام ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے تو آدم پیدا کیے جاتے اور نہ کوئی نور جنم پیدا کی جاتی۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۸، مطبوعہ دار الحیاء التراث العربی بیروت)

نیر علامہ آئوسی لکھتے ہیں :

سلوات صوفیہ کا مسلک ہے کہ فرشتوں میں سے عالین کو سجدہ کرنے کا حکم نہ تھا اور ان آیات میں جن فرشتوں نے اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا اور جن کو سجدہ کا حکم دیا اور جنہوں نے سجدہ کیا وہ سب عالین کے مساوات تھے، کیونکہ جو فرشتے عالین ہیں وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات میں مستغرق رہتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوال اور کسی چیز کا شعور نہیں ہوتا، اور اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے :

أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ (ص : ۷۵) تو نے تکبر کیا ہے یا تو عالین میں سے تھا۔

اور عالین میں سے ہی ایک فرشتہ ہے جس کا نام روح، قلم اعلیٰ اور عقل لول رکھا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا آئینہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا ظہور صرف اس فرشتے میں ہوتا ہے، اور باقی تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی صرف صفت کا ظہور ہوتا ہے اور وہ فرشتہ دنیوی اور اخروی عالم کا قطب ہے اور جنت اور دوزخ والوں کا قطب ہے اور کیشب اور اعراف والوں کا قطب ہے اور تمام مخلوقات کا مدار اس فرشتے پر ہے، اس فرشتے کو حضرت آدم کی تخلیق اور ان کے مرتبہ کا علم تھا کیونکہ اسی نے لوح میں ماکن و مایکون کو لکھا تھا اور قلم نے جو کچھ لکھا اس کا لوح کو علم ہے اور اس فرشتے کا اپنے تمام کمالات کے ساتھ حقیقت محمدیہ میں ظہور ہوا جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے :

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا

(الشوری : ۵۲) وحی کی۔ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے امر سے روح کی

اسی وجہ سے نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں افضل علی الاطلاق ہیں بلکہ وہی ساتوں آسمانوں میں حقیقت میں خلیفہ ہیں۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۲۲۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اسی سبب سے نبی ﷺ نے فرمایا :

وَمَا مِنْ نَّبِيٍّ يَوْمِئِذٍ مِّنْ سِوَاهِ الْاِتِّحَاتِ

آدم ہوں یا ان کے مساوات حشر کے دن ہر نبی میرے

جھنڈے کے نیچے ہو گا۔

لوائی

(جامع ترمذی ص ۵۲۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

جس دن اللہ کے حضور کسی نبی کو شفاعت کا حوصلہ نہیں ہو گا اور صرف آپ ہی مقام محمود پر فائز ہوں گے آپ ہی کوثر کے سائق ہوں گے اور آپ ہی شفاعت کبریٰ فرمائیں گے اور ساری خلقت کا آپ ہی کی طرف رجوع ہو گا اس دن آپ کے خلیفۃ اللہ الاعظم ہونے کا ظہور تام ہو گا۔ بشر اور فرشتے کے درمیان افضلیت کا بیان

فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، قرآن اور حدیث سے ان کا وجود ثابت ہے، صحیح مسلم میں ہے کہ فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ (ج ۲ ص ۲۱۳) تاہم ہمیں ان کی حقیقت کا علم نہیں ہے، وہ معصوم ہیں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اس میں اختلاف ہے کہ بشر افضل ہے یا فرشتے، بعض علماء نے کہا فرشتے افضل ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے ابلیس نے حضرت آدم سے کہا تم اس شجر سے کھا لو تو فرشتہ ہو جاؤ گے، اور زلیخا کی مہمان عورتوں نے جب حضرت یوسف کو دیکھا تو بے ساختہ کہا یہ بشر نہیں ہے یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے، اور بعض علماء نے کہا کہ نوع بشر نوع جب حضرت یوسف کو دیکھا تو بے ساختہ کہا یہ بشر نہیں ہے یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے، اور بعض علماء نے کہا کہ نوع بشر نوع ملائکہ سے افضل ہے اور اللہ تعالیٰ نے نوع بشر کے ایک فرد کو تمام فرشتوں سے سجدہ کر لیا، فرشتے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے

ہیں اور ان کا اس لطافت میں کوئی مزاحم نہیں ہے اور بشر کے اندر اللہ تعالیٰ نے بھوک، پیاس، شہوت اور غضب کو رکھا ہے۔ زہد و ان کی مزاحمت کے بلوجود اللہ تعالیٰ کی لطافت کرتا ہے، بعض علماء نے کہا فرشتوں کو نور سے بتایا ہے اور بشر کو مٹی سے بتایا ہے اور نور مٹی سے افضل ہے اس لیے فرشتے جو ہر ذات کے اعتبار سے بشر سے افضل ہیں لیکن اس پر کون سی شری دلیل ہے کہ نور مٹی سے افضل ہے؟ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ مٹی نور سے افضل ہے کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کا مبداء خلقت ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ خواص بشر (حضرات انبیاء علیہم السلام) خواص ملائکہ اور عام ملائکہ سے افضل ہیں اور خواص ملائکہ (رسل ملائکہ) عوام بشر سے افضل ہیں اور عوام بشر (نیک مسلمان) اس میں کفار اور فاسق داخل نہیں ہیں (عوام ملائکہ سے افضل ہیں) بہر حال تفصیل کا یہ مسئلہ ظنی ہے اور اس میں کسی جانب قطعیت نہیں ہے، اس لیے بعض علماء نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

قصہ آدم و ابلیس میں حکمتیں اور نصیحتیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض علوم اور حکمتوں پر کسی کو مطلع نہیں فرمایا حتیٰ کہ فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ حضرت آدم کو خلیفہ بنانے میں کیا حکمت ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، مٹی جس کو عام لوگ حقیر جانتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس مٹی سے انسان بنایا اور اس کو علوم و معارف سے نوازا اور اس کو اتنی عزت دی کہ سارے فرشتوں نے اس کو سجدہ کیا۔

(۳) انسان اتنی عزت و کرامت کے بلوجود ضعیف البین ہے وہ بھول گیا اور شجر ممنوع سے کھالیا۔

(۴) اپنی تفسیر پر تلوم ہونا اور اللہ سے توبہ کرنا بلند درجات کے حصول کی دلیل ہے، اپنا قصور ماننا آدم کا طریقہ ہے اور نہ ماننا اور انکارنا ابلیس کا طریقہ ہے۔

(۵) معصیت سے نعمت زائل ہو جاتی ہے اور شکر سے نعمت میں زیادتی ہوتی ہے۔

(۶) جنت پیدا کی جا چکی ہے اور وہ جہنم میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم سب اس جنت سے نیچے اتر جاؤ۔

(۷) انسان خلوص دل سے تائب ہو تو اس کی توبہ مقبول ہوتی ہے۔

(۸) حضرت آدم نے بھول سے شجر ممنوع سے کھالیا اس کے بلجوع، تواضعاً توبہ کی اور لما ہم نے ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سر پر تاج خلافت رکھا، شیطان نے عداوت فرمائی کی اور اللہ تعالیٰ سے کہا اے رب تو نے مجھے گمراہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے گلے میں لعنت کا طوق ڈال دیا۔

(۹) ابلیس آدم اور لولاد آدم کا دشمن ہے اور ان کو زک دینے کی ناک میں لگا رہتا ہے۔

(۱۰) حضرت حوا کے توبہ کرنے کا الگ سے ذکر نہیں فرمایا کیونکہ عورتوں کے احکام مردوں کے احکام کے تابع ہوتے ہیں۔

(۱۱) جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی لطافت کرے گا وہ نجات یافتہ ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کا کفر اور نافرمانی کرے گا وہ عذاب میں ہلاک ہو گا۔

(۱۲) ہدایت ربانی بھیجے گا سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہوا اور حضرت سیدنا محمد ﷺ پر ختم ہو گیا۔

☆☆☆

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَوْفُواْ

اے بنو اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، اور تم میرا عہد

بِعَهْدِیْ اَوْفِیْ بِعَهْدِكُمْ وَاِیَّایْ فَارْهَبُوْنَ ۝۴۷ وَاِمْنُوْا بِمَا

پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا، اور تم مجھ سے ہی ڈرو ۝ اور اس (قرآن) پر ایمان

اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ کَافِرِیْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا

لاؤ جس کو میں نے نازل کیا ہے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے اور تم سب پہلے اس کے منکر نہ بنو، اور تمھواری قیمت

بِاٰیٰتِیْ ثُمَّ قَلِیْلًا ۝۴۸ وَاِیَّایْ فَاتَّقُوْنَ ۝۴۹ وَلَا تَلْبِسُوْا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

کے بدلہ میں میری آیتوں کو فروخت نہ کرو اور مجھ سے ڈرو ۝ اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ

وَتَكْتُمُوْا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۵۰ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ

اور دیدہ دانستہ حق کو نہ چھپاؤ ۝ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو

وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ۝۵۱ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ

اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ

اَنْفُسُكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۵۲ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ

تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ۝ اور صبر اور نماز (کے ذریعہ) سے مدد

وَالصَّلٰوةَ ۝۵۳ وَاِنَّهَا لَکَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلٰی الْخٰشِعِیْنَ ۝۵۴ الَّذِیْنَ یُظُنُّوْنَ

حاصل کرو اور بے شک نماز ضرور دشوار ہے، سوائے ان لوگوں کے جو اللہ کی طرف (بھگنے والے ہیں) جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ

اَنْهُمْ مُّلَقُوْا سَرِّبْهُمْ وَاَنْهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۵۵

اپنے رب کے ملاقات کرنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ۝

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید، رسالت اور حشر و نشر پر دلائل قائم فرمائے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی عام

تسل کو ذکر فرمایا جن سے ہر انسان مستفید ہوا، اور ان نعمتوں کا وجود اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا کوئی موجد ہے جو حکیم اور حمید ہے اور وحدہ لا شریک ہے، ان نعمتوں کا سابقہ آسمانی کتابوں میں ذکر تھا، پھر نبی ﷺ کی زبان پر اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کے ذکر کو نازل فرمایا اور سب کو معلوم تھا کہ نبی ﷺ نے ان کتابوں کو نہیں پڑھا، اور نہ کسی عالم کی صحبت اختیار کی اور پھر آپ نے وہ مضامین اور گزشتہ امتوں کی خبریں اور واقعات بیان کئے جو آسمانی کتابوں میں موجود ہیں اور غیب کی خبریں دیں اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ آپ کا خود ساختہ کلام نہیں ہے بلکہ اللہ کا کلام ہے جو اس نے آپ کے قلب پر نازل فرمایا ہے، نیز اس بیان میں حشر و نشر پر بھی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اور آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور جب وہ ان سب کو ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے تو فنا کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل علم اور اہل کتب کو خطاب کیا اور ان سے فرمایا کہ وہ ان نعمتوں کو یاد کریں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کریں اور دلائل کے مطابق حق کی پیروی کریں اور ان کو چاہیے کہ وہ سیدنا حضرت محمد ﷺ اور قرآن مجید پر سب سے پہلے ایمان لائیں اور ان کے احکام پر عمل کریں اور آخرت کو نہ بھولیں۔

بنو اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان اور ان نعمتوں کے یاد دلانے کی وجہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے بنو اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔

اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے اللہ کا برگزیدہ بندہ، یا عبد اللہ یا امیر اور مجاہد اور یہ حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ کا لقب ہے۔ انسان پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَعْدُوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصَوْهَا (ابراہیم: ۳۴) اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے۔

عام نعمتوں کے علاوہ جو نعمتیں بالخصوص لولاد اسرائیل کو عطا فرمائیں وہ یہ ہیں کہ ان کو آل فرعون سے نجات دی، ان میں سے انبیاء بنائے، ان پر من و سلوی نازل کیا، ایک پتھر سے ان کے لیے بارہ چشمے رواں کر دیئے اور ان کو تورات کا امین بنایا جس میں سیدنا حضرت محمد ﷺ کی صفات کا بیان ہے اور آپ کی نبوت اور رسالت کا ذکر ہے۔ ہر چند کہ یہ نعمتیں اس زمانہ کے یہود کے آباء و اجداد کو عطا کی گئی تھیں لیکن آباء و اجداد کو دی گئی نعمتیں ان کی لولاد کے حق میں بھی نعمتیں ہوتی ہیں کیونکہ ان نعمتوں سے ان کو عظمت اور فضیلت حاصل ہوتی ہے اور خصوصاً یہ نعمتیں ان کی بقاء کا سبب ہیں اگر فرعون بنو اسرائیل کی نسل کشی جاری رکھتا یا فرعون کے ساتھ بنو اسرائیل کو بھی سمندر میں غرق کر دیا جاتا تو آج دنیا میں یہودیوں کا وجود نہ ہوتا اور وہ کب کے صفحہ ہستی سے مٹ چکے ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ نعمتیں اس لیے یاد دلائی ہیں کہ وہ غور و فکر کریں اور جب کوئی شخص کسی کی بہ کثرت نعمتوں کو یاد کرتا ہے تو اس کو اس کی مخالفت سے حیا آتی ہے سو یہودیوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت سے باز آنا چاہئے، اور تورات میں نبی ﷺ کی جن صفات کا ذکر ہے ان کو چھپانا نہیں چاہیے، اور تورات کی وسالت سے یہودیوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اس کو پورا کرنا چاہئے اور وہ عہد یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کریں گے، اور اللہ تعالیٰ کے احکام میں ایک حکم یہ بھی تھا کہ وہ حضرت سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے تو اللہ بھی ان سے کیا ہوا عہد پورا کرے گا اور ان کو جنت میں داخل کر دے گا۔

بنو اسرائیل اور اللہ تعالیٰ کے مابین عہد کا بیان

لور یہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی کرم لور اس کا فضل ہے کہ اس نے برابر کا معاملہ کرنے کا فرمایا کہ تم مجھ سے کیا ہوا عہد پورا کرو میں تم سے کیا ہوا عہد پورا کروں گا ورنہ کمل بندہ کمل خدا بندہ اس کا حکم بجالائے تو اس کا کام ہی بندگی کرنا ہے لور اس اطاعت پر جو اس نے جنت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا وہ محض اس کا کرم لور فضل ہے کسی کا اس پر کوئی استحقاق نہیں ہے۔ یہودیوں کا اللہ سے عہد لور اللہ کا ان سے عہد یہ ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کی اتباع کرنے کا عہد پورا کریں تو اللہ تعالیٰ ان سے سخت لور مشکل احکام کا بوجھ اتارنے کا عہد پورا کرے گا لور ان کو جنت میں داخل کرے گا لور عام لوگوں سے عہد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ لور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں تو دنیا میں ان کی جان لور مل محفوظ رہے گا لور آخرت میں وہ دائمی عذاب سے محفوظ رہیں گے لور جو فرائض لور واجبات کو لورا کریں گے لور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو مغفرت سے نوازے گا لور جو صراط مستقیم پر ثابت قدم رہیں گے وہ ابتداء جنت میں چلے جائیں گے لور جو بحر توحید میں اس طرح مستغرق رہیں گے کہ وہ اپنی ذات سے بھی غافل ہو جائیں انہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار اس کا قرب لور اس کی رضا حاصل ہوگی۔ لور اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اس عہد کے معاملہ میں خاص مجھ سے ڈرنا کیونکہ عہد شکنی کی صورت میں اللہ کے قہر اور غضب کا سامنا ہوگا۔

قرآن مجید کس چیز میں تورات کا مصدق ہے؟ ہر نبی کے زمانہ میں اس کی شریعت پر عمل اور حضور کی رسالت کا عموم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لور اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جو اس (کتب) کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تورات میں یہودیوں نے جو تحریف کر دی ہے قرآن مجید ان تحریفات کا بھی مصدق ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اس کا مصدق ہے کہ تورات بھی ایک آسمانی کتب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور تورات میں انبیاء سابقین کے صحیح واقعات علماء یہود سے لیے ہوئے عہد اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عبادت کا حکم لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کا ارشاد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لور بے حیائی کے کاموں سے ممانعت ان امور میں قرآن مجید تورات کا مصدق ہے لور چونکہ ہر نبی کی شریعت الگ ہوتی ہے لور اس نبی کے زمانہ لور اس کے تقاضوں کے اعتبار سے احکام وضع کیے جاتے ہیں اس لیے قرآن مجید بعض جزوی احکام شرعیہ میں تورات کا مخالف ہے لیکن یہ مخالفت اصول دین میں نہیں ہے بلکہ فروعی احکام میں اس زمانہ کی خصوصیات کے لحاظ سے ہے مثلاً وضو نماز روزہ اور حلال اور حرام چیزوں کی تعداد اور کیفیات میں اختلاف ہے لور اگر قرآن اس زمانہ میں نازل ہوتا تو اس میں وہی تورات کے احکام ہوتے لور اگر تورات اب نازل ہوتی تو اس میں وہی قرآن مجید کے احکام ہوتے اسی لیے نبی ﷺ کا ارشاد ہے :

امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل کتاب سے کوئی مسئلہ معلوم نہ کرو کیونکہ وہ تم کو ہرگز ہدایت نہیں دیں گے وہ خود گمراہ ہو چکے ہیں (ان سے سوال کر کے) یا تو تم کسی باطل کی تصدیق کرو گے یا حق کی تکذیب کرو گے۔ بے شک اگر موسیٰ اس وقت زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری اتباع کے سوالور کچھ جائز

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

نہ ہوتا۔

لام ابو یعلیٰ نے بھی اس حدیث کو ان ہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ۲ ص ۲۲۷-۲۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ ابی شیبہ لکھتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کو بعض لٹل کتب سے ایک کتب ملی وہ اس کو نبی ﷺ کے پاس لے کر آئے اور اس کو نبی ﷺ کے سامنے پڑھا، آپ غضبناک ہوئے اور فرمایا : اے ابن الخطاب کیا تم اس میں متحیر ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے پاس صاف صاف دین لایا ہوں، تم ان سے جب بھی کسی چیز کے متعلق سوال کرو گے یہ تم کو سچی خبر دیں گے تو تم اس کی تکذیب کرو گے اور جھوٹی خبر دیں گے تو تم اس کی تصدیق کرو گے، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر موسیٰ تمہارے اس زمانہ میں زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری پیروی کے سوال اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اس حدیث کو لام احمد، لام ابو یعلیٰ اور لام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں مجاہد بن سعید ایک ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۴، مطبوعہ دار الکتب العربیہ ۱۳۰۲ھ)

لام احمد اور لام ابو یعلیٰ کی روایت کا متن وہ ہے جس کو ہم نے اس سے پہلے ان کے حوالوں سے نقل کیا ہے اور دوسری روایت کا متن غالباً "مسند بزار میں ہے" ابھی تک مسند بزار مکمل نہیں چھپی ہمارے پاس ان کی ابتدائی تین جلدیں ہیں ان میں یہ روایت نہیں ہے۔

اس حدیث کی ایک تقریر تو یہ ہے کہ ہر نبی کی شریعت اس کے زمانہ میں واجب العمل ہے حتیٰ کہ اگر متاخر نبی حقدم کے زمانہ میں مبعوث ہوتا یا حقدم نبی متاخر کے زمانہ میں مبعوث ہوتا تو اس کی بعینہ وہی شریعت ہوتی علامہ بیضاوی کی تفسیر اسی تقریر کے مطابق ہے، اور اس حدیث کی دوسری تقریر یہ ہے کہ نبی ﷺ کی رسالت تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو شامل ہے اور یہ آپ کی خصوصیت ہے، اس لیے انبیاء سابقین میں سے جو نبی بھی آپ کے زمانہ میں زندہ ہوتا تو اس کے لیے آپ کی اتباع کے سوال اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔ اور آپ کی رسالت کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی شریعت کے بغیر کوئی عمل جائز نہ ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی شریعت تمام شریعتوں سے اکمل ہے۔ اور آپ کی رسالت کے عموم پر یہ آیت دلیل ہے :

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتَقُولَنَّ عَنْهُمْ نَكْتَحُصُّهُ قَالُوا أَتَقَرَّرُنَّ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَتَقَرَّرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝

اور (یاد کیجئے) جب اللہ نے (سب) نبیوں سے یہ عہد لیا کہ میں تم کو جو کتب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس عظیم رسول آ جائیں جو اس کی تصدیق کرنے والے ہوں جو تمہارے پاس (کتب اور حکمت) ہے تو ضرور ضرور تم اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا کیا تم نے اقرار کیا؟ اور اس پر میرا ہماری مدد قبول کیا؟ سب نے کہا ہم نے اقرار کیا فرمایا پس گواہ

(آل عمران : ۸۱) رہا اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

اگر یہ تمام نبی ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے زمانے میں ہوتے تو ان سب پر لازم تھا کہ یہ آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی نصرت کرتے سو یہ تمام نبی حکما اور تقدیراً آپ کی امت ہیں اور ہم تحقیقاً آپ کی امت ہیں اور آپ کی رسالت سب کو عام ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے دیگر انبیاء علیہم السلام پر اپنی فہیت بیان کرتے ہوئے فرمایا :
وارسلت الی الخلق كافة وحنم بی

دی گئی ہے۔

النبیون

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہودیوں سے پہلے تو مشرکین قرآن مجید کا انکار کر چکے تھے تو یہود کس طرح اس کے سب سے پہلے منکر ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مرلویہ ہے کہ لہل کتب میں سے تم سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو، دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں یہ تعریض ہے کہ چونکہ یہ کتب تمہاری کتب کی مصدق ہے تو تم کو سب سے پہلے اس پر ایمان لانا چاہیے تھا۔

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی تحقیق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تھوڑی قیمت کے بدلہ میں میری آیتوں کو فروخت نہ کرو اور مجھ ہی سے ڈرو۔

شراء کا لفظ لغت اضداد سے ہے اور یہ خریدنے اور فروخت کرنے دونوں معنوں میں آتا ہے، اور یہاں اس سے مراد استبدال ہے کیونکہ یہودی علماء دنیوی فوائد کی وجہ سے قرآن پر ایمان نہیں لاتے تھے اور انہوں نے دنیوی فوائد کے بدلہ میں قرآن پر ایمان نہ لانے کو اختیار کر لیا تھا اور ان کے یہ دنیوی فوائد اگرچہ ان کے نزدیک بہت زیادہ تھے لیکن قرآن مجید پر ایمان لانے سے ان کو جو اخروی فوائد حاصل ہوتے ان کے مقابلہ میں یہ بہت قلیل اور حقیر تھے، یہ علماء اپنی قوم کے رئیس تھے اور ان کی قوم ان کو تحفے اور ہدیے پیش کرتی تھی اور ان کو یہ خوف تھا کہ اگر وہ قرآن پر ایمان لائے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی تو ان کو وہ نذرانے نہیں ملیں گے، اس لیے انہوں نے ان ہدیوں اور نذرانوں کو آخرت پر ترجیح دی، ایک قول یہ ہے کہ وہ رشوت لے کر حق کو چھپاتے تھے۔

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں :

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے تم کو جو اپنی کتب اور آیات کا علم دیا ہے تم اس علم کو دنیا کے قلیل مل کے عوض فروخت نہ کرو کیونکہ وہ لوگوں سے تورات میں حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے ذکر کو چھپاتے تھے حالانکہ تورات میں لکھا ہوا تھا کہ وہ نبی امی ہیں جن کا ذکر تورات اور انجیل میں ہے، اور وہ اپنے پیروکاروں پر اپنی ریاست اور ان سے نذرانے لینے کے لالچ میں اس کو چھپاتے تھے حالانکہ اس کے عوض میں ان کو ساری دنیا بھی مل جاتی تو وہ قلیل تھی۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۰۱-۲۰۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس آیت سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، لیکن واضح رہے کہ اس آیت میں اجرت لینے سے منع نہیں کیا بلکہ دنیوی متاع کے بدلہ میں اللہ کی آیات کو چھپانے سے منع کیا ہے۔
علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں :

صحیح بخاری میں ہے کہ جس چیز پر ہمیں سب سے زیادہ اجرت لینے کا حق ہے وہ اللہ کی کتاب ہے۔ "اس حدیث میں قرآن مجید پر اجرت لینے کی صاف تصریح ہے اور اسی پر اعتماد کرنا چاہئے اور اس آیت کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے مطلب بنو اسرائیل ہیں اور یہ ہم سے پہلے کی شریعت ہے اور یہ ہم پر حجت نہیں ہے۔

(المباح لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۳۶-۳۳۵، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

جب خصوصیت مورد اور عام الفاظ میں تعارض ہو تو اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے لیکن بعض اوقات قرآن کی وجہ سے خصوصیت مورد کا اعتبار کیا جاتا ہے اور یہی دلیل کی وجہ سے خصوصیت مورد متعین ہے، علامہ قرطبی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ ہم سے پہلے کی شریعت ہے۔

ہمارے نزدیک تعلیم قرآن 'حج'، 'لامت'، 'لذان' اور دیگر عبادات پر اجرت لینا جائز ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جن چیزوں پر تم اجر لیتے ہو ان میں اجر کی سب سے زیادہ حقدار اللہ کی کتاب ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۳، ج ۲ ص ۸۵۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطالبع کراچی ۱۳۸۵ھ)

یہ حدیث تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے باب میں نص صریح ہے، بعض علماء نے اس حدیث کی یہ تویل کی ہے کہ اس حدیث میں دم کرنے پر اجرت لینے کا جواز ہے، اس سے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا جواز لازم نہیں آتا، لیکن یہ تویل اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث میں الفاظ عام ہیں اور خصوصیت مورد کے مقابلہ میں عموم الفاظ کو ترجیح دی جاتی ہے، اور جن احادیث میں ممانعت ہے وہ سب سنداً ضعیف ہیں جو اس حدیث صحیح سے معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۳۵۳-۳۵۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ ۱۳۹۱ھ)

اس مسئلہ پر دوسری دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین پانچ وقت کی نمازیں اور جمعہ پڑھاتے تھے، وعظ و نصیحت کرتے تھے، مقدمات کے فیصلے کرتے تھے، مسلمانوں کے اندرونی اور بیرونی مسائل کے حل کے لیے کوشش کرتے تھے اور جملہ کا انتظام کرتے تھے اور ان تمام خدمات کے عوض ان کو بیت المال سے وظیفہ دیا جاتا تھا، اور اختیار امت کا یہ تعامل اس مسئلہ پر واضح دلیل ہے کہ تعلیم قرآن 'لامت'، 'خطابت'، اور دیگر عبادات پر اجرت لینا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ خلفاء راشدین کی سنت ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بن گئے تو انہوں نے فرمایا میری قوم کو معلوم ہے کہ میرا کسب (تجارت) میرے لٹل و عیال کی کفالت کے لیے ناکافی نہیں تھا اور اب میں مسلمانوں کے معاملات میں مشغول ہو گیا ہوں، اب ابو بکر کے لٹل و عیال بیت المال کے مل سے کھائیں گے اور ابو بکر مسلمانوں کے لیے کسب کرے گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطالبع کراچی ۱۳۸۵ھ)

علامہ بدرالدین یعنی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابن سعد نے ثقہ راویوں کی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا گیا تو وہ اپنے معمول کے مطابق سر پر کپڑوں کی ٹھنڈی رکھ کر بازار میں تجارت کے لیے چلے گئے، راستہ میں حضرت عمر بن الخطاب

اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی، انہوں نے کہا یہ آپ کیا کر رہے ہیں! حالانکہ آپ مسلمانوں کے ولی مقرر ہو چکے ہیں! حضرت ابو بکر نے کہا اگر میں تجارت نہ کروں تو پھر اپنے میل کو مکمل سے کھاؤں گا؟ انہوں نے کہا ہم آپ کے لیے وظیفہ مقرر کرتے ہیں پھر انہوں نے ہر روز کے لیے نصف بکری مقرر کر دی۔

میمون سے روایت ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو مسلمانوں نے آپ کا وہ ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا میرے اہل و عیال کا خرچ زیادہ ہے مجھے اس سے زیادہ کی ضرورت ہے پھر مسلمانوں نے پانچ سو درہم کا اضافہ کر دیا۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۱۸۵، مطبوعہ ادارة البعثة النیریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

نیز علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں :

صحیح بخاری کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی عامل کے اوپر کوئی اور عامل نہ ہو تو وہ اپنی ضرورت کے مطابق بیت المال سے وظیفہ لے سکتا ہے اور ہر وہ شخص جس کو مسلمانوں کے اعمال کی کوئی ذمہ داری سونپی جائے اس کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے، کیونکہ اس کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات کے لیے رقم کی احتیاج ہوتی ہے کیونکہ اگر اس کو کوئی وظیفہ نہیں دیا جائے گا تو وہ بلا عوض مسلمانوں کے کسی کام پر تیار نہیں ہو گا اور اس سے مسلمانوں کے اجتماعی مفادات اور مصالح ضائع ہو جائیں گے، اسی بنا پر ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ قاضی کو وظیفہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور قاضی شریعتؓ قضاء کا وظیفہ لیا کرتے تھے، امام بخاری نے رزق الحکام کے باب میں اس کا ذکر کیا ہے۔ پھر اگر قاضی ضرورت مند ہو تو بیت المال سے اس کی کفالت واجب ہے اور اگر اس کے پاس اتنی دولت ہو کہ وہ وظیفہ سے مستغنی ہو تو پھر اس کا بیت المال سے وظیفہ نہ لینا افضل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پھر بھی اس کا وظیفہ لینا زیادہ صحیح ہے تاکہ وہ قضاء کے معاملہ اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں سستی نہ کرے، کیونکہ جب وہ اپنے کام کا کوئی وظیفہ نہیں لے گا تو قضاء کی ذمہ داریوں کو توجہ اور باقاعدگی سے پورا نہیں کرے گا۔

(عمدة القاری ج ۲ ص ۱۸۹، مطبوعہ ادارة البعثة النیریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

علامہ عینی نے قاضی کو وظیفہ دینے کی جو وجوہات بیان کی ہیں وہ تمام وجوہات تعلیم قرآن، لہانت اور لڑان وغیرہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔

علامہ آلوسی حنفی ولا تشتروا بایاتہی ثمنًا قلیلًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

بعض اہل علم نے اس آیت سے قرآن مجید اور دیگر علوم کی تعلیم کی اجرت کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے اور اس مسئلہ میں بعض احادیث بھی مروی ہیں جو صحیح نہیں ہیں حالانکہ حدیث میں یہ ہے کہ صحابہ نے عرض کیا : کیا ہم تعلیم قرآن پر اجرت لیں؟ آپ نے فرمایا جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں سب سے بہتر کتب اللہ ہے، اور اس کے جواز کے سلسلہ میں علماء کے بکثرت اقوال منقول ہیں اگرچہ بعض علماء نے اس کو مکروہ بھی کہا ہے، اور اس آیت میں اس کی کراہت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۶۵۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اگر یہ کہا جائے کہ عالم دین پر دینی علوم کی تعلیم دنیا اور فرائض کی جماعت کرانا فرض ہے اور فرض کا اجر اللہ کے ذمہ ہے (اس کے وعدہ کی بناء پر جو اس نے محض اپنے فضل سے کیا ہے) بندوں کے ذمہ نہیں ہے، تو میں کہوں گا کہ یہ صحیح اور برحق ہے لیکن عالم دین پر یہ کب ضروری ہے کہ وہ مثلاً جامعہ نعیمیہ میں جا کر تعلیم دے اور وہاں نماز پڑھائے، اور اس پر یہ

کب ضروری ہے کہ وہ آٹھ سے بارہ بجے تک چار گھنٹہ پڑھائے، اسی طرح اس پر مثلاً ظہر کی نماز پڑھانا ضروری ہے یہ کب ضروری ہے کہ وہ ڈیڑھ بجے ظہر کی نماز پڑھائے، نیز یہ کب ضروری ہے کہ مدرسہ کے معین کردہ نصاب کے عین مطابق پڑھائے پھر اس پر یہ کب ضروری ہے کہ وہ فلاں فلاں طالب علم کو پڑھائے اور فلاں فلاں لوگوں کو نماز پڑھائے؟ اس لیے جب کوئی لوہارہ کسی عالم دین کو مخصوص مدرسہ کے مخصوص اوقات میں مخصوص نصاب کے مطابق مخصوص طلبہ کو تعلیم دینے کا پابند کرے گا یا مخصوص مسجد کے مخصوص اوقات میں مخصوص لوگوں کو نماز پڑھانے یا اذان دینے کا پابند کرے گا تو وہ معلوضہ ان خصوصیات اور تقییدات کے مقابلہ میں ہو گا نفس عبادات کا معلوضہ نہیں ہو گا اور نہ کسی عالم کو یہ خیال کرنا چاہئے کہ وہ ان عبادات کا معلوضہ لے رہا ہے، عالم کو جس جگہ جس وقت اور جن لوگوں کا پابند کیا جاتا ہے وہ اس جگہ اس وقت اور ان لوگوں کی پابندی کرنے کا معلوضہ لیتا ہے۔

اسی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان دینی فرائض کو ادا کرنے میں عالم دین جو وقت صرف کرتا ہے وہ معلوضہ اس وقت کا ہوتا ہے ان عبادات کا معلوضہ نہیں ہوتا، یا ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں اس کی جو توانائی خرچ ہوتی ہے یہ معلوضہ اس توانائی کا ہے ان عبادات کا معلوضہ نہیں ہے یا جس طرح حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ اگر میں اس وقت کوئی اور ذریعہ معاش اختیار کرتا تو وہ میری ضروریات کا کفیل ہوتا، اب مسلمانوں کے ان امور کی انجام دہی کی وجہ سے وہ اس کار معاش کو اختیار نہیں کر سکا لہذا اس کے بدلہ میں اس کی ضروریات کا خرچ قوم یا کسی قومی ادارہ پر واجب ہو گا۔

لام مالک اور لام شافعی نے اور ایک قول میں امام احمد نے عبادات پر معلوضہ لینے کو جائز کہا ہے۔ ہر چند کہ حنفی فقہاء اختلاف نے اسلامی فرائض کی بجا آوری پر اجرت لینے سے منع کیا تھا، لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت علماء کے لیے بیت المال سے وظائف مقرر کیے جاتے تھے لیکن اب جبکہ امراء اور سلاطین نے علماء کی کفالت ترک کر دی ہے تو اب علماء کا اپنے فرائض منصبی پر اجرت لینا جائز ہے اور متاخرین فقہاء اختلاف نے بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں :

لام خیر اخزی نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں امام، موزن اور معلم کا اجرت لینا جائز ہے، اسی طرح روضہ اور ذخیرہ میں (بتایہ شرح بدلیہ ج ۳ ص ۱۵۵، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد)

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں :

ہمارے بعض مشائخ نے اس زمانہ میں تعلیم قرآن کی اجرت دینے کو مستحسن قرار دیا ہے، کیونکہ امور دینیہ میں لوگوں پر سستی غالب ہو گئی ہے، اور اجرت نہ دینے میں حفظ قرآن کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے، فتویٰ اسی قول پر ہے۔ (بدلیہ آخرین ص ۳۰۳، مطبوعہ مکتبہ شریک علیہ ملکن)

علامہ بہمنی اس کی شرح میں لکھتے ہیں :

اس زمانہ میں تعلیم قرآن پر اجرت دینا جائز ہے اور فقہاء نے اس کے لیے مدت اور اجرت کے مقرر کرنے کو بھی جائز کہا ہے اور اگر مدت مقرر نہ کی گئی ہو تو اجرت مثل دینے کے وجوب کا فتویٰ دیا ہے۔

فقہاء نے کہا ہے کہ حنفی فقہاء نے تعلیم قرآن کی اجرت لینے سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ پہلے معلمین کے لیے بیت المال سے وظائف مقرر تھے، اس لیے معلمین اپنی ضروریات اور معاش میں مستغنی تھے، نیز اس زمانہ میں محض ثواب کے

لے قرآن مجید کی تعلیم دینے کا بھی رجحان تھا اور اب یہ بات باقی نہیں رہی، امام ابو عبد اللہ الخیر اخروی نے کہا کہ اس زمانہ میں امام موزن اور معلم کے لیے بھی اجرت لینا جائز ہے۔ (مندی علی ہاشم فتح القدیر ج ۸ ص ۴۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر) علامہ علاؤ الدین الحسینی لکھتے ہیں :

اس زمانہ میں اجرت پر قرآن مجید کی تعلیم دینے، فقہ پڑھانے، لامت کرنے اور تلوین دینے کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے، اور اجرت پر تعلیم دلوانے والے کو مقررہ اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر پہلے اجرت ملے نہ کی گئی ہو تو اس کو اجرت مثل دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ (در مختار علی ہاشم رد المحتار ج ۵ ص ۳۶، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول)

علامہ زین الدین ابن نجیم لکھتے ہیں :

علامہ ابن الشنہ نے کہا ہے کہ فقہاء مدارس سے جو وظیفہ لیتے ہیں وہ اجرت نہیں ہے کیونکہ اس میں اجارہ کی شرائط نہیں پائی جاتیں، اور نہ یہ صدقہ ہے کیونکہ غنی بھی یہ وظیفہ لیتے ہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء درس کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیتے ہیں اس لیے یہ ان کی اعانت ہے، حتیٰ کہ اگر وہ کسی کلام یا مشغولیت کی وجہ سے درس میں نہ آسکیں پھر بھی ان کا وظیفہ لینا جائز ہے۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۶۹، مطبوعہ مطبعہ ملیہ مصر ۱۳۱۱ھ)

اب ایک نقطہ بحث طلب رہ گیا ہے کہ اگر علماء ان عبادات پر اجرت لیں تو کیا ان کو آخرت میں اجر ملے گا یا نہیں، میرا یہ گمان ہے کہ اگر علماء اس معلوضہ کو اپنی عبادات کا معلوضہ سمجھ کر لیتے ہیں تو پھر وہ اجر اخروی کے مستحق نہیں ہیں اور اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ عبادات تو محض للہ فی اللہ ہیں وہ محض پابندی لوقت کا معلوضہ لیتے ہیں تو پھر ان کو اجر اخروی کی امید رکھنی چاہئے۔

اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث اور جانبین کے دلائل پر تبصرہ ہم نے شرح صحیح مسلم کی ساتویں جلد میں کیا ہے۔

قرآن خوانی کے نذرانوں کے جواز کا بیان

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ میت کو ثواب پہنچانے کے لیے جو قرآن خوانی کی جاتی ہے اس میں پڑھنے والے چونکہ پیسوں کے عوض قرآن مجید پڑھتے ہیں اس لیے ان کو اس پڑھنے کا اجر نہیں ملتا، اور جب ان کو خود اجر نہیں ملتا تو یہ میت کو کس چیز کا اجر پہنچائیں گے، اور تعلیم قرآن کی اجرت کے لیے جو تلویحات کی جاتی ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ ضرورت کی وجہ سے ہیں اور قرآن خوانی میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں یہ ممانعت بعض احادیث کی وجہ سے بیان کی جاتی ہے، شرح صحیح مسلم جلد سابع کے آخر میں میں نے تفصیل کے ساتھ ان احادیث کا ضعف اور محمل بیان کیا ہے اور جواز کے لیے صحیح بخاری کی وہ حدیث کافی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ صحابہ نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے کی اجرت لی اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر یہ فرمایا کہ جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اجرت کی سب سے زیادہ مستحق کتاب اللہ ہے (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۴)

ہائیا "ہمارے عرف میں قرآن خوانی سے پہلے اجرت ملے نہیں کی جاتی پڑھنے والے بغیر کسی مطالبہ کے قرآن مجید پڑھتے ہیں اور پڑھوانے والے حسب توفیق کچھ خدمت کر دیتے ہیں اور اگر وہ کچھ نہ دیں تو کوئی ان سے مطالبہ نہیں کرتا۔ اور یہ کہنا کہ پڑھنے والے پیسوں کی نیت سے پڑھتے ہیں، بلا وجہ دوسروں کے حق میں بدگمانی کرنا ہے، نیت کا حل اللہ کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں۔ تاہم اگر یہ اصرار کیا جائے کہ نہیں وہ پیسوں ہی کی وجہ سے پڑھتے ہیں تو جن تلویحات کی وجہ سے

اسم قرآن، لامت، لوان، خطبت اور مدرس کا معلقہ جائز ہے وہی تلويلات یہاں بھی جاری ہو جائیں گی اور ضرورت کا فرق اس وقت مفید ہو تا جب احادیث صحیحہ سے اس کی ممانعت ہوتی اس کے برعکس بخاری کی حدیث صحیحہ سے اس کا جواز ثابت ہے۔

یہودی تلبیس اور کتمان حق کا بیان

لہذا تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور دیدہ دانستہ حق کو نہ چھپاؤ۔

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں :

”بس“ کا معنی ہے اختلاط، یعنی حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ، ان میں سے بعض یہ کہتے تھے کہ سیدنا حضرت محمد ﷺ مبعوث ہیں اور یہ حق تھا اور وہ اس حق کے ساتھ اپنی اس باطل تلویل کو ملاتے تھے کہ آپ ان کی طرف مبعوث نہیں ہیں بلکہ ان کے غیر کی طرف مبعوث ہیں، اور یہ باطل ہے کیونکہ آپ تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کا معنی ہے سچ کو جھوٹ کے ساتھ نہ ملاؤ۔

ابن زید نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ حق سے مراد وہ تورات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا اور باطل سے مراد وہ تحریفات ہیں جن کو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۰۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس نے حق کو چھپانے کی تفسیر میں فرمایا یہود حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو چھپاتے تھے، حالانکہ ان کو یہ علم تھا کہ آپ اللہ کے برحق نبی ہیں اور آپ وہی نبی ہیں جن کے مبعوث ہونے کا ذکر تورات میں کیا گیا ہے۔ (الجامع احکام القرآن ج ۱ ص ۳۴۲، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عالم پر حق کا اظہار کرنا واجب ہے اور حق کو چھپانا حرام ہے، سورہ بقرہ : (۱۵۹) میں حق کو چھپانے پر لعنت کی گئی ہے۔ امام ابو داؤد، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص سے کسی چیز کے علم کے متعلق سوال کیا گیا اور اس نے اس کو چھپایا قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵۹، مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

زکوٰۃ کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کے وجوب کی شرائط کا بیان

لہذا تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ لو کرو۔

سورہ بقرہ : (۳) میں نماز کا معنی، نماز قائم کرنے کی تفسیر اور نماز کی تاکید اور اس کے فوائد کے متعلق تفصیل سے لکھ دیا گیا ہے، زکوٰۃ کا لغت میں معنی ہے کسی چیز کا بوجھنا اور پاکیزہ ہونا، اور اس کا شرعی معنی یہ ہے :

نصب کے مطابق جس مل پر ایک سل گزر گیا ہو اس مل میں سے چالیسویں حصہ کا کسی فیر حاشی فقیر کو اللہ کی رضا کے لیے مالک بنادے۔ (در مختار علی حاشی رد المحتار ج ۲ ص ۲۰۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

زکوٰۃ مسلمان، عامل، بالغ اور آزاد شخص پر فرض ہوتی ہے اور اس کی فرضیت کا سبب ایسا مل ہے جو نصب کے مستحق ہو اور اس پر ایک سل گزر گیا ہو اور اس مل پر کسی مخلوق کا قرض نہ ہو، اگر اس مل پر اللہ کا حق ہو مثلاً اس کے ذمہ

پچھلی زکوٰۃ ہو، نذر یا کفارہ کی لوائیگی ہو یا حج ہو تو وہ زکوٰۃ کی لوائیگی سے منع نہیں ہے، البتہ وہ مل اس کی حاجت امداد سے زائد ہو، حاجت امداد میں اس کے لور اس کے بیوی لور بچوں یا اس کے بوڑھے مل بپ کے کھانے، پینے، علاج، کپڑوں لور رہائش کے اخراجات شامل ہیں لور اسی طرح جو اس نے کسی کا قرضہ لوا کرنا ہے وہ بھی اس میں شامل ہے، ان چیزوں کے اخراجات منہا کرنے کے بعد جو رقم اس کے پاس بچے لور نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، فقہاء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ چاندی کا نصاب دو سو درہم یا پانچ لوقہ چاندی ہے جو ساڑھے بلون تولے یا ۳۳۶ گرام کے برابر ہے لور سونے کا نصاب چالیس دینار یا بیس مثقل ہوتا ہے جو ساڑھے سات تولے یا ۸۷۴ گرام کے برابر ہے۔ کرنسی نوٹوں لور مل تجارت کو چاندی کے نصاب کے تابع کیا جائے گا۔

باجماعت نماز پڑھنے کے فوائد

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

اس کا معنی ہے نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو، رکوع نماز کا ایک جز ہے لور میل جز کا کل پر اطلاق کیا گیا ہے، اور خصوصیت سے رکوع کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں ہے لور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو، اس کا مطلب ہے جماعت کے ساتھ نماز پڑھو اور یہ اس لیے فرمایا ہے کہ یہودی الگ الگ نماز پڑھتے تھے تو ان کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا تاکہ ان کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے فوائد حاصل ہوں۔ جماعت کے ساتھ : پڑھنے کے حسب ذیل فوائد ہیں :

(۱) تنہا نماز پڑھنے کی بہ نسبت جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ ثواب ہوتا ہے۔
(۲) ہو سکتا ہے تنہا نماز پڑھنے والے کی نماز قبول نہ ہو اور جماعت میں کوئی ایسا مقبول بارگاہ ہو جس کی وجہ سے سب کی نماز قبول ہو جائے۔

(۳) بعض لوگ قراءت صحیح نہیں کرتے یا طہانیت اور اعتدال سے رکوع اور سجود نہیں کرتے، تنہا نماز پڑھیں گے تو ان کی نماز ناقص یا باطل ہوگی اور جماعت کے ساتھ نماز صحیح ادا ہو جائے گی۔

(۴) جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے کسی شخص پر بے نمازی ہونے کی تہمت نہیں لگائی جائے گی لور یہ معلوم ہو جائے گا کہ کون شخص اللہ کا فرمانبردار ہے اور کون شخص نافرمان ہے۔

(۵) اس سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں تقویت ملے گی وہ ایک دوسرے کے دکھ، درد، صحت اور بیماری، خوشی اور غمی اور خوشحالی اور افلاس پر مطلع ہو سکیں گے اور ایک دوسرے کے کام آنے کے مواقع میسر آئیں گے۔

جماعت کے شرعی حکم میں مذاہب فقہاء جو علماء جماعت کے وجوب کے قائل ہیں وہ اس آیت میں امر کو وجوب پر محمول کرتے ہیں اور جو وجوب کے قائل نہیں ہیں وہ اس امر کو استحباب پر محمول کرتے ہیں۔

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں :

داؤد ظاہری، عطاء، ابو ثور، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے نزدیک جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا فرض عین ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے، غایت میں مذکور ہے کہ ہمارے عامہ مشائخ کے نزدیک

جماعت واجب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سنت موکدہ ہے جو واجب کے قریب ہے۔ فتح القدیر ج ۱ ص ۳۰۰

علامہ محمد بن علی بن محمد صکنی لکھتے ہیں :

مردوں کے حق میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سنت موکدہ ہے، زہدی نے کہا کہ تاکید سے مراد وجوب ہے، مگر جمعہ اور عید میں جماعت شرط ہے، اور ترویج میں جماعت سنت کفایہ ہے اور رمضان کے وتر میں جماعت مستحب ہے اور غیر رمضان اور نوافل میں بہ طور تداعی کے جماعت مکروہ تنزیہی ہے (بہ شرطیکہ دامنا ہو) محلہ کی مسجد میں اذان اور اقامت کے ساتھ جماعت کا تکرار کرنا مکروہ ہے (اذان اور اقامت کے بغیر ہیئت تبدیل کر کے تکرار جماعت جائز ہے) راستہ کی مسجد میں یا جس مسجد میں کوئی امام معین نہ ہو اور نہ موزن ہو وہاں جماعت کا تکرار مکروہ نہیں ہے۔

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں :

جمعہ میں جماعت فرض عین ہے اور باقی فرائض میں جماعت کے بارے میں اختلاف ہے، زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے، دو سرا قول یہ ہے کہ یہ سنت ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ فرض عین ہے۔

(رد منہ الطالبین ج ۱ ص ۳۴۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ مولوی حنبلی لکھتے ہیں :

مردوں پر پانچ وقتوں کی نماز کے لیے جماعت واجب ہے، شیخ تقی الدین وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے۔

(الانصاف ج ۲ ص ۲۱۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ خرشی مالکی لکھتے ہیں :

فرض نمازوں کے لیے یا قضا نمازوں کے لیے جماعت سنت موکدہ ہے اور جمعہ کے سوا کسی نماز میں جماعت واجب

(الخرشی علی مختصر ظلیل ج ۲ ص ۱۷، مطبوعہ دار صلوٰۃ بیروت)

نہیں ہے۔

رکوع کا معنی نماز میں رکوع کرنا بھی ہے اور خضوع اور خشوع بھی ہے اس لیے یہ لفظ جماعت کے لیے قطعی الدلالہ

نہیں ہے اور اس سے جماعت کی فرضیت پر استدلال کرنا ضعیف ہے۔ حسب ذیل احادیث سے جماعت کے سنت موکدہ

ہونے پر استدلال کیا گیا ہے :

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک بیٹا فحش آیا اور اس نے عرض کیا : یا رسول اللہ مجھے کوئی فحش مسجد میں لے جانے والا نہیں ہے، اس نے رسول اللہ ﷺ سے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی آپ نے اس کو اجازت دے دی، جب وہ چلا گیا تو آپ نے پھر اس کو بلایا اور فرمایا کیا تم لوگوں کی آواز سنتے ہو، اس نے کہل ہل آپ نے فرمایا تو پھر نماز کے لیے جاؤ۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت قتبن بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کو ان کے بیٹا ہونے کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی حتیٰ اس لیے اس حدیث میں امر استحباب پر محمول ہے اور اس کا وجوب منسوخ ہے، یعنی جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے مسجد میں جاؤ مگر یہ تم پر واجب نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہماری رائے یہ تھی کہ نماز کی جماعت صرف وہ شخص چھوڑتا ہے جو ایسا منافق ہو جس کا نفاق معلوم ہو یا وہ بہت بیمار ہو بے شک ایک بیمار آدمی دو آدمیوں کے درمیان سارے سے چل کر نماز پڑھنے کے لیے جاتا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے ہم کو سنن الہدیٰ کی تعلیم دی اور سنن الہدیٰ میں سے یہ ہے کہ جس مسجد میں لڑان دی گئی ہو اس میں نماز پڑھی جائے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۲ مطبوعہ نور محمد اصرار المطابع کراچی ۱۹۷۵ء)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جس آدمی کو اس سے خوشی ہو کہ کل وہ اللہ سے حالت اسلام میں ملاقات کرے، اسے چاہئے کہ جب ان نمازوں کی لڑان دی جائے تو وہ ان کی حفاظت کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے لیے سنن الہدیٰ کو مشروع کیا ہے اور ان کو جماعت سے پڑھنا سنن الہدیٰ میں سے ہے، اور اگر تم نے گھروں میں نماز پڑھی جیسا کہ فلاں تارک جماعت اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے تو تم اپنے نبی کی سنت کو ترک کر دو گے اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت کو ترک کیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۲ مطبوعہ نور محمد اصرار المطابع کراچی ۱۹۷۵ء)

ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنا سنت موكده ہے، اور اس کو فرض عین یا فرض کفایہ کہنا ضعیف قول ہے۔ عورتوں کا مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اگرچہ فی نفسہ جائز ہے مگر ان کا گھروں میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے، شرح صحیح مسلم کی پانچویں جلد میں اس کی بحث ہے۔ نماز عبادات بدنیہ میں سب سے افضل ہے اور زکوٰۃ عبادات مالیہ میں سب سے افضل ہے، اس لیے ان دونوں کو ساتھ ذکر کیا ہے، امام رازی نے کہا ہے کہ یہود زکوٰۃ نہیں دیتے تھے اس لیے زکوٰۃ کا ذکر کیا اور وہ جماعت سے نماز نہیں پڑھتے تھے اس لیے باجماعت نماز پڑھنے کا ذکر کیا۔

امام شافعی وغیرہ جو اس کے قائل ہیں کہ کفار فروع کے مخاطب ہوتے ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ یہود کافر تھے اور ان کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور جو اس کے قائل نہیں ہیں وہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یا یہ حکم مسلمانوں کو ہے۔

ہم نے جماعت کے سنت موكده ہونے کے متعلق تفصیل سے گفتگو کی ہے ہمارے زمانہ میں نوافل کی جماعت، عورتوں کی عورتوں کے لیے امامت اور سمجھ دار تبلیغ لڑکے کی ترویج میں امامت کے متعلق کئی بحث کی جاتی ہے اس لیے ہم یہاں اس مسئلہ کی تحقیق کر رہے ہیں۔ فتقول وبالله التوفیق۔

نوافل کی جماعت کی تحقیق

فقہاء احناف کے نزدیک چار سے کم افراد کی جماعت کرنا مطلقاً "جائز ہے اور اگر چار سے زیادہ افراد ہوں اور دوام کے ساتھ نوافل کی جماعت کی جائے تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر کبھی کبھی نوافل کی جماعت کی جائے تو پھر مکروہ تنزیہی بھی نہیں علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں :

مختصر قدوری میں یہ لکھا ہے کہ نوافل کی جماعت جائز نہیں ہے، اس سے مراد جواز کی نفی نہیں ہے، بلکہ فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے کیونکہ خلاصۃ الفتاویٰ میں قدوری سے نقل کیا ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ نہیں ہے اور اس کی تائید حلیہ میں مذکور ہے کہ امام طحاوی نے منصور بن مخرمہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رات میں دفن کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے وتر نہیں پڑھے، پھر وہ کھڑے ہو گئے اور ہم نے ان کے پیچھے صف باندھی، حضرت عمر نے ہم کو تین رکعت وتر کی نماز پڑھائی اور صرف آخر میں سلام پھیرا، پھر صاحب

الحلیہ نے لکھا کہ ظاہر یہ ہے کہ نوافل کی جماعت غیر مستحب ہے، اگر یہ جماعت کبھی کبھی ہو جیسا کہ حضرت عمرؓ نے وتر کی جماعت کر لئی تھی تو یہ مباح غیر مکروہ ہے اور اگر دانما ہو تو پھر یہ بدعت مکروہہ ہے کیونکہ یہ منقول کے خلاف ہے اور مختصر قدوری میں جو اس کو ناجائز یعنی مکروہ لکھا ہے وہ دوام پر محمول ہے اور دیگر کتابوں میں جو اس کے خلاف لکھا ہے وہ اس صورت پر محمول ہے جب نوافل کی جماعت احیانا (کبھی کبھی) ہو، علامہ شامی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں، صاحب الحلیہ کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ البدائع میں مذکور ہے کہ ترلوتج کے سوا نوافل کی جماعت سنت نہیں ہے (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۹۸) کیونکہ سنت کی نفی کراہت کو مستلزم نہیں ہے ہاں اگر دانما نوافل کی جماعت کی جائے تو پھر یہ مکروہ ہے، اور علامہ خیر الدین ربلی نے البحر الرائق کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ کراہت کی علت دوام ہے، اور نہایہ میں مذکور ہے کہ وتر من وجہ نفل ہیں کیونکہ وتر کی ہر رکعت میں قراءت واجب ہے اور وتر بغیر ثلث اور اقامت کے لوائے جاتے ہیں اور نفل جماعت کے ساتھ غیر مستحب ہیں، کیونکہ رمضان کے علاوہ صحابہ نے وتر جماعت کے ساتھ نہیں پڑھے، اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ تنزیہی ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۷۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ بخاری لکھتے ہیں:

اگر لام کے سوا تین نمازی ہوں تو نوافل کی جماعت بلا اتفاق مکروہ نہیں ہے، اور چار میں مشلح کا اختلاف ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ بھی مکروہ نہیں ہے۔ (خلاۃ الفتویٰ ج ۱ ص ۵۳، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

لام احمد رضا قدوری لکھتے ہیں:

لام کے سوا تین آدمیوں تک تو اجازت ہی ہے، چار کی نسبت کتب حنفیہ میں کراہت لکھتے ہیں یعنی کراہت تنزیہہ جس کا حاصل خلاف لولی ہے نہ کہ مکمل و حرام جیسا کہ ہم نے اپنے فتویٰ میں بیان کیا ہے (فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۳۸۵-۳۸۰) مگر مسئلہ مختلف فیہ ہے اور بہت ائمہ برین سے جماعت نوافل باتداعی ثابت ہے اور عوام فعل خیر سے منع نہ کئے جائیں گے علامہ امت و حکماء ملت نے ایسی ممانعت سے منع فرمایا ہے۔

(لام احمد رضا قدوری متونی ۱۳۳۰ھ، فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۵۰۰، مطبوعہ لاہور)

علامہ نور اللہ بصیر پوری نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی نوافل کی جماعت کرنا مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے۔

(فتاویٰ نور یہ ج ۱ ص ۶۷۲، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء)

خواتین کی لامت کی تحقیق

جماعت کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ عورتوں کی جماعت ہے، لام شافعی کے نزدیک عورت کا عورتوں کو نماز پڑھنا اور ان کا جماعت نماز پڑھنا جائز ہے لام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ عورتوں کی جماعت مستحب ہے، اور دو سراقول یہ ہے کہ غیر مستحب ہے، لام مالک کے نزدیک عورتوں کا عورت کی اقتداء میں نماز پڑھنا ناجائز ہے، لام ابو حنیفہ کے نزدیک عورت کا عورتوں کے لیے لام ہونا مکروہ تحریمی ہے، ہر چند کہ لام احمد اور لام شافعی کے نزدیک عورت کا عورتوں کے لیے لام ہونا جائز ہے لیکن انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ عورتوں کا مومنوں کے لیے لام ہونا ناجائز ہے اور مومنوں کے لیے عورت کی لامت کے باطل ہونے پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے، عورت کی لامت کے جواز کے سلسلہ میں جو ائمہ ہیں پہلے ہم ان کا ذکر کریں گے، پھر فقہاء کے مذاہب کو بیان کریں گے۔ فتاویٰ دہلویہ الخ

خواتین کی امامت کے متعلق احادیث

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

عبدالرحمن بن خلاہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام ورقہ سے ملنے ان کے گھر جاتے تھے آپ نے ان کے لیے ایک موزن مقرر کیا تھا جو ان کے لیے اذان دیتا تھا اور آپ نے حضرت ام ورقہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھروالوں کو نماز پڑھائیں۔ عبدالرحمن کہتے ہیں میں نے ان کے موزن کو دیکھا وہ ایک بوڑھا شخص تھا۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۸۸-۸۷، مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں :

ولید بن جمیع بیان کرتے ہیں کہ میری دہلی نے حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ام ورقہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کے لیے جاتے تھے اور آپ نے ان کا نام شہیدہ رکھا تھا، حضرت ام ورقہ نے قرآن حفظ کیا تھا رسول اللہ ﷺ جب غزوہ بدر کے لیے گئے تو حضرت ام ورقہ نے عرض کیا مجھے بھی اپنے ساتھ جانے کی اجازت دیں میں زخمیوں کی دوا دارو کروں گی اور مریضوں کی دیکھ بھل کروں گی، شاید اللہ تعالیٰ میرے لیے بھی شہوت مقدر کر دے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے شہوت مقدر کر دی ہے، اور آپ نے ان کا نام شہیدہ رکھ دیا، اور نبی ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے گھروالوں کو نماز پڑھائیں، انہوں نے اپنی ایک باندی اور ایک غلام کو مدبر کر دیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان دونوں نے حضرت ام ورقہ کو قتل کر دیا، وہ دونوں قتل کر کے بھاگ گئے اور پکڑے گئے، اور ان کو پھانسی دی گئی اور یہ پہلے لوگ تھے جن کو مدینہ میں پھانسی دی گئی، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا کہ چلو ہم شہیدہ کی زیارت کریں۔ (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۳۰، مطبوعہ نشر النشہ ملتان)

امام حاکم روایت کرتے ہیں :

حضرت ام ورقہ انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے، چلو شہیدہ کے پاس جائیں اور ہم ان کی زیارت کریں اور آپ نے یہ حکم دیا تھا کہ ان کے لیے اذان دی جائے اور اقامت کسی جائے اور وہ اپنے گھروالوں کو فرض نمازیں پڑھائیں، مسلم بن ولید بن جمیع نے اس سے استدلال کیا ہے، میں اس مسئلہ میں اس حدیث کے سوا اور کسی حدیث متصل کو نہیں جانتا، اور ہم نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ اذان دیتی تھیں، اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کو نماز پڑھاتی تھیں۔

(المستدرک ج ۱ ص ۲۰۳، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں :

رائہ حنفیہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرض نمازوں میں عورتوں کی امامت کی اور ان کے وسط میں کھڑی ہوئیں۔

(سنن کبریٰ ج ۳ ص ۱۳۱، مطبوعہ نشر النشہ ملتان)

عطاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اذان دیتی تھیں، اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور ان کے وسط میں کھڑی ہوتی تھیں۔

(سنن کبریٰ ج ۳ ص ۱۳۱، مطبوعہ نشر النشہ ملتان)

جمیرہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی امامت کی اور ان کے وسط میں کھڑی ہوئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عورت عورتوں کی لمات کرے اور ان کے وسط میں کھڑی ہو۔ (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۳۱، مطبوعہ نثرانتہ ملکن)

لام دار قطنی روایت کرتے ہیں :

حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں لمات کرتی تھیں اور آپ نے ان کو اجازت دی تھی کہ وہ اپنے گھروالوں کو نماز پڑھائیں۔ (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۴۰۳، مطبوعہ نثرانتہ ملکن)

رائد حنفیہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرض نماز میں ہماری امام ہوئیں، اور ہمارے درمیان کھڑی ہوئیں۔ (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۴۰۳، مطبوعہ نثرانتہ ملکن)

جمیرہ بنت حصین بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی اور ہمارے درمیان کھڑی ہوئیں۔ (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۴۰۳، مطبوعہ نثرانتہ ملکن)

خواتین کی لمات کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں :

آیا عورت کا عورتوں کو نماز پڑھانا مستحب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ مستحب ہے، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، عطاء، ثوری، لوزاعی، امام شافعی، اسحاق اور ابو ثور سے روایت ہے کہ عورت عورتوں کی لمات کرائے، اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ غیر مستحب ہے، اصحاب رائے (فقہاء احناف) نے اس کو مکروہ کہا ہے، لیکن اگر وہ پڑھیں گی تو نماز ہو جائے گی۔ شعبی، غنی اور قلدہ نے کہا ہے کہ نوافل میں عورتوں کا امامت کرنا جائز ہے، فرائض میں جائز نہیں ہے، حسن بصری اور سلیمان بن یسار نے کہا ہے کہ عورت فرض میں امامت کرائے نہ نفل میں، امام مالک نے کہا ہے کہ عورت کسی شخص کی کسی نماز میں امامت نہ کرے کیونکہ عورت کا اذان دینا مکروہ ہے اور لوہن کی تعریف ہے : جماعت کی دعوت دینا اور جب اس کے لیے جماعت کی دعوت دینا مکروہ ہے تو جماعت کرنا بھی مکروہ ہے، اور ہماری دلیل حضرت ام ورقہ کی حدیث ہے۔ (المغنی ج ۲ ص ۱۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ مولوی حنبلی لکھتے ہیں :

ہمارا مذہب یہ ہے کہ عورتوں کا مودوں کی لمات کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے۔

(الاصناف ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

خواتین کی لمات کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں :

اگر عورت مودوں کو نماز پڑھائے تو مودوں کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر عورت عورتوں کو نماز پڑھائے تو جمعہ کی نماز کے سوا یہ تمام نمازوں میں صحیح ہے اور جمعہ کی نماز میں دو قول ہیں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ نماز نہیں ہوگی اور دو سرا قول یہ ہے کہ نماز ہو جائے گی۔ (شرح المذنب ج ۳ ص ۲۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

خواتین کی لمات کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں :

امام بخاری نے حضرت ابو بکرؓ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ لعل قارس نے کسی کی بیٹی کو بلوشہ بنا لیا ہے تو آپ نے فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنے محلات کا دلی عورت کو بنا دیا اور امام ابو داؤد نے عبد الرحمن خلاص سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام ورقہ کی زیارت کے لیے ان کے گھر جاتے تھے اور آپ نے ان کے لیے ایک موزن مقرر کیا تھا جو ان کے لیے لوزن دیتا تھا اور آپ نے حضرت ام ورقہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھائیں عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میں نے ان کے موزن کو دیکھا وہ ایک پوڑھا شخص تھا امام شافعی نے کہا جو مرد عورت کے پیچھے نماز پڑھے وہ اپنی نماز دہرائے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے علماء نے کہا ہے کہ عورت کی امامت مطلقاً صحیح نہیں ہے مردوں کے لیے نہ عورتوں کے لیے امام مالک نے کہا عورت کسی صورت میں امام نہ بنے اور اکثر فقہاء کا یہی قول ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۵۶-۳۵۵ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ عبد ریکی مالکی لکھتے ہیں :

ہمارے نزدیک عورت کی امامت صحیح نہیں ہے اور جو شخص بھی عورت کی اقتداء میں نماز پڑھے وہ اپنی نماز دہرائے خواہ وقت نکل جائے۔

خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء اختلاف کا نظریہ

علامہ المرغینانی الحنفی لکھتے ہیں :

تنہا عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ یہ فعل حرام کے ارتکاب سے خالی نہیں ہے اور وہ امام کا صف کے درمیان میں کھڑا ہونا ہے جیسے برہنہ لوگ کھڑے ہوتے ہیں اس لیے یہ فعل مکروہ ہے اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو جو عورت امام بنے وہ صف کے درمیان میں کھڑی ہو کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی طرح کیا تھا اور حضرت عائشہ کا عورتوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھانا ابتداء اسلام پر محمول ہے۔

(ہدایہ اولین ص ۳۳ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں :

مبسوط میں اسی طرح لکھا ہے علامہ سروجی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ توجیہ بعید ہے کیونکہ نبی ﷺ اعلان نبوت کے بعد مکہ میں تیرہ سال رہے جیسا کہ امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے پھر آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور ہجرت کے ایک سال بعد مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ کی رخصتی ہوئی اس وقت ان کی عمر نو سال تھی اور وہ نو سال آپ کے پاس رہیں اور نماز میں امامت انہوں نے بلوغت کے بعد ہی کی ہوگی تو یہ ابتداء اسلام کب ہے؟ لیکن یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ جب عورتوں نے مسجد میں جا کر آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنا شروع کر دیا تو یہ فعل منسوخ ہو گیا لیکن مستدرک میں یہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ اذان دیتی تھیں اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور عورتوں کے درمیان کھڑی ہوتی تھیں اور امام محمد نے کتاب الآثار میں امام ابو حنیفہ کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رمضان کے مہینہ میں امامت کرتی تھیں اور عورتوں کے وسط میں کھڑی ہوتی تھیں (کتاب الآثار ص ۴۴ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی) اور یہ بات معلوم ہے کہ تراویح کی جماعت نبی ﷺ کے وصل کے بعد

موجود ہوتی ہے، اور سنن ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ام ورقہ انصاریہ کو نبی ﷺ نے یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھائیں، اور ان کے لیے ایک موزن مقرر کیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت ام ورقہ کو ان کے ایک غلام اور بھری نے چور سے ان کا گلا گھونٹ کر ان کو ہلاک کر دیا تھا اور وہ زبان رسالت کی بیسگوئی کے مطابق شہیدہ ہو گئیں۔

عبدالرحمن نے کہا میں نے ان کے موزن کو دیکھا تھا وہ بوڑھا شخص تھا، یہ تمام روایات دعویٰ نسخ کی نفی کرتی ہیں، سنن ابوداؤد کی روایت کی سند میں ولید بن جمیع اور عبدالرحمن بن خالد انصاری پر ابن القطن نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ان دونوں کا محل معلوم نہیں لیکن امام ابن حبان نے ان کا ثبوت میں ذکر کیا ہے۔

ان حدیثوں کے جواب میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ام ورقہ کو جو نماز پڑھانے کی اجازت دی تھی اس سے اس اجازت کا دوام اور استمرار لازم نہیں آتا اس لیے ہو سکتا ہے کہ بعد میں یہ اجازت منسوخ ہو گئی ہو، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو رمضان میں امامت کرتی تھیں تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ ترلوت کی امامت کرتی تھیں، اور مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول روایت کیا گیا ہے کہ عورت عورتوں کی امامت کرے اور ان کے وسط میں کھڑی ہو (المصنف ج ۳ ص ۳۰) اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس کو ناسخ کا علم نہ ہوا ہو، لیکن اس کے باوجود یہ سوال قائم رہے گا کہ وہ کون سا نسخ ہے جس نے ان احادیث کو منسوخ کر دیا؟ بعض علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ سنن ابوداؤد اور صحیح ابن خزمہ وغیرہ میں یہ حدیث ہے کہ عورت کا اپنی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا حرام ہے نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور کوٹھڑی در کوٹھڑی میں نماز پڑھنا کوٹھڑی میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ بالکل اندرونی کوٹھڑی جماعت کی گنجائش نہیں رکھتی، اس حدیث کو بعض علماء نے حضرت عائشہ، حضرت ام ورقہ اور حضرت ابن عباس کی احادیث کا نسخ قرار دیا ہے لیکن اس حدیث کا نسخ ہونا واضح نہیں ہے، اور اگر اس کو نسخ مان بھی لیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ عورت کا امامت کرنا اب منسوخ نہیں ہے، اور یہ کراہت تحریم کو مستلزم نہیں ہے، بلکہ اس سے زیادہ سے زیادہ اس فعل کا مکروہ تنزیہی یا خلاف لوثی ہونا لازم آئے گا اور ہم پر یہ لازم نہیں ہے کہ ہم اس کو مکروہ تحریمی ثابت کریں، ہمارا مقصود تو حق کی اتباع کرنا ہے خواہ وہ کسی جگہ ہو۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۳۰۷-۳۰۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکر)

علامہ ابن حبان نے اس عبارت سے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام احمد اور امام شافعی کا قول صحیح ہے، کیونکہ وہ احادیث کے موافق ہے اور امام مالک نے حضرت ابو بکر کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ نظام مملکت کی ولایت سے حلق ہے، نماز کی امامت سے نہیں ہے، نیز احادیث صحیحہ سے عورت کا عورتوں کی نماز میں امامت کرنا ثابت ہے، اور اس کا نسخ متعین اور متحقق نہیں ہے اور احادیث رسول اقوال فقہاء پر مقدم ہیں۔

سبحہ دار تبلیغ لڑکے کی امامت

تبلیغ اور سبحہ دار لڑکے کی امامت میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی امامت مطلقاً جائز نہیں ہے فرائض میں نہ نوافل میں، البتہ مشلح احب کا اس میں اختلاف ہے۔ بلخ کے مشلح تبلیغ حفظ قرآن کی ترلوت میں امامت کو جائز کہتے ہیں۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۰۸-۳۰۹) علامہ کاسانی حنفی نے لکھا ہے جو پچھ سبحہ دار ہو وہ ترلوت میں بچوں کی امامت کی صلاحیت رکھتا ہے، اور ہاتھوں کے حلق اس کی امامت میں مشلح کا اختلاف ہے اور جو پچھ نا سبحہ دار ہو وہ امامت کا

بالکل اہل نہیں ہے کیونکہ وہ نماز کے لائق نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۵۷)

امام مالک کے نزدیک بھی مبلغ کا باغوں کو نماز پڑھنا جائز نہیں ہے (المجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۱ ص ۳۵۳) امام احمد کے نزدیک فرائض میں مبلغ کی لمات جائز نہیں ہے اور نوافل میں ان کے دو قول ہیں (المختار ج ۲ ص ۳۲-۳۱) اور امام شافعی کے نزدیک مبلغ سمجھ دار لڑکے کی لمات مطلقاً جائز ہے، خولہ فرض ہو یا نفل (شرح المہذب ج ۴ ص ۲۳۹) مانعین کی دلیل یہ ہے کہ بلغ کی نماز فرض ہے اور مبلغ کی نماز نفل ہے اور مستفل کی اقتداء میں مفسرین کی نماز نہیں ہوتی، کیونکہ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام ضامن ہے (جامع ترمذی ص ۵۷) یعنی امام کی نماز مقتدی کی نماز کو مستغنی اور شامل ہوتی ہے اور فرض نفل کو شامل ہوتا ہے، نفل فرض کو شامل نہیں ہوتا، اور مجوزین کی دلیل یہ ہے کہ احادیث سے مبلغ کا باغوں کو نماز پڑھنا ثابت ہے، خاص طور سے جب کہ مبلغ کو باغوں سے زیادہ قرآن یاد ہو یا وہ حافظ قرآن ہو اور اچھا قاری ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو امام بنانے پر زور دیا ہے جس کو قرآن زیادہ یاد ہو۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو اس کو امام بناؤ، اگر قراءت میں سب برابر ہوں تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو اور اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو اور کوئی شخص کسی کی ولایت اور اس کے گھر میں نماز نہ پڑھائے اور نہ اس کی معزز نشست پر بیٹھے سوا اس کے کہ وہ اس کو اجازت دے دے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۴۳۸ھ)

امام نسائی کی روایت میں ہے کہ اگر سب ہجرت میں برابر ہوں تو جو سنت کا زیادہ عالم ہو اس کو امام بناؤ۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۳۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۴۳۷ھ)

حافظ ابیہشی بیان کرتے ہیں :

امام بزار نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب تم سفر کرو تو جس شخص کو تم میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو اس کو امام بناؤ خواہ وہ تم میں سب سے چھوٹا ہو، اور جو شخص تمہارا امام ہو گا وہی تمہارا امیر ہو گا۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۶۳، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگوں کی گذرگاہ میں رہتے تھے، ہمارے پاس سے سوار گزرتے رہتے تھے، ہم ان سے پوچھتے رہتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ اور یہ شخص کون ہے؟ لوگ بتاتے کہ وہ شخص یہ کہتے ہیں کہ ان کو اللہ نے بھیجا ہے اور ان کی طرف یہ یہ وحی کی ہے، میں ان سے اس کلام کو سن کر یاد کرتا رہتا، گویا کہ وہ کلام میرے دل میں راسخ ہو گیا، اور عرب اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے وہ کہتے تھے کہ اس شخص کو اس کی قوم کے ساتھ چھوڑ دو، اگر وہ ان پر غالب آگیا تو پھر وہ سچا نبی ہو گا، جب مکہ فتح ہو گیا تو سب لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی، اور میرے والد اپنی قوم میں سب سے پہلے اسلام لے آئے، جب وہ آئے تو انہوں نے کہا کہ بہ خدا میں نبی ﷺ کے پاس سے آیا ہوں وہ برحق ہیں آپ نے فرمایا ہے فلاں فلاں وقت میں نماز پڑھا کرو، اور

جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے ایک شخص لوگوں دے اور جس کو تم میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو وہ سلامت کرے، جب انہوں نے تلاش کیا تو مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن یاد نہیں تھا، کیونکہ میں سواروں سے سن کر قرآن یاد کرتا تھا تو انہوں نے مجھے امام بنادیا اس وقت میری عمر چھ یا سات سال کی تھی، میں نے ایک چھوٹی سی چادر کا تہبند باندھا ہوا تھا جب میں سجدہ میں جاتا تو وہ سٹ کر لوپر آجاتا، قبیلہ کی ایک عورت نے کہا تم اپنے قاری کی شرمگاہ ہم سے کیوں نہیں چھپاتے! تب لوگوں نے مجھے ایک قمیص خرید کر دی، مجھے اس قمیص سے اس وقت سب سے زیادہ خوشی ہوئی۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۶۱-۳۶۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام نسائی (۱) اور امام احمد (۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد کا مذہب قیاس کے زیادہ قریب ہے اور امام شافعی کا مذہب احادیث کے زیادہ قریب ہے، ہمارے زمانہ میں بچے جلد قرآن مجید حفظ کر لیتے ہیں اگر وہ تراویح میں قرآن مجید نہ سنا لیں یا نہ سنیں تو قرآن مجید بھول جائے گا اس لیے اگر بلخ کے مشائخ احناف کے قول پر عمل کرتے ہوئے تبلیغ حافظ کو تراویح میں امام بنادیا جائے تو قرآن مجید کی حفاظت اور ان احادیث کے پیش نظر مناسب ہو گا۔

یہود کی بے عملی کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو! کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

بھولنے سے مراد یہاں چھوڑ دینا ہے کیونکہ کوئی شخص اپنے آپ کو نہیں بھولتا، یعنی تم خود نیکی پر عمل نہیں کرتے اور دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو، یہاں نیکی کے حکم میں کئی اقوال ہیں۔

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ تم لوگوں کو تورات کے عہد اور نبوت کے ساتھ کفر کرنے سے روکتے ہو اور خود تم تورات میں کیے ہوئے عہد سے کفر کرتے ہو، میرے رسولوں کی تصدیق نہیں کرتے، مجھ سے ایسے ہوئے عہد کو توڑتے ہو اور میری کتاب میں مذکور احکام کا انکار کرتے ہو۔

نحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ تم لوگوں کو (سیدنا حضرت) محمد ﷺ کے دین میں داخل ہونے کا اور نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہو اور خود اس پر عمل نہیں کرتے۔

سدی سے روایت ہے کہ تم لوگوں کو اللہ سے ڈرنے اور اس کی اطاعت کا حکم دیتے ہو اور خود اس کی نصیحت

کرتے ہو۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۰۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۰۹ھ)

بے عمل علماء کے عذاب کا بیان

حکام سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ جنت میں سے کچھ لوگ دوزخیوں کو دیکھ کر کہیں گے تم ایسے دوزخ

(۱) امام احمد بن حنبل، سنن نسائی ج ۱ ص ۳۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۲) امام احمد بن حنبل، مسند احمد ج ۵ ص ۳۰، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

میں ہوا حالانکہ ہم تمہاری تعلیم پر عمل کر کے جنت میں پہنچ گئے وہ کہیں گے کہ ہم کہتے تھے اور عمل نہیں کرتے تھے۔

اس حدیث کو طبرانی، خطیب اور ابن عساکر نے سند ضعیف سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

امام طبرانی، خطیب اور اصہبانی نے حضرت جندب بن عبد اللہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اس عالم کی مثل جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دے اور اس پر عمل نہ کرے اس چراغ کی طرح ہے جو لوگوں کو روشنی دیتا ہے اور خود کو جلاتا رہتا ہے۔ امام اصہبانی نے ترغیب میں سند ضعیف سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابولہبہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عالم سوء کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور جس طرح گدھا چکی کے ساتھ گردش کرتا ہے اس طرح اس کی انتڑیاں دوزخ میں گردش کر رہی ہوں گی۔

امام احمد بن حنبل نے کتاب الزہد میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ جو آدمی نہیں جانتا اس کے لیے ایک عذاب ہے اور اگر اللہ چاہتا تو اس کو علم دے دیتا اور اس شخص کے لیے سزا عذاب ہیں جو جانتا ہے اور پھر اس پر عمل نہیں کرتا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۶۵، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

آئیائیں گے کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے خود نیک ہونا ضروری ہے؟

امریالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے علماء نے تین شرطیں ذکر کی ہیں، اول مکلف ہونا، ثانی ایمان، ثالث عدل یعنی اس کا نیک ہونا۔ بعض علماء نے چوتھی شرط بھی ذکر کی ہے کہ امام کی طرف سے اس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اجازت ہو، لیکن امام غزالی اور دیگر محققین نے اس شرط کو مسترد کر دیا ہے، باقی رہی تیسری شرط یعنی نیکی کا حکم دینے کے لیے خود نیک ہونے کی شرط تو اس کے متعلق بھی علماء نے کئی بحث کی ہے۔

امام غزالی لکھتے ہیں :

بعض علماء نے امر بالمعروف کے لیے عدالت کو شرط قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ فاسق کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا جائز نہیں ہے، انہوں نے قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کیا ہے :

أَنَّا مَرْوَنَ النَّاسَ بِالْبَيِّنَاتِ وَنَنسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ (البقرة: ۲۴) جاتے ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ (البقرة: ۲۴) اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے، کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون اللہ کو سخت ناراض کرنے والی بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے۔ (الصف: ۲-۳)

عدالت کی شرط پر ان احادیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے :

امام احمد، امام ابو یعلیٰ، امام طبرانی اور امام ابو نعیم نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا معراج کی شب میں ایک قوم کے پاس سے گزرا جن کے ہونٹوں کو آگ کی قینچیوں سے کاٹا جا رہا تھا، میں نے پوچھا تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور خود نیکی نہیں کرتے تھے اور لوگوں کو برائی سے روکتے تھے اور خود برے کام کرتے تھے۔ اور امام ابو نعیم نے حلیہ میں مالک بن دینار سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اللہ نے وحی کی اپنے آپ کو نصیحت کرو، اگر تم نے خود نصیحت پر عمل کر لیا تو پھر لوگوں کو نصیحت کرو، ورنہ مجھ سے حیاء

عدالت کی شرط پر قیاس سے بھی استدلال کیا گیا ہے کیونکہ غیر کا ہدایت حاصل کرنا خود ہدایت یافتہ ہونے کی فرع ہے اور غیر کو مستقیم کرنا خود مستقیم ہونے کی فرع ہے اور غیر کی اصلاح خود صلح ہونے کی فرع ہے تو جو شخص خود نیک نہ ہو دوسرے کو کب نیک کر سکتا ہے۔

یہ مذکورہ دلائل بہ اعتبار ظاہر ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ فاسق بھی امر بالمعروف کر سکتا ہے، کیونکہ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ کیا امر بالمعروف کے لیے تمام گناہوں سے معصوم ہونا ضروری ہے؟ اگر یہ شرط لگائی جائے تو ایک تو یہ اجماع کے خلاف ہے دوسری بات یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام بھی معصوم نہیں تھے چہ جائیکہ بعد کے لوگ! اور اس کا مطلب یہ ہو گا کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی شخص تبلیغ کر سکتا ہے نہ امر بالمعروف اور نہ عن المنکر کر سکتا ہے، حالانکہ قرآن مجید اور احادیث میں امت مسلمہ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مکلف کیا گیا ہے اور اگر وہ یہ کہیں کہ امر بالمعروف کے لیے کبیرہ گناہوں سے پاک ہونا ضروری ہے اور مرتکب کبیرہ کے لیے یہ جائز نہیں ہے حتیٰ کہ جو شخص ریشم کا لباس پہنے ہوئے ہو اس کے لیے زنا اور شراب نوشی سے روکنا جائز نہیں ہے، تو ہم پوچھتے ہیں کہ آیا ریشم پہننے والے کے لیے کفار کے خلاف جہاد کرنا اور ان کو کفر سے روکنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہیں کہ نہیں تو یہ اجماع کے خلاف ہے، کیونکہ اسلام کے ہر دور میں نیک اور بد لوگ لشکر اسلام میں شامل ہو کر کفار کے خلاف جہاد کرتے رہے ہیں اگر وہ کہیں کہ ہاں یہ جائز ہے تو پھر ثابت ہو گیا کہ مرتکب کبیرہ کے لیے تبلیغ اسلام کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا جائز ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر مرتکب کبیرہ کے لیے تبلیغ جائز ہو تو لازم آئے گا کہ ایک شخص کسی ایسی عورت سے زنا بلبل کر رہا ہو جس نے اپنا منہ چھپایا ہوا ہو، دور ان زنا و عورت خود اپنا منہ کھول دے اور وہ شخص اس سے کہے تو نے غیر محرم کے سامنے چہو کیوں کھولا؟ زنا کرانے میں تو تو مجبور تھی چہرہ دکھانے میں تو مجبور نہیں تھی! تو یہ ایسی تبلیغ ہے جس کو ہر عقل مند برا سمجھے گا اور اس سے نفرت کرے گا! اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات حق بالطبع برا لگتا ہے اور باطل بالطبع اچھا لگتا ہے اور اتباع دلیل کی کی جاتی ہے وہی اور خیالی نفرت کی نہیں کی جاتی، اس حل میں اس عورت کو منہ چھپانے کا حکم دینا کیا حرام ہے؟ ظاہر ہے یہ حرام نہیں ہے کیونکہ نامحرم کے سامنے منہ کھولنا معصیت ہے اور معصیت سے روکنا حق ہے۔ باقی رہا یہ کہ طبیعت ان کلاموں سے متغیر ہوتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص زیادہ اہم چیز (زنا سے اجتناب) کو ترک کر کے کم درجہ کی اہم چیز میں مشغول ہو گیا، جیسے طبیعت ان کلاموں سے متغیر ہوتی ہے کہ ایک آدمی ہمیشہ سود کھاتا ہو اور کسی غصہ شدہ چیز کو کھانے سے احتراز کرے، یا جو شخص جھوٹی گواہی دیتا ہو اور وہ غیبت سے احتراز کرے اور اس طبعی تغیر سے یہ لازم نہیں آتا کہ غصہ شدہ طعام کھانا حرام نہ ہو یا غیبت کو ترک کرنا واجب نہ ہو۔

(احیاء علوم الدین علی ہاشم اتمف السلوۃ المتقین ج ۷ ص ۷۳، ملخصاً، مطبوعہ مصر ۱۳۸۷ھ)

لام رازی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

مکلف کو وہ چیزوں کا حکم دیا گیا ہے ایک معصیت کو ترک کرنا، دوسرا غیر کو معصیت سے منع کرنا، اور ایک حکم پر عمل نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسرے حکم پر بھی عمل نہ کرے، اور اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے کہ ”تم دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو“ اس آیت کے وہ عمل ہیں ایک یہ کہ مطلقاً اپنے آپ کو بھولانے

یعنی خود عمل نہ کرنے سے منع کیا ہے، دوسرا محمل یہ ہے کہ جس وقت وہ خود عمل نہ کر رہا ہو اس وقت دوسروں کو اس کا حکم دینے سے منع کیا ہے۔ ہمارے نزدیک اس آیت کا پہلا محمل بر لوہے نہ کہ دوسرا۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۶۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

ہمارے نزدیک ان آیات اور احادیث کا منشاء یہ ہے کہ انسان کا نیکی پر عمل نہ کرنا اور برائی سے اجتناب نہ کرنا، عقلاً برا ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کا موجب ہے لیکن اس وقت یہ زیادہ برا ہے اور زیادہ غضب اور عذاب کا موجب ہے جب وہ دوسروں کو نیکی کا حکم دے رہا ہو اور ان کو برائی سے روک رہا ہو تو جو چیز قبیح ہے اور غضب اور عذاب کا موجب ہے وہ خود عمل نہ کرنا ہے نہ کہ دوسروں کو عمل کی تبلیغ کرنا، کسی دنیاوی طمع کی بناء پر برائی سے نہ روکنا نہ انتہاء ہے اور کسی دینی منفعت کی وجہ سے خاموش رہنا نہ ارات ہے اور کفار سے مولات (دوستی رکھنا) حرام ہے اور ان سے صرف معاملات مثلاً بیع و شراء کرنا جائز ہے۔

بے علم کے وعظ، تقریر اور اس کے مرید کرنے کا شرعی حکم

تقریر اور وعظ کرنے کے لیے علم دین کا حاصل کرنا شرعاً واجب ہے، اور بے علم آدمی کا تقریر اور وعظ کرنا مکروہ تحریمی ہے، اور اس پر اصرار کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، عالم کا معیار یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ کر سکے، احادیث کی عربی عبارات صحیح صحیح پڑھ سکے، اور سمجھ سکے، علم کلام اور علم فقہ کی عبارات کو پڑھ اور سمجھ سکے، محض اردو کی کتابوں کو پڑھ کر وعظ کرنا اور لوگوں کو مسائل بتلانا شرعاً حرام ہے۔ البتہ اگر علماء اور مفتی طلباء کسی محقق عالم دین (مثلاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری، صدر الشریعہ مولانا امجد علی، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین اور غزالی زیل علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہم اللہ) کی اردو تصانیف سے مطالعہ اور استفادہ کر کے بیان کریں تو یہ جائز ہے، لیکن جو شخص علوم عربیہ سے بالکل جاہل ہو اس کے لیے اردو کی کتابیں پڑھ کر وعظ کرنا قطعاً حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لِنَاصِرٍ لِّلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ (العنکبوت : ۳۳)

اس آیت سے یہ معلوم ہو گیا کہ جو شخص قرآن مجید کی آیات کا از خود ترجمہ نہ کر سکے اور اس کے لطائف اور دقائق کو نہ سمجھ سکے وہ عالم نہیں ہے۔ امام رازی عالم کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

نظری اور دقیق مسائل کو عالم ہی سمجھتا ہے، جب اس کے سامنے کوئی ظاہر امر پیش کیا جائے تو وہ اس کی کنہ کا لوراک کر لیتا ہے، جو چیز دقیق ہو اس کو جاننے کے لیے عالم ہونا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے جو مثالیں بیان کی ہیں ان کی حقیقت اور ان کے تمام فوائد کو صرف علماء سمجھ سکتے ہیں۔

علامہ خفاجی حنفی لکھتے ہیں :
اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص صفت علم میں کامل ہو۔ (عنایت القاضی ج ۷ ص ۱۰۳، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۳ھ)
علامہ مراغی لکھتے ہیں :

ان مثالوں کے مغز کو اور ان کی تاثیر کی معرفت کو صرف ماہر علماء ہی جان سکتے ہیں اور ان مثالوں سے کثیر فوائد کو علماء ہی مستنبط کر سکتے ہیں جو غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔

والکرمہ زعلی نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کی مثالوں کو وہی سمجھ سکتے ہیں جن کو علم سے وافر حصہ ملا ہو اور وہ فضیلا اور مسائل میں منہمک رہتے ہوں۔ (التفسیر المیزج ۲۰ ج ۲۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)
اس آیت اور اس کی تفسیر سے یہ واضح ہو گیا کہ عالم اس شخص کو کہتے ہیں جو قرآن مجید کا ترجمہ کر سکے، اس کے معنی کے دقائق کو سمجھ سکے اور اس کے فوائد کو مستنبط کر سکے۔

لام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کتب اللہ میں اپنی رائے سے کہا اس نے خطا کی اگرچہ اس نے صحیح کہا ہو۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۵۸، مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)
لام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے بغیر علم کے قرآن سے کچھ بیان کیا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے، لام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۲۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

قرآن مجید کی تفسیر کے لیے پندرہ علوم ضروری ہیں لغت، نحو، تصریف، اشتقاق، معانی، بیان، بدیع، قراءات، اسباب نزول، القصص، تلخیص اور منسوخ، فقہ، احادیث، اصول حدیث اور اصول فقہ، حرقات ج ۱ ص ۲۴۲، مطبوعہ مکتبہ المدنیہ ملتان ۱۳۹۰ھ)
اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تفسیر لکھنے کے لیے یہ علوم ضروری ہیں بلکہ یہ اصول عام ہے وہ زبانی کسی آیت کی تشریح کرے یا اس کو لکھے اس کے لیے ان علوم کا جانا ضروری ہے لایہ کہ وہ کسی معتبر تفسیر سے پڑھ کر سناے (خواہ وہ کسی زبان میں ہو) یا اس کو ضبط کر کے اس کے حوالے سے بیان کرے۔ اس وضاحت سے یہ معلوم ہو گیا کہ غیر عالم کے لیے حدیث اور تقریر کرنا جائز نہیں ہے۔

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب علم کو اٹھائے گا تو اس کو لوگوں کے سینوں سے نہیں نکالے گا، لیکن علماء کو اٹھانے کے ذریعہ سے علم کو اٹھالے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم نہیں بقی رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، ان سے سوال کیا جائے گا اور وہ بغیر علم کے فتویٰ (جواب) دیں گے سو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰، مطبوعہ نور محمد اصح المصالح کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو لام ابن عساکر نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۵۷، مطبوعہ دار الفکر دمشق ۱۳۰۳ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا سیادت (منصب) حاصل کرنے سے پہلے علم حاصل کرو۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱، مطبوعہ نور محمد اصح المصالح کراچی ۱۳۸۱ھ)

لام دارمی روایت کرتے ہیں :

حضرت عمرؓ نے فرمایا جس شخص کو اس کی قوم نے فقہ کی وجہ سے امیر بنایا اس میں اس کی بھی حیات ہے اور اس کی قوم کی بھی، اور جس شخص کو اس کی قوم نے بغیر فقہ کے امیر بنایا تو اس میں اس کی بھی ہلاکت ہے اور اس کی قوم کی بھی۔
(سنن داری ج ۱ ص ۶۹، مطبوعہ نثرانتہ ملکن)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

ابو البختری روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا ایک شخص وعظ کر کے لوگوں کو ڈرا رہا تھا، آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتلایا یہ شخص لوگوں کو وعظ کر رہا ہے، آپ نے فرمایا یہ شخص لوگوں کو وعظ نہیں کر رہا لیکن یہ دراصل یہ کہہ رہا ہے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں مجھ کو پہچان لو (یعنی وعظ سے اس کا مقصد خود نمائی ہے) آپ نے اس کو بلا کر دریافت کیا کیا تم قرآن مجید میں تلخ اور منسوخ کو جانتے ہو؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا ہماری مسجد سے نکل جاؤ اور اس میں وعظ نہ کرو، ایک روایت میں ہے آپ نے پوچھا تم تلخ اور منسوخ کو جانتے ہو اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا تم ہلاک ہو گئے، تم ہلاک ہو گئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس روایت کی مثل منقول ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

ان احادیث اور آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ بے علم شخص کا وعظ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس مسئلہ کو مزید منسوخ کرنے کے لیے ہم امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ کا حوالہ پیش کر رہے ہیں، ان سے سوال کیا گیا :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ میں بہت لوگ اس قسم کے ہیں کہ تفسیر و حدیث بے خواندہ و بے اجازت اساتذہ بر سر بازار و مسجد بطور وعظ و نصح کے بیان کرتے ہیں حالانکہ معنی و مطلب میں کچھ مس نہیں فقط اردو کتابیں دیکھ کے کہتے ہیں ان کا کہنا اور بیان کرنا ان لوگوں کے لیے شرعاً جائز ہے یا نہیں مینو تو جروا۔

الجواب :

حرام ہے اور ایسا وعظ سننا بھی حرام، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ من قال فی القرآن بغیر علم فلیتنبوا مقعدہ من النار (جو شخص بغیر علم کے قرآن سے کچھ بیان کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے) والعیاذ باللہ (ترمذی)
(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۲۱۳، مطبوعہ ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی، ۱۹۸۸ء، مکتبہ رضویہ ج ۱ ص ۱۸۸)

علماء اور مرشدین کے لیے جس قدر علم ضروری ہے اس کے متعلق امام بیہقی لکھتے ہیں :

امام شافعی نے فرمایا عوام کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ تمام فرائض، واجبات، سنن اور آداب اور تمام محرمات اور مکروہات کا علم حاصل کریں اور خواص کے لیے ضروری ہے کہ وہ احکام شرعیہ کی تمام فروعات، قرآن مجید کی صریح عبارات، دلالت، اشارت اور اقتضاء نصوص کا علم حاصل کریں، قیاس اور اس کی شرائط کا علم حاصل کریں اور ایسی مہارت حاصل کریں کہ ہر پیش آمدہ مسئلہ کا حل کتاب اور سنت سے بتایا جاسکے، ہر شخص کے لیے اتنی مہارت حاصل کرنا ضروری نہیں لیکن مسلمانوں میں سے چند افراد کے لیے اتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے، ورنہ سب گنہ گار ہوں گے۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۲۵۳، ملخصاً، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۱ھ)

امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ نے شیخ طریقت کی چار شرطیں لکھی ہیں ان کے بغیر اس کا بیعت لینا جائز نہیں ہے۔

(۱) مسلمان ہو اور اس کا عقیدہ صحیح ہو۔

(۲) علم کے دلائل اور تمام احکام شریعہ کا عالم ہو، حتیٰ کہ ہر پیش آمدہ مسئلہ کا حل بیان کر سکتا ہو۔

(۳) علم کے مطابق عمل کرتا ہو، فرائض، واجبات اور سنن اور مستحب پر دائمی عمل کرتا ہو اور تمام محرمات اور مکروہات سے بچتا ہو۔

(۴) رسول اللہ ﷺ تک اس کی نسبت متصل ہو اور اس کے مشائخ کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہو۔

ہمارے زمانہ میں بے علم لوگ وعظ کرتے ہیں اور لوگوں سے بیعت لیتے ہیں، یہ لوگ اپنی بے علمی کا عیب چھپانے کے لیے علماء کی تنقیص کرتے ہیں ان کو منافق اور بے عمل کہتے ہیں اور سادہ لوح عوام علماء کو چھوڑ کر بے علم و اعلیٰین اور بے علم مرشدین کے حلقہ ارلوت میں کثرت سے شامل ہو رہے ہیں ہم اس جہالت اور تعصب سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔
(فتاویٰ افریقیہ ص ۱۳۷-۱۳۶، مطبوعہ مدینہ پبلیشنگ کمپنی کراچی)

بے علم کا اپنے آپ کو مولوی اور عالم کہنا، وعظ کرنا اور مرید کرنا، اس کے متعلق امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:
یونہی اپنے آپ کو بے ضرورت شرعی مولوی صاحب لکھنا بھی گناہ و مخالف حکم قرآن عظیم ہے قال اللہ تعالیٰ
هو اعلم بکم اذ انشاکم من الارض واذ انتم اجنتہ فی بطون امہنکم فلا تزکوا انفسکم هو اعلم
بمن انقی اللہ تمہیں خوب جانتا ہے کہ جب لوس نے تمہیں زمین سے اوتھان دی اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں
چھپے تھے تو اپنی جانوں کو آپ اچھا نہ کہو خدا خوب جانتا ہے جو پرہیزگار ہے، اور فرماتا ہے الم تر الی الذین یزکون
انفسہم بل اللہ یزکی من یشاء کیا تو نے دیکھا ان لوگوں کو جو آپ اپنی جان کو ستھراتا ہے ہیں بلکہ خدا ستھرا کرتا ہے
جسے چاہے، حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: من قال انا عالم فہو جاہل جو اپنے آپ کو عالم کہے وہ
جہل ہے رواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بسند حسن ہاں اگر کوئی
مخلص حقیقت میں عالم دین ہو اور لوگ اس کے فضل سے ثلوات اور یہ اس کی نیت سے کہ وہ آگاہ ہو کر فیض لیں ہدایت
پائیں اپنا عالم ہونا ظاہر کرے تو مضائقہ نہیں جیسے سیدنا یوسف علی نبینا الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا تھا انہی
حفیظ علیہم۔ پھر یہ بھی سچے عالموں کے لیے ہے۔ زید جہل کا اپنے آپ کو مولوی صاحب کہنا دو گنا گناہ ہے کہ اس کے
ساتھ جھوٹ اور جھوٹی تعریف کا پسند کرنا بھی شامل ہو لہذا قال اللہ عز وجل لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا و
یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا فلا تحسبنہم بمفازۃ من العذاب ولہم عذاب الیم (ال عمران
: ۱۷۸) ہرگز نہ جاتی تو انہیں جو اتراتے ہیں اپنے کلام پر اور دوست رکھتے ہیں اسے کہ تعریف کیے جائیں اس بات سے جو
انہوں نے نہ کی تو ہرگز نہ جاتی انہیں عذاب سے پناہ کی جگہ میں اور ان کے لیے دکھ کی مار ہے۔ معالم شریف میں عکرمہ
تاجی شاگرد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں مقول یفرحون باضلالہم الناس
وینسبنا الناس اباہم الی العلم ولیسوا باہل العلم خوش ہوتے ہیں لوگوں کو بہکانے پر اور اس پر کہ لوگ
انہیں مولوی کہیں مگر انہیں نہیں جہل کی وعظ گوئی بھی گناہ ہے۔ وعظ میں قرآن مجید کی تفسیر ہوگی یا نبی ﷺ کی
حدیث یا شریعت کا مسئلہ اور جہل کو ان میں کسی چیز کا بیان جائز نہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من قال فی القرآن
بغیر علم فلینبوا مقعدہ من النار جو بے علم قرآن کی تفسیر بیان کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے رواہ
الترمذی وصحہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما احادیث میں اسے صحیح و غلط و ثابت و موضوع

کی تیز نہ ہوگی اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من یقل علی مالہ اقل فلیتنبوا مقعدہ من النار (وہ مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہ فرمائی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے رواہ البخاری فی صحیحہ عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فرماتے ہیں ﷺ افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا بے علم مسئلہ بیان کیا سو آپ بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا رواہ الاثمة احمد والشیخان والتر مذی وابن ماجہ عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما دوسری حدیث میں آیا حضور قدس ﷺ نے فرمایا من افتی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء والارض جو بے علم فتویٰ دے اسے آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کریں رواہ ابن عساکر عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ جلیل کا پیر بننا لوگوں کو مرید کرنا چاروں سے زیادہ پاؤں پھیلاتا چھوٹا منہ بڑی بات ہے پیر ہلوی ہوتا ہے اور جلیل کی نسبت ابھی حدیثوں سے گزر کر ہدایت نہیں کر سکتا۔ نہ قرآن سے نہ حدیث سے نہ فقہ سے ع کہ بے علم نتوایں خدا را شناخت (۱)

امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا

مسئلہ : از اجیر مقدس محلہ لاکھی کوٹھڑی لوہری کلی نزد پیر زلوگن مسئلہ مکمل الدین ۸ شوال ۱۳۹۹ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اپنے کو عوام پر مولوی ظاہر کرے جس نے نہ تو کسی مدرسہ میں تعلیم باقاعدہ حاصل کی ہو اور نہ جس نے کوئی سند نشی عالم فاضل کی حاصل ہو اور خود ساختہ استفتاء پر خود ہی جواب تحریر کر دے اور طلباء و مدرسین سے دستخط کرائے اور جس سے اپنی ذلت کا متمتع ہونا مقصود ہو اور جو جید عالم و مولوی صاحبان و قاضی صاحب پر شہرت حاصل کرنے اور زر حاصل کرنے کی غرض سے جابجا حملہ کرے اور جو مدت تک قاضی صاحب کے پیچھے نماز ادا کرتا رہا ہو اور چند روز سے قاضی صاحب کے پیچھے نماز ادا نہیں کرتا ہے اور صد ہا علماء قاضی صاحب کے پیچھے نماز ادا کرتے رہے ہیں۔ بینوا تو جروا

الجواب : سند حاصل کرنا تو کچھ ضرور نہیں ہاں باقاعدہ تعلیم پانا ضرور ہے مدرسہ میں ہو یا کسی عالم کے مکان پر اور جس نے بے قاعدہ تعلیم پائی وہ جلیل محض سے بدتر نیم ملا خطرہ ایمان ہو گا ایسے شخص کو فتویٰ نویسی پر جرات حرام ہے حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں من افتی بغیر علم لعنتہ ملائکۃ السماء والارض جو بے علم فتویٰ دے اس پر آسمان و زمین کے فرشتوں کی لعنت ہے اور اگر فتویٰ سے اگرچہ صحیح ہو وجہ اللہ مقصود نہیں بلکہ اپنا کوئی دنیوی نفع منظور ہے تو یہ دوسرا سبب لعنت ہے کہ آیات اللہ کے عوض ثمن قلیل حاصل کرنے پر فرمایا گیا اولئک لا خلاق لہم فی الاخرۃ ولا یکلمہم اللہ ولا ینظر الیہم یوم القیمۃ ولا یزکیہم ولہم عذاب الیم ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ ان سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر رحمت کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور علمائے دین کی توہین کرنے والا منافق ہے حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں ثلاثۃ لا یتخف بحقہم الا منافق بین النفاق ذوالعلم وذوالشیبۃ فی الاسلام وامام مقسط تین شخصوں کا حق ہلکا نہ جائے گا مگر جو منافق کھلا منافق ہو (۱) عالم (۲) اور وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا (۳) اور

(۱) امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۳۰ھ فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۹۱-۹۵ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی

مصلحت اسلام معلوم۔ تحصیل زر کے لیے علماء و مسلمین پر بے جا حملہ کرنے والا ظالم ہے اور ظلم قیامت کے دن ظلمات۔
خاصی مذکور جیسے لام کے پیچھے بلاوجہ شرعی نماز ترک کرنا تفریق جماعت یا ترک جماعت ہے اور دونوں حرام و ناجائز واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ ج ۱۶ ص ۳۰۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

اصلی حضرت رحمہ اللہ کے اس جواب سے یہ ظاہر ہو گیا کہ بے علم کا وعظ کرنا اور لوگوں کو بیعت کرنا جائز نہیں ہے اور علماء دین کی توہین کرنا مطلق ہے جیسا کہ جلیل پیروں کو عام وطیرہ ہے وہ علماء دین کی تحقیف کرتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور مبر اور نماز کے ذریعہ مدد حاصل کرو۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہ رہنے اور گمراہ کرنے سے منع فرمایا، اور یہ ان کے لیے دشوار امر تھا، کیونکہ گمراہی ان کی طبیعت میں رنج اور بس چکی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے مرض کا علاج بتلایا کہ وہ مبر کریں اور یہ بھی ہو سکتا ہے اس سے مراد یہ ہو کہ وہ روزے رکھیں۔

مبر کے معنی

مبر کا معنی ہے کسی چیز کو تنگی میں روکنا، نیز کہتے ہیں کہ نفس کو عقل اور شریعت کے تقاضوں کے مطابق روکنا مبر ہے۔ مختلف مواقع اور محل استعمال کے اعتبار سے مبر کے مختلف معانی ہیں، معصیت کے وقت نفس کے ضبط کرنے کو مبر کہتے ہیں، اس کے مقابلہ میں جزع اور بے قراری ہے، اور جنگ میں نفس کے ثابت قدم رہنے کو بھی مبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں بزدلی ہے، حرام کاموں کی تحریک کے وقت حرام کاموں سے رکنے کو بھی مبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں فسق ہے، مہلوت میں مشقت جھیلنے کو بھی مبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں معصیت ہے، قلیل روزی پر قناعت کو بھی مبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں حرص ہے، دوسروں کی ایذا رسانی برداشت کرنے کو بھی مبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں انتقام ہے۔

مبر کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

لام ابن ابی حاتم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مبر کی دو قسمیں ہیں، معصیت کے وقت مبر اچھا ہے، اور اس سے بھی اچھا مبر ہے اللہ کے محارم سے مبر کرنا (یعنی نفس کو حرام کاموں سے روکنا)
لام ابن ابی الدنیا، ابو الشیخ اور دہلی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مبر کی تین قسمیں ہیں، معصیت پر مبر کرنا، لعانت پر مبر کرنا اور معصیت سے مبر کرنا۔

لام احمد، لام عبد بن حمید، لام ترمذی، لام ابن مودہ اور لام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں سولہوی پر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا اے بیٹے! کیا میں تم کو ایسے کلمات نہ سکھاؤں جس سے اللہ تمہیں نفع دے، میں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا اللہ کو یاد رکھو، اللہ تمہیں یاد رکھے گا، اللہ کو یاد رکھو تم اس کو اپنے سامنے پاؤ گے، اللہ تعالیٰ کو آسانی میں یاد رکھو وہ تم کو مشکل میں یاد رکھے گا، اور جان لو جو معصیت تمہیں پہنچی ہے وہ تم سے ملنے والی نہیں تھی اور جو معصیت تم سے مل گئی ہے وہ تمہیں پہنچنے والی نہیں تھی اور اللہ نے تمہیں جس چیز کے وسیعہ کا مالک نہیں کیا تمام مخلوق بھی جمع ہو کر تمہیں وہ چیز نہیں دے سکتی اور جو چیز اللہ تمہیں دینا چاہے تو سب مل کر

اس کو روک نہیں سکتے، قیامت تک کی تمام باتیں لکھ کر قلم خشک ہو گیا ہے، جب تم رسول کو تو اللہ سے رسول کو اور جب تم مدد چاہو تو اللہ سے مدد چاہو اور جب تم کسی کا دامن پکڑو تو اللہ کا دامن پکڑو، اور شکر کرتے ہوئے اللہ کے لیے عمل کرو اور جان لو کہ ناگوار چیز پر صبر کرنے میں خیر کثیر ہے اور صبر کے ساتھ نصرت ہے، اور تکلیف کے ساتھ کشادگی ہے اور مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ امام بیہقی نے حضرت ابو الحویرث سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کے لیے خوشی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بہ قدر حاجت رزق دیا اور اس نے اس پر صبر کیا۔

امام بخاری نے الادب المفرد میں اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان لوگوں سے مل جل کر رہتا ہے اور ان کی ایذا پر صبر کرتا ہے وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی ایذا پر صبر نہیں کرتا۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایمان کے دو حصے ہیں نصف صبر ہے اور نصف شکر ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۶۷-۶۸، ملقط مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

نماز سے مدد حاصل کرنے کا بیان

جب وہ روزہ رکھ کر اپنے نفس کو صاف کر لیں گے تو ان کی دعاؤں کا قبول ہونا زیادہ متوقع ہو گا اور نماز سے مدد حاصل کرنے کی بھی یہی صورت ہے کیونکہ نماز کی صورت میں متعدد عبادات حاصل ہو جاتی ہیں، مثلاً اعتکاف، قرآن مجید کا پڑھنا، تسبیح اور استغفار وغیرہ اور نماز میں اللہ تعالیٰ سے مناجات ہے اور نماز سے بندہ کے گناہ دھل جاتے ہیں اور انسان دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتا ہے تو جب وہ گناہوں سے پاک صاف ہو کر تسبیح اور استغفار کے بعد دن میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرے گا تو اس کی دعا کا قبول ہونا زیادہ متوقع ہے۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

امام احمد، امام ابن جریر اور امام ابو داؤد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی ﷺ کو کسی چیز سے خوف یا دہشت لاحق ہوتی تو آپ نماز پڑھتے۔

امام ابن ابی الدنیا اور امام ابن عساکر نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب کسی رات کو آندھی آتی تو آندھی رکنے تک نبی ﷺ مسجد میں پناہ لیتے اور جب سورج گرہن لگتا یا چاند گرہن لگتا تو آپ نماز پڑھتے۔

امام سعید بن منصور، امام ابن المنذر، امام حاکم اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک سفر میں ان کو ان کے بیٹے کی موت کی خبر دی گئی، وہ سواری سے اترے دو رکعت نماز پڑھی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا ہم نے اللہ کے حکم پر عمل کیا ہے کہ ”صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو“۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۶۷، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

خشوع کا معنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور بے شک نماز ضرور دشوار ہے سو ان لوگوں کے جو خشوع کرنے والے ہیں۔ الخ

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

نفس کی وہ حالت جس کا اثر ظاہری اعضاء میں سکون اور تواضع سے ظاہر ہوتا ہے اس کو خشوع کہتے ہیں، قلم نے کہا

دل میں خوف اور نماز میں غمگینی رکھنے کو خشوع کہتے ہیں 'زجلج' نے کہا جس پر ذلت کے آثار کھلی دیں وہ خشوع کرنے والا ہے 'ایم ایچ مقلی' نے کہا سوکھی روٹی کھانے 'سخت' اور موٹے کپڑے پہننے اور سر جھکانے سے خشوع نہیں ہوتا 'خشوع' یہ ہے کہ حق بات میں تمہارے نزدیک معزز اور حقیر برابر ہوں 'اور اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی تم پر فرض کی ہے اس کی اطاعت میں جک جاؤ۔ حضرت عمر بن الخطاب نے ایک شخص کو سر جھکائے دیکھا تو فرمایا سر اٹھاؤ خشوع صرف تمہارے دل میں ہے 'حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا خشوع دل میں ہوتا ہے اور یہ کہ مسلمانوں کے لیے تمہارے ہاتھ ملائم ہوں 'اور نماز میں اور اور التخلت نہ کرو' جس نے اپنے دل سے زیادہ خشوع کو ظاہر کیا اس نے فلق کو ظاہر کیا۔ سل بن عبد اللہ نے کہا خشوع اس وقت ہو گا جب خوف خدا سے تمہارے بدن کا ہر دو ٹکٹا کھڑا ہو جائے 'قرآن مجید میں ہے :

نَقْشِطَرٌ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۝ (قرآن سنئے) ان لوگوں کے روٹھنے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ (الزمر: ۳۳)

سلف صالحین اپنے خشوع کے اثرات کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔ ایسا خشوع محمود ہے 'اور خشوع مذموم یہ ہے جیسے جاہل لوگ تکلف سے روتے ہیں اور سر جھکاتے ہیں تاکہ لوگ ان کو نیک اور بزرگ جانیں یہ نفس کا فریب اور شیطان کا گمراہ کرنا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۷۵-۳۷۴، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران '۱۳۸۷ھ)

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین اور جو لوگ فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے اور آخرت کے منکر ہیں ان پر نماز کا پڑھنا دشوار ہے اور جو مخلص مومنین ہیں اور اطاعت گزار ہیں 'اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کے دیدار کے مشتاق ہیں ان پر نماز آسان ہے اس کوئی پر اپنے آپ کو پرکھ کر دیکھنا چاہئے اور اگر ہمیں نماز پڑھنا گراں اور دشوار معلوم ہو تو پھر ہمیں اپنے ایمان اور آخرت پر یقین کا جائزہ لینا چاہئے۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنْتُمْ

اے بنو اسرائیل میری اس نعمت کو یاد رکھو جو میں نے تم کو عطا کی تھی اور یہ کہ میں نے تم کو (اس زمانے کے) لوگوں

فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝۴۷ وَاتَّقُوا یَوْمًا لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ

پر فضیلت دی تھی ۝ اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی شخص کا بدلہ نہ دے سکے گا۔

نَفْسٍ شَیْئًا وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ ۝ وَلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ ۝۴۸

اور نہ کسی شخص کی رضا اذن الہی شفاعت قبول کی جائے گی اور نہ کسی شخص سے فدیہ یا جملے گا اور

لَا هُمْ یُنصَرُونَ ۝۴۹

وہ ان کی مدد کی جائے گی ۝

اس آیت کو دوبارہ ذکر کیا ہے تاکہ بنو اسرائیل کو نعمتیں یاد دلانے کی تاکید ہو اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ بنو اسرائیل اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حق لوار کرنے سے غافل ہیں، اس آیت میں فرمایا ہے کہ میں نے تم کو تمام عالمین پر فضیلت دی تھی، اس پر یہ سوال ہے کہ تمام عالمین میں تو نبی ﷺ اور آپ کی امت بھی داخل ہے مگر ان سے افضل نہیں ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ عالمین سے مراد ان کے زمانہ کے لوگ ہیں قیامت تک کے لوگ مرلو نہیں ہیں۔ اس تویل کی اس لیے ضرورت ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی امت کو خیر امت قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران : ۱۰) لیے ظاہر کی گئی ہیں۔ تم ان امتوں میں سب سے بہترین امت ہو جو لوگوں کے

ہر چند کہ اس آیت کے مخاطب سیدنا حضرت محمد ﷺ کے زمانہ کے بنو اسرائیل ہیں مگر اس سے مراد ان کے آباء و اجداد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اور ان کے بعد تھے، جنہوں نے اپنے دین میں کوئی تغیر اور تبدل کیا تھا اور نہ تورات میں کوئی تحریف کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت نعمتیں عطا فرمائی تھیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ ادْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَ لَكُم مِّلًّا كَانَتْ لَكُمْ مِّنَ الْعَالَمِينَ (المائدہ : ۲۰) اور یاد کیجئے جب موسیٰ نے اپنی امت سے کہا اے میری امت اللہ کی وہ نعمتیں یاد کرو جو اس نے تم کو عطا کیں، جب اس نے تم میں انبیاء بنائے اور تم کو بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو

یہ نعمتیں ان مخاطبین کے حق میں اس لیے نعمتیں ہیں کہ آباء و اجداد کی فضیلتیں اولاد کے حق میں بھی موجب شرف ہوتی ہیں۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کو اپنی نعمتیں یاد دلا کر رسول اللہ ﷺ اور قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ان کو عذاب آخرت سے ڈرا کر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے بنو اسرائیل اگر تم نے اللہ کی نعمتوں اور اس کی دی ہوئی فضیلتوں کے تقاضوں کو پورا نہ کیا اور حضرت سیدنا محمد ﷺ پر ایمان نہ لائے تو تم اللہ کے عذاب سے کسی طرح بچ نہیں سکو گے، سزا سے بچنے کی چار صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ مجرم کے بدلہ میں اس شخص کو سزا دی جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص مجرم کی سفارش کر دے، تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص مجرم کی طرف سے توبہ یا فدیہ ادا کر دے اور چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص دباؤ اور زور ڈال کر مجرم کی مدد کرے اور اس کو عذاب سے چھڑالے، ان چاروں صورتوں میں سے کسی صورت سے بھی مجرم کو اللہ کے عذاب سے چھڑایا نہیں جاسکتا۔

شفاعت کی تحقیق

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے مجرموں کی شفاعت جائز نہیں ہے، خوارج اور معتزلہ کا یہی مذہب ہے، شیخ ابن تیمیہ اور شیخ محمد بن عبد الوہاب بخدی کا بھی یہی نظریہ ہے، شیخ اسماعیل دہلوی کا بھی یہی مذہب ہے اور ان کے متبعین کا بھی یہی نظریہ ہے اور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ کے اذن سے انبیاء علیہم السلام، ملائکہ، اولیاء کرام، علماء، حفاظ

قرآن اور صلح مومنین گناہوں کی شفاعت کریں گے یہ شفاعت گناہ کبیرہ کرنے والوں کی مغفرت اور تخفیف عذاب کے لیے ہوگی اور صالحین کے لیے ترقی درجات کی شفاعت ہوگی۔ نبی ﷺ بعض کفار کے لیے بھی تخفیف عذاب کی شفاعت کریں گے، شفاعت کبریٰ اور شفاعت کی بعض دیگر اقسام ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد ﷺ کے خصائص میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاعت بلو جاہت بھی عطا فرمائی ہے۔

ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں مسئلہ شفاعت پر تفصیل سے بحث کی ہے شفاعت کا معنی، منکرین شفاعت کے مذاہب، ان کے دلائل اور ان کے جوہات بیان کئے ہیں اور شفاعت کے ثبوت میں قرآن مجید کی پچاس سے زیادہ آیات اور چالیس احادیث ذکر کی ہیں اور مسئلہ شفاعت پر اعتراضات کے جوہات دیئے ہیں، اور شفاعت کی ۲۹ اقسام ذکر کی ہیں اور نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص اقسام کا بیان کیا ہے، اس مسئلہ کو تفصیل سے جاننے کے لیے اس مقام کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

اس جگہ ہم شفاعت کے ثبوت میں قرآن مجید کی چند آیات اور بعض احادیث کا ذکر کریں گے، فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستطاعت۔ یلیق۔

شفاعت پر قرآن کریم سے دلائل
انبیاء علیہم السلام کی شفاعت
حضرت نوح علیہ السلام۔

اے میرے رب! میری، میرے والدین کی اور جو مومن میرے گھر میں داخل ہوں ان کی مغفرت فرما۔

(۱) رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي
مُؤْمِنًا (نوح : ۲۸)

اے ہمارے رب! روزِ حشر میری، میرے والدین کی اور تمام مومنوں کی مغفرت فرما۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام
(۲) رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ
يَقُومُ الْحِسَابُ (ابراہیم : ۴۱)

میں عنقریب اپنے رب سے تیری شفاعت کروں گا، وہ مجھ پر مہربان ہے۔

(۳) مَا سَأَلْتُكَ رَبِّي أَنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا
(مریم : ۳۸)

مگر ابراہیم کا قول اپنے باپ کے لیے کہ میں تیری شفاعت کروں گا۔

(۴) إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَا تُغْفِرَ لَكَ
(المنحہ : ۴)

جو میرا بیٹا ہے، وہ میرا ہے، اور جس نے میرے گھر پر عمل نہیں کیا تو اس کے لیے تو بخشنے والا اور مہربان ہے۔

(۵) فَمَنْ يَبْعِنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ
غَفُورٌ رَحِيمٌ (ابراہیم : ۳۶)

اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام
(۶) رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلَا رَحِيٍّ وَأَدْخِلْنَا فِي
رَحْمَتِكَ الْآرَافِ (۵۵)

میں عنقریب اپنے رب سے تمہاری شفاعت کروں گا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام
(۷) سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ

لا سب نہ بخشنے والا مہربان ہے۔

الرَّحِيمُ (يوسف : ۷۸)

حضرت یوسف علیہ السلام

(۸) لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ذ
آج تم پر کوئی طاعت نہیں اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت
فرمائے۔ (یوسف : ۷۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

(۹) إِنْ نَعَدَ بِهِمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ
اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو
ان کو بخش دے تو تو غالب اور حکمت والا ہے۔

حضرت سیدنا محمد ﷺ سے طلب شفاعت

(۱۰) وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ
اگر یہ لوگ گنہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ
کی بارگاہ میں حاضری دیں، اپنے گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں
اور آپ ان کی شفاعت کر دیں تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول
کرنے والا مہربان پائیں گے۔

(۱۱) وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْيَاكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ (محمد : ۱۹)

اپنے (بظاہر) خلاف لوٹی کلموں اور مسلمان مردوں اور
مسلمان عورتوں کے لیے مغفرت طلب کیجئے۔
ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لیے شفاعت کیجئے۔

(۱۲) فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ

(آل عمران : ۱۵۹)

صالحین کی شفاعت مومنین کے لیے۔

(۱۳) رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ
سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (الحشر : ۱۰)

اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما اور ہم سے پہلے
گزرے ہوئے مسلمان بھائیوں کی۔

فرشتوں کی شفاعت

(۱۴) الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ
يَسْبِغُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ
لِلَّذِينَ آمَنُوا (المومن : ۷)

وہ فرشتے جو عرش الہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے ارد گرد
ہیں وہ اپنے رب کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ایمان رکھتے
ہیں اور مسلمانوں کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں۔
جس دن جبرئیل اور عام فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں
گے اس دن اللہ تعالیٰ کے حضور وہی بات کر سکے گا جس کو اللہ
تعالیٰ اجازت دے گا اور وہ صحیح بات کرے گا۔

(۱۵) يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا
يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا
(النباء : ۳۸)

اور فرشتے اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت پر
اللہ تعالیٰ راضی ہو گا۔

(۱۶) وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى
(الانباء : ۲۸)

اے اللہ! ان لوگوں کو معاف کر جنہوں نے توبہ کی اور

(۱۷) فَاعْفُ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ

تیری رلو پر چلے اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا۔

اے ہمارے رب! مسلمانوں کو دائمی جنت میں داخل فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جو ان کے آباء، ازواج اور اولاد میں سے صلح ہوں ان کو بھی جنت میں داخل فرما لاریب تو غالب اور حکمت والا ہے۔

اے اللہ! ان لوگوں کو گناہوں کے عذاب سے بچا اور جس شخص کو تو نے اس دن گناہوں کے عذاب سے بچالیا اس پر تو نے رحم کیا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

کفار کا شفاعت سے محروم ہونا، شفاعت کا ان کے لیے نفع آور نہ ہونا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہونا اور اس محرومی پر ان کی حسرت (اگر مسلمانوں کو بھی کسی کی نصرت اور شفاعت حاصل نہ ہو تو کفار کے لیے یہ محرومی باعث حسرت نہ ہوگی کیوں کہ وہ دیکھیں گے کہ مسلمان بھی اس محرومی میں ان کے ساتھ ہیں۔)

(۲۰) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ

(المدر : ۳۸)

تو کیا ہماری شفاعت کرنے والے کوئی ہیں؟

(۲۱) فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا

(الاعراف : ۵۳)

کیا ہمارے لیے شفاعت کرنے والے ہیں؟

(۲۲) فَهَلْ لَنَا مِنْ شَافِعِينَ (الشعراء : ۳۰)

اللہ سے بہت کر کفار کا کوئی مددگار ہے نہ کوئی شفاعت

(۲۳) لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ

کرنے والا۔

(الانعام : ۵۱)

کفار کے لیے کوئی ایسا مددگار اور شفاعت کرنے والا نہ ہوگا

(۲۴) مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ

جس کی بہت ملتی جائے۔

(يُطَاعُ) (الغافر : ۸)

شفاعت پر احادیث سے دلائل

لام بخاری روایت کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز دیکھوں گا۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں رکھے گا، پھر مجھ سے کہا جائے گا، ”اپنا سرا ملو“ مانگو ملے گا، شفاعت کرو، قبول ہوگی۔ ”پھر میں اپنے رب کی وہ حمد کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے اس وقت تعلیم دے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا پھر میرے لیے ایک مد مقرر کی جائے گی پھر میں گناہوں کو جہنم سے نکل کر جنت میں داخل کروں گا۔ پھر میں دوبارہ سجدہ کروں گا اور پھر شفاعت کروں گا۔ (تین یا چار بار) حتیٰ کہ جہنم میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جن کو قرآن نے روک لیا ہے۔ اللہ کہتے تھے جن پر جہنم کا دوا واجب ہو چکا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۷۷، مطبوعہ نور محمد راجع المصالح کراچی ۱۳۸۸ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ”قیامت کے دن میری شفاعت حاصل کرنے

میں سب سے زیادہ کامیاب شخص وہ ہو گا جس نے خلوص دل سے کلمہ پڑھا۔“

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۴۳۸ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی گئی۔ تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور آلہ تسبیح بنا دیا لہذا میری امت سے جو شخص نماز کا وقت پائے نماز پڑھ لے اور میرے لیے مل غنیمت حلال کر دیا گیا جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھا۔ مجھے شفاعت عطا کی گئی۔ پہلے نبی ایک خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۴۳۵ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں لوگوں میں سب سے پہلے جنت کی شفاعت کروں گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۴۳۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی کی ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور ہر ایک نے اس دعا کو دنیا میں خرچ کر لیا اور میں نے اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے بچا کر رکھا ہے اور یہ انشاء اللہ میری امت کے ہر اس فرد کو حاصل ہوگی جو شرک سے پاک رہے گا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۴۳۵ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قرآن کریم میں ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول تلاوت فرمایا : رب انہن اضلن اور عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول تلاوت فرمایا : اے اللہ اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو غالب اور حکیم ہے، پھر آپ نے ہاتھ بلند کیے اور فرمایا۔ ”اے اللہ! میری امت، میری امت“ پھر آپ پر گریہ طاری ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے جبرائیل! محمد کے پاس جاؤ اور پوچھو (حالانکہ وہ خوب جانتا ہے) ”کیوں روتے ہو“ پھر جبرائیل آپ کے پاس آئے اور آپ سے دریافت کیا، رسول اکرم ﷺ نے انہیں خبر دی پھر جبرائیل نے جا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا حالانکہ وہ خوب جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو حضور ﷺ کے پاس بھیجا اور فرمایا جا کر کہو۔ ”ہم تم کو تمہاری امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔“ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۴۳۵ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ کے چچا ابوطالب کا ذکر کیا گیا آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری شفاعت سے اس کو فائدہ پہنچے گا۔ (عذاب میں تخفیف ہوگی) (جامع ترمذی ص ۳۵۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کی شفاعت کروں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے ایک شخص (اولیں قرنی یا عثمان) کی شفاعت کے سبب سے بنو تمیم کے

لو سے نہان لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

حضرت یوسف خدای علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے کچھ لوگ ایک گروہ کی شفاعت کریں گے کچھ ایک قبیلہ کی کچھ ایک جماعت کی اور کچھ ایک شخص کی حتیٰ کہ وہ سب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (جامع ترمذی ص ۳۵۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میرے پاس اللہ کا پیغام آیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ اللہ میری آدمی امت کو جنت میں داخل کر دے یا میں شفاعت کروں۔ میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا اور یہ شفاعت ہر اس مسلمان کو حاصل ہوگی جو شرک پر نہیں مے گا۔

(جامع ترمذی ص ۳۵۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے جس شخص کے دو پیش رو (فوت شدہ کم سن بچے) ہوں وہ اس شخص کو جنت میں لے جائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا آپ کی امت میں سے جس شخص کا ایک پیش رو ہو؟ فرمایا: اے صاحبہ خیرات! اس کو وہ ایک پیش رو ہی لے جائے گا۔ عرض کیا جس کا کوئی پیش رو نہ ہو؟ فرمایا: ”جس کا کوئی نہیں ہو گا اس کا ”میں“ ہوں گا کیونکہ میری امت کو میری جدائی سے بڑھ کر کسی کی جدائی سے تکلیف نہیں پہنچی۔ (جامع ترمذی ص ۱۷۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

لام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم موزن سے اذان سنو تو وہ کلمات دہر لو پھر مجھ پر دود شریف پڑھو، کیونکہ جو مجھ پر ایک صلوٰۃ بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوٰات نازل فرماتا ہے۔ پھر میرے لیے وسیلہ (مقام رفیع) کی دعا کرو، کیونکہ وہ جنت میں ایک مرتبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں گا، جس شخص نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی ۷۵ ۷۴)

لام دار قطنی روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۷۸، مطبوعہ نشر النہد ملتان)

وَإِذْ نَجَّيْكُمْ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ

اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی جو تم کو بدترین عذاب پہناتے تھے،

يَذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ

تہا کے جیوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے

رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۵۹﴾ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ

عظیم آزمائش تھی ○ اور جب ہم نے تمہارے لیے سبز کو چیر دیا، پھر ہم نے تم کو نجات دی اور ہم نے آل

فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۶۰﴾ وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً

فرعون (فرعون اور اس کے متبعین) کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے ○ اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا،

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَيْنِ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا

پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنالیا ○ اور تم ظالم تھے ○ پھر اس کے بعد ہم نے تم کو معاف

عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۶۲﴾ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَىٰ

کیا تاکہ تم (بھلا) ○ شکر ادا کرو ○ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور

الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۶۳﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ

حق اور باطل میں فرق کرنے والا (معجزہ) دیا، تاکہ تم ہدایت پاؤ ○ اور جب موسیٰ نے اپنی امت سے کہا:

يَقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ

اے میری قوم بے شک تم نے بچھڑے کو (معبود) بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، پس تم اپنے پیدا کرنے والے

بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ﴿۶۴﴾

کی طرف توبہ کرو سو تم ایک دوسرے کو قتل کرو، تمہارے خالق کے نزدیک یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے تو اس نے

فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۶۵﴾

تمہاری توبہ قبول فرمائی، بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا ○ بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

بنو اسرائیل پر فرعون کے عذاب کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی جو تم کو بدترین عذاب پہنچاتے تھے۔

سورہ بقرہ کی آیت : ۴۹ سے لے کر آیت ۶۰ تک اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل پر کی گئی دس نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے، ان

میں پہلی نعمت بنو اسرائیل کو فرعون کے مظالم اور اس کے عذاب سے نجات عطا فرمانا ہے۔

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں :

لام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ فرعون بنو اسرائیل کو عذاب دیتا تھا ان سے طرح طرح کے کام لیتا تھا، بعض سے کھانا، بعض سے کاشتکاری کراتا، بعض سے مزدوری لیتا اور جن سے کوئی کام نہ لیتا ان سے جزیہ لیتا تھا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

سدی نے بیان کیا ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نمودار ہوئی اور مصر کے مکانات کو لپیٹ میں لیتی ہوئی آئی اور قبطیوں کو جلاؤ والا اور بنو اسرائیل کو چھوڑ دیا، اس نے جلو گروں اور کاہنوں کو بلایا اور اس خواب کی تعبیر معلوم کی، انہوں نے کہا جس شہر سے بنو اسرائیل آئے ہیں یعنی بیت المقدس سے، وہاں ایک شخص پیدا ہو گا جس کے ہاتھ سے مصر کے لوگ مارے جائیں گے، تب فرعون نے یہ حکم دیا کہ بنو اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور جو لڑکی پیدا ہو اس کو چھوڑ دیا جائے اور اس نے قبطیوں سے کہا تمہارے جو غلام باہر کام کرتے ہیں ان کو بلا لو اور ان کی جگہ بنو اسرائیل سے کام لو اور ان سے بچ لو اور رذیل کام لو، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضِيعُ طَائِفَةً مِنْهُمْ يَتَّبِعُ أَبْنَاءَ هُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ (القصص : ۴)

بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس نے (اپنے) اہل زمین میں الگ الگ گروہ کر کے ان میں ایک گروہ (بنو اسرائیل) کو کنزور کر رکھا تھا، ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو

زندہ چھوڑ دیتا۔

بنو اسرائیل کے بیٹے مارے جا رہے تھے، اور بنو اسرائیل کے بوڑھے قضاء الہی سے مر رہے تھے ان میں سے کوئی بچہ بچا نہیں ہوتا تھا تب قبطیوں نے کہا کہ بنو اسرائیل کے بچے بڑے نہیں ہو رہے اور بوڑھے مر رہے ہیں، اس طرح ان میں کوئی موبقی نہیں رہے گا پھر ہمارے کام کون کرے گا، تب فرعون نے یہ حکم دیا کہ ایک سل بنو اسرائیل کے بیٹے ذبح کر دیئے جائیں اور ایک سل چھوڑ دیئے جائیں، جس سل وہ ذبح نہیں کرتے تھے اس سل حضرت ہارون پیدا ہوئے اور ان کو چھوڑ دیا گیا اور جس سل بچوں کو ذبح کیا جاتا تھا اس سل حضرت موسیٰ پیدا ہوئے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۱۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

فرعون کا نام

فرعون مصر کے بلشلہ کالقب ہے جیسے روم کے بلشلہ کالقب قیصر ہے اور فارس کے بلشلہ کالقب کسریٰ ہے اور یمن کے بلشلہ کالقب تیج ہے اور حبشہ کے بلشلہ کالقب نجاشی ہے، ترک کے بلشلہ کالقب خاقان ہے، مسلمانوں کے بلشلہ کا لقب سلطان، ہندوؤں کے بلشلہ کالقب راجا اور انگلستان کے بلشلہ کالقب جارج ہے، فرعون کا لفظ جمع اور علیت کی وجہ سے غیر خالص ہے۔

لام ابن جریر طبری نے لام ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرآن میں جس فرعون کا ذکر ہے اس کا نام ولید

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

بن معصب بن الریان تھا۔

کل کانوی متقی

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں :

کسی شخص کے اصل (یعنی) اور اس کے محل (ولاد) کو اس شخص کی آل کہتے ہیں، اور اس شخص کے متبعین اور

احباء کو بھی آل کہتے ہیں حدیث میں ہے مسلمان ہمارے آل بیت سے ہے قرآن مجید میں ہے کذاب آل فرعون اس میں آل فرعون سے مراد اس کے متبعین ہیں، اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے ”صدقہ محمد اور آل محمد کے لیے جائز نہیں ہے۔“ امام شافعی نے کہا اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کی آل ہی وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور صدقہ کے بدلہ میں ان کو خمس دیا گیا، اور یہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب ہیں نبی ﷺ سے پوچھا گیا آپ کی آل کون ہیں؟ فرمایا : آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا آل محمد کون ہیں تو آپ نے فرمایا ہر تقی (متقی)۔

آل کا استعمال غالباً ”اشراف میں ہوتا ہے اس لیے آل اسکاف (موجیوں کی آل) نہیں کہا جائے گا اگرچہ اہل اسکاف کہا جاتا ہے، نیز اس کی اضافت اعلام نامتین کی طرف ہوتی ہے نکرہ زمان اور مکان کی طرف اس کی اضافت نہیں ہوتی اس لیے آل رجل، آل زمان یا آل مکان نہیں کہا جائے گا اس کی اصل اہل ہے اور اس کی تصغیر اہل آتی ہے۔

(تاج العروس ج ۷ ص ۲۲۱، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

امام ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ آل فرعون سے مراد فرعون کے اہل دین اور اس کے متبعین ہیں۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۳۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۰۹ھ)

نبی ﷺ کی آل کے مصداق کی تحقیق

نبی ﷺ کی آل کے متعلق تین قول ہیں، آپ کے متبعین، آپ کی ازواج اور آپ کی ذریت، اور مومنین میں سے آپ کے نسبی قرابت دار اور یہ آل علی، آل جعفر، آل عقیل، آل عباس اور آل حارث بن عبد المطلب ہیں۔ (بدلیہ اولین ص ۲۰۶)

آل سے آپ کے متبعین ہونے پر دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہل آل فرعون کا لفظ آیا ہے اس سے فرعون کے متبعین اور اس کے اہل دین مراد ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام سے ان کے بیٹے کے متعلق فرمایا :

إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ نَعْلَمُ
بے شک وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے، بے شک اس کے عمل نیک نہیں ہیں۔ (ہود : ۳۶)

یہی وجہ ہے کہ ابو جہل اور ابولہب کو آپ کی آل اور اہل نہیں قرار دیا جاتا حالانکہ آپ کے اور ان کے درمیان نسبی قرابت داری ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بہ آواز بلند فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سنو فلاں شخص کی آل میرے ولی نہیں ہیں میرا ولی اللہ ہے اور نیک مومن میرے ولی ہیں۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۵، مطبوعہ مطبع نور محمد اصح الطالعی کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطالعی کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ امام عبد الرزاق سے روایت کرتے ہیں :

ایک شخص نے ثوری سے پوچھا آل محمد کون ہیں؟ ثوری نے کہا اس میں لوگوں کا اختلاف ہے، بعض نے کہا اہل بیت

ہیں کہ جس نے کہا جو آپ کی اطاعت کرے اور آپ کی سنت پر عمل کرے وہ آپ کی آل ہے، امام بیہقی نے کہا امام عبد الرزاق کا بھی یہی قول ہے اور یہی رائے حق کے مشابہ ہے، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح سے فرمایا کہ ”کشتی میں ہر جوڑے میں سے دو کو اور اپنے اہل کو سوار کرو“ حضرت نوح نے عرض کیا میرا بیٹا بھی میرے اہل سے ہے، تیرا وعدہ حق ہے اور تو احکم الحاکمین ہے فرمایا اے نوح بے شک تمہارا بیٹا تمہارے اہل سے نہیں ہے اس کے عمل نیک نہیں ہیں۔“ اللہ تعالیٰ نے شرک کی وجہ سے حضرت نوح کے بیٹے کو ان کے اہل سے نکل دیا۔

(سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲-۱۵۱، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

نیز امام بیہقی روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا محمد ﷺ کی آل آپ کی امت ہے۔
(سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ آل محمد (ﷺ) کون ہیں فرمایا ہر متقی شخص۔
(معجم الصغیر ج ۱ ص ۸۵، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ)

حافظ البیہقی نے اس حدیث کو درج کر کے لکھا ہے اس میں نوح بن ابی مریم ایک ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۶۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام بیہقی نے اس حدیث کو ایک اور سند سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں ابو ہریرہ بصری ایک ضعیف راوی ہے۔
(سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

قاضی عیاض مالکی نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔
(الشفاء ج ۲ ص ۶۶، مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام ابن مردودہ، طبرانی اور بیہقی کے حوالوں سے اپنی تفسیر میں درج کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۳ ص ۱۸۳، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

ہر چند کہ اس حدیث کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے لیکن یہ تعدد اسناد کی وجہ سے حسن وغیرہ ہو گئی اور فضائل اور مناقب میں حدیث ضعیف کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے۔ نیز اس حدیث کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن ابی لؤئی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ کے پاس لوگ اپنے اپنے صدقات لے کر آتے تو آپ فرماتے اے اللہ آل فلاں پر صلوٰۃ نازل فرما، سو میرے والد آپ کے پاس اپنا صدقہ لے کر آئے تو آپ نے فرمایا : اے اللہ کل ابی لؤئی پر صلوٰۃ نازل فرما۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی ۱۳۸۸ھ)
اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کی آل پر صلوٰۃ پڑھی جاتی ہے اور آپ کا آل ابی لؤئی پر صلوٰۃ پڑھنا اس کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ بھی آپ کی آل میں ہیں۔

نیز امام حاکم روایت کرتے ہیں :

حضرت مصعب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیک مسلمان ہمارے اہل بیت سے ہیں۔

(المستدرک ج ۳ ص ۵۸، مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ)

اس حدیث میں بھی اس پر دلالت ہے کہ نبی ﷺ کا ہر قبیح اور صلح مومن آپ کی آل سے ہے۔
آل کے متعلق دو سراقول ہے نبی ﷺ کی ذریت اور آپ کی ازواج اس کی دلیل یہ حدیث ہے : امام مسلم روایت کرتے ہیں :

ابو حمید سلمیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ پر کس طرح صلوٰۃ پڑھیں آپ نے فرمایا تم کو اے اللہ محمد پر صلوٰۃ نازل فرما اور آپ کی ازواج اور آپ کی ذریت پر جیسا کہ تو نے آل ابراہیم پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۴۵ھ)

اس حدیث میں آپ نے آل کی جگہ ازواج اور ذریت کا ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی ازواج اور آپ کی ذریت بھی آپ کی آل ہیں۔

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ نبی ﷺ کی آل کون ہیں؟ ازہری اور دیگر محققین کا مختار یہ ہے کہ تمام امت آپ کی آل ہے، دو سراقول یہ ہے کہ اس سے مراد بنو ہاشم اور بنو المطلب ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نبی ﷺ کی اہل بیت (ازواج) اور آپ کی ذریت ہے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۴۵ھ)
آل کے متعلق تیسرا قول ہے مومنین میں سے نبی ﷺ کے نسبی قرابت دار، یعنی بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب آپ کی آل ہیں اس پر دلیل یہ حدیث ہے : امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے صدقہ کی ایک کھجور اپنے منہ میں رکھ لی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھوڑو، چھوڑو، اس کو پھینک دو، کیا تم کو علم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۳-۳۳۴، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۴۵ھ)

حضرت عبد اللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ صدقات لوگوں کا میل ہیں، یہ محمد اور آل محمد ﷺ کے لیے حلال نہیں ہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۵-۳۳۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۴۵ھ)
بنو اسرائیل کے لیے سمندر چیرنے کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو چیر دیا پھر ہم نے تم کو نجات دی۔

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں :

عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں، جب حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کو لے کر مصر سے جانے لگے تو فرعون کو اس کی خبر پہنچ گئی، اس نے کہا ابھی رہنے دو صبح مرغ کی اذان کے ساتھ ان کا پیچھا کریں گے، اس رات مرغ نے اذان نہیں دی، جب صبح ہوئی تو فرعون نے ایک بکری ذبح کرائی اور کہا جب میں اس کی کلیجی کھانے سے فارغ ہوں تو یہاں چھ لاکھ قبیل جمع ہو جائیں، پھر چھ لاکھ قبیلوں کے ساتھ فرعون نے بنو اسرائیل کا پیچھا کیا، اور حضرت موسیٰ جب سمندر کے کنارے پہنچے تو ان کے اصحاب میں سے یوشع بن نون نے کہا اے موسیٰ آپ کو آپ کے رب نے کس طرف سے نکلنے کا حکم دیا تھا، حضرت موسیٰ نے اپنے سامنے سمندر کی طرف اشارہ کیا۔ یوشع نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا حتیٰ کہ جب وہ سمندر کی گہرائی میں پہنچا تو پھر لوٹ آئے اور پھر پوچھا کہ آپ کے رب نے کہاں سے نکلنے کا حکم دیا تھا، تین بار اس طرح ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت

موسیٰ کی طرف یہ وحی کی کہ اپنے عسا کو سمندر پر ملائیں، جب حضرت موسیٰ نے سمندر پر عسا مارا تو وہ بارہ حصوں میں منقسم ہو کر پھٹ گیا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کے بارہ گروہوں کے ساتھ اس سے پار گزر گئے، بعد میں جب فرعون اور اس کے ساتھ قبلی اس سے گزرنے لگے تو سمندر آپس میں مل گیا اور فرعون اور قبلی غرق ہو گئے۔ یہ سمندر بحر قلزم تھا، قلزم نے کہا ہے کہ بنو اسرائیل چھ لاکھ تھے اور قبلی بارہ لاکھ تھے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۱۸-۲۱۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام و نسب کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا، پھر اس کے بعد تم نے پھڑپھڑے کو معبود بنالیا۔

لام رازی لکھتے ہیں :

لفظ موسیٰ عبرانی زبان کا لفظ ہے، اور دو کلموں سے مل کر بنا ہے، 'مو' کا معنی ہے پانی اور 'سا' کا معنی ہے درخت، حضرت موسیٰ کو ان کی ماں نے فرعون کے خوف سے تہوت میں رکھ دیا تھا اور اس تہوت کو سمندر میں ڈال دیا سمندر کی موجیں اس تہوت کو فرعون کے گھر کے قریب درختوں کے جھنڈ میں لے آئیں، فرعون کی بیوی آسیہ کو وہ تہوت ملا، اس نے اس تہوت سے بچہ نکل لیا اور چونکہ یہ بچہ اسے پانی اور درختوں میں ملا تھا تو اس جگہ کی مناسبت سے اس کا نام موسیٰ رکھ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام و نسب یہ ہے : موسیٰ بن عمران بن - لصر بن قاعث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۸ھ)

تورات کا نزول اور بنو اسرائیل کی گوسالہ پرستی

لام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

لام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر دیا اور حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کو اس سے نجات دے دی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا، پھر ان کو دس مزید راتوں سے پورا کیا۔ ان راتوں میں حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے ملاقات کی، اور حضرت ہارون کو بنو اسرائیل پر خلیفہ بنایا، اور کہا میں اپنے رب کے پاس جلدی میں جا رہا ہوں، تم میرے خلیفہ بنو، اور مفسدوں کی پیروی نہ کرنا، حضرت موسیٰ اپنے رب سے ملاقات کے شوق میں جلدی چلے گئے، حضرت ہارون قائم مقام ہوئے اور سامری بھی ان کے ساتھ رہا۔

ابو العلیہ نے بیان کیا ہے یہ مدت ایک ماہ ذوالحجہ اور دس دن ذوالحجہ کے تھے، اس مدت میں حضرت موسیٰ اپنے اصحاب کو چھوڑ کر چلے گئے اور حضرت ہارون کو ان پر خلیفہ بنایا اور طور پر چالیس راتیں ٹھہرے اور ان پر زمو کی الواح میں تورات منزل کی گئی، اللہ تعالیٰ نے ان کو قریب کر کے سرگوشی کی اور ان سے ہم کلام ہوا، اور حضرت موسیٰ نے قلم کے چلنے کی توانائی، اور ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ ان چالیس راتوں میں وہ بے وضو نہیں ہوئے حتیٰ کہ طور سے واپس آئے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۲۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

لام رازی لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے جب فرعون کو غرق کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تورات کے نازل کرنے کا وعدہ فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون کو خلیفہ بنا کر طور پر چلے گئے، بنو اسرائیل کے پاس قبیلوں کے وہ کپڑے اور زبورات تھے جو

آنے سے پہلے قبیلوں سے انہوں نے عاریتہ لے لیے تھے، حضرت ہارون علیہ السلام نے ان سے فرمایا یہ کپڑے اور زیورات تمہارے لیے جائز نہیں ہیں ان کو جلا دو، انہوں نے ان کو جمع کر کے آگ لگا دی، جب حضرت موسیٰ سمندر میں جا رہے تھے تو سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ایک گھوڑی پر جاتے ہوئے دیکھا تھا، اس نے اس گھوڑی کے سم کے نیچے سے خاک کی ایک مٹھی اٹھالی تھی، سامری کے پاس جو سونا اور چاندی تھی اس نے اس کو پگھلا کر اس کا ایک پھڑا بنالیا اور اس میں وہ مٹی ڈال دی، اس کے اثر سے اس مجسمہ سے پھڑے کی سی آواز نکلنے لگی، پھر سامری نے بنو اسرائیل سے کہا یہ تمہارا اور حضرت موسیٰ کا خدا ہے اور وہ قوم اس گنوسلہ کی پرستش کرنے لگی، حضرت ہارون اور بارہ ہزار دیگر افراد کے علاوہ سب نے گنوسلہ پرستی کی۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۴۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان دی۔

کتاب سے مراد تورات ہے اور اس کے نزول کا واقعہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے، اور فرقان سے مراد حضرت موسیٰ کے معجزات ہیں، جن میں عصا تھا، اور ید بیضا، اور بھی کئی معجزات تھے جن کو نو آیات بینات سے تعبیر فرمایا ہے، ان سب کی تفصیل انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔

بنو اسرائیل کی قبولیت توبہ کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ نے اپنی امت سے کہا: اے میری امت بے شک تم نے پھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اس آیت کے پس منظر اور پیش منظر کو اللہ تعالیٰ نے سورہ طہ میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے، اس کا ترجمہ اس طرح ہے: (ہم نے طور پر موسیٰ سے فرمایا:) اے موسیٰ آپ نے لوگوں کو چھوڑ کر آنے میں کیوں جلدی کی؟ حضرت موسیٰ نے کہا وہ لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں، اور اے میرے رب! میں تجھے راضی کرنے کے لیے تیری بارگاہ میں جلدی حاضر ہوا، فرمایا ہم نے آپ کے بعد آپ کی امت کو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا، سو حضرت موسیٰ نہایت غم و غصہ کی حالت میں واپس ہوئے، اور فرمایا میری امت کیا تم سے تمہارے رب نے (تورات عطا کرنے کا) اچھا وعدہ نہیں کیا تھا۔ پھر کیا تم پر بہت طویل مدت گزر گئی تھی، یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو کیونکہ تم نے میرے وعدہ کی خلاف ورزی کی ہے، انہوں نے کہا ہم نے اپنے اختیار سے آپ سے وعدہ خلافی نہیں کی، لیکن ہم پر قوم فرعون کے بھاری زیور کا بوجھ تھا۔ ہم نے ان زیورات کو آگ میں ڈال دیا اور سامری نے بھی اپنے حصہ کے زیورات کو آگ میں ڈال دیا، پھر اس نے ان کے لیے پھڑے کا بے جان جسم نکالا جو نیل کی سی آواز نکالتا تھا، لوگوں نے کہا یہی موسیٰ کا معبود ہے اور تمہارا معبود ہے۔ موسیٰ تو بھول گئے، کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ وہ پھڑا تو ان کی کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا تھا اور نہ وہ ان کے لیے کسی نفع اور نقصان کا مالک تھا، اور بے شک ہارون نے پہلے ہی ان سے کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم اس پھڑے کے ذریعہ تم آزمائش میں ڈالے گئے ہو، اور بے شک تمہارا رب رحمن ہے سو تم میری اتباع کرو اور میرا کہا مانو، انہوں نے کہا ہم تو اسی کی پوجا پر جے رہیں گے جب تک کہ موسیٰ ہمارے پاس لوٹ کر نہ آئیں (موسیٰ نے واپس آکر) کہا اے ہارون جب آپ نے انہیں گمراہ ہوتے ہوئے دیکھا تو آپ کو کیا چیز مانع تھی کہ آپ نے میری اتباع نہ کی کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟ (ہارون نے) کہا اے میری ماں کے بیٹے! میری ڈاڑھی اور میرے سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیے بے شک مجھے یہ ڈر تھا کہ (اگر میں نے ان کو سختی سے روکا) تو آپ کہیں گے کہ تم نے

اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی، اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا، (موسیٰ نے سامری سے) فرمایا اے سامری! تیرا کیا بیان ہے؟ اس نے کہا میں نے وہ چیز دیکھی جو دو سروں نے نہ دیکھی تھی (مجھے گھوڑی پر جبرائیل سوار نظر آئے) تو میں نے رسول (جبرائیل) کی سواری کے نقش قدم (کی مٹی) سے ایک مٹھی بھری، پھر میں نے اس کو (پچھڑے کے مجسمہ میں) ڈال دیا اور میرے دل میں اسی طرح بات آئی تھی، فرمایا تو (اب) دفع ہو جا، بے شک اب زندگی بھر تیری یہ سزا ہے کہ تو کھتا پھرے کہ (خجوار مجھے) نہ چھوٹا، اور تیرے لیے (عذاب کا) وعدہ ہے جو ہرگز تجھ سے نہیں ملے گا، اور اپنے اس معبود کو دیکھ جس کی پوجا میں تو جما بیٹھا تھا، ہم اس کو ضرور جلا کر بھسم کر دیں گے، پھر اس (کی راکھ) کو (اڑا کر) دریا میں بہا دیں گے۔ تمہارا معبود صرف لٹہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جس نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر لیا۔ اسی طرح ہم آپ کو گذشتہ واقعات کی خبریں بیان فرماتے ہیں اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ذکر (قرآن) عطا فرمایا ہے۔ (طہ : ۹۹-۸۳)

لام ابن جریر طبری لکھتے ہیں :

سدی نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اس گنوسلہ کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور اس کو جلا کر اس کے ذرات کو سمندر میں بہا دیا پھر حضرت موسیٰ نے فرمایا اس سمندر سے پانی پو تو جو اس پچھڑے سے محبت کرتا تھا اس کی مونچھوں پر اس سونے کے ذرات لگ گئے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "ان کے کفر کی وجہ سے پچھڑا ان کے دلوں میں پلایا گیا تھا۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد جب بنو اسرائیل کو اپنی گمراہی کا یقین ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم پر ہمارا رب رحم نہ فرمائے اور ہماری مغفرت نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔ "اللہ تعالیٰ نے اسی حل میں بنو اسرائیل کی توبہ قبول کرنے سے انکار کر دیا پس موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا اے میری امت! تم نے پچھڑے کی عبادت کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، تم اپنے خالق کی طرف توبہ کرو اور تم ایک دوسرے کو قتل کرو پھر انہوں نے دو صفیں بنائیں۔ ایک صف میں پچھڑے کی عبادت کرنے والے کھڑے ہوئے اور دوسری صف میں وہ کھڑے ہوئے جنہوں نے پچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی اور انہوں نے گنوسلہ پرستوں کو قتل کیا اور ستر ہزار افراد قتل کر دیئے گئے۔ پھر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے دعا کی کہ اے رب اس طرح تو سارے بنو اسرائیل ہلاک ہو جائیں گے اے رب بقیہ کو معاف فرما دے۔ تب انہیں ہتھیار بھینکنے کا حکم دیا، جو قتل ہو گئے وہ شہید قرار پائے اور جو بچ گئے ان کا کفارہ ہو چکا تھا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۲۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۰۹ھ)

یہ بنو اسرائیل کی توبہ تھی اور ہمارے لیے توبہ یہ ہے کہ گناہوں پر اشک نہ امت بہائیں گناہ کو فوراً ترک کر دیں اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر لیں کہ دوبارہ اس گناہ کو نہیں کریں گے اور اس گناہ کے ذریعہ جو حق ضائع ہوا ہے اس کی تلافی کر لیں۔

☆☆☆

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ وہ مجسمہ گوشت پوست اور ہڈیوں میں تبدیل ہو گیا تھا حضرت موسیٰ نے اس کو ذبح کر کے جلا دیا، اور بعض نے کہا وہ اسی طرح سونے اور چاندی کا مجسمہ تھا اس کو آلات سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ریزہ ریزہ کر دیا۔ منہ

لام ابن جریر نے لکھا ہے کہ ستر ہزار افراد بلامتیاز قتل کئے گئے اور علامہ خازن نے لکھا ہے کہ بری نے مجرم کو قتل کیا۔ (خازن ج ۱ ص ۵۵) منہ

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرٰى اللّٰهَ جَهْرَةً

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم آپ پر ہر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہم اللہ کو اپنے سامنے دیکھ لیں، سورہ

فَاَخَذَتْكُمْ الصُّعْقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِ

کو ایک کوک نے پڑ لیا اور تم (اس منظر کو) دیکھ رہے تھے ۵۵ پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا

مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا

تاکہ تم شکر ادا کرو ۵۶ اور ہم نے تم پر بادل کو سایہ نکلن کیا اور تم پر

عَلَيْكُمْ الْمَنَّانِ وَالسَّلٰوٰى كُلُّوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ط

من اور سلویٰ کو نازل کیا ہم نے تم کو جو پاک چیزیں دی ہیں ان سے کھاؤ اور ہماری نعم مندولی کر کے

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذْ قُلْنَا

انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا، البتہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ۵۷ اور جب ہم نے کہا

ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ

اس شہر میں داخل ہو اور اس میں تم جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ، اور دروازہ میں

ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُولُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْئَتَكُمْ ط

جھکتے ہوئے داخل ہونا اور یہ کہو حطہ (توہمتوں کا گناہ معاف فرما) تو ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور عنقریب نیکی

وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَدِرَ

کرنے والوں کو زیادہ اجر دیں گے ۵۸ سو جو قول کہنے کے لیے ان سے کہا گیا تھا اس کو ظالموں نے بدل دیا

الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزِلْنَا عَلٰى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنْ

پس ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا

السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

کیونکہ وہ فسق کرتے تھے ۵۹

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معذرت کے لیے ستر بنو اسرائیل کو طور پر لے جانا
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔
 لام محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

لام محمد بن احق نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ اپنی قوم کی طرف لوٹے اور چھڑے کی عبلت کرنے پر
 بنو اسرائیل کو طاعت کی اور چھڑے کو جلا کر اس کے ذرات کو سمندر میں ڈال دیا پھر حضرت موسیٰ نے اپنی امت میں سے
 انتہائی نیک افراد جن کی تعداد ستر تھی سے فرمایا تم میرے ساتھ اللہ سے ملاقات کے لیے چلو اور اپنی اس گنواہ پرستی پر اللہ
 تعالیٰ سے معذرت کرو جب حضرت موسیٰ ان کو لے کر پہاڑ طور پر گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ اپنے رب
 سے یہ سوال کریں کہ ہم بھی اپنے رب کا کلام سن لیں! حضرت موسیٰ نے فرمایا اچھا! حضرت موسیٰ جب پہاڑ کے قریب پہنچے
 تو ایک بلبل آیا اور اس نے پورے پہاڑ کو ڈھانپ لیا حضرت موسیٰ اس بلبل میں داخل ہو گئے اور قوم سے کہا تم قریب آ
 جاؤ! جب حضرت موسیٰ اپنے رب سے ہم کلام ہوتے تو ان کی پیشانی پر بہت چمکدار نور ظاہر ہوتا جس کو دیکھنے کی کوئی انسان
 تاب نہیں لاسکتا تھا تو وہ اپنی پیشانی پر نقاب ڈال لیتے تھے جب قوم اس بلبل کے اندر داخل ہوئی تو سجدہ میں گر گئی! حضرت
 موسیٰ اللہ تعالیٰ سے کلام کر رہے تھے اور وہ سن رہے تھے جب موسیٰ علیہ السلام فارغ ہوئے اور بلبل چھٹ گیا تو یہ لوگ
 حضرت موسیٰ سے کہنے لگے ہم ہرگز اللہ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو بالکل ظاہر عیاں اور بیاں دیکھ نہ لیں!
 اسی وقت ان پر بجلی کی ایک کڑک آپڑی اور وہ سب مر گئے! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور عرض کیا
 اے اللہ اگر تو چاہتا تو ان کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا! جب میں اپنی قوم کے پاس جاؤں گا تو میری کیسے تصدیق کریں گے کہ وہ
 کڑک سے ہلاک ہو گئے اور آئندہ مجھ پر کب اعتماد کریں گے! حضرت موسیٰ علیہ السلام مسلسل دعا کرتے رہے! بلاخر اللہ
 تعالیٰ نے ان میں روحیں لوٹا دیں! پھر بنو اسرائیل نے جو چھڑے کی پرستش کی تھی اس پر توبہ کی مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب
 تک کہ یہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے! اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۳۲-۲۳۱، مطبوعہ دارالعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کے دیدار کو طلب کرنا جائز ہے لیکن بنو اسرائیل نے چونکہ سرکشی اور عناد سے دیدار کو طلب کیا تھا اس
 لیے ان کو بجلی کی کڑک کا عذاب ہوا۔ اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز ہے اور آخرت میں مسلمان اللہ تعالیٰ کا
 دیدار کریں گے، معجزہ اس کے منکر ہیں، سورہ اعراف : ۴۳ میں ان شاء اللہ اس کی مفصل بحث آئے گی۔

ستر اسرائیلیوں کا دوبارہ زندہ ہونا ان کے مکلف ہونے کے مثالی نہیں
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں زندہ کیا۔

ایک سول یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے :

قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا اِثْنَيْنِ وَاَخْبَيْنَا اِثْنَيْنِ وَه كَيْسَ كَيْسَ كَيْسَ كَيْسَ رَبُّ تَوْنِ هَمِيں دُہار موت دی لور دُہ
 (المومن : ۸) ہر تونے ہمیں زندہ فرمایا۔

پہلے انسان بے جان مٹی کی صورت میں یا بے جان نطفہ کی صورت میں تھا پھر اس کو زندہ کیا پھر اس پر طبعی موت
 آئی اور اس کو پھر آخرت میں زندہ کیا اس طرح ہر انسان کے لیے دو موتیں اور دو حیاتیں ہیں اور بنو اسرائیل کے لیے

تین موتیں اور تین حیاتیں ہو گئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عام عادت جاریہ یہی ہے کہ ہر شخص پر دوبارہ موت آتی ہے لیکن کبھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے اظہار کے لیے اپنی عادت کے خلاف بھی کرتا ہے، جیسا کہ عام عادت یہ ہے کہ انسان کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کرتا ہے لیکن حضرت عیسیٰ کو بغیر مرد کے، حضرت حوا کو بغیر عورت کے اور حضرت آدم کو مرد اور عورت دونوں کے بغیر پیدا کر دیا۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جن لوگوں کی مدت عمر علم الہی میں پوری ہو چکی تھی ان کو دنیا میں دوبارہ زندگی نہیں دی جاتی، اور جن لوگوں کی مدت عمر علم الہی میں ابھی باقی تھی اور بہ طور سزا یا کسی دوسری حکمت کی وجہ سے ان پر اجل سے پہلے موت طاری کی گئی ان کو مرنے کے بعد دنیا میں دوبارہ زندگی عطا کی جاتی ہے اور ان ستر بنو اسرائیل پر موت کے بعد حیات طاری کرنا اسی قبیل سے تھا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبیوں کی دعا سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ان ستر بنو اسرائیل کو زندہ کرنے کے بعد ان کو پھر مکلف کیا گیا حالانکہ مرنے کے بعد انہوں نے احوال آخرت کو دیکھ لیا تھا اور ان پر غیب مشہد ہو چکا تھا، اور اگر ان کو مکلف کرنا جائز ہے تو عام لوگوں کو مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ مکلف کرنا کیوں جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دوبارہ مکلف نہ کرنے کی وجہ صرف مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان احوال آخرت کا مشاہدہ کر لیتا ہے، جنت کی راحت یا دوزخ کے عذاب کو جان لیتا ہے اور اب آخرت پر ایمان اس کے نزدیک بدیہی اور ضروری ہو جاتا ہے اور اس میں عقل کی آزمائش اور امتحان کا کوئی دخل نہیں رہتا، اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ ان ستر بنو اسرائیل نے مرنے کے بعد احوال آخرت کا مشاہدہ نہ کیا ہو اور عام لوگوں پر موت کے بعد جو واردات مرتب ہوتی ہیں وہ ان پر مرتب نہ ہوئی ہوں۔ اس لیے ان کو دوبارہ مکلف کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بنو اسرائیل کی خصوصیت ہو کیونکہ بنو اسرائیل کو ایسی نشانیاں دکھائی گئیں جن کے بعد عقل کی آزمائش کا دخل نہیں رہتا اس کے باوجود ان کو مکلف کیا گیا، مثلاً انہوں نے دیکھا کہ پہاڑ ان کے اوپر ہوا میں معلق ہو گیا ہے، اسی طرح چالیس سال تک بادل کا ان پر سایہ کرنا، ان پر من اور سلویٰ کا نازل ہونا، نیز حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے بھی عذاب کے آثار دیکھ لیے تھے اور اس کے بعد وہ ایمان لائے تھے۔

میدان تہ میں بنو اسرائیل کی سرگرداگی کا پس منظر و پیش منظر اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ہم نے تم پر بادل کو سایہ لگن کیا اور تم پر من اور سلویٰ کو نازل کیا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

بنو اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ جبارین کے شہر میں داخل ہوں اور ان کے خلاف جہاد کریں، انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ اور آپ کا رب ان سے جنگ کریں ہم بیٹھے رہیں گے، ان کی اس گستاخی کی سزا کے طور پر ان کو میدان تہ میں چالیس سال تک سرگرداں رکھا گیا، میدان تہ مصر اور شام کے درمیان پانچ چھ فرسخ (ایک فرسخ تین شرعی میل کا ہوتا ہے) کا ایک وسیع و عریض میدان ہے۔ اس کی تفصیل اور پس منظر اس طرح ہے :

بنی اسرائیل کا اصل وطن ملک شام تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں یہ لوگ مصر آکر مقیم ہوئے۔ فرعون مصر کی غلامی کا دور بھی ان لوگوں نے مصر میں گزارا بالاخر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے انہیں نجات عطا

فرعون سمند میں فرق ہوا اور بنی اسرائیل نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس دوران ملک شام پر قوم عماقہ قابض ہو چکی تھی۔ فرعون کی فطالی سے نجات حاصل کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ عماقہ سے جہلو کر کے ان سے اپنا وطن آزلو کرائیں۔ بنی اسرائیل جہلو کے لیے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے، جب یہ عماقہ کی حدود کے قریب پہنچے تو ان کی قوت اور طاقت کا حال سن کر ہمت ہار بیٹھے اور جہلو سے منہ موڑ کر واپس لوٹے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جرم کی سزایوں دی کہ وہ اپنے گھروں تک واپس نہ پہنچ سکے اور چالیس برس تک ولوی تہ میں حیران و پریشان گھومتے رہے، بنی اسرائیل اپنے گھروں تک جانے کی فکر میں دن بھر سفر کرتے۔ رات بسر کرنے کے بعد صبح کو اپنے آپ کو وہیں پاتے جہلو سے گزشتہ صبح انہوں نے سفر کا آغاز کیا تھا۔ اسی پریشان حالی کے عالم میں چالیس سال انہوں نے میدان تہ میں گزار دیئے۔ اس وادی میں نہ کوئی سلیہ دار درخت تھا اور نہ ہی کوئی عمارت، نہ پینے کے لیے پانی نہ کھانے کے لیے کوئی چیز، نہ ضروریات زندگی کے دیگر لوازمات، اس بے سروسامانی کے عالم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کے لیے سب سامان مہیا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے دھوپ سے بچلو اور سلیہ کے حصول کے لیے بابل بطور سامان نازل فرمادیا، کھانے کے لیے من و سلویٰ بھیج دیا، من و سلویٰ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں صحیح قول یہی ہے کہ من سے مراد ترنجبین ہے جو ایک نفیس شیریں ذائقہ دار مادہ تھا جو جنم کی طرح صبح کے وقت آسمان سے اترتا اور کثیر مقدار میں چھوٹے چھوٹے درختوں پر منجمد ہو جاتا تھا۔

سلویٰ کے بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں، صحیح قول یہی ہے کہ وہ شیر تھا بعض نے کہا کہ وہ بھنا ہوا اترتا تھا اور بعض کا قول ہے کہ بکثرت زندہ پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے وہ انہیں زندہ پکڑ لیتے اور ذبح کرتے تھے الغرض من و سلویٰ ان کی شیریں اور نمکین غذائیں تھیں جنہیں کھاتے تھے حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پتھر پر عصا مارا اور اس سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ تاریکی دور کرنے کے لیے عمودی شکل میں ایک روشنی ظاہر ہو جاتی تھی۔ لباس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ اس طرح دکھایا کہ نہ ان لوگوں کے کپڑے میلے ہوتے نہ پھنتے اور ان کے بچوں کے جسم کے ساتھ ساتھ بچوں کا لباس بھی بڑھتا رہتا تھا (المعجم لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۰۸-۳۰۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران) بنو اسرائیل کا حطۃ کو حنطۃ کہنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب ہم نے کہا اس شہر میں داخل ہو اور اس میں تم جہلو سے چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ اور دروازے میں جھکتے ہوئے اور حطۃ کہتے ہوئے داخل ہونا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

جمہور کے قول کے مطابق اس شہر سے مراد بیت المقدس ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اربعا ہے، ابن کیم نے کہا اس سے مراد شام ہے اور ضحاک نے کہا اس سے مراد رملہ ہے یعنی اردن اور فلسطین۔ اس آیت میں ایک اور نعمت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو میدان تہ سے نجات دی اور بیت المقدس میں داخل ہونے کا موقع عنایت فرمایا، اس کی تفصیل اس طرح ہے :

جیسا کہ پہلی آیت میں بیان فرمایا ہے بنو اسرائیل چالیس سال تک میدان تہ میں سرگرداں رہے، اس عرصہ میں پہلے حضرت ہارون کی اور پھر حضرت موسیٰ علیہما السلام کی وفات ہو گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے قوم عماقہ سے جہلو کیا اور جو بنو اسرائیل زندہ بچ گئے تھے، انہوں نے حضرت یوشع بن نون کا ساتھ دیا،

اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی اور چالیس سال بعد بنو اسرائیل کو میدان تیرہ سے نجات حاصل ہوئی، جب بیت المقدس میں فاتحانہ شان سے داخل ہونے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیت المقدس کے دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور حطہ (ہمارے گناہوں کو معاف فرما) کہتے ہوئے داخل ہونا، مگر یہ لوگ اللہ کے حکم کے برخلاف سرین کے بل ٹھٹھتے ہوئے اور حطہ یا حنطہ فی شعرة (گندم گندم ہلی میں) کہتے ہوئے داخل ہوئے، اس سے ان کی مرلویہ تھی کہ ان کو گندم چاہئے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۹۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

بنو اسرائیل پر طاعون کا عذاب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جو قول کہنے کے لیے ان سے کہا گیا تھا ان کو ظالموں نے بدل دیا پس ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

ابن زید نے بیان کیا کہ جب بنو اسرائیل سے کہا گیا کہ دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں اور وہ سرین کے بل داخل ہوئے اور حطہ کی جگہ انہوں نے حنطہ کہا تو طاعون کی وباء کی شکل میں ان پر آسمانی عذاب آیا جس سے ان کے تمام بڑے لوگ ہلاک ہو گئے اور ان کے بیٹے بچ گئے اور بنو اسرائیل میں جس فضل اور عجلت کا ذکر کیا جاتا ہے وہ ان کے بیٹوں میں تھا اور ان کے تمام آباء واجدو طاعون کی اس وباء میں ہلاک ہو گئے تھے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۳۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس طاعون سے ستر ہزار بنو اسرائیل ہلاک ہو گئے تھے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۹۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

طاعون کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

امام احمد، امام ابن جریر، امام مسلم، امام نسائی اور امام ابن ابی حاتم حضرت سعید بن مالک، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ طاعون گندگی ہے اور تم سے پہلے جن لوگوں کو عذاب دیا گیا ان کا بچا ہوا عذاب ہے، اگر کسی علاقہ میں طاعون پھیلے اور تم وہاں ہو تو تم وہاں سے مت نکلو اور اگر تم کو یہ خبر پہنچے کہ فلاں علاقہ میں طاعون ہے تو تم وہاں نہ جاؤ۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۷۲، مطبوعہ مکتبۃ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۳، مطبوعہ نور محمد اصح المصنف کراچی ۱۳۸۱ھ)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے طاعون کے متعلق دریافت کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا یہ عذاب ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اس کو بھیج دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو مومنین کے لیے رحمت بنا دیا، جس بندہ کے شہر میں طاعون واقع ہو اور وہ صبر کے ساتھ وہیں ٹھہرا رہے اور اس کا ایمان ہو کہ اس کو وہی مصیبت پہنچے گی جو اس کی تقدیر میں ہے تو اس کو ایک شہید کا اجر ہو گا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۳-۸۵۴، مطبوعہ نور محمد اصح المصنف کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا طاعون ہر مسلمان کے لیے شہادت ہے۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

لام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا : اے مساجرین کی جماعت پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہو گے (اور میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو) تو تم پر مختلف عذاب نازل ہوں گے، جب قوم علانیہ بدکاری کرنے لگے تو اس میں طاعون پھیل جاتا ہے اور ایسے درودوں والی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں جو ان سے پہلے لوگوں میں نہیں تھیں، اور جو قوم ناپ اور تول میں کمی کرتی ہے اس میں قحط سالی، سخت مشقت اور ظالم حکومت نازل کی جاتی ہے، اور جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے وہ بارش سے محروم کر دیے جاتے ہیں، اور اگر جانور نہ ہوتے تو ان پر بارش بالکل نہ ہوتی، اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے عہد شکنی کرتے ہیں، ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے جو ان کے بعض اموال کو لوٹ لیتے ہیں اور جو ائمہ اور حکمران کتب اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے وہ آپس کی جنگوں کے خوف میں مبتلا رہیں گے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۲۹۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

طاعون کے متعلق قدیم علماء اور جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق

علامہ نووی لکھتے ہیں :

طاعون جسم میں نکلنے والی گٹھلیں ہیں، یہ گٹھلیں، کینسیوں، بخلوں، ہاتھوں، انگلیوں اور سارے بدن میں نکلتی ہیں، اس کے ساتھ سوجن ہوتی ہے اور سخت درد ہوتا ہے، یہ گٹھلیں جلن کے ساتھ نکلتی ہیں اور ان کی جگہ سیاہ، سرخ یا سبز ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے طبیعت میں گھبراہٹ ہوتی ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۳۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق یہ ہے کہ طاعون کی بیماری کی اصل وجہ ایک خوردبینی جرثومہ ہے۔ سیمیا یسٹس (Yarisimiapastis) ہے، جو ایک پوسٹ نکائیزے میں پرورش کرتا ہے، یہ پوسٹ زیادہ تر چوہوں اور چوہوں کی اقسام کے جانوروں میں پائے جاتے ہیں اور یہ چوہے کی کھل کے ساتھ مضبوطی سے چپے ہوتے ہیں۔ جب یہ چوہے طاعون زدہ پوسٹ کو سوار کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں، یا مر جاتے ہیں تو پوسٹ دوسرے جانوروں یا انسانوں میں منتقل ہو جاتے ہیں اور بیماری کا باعث بنتے ہیں، بیماری زیادہ تر ان ہی پوسٹوں کے کٹنے سے جنم لیتی ہے اس کے علاوہ یہ بیماری دوسرے ذرائع سے بھی ہوتی ہے، اس میں ہوا کے ذریعے جرثومہ کی بیمار آدمی سے تندرست آدمی تک منتقلی یا جرثومہ کا کسی اور جانور میں منتقل ہونا اور بعد ازاں بیماری کی وجہ بننا شامل ہے۔

طاعون کی علامت دو طرح سے نمودار ہو سکتی ہے۔

(۱) غددی طاعون : یہ پوسٹوں کے کٹنے سے ہوتا ہے، اس میں مرض بڑھے ہوئے غددوں کے ساتھ آتا ہے، ساتھ ساتھ اس کو بخار، سر میں درد، سستی اور پیٹ کی تکلیف وغیرہ بھی ہوتی ہے، غددوں کا سائز ایک سم سے دس سم تک ہوتا ہے، یہ غدد زیادہ تر چھوٹوں کے حصہ میں پائے جاتے ہیں، اس کے علاوہ بغل اور گردن میں بھی پائے جاسکتے ہیں، یہ پھلکی کھل اور زیریں حصہ سے جڑے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ پائے جاسکتے ہیں، پھلکی کھل زیادہ تر سرخ ہو جاتی ہے،

غردوں کے ظاہر ہونے سے پہلے بخار اور کچھ طاری ہو جاتی ہے، غردوں کے ظہور کے ساتھ حمل، اپنی اور دست کی علامات بھی ہو سکتی ہیں اگر اس مرحلہ پر علاج نہ کیا جائے تو یہ جراثیم سارے جسم میں پھیل جاتے ہیں اور موت کا باعث ہوتے ہیں۔

(۲) نیونی طاعون : یہ طاعون ہوا کے ذریعہ بیمار سے تندرست میں منتقل ہوتے ہیں، اس قسم کے طاعون میں پیسہ سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور مریض میں نمونیا کی علامات ہوتی ہیں، اس میں بخار، کھانسی اور سانس کا تیز تیز چلنا شامل ہوتا ہے اگر بروقت علاج نہ ہو تو بیماری شدت اختیار کر لیتی ہے، جس سے سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے۔ تھوک میں خون آنے لگتا ہے اور بالآخر پیسہ سب سے کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ مرض کی تشخیص میں لیبارٹری کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔ زیادہ تر تشخیص مرض کی علامات اور وبائی شکل میں موجودگی سے ہی ہو جاتی ہے۔

طاعون کا علاج

مرض کا علاج فوری طور پر اینٹی بائیوٹک (Antibiotics) سے کیا جاتا ہے۔ جس میں نیو سائیکلین (Tetracycline) اسٹریپٹومائسین (Streptomycin) اور کلورومائسین (Cloromycin) شامل ہیں۔ جب طاعون کی وباء پھیل جائے تو مادی اسباب بھی اختیار کرنا چاہئیں، شر کو گندگی اور چوہوں سے صاف کیا جائے اور فوراً کسی قابل ڈاکٹر کے مشورہ سے علاج کیا جائے اور باقی صحت مند افراد کو مریض سے الگ رکھا جائے اور روحانی اسباب بھی اختیار کرنے چاہئیں۔ اپنے اپنے گناہوں کو فوراً ترک کر دیا جائے اور ان پر توبہ اور استغفار کیا جائے۔

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ارواح خبیثہ کی تاثیرات سے بھی طاعون ہو جاتا ہے اور اس کو دفع کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ارواح طیبہ کا نزول ہوتا ہے اور وہ ارواح خبیثہ کے شر کو دور کر دیتی ہیں۔ (زاد المعاد ۳ ص ۷۶-۷۵ مطبوعہ مکتبۃ المبلی ولولاد مصر ۱۳۶۹ھ)



وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے فرمایا اپنا عصا اس پتھر پر مارو، تو اس

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرِبَهُمْ

پتھر سے بارہ چشمے چھوٹ پڑے، بے شک ہر گروہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ کو جان لیا،

كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۖ

اللہ کے رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرو ○

وَاذْكُلُوا يَوْمَئِذٍ لَّنْ تَصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُنَا رَبَّكَ

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز ایک قسم کے کھانے پر صبر نہیں کریں گے سو آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا

يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُثْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَ

کیجیے کہ وہ (من اور سلوئی کی بجائے) ہمیں زمین کی اگائی ہوئی چیزیں سبزی، بھڑی، لہسن، ہمسور اور پیاز

عَدَسِهَا وَبَصِلَهَا قَالَ أَتَسْتَبِدُّونَ النَّبِيَّ هُوَ الَّذِي هُوَ الَّذِي

نکال کر دے، فرمایا کیا تم اچھی چیز کے بدلہ میں اسی چیز مانگتے ہو؟

هُوَ خَيْرٌ إِنْ هِيَ إِلَّا مَصْرَافَاتٌ لَّكُم مَّا سَأَلْتُمُوهُ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ

بے باور، وہاں تم کو وہ چیزیں مل جائیں گی جس کا تم نے سوال کیا، اور ان پر ذلت اور

الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءَؤُا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

بد حال ڈال دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں آ گئے، یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ

كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ

اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس لیے بھی ہوا کہ وہ نافرمان تھے

ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٦١﴾

اور مد سے نجاؤں کرتے تھے ۵

زمین سے پانی نکالنے میں حضرت موسیٰ کا معجزہ اور اس کے مقابلہ میں ہمارے نبی کا معجزہ

میدان حید میں جب بنو اسرائیل کو پیاس لگی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے پانی کے لیے دعا کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلاں چٹان پر اپنا عصا مارو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس چٹان پر عصا مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، وہ چٹان اب بھی جزیرہ نمائے سینا میں موجود ہے، ایک میلٹی محقق نے انیسویں صدی کے وسط میں بائبل کے مقلد مقدسہ کی جغرافیائی تحقیق کے لیے فلسطین کا سفر کیا اور اس چٹان کے حلق لکھا ہے کہ یہ چٹان دس گز پندرہ فٹ کے درمیان بلند ہے اور آگے کی طرف جھکی ہوئی ہے۔

ایک چہرہ عصا مارا اور اس سے پانی کے چشموں کا پھوٹ پڑا حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ اس چہرے زمین کی تصدیق توں سے پانی کھینچ لیا تھا یا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس چہرے میں پانی پیدا کر دیا، چٹان پر لاشی مار کر پانی

نکالنا خلاف علت کام ہے لیکن بہت زیادہ بعید نہیں ہے کیونکہ زمین کے نیچے پانی ہوتا ہے اور آلات کے ذریعہ زمین کو کھود کر پانی نکالا جاسکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے آلات کے بغیر لاشی کی ایک ضرب سے ہاں چٹے جاری کر دیئے، لیکن ہمارے نبی حضرت سیدنا محمد ﷺ کا معجزہ اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ آپ نے ہاتھ کی انگلیوں سے پانی کو جاری کر دیا اور وہاں سے پانی نکلا جمل علوات پانی ہوتا نہیں ہے۔

لہام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی اور نبی ﷺ کے سامنے چڑے کا ایک چھوٹا سا برتن تھا، نبی ﷺ نے وضو کیا تو سب لوگ ٹوٹ پڑے، آپ نے پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا ہمارے پاس وضوء کے لیے پانی ہے اور نہ پینے کے لیے، صرف یہی پانی ہے جو آپ کے پاس ہے آپ نے اس برتن پر اپنا ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں کی طرح پانی ابلنے لگا، ہم سب نے اس سے پانی پیا اور ہم سب نے وضوء کیا راوی نے پوچھا حدیبیہ کے دن آپ لوگوں کی کتنی تعداد تھی؟ حضرت جابر نے کہا ہم لوگ پندرہ سو تھے لیکن اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو ہمیں وہ پانی کفلی ہو جاتا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۴۳۸ھ)

حضرت جابر نے پندرہ سو صحابہ کے وضوء کرنے کا ذکر کیا ہے، یہ حدیبیہ کا واقعہ ہے، قلوہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تین سو صحابہ کے وضوء کرنے کو روایت کیا ہے، یہ مدینہ منورہ میں مقام زوراء کا واقعہ ہے (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۳) حسن بصری نے حضرت انس سے ستر صحابہ کے وضوء کا واقعہ روایت کیا ہے یہ کسی سفر کا واقعہ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۵) حمید نے حضرت انس سے اسی صحابہ کے وضوء کرنے کو روایت کیا ہے یہ مدینہ منورہ میں مسجد کے قریب کسی جگہ کا واقعہ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۵)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا محمد ﷺ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے چٹے پھوٹنے کا معجزہ متعدد بار سفر اور حضر میں رونما ہوا، اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے کئی درجے افضل ہے۔

یہودیوں کے نبیوں کو قتل کرنے پر تورات کی شہادت جب بنو اسرائیل نے من اور سلویٰ کی بجائے زمین کی پیداوار میں سے گندم اور مسور کی دال وغیرہ کو طلب کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تعجب اور سرزنش کرتے ہوئے فرمایا تم اس کھل اور لذیذ غذا کے بدلہ میں لوٹی درجہ کی چیزیں مانگ رہے ہو، تم کسی بھی زرعی زمین میں چلے جاؤ وہاں تم کو مطلوبہ اجناس مل جائیں گی، لیکن بنو اسرائیل نے جو کفران نعمت کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واضح معجزات کا مذاق اڑایا اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا، کیونکہ انہوں نے اشعیاءؑ، زکریاؑ اور یحییٰؑ علیہم السلام وغیرہم کو بلاوجہ قتل کیا تھا، اس کی سزا میں ان پر دنیا میں ذلت اور خواری مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی لعنت کے مستحق ہوئے اور اخروی عذاب دائم اس کے علاوہ ہے۔

بنو اسرائیل نے انبیاء علیہم السلام کو جو ایذا پہنچائی اور قتل کیا اس کی شہادت تورات سے حسب ذیل ہے :

اور انہی اب نے سب کچھ کیا جو انبیاء نے کیا تھا اور یہ بھی کہ اس نے سب نبیوں کو تلوار سے قتل کر دیا۔

(۱- سلاطین، باب : ۱۹، آیت ۱، پرانا عہد نامہ ص ۳۵۳، مطبوعہ لاہور)

اور شاہ اسرائیل نے کہا میکیا (یہ نبی تھے۔ سعیدی غفرلہ) کو لے کر اسے شہر کے ناظم امون اور یوآس کے پاس لوٹا

سے جو سوز گناہ پوشہ ہیں فرماتا ہے کہ اس شخص کو قید خانہ میں ڈال دو اور اسے مصیبت کی روٹی کھانا اور مصیبت کا پانی پینا تک میں سلامت نہ آؤں۔

(۱- سلاطین، باب : ۲۲ آیت ۲۷-۲۸، پرائم عدد نمبر ۳۵۸، مطبوعہ لاہور)

تب خدا کی مدد یوں دے گا کہ بٹے زکریا پر نازل ہوئی، سو وہ لوگوں سے بلند جگہ پر کھڑا ہو کر کہنے لگا خدا یوں فرماتا ہے کہ تم کہیں خداوند کے حکموں سے باہر جاتے ہو کہ یوں خوش حال نہیں رہ سکتے؟ چونکہ تم نے خداوند کو چھوڑا ہے اس نے بھی تم کو چھوڑ دیا۔ تب انہوں نے اس کے خلاف سازش کی اور پوشہ کے حکم سے خداوند کے گھر کے صحن میں اسے سنگسار کر دیا۔

(۲- قوانین، باب ۲۳ آیت ۲۱-۲۰، پرائم عدد نمبر ۴۴۶، مطبوعہ لاہور)

یرمیاہ نبی کے متعلق لکھا ہے :

اور جب یرمیاہ قید خانہ کے صحن میں بند تھا خداوند کا یہ کلام اس پر نازل ہوا۔ یرمیاہ باب ۳۹ آیت : ۲۱ وہ کلام جو خداوند کی طرف سے یرمیاہ پر نازل ہوا، اس کے بعد کہ جلوداروں کے سردار بنو زرادان نے اس کو رامہ سے روانہ کر دیا جب اس نے اسے شکڑیوں سے جکڑا ہوا ان سب اسیروں کے درمیان پایا جو یروشلیم اور یہوداہ کے تھے جن کو اسیر کر کے بابل کو لے جا رہے تھے۔

(یرمیاہ باب : ۳۰ آیت : ۱، پرائم عدد نمبر ۷۵۶، مطبوعہ لاہور)

حضرت یحییٰ کے متعلق لکھا ہے :

وہ فی الغور پوشہ کے پاس جلدی سے اندر آئی اور اس سے عرض کی کہ میں چاہتی ہوں کہ یوحنا پتہ سادینے والے کا سر ایک قتل میں ابھی مجھے منگوادے ○ پوشہ بہت فمگین ہوا مگر اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب اس سے انکار نہ کرنا چاہا ○ پس پوشہ نے فی الغور ایک سپاہی کو حکم دے کر بھیجا کہ اس کا سر لائے اس نے قید خانہ میں جا کر اس کا سر کاٹا اور ایک قتل میں لا کر لڑکی کو دیا اور لڑکی نے اپنی ماں کو دیا۔

(مرقس، باب : ۶ آیت : ۲۹-۳۰، نیا عدد نمبر ۴۰، مطبوعہ لاہور)

یہودیوں پر ذلت مسلط کیے جانے کے باوجود اسرائیل کی حکومت کی توجیہ

یہودیوں پر ذلت اور مسکت جو ڈالی گئی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو ذلیل اور فیروں کا محتج رکھا گیا ہے۔ اگرچہ یہودی مل دہر ہیں لیکن یہ بہت خیس اور بخیل ہیں، یہ مل جمع کرنے کی حرص میں ہمیشہ ذلت، خواری اور بدحالی کی زندگی گزارتے ہیں، ہرچہ کہ یہودیوں کی اسرائیل میں حکومت قائم ہو چکی ہے لیکن وہ اس حکومت کے قیام میں اور اپنی اکتالیات، سیاست اور فنی قوت میں بیسی طاقتیں خصوصاً امریکہ کے محتج ہیں، قرآن مجید میں ہے :

صَبَرْتُ عَلَىٰ آلِهِمُ الذَّلَّةَ آتَيْنَ مَا نَقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ
مِّنَ اللَّوْحِ حَبْلٍ مِّنَ النَّارِ (ال عمران : ۴)

اس کے کہ یہ (بکھی) اللہ کی رسی اور (بکھی) لوگوں کی رسی کا سارا
یہ جملہ کہیں بھی رہیں ان پر خوار ہونا لازم کر دیا ہے۔

لیں۔

اور کج کل جو ان کی حکومت قائم ہے وہ برطانیہ اور امریکہ کی رسی کے سارے ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّبِيَّانَ مِنْ

بے شک ایمان والے (مسلمان)، عیسائی اور صابئین، جو بھی اللہ

أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ

اور آخرت پر ایمان لائے، اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو ان کے لیے ان کے

رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۲﴾

رب کے پاس ان کا اجر ہے، اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۰

صابئین کے دین کی تحقیق

صابئین کا لفظ صباء سے بنا ہے، علامہ ابن جریر اس کے متعلق لکھتے ہیں :

جو شخص ایک دین کو ترک کر کے دوسرے دین کو اختیار کر لے اس کو لغت میں صائبی کہتے ہیں، مجاہد نے کہا صائبی وہ لوگ ہیں جن کا کوئی دین نہ ہو۔ مجاہد سے ایک اور روایت ہے کہ صائبی، مجوس اور یہود کے درمیان ایک قوم ہے، ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، حسن بصری سے روایت ہے کہ صائبی فرشتوں کی پرستش کرتے ہیں، ابو العالیہ نے کہا صائبین اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زور کو پڑھنے والا ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۵۳-۲۵۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

اسحاق نے کہا صائبین اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے، امام ابو حنیفہ نے کہا ان کا ذبیحہ کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ۱

خلیل نے کہا ان کا دین دین نصاریٰ کے مشابہ ہے، جنوب کی ہوا کی طرف ان کا قبلہ ہے اور ان کا زعم یہ ہے کہ یہ حضرت نوح کے دین پر ہیں، حضرت ابن عباس نے کہا ان کا ذبیحہ نہ کھلایا جائے۔ ہمارے علماء نے جو ان کے متعلق بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ صائبی موحد ہیں اور ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں، اسی وجہ سے ابو سعید اصطخری نے ان کی تکفیر کی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۴۳۵-۴۳۴، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ بیضاوی نے ان اقوال کے علاوہ یہ قول نقل کیا ہے کہ صائبی ستارہ پرست ہیں۔

(انوار التنزیل (درسی) ۷۹، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

صابئین کے کئی فرقے ہیں روم کے صائبی ستارہ پرست ہیں، ہند کے صائبی بت پرست ہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ فرماتے

۱ علامہ ابو الیث سمرقندی حنفی نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ فرشتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ (تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۱۲۵) منہ

ہیں کہ صابیہ بہت پرست نہیں ہیں، یہ ستاروں کی اس طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح ہم کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ یہ موحد ہیں اور ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۷۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ شاہی لکھتے ہیں :

صابیہ کا ذبیحہ حلال ہے کیونکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اقرار کرتے ہیں (قہستانی) اور بدائع میں مذکور ہے ان کی کتب زور ہے اور ہو سکتا ہے کہ ان کے کئی فرقے ہوں۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۱۸۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۷)

اغلب یہی ہے کہ صابیین کے کئی فرقے ہیں، ان کے متعلق جتنے اقوال ہیں، ان کے اتنے ہی فرقے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے جس فرقے کے متعلق کہا ہے کہ ان کا ذبیحہ جائز ہے وہ حکما احل کتب ہیں، تمام صابیین کے متعلق امام اعظم کا یہ فتویٰ نہیں ہے۔

ایمان لائے ہوئے لوگوں کے ایمان لانے کی توجیہ

اس آیت میں دوسری تحقیق طلب بات یہ ہے کہ بے شک جو لوگ ایمان لائے یہودی، عیسائی اور صابیہ ان میں سے جو اللہ اور آخرت پر ایمان لائے ان کو کوئی غم اور خوف نہیں ہو گا۔ تو جو ایمان لاکچے ہیں، ان کے متعلق یہ کہنا کس طرح درست ہو گا، ان میں سے جو ایمان لائے، کیونکہ ایمان لائے ہوئے لوگوں کا پھر ایمان لانا تحصیل حاصل ہے۔ اس سوال کے متعدد جوابات ہیں :

(۱) "ان الذین امنوا" سے مراد یہ ہے کہ جو زبان سے ایمان لائے اور "من امن" باللہ سے مراد ہے دل سے ایمان لائیں یعنی جو لوگ صرف زبان سے ایمان لائے ہیں جیسے منافقین، ان میں سے جو دل سے ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں تو ان کو کوئی خوف اور غم نہیں ہو گا، اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

(النساء : ۶۶)

یعنی جو صرف زبان سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں وہ دل سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔ (۲) "ان الذین امنوا" سے مراد یہ ہے کہ جو ماضی میں اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور "من امن باللہ" سے مراد یہ ہے کہ وہ مستقبل میں بھی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے میں برقرار اور ثابت قدم رہیں۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ "ان الذین امنوا" سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت سیدنا محمد ﷺ کی بشت سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھتے تھے اور یہود اور نصاریٰ نے جو دین میں باطل چیزیں داخل کر لی ہیں ان سے بری تھے، مثلاً قس بن سلہ، یحییٰ و راحب، حبیب التجار، زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، سلمان فارسی اور نجاشی کا وفد، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا : جو لوگ بشت محمد سے پہلے ایمان لائے تھے، اور یہود و نصاریٰ میں سے جو لوہان باطلہ پر ہیں، ان میں سے جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آیا اس کو آخرت میں خوف اور غم نہیں ہو گا۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۶۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ)

کیا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے سے موجودہ یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات ہو جائے گی؟

اس آیت سے یہ مشکل ہوتا ہے کہ نجات کے لیے مسلمان ہونا اور حضرت سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ مسلمان، یہودی، عیسائی اور صابئی جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئیں اور نیک کام کریں، ان کو آخرت میں خوف اور غم نہیں ہو گا اور موجودہ یہودی اور عیسائی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، لہذا ان میں سے جو بھی نیک کام کرنے والے ہیں ان سب کی نجات ہوگی۔

اس مشکل کا جواب یہ ہے کہ ”من امن باللہ“ کا معنی ہے کہ اللہ پر صحیح ایمان لائیں اور اللہ پر ایمان اسی وقت صحیح ہو گا جب اللہ تعالیٰ کے ہر قول اور اس کے ہر حکم کو مان لیا جائے اور جب تک سیدنا حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول اور آپ کو خاتم النبیین نہ مان لیا جائے، اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں ہو گا، کیونکہ قرآن مجید میں ہے :

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ (الفتح : ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب : ۴۰)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے آخر ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب تک سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول اور آخری نبی نہ مان لیا جائے۔ اللہ پر ایمان لانا صحیح نہیں ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (آل عمران : ۸۵)

بے شک اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (التوبہ : ۳۳)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو ہر دین پر غالب کر دے، خواہ مشرکین پسند نہ کریں۔

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۖ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ (آل عمران : ۸۵)

اور جس نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو طلب کیا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب تک کوئی یہودی، عیسائی یا صابئی اپنے مذہب کو ترک کر کے اسلام کو قبول نہیں کرے گا اس کا اللہ پر ایمان نہیں ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ اس کے نزدیک اسلام کے سوا اور کوئی دین قتل قبول نہیں ہے۔

نیز یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ کسی ایک آیت یا کسی ایک حدیث کو دیکھ کر کوئی نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے، جب تک کہ اس موضوع سے متعلق تمام آیات اور احادیث کا مطالعہ نہ کر لیا جائے، کیونکہ بعض آیات مجمل ہوتی ہیں اور ان کی تفصیل دوسری آیات میں ہوتی ہے، بعض آیات بظاہر متعارض ہوتی ہیں اور ان میں کسی دقیق وجہ سے تطبیق ہوتی ہے اور بعض آیات منسوخ اور بعض ناسخ ہوتی ہیں، بعض آیات عام ہوتی ہیں اور بعض دوسری آیات ان کے لیے مخصوص ہوتی ہیں اور یہی حل احادیث کا ہے، اس لیے کسی ایک آیت یا کسی ایک حدیث کو دیکھ کر نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے۔

نجات کے لیے صرف دین کی طرف منسوب ہونا کافی نہیں ہے

ظلمہ و شہد رضا لکھتے ہیں :

لام ابن جریر اور لام ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کیا ہے کہ مسلمان 'یہودی اور نصاریٰ آپس میں ملے' یہود نے مسلمانوں سے کہا ہم تم سے بہتر ہیں ہمارا دین تم سے پہلے ہے اور ہماری کتب تم سے پہلے ہے اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہیں 'اور ہم ہی دین ابراہیم پر ہیں اور جنت میں صرف یہودی ہی داخل ہوں گے' نصاریٰ نے بھی اسی طرح کہا 'مسلمانوں نے کہا ہماری کتب تمہاری کتب کے بعد ہے' اور ہمارے نبی ﷺ تمہارے نبی کے بعد ہیں اور ہمارا دین تمہارے دین کے بعد ہے اور تم کو اپنے دین کے ترک کرنے اور ہمارے دین کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے' اس لیے ہم تم سے بہتر ہیں 'ہم ہی حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کے دین پر ہیں اور جنت میں وہی شخص داخل ہو گا جو ہمارے دین پر ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

(النار ج ۱ ص ۳۳۶ مطبوعہ دارالعرفۃ بیروت)

لَبَسَ بِاٰمَانِيْكُمْ وَلَا اٰمَانِيْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا اٰتِجْزِيْهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلِيًّا وَلَا نَصِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ
ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ
وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا (النساء : ۴۴-۴۳)

تمہاری خواہشوں پر (کچھ موقوف ہے) نہ اہل کتاب کی امیدوں پر جو برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی 'اور وہ اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہ پائے گا' اور جو حالت ایمان میں نیک کام کریں گے 'خواہ مرد ہو یا عورت تو وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہودی اور نصاریٰ کا یہ دعویٰ کرنا باطل ہے کہ جنت ان کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ کسی مسلمان کا محض زہنی ایمان کا دعویٰ کرنا کافی ہے بلکہ جو اللہ اور اس کے رسول پر صحیح ایمان کے ساتھ نیک عمل کرے گا وہ جنتی ہو گا' اسی نبج پر یہ آیت ہے کہ جو لوگ محض زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں 'اور یہودی' عیسائی اور صابئی' ان کا محض زبان سے اسلام کا دعویٰ کرنا' یا کسی کا یہودی ہونا یا کسی کا عیسائی ہونا یا کسی کا صابئی ہونا نجات کا سبب نہیں ہے 'نجات کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ پر صحیح ایمان لائیں اور آخرت کو مانیں بائیں طور کہ حضرت سیدنا محمد ﷺ کو آخری نبی مانیں اور پچھلے تمام لوہان کو منسوخ مانیں اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کی پیروی کریں تو ان کو آخرت میں کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمْ الطُّوْرَ خُذُوْا مَا آتَيْنٰكُمْ

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ مہدیا اور ہم نے (پہاڑ) طور کو تم پر اٹھایا کہ ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے

بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

اس کو منہ پھری سے لو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو اس ایسے یاد کرو کہ تم پر پزیر گاہن ہاؤ ۝ اس (مہد) کے بعد پھر تم نے اعراض کیا

ذٰلِكَ فَلَوْلَا فِضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

سہار تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے ۝

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ

اور بے شک تم ان لوگوں کو جانتے ہو جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن مد سے تجلذ کیا تھا پس ہم نے

كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَ

ان سے کہا تم دھتکائے ہوئے بند بن جاؤ ۰ سو ہم نے اس (واقعہ) کو اس زمانے کے لوگوں اور بعد کے لوگوں کے

مَا خَلَفَهَا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾

یہ عبرت بنادیا اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت بنادیا ۰

عہد اور میثاق کا معنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور یاد کرو جب ہم نے تم سے میثاق لیا۔

عہد کا معنی ہے کسی شے کی حفاظت کرنا اور ہر حل میں اس کی رعایت کرنا جس عقد کی رعایت لازم ہو اس کو بھی عہد کہتے ہیں، ہماری عقلوں میں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اقرار ہے اس کو بھی عہد کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں کتب اور سنت کے ذریعے احکام دیے ہیں اور ہم نے ان کی اطاعت کا اقرار کیا ہے اس کو بھی عہد کہتے ہیں اور جس چیز کو شریعت نے لازم نہیں کیا تھا لیکن ہم نے از خود نذر مان کر اس کو لازم کر لیا اس کو بھی عہد کہتے ہیں جو کفار مسلمانوں کے عہد میں داخل ہوں ان کو ذوق عہد اور معاہدہ کہتے ہیں۔ عائدین کے درمیان جس عقد کو حفاظت کے لیے لکھا جاتا ہے اس کو عہدہ اور وثیقہ کہتے ہیں۔ (المفردات ص ۳۵۰، مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

وفاقت کے معنی ہیں کسی چیز کو مضبوط کھنا، رسی سے باندھنا، میثاق اس عقد کو کہتے ہیں جس کو قسم اور اقرار کے ذریعہ موکد کیا گیا ہو۔ (المفردات ص ۵۱۱-۵۱۲، المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

کتابوں کو نازل کرنے سے مقصود عمل ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ہم نے پہاڑ طور کو تم پر اٹھالیا۔ الخ

اس آیت میں جو طور کا لفظ ہے اس کے مصداق میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا، مجاہد اور قتادہ نے کہا اس سے غیر معین پہاڑ مراد ہے، مجاہد نے کہا سریانی زبان میں طور پہاڑ کو کہتے ہیں۔

جب حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کے پاس تورات کی الواح لے کر آئے اور فرمایا ان کو لو اور ان کی اطاعت کا اقرار کرو تو انہوں نے کہا جب تک اللہ تعالیٰ آپ کی طرح ہم سے کلام نہیں کرے گا ہم یہ اقرار نہیں کریں گے، پھر وہ بجلی کی ایک کڑک کے ذریعہ ہلاک کیے گئے، اور پھر زندہ کئے گئے۔ حضرت موسیٰ نے ان سے پھر تورات کے قبول کرنے کے لیے فرمایا، انہوں نے پھر انکار کیا، تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ فلسطین کے پہاڑوں میں سے ایک فرخ لے پہاڑ کو اکھاڑ کر سائبان کی طرح ان پر معلق کر دیں، ان کے پیچھے سمندر تھا اور ان کے سامنے سے آگ آرہی تھی، ان سے کہا گیا کہ قسم کھا

کر اکرلو کہو کہ تم تورات کے احکام پر عمل کرو گے ورنہ یہ پہاڑ تم پر گر جائے گا تب انہوں نے تورات پر عمل کرنے کا پختہ عہد کیا اور توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر گئے انہوں نے کوٹ کے بل سجدہ کیا تھا اور مارے خوف کے پہاڑ کی طرف دیکھ رہے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا تو انہوں نے کہا اس سجدہ سے افضل کوئی سجدہ نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور جس کی وجہ سے اپنے بندوں پر رحم فرمایا۔ پھر انہیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ کوٹ کے بل یعنی ایک شق پر سجدہ کیا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو خوب کوشش سے لو، اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد کرو، یعنی اس میں تدبیر اور غور و فکر کرو اور اس کے احکام کو ضائع نہ کرو، کیونکہ کتابوں کو نازل کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کے مقتضی پر عمل کیا جائے، یہ نہیں کہ ان کے معنی پر غور و فکر کیے بغیر ان کی صرف تلاوت کر لی جائے۔ امام نسائی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لوگوں میں سب سے بدتر فاسق وہ ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کے کسی حکم کی طرف رجوع نہیں کرتا اس حدیث میں نبی ﷺ نے یہ بتلادیا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے سے مقصود عمل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۶-۳۷، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

کیا بنو اسرائیل کے سروں پر پہاڑ کو معلق کر کے ان سے تورات کو قبول کرانا ان کے اختیار کے منافی نہیں تھا؟ اس مقام پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب پہاڑ ان کے سروں پر معلق کر دیا گیا تو پھر ان کا تورات کو قبول کرنا جبر سے ہوا اور جبر کے ساتھ کسی کا ایمان لانا مقبول نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جبر نہیں ہے، جبر وہ ہوتا ہے جس میں انسان کا اختیار نہ ہو اور اس میں ان کا اختیار تھا وہ چاہتے تو پہاڑ کے نیچے رہنا قبول کر لیتے اور چاہتے تو تورات کو قبول کر لیتے سو انہوں نے جان بچانے کے لیے تورات کو قبول کر لیا، البتہ یہ اگر وہ ہے اگر وہ ہوتا ہے جس میں جان سے مارنے کی دھمکی دے کر کوئی کام کر لیا جائے اور ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں اگر وہ کے ساتھ ایمان جائز ہو۔ ہماری شریعت میں بھی ابتداً دین میں اگر وہ ممنوع تھا بعد میں جب کفار اور مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا اور جب کافروں سے یہ کہا گیا کہ یا وہ اسلام قبول کر لیں یا جزیہ دیں ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے گا تو پھر دین میں اگر وہ کی ممانعت منسوخ ہو گئی۔

(مناہی القاضی ج ۲ ص ۱۷۳-۱۷۴، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۴۸۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک تم ان لوگوں کو جانتے ہو جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کیا تھا پس ہم نے ان سے کہا تم دھماکے ہوئے بند رہنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ قوم حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں "الیہ" میں آباد تھی یہ شہر مدینہ اور شام کے درمیان ساحل سمندر پر واقع تھا اس جگہ کے سمندر میں سل کے ایک مہینہ میں اتنی کثرت سے مچھلیں آتی تھیں کہ پانی دکھائی نہیں دیتا تھا اور باقی مہینوں میں ہفتہ کے دن اس میں بہت مچھلیں آتی تھیں ان لوگوں نے مختلف جگہ حوض کھودے اور سمندر سے مچھلیں نکل کر ان حوضوں سے ملا دیں ہفتہ کے دن ان حوضوں میں مچھلیں چلی جاتیں اور وہ لوگوں کے دن ان کا شکار کر لیتے۔ بنو اسرائیل کا ہفتہ کے دن مچھلیوں کو حوضوں میں مقید کر لینا یہی ان کا حد سے تجاوز کرنا تھا وہ ایک بڑے لمبے عرصے تک اس باغی میں مشغول رہے نسل در نسل ان کی لولہ بھی اس میں ملوث رہی خدا کا خوف رکھنے والے کچھ لوگ منع کرتے تھے کچھ اس کو برا جانتے تھے اور اس خیل سے منع نہیں کرتے تھے کہ یہ باز

آنے والے نہیں ہیں، نافرمان لوگ کہتے تھے کہ ہم اتنے بڑے عرصہ سے یہ کام کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان مچھلیوں میں اضافہ فرما رہا ہے، مانعین کہتے تھے کہ تم دھوکے میں نہ آؤ، ہو سکتا ہے تم پر عذاب نازل ہو جائے۔
(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۸ھ)

اس شہر میں رہنے والے ستر ہزار نفوس تھے اور ان کو منع کرنے والے بارہ ہزار تھے، جب مجرموں نے ان کی نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو مانعین نے کہا بہ خدا ہم ایک علاقہ میں نہیں رہیں گے، انہوں نے شہر کے درمیان ایک دیوار کھینچ دی اور ان سے الگ رہنے لگے اور کئی سل اسی طرح گزر گئے، پھر معصیت پر ان کے مسلسل اصرار کی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر لعنت کی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا غضب نازل فرمایا، ایک دن منع کرنے والے اپنے دروازے سے نکلے تو دیکھا بحر میں سے کوئی نہیں نکلا، جب کئی دیر ہو گئی تو وہ دیوار پھاند کر گئے، دیکھا تو وہ تمام لوگ بندر بن چکے تھے، ایک قول یہ ہے کہ جو ان بندر بن گئے تھے اور بوڑھے خنزیر بن گئے تھے، وہ دوسروں کو پہچان رہے تھے اور دوسرے ان کو نہیں پہچان رہے تھے وہ تین دن اس حل میں روتے رہے پھر سب ہلاک ہو گئے اور کوئی مسخ شدہ شخص تین دن سے زیادہ نہیں رہا اور نہ ان کی نسل چلی۔
(تفسیر خازن ج ۱ ص ۶۰، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیلور)

اس واقعہ کے بیان میں ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد ﷺ کے معجزہ کا اظہار ہے، کیونکہ آپ اہی تھے آپ نے اعلان نبوت سے پہلے نہ کسی چیز کو پڑھا تھا نہ لکھا تھا اور نہ علماء اہل کتاب کی مجلس میں رہے تھے، اس کے باوجود آپ نے اس واقعہ کو بیان فرمایا جو ان کے علماء کے درمیان معروف تھا اور ان کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے جو کچھ بیان فرمایا وہ وحی الہی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کر دیا تھا تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ سمندر میں ہفتہ ہی کے دن بہ کثرت مچھلیاں آتی تھیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی اور بنو اسرائیل کا امتحان تھا کہ وہ مچھلیوں کی بہت دیکھ کر پھسل جاتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے پر جتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يَتَّخِذُوا أَمْتًا
وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (العنکبوت : ۲)
کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ (مض) اس کہنے پر
چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی آزمائش
نہیں کی جائے گی۔

اس امتحان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو متمیز کر دیتا ہے۔

موجودہ بندروں کے مسخ شدہ اسرائیلی ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق
ایک بحث یہ ہے کہ موجودہ بندر اور خنزیر آیا انہی بنو اسرائیل کی نسل سے ہیں جن کو مسخ کر دیا تھا یا وہی بندر اور
خنزیر ہیں جو شروع سے نسل در نسل چلے آ رہے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ تمام مسخ شدہ بنو اسرائیل تین دن بعد مر گئے
تھے۔ امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس کی ایک طویل روایت ذکر کی ہے اس میں ہے :
جن لوگوں نے ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کیا تھا، ان کی معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر کے بندر بنادیا،
وہ زمین میں صرف تین دن زندہ رہے، انہوں نے کچھ کھلیا نہ پیا نہ ان کی نسل چلی، اور اللہ تعالیٰ نے بندروں، خنزیروں اور

ی تمام حلق کو چھ دنوں میں پیدا کیا تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتب میں ذکر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو بندوں کی صورت میں مسح کر دیا اور وہ جس کے ساتھ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۷۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ) تقریباً تمام علماء اسلام، محدثین، مفسرین اور متکلمین کا اس پر اتفاق ہے، البتہ علامہ ابن العربی مالکی نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے وہ لکھتے ہیں :

ہمارے علماء نے کہا کہ اس میں اختلاف ہے کہ جن کو مسح کیا گیا تھا ان کی ان کے بعد نسل چلی یا نہیں۔ بعض نے یہ کہا ان کی نسل نہیں چلی اور بعض نے کہا ان کی نسل چلی ہے اور اس کی دو دلیلیں ہیں پہلی دلیل یہ ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی ﷺ سے گوہ کے متعلق سوا کیا گیا تو آپ نے فرمایا ایک امت مسح کی گئی تھی اور مجھے خدشہ ہے کہ گوہ اسی امت سے ہے۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۳۳۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۲-۱۵۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۴۳۸ھ)

امام ابو داؤد نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے :

حضرت ثابت بن دویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک لشکر میں تھے ہم نے بہت سی گوہ شکار کیں، میں نے ان میں سے ایک گوہ بھون کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھ دی، آپ ایک لکڑی سے اپنی انگلیاں گنتے رہے، پھر آپ نے فرمایا بنو اسرائیل کے ایک گروہ کو مسح کر کے زمین میں چلنے والا جانور بنا دیا تھا، میں نہیں جانتا وہ کونسا جانور تھا، پھر آپ نے گوہ نہیں کھائی اور نہ اس سے منع فرمایا۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۷۶، مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۸۸-۸۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو ثابت بن زید انصاری سے روایت کیا ہے اس میں مذکور ہے آپ نے گوہ کے متعلق

فرمایا :

بنو اسرائیل کے ایک گروہ کو مسح کر کے زمین میں چلنے والا جانور بنا دیا تھا، میں (ازخود) نہیں جانتا شاید کہ وہ یہی جانور

ہو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۳۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۶۱، ۵، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ)

حافظ ابوشامی بیان کرتے ہیں :

حضرت عبد الرحمن بن حنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، ہم ایسی جگہ ٹھہرے

جہاں کہ بہت قمیص، ہم نے ان کو فروغ کیا اور جس وقت ہم چیلوں میں ان کو پکار رہے تھے، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے

اور فرمایا بنی اسرائیل کا ایک گروہ کم ہو گیا تھا اور مجھے ڈر ہے کہ وہ یہی گوہ ہیں۔ ان دیکھوں کو الٹ دو، تو ہم نے بھوکے

ہونے کے باوجود دیکھوں کو الٹ دیا، اس حدیث کو امام احمد، امام طبرانی (نے معجم کبیر میں) امام ابو یعلیٰ اور امام بزار نے

روایت کیا ہے اور ان تمام ائمہ کی اسناد صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۷، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۴ھ)

رسول اللہ ﷺ نے چوہوں کے حلق بھی اسی قسم کے خدشہ کا اظہار فرمایا ہے، امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل کا ایک گروہ گم ہو گیا تھا یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ کھلے ہوئے تھے یا نہیں۔ یہی ممکن ہے کہ وہ (مسخ شدہ) چوہے ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب چوہوں کے سامنے لونٹ کا دودھ رکھا جائے تو وہ اس کو نہیں پیتے اور جب ان کے سامنے بکری کا دودھ رکھا جائے تو وہ اس کو پی لیتے ہیں، دوسری روایت میں ہے چوہا مسخ شدہ ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطلحہ کراچی ۱۴۳۵ھ)

اس حدیث کو امام عبدالرزاق (۱)، امام احمد (۲) اور امام طبرانی (۳) نے بھی روایت کیا ہے۔

یہ دو حدیثیں جو بہ کثرت اسانید صحیحہ کے ساتھ موی ہیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کو غلبہ حل کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ گوہ اور چوہے بنو اسرائیل کی مسخ شدہ نسل ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کا اندیشہ اس وقت تھا جب آپ کو وحی کے ذریعہ یہ قطعی طور پر معلوم نہیں ہوا تھا کہ جن لوگوں کو مسخ کر دیا جائے ان کی نسل نہیں چلتی، اس کی نظیر یہ ہے کہ پہلے نبی ﷺ کو اندیشہ تھا کہ شاید دجل آپ کے زمانہ میں ظاہر ہو جائے لیکن بعد میں آپ کو وحی کے ذریعہ قطعی طور پر بتا دیا گیا کہ دجل کا ظہور قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانہ میں ہو گا پھر آپ کا اندیشہ زائل ہو گیا۔ مسخ شدہ لوگوں کے فوراً ہلاک ہونے اور ان کی نسل نہ چلنے کے متعلق یہ صریح حدیث ہے، امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا : یا رسول اللہ! کیا بندر اور خنزیر مسخ شدہ لوگ ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ عز و جل نے کسی قوم کو ہلاک کر کے یا کسی قوم کو عذاب دے کر اس کی نسل نہیں چلائی اور بندر اور خنزیر تو ان سے پہلے بھی ہوتے تھے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطلحہ کراچی ۱۴۳۵ھ)

اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ۵ ص ۳۲، مطبوعہ دار الماسون تراث بیروت ۱۴۳۰ھ)

یہ حدیث زیر بحث مسئلہ میں صاف تصریح ہے کہ موجودہ بندر اور خنزیر مسخ شدہ بنو اسرائیل نہیں ہیں۔

علامہ ابن العربی نے اپنے نظریہ پر جو دوسری دلیل قائم کی ہے وہ یہ ہے :

امام بخاری نے عمرو بن میمون سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں دیکھا کہ بندر ایک بندریا کو رجم کر رہے تھے، حدیث کی عبارت یہ ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں دیکھا کہ ایک بندریا نے زنا کیا تھا اس کے گرد دوسرے بندر جمع ہو گئے جنہوں نے اس کو سنگسار کیا میں نے بھی اس کو سنگسار کیا، یہ حدیث صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں ہے اور بعض میں نہیں ہے۔

علامہ ابن العربی نے کہا اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا جانوروں میں بھی بنو اسرائیل کی شریعت کے احکام معروف تھے حتیٰ کہ وہ نسل در نسل ان احکام کے وارث چلے آ رہے تھے؟ تو ہم کہیں گے کہ ہاں اسی طرح ہے، حتیٰ کہ جب یہود نے رجم کے حکم کو تبدیل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کیا کہ مسخ شدہ اسرائیلیوں (بندروں) میں بھی رجم موجود ہے تاکہ ان کے انکار کے خلاف یہ قوی حجت ہو کہ رجم کا حکم ان کی کتابوں میں ہے، ان کے علماء میں معروف ہے اور حتیٰ کہ یہ حکم مسخ

(۱) امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۲ ص ۲۴۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۳۹ھ

(۲) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۳۹ھ

(۳) امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ، معجم صغیر ج ۲ ص ۲۴۲، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۴۳۸ھ

فہم اسرائیلیوں میں بھی موجود ہے۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۳۳۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

علامہ قرطبی، علامہ ابن العربی کی اس دلیل کے جواب میں لکھتے ہیں :

لام حیدری نے کہا ہم نے اس حدیث کو صحیح بخاری کے نسخوں میں تلاش کیا تو یہ بخاری کے تمام نسخوں میں نہیں ہے، یہ حدیث صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں ہے فرہدی کی روایت سے یہ حدیث نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ بعد میں کسی نے اس حدیث کو صحیح بخاری میں ملادیا ہو اور یہ حدیث الحلقی ہو، لام بخاری نے تاریخ کبیر میں اپنی سند کے ساتھ عمرو بن میمون سے روایت کیا ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں دیکھا ایک بندریا کے گرد بہت سے بندر جمع ہو کر اس کو پتھر مار رہے تھے سو میں نے بھی ان کے ساتھ اس کو پتھر مارے۔ اس میں یہ لفظ نہیں ہے کہ اس نے زنا کیا تھا، تو اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس سے لام بخاری کا مقصود صرف اتنا ہے کہ عمرو بن میمون نے جاہلیت کا زمانہ پایا ہے اور ان کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں کیا گن کیا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۳۲-۳۳۱، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

ہمارے پاس جو صحیح بخاری کے معروف نسخے ہیں، ان سب میں یہ حدیث موجود ہے، لام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے :

عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندریا دیکھی جس نے زنا کیا تھا، اس کے گرد دوسرے بندر جمع تھے جو اس کو سنگسار کر رہے تھے میں نے بھی ان کے ساتھ مل کر اس کو سنگسار کیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۴۳۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

اسامی نے اس حدیث کو تفصیل سے روایت کیا ہے، انہوں نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا کہ عمرو بن میمون نے کہا کہ میں یمن میں اپنی بکریاں چرا رہا تھا میں نے ایک بلند جگہ سے دیکھا کہ ایک بندر، بندریا کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ کے نیچے سر رکھ کر سو گیا، پھر ایک لور بندر آیا اور اس نے بندریا کو اشارہ کیا، بندریا نے چپکے سے بندر کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالا اور اس بندر کے ساتھ چلی گئی لور اس بندر نے اس کے ساتھ جنسی عمل کیا، بندریا پھر جا کر چپکے سے اسی بندر کے ساتھ لیٹ گئی، جب وہ بندر بیدار ہوا تو اس نے بندریا کو سونگھا اور غضب ناک ہو کر چیخا پھر بہت جلد بہت سے بندر جمع ہو گئے۔ بندر نے اس بندریا کی طرف اشارہ کیا، بندروں نے دائیں بائیں دیکھا اور اس بندر کو پکڑ لائے اور ان دونوں کو سنگسار کر دیا۔ اس وقت میں نے پہلی بار فیروزہ آدم میں رجم کو دیکھا۔ علامہ ابن العین نے کہا کہ شاید یہ بندر ان لوگوں کی نسل سے تھے جن کو مسخ کر دیا گیا تھا، لور ان میں یہ حکم باقی تھا، پھر انہوں نے کہا کہ مسخ کی نسل نہیں چلتی، کیونکہ صحیح مسلم میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قوم کو ہلاک کیا یا عذاب دیا اس کی نسل نہیں چلائی، لور ان بندروں کے رجم کرنے کا یہ جواب ہے کہ جب بنو اسرائیل کو مسخ کر کے بندر بنایا تھا تو ہو سکتا ہے کہ اصلی بندر بھی ان کے ساتھ آکر رہنے لگے ہوں، لور انہوں نے بنو اسرائیل کے بعض انھل دیکھ کر یاد کر لیے ہوں، باقی جانوروں کی بہ نسبت بندر بہت ذہین جانور ہے لور اس میں شدید غیرت ہوتی ہے لور ایک بندر اپنی بندریا کے قریب دوسرے بندر کو نہیں جانے دیتا۔

علامہ ابن عبد البر نے عمرو بن میمون کی اس روایت کو بہت عجیب و غریب قرار دیا ہے لور کہا اس میں فیہ مکلف کے نسل کو زنا کہا ہے لور جانوروں پر حد کا ذکر ہے لور یہ اصل علم کے نزدیک ناقص یقین ہے لور اگر بالفرض یہ روایت صحیح ہے

تو اس کی توجیہ ہے کہ بندوں کی صورت میں یہ جن تھے اور جن مکلف ہیں، تاہم یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ فعل صورتہ زنا تھا اسی طرح یہ صورتہ رجم تھا حقیقتہً یہ زنا اور رجم نہیں تھا۔

امام حمیدی نے الجمع بین التبعیین میں نہایت عجیب بات کہی اور انہوں نے یہ زعم کیا کہ یہ حدیث صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں ہے، صرف ابو مسعود نے اس کا اطراف میں ذکر کیا ہے، اور یہ صحیح بخاری کے نسخوں میں اصلاً نہیں ہے اور یہ امام بخاری کی کتاب میں الحلق حدیث ہے، ان کا یہ قول مردود ہے کیونکہ یہ حدیث بخاری کے ان تمام معظم اصول میں موجود ہے جس سے ہم واقف ہیں، اور حافظ ابو زور کا اس حدیث کو تین لہاموں کی روایت کے ساتھ فرہری سے نقل کرنا کفنی ہے، اسی طرح اسماعیلی اور ابو نعیم نے بھی اس کو اپنی اپنی مستخرج میں ذکر کیا ہے اور ابو مسعود نے اطراف میں، البتہ نسفی کی روایت میں یہ حدیث نہیں ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ فرہری کی روایت میں نہ ہو، کیونکہ فرہری کی روایت سے نسفی کی روایت کی بہ نسبت بہت احادیث زیادہ ہیں، اور یہ کہنا کہ صحیح بخاری میں کوئی الحلق حدیث ہے علماء کے اجماع کے خلاف ہے، کیونکہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اس کتاب میں درج تمام احادیث صحیح ہیں، اور جب کسی ایک حدیث میں یہ مان لیا جائے کہ وہ الحلق ہو سکتی ہے تو ہر حدیث میں یہ احتمال قائم ہو گا، پھر یہ کتاب قتلِ احمد نہیں رہے گی۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۸-۴۹، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۳۹۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصلہ میں بھی اس حدیث کو درج کیا ہے اور علامہ ابن عبد البر کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ وہ بندہ جن تھے اور امام حمیدی نے جو اس حدیث کو الحلق قرار دیا ہے اس پر روکیا ہے۔

(الاصلہ ج ۳ ص ۸۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۰ھ)

تسخیر اور تملیح کا بیان

کفار کے بعض فرقے مثلاً آریہ، قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ انسان کی روحیں اپنے اعمال کی جزا اور سزا پانے کے لیے ہمیشہ سے آواگون کے چکر میں ہیں اور ہر شخص موت کے بعد اپنے اعمال کے مطابق دوسرا جنم لیتا ہے، اچھا انسان مرنے کے بعد اچھا اور برا انسان مرنے کے بعد برا جنم لیتا ہے، بنو اسرائیل کو جو مسح کر کے بندر بنا دیا گیا تھا اس سے بھی وہ آواگون پر استدلال کرتے ہیں، ہمارے شیخ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے اپنے زمانہ تعلیم میں پنڈت رام چند سے مناظرہ کیا اس نے اس آیت سے تسخیر پر استدلال کیا آپ نے فرمایا تسخیر میں مرنے کے بعد روح دوسرے جسم میں منتقل ہوتی ہے اور یہاں بنو اسرائیل مرے نہیں تھے زندگی میں ہی ان کی شیطانی مسح کر دی گئی تھیں سو یہ تسخیر نہیں ہے تملیح ہے، اس نے کہا اب تو میں جا رہا ہوں آئندہ سل اسی جگہ پھر ملوں گا، آپ نے فرمایا زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں یہ بتاؤ کہ اگر تم مر گئے تو کس جون میں آ کر مجھ سے ملاقات کرو گے؟ وہ اس جواب سے بہت خوش ہوا اور انعام میں آپ کو اپنی گھڑی دے گیا۔

حیلہ کی تحقیق

علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

بعض علماء نے اس آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ ناجائز کاموں کو کسی حیلہ سے جائز کرنا باطل ہے، امام مالک کا یہی مذہب ہے ان کے نزدیک کسی صورت میں بھی حیلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ علامہ کواشی نے کہا اکثر علماء کے نزدیک حیلہ کرنا

ہرے ہرے اس کی وجہ سے کسی باطل چیز کو حاصل نہ کیا جائے اور نہ کسی کا حق باطل کیا جائے، اور یہود نے ہفتہ کے دن مچھلیوں کے شکار کا حیلہ نہیں کیا تھا بلکہ جب انہوں نے ہفتہ کے دن مچھلیوں کو حوضوں میں قید کر لیا تو ان کا مچھلیوں کو قید کرنا ہی ان کا شکار کرنا تھا تو انہوں نے بیسنہ حرام کا ارتکاب کیا تھا اور اس کے لیے کوئی حیلہ نہیں کیا تھا۔

(مدح المصلیٰ ج ۱ ص ۲۸۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اسی طرح جب یہود پر چربی کو حرام کیا گیا تو انہوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کرنا شروع کر دیا، یہ بھی حیلہ نہیں تھا بلکہ بیسنہ حرام کا ارتکاب تھا، اسی لیے آپ نے ان کے اس فعل پر لعنت کی۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۸ھ)

قرآن اور سنت میں حیلہ کا ثبوت

حیلہ کی اصل قرآن مجید کی اس آیت میں ہے :

وَحُذِّبَتْ يَدُكَ فَضَعُفًا فَاصْبِرْ بِهِ وَلَا تَحْنُطْ

(اور اے ایوب آپ) اپنے ہاتھ میں تنکوں کی ایک جھاڑو

(ص : ۴۴) لے لیں، پھر اس سے ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کسی وجہ سے اپنی بیوی سے ناراض ہو گئے اور یہ قسم کھالی کہ وہ صحت یاب ہونے کے بعد اپنی بیوی کو سو کوڑے ماریں گے صحت یاب ہونے کے بعد ان کو یہ پریشانی ہوئی کہ اگر میں قسم پوری کرتا ہوں تو میری خدمت گزار بیوی کو لذت پہنچے گی اور اگر نہیں مارتا تو قسم ٹوٹ جائے گی، تب اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حیلہ بتایا کہ وہ سو تنکوں کی ایک جھاڑو لے کر ان کو ماریں اس طرح آپ کی قسم بھی پوری ہو جائے گی اور آپ کی بیوی بھی لذت پہنچنے سے محفوظ رہے گی۔

حیلہ کے جواز کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت یوسف اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے تو ان کے شہابی کارندے نے شہابی بنیامین کے سلمان میں رکھ دیا اور اس ملک کا قانون یہ تھا کہ جس شخص کے پاس سے مال مسروقہ برآمد ہو تو وہ طور سزا اس شخص کو مالک کے حوالہ کر دیا جاتا تھا سو جب بنیامین کے سلمان سے وہ شہابی بنیامین برآمد ہوا تو ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالہ کر دیا گیا، قرآن مجید میں ہے :

كَذَٰلِكَ كُنَّا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِیَّا خُذَ أَخَاهُ

اسی طرح ہم نے یوسف کو تدبیر بتائی وہ اپنے بھائی کو شہابی

فِي دِينِ الْمَلِكِ لَا أَنْ تَشَاءَ اللَّهُ

قانون کی وجہ سے نہیں لے سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

(یوسف : ۷۱)

اصول میں بھی حیلہ کا ثبوت ہے : لام ابوداؤد رواہت کرتے ہیں :

افضل میں سے ایک شخص پتھر ہو گیا حتیٰ کہ وہ بہت کمزور ہو گیا اور اس کی کھل ہڈیوں سے چپک گئی اس کے پاس افضل کی ایک بھی آئی جس پر وہ فریفتہ ہو گیا اور ہشاش بشاش ہو گیا اور اس سے جنسی عمل کر لیا، پھر جب اس کے قبیلہ کے لوگ اس کے پاس عیلت کے لیے آئے تو اس نے کہا رسول اللہ ﷺ سے میرے حلق حکم معلوم کرو کیونکہ میں نے اس بھی سے عمل کر لیا ہے، صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا اور کہا ہم نے اس جتنا پتھر افضل پر کئی نہیں دیکھا مگر ہم اس کو اٹھا کر آپ کے پاس لائے تو اس کی ہڈیوں ٹوٹ جائیں گی اس کی ہڈیوں پر کھل لپٹی ہوئی ہے،

رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ایک گچھالے آؤ اور اس پر اس کی ایک ضرب مارو۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۸، مطبوعہ مطبع مجبلیٰ پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

لام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو حضرت سعد بن عبلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ پتلی پتلی سوشاؤں کا ایک گچھالے آؤ اور اس پر اس کی ایک ضرب مارو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۸۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

لام احمد (۱) نے بھی اس حدیث کو حضرت سعد بن عبلہ سے اسی طرح روایت کیا ہے، لام ابن عساکر (۲) نے بھی اس حدیث کو حضرت سعد بن عبلہ سے روایت کیا ہے۔ اور لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو خیر کا عمل مقرر کیا وہ آپ کے پاس عمدہ کھجوریں لے آیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا خیر کی ساری کھجوریں اسی طرح ہیں؟ اس نے کہا نہیں! بہ خدا یا رسول اللہ! ہم دو صلع (ایک صلع تقریباً چار کلو گرام کا پیانہ ہے) کھجوریں دے کر یہ ایک صلع لیتے ہیں، یا تین صلع کھجوریں دے کر دو صلع یہ کھجوریں لیتے ہیں، آپ نے فرمایا اس طرح نہ کرو، سب کھجوروں کو در اہم کے بدلہ میں بیچو اور عمدہ کھجوروں کو در اہم کے بدلہ میں خرید لو۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں آپ نے سود سے بچنے کا حیلہ بیان فرمایا ہے۔

حیلہ کی تعریف اور اس کی اقسام

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

کسی خفیہ طریقہ سے مقصود کے حاصل کرنے کو حیلہ کہتے ہیں، علماء کے نزدیک اس کی کئی اقسام ہیں :

(۱) اگر جائز طریقہ سے کسی کا حق (خواہ اللہ کا حق ہو جیسے زکوٰۃ یا بندہ کا حق ہو) باطل کیا جائے یا کسی باطل (مثلاً سود، رشوت اور پگڑی وغیرہ) کو حاصل کیا جائے تو یہ حیلہ حرام ہے۔

(۲) اگر جائز طریقہ سے کسی حق کو حاصل کیا جائے یا کسی باطل یا ظلم کو دفع کیا جائے تو یہ حیلہ مستحب یا واجب ہے۔

(۳) اگر جائز طریقہ سے کسی ضرر سے محفوظ رہا جائے تو یہ حیلہ مستحب یا مباح ہے۔

(۴) اگر جائز طریقہ سے کسی مستحب کو ترک کرنے کا حیلہ کیا جائے تو یہ مکروہ ہے۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۳۲۶، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۰۱ھ)

فقہاء کے بیان کئے ہوئے بعض حیلے

علامہ سرخسی لکھتے ہیں :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر میں نے اپنے بھائی سے بات کی تو میری بیوی کو تین طلاقیں ہوں، حضرت عمر نے فرمایا اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دے دو اور اپنے بھائی سے کلام کر لو اور بیوی سے پھر دوبارہ نکاح کر لو۔ (المبسوط ج ۳ ص ۲۰۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے، اگر کوئی شخص کسی کا مثلاً ہزار روپے کا مقروض ہے اور اس نے ہزار روپے زکوٰۃ میں

(۱) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

(۲) امام ابوالقاسم حسن بن علی الشافعی ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ، مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۳۲۸، مطبوعہ دار الفکر دمشق ۱۴۰۳ھ

لکھتے ہیں تو وہ اپنا قرض کس طرح وصول کرے، علامہ محمد حنفی لکھتے ہیں :

جو لڑکا حیلہ یہ ہے کہ وہ اپنے مقروض کو جو صاحب نصاب نہ ہو اپنی زکوٰۃ دے اور اس کو مالک بنادے۔ پھر اس مقروض سے اپنا قرض وصول کرے اور اگر نہ دے تو اس سے چھین لے کیونکہ وہ اپنا بعینہ قرض حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے، اور اگر زکوٰۃ کی رقم سے کسی غریب آدمی کا کفن بناتا ہو تو کسی غریب کو کفن کی رقم زکوٰۃ میں دے دے، پھر وہ شخص اس کو کفن پہنا دے، اس میں دونوں کو ثواب ملے گا مسجد کی تعمیر میں بھی زکوٰۃ کی رقم اسی طرح لگائی جاسکتی ہے۔

(در مختار ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ حنفی لکھتے ہیں :

زکوٰۃ کی رقم کو مسجد، سرائے، سبیل وغیرہ پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور اس کا حیلہ یہ ہے کہ یہ رقم کسی غریب آدمی کو دے دے پھر اس کو کہے کہ وہ رقم ان نیک کاموں میں اپنی طرف سے خرچ کر دے۔

(در مختار ج ۲ ص ۶۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں :

زکوٰۃ لو اکرنے والے کو زکوٰۃ کا ثواب مل جائے گا اور اس غریب شخص کو ان عیالات میں رقم خرچ کرنے کا ثواب مل جائے گا۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں :

حافظ سیوطی نے جامع صغیر میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ اگر صدقہ سو ہاتھوں سے منتقل ہوتا ہو اس کی شخص کو ملے تو ہر شخص کو اتنا ثواب ہو گا جتنا پہلے شخص کو ثواب ملے گا اور کسی کے ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔

(فیض القدر شرح جامع صغیر ج ۵ ص ۳۳۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

علامہ منلوی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو خطیب بغدادی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے، اس کی سند میں بشیر بنی ضعیف رلوی ہے۔

اسی اصل پر فقہاء نے حیلہ اسقاط کو جائز کہا ہے۔

حیلہ اسقاط کی تحقیق

علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں :

نماز، روزہ، دیگر کفالت اور جلیات کو میت سے ساقط کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان تمام حقوق مالیہ کا ایک اندازہ کر لیا جائے اور اس کے متعلق مل سے اس رقم کو صدقہ کر دیا جائے بہ شرطیکہ اس نے وصیت کی ہو اگر اس نے وصیت نہ کی ہو اور کوئی وارث یا کوئی اور شخص اپنی طرف سے بہ طور احسان میت کی طرف سے صدقہ کر دے تو جائز ہے اور اگر اتنی رقم نہ ہو سکی ہو مثلاً کل رقم ایک لاکھ ہے، اور وارث کے پاس ہزار روپے ہیں تو سو آدمی بیٹھ جائیں اور وہ ایک شخص کو ہزار روپے میت کا ذمہ ساقط کرنے کی نیت سے دے دے دوسرے شخص کو اسی نیت سے ہزار روپے دے دے حتیٰ کہ جو غلوں کا شخص ہے وہ سو روپے شخص کو اسی نیت سے ہزار روپے دے دے یا وارث اور فقیر ایک دوسرے کو سو بار دیں تو میت کی طرف سے ایک لاکھ روپے کے حقوق ساقط ہو جائیں گے اور ان سو آدمیوں میں سے ہر شخص کو ایک ہزار روپے صدقہ

کرنے کا ثواب ملے گا۔ (مرآۃ المفاتیح ص ۳۳۳-۳۳۴، مفتاح، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ الربی دہلوی مصر ۱۳۵۶ھ) علامہ محمد مصطفیٰ حنفی لکھتے ہیں :

اگر کوئی شخص فوت ہو گیا اور اس کی کئی فوت شدہ نمازیں ہیں تو وہ ان کے کفارہ کی وصیت کرے، اور ہر نماز کے لیے نصف صاع (دو کلو گرام) گندم کفارہ دے، اسی طرح وتر اور ہر روزہ کا کفارہ ہے، یہ کفارہ اس کے تملک میں سے دیا جائے گا، اگر اس نے مل نہیں چھوڑا تو اس کا وارث مثلاً نصف صاع گندم (یا اس کی قیمت) قرض لے لے، وہ یہ گندم ایک فقیر کو میت کی طرف سے نماز کے فدیہ میں صدقہ کرے، وہ فقیر دوبارہ اس وارث کو یہ گندم صدقہ کر دے اور اسی طرح بار بار یہ دور کرتے رہیں حتیٰ کہ میت کی تمام نمازوں اور روزوں کا فدیہ لیا ہو جائے۔

(در مختار ج ۱ ص ۴۴۳، علی حامش رد المحتار، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں :

اقرب یہ ہے کہ میت کی نمازوں کا اندازہ کر کے اس کے حسب سے قرض لے، مرد پر بارہ سل اور عورت پر نو سل کی عمر میں نماز فرض ہو جاتی ہے تو ان کی عمر کی قضا نمازوں کا اندازہ کرے اور چھ ماہ یا ایک سل کی نمازوں کے فدیہ کی رقم ادھار لے، پھر وہ رقم فقیر کو صدقہ کرے اور فقیر پھر وارث کو یہ رقم صدقہ کر دے یا کسی اور فقیر کو صدقہ کر دے (اور اگر ایک سل کے فدیہ کی رقم قرض لی تھی اور نمازیں دس سل کی ہیں تو وارث اور فقیر ایک دوسرے کو دس بار دیں یا دس فقیروں میں اس رقم کو بار بار دیں اور بعد میں یہ رقم قرض خولہ کو واپس کر دیں۔) اسی طرح سے میت کے روزوں اور اس کے دوسرے مالی حقوق کی طرف سے بھی فدیہ دیا جائے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۴۴۳-۴۴۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

ہمارے دیہاتوں میں یہ رواج ہے کہ میت کی فوت شدہ نمازوں اور دیگر حقوق مالیہ کا حسب کئے بغیر چند آدمی بیٹھ کر ایک قرآن شریف اور چند روپوں کا آپس میں دور کرتے ہیں، اس سے تمام نمازوں اور دیگر مالی حقوق کا فدیہ لیا نہیں ہوتا، بلکہ قرآن شریف کی قیمت اور دوسرے روپوں کا جتنی بار دور کیا جاتا ہے اس کے حسب سے فقط اتنی نمازوں کا فدیہ لیا ہو گا۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبُحُوا بَقَرَةً ۖ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: بے شک اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے،

قَالُوا أَاتَّخِذُ نَاهِذَا قَالًا أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ

انہوں نے کہا کیا آپ ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ نے کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں

الْجَاهِلِينَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۖ قَالَ

جاہلوں سے ہو جاؤں ○ انہوں نے کہا آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بیان کرے کہ وہ (گائے)

إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ طَعَوَانٌ بَيْنَ

کیسی ہے؟ موسیٰ نے کہا بے شک وہ فرماتا ہے کہ بالیقین وہ گائے نہ بڑھی ہے نہ بچیا ان کے درمیان متوسط عمر کی ہے ،

ذَلِكَ طَفَعَلُوا مَا تَأْمُرُونَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ

سو تم کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجا لاؤ ۰ انہوں نے کہا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں

لَنَا مَا لَوْنَهَا ط قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءٌ فَاقِعٌ

یہ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیسا ہے؟ موسیٰ نے کہا بے شک اللہ فرماتا ہے بالیقین وہ چمکدار زرد رنگ کی گائے ہے ،

لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّظَرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا

دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہے ۰ انہوں نے کہا آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بیان کرے کہ

هِيَ إِنْ الْبَقَرُ تَشْبَهُ عَلَيْنَا ط وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾

اس کے اوصاف کیسے ہیں؟ بے شک گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہیں، اور بے شک اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت پا جائیں گے ۰

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذُلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا

موسیٰ نے کہا بے شک اللہ فرماتا ہے بالیقین وہ ایسی گائے ہے جو نہ محنت کرنے والی ہے نہ زمین میں ہل چلاتی ہو، اور نہ وہ

تَسْقِي الْحَرْثَ ط مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا ط قَالُوا الْاِنَّ جِئْتُ

کمیتی میں پانی دیتی ہے ، وہ بیج سالم اور بے داغ ہے وہ پکار اٹھے کہ اب آپ نے ٹھیک بات بتائی ہے

بِالْحَقِّ ط فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾

انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا اور وہ یہ کام کرنے والے نہ تھے ۰

بنو اسرائیل کے گائے ذبح کرنے کا بیان

لام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ ابو العلیہ سے روایت کرتے ہیں :

بنو اسرائیل میں ایک مل دار شخص تھا (علامہ قرطبی نے کہا اس کا نام عامیل تھا) اس کی لولہ نہ تھی اس کا وارث

اس کا ایک رشتہ دار تھا (سدی کی روایت میں ہے وہ اس کا بھتیجا تھا) اس نے اس مل دار شخص کو قتل کر دیا تاکہ اس کا

وہرٹ ہو، پھر اس کی لاش لوگوں کے راستے میں ڈال دی تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر کہا میرا رشتہ دار قتل کر

دیا گیا اور میرے نزدیک آپ کے سوا اور کوئی شخص نہیں جو اس کے قاتل کا نام بتا سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں میں اعلان کیا کہ جس شخص کو بھی اس کے قاتل کا علم ہو وہ ہمارے پاس آکر بیان کرے، جب کوئی شخص نہیں آیا تو وہ قاتل پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا آپ اللہ کے نبی ہیں آپ اللہ سے سوال کریں کہ وہ ہمیں قاتل بتا دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایک گائے ذبح کریں، ان کو اس پر تعجب ہوا کہ قاتل بتلانے میں اور گائے کے ذبح کرنے میں کیا مناسبت ہے، اس لیے انہوں نے کہا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں، حضرت موسیٰ نے کہا میں جہل ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، انہوں نے کہا آپ اللہ سے معلوم کریں کہ وہ کیسی گائے ہے، فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا، پھر کہا اللہ سے دعا کریں کہ فرمائے اس کا رنگ کیسا ہو، کہا اللہ فرماتا ہے وہ شوخ زرد رنگ کی گائے ہو جو دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہو، انہوں نے پھر کہا معلوم کریں اس کی صفت کیسی ہو، یہ گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے اور ان شاء اللہ ہم ہدایت پا جائیں گے۔ فرمایا وہ گائے محنت کے کام نہ کرتی ہو، نہ مل چلاتی ہو نہ کھیتوں کو پانی دیتی ہو اور وہ صحیح سالم اور بے داغ ہو انہوں نے کہا اب آپ نے پوری بت بتائی ہے۔ پھر انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا اور وہ یہ کام کرنے والے نہ تھے۔

جس وقت ان لوگوں کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اگر یہ اسی وقت کسی بھی گائے کو ذبح کر دیتے تو کفائی تھا، لیکن انہوں نے سوالات کر کے گائے میں قیودات لگوائیں تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی اور اگر یہ آخر میں ان شاء اللہ نہ کہتے تو یہ اس گائے کی طرف کبھی بھی ہدایت نہ پاتے، جس گائے کا انہوں نے تعین کیا تھا وہ صرف ایک بوڑھی عورت کے پاس تھی جس کے یتیم بچے تھے، جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ اس گائے کے علاوہ اور کسی گائے کو ذبح نہیں کریں گے تو اس نے اس گائے کی قیمت بہت بڑھادی (سدی کی روایت میں ہے اس عورت نے اس کے وزن سے دس گنا زیادہ سونا طلب کیا، طبری : ج ۱ ص ۲۶۹) وہ حضرت موسیٰ کے پاس گئے اور کہا وہ عورت بہت زیادہ قیمت مانگ رہی ہے، حضرت موسیٰ نے فرمایا تم نے خود اپنے اوپر سختی کی ہے اب اس کی منہ مانگی قیمت دو، انہوں نے وہ قیمت لوا کر کے گائے کو خرید لیا اور اس کو ذبح کیا، حضرت موسیٰ نے حکم دیا کہ اس کی ہڈی لے کر مقتول کے جسم پر مارو، جب مقتول پر گائے کی ہڈی ماری گئی تو وہ زندہ ہو گیا اور اس نے قاتل کا نام بتا دیا اور پھر مر گیا۔ اور قاتل وہی شخص تھا جس نے اس کے قاتل کا مطالبہ کیا تھا اس کو اس برے عمل کی پاداش میں قتل کر دیا گیا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۶۸-۳۶۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابوالحیاء اندلسی لکھتے ہیں :

اس مقتول کا نام عامیل تھا، عطاء اور سدی نے کہا کہ اس کا قاتل اس کا چچا زاد بھائی تھا، ایک قول یہ ہے کہ وہ اس کا بھائی تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اس کا بھتیجا تھا، نیز عطاء نے کہا ہے کہ عامیل کے عقد میں اس کی چچا زاد تھی اور وہ بنو اسرائیل میں سب سے حسین عورت تھی، قاتل نے اس لیے قتل کیا کہ وہ اس عورت سے بعد میں نکاح کرے۔ (المحرر المحیط ج ۱ ص ۴۰۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

بنو اسرائیل کی گائے کا بیان

بنو اسرائیل نے جس گائے کو ذبح کیا تھا اس کے متعلق حافظ سیوطی لکھتے ہیں :

امام ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بنو اسرائیل میں ایک نوجوان ایک دکلن

میں کچھ چھریں فروخت کرتا تھا اس کا بپ بوڑھا آدمی تھا، ایک دن ایک لور شہر سے ایک فحش آیا اور اس سے کچھ سودا طلب کیا، لور اس کی قیمت دے دی وہ اس کے ساتھ دکان کھولنے گیا، تاکہ اس کو وہ چیز دے دے، چالی اس کے والد کے پاس تھی لور وہ دکان کے سائے میں سو رہا تھا، اس فحش نے کہا اس کو جگا دو، اس لڑکے نے کہا وہ سویا ہوا ہے لور میں اس کو بیدار نہیں کروں گا، اس فحش نے اس کو جگانے کے لیے دگنی قیمت پیش کی اس لڑکے نے انکار کر دیا، حتیٰ کہ وہ فحش چلا گیا، اس لڑکے نے جو اپنے بپ کے ساتھ نیکی کی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ جزا دی کہ ان کی گائے سے وہ گائے پیدا ہوئی جس کی بنو اسرائیل کو تلاش تھی، بنو اسرائیل اس گائے کو خریدنا چاہتے تھے اور وہ لڑکا راضی نہ ہوتا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کو راضی کر کے گائے خریدو، بلا آخر اس کی قیمت یہ طے کی گئی کہ اس کے وزن کے برابر سونا دیا جائے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۷۶، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

لام ابن جریر نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۶۹-۲۷۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

گائے ذبح کرنے کے واقعہ سے استنباط شدہ مسائل

بنو اسرائیل کے گائے کو ذبح کرنے کے واقعہ سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوئے :

(۱) بنو اسرائیل کو اس حکم میں جو بھی اشکل ہوا اس کے حل کے لیے انہوں نے حضرت موسیٰ سے دعا کی درخواست کی، از خود دعا نہیں کی، نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا تم خود دعا کرو، اس میں وسیلہ اور مقربین سے دعا کرانے کا ثبوت ہے۔

(۲) مذاق کرنا جاہلوں کا کام ہے، البتہ مزاح لور چیز ہے یعنی کوئی نکتہ افروز بات کرنا، جیسے آپ نے فرمایا کوئی بدھیا جنت میں نہیں جائے گی۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے حکم پر بے چون و چرا عمل کرنا چاہئے لور اس میں حیل و حجت نہیں نکالنی چاہئے۔

(۴) اگر کوئی فحش اپنے لور پر سختی کرے تو اللہ بھی اس پر سختی کرتا ہے، بنو اسرائیل نے بے جا سوالات کر کے اپنے لور پر سختی کی تو اللہ نے بھی اس میں قیودات لگائیں۔

(۵) جو فحش ملے، بپ کا لوب لور ان کی فرماں برداری کرے اللہ اس کو اچھی جزا دیتا ہے۔

(۶) ان شاء اللہ کہنے کی برکت سے کام ہو جاتا ہے کیونکہ جب تک انہوں نے ان شاء اللہ نہیں کہا گائے کی طرف ہدایت نہیں پائی تھی۔

(۷) انسان کو اپنی چیز کی قیمت مقرر کرنے کا اختیار ہے حتیٰ کہ ایک گائے کی قیمت اس کے ہم وزن سونا بھی ہو سکتی ہے۔

(۸) شوخ زور رنگ اللہ کا پسندیدہ رنگ ہے۔

☆☆☆

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّرَأْتُمْ فِيهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجُ مَا كُنْتُمْ

مسیاد کرو جب تم نے ایک فحش کو قتل کیا تھا، ہم نے اس کی قتل میں ملوث کرنے والے، ادا شد اس چیز کو ظاہر کرنے والا

تَكْتُمُونَ ﴿٤٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذَلِكَ يُحْيِي اللَّهُ

مجاہد کو تم چھپاتے تھے ○ سو ہم نے کہا اس گائے کے ایک ٹکڑے کو اس مقتول پر مارو، اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائے گا

الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٤٣﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ

اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو ○ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے

مِّنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِّنَ

سودہ پتھروں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہیں ○ بے شک بعض پتھروں سے

الْحِجَارَةِ لَهَا يَتْفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَاءٌ يَشَّقُّ

دیا پھوٹ پڑتے ہیں، اور بے شک بعض پتھر پھٹتے ہیں تو ان سے پانی

فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَاءٌ يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ

نکل آتا ہے، اور بے شک بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں،

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٤٤﴾

اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے ○

گائے کا ایک عضو مقتول پر مارنے سے اس کا زندہ ہونا

ان آیات میں بھی اسی قصہ کو بیان فرمایا ہے جس واقعہ کا اس سے پہلی آیات میں ذکر تھا اس کا تحقیق پہلے ہوا تھا اور

اس کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے تاکہ بنو اسرائیل کو ان کی خود سری، ہٹ دھرمی اور شقلوت پر دوبارہ سرزنش کی جائے، اگر یہ

سوال کیا جائے کہ قتل تو ایک شخص نے کیا تھا اور اس آیت میں تمام بنو اسرائیل کی طرف اس کا اسناد کیا گیا ہے، اس کا

جواب یہ ہے کہ عرب کا اسلوب ہے کہ قبیلہ کے ایک فرد نے فعل کیا ہو تو پورے قبیلہ کی طرف اس کی نسبت کر دیتے

ہیں، بنو اسرائیل قاتل کو مخفی رکھنا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنا چاہتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایک گائے

ذبح کرو جس کی تفصیل اس سے پہلی آیات میں ذکر کی جا چکی ہے۔ اور فرمایا اس گائے کے کسی عضو کو اسی مقتول پر مارو، اس

عضو میں مختلف اقوال ہیں مثلاً زبان، دم، کان، ہڈی اور دل وغیرہ، جب گائے کے عضو کو مقتول پر مارا گیا تو اس کی رگوں سے

خون بننے لگا اور اس نے کہا مجھے میرے بھتیجے نے قتل کیا ہے۔

گائے ذبح کرا کر مقتول کو زندہ کرنے کی حکمت

رہا یہ سوال کہ اس مقتول کو اس طرح کیوں زندہ کیا گیا، اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کی دعا سے ویسے ہی زندہ فرمادیتا آخر

اس سے پہلے بھی تو ستر اسرائیلیوں کو زندہ فرمایا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ مقتول کو زندہ کرنے کے سلسلہ میں مشقت کا کچھ بار اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل پر ڈالنا چاہتا تھا اور ان کی کج بخشی اور حیلہ جوئی کو دکھانا چاہتا تھا اور اس ذریعہ سے ایک صلح اور مل باپ کے فرمایا اور لڑکے کو قائدہ پہنچانا چاہتا تھا اور یہ بتلانا چاہتا تھا کہ کسی چیز کو طلب کرنے سے پہلے کسی عبادت سے تقرب حاصل کرنا مستحسن ہے اور حصول ثواب کا ذریعہ ہے نیز ان کے سوالات کرنے کی وجہ سے گائے میں قیودات لگا کر سختی کی گئی تاکہ دو سروں کو عبرت ہو کہ اللہ کے حکم پر حیل و حجت کے بغیر عمل کرنا چاہئے اور یہ کہ اللہ کے حکم سے جو جانور ذبح کیا جائے وہ بہت قیمتی، صحیح سالم، بے داغ اور حسین و جمیل ہونا چاہئے اور اس میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوتا، لیکن اگر علول نے باغی کو قتل کیا یا کسی حملہ آور کو مدافعت میں قتل کیا تو وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ اسی طرح مردوں کو (قیامت کے دن) زندہ فرمائے گا ہر چند کہ یہ آیت بنو اسرائیل سے خطاب کے سلسلہ میں ہے لیکن اس میں ان لوگوں کی تعریف ہے جو نبی ﷺ کے زمانہ میں مرکز دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے۔

اس میں مردہ کو زندہ کرنے کی طرف اشارہ ہے، یا اس کے کلام کرنے کی طرف اشارہ ہے یا اس سے پہلے جن نشانیوں کا ذکر ہوا ان کی طرف اشارہ ہے، یعنی پتھر سے پانی کے چشموں کا جاری کرنا، ان پر پہاڑ معلق کر دینا، یا ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں کو بندر اور خنزیر بنا دینا۔ ان نشانیوں کو دیکھنے کے بعد ان کے دل کی سختی کا یہ عالم تھا کہ جب مقتول نے زندہ ہو کر بتایا کہ فلاں شخص اس کا قاتل ہے تو انہوں نے کہا یہ جھوٹ ہے۔ علاوہ ازیں ان نشانیوں کے دیکھنے کے باوجود وہ اپنی ہٹ دھرمی اور نافرمانیوں سے باز نہیں آئے۔

پتھروں، درختوں اور جانوروں کا لوراک اور ان کا آپ کی رسالت کی گواہی دینا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بعض پتھروں سے دریا پھوٹ پڑتے ہیں، بعض پتھروں سے پانی پھوٹ پڑتا ہے اور بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ اس آیت میں اثر پذیری کے اعتبار سے پتھروں کی تین قسمیں بتائی ہیں، ایک قسم وہ ہے جس سے دریا پھوٹ پڑتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ اثر پذیری ہے، دوسری قسم میں اس سے کم اثر پذیری ہے جن سے پانی نکل آتا ہے، اور سب سے کم اثر پذیری ان پتھروں میں ہے جو خوف خدا سے گر پڑتے ہیں۔ بنو اسرائیل میں اتنی اثر پذیری بھی نہیں ہے، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پتھروں میں بھی لوراک ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان میں خدا کا خوف ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی اس پر دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پتھروں اور پہاڑوں میں ایک قسم کا لوراک پیدا کیا ہے :

لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْنَهُ
خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ (الحشر : ۲۱)
اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تم ضرور اس کو
جھکتا ہو اور اللہ کے خوف سے پھٹتا ہو دیکھتے۔
يُجِبَالٌ يَّاقُوبِي مَعَهُوَ الطُّبَيْرُ (سبا : ۲۰)
اے پہاڑو اور پرندو! تم دلوؤ کے ساتھ تسبیح کرو۔

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے احد پہاڑ کے متعلق فرمایا احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۹-۲۱۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی)

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو اعلان نبوت سے پہلے مجھ پر سلام عرض کرتا تھا میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ (معجم صغیر ج ۱ ص ۳۳، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حجر اسود اور رکن یمانی کو اس حل میں اٹھائے گا کہ ان کی دو آنکھیں 'زبان لور دو ہونٹ ہوں گے' لور جس نے ان کی پوری تعظیم کی وہ اس کے حق میں گواہی دیں گے۔

حافظ البیہقی بیان کرتے ہیں :

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے سات یا نو کنکریاں اپنے ہاتھ میں لیں تو وہ تسبیح کرنے لگیں شد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ان کی آواز سنائی دیتی تھی الحدیث۔ اس حدیث کو امام بزار نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور ایک سند کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۹، مطبوعہ دار الکتب العربی ۱۳۰۲ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مجھ پر وحی کی گئی تو میں جس پتھریا درخت کے پاس سے گزرتا تھا وہ کہتا تھا السلام علیک یا رسول اللہ اس حدیث کو امام بزار نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۰-۲۵۹، مطبوعہ دار الکتب العربی ۱۳۰۲ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ باہر نکلا آپ جس پتھریا درخت کے پاس سے گزرتے تھے وہ آپ کو سلام عرض کرتا تھا۔ حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم لوسط میں روایت کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی کا مجھے علم نہیں باقی راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۰، مطبوعہ دار الکتب العربی ۱۳۰۲ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا آپ کے سامنے جو بھی پہاڑ یا درخت آتا وہ کہتا السلام علیک یا رسول اللہ! (جامع ترمذی ص ۵۲۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پتھروں کے علاوہ درختوں میں بھی اور اک پیدا کیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے لیے منبر بنا کر لایا گیا تو جس کھجور کے ستون کے ساتھ آپ پہلے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے وہ اس طرح چیخ مار کر رو رہا تھا جیسے اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں روتی ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ سامنے سے ایک

اعرابی آیا تھا جب وہ قریب آیا تو نبی ﷺ نے اس سے پوچھا تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا اپنے لہل کے پاس، آپ نے فرمایا کیا تم کوئی خیر حاصل کرو گے؟ اس نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لا شریک ہے اور محمد ﷺ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اس نے کہا آپ کے اس قول پر کون گواہ ہے؟ آپ نے فرمایا یہ درخت، وہ درخت ولوی کے کنارے تھا رسول اللہ ﷺ نے اس درخت کو بلایا تو وہ درخت زمین کو پھاڑتا ہوا نبی ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا، آپ نے اس سے تین مرتبہ اپنی رسالت پر شہادت طلب کی اور اس نے اسی طرح شہادت دی جس طرح آپ نے کلمہ شہادت پڑھا تھا، پھر وہ درخت اپنی جگہ واپس چلا گیا وہ اعرابی اپنی قوم کی طرف چلا گیا اور اس نے کہا اگر قوم نے میری بات من لی تو میں ان کو لے کر آؤں گا ورنہ خود حاضر ہوں گا۔

(معجم کبیر ج ۳ ص ۳۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ۵ ص ۲۵۸، مطبوعہ دار المامون تراث بیروت ۱۴۰۲ھ) حافظ البیہقی لکھتے ہیں اس حدیث کو امام بزار نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

جانوروں کو بھی رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اور اک تھا، امام طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ ایک محفل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں بنو سلیم کا ایک اعرابی آیا اس نے ایک گاوہ شکار کر کے اپنی آستین میں رکھی ہوئی تھی، اس نے جب یہ جماعت دیکھی تو لوگوں سے پوچھا اس جماعت کا امیر کون ہے؟ لوگوں نے بتایا وہ شخص ہیں جو خود کو نبی مکن کرتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا : اے محمد تم سے بڑھ کر جھوٹا کوئی نہیں ہے اور میرے نزدیک تم سے بڑھ کر مبغوض کوئی نہیں ہے اور اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ میری قوم مجھ کو جلد باز کہے گی تو میں تم کو قتل کر دیتا اور اس پر سب لوگ خوش ہوتے، حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ! مجھ کو اجازت دیں میں اس کو قتل کر دوں! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں کہ نبی مبدل ہوتا ہے! اس اعرابی نے کہا اگر یہ گاوہ آپ پر ایمان لے آئے تو لات اور عزی کی قسم میں آپ پر ایمان لے آؤں گا اور اس نے آستین سے گاوہ نکل کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے پھینک دی، رسول اللہ ﷺ نے گاوہ سے کہا اے گاوہ! اس نے فصیح عربی میں کہا اے رب الطمین کے رسول، لبیک میں حاضر ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : کس کی عبادت کی جاتی ہے؟ اس نے کہا جس کا آسمان میں عرش ہے اور زمین میں اس کی سلطنت ہے، سمندر میں جس کی سبیل ہے، جنت میں جس کی رحمت ہے اور دوزخ میں جس کا عذاب ہے، آپ نے فرمایا اے گاوہ! میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ رب الطمین کے رسول ہیں اور خاتم النبین ہیں، جس نے آپ کی تصدیق کی وہ کامیاب ہے اور جس نے آپ کی تکذیب کی وہ ناکام ہے، پھر اس اعرابی نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے برحق رسول ہیں، بے شک جس وقت میں آیا تھا تو میرے نزدیک آپ سے بڑھ کر مبغوض کوئی نہیں تھا اور اب میرے نزدیک آپ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں ہے۔

(معجم صغیر ج ۲ ص ۶۵-۶۳، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۴۸۸ھ)

حافظ البیہقی لکھتے ہیں :

محمد بن علی بن ولید بصری کے علاوہ اس کی سند کے باقی راوی صحیح ہیں، اس حدیث کا دار اسی پر ہے۔
(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۳، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صحراء میں تھے کہ کسی آواز دینے والے نے آواز دی یا رسول اللہ! آپ نے مڑ کر دیکھا تو کوئی نظر نہیں آیا، آپ پھر متوجہ ہوئے تو ایک ہرنی بندھی ہوئی تھی، اس نے کہا یا رسول اللہ! میرے قریب آئیں، آپ اس کے قریب گئے اور فرمایا تمہیں کیا کام ہے؟ اس نے کہا میں پہاڑ میں میرے دو بچے ہیں، آپ مجھے کھول دیں تاکہ میں جا کر انہیں دودھ پلاؤں، پھر میں آپ کے پاس واپس آ جاؤں گی، آپ نے فرمایا تم ایسا کرو گی؟ اس نے کہا اگر میں ایسا نہ کروں تو اللہ مجھے اس اونٹنی کے عذاب میں مبتلا کرے جس کے بچے گم ہو گئے ہوں، آپ نے اس کو کھول دیا، وہ گئی جا کر اس نے اپنے بچوں کو دودھ پلایا، پھر واپس آ گئی اور آپ نے اس کو باندھ دیا، اعرابی بیدار ہوا تو اس نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کو کوئی کام ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اس ہرنی کو کھول دو، وہ چلا نکلیں لگاتی ہوئی گئی اور کہہ رہی تھی ”میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔“
(معجم کبیر ج ۲۳ ص ۳۳۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۵، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

اَفَتَطْمَعُونَ اَنْ يُّؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ

(اے مسلمانو!) کیا تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہاری خاطر ایمان لے آئیں گے؛ حالانکہ ان کا ایک فریق اللہ کا کلام سنتا

كَلَّمَ اللّٰهَ ثُمَّ يَخْرِفُوْنَهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۵﴾

تھا پھر اس کو سمجھنے کے باوجود اس میں دانستہ تبدیلی کر دیتا تھا ○

وَإِذْ أَتَوْا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا بِمَا آمَنَ وَآذَ أَخْلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ

اور جب وہ ایمان والوں سے ملے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اور جب یہ ایک دوسرے کے ساتھ

بَعْضٌ قَالُوا اتَّخَذُوا آلَهُنَّ مِمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ

تہنائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم ان (مسلمانوں) کو وہ (حق) باتیں بتا رہے ہو جو اللہ نے تم پر کھول دی ہیں تاکہ وہ ان باتوں کو

عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۴۶﴾ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا

تمہارے رب کے سامنے حجت بنائیں، کیا تم عقل نہیں رکھتے ○ کیا وہ (یہودی) نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جس کو وہ

يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۷۵﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ

چھاتے ہیں اور جس کو ظاہر کرتے ہیں ○ اور ان میں سے بعض ان پڑھ ہیں، جو زبان پڑھنے کے سوا (اللہ کی)

الْأَمَانِي وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۷۶﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتِيبُونَ

کتاب کا علم نہیں رکھتے اور وہ مرتن (گمان) کرتے ہیں ○ پس عذاب ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے

الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ

ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے بدلہ میں قصوڑی

لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ

قیمت لیں، سو ان کے لیے عذاب ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا

أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿۷۷﴾

اور جو کچھ انہوں نے کمایا اس کے سبب سے انکو عذاب ہوگا ○

آیات مذکورہ کا شان نزول

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (۱) مسلمانوں کی اتم یہ طمع رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہاری خاطر ایمان لے آئیں گے۔ جب کسی چیز کی بہت زیادہ رغبت ہوتی ہے اور انسان اس کے حصول کی قوی امید کر لیتا ہے تو اس کو طمع کہتے ہیں ہم نے اس کا ترجمہ توقع کیا ہے۔ علاوہ ابوالیمان اندلسی لکھتے ہیں اس آیت کے شان نزول میں دو قول ہیں : (۱) یہ آیت ان انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے جو یہود کے حلیف تھے وہ ان کے پڑوسی بھی تھے اور ان کے درمیان رضاعت بھی تھی وہ یہ چاہتے تھے کہ یہ یہودی مسلمان ہو جائیں۔

(۲) نبی ﷺ اور مسلمان یہ خواہش رکھتے تھے کہ ان کے زمانہ میں جو یہودی ہیں وہ مسلمان ہو جائیں کیونکہ وہ اہل کتب تھے اور ان کے پاس شریعت تھی، حضور ان کے ساتھ نرمی کرتے تھے اور ان کی وجہ سے دوسروں پر سختی کرتے تھے تاکہ وہ یہودی مسلمان ہو جائیں۔ (البحر المحیط ج ۱ ص ۳۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

بنو اسرائیل کی تحریف کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ملائکہ ان کا ایک فریق اللہ کا کلام سننا تھا پھر اس کو سمجھنے کے بلوجود اس میں دانتہ تبدیلی کر دیتا تھا۔ اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ ایک فریق اللہ کا کلام سننا تھا اس کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننا تھا اور پھر اس میں تبدیلی کی اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کلام اللہ سے مراد تورات ہے جس میں وہ تحریف کرتے تھے۔ پہلے قول کے متعلق امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

امام محمد بن اعحق بیان کرتے ہیں کہ مجھے بعض اہل علم سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا : اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ کے دیدار اور ہمارے درمیان کڑک حائل ہو گئی لیکن جب اللہ تعالیٰ آپ سے ہم کلام ہو تو آپ ہمیں اس کا کلام سنا دیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا، حضرت موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم غسل کرو، صاف کپڑے پہنو اور روزے رکھو، پھر وہ ان کو لے کر طور پر آئے، جب بدل نے ان کو ڈھانپ لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا سجدہ میں گر جائیں وہ سجدہ میں گر گئے، حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے کلام کیا اور انہوں نے اس کلام کو سنا، اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کا امر کیا اور بعض چیزوں سے منع کیا، انہوں نے اس کو سن کر سمجھ لیا، جب بنو اسرائیل کے پاس پہنچے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس چیز کا حکم دیا ہے اور اس چیز سے منع کیا ہے، تو ان لوگوں نے اس میں تحریف کر دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بتائے ہوئے احکام کو بدل دیا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۹۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام ابن جوزی اس روایت پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

بعض اہل علم نے اس روایت کا شدید انکار کیا ہے، ان میں سے امام ترمذی صاحب نولور لاصول بھی ہیں انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے کلام کو بلا واسطہ سنا صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے، ورنہ ان میں اور حضرت موسیٰ میں کیا فرق رہے گا؟ اس قسم کی احادیث کو کبھی نے روایت کیا ہے اور وہ جھوٹا شخص ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۱۰۳-۱۰۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

دوسرے قول کے متعلق امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

ابن زید نے کہا اس کلام اللہ سے مراد تورات ہے، بنو اسرائیل اس میں تحریف کر کے اس کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتے تھے اور حق کو باطل اور باطل کو حق بیان کرتے تھے۔ جب ان کے پاس صاحب حق رشوت لے کر آتا تو کتاب سے اس کی منشاء کے مطابق مسئلہ بیان کرتے اور جب باطل پر قائم کوئی شخص ان کے پاس رشوت لے کر آتا تو کتاب سے اس کی مرضی کے مطابق حکم بیان کرتے، اور جب کوئی شخص رشوت لے کر نہ آتا تو پھر کتب سے صحیح حکم نکال کر بیان کر دیتے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۹۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابن جریر فرماتے ہیں زیادہ صحت کے قریب یہ ہے کہ تورات میں نبی ﷺ کی جو صفات مذکور تھیں ان میں دانستہ تحریف کرتے تھے اور آپ کی صفات کو تبدیل کر کے بیان کرتے تھے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۹۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ تورات میں مذکور تھا کہ آپ کا گوارا رنگ ہے اور متوسط قد ہے اور جب ان سے آخری نبی کی صفات پوچھی جاتیں تو یہ کہتے ان کا سانولا رنگ ہے اور لمبا قد ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۹۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

یسود کے نفاق کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب منافقین یہود حضرت سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب سے ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور ابو العلیہ اور قتادہ نے بیان کیا کہ جب یہ آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تمہاری کتب میں جو (حضرت) محمد (ﷺ) کی صفات بیان کی گئی ہیں وہ تم مسلمانوں کے سامنے کیوں بیان کرتے ہو، وہ اس بیان کو تمہارے خلاف حجت بنالیں گے کہ جب یہ وہی آنے والے نبی ہیں تو تم ان پر ایمان کیوں نہیں لائے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۴۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

ای اور امینہ کا معنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان میں سے بعض ان پڑھ ہیں جو زہنی پڑھنے کے سوا (اللہ کی) کتب کا علم نہیں رکھتے۔
 اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کئی گراں فرقوں کا بیان فرمایا ہے، پہلے اس فرقہ کا بیان کیا جو اللہ کے کلام میں تحریف کرتا ہے، پھر دوسرے فرقہ کا بیان کیا جو منافقین ہیں، پھر تیسرے فرقہ کا بیان کیا جو مجاہدین (بحث میں ضد سے کام لینے والے) تھے اور یہ کہتے تھے مسلمانوں کے سامنے تورات کی ایسی آیات نہ بیان کرو جو خود تمہارے خلاف حجت ہوں، اس کے بعد اب چوتھے فرقہ کا بیان کیا جو عوام اور ناخواندہ لوگ ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے امینہ فرمایا، امی وہ شخص ہے جو لکھتا ہو نہ پڑھتا ہو یعنی جس طرح مل کے بطن سے ناخواندہ پیدا ہوا تھا اسی حالت پر ہو اور کسی سے علم حاصل نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ کتب کا علم نہیں رکھتے ماسوا اللہ کے، اللہ امینہ کی جمع ہے امینہ کا ایک معنی ہے پڑھنا، یعنی یہ عام ان پڑھ لوگ صرف زہنی تورات کو پڑھ لیتے ہیں اس کا معنی نہیں جانتے، جیسے ہمارے برصغیر میں عام ناخواندہ لوگ قرآن مجید کی عبارت کو معنی سمجھے بغیر پڑھتے ہیں، اور اس کا دوسرا معنی ہے تمنا اور آرزو، یعنی ان کی صرف یہ تمنائیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا اور ان گناہوں پر گرفت نہیں فرمائے گا، اور ان کے آباء و اجداد میں جو انبیاء ہیں وہ ان کی شفاعت کریں گے، یا ان کے علماء کی جو تمنائیں تھیں کہ دوزخ کی آگ ان کو صرف چند دن جلائے گی، یا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ سوائے ان جھوٹی اور من گھڑت باتوں کے کتب کا علم نہیں رکھتے جو انہوں نے اپنے علماء سے سنا لی ہیں اور ان کو بہ طور تقلید کے مانتے چلے آ رہے ہیں، لیکن یہی امینہ کو تمنا کے معنی پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کے بعد کی آیت میں ان کی اس تمنا کا ذکر آ رہا ہے کہ ان کو صرف چند دن آگ جلائے گی۔ ہم نے شرح صحیح مسلم کی پانچویں جلد میں اسی کا معنی زیادہ تفصیل اور تحقیق سے بیان کیا ہے اور سورہ اعراف میں ان شاء اللہ اس پر مکمل بحث کریں گے، اسی طرح ان شاء اللہ سورہ حج میں امینہ کے معنی پر بحث کریں گے۔

ویل کا معنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ویل ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

اصحیٰ نے کہا ”ویل“ بری چیز ہے اور اس کا استعمال حسرت کے موقع پر ہوتا ہے اور ”ویح“ کا استعمال ترمیم کے طور

پر ہوتا ہے۔ (المفردات ص ۵۳۵، مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

لام ان جریر طبری اپنی اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا ”نویل لم“ کا معنی ہے ان پر عذاب ہو، ابو عیاض نے کہا ویل اس پیپ کو کہتے ہیں جو جنم کی جڑ میں گرتی ہے، حضرت عثمان بن عفان نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ ویل، جنم میں ایک پہاڑ ہے اور حضرت ابوسعید نے نبی ﷺ سے روایت کیا کہ ویل جنم میں ایک دلوہی ہے کافر اس کی گہرائی تک پہنچنے سے پہلے چالیس سال تک گرتا رہے گا۔ ان احادیث اور آثار کے اعتبار سے ویل کا معنی یہ ہے کہ جو یہودی اپنی طرف سے لکھ کر کتب اللہ میں تحریف کرتے ہیں ان کو جنم کی گہرائی میں اہل جنم کی پیپ پیٹنے کا عذاب ہو گا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۰۰-۲۹۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۳۰ھ)

ابو العالیہ نے کہا کہ یہود سیدنا حضرت محمد ﷺ کی صفات میں تحریف کرتے تھے اور دنیوی مل کی وجہ سے اس میں تبدیلی کرتے تھے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہود نے اپنی خواہش کے مطابق تورات میں احکام لکھ دیئے اور جو احکام ان کو ناپسند تھے ان کو انہوں نے تورات سے مٹا دیا نیز انہوں نے تورات سے سیدنا محمد ﷺ کا نام مٹا دیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب فرمایا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۰۱-۳۰۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۳۰ھ)

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ أَتَّخِذُكُمْ

اور انہوں نے کہا گنتی کے چند دنوں کے سوا ان کو ہرگز آگ نہیں چھوئے گی، آپ کیجیے آیات نے اللہ سے کوئی

عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى

عہدے یا جس کی اللہ ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ کے متعلق وہ بات کہتے ہو

اللَّهُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۰﴾ بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ

جس کا متہیں علم نہیں ہے؛ ○ کیوں نہیں! جنہوں نے بُرا کام کیا اور اُن کی برائی نے اُن کو (پوری طرح)

بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۱﴾

گھیر لیا وہ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ جنتی ہیں

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۲﴾

وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

عذابِ یسود کے مرقومہ چند دنوں کا بیان

یسودی کہتے تھے ان کو صرف چند دن عذاب ہو گا اور ان چند دنوں کے متعلق دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے :

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے دشمن یودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم میں صرف قسم پوری کرنے کے لیے داخل کرے گا اور یہ چالیس دن کی مدت ہے جس میں ہم نے پچھڑے کی پرستش کی تھی۔

اور دوسرا قول یہ ہے :

مجلد نے بیان کیا کہ یسودی کہتے تھے کہ دنیا کی مدت سات ہزار سال ہے اور ہمیں ہر ہزار کے مقابلہ میں ایک سال عذاب دیا جائے گا یعنی کل سات سال عذاب دیا جائے گا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۰۳-۳۰۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ) بلا توبہ مرتکب کبیرہ مرنے والے کے دائمی عذاب پر معتزلہ کا استدلال اور اس کا جواب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیوں نہیں، جس نے برا کام کیا اور اس برائی نے اس کو گھیر لیا وہ جہنمی ہیں۔

معتزلہ اور خوارج نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس مسلمان نے گناہ کبیرہ کیا اور بغیر توبہ کے مر گیا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، لیکن ان کا یہ استدلال دو وجہوں سے باطل ہے :

اول تو اس وجہ سے کہ امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں سینہ (برائی) سے مراد کفر ہے اور ابو وائل، مجاہد اور قتادہ سے مروی ہے کہ سینہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۰۵-۳۰۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

دور جو شخص مشرک ہو، وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ برائی اس کا احاطہ کر لے اور احاطہ اس وقت ہو گا جب اس کے دل سے بھی تصدیق نکل جائے اور اس میں ایمان اور خیر مطلقاً نہ رہے اور ایسا شخص کافر ہے اور وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔

ثلث سنت یہ کہتے ہیں کہ اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان بغیر توبہ کے مر گیا تو اس کی بخشش ہو سکتی ہے اور ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے :

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء : ۴۸)

بے شک اللہ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کو نہیں بخشے گا اور جو (گناہ) اس سے کم ہو اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس مسلمان نے شرک نہیں کیا خواہ اس نے کوئی گناہ کیا ہو، توبہ کی ہو یا نہ کی ہو، اللہ چاہے گا تو اس کو بخش دے گا۔

☆☆☆

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ تَتَوَّ

اعباد کذب ہم نے بنو اسرائیل سے یہ پختہ معاہدہ کیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا

بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَ

اور ماں باپ . رشتہ داروں ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیکی کرنا اور

قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ

لوگوں سے اچھی باتیں کرنا ، اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا پھر تم میں

تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۸۳﴾

سے چند لوگوں کے علاوہ تم سب (اس عہد سے) منحرف ہو گئے اور تم (جو نبی) منع ہوئے والے ۰

رابط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ بنو اسرائیل نے برے کام کیے اور برے کاموں نے ان کا احاطہ کر لیا اب اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل بیان فرما رہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد کیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور ماں باپ ، رشتہ داروں ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کریں گے ، لوگوں سے اچھی باتیں کریں گے ، نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے پھر چند اشخاص کے سوا باقی سب نے اس عہد کی خلاف ورزی کی۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی عبادت کرنا ، نماز قائم کرنا ، اور زکوٰۃ ادا کرنا ، ماں باپ ، رشتہ داروں ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کرنا یہ اس قسم کی عبادت ہیں جو ہر نبی کے دور میں مشترک رہی ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کو اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کا اپنی عبادت کے ساتھ منسلک ذکر کیا ہے ، اس لیے ہم یہاں اس کی کچھ تفصیل ذکر کر رہے ہیں اور اس کے بعد رشتہ داروں ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کا بھی بیان کریں گے ، ان شاء اللہ۔

والدین کی اطاعت پر ، ثواب کے متعلق احادیث

حافظ منذری بیان کرتے ہیں :

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اللہ کو سب سے زیادہ کون سا عمل پسند ہے ، آپ نے فرمایا نماز کو وقت پر پڑھنا میں نے پوچھا : پھر کون سا عمل ؟ فرمایا ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا۔ (بخاری ، مسلم)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص نے آکر جملہ کی اجازت طلب کی ، آپ نے فرمایا کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں ؟ اس نے کہا ہاں ، فرمایا ان کی خدمت میں جملہ کرو۔ (بخاری ، مسلم ، ابوداؤد ، نسائی)

(۳) معاویہ بن جاحمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جاحمہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ ! میں نے جملہ کا ارادہ کیا ہے ، میں آپ کے پاس مشورہ کے لیے آیا ہوں ، آپ نے فرمایا کیا تمہاری ماں (زندہ) ہے ؟ اس نے کہا ہاں

آپ نے فرمایا اس کے ساتھ چٹے رہو، کیونکہ جنت اس کے پیر کے پاس ہے، (ابن ماجہ، نسائی، حاکم، حاکم نے کہا اس کی سند صحیح ہے)

اس حدیث کو سند جید کے ساتھ طبرانی نے روایت کیا ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس گیا اور آپ سے جملہ کے متعلق مشورہ کیا آپ نے فرمایا تمہارے مل باپ ہیں، میں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا ان کے پیروں کے ساتھ چٹے رہو، جنت ان کے پیروں کے نیچے ہے۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا : میں جملہ کی خواہش رکھتا ہوں اور مجھے اس پر قدرت نہیں ہے، آپ نے فرمایا کیا تمہارے والدین میں سے کوئی ایک ہے؟ اس نے کہا میری ماں ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے ساتھ نیکی کرنے کی زیادہ کوشش کرو، جب تم یہ کر لو گے تو تم حج کرنے والے، عمرہ کرنے والے اور جملہ کرنے والے ہو گے۔ اس حدیث کو ابو یعلیٰ اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور دونوں کی سند عمدہ ہے۔

(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا تھا اور حضرت عمر اس کو پسند کرتے تھے، انہوں نے مجھ سے کہا اس کو طلاق دے دو، میں نے انکار کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو طلاق دے دو۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان)

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے مل باپ کے ساتھ نیکی کرے اس کے لیے طوبی (جنت کا ایک سلیہ دار درخت) ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں زیادتی کرتا ہے (ابو یعلیٰ، طبرانی، حاکم، امبہانی، حاکم نے کہا اس کی سند صحیح ہے)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اس کی ناک خاک آلودہ ہو، اس کی ناک خاک آلودہ ہو، اس کی ناک خاک آلودہ ہو، پوچھا، کس کی یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کا بد چلایا، اس کے بل جود وہ جنت میں داخل نہیں ہوا۔ (مسلم)

(۸) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے منبر پر چڑھتے ہوئے فرمایا آمین، آمین، آمین، آپ نے فرمایا میرے پاس جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور کہا اے محمد جس نے اپنے مل باپ کو یا ان میں سے ایک کو پایا اور ان کے ساتھ نیکی کیے بغیر مر گیا وہ دونوں میں جائے اور اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کر دے، کیسے آمین تو میں نے کہا آمین، پھر کہا یا محمد جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور مر گیا اور اس کی مغفرت نہیں ہوئی (یعنی اس نے روزے نہیں رکھے) وہ دونوں میں داخل کیا جائے اور اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کر دے، کیسے آمین تو میں نے کہا آمین، اور جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر دودنہ پڑے وہ دونوں میں جائے اور اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کر دے، کیسے آمین، تو میں نے کہا آمین، (اس حدیث کو امام طبرانی نے دوسندوں کے ساتھ روایت کیا ہے جن میں سے ایک سند حسن ہے، امام ابن حبان نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور اس کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔)

(۹) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین آدمی سفر کر رہے تھے۔ ان کو بدش نے آلیا، انہوں نے پہاڑ کے اندر ایک غار میں پناہ لی، غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک چٹان ٹوٹ کر آگری اور غار کا منہ بند ہو گیا، پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا تم نے جو نیک عمل اللہ کے لیے کیے ہوں ان کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرو

شاید اللہ غار کا منہ کھول دے، ان میں سے ایک نے کہا اے اللہ! میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میری ایک چھوٹی بچی تھی، میں جب شام کو آتا تو بکری کا دودھ دودھ کر پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا پھر اپنی بچی کو پلاتا، ایک دن مجھے دیر ہو گئی میں حسب معمول دودھ لے کر ماں باپ کے پاس گیا، وہ سو چکے تھے، میں نے ان کو جگانا پسند کیا اور ان کے دودھ دینے سے پہلے اپنی بچی کو دودھ دینا پسند کیا، بچی رات بھر بھوک سے میرے قدموں میں روتی رہی اور میں صبح تک دودھ لے کر ماں باپ کے سرہانے کھڑا رہا۔ اے اللہ تجھے خوب علم ہے کہ میں نے یہ فعل صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا تو ہمارے لیے اتنی کشلوگی کر دے کہ ہم آسمان کو دیکھ لیں، اللہ عز و جل نے ان کے لیے کشلوگی کر دی حتیٰ کہ انہوں نے آسمان کو دیکھ لیا۔ (بخاری، مسلم، ابن حبان)

(۱۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟ فرمایا تمہاری ماں، اس نے پوچھا، پھر کون؟ فرمایا تمہاری ماں، اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تمہاری ماں، اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تمہارا باپ (بخاری و مسلم)

(۱۱) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے (ترمذی، ابن حبان، حاکم، طبرانی)

(۱۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا یا رسول اللہ میں نے بہت بڑا گناہ کر لیا ہے کیا اس کی کوئی توبہ ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا کیا تمہاری خالہ ہے؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا اس کے ساتھ نیکی کرو۔ (ترمذی، ابن حبان، حاکم)

(۱۳) حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ سعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بنو سلمہ کا ایک شخص آیا کہنے لگا یا رسول اللہ! کیا میں ماں باپ کی موت کے بعد ان کے ساتھ نیکی کر سکتا ہوں؟ فرمایا: ہاں، ان کی نماز جنازہ پڑھو، ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو، کسی کے ساتھ ان کے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرو، ان کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو، ان کے دوستوں کی عزت کرو (ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان)

(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۲۳-۳۱۳، ملقط، مطبوعہ دار الحدیث القاہرہ : ۱۴۰۷ھ)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب عمل ہے، اس کا ثواب جملہ کے برابر بلکہ اس سے بڑھ کر ہے اور اس کا اجر حج اور عمرہ کے مساوی ہے، ماں باپ کے قدموں میں رہنا جنت کی طرف پہنچاتا ہے، اس سے عمر زیادہ ہوتی ہے، دعا قبول ہوتی ہے، دوزخ سے نجات ملتی ہے، مغفرت ہوتی ہے، اور ان کو راضی کرنے سے اللہ راضی ہوتا ہے۔

ماں باپ کی نافرمانی پر عذاب کے متعلق احادیث

حافظ منذری بیان کرتے ہیں :

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا کیا میں تم کو سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ ہم نے کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شریک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر بیٹھ گئے، اور فرمایا سنو اور جھوٹ اور جھوٹی گواہی، آپ بار بار یہ فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے کہا کاش

بپ سکت فرماتے (بخاری، مسلم، ترمذی)

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین شخصوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا، 'میں باپ کا نافرمان'، 'علوی شربلی'، 'کوئی چیز دے کر احسان جتانے والا' اور تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے، 'میں باپ کا نافرمان'، 'دیوث' (اپنی بیوی کی بدکاری پر علم کے باوجود خاموش رہنے والا) اور جو عورت مردوں کی مشابہت کرے۔ (نسائی، بزار، ابن دونوں کی سند حسن ہے۔ حاکم نے کہا اس کی سند صحیح ہے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس کا پہلا حصہ روایت کیا ہے)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پانچ سو میل کی مسافت سے جنت کی خوشبو آئے گی اپنے کام کا احسان جتانے والے کو، 'میں باپ کے نافرمان کو اور علوی شربلی کو یہ خوشبو نصیب نہیں ہوگی۔' (طبرانی)

(۴) حضرت ابو لہبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین آدمیوں کا اللہ تعالیٰ کوئی فرض قبول کرے گا نہ نفل، 'میں باپ کا نافرمان'، 'احسان جتانے والا اور تقدیر کو جھٹلانے والا۔' (کتاب السنن)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کرے، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کوئی شخص اپنے والدین پر کیسے لعنت کرے گا؟ فرمایا وہ کسی شخص کے باپ کو گلی دے گا تو وہ اس کے باپ کو گلی دے گا، وہ کسی کی ماں کو گلی دے گا، تو وہ اس کی ماں کو گلی دے گا۔ (بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی)

(۶) حضرت عمرو بن مرو، جنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں! اور پانچ نمازیں پڑھتا ہوں، اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہوں، رمضان کے روزے رکھتا ہوں، نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص اس عمل پر فوت ہو گیا، وہ قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہو گا، پھر آپ نے دونوں انگلیاں کھڑی کر کے فرمایا یہ شہر طیکہ اس نے 'میں باپ کی نافرمانی نہ کی ہو۔' (احمد، طبرانی، ابن دونوں نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور ان میں سے ایک سند صحیح ہے، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس کو اپنی صحیح میں اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت بھیجتا ہے، 'لور ان میں سے ہر ایک پر تین بار لعنت بھیجتا ہے، 'لور ہر ایک کو ایسی لعنت بھیجتا ہے جو اس کو کفنی ہے، 'قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے، 'قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے، 'غیر اللہ کے لیے فتنہ کرنے والا ملعون ہے، 'اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا ملعون ہے، (طبرانی، حاکم نے کہا اس کی سند صحیح ہے)

(۸) حضرت عبداللہ بن ابی لوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا ایک جو ان آدمی قریب المرگ ہے اس سے کہا گیا کہ لا الہ الا اللہ پڑھو تو وہ نہیں پڑھ سکا، آپ نے فرمایا: وہ نماز پڑھتا تھا؟ اس نے کہا ہاں! پھر رسول اللہ ﷺ اٹھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ اٹھے، آپ اس جو ان کے پاس گئے اور فرمایا کو لا الہ الا اللہ اس نے کہا مجھ سے نہیں پڑھا جا رہا، آپ نے اس کے متعلق پوچھا، کسی نے کہا یہ اپنی والدہ کی نافرمانی کرتا تھا، نبی ﷺ نے پوچھا کیا اس کی والدہ زندہ ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اس کو بلاؤ وہ آئی، آپ نے

پوچھایہ تمہارا بیٹا ہے، اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر آگ جلائی جائے اور تم سے یہ کہا جائے کہ اگر تم شفاعت کرو تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں ورنہ اس کو آگ میں ڈال دیتے ہیں تو کیا تم اس کی شفاعت کرو گی؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! اس وقت میں اس کی شفاعت کروں گی، آپ نے فرمایا تب تم اللہ کو گولہ کرو، اور مجھ کو گولہ کر کے کہو کہ تم اس سے راضی ہو گئی ہو، اس عورت نے کہا اے اللہ میں تجھ کو گولہ کرتی ہوں اور تیرے رسول کو گولہ کرتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہوں، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے لڑکے! اب کہو لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمد عبدہ ورسولہ، تو اس لڑکے نے کلمہ پڑھا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے اس کو میری وجہ سے آگ سے نجات دی۔ (طبرانی)

(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۳۳-۳۳۴، ملقطاً، مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ ۱۴۰۷ھ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مل باپ کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے، اس کی وجہ سے انسان جہنم میں جاگرتا ہے، محشر میں جنت کی خوشبو سے محروم رہتا ہے، مل باپ کے نافرمان کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا، موت سے پہلے اس کو دنیا میں فقر و زلت اور مملکت بیماریوں کی سزا ملتی ہے۔ اس پر اللہ اور اس کے رسول کی اور فرشتوں کی لعنت ہے، مل باپ کے نافرمان کا خاتمہ خراب ہوتا ہے، اس کی بصیرت سلب ہو جاتی ہے اور ایمان جاتا رہتا ہے اور وہ مرتے وقت کلمہ شہادت نہیں پڑھ سکتا۔ اے اللہ ہم پر ہمارے والدین کو راضی رکھ اور ان کو ہماری طرف سے بہترین جزاء عطا فرما!

رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق احادیث

حافظ منذری بیان کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر میں زیادتی کی جائے وہ رشتہ داروں سے تعلق جوڑے۔ (بخاری و مسلم)

(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۳۴، مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر جمعرات کو جمعہ کی شب بنو آدم کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، جو شخص رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا ہو اس کا عمل قبول نہیں ہوتا، اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۳۴، مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر اشارہ کیا۔ (بخاری، ابوداؤد، ترمذی)

(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۳۶، مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ گھر وہ ہے جس میں یتیم عزت کے ساتھ رہتا ہو۔ (طبرانی و اسہبانی)

(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۳۸، مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بیوہ اور مسکین کی پرورش کے لیے جدوجہد کرنے والا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثل ہے اور میرا گمان ہے آپ نے فرمایا اس شخص کی مثل ہے جو آکتائے بغیر قیام کرے اور مسلسل روزے رکھے۔ (بخاری، مسلم، ابن ماجہ)

(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۵۱، مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)



وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَآتُسِفُكُمْ دِمَاءُكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ

اور جب ہم نے تم سے یہ پختہ عہد لیا کہ تم ایک دوسرے کا خون نہ بہانا، اور نہ ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے

أَنْفُسُكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تُشْهِدُونَ ﴿۸۶﴾

نکالنا، پھر تم نے (اس کا) اقرار کیا، (اور اس عہد پر) تم خود بھی گواہی دیتے ہو ۵

ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِّنْكُمْ

پھر تم ہی وہ لوگ ہو جو ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو، اور تم اپنے ایک فریق کو ان کے گھروں سے

مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظْهَرُونَ عَلَيْهِمْ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَالْعُدْوَانِ ط وَإِنْ

نکالتے ہو اور تم ان کے خلاف گناہ اور سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو اور اگر وہ

يَأْتُوكُمْ أُسْرَى تَفْدُوهُمْ وَهُمْ مَحْرَمٌ عَلَيْكُمْ أَخْرَاجُهُمْ ط

قتل کی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو تم ان کا فدیہ دیتے ہو، حالانکہ ان کو (گھروں) نکالنا (بھی تو) تم پر حرام کیا گیا تھا

أَفْتَوْمُنُونَ بَعْضُ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ

کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض حصہ کا کفر کرتے ہو سو تم میں سے جو

مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِيَّاخِذِي فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ

لوگ یہ کام کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہوگی کہ وہ دنیا کی زندگی میں رسوا ہوں اور قیامت

الْقِيَمَةِ يُرَدُّونَ إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَمَا لِلَّهِ بِغَافِلٍ عَمَّا

کے دن و دنیا شدید عذاب کی طرف لوٹے جائیں گے اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل

تَعْمَلُونَ ﴿۸۷﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ

نہیں ہے ۵ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلہ میں خرید

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۸۷﴾

سو ان سے عذاب کم کیا جائے گا اور ان کی مدد کی جائے گی ۵

یہودی مدینہ کا ایک دوسرے کو قتل کر کے میثاق توڑنے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے تورات میں بنو اسرائیل سے یہ پختہ عہد لیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے اور نہ ایک دوسرے کو گھروں سے نکالیں گے، نسل در نسل یہ عہد و میثاق مدینہ میں آباد یہودیوں میں بھی ختم ہوا، مدینہ میں لوس اور خزرج، مشرکوں کے دو قبیلے تھے جو کسی شریعت کے پیروکار تھے نہ کسی چیز کے حرام اور حلال ہونے کے قائل تھے، یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے تھے۔ مدینہ میں رہنے والے یہود بھی دو حصوں میں بٹ گئے تھے، بنو قینقلع، خزرج کے حلیف تھے اور بنو نضیر اور بنو قریظہ، لوس کے حلیف تھے۔ جب لوس اور خزرج میں جنگ ہوتی تو بنو قینقلع خزرج کا ساتھ دیتے اور بنو نضیر اور بنو قریظہ لوس کا ساتھ دیتے اور اس جنگ میں یہود ایک دوسرے کو قتل کرتے اور گھروں سے نکل دیتے اور جب جنگ ختم ہو جاتی تو بنو نضیر اور بنو قریظہ کے جو لوگ خزرج کی قید میں ہوتے ان کو بنو قینقلع فدیہ دے کر چھڑا لیتے اور بنو قینقلع کے جو لوگ لوس کی قید میں ہوتے ان کو بنو قریظہ اور بنو نضیر فدیہ دے کر چھڑا لیتے، اور جب ان سے کہا جاتا کہ تم فریق مخالف کے قیدیوں کو فدیہ دے کر کیوں چھڑا رہے ہو تو کہتے کہ ہمیں تورات میں یہ حکم دیا گیا کہ قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائیں، پھر ان سے کہا جاتا کہ تورات میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ تم ایک دوسرے کو قتل نہ کرو اور گھروں سے نہ نکلو تو تم اس کی مخالفت کیوں کرتے ہو؟ تو کہتے کہ ہم اپنے حلیف سے کیے ہوئے عہد کی پاس داری کرتے ہیں، یعنی مشرکوں سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے تھے اور خدا سے کیے ہوئے عہد کو توڑتے تھے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۳۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَفَقَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ۚ وَ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اور ان کے بعد نگاتار رسول بھیجے، اور ہم نے

آتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ

عیسیٰ بن مریم کو واضح دلیلیں دیں، اور ہم نے روح القدس (جبریل) سے

أَفْكَلَمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ ۖ

ان کی تمائید کی، تو کیا ہر بار (ایسا نہیں ہوا) کہ جب بھی رسول ہوتا ہے پاس ایسا پیغام لے کر آیا جو تمہاری مرضی کا

فَفَرِّقَنَّ كَذِبُكُمْ وَفَرِّقًا تَقْتُلُونَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا اقْلُوبْنَا عِلْفًا

نہ تھا تو تم نے مجھ کیا، (رسولوں کے) ایک گروہ کی تم تکذیب کرتے تھے اور ایک گروہ کو تم قتل کرتے تھے ۝ اور (یہ ہونے) کہا ہمارے دلوں

بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾

پر لعنات ہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت فرمائی ہے، سو ان میں سے بہت چھوٹے ایمان لاتے ہیں ۝

عیسیٰ مریم اور روح القدس کے معنی

عیسیٰ اور یسوع عبرانی زبان کے الفاظ ہیں ان کا معنی ہے سید یا برکت والا، مریم بھی عبرانی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے خادم، کیونکہ ان کی ماں نے یہ نذر ملنی تھی کہ ان کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گی، بینات سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں، مثلاً مردوں کو زندہ کرنا، پیدائشی ٹیپینا کو بپنا کرنا، برص زدہ لوگوں کو ٹھیک کرنا، روح القدس سے مراد ہے پاکیزہ روح، حضرت جبریل کو روح القدس کہتے ہیں، قدس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور روح کی اضافت تشریف کے لیے ہے یعنی اللہ کی پسندیدہ روح، قرآن مجید میں حضرت جبریل کو روح القدس بھی فرمایا ہے اور الروح الامین بھی فرمایا ہے :

- قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ (النحل : ۱۰۲)

آپ کہیں کہ اس قرآن کو حق کے ساتھ روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا ہے۔

نَزَّلَ بِهِ الرُّوحَ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ (الشعراء : ۱۰۳)

اس قرآن کو آپ کے قلب پر الروح الامین نے نازل کیا ہے تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔

لفظ کے معنی ہیں ڈھانپنے والی چیز، پردے۔
انبیاء کرام سے یہود کے عناد رکھنے کا بیان

ان آیات میں یہودیوں کے دل کی سختی بیان فرمائی ہے، اور یہ کہ وہ ماہ پرست اور نفسانی خواہشوں پر چلنے والے تھے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان میں بار بار رسول بھیجے، امام رازی نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک یکے بعد دیگرے مسلسل رسول آتے رہے، علامہ ابوالیمان اندلسی نے لکھا ہے کہ جب تک حضرت یوشع کو نبی نہیں بنادیا گیا اس وقت تک حضرت موسیٰ فوت نہیں ہوئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع، حضرت شمویل، حضرت شمعون، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت شعیا، حضرت ارمیا، حضرت عزیر، حضرت حزقیل، حضرت الیاس، حضرت ایسح، حضرت یونس، حضرت زکیا، حضرت یحییٰ اور بہت سے رسول آئے۔ امام ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جو رسول بھی مبعوث ہوا وہ بنو اسرائیل کو تورات پر ایمان لانے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وَقَفِينَا“ یعنی ایک رسول کے بعد دوسرا رسول اسی منہاج اور اسی شریعت پر بھیجا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت بعض احکام میں تورات سے مختلف تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو معجزات عطا فرمائے وہ مردوں کو زندہ کرتے، مٹی سے پرندے کی شکل کا ایک جانور بنا دیتے اس میں پھونک مارتے تو وہ اللہ کے نون سے پرندہ بن جاتا، بیماروں کو تندرست کر دیتے، غیب کی خبریں دیتے، ان کے صدق کی تائید میں حضرت جبریل ان کے ساتھ رہتے تھے۔ بنو اسرائیل ان سے بہت حسد اور بغض رکھتے تھے کیونکہ ان کے بعض احکام تورات کے خلاف تھے، قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے فرمایا:

وَلَا حِلَّ لَكُمْ بِعَصِ الْأَذَى حَرَّمَ عَلَيْكُمْ

(میں اس لیے آیا ہوں) کہ تمہارے لیے بعض ان چیزوں

کو حلال کروں جو تم پر حرام کی گئی تھیں۔

(ال عمران : ۵۰)

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب بھی کوئی رسول ایسی شریعت لے کر آتا جو ان کی خواہش کے خلاف ہوتی تو وہ اس کا کفر

کرتے اور اس کے خلاف مہم چلاتے اور بغاوت کرتے ان میں سے بعض رسولوں کی تو انہوں نے مکذیب کی جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بعض رسولوں کو انہوں نے قتل کر دیا جیسے حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہما السلام اور ان آیات میں ہمارے نبی حضرت سیدنا محمد ﷺ کو یہ تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر بنو اسرائیل نے آپ کی مکذیب کی، اور آپ پر ایمان نہیں لائے تو اس میں کسی تعجب اور غم اور افسوس کی بات نہیں ہے کیونکہ نبیوں سے عناد رکھنا اور ان کی مکذیب کرنا ان کی سرشت اور عادت ہے، ان آیات میں تمام یہودیوں سے خطاب کیا گیا ہے حالانکہ اس زمانہ کے یہودیوں نے انبیاء سابقین کی مکذیب یا ان کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ یہ کام ان کے اسلاف اور آباء و اجداد نے کیا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ کے یہودی اپنے پہلوں کے ان کاموں پر راضی تھے اور ان سے براءت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

یہود کے قبیح اقوال میں سے ایک قبیح قول یہ تھا کہ انہوں نے ہمارے نبی ﷺ سے یہ کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں، اس لیے آپ کی بات ہمارے دلوں میں نہیں اترتی اور نہ ہم اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا یہ بات نہیں۔ ہاں تمہارے دلوں میں بھی غور و فکر کرنے اور حق بات کو قبول کرنے کی استعداد رکھی گئی تھی، لیکن تم نے جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بغض اور عناد رکھا، ان کی مکذیب کی اور ان کو قتل کیا اس سبب سے بہ طور سزا اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور یہ تم پر اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں ہے بلکہ تم نے خود ایسے قبیح کام کیے جس کے نتیجے میں تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور لعنت کے مستحق ہوئے، اسی وجہ سے یہود میں سے بہت کم لوگ ایمان لانے والے ہیں۔

آیات مذکورہ سے مسائل کا استنباط

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کے احکام سے اعراض کرے یا ان کا انکار کرے یا تکبر کی وجہ سے ان کو قبول نہ کرے وہ اللہ کی رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے اور لعنت اور عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا بنو اسرائیل میں لگاتار انبیاء اور رسل کو مبعوث فرمانا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کی اصلاح اور ہدایت کی متقاضی تھی، لیکن انہوں نے خود ہدایت کے بجائے گمراہی کا راستہ اختیار کر لیا، ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کو ختم کر دیا ہے، اس لیے اب اصلاح اور ہدایت کے لیے کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا البتہ ہر دور میں علماء ربانین، مجتہدین اور مجددین پیدا ہوتے رہے ہیں جو بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کرتے ہیں، اور بدلتے ہوئے حالات اور عصری تقاضوں اور نئے مسائل کے لیے قرآن اور سنت سے حل پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہیں، اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا بنو اسرائیل کو جو رحمت سے دور کیا گیا اس کا سبب ان کا کفر تھا، یہود اپنی جن برائیوں کو تورات میں چھپاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد ﷺ کو اس کی اطلاع دے دی اس میں آپ کے علم غیب کا ثبوت ہے اور آپ کی نبوت کے صدق پر دلالت ہے۔

☆☆☆

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ لَا وَ

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آئی جو اس آسمانی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے اور

كَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَكَيْمًا

وہ اس سے پہلے (اس نبی کے وسیلہ سے) کفار کے خلاف فتح کی دعا کرتے تھے، اور جب ان کے

جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۹۰﴾

پاس وہ آئے جن کو وہ جان اور پہچان چکے تھے تو انہوں نے ان کے ساتھ کفر کیا سو کافروں پر اللہ کی لعنت ہو ۰

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ بَغْيًا

کیسی بڑی چیز ہے وہ جس کے معاوضہ میں انہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کیا ہے کہ وہ اس کتاب کا کفر کریں جس کو اللہ نے

أَنْ يُنَزِّلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ

نازل کیا ہے، اس پر سرکشی کرتے ہوئے کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے (کتاب) نازل فرمائے

فَبَاءُوا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۹۱﴾

وہ غضب در غضب میں آئے اور کافروں کے لیے ذلیل و خوار کرنے والا عذاب ہے ۰

ہمارے نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا کا قبول ہونا

لام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یسود، اوس اور خزرج کے خلاف جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کے وسیلہ سے فتح طلب کرنے کی دعا کرتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عرب میں مبعوث کر دیا تو جو کچھ وہ آپ کے مطلق کہتے تھے اس کا انہوں نے انکار کر دیا، ایک دن حضرت معلہ بن نبیل اور حضرت بشر بن البراء بن معور رضی اللہ عنہما نے کہا اے یسود! اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ، جب ہم مشرک تھے تو تم ہمارے خلاف سیدنا حضرت محمد ﷺ کے وسیلہ سے فتح کی دعا کرتے تھے، تم ہم کو یہ خبر دیتے تھے کہ وہ نبی مبعوث ہونے والے ہیں اور تم اس نبی کی وہی مخالفت بیان کرتے تھے جو آپ میں موجود ہیں، اس کے جواب میں بنو نضیر کے سلام بن مسکم نے کہا وہ کوئی ایسی چیز لے کر نہیں آئے جس کو ہم پہچانتے ہوں، لہذا وہ نبی نہیں ہیں جن کا ہم تم سے ذکر کیا کرتے تھے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۲۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

مقطع سیوطی لکھتے ہیں :

لام ابو نعیم نے دلائل النبوت میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سیدنا حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یسود کفار کے خلاف جنگ میں اللہ تعالیٰ سے یوں فتح کی دعا کرتے تھے : اے اللہ ہم نبی اہی کے وسیلہ سے تجھ سے نصرت طلب کرتے ہیں تو ہماری مدد فرما، تو ان کی مدد کی جاتی اور جب وہ نبی آ گئے جن کو وہ پہچانتے تھے تو

انہوں نے ان کا کفر کیا۔

امام ابو نعیم نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس کی روایت میں اس طرح دعا کا ذکر کیا ہے :

اے اللہ اپنے اس نبی کے وسیلہ سے ہماری مدد فرما اور اس کتاب کے وسیلہ سے جو تو ان پر نازل کرے گا تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو ان کو آخر زمانہ میں مبعوث فرمائے گا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۸۸، مطبوعہ مکتبۃ آیتہ اللہ العظمیٰ، ایران)

خلاصہ آیات اور استنباط مسائل

نبی ﷺ کے زمانہ میں جو یہودی تھے وہ یہ جانتے تھے کہ تورات میں حضرت سیدنا محمد ﷺ کے مبعوث ہونے کی ہی بشارت دی گئی ہے، لیکن وہ حسد اور سرکشی کی وجہ سے ایمان نہیں لائے اور ان کو یہ ڈر تھا کہ اگر وہ آپ پر ایمان لے آئے تو ان کو جو نذرانے ملتے تھے اور وہ مجرموں سے جو رشوتیں وصول کرتے تھے وہ بند ہو جائیں گی اور عام یہودیوں پر جو علماء یہود کی ریاست تھی وہ ختم ہو جائے گی اور وہ اس کو ناپسند کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس پر وحی نازل کر دے، ان کی خواہش تھی کہ بنو اسرائیل ہی میں سے وہ نبی مبعوث ہو، انہوں نے پہلے نبیوں کا بھی انکار کیا اور اب ہمارے نبی کو نہ مان کر نیا انکار کیا، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کو ذلت کی زندگی دی اور آخرت میں ان کو ذلیل کرنے والے عذاب کا مستحق قرار دیا۔ ان آیات میں مقربین کے وسیلہ سے دعا کا ثبوت ہے، اور بالخصوص ہمارے نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنے کا ثبوت ہے اور یہ کہ آپ کے وسیلہ سے دعا قبول ہوتی ہے، اور یہ کہ آپ کی بعثت سے پہلے ہی آپ کی آمد کا شہرہ تھا، اور آپ کے نام کے وسیلہ سے حاجت روائی ہوتی تھی، بنو اسرائیل حسد اور سرکشی کی وجہ سے آپ پر ایمان نہ لائے، اس سے معلوم ہوا کہ حسد اور سرکشی حرام ہے، اور حسد کی وجہ سے انسان اللہ کی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے، کیونکہ حسد کرنے کی وجہ سے بنو اسرائیل دولت ایمان سے محروم رہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا، اس سے معلوم ہوا کہ ذلت اور اہانت والا عذاب کفار کے ساتھ خاص ہے، اگر بعض گنہ گاروں کو عذاب ہوا تو وہ ذلت اور اہانت کا عذاب نہیں ہو گا بلکہ وہ ان کی طہارت اور پاکیزگی کا سبب ہو گا۔

☆☆☆

وَإِذْ أَقْبَلُ لَهُمْ مِنْوَابِمَا أُنْزِلَ اللَّهُ قَالُوا نُوْمِنْ بِمَا

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان تمام کتابوں پر ایمان لاؤ جن کو اللہ نے نازل کیا، تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائیں گے جو ہم پر

أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا

نازل کیا گیا ہے، اور اس کے ماسوا کا کفر کرتے ہیں، حالانکہ وہ حق ہے اور جو (اصل) کتاب ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہے

لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ

آپ کہیے اگر تم (تورات پر) ایمان لانے والے ہو تو اس سے پہلے

انبیاء کو کیوں

كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۙ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ

قتل کرتے تھے ۰ اور بے شک تمہارے پاس موسیٰ واضح دلائل لے کر آئے، پھر تم نے

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ۙ وَإِذْ أَخَذْنَا

اس کے بعد بچھڑے کو (معبود) بنالیا اور تم ظالم تھے ۰ اور جب ہم نے تم سے پختہ

مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ

عہد لیا اور پہاڑ طور کو تم پر اٹھایا (اور فرمایا) جو ہم نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی سے

وَأَسْمِعُوا ۙ قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ

لو، اور سنو، انہوں نے کہا ہم نے سنا اور نافرمانی کی، ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بیکھڑا

الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۙ قُلْ بِسْمِ اللَّهِ يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيْمَانُكُمْ إِنْ

بسا دیا گیا تھا، آپ کہیے اگر تم (تورات پر) ایمان لانے والے ہو تو یہ کیسی بری چیز ہے جس کا تمہیں

كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۙ

تمہارا ایمان علم دیتا ہے ۰

تورات پر یہود کے دعویٰ ایمان کا رد اور ابطال

جب مدینہ کے یہودیوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی نازل کی ہوئی تمام کتابوں پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا ہم صرف تورات پر ایمان لائیں گے جو ہم پر نازل کی گئی ہے اور قرآن پر ایمان لانے سے انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ ان کا رد فرماتا ہے کہ قرآن حق ہے اور اس (اصل) تورات کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے اور دونوں اللہ کے کلام ہیں تو جب تمہارا تورات پر ایمان ہے تو تم قرآن کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ وہ بھی تورات کی طرح اللہ کی کتاب ہے اور تمہاری کتاب کا مصدق بھی ہے!

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تمام کتابوں پر ایمان لایا جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ ان پر دوسری حجت قائم فرماتا ہے کہ اگر تم تورات پر ایمان لانے والے ہو تو تم انبیاء علیہم السلام کو قتل کیوں کرتے تھے؟ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہودیوں کی طرف قتل کی نسبت کی ہے حالانکہ قتل ان سے پہلے کے یہودیوں نے کیا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ان کے اس فعل پر راضی تھے اور اس کو اللہ کے حکم کی مخالفت اور معصیت نہیں کہتے تھے اور نہ اس سے انہوں نے برائت کا اظہار کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب تمہارے پاس یہ کتابیات مینات لے کر آئے پھر تم نے بیکھڑے کو معبود بنالیا اور تم ظالم تھے۔

ان آیات بینات سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو نزولِ تورات کی مصلحت سے پہلے نازل ہوئی تھیں، قرآن مجید میں ہے :
وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ رِسْعًا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ
اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نو روشن نشانیوں دیں۔

(بنو اسرائیل : ۸۱)

وہ نو نشانیاں یہ تھیں : عصا موسیٰ علیہ السلام، ید بیضاء، حضرت موسیٰ کی زبان کی ملکیت کو دور کرنا، بنو اسرائیل کے لیے سمندر کو چرنا، ٹنڈی دل کی صورت میں عذاب، طوفان، بدن کے کپڑوں میں جوڑوں کا پیدا کرنا، مینڈکوں کا عذاب کہ ہر کھانے کی چیز میں مینڈک آجاتے تھے اور خون کا عذاب کہ ہر برتن میں خون آجاتا تھا، لیکن ان نشانیوں کے باوجود ان کے شرک اور بت پرستی میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور انہوں نے اللہ کی نعمتوں پر شکر کرنے کے بجائے کھچڑے کی پرستش کرنی شروع کر دی، اسی کو اللہ تعالیٰ نے ظلم فرمایا ہے، کیونکہ کسی مستحق شخص کا حق دوسرے کو دے دینا ظلم ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو گا کہ اللہ کا حق دوسرے کو دے دیا جائے اور عبادت کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے اور جب اللہ کو چھوڑ کر کھچڑے کی عبادت کی جائے تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے ! اور اس میں یہود پر تیسرا رد ہے کہ اگر تم تورات پر ایمان لانے والے تھے تو تم کھچڑے کی عبادت کیوں کرتے تھے ؟
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور تمہارے لوہے پر پاڑا طور اٹھایا۔

اس میں یہود پر چوتھا رد ہے کہ اگر تمہارا تورات پر ایمان تھا تو تورات کے احکام منوانے کے لیے تم پر پاڑا طور کیوں اٹھایا گیا؟ اور جب تم سے کہا گیا کہ تورات کے احکام قبول کرو اور سنو تو تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی، کیا تورات پر ایمان لانے کے یہی تقاضے ہیں ! یہ سب پہلے یہودیوں کے کروت تھے لیکن نبی ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں کو ان کا اس لیے مخاطب قرار دیا ہے کہ انہوں نے اپنے پہلوں کے ان کلموں سے نفرت اور براءت ظاہر نہیں کی تھی۔
قرآن کے احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کتب پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کتب کے تمام احکام اور تمام تقاضوں پر عمل کیا جائے اور ان آیات میں بار بار یہی فرمایا گیا ہے کہ اگر تمہارا تورات پر ایمان تھا تو تم اس کے احکام کی خلاف ورزی کیوں کرتے تھے، آج ہم بھی قرآن مجید پر ایمان لانے کے دعویٰ دار ہیں لیکن قرآن مجید پر عمل نہیں کرتے تو جو بات یہود سے کہی گئی ہے وہی ہم پر صادق آ رہی ہے۔ قرآن نے ہمیں نماز پڑھنے، روزے رکھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور ہماری بھاری اکثریت اس پر عمل نہیں کرتی۔ قرآن نے ہمیں ناجائز طریقہ سے مسلمانوں کا مال کھانے سے منع کیا اور ہم رشوت، اسمگلنگ، ملاوٹ، مصنوعی اشیاء، بلیک مارکیٹنگ، چور بازاری، لوٹ مار اور ڈاکوؤں سے دوسرے مسلمانوں کا مال کھا رہے ہیں، قرآن نے ہمیں قتل ناحق سے منع کیا اور ہم مسلمانوں کا خون بہانے سے باز نہیں آتے، قرآن نے ہماری عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا، اور بوقت ضرورت پردے کے ساتھ نکلنے کا حکم دیا لیکن ہمارے معاشرہ کے ہر طبقہ میں عورت بے پردہ بناؤ سنگھار کر کے اجنبی مردوں کے سامنے رہتی ہے اور بے حیائی کی راہیں کھلتی ہیں، یہود کے متعلق بار بار فرمایا کہ ان پر اللہ کا غضب بالائے غضب ہے اور وہ جہاں بھی ہوں ان پر اللہ کی لعنت ہے اور آج ان یہودوں کو اللہ نے مسلمانوں پر مسلط کر دیا اور یہودوں نے مسلمانوں کے علاقے چھین لیے اور بار بار مسلمان یہودوں سے شکست کھا رہے ہیں تو سوچنا چاہیے کہ جو قوم اس لعنتی اور منسوب قوم سے پیہم شکست کھا رہی ہے وہ خود کس قدر اللہ کے غضب میں ڈوبی ہوئی اور رحمت سے دور ہوگی !

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ

آپ کیجیے کہ اگر دار آخرت اللہ کے نزدیک اور لوگوں کے بجائے خصوصیت سے ہمارے لیے

دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۶﴾ وَلَكِنْ

ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو ○ اور جو اعمال

يَتَمَنَّوْنَ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۹۷﴾

دوبہنے کر چکے ہیں ان کی وجہ سے وہ موت کی ہرگز تمنا نہیں کریں گے، اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے ○

وَلَيَجَدَنَّاهُمْ أَحْرَصَ عَلَىٰ حَيٰوَتِهِمْ وَمِنَ الَّذِينَ

اور آپ ضرور دیکھیں گے کہ وہ اور لوگوں سے اور مشرکین سے بھی زیادہ زندگی کے دلدادہ ہیں ان میں سے ہر ایک شخص یہ خواہش

أَشْرَكُوا يَوْمَئِذٍ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحِّزٍ

رکھتا ہے کہ کاش اس کی عمر ہزار سال ہو، اور یہ عمر اسے دے دی جائے تو یہ اس کو عذاب سے دور

مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۹۸﴾

کرنے والی نہیں ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اس کو اللہ خوب دیکھنے والا ہے ○

یہودیوں کے اس دعویٰ کا رد کہ جنت کے صرف وہی مستحق ہیں

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد ﷺ کے حق میں اور یہود اور ان کے علماء کے خلاف حجت قائم کی ہے کہ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ تمہارا دین برحق ہے اور آخرت میں صرف تم ہی جنت کے مستحق ہو تو تم دنیا کی مشقتوں اور تکلیفوں سے نجات حاصل کرنا اور آخرت میں جنت اور اس کی نعمتوں کو پانے کے لیے موت کی تمنا کرو تاکہ معلوم ہو جائے کہ کس کا دین سچا ہے، لیکن انہوں نے موت کی تمنا نہیں کی کیونکہ آخرت کی ترویج ہے ان کو امید نہ تھی کہیں دنیا بھی ہاتھ سے جاتی نہ رہے مشرکین جو مرنے کے بعد دوسری زندگی پر یقین نہیں رکھتے، اصل میں ان کو دنیا میں لمبی عمر کی تمنا ہونی چاہیے کیونکہ ان کے لیے جو کچھ ہے یہی دنیا ہے لیکن یہ یہودی جو دنیا کے بعد آخرت اور جنت کے دعویٰ دار تھے ان مشرکوں سے بھی زیادہ لمبی عمر کی خواہش رکھتے تھے حتیٰ کہ ان میں سے کوئی کوئی ہزار سال کی زندگی کی تمنا کرتا تھا، اور موت کی تمنا کرنے کے بجائے لمبی زندگی کی خواہش کرتا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دھول جنت کے مستحق بن کر دعویٰ بھڑکا ہے، قرآن مجید میں فرمایا کہ وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے، امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر وہ ایک دن بھی موت کی تمنا کرتے تو وہ نے زمین پر کوئی یہودی زندہ نہ رہتا

اور صفحہ ہستی سے یہودیت مٹ جاتی۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۳۷-۳۳۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

قرآن مجید کی صداقت اور ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کی دلیل

اس آیت میں قرآن مجید کی حقانیت اور ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل ہے کیونکہ قرآن مجید نے یہ پیش گوئی کی کہ یہودی موت کی تمنا ہرگز نہیں کریں گے، اگر یہودی سچے تھے تو وہ موت کی تمنا کرتے اور رسول اللہ ﷺ سے آکر کہتے ”لو ہم نے موت کی تمنا کر لی ہے۔“ اور یوں قرآن جھوٹا ہو جاتا اور آپ کی نبوت باطل ہو جاتی! یہ بڑی نازک اور خطرناک پیش گوئی تھی نبی ﷺ نے اپنے مخالفوں اور دشمنوں کے متعلق پیش گوئی کی کہ وہ موت کی تمنا نہیں کر سکتے، کبھی نہیں کریں گے، ان کے لیے بڑا آسان تھا کہ آپ کے دعویٰ نبوت کو باطل کرنے کے لیے موت کی تمنا کر لیتے لیکن ایسا نہ ہو سکا اور آپ کی نبوت کا صدق اور قرآن مجید کی حقانیت ظاہر ہو گئی۔ جھوٹا نبی کبھی ایسی پیش گوئی کی جرات نہیں کر سکتا جس کو باطل کرنا مخالف کے اختیار میں ہو اور اس کے تمنا کرنے پر موقوف ہو۔ جھوٹے نبی کی کوئی پیش گوئی پوری نہیں ہوتی مرزا غلام احمد نے محمدی بیگم سے نکاح کی پیش گوئی کی لیکن اس کا نکاح مرزا سلطان محمد سے ہو گیا، پھر اس نے پیش گوئی کی کہ سلطان محمد ڈھائی سال بعد مرجائے گا اور محمدی بیگم اس کے نکاح میں آجائے گی لیکن غلام احمد مرگیا اور مرزا سلطان محمد اس کے بعد تلویر زندہ رہا، اسی طرح اس نے ایک بیمار عیسائی پادری آتھم کے متعلق پیش گوئی کی کہ وہ ۵ ستمبر ۱۸۹۳ء کو مرجائے گا لیکن وہ اس تاریخ کو نہیں مرا بلکہ تندرست ہو گیا۔

حصول شہادت کے لیے موت کی تمنا کا استحباب اور مصیبت سے گھبرا کر موت کی تمنا کی ممانعت اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر یہودی مسلمانوں سے یہ کہیں کہ اگر تم اسلام کے دین حق ہونے اور دخول جنت کے مدعی ہو تو تم موت کی تمنا کرو، حالانکہ تم موت کی تمنا نہیں کرتے بلکہ تمہارے نبی نے موت کی تمنا کرنے سے منع کیا ہے؟ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ۔ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ سیدنا محمد علیہ السلام اور یہودیوں کے درمیان فرق ہے، کیونکہ سیدنا محمد یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجھے احکام شریعہ کی تبلیغ کے لیے مبعوث کیا گیا ہے اور یہ مقصود ابھی تک حاصل نہیں ہوا، اس لیے میں قتل کیے جانے پر راضی نہیں ہوں، اور تمہارا معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۶۰۷، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح یہودی بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے ابھی تورات کی تعلیمات کو تمام دنیا میں پھیلانا ہے اور یہ مقصد ابھی تک حاصل نہیں ہوا، اس لیے ہم قتل کیے جانے پر راضی نہیں ہیں۔ اور میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے اس کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ صرف ہمارے نبی کے پیروکار جنت میں جائیں گے، بلکہ ہر نبی کے سچے پیروکار جنت میں جائیں گے دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے دنیا کی مشکلات اور مصائب سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنے سے منع کیا ہے اور اللہ سے ملاقات، جنت اور شہادت کے حصول کے لیے موت کی تمنا کی ہے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں

میری جگہ سے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۴۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطلاع کراچی ۱۴۳۸ھ)
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول کے شہر میں میری موت واقع کر۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطلاع کراچی ۱۴۳۸ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو بھی مرنے کے بعد ثواب مل جائے وہ دنیا میں دلہن جلتا نہیں چاہتا سوا شہید کے، کیونکہ شہادت کی فضیلت دیکھنے کے بعد وہ دوبارہ دنیا میں جا کر خدا کی راہ میں مرنے چاہتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۴۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطلاع کراچی ۱۴۳۸ھ)
لہذا مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبید بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کے ساتھ ملاقات سے محبت رکھتا ہے اللہ بھی اس کے ساتھ ملاقات سے محبت رکھتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطلاع کراچی ۱۴۳۵ھ)

ان احادیث میں اس چیز کی تصریح ہے کہ اللہ سے ملاقات، جنت اور شہادت کے لیے موت کی تمنا صحیح ہے اور رسول اللہ ﷺ نے خود اور صحابہ نے یہ تمنا کی ہے، البتہ دنیا کی مشکلات اور مصائب گھبرا کر موت کی تمنا کرنا ممنوع ہے۔
لہذا مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت آنے کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے اور اگر اس نے ضرور تمنا کرنی ہو تو یوں کہے اے اللہ جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ لو جب میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے وفات دے دے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطلاع کراچی ۱۴۳۵ھ)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجَبْرِيلِ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ

آپ کیسے کہ جو تنفس جبریل کا دشمن ہے (ترجمہ کرے) پس بے شک اس جبریل نے اللہ کے حکم سے آپ

بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى

کھلا پر (قرآن) نازل کیا، جو ان (آسمانی کتابوں) کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس (کے نزول) سے پہلے جو زمین اور وہ مومنین

لِلْمُؤْمِنِينَ ۙ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَ

کے لیے ہدایت اور بشارت ہے ۵ جو شخص اللہ کا اس کے فرشتوں کا، اس کے رسولوں کا اور

جِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ۙ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا

جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ کافروں کا دشمن ہے اور بے شک (اے رسول!)

إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿۹۰﴾ أَوَلَمْ

ہم نے آپ کی طرف واضح آیتیں نازل کی ہیں۔ اور ان آیتوں کا مرت فاسق ہی انکار کرتے ہیں ۰ کیا حقیقت نہیں

عَهْدُ وَاعْهَدًا ابْنَدَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ طَبْلُ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۹۱﴾

ہے کہ جب بھی یہ کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کا ایک گروہ اس عہد کو پس پشت ڈال دیتا ہے بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے ۰

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ عظیم رسول آئے جو اس (آسمانی کتاب) کی تصدیق کرنے والے میں جو ان کے پاس ہے

نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لِكِتَابِ اللَّهِ وَرَأَآءُ

تو اہل کتاب کچھ ایک گروہ نے اللہ کی کتاب (تورات) کو اس طرح اپنے پس پشت پھینک دیا

ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۹۱﴾

گویا انہیں کچھ علم ہی نہیں ہے ۰

یہود کا جبریل کو اپنا دشمن کہنا

تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیتیں بنو اسرائیل کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئیں کہ جبریل ہمارا دشمن ہے اور میکائیل ہمارا دوست ہے، امام ابو جعفر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ سے کہا : ہم آپ سے چار ایسی چیزوں کے متعلق سوال کرتے ہیں جن کا جواب نبی کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا، نبی ﷺ نے فرمایا تم جو چاہو سوال کرو لیکن اس کی ضمانت دو کہ اگر تم ان جوابات کا صدق پہچان لو تو پھر تم اسلام کو قبول کر لو گے، انہوں نے اس کا وعدہ کر لیا، انہوں نے سوال کیا کہ تورات نازل ہونے سے پہلے حضرت یعقوب نے کون سے طعام کو اپنے اوپر حرام کیا تھا؟ آپ نے فرمایا میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تورات کو نازل کیا ہے کیا تم کو معلوم ہے کہ حضرت یعقوب سخت بیمار ہو گئے اور جب ان کی بیماری طول پکڑ گئی تو انہوں نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے صحت دے دی، تو میں اپنا پسندیدہ طعام اور مشروب اپنے اوپر حرام کر لوں گا، اور ان کا پسندیدہ طعام اونٹ کا گوشت تھا (ابو جعفر نے کہا میرا گمان ہے کہ ان کا پسندیدہ مشروب اونٹنیوں کا دودھ تھا) انہوں نے کہا ہاں! ان کا دوسرا سوال تھا کہ مرد کا پانی کیسا ہے اور عورت کا پانی کیسا ہے؟ اور مذکر اور مونث کیسے بنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے اور جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی کیا تم کو معلوم ہے کہ مرد کا پانی سفید اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور زرد ہوتا ہے اور جس کا پانی غالب ہو بچہ اسی (جنس) کا ہوتا ہے اور اللہ کے لڑن سے اس کی مشابہت

ہے انہوں نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا اے اللہ تو گولہ ہو جا، ان کا تیسرا سوال تھا اس نبی امی کی نیند کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا تم کو اس ذلت کی قسم جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی کیا تم کو معلوم ہے کہ اس نبی امی کی آنکھیں سوتی ہیں اور اس کا دل نہیں سوتا، انہوں نے کہا بہ خدا ہاں! آپ نے فرمایا اے اللہ گولہ ہو جا، انہوں نے کہا اب آپ ہمیں یہ بتائیں کہ فرشتوں میں سے آپ کا دوست کون ہے؟ اور آپ کے دین قبول کرنے یا نہ کرنے کا مدار اس سوال کے جواب پر ہے، آپ نے فرمایا میرا دوست جبریل ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس کے وہی دوست تھے، انہوں نے کہا اب ہم آپ کو چھوڑتے ہیں اگر کوئی اور فرشتہ آپ کا دوست ہوتا تو ہم آپ کی اتباع کر لیتے اور آپ پر ایمان لے آتے، آپ نے فرمایا تم جبریل کی تصدیق کیوں نہیں کرتے، انہوں نے کہا وہ ہمارا دشمن ہے، پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۳۲-۳۳۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس حدیث کو امام احمد (۱) اور امام طبرانی (۲) نے بھی روایت کیا ہے اور حافظ سیوطی نے اس کا امام طیالسی، ابو نعیم، بیہقی اور ابن ابی حاتم کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (در منثور ج ۱ ص ۸۹-۹۰، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

نیز امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

قلندہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر بن الخطاب یہود کے پاس گئے جب انہوں نے حضرت عمر کو دیکھا تو ان کو خوش آمدید کہا، حضرت عمر نے فرمایا میں کوئی تم سے محبت یا تمہاری طرف رغبت کی وجہ سے نہیں آیا ہوں، لیکن میں تمہاری باتیں سننے کے لیے آیا ہوں، پھر دونوں نے ایک دوسرے سے سوالات کیے اور بحث کی یہودیوں نے پوچھا آپ کے نبی کا دوست کون ہے؟ حضرت عمر نے کہا جبریل، انہوں نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے، وہ آسمان سے آکر (سیدنا حضرت) محمد (ﷺ) کو ہمارے راز بتا دیتا ہے، وہ جب بھی آتا ہے جنگ اور قحط سلا لے کر آتا ہے، البتہ ہمارے نبی کا دوست میکائیل ہے وہ جب بھی آتا ہے صلح، خوشحالی، اور غلہ کی فرلولنی کے ساتھ آتا ہے، حضرت عمر نے کہا تو تم جبریل کو پہچانتے ہو اور (حضرت) محمد (ﷺ) کا انکار کرتے ہو، پھر حضرت عمر وہیں سے اٹھ گئے اور پھر یہ آیت نازل ہوئی : کہیے جو شخص جبریل کا دشمن ہے (تو ہوا کرے) (جامع البیان ج ۱ ص ۳۳۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام نسائی روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو عبد اللہ بن سلام (ایک یہودی عالم) آپ کے پاس آئے اور کہا میں آپ سے تین چیزوں کے متعلق سوال کرتا ہوں جن کو نبی کے سوالور کوئی نہیں جانتا، قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ جنتی سب سے پہلے کیا چیز کھائیں گے؟ بچہ مل یا باپ میں سے کس پر ہوتا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے ابھی جبریل نے ان چیزوں کی خبر دی ہے عبد اللہ نے کہا فرشتوں میں جبریل یہود کا دشمن ہے! (صحیح بخاری میں ہے تب نبی ﷺ نے یہ آیت پڑھی قل من کان عدوا للجبیل الا یہ) آپ نے فرمایا قیامت کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ ایک آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے لے کر مغرب کی طرف جمع کرے گی، اور جس چیز کو جنتی سب سے پہلے کھائیں گے وہ چھل کی کھجی ہوگی، اور بچہ کا محلہ یہ ہے کہ جب مو کا پانی غالب ہو تو وہ بچے کو کھینچ لیتا ہے اور جب

(۱) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۸، ۲۷۹، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ

(۲) امام عبد اللہ بن ابی شیبہ رحمہ اللہ مسند عبد اللہ بن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۰۱، ۱۰۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

عورت کا پانی غالب ہو تو وہ بچہ کو کھینچ لیتا ہے، عبد اللہ بن سلام نے کہا: میں کوئی دیکھتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں کوئی دیکھتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور کہا یا رسول اللہ، یہود بہت تن لگانے والے ہیں اگر میرے متعلق پوچھنے سے پہلے آپ نے ان کو میرے مسلمان ہونے کے متعلق بتا دیا تو وہ مجھ پر بہت تن باندھیں گے۔ جب یہود آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا تمہارے نزدیک عبد اللہ بن سلام کیسا شخص ہے، انہوں نے کہا وہ ہم سب سے اچھا ہے اور اس کا باپ بھی سب سے اچھا تھا، آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر عبد اللہ بن سلام اسلام لے آئے؟ انہوں نے کہا اللہ اس کو اسلام سے اپنی پنہ میں رکھے تب حضرت عبد اللہ بن سلام نے آکر کہا اشدن لہ لا الہ الا اللہ واشدہن محمد رسول اللہ وہ کہنے لگے یہ ہم میں سب سے برا آدمی ہے اور اس کا باپ بھی سب سے برا تھا، اور ان کی مذمت کی، حضرت عبد اللہ نے کہا یا رسول اللہ مجھے اسی بات کا خوف تھا۔ (سنن کبریٰ ج ۶ ص ۲۸۷-۲۸۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۱ھ)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۳۳، مطبوعہ نور محمد امج الطالع کراچی ۱۴۳۸ھ)

جبریل کو دشمن کہنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب

ان آیتوں کی تفسیر یہ ہے کہ اے نبی! ان سے یہ کہیے کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہو گا وہ اللہ کی وحی کا دشمن ہو گا کیونکہ تورات اور قرآن دونوں وحی کے ذریعہ نازل ہوئے ہیں اور قرآن مجید، تورات، زبور اور انجیل کا مصدق ہے اور یہ تمام آسمانی کتابیں اللہ کی توحید، عبادت اور اخلاق حسنہ کی دعوت دیتی ہیں اور یہی گمراہی سے ہدایت دیتی ہیں اور ان پر عمل کرنے والوں کو جنت کی بشارت دیتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید کے لیے فرمایا جو شخص جبریل کا دشمن ہو گا وہ اللہ کا دشمن ہو گا کیونکہ جبریل کو اللہ تعالیٰ بھیجے والا ہے اور جو جبریل کا دشمن ہو گا وہ سارے فرشتوں کا دشمن ہو گا کیونکہ سارے فرشتے جبریل کے موافق ہیں، اور جو جبریل کا دشمن ہو گا وہ سب رسولوں کا دشمن ہو گا کیونکہ جبریل تمام رسولوں کا ولی اور موید ہے اور جو جبریل کا دشمن ہو گا وہ میکائیل کا بھی دوست نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے موافق ہیں دونوں رسل ملائکہ میں سے ہیں اور دونوں مقرب فرشتے ہیں اور جو ان کا دشمن ہے وہ سن لے کہ اللہ کافروں کا دشمن ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو شخص اللہ کا، اس کے سارے فرشتوں کا، اس کے رسولوں کا، اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

ہمارے نبی ﷺ کی نبوت پر دلیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے آپ کی طرف واضح آیتیں نازل کی ہیں، اور ان آیتوں کا صرف فاسق ہی انکار کرتے ہیں۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (ایک یہودی عالم) ابن صوریہ القطیونی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے محمد! آپ ایسی کوئی چیز لے کر نہیں آئے جس کو ہم جانتے پہچانتے ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی آیت مینہ (واضح) نازل نہیں فرمائی تاکہ ہم آپ کی اتباع کریں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ بے شک ہم نے آپ کی طرف واضح آیتیں نازل کی ہیں۔ الایۃ

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۵۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۳۰ھ)

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر واضح آیات نازل فرمائیں جن سے وہ تمام علوم اور اسرار ظاہر ہو گئے جن کو علماء یہود چھپایا

کرتے تھے 'لور جس شخص نے تورات کا مطالعہ نہ کیا ہو وہ ان پر مطلع نہیں ہو سکتا تھا' نبی ﷺ نے بتا دیا کہ تورات کے اصل احکام کیا تھے لور علماء یہود نے ان میں کیا تحریف کر دی 'سو جو شخص حسد لور بغض کا شکار ہو کر اپنی فطرت سلیمہ کو نہ کو چکا ہو اس کے لیے آپ کی نبوت کا صدق بالکل واضح تھا کیونکہ جس شخص نے نہ کسی کتب کو پڑھا ہو نہ کسی عالم کی مجلس میں بیٹھا ہو وہ بغیر اللہ کی وحی کے ان مخفی چیزوں کو کیسے بیان کر سکتا ہے۔

یہودیوں کا آپ پر ایمان لانے کے عہد کو توڑنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب بھی یہ کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کا ایک گروہ اس عہد کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔

لام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے لور آپ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے کیا کیا عہد و میثاق لیے ہیں 'ایک یہودی عالم مالک بن صیف نے کہا : خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے محمد (ﷺ) کے متعلق ہم سے کوئی عہد نہیں لیا لور نہ ہم سے کوئی میثاق لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی : کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب بھی یہ کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کا ایک گروہ اس عہد کو پس پشت ڈال دیتا ہے بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۵۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے بار بار یہ عہد لیا تھا کہ تم محمد (ﷺ) پر ایمان لانا، لیکن انہوں نے اس عہد اور میثاق کا انکار لور کفر کیا 'لور اللہ تعالیٰ نے تورات میں آپ کی صفت کو بیان کیا تھا جس کو انہوں نے چھپایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ عظیم رسول آئے جو اس (کتب) کی تصدیق کرنے والے ہیں جو ان کے پاس ہے تو لکل کتب کے ایک گروہ نے اللہ کی کتب کو اس طرح پس پشت پھینک دیا گویا انہیں کچھ علم ہی نہیں۔

جب ہمارے نبی ﷺ آئے لور آپ دین کے عام اصولوں اور عقائد میں تورات کی تصدیق کرتے تھے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی توحید، قیامت، جزا و سزا، رسولوں کی تصدیق اور تقدیر پر ایمان وغیرہ تو وہ قرآن پر ایمان نہیں لائے لور قرآن پر ایمان نہ لانا اس کو مستلزم ہے کہ ان کا کھل تورات پر ایمان نہ ہوا 'اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ کی کتب (تورات) کو پس پشت ڈال دیا 'انہوں نے کھل تورات کو ترک نہیں کیا تھا بلکہ تورات کے صرف اس حصہ کو ترک کیا تھا جس میں یہ بشارت دی گئی تھی کہ لولدا اسماعیل سے ایک نبی آنے والا ہے لور یہ بشارت ہمارے نبی ﷺ کے علاوہ لور کسی پر منطبق نہیں ہوتی تھی۔

☆☆☆

وَاتَّبِعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانِ عَلَىٰ مُلْكٍ سُلَيْمٍ ۖ وَمَا كَفَرٌ

اسما جنوں نے اس دجانبہ کے کفریہ کلمات کی پیروی کی جس کو سلیمان کے در حکومت میں شیطان چڑھا کرتے تھے، اور

سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيْطٰنَ كَفَرٌ وَّاعِلَمُونَ النَّاسَ السَّحْرَ

سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا، البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے، وہ لوگوں کو جادو کے کفریہ کلمات سکھاتے تھے،

وَمَا اُنْزِلَ عَلٰی الْمَلٰٓئِكِیْنَ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا

اور انہوں نے اس (جادو) کی پیروی کی جو شہر بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا تھا اور وہ

یَعْلَمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ

(فرشتے) اس وقت تک کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک کہ یہ نہ کہتے ہم تو مرت آزمائش ہیں تو تم کفر نہ کرو

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا یُفْرِقُونَ بَیْنَ الْمَرْءِ وَنَوَاجِہٖ

وہ ان سے اس چیز کو سیکھتے جس کے ذریعہ وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان علیحدگی کر دیتے

وَمَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِہٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَیَتَعَلَّمُونَ

اور اللہ کی اجازت کے بغیر وہ اس (جادو) سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے، وہ اس چیز کو سیکھتے جو ان کو

مَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرٰہُ مَا

نقصان پہنچائے اور ان کو نفع نہ دے اور بیشک وہ خوب جانتے تھے کہ جس نے اس (جادو) کو خریدا

لَہٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِہٖ اَنْفُسَہُمْ

اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور کیسی بُری چیز ہے وہ جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنے آپ کو فروخت کر ڈالا ہے

لَوْ کَانُوا یَعْلَمُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَنُّوْۤہُ مِّنْ

کاش یہ جان لیتے ۰ اور اگر یہ ایمان لے آتے اور متقی بنتے تو اللہ کے پاس سے ثواب بہت

عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّوْ کَانُوا یَعْلَمُونَ ﴿۱۰۳﴾

بہتر ہے . کاش یہ جان لیتے ۰

حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جادو کی نسبت کی تحقیق

مدینہ کے یہود حضرت سلیمان علیہ السلام کو ساحر اور جادوگر کہتے تھے اور جب ہمارے نبی ﷺ حضرت سلیمان علیہ

السلام کا ہمیں میں ذکر فرماتے تو وہ اس پر طعن اور تشنیع کرتے اور کہتے کہ دیکھو ان کو کیا ہوا ہے کہ یہ سلیمان کا نبیوں میں ذکر کرتے ہیں حالانکہ سلیمان محض جلو گر تھے، لام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سدی نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت میں شیاطین آسمان پر گھات لگا کر بیٹھ جاتے اور بیٹھ کر فرشتوں کا کلام کان لگا کر سنتے کہ زمین میں کون کب مرے گا، بارش کب ہوگی اور اس قسم کی دیگر باتیں، پھر آکر کانہوں کو وہ باتیں بتاتے، کانہن لوگوں کو وہ باتیں بتاتے، اور وہ باتیں اس طرح واقع ہو جاتیں، ان کے ساتھ بہت سے جھوٹ ملا کر لوگوں نے وہ باتیں کتب میں لکھ لیں، اور بنو اسرائیل میں یہ مشہور ہو گیا کہ جنات کو غیب کا علم ہے، حضرت سلیمان نے ان کتبوں کو تلاش کروا کر منگوایا اور ایک صندوق میں رکھ کر اپنی کرسی کے نیچے دفن کر دیا اور شیاطین میں سے جو بھی ان کی کرسی کے قریب جاتا وہ جل جاتا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اعلان کر دیا کہ میں نے جس شخص کے متعلق بھی یہ سنا کہ وہ کتا ہے کہ شیاطین غیب جانتے ہیں میں اس کی گردن اڑا دوں گا، سلیمان علیہ السلام فوت ہو گئے، اور وہ علماء بھی گزر گئے جن کو یہ واقعہ معلوم تھا اور پشت ہا پشت گزر گئیں تو ایک دن وہ شیطان انسان کی صورت بن کر بنو اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس گیا، اور کہا میں تم کو ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ دکھاتا ہوں، اس نے ان سے کہا اس کرسی کے نیچے زمین کھودو، انہوں نے کھودا تو وہ کتابیں نکل آئیں شیطان نے کہا سلیمان اس جلو کی وجہ سے انسانوں، جنوں اور پرندوں پر حکومت کرتے تھے، پھر بنو اسرائیل میں نسل در نسل یہ مشہور ہو گیا کہ سلیمان جلو گر تھے، حتیٰ کہ جب نبی ﷺ مبعوث ہوئے اور آپ نے حضرت سلیمان کا انبیاء علیہم السلام میں ذکر کیا تو بنو اسرائیل نے اس پر اعتراض کیا اور کہا سلیمان تو جلو گر تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی : اور انہوں نے اس کی پیروی کی جس کو سلیمان کے دور حکومت میں شیطان پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے (جلو کر کے) کوئی کفر نہیں کیا، البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے وہ لوگوں کو جلو سکھاتے تھے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۵۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

نیز لام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

جب شیاطین (جنوں) کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا علم ہوا تو انہوں نے سحر کی مختلف اصناف اور اقسام کو لکھ کر ایک کتب میں مدون کیا اور اس کے اوپر یہ نام لکھ دیا کہ یہ سلیمان بن داؤد کے دوست آصف بن برخیا کی تحریر ہے اور اس میں علم کے خزانوں کے ذخیرے ہیں، پھر اس کتاب کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا، پھر بعد میں بنو اسرائیل کی باقی ماندہ قوم نے اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے سے نکل لیا، جب انہوں نے اس کتاب کو پڑھا تو انہوں نے کہا کہ سلیمان بن داؤد کی حکومت اس کتاب کی وجہ سے تھی، پھر انہوں نے خود بھی جلو سیکھا اور لوگوں کو بھی جلو سکھایا اور اس طرح جلو کو پھیلا دیا، اور جب ہمارے نبی ﷺ نے حضرت سلیمان بن داؤد کا انبیاء اور مرسلین میں ذکر کیا تو مدینہ کے یہودیوں نے کہا کیا تم (حضرت سیدنا) محمد (ﷺ) پر تعجب نہیں کرتے کہ وہ سلیمان کا انبیاء میں ذکر کرتے ہیں حالانکہ وہ صرف ایک جلو گر تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل کی : اور انہوں نے اس کی پیروی کی جس کو سلیمان کے دور حکومت میں شیطان پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے (جلو کر کے) کوئی کفر نہیں کیا، البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے وہ لوگوں کو جلو سکھاتے تھے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۵۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان دونوں روایتوں کو طبری کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۳۳)

مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۹۱ھ

لہام ابن جوزی نے ان آیتوں کے شان نزول میں مزید چار قول نقل کئے ہیں :

(۱) ابو صلح نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت سلیمان کے ہاتھ سے ان کی سلطنت نکل گئی تو شیاطین (جنوں) نے سحر کو لکھ کر ان کی جائے نماز کے نیچے دفن کر دیا اور جب ان کی وفات ہوئی تو اس کو نکال لیا اور کہا ان کی سلطنت اس سحر کی وجہ سے تھی، مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔

(۲) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آصف بن برخیا حضرت سلیمان کے احکام لکھ لیا کرتے تھے اور ان کو ان کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا کرتے تھے، جب حضرت سلیمان فوت ہو گئے تو اس کتب کو شیطانوں نے نکال لیا اور ہر دو سطور کے درمیان سحر اور جھوٹ لکھ دیا اور بعد میں اس کو حضرت سلیمان کی طرف منسوب کر دیا۔

(۳) عکرمہ نے کہا شیطانوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد سحر کو لکھا اور اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا۔

(۴) قتادہ نے کہا شیطانوں نے جادو کو ایجلا کیا، حضرت سلیمان نے اس پر قبضہ کر کے اس کو اپنی کرسی کے نیچے دفن کر دیا تاکہ لوگ اس کو نہ سیکھیں، جب حضرت سلیمان علیہ السلام فوت ہو گئے تو شیطانوں نے اس کو نکال لیا، اور لوگوں کو سحر کی تعلیم دی اور کہا یہی سلیمان کا علم ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۳۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

سحر کے لغوی معنی

علامہ فیروز آبادی نے لکھا ہے کہ جس چیز کا ماخذ لطیف اور دقیق ہو وہ سحر ہے۔

(قاموس ج ۲ ص ۶۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۲ھ)

(الصحاح ج ۲ ص ۶۷۹، مطبوعہ دار العلم بیروت ۱۴۰۳ھ)

علامہ جوہری نے بھی یہی لکھا ہے۔

علامہ زبیدی لکھتے ہیں :

تمذیب میں مذکور ہے کہ کسی چیز کو اس کی حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف پلٹ دینا سحر ہے، کیونکہ جب ساحر کسی باطل کو حق کی صورت میں دکھاتا ہے اور لوگوں کے ذہن میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ وہ چیز اپنی حقیقت کے مغائر ہے تو یہ اس کا سحر ہے۔ (تاج العروس ج ۳ ص ۲۵۸، ملخصاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں :

سحر وہ عمل ہے جس میں شیطان کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے اور اس کی مدد سے کوئی کام کیا جاتا ہے، نظربندی کو بھی سحر کہتے ہیں، ایک چیز کی صورت میں دکھائی دیتی ہے، حالانکہ وہ اس کی اصلی صورت نہیں ہوتی۔ (جیسے دور سے سراب پانی کی طرح دکھائی دیتا ہے یا جیسے تیز رفتار سواری پر بیٹھے ہوئے شخص کو درخت اور مکانات دوڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں) کسی چیز کی کیفیت کے پلٹ دینے کو بھی سحر کہتے ہیں، کوئی شخص کسی بیمار کو تندرست کر دے یا کسی کے بغض کو محبت سے بدل دے تو کہتے ہیں اس نے اس پر سحر (جادو) کر دیا۔

(لسان العرب ج ۲ ص ۳۲۸، ملخصاً، مطبوعہ نشر اب الحوزة، قم، ایران ۱۴۰۵ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

سحر کا کلی معنی پر مطلق کیا جاتا ہے :

(۱) ظہری اور تعلیمات جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ جیسے شعبہ باز اپنے ہاتھ کی مٹائی سے لوگوں کی نظریں پھیر دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ (الاعراف : ۱۱)

لوگوں کو ان جادو گروں کی رسیاں اور لائیں دوڑتے ہوئے ساتیوں کی شکل میں دکھائی دینے لگیں اور وہ ڈر گئے۔

فَإِذَا حِجَابُهُمْ وَعَصِيَّتُهُمْ يَخِيبُ الْبُؤْسُ مِنْ رِيسٍ لَّوْرَ لَائِيں دوڑ رہی ہیں۔

(۲) شیطان کا قرب حاصل کر کے اس کی مدد سے کوئی غیر معمولی کام (عام علوت کے خلاف) کرتا۔

قرآن مجید میں ہے :

وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ (البقرة : ۱۰۲)

(۳) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جادو سے کسی چیز کی ماہیت اور صورت بدل دی جاتی ہے۔ مثلاً انسان کو گدھا بنا دیا جاتا ہے، لیکن اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(۴) کسی چیز کو کوٹ کر اور پس کر باریک کرنے کو بھی سحر کہتے ہیں اسی لیے معدہ کے فعل ہضم کو سحر کہتے ہیں اور جس چیز میں کوئی معنوی لطافت اور باریکی ہو اس کو بھی سحر کہتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے بعض بیان سحر ہوتے ہیں۔

(المفردات ص ۳۶۱، مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ ایران ۱۳۳۲ھ)

سحر کا شرعی معنی

علامہ بیضوی لکھتے ہیں :

جس کام کو انسان خود نہ کر سکے اور وہ شیطان کی مدد اور اس کے تقرب کے بغیر پورا نہ ہو اور اس کام کے لیے شیطان کے شر اور خبیث نفس کے ساتھ مناسبت ضروری ہو اس کو سحر کہتے ہیں اس تعریف سے سحر، معجزہ اور کرامت سے ممتاز ہو جاتا ہے، مختلف جیلوں، آلات، دلوں اور ہاتھ کی مٹائی سے جو عجیب و غریب کام کیے جاتے ہیں، وہ سحر نہیں ہیں اور نہ وہ مذموم ہیں، ان کو مجازاً سحر کہا جاتا ہے کیونکہ ان کاموں میں بھی وقت اور باریکی ہوتی ہے اور لغت میں سحر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے صدور کا سبب وقت اور عقل ہو۔

(انوار البزمل (دری) ۹۱-۹۵، مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی کراچی)

سحر کے تحقق میں مذہب، سحر کے دلائل اور ان پر اعتراضات کے جوابات

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں :

کسی خبیث اور بدکار شخص کے مخصوص عمل کے ذریعہ کوئی غیر معمولی اور عام علوت کے خلاف کام یا چیز صلوہ ہو اس کو سحر کہتے ہیں، اور یہ ہاتھ کی مٹائی سے حاصل ہوتا ہے، اس اعتبار سے سحر معجزہ اور کرامت سے ممتاز ہے، سحر کسی شخص کی طبیعت یا اس کی فطرت کا خلاصہ نہیں ہے اور یہ بعض جگہوں، بعض اوقات اور بعض شرائط کے ساتھ

مخصوص ہے، جلو کا معارضہ کیا جاتا ہے اور اس کو کوشش سے حاصل کیا جاتا ہے، سحر کرنے و لافسق کے ساتھ ملحق ہوتا ہے، ظاہری اور باطنی نجاست میں ملوث ہوتا ہے اور دنیا اور آخرت میں رسوا ہوتا ہے، اصل حق کے نزدیک سحر عقلاً جائز ہے اور قرآن اور سنت سے ثابت ہے، اسی طرح نظر لگنا بھی جائز اور ثابت ہے۔

معتزلہ نے کہا سحر کی کوئی حقیقت نہیں ہے، یہ محض نظربندی ہے اور اس کا سبب، کرب، ہاتھ کی صفائی اور شعبہ بازی ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ سحر فی نفسہ ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس کا خالق ہے اور سحر صرف فاعل اور کاسب ہے، اور اس کے وقوع اور تحقق پر تمام فقہاء اسلام کا اجماع ہے۔ اس کا ثبوت قرآن مجید کی ان آیات میں ہے :

(ترجمہ) البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے، وہ لوگوں کو جلو سکھاتے تھے اور انہوں نے (یہودیوں نے) اس (جلو) کی پیروی کی جو شریابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا تھا اور وہ فرشتے اس وقت تک کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک کہ وہ نہ کہتے نہ سمجھتے، ہم تو صرف آزمائش ہیں تو تم کفر نہ کرو، وہ ان سے اس چیز کو سیکھتے تھے جس کے ذریعہ وہ مرد اور اس کی بیوی میں علیحدگی کر دیتے، اور اللہ کی اجازت کے بغیر وہ اس جلو سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے، وہ اس چیز کو سیکھتے تھے جو ان کو نقصان پہنچائے نہ نفع دے (البقرة: ۱۰۳-۱۰۲) اور قرآن مجید میں ہے :

وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ (الفلق: ۴) آپ کیسے کہ میں گرہوں میں (جادو کی) بہت پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

اگر جادو کی کوئی حقیقت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے شر سے پناہ طلب کرنے کا حکم نہ دیتا۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ سحر ایک حقیقت ثابتہ ہے، سحر کے ذریعہ نقصان پہنچ جاتا ہے، مرد اور اس کی بیوی میں علیحدگی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جمہور مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ فلق اس وقت نازل ہوئی جب ایک یہودی لبید بن اعسم نے رسول اللہ ﷺ پر سحر کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں آپ تین راتیں بیمار رہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کر دیا گیا، حتیٰ کہ آپ یہ خیال کرتے تھے کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے، حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا حتیٰ کہ آپ ایک دن میرے پاس تشریف فرما تھے، آپ نے اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کی، پھر آپ نے فرمایا : اے عائشہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو پوچھا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتادیا، میں نے پوچھا : یا رسول اللہ! وہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا میرے پاس دو آدمی آئے ایک میرے سر پر بیٹھ گیا اور ایک میرے پاؤں کی جانب، پھر ایک نے دوسرے سے کہا، اس شخص کو کیسا درد ہے؟ اس نے کہا ان پر جادو کیا گیا ہے، پوچھا جادو کس نے کیا ہے؟ کہا لبید بن اعسم یہودی نے جو بنو زریق سے ہے، پوچھا کس چیز میں جادو کیا ہے؟ کہا ایک کنگھی میں اور زکھجور کے غلاف میں لپٹے ہوئے خوشہ میں ہے، پوچھا وہ کہاں ہے؟ کہا وہ ذی اردان کے کنویں میں ہے۔ نبی ﷺ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اس کنویں پر گئے، آپ نے اس میں جھانک کر دیکھا، اس کنویں کے پاس ایک کھجور کا درخت تھا، پھر آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس گئے اور فرمایا بہ خدا اس کنویں کا پانی گوندھی ہوئی مہندی کے پانی کی طرح ہے اور گویا اس کھجور کے خوشے شیاطین کے سر ہیں، میں نے کہا یا رسول اللہ آپ نے اس کو

کون سے کلمے کیلئے لیا۔ آپ نے فرمایا میں، مجھ کو تو اللہ نے شفا دے دی، اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ اس کے نکلنے سے لوگوں کو ضرر پہنچے گا پھر آپ نے اس کنویں کو دفن کرنے (بند کرنے) کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۸)

اسی طرح روایت ہے کہ ایک باندی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر سحر کیا، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر سحر کیا گیا تو ان کی کلائی ٹیڑھی ہو گئی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر جلو کا اثر ثابت ہوتا تو جلو گر تمام انبیاء اور صالحین کو نقصان پہنچاتے اور وہ جلو کے ذریعہ اپنے لیے ملک اور سلطنت کو حاصل کر لیتے نیز نبی ﷺ پر جلو کا اثر کیسے ہو سکتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَاللّٰهُ يَعْصِيْكُمْ مِنَ النَّارِ (المائدہ : ۶۷)

اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

اور ساحر جہاں بھی جائے وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

وَلَا يَفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى (طہ : ۶۶)

کہا جاتا ہے کہ سحر ہر زمانہ اور ہر وقت میں نہیں پایا جاتا، اور نہ ہر جگہ میں پایا جاتا ہے، اور نہ سحر کا اثر ہر وقت ہو سکتا ہے اور نہ ہر معاملہ میں جلو گر کا تسلط ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ وہ نبی ﷺ کو محفوظ رکھے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کو لوگوں کے ہلاک کرنے سے محفوظ رکھے گا، یا آپ کی نبوت میں خلل ڈالنے سے محفوظ رکھے گا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جلو گر آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا یا آپ کے بدن میں کوئی آکالہ نہیں پہنچا سکتا۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے :

اِذْ يَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مِّنْ سُوْرٍ ۙ اَنْظُرْ كَيْفَ صَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيعُوْنَ سَبِيْلًا ۝

بجب یہ ظالم یہ کہتے ہیں کہ تم صرف اس شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے، دیکھیے انہوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کی ہیں، تو وہ اس طرف گمراہ ہو چکے کہ

(بنو اسرائیل : ۳۸-۳۷) اب صحیح راستہ پر نہیں آسکتے۔

کفار نے یہ کہا کہ آپ پر جلو کیا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو گمراہی فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ آپ پر جلو کا اثر نہیں ہو سکتا، اور صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے کہ آپ پر جلو کا اثر ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کی مراد یہ تھی کہ جلو کے اثر سے آپ کی عقل زائل ہو گئی ہے اور آپ کا دعویٰ نبوت کرنا اور وحی الہی کو بیان کرنا اسی جلو کے اثر سے ہے، اور اسی جلو کے اثر کی وجہ سے آپ نے عربوں کے دین کو ترک کر دیا، اور حدیث میں جلو کے جس اثر کا بیان ہے اس کا اثر آپ کی عقل پر نہیں تھا بلکہ آپ کے حواس پر تھا آپ نے کوئی کلم نہیں کیا ہوتا تھا اور آپ خیال کرتے تھے کہ آپ نے وہ کلم کر لیا ہے اور جس طرح آپ پر بیماری کا طاری ہونا، آپ کا سواری سے گرنا، جسم سے خون کا نکلنا عوارض بشریہ کی وجہ سے تھا اور نبوت کے منافی نہیں تھا اسی طرح آپ پر جادو کا اثر ہونا عوارض بشریہ سے تھا اور یہ آپ کی نبوت کے منافی نہیں تھا اور اس پر حکمت عملی یہ تھی کہ محرز دگی کے لیے بھی آپ کی زندگی میں نمونہ ہو۔ اس کی مکمل تحقیق بنی اسرائیل ۳۸-۳۷ کی تفسیر میں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے :

يُخَيِّلُ الْبُيُوتَ يَسْحَرُھُمْ اَنّٰہَا نَسْفُی

حضرت موسیٰ کو خیال ہوا کہ ان کے جلو کی وجہ سے ان کی رہیں اور لائیں دوڑ رہی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جلو کی کوئی حقیقت نہیں ہے، صرف نظر بندی ہے اور کسی کے ذہن میں خیال ڈالنا ہے، ہم

کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ فرعون کے جلوہ گروں کا سر بھی ٹھیل اور ٹھہری تھا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے علاوہ جلوہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اسی طرح نظر لگتا بھی ثابت ہے کیونکہ بعض انسانوں میں ایسی خاصیت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی چیز کی تعریف اور تحسین کرتے ہیں تو اس چیز پر کوئی آفت آجاتی ہے، اور یہ چیز مشاہدات میں سے ہے، اور اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا نظر حق ہے (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲۰، مطبوعہ کراچی)۔

(شرح القامد ج ۵ ص ۷۸، ۷۹، 'موضحاً' و 'مفصلاً'، مطبوعہ منشورات المشرف ارضی، ۱۳۰۹ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

سحر میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ صرف ٹھیل ہے، علامہ استرہارزی شافعی، علامہ ابوبکر رازی حنفی، اور علامہ ابن حزم ظاہری کی یہی رائے ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ سحر کی حقیقت ہے، جمہور کے نزدیک یہ قطعی ہے عام علماء کی یہی رائے ہے۔ کتب، سنت، صحیحہ مشہورہ کی اسی پر دلالت ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ سحر سے انقلاب حقائق ہو جاتا ہے یا نہیں۔ جو کہتے ہیں کہ سحر صرف ٹھیل ہے وہ اس کا انکار کرتے ہیں، اور جو کہتے ہیں کہ اس کی حقیقت ہے ان کا اس میں اختلاف ہے کہ جلوہ کی تاثیر صرف کسی چیز کے مزاج میں ہوتی ہے، مثلاً صحت مند کو بیمار کرنا، یا اس سے کسی چیز کی حقیقت بھی بدل جاتی ہے۔ مثلاً پتھر کو حیوان بنانا، جمہور یہ کہتے ہیں کہ اس کا اثر صرف مزاج میں ہوتا ہے، اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس سے حقیقت بدل جاتی ہے۔ علامہ مازری نے کہا ہے کہ سحر، معجزہ اور کرامت میں یہ فرق ہے کہ سحر بعض اقوال اور افعال خبیثہ سے مکمل ہوتا ہے اور کرامت میں اس کی احتیاج نہیں ہوتی بلکہ وہ عموماً "اتفاقاً" صادر ہوتی ہے اور معجزہ میں چیلنج ہوتا ہے، امام الحرمین نے یہ نقل کیا ہے کہ سحر صرف فاسق سے صادر ہوتا ہے، اور کرامت کا ظہور فاسق سے نہیں ہوتا، فتح الباری ج ۱ ص ۲۲۳-۲۲۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۳۰۹ھ)۔

سحر کے شرعی حکم کی تحقیق

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سات ہلاک کرنے والے کاموں سے بچو، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون سے کام ہیں؟ آپ نے فرمایا : اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جلوہ کرنا، جس کو قتل کرنے سے اللہ نے منع کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدان جلو سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا، اور مسلمان پاک دامن عورت کو زنا کی تمت لگانا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی، ۱۳۸۸ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۲، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی، ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ فی نفسہ جلوہ کرنا، حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اگر جلوہ کے عمل میں شرکیہ اقوال یا افعال ہوں تو پھر جلوہ کرنا کفر ہے اور جلوہ کے سیکھنے اور سکھانے میں فقہاء کے مختلف نظریات ہیں۔

سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں :

جلوہ کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس کو سات ہلاک کرنے والے کاموں میں شمار کیا ہے، اس کا

سکھنا اور سکھانا بھی حرام ہے، اگر جلدو کرنے والے کے قول یا فعل میں کوئی چیز کفر کی مقتضی ہو تو جلدو کرنا کفر ہے، ورنہ نہیں، بلکہ گناہ کبیرہ ہے، اسی طرح جلدو کے سیکھنے یا سکھانے میں کوئی قول یا فعل کفر کا مقتضی ہو تو کفر ہے ورنہ گناہ کبیرہ ہے، ہمارے نزدیک جلدو گر کو قتل نہیں کیا جائے گا، اس سے توبہ طلب کی جائے گی اگر اس نے توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۲۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۳۹۰ھ) نیز علامہ نووی نے لکھا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے یہ کہا ہے کہ جلدو کا سیکھنا جائز ہے تاکہ انسان کو جلدو کی معرفت ہو اور وہ جلدو کے ضرر سے بچ سکے اور جلدو گر کا رد کر سکے، اور ان کے نزدیک جلدو کی ممانعت جلدو کرنے پر محمول ہے جلدو سیکھنے پر نہیں۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۶۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

حکم کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ درودیر مالکی لکھتے ہیں :

علامہ ابن العربی نے سحر کی یہ تعریف کی ہے کہ یہ وہ کلام ہے جس میں غیر اللہ کی تعظیم کی جاتی ہے اور اس کی طرف حولت کائنات کو منسوب کیا جاتا ہے، لام چلہ کا قول یہ ہے کہ جلدو کا سیکھنا اور سکھانا کفر ہے خواہ اس سے جلدو کا عمل نہ کیا جائے، کیونکہ شیاطین کی تعظیم کرنا اور حولت کی نسبت اس کی طرف کرنا یہ ایسا کام ہے کہ کوئی عاقل مسلمان یہ کہنے کی جرات نہیں کر سکتا کہ یہ فعل کفر نہیں ہے، اگر جلدو کا توڑ اسی کی مثل جلدو سے کیا جائے تو یہ بھی کفر ہے، جلدو کے توڑ کے لیے کسی کو کرلیہ پر لینا جائز ہے، بہ شرطیکہ جلدو سے یہ توڑ نہ کیا جائے، جلدو کے ذریعہ احوال اور صفات میں تغیر ہو جاتا ہے اور حقائق بدل جاتے ہیں، اگر یہ کام آیات قرآنیہ اور اسماء الہیہ سے ہو جائیں تو پھر یہ کفر نہیں ہے، البتہ اگر جلدو کے ذریعہ دو آدمیوں کے درمیان عدوت پیدا کی جائے یا کسی کی جان اور مل کو نقصان پہنچایا جائے تو یہ حرام ہے، اگر کوئی شخص علی الاعلان جلدو کرتا ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کا مل فنی ہے (یعنی لوٹ لیا جائے گا) بہ شرطیکہ وہ توبہ نہ کرے۔ (الشرح الکبیر ج ۲ ص ۳۰۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ دسوقی مالکی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (حاشیہ لدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۲ ص ۳۰۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ غرشی مالکی (۱)، علامہ علی مالکی (۲)، علامہ حطاب مالکی (۳) اور علامہ العبدری (۴) نے بھی یہی لکھا ہے۔

حکم کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

لام ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں :

جلدو کا سیکھنا اور سکھانا حرام ہے اور ہمارے علم کے مطابق اس میں اصل علم کا اتفاق ہے، جلدو کے سیکھنے اور جلدو کے

(۱) علامہ محمد بن عبد اللہ علی الخرشانی المعنی ۱۳۵۵ھ، الخرشانی علی مختصر التلخیص ج ۸ ص ۳۳، مطبوعہ دار صادر بیروت

(۲) علامہ علی بن احمد السعیدی العدوی المالکی، حاشیہ العدوی علی الخرشانی ج ۸ ص ۳۳، مطبوعہ دار صادر بیروت

(۳) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الخطاب المالکی المعنی ۱۳۵۳ھ، مواہب الجلیل ج ۶ ص ۲۷۹-۲۸۰، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ بیروت

(۴) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف العبدری المعنی ۱۳۹۷ھ، التاج والاکلیل علی حاشی مواہب الجلیل ج ۶ ص ۲۷۹-۲۸۰، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ بیروت

مکتبۃ المدینہ بیروت

عمل کی وجہ سے ساحر کی تکفیر کی جائے گی، خواہ وہ جلوہ کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو یا اس کے مبلع ہونے کا اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کی تکفیر میں کی جائے گی، کیونکہ امام احمد نے فرمایا عرف، کاہن اور ساحر کے حطلق میری رائے یہ ہے کہ ان کے ان افعال پر ان سے توبہ طلب کی جائے، کیونکہ میرے نزدیک وہ حکماء مرتد ہیں، اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کو چھوڑ دیا جائے۔ راوی نے پوچھا اگر توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا؟ تو کہا نہیں بلکہ اس کو قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ توبہ کر لے، راوی نے پوچھا اس کو قتل کیوں نہیں کیا جائے گا؟ کہا جب تک وہ نماز پڑھتا ہے تو اس کی توبہ اور رجوع کی توقع ہے۔ امام احمد کا یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ ساحر کافر نہیں ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی ساحر کے کفر پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما کفر سلیمان، سلیمان نے کفر نہیں کیا، یعنی انہوں نے جلوہ نہیں کیا حتیٰ کہ ان کی تکفیر کی جائے، اور فرشتوں نے کہا انما نحن فتنۃ فلا نکفر ”ہم تو محض آزمائش ہیں تو تم جلوہ سیکھ کر کفر نہ کرو۔“ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جلوہ کرنا کفر ہے، اور حضرت علی نے فرمایا ساحر کافر ہے۔

حضرت عمر، حضرت عثمان بن عفان، حضرت ابن عمر، حضرت حفصہ، حضرت جندب بن عبد اللہ، حضرت حبیب بن کعب، حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے ساحر کو بہ طور حد کے قتل کر دیا جائے گا، امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے، امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مسلمان کو قتل کرنا صرف تین وجوہوں سے جائز ہے، ایمان لانے کے بعد کفر کرے، شادی کرنے کے بعد زنا کرے، یا ناحق قتل کرے (صحیح بخاری و صحیح مسلم) ساحر نے ان میں سے کوئی کام نہیں کیا اس لیے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، اس کا جواب یہ ہے کہ سحر کرنا بھی ارتداد ہے، نیز حضرت جندب بن عبد اللہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ساحر کی حد، اس کو تلوار سے مارنا ہے (ابن المنذر) اور امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا ہر ساحر کو قتل کر دو۔

(المغنی ج ۹ ص ۳۶-۳۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں :

ساحر کی تکفیر کی جائے گی اور اس کو قتل کیا جائے گا، یہی مذہب ہے اور یہی جمہور اصحاب کا نظریہ ہے، ایک روایت یہ ہے کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور جو شخص دواؤں اور دھوئیں سے شعبہ بازی کرتا ہو اس کو صرف تعزیر دی جائے گی۔

(الانصاف ج ۱۰ ص ۳۵۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں :

سحر کی حقیقت ہے اور جسم کو تکلیف پہنچانے میں اس کی تاثیر ہے، جادو کو سکھانا بالاتفاق حرام ہے، اور اس کی اباحت کا اعتقاد کرنا کفر ہے، ہمارے بعض اصحاب، امام مالک اور امام احمد کا یہ مذہب ہے کہ جادو کا سیکھنا اور جادو کا کرنا کفر ہے، خواہ اس کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھے یا نہ رکھے، اور اس کو قتل کر دیا جائے گا، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابن عمر، حضرت جندب بن عبد اللہ، حبیب بن کعب، قیس بن سعد اور عمر بن عبد العزیز نے ساحر سے توبہ طلب کئے بغیر اس کے قتل کا فتویٰ دیا، حضرت جندب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ساحر کی حد یہ ہے کہ اس کو تلوار سے مار دیا جائے

لام شامی کا مذہب یہ ہے کہ جب تک ساحر جلوہ کے مبلح ہونے کا اعتقاد نہ رکھے اس کو کافر کہا جائے نہ اس کو قتل کیا جائے، ساحر کو کافر قرار دینے نہ دینے میں لام شامی کے مذہب پر عمل کرنا واجب ہے، البتہ اس کو قتل کرنا واجب ہے جس شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ کوشش کر کے جلوہ کرتا ہے اس سے توبہ طلب کیے بغیر اس کو قتل کر دیا جائے۔
(فتح القدیر ج ۵ ص ۲۳۳، ۲۳۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکر)

علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں :

خلاصہ یہ ہے کہ ساحر جب تک کسی کفریہ امر کا اعتقاد نہ کرے اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، النہر الفائق میں اسی پر اکتفا کیا ہے، اور علامہ حصکفی نے بھی اسی کی اتباع کی ہے اور ساحر کو مطلقاً قتل کر دیا جائے گا، فتاویٰ قاضی خاں میں مذکور ہے کہ جو شخص کسی آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کے لیے کوئی عمل کرے، وہ مرتد ہے اور اس کو قتل کر دیا جائے، بہ شرطیکہ وہ تفریق میں اس عمل کی تاثیر کا اعتقاد رکھتا ہو، اور جو شخص لوگوں کو ضرر پہنچانے کے لیے سحر کرتا ہو اس کو قتل کر دیا جائے گا، اور جو ساحر تجربہ کے لیے سحر کرتا ہو اور اس پر اعتقاد نہ رکھتا ہو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا جس شخص کا سحر کرنا اس کے اقرار یا گواہی سے ثابت ہو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس سے توبہ نہیں طلب کی جائے گی، اس میں مسلمان، ذمی، آزاد اور غلام برابر ہیں، ساحر سے مراد وہ شخص نہیں ہے جو معذرات سے جلوہ کو دور کرتا ہو، نہ ظلم کرنے والا مرلو ہے (شعبہ باز)۔ علامہ ابن حمام نے جو ہمارے بعض اصحاب سے سحر کا حکم کفر نقل کیا ہے وہ اس پر مبنی ہے کہ سحر کا تحقق کلمت کفریہ کہنے پر موقوف ہے۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۹۶-۲۹۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ) علامہ حصکفی حنفی نے لکھا ہے کہ اگر پکڑے جانے سے پہلے جلوہ کرنے توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور قتل نہیں کیا جائے گا ورنہ توبہ قبول نہیں ہوگی اور قتل کیا جائے گا۔

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۳ ص ۲۹۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں :

سحر کی ایک قسم بعض مخصوص کلمات سے ہوتی ہے اور یہ حواس خمسہ میں ادراک کو واجب کرتی ہے، اس کو سیما کہتے ہیں، دوسری قسم میمیا ہے جو کھانے، پینے کی چیز میں تحنیل واقع کرتی ہے، اور تیسری قسم وہ ہے جس سے بعض اشیاء کے احوال میں تاثیر ہوتی ہے، سحر کی اور بھی قسمیں ہیں لیکن سحر کی ہر قسم کفر نہیں ہے، کیونکہ کسی کو ضرر پہنچانے کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جاتی بلکہ کسی کفریہ امر کی وجہ سے تکفیر کی جاتی ہے، مثلاً ستاروں میں الوہیت کا اعتقاد رکھا جائے یا قرآن مجید کی لہنت کی جائے یا کوئی کفریہ کلمہ کہا جائے، لیکن ساحر کی تکفیر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو قتل بھی نہ کیا جائے، اس لیے جو شخص سحر کے ذریعہ لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے اس کو قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ ڈاکوؤں کے ضرر پہنچانے کی وجہ سے ان کو قتل کر دیا جاتا ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

ڈاکٹر وجہ زحیلی نے لکھا ہے کہ لام ابو حنیفہ کے نزدیک ساحر کافر ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں ہے۔ لیکن یہ

صحیح نہیں ہے۔ (التفسیر المنیر ج ۱ ص ۲۵۴-۲۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۱ھ)

مذہب اربعہ کا خلاصہ اور تجزیہ

لام مالک اور لام احمد کے نزدیک ساحر مطلقاً کافر ہے اور لام شافعی اور لام ابو حنیفہ کے نزدیک ساحر مطلقاً کافر نہیں

ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ لام مالک اور لام احمد کے نزدیک سحر کفریہ عقائد اور کفریہ اقوال اور فعل کے بغیر مستحق نہیں ہوتا، اس لیے وہ سحر کو مطلقاً کفر کہتے ہیں، اور لام شافعی اور لام ابو حنیفہ کے نزدیک سحر عام ہے یہ کفر کے بغیر بھی ہو سکتا ہے اس لیے سحر مطلقاً کفر نہیں ہے۔ البتہ جس سحر میں کفر کا دخل ہو وہ ان کے نزدیک بلاشبہ کفر ہے جیسا کہ ان کی عبارات سے واضح ہے، اور اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ سحر حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہے، البتہ بعض شافعیہ سے یہ منقول ہے کہ دفع ضرر کے لیے جلو کا سیکھنا جائز ہے، اور لام مالک، لام احمد اور لام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے نزدیک سحر کو حد "قتل کرنا واجب ہے اور وہ ڈاکو کے حکم میں ہے، لام شافعی کے نزدیک سحر کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

ہاروت اور ماروت پر سحر کو نازل کرنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان یسودیوں نے اس کی پیروی کی جو شریطل میں ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا تھا۔

ہاروت اور ماروت دو فرشتے ہیں، ان کے متعلق علماء اسلام میں اختلاف ہے، محققین کا یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لیے بھیجا تھا تاکہ وہ لوگوں کو جلو کی حقیقت بتائیں اور لوگوں پر یہ واضح کریں کہ لوگ جو سحر کے نام سے مختلف جیلوں اور شعبدوں سے عجیب و غریب کام کرتے ہیں وہ سحر نہیں ہے، وہ لوگوں پر جلو کی حقیقت واضح کرنے کے لیے جلو کی تعلیم دیتے تھے اور جلو پر عمل کرنے سے روکتے تھے، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی آزمائش کے لیے سحر کو نازل کیا جس نے سحر سیکھ کر اس پر عمل کیا وہ کافر ہو گیا، اور جس نے سحر کو نہیں سیکھا یا جلو کے ضرر سے بچنے کے لیے اور جلو کی حقیقت جاننے کے لیے اس کو سیکھا اور اس پر عمل نہیں کیا وہ اپنے ایمان پر سلامت رہا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب جلو حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے جلو سکھانے کے لیے فرشتوں کو کیوں نازل کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر اور شر ہر چیز کا خالق ہے، زہر کھانا اور کھانا حرام ہے، کتے اور خنزیر کو کھانا حرام ہے، شراب پینا حرام ہے، چوری، قتل اور زنا کرنا حرام ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں اور تمام کاموں کو پیدا کیا ہے اور انسان کو ان تمام چیزوں کے ترک کرنے اور ان سے باز رہنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے لہواء اور آزمائش کے لیے فرشتوں کو جلو کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تاکہ ظاہر ہو جائے کون جلو پر عمل کرنے سے باز رہتا ہے اور کون جلو سیکھ کر اس پر عمل کرتا ہے۔

ہاروت اور ماروت کی معصیت کی روایت

ہاروت اور ماروت اللہ تعالیٰ کے دو مقرب فرشتے ہیں اور ان کا واقعہ صرف اسی قدر ہے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے، بعض روایات میں ان کے متعلق یہ مذکور ہے کہ انہوں نے زمین پر آکر گناہ کیا ان تمام روایات کو محققین علماء نے مسترد کر دیا ہے، ہم پہلے وہ روایات بیان کرتے ہیں پھر ان کے مردود ہونے پر دلائل کو پیش کریں گے پھر ان کے متعلق محققین کی تصریحات کو بیان کریں گے فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة یلیق :

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے آسمان سے جھری کی جب انہوں نے بنو آدم کو گناہوں کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا، تو انہوں نے کہا اے رب! یہ وہ بنو آدم ہیں جن کو تو نے اپنے دست

قدرت سے پیدا کیا اور اپنے فرشتوں سے ان کو سجدہ کر لیا اور وہ گناہوں کا لکڑی کا کتاب کر رہے ہیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ان کی جگہ تم ہوتے تو تم بھی ان کی طرح عمل کرتے، انہوں نے کہا تو سبحان ہے ہم ایسا نہیں کر سکتے، پھر ان سے کہا گیا کہ تم دو فرشتوں کو منتخب کر لو، تو انہوں نے حاروت اور ماروت کو منتخب کر لیا، انہیں زمین پر بھیج دیا گیا اور ان کے لیے زمین پر ہر چیز مائل کر دی گئی اور شرک، چوری، زنا، شراب نوشی اور قتل ناحق سے منع کر دیا، وہ زمین پر آکر رہنے لگے، وہیں انہوں نے بیہوشی نام کی ایک عورت دیکھی جو بہت حسین تھی وہ اس پر فریفتہ ہو گئے انہوں نے اس سے زنا کا ارادہ کیا، اس نے کہا پہلے تم اللہ کے ساتھ شرک کرو، شراب پیو، قتل ناحق کرو، اور اس بات کو سجدہ کرو، شروع میں انہوں نے انکار کیا لیکن جب وہ عورت اس کے بغیر راضی نہ ہوئی تو انہوں نے یہ سب کام کر لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ منظر دکھایا فرشتوں نے کہا تو سبحان ہے اور تمہ کو خوب علم ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے ذریعہ ان کو یہ پیغام دیا کہ وہ دنیا اور آخرت کے عذاب میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں، انہوں نے دنیا کے عذاب کو اختیار کر لیا، سو ان کو باطل (دنیاوند یا مرق یا کوفہ کی ایک بستی) میں عذاب دیا جا رہا ہے۔ (مجلد نے بیان کیا ہے کہ وہ لوہے کی زنجیروں کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں۔ ص ۳۷۵) اور ان کے ٹخنوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۶۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

لام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فارس میں زہرہ نام کی ایک حسین عورت تھی، حاروت اور ماروت نے اس سے اپنی خواہش پوری کرنا چاہی، اس نے کہا پہلے مجھے وہ کلام سکھاؤ جس کو پڑھ کر میں آسمان پر چلی جاؤں، انہوں نے اس کو وہ کلام سکھایا وہ اس کو پڑھ کر آسمان پر چلی گئی اور وہیں اس کو مسح کر کے زہرہ ستارہ بنا دیا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۶۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حاروت اور ماروت کی معصیت کی روایت کا قرآن مجید سے بطلان

زہرہ ستارہ تو آسمان پر شروع سے موجود ہے اس لیے یہ روایت عقلاً باطل ہے اور حاروت اور ماروت کے گناہ کا جو ذکر ہے یہ قرآن مجید کی ان تمام آیات کے خلاف ہے جن میں فرشتوں کی عصمت کو بیان فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (النحریم : ۲۱)

بلکہ (سب فرشتے) ان کے کرم بندے ہیں، اس (کی اجازت) سے پہلے بات نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر کاربند رہتے ہیں۔

وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِّنْ

لے ماحد ابن جریر مسقطی نے لام ابن احق کے حوالے سے لکھا ہے کہ حاروت اور ماروت کا قصہ حضرت نوح کے زمانہ سے پہلے کا ہے اور عمر نوح علیہ السلام سے پہلے موجود تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ قوم نوح نے ان کو ساحر مگن کیا اور قوم فرعون سے پہلے عمر موعود تھا وہ بھی حضرت سلیمان سے پہلے تھی۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۳۳) اور طبری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا ہے، واللہ اعلم۔

فَوَقَّعَهُمْ وَفَعَلْنَاهُمْ مَا يُومَرُونَ (النحل : ۵۰-۴۹)

عذاب سے ڈرتے ہیں اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

وَمَنْ رَعْنَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ
وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ۚ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا
يَفْتُرُونَ (الانباء : ۲۰-۱۹)

اور جو اس کے پاس (فرشتے) ہیں وہ اس کی عبادت سے
تکبر نہیں کرتے اور نہ وہ جھکتے ہیں رات اور دن اس کی تسبیح
کرتے ہیں (اور ذرا) سستی نہیں کرتے۔

ہاروت اور ماروت کی معصیت کی روایت پر بحث و نظر
حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں :

ہاروت اور ماروت کے قصہ میں بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ زہرہ ایک عورت تھی انہوں نے اس سے اپنی
خواہش پوری کرنی چاہی اس نے کہا پہلے مجھے اسم اعظم سکھاؤ، وہ یہ اسم پڑھ کر آسمان پر چلی گئی اور ستارہ بن گئی، میرا گمان
ہے کہ اس قصہ کو اسرائیلیوں نے وضع کیا ہے، ہرچند کہ اس کو کعب الاحبار نے روایت کیا ہے اور ان سے حنفیوں کی
ایک جماعت نے بہ طور حدیث بنی اسرائیل کے نقل کیا ہے، امام احمد اور امام ابن حبان نے اس کو اپنی صحیح میں اپنی سندوں
کے ساتھ حضرت ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس میں بہت طویل قصہ ہے، اور امام عبدالرزاق نے اس کو اپنی
سند کے ساتھ کعب احبار سے روایت کیا ہے اور اس کی سند زیادہ صحیح ہے، امام حاکم نے مستدرک میں اور امام ابی حاتم
نے اس کو اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۸-۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :

ہاروت اور ماروت کے قصہ میں تابعین کی ایک جماعت مثلاً مجاہد، سدی، حسن بصری، قتادہ، ابو العالیہ، زہری، ربیع بن
انس، مقاتل بن حیان وغیرہم نے روایات ذکر کی ہیں اور بہت سے حنفیوں اور متاخرین مفسرین نے بھی اس کا ذکر کیا ہے
اور اس کا مرجع بنی اسرائیل ہیں، کیونکہ اس قصہ میں معصوم نبی ﷺ صلوٰۃ اور مصدوق سے کوئی حدیث مرفوعہ صحیح متصل
الاسناد مروی نہیں ہے، اور قرآن مجید نے ہاروت اور ماروت کا بغیر کسی تفصیل کے اجمالاً ذکر کیا ہے سو ہم اس پر ایمان
لاتے ہیں جو قرآن میں اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۳۸ مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں :

یہ تمام روایات ضعیف ہیں، حضرت ابن عمر وغیرہ سے بہت بعید ہے کہ وہ ایسی روایت کریں، ان میں سے کوئی
روایت صحیح نہیں ہے، فرشتے اللہ کے سفیر اور اس کی وحی پر امین ہیں، وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے، وہی کرتے
ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے، ہرچند کہ عقلاً فرشتوں سے معصیت ممکن ہے اور ان میں شہوت کا پیدا ہونا ممکن ہے اور
ہر ممکن اللہ کی قدرت میں ہے، لیکن یہ ممکن بغیر کسی صحیح حدیث کے ثابت نہیں ہو سکتا اور اس قصہ میں کوئی حدیث صحیح
نہیں ہے، اور اس کے صحیح نہ ہونے پر یہ دلیل ہے کہ جب اللہ نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے آسمانوں
میں ان سات سیاروں کو پیدا کیا، زحل، مشتری، بہرام، عطارد، زہرہ، شمس اور قمر، اور اس روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ وہ
عورت زہرہ ستارہ بن گئی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۵۲ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

قاضی ابوبکر بن العربی نے لکھا ہے کہ فرشتوں سے معصیت ممکن ہے اور قرآن مجید کی جن آیات میں بہ طرق عموم

فرشتوں کی عصمت بیان کی گئی ہے ان میں تخصیص ہو سکتی ہے کیونکہ علم اصول میں مقرر ہے کہ عام میں تخصیص ہو سکتی ہے۔
(الحکم القرآن ج ۱ ص ۳۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

قاضی ابو بکر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید کا عموم قطعی ہے اور اس کے عموم کا ناخ اور محض بھی اس کے مساوی ہونا چاہئے اس لیے اس عموم کا محض یا تو قرآن مجید ہو سکتا ہے یا حدیث صحیح متواتر اور ان روایات میں سے تو ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے چہ جائیکہ احادیث صحیحہ متواترہ ہوں۔
لام رازی لکھتے ہیں :

یہ تمام روایات فاسد، مردود اور غیر مقبول ہیں، کتب اللہ میں ان میں سے کسی پر دلالت نہیں ہے، اور قرآن مجید میں فرشتوں کی عصمت بیان کی گئی ہے یہ روایات اس کی مخالف ہیں، نیز ان روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہاروت اور ماروت کو عذاب دنیا اور عذاب آخرت میں اختیار دیا گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ تاحیات شرک کرنے والے کو بھی توبہ اور عذاب آخرت کے درمیان اختیار دیتا ہے، سو یہ روایات اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ کے بھی خلاف ہیں، اور ان بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ حالت عذاب میں لوگوں کو جلاو سکھاتے تھے اور جلاو کی دعوت دیتے تھے اور یہ غیر معقول ہے، رہا یہ امر کہ ان فرشتوں کو کیوں نازل کیا گیا تھا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں بہت جلاو گر ہو گئے تھے جو جلاو سے عجیب و غریب کام کرتے اور نبوت کا دعویٰ کرتے اور لوگوں کو اس کے معارضہ کا چیلنج کرتے تب اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو جلاو سکھانے کے لیے بھیجا تاکہ مومنین جھوٹے نبیوں کا جلاو سے معارضہ کر سکیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۸ھ)

لام رازی کی بیان کردہ یہ وجہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جلاو کا معارضہ کرنا جلاو کرنے پر موقوف ہے حالانکہ لوگوں کو جلاو کرنے سے وہ فرشتے منع کرتے تھے، البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ جلاو کی حقیقت جاننے کے بعد لوگوں پر یہ بات کھل گئی تھی کہ جھوٹے نبی جو کچھ عجیب و غریب کام دکھا رہے ہیں یہ جلاو ہے معجزہ نہیں ہے، اس لیے اس زمانہ میں جلاو کا سیکھنا اور سکھانا صحیح تھا۔

علامہ ابو الیمان اندلسی لکھتے ہیں :

ان روایات میں سے کوئی چیز صحیح نہیں ہے، اور فرشتے معصوم ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے، اور فرشتوں کو جلاو سکھانے کے لیے اس لیے بھیجا گیا تھا کہ جس جلاو سے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اس کے دوستوں میں تفرقہ ہو جائے وہ اس زمانہ میں مبلح یا مستحب تھا۔
(المحرر المیط ج ۱ ص ۵۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

قاضی بیہلولی شافعی لکھتے ہیں :

یہ روایات یسود سے نقل کی گئی ہیں اور یہ ہو سکتا ہے کہ یہ حقدمن کی رموز ہوں جن کا حل کرنا اصل علم پر مبنی نہیں ہے، ایک قول یہ ہے کہ حادوت اور ماروت دو آدمی تھے جن کو ان کی غیر معمولی نیکیوں کی وجہ سے فرشتہ کہا گیا۔
(انوار الصول (دری) ص ۶۱، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید انڈیا کہنی کراچی)

علامہ شہاب الدین خلعتی لکھتے ہیں :

قاضی بیہلولی نے جو یہ کہا ہے کہ یہ رموز حقدمن ہیں اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ فرشتہ بہ حیثیت فرشتہ گناہوں

سے معصوم ہے اور جب اس کی حقیقت بدل دی جائے اور اس کو آدمی کے خواص اور اس کی قوتوں سے مرکب کر دیا جائے تو پھر اس کا گنہہ کرنا قرآن مجید کی آیات کے مخالف نہیں ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قصہ میں تمثیل بیان کی گئی ہو اور عاروت و ماروت سے مراد انسان کا بدن اور زہرہ سے مراد اس کی روح ہو، بدن نے روح کو گنہہ پر ابھارا اور جب روح اس پر متنبہ ہوئی تو وہ آسمان پر چلی گئی اور اگر یہ کہا جائے کہ عاروت اور ماروت دو آدمی تھے جن کو ان کی غیر معمولی جبلت کی وجہ سے فرشتہ کہا گیا تو پھر کوئی اشکل نہیں ہے۔ (عیانہ القاضی ج ۲ ص ۳۱۱، مطبوعہ دار صلور بیروت ۱۳۸۳ھ)

علم کے تقاضوں پر عمل نہ کرنا حکماً جہل ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک وہ خوب جانتے تھے کہ جس نے اس (جلود) کو خرید لیا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور کیسی بری چیز ہے جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنے آپ کو فروخت کر ڈالا ہے۔ کاش یہ جان لیتے! اس آیت کے لول میں یہ فرمایا ہے کہ وہ جلود کی برائی جانتے تھے اور آخر میں فرمایا ہے کہ وہ جان لیتے، یعنی وہ نہیں جانتے اور بظاہر یہ تقاض ہے کہ وہ جانتے بھی تھے اور نہیں بھی جانتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو جادو کی برائی کا علم تھا لیکن چونکہ وہ علم کے تقاضے پر عمل نہیں کرتے تھے اور جلود کرتے تھے اس لیے ان کے علم کو عدم علم کے قائم مقام کر کے فرمایا کاش وہ جان لیتے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو عالم علم کے مطابق عمل نہ کرے وہ بہ منزلہ جہل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کا فرق

”کاش وہ جان لیتے۔“ اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ وہ علم کے تقاضوں پر عمل کریں لیکن اللہ کا چاہا پورا نہیں ہوا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر چاہا ہوا پورا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ایک مشیت ہے اور ایک مرضی ہے، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تو ہو سکتا ہے لیکن اس کی مشیت کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا، یہودیوں کا ایمان لانا اور ان کا جلود نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی، اس کی مشیت نہیں تھی، اللہ تعالیٰ کفر اور بد عملی پر راضی نہیں لیکن دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔ ”کاش وہ جان لیتے“ سے معلوم ہوتا ہے ان کا جلود کرنا اور علم کے خلاف عمل کرنا اللہ کی مرضی کے خلاف تھا۔

☆☆☆

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا سَاعِنًا وَقُولُوا انظُرْنَا وَ

سنا

اے ایمان والو! اپنے رسول سے راعنانہ کہو انظرنا کہو۔ اور ابتداء (مخبر سے)

اسْمَعُوا ۖ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۳﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِينَ

کافروں میں سے اہل کتاب اور

اور کافروں کے لیے درزاں عذاب ہے ۵

كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْكُمْ

کی

خیر (ومی) نازل

مشرکین پر نہیں پسند کرتے کہ تم پر کوئی

مکمل اول

مَنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّاكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ

جائے ، اور اللہ جس کو چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ①

اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○

راعنا کہنے کی ممانعت اور انظرنا کہنے کا حکم

ان آیات میں یہود کے ایک اور عنلو اور حسد کو بیان فرمایا ہے، وہ نبی ﷺ سے کلام کرتے ہوئے ایسا لفظ استعمال کرتے تھے جس سے گستاخی کا پہلو لگتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال کرنے سے منع فرمادیا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمان نبی ﷺ سے راعنا کہتے تھے، یعنی ہماری رعایت فرمائیے اور ہماری طرف التفات اور توجہ فرمائیے جب کوئی بات سمجھ نہ آتی تو وہ اس موقع پر کہتے تھے 'راعنا ہماری رعایت فرمائیں' یہود کی لغت میں یہ لفظ بددعا کے لیے تھا، اور اس کا معنی تھا، سنو تمہاری بات نہ سنی جائے۔ انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور کہنے لگے کہ پہلے ہم ان کو تنہائی میں بددعا دیتے تھے اور اب لوگوں میں اور برسر مجلس ان کو بددعا دینے کا موقع ہاتھ آ گیا ہے، تو وہ نبی ﷺ کو مخاطب کر کے راعنا کہتے تھے اور آپس میں ہنستے تھے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو یہود کی لغت کا علم تھا، انہوں نے جب ان سے یہ لفظ سنا تو انہوں نے کہا تم پر اللہ کی لعنت ہو، اگر میں نے آئندہ تم کو نبی ﷺ سے یہ لفظ کہتے ہوئے سنا تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا، یہود نے کہا کیا تم لوگ یہ لفظ نہیں کہتے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہا گیا (جب کوئی بات سمجھ نہ آئے) تو تم راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کہو (ہم پر نظر رحمت اور مہربانی فرمائیں) تاکہ یہود کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ صحیح لفظ کو غلط معنی میں استعمال کریں اور پہلے ہی نبی ﷺ کی بات غور سے سن لیا کرو تاکہ یہ نوبت نہ آئے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۵۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران ۱۳۸۷ھ)

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بھی راعنا کہنے سے منع فرمایا ہے :

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُخَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَٰكِن لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ○

بعض یہود اللہ کے کلمات کو اس کے سیاق اور سبق سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی (اور آپ سے کہتے ہیں) سنیے در آن حایکہ آپ کی بات نہ سنی گئی ہو! اور دین میں طعن کرنے کے لیے اپنی زبانوں کو موز کر رہا کہتے ہیں اور اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ ہماری بات سنیں اور ہم پر نظر (کرم) فرمائیں تو یہ (ان کے حق میں) بہت اچھا اور بہت درست ہوتا، لیکن اللہ نے ان کے کفر کی

(النساء : ۴۶)

امام ابن جریر نے ابن زید سے روایت کیا ہے کہ وہ زبان موز کر رہا تھا کہ جب راحن کہتے تھے اور راحن کے معنی خطا ہیں تو وہ اس لفظ میں تحریف کر کے آپ کو خطا کرنے والا کہتے تھے۔ (۱) سو اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی اور اس کا سبب کرنے کے لیے مسلمانوں کو راعتا کہنے سے منع فرمادیا۔

اس آیت سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کسی صحیح کلام سے کسی بڑی برائی کا راستہ نکلتا ہو تو اس بڑی برائی کے سبب کے لیے اس صحیح کلام کو بھی ترک کر دیا جائے گا۔ قرآن مجید اور احادیث میں اس کی بہت نظر ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام : ۱۰۸)

تم مشرکین کے معبودوں کو برا نہ کہو ورنہ وہ عدوت اور جہالت سے اللہ کو برا کہیں گے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی ﷺ بیمار ہوئے تو آپ کی کسی زوجہ نے ذکر کیا کہ میں نے حبشہ کے ملک میں عیسائیوں کی ایک عبادت گاہ دیکھی ہے جس کا نام ماریہ ہے، حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ حبشہ سے آئیں تھیں، انہوں نے اس عبادت گاہ کی خوبصورتی اور اس کی تصویروں کو بیان کیا، آپ نے سر اٹھا کر فرمایا جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر ایک مسجد بنا دیتے اور اس میں یہ تصویریں بنا دیتے، یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۳۸۱ھ)

عیسائیوں کے پہلے لوگوں نے نیک انسانوں کی تصویریں اس لیے بنائی تھیں کہ لوگ ان کی تصویروں کو دیکھ کر ان کے نیک اعمال کو یاد کریں، اور ان کی طرح نیکی کرنے کی کوشش کریں اور ان کی قبروں کے پاس اللہ کی عبادت کریں، جب کافی زمانہ گزر گیا اور بعد میں لوگوں کے عقائد اور اعمال میں فساد ظاہر ہوا اور بعد کے لوگ ان تصویروں کی غرض سے بناوٹ ہو گئے، تو شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تمہارے آباء و اجداد ان تصویروں کی عبادت کرتے تھے تو نبی ﷺ نے اس کے سبب کے لیے تصویریں بنانے سے مطلقاً منع فرمادیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ یہود اور نصاریٰ انبیاء کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے اور ان کی تعظیم کے لیے ان کی قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور انہوں نے ان کی قبروں کو بت بنالیا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان پر لعنت کی اور مسلمانوں کو اس فعل سے منع فرمایا، البتہ جو شخص کسی نیک مسلمان کے قرب میں مسجد بنائے اور اس کے قرب سے برکت حاصل کرنے کا قصد کرے اور اس قبر کی تعظیم کا قصد نہ کرے اور نہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۵۲۵، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۰۱ھ)

اس آیت سے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ جس لفظ میں توہین کا معنی نکلتا ہو اس لفظ کو نبی ﷺ کی جناب میں استعمال کرنا ناجائز ہے اور نبی ﷺ کی توہین کفر ہے، ہم اس مقام پر اس مسئلہ کی تحقیق کر رہے ہیں :

رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے شرعی حکم کی تحقیق

رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنا بالاجماع کفر ہے اور توہین کرنے والا بالاتفاق واجب القتل ہے اور اس کی توبہ قبول

(۱) امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان ج ۱ ص ۷۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۰۹ھ

کرنے میں ائمہ مذاہب کے مختلف اقوال ہیں خولہ توہین کا تعلق آپ کی ذات کے ساتھ ہو یا آپ کے نسب کے ساتھ ہو آپ کے دین کے ساتھ ہو یا آپ کی کسی صفت کے ساتھ ہو اور یہ لہانت خولہ صراحۃً "ہو یا کنایتہ" ہو یا تقریضاً "ہو یا تلمیحاً" ہو اسی طرح کئی شخص آپ کو بددعا کرے، آپ پر لعنت کرے یا آپ کا برا چاہے آپ کے عوارض بشریہ یا آپ سے متعلق اشیاء یا اشخاص کا آپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بطریق طعن یا مذمت ذکر کرے۔ غرض جس شخص سے کوئی ایسا کلام صادر ہو جس سے آپ کی لہانت ظاہر ہو وہ کفر ہے اور اس کا قاتل واجب القتل ہے۔

خاصی میاض لکھتے ہیں :

محمد بن مخنوں نے کہا ہے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کی لہانت کرنے والا اور آپ کی تنقیص (آپ کی شان میں کمی) کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الہی کی وعید جاری ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل کرنا ہے اور جو شخص اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۹۰، مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان)

بعض فقہاء حنفیہ کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گلی دینے والے کی توبہ قبول نہیں ہوگی، علامہ علائی لکھتے ہیں : جو شخص کسی نبی کو گلی دینے سے کافر ہو گیا اس کو بطور حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ مطلقاً قبول نہیں ہے (خواہ خود توبہ کرے یا اس کی توبہ پر گواہی ہو) اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کو گلی دی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور نبی کو گلی دینا بندے کا حق ہے اور جو شخص اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ (در مختار علی الرد ج ۳ ص ۴۰۰، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول)

علامہ شامی حنفی عدم قبول توبہ کی تشریح کرتے ہیں :

کیونکہ حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حکم دنیا کے ساتھ خاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی توبہ مقبول ہوگی اسی طرح البحر الرائق میں ہے۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۴۰۰، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول)

بعض فقہاء شافعیہ کا بھی یہی قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گلی دینے والے کی توبہ مطلقاً قبول نہیں ہے۔ علامہ مستقلانی لکھتے ہیں :

علامہ ابن منذر نے نقل کیا ہے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے نبی ﷺ کو صراحۃً "گلی دی اس کو قتل کرنا واجب ہے اور ائمہ شافعیہ میں سے علامہ ابو بکر قاسمی نے کتب الاجماع میں لکھا ہے کہ جس شخص نے نبی ﷺ کو قذف صریح کے ساتھ گلی دی اس کے کفر پر علماء کا اتفاق ہے اگر وہ توبہ کرے گا تب بھی اس سے قتل ساقط نہیں ہوگا کیونکہ یہ حد قذف ہے اور حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۸۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

احناف اور شوافع کا ایک قول یہ ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو گلی دی اس کو قتل کیا جائے گا، خولہ اس نے توبہ کر لی ہو، امام مالک کی مشہور روایت اور حنبلیہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور جمہور احناف اور شوافع کا مذہب ہے کہ توبہ کے بعد اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ ہم منقریب ذکر کریں گے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں :

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو گلی دی وہ کافر ہو گیا خولہ مذلق سے خولہ بنجیدگی سے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے معصومہ کیا یا اس کی ذات سے یا اس کے رسول سے یا اس کی آیتوں سے وہ کافر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (السنن ج ۹)

وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ
وَنَلْعَبُ قُلْ أَبَا اللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ نَسْتَهْزِئُونَ ○
لَا تَعَذِّرُوا قَدْ كَفَرْنَا بِعَدْلَ إِنَّمَا نَكُنُّمُ
اگر آپ ان سے پوچھیں تو یہ کہیں گے ہم تو صرف مذاق
کر رہے تھے، آپ کہیے کیا تم اللہ تعالیٰ اس کی آیات اور اس کے
رسول کا استہزاء کر رہے تھے؟ اب عذر نہ پیش کرو کیونکہ تم
(النوبہ: ۶۵-۷۳) ایمان لانے کے بعد یقیناً کافر ہو چکے ہو۔

مشہور آزاد محقق شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں :

محمد بن سحنون فرماتے ہیں : علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کو گلی دینے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا
کافر ہے اور اس کے متعلق عذاب الہی کی وعید ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے اور جو شخص اس کے کفر اور
اس کے عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اور اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ نبی ﷺ کو گلی دینے والا کافر ہے اور اس
کو بلا اتفاق قتل کیا جائے گا اور یہی ائمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ہے، اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے اس اجماع کو بیان کیا ہے اور اگر
گلی دینے والا ذی ہو تو امام مالک اور اہل مدینہ کے نزدیک اس کو بھی قتل کیا جائے گا اور عنقریب ہم ان کی عبارت نقل کریں
گے۔ اور امام احمد اور محدثین کا بھی یہی مذہب ہے، امام احمد نے متعدد مقلات پر اس بات کی تصریح کی ہے، حنبلی کہتے ہیں
میں نے ابو عبد اللہ (امام احمد) سے سنا وہ فرماتے تھے جس شخص نے نبی ﷺ کو گلی دی یا آپ کی تنقیص کی خواہ مسلمان ہو یا
کافر اس کو قتل کرنا واجب ہے اور میری رائے یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ نہ قبول کی جائے۔
(الصارم المسلول ص ۴ مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں :

جان لو کہ امام مالک، ان کے اصحاب، سلف صالحین اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ نبی ﷺ کو جس نے گلی دی اور
اس کے بعد توبہ کر لی تو اس کو بطور حد قتل کیا جائے گا نہ بطور کفر، شیخ ابوالحسن قاسمی رحمہ اللہ نے فرمایا جب کسی شخص نے
آپ کو گلی دینے کا اقرار کیا اور اس کے بعد توبہ کر لی اور توبہ کا اظہار کر دیا تو اس کو گلی کے سبب سے قتل کیا جائے گا کیونکہ
یہ اس کی حد ہے ابو محمد بن ابی زید نے بھی یہی کہا ہے البتہ اس کی توبہ اس کو آخرت میں نفع دے گی اور وہ عند اللہ مومن
قرار پائے گا۔
(الشفاء ج ۲ ص ۲۲۲-۲۲۳ مطبوعہ ملتان)

علامہ شامی لکھتے ہیں :

جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو گلی دی ہو اس کی توبہ قبول نہ کرنا، امام مالک کا مشہور مذہب ہے، اور امام احمد بن
حنبلی کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور ایک روایت ان سے یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی، لہذا ان کا مذہب امام
مالک کی طرح ہے، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کا حکم مرتد کی طرح ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ مرتد
کی توبہ قبول کی جاتی ہے جیسا کہ نصف وغیرہ سے منقول ہے، جب رسول اللہ ﷺ کو گلی دینے والے کا یہ حکم ہے تو حضرت
ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما یا ان میں سے کسی ایک کو گلی دینے والے کا حکم بطریق اولیٰ یہی ہو گا کہ اس کی توبہ قبول کر لی
جائے۔

بہر حال یہ بات ظاہر ہو گئی کہ احناف اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور امام مالک سے

(رد المحتار ج ۳ ص ۳۰۳-۳۰۴، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول)

ایک شخص روایت سے ثابت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لام مالک اور لام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ گستاخ رسول کی (دنیلوی احکام میں) توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کو قتل کیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور لام ابو حنیفہ اور لام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ (دنیلوی احکام میں) اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا۔

گستاخانہ کلام میں تلویل کی گنجائش

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ جس کلام میں نغوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا ہو اس کلام کو اسلام پر محمول کیا جائے گا اور قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ علامہ علانی لکھتے ہیں :

در رد و فیوہ میں ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کچھ وجوہ کفر کو واجب کرتی ہوں اور ایک وجہ کفر سے روکتی ہو تو مفتی پر واجب ہے کہ اس کو منع عن الکفر پر محمول کرے بشرطیکہ قائل کی نیت بھی وہی ہو، ورنہ مفتی کے منع عن الکفر پر محمول کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔
(در مختار علی الرد ج ۳ ص ۳۹۹، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول)

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں :

خلاصہ و فیوہ میں ہے کہ جب کسی مسئلہ میں متعدد وجوہ سے کفر لازم ہو اور ایک وجہ کفر سے روکتی ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ اس وجہ کی طرف میلان کرے جو کفر سے روکتی ہو کیونکہ مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہئے اور برازیہ میں ہے البتہ جب قائل خود اس احتمال کا التزام کرے جس وجہ سے تکفیر ہو تب تلویل سے فائدہ نہیں ہوگا اور آثار خانیہ میں ہے جس کلام میں کئی احتمال ہوں اس پر تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ کفر انتہائی سزا ہے جو انتہائی جرم کا تقاضا کرتی ہے اور جب دوسرا احتمال موجود ہو تو یہ انتہائی جرم نہیں ہے۔
(البحر الرائق ج ۵ ص ۳۵، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

علامہ شامی اور علامہ ابن نجیم کی ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ جس لفظ یا جس جملہ میں متعدد احتمالات ہوں اور ان احتمالات میں سے کچھ کفریہ ہوں اور کچھ غیر کفریہ اس وقت یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مفتی کو چاہئے کہ وہ قائل کے کلام کو غیر کفریہ معنی پر محمول کرے لیکن اگر کسی کلام کے متعدد احتمالات نہ ہوں بلکہ صرف ایک معنی ہو اور وہ معنی خدا نخواستہ کفریہ ہو تو اب مفتی کے لیے قائل کی تکفیر کے سوالور کوئی چارہ کار نہیں۔

گستاخانہ کلام میں توبہ کی نیت کی بحث

ایک بحث یہ ہے کہ کوئی شخص نبی ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمہ بولتا ہے اور جب اس کی تکفیر کی جائے تو وہ اپنے دماغ میں کہتا ہے کہ اس کلمہ سے میری نیت یہ نہیں تھی آیا اس کا یہ جواب صحیح ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں تحقیق یہ ہے کہ جس لفظ کے متعدد معنی ہوں اس کے متعلق قائل یہ کہہ سکتا ہے کہ میری نیت میں فلاں گستاخانہ معنی نہیں تھا بلکہ فلاں معنی ہے لیکن جس لفظ کا از روئے لغت یا عرف یا شرع کے اعتبار سے صرف ایک ہی معنی ہو اور وہ معنی خدا نخواستہ گستاخانہ اور کفریہ ہو تو اب قائل کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس کی تکفیر کے سوالور کوئی چارہ کار نہیں ہوگا۔
دیکھئے انت طالق (تم کو طلاق) کا لفظ عرف اور شرع میں طلاق کے لیے معین ہے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو انت طالق کہہ دے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، اب اگر وہ یہ کہے کہ طالق سے میری نیت لغوی معنی تھا یعنی وہ

کمل ہوئی ہے بندھی ہوئی نہیں ہے یا میں نے یہ کلمہ یونہی کہہ دیا تھا میری نیت اس کلمہ سے طلاق نہ تھی تو اس کی نیت کا اعتبار نہیں ہو گا کیونکہ لفظ صریح میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ”تو میری ماں کی مثل ہے“ کہتا ہے تو یہ لفظ کیونکہ طلاق کے لیے معین نہیں ہے اس میں اس کی نیت کا اعتبار ہو گا اگر وہ طلاق کا ارادہ کرتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر عزت اور کرامت کا ارادہ کرتا ہے تو اس معنی کا اعتبار ہو گا اور طلاق نہیں ہو گی! اسی طرح فقہاء نے لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی کو ولد الحرام یا حرام زلہ کہتا ہے تو اس پر تحریر لگائی جائے گی اور اگر قائل یہ کہے کہ حرام سے میری نیت ناجائز اولاد نہیں بلکہ حرمت اور کرامت تھی یا میری نیت اس شخص کی اہانت نہیں تھی تو اس کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ عرف میں یہ الفاظ ناجائز اولاد کے لیے معین ہیں اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کو غصہ میں یا کافر کہہ دے تو اس کو تحریر لگائی جائے گی اور اگر قائل کہے کہ میری نیت کافر باطاعت تھی تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ عرف میں کافر، کافر باللہ کے لیے معین ہے۔ ان تصریحات کے پیش نظر جو شخص نبی ﷺ کی شان میں ایسا کلام کہتا ہے جو عرف میں توہین کے لیے متعین ہو تو اس کی تکفیر کی جائے گی خواہ اس نے توہین کی نیت نہ کی ہو۔ علامہ شامی لکھتے ہیں۔

جو چیز توہین کی دلیل ہو اس پر تکفیر کی جائے گی خواہ اس نے توہین کی نیت نہ کی ہو۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۳۹۳، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

ایک شخص سے کہا گیا کہ رسول اللہ (ﷺ) کے حق کی قسم، تو اس نے کہا اللہ، رسول اللہ کے ساتھ ایسا ایسا کرے اور بہت قبیح کلام ذکر کیا۔ اس سے کہا گیا کہ اے اللہ کے دشمن! تم کیا کہہ رہے ہو تو اس نے اس سے بھی زیادہ شدید قبیح کلام کیا، پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ سے بچھو کی نیت کی ہے (یعنی بچھو بھی اللہ کا بھیجا ہوا ہے) ابن ابی سلیمان نے کہا اس کو قتل کرنے میں میں بھی تمہارے ساتھ اس کے خلاف شہادت دیتا ہوں اور اس کے ثواب میں شریک ہوں اور حبیب بن ربیع نے کہا کہ لفظ صریح میں تاویل کا دعویٰ قبول نہیں کیا جاتا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۹۱ مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملکن)

قاضی عیاض کی اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری (۱) اور علامہ خفاجی (۲) نے بھی اس بات کو مقرر رکھا ہے کہ صریح لفظ میں تاویل قبول نہیں ہوتی اسی طرح علامہ دشتانی مالکی (۳) نے بھی شرح مسلم میں کہا ہے کہ لفظ صریح تاویل کو قبول نہیں کرتا۔ نیز قاضی عیاض نے تصریح کی ہے کہ نبی ﷺ کی شان میں توہین آمیز کلمات کہے جائیں تو توہین کا قصد ہو یا نہ ہو قائل کی تکفیر کی جائے گی۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں :

جو شخص نبی ﷺ کی شان میں کوئی بات کہے اور اس کا قصد نہ گلی دینے کا ہو نہ آپ کی توہین کا اور نہ وہ اس کا اعتقاد کرتا ہو لیکن وہ نبی ﷺ کی شان میں ایسا کفریہ کلمہ کہے جس میں لعنت ہو یا گلی ہو یا آپ کی تکذیب ہو یا آپ کی طرف کسی ایسی چیز کی اضافت کرے جو ناجائز ہو یا اس چیز کی نفی کرے جو آپ کے لیے واجب ہو، یا وہ بات کہے جو آپ کے حق میں نقص ہو یا آپ کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت کرے، یا تبلیغ رسالت میں مداخلت کی نسبت کرے یا آپ کے مرتبہ اور

(۱) ملا علی قاری ہروی حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح شفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۴ ص ۳۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت

(۲) علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ، نسیم الریاض ج ۴ ص ۳۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت

(۳) علامہ دشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۱۹۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

نفس یا آپ کے علم کی عظمت اور آپ کے زہد میں کمی کرے یا آپ کے جو لوصاف مشہور اور متواتر ہیں ان کی تکذیب کرے یا نبی ﷺ کی شان میں کوئی نازیبا بات کہے جو از قسم گلی ہو اگرچہ اس کے حل سے یہ ظاہر ہو کہ وہ آپ کی توہین کا قصد نہیں کرتا نہ اس پر اعتقاد کرتا ہے۔ یا اس نے جہالت کی وجہ سے کہا ہو یا رنج اور قلق کی بناء پر یا نشہ کی وجہ سے کہا ہو یا سبقت لسانی سے ایسا کہا ہو یا یونہی بے سوچے سمجھے یا جوش غضب سے ایسا کہہ دیتا ہے تو ایسے شخص کا بلا توقف یہ حکم ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ جہالت تکفیر میں عذر نہیں ہے نہ سبقت لسانی کا دعویٰ نہ مذکور الصدر اسباب میں سے کوئی اور سبب جبکہ اس کی عقل صحیح ہو سوا اس شخص کے جس کو ان کلمات کے کہنے پر مجبور کیا گیا ہو، اور اس کے دل میں ایمان ہو۔ (الشفاء ج ۲ ص ۲۰۳، ۲۰۴ مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان)

خاصی عیاض رحمہ اللہ کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ جس شخص نے نبی ﷺ کی ذات یا آپ کی صفات مثلاً مکمل علم یا مکمل قدرت کے متعلق کوئی نازیبا بات کہی خواہ اس کا قصد اور نیت توہین نہ ہو اور نہ وہ اس کا اعتقاد رکھتا ہو بلکہ وہ آپ کے کلمات کا قائل ہو پھر بھی اس نازیبا بات کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا اور اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ ملا علی قاری حنفی (۱) اور علامہ شہاب الدین خفائی حنفی (۲) نے بھی اس عبارت کو مقرر رکھا ہے۔

شیخ رشید احمد گنگوہی ایک سؤل کے جواب میں لکھتے ہیں :

سؤل نمبر ۳۰ : شاعر جو اپنے اشعار میں آنحضرت ﷺ کو صنم یا بت یا آشوب ترک فتنہ عرب باندھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے بینوا نوجروا۔

جواب : یہ الفاظ قبیح بولنے والا اگرچہ معنی حقیقیہ، معنی ظاہرہ خود مراد نہیں رکھتا، بلکہ معنی مجازی مقصود لیتا ہے مگر تاہم ایہام گستاخی، لہنت، واذنت ذات پاک حق تعالیٰ اور جناب رسول اللہ ﷺ سے خللی نہیں، یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ نے لفظ راعنا سے صحابہ کو منع فرمایا انظرنا کا لفظ عرض کرنا ارشاد کیا۔ حالانکہ مقصود صحابہ رضی اللہ عنہم ہرگز وہ معنی کہ جو یہود مرلو لیتے تھے نہ تھے، مگر زریہ شوخی یہود کا اور موہم لذت و گستاخی جناب رسالت کا تھا لہذا حکم ہوا لا نقولوا راعنا و قولوا انظرنا اور علی ہذا حضرات صحابہ کا پکار کر بولنا مجلس شریف آنحضرت ﷺ میں بوجہ اذنت و گستاخی معلوم نہ تھا بلکہ حسب علت و طبع تھا مگر چونکہ لذت و بے اعتنائی شان والا کا اس میں ایہام تھا یہ حکم ہوا :

يا ايها الذين امنوا لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبی ولا تجهروا له بالقول كجهر بعضهم لبعض ان تحبط اعمالكم وانتم لا تشعرون کیا صاف حکم ہے کہ اگرچہ تمہارا قصد گستاخی نہیں مگر اس فعل سے بظاہر تمہارے ہو جلیوں کے اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی اور ایسا ہی حدیث میں ہے نکسی بکنیۃ ابی القاسم آپ کی حیات شریفہ میں منع ہو گئی تھی بوجہ لذت، ذات سرور عالم کے کہ کوئی کسی کو اگر پکارے گا تو آپ یہ سمجھ کر کہ مجھ کو لرزہ کرتا ہے الفت فرمائیں گے حالانکہ بلوی ہرگز لذت رسول اللہ ﷺ نہیں کرتا تھا اور ابن ماجہ نے روایت کیا کہ اشعث بن قیس کندی جب آئے تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ ہم میں سے نہیں ہیں اور یہ عرض و انیب عند اللہ ہیں وجہ تھی کہ سب عرب از قریش ماکندہ بنو اسماعیل ہیں۔ تو آپ نے فرمایا ہمارے ماموں کو تمہارا

(۱) ملا علی قاری ہندی حنفی ص ۳۳۳، شرح فہام علی ہاشم نسیم الریاض ج ۲ ص ۳۸۸، ۳۸۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت

(۲) شہاب الدین خفائی حنفی حنفی ص ۳۳۳، نسیم الریاض ج ۲ ص ۳۸۸، ۳۸۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت

زنا مت لگا اور ہمارے نسب کی نفی ہمارے باپوں سے مت کر ہم لولاد نفر ہیں، دیکھ اس لفظ میں فقط ایمام بعید کو کس قدر آپ نے نفی کر کے نفی فرمایا اور کلام کالوب تلقین کیا و علیٰ هذا خبثت نفسی کو منع فرمایا اور لقست نفسی کی اجازت دی کہ وہ بظاہر سخت لفظ ہے گو معنی ایک ہیں، الحاصل ان الفاظ میں گستاخی اور لعنت ظاہر ہے پس ان الفاظ کا بکنا کفر ہو گا: ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعدلہم عذابا مہینا اس کے بعد شیخ گنگوہی نے قاضی عیاض کی عبارت پیش کی ہے جس کا ترجمہ ہم شروع میں لکھ چکے ہیں) پس ان کلمات کفر کے لکھنے والے کو منع کرنا شدید چاہیے اور مقدور ہو اگر باز نہ آوے تو قتل کرنا چاہیے کہ موزی و گسٹخ شان جناب کبریا تعالیٰ اور اس کے رسول نبی ﷺ کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۷۲-۷۱، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

شیخ گنگوہی نے اپنے اس طویل فتویٰ میں اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ جو کلام رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں موجب اہانت ہو اس کا کہنے والا کافر ہے خواہ کہنے والا اس کفریہ معنی کا ارادہ نہ کرے اور نہ ہی اس کی نیت توہین کی ہو اور اس نقطہ پر استدلال کرنے کے لیے شیخ گنگوہی نے بھی قاضی عیاض کی اسی عبارت سے استدلال کیا ہے جس کا ترجمہ ہم پیش کر چکے ہیں۔

مَا نُنَسِّخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلَهَا أَلَمْ

جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا جس آیت کو ہم ذہنوں سے محو کرتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس کی مثل آیت لے

تَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰۶﴾

آتے ہیں (اے مخاطب!) کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۵

نسخ کی تحقیق

یہود مسلمانوں سے حسد اور بغض رکھتے تھے اور ان پر اعتراض کرنے اور دین اسلام میں طعن کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا قبلہ بدلا اور مسلمان مسجد اقصیٰ کے بجائے مسجد حرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے تو یہود نے کہا کہ (حضرت) محمد (ﷺ) اپنے اصحاب کو پہلے ایک حکم دیتے ہیں اور پھر اس سے منع کر دیتے ہیں، سو یہ قرآن ان ہی کا بنایا ہوا ہے، اس لیے اس کے احکام متضاد ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ ہم جس آیت کو منسوخ یا محو کرتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی دوسری آیت لے آتے ہیں۔

ہم نے اس جلد کے مقدمہ میں نسخ کا معنی، نسخ میں مذاہب، نسخ کی اقسام، آیات منسوخہ کی تعداد اور نسخ کی حکمتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ تاہم اس جگہ چند مزید نکات بیان کر رہے ہیں۔

نسخ کے دو معنی

لغت میں نسخ کے دو معنی ہیں، ایک معنی ہے لکھنا اور نقل کرنا، اس اعتبار سے تمام قرآن منسوخ ہے، یعنی لوح محفوظ

ہے اس دنیا کے بیت اعرت کی طرف نکل گیا ہے، قرآن مجید میں نسخ کا لفظ لکھنے اور نکل کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔

إِنَّا كُنَّا نَسْنِسُخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ
(الباقیہ : ۲۹)

بے شک ہم لکھتے رہے جو کچھ تم کرتے تھے۔

سخ کا دو سرا معنی ہے کسی چیز کو باطل اور زائل کرنا اور اس کی دو قسمیں ہیں :

(۱) کسی چیز کو زائل کر کے دوسری چیز کو اس کے قائم مقام کر دیا جائے جیسے عرب کہتے ہیں کہ بڑھاپے نے جوانی کو منسوخ کر دیا یعنی جوانی کے بعد بڑھاپا آگیا، اور زیر بحث آیت میں ہے ہم جس آیت کو منسوخ کرتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی دوسری آیت لے آتے ہیں۔ اس کی تعریف یہ ہے : دلیل شرعی سے کسی حکم شرعی کو زائل کرنا۔
(ب) کسی چیز کا قائم مقام کیے بغیر اس کو زائل کر دیا جائے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم اس کو محو کر دیتے ہیں یعنی ہم تمہارے ذہنوں اور دلوں سے اس آیت کو نکل دیتے ہیں، پس وہ آیت یاد آتی ہے نہ اس کو پڑھا جاتا ہے اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے :

علامہ سیوطی بیان کرتے ہیں :

امام عبدالرزاق نے مصنف میں، امام طحاوی اور امام سعید بن منصور نے، امام عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں، امام نسائی اور امام ابن منذر نے، اور ابن الانباری نے مصنف میں، امام دارقطنی نے، امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ، امام ابن مردودہ نے اور امام الضیاء نے الحقائق میں زر بن حبیش سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے حضرت ابی بن کعب نے کہا تم سورہ احزاب میں کتنی آیات پڑھتے ہو؟ میں نے کہا تتر آیات، حضرت ابی بن کعب نے کہا مجھے یاد ہے کہ سورہ احزاب، سورہ بقرہ کے برابر یا اس سے بھی بڑی تھی، اور ہم نے اس میں یہ آیت پڑھی تھی کہ جب بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو رجم کر دو، یہ اللہ کی طرف سے عبرت دلی سزا ہے اور اللہ عزیز اور حکیم ہے، پھر ان میں سے جو آیتیں محو کر دی گئیں وہ محو کر دی گئیں۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے سامنے سورہ احزاب پڑھی تھی مجھے اس کی ستر آیتیں بھلا دی گئی ہیں جن کو اب میں نہیں پاتا۔

امام ابو عبیدہ، امام ابن الانباری اور امام ابن مردودہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں سورہ احزاب میں دو سو آیتیں پڑھی جاتی تھیں اور جب حضرت عثمان نے مصنف کو لکھا تو وہ صرف اتنی آیات لکھنے پر رکتے ہوئے جواب دیں۔
(در منثور ج ۵ ص ۱۸۸، مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

سخ اور بداء کا فرق

یہود نے سخ کا انکار کیا ہے اور ان کے خلاف یہ دلیل ہے کہ تورات میں مذکور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں خون کے سوا ہر چیز حلال تھی، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہت سے حیوان حرام کر دیئے اور حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن کا بھائی سے نکاح جائز تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اللہ نے اس کو حرام کر دیا، اور پہلے حضرت ابراہیم کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں، پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا، اور پہلے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ

پھڑے کی پرستش کرنے والوں کو قتل کریں اور ستر ہزار اسرائیلیوں کے قتل کے بعد اس حکم کو منسوخ کر دیا اور یہ بداء نہیں ہے، بلکہ ایک عبارت سے دوسری عبارت کی طرف اور ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف منتقل کرنا ہے اور اس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے، اور کسی حکم کا اظہار ہوتا ہے، بداء اس وقت ہوتا جب حکم دینے والے کو اس حکم کے انجام کا علم نہ ہوتا اور جس کو اپنے حکم کے نتیجہ کا علم ہو اور وہ مصلحت کے تبدیل ہونے سے اپنے احکام تبدیل کرتا ہو وہ بداء نہیں ہوتا جیسے ماہر ڈاکٹر کو مریض کے احوال کا علم ہوتا ہے، اور وہ نسخہ بدل بدل کر دوائیں لکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے احکام اور خطبات تبدیل ہوتے ہیں اور علم اور ارادہ میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

یہود نے نسخ اور بداء کو ایک چیز قرار دیا اسی وجہ سے انہوں نے بداء کو ناجائز کہا، نحاس نے کہا نسخ اور بداء میں فرق یہ ہے کہ نسخ میں عبارت کے ایک حکم کو دوسرے حکم سے بدل دیا جاتا ہے مثلاً پہلے کوئی چیز حلال تھی پھر اس کو حرام کر دیا یا اس کے برعکس اور بداء اس کو کہتے ہیں کہ آدمی ایک کلام کا ارادہ کرے پھر اس کو ترک کر دے، مثلاً ایک شخص کے ”فلاں آدمی کے پاس جاؤ“ پھر اس کو خیال آئے کہ اس کے پاس نہ جانا بہتر ہے تو وہ اپنے اس قول سے رجوع کر کے کہے ”وہاں مت جاؤ“ اور یہ انسانوں کو عارض ہوتا ہے کیونکہ ان کا علم ناقص ہے اور ملک کار کو محیط نہیں ہے، مثلاً کوئی شخص کے اس سل فلاں چیز کی کاشت کرو“ پھر اس کو خیال آئے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے اور کہے یہ کاشت نہ کرو تو یہ بداء ہے، اور اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب ہے اس کے حق میں یہ متصور نہیں ہے۔

علماء شیعہ اللہ تعالیٰ کے حق میں بداء کے قائل ہیں، شیخ کلینی روایت کرتے ہیں :
ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اس آیت یمحو اللہ ما یشاء ویثبت کے متعلق فرمایا : اللہ اسی چیز کو مٹاتا ہے جو ثابت تھی اور اسی چیز کو ثابت کرتا ہے جو نہیں تھی۔ (الاصول من الکافی ج ۱ ص ۳۶، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)
شیخ طباطبائی اس حدیث کے حاشیہ پر لکھتے ہیں :

بداء ان اوصاف میں سے ہیں جن کے ساتھ ہمارے افعال اختیار یہ متصف ہوتے ہیں، کیونکہ ہم کسی مصلحت کے علم کی وجہ سے کسی فعل کو اختیار کرتے ہیں پھر ہمیں کسی اور مصلحت کا علم ہوتا ہے جو پہلی مصلحت کے خلاف ہوتی ہے پھر ہم پہلے ارادہ کے خلاف ارادہ کرتے ہیں کیونکہ جو چیز ہم سے پہلے مخفی تھی وہ اب ظاہر ہوئی ہے اور اسی کو بداء کہتے ہیں کیونکہ بداء کا معنی ظہور ہے، (الی قولہ) یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام موجودات اور حوالث کا واقع کے مطابق علم ہے اور اس علم میں مطلقاً بداء نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ایک علم وہ ہے جو اشیاء کے مبادی اس کے مقتضیات اور شرائط اور اس کے موانع کے عدم کے ساتھ متعلق ہے (مثلاً فلاں چیز ہو اور فلاں چیز نہ ہو تو فلاں چیز ہوگی جیسے بارش ہو اور سیلاب نہ آئے تو فصل اچھی ہوگی) اور اس علم میں یہ ممکن ہے کہ جس چیز کا ہونا اللہ کے نزدیک ظاہر تھا وہ کسی شرط کے عدم یا کسی مانع کے وجود کی وجہ سے نہ ہو اور پھر اللہ کو معلوم ہو کہ وہ چیز نہیں ہوگی، اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا یمحو اللہ ما یشاء ویثبت اس سے یہی مراد ہے۔ (حاشیہ الاصول من الکافی ج ۱ ص ۳۶، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)

شیخ طباطبائی نے علم کی جو دوسری قسم بیان کی ہے وہ مخلوق کا علم تو ہو سکتا ہے خالق اور عالم الغیب کی شان کے لائق یہ علم نہیں ہے، کیونکہ یہ علم نہیں ہے حقیقتہً ”جہل ہے“ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کے ہونے کی شرط یا مانع کے عدم کا اللہ کو پہلے علم نہ ہو اور اس پر یہ چیز بعد میں ظاہر ہو اور بداء کہلائے! اور اس آیت سے مراد تقدیر معلق ہے مثلاً کسی شخص

مفسد سل کہ دی پھر اس نے کوئی نیکی کی یا کسی نے دعا کی تو اس کی عمر بڑھا کر پچاس سل کردی اور چالیس سل کو
 مٹا اور اگر نیکی نہیں کی یا کسی نے دعا نہیں کی تو چالیس سل کو برقرار رکھا، لیکن یہ اس کا علم نہیں ہے اس کو لوح محفوظ
 میں اس لیے لکھا ہے کہ نیکی اور دعا کی فضیلت ظاہر ہو۔
 خیر کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اخبار میں نسخ واقع ہوتا ہے یا نہیں، جمہور کا موقف یہ ہے کہ نسخ صرف اوامر اور نواہی
 (احکام) کے ساتھ مخصوص ہے، خبر منسوخ نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی خبر دی ہے اگر وہ منسوخ ہو جائے تو
 اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر خبر کسی حکم شرعی کو متضمن ہو تو اس کا
 منسوخ ہونا جائز ہے اور اس کی مثل یہ آیت ہے :

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ
 مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا (النحل : ۶۷)
 کھجور اور انگور کے بعض پھل ہیں جن سے تم سکر اور اچھا
 رزق بناتے ہو۔

سکر کا ایک معنی ہے سرکہ اور میٹھا مشروب، اور سکر کا دوسرا معنی ہے نشہ آور مشروب، اگر اس کا معنی سرکہ یا میٹھا
 مشروب ہو تو پھر اس کا نسخ سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن ابن جریر، غنی، شعبی اور ابو ثور کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نشہ
 آور مشروب اور خمر ہے، اور یہ آیت مکی ہے اور خمر (انگور کی شراب) کے حرام ہونے سے پہلے نازل ہوئی ہے، یہ آیت اس
 حکم شرعی کو متضمن ہے کہ خمر حلال ہے اور سورہ مائدہ میں جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی خمر کو حرام کر دیا گیا۔ بہر حال اس
 سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر خبر کسی حکم شرعی کو متضمن ہو تو اس پر نسخ وارد ہو سکتا ہے۔
 نسخ اور تخصیص کا فرق

جب عام میں تخصیص کی جاتی ہے تو اس تخصیص پر بھی نسخ کا ممکن کیا جاتا ہے، حالانکہ تخصیص نسخ نہیں ہے کیونکہ
 نسخ کی تعریف ہے : دلیل شرعی سے کسی حکم شرعی کو اٹھا دینا، اور تخصیص کی تعریف ہے عام کو اس کے بعض افراد میں منحصر
 کر دینا ہر چند کہ دونوں کی تعریض الگ الگ ہیں لیکن ان دونوں میں قوی مشابہت ہے، کیونکہ نسخ میں حکم کو بعض زمانہ کے
 ساتھ خاص کر دیا جاتا ہے اور تخصیص میں بعض افراد سے حکم کو ساقط کر دیا جاتا ہے، اس کے باوجود ان دونوں میں حسب
 ذیل وجوہ سے فرق ہے :

(۱) تخصیص کے بعد عام مجاز ہے کیونکہ عام کے لفظ کو کل افراد کے لیے وضع کیا گیا ہے اور اس کا قرینہ منحص ہے اور یہ
 مجاز کی علامت ہے، اور جو نص منسوخ ہوگی وہ اسی طرح حقیقت ہے اور وہ اپنے مدلول کے لحاظ سے تمام زمانوں کو شامل
 ہے، البتہ نسخ نے اس پر دلالت کی کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں وقت تک اس حکم پر عمل کرانے کا ارادہ کیا ہے۔
 (۲) تخصیص سے جو افراد خارج ہو گئے وہ لفظ عام سے مراد نہیں ہوتے اور جو حکم منسوخ ہو گیا وہ اس لفظ سے مراد ہوتا

ہے۔
 (۳) جو نص منسوخ ہو جائے اس سے استدلال کرنا باطل ہے اور تخصیص کے بعد بھی عام اپنے باقی ماندہ افراد میں حجت ہوتا

ہے۔
 (۴) نسخ صرف کتب اور سنت سے ہوتا ہے اور تخصیص حس اور عقل سے بھی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت

مرد نے قوم عادی فرمایا :

بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْنَاهُ رِيحٌ فَبِهَا عَذَابٌ
الْيَوْمِ نَذِمُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا
بلکہ یہ وہ (غذاب) ہے جس کو تم نے جلدی طلب کیا ہے
ایک آندھی ہے جس میں دردناک غذاب ہے یہ آندھی ہر چیز کو
(الاحقاف : ۲۵-۲۴) اپنے رب کے حکم سے برباد کر دے گی۔

ہر چیز کے عموم میں زمین اور آسمان بھی شامل ہیں اور حس ان کی قصص ہے کیونکہ اس آندھی سے زمین اور آسمان
برباد نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمد نے بلقیس کے متعلق بیان کیا۔
وَأَوْرَثَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ
اس کو ہر چیز دی گئی ہے اور اس کا سمت بڑا تخت ہے۔
(النمل : ۲۳)

ظاہر ہے کہ بلقیس کے پاس ہر چیز نہیں تھی اور حس اس کی قصص ہے کہ اس کے پاس حضرت سلیمان اور ان کے
درباری نہیں تھے۔ اور موجودہ دور کی ایجالات بلقیس کے پاس نہیں تھیں۔

إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرہ : ۲۰)
بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس کے عموم کی عقل قصص ہے کیونکہ واجب اور محل اللہ کی قدرت میں نہیں ہیں اپنا شریک بنانا اور اپنے
آپ کو معدوم کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں ہیں۔

(۵) جمہور کے نزدیک خبر میں نسخ نہیں ہوتا اور تخصیص خبر میں بھی ہوتی ہے۔

نسخ اور تفسیر کا فرق

بعض عبارات میں کسی خبر کو مطلق بیان کیا جاتا ہے اور بعض دوسری عبارات میں اس خبر کی تفسیر بیان کر دی جاتی
ہے اس تفسیر کو بھی بعض علماء نسخ گمان کر لیتے ہیں حالانکہ یہ اطلاق اور تفسیر کے باب سے ہے نسخ نہیں ہے اس کی مثل یہ
ہے کہ قرآن مجید میں ہے :

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرہ : ۱۸۶)
جب کوئی شخص دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا

ہوں۔

بہ ظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم مطلق ہے اور اللہ تعالیٰ ہر دعا کرنے والے کی دعا کو ہر حال میں
قبول فرماتا ہے لیکن ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے دعا کے قبول کرنے کو اپنی مشیت کے ساتھ مقید کر دیا ہے

بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَبِكَيْشَفْ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ
بلکہ تم اسی سے دعا کرو تو وہ اگر چاہے تو اس مصیبت کو دور
کر دے گا جس کے لیے تم اس سے دعا کرتے ہو۔
(الانعام : ۴۱)

عرف اور تعامل کا بدلنا نسخ نہیں ہے

ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ احکام شرعیہ میں نسخ صرف کتاب اور سنت سے ہوتا ہے اور فقہاء کا جو یہ قاعدہ ہے کہ
زمانہ کے اختلاف سے احکام مختلف ہو جاتے ہیں اور تعامل اور عرف کے بدل جانے سے احکام بدل جاتے ہیں اس کو نسخ
نہیں کہتے ہیں یہ مجتہدین کا اختلاف ہے مثلاً متقدمین تعلیم قرآن امامت اذان خطبہ اور تدریس کی اجرت کو ناجائز کہتے
تھے لیکن متاخرین نے اس کو جائز کہا اسی طرح مفقود الخبر کے متعلق متقدمین پہلے امام اعظم کے قول پر یہ کہتے تھے کہ اس

کی بیوی نہ ملے سل تک انتظار کرے پھر اس کو مردہ قرار دے کر اس کی بیوی کو نکاح ثانی کی اجازت دی جائے گی لیکن متاخرین فقہاء احناف لام مالک کے قول پر اس کو صرف چار سل تک انتظار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس طرح پہلے صلح و فیو کے اعتبار سے خرید و فروخت ہوتی تھی اب کلو گرام کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی آیات منسوخہ کی تعداد میں اختلاف کا منشاء

بعض محققین علماء نے نسخ کا بہت عام معنی مراد لیا اور مطلقاً ازالہ کو نسخ قرار دیا، ان کے نزدیک کسی تلاوت کا ازالہ بھی نسخ ہے، اور کسی حکم شرعی کا بدل جانا بھی نسخ ہے، عام کی تخصیص بھی نسخ ہے، استثناء بھی نسخ ہے، مطلق کی تفسید بھی نسخ ہے، کسی آیت میں بیان کئے گئے وصف کا ازالہ بھی نسخ ہے، اس لیے ان کے نزدیک آیات منسوخہ کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی اور محققین علماء نے یہ کہا کہ نسخ صرف دلیل شرعی سے حکم شرعی کے زائل کرنے کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ پہلے کسی حکم کو بیان کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کے علم میں وہ حکم کسی مصلحت کی وجہ سے کسی خاص وقت کے لیے ہوتا ہے لیکن چونکہ اس حکم کے ساتھ اس مدت کو بیان نہیں کیا جاتا اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ حکم دائمی ہے اور جب اللہ یا رسول اس حکم کو زائل کر دیتے ہیں تو اس پہلے حکم کو منسوخ سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس نسخ کے ذریعہ اللہ یا اس کا رسول اس پہلے حکم کی مدت بیان فرماتے ہیں کہ جس حکم کو تم دائمی سمجھ رہے تھے وہ دراصل اس مدت تک کے لیے تھا، خلاصہ یہ ہے کہ نسخ سابق حکم شرعی کی مدت کا بیان ہے، اور ہمارے نزدیک قرآن مجید کی صرف بارہ آیات منسوخ ہیں، ان کو ہم نے اس کتب کے مقدمہ میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

(اے مخاطب) کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمینوں کا ملک اللہ ہی کے لیے ہے۔ (اے مسلمانو) اللہ کے سوا اتھارا

دُونِ اللَّهِ مِنْ قَوْلٍ وَلَا نَصِيرٌ ﴿۱۷﴾ أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْأَلُوا

کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے ۰ کیا تم (بھی) اپنے رسول سے ایسے (لاہین) سوال

رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ۖ وَمَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ

کنا چاہتے ہو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے تھے اور جس نے ایمان کو کفر سے بدلا

بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱۸﴾ وَكَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ

وہ بیدار راستہ سے گمراہ ہو گیا ۰ بہت سے اہل کتاب

الْكِتَابِ لَوِيذٌ لَّنكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖ حَسَدًا مِّنْ

نے نہ حق مانع ہو جانے کے مارفات۔com یہ چاہا کہ کاش وہ ایمان کے بعد

عِنْدَ أَنْفُسِهِمْ مَنْ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَأَعْفُوا وَ

تم کو پھر کفر کی طرف لوٹا دیں ستم (ان کو) معاف کرو اور

اصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم صادر فرمائے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر

قَدِيرٌ ۝۹۰ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا

ہے ۰ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو نیک کام تم اپنے لیے

لَا أَنْفُسَكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ

پہلے بھیجو گے۔ ان کو اللہ کے پاس پاؤ گے، بے شک اللہ تمہارے کاموں کو دیکھنے

بَصِيرٌ ۝۹۱ وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ

والا ہے ۰ اور اہل کتاب نے کہا جنت میں صرف یہودی یا عیسائی

نَصْرَىٰ ۚ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنْتُمْ

جائیں گے، یہ ان کی (باطل) آمنائیں ہیں آپ کہیے اگر تم سچے ہو تو دلیل

صَادِقِينَ ۝۹۲ بَلَىٰ مَن أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ

پیش کرو ۰ کیوں نہیں! جس نے اللہ کے سامنے سرتیم خم کر دیا اور وہ نیکی کرنے والا بھی ہے

أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝۹۳

تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے، اور (آخرت میں) ان کو نہ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۰

رابط آیات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مخاطب!) کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک اللہ ہی کے لیے ہے۔

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب نہیں ہے، بلکہ اس میں عام مخاطب یا عام مسلمانوں سے خطاب ہے،

کیونکہ اس آیت کے دوسرے جز میں فرمایا ہے: اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔ اس آیت میں اللہ

تعالیٰ نے شیخ پر دلیل قائم کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک اور حاکم ہے، اور جو مالک اور حاکم ہو وہ اپنے محکوم اور مملوک لوگوں کی

مصلحتوں اور ان کے احوال کی رعایتوں سے واقف ہوتا ہے اس لیے وہ ان کی رعایتوں اور مصلحتوں کے اعتبار سے احکام دیتا ہے کبھی ایک مصلحت کے اعتبار سے ایک حکم نافذ کرتا ہے، اور مصلحت کے پورا ہونے کے بعد اس حکم کو منسوخ کر کے دوسرے حل کے اعتبار سے دوسرا حکم نازل کرتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا مالک ہے اور مالک اپنی مملوک میں جو حکم چاہے نازل کرے اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ ولی کا معنی ہے قریب اور دوست، اور نصیر کا معنی ہے مددگار، کبھی دوست مددگار ہوتا ہے اور کبھی دوست ہوتا ہے اور مددگار نہیں ہوتا اور کبھی اجنبی مدد کرتا ہے اور وہ دوست نہیں ہوتا، ان میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔

نبی ﷺ سے سوالات کی ممانعت کا محمل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم (بھی) اپنے رسول سے ایسے (الاعنی) سوال کرنا چاہتے ہو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کئے گئے تھے۔ اس آیت میں کن سائلین کی طرف خطاب متوجہ ہے اس میں تین قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ سوال کرنے والے یہود تھے اور یہی سیاق اور سبق کے مناسب ہے، دوسرا قول ہے یہ آیت مشرکین مکہ کے سوالوں کے رد میں ہے اور تیسرا قول ہے کہ مسلمانوں کے سوال کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی، امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ رافع بن حریمہ اور وہب بن زید (یہودیوں) نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ہمارے پاس ایسی کتب لے کر آئیں جو آسمان سے نازل ہو اور ہم اس کو پڑھیں، اور ہمارے لیے دریا جاری کر دیں پھر ہم آپ کی اتباع اور تصدیق کریں گے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

مجلد نے بیان کیا کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہا کہ وہ ان کے لیے پہاڑ صفا کو سونے کا بنادیں۔

ابو العلیہ نے بیان کیا کہ ایک مسلمان شخص نے کہا یا رسول اللہ! کاش ہمارے کفارات، بنو اسرائیل کے کفارات کی طرح ہوتے انہی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم کو جو کفارے عطا فرمائے ہیں وہ بنی اسرائیل کے کفاروں سے بہتر ہیں، جب ان میں کوئی شخص گنہ کرتا تھا تو اس کے دروازہ پر وہ گنہ اور اس کا کفارہ لکھا ہوا ہوتا تھا، اگر وہ کفارہ دے دیتا تو اسے دنیا میں ذلت اٹھنی پڑتی اور اگر کفارہ نہ دیتا تو اس کے لیے آخرت میں رسوائی ہوتی، اور تمہارے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس شخص نے کوئی برائی کی یا اپنی جان پر ظلم کیا، پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا پائے گا۔ اور فرمایا دن کی پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کا وقفہ ان کے درمیان میں ہونے والے گنہوں کا کفارہ ہیں، اور جس شخص نے کسی نیکی کا قصد کیا اور اس نیکی کو نہیں کیا تو اس کی ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر وہ نیکی کرے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اللہ کے غضب میں وہی ہلاک ہوتا ہے جو اپنے آپ کو کسی بڑے گنہ میں جلا کر لیتا ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۸۶-۳۸۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: کیا تم (بھی) اپنے رسول سے ایسے (الاعنی) سوال کرنا چاہتے ہو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کئے گئے تھے۔ اس آیت کے بعد فرمایا ہے جس نے ایمان کو کفر سے بدلایا یعنی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو اختیار کیا وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے کوئی ایسا سوال کیا تھا جو کفر تھا، یہودیوں نے ایک کھل کتب لے کر آیا تھا اور مشرکین نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ صفا کو سونے کا بنادیں اور نبوت پر کسی دلیل کا مطالبہ

کرنا کفر نہیں ہے، لیکن ان کا یہ سوال چونکہ بہ طور غلو اور سرکشی تھا اس وجہ سے اس کو کفر فرمایا جیسے بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تھا کہ جب تک ہم خدا کو دیکھ نہ لیں ایمان نہیں لائیں گے، امام ابن جریر نے مسلمانوں کا جو سوال نقل کیا ہے کہ ہمارے لیے بنو اسرائیل کے کفاروں کی مثل کفارے ہوں، یہ کفر نہیں ہے، امام رازی نے نقل کیا ہے کہ بعض مسلمانوں نے کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی ایک خدا بنا دیا جائے جس پر ہم چڑھوے چڑھائیں، تب یہ آیت نازل ہوئی اور یہ سوال کرنا یقیناً ”کفر ہے۔ تاہم زیادہ قوی قول یہ ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے، سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یا بلا ضرورت اور لایعنی سوالات کرنا ممنوع ہے لیکن کوئی مسئلہ معلوم کرنے کے لیے، یا کسی چیز کی وضاحت کے لیے سوال کرنا جائز ہے، نبی ﷺ نے فرمایا۔ ”لا علی کا علاج سوال کرنا ہے۔“ صحابہ کرام نبی ﷺ سے مسائل دینیہ معلوم کرتے تھے اور آپ ان کو جوابت دیتے تھے قرآن مجید میں ہے :

فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ
 (النحل : ۴۳)
 ”اگر تم کو علم نہ ہو تو علم والوں سے سوال کرو۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بہت سے اہل کتاب نے ان پر حق واضح ہو جانے کے باوجود اپنے حسد کی وجہ سے یہ چاہا کہ کاش وہ ایمان کے بعد تم کو پھر کفر کی طرف لوٹا دیں۔
 امام رازی اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں :

جب مسلمان جنگ احد میں شکست کھا گئے تو فحاص بن عاز اور زید بن قیس اور کچھ اور یہودی، حضرت حذیفہ بن یمان اور عمار بن یاسر کے پاس گئے اور کہا تم نے دیکھا تم پر کیسی مصیبت آئی ہے، اگر تم حق پر ہوتے تو تم پر یہ مصیبت نہ آتی، اب تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ وہ تمہارے لیے بہتر اور افضل ہے اور ہمارا دین سیدھا راستہ ہے، حضرت عمار نے پوچھا تمہارے ہاں عہد شکنی کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا وہ بہت بڑا گنہگار ہے! انہوں نے کہا میں نے عہد کیا ہے کہ میں تاحیات حضرت محمد ﷺ سے کفر نہیں کروں گا، یہود نے کہا وہ اپنا آبائی دین ترک کر چکے ہیں؟ حضرت حذیفہ نے کہا میں اس پر راضی ہوں کہ میرا رب اللہ ہے، اسلام میرا دین ہے، قرآن میرا امام ہے، کعبہ قبلہ ہے اور سب مسلمان بھائی ہیں، پھر وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ آپ کو سنایا، آپ نے فرمایا تم نے درست کہا، اور تم کامیاب ہو گئے۔
 (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۳۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

حسد کی تحقیق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہود حسد کی وجہ سے مسلمانوں کو ان کے دین سے لوٹانا چاہتے تھے، اس لیے ہم یہاں حسد کی تحقیق کریں گے، حسد کا معنی، حسد کے متعلق احادیث، حسد کے مراتب، حسد کے اسباب، اور حسد کو زائل کرنے کے طریقے بیان کریں گے فقہول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانة۔ بلیق۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

جس مستحق شخص کے پاس نعمت ہو اس سے نعمت کے زوال کی تمنا کو حسد کہتے ہیں، روایت ہے کہ مومن رشک کرتا ہے اور منافق حسد کرتا ہے، قرآن مجید میں ہے من شر حاسدا اذا حسد ”جب حاسد حسد کریں تو میں ان کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔“
 (المفردات ص ۱۱۸، مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۴۲ھ)

صاحب نعمت کے پاس نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرتا کہ اس کے پاس یہ نعمت رہے اور ہمیں بھی اس کی مثل مل جائے یہ رجب ہے۔

حسد کے حقیقی اعلیٰ اور آثار

لام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں اور گھاس کو کھا جاتی ہے (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۲۱، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ) اس حدیث کو لام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۱۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

لام نسائی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کسی بندے کے دل میں احسان اور حسد جمع نہیں ہوتے (سنن نسائی ج ۲ ص ۴۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ابن دونوں حدیثوں کو لام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ (شعب الایمان ج ۵ ص ۲۶۷، ۲۶۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) لام طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت حارث بن نعمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں میری امت کو لازم ہیں بدغلی، حسد اور بدگمانی، ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ جس شخص میں یہ خصلتیں ہوں وہ ان کا کس طرح تدارک کرے، آپ نے فرمایا جب تم حسد کرو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو، اور جب بدگمانی کرو تو اس پر جسے نہ رہو اور جب تم کسی کام کی بدغلی نکالو تو وہ کام کر گزرو۔ (معجم کبیر ج ۳ ص ۲۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لام بیہقی روایت کرتے ہیں :

بشر بن حارث بیان کرتے ہیں کہ رشتہ داروں میں عدلوت ہوتی ہے، پڑوسیوں میں حسد ہوتا ہے اور بھائیوں میں منفعت ہوتی ہے۔ (شعب الایمان ج ۵ ص ۲۷۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۱ھ)

اسنف بن قیس نے کہا پانچ چیزیں ایسی ہیں جس طرح ان کو میں بیان کرتا ہوں، حاسد کے لیے کوئی راحت نہیں ہے، جھوٹے کی کوئی موت نہیں ہے، حاکم کی وفا نہیں، بخیل کا کوئی حیلہ نہیں اور بدخلق کی کوئی سیاست نہیں ہے۔ (شعب الایمان ج ۵ ص ۲۷۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۱ھ)

لام طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت نمرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک لوگ حسد نہیں کریں گے وہ خیریت سے رہیں گے۔ (معجم کبیر ج ۸ ص ۳۰۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ منذری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۴۷، مطبوعہ دار الحديث قاہرہ

حافظ منذری بیان کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، حسد کرنے والا، چغلی کرنے والا اور کمالت لے کرنے والا

لے کتھ کا سنی ہے خبریں سن کر اور اس میں اپنی طرف سے کچھ کر لوگوں کو غیب کی خبریں دے۔

میرے طریقہ پر نہیں ہے، اور نہ میں ان کے طریقہ پر ہوں، اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پہلی امتوں کی بعض بیماریاں تم میں سرایت کر چکی ہیں، حسد اور بغض، بغض موٹنے والا ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ ہاتھوں کو موٹتا ہے، لیکن وہ دین کو موٹتا ہے، اس حدیث کو امام بزار نے جید سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا ابھی تمہارے پاس اہل جنت میں سے ایک شخص آئے گا، پھر ایک شخص آیا جس کی ڈاڑھی سے وضوء کا پانی ٹپک رہا تھا اور اس کے بائیں ہاتھ میں اس کی جوتیاں تھیں، دوسرے دن پھر نبی ﷺ نے یہی فرمایا اور پھر وہی شخص آیا، تیسرے دن پھر آپ نے یہی فرمایا اور پھر وہی شخص آیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تین دن اس شخص کے ساتھ رہے تاکہ اس کا وہ عمل معلوم کریں جس کی وجہ سے آپ نے اس کو تین بار جنت کی بشارت دی تھی، حضرت عبداللہ بن عمر نے دیکھا وہ شخص رات کے قیام کے لیے نہیں اٹھتا تھا، البتہ اللہ کا نام لے کر سوتا اور صبح اللہ کا نام لے کر اٹھتا تھا، حضرت عبداللہ نے کہا میں نے اس کی زبان سے خیر کے سوا کسی کا ذکر نہیں سنا، جب تین دن گزر گئے تو میں نے اس سے پوچھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے تین مرتبہ تمہارے متعلق جنت کی بشارت سنی ہے اور میں نے تم کو کوئی غیر معمولی نیکی کرتے ہوئے نہیں دیکھا، آخر وہ کیا عمل ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے یہ بشارت دی ہے؟ اس نے کہا بس وہی عمل ہے جو آپ نے دیکھا جب حضرت عبداللہ جانے لگے تو اس نے آپ کو آواز دی اور کہا وہ عمل میرے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کینہ نہیں ہے اور جس کسی مسلمان کو اللہ نے کوئی نعمت دی ہو میں اس پر حسد نہیں کرتا۔ حضرت عبداللہ نے کہا اسی نیکی کی وجہ سے تم اس مرتبہ کو پہنچے ہو، اس حدیث کو امام احمد نے امام بخاری کی شرط کے مطابق روایت کیا ہے اور اس کو امام مسلم، امام نسائی، امام ابویعلیٰ اور امام بزار نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ سب سے افضل کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا جو مخموم القلب اور راست گو ہو، صحابہ نے کہا راست گو کو تو ہم جانتے ہیں مخموم القلب کا کیا معنی ہے آپ نے فرمایا جو شخص متقی ہو صاف دل ہو، اس نے کوئی گناہ اور سرکشی نہ کی ہو، وہ کسی سے کینہ رکھتا ہو نہ حسد رکھتا ہو، اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے سند صحیح کے ساتھ اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے ابدال زیادہ نمازوں، روزوں اور صدقات کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوں گے لیکن وہ اللہ کی رحمت، نفس کی سخاوت اور (حسد اور بغض سے) سینے صاف رکھنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے، اس حدیث کو امام ابن ابی الدنیا نے کتاب الاولیاء میں مرسلًا روایت کیا ہے۔
(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۵۱-۵۵۲، ملقطاً، مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ ۱۴۰۷ھ)

حسد کے مراتب

حسد کے چار درجات ہیں:

(۱) کسی شخص میں کوئی نعمت دیکھ کر انسان یہ چاہے کہ خواہ اس کو وہ نعمت نہ ملے لیکن اس شخص سے زائل ہو جائے، یہ انتہائی حسد ہے۔

(۱) دوسرے شخص سے وہ نعمت زائل ہو جائے اور اس کو مل جائے۔

(۲) دوسرے اس نعمت کی خواہش نہ کرے بلکہ یہ چاہے کہ اس کو بھی اس جیسی نعمت مل جائے اور اگر اس کو ایسی نعمت نہ ملے تو دوسرے شخص سے وہ نعمت زائل ہو جائے تاکہ دونوں میں فرق نہ رہے۔

(۳) اس کو اس جیسی نعمت مل جائے لیکن اگر اس کو نہ ملے تو دوسرے شخص سے زائل نہ ہو، دنیاوی نعمتوں میں اس قسم کی خواہش مباح ہے اور اخروی نعمتوں میں یہ خواہش مستحسن ہے۔

کسی شخص میں دنیاوی نعمت دیکھ کر اس کی تمنا کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے :

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ (النساء : ۳۲)

اور اس کی تمنا نہ کرو جس کے ساتھ اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اور کسی شخص میں اخروی نعمت (کثرت عبادت اور تقویٰ) دیکھ کر اس کو طلب کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے :

وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسُوْنَ ۝ (المطففين : ۲۱)

اور رغبت کرنے والوں کو اسی (نیک لوگوں) میں رغبت کرنی چاہئے۔

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : صرف دو شخصوں پر حسد کرنا جائز ہے ایک اس شخص پر جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا فرمایا اور وہ دن رات قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہو، سو وہ آدمی یہ تمنا کرے کہ کاش مجھے بھی قرآن دیا جاتا تو میں بھی اس کی طرح دن رات قرآن مجید کی تلاوت کرتا، دوسرے اس شخص پر جس کو اللہ تعالیٰ نے مل عطا فرمایا ہو اور وہ شخص حق کے راستے میں اس مل کو خرچ کرتا ہو سو آدمی یہ تمنا کرے کہ کاش مجھے بھی مل دیا جاتا تو میں بھی اس کی طرح مل خرچ کرتا۔ (۱) اس حدیث میں حسد سے مراد حسد کا یہی چوتھا مرتبہ ہے۔

حسد کے اسباب

(۱) عدولت اور بغض حسد کا سبب ہے، جب انسان کسی سے عدولت رکھتا ہے تو وہ اس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے، اگر وہ اس کو ذلیل نہ کر سکے تو یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس جو نعمتیں ہیں وہ اس سے زائل ہو جائیں۔

(۲) تکبر بھی حسد کا سبب ہے، ایک انسان اپنے معاصروں پر فوقیت حاصل کرنا چاہتا ہے، اور اس کو فوقیت ملنے کے بجائے اس کے کسی معاصر کو عزت اور بڑائی مل جاتی ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کو وہ عزت نہیں ملی تو اس کے معاصر سے بھی وہ عزت زائل ہو جائے تاکہ اگر اس کو فوقیت نہیں ملی تو اس کے معاصروں کو بھی نہ ملے۔

(۳) لوگ کسی شخص کو کم درجہ کا خیال کرتے ہوں اور اچانک اس کو کوئی منصب مل جائے تو وہ اس سے حسد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس سے یہ منصب زائل ہو جائے تاکہ اس کے معاصروں کے معاصروں کو بھی نہ ملے۔

جیم شخص ہم سے کیسے بدگیا ہم اس کے آگے اپنا سر کیسے جھکائیں، اللہ تعالیٰ ان کے قول کو نقل کر کے فرماتا ہے :

وَقَالُوا لَوْلَا نَزَلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ

(۱) لام محمد بن اسماعیل بخاری ص ۲۷۷ ج ۲، مطبوعہ دار المعرفۃ، جامع المصنف کراچی ۱۹۸۷ء

الْقَرَبَتَيْنِ عَظِيمِ (الزخرف : ۳۱)

کسی بڑے آدمی پر کھل نہیں اتر سکتا۔

(۴) جب کئی شخص کسی ایک مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہوں اور ان میں سے کوئی ایک کامیاب ہو جائے تو باقی لوگ اس سے حسد کرنے لگتے ہیں۔

(۵) اپنا تفرد اور تسلط چاہنا بھی حسد کا سبب ہے مثلاً کوئی شخص کسی فن میں مکمل حاصل کر کے یگانہ روزگار ہو، پھر اس کو معلوم ہو کہ کوئی اور شخص بھی اس کی طرح صاحب مکمل ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کا مکمل زائل ہو جائے تاکہ اس کا تسلط و تفرد برقرار رہے۔

حسد کو زائل کرنے کا علاج

حسد کو زائل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان تقدیر پر اپنے ایمان کو مستحکم کرے اور جو نعمتیں اس کو مل گئی ہیں ان پر راضی رہے اور ان کا شکر ادا کرے اور جو نعمتیں اس کو نہیں ملیں ان پر صبر کرے اور دوسرے شخص میں ان نعمتوں کو دیکھ کر ملول نہ ہو اور ان نقصانوں پر غور کرے جو اس کو حسد کی صورت میں پیش آئیں گے۔

(۱) حسد کی وجہ سے انسان اللہ کے حکم اور اس کی تقسیم کو ناپسند کرتا ہے۔

(ب) انسان جب کسی مسلمان کے پاس زیادہ نعمتیں دیکھ کر حسد کرتا ہے تو وہ لولیا اللہ کے زمرہ سے خارج ہو کر ابلیس کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے، کیونکہ سب سے پہلے حسد کرنے والا ابلیس تھا جس نے حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کیا تھا۔

(ج) حسد کرنے والا شخص ہمیشہ جلتا اور کڑھتا رہتا ہے اور جیسے جیسے دوسرے شخص پر زیادہ نعمتیں ہوتی ہیں اس کی جلن بڑھتی جاتی ہے۔

(د) حسد کرنے والا شخص لوگوں کے نزدیک مذموم اور اللہ کے نزدیک ملعون ہوتا ہے۔

(ه) حاسد ہمیشہ یہ تمنا کرتا ہے کہ جس سے وہ حسد کرتا ہے اس سے نعمت زائل ہو جائے، اگر وہ عالم ہے تو غلط مسئلہ بتائے اور پکڑا جائے یا کسی مصیبت کا شکار ہو، لوگوں میں رسوا ہو، سخت بیمار ہو یا مرجائے اور جو شخص کسی کا برا چاہتا ہے وہ خود اس برائی میں پڑ جاتا ہے۔

حسد کرنے والے کو چاہیے کہ وہ ایسے کام کرے جو حسد کے تقاضوں کے خلاف ہوں، اگر حسد کی وجہ سے وہ اس کی برائی کرنا چاہتا ہو تو اس کی تعریف کرے اگر حسد کی وجہ سے وہ اس کے سامنے اپنی برائی کا اظہار کرنا چاہتا تھا تو اس کے سامنے تواضع کرے، اگر وہ اس سے کسی بھلائی اور فیض کو منقطع کرنا چاہتا تھا تو اس کو خیر اور نفع پہنچائے وہ اس سے جن نعمتوں کے زوال کی تمنا کرتا تھا اس کے لیے ان نعمتوں میں زیادتی کی دعا کرے۔

جب حسد کرنے والا حسد کے نقصانات پر غور کرے گا اور اس کی تلافی کے لیے محسوس کا بھلا چاہے گا تو اس سے حسد زائل ہو جائے گا۔

کافروں اور مشرکوں کی زیادتی سے نبی ﷺ کا درگزر کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ سو تم ان کو معاف کرو اور درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم صادر فرمائے۔

کافروں اور مشرکوں سے جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے نبی ﷺ ان کی ایذا رسانیوں کو برداشت کیا کرتے تھے اور درگزر فرماتے تھے۔

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت اسلمہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فدک کی بنی ہوئی ایک موٹی چادر لوڑھ کر دراز گوش پر سوار ہو کر بنو خزرج کے امیر حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کے لیے جا رہے تھے اور حضرت اسلمہ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے یہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے، آپ ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں عبد اللہ بن ابی ابن سلول بیٹھا ہوا تھا یہ اس وقت تک اسلام نہیں لایا تھا اس مجلس میں مسلمانوں، مشرکوں، بت پرستوں اور یہودیوں کے بہت سے لوگ تھے اور مسلمانوں میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ بھی تھے جب اس مجلس کو آپ کی سواری کے گرد و غبار نے ڈھانپ لیا تو عبد اللہ بن ابی نے اپنی ناک پر چادر رکھ لی پھر کہا ہم پر گرد نہ ڈالو رسول اللہ ﷺ نے وہاں سلام کر کے توقف کیا اور ان کو اللہ کی (عبادت کی) دعوت دی اور ان پر قرآن پڑھا عبد اللہ بن ابی ابن سلول نے کہا اے شخص اس کلام سے اچھی کوئی چیز نہیں ہے اگر یہ حق ہے تو تم ہمیں ہماری مجلس میں ایذا نہ دو اور اپنی سواری پر واپس چلے جاؤ اور جو تمہارے پاس آئے اس کو سناؤ حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ ہماری مجلس میں ٹھہریں ہم اس کو پسند کرتے ہیں پھر مسلمان، مشرک اور یہود ایک دوسرے کو برا کہنے لگے حتیٰ کہ وہ لڑنے کے قریب ہو گئے نبی ﷺ ان کو ٹھنڈا کرتے رہے حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے پھر نبی ﷺ اپنی سواری پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے اور حضرت سعد بن عبادہ کے پاس پہنچے نبی ﷺ نے فرمایا اے سعد کیا تم نے نہیں سنا کہ ابو حباب (عبد اللہ بن ابی) نے کیا کہا ہے اس نے یہ یہ کہا ہے حضرت سعد بن عبادہ نے کہا یا رسول اللہ! اس کو معاف کر دیجئے اور اس سے درگزر کیجئے اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتب نازل کی ہے بے شک اللہ نے آپ پر جو کتاب نازل کی ہے وہ حق ہے اس شر کے لوگوں نے اس پر اتفاق کر لیا تھا کہ وہ عبد اللہ بن ابی کو سرداری کا تاج پہنائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق دے کر بھیجا اور اس کو یہ موقع نہیں دیا تو وہ غضبناک ہو گیا اسی وجہ سے اس نے وہ سب کیا جو اس نے کیا اور آپ نے دیکھا پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا اور نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب اللہ کے حکم کے بموجب اہل کتب اور یہودیوں کو معاف کر دیتے تھے اور ان کی ایذا پر صبر کرتے تھے۔ (۱) اس حدیث کو امام مسلم (۲) اور امام احمد (۳) نے بھی روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

بے شک تمہارے دل اور جان میں ضرور تمہاری آزمائش ہوگی اور اہل کتب اور مشرکین سے تم ضرور بہت سی دل آزار باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی بہت کام ہے۔

لَنْبَلُوهُمْ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَنْسَمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ اُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ اَشْرَكُوا اَذَى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوا فَاِنَّ ذٰلِكُمْ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (آل عمران : ۱۸۶)

خو لو در در گزر کا منسوخ ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : حتیٰ کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم صادر فرمائے۔

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاری حوالہ ۵۶۱ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۶-۶۵۵، مطبوعہ نور محمد اصح المصاحف کراچی ۱۳۸۱ھ

(۲) امام مسلم بن حجاج قشیری حوالہ ۳۳۴ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵۵-۶۵۴، مطبوعہ نور محمد اصح المصاحف کراچی ۱۳۷۵ھ

(۳) امام احمد بن حنبل حوالہ ۳۳۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۲۰۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

اللہ تعالیٰ نے یہود کے حسد اور ان کی ریشہ دوانیوں پر اور اسی طرح مشرکین کی ایذا رساموں پر نبی ﷺ کو معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم دیا اور یہ حکم دائمی نہیں تھا بلکہ ایک وقت مقرر تک کے لیے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حتیٰ کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم صادر فرمائے۔ مشرکین اور یہودیوں سے درگزر کرنے کا حکم اس وقت تک کے لیے تھا جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ یا تو وہ اسلام قبول کریں یا مسلمانوں کے قتل ہو کر رہیں اور جزیہ دیں علماء نے بیان کیا کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے :

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا
يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ○
(النوبة : ۲۹)

جو اہل کتاب اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہ لائیں
اور اللہ اور اس کے رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام نہ کہیں
اور نہ دین حق کی اطاعت کریں ان سے قتل کہتے رہو حتیٰ کہ وہ
مغلوب ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

اس آیت میں اہل کتاب سے قتل کا حکم ہے اور درج ذیل آیت میں مشرکین سے قتل کا حکم ہے :

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ
(النوبة : ۵)

سومشرکین کو تم جہاں پاؤ انہیں قتل کرو۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب کافروں اور مشرکوں سے درگزر کرنے کا حکم دائمی نہیں تھا بلکہ ایک خاص وقت تک تھا تو قتل کا حکم آنے کے بعد اس پہلے حکم کو منسوخ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس حکم میں مدت کو بیان نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس کو مبہم رکھا گیا تھا اس لیے اس کو منسوخ کہا جاتا ہے۔

شخص معاملے میں زیادتی سے درگزر کرنا اور دین کے معاملہ میں رعایت نہ کرنا

معاف کرنے اور درگزر کرنے کے لیے اسی سے کہا جاتا ہے جو سزا دینے اور بدلہ لینے پر قادر ہو، اس میں یہ اشارہ ہے کہ مسلمان تعداد میں کم ہونے کے باوجود ایمان کی طاقت سے اس قدر قوی تھے کہ وہ یہودیوں اور مشرکوں کو سزا دے سکتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کی وجہ سے ان کو عفو اور درگزر کا حکم دیا۔ بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں بنو قریظہ اور بنو نضیر سے درگزر کرنے کا حکم ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے بنو قریظہ کو قتل کرنے اور بنو نضیر کو جلاوطن کرنے کا حکم دیا۔ بعض علماء نے یہ کہا کہ اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ کس کو معاف کرو اور کس سے درگزر کرو اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ مسلمانوں کا عام حل یہ ہونا چاہئے کہ وہ تمام جاہلوں اور زیادتی کرنے والوں کو معاف کر دیں اور ان سے درگزر کر لیں، ہمارے نبی ﷺ کا مبارک طریقہ یہ تھا کہ اگر آپ کی ذات کے ساتھ کوئی شخص زیادتی کرتا تو معاف کر دیتے لیکن اگر کوئی شخص اللہ کی حرمت اور اس کے احکام کے خلاف کوئی کام کرتا تو پھر آپ کوئی رعایت نہیں کرتے تھے، امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ شرم و حیا کے منافی بات نہیں کرتے تھے نہ بازاروں میں زور سے بولتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معاف کر دیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کسی زیادتی کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا، بہ

رسول اللہ کی طرف ورزی نہ کی جائے، اور جب کوئی حدود اللہ کی خلاف ورزی کرتا تو آپ اس پر سب سے زیادہ غضب کرنے والے تھے، اور جب بھی آپ کو وہ کاموں میں سے ایک کام کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار کرتے بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے جملہ نبیل اللہ کے سوا کسی کو نہیں مارا، کسی خلوام کو مارا نہ کسی عورت کو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے نفس کے لیے تین چیزوں کو ترک کر دیا تھا، ضد بحث کرنا، اپنے لیے بولنی چاہنا اور غیر متعلقہ باتوں میں پڑنا، اور لوگوں کے لیے بھی تین چیزوں کو ترک کر دیا تھا، کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے، کسی کا عیب بیان نہیں کرتے تھے، اور کسی کے عیوب کا کھوج نہیں لگاتے تھے، صرف انہی امور میں کلام فرماتے جن میں ثواب کی امید ہوتی۔ (جامع ترمذی ص ۵۹۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

آج ہماری زندگی نبی ﷺ کی سیرت کے بالکل برعکس گزر رہی ہے، اللہ تعالیٰ اصلاح فرمائے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے۔

آخرت کے لیے نیکیوں کا بھیجنا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو نیک کام تم اپنے لیے پہلے بھیجو گے ان کو اللہ کے پاس پاؤ گے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

حدیث میں ہے جب انسان مر جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے کیا چھوڑا اور فرشتے کہتے ہیں کہ اس نے کیا بھیجا، لام نسل کی روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ کون شخص ہے جس کو اپنے وارث کامل اپنے مل سے زیادہ محبوب ہے؟ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مل اپنے وارث کے مل سے زیادہ محبوب ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تم میں سے ہر شخص اپنے مل کی بہ نسبت اپنے وارث کے مل کو ہی محبوب رکھتا ہے، تمہارا مل وہ ہے جس کو تم نے (آخرت کے لیے) بھیج دیا اور تمہارے وارث کامل وہ ہے جس کو تم نے رکھ چھوڑا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں ہے انسان کامل وہی ہے جو اس نے (آخرت کے لیے) بھیج دیا اور جو اس نے رکھ چھوڑا ہے وہ اس کے وارث کامل ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں (مید کا قبرستان) کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا السلام علیکم اهل القبور! ہمارے پاس یہ خبریں ہیں کہ تمہاری بیویوں نے دو سری شادی کر لیں، تمہارے مکانوں میں اور لوگ رہنے لگے اور تمہارے اموال تقسیم کر دیئے گئے، تو غیب سے ایک کوثر آئی اے ابن الخطاب! ہمارے پاس یہ خبریں ہیں کہ ہم نے آخرت کے لیے جو صدقات بھیجے تھے وہ ہم نے پا لیے اور ہم نے آخرت کے لیے جو خرچ کیا تھا، ہمیں اس کا نفع مل گیا اور ہم نے جو دنیا میں چھوڑ دیا تھا اس کا ہم نے نقصان اٹھایا۔ (المباح لاحکام القرآن ج ۲ ص ۳۷۸، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے کہا کہ کون سے صدقہ کا زیادہ اجر ہے؟ آپ

نے فرمایا: جو صدقہ اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے، (مطبوعہ نور محمد کراچی، مسودہ ج ۱ ص ۳۸۴، مطبوعہ بیوت

نے فرمایا تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست اور بخیل (ضرورت مند) ہو تم کو تنگ دستی کا اندیشہ ہو تو تم کو غنی ہونے کی امید ہو، صدقہ کرنے کو موخر نہ کرتے رہو حتیٰ کہ جب تمہاری مدح طلق تک آجائے تو کو فلاں کو اتادے دو، فلاں کو اتادے دو، (اب تم کو یا نہ کہو) فلاں فلاں کو تو اب مل ہی جائے گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸، مطبوعہ نور محمد اصرار، الطبع کراچی ۱۳۸۸ھ) امام نسائی روایت کرتے ہیں :

مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم کو مل کی کثرت نے عیلت سے غافل کر دیا حتیٰ کہ تم نے قبروں کو دیکھ لیا، آپ نے فرمایا ابن آدم کتنا رہتا ہے کہ یہ میرا مل ہے یہ میرا مل ہے حالانکہ تمہارا مل تو صرف وہ ہے جس کو تم نے کھا لیا اور فنا کر دیا یا کپڑے پہن کر بوسیدہ کر دیئے یا صدقہ کر کے آخرت کے لیے روانہ کر دیا۔ (یعنی اس کے علاوہ جو مل ہے وہ تمہارا نہیں ہے تمہارے وارثوں کا ہے۔) (سنن نسائی ج ۲ ص ۲۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ گھروالوں نے ایک بکری ذبح کی، نبی ﷺ نے پوچھا اس میں کچھ باقی ہے؟ حضرت عائشہ نے عرض کیا اس کی صرف ایک دستی باقی ہے، آپ نے فرمایا اس ایک دستی کے سوا وہ سب باقی ہے جس کو تم نے تقسیم کر دیا۔ (جامع ترمذی ص ۳۵۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اہل کتاب نے کہا کہ جنت میں صرف یہودی یا عیسائی جائیں گے، یہ ان کی باطل تمنائیں ہیں۔

یعنی یہود نے کہا صرف یہودی جنت میں جائیں گے اور عیسائیوں نے کہا صرف عیسائی جنت میں جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہیے تم اگر سچے ہو تو اس پر دلیل لاؤ، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کیوں نہیں، جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہے تو اس پر کوئی غم اور خوف نہیں ہے۔ تمام اعضاء میں سے صرف چہرہ کو خاص کیا ہے کیونکہ وہ اشرف الاعضاء ہے اور حواس، فکر اور تخیل کا معدن ہے، جب اللہ کے لیے چہرہ جھک جائے گا تو باقی جسم بہ طریق اولیٰ جھک جائے گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ ذات سے چہرہ کو تعبیر کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے :

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ الْقَصَص : ۸۸
وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ
اللہ کے چہرہ (ذات) کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔
آپ کے رب کا چہرہ (ذات) باقی ہے جو عظمت اور بزرگی (الرحمن : ۲۷) والا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ نماز میں افضل رکن سجدہ ہے اور وہ چہرہ زمین پر رکھنے سے ادا ہوتا ہے اس لیے انسان کو چہرہ سے تعبیر فرمایا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصْرَىٰ

یہودیوں نے کہا کہ نصاریٰ کا دین کچھ نہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ

یہودیوں نے کہا کہ نصاریٰ کا دین کچھ نہیں

لَيْسَتْ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ وَلَا هُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذَلِكَ قَالَ

یہود کا دین کچھ نہیں، مالاخو وہ (دونوں آسمانی) کتاب پڑھتے ہیں، اسی طرح بے علم

الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ قَالَ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

دوم (مشرکین) ان کی مثل باتیں کرتے ہیں، سو اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان اس چیز میں

الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۱۳﴾

قیامت کے دن جس میں وہ اختلاف کرتے تھے ۵

یہود و نصاریٰ کا فرقوں میں بٹنا

لہام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نجران کے عیسائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہود آئے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے ان سے بحث کرنا شروع کر دی رافع بن حرہ یہودی نے کہا تمہارا دین کچھ نہیں اور حضرت عیسیٰ کی نبوت کا انکار کیا اور انجیل کا کفر کیا، اور نجران کے عیسائیوں میں سے ایک شخص نے کہا تمہارا دین کچھ نہیں اور حضرت موسیٰ کا انکار کیا اور تورات کا کفر کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

قلہ نے کہا حقدین عیسائی صحیح دین پر تھے، بعد میں انہوں نے دین میں بدعتیں نکالیں اور فرقوں میں بٹ گئے، اسی طرح حقدین یہودی صحیح دین پر تھے بعد میں انہوں نے دین میں بدعتیں نکالیں اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

اس آیت میں جن بے علم لوگوں کا ذکر ہے ان کے متعلق عطاء نے کہا کہ یہ تورات اور انجیل کے نزول سے پہلے کے لوگ ہیں، اور بعض نے کہا اس سے مراد مشرکین عرب ہیں، چونکہ یہ احل کتب نہیں تھے اس لیے ان کو جاہل فرمایا۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے اختلاف میں اپنا فیصلہ سنائے گا، اور حق باطل سے ممتاز ہو جائے گا، احل حق ثواب

پائیں گے اور احل باطل کو عذاب ہو گا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۶۱-۳۶۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

ملت اسلامیہ کا بیان اور اسلامی فرقوں کی تحقیق

لہام تفسیر روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہود اکثر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے، اسی طرح نصاریٰ، اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی۔ اور حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے یہ سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک ملت کے، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون سی ملت ہے؟ آپ نے فرمایا جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

(جامع تفسیر ص ۷۹-۷۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو لہام ابو داؤد (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۵۵)، لہام ابن ماجہ (سنن ابن ماجہ ص ۲۸۷)، لہام احمد (مسند احمد ج ۲

ص ۳۳۲)، لہام دارمی (سنن دارمی ج ۲ ص ۱۵۸)، لہام طبرانی (المعجم الصغیر ج ۱ ص ۲۵۱)، لہام حاکم (المستدرک ج ۳ ص ۵۳۷)

لور لام ابن عساکر (تہذیب تاریخ دمشق ج ۲ ص ۵۳) نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ البیہقی (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۹) علامہ علی متقی (کنز العمال ج ۱ ص ۱۵-۱۴) لور علامہ زبیدی (تحف السلاۃ المستعین ج ۸ ص ۳۱-۳۰) نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

علامہ طیبی لکھتے ہیں :

سنن ابوداؤد کی صحیح روایت میں ہے : عنقریب میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے، بہتر فرقے جہنم میں ہوں گے اور ایک فرقہ جنت میں ہوگا۔ (شرح الطیبی ج ۱ ص ۳۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعة للذی ۱۴۳۳ھ)

شیخ ابن القیم الجوزیہ لکھتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ نے ان فرقوں کو میری امت فرمایا ہے، اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ تمام فرقے دین سے خارج نہیں ہیں۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جو فرقہ کسی تلویل سے کوئی نظریہ رکھے وہ ملت سے خارج نہیں ہوگا، خواہ اس نے تلویل میں خطا کی ہو۔ (تہذیب ابن القیم مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں :

جو لوگ ضروریات دین پر متفق ہوں مثلاً حدوث عالم، حشر اجسام، لور ان کے مشابہ امور (روز مو کی پانچ نمازیں، ماہ رمضان کے روزے، زکوٰۃ اور حج بیت اللہ) اور اس کے ماسوا اصول میں مختلف ہوں مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات (اشاعرہ اور ماتریدیہ کے درمیان سلت صفات پر اتفاق ہے، حیات، علم، قدرت، سمع، بصر، کلام، ارادہ اور ماتریدیہ ایک زائد صفت "تخلیق" کے بھی قائل ہیں اور معتزلہ صفت کی نفی کرتے ہیں، لور حکماء کہتے ہیں کہ صفت اللہ کی ذات کا عین ہیں) اعمال کا مخلوق ہونا (معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے، لور اہل سنت کے نزدیک انسان کے اعمال کو اللہ خلق کرتا ہے) اللہ کے ارادہ کا عموم، اللہ کے کلام کا قدیم ہونا (معتزلہ کے نزدیک اللہ کا کلام حادث ہے) اللہ کے دکھائی دینے کا جواز (معتزلہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے) اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ ان امور میں حق صرف ایک ہی ہے، لور جو شخص اس حق کے خلاف اعتقاد رکھتا ہو آیا اس کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں؟ اور اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ اہل قبلہ میں سے جو شخص عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہو، حشر اجسام کو نہ مانتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے لیے جزئیات کے علم کا قائل نہ ہو اور اسی طرح کی دیگر ضروریات دین کا قائل نہ ہو خواہ وہ شخص ساری عمر عبودیت کرتا رہا ہو وہ قطعاً "کافر" ہے، اور ہم نے جو ذکر کیا ہے کہ باقی اصول میں اختلاف کرنے والا کافر نہیں ہے یہ امام اشعری اور دیگر اصحاب کا مذہب ہے، امام شافعی نے فرمایا میں اہل بدعت میں سے کسی کی شہادت کو رد نہیں کرتا، ماسوا خطابیہ کے، کیونکہ وہ جھوٹ کو جائز سمجھتے ہیں، اور "منستی" میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کی، لور اسی پر اکثر فقہاء کا اعتماد ہے (الی قولہ) استاذ ابواحق اسفرائینی نے کہا جو ہماری تکفیر کرے گا ہم اس کی تکفیر کریں گے اور جو ہماری تکفیر نہیں کرے گا، ہم اس کی تکفیر نہیں کریں گے، اور امام رازی کا مختار یہ ہے کہ وہ اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر اسلام کا صحیح ہونا ان اصول میں حق کے اعتقاد پر موقوف ہوتا تو نبی ﷺ اور آپ کے بعد خلفاء راشدین ایمان لانے والے سے ان چیزوں (مثلاً صفات، رویت، خلق اعمال) پر ایمان لانے کا مطالبہ کرتے، اور اس کے عقائد کے متعلق تفتیش کرتے کہ ان امور کے متعلق اس کا کیا عقیدہ ہے، اور ان اصول میں حق بات پر ان کو تنبیہ

(شرح القاصد ج ۵ ص ۲۲۹-۲۲۸ مطبوعہ منشورات الشریف اہلین ۱۳۰۵ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد حنفی لکھتے ہیں :

احل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کی جائے گی حتیٰ کہ خوارج کی بھی تکفیر نہیں کی جائے گی، جو ہمارے قتل کو اور ہمارے مل کو مباح سمجھتے ہیں اور اصحاب رسول کو برا کہنا جائز سمجھتے ہیں اور اللہ کی صفات اور اس کے دکھائی دینے کا انکار کرتے ہیں، کیونکہ ان کے یہ عقائد کسی تاویل اور شبہ پر مبنی ہیں، ماسوا خطابیہ کے ان سب کی شہادت مقبول ہے اور ہمارے بعض علماء نے ان کی تکفیر کی ہے (علامہ شاہی نے لکھا ہے کہ معتز مذہب تکفیر کے خلاف ہے) اور اگر اس نے ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کیا تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ)

علامہ شاہی لکھتے ہیں :

علامہ ابن حامہ نے "التحریر" کے لواخر میں لکھا ہے کہ معتزلہ جو اللہ تعالیٰ کی صفات، عذاب قبر، شفاعت اور اللہ کے دیدار کا انکار کرتے ہیں، ان کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ ان امور میں قرآن، حدیث اور عقل سے استدلال کرتے ہیں، کیونکہ اہل قبلہ کی تکفیر منع ہے، اور ان کی شہادت قبول کرنے پر اجماع ہے۔ اور جو شخص بغیر دلیل کے محض ہٹ دھرمی سے کسی معصیت قطعیہ کو حلال سمجھے وہ کافر ہے برخلاف اس کے جو دلیل شرعی سے ایسا سمجھے، اور بدعتی کو اس کی دلیل میں خطا لاحق ہوئی وہ ہٹ دھرمی سے ایسا نہیں کرتا۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ)

نیز علامہ شاہی لکھتے ہیں :

جو شخص عند (بغیر دلیل کے) کی وجہ سے لولہ قطعیہ کا انکار کرے گا جن میں کوئی شبہ نہ ہو مثلاً جو شخص حشر اور حدیث عالم کا انکار کرے گا وہ قطعاً کافر ہے۔ اور جو شخص کسی شبہ کی وجہ سے کسی عقیدہ ثابتہ کا انکار کرے جیسے معتزلی اللہ کی جلال اور عظمت کی وجہ سے اس کے دیدار کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر نہیں ہے کیونکہ اس کا انکار ایک شبہ پر مبنی ہے خواہ وہ شبہ قاسد ہے، اور ہر وہ شخص جو ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے اور اس کی بدعت کسی شبہ پر مبنی ہے اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ البتہ جو حشر، حدیث عالم اور دیگر ضروریات دین کا انکار کرے اس کے کفر میں شک نہیں ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ)

ملاحظہ فرمائی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

اس حدیث میں اس امت کے تہتر فرقوں کا ذکر ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس سے مراد امت دعوت ہے یا امت اجابت، امت دعوت سے مراد تمام دنیا کے لوگ ہیں جن کو نبی ﷺ نے اسلام کی دعوت دی، اور امت اجابت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی ﷺ کی دعوت کو قبول کر لیا، اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ اس سے مراد امت اجابت ہے، تنزی کی روایت میں ہے صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون سی امت ہے؟ آپ نے فرمایا : جس (طریقہ) پر میں اور میرے صحابہ ہیں، اور یہ نجات پانے والے اہل سنت و جماعت ہیں۔ اور باقی فرقے بدعتی ہیں۔ شرح مواقف میں مذکور ہے کہ اہل میں کل آٹھ فرقے ہیں اور باقی ان کی فرع ہیں۔

(۱) معتزلہ : یہ اس کے قائل ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے، یہ نیک لوگوں کے لیے ثواب اور بدکاروں کے لیے عذاب کے وجوب کے قائل ہیں اور رویت باری اور شفاعت کا انکار کرتے ہیں۔ پھر ان کے میں فرتے ہیں۔

(۲) شیعہ : یہ حضرت علی کی محبت میں افرام کرتے ہیں، خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا انکار کرتے ہیں اور صحابہ کرام پر لعنت اور سب و شتم کرتے ہیں ان کے بائیں فرتے ہیں۔

(۳) خوارج : یہ حضرت علی اور حضرت معلویہ کو کافر کہتے ہیں گناہ کبیرہ بلکہ صغیرہ کے مرتکب کو بھی کافر کہتے ہیں، ان کے میں فرتے ہیں۔

(۴) مرجہ : ان کے نزدیک ایمان لانے کے بعد گناہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ان کے پانچ فرتے ہیں۔

(۵) نجاریہ : یہ اللہ کے کلام کو حلوٹ مانتے ہیں اور اس کی صفات کو نہیں مانتے البتہ انسان کے افعال کو مخلوق مانتے ہیں۔ ان کے تین فرتے ہیں۔

(۶) جبریہ : جو انسان کو مجبور محض کہتے ہیں۔ ان کا ایک فرقہ ہے۔

(۷) مشبہ : یہ اللہ تعالیٰ کو جسم مانتے ہیں۔

(۸) فرقہ ناجیہ : اور یہ اہل سنت و جماعت ہیں۔

ملا علی قاری نے باطل فرقوں میں شیعہ کے علاوہ جتنے فرقے ذکر کئے ہیں یہ سب مردہ مذاہب ہیں، اب دنیا میں ان کا کوئی ماننے والا نہیں ہے، البتہ کچھ نئے مذاہب وجود میں آ گئے ہیں جیسے شیخ ابو سلیمان بن داؤد علی ظاہری متوفی ۷۳۰ھ کے پیروکار، یہ عرف میں غیر مقلدین کہلاتے ہیں، یہ ائمہ کی تقلید کو شرک کہتے ہیں اور عقائد اور افکار میں شیخ ابو العباس احمد بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ کے متبع ہیں خصوصاً "انکار توسل میں" اور شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ کے پیروکار، یہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الوفات، ان سے توسل، استدرا اور شفاعت کے قائل نہیں اور ان کے قائل کو مشرک کہتے ہیں یہ عرف عام میں وہابیہ کہلاتے ہیں موجودہ غیر مقلدین کے بھی یہی عقائد ہیں لیکن وہابیہ حنبلی المذہب ہیں، اور شیخ محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ کے پیروکار یہ حنفی المذہب ہیں لیکن عقائد اور نظریات میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ اور شیخ محمد اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۳۶ھ کے تابع ہیں ان کے عقائد اور نظریات کا مطالعہ تقویت الایمان اور صراط مستقیم نامی کتابوں سے کیا جاسکتا ہے۔ اور سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ کے پیروکار ان کے متبعین جماعت اسلامی کے نام سے موسوم ہیں ان کے عقائد اور افکار بھی شیخ اسماعیل دہلوی کے تابع ہیں۔ اور عبد اللہ چکڑالوی یہ شخص مطلقاً "احادیث کی حجیت کا منکر تھا" اس کے پیروکار بہت کم ہیں اور غلام احمد پرویز کے پیروکار یہ بھی مطلقاً "احادیث کی حجیت کا منکر تھا" لیکن بعض احادیث سے استدلال بھی کرتا تھا، اس کے علاوہ قادیانی، بہائی، ذکری، دیندار جماعت وغیرہ بھی ہیں لیکن ہم ان کو اسلام کے فرقوں میں شمار نہیں کرتے کیونکہ انہوں نے ایک الگ نبی مان کر اپنے آپ کو امت اجابت سے نکل لیا ہے۔

اس حدیث میں ہے ایک ملت کے سوا سب جنہم میں جائیں گے، اس کی تشریح میں ملا علی قاری لکھتے ہیں :

ان باطل فرقوں میں سے جو حد کفر کو پہنچ گئے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جو فرقے بدعات سیئہ کے معتقد ہیں اور انہوں نے کسی کفر کا ارتکاب نہیں کیا وہ دوزخ میں داخل ہونے کے مستحق ہیں الا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے۔

(مرقات ج ۱ ص ۲۳۸، مطبوعہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ)

ہماری رائے یہ ہے کہ جن مسائل اعتقاد یہ میں ان فرقوں کو شبہات واقع ہوئے اور انہوں نے دلائل سے اپنی رائے کو حق سمجھا اور ان شبہات کو دور کرنے کے لئے علماء اہل سنت نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ ان تک نہیں پہنچ سکے وہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں یا جن لوگوں تک وہ دلائل پہنچ گئے لیکن ان دلائل سے ان کا شرح صدر نہیں ہو سکا اور ہنوز ان کے شبہات باقی رہے وہ بھی معذور ہیں لیکن جن لوگوں پر حجت تمام ہو گئی اور وہ محض کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے اپنے باطل موقف پر ڈٹے رہے تو اگر ان کا موقف کسی کفر کو مستلزم ہے تو وہ دائماً دوزخ میں رہیں گے اور اگر ان کا موقف کسی گمراہی کو مستلزم ہے تو وہ دوزخ میں دخول کے مستحق ہیں الا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے۔ مثلاً جوشعیہ حضرت علی کی الوہیت کے معتقد ہیں یا جو جوحی لانے میں حضرت جبرائیل کی خطا کے قائل ہیں یا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر قذف (تہمت) لگاتے ہیں یا جو حضرت ابو بکر کی صحابیت کا انکار کرتے ہیں یا جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد تین یا چھ صحابہ کے علاوہ سب صحابہ مرتد ہو گئے تھے یہ سب کافر ہیں اور جو خلفاء ثلاثہ کو مفضول کہتے ہیں یا ان پر سب کرتے ہیں (گالی دیتے ہیں) وہ کافر نہیں ہیں لیکن وہ بدترین فسق اور گمراہی میں مبتلا ہیں اسی طرح جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں نبی ﷺ کی شان میں صریح کفریہ عبارات لکھیں وہ کافر ہیں اور جو لوگ ان عبارات پر مطلع ہو گئے اور ان پر وجہ کفر منکشف ہو گئی لیکن وہ مذہبی تعصب اور ہٹ دھرمی سے ان عبارات کو صحیح کہتے ہیں وہ بھی کافر ہیں لیکن جو لوگ ان عبارات پر مطلع نہیں ہیں یا ان پر وجہ کفر منکشف نہیں ہوئی اس لئے وہ تکفیر نہیں کرتے۔ تاہم اس قاعدہ سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کی تکفیر پر پوری ملت اسلامیہ کا اجماع ہے جیسے مرزا سیہ کا قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ یا اور کوئی ایسا فرقہ جس کی تکفیر پر پوری ملت اسلامیہ متفق ہو اور اس کی تکفیر واضح اور غیر مشتبہ ہو اور بعض اعتقادی مسائل میں شبہ کی وجہ سے اختلاف کرتے ہیں مثلاً علم غیب اور تصرف میں ذاتی اور عطائی کا فرق نہیں کرتے یا بدعت حسنہ کا انکار کرتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ پر نور کا اطلاق نہیں کرتے یا استمداد اور ندائے غیر اللہ کو ناجائز کہتے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے علم کی وسعت آپ کے معجزانہ تصرفات اور آپ کی علمی روحانی اور بعض مواقع پر حسی نورانیت کے قائل ہیں آپ کی حیات کے معتقد ہیں اور قبر انور پر آپ سے شفاعت طلب کرنے اور یا رسول اللہ کہنے کے معتقد ہیں ان پر کفر کا حکم نہیں ہے ان مسائل میں اختلاف محض فروعی ہے جیسے بعض امور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہیں یا اس کے برعکس۔

۱۔ امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ان کے کفر میں شک ہی کرے تو خود کافر جب کہ ان کے خبیث اقوال پر مطلع ہو۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۲۵۳، مطبوعہ سنی دارالاشاعت لاہور)

علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں: ہم کسی دیوبند یا لکھنؤ والے کو کافر نہیں کہتے ہمارے نزدیک صرف وہی لوگ کافر ہیں جنہوں نے معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ و محبوبان ایزدی کی شان میں صریح گستاخیاں کیں اور باوجود صحیحہ شہید کے انہوں نے گستاخیوں سے توبہ نہیں کی نیز وہ لوگ جو ان کی گستاخیوں کو حق سمجھتے ہیں اور گستاخیاں کرنے والوں کو اہل حق مومن اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے ہیں اور بس! ان کے علاوہ ہم نے کسی مدعی اسلام کی تکفیر نہیں کی ایسے لوگ جن کی ہم نے تکفیر کی ہے اگر ان کو ٹھٹھا جائے تو وہ بہت قلیل اور محدود افراد ہیں ان کے علاوہ نہ کوئی دیوبند کارہنہ والا کافر ہے نہ لکھنؤی

شریعت طریقت اور حقیقت کا بیان

ملا علی قاری لکھتے ہیں :

ملت اسلامیہ کے ظاہر کو شریعت، باطن کو طریقت اور اس کے خلاصہ کو حقیقت کہتے ہیں، شریعت بدن کا حصہ ہے، طریقت قلب کا حصہ ہے اور حقیقت روح کا حصہ ہے، شریعت میں احکام کی اطاعت ہے، طریقت میں علم اور معرفت ہے اور حقیقت میں مشاہدہ ربوبیت ہے، اگر شریعت حقیقت سے موید نہ ہو تو وہ غیر مقبول ہے، اور اگر حقیقت شریعت سے متعین نہ ہو تو وہ غیر معتبر ہے، شریعت احکام کی اطاعت ہے اور حقیقت قضاء و قدر کا مشاہدہ ہے۔

(المرقات ج ۱ ص ۲۳۸، مطبوعہ مکتبہ المدنیہ ملکن، ۱۳۹۰ھ)

ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال شریعت ہیں، آپ کے افعال طریقت ہیں اور آپ کے احوال حقیقت ہیں، اور تحقیق یہ ہے کہ تمام فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات پر عمل کرنا، اور تمام محرمات اور مکروہات سے بچنا شریعت ہے، اور شیخ طریقت نے جو لور لور و طائف بتائے اور سلوک کے لیے جو ہدایات دیں ان پر عمل کرنا طریقت ہے اور جب دل تجلیات الہیہ کے لیے آمینہ ہو جائے اور نیند اور بیداری میں رسول اللہ ﷺ سے رابطہ ہو جائے تو یہ حقیقت ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ جسم کے اعضاء کو گناہوں سے روکنا شریعت ہے اور دل کو گناہوں کی خواہشوں اور ذہن کو اس کے تصورات سے روکنا طریقت ہے اور جب یہ حالت ہو کہ بغیر کسی کوشش اور کسب کے دل و دماغ میں گناہ کی خواہش اور تصورات نہ آئیں تو یہ حقیقت ہے اور یہ بہت عمدہ قول ہے۔

☆☆☆

☆☆☆

☆☆☆

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ

اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہے جو اللہ کی مساجد میں اس کے نام کے ذکر سے منع کرے اور ان کو دیران

وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا ۚ وَلَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا

کرنے کی کوشش کرے، یہ لوگ بنبر خوں کے مسجدوں میں داخل ہونے کے لائق نہیں

خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ

ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا

مبدأ اول

تیسرا القرآن

عَظِيمٌ ۱۱۳ وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَآيُنْمَاتُوْا فَاَنْتُمْ وَجْهٌ

مذابہ ہے ۵ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے

اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ وَّاسِعٌ عَلِيْمٌ ۱۱۵

وہیں اللہ کی طرف منہ کر گئے، بیشک اللہ بڑی وسعت والا، بہت علم والا ہے ۵

آیت مذکورہ کے شان نزول کی تحقیق

اس آیت کے شان نزول میں دو قول ہیں، رائج قول یہ ہے :

لام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

مجلد نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں جو بیت المقدس میں گندگی پھینکتے تھے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے۔ قلہ نے کہا اس سے مراد اللہ کے دشمن نصاریٰ ہیں جنہوں نے یہود کے بغض کی وجہ سے بخت نصر ہلی مجوسی کی بیت المقدس کو دیرین کرنے میں مدد کی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مشرکین ہیں، ابن زید نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ عمرہ کرنے کے قصد سے (چودہ سو اصحاب کے ساتھ) مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو حدیبیہ کے مقام پر مشرکین نے آپ کو روک لیا اور عمرہ کرنے کے لیے مسجد حرام میں جانے نہیں دیا اور انہوں نے کہا جن لوگوں نے ہمارے آبلوہ بعد لو کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا ہم ان کو مسجد حرام میں حج اور عمرہ کے لیے نہیں جانے دیں گے، تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے نام کے ذکر سے روکنے والوں سے بڑھ کر اور کون ظالم ہو گا، کیونکہ حج اور عمرہ سے روکنا، مسجد حرام میں اللہ کے ذکر سے روکنا اور اس کو دیرین کرنا ہے، علامہ ابن جریر نے کہا ہے کہ اس آیت کے شان نزول میں پہلا قول رائج ہے کہ نصاریٰ نے بخت نصر کی مدد سے بنو اسرائیل کے مومنوں کو بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس آیت کے سیاق اور سباق میں یہود اور نصاریٰ کے برے افعال کا بیان کیا جا رہا ہے، مشرکین کی برائیوں کا بیان نہیں ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو یوم حدیبیہ میں عمرہ کرنے سے روکا تھا، لیکن ان کا مقصد مسجد حرام کو دیرین اور برباد کرنا نہیں تھا، بلکہ وہ مسجد حرام کی تعمیر کرنے والے اور اس پر فخر کرنے والے تھے، اس لیے آیت کا روئے سخن بخت نصر مجوسی کی طرف ہی متوجہ ہے جو بیت المقدس کو دیرین اور برباد کرنے کے لیے اس میں گندگی اور موارڈال دیتا تھا اور بنو اسرائیل کے مومنوں کو اس میں نماز پڑھنے سے منع کرتا تھا، اور یہودیوں سے بغض کی وجہ سے نصاریٰ اس کے شریک تھے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۹۸-۳۹۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

ذکر بالمر کی تحقیق

اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ مسجدوں میں جرم متوسط کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے، البتہ اس قدر گلا پھاڑ کر چلانا نہیں چاہئے جو مسجد کے احرام اور وقار کے بھی خلاف ہے اور اس سے دوسرے نمازیوں کی عبادت میں بھی خلل پڑتا ہے، اور ان کا ذہن الجھتا ہے، مسجد میں فرض نماز کے بعد ذکر بالمر کے شروع اور مسنون ہونے پر یہ دلیل ہے، لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے ذکر گناہی
 ﷻ کے عہد میں معروف تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اللہ اکبر کی آواز آئی تو میں جان لیتا کہ
 نبی ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۴۳۸ھ)

لام مسلم روایت کرتے ہیں :

ابو الزبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر ہر نماز کے سلام پھیرنے کے بعد کہتے تھے لا الہ الا اللہ وحدہ
 لا شریک لہ (الی قولہ) اور حضرت ابن الزبیر بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ہر نماز کے بعد لا الہ الا اللہ آخر تک
 پڑھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد لا الہ الا اللہ آخر تک پڑھتے
 تھے۔ اس پر محمول ہے کہ آپ یہ ذکر بلند آواز کے ساتھ کرتے تھے، جیسی حضرت ابن الزبیر نے اس ذکر کو سنا اور یاد کر لیا
 اگر آپ یہ ذکر آہستہ کرتے تو حضرت ابن الزبیر کیسے سنتے، اسی وجہ سے لام دلی الدین تمیزی متوفی ۱۳۳۲ھ نے مشکوٰۃ میں
 اس حدیث کے الفاظ میں یقول بصوتہ الا علی ”آپ بلند آواز سے ذکر فرماتے تھے۔“ لکھا ہے (مشکوٰۃ ص ۸۸)
 جب کہ صحیح مسلم میں یہ الفاظ نہیں ہیں لیکن حضرت ابن الزبیر کا ان الفاظ کو سنا اس وقت متصور ہو سکتا ہے جب آپ بلند
 آواز سے ذکر فرمائیں اس لحاظ سے اس کو روایت بالمعنی کہا جاسکتا ہے لیکن یہ لام تمیزی کا وہم نہیں ہے جیسا کہ حکم لاذکر بالجر
 کے مولف کو وہم ہوا ہے۔

ہم نے لکھا ہے کہ متوسط جہر کے ساتھ ذکر کرنا صحیح ہے، اور گلا پھاڑ کر اور چلا کر ذکر کرنا جس سے نمازیوں کی عبادت
 میں خلل ہو مکروہ ہے، اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے : لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری المتوفی ۵۵ھ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ خیبر سے نکلے تو
 لوگ ایک میدان میں پہنچے اور انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنا شروع کر دیا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
 اپنی جانوں پر نرمی کرو، بے شک تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے، تم اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا اور قریب ہے، اور وہ
 تمہارے ساتھ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۴۳۵ھ)

علامہ خیر الدین رملی نے لکھا ہے اس حدیث میں اس جہر سے منع فرمایا ہے جو بہت شدید اور مضر ہو۔

(فتاویٰ خیر علی حاشی الخلدیہ ج ۲ ص ۲۸۲، مطبوعہ مکتبہ حبیبہ کوئٹہ)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں :

بعض احادیث سے ذکر بالجر کی تائید ہوتی ہے اور بعض سے ذکر خفی کی، ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ یہ اشخاص اور
 احوال کے اختلاف پر محمول ہیں اور جس حدیث میں ہے کہ سب سے بہتر ذکر خفی ہے وہ اس کے معارض نہیں ہے، کیونکہ
 ذکر خفی اس وقت بہتر ہے جب جہر سے ریا کا خدشہ ہو یا کسی کی نیند یا عبادت میں خلل کا اندیشہ ہو اور جب یہ موانع نہ ہوں
 تو بعض علماء نے کہا کہ جہر افضل ہے کیونکہ اس کا نفع سننے والوں تک پہنچتا ہے اور اس کے قلب کو بیدار کرتا ہے، اس کو غور
 و فکر کا موقع ملتا ہے، اس کی نیند دور ہوتی ہے اور اس کی فرحت زیادہ ہوتی ہے، اور علامہ حموی نے امام شعرانی سے نقل کیا
 ہے کہ تمام اگلے اور پچھلے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مساجد وغیرہ میں جماعت کے ساتھ ذکر بالجر مستحب ہے ماسوا اس کے

(۱) امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۴۳۵ھ

بجائے بھرے سونے والے یا نماز پڑھنے والے یا قرآن پڑھنے والے کو تشویش اور خلل ہو۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اس بحث کو زیادہ تفصیل سے جاننے کے لیے ہمارا رسالہ ”ذکر بالہر“ ملاحظہ فرمائیں۔

مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق مذاہب ائمہ

اس آیت میں ہے : یہ لوگ بغیر خوف کے مسجدوں میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

مسجد میں مشرک کے دخول کے متعلق کئی مذاہب ہیں فقہاء احناف کے نزدیک مسجد میں مشرک کا دخول مطلقاً ”جائز“ ہے، امام مالک کے نزدیک مطلقاً ”منع“ ہے اور امام شافعی کے نزدیک مسجد حرام میں مشرک کا داخلہ منع ہے اور باقی مساجد میں جائز ہے۔
(فتح الباری ج ۱ ص ۵۶۰، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں :

مسجد حرام میں ذمیوں کا داخلہ کسی صورت میں جائز نہیں اور غیر حرم کی مساجد کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ مسلمانوں کی اجازت کے بغیر ان کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ کسی صورت میں بھی کافروں کا مسجد میں دخول جائز نہیں ہے۔
(المغنی ج ۹ ص ۲۸۷-۲۸۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں :

حرم اور غیر حرم کسی مسجد میں بھی کافروں کا داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۰۴، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ محمد حنفی حنفی لکھتے ہیں :

فقہاء احناف نے مسجد میں مشرکین کے گزرنے کو جائز کہا ہے خواہ وہ جنبی ہوں۔

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۵ ص ۲۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس بحث کو تفصیل کے ساتھ من شاء اللہ ہم سورہ توبہ کی تفسیر میں لکھیں گے، اور شرح صحیح مسلم جلد ثانی اور جلد سابع میں ہم نے اس بحث کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، فقہاء کے دلائل اور مذاہب احناف کی ترجیح کو جاننے کے لیے اس کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے وہیں اللہ کی طرف

منہ کرو گے۔ لا یت

وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ کے شان نزول کا بیان

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جس چیز کو قرآن مجید نے منسوخ کیا وہ قبلہ ہے،

اور اس کا بیان یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو مدینہ میں زیادہ تر یہودی تھے، اللہ تعالیٰ نے

آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا، یہودی اس سے بہت خوش ہوئے، آپ سولہ مہینے بیت المقدس

کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور رسول اللہ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں، آپ اس کی دعا کر رہے تھے اور مسجد حرام کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی : (ترجمہ) ”بے شک ہم آسمان کی طرف آپ کے چہرے کو دیکھ رہے ہیں (الہی قولہ) تم اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔“ اس وقت یہود نے یہ اعتراض کیا کہ ان کو ان کے پہلے قبلہ کی طرف سے کس نے پھیر دیا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، تم جہل کیسے بھی منہ کرو گے وہیں اللہ کی طرف منہ کرو گے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۰۰-۳۰۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس آیت کے شان نزول میں دو سرائقول یہ ہے :

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں جس طرف سواری کا منہ ہوتا اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لیتے اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے تھے : تم جہل کیسے بھی منہ کرو گے وہیں اللہ کی طرف منہ کرو گے۔ اور حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سواری پر نفل پڑھتے، جس طرف سواری کا منہ ہوتا تھا اور اشارہ سے رکوع اور سجدہ فرماتے تھے۔

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے وہ سخت سیاہ اندھیری رات تھی، ہم ایک جگہ ٹھہرے، اور ہر شخص نے اپنی اپنی سجدہ گاہ کی طرف پھر رکھے اور نماز پڑھی، صبح کو معلوم ہوا کہ سب نے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے اس رات غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں تم جہل کیسے بھی منہ کرو گے وہیں اللہ ہی کی طرف منہ کرو گے

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۰۱-۳۰۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

چلتی ہوئی ٹرین میں فرض نماز پڑھنے کا جواز

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ سفر میں سواری پر نفل پڑھنا جائز ہیں خواہ سواری کا منہ کسی طرف ہو، اور فرض نماز سواری پر بلا عذر پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ قبلہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور بلا عذر فرض ساقط نہیں ہوتا، اور اگر عذر ہو تو پھر جائز ہے، اور اگر راستہ میں کچھ ہو اور سواری سے نیچے اتر کر نماز پڑھنے سے کپڑے کچھ میں ملوث ہوں تو سواری پر فرض نماز پڑھنا جائز ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

یعلیٰ بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سفر میں تھے کہ نماز کا وقت آگیا آسمان سے بارش ہو رہی تھی اور نیچے زمین پر کچھڑ تھی رسول اللہ ﷺ نے سواری پر اذان دی اور اقامت کہی پھر آپ اپنی سواری پر آگے بڑھ گئے اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے سواریوں پر تھے، آپ نے سواری پر انہیں اشارہ سے نماز پڑھائی، آپ سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکتے تھے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے بھی کچھڑ کی وجہ سے سواری پر نماز پڑھی۔

(جامع ترمذی ص ۸۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

قاضی خان لوزجدی لکھتے ہیں :

بغیر عذر کے سواری پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اعذار یہ ہیں : چوپایہ (سواری) سے اترنے میں اسے اپنی جان یا چوپایہ کی جان کا درندہ سے یا چور سے خطرہ ہو یا زمین پر کچڑ ہو اور خشک جگہ نہ پائے یا چوپایہ سرکش ہو اس سے اترنے کے بعد بغیر مددگار کے اس پر سوار نہ ہو سکتا ہو اور مددگار میسر نہ ہو، ان احوال میں چوپایہ پر نماز جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ترجمہ) ”اگر تمہیں خوف ہو تو پیادہ یا سوار ہو کر نماز پڑھو۔“ (البقرہ : ۲۳۹) اور سواری سے اترنے پر قلمبند ہونے کے بعد اس پر نماز کا دہرائی لازم نہیں ہے، جیسا کہ مریض سواری پر اشاروں کے ساتھ نماز پڑھتا ہے خواہ چوپایہ اس وقت چل رہا ہو۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ہاشم النذیری ج ۱ ص ۱۷۰ مطبوعہ مطبع بولاق مصر، المجلد الثانی ۱۳۱۰ھ)

فتاویٰ عالمگیری میں کچھ مزید عذر بیان کئے گئے ہیں :

بغیر عذر کے چوپایہ پر فرض نماز جائز نہیں ہے اور اعذار یہ ہیں : چوپایہ سے اترنے میں اس کو اپنی جان یا اپنے کپڑوں یا سواری کی جان کا چور، درندہ یا دشمن سے خطرہ ہو یا چوپایہ سرکش ہو اور اترنے کے بعد بغیر مددگار کے اس پر سوار نہ ہو سکتا ہو، یا بوڑھا ہو اور خود سے سوار نہ ہو سکتا ہو اور سوار کرانے والا نہ پائے، یا زمین پر کچڑ ہو اور خشک جگہ نہ ہو، محیط میں اسی طرح ہے اور اترنے پر قلمبند ہونے کے بعد اس پر اعلاہ لازم نہیں ہے، اسی طرح سراج دہلج میں ہے۔

(عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۳، مطبوعہ مطبع کبری بولاق مصر، المجلد الثانی ۱۳۱۰ھ)

قاضی خان لوزجدی کے علاوہ یہ اعذار علامہ کاسلانی (۱)، علامہ ابن ہمام (۲)، علامہ بابرقتی (۳)، علامہ خوارزمی (۴)، علامہ جلی (۵)، علامہ شامی (۶)، علامہ ابن نجیم (۷)، علامہ حصکفی (۸)، علامہ شرنبلالی (۹)، علامہ لوطی (۱۰)، علامہ شبلی (۱۱)، علامہ ابن بزاز کدوری (۱۲)، اور مولانا امجد علی (۱۳) نے بھی بیان کئے ہیں۔

(۱) ملک العلماء علاؤ الدین بن مسعود کاسلانی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۱ ص ۹-۱۰ مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی، ۱۳۰۰ھ

(۲) علامہ مکمل الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۷ھ، فتح القدیر ج ۱ ص ۴۰۳ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

(۳) علامہ محمد بن محمود بابرقتی متوفی ۷۸۶ھ، حلیہ علی ہاشم فتح القدیر ج ۱ ص ۴۰۳ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

(۴) علامہ جلیل الدین خوارزمی کفایہ مع فتح القدیر ج ۱ ص ۴۰۳ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

(۵) علامہ ابراہیم طبری متوفی ۷۷۶ھ، غنیۃ المستمل ص ۷۰-۷۱ مطبوعہ مطبع مجبلی دہلی، ۱۳۳۳ھ

(۶) علامہ ابن عبدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۵ مطبوعہ مطبع مثنویہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

(۷) علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۷۷۰ھ، البحر الرائق ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

(۸) علامہ علاؤ الدین حصکفی متوفی ۸۸۸ھ، در مختار علی ہاشم الراد ج ۱ ص ۶۵۶ مطبوعہ مطبع مثنویہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

(۹) علامہ حسن بن محمد شرنبلالی متوفی ۸۶۹ھ، مرقی الفلاح علی ہاشم اللطوی ص ۲۳۳ مطبوعہ مطبع مثنویہ البلی مصر، المجلد الثانی

(۱۰) علامہ احمد بن محمد اللطوی متوفی ۸۶۹ھ، حاشیۃ اللطوی ص ۲۳۳ مطبوعہ مطبع مثنویہ البلی مصر، المجلد الثانی ۱۳۵۶ھ

(۱۱) شیخ شبلی حاشیہ الشلی علی تبیین الحقائق ج ۱ ص ۷۷ مطبوعہ مکتبہ ادلویہ ملتان

(۱۲) علامہ محمد ابن بزاز کدوری متوفی ۷۷۷ھ، فتاویٰ بزازیہ علی ہاشم النذیری ج ۲ ص ۷۰ مطبوعہ مطبع کبری بولاق مصر، المجلد الثانی

(۱۳) مولانا امجد علی متوفی ۱۲۷۷ھ، بدائع شریعت ج ۲ ص ۸۸ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی

جب کوئی تیز رفتار ایکسپریس ٹرین نماز کے پورے وقت میں کسی سٹیشن پر نہ رکے تو چلتی ٹرین میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے بلکہ فرض ہے کیونکہ قرآن مجید (البقرہ: ۲۳۹) سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر جان جانے کا خطرو ہو تو سواری پر نماز پڑھی جاسکتی ہے اور چلتی ٹرین سے نیچے اتر کر نماز پڑھنے میں یقیناً "جان کا خطرو ہے" ہمارے فقہاء نے اس سے کم تر خطرو میں سواری پر فرض نماز پڑھنے کو جائز لکھا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ اس میں نماز کا اعلیٰ نہیں ہے، جب کچھ میں تسخیر کے اندیشہ سے اور قافلہ سے کٹ جانے کے خدشہ سے چلتی سواری پر نماز جائز ہے تو جان کے خطرو کی وجہ سے تیز رفتار دوڑتی ہوئی ٹرین میں فرض نماز پڑھنا بہ طریق اولیٰ جائز ہو گا۔

☆☆☆

☆☆☆

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ط بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ

اور انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے، وہ اس سے پاک ہے، بلکہ تمام آسمان اور

الْاَرْضِ ط كُلُّ لَّهُ قُنُوْنٌ ﴿۱۱۶﴾ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَاِذَا

زمینیں اس کی ملکیت میں ہیں سب اسی کے مطیع ہیں ○ (وہ) آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء پیدا کرنے والا ہے جب وہ

قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ

کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے من یہ فرماتا ہے "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے ○ اور جاہلوں (مشرکوں) نے کہا

لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِنَا اٰیَةً ط کَذٰلِكَ قَالَ

اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی

الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ط قَدْ

طرح ان کے قول کی مثل کہا تھا ان کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے ہیں بے شک

بَيِّنًا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ

بینین کرنے والے لوگوں کے لیے ہم نے نشانیاں بیان فرمادی ہیں ○ بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری

بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ۝۱۱۹

بیٹے والا اور ڈرنے والا (بنا کر) بھیجا ہے، اور جنہیں کے متعلق آپ کوئی سوال نہیں کیا جائے گا ۝
 اللہ تعالیٰ کی لولاد نہ ہونے پر دلائل

یودیوں نے کہا تھا کہ حضرت عزیرؑ اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں نے کہا تھا کہ حضرت مسیحؑ اللہ کے بیٹے ہیں اور مشرکوں نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس سے پہلی آیات میں یہود و نصاریٰ اور مشرکوں کے مذموم عقائد، اقوال اور افعال کا بیان کیا گیا ہے، ان کے مذموم اقوال میں سے ایک قول یہ تھا کہ اللہ لولاد رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے، اور لولاد باپ کی ملکیت نہیں ہوتی، نیز لولاد باپ کی مثل اور اس کی جنس سے ہوتی ہے اگر اللہ کی لولاد ہوتی تو وہ بھی اللہ کی طرح واجب، قدیم اور الہ ہوتی، جب کہ متعدد واجب اور قدیم نہیں ہو سکتے نہ متعدد اللہ ہو سکتے ہیں کیونکہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی مملوک اور اس کی مطیع ہے اور واجب، قدیم اور الہ کسی کا مملوک اور مطیع نہیں ہو سکتا، ہم نے سورہ بقرہ کی آیت : ۲۲ میں واجب اور قدیم کے تعدد کے باطل ہونے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ثبوت میں بہت دلائل پیش کئے ہیں۔

میری ایک دفعہ ایک عیسائی پادری سے گفتگو ہوئی میں نے کہا تم اللہ کو باپ اور حضرت عیسیٰ کو ان کا بیٹا کہتے ہو، جب اللہ کی کوئی بیوی نہیں ہے تو اس کا بیٹا کیسے ہو گا؟ اس نے کہا ہم عیسیٰ کو جسمانی طور پر اللہ کا بیٹا نہیں کہتے نہ اللہ کو جسمانی باپ مانتے ہیں بلکہ باپ میں جو شفقت کا معنی ہے اس لحاظ سے اللہ کو باپ، اور مسیح کو اس کا بیٹا کہتے ہیں، میں نے کہا پھر تم اللہ کو رحیم اور رحمان کو باپ کا لفظ جسم کی صفت ہے وہ اللہ کی شان کے لائق نہیں، اس سے اللہ کی ذات میں نقص کا وہم ہوتا ہے۔ اس نے کہا اللہ کے ہاں کہنے والے کے خلوص کو دیکھا جاتا ہے ان علمی لطائف اور باریکیوں کو نہیں دیکھا جاتا، میں نے کہا تم علمی باریکیوں اور لطائف کو نہیں جانتے، حضرت عیسیٰ تو عالم تھے تمہاری کتاب کے مطابق انہوں نے اللہ تعالیٰ کو باپ کیوں کہا؟ اس پر وہ مبسوت اور لاجواب ہو گیا!

ابداع اور بدعت کا معنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ آسمانوں اور زمینوں کو ابتداً پیدا کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بدیع فرمایا ہے یہ لفظ بدع سے بنا ہے، علامہ راغب اصفہانی اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں : کسی صنعت کو کسی کی اقتداء اور پیروی کے بغیر بنانا (یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کسی چیز کو بغیر مثل اور نمونہ کے بنانا) جو نیا کتوں کھودا ہو اس کو رکتہ بدیع کہتے ہیں اور جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو اس کا معنی ہے کسی چیز کو بغیر آلہ، بغیر مادہ اور بغیر زمان و مکان کے بنانا، قرآن مجید میں ہے بدیع السموات والارض، آسمانوں اور زمینوں کو بغیر آلہ، بغیر مادہ اور بغیر نمونہ کے بنانے والا، اور مذہب میں بدعت کا معنی ہے : کسی ایسے قول کو وارد کرنا جس کے قائل اور فاعل نے صاحب شریعت کی اتباع نہ کی ہو، اور نہ اس کو سابقہ شرعی مثالوں اور شرعی قواعد سے مستنبط کیا ہو، اس کے متعلق حدیث میں ہے (دین میں) ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دونوں میں ہے۔

(المفردات ص ۳۹، مطبوعہ المکتبۃ المصنویۃ، ایران ۱۳۳۲ھ)

بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام

علامہ جزری لکھتے ہیں :

حضرت عمرؓ نے قیام رمضان (ترتوتح کی جماعت) کے متعلق فرمایا نعم البدعتہ حذہ ”یہ کیا اچھی بدعت ہے“ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۹) بدعت کی دو قسمیں ہیں ایک بدعت ہدایت ہے اور ایک بدعت ضلال ہے جو چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف ہو وہ مذموم اور واجب الانکار ہے اور جو چیز کسی ایسے عموم کے تحت داخل ہو جس کو اللہ اور اس کے رسول نے پسند فرمایا ہو اور اس کی طرف رغبت دلائی ہو وہ مستحسن ہے اور لائق تعریف ہے اور جس چیز کا پہلے کوئی نمونہ نہ ہو جیسے جود و سخا کی اقسام اور نیک کام وہ افضل محمود ہیں اور یہ جائز نہیں ہے کہ وہ شریعت کے خلاف ہوں کیونکہ نبی ﷺ نے ایسے نیک کاموں کے ایجلا کے لیے ثواب بیان کیا ہے آپ نے فرمایا جس نے کسی نیک کام کو ایجلا کیا اس کو خود بھی اس نیکی کا اجر ملے گا اور اس نیکی پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی ملے گا (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۷ مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۷) اور جو کسی برے کام کو ایجلا کرے اس کے لیے عذاب کو بیان کیا ہے آپ نے فرمایا جس نے کسی برے کام کو ایجلا کیا اس کو اپنی برائی کا بھی گناہ ہو گا اور اس برائی پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہو گا اور یہ اس وقت ہو گا جب وہ کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف ہو اور بدعت ہدایت میں سے حضرت عمرؓ کا (ترتوتح کی جماعت کے لیے) یہ فرمانا ہے نعم البدعتہ حذہ جب کہ ترتوتح کی جماعت کو نبی ﷺ نے مسلمانوں کے لیے سنت نہیں قرار دیا آپ نے تین راتیں ترتوتح پڑھیں پھر اس کو ترک کر دیا آپ نے اس کی حفاظت نہیں کی اور نہ مسلمانوں کو اس کے لیے جمع کیا اور نہ یہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں تھی۔ صرف حضرت عمرؓ نے ترتوتح کی جماعت کو قائم کیا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دی اس اعتبار سے حضرت عمرؓ نے اس کو بدعت فرمایا اور چونکہ یہ نیک کاموں میں سے ہے اور لائق تعریف عمل ہے اس لیے اس کی مدح کی اور فرمایا یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے! حضرت عمرؓ نے اس کو بدعت کہا لیکن درحقیقت یہ سنت ہے اور نبی ﷺ کی اس حدیث کے تحت داخل ہے۔ ”تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔“ (جامع ترمذی ص ۳۸۳ سنن ابن ماجہ ص ۵ سنن داری ص ۴۳ مسند احمد ج ۴ ص ۳۷۷) نیز آپ نے فرمایا ”ابوبکر اور عمر جو میرے بعد ہیں ان کی اتباع کرو۔“ (طبرانی بحوالہ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۵۳) اسی تویل کے مطابق اس حدیث کو محمول کیا جائے گا جس میں ہے۔ ”ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۵) اس سے مراد وہ بدعت ہے جو اصول شریعت کے مخالف ہو اور سنت کے موافق نہ ہو بدعت کا زیادہ استعمال بدعت مذمومہ میں ہی ہوتا ہے۔

(نہایہ ج ۱ ص ۱۰۷-۱۰۶ مطبوعہ مومتہ مطبوعاتی ایران ۱۳۶۳ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں :

بدعت کی پانچ اقسام ہیں واجبہ، مستحبہ، مکروہہ اور مباحہ بدعت واجبہ کی مثل ہے متکلمین کے وہ دلائل جو انہوں نے طہدوں اور بدعتیوں کے رد پر قائم کیے ہیں اور اس کی مثل بدعت مستحبہ کی مثل ہے علم کی کتابوں کو تصنیف کرنا دینی مدارس اور سرائے وغیرہ بنانا بدعت مباحہ کی مثل ہے لباس اور طعام میں وسعت کو اختیار کرنا بدعت حرام اور مکروہ ظاہر ہیں میں نے تہذیب الاسماء واللغات میں اس کی تفصیل کی ہے

(شرح مسلم ج ۱ ص ۲۸۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

علامہ نووی نے جس تفصیل کا حوالہ دیا ہے اس کے متعلق انہوں نے تہذیب الاسماء واللغات میں لکھا ہے :

بدعت واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں علم نحو کا پڑھنا جس پر قرآن اور حدیث کا سمجھنا موقوف ہے، قرآن اور حدیث کے معانی جاننے کے لیے علم لغت کو حاصل کرنا، علم فقہ کو مرتب کرنا، سند حدیث میں جرح اور تعدیل کا علم حاصل کرنا، تاکہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز حاصل ہو سکے، بدعت محرمہ کی بعض مثالیں یہ ہیں قدریہ، جبریہ، مرجہ اور مجسمہ کے نظریات (اسی طرح شیعہ، وہابیہ اور منکرین حدیث کے نظریات) اور ان لوگوں پر رد کرنا بدعت واجبہ میں داخل ہے۔

بدعت مستحبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں سرائے اور مدارس بنانا اور ہر وہ اصلاحی اور فلاحی کام جو عہد رسالت میں نہیں تھا، تزویج کی جماعت، تصوف کی رقیق لائحہ، بدعتیہ فرقوں سے مناظرے کرنا اور جلسے منعقد کرنا (قرآن مجید کے اعراب، مصحف شریف میں سورتوں کے نام، آیات کی تعداد اور رکوعات کا لکھنا، قرآن مجید اور صحیح بخاری کو پاروں میں تقسیم کرنا اور مسجد میں محراب بنانا وغیرہ) بدعت مکروہہ، مساجد کو مزین کرنا، مصحف کو سجانا (عصر کے بعد التزام سے مصافحہ کرنا، کسی مستحب کام کے ساتھ واجب اور لازم کا معاملہ کرنا، کسی مستحب کام پر طاعت کرنا) بدعت مباحہ کی بعض مثالیں یہ ہیں کھانے اور لباس میں وسعت کو اختیار کرنا، سبز چلواریں لوڑھنا، کھلی آستینوں کی قمیص پہننا وغیرہ۔

(تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۲۳-۲۲، مطبوعہ موسستہ مطبوعات ایران ۱۳۶۳ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی نے بھی بدعت کی پانچ اقسام ذکر کی ہیں

(فتح الباری ج ۴ ص ۲۵۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ قرطبی مالکی نے تفصیل سے بدعت کی دو قسمیں ذکر کی ہیں، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ جس طرح علامہ جزری نے ذکر کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۸۷-۸۶، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ ابن عبدین شافعی نے بھی علامہ نووی کی تہذیب الاسماء، علامہ منلوی کی شرح الجامع الصغیر اور برکلی کی الطریقۃ الحمدیہ کے حوالہ سے بدعت کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں اور بدعت سیئہ کی یہ تعریف کی ہے : جو نیا عقیدہ یا نیا عمل یا نیا حل کسی شبہ یا کسی استحسان کی وجہ سے اختراع کیا گیا ہو اور وہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے خلاف ہو اور اس کو صراط مستقیم اور دینِ قوم بنالیا گیا ہو۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۷-۳۷۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ دیوبند کے مشہور عالم شیخ شبیر احمد عثمانی نے بھی علامہ نووی کے حوالے سے بدعت کی پانچ اقسام لکھی ہیں۔

(فتح المسلم ج ۲ ص ۴۰۶، مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی)

مشہور غیر مقلد عالم شیخ وحید الرحمن نے چار قسمیں لکھی ہیں بدعت مباحہ، بدعت مکروہہ، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ

(ہدیت الہدی ص ۷۷، مطبوعہ میو پریس دہلی ۱۳۲۵ھ)

اور مشہور نجدی عالم شیخ محمد بن علی شوکانی نے فتح الباری سے نقل کر کے بدعت کی پانچ اقسام لکھی ہیں۔

(نیل اللوطار ج ۳ ص ۳۲۵، مطبوعہ مکتبہ الکلیات لاہور ۱۳۶۸ھ)

بدعت اور سنت باہم متقابل ہیں، ہم نے بدعت کی تعریف اور اقسام لکھی ہیں تو ہمیں پر اختصاص کے ساتھ سنت کی

تعریف اور اس کی اقسام بھی لکھ رہے ہیں۔

سنت کی تعریف، اس کی اقسام اور اس کا شرعی حکم

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

سنت کا معنی ہے طریقہ، اور سنت النبی کا معنی ہے نبی ﷺ کا طریقہ (المفردات ص ۳۵، مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ: ۱۳۳۲ھ)

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں :

سنت کا لغوی معنی ہے طریقہ اور سیرت، اور اس کا شرعی معنی ہے جس کام کا نبی ﷺ نے حکم دیا ہو یا اس سے منع کیا ہو یا اس کو قولا "یا فعلا" مستحب قرار دیا ہو۔ (منہج ج ۲ ص ۲۰۹، مطبوعہ موسطہ مطبوعات ایران: ۱۳۳۳ھ)

علامہ میرسید شریف لکھتے ہیں :

سنت کا شرعی معنی ہے بغیر فرضیت اور وجوب کے جو طریقہ دین میں رائج کیا گیا ہو، جس کام کو نبی ﷺ نے دانا "کیا ہو اور کبھی ترک بھی کیا ہو وہ سنت ہے اگر یہ دوام بہ طور عبولت ہو تو یہ سنن الہدی ہیں اور اگر یہ دوام بہ طور علوت ہو تو یہ سنن الزوائد ہیں، سنت الہدی وہ ہے جس کو قائم کرنا دین کی تکمیل کے لیے ہو اور اس کا ترک کرنا کراہت یا اساءت ہے اور سنن الزوائد وہ ہیں جن پر عمل کرنا مستحسن ہے اور اس کا ترک کراہت نہیں ہے، اور نہ اساءت ہے جیسے اٹھنے، بیٹھنے، کھانے، پینے اور لباس میں نبی ﷺ کی سیرت، سنن ہدی کو سنت موکدہ کہتے ہیں جیسے لوہان اور اقامت، سنت موکدہ کا مطالبہ واجب کی طرح ہے مگر واجب کے ترک پر سزا کا استحقاق ہے اور اس کے (احیانا) ترک پر عقاب نہیں ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۵۳-۵۴، مطبوعہ المکتبۃ الخیرتہ مصر: ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں :

بغیر لزوم کے دین میں جو طریقہ دانا "رائج کیا گیا ہو وہ سنت ہے، اور اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے میں ثواب ہے اور اس کے (احیانا) ترک کرنے پر عتاب اور ملامت ہے اور سزا نہیں ہے، نیز علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جس فعل کو دانا کیا ہو اور کبھی ترک نہ کیا ہو وہ سنت موکدہ کی دلیل اور علامت ہے جیسے رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے، آپ نے اس کو کبھی ترک نہیں فرمایا، اور جس فعل کو آپ نے کبھی ترک فرمایا وہ سنت غیر موکدہ کی دلیل اور علامت ہے، اور جس فعل کو آپ نے دانا کیا ہو، کبھی ترک نہ فرمایا ہو اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو، وہ وجوب کی دلیل اور علامت ہے۔ (المحرر الرائق ج ۱ ص ۱۷، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

ڈاڑھی میں قبضہ کی بحث

بعض علماء ڈاڑھی میں قبضہ کو واجب کہتے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ وجوب رسول اللہ ﷺ کے امر سے ثابت ہوتا ہے اور کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ آپ نے قبضہ تک ڈاڑھی رکھنے کا امر فرمایا ہو۔ بعض علماء وجوب پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دانا قبضہ تک ڈاڑھی رکھی اور کبھی اس کو ترک نہیں کیا اور یہ وجوب کی دلیل ہے، ہم کہتے ہیں کہ صرف دوام سے وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ نے اس فعل کے ترک پر انکار بھی فرمایا ہو جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے فرمایا ہے اور علامہ ابن ہمام کی بھی یہی تحقیق ہے، اور کسی حدیث میں یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے قبضہ سے کم ڈاڑھی رکھنے پر انکار فرمایا ہو، نیز آپ وضوء میں ہمیشہ دائیں جانب سے ابتداء کرتے تھے اور یہ بالاتفاق واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے، ہمارا موقف یہ ہے کہ نفس ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور منڈانا حرام ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ڈاڑھی منڈانے والے مجوسی پر انکار فرمایا (المسنف ج ۸ ص ۳۷۹) نیز ڈاڑھی رکھنا اسلام

درست ہے کہ اگرچہ تک ڈاڑھی رکھنا واجب نہیں ہے، لیکن ڈاڑھی کی اتنی مقدار رکھنا ضروری ہے جس پر عرف میں ڈاڑھی کا مطلق آسکے، کیونکہ احکام میں عرف کا اعتبار علامہ شامی نے لکھا ہے کہ لام ابو حنیفہ کا قلمدہ یہ ہے کہ جس چیز کی شرعاً مقدار معین نہ ہو اس میں جملہ کی رائے کا اعتبار ہوتا ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۸، مطبوعہ بیروت ۱۳۰۹ھ) عیشی ڈاڑھی یا فرنج کٹ ڈاڑھی سے یہ تقاضا پورا نہیں ہوتا، یہ ایک فنی بحث ہے ورنہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ لمبی لور دراز ڈاڑھی رکھی جائے جو سینہ کے بلائی حصہ کو بھر لے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ڈاڑھی لمبی تھی جو سینہ مبارک کو بھر لیتی تھی۔

کیا ترک سنت کی سزا شفاعت سے محرومی ہے؟

علامہ سید مظلوی لکھتے ہیں :

تنبہ میں مذکور ہے کہ سنت (موکدہ) کا تارک فاسق ہے (صحیح یہ ہے کہ فرض کا تارک اور حرام کا مرتکب فاسق ہے، سعیدی غفرلہ) لور اس کا منکر بدعتی ہے اور تکلیف میں مذکور ہے کہ سنت موکدہ کو ترک کرنا حرام کے قریب ہے اور اس کا تارک شفاعت سے محروم ہونے کا مستحق ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ”جس نے میری سنت کو ترک کیا وہ میری شفاعت کو نہیں پائے گا۔“ لور شیخ زین نے شرح السنار میں لکھا ہے کہ سنت موکدہ کے ترک سے گنہ گار ہو گا لیکن یہ گنہ ترک واجب کے گنہ سے کم ہو گا۔ (حاشیہ مراقی الفلاح ص ۳۹، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البیہی و اولادہ مصر ۱۳۵۶ھ)

علامہ مظلوی نے تکلیف کے حوالہ سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ ”جس نے میری سنت کو ترک کیا وہ میری شفاعت کو نہیں پائے گا۔“ یہ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے اور یہ حدیث احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے گنہ کبیرہ کرنے والوں کے لیے میری شفاعت ہے۔ (۱) لور سنت کا ترک گنہ کبیرہ نہیں ہے، فرض کا ترک یا حرام کا ارتکاب گنہ کبیرہ ہے لور واجب کا ترک لور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گنہ صغیرہ ہے اور سنت کے ترک کا گنہ ترک واجب کے گنہ سے بھی کم درجہ کا ہے، اگر بالفرض یہ حدیث ہو تو اس کی توجیہ ہے کہ جو سنت موکدہ کو بہ طور تخفیف یا بہ طور انکار ترک کرے، علامہ شامی نے ابن الحلج کی شرح تحریر کے حوالے سے لکھا ہے جو شخص بلا عذر سنت موکدہ کو بہ طور اصرار ترک کرے وہ ملامت کیے جانے لور عذاب کا مستحق ہو گا لیکن سنت موکدہ کے ترک کا گنہ ترک واجب کے گنہ سے کم ہے (لور اگر کبھی کبھی سنت موکدہ کو ترک کرے تو وہ صرف ملامت کا مستحق ہے۔)

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۵۴، ۳۵۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

کن فیکون کی تحقیق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صرف یہ فرماتا ہے ”ہو جا“ تو وہ ہو جاتی ہے۔ اس آیت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس چیز کو یہ خطاب (ہو جا) اس چیز کے وجود میں آنے سے پہلے ہے یا اس چیز کے وجود میں آنے کے بعد ہے، اگر اس چیز کے وجود میں آنے سے پہلے اس کو خطاب ہے تو یہ خطاب بالمعصوم ہے لور یہ باطل ہے لور اگر اس کے وجود میں آنے کے بعد اس کو خطاب ہے تو یہ تحصیل حاصل ہے لور یہ بھی باطل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ ”کن“ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے اس کو فوراً پیدا کر دیتا ہے لور جب

(۱) لام ابو یسٰی محمد بن عیسیٰ تنذی حنفی ۷۹ھ جامع تنذی ص ۳۵۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے لیے فکر، تدبیر، معائنہ اور تجربہ کا محتاج نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ”کن“ سرعتِ تخلیق سے استعارہ ہے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو تمام اشیاء کا علم تھا، اللہ تعالیٰ جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے اس کی صورتِ ملیہ کی طرف متوجہ ہو کر فرماتا ہے ”کن“ یعنی خارج میں موجود ہو جا تو وہ چیز ہو جاتی ہے، پس تحصیلِ حاصل لازم آئی نہ خطاب بالمعصوم۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر لفظ ”کن“ سرعتِ تخلیق سے استعارہ ہے تو پھر زمین اور آسمان کی پیدائش چھ دنوں میں کس طرح ہوئی اور انسان کی پیدائش نو ماہ میں کیوں ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کی پیدائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے تدریجِ مقدر کی ہے اور اس تدریج کے لیے جتنا عرصہ مقرر کیا ہے وہ اس عرصہ کے بعد فوراً ہو جاتی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ وہ جس چیز کو جب اور جتنے وقت میں پیدا کرنا چاہے وہ اس وقت میں علی الفور پیدا ہو جاتی ہے، بعض چیزوں کو وہ ماہ سے پیدا کرتا ہے اور بعض چیزوں کو وہ بغیر ماہ کے پیدا کرتا ہے جیسے نفسِ ملوہ کو، یا روح کو، لیکن وہ اپنی تخلیق میں ماہ کا محتاج ہے نہ وقت کا محتاج ہے، نہ منصوبہ بندی اور تجربہ کا محتاج ہے وہ جس چیز کو جب چاہتا ہے، جیسے چاہتا ہے، جتنے عرصہ میں چاہتا ہے فوراً پیدا کر دیتا ہے، یہی ”کن“ فیکون کا مطلب ہے۔

مشرکین کے فرمائشی معجزات اور مطالبات پورا نہ کرنے کی وجوہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جاہلوں اور مشرکوں نے کہا، اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اس سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا۔ الایۃ۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکوں نے کہا، اللہ ہم سے کلام کر کے ہمیں محمد ﷺ کی نبوت کے متعلق کیوں نہیں بتاتا تاکہ ہمیں یقین ہو جائے کہ وہ نبی ہیں اور ہم ان پر ایمان لے آئیں، یا ہمارے پاس کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں آتی جو ان کی نبوت پر دلالت کرے، اس سے پہلے یہود اور نصاریٰ یا پچھلی امتوں کے کافروں نے بھی اسی طرح کہا تھا، سرکشی، ہٹ دھرمی، بے ہودہ مطالبوں اور ایمان نہ لانے میں ان کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے ہیں ایمان لانے والوں کے لیے تو ہم نشانیاں بیان کر چکے ہیں۔

جاہل اور مشرک نبی ﷺ سے اس طرح کے مطالبات کرتے تھے :

اور انہوں نے کہا ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں، یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر آپ اس کے درمیان بہتی ہوئی نہریں جاری کر دیں یا جیسے آپ نے کہا ہے کہ آپ ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے حجاب لے آئیں یا آپ کے لیے سونے (کی دھات) کا گھر ہو، یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں، اور ہم آپ کے چڑھنے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں، آپ کہہ دیجئے

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ۚ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ تَحِيْلٍ ۖ وَعِنَبٌ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ۚ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا ۚ أَوْ تَأْتِيَنَا بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ۚ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرَفٍ أَوْ تَرْفَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزَّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرُؤُهُ ۚ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا ۝

(بنو اسرائیل : ۹۳-۹۰)

میرا رب (ایسے لایینی مطالبت کو پورا کرنے سے) پاک ہے میں تو صرف بشر رسول ہوں۔

جس طرح مشرکین مکہ نے نبی ﷺ سے ایمان لانے کے لیے بے سروپا مطالبت کئے تھے، اس طرح اس سے پہلے یہودیوں نے بھی حضرت موسیٰ سے ایسے ہی مطالبت کئے تھے، انہوں نے میدان تیرہ میں کہا ہم ایک قسم کے کھانے پر صبر نہیں کریں گے، انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا ہمارے لیے بھی ایسا خدا بنا دو جیسا ان لوگوں کا خدا ہے، اور انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم خدا کو بالکل ظاہر نہ دیکھ لیں!

اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے ان مطالبت کو جو پورا نہیں کیا اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں :

(۱) جب اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر ایک نشانی پیش کر دی تو وہ ایک مکلف اور انصاف پسند شخص کے ایمان لانے کے لیے کافی ہے اور وہ نشانی قرآن مجید ہے جس کی نظیر لانے سے آج تک ساری دنیا عاجز ہے اور جو شخص کج بحث، کٹ جھٹ اور ہٹ دھرم ہو اس کے لیے ہزاروں نشانیاں بھی نا کافی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے شک یقین کرنے والے لوگوں کے لیے ہم نے نشانیاں بیان فرمادی ہیں۔

اس کی نظیر یہ آیت ہے :

وَقَالُوا كَلَّا اُنْزِلَ عَلَيْنَا آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيَاتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَلَئِنَّمَا اَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُنْزِلُ عَلَيْهِمْ (العنكبوت : ۵۱ - ۵۰)

کافروں نے کہا ان پر ان کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں نازل کی گئیں؟ آپ کیسے کہ نشانیاں تو صرف اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں، کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر ایک (عظیم) کتاب نازل کی ہے جس کو ان پر تلاوت کیا جاتا ہے۔

(۲) اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ہوتا کہ ان فراموشی معجزات کو نازل کرنے سے یہ ایمان لے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان معجزات کو نازل فرماتا لیکن اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ اگر وہ ان کے مطالبت پورے بھی کر دے تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے بلکہ اور ضد بحث کریں گے، اس کی نظیر یہ آیت ہے :

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّا سَمِعَهُمْ وَكَوْنَا لَنُوْلُوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (الانفال : ۲۳)

اور اگر اللہ ان میں کوئی خیر جانتا تو ان کو ضرور سنا دیتا، اور اگر ان کو (ان کے اس حل میں) سنا دیتا تو وہ ضرور اعراض کرتے ہوئے پیٹھ موڑ لیتے۔

(۳) جس قسم کے معجزات کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا ان کو پورا کرنے کے بعد عقل کی آزمائش اور ایمان باغیب کی کوئی محابش نہ رہتی اور یہ چیز اللہ کی حکمت کے خلاف ہے کہ ایمان لانے میں عقل کے امتحان کا کوئی دخل نہ ہو اور غیب پر ایمان نہ ہو کیونکہ جب سب لوگ فرشتوں کو بھی دیکھ لیتے اور خدا کو بھی دیکھ لیتے تو پھر ایمان باغیب نہ رہتا۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاریہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی معجزہ کی فرمائش کرے اور پھر اس کے بعد ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک اور ملیامیٹ کرنے کے لیے آسمانی عذاب نازل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اللہ وہی ہے جو ہلاک کر چکا تھا کہ نبی ﷺ کے ہوتے ہوئے آسمانی عذاب نہیں آئے گا اب اگر ان کے مطالبت پورے

ہونے کے بعد یہ ایمان نہ لاتے اور اللہ تعالیٰ عذاب نازل نہ کرتا تو یہ اس کی سنت کے خلاف تھا اور عذاب نازل کر دیتا تو یہ اس کے وعدہ کے خلاف تھا۔

(۵) جس قدر کثرت کے ساتھ یہ معجزات کا مطالبہ کر رہے تھے اگر اتنے کثیر معجزات آجاتے تو پھر معجزہ معجزہ نہ رہتا بلکہ علوت اور معمول کے مطابق ایک کام ہو جاتا۔

نبی ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کی بحث

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے اور جنہوں کے متعلق آپ سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا۔ جب کفار نے ضد اور غلو سے اپنے فرمائشی معجزات کے مطالبہ پر اصرار کیا اور ایمان نہیں لائے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے صدق پر نشانیوں کا نازل کر دی تھیں، تو نبی ﷺ کو ان کے ایمان نہ لانے پر رنج اور افسوس ہوا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ کا کام تو صرف ایمان لانے والوں کو بشارت دینا اور ایمان نہ لانے والوں کو دوزخ سے ڈرانا ہے، پھر بھی اگر کوئی ایمان نہیں لاتا تو آپ سے ان دوزخیوں کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا جائے گا۔

علامہ ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میرے ماں باپ کے ساتھ کیا کیا گیا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۴۰۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث معضل الاسناد اور ضعیف ہے اور حجت نہیں ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۱، مطبوعہ مکتبۃ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ہم نے کتاب (التذکرہ) میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ماں باپ کو زندہ کیا اور وہ

آپ پر ایمان لے آئے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۹۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ سیوطی لکھتے ہیں :

حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے والدین کے نجات یافتہ ہونے کے متعلق متعدد مسلک ہیں :
مسلک اول : آپ کے والدین کریمین آپ کی بعثت سے پہلے فوت ہو گئے تھے اور جو بعثت سے پہلے فوت ہو گئے تھے ان کو عذاب نہیں ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا

ہم عذاب دینے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج

دیں۔

(بنی اسرائیل : ۱۵)

یہ آیت ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی اور ابوین کریمین کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی، انبیاء سابقین کا زمانہ اس سے بہت بعید تھا کیونکہ ہمارے نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اور ان کے اور ہمارے نبی ﷺ کے درمیان زمانہ فترت (انقطاع نبوت) چھ سو سال ہے، پھر وہ زمانہ جاہلیت میں تھے اور اس وقت شرق اور غرب میں جمالت پھیل چکی تھی، دنیا کے چند علاقوں میں گنتی کے علماء اہل کتب تھے اس کے علاوہ شریعت کی معرفت کے ذرائع معدوم ہو چکے تھے اور آپ کے والدین شریفین نے کہیں سفر نہیں کیا صرف آپ کے

وہ کریمؐ کی عمر اٹھارہ سال تھی اس وقت آپ مدینہ گئے طور وہیں وفات پائی اور جب رسول اللہ ﷺ کی عمر چھ سال کی تھی تو حضرت آمنہ علیہا السلام اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے مدینہ گئیں اور وہیں فوت ہو گئیں اور نبی ﷺ کی بعثت اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تین ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ تھا۔

مسک ملنی : آپ کے ابوین کریمین سے شرک صلور نہیں ہوا، بلکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے جیسے اور بھی کئی عرب تھے، مثلاً زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرہا، امام فخرالدین رازی نے اپنی کتاب اسرار السبل میں لکھا ہے : آذر حضرت ابراہیم کے والد نہیں چچا تھے کیونکہ نبی ﷺ کے آباء و اجداد کافر نہیں تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ وَتَقْلَبُكَ فِي السَّاجِدِينَ (الشعراء : ۲۸)

جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور دیکھتا ہے سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو۔

یعنی آپ کا نور ہمیشہ سجدہ کرنے والوں میں ایک دوسرے سے منتقل ہوتا رہا، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اِنَّمَا الْمُسْمِرُ كَوْنُ نَجَسٍ (النوہ : ۲۸) سب مشرکین محض نجس ہیں۔

اور آپ نے فرمایا میں ہمیشہ طاہرین کی پشتوں سے طاہرات کے رحموں میں منتقل ہوتا رہا، اس لیے واجب ہے کہ آپ کے آباء و اجداد میں سے کوئی مشرک نہ ہو، (امام رازی کا کلام ختم ہوا) نیز احادیث سے ثابت ہے کہ آپ کے تمام آباء اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور خیر تھے کیونکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہر قرن میں بنو آدم کے خیر قرن سے مبعوث ہوا ہوں حتیٰ کہ وہ قرن جس میں مبعوث ہوا، اور امام بیہقی نے دلائل النبوت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب بھی لوگوں کے دو فرقے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے خیر میں رکھا، میں اپنے مل بپ سے پیدا کیا گیا اور مجھے زمانہ جاہلیت کی کسی چیز نے نہیں چھوا، حضرت آدم سے لے کر میرے والدین تک میں ہمیشہ (بیش) نکاح سے پیدا ہوا، زنا سے پیدا نہیں ہوا، میں تم سے خیر (افضل) ہوں اور میرے بپ تمہارے بپ سے خیر ہیں، اور امام عبد الرزاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر دور میں دوئے زمین پر کم از کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے، اس حدیث کی سند امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

اور مومن اور کافر میں مومن خیر ہے قرآن مجید میں ہے :

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ (البقرہ : ۱۷۷)

نبی ﷺ کے آباء ہر زمانہ کے لوگوں میں خیر تھے اور خیر مومن ہے، اور ہر زمانہ میں مومن تھے تو ثابت ہوا کہ آپ

کے تمام آباء ہر زمانہ میں مومن تھے۔

مسک ملث : یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ابوین کریمین کو زندہ کیا حتیٰ کہ وہ آپ پر ایمان لے آئے، امام ابن شامین، حافظ ابو بکر خلیف بغدادی، علامہ سبکی، علامہ قرطبی، محب طبری اور علامہ ناصر الدین دہلوی کا یہی مسلک ہے، انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جس کو امام ابن شامین نے التلخیص والمنسوخ میں، خلیف بغدادی نے السابق

واللاحق میں 'لام دار طنی' اور 'لام ابن عساکر' نے غرائب میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کیا پھر میرے ساتھ ایک گھٹائی پر حجون میں آئے در آن مایکہ آپ غمزہ تھے اور رو رہے تھے 'آپ کلنی دیر ٹھہرے رہے پھر میرے پاس لوٹے اس وقت آپ خوش تھے اور مسکرا رہے تھے آپ نے فرمایا میں اپنی والدہ کی قبر پر گیا تھا میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کو زندہ کر دے 'اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ نے ان کو لوٹا دیا' یہ حدیث محدثین کے اتفاق سے ضعیف ہے، بلکہ ایک قول یہ ہے کہ موضوع ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے 'یہ موضوع نہیں ہے میں نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے' علامہ سیلی نے الروض للانف میں ایک سند سے روایت کیا ہے جس میں مجہول روی ہیں 'حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ آپ کے والدین کو زندہ کر دے 'اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا وہ آپ پر ایمان لے آئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی' اس کے بعد علامہ سیلی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی رحمت اور قدرت اس سے عاجز نہیں ہے 'اور اس کے نبی ﷺ اس لائق ہیں کہ وہ ان کو اس خصوصیت کے ساتھ اپنے فضل و کرم سے نوازے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ابوین کریمین کو زندہ کرنے کی حدیث اور ان کے لیے استغفار کی ممانعت میں کوئی تعارض نہیں ہے (کیونکہ غیر معصوم کے لیے استغفار کرنا ان کے حق میں معصیت کا وہم پیدا کرتا ہے) علامہ قرطبی نے کہانی ﷺ کے فضائل بے شمار ہیں اور ابوین کریمین کو زندہ کرنا عقلاً و شرعاً محل نہیں ہے' کیونکہ قرآن مجید میں بنو اسرائیل کے مقتول کو زندہ کرنے اور اپنے قاتل کی خبر دینے کا ذکر ہے 'اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ قاضی ابوبکر بن العربی مالکی سے کسی نے پوچھا کہ جو شخص یہ کہے کہ نبی ﷺ کے والد دونوں میں ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا وہ ملعون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے (الاحزاب: ۵۷) اور آپ کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ایذا ہو گی کہ آپ کے والد کو جنسی کہا جائے (صحیح مسلم کی جس حدیث میں ہے میرا باپ اور تمہارا باپ جہنم میں ہے اس حدیث میں باپ کا اطلاق بچا پر ہے اور اس سے مراد ابوطالب ہے) علامہ باجی نے بھی المنتقی میں اسی طرح لکھا ہے۔ لام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت طلق بن علی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پالیتا، میں عشاء کی نماز میں ہوتا اور وہ مجھے یا محمد کہہ کر پکارتے تو میں لبیک کہتا۔

(الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۳۳-۲۰۲، ملخصاً مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

علامہ شامی لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ عزت دی کہ آپ کے والدین کریمین کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لے آئے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے جس کو علامہ قرطبی اور حافظ ناصر الدین نے صحیح قرار دیا ہے، اور انہوں نے خلاف قاعدہ موت کے بعد ایمان کا نفع پایا، اس میں نبی ﷺ کو عزت دی ہے جیسے بنو اسرائیل کے مقتول کو زندہ کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کیا اور نبی ﷺ کے ہاتھ پر اللہ نے مردوں کی ایک جماعت کو زندہ کیا۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۹۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں، احادیث صحیحہ میں ہے کہ ابوطیبہ اور حضرت ابن الزبیر نے آپ کے اس خون کو پی لیا جو

آپ نے ان کو بھیجنے کے لیے دیا تھا آپ نے فرمایا میرا خون جس خون کے ساتھ مل گیا اس کو دونخ کی آگ نہیں چھوئے گی تو جس کے شکم میں اس کے خون اور دودھ سے آپ کی پرورش ہوتی رہی اور جو آپ کی خلقت کی اصل ہیں وہ دونخ سے کیونکر نہ محفوظ ہوں گے۔
(تفسیر الفتاویٰ الحلویہ ج ۲ ص ۳۶۵ مطبوعہ مکتبہ حبیبہ کوئٹہ)

وَلَكِنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۖ

اور یہ یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے حتیٰ کہ آپ ان کی ملت کی پیروی کریں،

قُلْ إِن هُدَىٰ اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ

آپ کہیے کہ اللہ کی (دی ہوئی) ہدایت ہی (حقیقت میں) ہدایت ہے، (اور اے مخاطب!) جب کہ تیرے پاس علم آچکا ہے

الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۚ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝۱۳۰

اے بعد! جس نے ان کی خواہشوں کی پیروی کی، تو تجھے اللہ کے مذاب سے بچانے کیلئے نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی مددگار ○

الَّذِينَ اتَّبِعَهُمُ الْكِتَابُ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ ۖ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جو تلاوت کرنے کا حق ہے دی اس پر ایمان

بِهِ ۖ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ ۖ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝۱۳۱

رکتے ہیں اور جو اس کا کفر کرتے ہیں سو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں ○

یہود و نصاریٰ کی عدم اطاعت کی خبر کا قرب قیامت میں ان کے ایمان لانے کی آیت سے تعارض اور اس کا جواب اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ بتا دیا تھا کہ اگر یہود و نصاریٰ آپ کی مسلسل تبلیغ کے باوجود

ایمان نہیں لاتے تو آپ پریشان نہ ہوں اور غم نہ کریں یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور نہ آپ سے ان کے متعلق

بہتر پرس ہوگی، مدینہ منورہ میں آنے کے بعد جب نبی ﷺ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں تو اس سے

یہود کو یہ امید ہو چلی تھی کہ شاید نبی ﷺ ان کے محرف شدہ دین میں ان کی موافقت کر لیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے

ہوئے اور یہود و نصاریٰ کے ایمان لانے کی توقع کو منقطع کرتے ہوئے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں

ہوں گے جب تک آپ ان کی ملت یعنی ان کے تحریف شدہ دین کی پیروی نہ کر لیں اور ظاہر ہے کہ یہ محال ہے، پھر اللہ

تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کو بتادیں کہ حقیقت میں ہدایت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے یعنی ان کا محرف شدہ دین

ہدایت نہیں ہے، ملت کا معنی ہم ”ملک یوم الدین“ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔

اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور سورہ نساء

میں فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے تمام اہل کتب ایمان لے آئیں گے اور یہ کلاما ہوا تعارض ہے وہ آیت یہ ہے :

وَلَنْ يَمُنَ أَهْلُ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ
مَوْتِهِ (النساء : ۱۵۹)
عیسیٰ بن مریم کی موت سے پہلے اہل کتب میں سے ہر
فصل ان پر ایمان لے آئے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سورہ بقرہ میں یہود و نصاریٰ کے حسد اور بغض کی وجہ سے ان کے ایمان لانے کی نفی فرمائی ہے اور قرب قیامت میں نزول مسیح کے وقت جب یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو دین اسلام اور حضرت سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کی پیروی کرتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کا حسد اور بغض زائل ہو جائے گا اور ان پر آپ کی حقانیت واضح ہو جائے گی اور وہ سب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

بعض آیات میں بہ ظاہر رسول اللہ ﷺ سے اور حقیقت میں مسلمانوں سے خطاب ہوتا اس کے بعد فرمایا ہے اگر آپ نے وحی نازل ہونے کے بعد بھی بہ فرض محل یہود و نصاریٰ کی خواہشات کی پیروی کی تو آپ کو (معاذ اللہ) اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا، اس آیت میں مسلمانوں سے تعریضاً "خطاب ہے" تعریض اس کو کہتے ہیں کہ صراحتہ "اور بہ ظاہر کسی سے خطاب ہو اور حقیقتہً "دوسروں سے خطاب ہو" اسی طرح اس آیت میں بھی بہ ظاہر صراحتہً "تو رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے اور تعریض عام مسلمانوں سے ہے" یعنی جب کہ رسول اللہ ﷺ کا ان کی اتباع کرنا محل ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ وعید سنائی ہے تو عام مسلمانوں کی طرف یہ وعید بہ طریق اولیٰ متوجہ ہے۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے :

لَنْ أَشْرَكَتَ لِيَحْبُطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر : ۶۵)
اگر (بہ فرض محل) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے
اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

اس آیت میں بھی عام مسلمانوں کو تعریض ہے بہ ظاہر صراحتہً "خطاب آپ سے ہے اور مراد عام مسلمان ہیں" یعنی اگرچہ آپ کا شرک کرنا محل ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس محل کی تقدیر پر جب یہ وعید سنائی ہے تو اگر عام مسلمان شرک کریں تو ان کی طرف یہ وعید بہ طریق اولیٰ متوجہ ہوگی۔

تورات اور انجیل کی تلاوت کا ناجائز ہونا اور قرآن مجید کی تلاوت کے آداب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جو تلاوت کرنے کا حق ہے وہی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے مراد اہل کتب ہیں یا مسلمان، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اہل کتب ہیں کیونکہ اس سے پہلی آیات میں بھی اہل کتب کا ذکر ہے اور پہلے اہل کتب میں ان لوگوں کی مذمت کی تھی جنہوں نے تورات میں تحریف کی اور کج بخشی اور ہٹ دھرمی کا اظہار کیا، اور اب ان اہل کتب کا ذکر ہے جنہوں نے تحریف نہیں کی تورات میں نبی ﷺ کی نشانیاں پڑھ کر آپ پر ایمان لے آئے، جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور تورات کی تلاوت کرنا جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو بغیر تحریف کے پڑھنا، یا اس کو پڑھ کر اس کے احکام پر عمل کرنا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان لوگوں سے مراد مسلمان ہیں اور کتب سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جو کتاب کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جو تلاوت کرنے کا حق

ہے، اس کثرت میں کتب کی تلاوت کرنے کی تعریف کی ہے اور اس پر برا لکھو کیا ہے اور یہ صفت صرف قرآن مجید کی ہے، تورات اور انجیل کی نہیں ہے، کیونکہ ان کی تلاوت اب جائز نہیں ہے، حافظ البیہقی نے لام بزار کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تورات پڑھ رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ کا چہرہ خیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا اگر اب موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری تبلیغ کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۲ھ)

اس لیے متعین ہو گیا کہ یہاں کتب سے مراد قرآن مجید ہے اور اس کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ :

(۱) قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے اس کے معانی میں غور و فکر کرنا۔

(۲) اگر جنت یا آیت رحمت کو پڑھے تو اس کو طلب کرے۔ عذاب کی آیت پڑھے تو اس سے پہلے مانگے، اگر نیک لوگوں کی صفات پڑھے تو ان کو اپنانے کی دعا کرے، برے لوگوں کا ذکر پڑھے تو ایسے اعمال سے محفوظ رہنے کی دعا کرے، احکام کی آیات پڑھے تو ان پر عمل کرنے کی توفیق طلب کرے۔

(۳) قرآن مجید کی تلاوت اس طرح کرے کہ اس کے تقاضوں پر عمل کرے۔

(۴) قرآن مجید کو خشوع اور خضوع سے پڑھے، آیات غضب کو پڑھ کر اس پر خوف طاری ہو اور اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، اپنے گناہوں پر اٹک نہ امدت بہائے۔

(۵) قرآن مجید کی محکم آیات پر عمل کرے، تشابہات پر ایمان لائے اور ان کا معنی اور مراد اللہ تعالیٰ کی طرف منوض کر دے۔

قرآن مجید کی تلاوت کے آداب کا ہم نے اس کتاب کے مقدمہ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنْتُمْۤ اَنْتُمْۤ

اے بنو اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی ہیں، اور بیشک میں نے تم کو (نہاے زمانہ میں) تمام

فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۳۰ وَاتَّقُوا یَوْمًا لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ

جہانوں پر فضیلت دی ہے ۝ اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی شخص کی

نَفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ

طوف سے کوئی بدلہ نہیں دے گا، اور نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ (توان) قبول کیا جائے گا اور نہ کسی شخص کو (بلا اذن) کسی کی

لَا هُمْ یُنصَرُوْنَ ۝۱۳۱ وَاِذَا ابْتَلٰی اٰبْرٰهٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاتَمَمَّنَّ

نہیں بچ سکتے، اسناد تک مذکور ہے ۝ اور جب کئی باتیں ایمان پر آئیں ان کے رتبے انہیں کی ترانہ میں (اسم کو) دیا

قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي

کر دیا، اللہ نے فرمایا بیشک میں تم کو (تمام) لوگوں کا امام بنانے والا ہوں، (ابراہیم نے) کہا اور میری اولاد سے بھی

قَالَ لَا يَنْكَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿۱۲۳﴾

اللہ نے فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا ۝

نسبت ابراہیم کی وجہ سے یہود و نصاریٰ اور مشرکین پر دین اسلام کا حجت ہونا پہلی دو آیتوں کی تفسیر سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸، ۲۷ میں گزر چکی ہے تیسری آیت میں ارشاد ہے :

”اور جب کئی باتوں میں ابراہیم کے رب نے ان کی آزمائش کی“

اللہ تعالیٰ نے پہلے تفصیل سے بنو اسرائیل پر کیے گئے انعامات کو بیان فرمایا، پھر یہ بیان فرمایا کہ انہوں نے اپنے دین اور اعمال میں کسا کسا بدعات اور خرابیاں پیدا کیں اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ شروع فرمایا، اور اس کی حکمت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے شخص ہیں کہ تمام ادیان اور مذاہب کے پیروکار ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں اور مشرکین مکہ بھی اس پر فخر کرتے تھے کہ وہ حضرت ابراہیم کی اولاد سے ہیں اور خدام حرم ہیں، اور یہود و نصاریٰ بھی ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے اور ان کی اولاد سے ہونے کا شرف ظاہر کرتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا جس سے حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور آپ کے دین کا ان سب پر حجت ہونا لازم آتا ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱) حضرت سیدنا محمد ﷺ کے دین کی خصوصیت حج بیت اللہ ہے، اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ بیت اللہ کا حج حضرت ابراہیم کی یادگار ہے اور اس کا داعی صرف اسلام ہے اس لیے جو حضرت ابراہیم کو ماننے والے ہیں ان پر دین اسلام کو ماننا واجب ہے۔

(۲) جب کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا تو یہود نے اس کا برا مانا، اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ تم حضرت ابراہیم کو ماننے والے ہو اور یہ کعبہ ان ہی کا بنایا ہوا ہے تو اس کے قبلہ بنائے جانے پر تو تمہیں ناراض ہونے کی بجائے خوش ہونا چاہئے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جن کلمات سے آزمائش کی گئی اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ ان کا تعلق بدن کی صفائی اور پاکیزگی سے تھا اور یہ طہارت صرف دین اسلام میں ہے، اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ دین اسلام کو مانیں۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج، چاند اور ستاروں کی خدائی کا انکار کیا اور بت پرستی کا رد کیا اور اسلام بھی اسی کا داعی ہے۔

(۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے کی جگہ مینڈھے کو ذبح کرا دیا، اور اس تاریخ کو سنت ابراہیم کے مطابق قربانی کرنا صرف دین اسلام میں ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان

کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ یہ قرآن کیا ہے؟ فرمایا تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہیں۔ (سنن ابن ماجہ ۲۳۶)
ان کلمات کا بیان جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی گئی
 لام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جن کلمات سے آزمائش کی گئی ان کے متعلق متعدد اقوال ہیں ایک قول یہ ہے :
 عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیس کلمات سے
 آزمائش کی گئی جن میں سے دس کا ذکر سورہ توبہ میں دس کا ذکر سورہ احزاب میں اور دس کا ذکر سورہ مومنین میں ہے سورہ
 توبہ میں جن دس کلمات کا ذکر ہے وہ یہ ہیں :

اَلتَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ
 الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
 وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ
 وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (النوبہ : ۳)

سورہ احزاب میں ان دس کلمات کا ذکر ہے :

اِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ
 وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنِينَ وَالْقَنِاتِ وَالصَّادِقِينَ
 وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ
 وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصِدِّقِينَ وَالْمُتَصِدِّقَاتِ
 وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ
 وَالْحَافِظَاتِ وَالَّذِينَ كَرِهَ اللَّهُ كَثِيرًا وَالَّذِينَ كَرِهَ
 اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَآجْرًا عَظِيمًا (الاحزاب : ۳۵)

توبہ کرنے والوں، عبادت کرنے والوں، حمد کرنے والوں،
 روزہ رکھنے والوں، رکوع کرنے والوں، سجدہ کرنے والوں، نیکی کا
 حکم دینے والوں، برائی سے روکنے والوں، اللہ کی حدود کی حفاظت
 کرنے والوں، اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان
 والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار
 عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور
 صبر کرنے والی عورتیں، خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے
 والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی
 عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور
 اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرم گاہوں
 کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والے
 مرد اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والی عورتیں اللہ نے ان سب کے
 لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اور سورہ مومنین میں جن دس کلمات کا ذکر ہے وہ یہ ہیں :

بے شک ایمان والے کامیاب ہوئے جو اپنی نماز خشوع
 سے پڑھتے ہیں اور جو بے ہوش ہوتوں سے اعراض کرتے ہیں اور
 جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ماسوا
 اپنی بیویوں اور باندیوں کے بے شک اس میں ان پر کوئی ملامت
 نہیں اور جو اس کے سوا کسی اور کو طلب کرے تو وہی لوگ اللہ
 کی حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں اور جو اپنی لبتوں اور اپنے

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي
 صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ
 مُعْرِضُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۝
 وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَى
 أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝
 فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَدَّاءَ فُلَيْكٍ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝

وَالَّذِينَ هُمْ لَا مُنْتِهِمُ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ
عَلَىٰ صَلَواتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ (المؤمنون: ۹-۱۰) (۷) حفاظت کرتے ہیں۔

لور طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دس کلمات سے آزمائش کی گئی پانچ کا تعلق سر کی طہارت سے لور پانچ کا تعلق باقی جسم کی طہارت سے ہے وہ دس کلمات یہ ہیں :
امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ دس چیزیں فطرت سے ہیں (سنت ہیں) مونچھیں کم کرنا، ڈاڑھی بڑھانا،
مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن تراشنا، انگلیوں کے جوڑ دھونا، بغل کے بل نوچنا، زیر ناف بالوں کو مونڈنا، استنجاء کرنا
رلوی نے کہا میں دسویں چیز بھول گیا البتہ وہ کلی کرنا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۹، مطبوعہ نور محمد اصرار المطابع کراچی ۱۹۷۵ء)
ان دس چیزوں کی مکمل تشریح ہم نے شرح صحیح مسلم جلد اول میں کردی ہے۔

لور حنش نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کلمات کی تفسیر میں جسمانی طہارت کے علاوہ مناسک حج کا بھی
ذکر کیا ہے اور ان میں طواف، سعی، رمی جمار اور وقوف عرفات کا ذکر کیا ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۱۵-۳۱۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۹۷۰ء)

امام کالغوی معنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : میں تم کو (تمام) لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

امام اس کو کہتے ہیں جس کی اقتداء کی جائے، خواہ وہ انسان ہو جس کے قول اور فعل کی اطاعت اور اتباع کی جائے، یا
کتاب ہو جس میں مذکور احکام کی اطاعت کی جائے، اور خواہ وہ امام حق ہو یا باطل، قرآن مجید میں ہے :

يَوْمَ نَذْعُو كُلَّ اُنَاٍٍ بِاِمَامِهِمْ
(بنو اسرائیل : ۷) گے۔

اس آیت میں امام سے مراد وہ شخص ہے جس کی اقتداء کی گئی ہو، خواہ وہ حق ہو یا باطل، لور ایک قول یہ ہے کہ اس
سے مراد کتاب ہے۔

نیز قرآن مجید میں ہے :

وَكُلَّ شَيْءٍ اَخَصَيْنَاهُ فِى اِمَامٍ مُّبِينٍ
(یسسن : ۱۲)

اس آیت میں امام سے مراد لوح محفوظ ہے۔ (المفردات ص ۲۳، مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

اہل سنت کے نزدیک امام کا شرعی معنی

جب امام کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی منہاج نبوت پر امور دین میں پیروی کی جائے،
لور اس کا مصداق انبیاء علیہم السلام، خلفاء راشدین، قضاۃ، فقہاء، ائمہ اور نماز کے امام ہیں، انبیاء علیہم السلام اس لیے امام
ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امور دین میں ان کی اتباع اور اقتداء لازم کردی ہے، اور خلفاء راشدین اس لیے امام ہیں کہ نبی ﷺ

نے ان کی امام لازم کر دی ہے، حضرت عیاض بن سلمیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری سنت کی پیروی کرو اور میرے خلفاء راشدین کی پیروی کرو (۱) اور فضلاء، فقہاء، ائمہ مجتہدین، اور ائمہ تفسیر و حدیث بھی امام ہیں کیونکہ یہ سب اولی الامر میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اولی الامر کی اطاعت کو بھی لازم کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء: ۵۹)

اور ان کی جو تم میں سے صاحبان امر ہیں۔

اور نماز کے امام کو اس لیے امام کہا جاتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: امام کو اس لیے امام بتایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جب وہ قیام کرے تو قیام کرو، جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے تو سجدہ کرو (۲) انبیاء علیہم السلام کا امامت میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے، پھر خلفاء راشدین ہیں، پھر علماء، فقہاء، ائمہ مجتہدین، علل قاضی اور نماز کے امام ہیں، اور جب امام سے مراد امام باطل ہو تو اس کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ ہوتا ہے جس سے اس پر دلالت ہو کہ یہ امام باطل مرلہ ہے، قرآن مجید میں ہے:

فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ (التوبہ: ۳)

کفر کے اماموں سے قتل کرو۔

وَجَعَلْنَا هُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى الْتَارِ (القصص: ۳۱)

ہم نے ان کو ایسا امام بتایا کہ وہ لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔

ہر چند کہ امام کا اطلاق، خلفاء راشدین، فقہاء، ائمہ مجتہدین اور ائمہ مساجد پر بھی ہوتا ہے لیکن اس جگہ امام سے مراد نبی ہے، کیونکہ اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خطاب ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب بہ طور امتنان اور احسان ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس سے امامت کا اعلیٰ درجہ مراد لیا جائے اور وہ نبوت ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ الناس میں امام استغرق ہے اور اس کا معنی ہے میں تم کو تمام لوگوں کا امام بنانے والا ہوں، اور جو تمام لوگوں کا امام ہو وہ نبی ہوتا ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ یہاں امام سے مراد امام معصوم ہے کیونکہ جب حضرت ابراہیم نے کہا اور میری اولاد سے بھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا امد ظالموں کو نہیں پہنچتا، اور امام معصوم صرف نبی ہوتا ہے، اس لیے اس آیت میں امام سے مراد نبی ہے۔

تمام مسلمانوں کے امیر کو بھی امام کہتے ہیں، اس کی تعریف یہ ہے جو شخص نبی ﷺ کا نائب اور خلیفہ ہو اور اس کو دین اور دنیا کے تمام امور میں ریاست علمہ حاصل ہو، علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ امت کے لیے ایک امام ضروری ہے جو دین کے احکام کو زندہ کرے، سنت کو قائم کرے، مظلوموں کے ساتھ انصاف کرے اور حق داروں کو ان کے حقوق پہنچائے، امام کے تقرر کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ مکلف ہو، مسلمان ہو، نیک ہو، آزاد ہو، موہو، مجتہد ہو، بملور ہو، صاحب رائے ہو، سچ، بے ریا اور باطنی ہو، اور قرشی ہو، اس کے لیے ہاشمی ہونا، معصوم ہونا اور سب سے افضل ہونا ضروری نہیں ہے۔

(شرح القاصد ج ۵ ص ۳۳۳-۳۳۲، مطبوعہ منشورات الرضی ایران، ۱۳۰۹ھ)

احل تشیع کے نزدیک امامت کا شرعی معنی اور بحث و نظر

محققین شیعہ کی کتب تفسیر نمونہ میں لکھا ہے:

(۱) امام ابوہریرہ سلیمان بن اشعث حنفی ۷۵ھ، سنن ابوہریرہ ج ۲ ص ۲۷۹، مطبوعہ مطبع مجلیٰ پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ

(۲) امام محمد بن اسماعیل بخاری حنفی ۲۵۶ھ، معجم بخاری ج ۱ ص ۳۱، مطبوعہ نور محمد اربع المصاحف کراچی، ۱۳۸۸ھ

دنیلوی حکومت یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی حدود کو جاری کرنا اور دینی تربیت یعنی لوگوں کے ظاہر و باطن کو شریعت کے مطابق اور پاک اور صاف بنانا ان دونوں منصبوں کا مجموعہ امامت ہے، اور یہ مرتبہ رسالت اور نبوت سے بلند تر ہے، کیونکہ رسالت اور نبوت سے صرف اللہ کے احکام کی تبلیغ کی جاتی ہے اور لایا جاتا ہے اور خوشخبری دی جاتی ہے، اور امامت میں اس کے ساتھ ساتھ ظاہر اور باطن کی تربیت بھی کی جاتی ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ امامت کا معنی صرف اراء و طرق (نیکی کا راستہ دکھانا) نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ایصل بہ مطلوب (صلح مومن بنانا) ہے۔ امام کا یہ منصب بارہ اماموں پر صلوق آتا ہے، اور بعض بزرگ انبیاء علیہم السلام کو بھی امامت کا یہ منصب حاصل ہے۔

نبوت کا معنی ہے اللہ کی وحی کو حاصل کرنا، رسالت کا معنی ہے، وحی الہی کی تبلیغ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو بندوں تک پہنچانا، اور امامت کا معنی ہے دنیا میں احکام الہی کو جاری کرنا اور خلق خدا کے ظاہر اور باطن کو نیک بنانا، خلاصہ یہ ہے کہ نبوت اور رسالت کا منصب اراء و طرق ہے اور امامت کا مرتبہ ایصل بہ مطلوب ہے۔

(تفسیر نمونہ ج ۱ ص ۴۳۱-۴۳۸، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۶۹ھ)

علماء شیعہ کا یہ کہنا کہ امامت کا منصب ایصل بہ مطلوب ہے، اس لیے صحیح نہیں ہے کہ پھر اماموں کو چاہیے تھا کہ وہ اپنے اپنے زمانوں میں سب لوگوں کو مومن بنادیتے اور کوئی کافر، مشرک اور فاسق و فاجر باقی نہ رہتا، تفسیر نمونہ میں اس کا یہ جواب لکھا ہے کہ ائمہ لوگوں کو جبرا "مسلمان نہیں بناتے بلکہ ان کو ان کے اختیار سے مسلمان کرتے ہیں جیسے سورج موجودات کی تربیت کرتا ہے یا بارش زمین کو زندہ کرتی ہے پھر بھی بہت سی زمینیں مردہ ہیں" (تفسیر نمونہ ج ۱ ص ۴۳۵)

اس جواب سے ان کو نجات نہیں ملے گی یہ جواب اس وقت صحیح ہوتا جب ائمہ کا منصب صرف اراء و طرق یعنی راستہ دکھانا ہوتا خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے، لیکن اس کے برعکس شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ کا منصب ایصل بہ مطلوب ہے اور ظاہر اور باطن میں ہدایت کو پہنچانا ہے تو کیوں نہ ائمہ نے کافروں اور فاسقوں کے باطنوں میں انقلاب برپا کیا اور ان کے دلوں کی کجی کو سیدھا کیا اور کیوں نہ ان کو مسلمان اور صلح بنایا، اس اعتراض سے ان کی جان نہیں چھوٹ سکتی حتیٰ کہ شیعہ یہ اقرار کر لیں کہ ایصل بہ مطلوب صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور انبیاء علیہم السلام اور ائمہ دونوں کا منصب اراء و طرق یعنی راستہ دکھانا ہے، ائمہ کو انبیاء سے بڑھانے کے شوق میں شیعہ نے یہ کہا کہ انبیاء اور مرسلین صرف اراء و طرق کرتے ہیں اور ائمہ ایصل بہ مطلوب کرتے ہیں۔

امامت کو نبوت اور رسالت سے بڑھانے کے لیے شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کو نبوت کے بعد امامت ملی اس سے معلوم ہوا کہ امامت کا مرتبہ نبوت سے زیادہ ہے یہ کہنا بھی غلط ہے اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امام بنانے سے شیعہ کی اختراعی امامت مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بعد میں آنے والے تمام انبیاء اور مرسلین کا مبداء اور باپ بنادیا اور بعد کے تمام انبیاء آپ کی نسل سے مبعوث ہوئے۔

علماء شیعہ کا بارہ اماموں کو انبیاء اور رسل سے افضل اور بلند تر قرار دینا صریح کفر ہے اور بدعت "باطل ہے" قرآن

مجید میں ہے :

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ

عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ (آل عمران : ۳۳)

بے شک اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم، اور آل عمران کو

تمام جہان والوں پر بزرگی دی ہے۔

رسول اللہ اور کل عمر ان میں ان کی اولاد میں سے انبیاء مرلو ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے لے کر حضرت سیدنا محمد ﷺ تک تمام نبیوں کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے اور تمام جہان والوں میں وہ ائمہ بھی داخل ہیں جو نبی نہیں ہیں پس ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام ان سے افضل ہیں، نیز قرآن مجید میں ہے :

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ الْيَسَى الْمُحْسِنِينَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَعِيسَى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيُوسُفَ وَلُوطًا ۝ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ (الانعام : ۸۶-۸۳)

اور ہم نے ابراہیم کو اسحق اور یعقوب عطا کیے اور ہم نے سب کو ہدایت دی، اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی، اور ان کی اولاد سے داؤد، سلیمان، ایوب، یونس، موسیٰ اور ہارون کو ہدایت دی، اور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں، اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس، یہ سب صالحین میں سے ہیں اور اسماعیل، ایسح، یونس اور لوط (کو بھی ہم نے ہدایت دی) اور ہم نے سب کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے از حضرت نوح تا آخر تمام نبیوں کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے اور تمام جہان والوں میں غیر نبی ائمہ بھی ہیں، لہذا غیر نبی اماموں کا انبیاء اور رسل سے افضل ہونا باطل ہو گیا۔

امام کے معصوم ہونے پر علماء شیعہ کے دلائل اور بحث و نظر ملاحظہ فرمائیے :

تمام علماء امامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ امام تمام گناہوں سے از اول عمر تا آخر معصوم ہوتا ہے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، سوا ہوں یا عمداً اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں :

(۱) امام کو مقرر کرنے کا سبب یہ ہے کہ رعیت سے گناہوں کا صدور جائز ہے، اس لیے کوئی ایسا شخص ہونا چاہئے جو ان کو گناہوں سے باز رکھے اگر امام سے بھی گناہ کا صدور جائز ہو تو اس کے لیے ایک اور امام کی ضرورت ہوگی اور اگر اس سے بھی گناہ کا صدور جائز ہو تو اس کے لیے پھر ایک اور امام کی ضرورت ہوگی اور اس سے تسلسل لازم آئے گا اور وہ باطل ہے اور جو باطل کو مستلزم ہو وہ بھی باطل ہوتا ہے، لہذا امام کا معصوم نہ ہونا باطل ہے۔ یہ دلیل اس لیے صحیح نہیں ہے کہ امت کو گناہوں سے باز رکھنے کے لیے نبی کا وجود کافی ہے اور نبی معصوم ہوتا ہے اور نبی کی وفات کے بعد اس کی تعلیمات کافی اور کافی ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے کسی اور امام معصوم کی ضرورت نہیں ہے اگر امام معصیت کرے گا تو امت کے علماء اور فقہاء قرآن اور حدیث سے اس کی معصیت کی نشان دہی کریں گے اور اگر وہ معصیت پر اصرار کرے گا تو وہ اس کو بشرط استطاعت معزول کر دیں گے۔

(۲) قرآن مجید اور احادیث میں تمام احکام کی تفصیل نہیں ہے، اور غیر معصومین کا اجماع حجت نہیں ہے، لہذا شریعت کی صحت کے لیے اور احکام کی تفصیل کے لیے امام معصوم کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ اگر امام معصوم نہ ہو تو اس کی بتائی ہوئی تفصیل پر اجماع نہیں ہوگا۔

یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اجماع علماء حجت ہے، اگرچہ انفرادی طور پر ہر عالم کی رائے غلط ہو سکتی ہے، لیکن

جب کسی زمانہ کے تمام علماء کسی رائے پر متفق ہو جائیں تو وہ حجت ہو گا کیونکہ کل اور جز کے احکام متضاد ہوتے ہیں، نیز نبی ﷺ کا ارشاد ہے : ایک سے دو بہتر ہیں، دو سے تین بہتر ہیں، تین سے چار بہتر ہیں، تم جماعت کے ساتھ لازم رہو، کیونکہ اللہ عز و جل میری امت کو صرف ہدایت پر ہی مجتمع کرے گا (مسند احمد ج ۱ ص ۳۵، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ) نیز فرمایا میں نے اللہ عز و جل سے یہ سوال کیا کہ وہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۶، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

اور امام ابن ماجہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ (۱) اور امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ امت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گی کسی کی مخالفت اس کو ضرر نہیں پہنچائے گی حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔ (۲) نیز اجتہادی مسائل میں صرف ظن غالب پر عمل کر لینا کافی ہے، خود شیعہ حضرات تمام فروعی مسائل میں ہر دور میں زندہ مجتہد کے اجتہاد اور اس کے فتویٰ پر عمل کرتے ہیں امام غائب کے انتظار میں بیٹھے رہتے، ماباقر مجلسی نے لکھا ہے کہ امام حسن عسکری کا ۲۶۰ھ میں انتقال ہوا تھا اس وقت امام محمد بن الحسن جن کو قائم، امام غائب اور امام خضر کہتے ہیں ان کی عمر پانچ سال تھی وہ اس وقت سے غائب ہیں (۳) تو گویا ۲۶۵ھ سے تمام شیعہ کسی امام معصوم کے بغیر احکام شرعیہ پر عمل کر رہے ہیں لہذا ثابت ہوا کہ حفاظت شریعت کے لیے کسی امام معصوم کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) اگر امام سے خطاء واقع ہو تو لوگ اس کو ملامت کریں گے اور یہ اس کی اطاعت کے وجوب کے متلٰی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء : ۵۹)

اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے صاحبان امر ہیں۔

یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت مستقل ہے، اور صاحبان امر کی اطاعت اسی وقت واجب ہے جب وہ اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق حکم دیں، امام مسلم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان شخص پر خوشی اور ناخوشی میں سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے، ماسوا اس کے کہ اس کو معصیت کا حکم دیا جائے اگر اس کو معصیت کا حکم دیا جائے تو اس پر سننا اور اطاعت کرنا لازم نہیں ہے۔ (۴) اگر امام سے معصیت صادر ہو تو اس کو امام بنانے کی غرض فوت ہو جائے گی کیونکہ اس کو امام بنانے کی غرض یہ تھی کہ تمام امت اس کے اقوال اور افعال کی پیروی کرے۔ (حیات القلوب ج ۳ ص ۱۵، مطبوعہ کتب فروغ اسلامہ تہران)

یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ تمام امت پر جس کے تمام اقوال اور افعال کی پیروی لازم ہے وہ صرف نبی ﷺ کی ذات گرامی ہے اور امام کا کام صرف اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کے احکام پر عمل کرنا ہے، نیز امام محمد بن حسن تو ۲۶۵ھ کے بعد

(۱) امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۲۸۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۲) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

(۳) ملا محمد باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ، جلاء العیون (مترجم) ج ۲ ص ۷۹، مطبوعہ لاہور

(۴) امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ

مذہب ہو گئے تھے تو وہ اس کے بعد سے لے کر اب تک کون سے امام معصوم کے تمام اقوال اور افعال کی پیروی لازم ہے؟
 علامہ شیعہ کے نزدیک اللہ اور رسول کی تصریح سے امام کا تقرر اور بحث و نظر
 مباحتر مجلسی لکھتے ہیں :

علامہ لامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ امام اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مخصوص ہونا چاہئے، اور اس پر حسب ذیل
 دلائل ہیں

(۱) امام کا معصوم ہونا ضروری ہے، اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کون معصوم ہے، لہذا وہی امام کا تقرر کر سکتا ہے۔
 یہ دلیل امام کے معصوم ہونے پر مبنی ہے اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ امام کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔
 (۲) نتیجہ اور استقرار سے معلوم ہے کہ اگر کوئی قاہر حاکم نہ ہو جو لوگوں کو ایک دوسرے پر زیادتی اور فسلو سے نہ روکے تو
 خلق خدا فساد کرتی ہے، اس لیے شریعت کے مطابق اصلاح کے لیے ہر زمانہ میں امام معصوم کا تقرر کرنا لازم ہے اگر اللہ
 تعالیٰ ایسا نہ کرے تو لازم آئے گا کہ وہ فسلو سے راضی ہے اور یہ محل ہے۔
 یہ دلیل اس لیے صحیح نہیں ہے کہ فسلو کو روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا اور ان پر
 شریعت نازل کی اور نبی ﷺ کی شریعت قیامت تک کے لیے ہے، اور خلفاء راشدین اور ہر زمانہ میں علماء ربانین اس
 شریعت پر عمل کرانے کی جدوجہد کرتے رہے ہیں اور اس جدوجہد کے نتیجہ میں فسلو کا ختم ہونا لازم نہیں ہے، کیونکہ رسول
 اللہ ﷺ کے دور میں منافقین فسلو کرتے رہے، حضرت علی کے دور میں خارجی فسلو کرتے رہے، اور اسی طرح باقی گیارہ
 اماموں کے دور میں فسلو ہوتا رہا، نیز ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ہر زمانہ میں اللہ کی طرف سے امام معصوم منصوص ہوتا ہے جو
 شریعت پر عمل کرائے اور فسلو دور کرے تو امام حسن عسکری متوفی ۳۸۵ھ کے بعد کون فسلو کو دور کر رہا ہے؟ کیونکہ امام محمد
 بن حسن تو سازمے گیارہ سو سال سے غائب ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر جو شفقت ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمانوں کا کوئی خلیفہ ہو اور
 مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت امیر المومنین (علی) علیہ السلام کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کی امامت کی
 تصریح نہیں کی۔

یہ صراحہً غلط ہے اس کے برعکس مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی
 امامت کی تصریح کی ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ
 ﷺ نے اپنی بیماری کے ایام میں فرمایا : میرے لیے اپنے باپ ابو بکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ حتیٰ کہ میں ان کو ایک مکتوب لکھ
 دوں، کیونکہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کہے گا کہ میں ہی زیادہ (خلافت کا) حقدار ہوں اور اللہ
 اور مسلمان ابو بکر کے سوا ہر ایک کا انکار کر دیں گے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۴۵۵ھ)
 اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۶، ج ۲ ص ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۴۵۸ھ)

(۴) رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب غزوات میں تشریف لے جاتے تو کسی کو اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کر کے جاتے
 اس لیے ضروری ہوا کہ وفات کے وقت بھی آپ کسی کو مقرر کرتے۔
 (حیات القلوب ج ۳ ص ۲۷۳)

مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران)

ہاں! لیکن اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ آپ حضرت علی کو مقرر کرتے، آپ نے پیام مرض میں حضرت ابو بکر کو نمازوں کا امام مقرر کیا اور حضرت عائشہ سے حضرت ابو بکر کے لیے امر خلافت لکھنے کا اظہار کیا، ان تمام دلائل سے متعین ہے کہ آپ کے نزدیک آپ کے بعد حضرت ابو بکر ہی خلیفہ ہونے تھے۔

علماء شیعہ کے نزدیک امام کو مقرر کرنے کا اللہ پر وجوب اور بحث و نظر مباحثہ مجلسی لکھتے ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ کا بندوں پر لطف کرنا اور ان کے حق میں زیادہ بہتر کام کو کرنا واجب ہے، اور مسلمانوں کے لیے امام کا وجود اللہ کا لطف ہے۔

یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر بندوں کے حق میں زیادہ بہتر کام کرنا اللہ پر واجب ہو تو بندوں کے حق میں تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ بغیر امام کے از خود نیک کام کریں، کیونکہ کسی کے نیک بنانے کے بعد نیک بننے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ انسان از خود نیک ہو، اور صحیح بات یہ ہے کہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

(۲) تحریف، تغیر، زیادتی اور کمی سے حفاظت کے لیے رسول اللہ ﷺ کی شریعت کا کوئی محافظ ضروری ہے، اور قرآن مجید میں جو احکام مجمل ہیں ان کی تفصیل کے لیے اور استنباط احکام کے لیے امام ضروری ہے، اس لیے نبی ﷺ نے وفات کے وقت کاغذ اور قلم طلب کیا تھا تاکہ آپ امت کے لیے ایسا مکتوب لکھ دیں جس کے بعد امت ہرگز گمراہ نہ ہو سکے، لیکن ایک شخص نے کہا، ہمیں قرآن کافی ہے، حالانکہ وہ شخص قرآن مجید کی ایک آیت کی بھی تفسیر نہیں جانتا تھا، اور امام باقر نے معتبر سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف ڈرانے والے تھے اور ہدایت دینے والے حضرت علی تھے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے :

إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ
(الرعد: ۷) دینے والا ہے۔

اور سند صحیح کے ساتھ امام باقر سے منقول ہے کہ اس آیت میں حاوی سے مراد امام ہے یعنی ہر زمانہ میں اللہ کی طرف سے لوگوں کا ایک امام ہو گا جو ان کو ہدایت دے گا اور حلال اور حرام بیان کرے گا۔

(حیات القلوب ج ۳ ص ۳-۴ ملخصاً، مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران)

یہ دلیل کئی مغالطہ آفرینیوں پر مبنی ہے، قرآن مجید کی حفاظت کا خود اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے اس کے لیے الگ محافظ کی ضرورت نہیں ہے، اور قرآن مجید کے احکام کی تفصیل اور استنباط مسائل کے لیے احادیث اور ائمہ مجتہدین کافی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے جو کاغذ اور قلم لانے کا حکم فرمایا تھا یہ حتمی حکم نہیں تھا ورنہ آپ کو کاغذ اور قلم منگوانے سے کون روک سکتا تھا، اور حضرت عمر کا منع کرنا صرف رسول اللہ ﷺ کو حالت مرض میں زحمت نہ دینے کے لیے آپ کی محبت کے پیش نظر تھا، دین مکمل ہو چکا تھا اور تکمیل دین کی آیت نازل ہو چکی تھی، اگر حضرت عمر کا جواب غلط تھا تو رسول اللہ ﷺ اس کو مسترد کر دیتے کیونکہ نبی ﷺ کی یہ شان نہیں ہے کہ آپ کے سامنے کوئی غلط بات کہی جائے اور آپ اس پر سکوت فرمائیں، اور کاغذ اور قلم منگوانے سے یہ کب لازم ہے کہ آپ امام کو نامزد کرنے کے متعلق لکھوانا چاہتے تھے اور

امام علی کے حلق لکھواتا چاہتے تھے تو یہ کب لازم ہے کہ حضرت علی کو امام لکھواتا چاہتے تھے بلکہ آپ حضرت ابو بکر کے حلق لکھواتا چاہتے تھے جیسا کہ ہم صحیح مسلم سے حضرت عائشہ کی روایت نقل کر چکے ہیں۔ حدیث قرطاس کی مکمل بحث ہم نے شرح صحیح مسلم جلد رابع میں کر دی ہے، اور رہا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ صرف ڈرانے والے تھے اور حلوی حضرت علی تھے قرآن مجید کی معنوی تحریف ہے سیاق سبق کے ساتھ یہ آیت اور اس کا صحیح ترجمہ اس طرح ہے :

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد : ۷)

اور کافر کہتے ہیں ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ نازل ہوئی؟ (یہ آپ کا کام نہیں) آپ تو صرف (عذاب سے) ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ عذاب سے ڈرانے کے ساتھ ہدایت بھی دیتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَأَنكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (الشوری : ۵۲) اور بے شک آپ ضرور صراط مستقیم کی ہدایت دیتے ہیں۔

اس سے بڑا اور کیا ظلم ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ڈرانے والا اور آپ کے مقابلہ میں حضرت علی کو ہدایت دینے والا کہا جائے۔

اہل تشیع کے بارہ اماموں کا بیان :
ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں :

شیعہ اہل لوگوں کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ مانتے ہیں، اور امامیہ اور اثنا عشریہ اہل لوگوں کو کہتے ہیں جو قائم حضرت محمدی تک بارہ اماموں کو مانتے ہیں اور ان کو امام اور اللہ اور رسول کا خلیفہ جانتے ہیں اور امام کے لیے معصوم ہونے کو شرط مانتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علی (۱) متوفی ۴۰ھ کو امام اور خلیفہ مانتے ہیں اور ان کے بعد حضرت حسن بن علی (۲) متوفی ۴۹ھ، اور ان کے بعد حضرت حسین (۳) متوفی ۶۱ھ، ان کے بعد حضرت زین العابدین (۴) متوفی ۹۵ھ، ان کے بعد حضرت محمد باقر (۵) متوفی ۱۱۳ھ، ان کے بعد حضرت جعفر بن محمد الصادق (۶) متوفی ۱۴۰ھ، ان کے بعد حضرت علی بن موسیٰ بن جعفر کاظم (۷) متوفی ۱۲۳ھ، ان کے بعد حضرت علی بن موسیٰ الرضا (۸) متوفی ۲۰۳ھ، ان کے بعد حضرت محمد بن علی تقی (۹) متوفی ۲۲۰ھ، ان کے بعد حضرت علی بن محمد تقی (۱۰) متوفی ۲۵۳ھ، ان کے بعد حضرت حسن بن علی عسکری (۱۱) متوفی ۳۲۰ھ اور ان کے بعد حجت 'ابن الحسن محمدی (۱۲) کو امام مانتے ہیں۔ یہ پانچ سلا کی عمر میں عتب ہو گئے تھے اور تامل عتب ہیں (حق الیقین ج ۱ ص ۲۷۹، مطبوعہ کتب فروغ اسلامہ تبرہ ۱۳۵۷ھ) امام عتب کا نام محمد بن الحسن ہے لیکن اصل تشیع کے نزدیک ان کے ظہور سے پہلے ان کا نام لینے کی اجازت نہیں ہے، وہ مخالفین اور دشمنوں کے خوف سے روپوش ہیں۔ ہم نے ان تمام ائمہ کے سین وقت ملا باقر مجلسی کی جلاء العیون سے لفظ کئے ہیں، حق الیقین میں صرف ان کے اسماء لکھے ہیں، سین وقت نہیں ہیں۔

اہل سنت کے نزدیک امامت کو منعقد کرنے کے طریقے

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں : امامت کو منعقد کرنے کے حسب ذیل طریقے ہیں :

(۱) علماء اور رؤسا میں سے ارباب حل و عقد کسی شخص کو امام منتخب کر لیں، اس میں حد کی شرط نہیں ہے اور نہ یہ شرط ہے کہ تمام شہروں کے لوگ اس کی امامت پر اتفاق کریں۔

(۲) امام کسی شخص کو اپنا ولی عہد اور خلیفہ نامزد کر دے، اور اگر وہ اس کام کے لیے ایک مجلس شوریٰ بنادے اور وہ اپنے اتفاق سے کسی شخص کو خلیفہ بنادیں تو یہ بھی صحیح ہے، اگر امام خلافت سے دستبردار ہو جائے تو یہ اس کی موت کے قائم مقام ہے، پھر امامت ولی عہد کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

(۳) کوئی شخص غلبہ اور طاقت سے حکومت پر قبضہ کر لے جب کہ وہ بیعت لینے اور خلافت کی تمام شرائط کا جامع ہو، وہ لوگوں کو اپنی طاقت سے مقہور کرے تو اس کی خلافت منعقد ہو جائے گی، اسی طرح اگر وہ شخص فاسق یا جلیل ہو تو اظہر قول کے مطابق پھر بھی اس کی امامت منعقد ہو جائے گی، لہذا یہ کہ وہ اپنے افعال سے معصیت کرے (یہ استثناء محل نظر ہے کیونکہ فاسق مرتکب معصیت ہی کو کہتے ہیں، یہ ظاہریہ علامہ تفتازانی کا تسلیم ہے۔)

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۲۳۳، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران، ۱۴۰۹ھ)

امامت کے مسائل

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں :

امام علول ہو یا ظالم جب تک وہ احکام شرع کی مخالفت نہ کرے اس کی اطاعت کرنا واجب ہے، اور اظہر قول کے مطابق ایک وقت میں دو اماموں کو مقرر کرنا جائز نہیں ہے، ایک شخص طاقت اور غلبہ سے امام بنا، پھر دوسرے شخص نے طاقت اور غلبہ سے اس کو معزول کر دیا تو اب یہ امام ہو جائے گا، کسی شخص کو بغیر کسی سبب کے امامت سے معزول کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر لوگ اس کو معزول کریں تو یہ عزل نافذ نہیں ہو گا، اگر وہ حکومت چلانے سے عاجز ہو جائے تو پھر معزول ہو جائے گا، فسق اور بے ہوش ہونے سے امام معزول نہیں ہوتا، جنون، اندھا ہونے، بہرا ہونے اور گونگا ہونے اور جس مرض سے وہ تمام علوم بھول جائے ان عوارض سے وہ معزول ہو جائے گا۔

(بہرا ہونا پہلے لایخل مسئلہ تھا، اب حیزنگ ایڈ (آلہ سماعت) کی ابجد کی وجہ سے یہ لایخل مسئلہ نہیں ہے اس لیے اب اس کو مستثنیٰ کرنا لازم ہے) البتہ جس شخص میں بالکل سماعت نہ ہو اس کا معاملہ الگ ہے۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۲۳۳-۲۳۴، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران، ۱۴۰۹ھ)

امامت کے وجوب پر دلائل

امام مقرر کرنے کے وجوب پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

(۱) امام مقرر کرنے کے وجوب پر اجماع ہے حتیٰ کہ صحابہ نے اس معاملہ کو نبی ﷺ کی تدفین پر مقدم رکھا۔
(۲) حدود کو قائم کرنا، احکام شرع کو نافذ کرنا اور مسلمانوں کے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا واجب ہے، اور یہ امور امام پر موقوف ہیں اور واجب کا موقوف علیہ بھی واجب ہوتا ہے۔

(۳) عدل و انصاف کو قائم کرنا، ظلم و جور کو دور کرنا، اور معاش اور معاد کی اصلاح کرنا واجب ہے اور یہ امور امام پر موقوف ہیں۔

(۴) کتاب و سنت سے امام کی اطاعت واجب ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ امام کو مقرر کرنا واجب ہو۔

لام کو مقرر کرنے کے وجہ پر اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے :

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ
مِنْكُمْ (النساء : ۵۹)
اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو
تم میں سے صاحبان امر ہیں۔

اور اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے۔ لام مسلم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

من مات وليس في عنقه بيعة مات ميتة جاهلية
جو شخص کسی کی بیعت کیے بغیر مرادہ جاہلیت کی موت مرا۔
(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

کیا اب لام نہ بنانے کی وجہ سے پوری امت گمراہ ہے؟

واضح رہے کہ لام اس کو کہتے ہیں جو روئے زمین کے تمام اسلامی ملکوں کا واحد امیر ہو، جیسے خلفاء راشدین، خلفاء
بنو امیہ اور خلفاء بنو عباس تھے اور امامت کی شرائط مذکورہ بھی اسی کے لیے ہیں اور جو صرف کسی ایک ملک کا امیر ہو اس کو
سلطان کہتے ہیں جیسے آج کل اسلامی ممالک کے امراء ہیں ان میں سے بعض بادشاہ ہیں، بعض منتخب صدر ہیں اور بعض
مطلق السلطان آمر ہیں جنہوں نے طاقت سے اقتدار پر قبضہ کیا، نہ یہ امام ہیں نہ ان کے لیے امامت کی شرائط ضروری ہیں۔
علامہ تفتازانی لکھتے ہیں :

اگر لام کا مقرر کرنا واجب ہو تو لازم آئے گا کہ اکثر زمانوں میں تمام مسلمانوں نے اس واجب کو ترک کیا ہو، کیونکہ
صفات مذکورہ کا حامل ان زمانوں میں نہیں رہا، خصوصاً خلافت عباسیہ کے ختم ہونے کے بعد، نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد
ہے : ”میرے بعد امت میں خلافت تیس سل رہے گی پھر اس کے بعد طوکت ہو جائے گی۔“ (جامع ترمذی ص ۳۲۳،
مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تیس سل پورے ہو گئے، حضرت معاویہ اور ان
کے بعد کے حکمران طوک اور امراء تھے، ائمہ اور خلفاء نہ تھے، اور تمام مسلمان ترک واجب پر متفق نہیں ہو سکتے، کیونکہ
واجب کو ترک کرنا معصیت اور گمراہی ہے اور پوری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پوری امت کا گمراہ ہونا تب لازم آتا جب وہ قدرت اور اختیار سے اس واجب کو ترک کرتی نہ
کہ محض اور اضطرار سے (اور خلافت عباسیہ ساتویں صدی ہجری میں ختم ہو گئی تھی، اور اسلامی حکومتیں مختلف ملکوں میں
بٹ گئی تھیں اس وقت چالیس سے زیادہ اسلامی ملک ہیں، اور ان سب کا کسی ایک امامت کے ماتحت ہونا بہ ظاہر ممکن نہیں
ہے، اس لیے اس دور کے مسلمان لام کے قائم نہ کرنے میں معذور ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کی مفصل اور مکمل تحقیق شرح
صحیح مسلم جلد خاص میں کی ہے) اور یہ حدیث ہر جہد کہ خبر واحد ہے، تاہم اس کا محمل یہ ہے کہ خلافت کلمہ یا پے در پے
خلافت حلقہ تیس سل تک رہے گی، کیونکہ اس کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس میں خلفاء رہے ہیں۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۳۳۹-۳۳۸، مطبوعہ مشورات الشرف الرضی، ایران، ۱۳۷۹ھ)

فاق کی امامت امت میں فقہاء منبہ کا نظریہ

ظاہر ان قدماہ خطی لکھتے ہیں :

خاصہ یہ ہے کہ تمام مسلمان جس کی امامت اور بیعت پر متفق ہو جائیں اس کی امامت ثابت ہو جائے گی، لام مسلم

نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے دل سے کسی مسلمان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا وہ اس کی حتی المقدور اطاعت کرے، اور اگر کوئی دوسرا شخص اس سے لامت میں نزاع کرے تو اس دوسرے کی گردن اڑا دو، اور حضرت عرفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میری امت کسی ایک شخص کی لامت پر مجتمع ہو پھر کوئی دوسرا شخص اس کے خلاف خروج کرے تو اس کی گردن اڑا دو، خولہ وہ کوئی شخص ہو، اور صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ باغیوں سے قتل کیا جائے گا اور اسی کے حکم میں اس شخص کی لامت ہے جس کو امام اول نے امام مقرر کر دیا ہو جیسے حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو امام بنایا تھا۔ اور اگر کوئی شخص امام کے خلاف خروج کرے اور اپنی طاقت سے اس کو زیر کرے اور اپنی تلوار سے مسلمانوں کو مغلوب کرے حتی کہ وہ اس کی اطاعت کا اقرار کر لیں تو اب وہ امام ہو جائے گا اور اس سے قتل کرنا اور اس کے خلاف خروج کرنا حرام ہو گا کیونکہ عبدالملک بن مروان نے حضرت ابن الزبیر کے خلاف خروج کیا ان کو قتل کر دیا اور تمام ممالک اور ان کے باشندوں پر غلبہ حاصل کر لیا اور سب نے طوعاً و کرہاً اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اب وہ امام ہو گیا اور اس کے خلاف خروج حرام ہو گیا۔

(المنہج ج ۹ ص ۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

فاسق کی امامت امت میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں :

علماء کی ایک جماعت نے لا ینال عہدی الظالمین ”میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا“ سے یہ استدلال کیا ہے کہ امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ صالح ہو اور نظام سلطنت کو قائم کر سکتا ہو، اور امام مسلم نے حضرت عبیدہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے اس بات پر بیعت لی کہ جو شخص امامت کا اہل ہو گا ہم اس سے نزاع نہیں کریں گے (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۵) اور فاسق اور ظالم امامت کے اہل نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لا ینال عہدی الظالمین اسی وجہ سے حضرت ابن الزبیر اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے خروج کیا اور عراق کے صالحین اور علماء نے حجاج کے خلاف خروج کیا، اور اہل مدینہ نے بنو امیہ کے خلاف خروج کیا جس کے نتیجہ میں واقعہ حرہ برپا ہوا۔

اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ظالم امام کی اطاعت پر صبر کرنا اس کے خلاف خروج کرنے سے زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اس کے خلاف خروج کرنے میں امن کو خوف سے بدلنا ہے، خون بہانا ہے، مسلمانوں پر لوٹ مار کا دروازہ کھولنا ہے، اور زمین میں فساد کرنا ہے، بعض معتزلہ اور خوارج کا مذہب اس کے برعکس ہے کہ ظالم امام کے خلاف خروج کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ابن خويز منداو نے کہا ہے کہ ظالم نہ نبی ہو سکتا ہے، نہ خلیفہ، نہ حاکم، نہ مفتی نہ نماز کا امام اور نہ اس کی حدیث کی روایت قبول کی جائے گی، نہ احکام میں اس کی شہادت قبول کی جائے گی، البتہ وہ فسق کی وجہ سے از خود معزول نہیں ہو گا، حتی کہ ارباب حل و عقد اس کو معزول کر دیں، اور اس کے دیئے ہوئے سابقہ احکام میں سے جو صحیح ہوں گے وہ بدستور نافذ رہیں گے، امام مالک نے یہ تصریح کی ہے کہ باغیوں اور خوارج کے احکام میں جو احکام کسی بھی اجتہاد کے اعتبار سے صحیح ہوں ان کو باقی رکھا جائے گا، جب تک کہ وہ نصوص کے مخالف نہ ہوں یا اجماع کے منافی نہ ہوں کیونکہ ان پر صحابہ کا اجماع ہے کہ ایام صحابہ میں خوارج نے خروج کیا اور ان کے احکام کو باقی رکھا گیا انہوں نے جو مسلمانوں سے زکوٰۃ لی تھی اور جو حدود

ہم کی جس کو باطل نہیں قرار دیا گیا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۰۸-۱۰۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)
 حق کی امامت امت میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ
 علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں :

جس چیز پر علماء کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ اگر مسلمان بغیر فتنہ اور ظلم کے امیر کو معزول کرنے پر قادر ہوں تو ان پر اس کا معزول کرنا واجب ہے، ورنہ ان پر صبر کرنا واجب ہے، بعض علماء سے یہ منقول ہے کہ ابتداً "فاسق کو کسی منصب کا امیر بنانا جائز نہیں ہے" اور اگر کوئی امیر پہلے نیک تھا بعد میں فاسق ہو گیا تو اس کے خلاف خروج کرنے میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کے خلاف خروج کرنے سے منع کیا جائے گا الا یہ کہ اس سے کفر صادر ہو پھر اس کے خلاف خروج کرنا واجب ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۸، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۳۰۱ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک تم کسی امام سے علی الاعلان کسی ایسے کفر کو نہ دیکھ لو جس پر تمہارے پاس اللہ کی طرف سے دلیل ہو، اس وقت تک اس کے خلاف خروج نہ کرو (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵) اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ امراء اور حکام کی لادت اور حکومت میں ان کی مخالفت نہ کرو اور ان پر اعتراض نہ کرو، ہاں اگر تم ان میں کوئی ایسی برائی دیکھو جس کا برا ہونا قواعد اسلام سے یقینی طور پر ثابت ہو تو ان پر انکار کرو، اور تم جہل کہیں بھی ہو حق کو بیان کرو، لیکن ان کے خلاف خروج کرنا اور ان سے قتل کرنا یہ اجماع مسلمین سے حرام ہے، خواہ وہ امراء فاسق اور ظالم ہوں، اور اس کی تائید میں بہ کثرت احادیث وارد ہیں، اور اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ سلطان فسق سے معزول نہیں ہوتا، اور ہماری فقہ کی بعض کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ وہ فسق سے معزول ہو جاتا ہے تو یہ غلط ہے اور اجماع کے خلاف ہے اس کے معزول نہ ہونے اور اس کے خلاف خروج کے حرام ہونے کی علماء نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس سے فتنہ اور فساد ہو گا اور مسلمانوں کا خون بے گناہ فاسق کو اس کے منصب پر بقی رکھنے کی بہ نسبت اس کو معزول کرنے میں فساد زیادہ ہے، قاضی عیاض مالکی نے کہا کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کافر کی امامت منعقد نہیں ہوتی، اور اگر اس سے بعد میں کفر صادر ہو تو وہ معزول ہو جائے گا، اور اگر وہ نمازوں کو ترک کرے یا نماز کی طرف دعوت دینے کو ترک کرے یا بدعت کا ارتکاب کرے تو اس کا بھی یہی حکم ہے، اور بعض بھڑوں نے کہا فاسق کی امامت منعقد ہو جائے گی اور اس کو برقرار رکھا جائے گا کیونکہ وہ تویل کرنے والا ہے، قاضی عیاض نے کہا اگر امام پر بعد میں کفر طاری ہو یا وہ شریعت میں تغیر کرے یا کسی بدعت کا ارتکاب کرے تو وہ امامت کے منصب سے خارج ہو جائے گا اور اس کی امامت ساقط ہو جائے گی، اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اس کو معزول کر دیں اور کسی امام عادل کو مقرر کریں بہ شرطیکہ یہ ممکن ہو، بدعتی کو معزول کرنا واجب نہیں ہے ہاں اگر وہ اس پر قادر ہوں تو پھر واجب ہے، اور اگر ان کا اس (کافر کو معزول کرنے) سے عاجز ہونا یقینی ہو تو وہ اس سرزمین سے ہجرت کر جائیں اور اپنے دین کو بچائیں، قاضی عیاض نے کہا فاسق کی امامت ابتداً منعقد نہیں ہوتی، اور اگر خلیفہ بعد میں فسق کرے تو بعض نے کہا اس کو معزول کرنا واجب ہے بہ شرطیکہ اس سے فتنہ اور جنگ نہ ہو، اور جمہور اہل سنت کے فقہاء، محدثین اور حکمین نے یہ کہا کہ امام اور خلیفہ ظلم اور فسق سے معزول نہیں کیا جائے گا اور اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے، بعض علماء نے یہ کہا کہ اس پر اجماع ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت حسن، حضرت ابن الزبیر

لور اہل مدینہ نے بنو امیہ کے خلاف خروج کیا اور قرن لول کے مسلمانوں نے حجاج کے خلاف خروج کیا اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اس مسئلہ میں اختلاف تھا بعد میں اس پر اجماع ہو گیا کہ امام اور خلیفہ اگر خلافت کے بعد فتنہ کرے تو اس کے خلاف خروج سے منع کیا جائے گا۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۵۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی ۱۳۷۵ھ)

فاسق کی امامت امت میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں :

اس آیت لا ینال عہدی الظالمین (البقرہ : ۲۳) سے ثابت ہوتا ہے کہ فاسق کا نبی ہونا جائز ہے نہ نبی کا خلیفہ ہونا جائز ہے، نہ قاضی نہ مفتی نہ حدیث کی روایت کرنا نہ کسی معاملہ میں شہادت دینا، اور اس کے لیے ہر وہ منصب ناجائز ہے جس کی رو سے دوسروں پر اس کی کوئی چیز لازم ہو اور یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ نماز کے ائمہ نیک اور صالح ہونے چاہئیں نہ کہ فاسق اور ظالم، کیونکہ اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امور دین میں امامت کے منصب کے لیے علول اور صالح ہونا ضروری ہے۔

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں فاسق کا امام اور خلیفہ ہونا جائز ہے اور یہ کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک فاسق حاکم اور قاضی تو نہیں بن سکتا، امام اور خلیفہ ہو سکتا ہے، متکلمین میں سے زرقلن نے اس کو ذکر کیا اور یہ بالکل جھوٹ اور باطل ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک خلیفہ اور قاضی دونوں کے لیے علول اور صالح ہونا شرط ہے اور فاسق کے لیے دونوں منصب جائز نہیں ہیں، امام ابو حنیفہ کی طرف اس چیز کی نسبت کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہوگی حالانکہ بنو امیہ کے ایام میں ابن حنیہ نے امام ابو حنیفہ کو قضاء کے عہدہ کے لیے مجبور کیا لیکن آپ نے اس منصب کو قبول نہیں کیا، اس نے آپ کو قید کر لیا اور وہ ہر روز آپ کو کوڑے مارتا تھا لیکن آپ نے اس کو قبول نہیں کیا، حتیٰ کہ جب آپ کی جان کا خوف ہوا تو فقہاء نے یہ کہا آپ اس کا کوئی اور کام قبول کر لیں تو آپ نے گھاس کے گٹھوں کا گٹھا قبول کر لیا، تب اس نے آپ کو رہا کیا، پھر بنو عباس کے دور میں خلیفہ منصور نے آپ کو قضا کے عہدہ کو قبول کرنے کا حکم دیا، آپ نے پھر انکار کیا، اس نے بھی آپ کو قید کر لیا، حتیٰ کہ آپ نے مضائقہ شر سے بغداد میں آنے والی اینٹوں کے گٹھے کو قبول کر لیا، ظالم اور فاسق ائمہ کے متعلق امام ابو حنیفہ کا مذہب مشہور تھا، زید بن علی امامت کے مدعی تھے اور وہ اس منصب کے لیے موزوں تھے، امام ابو حنیفہ ان کی مالی امداد کرتے تھے اور ان کی نصرت کرنے اور ان کی حمایت میں قتل کرنے کا خفیہ طور پر فتویٰ دیتے تھے۔ اسی طرح عبد اللہ بن حسن کے دو صاحبزادوں محمد اور ابراہیم کی بھی انہوں نے تائید کی، امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ جب قاضی فی نفسہ علول اور صالح ہو تو اس کا ظالم امام کی طرف سے منصب قضا کو قبول کرنا جائز ہے، یہ صحیح مذہب ہے لیکن اس سے لازم نہیں آتا کہ امام ابو حنیفہ فاسق کی امامت کو جائز کہتے ہیں کیونکہ جب قاضی خود صالح ہو گا اور اس کو اقتدار حاصل ہو گا تو وہ احکام شرعیہ کو نافذ کر سکے گا۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۷۱-۶۹، ملخصاً، مطبوعہ سیل اکیڈمی لاہور)

علامہ جصاص کے ذکر کردہ قاعدہ سے تو یہ لازم آتا ہے کہ امام اعظم قضاء کے عہدہ کو قبول کر لیتے۔

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں :

امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرد ہو، نیک ہو، قادر ہو، صاحب رائے ہو اور بہادر ہو تاکہ قصاص لینے میں حدود قائم کرنے میں، میدان جنگ میں اور لشکر تیار کرنے میں بزدلی نہ کرے اور وہ قریشی ہو، اور اس کا ہاشمی ہونا اور معصوم ہونا

شرط لگائی ہے، بعض علماء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ وہ اصول دین اور فروع میں اجتہاد کر سکتا ہو اور بعض کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے، اور ائمہ حنفیہ کے نزدیک امامت کی صحت کے لیے عدالت (نیک ہونا اور فاسق نہ ہونا) شرط نہیں ہے، اس لیے فاسق کو بھی امام بنانا جائز ہے لیکن یہ مکروہ ہے، اور جب نیک شخص کو امام بنایا جائے اور وہ بعد میں فاسق ہو جائے تو وہ معزول نہیں ہو گا لیکن وہ معزول کیے جانے کا مستحق ہو گا۔ بشرطیکہ اس میں فتنہ نہ ہو اس کو نیکی کی دعوت دی جائے اور اس کے خلاف خروج کرنا واجب نہیں ہے، اسی طرح فقہاء احناف نے امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے اور تمام ائمہ احناف نے بلا اتفاق اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بعض بنو امیہ کی اقتداء میں نمازیں پڑھی ہیں اور ان کے دیئے ہوئے عہدے قبول کئے ہیں لیکن اس توجیہ پر یہ اعتراض ہے کہ یہ بنو امیہ امام نہ تھے بلکہ ملوک تھے انہوں نے غلبہ سے ملک پر قبضہ کر لیا تھا، اور متغلب کے دیئے ہوئے عہدوں کو ضرورت کی بناء پر قبول کرنا جائز ہے، اور کسی کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ نیک ہو (کیونکہ امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر امام کے ماتحت تم پر جہاد کرنا واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد، اور ہر مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا تم پر واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد کار، اور گنہ گبر کرنا ہو، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۴۳ مسامرہ ص ۲۹۲)

(السامرغی السمرقند ج ۱ ص ۲۹۲-۲۸۶، مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ مکران)
علامہ ابن ہمام نے امام کے متعلق جو نیک ہونے کی شرط لگائی ہے اس کے متعلق علامہ کمال بن ابی شریف لکھتے ہیں:
علامہ ابن ہمام نے امام کیلئے ورع (نیک) کی شرط لگانے میں حجت الاسلام امام غزالی (شافعی) کی اتباع کی ہے اور اس سے مقصود فاسق سے احتراز کرنا ہے کیونکہ وہ بسا اوقات خواہش نفس کی پیروی میں بیت المال کا غلط استعمال کرے گا اور مسلمانوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے۔
(السامرغی ج ۱ ص ۲۸۷، مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ مکران)

علامہ محمد بن علی بن محمد حنفی حنفی لکھتے ہیں :
امام کے لیے یہ شرائط ہیں : مرد ہو، عاقل بالغ ہو، قادر ہو، قرشی ہو، ہاشمی، علوی یا معصوم ہونے کی شرط نہیں ہے، فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے، اگر فتنہ نہ ہو تو وہ فسق کی وجہ سے معزول کر دیا جائے گا اور اس کو نیکی کی دعوت دینا واجب ہے اور جو طاقت سے غلبہ حاصل کر لے اس کی سلطنت صحیح ہے۔

(در مختار ج ۱ ص ۳۶۸-۳۶۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن عبدین شامی حنفی لکھتے ہیں :
علامہ حنفی نے یہ اشارہ کیا ہے کہ امام کے لیے عدالت (نیک ہونے) کی شرط نہیں ہے اور علامہ ابن ہمام نے مسامرہ میں امام غزالی کی اتباع میں عدالت کی شرط لگائی ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۶۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو البرکات نسفی حنفی زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :
اس آیت سے معتزلہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ فاسق امام بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ظالم سے مراد کافر ہے، یعنی کافر مسلمانوں کا امام نہیں بن سکتا۔

(مدارک اسرار علی ما فی القرآن ج ۱ ص ۸۷، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

علامہ نسفی حنفی کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ احناف کے نزدیک فاسق لام بن سکا ہے، علامہ ابن ہمام، علامہ حصکفی، علامہ شامی اور صاحب فتاویٰ تاتار خانیہ نے بھی یہی لکھا ہے اور اس مذہب کو لام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے اس کے برعکس علامہ ابو بکر جصاص نے یہ لکھا ہے کہ یہ جھوٹ اور افتراء ہے لام ابو حنیفہ کے نزدیک فاسق کی امامت جائز نہیں ہے، اسی وجہ سے لام ابو حنیفہ نے اہل بیت میں سے امامت کا دعویٰ کرنے والوں کی خفیہ طور پر مدد کی اور ابن سیرہ اور خلیفہ منصور نے ان کو قضا کی پیش کش کی تھی اس کو قبول نہیں کیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

فاسق کی امامت نماز میں ائمہ مالکیہ کا نظریہ

جو شخص علی الاعلان گنہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہو (گنہ صغیرہ پر اصرار بھی گنہ کبیرہ ہے مثلاً بغیر امامت اور توبہ کے مسلسل ڈاڑھی منڈانا) مثلاً شرب پینا، قتل کرنا، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور دیگر فرائض کو ترک کرنا، فرائض قطعہ کا ترک اور حرام قطعی کا ارتکاب فسق قطعی ہے اور ڈاڑھی منڈانا فسق ظنی ہے۔

فاسق کی امامت کے متعلق فقہاء مالکیہ کے مختلف اقوال ہیں : علامہ خلیل مالکی نے لکھا ہے کہ فاسق کی اقتداء میں نماز باطل ہے۔ (مختصر خلیل مع الخرش ج ۲ ص ۲۲، مطبوعہ دار صلور بیروت)

علامہ خرشی مالکی نے لکھا ہے کہ معتمد قول یہ ہے کہ فاسق کی امامت صحیح اور اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (الخرشی علی مختصر خلیل ج ۲ ص ۲۳، مطبوعہ دار صلور بیروت)

علامہ عدوی مالکی نے لکھا ہے کہ فاسق کی اقتداء حرام ہے۔ (حاشیۃ العدوی علی الخرش ج ۲ ص ۲۳، مطبوعہ دار صلور بیروت)

فاسق کی امامت نماز میں ائمہ حنبلیہ کا نظریہ

فقہاء حنبلیہ کا مذہب یہ ہے کہ فاسق کی امامت ناجائز ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ کراہت کے ساتھ اس کی امامت جائز ہے۔

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں :

فاسق کی امامت جائز نہیں ہے اور یہی مذہب ہے، خواہ اس کا فسق از روئے اعتقاد ہو یا از روئے افعال، اکثر اصحاب اور مشائخ کا یہی مختار ہے، زرکشی نے کہا یہی مشہور ہے، ابن ابی موسیٰ، قاضی شیرازی اور ایک جماعت کا یہی مختار ہے، مسبوک الذہب، رعایتین، حاوی صغیر، اور مجمع البحرین میں لکھا ہے کہ صحیح روایت کے مطابق فاسق کی امامت جائز نہیں، ابن عقیل وغیرہ نے التذکرۃ میں اسی پر اعتماد کیا ہے، وجیز میں لکھا ہے کہ فاسق کی امامت جائز نہیں، الفروع اور المستوعب وغیرہ میں اسی قول کو مقدم کیا ہے۔ شیخ تقی الدین نے کہا ہے کہ صاحب ہوا (بذہب) بدعتی اور فاسق کے پیچھے قدمت کے باوجود نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ کراہت کے ساتھ فاسق کی امامت جائز ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ نفل میں جائز ہے، البتہ جو از روئے اعتقاد کے فاسق ہو اس کی اقتداء کسی حال میں جائز نہیں، اور مذہب مختار کے مطابق جو شخص فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھے اس کو دہرانا لازم ہے، خواہ اس کو نماز کے وقت اس کے فسق کا علم ہو یا بعد میں پتا چلے خواہ اس کا فسق ظاہر ہو یا نہ، یہی صحیح مذہب ہے۔

(الانصاف ج ۲ ص ۲۵۳-۲۵۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حق کی امامت نماز میں ائمہ شافعیہ کا نظریہ

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں :

فاسق کی اقتداء میں نماز مکروہ ہے، اور جس کی بدعت کفر کی حد تک نہیں پہنچی اس کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہے اور جس کی بدعت حد کفر تک پہنچی ہے اس کی اقتداء میں نماز جائز نہیں ہے، صاحب الافصح نے کہا جو شخص خلق قرآن کا قائل ہو یا جو اللہ تعالیٰ کی صفت کی نفی کرے وہ کافر ہے، امام ابو حلد اور ان کے متابعین کا یہی مذہب ہے اور معتزلہ کی تکفیر کی جاتی ہے اور خوراج کی تکفیر نہیں کی جاتی، اور ہمارے بہت سے اصحاب اہل بدعت کی اقتداء میں جواز نماز کے قائل ہیں اور ان کی تکفیر نہیں کرتے صاحب الحدۃ نے کہا امام شافعی کا ظاہر مذہب یہی ہے۔

(علامہ نووی فرماتے ہیں :) میں کہتا ہوں کہ صاحب الحدۃ کا قول ہی صحیح اور صواب ہے، کیونکہ امام شافعی نے فرمایا میں خطابیہ کے سوا تمام اہل احواء کی شہادت کو قبول کرتا ہوں، کیونکہ خطابیہ اپنی موافقت میں جمہوری گواہی کو جائز کہتے ہیں، اور تمام سلف اور خلف معتزلہ وغیرہ کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے ہیں اور ان کے ساتھ مناکحت، میراث اور مسلمانوں کے تمام معاملات کرتے رہے ہیں اور ہمارے جن علماء اور محققین نے معتزلہ کی تکفیر کی ہے اس تکفیر کی حلف ابو بکر یمضیٰ نے یہ تویل کی ہے کہ کفر، کفرانِ نعمت کے معنی میں ہے ملت اسلامیہ سے خروج کے معنی میں نہیں ہے۔

(رونتہ الطالین ج ۱ ص ۳۶۰-۳۵۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو العباس رملی شافعی لکھتے ہیں :

آزلو فاسق کی بہ نسبت نیک غلام کی اقتداء میں نماز پڑھنا لوٹی ہے، کیونکہ امام حاکم نے روایت کیا ہے ”اگر تم کو یہ پسند ہو کہ تمہاری نماز قبول ہو تو تم میں بہتر لوگ تمہاری امامت کریں۔“ اور فاسق کی امامت صحیح ہے کیونکہ حضرت ابن عمر حجاج کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے، اور امام شافعی نے کہا اس کا فاسق ہونا کافی ہے اور فاسق کی اقتداء اور جس کی بدعت کفر تک نہ پہنچی ہو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (نہایت المحتاج ج ۲ ص ۱۸۰-۱۷۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ شبراہلی قاہری اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں :

اگر فاسق اور بدعتی کے سوا جماعت نہ مل سکے تو پھر اس کی اقتداء مکروہ نہیں ہے فاسق کا از خود امام بننا مکروہ ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ جہاں نیک لوگ ہوں وہاں لوگ اس کی اقتداء کر لیں تو ان کی اقتداء مکروہ نہیں ہے فاسق کی امامت مکروہ ہے، (ابن قولہ) خلاصہ یہ ہے کہ حرمت یا کراحت فاسق کے حق میں ہے اور جو مقتدی فاسق کو مکروہ جانتے ہوں ان کا اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ (حاشیہ لبی انصیاء علی نہایت المحتاج ج ۲ ص ۱۸۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

حق کی امامت نماز میں ائمہ احناف کا نظریہ

فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کا اختلاف ہے بعض علماء کے نزدیک اس کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب للاعلاء ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے اور مکروہ تنزیہی ہے۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں :

جو شخص از روئے عمل کے فاسق ہو مثلاً زانی اور شرابی ہو تو ابن الجیب نے یہ زعم کیا کہ جس نے شرابی کی اقتداء میں نماز پڑھی وہ ہمیشہ نماز دہرائے گا یہ کہ وہ امام حاکم ہو، اور ایک روایت میں ہے کہ فاسق کی اقتداء میں نماز صحیح ہے۔

(مجموعۃ القاری ج ۵ ص ۲۳۲ مطبوعہ دارۃ البیان النیریہ مصر ۱۳۳۸ھ) علامہ زمخشری حنفی فرماتے ہیں :
 فاسق کو جب امامت سے ہٹا مشکل ہو تو جمعہ اس کے پیچھے پڑھ لے اور جمعہ کے علاوہ نمازیں کسی اور مسجد میں
 پڑھے۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۵ مطبوعہ مکتبہ المدنیہ ملتان)

علامہ شرنبللی حنفی لکھتے ہیں :

فاسق عالم کی امامت مکروہ (تحریمی) ہے، کیونکہ وہ احکام دین کا اہتمام نہیں کرتا اس لیے اس کی امامت شرعاً واجب
 ہے، لہذا اس کو امام بنا کر اس کی تعظیم نہ کی جائے اور اگر اس کو امامت سے ہٹا دشوار ہو تو جمعہ اور باقی نمازوں کے لیے کسی
 اور مسجد میں جائے اور اگر صرف وہی جمعہ پڑھاتا ہو تو اس کی اقتداء میں پڑھ لے۔

(مراقی الفلاح ص ۱۸۱ مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البلبلی ولولادہ مصر ۱۳۵۶ھ)

اس عبارت کی شرح میں علامہ مظلوی لکھتے ہیں :

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ فاسق کی امامت اور اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔

(حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۸۱ مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البلبلی ولولادہ مصر ۱۳۵۶ھ)

علامہ حلبی حنفی لکھتے ہیں :

اگر لوگوں نے فاسق کو امام بنایا تو گنہ گار ہوں گے کیونکہ فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔

(غنیۃ المستمل ص ۲۷۹ مطبوعہ مطبعہ مجبائی دہلی)

علامہ ابن بزاز کردری لکھتے ہیں :

جو شخص سود خوری میں معروف ہو اس کی اقتداء میں نماز مکروہ ہے، فاسق جمعہ پڑھاتا ہو اور اس کو منع کرنا دشوار ہو تو
 بعض علماء نے کہا اس کی اقتداء میں جمعہ پڑھ لے اور اس کی امامت میں جمعہ کو ترک نہ کرے۔

(فتاویٰ بزاز یہ علی حاشیہ الحدیث ج ۳ ص ۵۵ مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۳۰ھ)

ان علماء کے علاوہ دوسرے فقہاء احناف نے فاسق کی اقتداء میں نماز کو کراہت کے ساتھ جائز لکھا ہے یعنی یہ کراہت
 تنزیہی ہے کیونکہ کراہت تحریمی جواز کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں :

امام محمد فرماتے ہیں نابینا، دیہاتی، غلام، ولد زنا اور فاسق کی امامت جائز ہے اور ان کے علاوہ دوسروں کی امامت میرے
 نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے (الی قولہ) اس کے بعد علامہ سرخسی فرماتے ہیں کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ فاسق کو امامت کے لیے مقدم
 کرنا جائز ہے اور مکروہ (تنزیہی) ہے، امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ فاسق کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے کیونکہ وہ احکام دین کا
 اہتمام نہیں کرتا اور اس کی شہادت مردود ہوتی ہے، ہماری دلیل مکحول کی یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہر امیر کے
 ساتھ جہاد واجب ہے اور ہر امام کے پیچھے نماز واجب ہے اور ہر میت کے اوپر نماز واجب ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
 ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھو، (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۴۳) (المبسوط ج ۱ ص ۳۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ مرغینانی صاحب ہدایہ نے بھی فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو جائز کہا ہے اور اسی حدیث سے استدلال کیا

(ہدایہ اولین ص ۱۲۲ مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

ہے۔

میں عام تھے ہیں :

اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ حدیث کھول سے موی ہے اور ان کا حضرت ابو ہریرہ سے سماع نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور ہمارے نزدیک حدیث مرسل مقبول ہوتی ہے اس پر دو اعتراض یہ ہے کہ یہ حدیث متعدد سندوں سے موی ہے اور اس کی ہر سند میں ضعیف رلوی ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جو حدیث متعدد ضعیف طریقوں سے موی ہو وہ محققین کے نزدیک درجہ ”حسن“ کو پہنچ جاتی ہے۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۳۰۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ کھڑ)

مصنف یہ کہتا ہے کہ اس مسئلہ میں حدیث صحیح متصل بھی موجود ہے :

لام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

عدی بن خیار بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت عثمان کے پاس اس وقت گئے جب باغیوں نے ان کا محاصرہ کیا ہوا تھا، عدی نے کہا آپ عام مسلمانوں کے امام ہیں اور آپ پر وہ افتوا پڑی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں اب ہمیں فتنہ کرنے والا (باغی) امام نماز پڑھاتا ہے اور ہم اس میں گنہ سمجھتے ہیں، حضرت عثمان نے فرمایا نماز لوگوں کے اعمال میں سے اچھا عمل ہے، جب لوگ اچھا کام کریں تو تم ان کے ساتھ اچھا کام کرو اور جب وہ برا کام کریں تو تم ان کی برائی سے اجتناب کرو۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کی شرح میں علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں :

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جن کی اقتداء میں نماز مکروہ ہے اس کے پیچھے نماز پڑھ لینا جماعت کو ترک کرنے سے لولی ہے (الی قولہ) اور محیط میں لکھا ہے کہ اگر فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی تو جماعت کا ثواب مل جائے گا البتہ متقی کے پیچھے نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا، اور مبسوط میں ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ (تخریجی) ہے۔

(عمدة القاری ج ۵ ص ۲۳۲، مطبوعہ ادارة البعثة المئیة مصر، ۱۳۳۸ھ)

حدیث کھول بیان کرنے کے بعد علامہ سرخسی لکھتے ہیں :

(اور فاسق کی اقتداء میں نماز کا جواز اس لیے ہے کہ) صحابہ اور تابعین حجاج کی اقتداء میں جمعہ اور دوسری نمازیں پڑھنے سے احتراز نہیں کرتے تھے، حالانکہ وہ اپنے زمانہ کا بدترین فاسق شخص تھا، حسن نے کہا اگر ہر امت اپنے اپنے خبیثوں کو لے کر آئے اور ہم صرف حجاج کو لے کر آئیں تو ہم غالب رہیں گے (اور فاسق کی اقتداء میں) کراہت کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے گریز کریں گے لام ابو یوسف نے لالی میں کہا میرے نزدیک امام کا صلاب بدعت ہونا اس لیے مکروہ ہے کہ لوگ اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے قہر ہوں گے۔ (المبسوط ج ۱ ص ۳۱-۳۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ قاضی خل لوزجندی حنفی فرماتے ہیں :

جمیہ، قدریہ اور علی رافضی کے سوا باقی لوگوں کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز اور مکروہ (تخریجی) ہے، اسی طرح اس شخص کی اقتداء بھی جائز ہے جو سود خوری میں مصروف ہو اور فاسق معطن ہو، یہ لام ابو حنیفہ اور لام ابو یوسف رحمہما اللہ سے موی ہے، اور جب کوئی شخص فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہے تو اس کو جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔

(الذی قاضی خل علی حاشیہ المندیہ ج ۱ ص ۳۳۰، مطبوعہ بولاق مصر، ۱۳۳۰ھ) علامہ ابن حنبل حنفی لکھتے ہیں :

محیط میں لکھا ہے کہ اگر فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی تو اس کو جماعت کا ثواب مل جائے گا لیکن متقی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا۔

محیط کی عبارت میں بدعتی سے مراد وہ شخص ہے جس کی بدعت کفر تک نہ پہنچی ہو اور اس تفصیل کے ساتھ تمام احل اہواء کی اقتداء میں نماز جائز ہے البتہ جمیع 'قدریہ'، 'غلی روافض'، 'خلق قرآن' کے قائلین، خطابیہ اور مشبہ کے پیچھے نماز جائز نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص ہمارے قبلہ والا ہو اور غلو نہ کرتا ہو اور اس کی تکفیر نہ کی گئی ہو اس کے پیچھے نماز کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ البتہ عذاب قبر، شفاعت، روست باری اور کرلما کاتین کے منکروں کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔
(فتح القدیر ج ۱ ص ۳۰۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکر)

علامہ ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں :

اگر تم یہ سوال کرو کہ ان لوگوں کی اقتداء میں نماز پڑھنا افضل ہے یا تمنا نماز پڑھنا بہتر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنا بہر حل بہتر ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے کتب فلوئی سے نقل کر چکے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا امام بننا اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، اگر ان کے علاوہ کسی اور کی اقتداء میں نماز پڑھنا ممکن ہو تو نبھا ورنہ تمنا نماز پڑھنے سے ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا لوٹی ہے، اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا اس وقت مکروہ ہے جب دوسروں کی اقتداء میں نماز پڑھنا میسر ہو ورنہ کوئی کراہت نہیں ہے۔

(البحر الرائق ج ۱ ص ۳۳۹، مطبوعہ مطبعہ ملیہ مصر ۱۳۳۱ھ)

علامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں :

غلام، اعرابی، فاسق اور نابینا کی امامت مکروہ تنزیہی ہے۔

(در مختار علی حاشی رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی مکروہ تنزیہی کی وجہ میں لکھتے ہیں :

کیونکہ امام محمد نے اصل (مبسوط) میں لکھا ہے کہ ان لوگوں کے غیر کی امامت میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ پھر فرمایا ان کا امام بننا اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اگر ان کے علاوہ دوسروں کی اقتداء میں نماز پڑھنا ممکن ہو تو افضل ہے ورنہ اکیلے نماز پڑھنے سے ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا بہتر ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۳۰ھ)

علامہ مظلوی نے بھی در مختار کی شرح میں کراہت تنزیہی کی یہی وجہ بیان کی ہے اور یہی لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اکیلے نماز پڑھنے کی بہ نسبت فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا اولیٰ ہے۔

(حاشیہ المظلوی علی الدرر ج ۱ ص ۲۲۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۵ھ)

علامہ عالم بن العلاء الانصاری لکھتے ہیں :

بدعتی خواہ فاسد تاویل کرتا ہو اگر اس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچی ہو تو اس کی اقتداء میں نماز کراہت (تنزیہی) کے ساتھ جائز ہے (الی قولہ) منتقی میں مذکور ہے امام محمد سے شارب خمر کی اقتداء کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا اس کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے اور اس میں کراہت (تحریمی) نہیں ہے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ (فتاویٰ تآمار خانیہ ج ۱ ص ۶۰۲-۶۰۱ مطبوعہ دار الفکر لکھنؤ) علامہ عبد اللہ بن محمود بن محمود موصلی حنفی لکھتے ہیں :
 فاسق کی اقامت میں نماز کراہت (تذہبی) کے ساتھ جائز ہے۔
 (الاختیار ج ۱ ص ۵۸ مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر)

علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری حنفی لکھتے ہیں :
 اگر فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی تو اس کو جماعت کا ثواب مل جائے گا لیکن ایسا ثواب نہیں ملے گا جو متقی کے پیچھے نماز پڑھنے سے ملتا ہے۔
 (جامع الرموز ج ۱ ص ۱۵۰ مطبوعہ مطبع فنی نوا لکھنؤ)

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں :

امریابی 'فاسق' یعنی لور بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تذہبی ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۷۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)
 ملا علی قاری لکھتے ہیں :

صحیح یہ ہے کہ فاسق کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اعلاہ نہیں ہے (الی قولہ) مستقی میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ سے اہل سنت و جماعت کے مذہب کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا تم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو فضیلت دو، حضرت عثمان اور حضرت علی سے محبت رکھو، موزوں پر مسح کو جائز سمجھو لور ہر نیک لور بدعتی کے پیچھے نماز پڑھو۔ (کیونکہ معتزلہ فاسق کی امامت کے قائل نہیں ہیں) (شرح فقہ اکبر ص ۷۶ مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البلبلی واولادہ مصر ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابوسعود حنفی لکھتے ہیں :

اگر غیر فاسق موجود ہو تو فاسق کی اقامت میں نماز مکروہ تذہبی ہے ورنہ کوئی کراہت نہیں ہے، (بحر) اور "النہر" میں لکھا ہے کہ فاسق لور بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ (فتح المعین علی ملا مسکین ج ۱ ص ۲۰۸-۲۰۷) خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء احناف میں سے امام ابو یوسف (۱) علامہ زبلی حنفی (۲) علامہ شرنبلالی (۳) علامہ حلبی حنفی (۴) لور علامہ ابن بزاز کردری (۵) کے نزدیک فاسق کی اقامت میں نماز مکروہ تحریمی ہے لور امام ابو حنیفہ (۱) امام محمد شیبانی (۲) شمس لائے سرخی (۳) علامہ قاضی خل لوزجندی (۴) علامہ الرغینلی صاحب حدایہ (۵) علامہ ابن حمام (۶) صاحب محیط (۷) علامہ ابن نجیم حنفی (۸) علامہ علاؤ الدین حصکفی (۹) علامہ ابن عبدین شامی (۱۰) علامہ سید لطلوی (۱۱) علامہ عالم بن اعطاف صاری دہلوی صاحب فتاویٰ تآمار خانیہ (۱۲) علامہ عبد اللہ بن محمود صاحب "الاختیار" (۱۳) علامہ عبد الرشید بخاری صاحب خلاصۃ الفتاویٰ (۱۴) علامہ قسطلانی (۱۵) علامہ ابوسعود حنفی (۱۶) صاحب النہر الفائق (۱۷) لور ملا علی قاری (۱۸) کے نزدیک فاسق کی اقامت میں نماز مکروہ تذہبی ہے۔

فقہاء احناف کے ان کثیر حوالہ جات کو پیش کرنے سے ہمارا مقصد فاسق کی امامت کی حوصلہ افزائی نہیں ہے بلکہ اس سے ہمارا صرف اتنا مقصد ہے کہ یہ محقق ہو جائے کہ اس مسئلہ میں فقہاء احناف کا کیا مذہب ہے۔

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ کسی متقی امام کی اقامت نہ ملنے کی وجہ سے فاسق کی اقامت میں نماز پڑھ لینا ایک الگ چیز ہے لور اسی کو فقہاء احناف نے کراہت تذہبی کے ساتھ جائز کہا ہے لور کسی فاسق معین کا از خود امام بننا یا لوگوں کا اس کو امام بنانا ایک الگ بات ہے لور فقہاء احناف میں سے کسی نے اس کو جائز نہیں کہا یہ بلا خلاف مکروہ تحریمی ہے۔ نبی ﷺ

نے فرمایا ولا یوم فاجر مومنا "کوئی فاسق کسی مومن کا لام نہ بنے۔" (سنن ابن ماجہ ص ۷۵) لام یہی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تم میں سے سب سے بہتر ہوں ان کو لام بنو (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۹۰) اس لیے جب امام بنانے کا مرحلہ ہو تو اس شخص کو امام بنایا جائے جو عالم اور متقی ہو، اور جو شخص فاسق معن ہو اس کو امام بنانا ناجائز اور گنہ ہے، ڈاڑھی منڈانے والا بھی فاسق معن ہے اگرچہ اس کا فسق ظنی ہے اس کو لام نہ بنایا جائے، اور جو شخص فریج کٹ ڈاڑھی یا خشنکی ڈاڑھی رکھتا ہو اس کو بھی امام نہ بنایا جائے، جس شخص کی ڈاڑھی سنت کے مطابق ہو اور اس کا ظاہر حل نیک ہو وہ عالم ہو اور اس پر کسی وجہ سے فسق کی تمت نہ ہو اس کو لام بنایا جائے، شرح صحیح مسلم جلد دوم میں بھی میں نے یہی تحقیق کی ہے فاسق کے امام بنانے یا از خود امام بننے کو ناجائز لکھا ہے (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۰) اور اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو اکثر بعض فقہاء کے حوالوں سے جائز لکھا ہے (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۱) لیکن بعض معاندین نے ان عبارات کو گڈمڈ کر دیا اور میری طرف یہ منسوب کیا کہ وہ فاسق اور ڈاڑھی منڈے کے امام بنانے کو جائز کہتے ہیں فلی اللہ المشتکی۔ اسی طرح میں نے فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے متعلق مذاہب بیان کیے اور باحوالہ لکھا کہ بعض احناف کے نزدیک اس کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی ہے اور اکثر احناف کے نزدیک اس کی اقتداء میں نماز مکروہ تنزیہی ہے اور ان سب کے حوالہ جات بیان کیے لیکن بعض معاندین نے ان حوالوں کو حذف کر کے میری طرف یہ منسوب کر دیا کہ ایک جگہ یہ فاسق کی اقتداء میں نماز کو مکروہ تحریمی کہتا ہے اور ایک جگہ مکروہ تنزیہی کہتا ہے، خیر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سب باتوں کا حساب ہو جائے گا۔

حضرت ابراہیم کے مطلقاً ذریت کے لیے دعا کرنے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (ابراہیم نے کہا) اور میری اولاد سے بھی! اللہ نے فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں سے بعض کے لیے امامت کی دعا کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم تھا کہ ظالم اور کافر امام نہیں بن سکتے لیکن اس دعا کے وقت ان کا ذہن اس طرف متوجہ نہیں تھا اس لیے انہوں نے اپنی دعائیں یہ قید نہیں لگائی کہ میری اولاد میں سے مومنین اور صالحین کو امامت عطا فرما اور مطلقاً فرمایا اور میری اولاد سے بھی، اللہ تعالیٰ نے مسئلہ واضح کرنے کے لیے فرمادیا کہ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِنِّ

اور (یاد کیجیے) جب ہم نے بیت اللہ (کعبہ) کو لوگوں کے لیے مسجد اور امن کی جگہ بنادیا، اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے

مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا

کی جگہ بناو، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے تاکید فرمائی کہ میرے گھر کو طواف

بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۖ وَإِذْ قَالَ

کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو ۝ اور (یاد کرو) جب

إِبْرَاهِيمَ رَأَيْتُ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ

البرکے نے کہا ہے میرے رب اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے، اور اس میں رہنے والوں میں سے جو اللہ اور یوم آخر

الشَّعْرِتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ

پر ایمان لائیں ان کو پھیلوں سے رزق عطا فرما۔ فرمایا اور جس نے کفر کیا

فَأَمَّتْهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۲۶﴾

میں اس کو (بھی) تھوڑا سا فائدہ پہنچاؤں گا۔ پھر اس کو مجبور کر کے دوزخ میں ڈالوں گا اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے ۰

مثبتہ کا معنی ہے لوٹنے کی جگہ کیونکہ جو شخص بھی بیت اللہ سے واپس جاتا ہے وہ سیر نہیں ہوتا اور پھر دوبارہ وہاں جاتا ہے یا جانا چاہتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی ہو اجر و ثواب کی جگہ کیونکہ عبادت پر جس قدر اجر و ثواب یہاں ملتا ہے کہیں اور نہیں ملتا۔

حرم میں قصاص لینے اور حدود جاری کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ

”امنا“ اس کا معنی ہے امن کی جگہ ہرچند کہ یہ بیت اللہ کی صفت ہے لیکن اس سے مراد پورا حرم ہے۔

اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کعبہ میں کسی پر حد نہیں جاری کی جائے گی لیکن باقی حرم میں بھی حد جاری کی جائے گی یا نہیں اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ حرم میں حد جاری کی جائے گی اور ”من“ دخلہ کان امنا ”منسوخ ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۱۱، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

لام رازی شافعی لکھتے ہیں :

حرم میں حد جاری کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت عاصم بن ثابت بن اقل اور حضرت خبیب کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر وہ قتل ہوں تو ہوسخیان کو مکہ میں اس کے گھر میں قتل کر دیں اور اس وقت مکہ حرم تھا اور قرآن مجید میں جو ہے یہ امن کی جگہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جنگ نہیں کی جائے گی یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قتل اور آفات سے امن کی جگہ بنا دیا ہے۔ (تفسیر کبرج ص ۷۷ ج ۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے کسی اور جگہ جرم کیا ہو پھر وہ حرم میں آکر پہنچ لے تو وہ مامون ہے لیکن لٹل مکہ کو چاہیے کہ وہ اس کو کوئی چیز فروخت کریں نہ کھلائیں نہ پلائیں اور نہ اس کو پہنچا دیں نہ اس سے کلام کریں حتیٰ کہ وہ حرم کی حدود سے نکل جائے اور جب وہ حرم کی حدود سے باہر آجائے تو اس پر حد جاری کر دیں۔ امن کی جگہ بیت اللہ کی صفت ہے لیکن اس سے مراد پورا حرم ہے جیسے فرمایا ھدیا بالغ الکعبۃ ”قرطبی جو کعبہ کو چننے والی ہے۔“ یہاں بھی کعبہ سے مراد پورا حرم ہے کیونکہ کعبہ اور مسجد حرام میں جانور کو ذبح نہیں کیا جاتا۔

(نہج المسیح ج ۱ ص ۳۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حرم میں کسی شخص سے قصاص لیا جائے گا نہ کسی پر حد جاری کی جائے گی اگر کسی مجرم نے حرم میں آکر پنہ لے لی تو اس پر کھٹا پٹا بند کر دیا جائے گا اور اس سے کوئی معاملہ نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ حرم سے باہر آجائے اور جب وہ باہر آجائے گا تو اس پر حد جاری کر دی جائے گی۔

(روح المصلیٰ ج ۱ ص ۳۷۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ آیت ہے 'نیز قرآن مجید میں ہے :

وَمَنْ دَخَلَ كَانَ اَمِنًا (آل عمران : ۹۷)

جو حرم میں داخل ہوا وہ مامون ہے۔

علامہ قرطبی مالکی نے جو کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، اس پر انہوں نے کوئی دلیل قائم نہیں کی، اور امام رازی شافعی نے جو لکھا ہے کہ حضرت عاصم اور حضرت خیب کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ مکہ میں جا کر ابوسفیان کو قتل کر دیں یہ بر تقدیر صحت روایت نبی ﷺ کی خصوصیت پر محمول ہے، نیز امام رازی نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس شہر میں جنگ نہیں کی جائے گی یا یہ شہر قدرتی آفت سے مامون ہے یہ تلویحات اس آیت سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ "جو حرم میں داخل ہوا وہ مامون ہے۔" ظاہر قرآن میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد کی تائید ہے۔"

مقام ابراہیم کے تعین کی تحقیق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے دوران یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ جب ہم نے کعبہ کو یہ عظمت اور جلالت عطا کی کہ اس کو مشرق اور مغرب سے لوگوں کے بار بار آنے کی جگہ بنادیا، اور اس کو تمہارے لیے عبادت اور امن کی جگہ بنادیا اور اس کو تمام روئے زمین کے نمازیوں کے لیے قبلہ بنادیا تو جس شخص نے اس عظیم کعبہ کو بنایا ہے اس کے کھڑے ہونے کی جگہ کو تم اپنا مصلیٰ بنا لو۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے کہا میں نے اپنے رب کی تین چیزوں میں موافقت کی ہے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کاش ہم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیں! تو یہ آیت نازل ہو گئی واتخذوا من مقام ابراہیم مصلیٰ اور آیت جلب میں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کاش آپ اپنی ازواج کو یہ حکم دیں کہ وہ جلب میں رہیں کیونکہ ان سے نیک اور بد (ہر قسم کا شخص) کلام کرتا ہے تو آیت جلب نازل ہو گئی، اور جب نبی ﷺ کی ازواج غیرت میں مجتمع ہو گئیں تو میں نے کہا اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو بعید نہیں کہ ان کا رب تمہارے بدلہ میں ان کو تم سے بہتر بیویاں دے دے تو یہ آیت نازل ہو گئی عسی ربہ ان طلقن ان یبدلہن ازواجا خیرامنکن الا یہ۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطالیح کراچی ۱۳۸۱ھ)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بیت اللہ کے سات طواف کیے، پھر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت

نماز پڑھی، اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطالیح کراچی ۱۳۸۱ھ)

ترجمہ ہے :

مقام ابراہیم کی تعین میں کئی اقوال ہیں، مکرّمہ اور عطاء نے کہا پورا حج مقام ابراہیم ہے، شعبی نے کہا عرفہ، مزدلفہ اور جملہ مقام ابراہیم ہیں، حنفی نے کہا پورا حرم مقام ابراہیم ہے، اور سب سے صحیح قول یہ ہے کہ وہ پتھر جس کو اب لوگ مقام ابراہیم کے عنوان سے پچانتے ہیں اور جس کے پاس طواف کی دو رکعت پڑھتے ہیں، وہ مقام ابراہیم ہے، اور یہ حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور قتادہ وغیرہ کا قول ہے، امام مسلم نے ایک طویل حدیث میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے جب بیت اللہ کو دیکھا تو حجر اسود کو تعظیم دی، اور پہلے تین طوافوں میں رمل کیا اور اس کے بعد چار طواف معمول کے مطابق چل کر کیے، پھر مقام ابراہیم کی طرف گئے اور طواف کی دو رکعتیں پڑھیں، اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس کو اس وقت بلند کر دیا گیا تھا جب حضرت ابراہیم کو ان پتھروں کے اٹھانے سے ضعف لاحق ہو، جو ان کو حضرت اسماعیل لا کر دے رہے تھے اور حضرت ابراہیم کے قدموں کے نشان اس پتھر میں نقش ہو گئے تھے، حضرت انس نے کہا میں نے ”مقام“ میں حضرت ابراہیم کی انگلیوں، ابرویوں اور ٹکوں کے نشان ثبت دیکھے۔ سدی نے بیان کیا ہے کہ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس کو حضرت اسماعیل کی زوجہ نے حضرت ابراہیم کا سر دھوئے وقت ان کے قدموں کے نیچے رکھا تھا۔

(تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۳۳-۳۴، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ۱۳۸۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں :

حضرت اسماعیل پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم ان پتھروں کو جوڑ کر لگاتے تھے جب کعبہ کی عمارت بلند ہو گئی تو وہ اس پتھر کو لائے اور اس کو حضرت ابراہیم کے لیے رکھا حضرت ابراہیم اس پتھر پر کھڑے ہو کر بنانے لگے اور حضرت اسماعیل ان کو پتھر لا کر دے رہے تھے۔ (الحدیث) (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

امام رازی نے سدی کی روایت کو ترجیح دی ہے (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۷۳) لیکن صحیح یہ ہے کہ امام بخاری کی روایت کو ترجیح ہے۔ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنانے کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء کا مقام کس قدر بلند ہے اور آثار انبیاء سے برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔

آیا مکہ مکرمہ ابتداء آفرینش سے حرم ہے یا حضرت ابراہیم کی دعا کے بعد سے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے۔ (الایات)

اس میں اختلاف ہے کہ آیا مکہ مکرمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے حرم بن گیا اس سے پہلے حرم تھا، ایک قول یہ ہے کہ جابر حکمران، زلزلہ، زمین کا دھنسا، قحط، خشک سالی اور دیگر مصائب اور قدرتی آفت جو دوسرے شہروں میں نازل ہوتی ہیں مکہ مکرمہ ہمیشہ سے ان سے مہمور اور محفوظ رہا ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے : امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اس شہر کو اللہ نے اس دن حرام کیا جس دن آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا پس یہ شہر اللہ کے حرام کرنے سے قیامت تک کے لیے حرام ہے، اور مجھ سے پہلے اس شہر میں کسی کے لیے بھی جنگ کرنا جائز نہ تھا، اور میرے لیے صرف دن کی ایک ساعت میں یہ جنگ کرنا جائز

ہو اور اب یہ اللہ کے حرام کرنے سے قیامت تک کے لیے حرام ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۷ مطبوعہ نور محمد اصح المصاحف کراچی ۱۳۸۸ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۷ مطبوعہ نور محمد اصح المصاحف کراچی ۱۳۷۵ھ) دوسرا قول یہ ہے کہ پہلے شہر مکہ حرم نہیں تھا، حضرت ابراہیم کی دعا کے بعد یہ حرم ہوا، اس کی دلیل یہ حدیث ہے : امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : بے شک حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور اہل مکہ کے لیے دعا کی اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں جیسا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں مدینہ کے صلح اور مد میں اس سے دگنی برکت کی دعا کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم نے اہل مکہ کے لیے کی تھی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۰ مطبوعہ نور محمد اصح المصاحف کراچی ۱۳۸۸ھ)

اس حدیث سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے بعد حرم بنا۔ لیکن اس حدیث کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اصل میں مکہ ابتداء آفریش سے حرم ہے اور حضرت ابراہیم نے اس کی تحریم کی تجدید اور تحریم کی بقاء اور دوام کے لیے دعا کی تھی اس وجہ سے ان کی طرف تحریم کی نسبت کی جاتی ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا، اس لیے حضرت ابراہیم نے دعائیں یہ کہا کہ اس میں رہنے والے مومنوں کو رزق عطا فرما، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جس نے کفر کیا میں اس کو (بھی) تھوڑا سا فائدہ پہنچاؤں گا، پھر اس کو مجبور کر کے دوزخ میں ڈالوں گا، اور وہ کیا برا ٹھکانا ہے!

وَاذِیْرَفَرُّ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ

اور یاد کیجیے جب ابراہیم اور اسماعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے، (اور اس وقت یہ دعا کر رہے تھے) اے ہمارے رب

مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاَجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ

ہم سے قبول فرما! بے شک تو بہت ہی سننے والا خوب جاننے والا ہے ۰ اور اے ہمارے رب! ہمیں خاص اپنی فرمانبرداری پر برقرار رکھ،

لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةٌ مُّسْلِمَةٌ لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ

اور ہماری اولاد میں ایک امت کو خاص اپنا فرمانبردار کر، اور ہمیں حج کی عبادات بتا اور

تُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۸﴾

ہماری توبہ قبول فرما بے شک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے ۰

تعمیر کعبہ کی تاریخ کے متعلق روایات کا بیان

اس مسئلہ میں مختلف روایات اور مختلف اقوال ہیں کہ سب سے پہلے کعبہ کی تعمیر فرشتوں نے کی تھی، یا حضرت آدم

نے کی حضرت ابراہیم نے کی تھی۔ لام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

علامہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! میں فرشتوں کی آواز نہیں سنتا، فرمایا اس کی وجہ تمہاری (ظاہری) خطا ہے لیکن تم زمین پر اتر جاؤ اور میرے لیے ایک بیت (گھر) بناؤ، پھر اس کے گرد طواف کرو جس طرح تم نے آسمان میں میرے بیت کے گرد فرشتوں کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تھا، پھر حضرت آدم نے حرا، طور، زیتا، طور سینا، جبل لبنان اور جودی پانچ پہاڑوں سے مٹی لے کر بیت اللہ کو بنایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جنت سے اتارا تو فرمایا میں تمہارے ساتھ ایک بیت (بھی) اتاروں گا، جس کے گرد اس طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے اور اس کے پاس ایسے نماز پڑھی جائے گی جیسے میرے عرش کے پاس نماز پڑھی جاتی ہے، طوفان کے زمانہ میں اس بیت کو اٹھا لیا گیا انبیاء اس کا حج کرتے تھے اور انہیں اس کی جگہ کا علم نہیں تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اس کی جگہ سے مطلع کیا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۲۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

ابن دونوں روایتوں کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی بیان کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۰۷-۳۰۶، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

دوسری روایت کو علامہ عینی نے بھی بیان کیا ہے۔

(عمدة القاری ج ۹ ص ۲۲، مطبوعہ ادارة البعثة النیریہ، مصر، ۱۳۲۸ھ)

علامہ سیلی لکھتے ہیں :

کعبہ کو پانچ مرتبہ بنایا گیا ہے پہلی بار شیث بن آدم نے بنایا، دوسری بار ابن ہی بنیادوں پر حضرت ابراہیم نے بنایا، تیسری بار ظہور اسلام سے پانچ سال پہلے قریش نے بنایا چوتھی مرتبہ حضرت ابن الزبیر نے بنایا اور حطیم کو کعبہ میں شامل کر لیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا مشاہدہ تھا، پانچویں بار عبدالملک بن مروان نے بنایا اور حطیم کو پھر باہر کر دیا، ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کے بعد جب ایک یا دو بار سیلاب آیا تو اس کو قوم جرہم نے بنایا اور لام ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کو حضرت ابراہیم نے بنایا تھا۔

(الروض للأنف ج ۱ ص ۳۸-۳۷، مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :

ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم نے کعبہ کو بنایا اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے ایک حدیث مرفوعہ موی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے، اور قوی قول یہ ہے کہ کعبہ کو سب سے پہلے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بنایا، حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ پھر کعبہ منہدم ہو گیا پھر اس کو حلقہ نے بنایا، پھر منہدم ہو گیا پھر اس کو جرہم نے بنایا پھر منہدم ہو گیا پھر اس کو قریش نے بنایا اور یہ آپ کی بعثت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے، ایک قول یہ ہے کہ چند روز پہلے کا واقعہ ہے اور زہری سے روایت ہے کہ اس وقت آپ بلوغت کے قریب تھے۔

(المبدیہ والتعلیہ ج ۱ ص ۳۸-۳۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۳۳ھ)

میں کہتا ہوں کہ صحیح بخاری سے لام زہری کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں :

اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کو کس نے بنایا ایک قول یہ ہے کہ اس کو سب سے پہلے فرشتوں نے بنایا، امام ابن اسحاق نے کہا اس کو سب سے پہلے حضرت آدم نے بنایا، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو سب سے پہلے حضرت شیث بن آدم نے بنایا۔ (عمدة القاری ج ۲ ص ۲۸۸، مطبوعہ لواء البقاۃ المیریہ، مصر ۱۳۳۸ھ)

علامہ احمد قسطلانی نے ان تمام اقوال اور روایات کو جمع کر کے یہ فرمایا کہ کعبہ کو دس مرتبہ بنایا گیا :

(۱) پہلی بار کعبہ کو فرشتوں نے بنایا۔ (۲) دوسری مرتبہ حضرت آدم نے بنایا۔ (۳) تیسری بار حضرت شیث بن آدم نے بنایا۔ (۴) چوتھی بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا (۵) پانچویں بار قوم مملکتہ نے بنایا (۶) چھٹی بار جرم نے بنایا (۷) ساتویں بار قصی بن کلاب نے بنایا۔ (۸) آٹھویں بار قریش نے بنایا (۹) نویں بار حضرت عبداللہ بن زبیر نے رسول اللہ ﷺ کے حسب منشا کعبہ کو بنایا اس میں دو دروازے رکھے ایک داخل ہونے اور ایک خارج ہونے کا اور حکیم کو کعبہ میں داخل کیا اور یہی بناء ابراہیم تھی قریش اپنے وسائل میں کمی کی وجہ سے اس کو مکمل بناء ابراہیم پر نہیں بنا سکے تھے، اور آپ کی خواہش تھی کہ اس کو بناء ابراہیم پر بنادیا جائے لیکن فتنہ کے خدشہ سے آپ نے نہیں بنایا تھا۔ (۱۰) دسویں بار عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج بن یوسف نے اس کو پھر منہدم کر کے قریش کی بناء کے مطابق بنادیا۔ (ارشاد الساری ج ۳ ص ۳۳-۳۴، مطبوعہ مطبعہ مبینہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

جب ہارون رشید کو یہ روایت پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کو اس طرح بنانا چاہتے تھے تو اس نے چاہا کہ کعبہ کو پھر حضرت ابن الزبیر کی بناء کے مطابق بنادے لیکن امام مالک نے اس کو منع کیا اور فرمایا میں تم کو قسم دیتا ہوں اب کعبہ کو اسی طرح رہنے دو، بار بار منہدم کرنے اور بنانے سے اس کی ہیبت اور جلال میں کمی آئے گی۔ اسعد حمیری نے سب سے پہلے کعبہ کو غلاف چڑھایا تھا رسول اللہ ﷺ نے اس کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ اور حجاج بن یوسف نے سب سے پہلے اس پر ریشم کا غلاف چڑھایا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے مسلمان کرنے کی دعا پر اعتراض اور اس کا جواب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے دعا کی : اور ہمیں خاص اپنی فرمانبرداری پر برقرار رکھ اور ہماری اولاد میں سے ایک امت کو خاص اپنا فرمانبردار کر۔

قرآن مجید کی اس آیت میں ”واجعلنا“ کا لفظ ہے یعنی ہم کو اپنے لیے مسلم کر دے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل پہلے بھی تو مسلم ہی تھے! اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اسلام کا معنی اطاعت ہے اور یہ اطاعت میں زیادتی کی دعا ہے یعنی ہم کو اور زیادہ مطیع اور فرمانبردار کر دے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اطاعت اور فرمانبرداری میں دوام کے حصول کی دعا ہے، یعنی جس طرح ہم اب مطیع ہیں، ہمیں آئندہ بھی اپنا مطیع اور فرمانبردار رکھنا، تیسرا جواب یہ ہے کہ اسلام سے مراد یہاں تمام احکام شرعیہ کو ماننا اور قضاء و قدر کو تسلیم کرنا اور اس پر راضی رہنا ہے یعنی ہمارے دلوں کو ایسا بنادے کہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے خلاف دل میں کوئی تنگی نہ آئے اور قضاء و قدر کے معاملات کے خلاف دل میں کوئی ملال نہ آئے، چوتھا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد صرف تسمیہ ہے یعنی ہمارا نام مسلم کر دے۔

اپنی اولاد کے لیے دعا کی تخصیص کا جواب

دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کے لیے خصوصاً دعا کیوں کی عام لوگوں کے لیے دعا کیوں نہیں فرمائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاد شفقت اور مصلحت کی زیادہ مستحق ہوتی ہے، قرآن مجید میں ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ
نَارًا (النحریم : ۶) سے بچاؤ۔

نیز جب انبیاء علیہم السلام کی اولاد نیک اور صالح ہوگی تو وہ دوسرے لوگوں کی نیکی اور خیر کا بھی ذریعہ بنے گی اس دعا پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی ذریت میں سے کوئی عرب مسلمان نہیں تھا۔

لام رازی اس کے جواب میں لکھتے ہیں :

قل نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی ذریت میں ہمیشہ موحّد رہے ہیں جو صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے زندہ جاہلیت میں زید بن عمرو بن نفیل اور قیس بن سلحدہ تھے اور رسول اللہ ﷺ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب بن ہاشم بھی موحّد تھے اسی طرح عامر بن الکرب تھے۔ یہ سب موحّد تھے، قیامت اور ثواب اور عقاب کے قائل تھے موار کھاتے تھے نہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۸۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

حضرت ابراہیم کو مناسک حج کی تعلیم کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے کہا : اور ہم کو ہمارے مناسک دکھا۔

شریعت میں منک عبادت کا نام ہے، اور یہاں مناسک سے مراد حج کی عبادت ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

نہر بن محمد سے روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کو بنانے سے فارغ ہو گئے تو دعا کی اے رب! میں اس کو بنانے سے فارغ ہو گیا اب ہم کو ہماری عبادت بتا، تب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو بھیجا اور انہوں نے حضرت ابراہیم کے ساتھ حج کیا، حتیٰ کہ جب وہ میدان عرفات سے لوٹے اور یوم نحر (دس ذوالحجہ) آیا تو شیطان ظاہر ہوا، حضرت جبرائیل نے کہا اس کو کنکریاں ماریں تو حضرت ابراہیم نے اس کو سات کنکریاں ماریں، پھر دوسرے اور تیسرے روز، پھر حضرت ابراہیم میر (کہہ اور منیٰ کے درمیان ایک پہاڑ) پر چڑھے، اور فرمایا ”اے اللہ کے بندو جواب دو“ تو جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان تھا اس نے کہا لبیک اللہم لبیک اور دوئے زمین پر ہمیشہ کم از کم سات آدمی مسلمان رہے ہیں اور اگر ایمان نہ ہوتا تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔ حضرت جبرائیل نے حضرت ابراہیم کو تمام مناسک دکھائے۔
منا مہ، منیٰ اور مزدلفہ وغیرہ (المباح لاحکام القرآن ج ۲ ص ۴۸۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران ۱۳۸۷ھ)

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ

اے ہمارے رب! ان میں سے ایک خیم رسول بھیج دے، جو ان لوگوں پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور ان کو

اَلْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ وَيُذَكِّرُهُمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس کی اصلاح کرے، بے شک تو ہی بہت غالب ہے بڑی حکمت والا ○

حضرت ابراہیم نے جس عظیم رسول کی بعثت کی دعا کی وہ سیدنا محمد ﷺ ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا کی تھی کہ مکہ میں اہل مکہ میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے اس سے مراد

حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں :

(۱) تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس رسول سے مراد حضرت سیدنا محمد ﷺ ہیں اور یہ اجماع حجت ہے۔

(۲) امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عریاض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا بے شک میں

اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے اور میں تم کو اپنی ابتداء کی

خبر دیتا ہوں، میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں، اور عیسیٰ کی بشارت ہوں اور میں اپنی مل کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری

پیدائش کے وقت دیکھا تھا، ان سے ایک ایسا نور نکلا تھا جس سے ان کے لیے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔ (۱)

اس حدیث کو امام بزار (۲)، امام طبرانی (۳)، امام ابن حبان (۴)، امام حاکم (۵)، امام ابو نعیم (۶)، امام بیہقی (۷) اور امام

بغوی (۸) نے بھی بیان کیا ہے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا اہل مکہ کے لیے کی ہے اور مکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا محمد ﷺ کے

علاوہ اور کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا۔

اہل مکہ میں ہی سے رسول کو مبعوث کرنے کی حکمت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ مکہ میں اہل مکہ میں ہی سے ایک عظیم رسول مبعوث فرما! اس میں ایک

بات تو یہ بتائی ہے کہ یہ رسول انسانوں کی جنس سے ہے، فرشتوں یا جنات کی جنس سے نہیں ہے کیونکہ اگر وہ رسول فرشتہ یا

جن ہو تا تو انسان اس کو دیکھ نہ سکتے اس کا کلام سن نہ سکتے، اور اس کی سیرت انسانوں کے لیے نمونہ اور حجت نہ ہوتی،

دوسری بات یہ ہے کہ جب وہ رسول اہل مکہ میں سے ہو گا، تو اہل مکہ اس کی پیدائش، اس کی تربیت اور اس کی نشوونما

سے واقف ہوں گے، اس کا صدق، اس کی امانت اور دیانت اور اس کی زندگی کا ایک ایک گوشہ ان پر عیاں اور بیاں ہو گا اور

(۱) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۱۲۸-۱۲۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

(۲) حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی المتوفی ۸۰۷ھ، کشف الاستار عن زوائد البرہان ج ۳ ص ۱۱۳، مطبوعہ موسستہ الرسالہ بیروت۔

(۳) امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ، المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۵۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

(۴) حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی المتوفی ۸۰۷ھ، موارد الفہم عن زوائد ابن حبان ص ۵۱۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

(۵) امام ابوالحسن بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

(۶) امام ابوالحسن بن عبد اللہ اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ، حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۸۹-۹۰، مطبوعہ دار الکتب العربی ۱۳۰۷ھ

(۷) امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوة ج ۲ ص ۱۳۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

(۸) امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۲ھ، شرح السنہ ج ۷ ص ۱۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ

پھر اس کی رسالت کو تسلیم کرنے کے لیے خود اس کی زندگی ہی میں ان کو قرآن اور دلائل مل جائیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان کافروں سے کہیے :

فَقَدْ كُنتُمْ فِیْكُمْ عُمَرَاۤءٌ مِّنْ قَبْلِهِۦٓ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ
(یونس : ۲۱) تو کیا تم نہیں سمجھتے۔
میں اس سے پہلے تم میں عمر (کا ایک حصہ) گزار چکا ہوں

نیز حضرت ابراہیم نے اہل مکہ میں سے اپنی ذریت کے لیے دعا کی تھی اور ان کو یہ علم تھا کہ جب وہ رسول مکہ میں پیدا ہو گا تو یہ ان کی ذریت کے لیے باعث عزت اور فخر ہو گا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا دو ہزار سات سو پچتر سال بعد قبول ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ دعا کا دیر سے قبول ہونا مقبولیت کے متلائی نہیں ہے۔
نماز میں حضرت ابراہیم پر صلوٰۃ کی تخصیص اور ان کے ساتھ تشبیہ کی حکمتیں

حضرت ابراہیم نے ہمارے رسول سیدنا محمد ﷺ کے لیے ایک بار دعا کی اور آپ نے ہر نماز میں تشہد کے بعد ان کے لیے دعا کی ہدایت کر دی کہ جب مجھ پر صلوٰۃ پڑھو تو حضرت ابراہیم پر بھی صلوٰۃ پڑھو اور جب میرے لیے برکت کی دعا کرو تو حضرت ابراہیم کے لیے بھی برکت کی دعا کرو، باقی رہا یہ اعتراض کہ اس دعا میں ہے۔ ”اے اللہ سیدنا محمد اور سیدنا محمد کی آل پر صلوٰۃ نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے“ اس دعا میں سیدنا محمد مشبہ ہیں اور حضرت ابراہیم مشبہ بہ ہیں اور مشبہ بہ مشبہ سے اقویٰ ہوتا ہے، اس سے حضرت ابراہیم کی حضرت سیدنا محمد ﷺ پر فضیلت لازم آئے گی حالانکہ آپ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں :

(۱) یہ قلمدہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات مشبہ افضل ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں مثل نورہ مکشوة (النور : ۳۵)
”اللہ کے نور کی مثل جیسے ایک طاق ہو۔“

(۲) تشبیہ ابراہیم اور آل ابراہیم کے مجموعہ سے ہے اور آل ابراہیم میں دیگر انبیاء کے ساتھ سیدنا محمد ﷺ بھی ہیں۔
(۳) یہ تشبیہ نفس صلوٰۃ میں ہے اس کی کیفیت سے قطع نظر کے ساتھ، جس طرح قرآن مجید میں ہے انا وحبینا الیک کما وحبینا الی نوح (النساء : ۱۲۳) ”ہم نے آپ کو ایسی وحی کی ہے جیسے نوح کی طرف کی تھی۔“
حالانکہ آپ پر جو وحی ہے وہ قرآن ہے اور وہ بلا جہاں افضل ہے۔

(۴) اس دعا میں کف تشبیہ کے لیے نہیں ہے بلکہ تعلیل کے لیے ہے جیسے ولنکبر واللہ علی ما ہداناکم (البقرہ : ۱۷۵) ”تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو“ میں ہے، اور اس دعا کا معنی ہے : اے اللہ سیدنا محمد پر اور سیدنا محمد کی آل پر صلوٰۃ نازل فرما کیونکہ تو نے ابراہیم پر اور ان کی آل پر صلوٰۃ نازل کی ہے۔

کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس کی تشریح
اس عظیم رسول کی صفت بیان کرتے ہوئے حضرت ابراہیم نے کما وہ تیری آیات کی تلاوت کرے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس کی اصلاح کرے۔

آیات کی تلاوت کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ ان پر قرآن مجید کی تلاوت کریں یا مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر جو دلائل، آیات اور علامات ہیں ان کو بیان کریں۔

کتاب کی تعلیم سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید میں بیان کیے ہوئے احکام پر عمل کرے دکھائیں اور جن آیات کی

تفصیل کی ضرورت ہے ان کی تفصیل کریں اور جن آیات کے شرعی معنی بیان کرنے کی ضرورت ہے ان کے شرعی معنی بیان کریں۔

حکمت کا معنی ہے معرفت الموجودات اور فعل الخیرات، اور یہاں اس سے مراد ہے قرآن کے نافع اور منفع اور محکم اور مثابہ کو جانتا یا قرآن مجید کے اسرار اور دقائق کو جانتا، یا حکمت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ کی احادیث ہیں۔

اور اصلاح نفس سے مراد یہ ہے کہ آپ ان کو معصیت کی آلودگی سے پاک کرتے ہیں، ان کے ظاہر اور باطن کو رزائل اور نقائص سے دور کرتے ہیں اور ان کی عیبات میں خلوص، للہیت اور دوام کو اجاگر کرتے ہیں جس سے ان کا دل تجلیات الہیہ کا آئینہ بن جاتا ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ

اور ملت ابراہیم سے اس شخص کے سوا کون منحرف ہوگا جو بے وقوف ہو، اور بے شک ہم نے

اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۳۰﴾

ان کو دنیا میں منتخب کر لیا، اور بے شک وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں ۵

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۳۱﴾

اور (یاد کیجیے) جب ان سے ان کے رب نے کہا میری اطاعت پر (بزرگوار) رہو، انہوں نے کہا میں تمام جہانوں کے رب کی اطاعت پر آمادہ ہوں

ملت کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

ملت ان احکام کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی زبانوں سے اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمائے تاکہ بندوں کو اللہ کا قرب حاصل ہو، دین کا بھی یہی معنی ہے لیکن دین اور ملت میں یہ فرق ہے کہ دین کی اضافت اللہ کی طرف بھی ہوتی ہے جیسے لا تاخذکم بہما رافعة فی دین اللہ (النور : ۲۴) اور انبیاء علیہم السلام کی طرف بھی دین کی اضافت ہوتی ہے جیسے قل یا یہا الناس ان کنتم فی شک من دینی (یونس : ۱۰۴) اور مسلمانوں کی طرف بھی دین کی اضافت ہوتی ہے جیسے الیوم اکملت لکم دینکم (المائدة : ۳) اس کے برعکس ملت کی اضافت صرف انبیاء علیہم السلام کی طرف کی جاتی ہے۔ (المفردات ص ۷۱، مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ ایران ۱۳۴۲ھ)

دین، ملت، شریعت وغیرہا کے مفہیم اور ان کا باہمی فرق ہم نے سورہ فاتحہ میں مالک یوم الدین کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

ملت ابراہیم سے انحراف کا حماقت ہونا

اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ بیان کیا تھا کہ حضرت ابراہیم اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں پورے اترے، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام

مومن کا نام پڑا انہوں نے اللہ کے حکم سے بیت اللہ بنایا اور فرمایا کہ من کو اپنی لولاد پر شفقت تھی انہوں نے اس کے لیے دعا کی مدد میں رہنے والے یہود اپنا نسب حضرت اسمٰعیل کے واسطے سے حضرت ابراہیم سے ثابت کرتے تھے اور نصاریٰ بھی حضرت عیسیٰ کی ماں کے واسطے سے حضرت ابراہیم کی طرف خود کو منسوب کرتے تھے اور قریش مکہ حضرت اسماعیل کے واسطے سے خود کو حضرت ابراہیم کی طرف منسوب کرتے تھے، الغرض یہ سب حضرت ابراہیم کی طرف منسوب ہونے میں اپنا فخر سمجھتے تھے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم نے حضرت سیدنا محمد ﷺ کے مبعوث ہونے کی دعا کی تھی اور آپ نے جس دین کی دعوت دی وہی ملت ابراہیم ہے تو اب جو شخص خود کو ابراہیمی کہتا ہو اور دین ابراہیم سے اعراض اور انحراف کرتا ہو اس سے بڑا بے وقوف اور کون ہو گا!

تمام انبیاء کا پیدا نشی مومن ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسلم "اسلام لاؤ" امام رازی نے کہا اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ کس وقت فرمایا ایک قول یہ ہے کہ یہ نبوت سے پہلے فرمایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ستارے چاند اور سورج کے ڈوبنے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر استدلال کر رہے تھے اور جب حضرت ابراہیم نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اسلام لاؤ" اور انہوں نے کہا میں "تمام جہانوں کے رب پر اسلام لایا۔"

امام رازی نے کہا اکثر علماء کی یہی رائے ہے، اور بعض علماء نے کہا یہ حکم نبوت کے بعد تھا اور اس کا معنی ہے اسلام پر مستقیم رہو اور توحید پر قائم رہو۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۸۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابوالمہدی اندلسی نے بھی یہی لکھا ہے (المحرر المہیط ج ۱ ص ۶۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

اور علامہ آلوسی نے بھی یہ دو قول ذکر کیے ہیں۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۳۸۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بہر حال یہ حکم نبوت سے پہلے ہو یا بعد، انبیاء علیہم السلام پیدا نشی مومن ہوتے ہیں اور نبوت سے پہلے کفر سے معصوم ہوتے ہیں، اس لیے اس کا معنی ہے: اعضاء سے اطاعت کرو یا اسلام پر ثابت قدم رہو یا اپنے آپ کو ہمیں سوچ دو، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ایمان لے آؤ جس سے یہ وہم ہو کہ آپ پہلے مومن نہیں تھے۔ معلو اللہ

وَوَصَّي بِهَا إِبْرَاهِيمَ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَبْنِي إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ

اور اسی نسل کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی، اور یعقوب نے بھی، اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمہارے لیے اس

لَكُمْ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۲﴾ أَمْ كُنْتُمْ

دین کو پسند کریا، پس تم تادم مرگ مسلمان رہنا ○ کیا تم اس وقت مافر تھے

شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا

جب یعقوب کو موت آئی؟ جب یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے

تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ

بعد کس کی عبادت کر دے؟ انہوں نے کہا ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے باپ دادا

إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهًُا وَاحِدًا ۖ وَنَحْنُ لَهُ

ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی، ایک معبود کی، اور ہم سب اسی کے

مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا

فرمایا: وہ امت گزر چکی ہے، اس نے جو کام کیے اس کے لیے ان کا بدلہ ہے

كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۴﴾

اور تم نے جو کام کیے تمہارے لیے ان کا بدلہ بنے اور ان کے کاموں کے متعلق تم سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں کی سوانح

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل تھے، ان کی ماں حاجرہ قبیلہ تھیں، حضرت ابراہیم ان کو شیرخوارگی میں مکہ لے آئے، یہ اپنے بھائی حضرت اسحاق سے چودہ سال بڑے تھے، جس وقت حضرت اسماعیل کی وفات ہوئی تو ان کی عمر ایک سو سینتیس (۱۳۷) سال تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کی عمر نو اسی (۸۹) سال تھی، حضرت اسماعیل ہی ذبح اللہ ہیں۔ حضرت اسحاق کی والدہ سارہ ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ ذبح ہیں (علامہ قرطبی کے نزدیک حضرت اسحاق ہی ذبح ہیں لیکن ہمیں اس سے اختلاف ہے، ان شاء اللہ سورہ الصافات میں یہ بحث آئے گی) ان کی اولاد بنی اسرائیل ہیں، حضرت اسحاق کی عمر ایک سو اسی (۱۸۰) سال تھی، یہ ارض مقدسہ میں فوت ہوئے اور اپنے باپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے پاس دفن کیے گئے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ حضرت سارہ فوت ہو گئیں تو انہوں نے قنطورا بنت یقطن کنعانیہ سے شادی کر لی، اور ان سے مدین، مدائن، نشان، زمران، نشیق اور شیوخ پیدا ہوئے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام فوت ہو گئے، ان کی وفات اور نبی ﷺ کی پیدائش کے درمیان تقریباً تین ہزار سال کا عرصہ ہے۔ یہود اس مدت سے چار سو سال کم کرتے ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا ذکر ان شاء اللہ سورہ یوسف میں آئے گا، حضرت یعقوب اپنے جد امجد حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد پیدا ہوئے، اور جس طرح حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی حضرت یعقوب نے بھی اسی طرح اپنے بیٹوں کو وصیت کی، حضرت یعقوب ایک سو سینتالیس (۱۳۷) سال زندہ رہے اور مصر میں فوت ہوئے، آپ نے وصیت کی تھی کہ آپ کو ارض مقدسہ میں لے جایا جائے اور وہاں آپ کے باپ حضرت اسحاق کے پاس دفن کیا جائے تو حضرت یوسف نے آپ کو ان کے پاس دفن کیا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۳۶-۱۳۵، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران، ۱۳۸۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا تم اس وقت حاضر تھے جب یعقوب کو موت آئی؟

یہودیہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے ان کے دین پر تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ کیا تم یعقوب کی موت کے وقت حاضر تھے اور کیا تم کو معلوم ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو کیا وصیت کی تھی؟ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب نے تو اپنے اپنے بیٹوں کو اسلام پر ثابت رہنے اور توحید پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔

جبریہ اور قدریہ کے نظریہ کا رد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ امت گزر چکی ہے اس نے جو کام کیے اس کے لیے ان کا بدلہ ہے اور تم نے جو کام کیے تمہارے لیے ان کا بدلہ ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا کہ بندہ کے عمل اور کسب کی اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے، اگرچہ بندہ کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور جو نیک کام ہیں وہ اللہ کے فضل سے ہوتے ہیں اور جو برے کام ہیں وہ بندہ کے اپنے نفس کی شامت ہیں، اہل سنت و جماعت کا یہی مذہب ہے، قرآن مجید کی بہت سی آیات اور بہت سی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں، بندہ صرف کسب کرتا ہے اور کسب کا معنی ہے کسی فعل کا ارادہ کرنا خواہ وہ اچھا ہو یا برا اور جس وقت بندہ ارادہ کرتا ہے اللہ اسی وقت اس میں اس فعل کی قدرت پیدا کر دیتا ہے اس لیے یہ کہا جاتا ہے کہ بندہ فعل کا کسب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فعل کو خلق کرتا ہے۔ اس کے برعکس جبریہ یہ کہتے ہیں بندہ کا فعل میں کوئی دخل نہیں اور اس کو فعل پر کوئی قدرت اور اختیار نہیں جیسے درختوں کے پتے ہواؤں سے اپنے اختیار کے بغیر مل رہے ہیں اسی طرح بندہ اپنے اختیار کے بغیر افعال کر رہا ہے لیکن یہ بدعت ”باطل“ ہے ہم اپنے اختیار سے کسی کام کو کرتے ہیں یا ترک کرتے ہیں جس شخص پر ریشہ طاری ہو اس کے اختیار کے بغیر اس کا ہاتھ حرکت کرتا ہے جبکہ ہم اپنے اختیار سے اپنے ہاتھ کو حرکت دیتے ہیں پھر اگر بندہ کا فعل بالکل اختیار نہ ہو تو انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں بھیجنا، قیامت اور جزا اور سزا کا نظام عبث ہو کر رہ جائے گا، معتزلہ اور قدریہ یہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اور یہ قرآن مجید کی اس آیت کے صراحت ”خاف ہے :

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ

(الصافات : ۸۶)

کسی کے گنہ کی سزا دوسرے کو نہ دینا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان کے کاموں کے متعلق تم سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا۔

یعنی کسی شخص کے گنہ کی وجہ سے دوسرے شخص سے مواخذہ نہیں ہو گا، اور اسی کی مثل قرآن مجید کی یہ آیت

ہے

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰی (الزمر : ۷)

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے

ۛ

یہاں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایک حدیث اس آیت کے خلاف ہے؟ امام بخاری حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے خون (کی سزا) کا ایک حصہ تو م کے بیٹے (قاتل) پر ہو گا کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۶)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعد کے قاتلوں کو عذاب نہیں ہو گا اور ان کے گناہ کا عذاب قاتل کو ہو گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قاتل کو اپنے گناہ کی پوری پوری سزا ملے گی، لیکن ظلمہ قتل کرنے کو قاتل نے ایجلو کیا تھا لہذا ہر قاتل کا سبب قاتل قرار پایا اور قیامت تک جتنے بھی قتل ہوں گے سب کے قتل کے سبب ہونے کی سزا قاتل کو ملے گی اور ان قاتلوں کی اپنی سزائیں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے :

امام مسلم حضرت ابن جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی برے کام کو ایجلو کیا اس پر اپنی برائی کا بھی بوجھ ہو گا اور اس کے بعد اس برائی پر عمل کرنے والوں کا بھی بوجھ ہو گا اور ان برائی کرنے والوں کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۷، مطبوعہ نور محمد اصحح الطالع کراچی ۱۳۸۵ھ)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس مسئلہ کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ پر قاتلانہ وار کیے گئے تو حضرت مصیب روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے ہائے میرے بھائی! ہائے میرے صاحب! حضرت عمرؓ نے کہا اے مصیب تم مجھ پر رو رہے ہو؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میت کے گھر والوں میں سے کسی کے رونے سے اس میت کو عذاب ہوتا ہے، حضرت ابن عباس نے کہا جب حضرت عمرؓ فوت ہو گئے تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کا ذکر کیا، حضرت عائشہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ پر رحم فرمائے! بہ خدا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میت کے گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے، اور تمہارے لیے قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے ولا تزر وازرة وزر اخیری (الزمر : ۷) (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۲، مطبوعہ نور محمد اصحح الطالع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام بخاری نے لکھا ہے کہ اگر میت نے یہ وصیت کی ہو کہ اس پر نوحہ کیا جائے تو پھر گھر والوں کے رونے سے اس کو عذاب ہو گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۱، مطبوعہ نور محمد اصحح الطالع کراچی ۱۳۸۱ھ)

قرآن اور حدیث کی بناء پر اکابر علماء سے اختلاف کرنے کا جواز

حضرت عمرؓ یہ کہتے تھے کہ میت پر گھر والوں کے رونے سے اس میت کو عذاب ہو گا اور حضرت عائشہ نے حضرت ابن عباس کے سامنے اس کا قرآن مجید سے رد کیا۔ (صحیح بخاری) حالانکہ حضرت عمروؓ سے خلیفہ راشد ہیں اور ان کا مرتبہ حضرت عائشہ سے بڑا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دلیل کے ساتھ اکابر علماء سے اختلاف کرنا جائز ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ اور عثمان ج جمع کرنے سے منع کرتے تھے اور حضرت علیؓ، حضرت عمران بن حصین وغیرہ ان سے اختلاف کرتے تھے کیونکہ نبی ﷺ سے حج تمتع کرنا ثابت ہے :

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

مروان بن الحکم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں حاضر تھا، حضرت عثمان جمع کرنے سے منع کر رہے تھے، جب حضرت علیؓ نے یہ دیکھا تو حضرت علیؓ نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا اور فرمایا میں کسی شخص کے قول کی وجہ سے نبی ﷺ کی سنت کو ترک نہیں کروں گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۳، مطبوعہ نور محمد اصحح الطالع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ کے عہد میں تمتع کیا اور قرآن مجید بھی نازل ہوا فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى (البقرة: ۱۳۲) ”جس نے حج کے ساتھ عمرہ ملا کر تمتع کیا تو اس پر وہ قربانی لازم ہے جو اسے آسان ہو۔“ اور ایک شخص (حضرت عمر) نے اپنے رائے سے جو چاہا کیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۳، مطبوعہ نور محمد اصرار المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

لام ترمذی روایت کرتے ہیں :

سالم بن عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ شام کے ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تمتع کے حلق سول کیا انہوں نے کہا یہ حلال ہے، شاہی نے کہا آپ کے باپ (حضرت عمر) اس سے منع کرتے تھے! حضرت ابن عمر نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر میرے باپ نے تمتع سے منع کیا ہو اور رسول اللہ ﷺ نے تمتع کیا ہو تو میرے باپ کے حکم پر عمل کیا جائے گا یا رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر عمل کیا جائے گا؟ اس شخص نے کہا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر عمل کیا جائے گا، حضرت ابن عمر نے فرمایا تو بے شک رسول اللہ ﷺ نے تمتع کیا ہے، امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت علی، حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابن عمر علم و فضل اور مرتبہ و مقام میں حضرت عمر اور حضرت عثمان سے کم درجہ کے تھے لیکن انہوں نے دلائل کی بناء پر اپنے سے بڑے درجہ کے صحابہ سے اختلاف کیا اور ان کا رد کیا اور اس چیز کو ان کے مرتبہ کی خلاف ورزی یا بے لوبی نہیں سمجھا گیا، آج اگر قرآن اور حدیث کی بناء پر کسی مشہور عالم سے اختلاف کیا جائے تو اس کے معتقدین کہتے ہیں کہ ان کو قرآن اور حدیث کا علم نہیں تھا؟ لیکن حضرت ابن عمر وغیرہم پر کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ کیا حضرت عمر اور عثمان کو قرآن اور حدیث کا علم نہیں تھا، کیونکہ خیر القرون میں لوگ اس قدر غلو کا شکار نہیں تھے اور کسی شخص کی رائے اور اس کے قول کو قرآن اور حدیث پر فوقیت نہیں دیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی کے لیے تیمم کو جائز نہیں قرار دیتے تھے، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث کی بناء پر ان سے اختلاف کیا۔

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

عبد الرحمن بن ابیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آکر حضرت عمر سے پوچھا میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہیں ملا، حضرت عمار بن یاسر نے حضرت عمر بن الخطاب سے کہا کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ ایک سفر میں تھے، ہم دونوں جنبی ہو گئے آپ نے تو نماز نہیں پڑھی اور میں زمین میں لوٹ پوٹ ہو گیا اور میں نے نماز پڑھ لی پھر میں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا تمہیں اس طرح کر لینا کافی تھا، پھر نبی ﷺ نے اپنی ہتھیلیاں زمین پر ماریں ان پر پھونک ماری اور چہرے اور ہاتھوں پر تیمم کیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸، مطبوعہ نور محمد اصرار المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

شقیق بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، حضرت ابو موسیٰ نے حضرت ابن مسعود سے پوچھا جب ایک شخص جنبی ہو اور اس کو پانی نہ ملے تو وہ کیا کرے؟ حضرت ابن مسعود نے فرمایا جب تک پانی نہ ملے وہ نماز نہ پڑھے، حضرت ابو موسیٰ نے کہا پھر آپ حضرت عمار کی حدیث کا کیا جواب دیں گے؟ حضرت ابن مسعود نے کہا کیا تم کو معلوم نہیں کہ حضرت عمران کی روایت سے مطمئن نہیں تھے! حضرت ابو موسیٰ نے کہا اچھا

حضرت عمار کی حدیث کو چھوڑیں آپ اس آیت کا کیا جواب دیں گے۔ (اولمستم النساء فلم نجدوا ماء فنیمموا۔ النساء : ۶) "جب تم جیسی ہو جاؤ لوڑ پلنی نہ ملے تو تیمم کرو۔" حضرت ابن مسعود کو اس آیت کا کوئی جواب نہ آیا پھر وہ کہنے لگے اگر میں لوگوں کو اس کی اجازت دے دوں تو جس کو سردی لگے گی وہ غسل کی جگہ تیمم کر لے گا۔" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس مسئلہ میں بھی جمہور امت نے حضرت عمر کے قول اور حضرت ابن مسعود کی رائے پر عمل نہیں کیا بلکہ قرآن اور حدیث پر عمل کیا ہے۔

بعض جمہور پسند لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ صحابہ سب مجتہد تھے ان کا ایک دوسرے سے اختلاف جائز ہے ہم مقلد ہیں ہمارا ائمہ اور اکابر علماء سے اختلاف جائز نہیں، میں کہتا ہوں کہ دلائل کی بناء پر ہمارے فقہاء نے امام ابو حنیفہ سے بھی اختلاف کیا ہے، مثلاً علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک شوال کے چھ روزے رکھنا مکروہ ہے خواہ متفرقاً رکھے جائیں یا متصلاً اور امام ابو یوسف کے نزدیک یہ روزے متصلاً رکھنا مکروہ ہیں لیکن عام متاخرین کے نزدیک ان میں کراہت نہیں ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۸، مطبوعہ مطبعہ ملیہ مصر ۱۳۳۱ھ)

اور علامہ شرنبلالی نے لکھا ہے کہ شوال کے چھ روزے رکھنا مستحب ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس نے رمضان کے بعد متصل چھ روزے رکھے اس کو دامناً روزہ رکھنے کا اجر ملے گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۹، مراقی الفلاح ص ۳۸۷، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البلبلی والولادہ مصر ۱۳۵۶ھ)

اسی طرح عقیقہ کو امام ابو حنیفہ نے مباح کہا ہے لیکن ہمارے فقہاء نے حدیث کی بناء پر کہا یہ سنت ہے اور کار ثواب ہے۔ بہر حال قرآن اور حدیث سب پر مقدم ہیں اور قرآن اور حدیث کے دلائل کی وجہ سے اکابر علماء سے اختلاف کرنا جائز ہے اور میری زندگی کا یہی مشن ہے کہ قرآن اور حدیث کی بالادستی بیان کروں۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ

اہل کتاب نے کہا یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے، آپ کہیے (نہیں) بلکہ ہم ابراہیم کی ملت پر ہیں جو باطل سے

حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۳۵﴾ قُلُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا

اعراض کرنے والے تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے ○ (مسلمانو) تم کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو

أَنْزَلَ إِلَيْنَا وَمَا أَنْزَلَ إِلَيْنَا إِلَّا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَ

ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور

الْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ

ان کی اولاد پر نازل کیا گیا، اور اس پر جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور اس پر جو دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی

تَزَيِّرُهُمْ لِاتْفِرَاقٍ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۶﴾ فَإِنْ

طرف دیا گیا، ہم (ایمان لانے میں) نبیوں میں سے کسی ایک میں (بھی) فرق نہیں کرتے، اور ہم اسی (ایک رب) کے فرمانبردار ہیں ○ سو اگر وہ

أَمِنُوا بِمِثْلِ مَا أَمِنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَابْتَغُوا فَاثِمًا

ان کی مثل پر ایمان لے آئیں جن پر تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ ہدایت پائیں گے اور اگر وہ انحراف کریں تو (جان لیجئے) کردہ گناہ

هُمُ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۳۷﴾

میں وہ بدھت دھری پر ہیں تو حقیر ان کے (شر سے) بچانے کے لیے اللہ آپ کو کافی ہوگا اور وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے ○

ضعیف کا معنی

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن صوریہ نے نبی ﷺ سے کہا ہدایت صرف ہمارے دین میں ہے، اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ ہماری پیروی کریں تو ہدایت پا جائیں گے! اور عیسائیوں نے بھی اسی طرح کاتب یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ کیسے کہ نہیں بلکہ ہم ابراہیم کی ملت پر ہیں جو ضعیف ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۴۴۲-۴۴۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۰ھ)

ضعیف کے معنی ہیں مستقیم، یعنی ابراہیم کا دین مستقیم ہے، بعض اہل تلویل نے کہا ضعیف کا معنی ہے جگہ کرنے والا اور حضرت ابراہیم کے دین کو ضعیف اس لیے فرمایا کہ وہ اپنے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے جگہ کرنے والوں کے امام ہیں، اور بعض علماء نے کہا ضعیف کا معنی اسلام ہے۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

جو شخص ٹیڑھے راستہ سے انحراف کر کے سیدھے راستہ پر چلے وہ ضعیف ہے، اہل عرب حج اور ختنہ کرنے والے کو ضعیف کہتے تھے کیونکہ وہ ملت ابراہیم پر ہے۔

(المفردات ص ۱۳۳، مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ ایران ۱۳۳۲ھ)

تمام انبیاء پر ایمان لانے کی وجہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (مسلّمون!) تم کو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور بنی اسرائیل پر نازل کیا گیا۔ لایہ۔

جب یہود اور عیسائیوں نے یہ کہا تم یہودی ہو جاؤ یا عیسائی ہو جاؤ تو پہلے فرمایا آپ کیسے کہ نہیں بلکہ ہم ابراہیم کی ملت پر ہیں، اب فرمایا تم کو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا الخ۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی معرفت کی دلیل بن کے صدق پر معجزہ کا ظہور ہے، اور جب سیدنا حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے صدق پر معجزہ ظاہر ہوا تو آپ پر ایمان لانا واجب ہے، اسی طرح باقی انبیاء علیہم السلام کی نبوت اور رسالت کی جب قرآن نے شہادت دی تو ان پر بھی ایمان لانا واجب ہوا اور ہم انبیاء علیہم السلام میں یہ فرق نہیں کرتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر ایمان نہ لائیں جس

طرح یسود اور نصاریٰ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے۔

باقی انبیاء پر جو نازل کیا گیا اس پر ایمان لانے کے محال

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر جو نازل کیا گیا ہم اس پر بھی ایمان لاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے جو احکام ان پر نازل کیے گئے ہم ان سب پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے، دین ان عقائد اور ان اصول کو کہتے ہیں جو تمام انبیاء میں مشترک ہیں، مثلاً الوہیت، توحید، رسالت، قیامت، مرنے کے بعد اٹھنا، قضا و قدر کا حق ہونا، عبودیت کا فرض ہونا، شرک، قتل ناحق اور جھوٹ کا حرام ہونا وغیرہ اور ہر زمانہ کے مخصوص حالات کے اعتبار سے عبودیت اور معاشرت کے جو احکام ہوتے ہیں ان کو شریعت کہتے ہیں اور ہر نبی کی شریعت الگ ہے، تو اگر اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ ہم ان انبیاء سابقین کی شرائع پر ایمان لاتے ہیں تو اس کا محمل یہ ہے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ ہر نبی کی شریعت اس کے زمانہ میں برحق تھی اور اب اللہ تعالیٰ نے تمام شرائع منسوخ کر کے صرف شریعت محمدی کو قیامت تک کے لیے جاری کر دیا ہے، اور اگر اس آیت کا مطلب ہے کہ ہم انبیاء سابقین پر نازل ہونے والے صحائف پر ایمان لاتے ہیں تو اس کا محمل یہ ہے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ جو اصل صحائف اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل کیے تھے وہ برحق ہیں اور بعد میں ان کی امتوں نے ان میں جو تحریف کر دی اس کی ہم تصدیق نہیں کرتے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب تورات کو عبرانیہ میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے لیے عربی میں اس کی تفسیر کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ ان کی تکذیب کرو بلکہ کہو امنا باللہ وما انزل الینا۔ الا یہ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۲، ج ۱ ص ۳۶۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کہو ہم (اسی ایک رب کے) فرمانبردار ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا ان سب انبیاء پر ایمان لانا اسلام کی وجہ سے ہے اور قرآن کی شہادت کے سبب سے ہے کیونکہ نبوت کا ثبوت معجزہ کے ظہور سے ہوتا ہے، اور معجزہ کے ظہور کے بعد کسی کو مانا جائے اور کسی کو نہ مانا جائے تو یہ خواہش نفس کی اتباع ہے دلیل کی اتباع نہیں ہے سو یسود اور عیسائیوں نے اگر حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کو ظہور معجزہ کی وجہ سے نبی مانا ہے تو ان پر لازم ہے کہ حضرت سیدنا محمد ﷺ کو بھی نبی مانیں ورنہ لازم آئے گا کہ وہ دلیل کے متبع نہیں ہیں بلکہ خواہش نفس کے متبع ہیں جس کو چاہا نبی مانا اور جس کو چاہا نہ مانا۔

اللہ کی مثل پر ایمان لانے میں اشکال اور اس کے جوابات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو اگر وہ ان کی مثل پر ایمان لے آئیں جن پر تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ ہدایت پائیں گے۔

اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ جن پر مسلمان ایمان لائے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید، ان کی تو مثل ہے ہی نہیں بلکہ ان کی مثل کا ہونا محال ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا اگر وہ ان کی مثل پر ایمان لے آئیں جن پر تم ایمان لائے ہو، حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت میں مثل کا لفظ زائد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل نہیں ہے

اور اس کا معنی ہے اگر وہ اس پر ایمان لے آئیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو ہدایت پالیں گے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۳۳)
 مطبوعہ دارالمرکز بیروت ۱۴۲۰ھ) دوسرا جواب یہ ہے کہ جس طرح مسلمان قرآن مجید پر بغیر تحریف اور تغیر کے ایمان لائے
 ہیں اس طرح اگر یہود بھی تورات پر بغیر تحریف اور تغیر کے ایمان لائیں تو ہدایت پا جائیں گے، تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں
 مومن بہ میں مماثلت مرلو نہیں ہے بلکہ ایمان میں مماثلت مرلو ہے یعنی اگر یہ اللہ اور رسول پر تمہاری طرح ایمان لائیں
 اور تمہاری طرح تصدیق کریں تو یہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر یہ ضد اور عناد کی وجہ سے ایمان نہ لائیں تو ان کے شر سے
 بچنے کے لیے آپ کو اللہ کافی ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ وعدہ پورا ہوا
 اس آیت میں پیش گوئی ہے جو صادق ہوئی اور غیب کی خبر ہے اور یہ نبی ﷺ کے صدق کی دلیل ہے، علامہ قرطبی نے
 لکھا ہے کہ جب نبی ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق حضرت عثمان کو شہید کیا گیا تو اس آیت ”فسيكفيهم الله“ پر
 حضرت عثمان کا خون گرا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ) واضح رہے کہ اس
 آیت کا منہموم یہ ہے کہ کوئی کافر آپ کو قتل نہیں کر سکے گا، رہا اذلاء اور تکلیف کا پہنچنا تو وہ اس آیت کے منافی نہیں ہے۔

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً زُيِّنَ لَهُ

(تم ان سے کہو) ہم نے خود کو اللہ کے رنگ میں رنگ لیا، اور اللہ کے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہوگا؟ اور ہم اسی کی عبادت

عَبَدُونَ ﴿۱۲۰﴾ قُلْ أَتَحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا

کرتے ہیں ○ آپ کہیے کیا تم اللہ کے متعلق ہم سے بحث کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا رب اور تمہارا رب، اور ہمارے لیے

أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿۱۲۱﴾ أَمْ تَقُولُونَ

ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں اور ہم اسی کے ساتھ مخلص ہیں ○ کیا تم کہتے ہو کہ

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا

بیک ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد یہودی

هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ

یا مینائی تھے؟ آپ کہیے کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ؟ اور اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس نے

كُتِبَ شَهَادَةٌ عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۲﴾

اس شہادت کو پہنایا جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے ○

تِلْكَ أُمَمَةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا

و ایک امت ہے جو گزر چکی ہے اس نے جو کام کیے اس کے لیے ان کا بدلہ ہے اور تم نے جو کام کیے تمہارے لیے ان کا بدلہ ہے اور

تَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۱﴾

ان کے کاموں کے متعلق تم سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا ۰

صبغة الله (اللہ کا رنگ) کی تفسیر

اللہ کے رنگ میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ کا دین ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض عیسائی اپنے بچوں کو پہلے رنگ میں رنگتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اس کے لیے تطہیر ہے اور اب وہ عیسائیت میں داخل ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ کے رنگ کو طلب کرو اور وہ دین اسلام ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ کے رنگ سے مراد اللہ کی فطرت ہے، یعنی جس فطرت اور خلقت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ کی سنت ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رنگ سے مراد اس کی صفات ہوں اور اللہ کے رنگ میں رنگنے سے مراد یہ ہو کہ بندہ اللہ کی صفات سے متصف ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کہیے کہ تم اللہ کے متعلق ہم سے بحث کرتے ہو، حالانکہ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں اور ہم اسی کے ساتھ مخلص ہیں۔ حسن بصری نے بیان کیا ہے کہ بحث یہ تھی کہ یہود مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ تمہاری بہ نسبت ہم اللہ کے زیادہ قریب ہیں کیونکہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ہمارے آباء اور ہماری کتابیں تم سے پہلے کی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان سے کہہ دو کہ مقدم ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اعتبار صرف عمل کا ہے اور اس عمل کا اعتبار ہے جس میں اللہ کے لیے اخلاص ہو۔

اخلاص کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

خالص کا معنی ہے صاف، جس چیز میں ملاوٹ ہو اور وہ ملاوٹ دور کر دی جائے تو اس کو خالص کہتے ہیں، (جس چیز میں ملاوٹ ہو سکتی ہو لیکن ملاوٹ نہ ہو اس کو بھی خالص کہتے ہیں) قرآن مجید میں مسلمانوں کو مخلص فرمایا ہے کیونکہ وہ یہود کی تشبیہ اور نصاریٰ کی تثلیث سے بری ہیں اور اخلاص کی حقیقت ہے : اللہ کے سوا ہر چیز سے بری ہونا۔

(المفردات ص ۱۵۵-۱۵۴، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویۃ، ایران ۱۳۳۲ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جس عبادت میں ریاکاری کی بالکل آمیزش نہ ہو اس کو اخلاص کہتے ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

عمل کو مخلوق کے ملاحظہ سے صاف کر لینا اخلاص ہے، جنید بغدادی نے کہا اخلاص اور اللہ کے درمیان ایک راز ہے،

نہ اس کو فرشتے جانتے ہیں کہ لکھ سکیں نہ اس کو شیطان جانتا ہے کہ اس کو فاسد کر سکے، اور نہ اس کو خواہش جانتی ہے کہ اس کو کبھی طرف مائل کر سکے، ابو القاسم قسری وغیرہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے جبرائیل سے پوچھا اخلاص کیا ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رب العزت سے اخلاص کے متعلق پوچھا فرمایا وہ میرا ایک راز ہے جس کو میں نے اپنے محبوب بندہ کے دل میں رکھا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۳۶۶، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابو الجہل اندلسی لکھتے ہیں :

سعید بن جبیر نے کہا اخلاص یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور اپنا عمل کسی کو نہ دکھایا جائے، فضیل بن عیاض نے کہا لوگوں کی وجہ سے عمل کو ترک کرنا یا ہے اور لوگوں کی وجہ سے عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تمہیں ان دونوں سے محفوظ رکھے، ابن معاذ نے کہا اخلاص یہ ہے کہ جس طرح دودھ کو گوبر اور خون کے درمیان سے نکالا جاتا ہے اس طرح عمل صالح کو گناہوں سے متمیز کیا جائے۔ ابو سنجی نے کہا اخلاص یہ ہے کہ اس عمل کو نہ فرشتے لکھ پائیں، نہ شیطان فاسد کر سکے نہ اس پر کوئی انسان مطلع ہو یعنی اللہ کے سوا اس پر کوئی مطلع نہ ہو، حذیفہ المرعشی نے کہا بندے کے افعال کا ظاہر اور باطن میں برابر ہونا اخلاص ہے، ابو یعقوب الکنفوف نے کہا اخلاص یہ ہے کہ بندہ اپنی نیکیوں کو اس طرح چھپائے جس طرح اپنے گناہوں کو چھپاتا ہے، سہل نے کہا اپنے عمل کو حقیر جانتا اخلاص ہے، ابو سلیمان الدارانی نے کہا، ریاکار کی تین علامتیں ہیں : جب وہ اکیلا ہو تو عبادت سے تھک جاتا ہے، اور جب لوگوں کے درمیان ہو تو تروتازہ ہوتا ہے اور جب اس کی تعریف کی جائے تو نیک عمل زیادہ کرتا ہے، اور اخلاص ریا کے بالمقابل ہے۔

(البحر المحیط ج ۱ ص ۶۵۹-۶۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت ابراہیم اور اسماعیل وغیرہ کے دین یہودیت اور عیسائیت پر نہ ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ آپ کہیے کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟

یہود کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد میں سے یہ انبیاء یہودی تھے اور عیسائی ان کو عیسائی کہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا رد فرمایا ہے، یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرت ابراہیم موحّد تھے اسی طرح ان کی اولاد میں سے یہ انبیاء بھی موحّد تھے اور حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب نے وفات سے پہلے اپنے بیٹوں سے توحید پر تادم مرگ قائم رہنے کا اقرار کر لیا جیسا کہ قرآن مجید میں گزر چکا ہے، اور یہود مشرک تھے کیونکہ وہ عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور عیسائی بھی شرک کرتے ہیں کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اس لیے یہود اور عیسائیوں کا حضرت ابراہیم اور ان انبیاء کو اپنے اپنے دین پر کتابداتہ "باطل" ہے۔

واضح رہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور وہ اسلام ہے ان الدین عند اللہ الاسلام (آل عمران : ۸۵) اور ان کی شریعت الگ الگ ہے لکل جعلنا منکم شرعاً ومنہا حلالاً (الاعراف : ۱۳۳) یعنی انسان کے فکری اور تمدنی ارتقاء اور زمانہ اور ماحول کے خصوصی تقاضوں کی وجہ سے ہر نبی کے دور میں عبادات اور معاملات کے الگ الگ طریقے شروع (مقرر) کیے گئے البتہ عقائد سب کے ایک ہی تھے اور بعض غیر متبدل اصول بھی ہر دور میں برقرار رہے جیسا کہ ہم ملک یوم الدین کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

اس شہادت کا بیان جس کو یہودیوں اور عیسائیوں نے چھپایا
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جس نے اس شہادت کو چھپایا جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے
ہے :

اس شہادت کے متعلق دو قول ہیں، ایک یہ کہ یہودی اور عیسائیوں کو یہ علم تھا کہ حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد میں یہ
انبیاء یہودی یا عیسائی نہیں تھے اور انہوں نے علم کے بلوجود اس شہادت کو چھپایا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی کتابوں میں
حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر شہادت موجود تھی لیکن انہوں نے اس کو چھپایا، حالانکہ بعض راہبوں نے آپ کی نبوت
کی تصدیق کی جیسا کہ ورقہ بن نوفل نے آپ کی تصدیق کی۔ اور قرآن مجید میں ہے : یعرفونہ کما یعرفون
ابناءہم (الانعام : ۲۰) وہ اس نبی کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ "اس کے بلوجود وہ
حسد اور عناد کی وجہ سے اس شہادت کو چھپاتے تھے۔

ایک شخص کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچنے کی تحقیق
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ ایک امت گزر چکی ہے اس نے جو کام کیے ان کے لیے ان کا بدلہ ہے اور تم نے جو کام کیے
تمہارے لیے ان کا بدلہ ہے۔

یعنی ہر شخص کو اس کے عمل کی جزا ملے گی یہ معنی برحق ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ کسی شخص کو
دوسرے کے عمل سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور اس کلیہ کی وجہ سے فوت شدہ مسلمانوں کے لیے ایصال ثواب کے جواز کا
انکار کرنا باطل ہے، بعض لوگ قرآن مجید کی اس آیت کی بناء پر ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں :
أَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم : ۳۹) انسان کے لیے صرف اسی کی کوشش کا اجر ہے۔

اور ایصال ثواب میں دوسرے کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہے اس لیے وہ ناجائز ہے، یہ دلیل باطل ہے اور اس کی متعدد
وجوہ ہیں :

علامہ سید احمد مٹھلوی لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت اس دوسری آیت سے منسوخ ہو گئی :

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ (الطور : ۲۱)
اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان میں
ان کی پیروی کی، ان کی اولاد کو ہم ان کے ساتھ ملا دیں گے اور
ان کے عمل میں کسی قسم کی کمی نہیں کریں گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ اس آیت سے پہلے صحف ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کا ذکر ہے،
اس لیے یہ حکم ان کی امتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

رہی یہ امت تو اس کو اپنی سعی کا اجر بھی ملے گا اور جو اس کے لیے سعی کریں گے اس کا اجر بھی ملے گا، تیسرا جواب
یہ ہے کہ علامہ ربیع بن انس اور علامہ ثعلبی نے فرمایا اس آیت میں انسان سے مراد کافر ہیں اور کافروں کو صرف ان کی سعی کا
اجر ملتا ہے اور وہ بھی صرف دنیا میں آخرت میں ان کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ علامہ حسین بن

فصل نے کہا اس آیت میں دوسروں کی سعی سے جس اجر کی سعی ہے وہ بطریق عدل ہے اور جس اجر کا ثواب ہے وہ بہ تقضاء فصل ہے۔ پانچویں جواب یہ ہے کہ علامہ ابو بکر و رقی نے کہا اس آیت میں سعی، نیت کے معنی میں ہے یعنی انسان کو صرف اپنی نیت کا اجر ملتا ہے۔ چھٹا جواب یہ ہے کہ آیت میں لام، معنی علی ہے یعنی انسان کو صرف اس کے عمل سے گناہ ہوتا ہے دوسروں کے عمل کا بابر اس پر نہیں۔ ساتویں جواب یہ ہے کہ علامہ زعفرانی نے کہا اس آیت میں سعی سے مراد عام ہے انسان نے خود سعی کی ہو یا سعی کا سبب فراہم کیا ہو مثلاً جس انسان کی لولاد دوست احباب اور ملنے والے اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں تو یہ بھی اس کی سعی کا سبب ہے کیونکہ وہ اپنی لولاد کی ایسی تربیت کرتا ہے اور قربت داروں اور ملنے جملنے والوں سے ایسا حسن سلوک کرتا ہے جس کی بناء پر وہ اس کے لیے دعا اور استغفار کرتے ہیں گویا کہ اس دعا اور استغفار کا سبب اس شخص کی سعی سے قائم ہوا، آٹھویں جواب یہ کہ علامہ عینی نے فرمایا یہ حصر اصل مقصود کے اعتبار سے ہے کل کے اعتبار سے نہیں ہے۔ (حاشیہ مراقی الفلاح ص ۷۷، ۳، مطبوعہ معطفی البلی مصر المکتبۃ الثالث ۱۳۵۶ھ)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں : شیخ الاسلام تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا جس شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان کو صرف اس کے عمل سے نفع ہوتا ہے وہ اجماع کا مخالف ہے اور یہ متعدد وجوہ سے باطل ہے ایک وجہ یہ ہے کہ انسان کو دوسرے شخص کی دعا سے فائدہ پہنچتا ہے اور یہ عمل غیر سے فائدہ پہنچا دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ میدانِ معشر میں پہلے حساب کے لیے شفاعت فرمائیں گے پھر جنت میں دخول کے لیے سفارش کریں گے اور آپ کے عمل سے دوسروں کو فائدہ پہنچے گا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ (گنہگار) شفاعت کے ذریعہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور یہ نفع عمل غیر سے ہو گا، چوتھی وجہ یہ ہے کہ فرشتے زمین والوں کے لیے دعا اور استغفار کرتے ہیں، پانچویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض ایسے گناہ گاروں کو جہنم سے نکالے گا جن کا کوئی عمل صالح نہیں ہو گا اور یہ نفع بغیر عمل اور سعی کے حاصل ہوا، چھٹی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی اولاد اپنے آباء کے عمل سے جنت میں جائے گی اور یہ عمل غیر سے نفع ہے۔ ساتویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو یتیم لڑکوں کے قصہ میں بیان فرمایا : وکان ابوہما صالحا ان لڑکوں کو اپنے باپ کی نیکی سے فائدہ پہنچا۔ آٹھویں وجہ یہ ہے کہ سنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ میت کو دوسروں کے کیے ہوئے صدقات سے فائدہ پہنچتا ہے۔ نویں وجہ یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ میت کے ولی کی طرف سے حج کرنے سے میت سے حج مفوض سلط ہو جاتا ہے اور یہ فائدہ بھی عمل غیر سے ہے۔ دسویں وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ نذر ملنا ہوا حج اور نذر ملنا ہوا دوزخ بھی غیر کے کرنے سے لوا ہوا جاتا ہے، گیارہویں وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مقروض کی نماز جتانہ نہیں پڑھی حتیٰ کہ ابو قتادہ نے اس کا قرض لوا کر دیا اس طرح غیر کے عمل سے قرض ادا ہوا۔ بارہویں وجہ یہ ہے کہ ایک شخص تہا نماز پڑھ رہا تھا نبی ﷺ نے فرمایا کوئی شخص اس پر صدقہ کیوں نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے اور اس کو جماعت کا ثواب مل جائے۔ تیرہویں وجہ یہ ہے کہ اگر کسی میت کی طرف سے لوگ قاضی کے حکم سے قرض لوا کریں تو میت کا قرض لوا ہوا جاتا ہے۔ چودھویں وجہ یہ ہے کہ جس شخص پر لوگوں کے حقوق ہیں اگر لوگ وہ حقوق صاف کر دیں تو وہ بری ہو جاتا ہے۔ پندرہویں وجہ یہ ہے کہ نیک پندہ سے زندگی میں اور موت کے بعد بھی نفع حاصل ہوتا ہے، سولہویں وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے ذکر کرنے والوں کی مجلس میں بیٹھا ہوا ایک ایسا شخص بیٹھا گیا جس نے ذکر نہیں کیا تھا صرف ان کی مجلس میں بیٹھنے کی وجہ سے بخشا گیا۔ سترہویں وجہ یہ ہے کہ میت پر نماز جتانہ

پڑھنا اور اس کے لیے استغفار کرنا، عمل غیر کا نفع ہے۔ ائمہ دین وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرمایا: وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ان کو عذاب دے حالانکہ آپ ان میں موجود ہوں اور انیسویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لولا رجال مؤمنون ونساء مؤمنات لور فرمایا: لولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض "اگر بعض لوگوں کی نیکیوں کے سبب اللہ تعالیٰ بعض بھوں سے عذاب نہ ملے تو زمین تباہ و برباد ہو جائے۔" اور یہ عمل غیر سے نفع ہے۔ بیسویں وجہ یہ ہے کہ مبالغہ کی طرف سے بالغ صدقہ فطر ادا کرتا ہے۔ اکیسویں وجہ یہ ہے کہ (ائمہ ثلاثہ کے نظریہ کے مطابق) مبالغہ کی طرف سے اس کا ولی زکوٰۃ ادا کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور یہ عمل غیر سے نفع حاصل کرنا ہے۔ معلوم ہوا کہ کتاب، سنت اور اجتماع کی روشنی میں عمل غیر سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ (فتح البیان ج ۹ ص ۱۳۳-۱۳۴ مطبوعہ مطبع بولاق مصر، الطبعة الاولى ۱۳۳۱ھ)

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَهُمْ عَن قِبَلِهِمُ

عنقریب بیوقوف لوگ کہیں گے ان مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ نسبت اللہ سے کس نے چھوڑ دیا جس پر وہ پہلے آتے تھے،

الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ

آپ کہیے کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں۔ وہ جسے چاہے

إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۚ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ

مراستقیم پر چلاتا ہے اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں

عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۚ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي

پر گواہ ہو جائے اور یہ رسول تمہارے حق میں گواہ ہو جائیں، اور (اے رسول) جس قبلہ پر آپ پہلے

كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقْبَيْهِ ۖ

تھے ہم نے اس کو اسی لیے قبلہ بنایا تھا تاکہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور اس کو اس سے

وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَمَا كَانَ اللَّهُ

منازع کر لیں جو اپنی ایڑیوں پر پٹ جاتا ہے، اور بے شک جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے ان کے سوا سب پر یہ (قبلہ کا بدلنا) بھاری ہے

لِيُضِيعَ آيَاتَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَّوْفٌ رَّحِيمٌ ۝

اور اللہ کی یشان نہیں ہے کہ وہ تمہارے ایمان کو ضائع کرے، بے شک اللہ لوگوں پر بہت مہربان بے حد مہربان ہے

یا کہ میں ابتداً آپ کا قبلہ کعبہ تھا یا بیت المقدس؟

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

اس میں اختلاف ہے کہ جب نبی ﷺ پر ابتداً نماز فرض ہوئی تو آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے یا خانہ کعبہ کی طرف، حضرت ابن عباس کا قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں لور مدینہ منورہ کے ابتدائی سترہ مہینوں میں آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا، علامہ بدرالدین عینی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، (عمدة القاری ج ۱ ص ۲۳۰) تاہم آپ مکہ مکرمہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ کعبہ کی طرف پیٹھ نہیں ہوتی تھی۔ دوسروں نے یہ کہا ہے کہ جب آپ پر ابتداً نماز فرض ہوئی تو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا، حافظ ابو عمر ابن عبد البر نے کہا میرے نزدیک یہ قول زیادہ صحیح ہے، لور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ منورہ میں آئے تو آپ نے یہود کی تالیف قلب کے لیے ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تاکہ دین اسلام کو قبول کرنے کے لیے ان میں زیادہ داعیہ ہو اور جب آپ ان کے قبول اسلام سے مایوس ہو گئے تو آپ نے یہ چاہا کہ آپ کو پھر کعبہ کی طرف پھیر دیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے میں اصل عرب کے قبول اسلام کا زیادہ داعیہ تھا، ایک قول یہ ہے کہ آپ نے یہود کی مخالفت کی بناء پر ایسا کیا۔ تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ مکہ میں آپ کا قبلہ کعبہ تھا تو پھر دوبار قبلہ کا منسوخ ہونا لازم آئے گا اس لیے محققین کا یہ نظریہ ہے کہ آپ ابتداءً مکہ مکرمہ میں بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

تحویل قبلہ کا بیان

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ ابتداءً مدینہ میں آئے تو اپنے ٹائیا ماموں کے گھر ٹھہرے اور آپ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی لور آپ کو یہ پسند تھا کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ ہو جائے اور آپ نے اس کی طرف منہ کر کے جو پہلی نماز پڑھی وہ عصر کی نماز تھی، آپ کے ساتھ ایک جماعت نے نماز پڑھی، پھر آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والوں میں سے ایک شخص ایک مسجد والوں کے پاس سے گزرا وہ اس وقت رکوع میں تھے، اس نے کہا میں شہوت دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے، وہ لوگ نماز کی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے، یہود لور دیگر لٹل کتاب کو یہ پسند تھا کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہیں جب آپ نے بیت اللہ کی طرف منہ کر لیا تو ان کو یہ ناگوار ہوا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطالک کراچی ۱۳۸۸ھ)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ اس مسجد کے نمازیوں کو خبر واحد سے یہ علم ہو گیا کہ قبلہ بدل گیا ہے، اب ان کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اس نماز کو توڑ کر نبی ﷺ کے پاس جاتے لور تحویل قبلہ کی تحقیق کرتے لور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اس خبر واحد کے نماز میں قبلہ بدل لیتے انہوں نے اجتہاد سے دوسری صورت پر عمل کیا، اس سے معلوم ہوا کہ خبر واحد جھٹ ہے لور اپنے اجتہاد سے نماز میں قبلہ کی سمت بدلنا جائز ہے، بلکہ اگر ہر رکعت میں اس پر قبلہ مشتبہ ہو تو وہ اپنے اجتہاد

سے ہر رکعت میں سمت بدلے۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۳۳۸ مطبوعہ لواء البعثة النیریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

صحیح بخاری کی اس روایت میں یہ مذکور ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد بیت اللہ کی طرف جو نماز سب سے پہلے پڑھی گئی وہ عصر کی نماز تھی اور امام مالک کی روایت میں ہے وہ صبح کی نماز تھی اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم بنو سلمہ کی مسجد میں نازل ہوا اس وقت آپ ظہر کی نماز میں تھے اور دو رکعت پڑھ چکے تھے پھر نماز ہی میں آپ نے قبلہ بدل لیا اور بقی دو رکعتیں بیت اللہ کی طرف منہ کر کے پڑھیں اور اس مسجد کا نام مسجد القبلین رکھا گیا چونکہ بیت اللہ اور بیت المقدس ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں اس لیے نماز میں مرد گھوم کر عورتوں کی جگہ آگئے اور عورتیں گھوم کر مردوں کی جگہ چلی گئیں۔

ابو حاتم البستی نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے سترہ ماہ اور تین دن بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھیں، کیونکہ آپ بارہ ربیع الاول کو مدینہ منورہ آئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو منگل کے دن نصف شعبان کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔

بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی کیفیت میں علماء کے تین اقوال ہیں :

- (۱) حسن، عکرمہ اور ابو العالیہ نے کہا آپ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے بیت المقدس کی طرف منہ کیا تھا۔
- (۲) طبری نے کہا آپ کو بیت المقدس اور بیت اللہ میں سے کسی ایک کی طرف منہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا آپ نے یہود کے ایمان لانے کی خواہش کی وجہ سے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کو اختیار کر لیا۔
- (۳) حضرت ابن عباس نے کہا آپ نے اللہ کی وحی اور اس کے حکم سے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کو اختیار کیا تھا کیونکہ قرآن مجید میں ہے :

جس قبلہ پر آپ پہلے تھے ہم نے اس کو اسی لیے قبلہ بنایا تھا تاکہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے۔ (اور اس کو اس سے ممتاز کر دیں جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے) اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۵۰-۱۳۸ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

تحویل قبلہ سے متعلق مسائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کہیے کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں وہ جسے چاہے صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔ اس آیت میں منافقین اور یہود کے اعتراض کا جواب دیا ہے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ بیت المقدس خود مستقل بالذات ہے کیونکہ مشرق اور مغرب سب اس کی ملک ہیں وہ جس طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے وہی قبلہ ہے اور اس کے حکم پر عمل کرنا ہی صراط مستقیم کی ہدایت ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت اور اس کی تفسیر میں جو صحیح بخاری کی روایت ذکر کی گئی ہے ان سے حسب ذیل مسائل

مستنبط ہوتے ہیں۔

- (۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب یہ بے وقوف یہ کہیں گے کہ ”مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ تھے۔“ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبر دی ہے اور یہ پیش گوئی پوری ہو گئی اور یہ حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور قرآن مجید کی صداقت کی قوی دلیل ہے۔

(۲) اس کتب میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایسے احکام بھی ہیں جو تلخ اور منسوخ ہیں اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید نے جس حکم کو سب سے پہلے منسوخ کیا ہے وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ہے۔

(۳) بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم قرآن میں نہیں تھا یہ صرف نبی ﷺ کی سنت سے ثابت تھا اور قرآن مجید نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ قرآن سنت کا تلخ ہے۔

(۴) خبر واحد پر عمل کرنا جائز ہے، کیونکہ اہل قبا کو جب یہ خبر پہنچی کہ قبلہ بدل گیا ہے تو انہوں نے نماز کی حالت میں اپنا قبلہ بدل لیا۔

(۵) جب تک کسی حکم کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہو اس پر عمل کرنا جائز ہے کیونکہ تحویل قبلہ کے بعد بھی اہل قبا نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی کیونکہ ان کو اس وقت تک تحویل قبلہ کا علم نہیں ہوا تھا۔

(۶) نبی ﷺ پر قرآن مجید تدریجاً نازل ہوتا تھا اور حسب ضرورت احکام نازل ہوتے رہتے تھے۔ نماز کے لیے کسی ایک جہت کی طرف منہ کرنے کے اسرار

تمام نمازیوں کے لیے کسی ایک جہت کو قبلہ بنانے کی حسب ذیل حکمتیں ہیں۔

(۱) اگر نماز میں کسی ایک جہت کی طرف منہ کرنے کا حکم نہ دیا جاتا تو کوئی مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا کوئی مغرب کی طرف اور کوئی شمال کی طرف اور کوئی جنوب کی طرف اور اس طرح عبادت میں مسلمانوں کی وحدت، نظم اور جمعیت نہ رہتی اور جب تمام دنیا کے مسلمان ایک جہت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے تو ان کی عبادت میں وحدت، نظم اور جمعیت پائی جائے گی اور اسلام نے تمام عبادات میں مسلمانوں کو وحدت اور نظم کے تابع کیا ہے۔

(۲) جب انسان کسی صاحب اقتدار کے پاس جاتا ہے تو اس کی طرف متوجہ ہو کر اپنی درخواست پیش کرتا ہے، نماز میں انسان اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی حمد و ثناء کرتا ہے، اس کی تسبیح کرتا ہے اور اس کے سامنے اپنی درخواست پیش کرتا ہے تو اس کی توجہ کے ارتکاز کے لیے قبلہ بتایا گیا۔

(۳) نماز میں اصل یہ ہے کہ خضوع، خشوع، اور حضور قلب ہو، اگر انسان مختلف جہات کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھے تو اس سے حضور قلب حاصل نہیں ہو گا اس لیے ایک قبلہ بتایا گیا تاکہ سب اس کی طرف متوجہ ہو کر حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھیں۔

کعبہ کو قبلہ بنانے کے اسرار

(۱) اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے متعلق فرمایا یہ میرا گھر ہے ان طہرا بیسی (البقرہ: ۱۲۵) تو اپنی عبادت کرنے والوں کے لیے اپنے بیت کو قبلہ بنادیا۔

(۲) یہود نے سمت مغرب کو قبلہ بتایا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ کو مغرب کی جانب سے نداء آئی تھی وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسیٰ الامر (القصص: ۲۴) اور عیسائیوں نے جہت مشرق کو قبلہ بتایا کیونکہ حضرت جبرائیل حضرت مریم کے پاس جانب مشرق سے گئے تھے، وادکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اہلها مکانا شرقیا (مریم: ۲۱) تو مسلمانوں کا قبلہ کعبہ بتایا کیونکہ یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا قبلہ ہے اور سیدنا محمد حبیب اللہ ﷺ کا مولد ہے اور اللہ کا حرم اور بیت اللہ ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا
وَهَدًى ۖ لِلْعَالَمِينَ ۚ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ
إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (آل عمران : ۹۷-۹۶)

بے شک (اللہ کی عبادت کے لیے) سب سے پہلا گھر جو
لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور تمام
جہانوں کے لیے ہدایت ہے اس میں کئی کئی نشانی ہیں مقام
ابراہیم ہے جو اس میں داخل ہوا وہ مومن ہو گیا۔

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِبَا مَّا
لِلنَّاسِ

(المائدة : ۹۷)

(۳) کعبہ زمین کے وسط میں ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین کے وسط کی طرف متوجہ کیا تاکہ وہ زندگی کے ہر معاملہ
میں کیفیت متوسط (عدل) کو اختیار کریں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو قبلہ بنا کر یہ ظاہر فرمایا کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں کیونکہ کعبہ کو قبلہ بنانے کی یہ وجہ
بیان فرمائی!

فَلَنَوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا
هَمْ آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جس پر
(البقرہ : ۱۴۴) آپ راضی ہیں۔

وَمِنْ آيَاتِ اللَّيْلِ فَسَبَّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ
لَعَلَّكَ تَرْضَاهَا (طہ : ۱۳۰)

دنیا میں آپ کو راضی کرنے کے لیے کعبہ کو قبلہ بنایا اور دن رات میں تسبیح پڑھنے کا حکم دیا اور آخرت میں آپ کو
راضی کرنے کے لیے مقام محمود اور شفاعت کبریٰ سے نوازا۔

عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا
(بنی اسرائیل : ۷۹) گاہ۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَاهَا
(الضحیٰ : ۵) راضی ہو جائیں گے۔

(۵) حضرت آدم نے پانچ پہاڑوں سے مٹی لے کر کعبہ بنایا تھا اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر تمہارے گناہ پہاڑ جتنے بھی
ہوئے تو کعبہ کی طرف نماز پڑھنے سے جھڑ جائیں گے۔

(۶) جب مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو یہود طعنہ دیتے تھے کہ تم ہماری مخالفت کرتے ہو اور
ہماری مسجد کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہو تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا قبلہ بدل دیا اور کعبہ کو قبلہ بنا دیا۔

(۷) مسلمان ملت ابراہیم کے اتباع کے داعی تھے اس لیے حضرت ابراہیم کے بنائے ہوئے کعبہ کو ان کا قبلہ بنا دیا۔
(۸) جب قریش نے کعبہ کی تعمیر کی تو نبی ﷺ انہیں اٹھا اٹھا کر لارہے تھے تو اس کو قبلہ بنانے میں نبی ﷺ کی تعظیم
ہے۔

استقبال کعبہ کے فقہی مسائل

(۱) نبی میں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ہے کعبہ کو سجدہ کرنے کی نیت کرنا کفر ہے۔

(۲) کعبہ سے مراد وہ جگہ ہے اور تحت اثری سے لے کر عرش عظیم تک وہ فضا ہے جہاں کعبہ بنا ہوا ہے حتیٰ کہ اگر بیت اللہ کی یہ عمارت نہ بھی ہو تو اس جگہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے گی۔

(۳) مکہ اور مدینہ میں رہنے والوں کے لیے عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے اور دوسروں کے لیے کعبہ کی جہت کی طرف منہ کرنا کافی ہے۔

(۴) اگر کسی شخص کو اندھیرے یا لاعلمی کی وجہ سے کعبہ کی سمت کا پتا نہ ہو تو وہ غور و فکر کرے اور جس جانب اس کا ظن غالب ہو اس طرف منہ کر کے نماز پڑھے، اگر بعد میں یہ پتا چلے کہ اس نے غلط سمت کی طرف نماز پڑھی تو اس پر اعلوہ نہیں ہے، اگر نماز کی ہر رکعت میں اس کی رائے بدل جائے تو اپنی رائے کے مطابق ہر رکعت میں پھر تار ہے۔

(۵) نفل نماز چلتی سواری پر جائز ہے خواہ سواری کا قبلہ کا طرف منہ نہ ہو۔

(۶) عذر کی وجہ سے فرض نماز چلتی سواری (خواہ چلتی ٹرین ہو) پر جائز ہے خواہ سواری کا قبلہ کی طرف منہ نہ ہو اور بعد میں اس کا اعلوہ نہیں ہے۔ (در مختار علی حاشیاء رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۶-۲۸۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۰۷ھ)

کعبہ کالولیاء کی زیارت کے لیے جانا

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی (۱) 'علامہ ابن عابدین شامی حنفی (۲) اور علامہ سید احمد مظلوی حنفی (۳) نے لکھا ہے کہ کعبہ کالولیاء اللہ کی زیارت کے لیے جانا جائز ہے اور اس مسئلہ کو نجم الملہ والدین علامہ عمر نسفی اور علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی نے نقل کیا ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی نے بھی لکھا ہے کہ یہ جائز ہے اور اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن عمر نے کعبہ کو دیکھ کر فرمایا: تیری حرمت کس قدر عظیم ہے لیکن مومن کی حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ ہے، اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے اور فرما رہے تھے تو کتنا پاکیزہ ہے اور تیری خوشبو کتنی اچھی ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد کی جان ہے اللہ کے نزدیک مومن کی حرمت تجھ سے زیادہ ہے، سو جب بندہ مومن کعبہ سے افضل ہے تو کعبہ کالولیاء اللہ کی زیارت کے لیے جانا بعید نہیں ہے رہا یہ شبہ کہ اگر کعبہ لولیاء اللہ کی زیارت کے لیے جاتا ہے تو اتنا بھاری بھر کم جسم کیسے نخل ہوتا ہے اور تارخ میں کیسے منقول نہیں کہ کعبہ اپنی جگہ سے کبھی متاثر ہوا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: کہ جب قریش نے (واقعہ معراج میں) میری تکذیب کی تو میں حطیم میں کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بیت المقدس کو بخش کر دیا اور حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ بیت المقدس کو لا کر میرے سامنے دار عقیل کے پاس رکھ دیا اور

(۱) علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۷۸۸ھ، در مختار علی حاشیاء رد المحتار ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۰۷ھ

(۲) علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۵ھ، رد المحتار ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۰۷ھ

(۳) علامہ سید احمد مظلوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ، حاشیۃ المجلد علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۳۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۵ھ

میں اس کو دیکھ رہا تھا، بیت المقدس بھی ایک بھاری جسم ہے اور اس کا نخل ہونا بھی علوہ محل ہے اور اس کے حلق بھی تاریخ میں کہیں منقول نہیں کہ وہ اپنی جگہ سے غائب ہوا ہو اس حدیث کی یہ توجیہ ہے کہ بیت المقدس کی مثل اس کی جگہ پر تھی اور اس کی حقیقت آپ کے سامنے رکھ دی گئی، اس طرح ہو سکتا ہے کہ حقیقت کعبہ زیارت کے لیے گئی ہو اور اس کی مثل وہاں اس کے قائم مقام کردی گئی ہو۔ (بولور النور ص ۷۵-۷۴، مطبوعہ مطبعہ غلام علی ایڈ سنز، ۱۹۷۳ء)

اور قرآن مجید میں پلک جھپکنے سے پہلے تحت بلیق لائے کا واقعہ مذکور ہے اس سے یہ شبہ بھی دور ہو جاتا ہے کہ ایک بھاری جسم کیسے منتقل ہو سکتا ہے۔

علامہ یافعی یمنی لکھتے ہیں :

روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو دور دراز کے شہروں سے کعبہ دکھایا، ایک اور شخص نے بعض منکرین کو دکھایا کہ وہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، اور ہم نے تحقیق کے ساتھ یہ سنا ہے کہ تحقیق سے ثابت ہے کہ یہ مشہدہ کیا گیا کہ کعبہ ایک جماعت کا حقیقتہً طواف کر رہا تھا اور میں نے بعض معتمد اولیاء اور مستند علماء کو دیکھا ہے جنہوں نے کعبہ کو اولیاء کا طواف کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (روض الریاحین فی حکایات الصالحین ص ۳۳، مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البلبلی ولولادہ مصر)

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں کعبہ کی تعظیم اور توقیر اور ہیبت اور جلال اور زیادہ کرے، ہمیں یہ نقول اور دلائل بہت عجیب و غریب معلوم ہوتے ہیں خصوصاً اس لیے کہ ہمارے نبی ﷺ سید الانبیاء والاولیاء ہیں لیکن آپ نے کعبہ کا طواف کیا اور آپ کے گرد کعبہ کا طواف کرنا ثابت نہیں ہے، اگر ان مستند فقہاء اور علماء نے کعبہ کے طواف کرنے کو نقل نہ کیا ہو تا تو ہم اس کو صراحتہً رد کر دیتے، جو فضیلت آپ کے لیے ثابت نہ ہو اس فضیلت کو ہم آپ کے امتی کے لیے ثابت کرنے کی جرات نہیں کرتے۔

امت مسلمہ کلاباتی امتوں پر گواہ ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اس طرح ہم نے تمہیں متوسط (بہترین) امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تمہارے حق میں گواہ ہو جائیں۔

اس کلام کے اول اور آخر میں نبی ﷺ سے خطاب ہے، اول میں ہے : آپ کہیں کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں اور آخر میں ہے : (اے رسول) جس قبلہ پر آپ پہلے تھے الخ اور درمیان میں اس کلام سے نبی ﷺ کی امت کو خطاب کیا گیا ہے، اس میں یہود کو بتایا گیا ہے کہ تم مسلمانوں کے قبلہ کا کیوں انکار کرتے ہو اور ان کے دین کو کیوں قبول نہیں کرتے حالانکہ مسلمان قیامت کے دن تمہارے خلاف شہادت دیں گے اور ان کی شہادت قبول کی جائے گی، اس لیے تم کو چاہئے کہ تم دنیا میں ان کی مخالفت نہ کرو اور ان کے دین کی پیروی کرو۔

امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ذکر کی ہے :

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : حضرت نوح کو قیامت کے دن بلایا جائے گا وہ کہیں گے میں حاضر ہوں اے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا کیا نوح نے تم کو تبلیغ کی تھی؟ ان کی امت کہے گی ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا! اللہ تعالیٰ حضرت نوح سے فرمائے گا تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ کہیں گے محمد (ﷺ) اور ان کی امت، اور وہ گواہی دیں گے کہ

حضرت نوح نے من کو تبلیغ کی تھی یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۳۸۱ھ)
 لام نسلی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ قیامت کے دن ایک نبی آئے گا اور اس کے ساتھ ایک شخص ہو گا اور ایک نبی آئے گا اس کے ساتھ دو شخص ہوں گے اور ایک نبی آئے گا اس کے ساتھ زیادہ لوگ ہوں گے اس سے کہا جائے گا کیا تم نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی؟ وہ کہے گا ہاں پھر اس کی قوم کو بلایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کیا انہوں نے تم کو تبلیغ کی تھی وہ کہیں گے نہیں! پھر اس نبی سے کہا جائے گا تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ کہیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بلایا جائے گا اور کہا جائے گا: کیا انہوں نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر کہا جائے گا تم کو اس کا کیسے علم ہوا وہ کہیں گے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خبر دی تھی کہ (سب) رسولوں نے تبلیغ کی ہے اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۶ ص ۲۹۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ)
 دین اسلام اور مسلک اہل سنت و جماعت کا سب سے افضل ہونا

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ہم نے تم کو ہدایت یافتہ بنایا ہے اور تمہارے قبلہ کو تمام اہتوں کے قبلہ سے افضل بنایا ہے اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط یعنی سب سے افضل امت بنایا ہے۔ دائرہ میں جس نقطہ (مرکز) سے محیط کی طرف تمام مساوی خطوط نکلتے ہیں ان مساوی خطوط کو خط وسط کہتے ہیں اور عرف میں وسط سے وہ کیفیت مراد ہے جو افراط اور تفریط کے درمیان ہو، مثلاً اسراف اور بخل کے درمیان سخوت ہے اور ربانیت اور فسق و فجور کے درمیان عفت ہے۔ اور کیفیت متوسطہ سب سے افضل ہوتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تم کو سب سے افضل امت بنایا ہے۔ باقی امتوں میں سے یہود و نصاریٰ ہیں جو ایک سے زیادہ خدا مانتے ہیں اور یاد ہریے ہیں جو خدا کے وجود کے منکر ہیں ان میں مسلمان متوسطہ ہیں جو خدا کے وجود کے قائل ہیں اور صرف ایک خدا مانتے ہیں، ہندو نبوت کے قائل نہیں اور مرزائی قیامت تک نبوت کو جاری مانتے ہیں اور مسلمان نبوت کے قائل ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کو ختم مانتے ہیں اسی طرح اسلام کے فرقوں میں اہل سنت و جماعت متوسطہ ہیں رافضیہ صحابہ کو سب اور لعنت کرتے ہیں نامبیہ اہل بیت کو سب کرتے ہیں اور اہل سنت و جماعت صحابہ اور اہل بیت دونوں کی تعظیم کرتے ہیں، جبریتہ کہتے ہیں انسان مجبور محض ہے، معتزلہ کہتے ہیں انسان اپنے افعال کا خالق ہے اور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ انسان کو کسب کا اختیار ہے اور افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، خوارج کہتے ہیں کہ صغیر یا کبیرہ گنہ کرنا کفر ہے اور مرتد کہتے ہیں کہ گنہ کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہو گا اور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ گنہ کبیرہ کرنے سے انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو عذاب کا مستحق ہوتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام متوسطہ ہے اور اسلام کے تمام فرقوں میں اہل سنت و جماعت متوسطہ ہیں اور متوسطہ ہونا افضل ہونے کو مستلزم ہے۔

عدالت صحابہ اور جنت اجمع

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں امت مسلمہ کو گولو قرار دیا ہے اور گولہ اس کی مقبول ہوتی ہے جو علول اور نیک ہو اور اس آیت کے اولین مخاطب اور صدق حضرت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں سو یہ آیت اس بات کو مستلزم ہے کہ تمام صحابہ علول اور نیک ہیں اور شیعہ کا یہ کہنا باطل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصل کے بعد تین چار کے سوا باقی تمام صحابہ (اعلیٰ باللہ) مرتد ہو گئے تھے، نیز صحابہ کرام کے علاوہ قیامت تک کے تمام مسلمان بھی امت مسلمہ میں ثانیاد

بالعرض داخل ہیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ امت مسلمہ کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی کیونکہ ان کا گمراہی پر مجتمع ہونا ان کی عدالت اور نیکی کے خلاف ہے اور جو علل نہ ہو وہ گمراہ نہیں ہو سکتا اس لیے تمام امت مسلمہ کا گمراہ ہونا امت مسلمہ کے اجماع کے حق اور حجت ہونے کو مستلزم ہے، اور یہ واضح رہے کہ کفر اور بدعت عدالت کے متغی ہے اس لیے امت مسلمہ کے اجماع میں روافض، خوارج اور مشبہ وغیرہ داخل نہیں ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں پچھلی امتوں اور اس امت کے افعال اور احوال کا نبی ﷺ پر پیش کیا جاتا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ رسول تم پر گواہ ہو جائیں۔

عربی قواعد کے مطابق علی جب شہادت کا صلہ ہو تو اس کا معنی ہے کسی کے خلاف گواہی دینا اور یہاں مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ امت مسلمہ کے حق میں گواہی دیں گے اور ان کے علل اور نیک ہونے کو بیان کریں گے، علامہ بیضاوی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں شہید رقیب اور محبین (نکبان) کے معنی کو متضمن ہے اور ”علی“ رقیب کا صلہ ہے، اس کا معنی ہے نبی ﷺ اپنی امت پر نکبان اور ان کے احوال پر مطلع ہیں، اس لیے ان کے حق میں گواہی دیں گے۔
(انوار التزیل ص ۲۹، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع)

بہ کثرت احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ پر پچھلی امتیں پیش کی گئیں اور اس امت کے افعال اور اعمال آپ پر پیش کیے گئے اور چونکہ آپ سب کے احوال اور افعال پر مطلع ہیں اس لیے سب کے متعلق گواہی دیں گے۔
قرآن مجید میں ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝
اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان (سب) پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

(النساء: ۴۱)

علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ ہر نبی اپنی امت کے فاسد عقائد اور برے اعمال کے خلاف گواہی دے گا اور نبی ﷺ تمام نبیوں کی گواہی کے صدق پر گواہی دیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ تمام امتوں کے احوال پر مطلع ہوں گے، کیونکہ بغیر علم کے گواہی جائز نہیں ہے۔ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں کے احوال اور افعال پر مطلع فرمایا ہے اور ان کی دنیا اور آخرت کا آپ کو علم عطا فرمایا ہے، اور خصوصاً ”آپ کی امت کے اعمال قبرانور میں آپ پر پیش کیے جاتے ہیں۔“

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی پھر وہاں چاشت کے وقت تک بیٹھے رہے، پھر رسول اللہ ﷺ ہنسے، پھر اسی جگہ بیٹھے رہے پھر آپ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء پڑھیں اور اس دوران کسی سے بات نہیں کی، پھر گھر تشریف لے گئے، لوگوں نے حضرت ابو بکر سے کہا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا نہیں کہ آج کا دن آپ نے غیر معمولی طور پر گزارا، حضرت ابو بکر نے پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا اور آخرت کے امور میں سے جو کچھ بھی ہونے والا تھا وہ سب مجھ پر آج پیش کیا گیا، تمام اولین اور آخرین کو ایک میدان میں جمع کیا گیا لوگ گھبرا کر حضرت آدم کے پاس گئے در آں حالیکہ وہ لوگ منہ تک پسینے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ الحدیث (مسند احمد ج ۱ ص ۴)

مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

اس حدیث کو امام ابو حوانہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند ابو حوانہ ج ۱ ص ۱۷۷-۱۷۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)
 امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھ پر امت کے اچھے اور برے (تمام) اعمال پیش کیے جاتے ہیں، میں نے نیک اعمال میں دیکھا کہ نجات کو راستہ سے ایک طرف کر دیا گیا، اور برے اعمال میں دیکھا کہ ناک کی ریخت کو مسجد میں ڈال دیا گیا اور اس کو دفن نہیں کیا گیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام احمد (۱)، امام ابو حوانہ (۲) اور امام بیہقی (۳) نے بھی روایت کیا ہے۔
 امام محمد بن سعد روایت کرتے ہیں :

بکر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے تم باتیں کرتے ہو اور تمہارے لیے حدیث بیان کی جاتی ہے اور جب میں وفات پا جاؤں گا تو میری وفات تمہارے لیے بہتر ہوگی مجھ پر تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ جب میں نیک عمل دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور جب میں برا عمل دیکھتا ہوں تو تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۸۳، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے یہ حدیث حسن ہے۔

(الجامع الصغیر ج ۱ ص ۵۸۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی (۴)، علامہ علی متقی حندی (۵) اور علامہ منلوی (۶) نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔
 حافظ ابن کثیر، امام بزاز کی سند بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے سیاحت کرنے والے ہیں وہ مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے تم باتیں کرتے ہو اور تمہارے لیے حدیث بیان کی جاتی ہے اور میری وفات تمہارے لیے بہتر ہے، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ میں جو نیک عمل دیکھتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں، اور میں جو برا عمل دیکھتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۷۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ)

حافظ نور الدین الیثمی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

اس حدیث کو امام بزاز نے بیان کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۳)

(۱) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۸۰، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

(۲) امام ابو حوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائینی متوفی ۳۳۱ھ، مسند ابو حوانہ ج ۱ ص ۳۰۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت

(۳) امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۸ھ، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۲۹، مطبوعہ نشر انتہا

(۴) حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۴ھ، المطالب العلیہ ج ۴ ص ۳۳-۳۲، مطبوعہ ترویج عباس احمد الباز، مکہ مکرمہ

(۵) علامہ علی متقی بن حاتم الدین حندی متوفی ۹۷۴ھ، کنز العمال ج ۵ ص ۲۰۷، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳۹۵ھ

(۶) علامہ عبد الرزاق منلوی متوفی ۵۱۰ھ، فیض القدر ج ۳ ص ۴۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۹ھ

مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی روایت کرتے ہیں :

خراش بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے اور میری موت تمہارے لیے بہتر ہے، حیات اس لیے بہتر ہے کہ میں تم سے حدیث بیان کرتا ہوں، اور میری موت اس لیے بہتر ہے کہ ہر پیر اور جمعرات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ سو جو نیک عمل ہوتے ہیں میں ان پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو برے عمل ہوتے ہیں تو میں تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۳ ص ۴۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت) اس حدیث کو امام ابن جوزی نے حضرت انس کی روایت سے ذکر کیا ہے، اس روایت میں ہر جمعرات کو عرض اعمال کا ذکر ہے پیر کا ذکر نہیں ہے۔ (الوفاء ص ۸۰، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البلبلی ولولاد مصر ۱۳۶۹ھ)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تمہارے دنوں میں سب سے زیادہ فضیلت والا دن جمعہ ہے، اس دن مجھ پر بہت زیادہ صلوٰۃ (درود) پڑھا کرو، کیونکہ تمہاری صلوٰۃ مجھ پر پیش کی جاتی ہے، ہم نے عرض کیا : یا رسول اللہ ہماری صلوٰۃ آپ پر کیسے پیش کی جائے گی حالانکہ آپ کا جسم بوسیدہ ہو چکا ہوگا؟ آپ نے فرمایا اللہ نے انبیاء کے اجسام کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۵۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر میری امت کے (نیک کاموں کے) اجر پیش کیے گئے حتیٰ کہ مسجد سے کوڑا کرکٹ نکل کر پھینکے کا اجر پیش کیا گیا، اور میری امت کے گناہ پیش کیے گئے تو میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن مجید کی کوئی سورت یا کوئی آیت دی گئی ہو اور اس نے اس کو بھلا دیا۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۶۶، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی (۱)، امام بیہقی (۲)، امام طبرانی (۳) اور امام عبد الرزاق (۴) نے بھی روایت کیا ہے۔

امام طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کی امت پر جو کچھ مفتوح تھا وہ آپ پر پیش کر دیا گیا۔ (المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۷۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ نور الدین الیشیمی امام بزار کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر میری امت کو پیش کیا گیا اور ان میں تلوع ہوا متبوع، مجھ پر کوئی مخفی نہیں رہا۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۲، مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

(۱) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۴۱۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۲) امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۳۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۴۴۰، مطبوعہ نشر الشیخ الاسلام

(۳) امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ، المعجم الصغیر ج ۱ ص ۱۸۹، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ

(۴) امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۳ ص ۳۶۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ

لام ابو نعیم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر تمام امتیں پیش کی گئیں، ایک نبی کے ساتھ ایک جماعت گزری ایک نبی کے ساتھ ایک لور دو آدمی گزرے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۰۲، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اس حدیث کو لام ابو عوانہ (۱) لور لام طبرانی (۲) نے تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

بعض ترجموں سے اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی کا شکل اور اس کے جوابات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لور (اے رسول) جس قبلہ پر آپ پہلے تھے ہم نے اس کو اسی لیے قبلہ بنایا تھا تاکہ ہم

ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے لور اس کو اس سے ممتاز کر دیں جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے۔

اس آیت کا لفظی معنی یہ ہے : تاکہ ہم جان لیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے، لیکن اس ترجمہ سے یہ لازم آتا

ہے کہ تحویل قبلہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کو یہ علم نہیں تھا کہ رسول کی پیروی کرنے والے لور دین سے پھر جانے والے کون ہیں، بعض مترجمین نے اسی طرح ترجمہ کیا ہے :

شیخ محمود الحسن اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں :

لور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر تو پہلے تھا، مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کہ کون تابع رہے گا اور کون پھر جائے گا لے پائیں۔

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں :

لور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں وہ تو محض اس لیے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جو لوے کہ کون تو رسول اللہ ﷺ کا تبع اختیار کرتا ہے لور کون پیچھے کو ہٹا جاتا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ دودوی لکھتے ہیں :

پہلے جس طرف تم رخ کرتے تھے اس کو تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کے لیے قبلہ مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے لور کون لے پھر پھر جاتا ہے۔ اس عبارت میں دیکھنے سے قبلہ بھی جاتا ہے اس لیے یہ عبارت محل اشکل ہے کیونکہ اس قسم کی عبارت میں دیکھنے کا لفظ جاننے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

لور ہم نے اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے :

لور (اے رسول) جس قبلہ پر آپ پہلے تھے ہم نے اس کو اسی لیے قبلہ بنایا تھا تاکہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے لور اس کو اس سے ممتاز کر دیں جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے۔

ہم نے اس آیت میں علم کو اظہار لور تمیز کے معنی پر محمول کیا ہے تاکہ صرف اردو پڑھنے والے لوگ جن کی عربی ظاہر تک رسائی نہیں ہے یہ وہم نہ کریں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی ہو رہی ہے۔ معذرت اللہ!

اس آیت کا ظاہری معنی ہے تاکہ ہم جان لیں یا تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے اس معنی پر جو اشکل ہے اس کے لام

(۱) لام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق اسراخانی حنفی ۳۳۱ھ مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۸۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت

(۲) لام ابو نعیم سلیمان بن احمد طبرانی حنفی ۳۲۰ھ المعجم الکبیر ج ۵ ص ۵۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

رازی نے متعدد جواب دیے ہیں۔

(۱) تاکہ ہم جان لیں اس کا معنی ہے تاکہ ہمارے نبی اور ایمان والے جان لیں، جیسے بلاشبہ کتا ہے فلاں شہر ہم نے فتح کیا یعنی ہماری فوجوں نے فتح کیا۔

(۲) علم، معنی تمیز ہے یعنی تاکہ ہم رسول کے متبعین کو غیر متبعین سے ممتاز کر دیں۔

(۳) علم، معنی مشاہدہ ہے، یعنی تاکہ ہم یہ مشاہدہ کر لیں کہ کون قبیح ہے، اللہ کو اس کا علم تو پہلے تھا لیکن مشاہدہ تحویل قبلہ کے وقت ہوا۔

(۴) اس آیت میں حدوث علم مخاطبین کی طرف راجع ہے یعنی تاکہ تم لوگ یہ جان لو کہ کون قبیح ہے اور کون پھرنے والا ہے۔

(۵) علم، معنی تحقق ہے یعنی تاکہ واقع میں متبعین متحقق ہو جائیں اور آپ کی اتباع سے پھرنے والے متحقق ہو جائیں۔
(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۰۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

یہ کلام بہ طور تمثیل ہے یعنی تحویل قبلہ کا یہ فعل اس شخص کے فعل کی مثل ہے جو یہ جانتا چاہے کہ کون قبیح ہے اور کون غیر قبیح ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں متعدد جگہ علم، معنی جزاء آیا ہے اور اس آیت میں بھی علم، معنی جزاء ہے، یعنی تاکہ ہم آپ کی اتباع کرنے والے کو جزا دیں اور آپ کی اتباع سے پھرنے والے کو سزا دیں۔
(روح المعانی ج ۲ ص ۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اہل کتاب پر تحویل قبلہ کے بھاری ہونے کی وجہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور بے شک جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے ان کے سوا (سب پر) قبلہ کا بدلنا بھاری ہے۔
اللہ تعالیٰ نے قبلہ بدل کر لوگوں کو امتحان میں ڈالا، اور یہ امتحان ان پر اس لیے بھاری تھا کہ جو چیز مالوف ہو اور جس کی عادت ہو اس کو ترک کرنا اور اپنے آباء و اجداد کے طریقہ کو چھوڑنا بہت دشوار ہوتا ہے اور ہر نئی چیز سے انسان متوحش ہوتا ہے، البتہ جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت پیدا کر دی اور اس نے اپنی طبیعت کو شریعت میں ڈھل لیا، اس کو فی نفسہ کسی چیز سے رغبت نہیں ہوتی، اس کی رغبت تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں ہے، اس کے نزدیک بیت المقدس کی جہت مقصود ہے نہ کعبہ کی سمت، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تو وہ اس کا قبلہ تھا اور اب اللہ اور رسول نے کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تو وہ اس کا قبلہ ہے۔

نمازوں پر ایمان کے اطلاق کی توجیہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تمہارے ایمان کو ضائع کرے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ مسلمان تحویل قبلہ سے پہلے فوت ہو گئے کچھ شہید ہو گئے اور ہم نے نہیں جانا کہ ہم (بیت المقدس کی طرف ان کی پڑھی ہوئی نمازوں کے متعلق) کیا کہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :
(ترجمہ) اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تمہارے ایمان کو ضائع کرے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

اس آیت میں بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازوں پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے اس سے محدثین اور ائمہ ثلاثہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ ایمان میں اعمال داخل ہیں، اور متکلمین اور امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہے اور ایمان کامل میں ہمارے نزدیک بھی اعمال داخل ہیں، البتہ نفس ایمان صرف تصدیق کو کہتے ہیں۔

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا

بے شک ہم آپ کے پھرے کا اسلحہ کی طرف اتنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے

قَوْلٍ وَجْهِكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا

جس پر آپ راضی ہیں پس آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف

وَجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ

پھیر لو، اور بے شک اہل کتاب کو مہم ہے کہ یہ (حکم) ان کے رب کی طرف سے حق ہے

مَنْ تَرَاهُمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ۝ وَلَئِنْ آتَيْتَ الَّذِينَ

اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس سے غافل نہیں ہے اور اگر آپ اہل کتاب کے پاس

أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتِهِمْ

ہر تم کا سہوہ بھی لے گا، پھر بھی وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَ هُمٍ مِنْ

اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور (اے مصلح!) اگر تم حاصل ہونے کے بعد تو نے انکی خواہشات

بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ

کی پیروی کی تو تو بے شک غلط علم کرنے والوں میں سے ہو گا جن لوگوں کو

آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا

ہم نے کتاب دی ہے وہ اس نبی کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں سے ایک

مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

فریقیتنا جان برعبر حق کہتا ہے

نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی تحقیق

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

قلہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ آسمان کی طرف چہرہ کیے ہوئے تھے اور آپ یہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کعبہ کی طرف پھیر دے تو یہ آیت نازل ہوئی : (ترجمہ) بے شک ہم آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف الٹنا دیکھ رہے ہیں سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۳۰ھ)

حسن بیان کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر یہ خبر دی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ قبلہ کو بیت المقدس سے پھیر کر کسی اور سمت پر کر دے گا اور یہ نہیں بیان کیا تھا کہ کس سمت آپ کو پھیرے گا اور رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ یہ محبوب تھا کہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا جائے اس لیے رسول اللہ ﷺ اپنے چہرہ کو آسمان کی طرف پھیر کر وحی کا انتظار کر رہے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۳۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف پھیر لو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر مسجد حرام کی طرف منہ کرنا فرض کر دیا خواہ وہ کسی جگہ ہوں اگر کوئی شخص بیت المقدس میں بھی ہو تو اس پر بیت اللہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ علامہ حنفی حنفی نے لکھا ہے کہ جو شخص بیت اللہ کا مشاہدہ کر رہا ہو اس پر بعینہ کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور جو شخص کعبہ سے غائب ہو اس پر اس کی سمت کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ (در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسجد (حرام) والوں کے لیے بیت اللہ قبلہ ہے اور اہل حرم کے لیے مسجد قبلہ ہے اور تمام روئے زمین پر میری امت کے مشرق اور مغرب والوں کے لیے مسجد حرام قبلہ ہے اور جو شخص مسجد حرام میں ہو اس کو اپنے چہرے کا رخ کعبہ کی طرف کرنا چاہئے کیونکہ روایت ہے کہ کعبہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ نماز کی حالت قیام میں نظر سامنے قبلہ کی طرف ہونی چاہئے نیز قیام کا حکم سارے جسم کے لیے ہے اور چہرہ اشرف الاعضاء ہے اس کے قیام کا حکم بہ طریق اولیٰ ہو گا اور چہرہ کا قیام اس وقت ہو گا جب چہرہ کا رخ بیت اللہ کی جانب ہو اور یہی امام مالک کا مذہب ہے اس کے برخلاف امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ قیام میں سجدہ کی جگہ نظر ہو رکوع میں قدموں کی جگہ اور سجدہ میں ناک کی طرف نظر ہو (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۶۰-۱۵۹ ملخصاً) مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو

علامہ ابن عبدین شامی حنفی لکھتے ہیں :

قیام میں نظر موضع سجود کی طرف ہونی چاہئے اور رکوع میں قدموں کی پشت پر اور سجدہ میں ناک کے نرم گوشے کی طرف اور بیٹھتے وقت گود میں اور سلام کے وقت کندھوں کی طرف اس کے اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص کعبہ کا مشاہدہ کر رہا ہو اس کی نظر بھی ان ہی مواضع کی طرف ہو کیونکہ اس سے مقصود خشوع ہے جب وہ قصد ان مواضع کی طرف دیکھے گا تو اس کی توجہ اوہر اوہر ہٹنے سے محفوظ رہے گی اور جب کہ مقصود خشوع ہے اور ان مواضع کی طرف دیکھنے سے خشوع حاصل نہ ہو تو ان سے عدول کر سکتا ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۲۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۰ھ)

خشوع کا معنی ہے مجرور اکسار کرنا اور آنکھیں نیچی کرنا، اور اللہ تعالیٰ نے خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے کی مدح فرمائی ہے :

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المؤمنون : ۱۷)

بے شک ایمان والے کامیاب ہوئے جو خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

اس لیے نماز کی حالت قیام میں سجدہ گاہ پر نظر رکھنا، خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے کا طریقہ ہے اور یہ کعبہ کی طرف چہرہ کرنے کے منافی نہیں ہے۔

احل کتب کو تحویل قبلہ کے برحق ہونے کا علم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور بے شک اہل کتب کو علم ہے کہ یہ (حکم) ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔

یعنی یہود اور نصاریٰ کو یہ علم ہے کہ تحویل قبلہ کا یہ حکم ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہود و نصاریٰ کو کیسے یہ علم ہو گا حالانکہ یہ حکم ان کے دین میں تھا نہ ان کی کتاب میں لکھا ہوا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو اپنی کتاب سے یہ علم تھا کہ سیدنا محمد ﷺ برحق نبی ہیں آپ اللہ کی وحی کے سوا کوئی بات نہیں کہتے اور آپ کی کسی ہوئی ہر بات حق اور صواب ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کو اپنے دین سے یہ معلوم تھا کہ احکام منسوخ ہوتے رہتے ہیں اس لیے ان کو علم تھا کہ یہ حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے اس لیے تحویل قبلہ پر اعتراض کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، تیسرا جواب یہ ہے کہ ان کو اپنی کتاب سے علم تھا کہ کعبہ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا اور یہی اللہ کا سب سے پہلا گھر ہے اور نبی ﷺ کو ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، چوتھا جواب یہ ہے کہ معجزات اور دیگر دلائل سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت ثابت ہو چکی تھی اس لیے ان کو لامحلہ علم تھا کہ جس جانب کو آپ نے قبلہ قرار دیا ہے وہی قبلہ ہے، پانچواں جواب یہ ہے کہ ان کی کتاب میں تحویل قبلہ کا حکم بھی لکھا ہوا تھا۔

علماء سے معصیت کے صدور کا زیادہ قبیح ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (اے مخاطب!) اگر علم حاصل ہونے کے بعد تو نے یہودیوں کی خواہشات کی پیروی کی تو توبہ بے شک ضرور ظلم کرنے والوں میں سے ہو گا۔ اس آیت میں خطاب نبی ﷺ کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے جن کے لیے خواہش کی اتباع کرنا محل نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ معصوم ہیں، اور آپ کا ظالم ہونا آپ کی نبوت کے منافی ہے اور محل بانصیر ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ علم حاصل ہونے کے بعد اگر اہل کتب کی اتباع کی تو ضرور تو ظالموں میں سے ہو گا، اس آیت میں ظلم کی قید لگائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی معصیت پر علماء کے حق میں وعید بہت شدید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ظلم سب سے عظیم نعمت ہے اور جس کو سب سے عظیم نعمت دی ہے اس سے نافرمانی اور گناہ کا صدور سب سے زیادہ قبیح ہے۔

اہل کتب کا نبی ﷺ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانتا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جن لوگوں کو ہم نے کتب دی ہے وہ اس کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے متعدد اسانید کے ساتھ قلدہ 'رجع' حضرت ابن عباس 'سدی' ابن زید لور ابن جرج سے نقل کیا ہے کہ یہ ضمیر تحویل قبلہ کی طرف لوٹتی ہے یعنی اہل کتب تحویل قبلہ کے حق ہونے کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۰ھ)
علامہ ابوالحیسان اندلسی لکھتے ہیں :

یہ ضمیر نبی ﷺ کی طرف راجع ہے 'مجلد' قلدہ وغیرہا سے یہی روایت ہے 'زجاج' تہذیبی لور زحشری کا یہی مختار ہے 'پہلے نبی ﷺ کا صیغہ خطاب سے ذکر کیا تھا اور اب ضمیر غائب سے ذکر کیا ہے 'سو یہ باب التفات سے ہے 'یعنی اہل کتب کو نبی ﷺ کی واضح معرفت حاصل تھی 'ان کو آپ کی معرفت میں کوئی شک نہیں تھا نہ آپ کی دی ہوئی خبروں کے صدق ہونے میں کوئی تردد تھا اور جن چیزوں کا آپ کو مکلف کیا گیا تھا مثلاً نبی المتقدس کے قبلہ ہونے کا منسوخ ہونا 'ان کی صداقت پر ان کو یقین تھا کیونکہ ان کی کتب میں آپ کا ذکر اور آپ کی صفات لکھی ہوئی تھیں 'قرآن مجید میں ہے :

يَجِلُّونَهُ مَكْنُونًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ
وَالْإِنْجِيلِ (الاعراف : ۱۵۷)
جس رسول کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف اس ضمیر کے لوٹنے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل کی ہے کہ "الذین اتینا ہم الكتاب يعرفونه" تو یہ معرفت کیسی ہے 'حضرت عبد اللہ بن سلام نے کہا اے عمر! جب میں نے آپ کو دیکھا تو فوراً پہچان لیا جیسے اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں 'اور میں سیدنا محمد ﷺ کو اپنے بیٹے سے زیادہ پہچانتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کتب میں آپ کی صفات بیان کی ہیں اور اپنے بیٹوں کے متعلق ہمیں پتا نہیں کہ عورتیں کیا کرتی ہیں 'میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں 'حضرت عمر نے ان کے سر کو بوسہ دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں توفیق دی ہے۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۳۳-۳۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

علامہ قرطبی نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے اور یہ لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ اس نبی کو اپنے آپ سے زیادہ پہچانتے ہیں کیونکہ انسان کو اپنی پیدائش سے لے کر ایک زمانہ تک اپنی معرفت نہیں ہوتی لور وہ اپنے بیٹے کو شروع سے پہچانتا ہے اور اس کی معرفت کے بغیر اس پر کوئی زمانہ نہیں گزرتا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۱۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

امام فخر الدین رازی حضرت عمر کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

چونکہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت معجزات سے ثابت ہو گئی تھی 'اس لیے آپ کے نبی ہونے کا ان کو قطعی علم تھا جبکہ اپنے بیٹے کے متعلق ان کو قطعیت کے ساتھ یہ علم نہیں تھا کہ یہ ان کا بیٹا ہے 'اس لیے آپ کی معرفت بیٹوں کی معرفت سے زیادہ قوی تھی 'نیز امام رازی فرماتے ہیں :

اس آیت میں ضمیر کو تحویل قبلہ کی طرف لوٹانے کے قول سے یہ قول راجح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر نہیں دی کہ ان کی کتابوں میں تحویل قبلہ کا ذکر ہے 'جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ تورات اور انجیل میں آپ کا ذکر لکھا ہوا ہے 'دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت سے پہلی آیت میں آپ کا ذکر ہے 'ولین اتیت الذین اتوا الكتاب ولین

اتبعوا اهلہم) اور تحویل قبلہ کا ذکر اس سے بعید ہے اور قریب کو مرجع بنانا اولیٰ ہے، اور تیسری وجہ یہ ہے کہ کھلت سے سیدنا محمد ﷺ کا صلوق ہونا ثابت ہوا ہے اس لیے اہل کتب آپ کی نبوت کے صدق کو پہچانتے تھے اور تحویل قبلہ کا برحق ہونا آپ کے برحق ہونے کی فرع ہے اس لیے اس ضمیر کو آپ کی طرف لوٹانا زیادہ اولیٰ ہے۔
(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۶۱-۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ قطبی نے ازسدى صغير از کلبی روایت کیا ہے کہ :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت عبداللہ بن سلام سے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیت نازل کی ہے یعرفونہ کما یعرفون ابناءہم اے عبداللہ یہ معرفت کیسی ہے؟ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا جب میں نے آپ کو دیکھا تو آپ کو اس طرح پہچان لیا جس طرح میں اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں، بلکہ مجھے سیدنا محمد ﷺ کی معرفت اپنے بیٹے سے زیادہ تھی کیونکہ ہماری کتاب میں اللہ تعالیٰ نے ان کی صفات بیان کی ہیں تو میں نے دیکھتے ہی آپ کو پہچان لیا کہ یہ برحق نبی ہیں اور اپنے بیٹوں کے متعلق میں نہیں جانتا کہ عورتیں کیا کرتی ہیں، حضرت عمر نے کہا اے عبداللہ بن سلام تم کو اللہ نے توفیق دی۔
(در منثور ج ۱ ص ۴۷، مطبوعہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

لام طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں دین کو تلاش کرنے کے لیے نکلا تو مجھے اہل کتاب کے باقی لوگوں میں سے چند راہب ملے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (یعرفونہ کما یعرفون ابناءہم) وہ کہتے تھے کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں عنقریب سرزمین عرب سے ایک نبی ظاہر ہو گا، اس کی خاص علامات ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے کندھوں کے درمیان ٹکوں کے گول مجموعہ کی شکل میں مہربوت ہوگی، میں عرب میں پہنچا اس وقت نبی ﷺ کا ظہور ہو چکا تھا۔ میں نے ان تمام علامات کو دیکھا اور مہربوت کو بھی دیکھا پھر میں نے کلمہ پڑھ لیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
(المعجم الکبیر ج ۶ ص ۲۶۸-۲۶۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لحمہ

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۴۷﴾ وَلِكُلِّ وُجْهَةٍ هُوَ

رہ قرین قبل تھا کہ رب کی طرف سے برحق ہے، زمانے غالب تم شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہونا اور ہر ایک کیلئے ایک سمت

مَوْلَاهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمْ اللَّهُ جَمِيعًا

ہے جس کی طرف وہ (نماز میں) منہ کرتا ہے، سو تم نیکیوں میں دوڑو، اے تمہیں ان کے ہر ایک کو لے آئے گا۔

إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور (اے رسول) آپ جہاں سے بھی باہر نہیں تو اپنا

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَاللَّهُ بَغَافِلٌ

من مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور بے شک یہ (تحویل قبلہ) آپ کے رب کی طرف برحق ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ

عَبَاتُ الْعَمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

سے غافل نہیں ہے اور (اے رسول) آپ جہاں سے جی باہر نہیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں

الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ

اور (اے مسلمان) تم جہاں کہیں جی ہو اپنے چہروں کو اس کی طرف پھیرو تاکہ لوگوں کے لیے تمہارے خلاف کوئی حجت نہ

حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأْتِمَّ بَعْثِي

ہے، البتہ ان میں سے جو ظالم ہیں اور تم پر ضرور نافرمانی لازم تراشی کریں گے سو تم ان سے ڈرو اور مجھ سے ڈرو (اور کعبہ کی طرف منہ کر دو)

عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ

تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں اور تاکہ تم ہدایت پا جاؤ اسی طرح ہم نے تم میں ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا ہے جو تم پر ہماری

آيَاتٍ تَلَاوتِ كِتَابِهِ وَتُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا

آیات تلاوت کرتا ہے اور تمہاری باطنی اصلاح کرتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تم کو ان تمام چیزوں کی تعلیم دیتا ہے

تَعْلَمُونَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿۱۵۲﴾

جن کو تم نہیں جانتے تھے سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو

قبلہ کے بارے میں شک کرنے کی ممانعت کی توجیہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ (تحویل قبلہ) تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے (تو اے مخاطب) تم شک کرنے والوں

میں سے ہرگز نہ ہونا۔

اس آیت میں بھی تعریض ہے صراحتہ ”نبی ﷺ کو خطاب ہے اور مراد آپ کی امت ہے“ کیونکہ اس آیت میں

شک کرنے سے منع کیا ہے اور جس چیز سے منع کیا جائے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ پہلے واقع ہو چکی ہو یا متوقع ہو ورنہ منع

کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور نبی ﷺ سے یہ توقع نہیں ہے کہ آپ قبلہ کے برحق ہونے میں شک کریں گے اس لیے

منع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کا خطاب بے فائدہ نہیں ہو سکتا اس لیے یہاں خطاب سے بہ طور تعریض

آپ کی امت مراد ہے، اس جگہ ایک اور سوال یہ ہے کہ شک کرنا یا نہ کرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے، اور غیر اختیاری

چہ کا مکتب نہیں کیا جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ شک کو زائل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے دلائل بیان کر دیئے اس لیے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان دلائل پر غور کرو تا کہ شک پیدا نہ ہو، اور دلائل یہ ہیں کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں وہ کسی جہت اور سمت کے ساتھ مختص نہیں ہے اس لیے جس سمت کی طرف منہ کر کے سجدہ کرو گے اسی کو سجدہ ہو گا اور اس نے کعبہ کو اس لیے قبلہ بتایا کہ وہ تمہارے نبی کے باپ ابراہیم کا قبلہ اور تمہارے نبی کا مولد ہے۔

اللہ کی ذات کا حضور کے لیے قبلہ ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے۔

اس آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں، ایک یہ ہے کہ ہر علاقہ کے مسلمانوں کے لیے کعبہ کی ایک جہت اور سمت ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے بعض علاقوں کے مسلمانوں کے شمال کی طرف کعبہ ہے، اور بعض علاقہ والوں کے جنوب کی طرف کعبہ ہے، بعض کے مشرق کی طرف اور بعض کے مغرب کی طرف کعبہ ہے، مثلاً ایتھوپیا کے شمال کی طرف کعبہ ہے، ماسکو کے جنوب کی طرف، وسطی افریقہ کے مشرق کی طرف اور برصغیر کے مغرب کی طرف کعبہ ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اصحاب شریعت اور رسولوں میں سے ہر ایک کا الگ الگ قبلہ ہے جس کی طرف وہ منہ کرتے ہیں، مقربین کا قبلہ عرش ہے، روحانیین کا قبلہ کرسی ہے، کروہین کا قبلہ بیت المعمور ہے، انبیاء سابقین کا قبلہ بیت المقدس ہے اور آپ کا قبلہ کعبہ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ کعبہ آپ کے جسم کا قبلہ ہے اور آپ کی روح کا قبلہ میری ذات ہے اور میرا قبلہ آپ ہیں۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ کی روح کا قبلہ اللہ کی ذات ہو یہ تو متصور ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا قبلہ آپ کی ذات ہو یہ کیسے متصور ہو گا اس کا جواب یہ ہے کہ قبلہ سے مراد جہت عبادت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد مرکز توجہ ہے یعنی آپ کی توجہ اللہ کی طرف رہتی ہے اور اللہ کی خاص توجہ آپ کی طرف رہتی ہے۔

پانچوں نمازوں کے مستحب اوقات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو تم سب نیکیوں میں دوسروں سے آگے نکلو۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں تم دوسروں سے آگے نکلو، اور یہ اس کو متمنن ہے کہ ہر نیکی میں سبقت کرو۔ فقہاء شافعیہ نے اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ نماز کو اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے، امام ابو حنیفہ کے مذہب کے اعتبار سے اس آیت کی یہ توجیہ ہو گی کہ ہر نماز کو اس کے مستحب وقت میں پڑھنے میں سبقت کی جائے، فجر کی نماز کا مستحب وقت ہے جب طلوع فجر کے بعد سفیدی ہو جائے، ظہر کی نماز کو گرمیوں میں ٹھنڈا کر کے اور ایک محل سائے تک موخر کر کے پڑھنا مستحب ہے، عصر کی نماز کو موخر کر کے سورج کے زرد ہونے سے پہلے پڑھنا مستحب ہے، مغرب کی نماز کو غروب آفتاب کے فوراً بعد جلدی پڑھنا مستحب ہے، اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک موخر کر کے پڑھنا مستحب ہے۔

فجر کے مستحب وقت کی دلیل یہ حدیث ہے، امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سفیدی پھیلنے کے بعد فجر کی نماز پڑھو اس

میں زیادہ اجر ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اور حضرت عائشہ سے جو روایت ہے کہ ہم منہ اندھیرے نماز پڑھتے تھے، یہ عمل اس حدیث سے منسوخ ہے نیز یہ حدیث قوی ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث فعلی ہے اور حدیث قوی حدیث فعلی پر رائج ہے۔

گرمیوں میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کرنے اور ایک مثل تک موخر کرنے پر یہ دلیل ہے : امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جب گرمی شدید ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے بھڑکنے سے ہوتی ہے۔ (جامع ترمذی ص ۵۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کا موزن ظہر کی لڑان دینے لگا تو آپ نے فرمایا : ٹھنڈا کرو، ٹھنڈا کرو اور فرمایا گرمی کی شدت جہنم کے بھڑکنے سے ہوتی ہے۔ سو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو، حتیٰ کہ ہم نے ٹیلوں کا سلیہ دیکھا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۷-۷۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۳۸۸ھ)

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل سائے تک رہتا ہے اور ایک مثل سائے سے ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا۔

عصر کے مستحب وقت کے متعلق یہ حدیث ہے : امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ منافق کی نماز ہے وہ سورج کو دیکھتا رہتا ہے، حتیٰ کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو وہ کھڑا ہو کر چار ٹھونکیں مار لیتا ہے اور اللہ کا بہت کم ذکر کرتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۲۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج کے زرد ہونے سے پہلے عصر کی نماز پڑھ لینی چاہئے اور امام حاکم روایت کرتے

ہیں :

زیاد بن عبد اللہ غفنی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد اعظم میں بیٹھے ہوئے تھے، موزن نے آکر کہا نماز یا امیر المؤمنین! آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھ گیا، اس نے پھر اٹھ کر کہا نماز یا امیر المؤمنین، آپ نے فرمایا یہ کتا ہمیں سنت کی تعلیم دیتا ہے! پھر حضرت علی نے کھڑے ہو کر ہمیں عصر کی نماز پڑھائی، پھر ہم واپس آکر وہیں بیٹھ گئے جہاں پہلے بیٹھے ہوئے تھے، پھر ہم گھنٹوں کے بل جھک کر سورج کو غروب کے لیے اترتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ امام حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت نہیں کیا۔

(المستدرک ج ۱ ص ۱۹۲، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ)

چونکہ عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے اس لیے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ عصر کی نماز تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے تاکہ نفل پڑھنے کے لیے زیادہ وقت مل سکے، اس کی تائید حضرت علی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

اور مغرب کے مستحب وقت کے متعلق یہ حدیث ہے : امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک میری امت مغرب کی نماز کو ستاروں

کے لئے تک موخر نہیں کرے گی وہ خیر پر رہے گی یا فرمایا نیکی پر رہے گی۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۶۰، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

لور عشاء کے مستحب وقت کے متعلق یہ حدیث ہے 'لام تزدی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں اس کو یہ حکم دیتا کہ وہ عشاء کی نماز کو تہائی یا نصف رات تک موخر کرے۔ (جامع ترمذی ص ۵۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

تاہم قرآن مجید کی اس آیت سے لول وقت میں نماز پڑھنے پر استدلال کرنا ضعیف ہے، کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ نیکی کرنے میں دو سروں پر سبقت کرو، نیکی کرنے میں دو سروں سے آگے نکلو یا بڑھ چڑھ کر نیکی کرو، جن اوقات میں نبی ﷺ نے نمازیں پڑھی ہیں، لور جن اوقات میں آپ نے نماز پڑھنے کی تلقین کی ہے اور ترغیب دی ہے ان ہی اوقات میں نماز پڑھنا مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم سب کو لے آئے گا۔

یہ آیت یا تو خاص نمازیوں کے متعلق ہے یعنی تم کعبہ کے شمال میں ہو یا جنوب میں، مشرق میں ہو یا مغرب میں، تم دور دراز کی مختلف جہات لور مختلف علاقوں میں جہاں سے بھی کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو گے اللہ تعالیٰ ان نمازوں کو عین کعبہ کی طرف نماز قرار دے گا۔

یا یہ آیت تمام لوگوں کے متعلق ہے کہ موت کے بعد تمہارے بدن کے اجزاء، خاک میں مل کر ہواؤں اور آندھیوں سے لور دیگر قدرتی آفات سے بکھر کر خواہ کہیں پہنچ جائیں اللہ تعالیٰ تمہارے ان اجزاء کو قیامت کے دن مجتمع کر دے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

کعبہ کی طرف منہ کرنے کے حکم کو تین بار ذکر کرنے کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لور (اے رسول) آپ جہاں سے بھی باہر نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں۔ بے شک یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اس کے بعد پھر فرمایا لور (اے رسول) آپ جہاں سے بھی باہر نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، لور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اس کی طرف پھیر لو تاکہ لوگوں کے لیے تمہارے خلاف کوئی حجت نہ رہے (الی قولہ) تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں لور تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔

اس رکوع میں تین مرتبہ نبی ﷺ لور مسلمانوں کو مسجد حرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے یہ ظاہر ہے تکرار ہے لیکن حقیقت میں یہ تکرار نہیں ہے کیونکہ ہر مرتبہ اس حکم کی ایک نئی علت بیان فرمائی ہے، پہلی بار اس حکم کی علت رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ہے لور آپ کی رضا جوئی کے لیے مسجد حرام کو قبلہ بنایا لور نماز میں اس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا، دوسری مرتبہ یہ علت بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت جاریہ ہے کہ وہ ہر قوم کا الگ الگ قبلہ بناتا ہے جس کی طرف وہ منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں سو اس نے مسلمانوں کا قبلہ مسجد حرام کو بنایا، لور اس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا، لور تیسری دفعہ اس کی علت یہ بیان فرمائی تاکہ یہود مسلمانوں کے خلاف حجت قائم نہ کریں، کیونکہ تحویل قبلہ سے پہلے یہود یہ کہتے تھے کہ تو رات میں جس نبی کے مبعوث ہونے کے متعلق لکھا ہوا ہے اس کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا، لور (سیدنا) محمد (ﷺ) تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں لہذا یہ وہ نبی نہیں ہیں جن

کے مبعوث ہونے کی ہماری کتاب میں پیش گوئی کی گئی ہے، سو مسلمانوں کو تیسری بار اسی وجہ سے مسجد حرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تاکہ یہود مسلمانوں پر اعتراض نہ کریں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے کے تین احوال ہیں، ایک حل یہ ہے کہ مسجد حرام میں نماز پڑھی جا رہی ہو، دوسرا حل یہ ہے کہ مسجد حرام سے باہر شہر مکہ مکرمہ میں نماز پڑھی جا رہی ہو، تیسرا حل یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے باہر کسی اور شہر میں نماز پڑھی جا رہی ہو، پہلی آیت اس پر محمول ہے کہ مسجد حرام میں کعبہ کی طرف منہ کیا جائے، دوسری آیت اس پر محمول ہے کہ مکہ مکرمہ میں کعبہ کی طرف منہ کیا جائے اور تیسری آیت اس پر محمول ہے کہ دیگر شہروں میں سے جہاں کہیں بھی ہوں کعبہ کی طرف منہ کیا جائے۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ پہلی بار کعبہ کی طرف منہ کرنے کے حکم کے ساتھ بتایا کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کے معاملہ کا یہود و نصاریٰ کو علم ہے اور تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ہے دوسری بار اس حکم کے ساتھ فرمایا اللہ کے نزدیک کعبہ کا قبلہ ہونا برحق تھا اس لیے کعبہ کو قبلہ بنایا اور تیسری بار فرمایا یہ حکم اس لیے ہے تاکہ اللہ تم پر اپنی نعمت پوری کر دے کیونکہ عرب اپنے تمام افعال میں اتباع ابراہیم کو پسند کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے اور بیت المقدس کی طرف منہ کرنے سے تنگ ہوتے تھے اس لیے کعبہ کی طرف منہ کرنا ان کے لیے نعمت تھا، نیز یہ حکم ملت ابراہیم کی طرف ہدایت تھا۔

چوتھی توجیہ یہ ہے کہ پہلی بار فرمایا آپ کی رضا کے لیے کعبہ کو قبلہ بنایا دوسری بار اس لیے فرمایا کہ آپ کی رضا کے علاوہ فی نفسہ یہ تحویل برحق ہے اور تیسری بار اس لیے فرمایا کہ یہ حکم عارضی نہیں ہے دائمی ہے اور تمام زمانوں اور تمام علاقوں کے لیے ہے۔

پانچویں توجیہ یہ ہے کہ پہلی آیت تمام احوال کے لیے ہے، دوسری آیت تمام علاقوں کے لیے ہے اور تیسری تمام زمانوں کے لیے ہے۔

چھٹی توجیہ یہ ہے کہ پہلی آیت حالت اختیار میں قلب اور بدن کے ساتھ تحقیقاً "کعبہ کی طرف منہ کرنے پر محمول ہے، دوسری آیت اشتباہ قبلہ کی صورت میں اپنے ظن کے مطابق کعبہ کی طرف منہ کرنے پر محمول ہے اور تیسری آیت حالت اضطرار میں (مثلاً جب سواری پر ہو جیسے ٹرین یا جہاز) اپنے قلب کے ساتھ کعبہ کی طرف منہ کرنے پر محمول ہے۔

اور ساتویں توجیہ یہ ہے کہ تحویل قبلہ کی صورت میں پہلی بار نسخ کا حکم مسلمانوں میں متعارف ہوا اور چونکہ یہود نسخ کا انکار کرتے تھے اور اس کو بداء کہتے تھے اس لیے یہ ایک متم بالشان امر تھا لہذا اس حکم کو بار بار دہرا کر اس کی تاکید کی گئی۔

تمام نعمت کا مصداق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو تم ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں۔

یعنی یہود اور نصاریٰ تمہارے قبلہ پر جو چہ میگوئیاں کرتے ہیں اور اس پر زبان طعن دراز کرتے ہیں تو تم اس سے مت ڈرو اور مت گھبراؤ اور ان کے اعتراضات کی وجہ سے کعبہ کی طرف منہ کرنے کو ترک مت کرو بلکہ اس کو ترک کرنے کی وجہ سے میرے عذاب سے ڈرو، یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ انسان ہر وقت اللہ کے عذاب کو اپنے پیش نظر رکھے اور ہر کام کے وقت صرف یہ دیکھے کہ اس کام کے کرنے یا نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے یا ناراض ہوتا ہے۔ اس آیت میں تمام نعمت کا ذکر ہے، امام ترمذی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک

میں کے پاس سے گزر ہوا وہ دعا کر رہا تھا اے اللہ میں تجھ سے صبر کا سوا کرتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے بلاء (مصیبت) کا سوا کیا ہے اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، ایک اور شخص کے پاس سے آپ کا گزر ہوا وہ دعا کر رہا تھا اے اللہ! میں تجھ سے تمام (پوری) نعمت کا سوا کرتا ہوں، آپ نے فرمایا اے ابن آدم کیا تم جانتے ہو کہ تمام نعمت کیا ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں نے نیکی کی توقع پر دعا کی ہے! آپ نے فرمایا تمام نعمت جنت میں داخل ہونا اور جہنم سے نجات پانا ہے ایک اور شخص کے پاس سے گزر ہوا وہ کہہ رہا تھا یا ذا الجلال والاكرام! آپ نے فرمایا تمہاری دعا قبول ہوگی، سوال کرو۔

(جامع ترمذی ص ۵۰۸-۵۰۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام بخاری (۱)، امام احمد (۲)، امام طبرانی (۲) اور امام ابن ابی شیبہ (۴) نے بھی روایت کیا ہے۔
حافظ سیوطی (۵) نے اس حدیث کا امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے اور علامہ علی متقی (۶) نے بھی اس حدیث کو متعدد حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اسی طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا ہے۔

اس آیت میں رسول کے بھیجنے کو تشبیہ دی گئی ہے، لیکن اس کے مشبہ بہ کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں۔

(۱) جس طرح میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں گا، بایں طور کہ تم کو آخرت میں جنت میں داخل کروں گا، اسی طرح میں نے دنیا میں تم میں سے ایک عظیم رسول بھیج کر تم پر نعمت پوری کی ہے۔

(۲) جس طرح میں نے ابراہیم کی یہ پہلی دعا قبول کر کے اور ہماری اولاد میں سے ایک امت کو خاص اپنا فرمانبردار بنا دے (اپنی نعمت پوری کی، اسی طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج کر اپنی نعمت پوری کی۔

(۳) جس طرح میں نے ابراہیم کی یہ دوسری دعا قبول کر کے (اے ہمارے رب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے) اپنی نعمت پوری کی، اسی طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

(۴) جس طرح ہم نے تم کو امت وسط (افضل) بنایا اسی طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

(۵) جس طرح ہم نے کعب کو تمہارا قبلہ بنایا جو قیامت تک تمہارا قبلہ رہے گا جس کے بعد کوئی اور سمت قبلہ نہیں ہوگی اور جو آخر القبلت ہے جس طرح ہم نے تم پر یہ نعمت پوری کی ہے اسی طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جس کی شریعت قیامت تک جاری رہے گی جس کے بعد کوئی اور نبی مبعوث نہیں ہوگا جو آخر الانبیاء ہے۔

دعا ابراہیم میں تزکیہ کا موخر ہونا اور دعاء استجاب میں مقدم ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے، اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو کتب اور حکمت کی تعلیم

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، الاواب المفرد ص ۱۸۸، مطبوعہ مکتبہ اثریہ ساکنہ مل

(۲) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

(۳) امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ، المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۵۵-۵۶، مطبوعہ دار امیاء التراث العربی بیروت

(۴) امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ، المسند ج ۲ ص ۲۷۰، مطبوعہ لواء القرآن کراچی ۱۳۰۶ھ

(۵) حافظ جلیل الدین سیوطی متوفی ۸۹۹ھ، الدر المنثور ج ۲ ص ۳۸۵، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران

(۶) علامہ علی متقی بن حسام الدین حندی متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۲ ص ۱۷، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳۰۵ھ

رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس رسول کی یہ صفت ذکر کی ہے کہ وہ ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے، اس میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی دلیل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آپ اسی تھے اور کسی ایسی آیات کی تلاوت کرنا بشری طاقت سے باہر ہے جو انتہائی فصیح و بلیغ ہوں، غیب کی خبروں پر مشتمل ہوں اور ان میں نبی نوع انسان کی دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کے لیے ایک مکمل نظام حیات ہو۔

اور وہ رسول تمہارا تزکیہ کرتا ہے، تزکیہ کے کئی معنی ہیں، تحسین کرنا، بڑھانا اور پاک کرنا، اس رسول نے تمہاری تحسین کی ہے اور تم کو تمام امتوں میں بہترین امت قرار دیا ہے، اور دن رات موثر تبلیغ کر کے تم کو باقی امتوں سے بڑھایا ہے اور تم کو شرک اور کفر کی آلودگی سے پاک کیا ہے۔ اور وہ کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں، کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور حکمت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت میں تزکیہ، کتاب اور حکمت کی تعلیم پر مقدم ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں موخر ہے کیونکہ انہوں نے کہا ”ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ تزکیہ، کتاب اور حکمت کی تعلیم کے لیے علت غائیہ ہے اور علت غائیہ ذہن میں مقدم ہوتی ہے اور خارج میں موخر ہوتی ہے، کتاب اور حکمت کی تعلیم کی غرض اور غایت یہ ہے کہ انسان کے ظاہر اور باطن کی اصلاح ہو لہذا جس تزکیہ اور اصلاح کے لیے تعلیم دی جاتی ہے، اس سے پہلے ذہن میں اس کا تصور ہو گا پھر اس کے حصول کے لیے آیتوں کی تلاوت کی جائے گی اور کتاب اور سنت کی تعلیم دی جائے گی پھر اس کے نتیجے میں ظاہر اور باطن کی اصلاح عمل اور وجود میں آئے گی اس آیت میں وجود ذہنی کے لحاظ سے تزکیہ کو مقدم کیا ہے اور حضرت ابراہیم کی دعا میں وجود خارجی کے لحاظ سے تزکیہ کو موخر کیا ہے، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قوت نظریہ کے مکمل کے بعد قوت عملیہ کا کمال ہونا یا اصلاح عقائد کے بعد اصلاح عمل ہونا اور ظاہر اور باطن کا نیک ہونا تزکیہ ہے۔

دعاء ابراہیم میں اور اس آیت میں رسول کی بعثت کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے ہم یہاں نبی اور رسول کی تعریف، ان کی شرائط اور ان کی تعداد کا بیان کر رہے ہیں۔

نبی اور رسول کی تعریف

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں :

نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف کی ہوئی وحی کی تبلیغ کے لیے بھیجا ہو، رسول کی بھی یہی تعریف ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ رسول وہ انسان ہے جس کے پاس شریعت ہو اور اس پر کتاب نازل کی گئی ہو یا اس کے لیے پہلی شریعت کا کچھ حصہ منسوخ کیا گیا ہو۔

(مسارہ مع السامره ص ۲۰۷، مطبوعہ دائرة المعارف الاسلامیہ مکران)

علامہ تفتازانی نے بھی یہی دو تعریضیں لکھی ہیں پھر دوسری تعریف کے اعتبار سے رسول کی وضاحت کرتے ہوئے

لکھتے ہیں :

رسولؐ نبی سے خاص ہے، رسول وہ ہے جس کی اپنی شریعت ہو اور اس کے پاس کتب ہو، اس پر یہ اعتراض ہے کہ حدیث میں رسولوں کی تعداد کتبوں سے زیادہ بیان کی گئی ہے اس لیے رسول کی تعریف میں یہ تلویل کی گئی کہ اس کے پاس کتب ہو یا شریعت سابقہ میں سے کچھ احکام اس کے لیے مخصوص کیے گئے ہوں، جیسے حضرت یوشع علیہ السلام۔
(شرح القاصد ج ۵ ص ۶، مطبوعہ منشورات الرضی ایران ۱۳۰۹ھ)

صدر الشریعت مولانا امجد علی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

عقیدہ : نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو، اور رسول بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ میں بھی رسول ہیں (جیسے حضرت جبرئیل وغیرہ)

عقیدہ : انبیاء سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔ (بہار شریعت ج ۱ ص ۹، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لیتھڈ لاہور)

نبی اور رسول کو مبعوث کرنے کی حکمتیں

رسولوں کا بھیجنا محض اللہ تعالیٰ کا بندوں پر لطف اور اس کی رحمت ہے اور اس کی بے شمار حکمتیں ہیں، بعض حکمتیں حسب ذیل ہیں :

(۱) بعض احکام انسانوں کی عقل سے باوراء ہیں جیسے اللہ کا وجود، اس کی وحدانیت، اس کا علم اور اس کی قدرت وغیرہ، اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیج کر اپنے بندوں کی ان امور کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا، اللہ تعالیٰ کا کلام اور قیامت کے بعد جزاء اور سزا عقل از خود ان کو معلوم نہیں کر سکتی، اس وجہ سے ان امور کی تعلیم کے لیے رسولوں کو بھیجا۔

(۳) ایک ہی کام بعض اوقات میں اچھا اور بعض اوقات میں برا ہوتا ہے مثلاً طلوع، غروب اور زوال کے وقت نماز پڑھنا برا ہے، اور باقی اوقات میں اچھا ہے۔ یا عید اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا برا ہے اور باقی اوقات میں اچھا ہے یا بعض افراد کے اعتبار سے ایک کام اچھا اور بعض افراد کے اعتبار سے برا ہوتا ہے جیسے کافر حربی کو قتل کرنا اچھا ہے اور مومن یا کافر زنی کو قتل کرنا برا ہے اور یہ فرق نبی کے علاوہ اور کوئی نہیں بتا سکتا۔

(۴) کیا چیز کھلی حلال ہے اور کیا چیز کھلی حرام ہے، اس کو بھی صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔

(۵) ایک شخص کے اعتبار سے نیک اور بد افعال، ایک خاندان کے اعتبار سے نیک اور بد افعال اور ایک ملک اور قوم کے اعتبار سے نیک اور بد افعال، نیکی اور بدی کی یہ تفصیل صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔

(۶) نیکی پر اجماع کرنے کے لیے نیکو کار کے ثواب کی تفصیل اور بدی سے بچانے کے لیے بدی کے عذاب کی خبر بھی صرف نبی ہی بیان کر سکتا ہے۔

(۷) ایک فرد، ایک خاندان اور ایک ملک کے حقوق اور فرائض کا تعین بھی صرف نبی ہی کر سکتا ہے۔

(۸) انسان کی قوت علمی اور قوت عملی کو کمال کر کے اس کے ظاہر اور باطن کو پاک صاف کرنا اور مزین کرنا یہ بھی صرف نبی کا منصب ہے۔

(۹) مختلف غذاؤں کے فوائد اور تفصیلات بیان کرنا اسی طرح مختلف صنعتوں کے اسرار بیان کرنا، یہ بھی صرف نبی کا حصہ ہے۔

(۱۰) نبی کو دنیا میں بھیج کر اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنی رحمت پوری کرتا ہے تاکہ قیامت کے دن کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ ہم

اس لیے گمراہ ہو گئے کہ ہم کو کوئی بتانے والا نہیں تھا۔
نبی کی شرائط

علامہ ابن حمام نے نبی کی حسب ذیل شرائط بیان کی ہیں :

(۱) نبی کا مذکر ہونا شرط ہے، کیونکہ مونث ہونا ناقص ہے۔

(۲) عقل اور خلقت کے اعتبار سے نبی اپنے زمانہ میں سب سے کمال ہو، لیکن یہ مکمل بعثت کے وقت ضروری ہے، کیونکہ بعثت سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے انہوں نے بعثت کے وقت لکنت کے ازالہ کے لیے دعا کی۔

(۳) ذہانت اور رائے کی اصابت اور قوت کے اعتبار سے وہ سب سے کمال ہو کیونکہ نبی پوری قوم کے معاملات کا منتظم اور ان کی مشکلات کا مرجع ہوتا ہے۔

(۴) نبی کے آباء میں کوئی ایسا وصف نہ ہو جس کی وجہ سے ان کو حقیر جانا جاتا ہو اور اس کی مل کی عفت اور پارسائی پر تہمت نہ ہو۔

(۵) نبی کا دل سخت نہ ہو، کیونکہ انسان کے باقی جسم کی سلامتی کا مدار اس کے دل پر ہے۔

(۶) نبی میں کوئی ایسا جسمانی عیب یا بیماری نہ ہو جس سے لوگ متنفر ہوتے ہوں، جیسے برص اور جذام۔

(۷) وہ وقار کے خلاف اور معیوب کام نہ کرتا ہو، مثلاً بازاروں میں راستہ چلتے ہوئے کسی چیز کو کھاتا۔

(۸) جو پیشے لوگوں میں معیوب سمجھے جاتے ہوں جیسے حجامت بنانا، نبی ایسے پیشے نہ کرتا ہو کیونکہ نبوت مخلوق میں سب سے زیادہ عزت کا منصب ہے تاکہ لوگ اس کو احترام کی نگاہ سے دیکھیں اس لیے وہ وقار کے منافی کسی مبتذل پیشے میں نہ ہو۔

(۹) نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد نبی کفر سے بلاجماع معصوم ہو۔ (باقی معاصی میں تفصیل ہے، بعض کے نزدیک اعلان نبوت سے پہلے صغیرہ کا ارتکاب جائز ہے، ہماری تحقیق یہ ہے کہ نبی نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد عدا معصیت کے ارتکاب سے معصوم ہے ہاں بعض اوقات نسیان یا اجتہاد سے بہ ظاہر خطاء ہو جاتی ہے۔)

(۱۰) نبی کے صدق کو ظاہر کرنے کے لیے معجزہ کا اظہار بھی شرط ہے۔

ہر نبی کے پیدائشی نبی ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق

بعض لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے لیکن مجھے اس سلسلہ میں کوئی صریح عبارت نہیں ملی، قرآن مجید میں یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کا عہد و میثاق اور قول و اقرار لیا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت علم الہی میں پہلے سے مستحق تھی، لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ ہر چیز کی حیثیت علم الہی میں پہلے سے مستحق ہے البتہ قرآن مجید سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ثابت ہے کہ وہ پیدائشی نبی تھے، اور حضرت یحییٰ کے متعلق بھی قرآن مجید میں ہے کہ ان کو بچپن میں نبوت ملی اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ بھی پیدائشی نبی تھے کیونکہ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے (جامع ترمذی ص ۵۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

صدر الشریعت مولانا امجد علی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

مقیدہ : انبیاء علیہم السلام شرک و کفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لیے باعث نفرت ہو جیسے کذب و خیانت و جمل وغیرہ ماضی ذمیر سے نیز ایسے افعال سے جو وجاہت اور مروت کے خلاف ہیں قبل نبوت اور بعد نبوت بالا جماع معصوم ہیں اور کبائر سے بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعداً صغائر سے بھی قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔

(بہار شریعت ج ۱ ص ۱۱۱، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لیمٹڈ لاہور)

اگر ہر نبی پیدا نشی نبی ہوتا ہے تو پھر قبل نبوت اور بعد نبوت کی قید بے فائدہ ہوگی اور یہ صرف صدر الشریعت کی عبارت نہیں ہے بلکہ تمام متکلمین اور مفسرین نے جمل بھی عصمت انبیاء سے بحث کی ہے قبل نبوت اور بعد نبوت کی قید کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ علماء کی عبارات میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی کے متعلق یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ وہ پیدا نشی نبی ہوتا ہے۔

نبیوں، رسولوں، کتابوں اور صحیفوں کی تعداد کی تحقیق

لام ابو نعیم اسماعیلی نے اپنی سند کے ساتھ ایک بہت طویل حدیث روایت کی ہے اس موضوع سے متعلق اس روایت کا درمیانی حصہ ہم پیش کر رہے ہیں۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ انبیاء کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا تین سو تیرہ جم غفیر ہیں میں نے کہا بہت اچھے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ پہلانی کون ہے؟ آپ نے فرمایا آدم میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ آپ نے فرمایا : ہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی پھر ان کو اپنے سامنے بٹایا پھر آپ نے فرمایا : اے ابو ذر چار نبی سرانی ہیں آدم، شیث اور خنوخ، یہ اور یس ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا اور نوح، اور چار نبی عرب ہیں : حمود، صالح، شعیب اور تمہارے نبی، اے ابو ذر! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں؟ آپ نے فرمایا سو صحیفے اور چار کتابیں، شیث پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے، خنوخ پر تیس صحیفے نازل کیے گئے، ابراہیم پر دس صحیفے نازل کیے گئے اور موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے اور تورات، انجیل، زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔ (ملت للادبیاء ج ۱ ص ۱۱۷، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اس حدیث کو لام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(موارد النعمان ص ۵۳-۵۴، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

لام احمد نے بھی دو سندوں سے اس حدیث کو حضرت ابو ذر سے روایت کیا ہے مگر اس میں تین سو پندرہ رسولوں کا

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۱-۲۶۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ)

ذکر ہے۔

لام ابن عساکر نے بھی اس حدیث کو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(تندیب تانیخ دمشق ج ۶ ص ۳۵۷-۳۵۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

خط ابیسی نے بھی لام احمد اور لام طبرانی کے حوالوں سے تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

ضعیف لکھا ہے۔

حافظ سیوطی نے الجامع الکبیر میں اس حدیث کو امام ابن حبان، امام اصبغی اور امام ابن عساکر کے حوالوں سے لکھا ہے اور اس میں تین سو تیرہ رسولوں کا ذکر ہے۔ (جامع الاصلیٰ الکبیر ج ۱ ص ۲۰۶-۲۰۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ) علامہ علی متقی نے بھی اس حدیث کا حافظ سیوطی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(کنز العمال ج ۲ ص ۳۳-۳۴، مطبوعہ مکتبۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۵ھ)

حافظ سیوطی نے الدر المنثور میں لکھا ہے: امام عبد بن حمید، امام حکیم ترمذی نے نو اور الاصول میں، امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں، امام حاکم اور امام ابن عساکر نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ انبیاء کتنے تھے فرمایا ایک لاکھ اور چوبیس ہزار نبی تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان میں سے رسول کتنے تھے فرمایا تین سو تیرہ کا جم غفیر تھا، اس حدیث کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں وارد کیا ہے اور امام ابن الجوزی نے موضوعات میں وارد کیا ہے اور یہ دونوں متضاد ہیں، اور صحیح بات یہ ہے یہ حدیث ضعیف ہے، نہ موضوع ہے نہ صحیح ہے، جیسا کہ میں نے مختصر الموضوعات میں بیان کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۲۳۶، مطبوعہ مکتبۃ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

امام ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو میرے بھائی نبی پہلے گزرے ہیں ان کی تعداد آٹھ ہزار ہے پھر عیسیٰ بن مریم آئے، پھر میں۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ دار المأمون ثلاث بیروت ۱۴۰۳ھ)

نیز امام ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی مبعوث کئے۔ چار ہزار بنو اسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی لوگوں کی طرف۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ۲ ص ۱۵۷، مطبوعہ دار المأمون ثلاث بیروت ۱۴۰۳ھ) امام حاکم نے اس حدیث کو حضرت انس سے موقوفاً روایت کیا ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۵۹۷، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

امام ابو یعلیٰ اور امام حاکم نے جن سندوں سے اس حدیث کو روایت کیا ہے ان میں ابراہیم اور یزید رقاشی نام کے دو راوی ہیں۔ امام ذہبی نے ان دونوں کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ضعیف راوی ہیں۔

(تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۵۹۷، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

علامہ بدر الدین عینی نے امام بن حبان کی صحیح اور امام ابن مردویہ کی تفسیر کے حوالوں سے حضرت ابوذر کی حدیث ذکر کی ہے اور امام ابو یعلیٰ اور حافظ ابو بکر اسماعیلی کے حوالوں سے حضرت انس کی روایت ذکر کی ہے اور کوئی محاکمہ نہیں کیا۔ (عمدة القاری ج ۱۵ ص ۲۰۴، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية مصر ۱۳۳۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حضرت ابوذر نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں، اس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر نے امام ابو یعلیٰ اور امام حاکم کی روایت کا ذکر نہیں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روایت ان کے نزدیک معتبر نہیں ہے اور امام ذہبی نے اس کے راویوں کی جو تضعیف کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور انہوں

نے امام ابن کثیر کی تصحیح کو بلا تبصرو نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ابن کے نزدیک صحیح ہے اور حدیث کی تحقیق کے سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی بہت معتمد ہیں اس لیے یہی صحیح ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ دو لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہیں۔

(شرح عقائد ص ۹۷، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

علامہ پر حاروی نے لکھا ہے کہ میرا گمان ہے کہ حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ میں اس روایت سے واقف نہیں ہوں۔ (نبراس ص ۴۴، مطبوعہ مکتبہ قدوریہ لاہور، ۱۳۹۷ھ)

میں نے اس سلسلہ میں تمام متداول کتب حدیث اور علماء کی تصانیف کو دیکھا ہے لیکن دو لاکھ کی روایت کہیں نہیں ملی، حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی نے اس سلسلہ میں تمام روایات کو جمع کیا ہے لیکن دو لاکھ کی روایت ان میں نہیں ہے اور حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی کے مقابلہ میں علم روایت حدیث پر علامہ تفتازانی کی نظر بہت کم ہے بلکہ علامہ تفتازانی نے کئی ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن کا کوئی وجود نہیں مثلاً یہ حدیث ”جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا“ (شرح عقائد ص ۱۰۶، شرح مقاصد ج ۵ ص ۲۳۹)

حافظ ابن کثیر نے ان تمام احادیث کو تفصیل اور سندوں کے ساتھ لکھا ہے جن کے ہم نے حوالے دیئے ہیں اور ان سب کو ضعیف قرار دیا ہے، پھر اس کے آخر میں انہوں نے لکھا ہے کہ امام احمد اور امام ابو یعلیٰ نے حضرت ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہزار یا اس سے زیادہ نبیوں کا خاتم ہوں، امام احمد کی یہ سند زیادہ صحیح ہے اور اس حدیث کو امام ہزار نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۵۴، مطبوعہ ادارۃ اندلس بیروت، ۱۳۸۵ھ)

ہر چند کہ حافظ ابن کثیر کی تحقیق یہی ہے لیکن زیادہ تر محدثین کا اعتقاد حضرت ابوذر کی اس روایت پر ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

ذکر کی اقسام اور ذکر کے متعلق اقوال

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

کسی عمل کے وقت تم میرے امر اور نہی کو یاد کرو، یعنی میرے حکم کے مطابق کسی کام کو کرو یا میرے منع کرنے کے مطابق کسی کام سے روکو تو میں تم کو اس عمل کی جزا سے یاد کروں گا، تم مجھے عبادت اور اطاعت سے یاد کرو میں تم کو ثواب سے یاد کروں گا، ایک قول یہ ہے کہ تم راحت میں مجھ کو عبادت اور دعا سے یاد کرو میں مصیبت میں تم کو عطاء اور نعمت سے یاد کروں گا، ایک قول یہ ہے کہ تم مجھ کو سوال سے یاد کرو میں تم کو عطا سے یاد کروں گا، ایک قول یہ ہے کہ تم مجھ کو توبہ سے یاد کرو میں تم کو غفور کرم سے یاد کروں گا، تم مجھے دنیا میں یاد کرو میں تم کو آخرت میں یاد کروں گا۔

کبھی ذکر زبان سے ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنا، تسبیح کرنا، قرآن مجید کی تلاوت کرنا، وعظ اور نصیحت کرنا،

اور کبھی ذکر دل سے ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے دلائل پر غور و فکر کرنا، (علامہ جصاص نے لکھا ہے کہ یہ ذکر کی سب سے افضل قسم ہے، احکام القرآن ج ۱ ص ۴۳) اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے کے طریقوں پر غور کرنا، اور اللہ کی

مخلوق کے اسرار پر غور کرنا، اور کبھی اعضاء سے ذکر ہوتا ہے جیسے اپنے جسم کے تمام اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کرنا۔ عام مومنین کا ذکر زبان سے ذکر کرنا ہے۔ امام ابن ماجہ حضرت عبد اللہ بن بسر سے روایت کرتے ہیں : ایک اعرابی نے عرض کیا : یا رسول اللہ! اسلام کے احکام بہت ہیں مجھے کوئی ایسی چیز بتائیے جس کو میں اپنے لوپر لازم کر لوں، آپ نے فرمایا تم اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے ہمیشہ تر رکھو (سنن ابن ماجہ ص ۲۶۸) نیز حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب بندہ میرے ذکر سے اپنے ہونٹ ہلاتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں (سنن ابن ماجہ ص ۲۶۸)

خواص مومنین اور عارفین دل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں ان کے دل میں ہر وقت صرف اللہ کی یاد رہتی ہے اور وہ اپنے دل میں غیر کا خیال نہیں آنے دیتے۔ ذکر کا اصل معنی ہے یاد کرنا، قرآن مجید میں ہے واذکر ربک اذا نسیت (الکھف : ۲۴) جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کیجئے۔ ”زبان سے ذکر کو بھی اس لیے ذکر کہتے ہیں کہ زبان دل کی ترجمان ہے، تاہم بغیر حضور قلب کے فقط زبان سے ذکر کرنا بھی فائدہ سے خلل نہیں ہے، ابو عثمان سے کسی نے شکایت کی کہ ہم زبان سے ذکر کرتے ہیں مگر دل میں اس کی حلاوت محسوس نہیں کرتے، انہوں نے کہا اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے کم از کم تمہارے ایک عضو کو تو اپنی اطاعت میں لگا لیا ہے! ابو عثمان ہندی نے کہا میں اس وقت کو جانتا ہوں جب اللہ تعالیٰ مجھے یاد کرتا ہے پوچھا وہ کون سا وقت ہے کہا جب میں اسے یاد کرتا ہوں! ذوالنون مصری نے کہا جو حقیقت میں اللہ کا ذکر کرتا ہے وہ اس کے ماسوا کو بھول جاتا ہے اور اللہ ہر چیز سے اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کو ہر چیز کا بدل عطا فرماتا ہے، اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کے ذکر سے زیادہ اور کوئی عمل اللہ کے عذاب سے نجات دینے والا نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۶۸، الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۷۱-۱۷۲)

حق تو یہ تھا کہ ہم اس کو یاد کرتے رہتے اور وہ توجہ نہ فرماتا، کیونکہ ہم بندے ہیں اور وہ مولیٰ ہے، ہم حاجت مند ہیں اور وہ بے نیاز ہے! لیکن یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے بندہ اور مولیٰ سے قطع نظر فرما کے مساوی سلوک کی دعوت دی، ”اؤ تم مجھے یاد کرو“ میں تمہیں یاد کروں گا، لیکن ہم اس کے ساتھ مساوی سلوک پر بھی تیار نہیں، ہم اس کو یاد نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ وہ ہمیں یاد رکھے، ہماری ہر ضرورت پوری کر کے ہماری ہر دعا قبول کرے! وما قدر واللہ حق قدرہ۔ بنو اسرائیل سے فرمایا اذکروا نعمتی ”میری نعمت کو یاد کرو۔“ اور سیدنا محمد ﷺ کی امت سے فرمایا فاذکرونی میری ذات کو یاد کرو، ان کے نبی اللہ کی صفت کے مظہر تھے تو انہیں صفت کو یاد کرنے کا حکم دیا، ہمارے نبی اللہ کی ذات کے مظہر تھے تو ہمیں ذات کو یاد کرنے کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کر کے میرا شکر ادا کرو اور معصیت کر کے میری ناشکری نہ کرو، اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ میری نعمتوں کا اعتراف کر کے میری حمد و ثناء کرو۔ شکر کا معنی یہ ہے کہ انسان نعمت دینے والے کا احسان مند ہو، اس کے احسان کی قدر کرے، اس کی دی ہوئی نعمت کو اس کی مرضی کے مطابق استعمال کرے اور وہ اپنے منعم اور محسن کا وفادار رہے، اور کفران نعمت یہ ہے کہ یا تو انسان سرے سے اپنے محسن کا احسان ہی نہ مانے اور اس نعمت کو اپنی ذاتی قابلیت یا کسی اور کی عنایت یا سفارش کا نتیجہ سمجھے، یا اس کی دی ہوئی نعمت کی ناقدری کرے اور اس کو ضائع کر دے یا منعم کی تعظیم نہ کرے یا اس کی نعمت کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال کرے یا اس کے احسانات کے باوجود اس سے بے وفائی اور

غدا ہی کرے اس قسم کے کفر کو ہماری زبان میں بالعموم احسان فراموشی، نمک حرامی، غدا ہی اور ناشکرے پن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد طلب کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کو مردہ مت کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم (ان کی زندگی کا

تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ

شعور نہیں رکھتے اور البتہ ہم تم کو کچھ ڈر، بھوک اور (تھکاسے) مالوں، جانوں اور پھلوں کے

الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا

نقصان میں فہم مبتلا کریں گے، اور ان صبر کرنے والوں کو بشارت دیجئے جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی

أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَٰئِكَ

ہے نژاد کہتے ہیں بیشک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بیشک ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں

عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾

جن پر ان کے رب کی طرف سے خصوصی نوازشیں ہیں اور رحمت ہے۔ اور یہی لوگ ہدایت پر ثابت قدم ہیں

رابط آیات

اس آیت میں دو وجہوں سے صبر کا حکم دیا ہے ایک تو اس وجہ سے کہ کعبہ کو قبلہ بنانے پر یہودی اعدائے امت کرتے تھے اور مسلمانوں کو طعن دیتے تھے اس سے مسلمانوں کو جو لذت پہنچتی تھی اس پر صبر کرنے کا حکم دیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ حکم ہر قسم کی عبادات کو بجا لانے کے حکم کو مستلزم ہے اور عبادات میں جو مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اس پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے اور تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس سے پہلی آیت میں شکر کرنے کا حکم دیا ہے اور نعمت ملنے پر شکر کیا جاتا ہے سو اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جس طرح نعمت ملنے پر اللہ کا شکر کرنا لازم ہے اسی طرح نعمت زائل ہونے پر صبر کرنا واجب ہے۔

صبر کے ساتھ ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے کیونکہ مصائب نوٹنے پر صبر کے ساتھ ساتھ نماز سے بھی مدد حاصل ہوتی ہے، امام احمد اپنی سند کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو کوئی مصیبت پہنچتی تو

آپ نماز پڑھتے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۸، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۸۸ھ)

مبرور نماز کے معنی ہم سورہ بقرہ کی آیت ۲۵ میں بیان کر چکے ہیں۔

اللہ کے نزدیک موت اور حیات کا معنی اور شان نزول

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن

تم (ان کی زندگی کا) شعور نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا :

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو ہرگز مردہ نہ

سمجھو۔ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا

ہے، اللہ نے انہیں اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے وہ اس پر خوش

ہیں، اور اپنے بعد کے مسلمانوں کے متعلق جو ان سے ابھی نہیں

ملے یہ بشارت پا کر خوش ہوتے ہیں کہ ان پر (بھی) نہ کوئی خوف

ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ
بِمَا أَنَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ
يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ ۝ (آل عمران ۱۷۰-۱۶۹)

م یہ سمجھتے ہیں کہ جو زمین پر چلتا پھرتا ہو وہ زندہ ہے اور جو زمین کے نیچے دفن کر دیا جائے وہ مردہ ہے لیکن ان

آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک زندہ وہ ہے جس کی زندگی اللہ کی راہ میں بسر ہو، وہ زمین کے اوپر ہو پھر بھی زندہ ہے

اور زمین کے نیچے ہو پھر بھی زندہ ہے اور جس کی زندگی لہو و لعب اور کفر میں بسر ہو وہ زمین کے اوپر بھی مردہ ہے اور زمین

کے نیچے بھی مردہ ہے اسی لیے فرمایا انک لا تسمع الموتی (النمل : ۸۰) ”آپ مردوں کو تو نہیں سلاتے“ کافر

زمین پر چلتے پھرتے تھے ان کو مردہ فرمایا اور شہید زمین کے نیچے دفن ہو گئے لیکن ان کو زندہ فرمایا۔

امام رازی سورہ بقرہ کی اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیت شہداء بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے، جنگ بدر کے دن

چودہ مسلمان شہید ہوئے تھے، چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے، مہاجرین میں سے عبیدہ بن حارث، عمر بن ابی

وقاص، ذوالشمالین، عمرو بن نفیلہ، عامر بن بکر اور مجمع بن عبد اللہ اور انصار میں سے سعید بن خنیس، قیس بن عبد المنذر، زید

بن حارث، تیم بن ہمام، رافع بن معی، حارث بن سراقہ، معوذ بن عفرہ اور عوف بن عفرہ، اس وقت لوگ یہ کہتے تھے کہ

فلاں مر گیا اور فلاں مر گیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ راہ خدا میں مرنے والوں کو مردہ نہ کہو، اس آیت کے شان نزول میں دو سرا

قول یہ ہے کہ کفار اور منافقین یہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) کی رضا کی خاطر مسلمان بے فائدہ اپنے آپ کو قتل کرا

رہے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ)

برزخ میں حیات کا بیان

اس آیت میں شہداء کی حیات کو بیان کیا گیا ہے، قبر میں حیات کئی قسم کی ہے :

حیات کی ایک قسم برزخی حیات ہے یہ حیات ہر مومن اور کافر کو حاصل ہے، دو چیزوں کے درمیان حد اور حجاب کو

برزخ کہتے ہیں، اور یہاں برزخ سے مراد موت سے لے کر قیامت تک کا وقت ہے، قرآن مجید میں ہے :

وَمِنْ قَدَّاءٍ هُمْ بَنَزَحَ إِلَى يَوْمِ يَبْعَثُونَ
 اور ان کے آگے اس دن تک ایک حجاب ہے جس دن
 (المومنون: ۱۰۰) میں وہ اٹھائے جائیں گے۔

حیات برزخی پر دلیل یہ ہے کہ کافروں اور فاسقوں پر قبر میں عذاب ہوتا ہے اور نیک مسلمانوں کو قبر میں ثواب ہوتا ہے اور حیات کے بغیر عذاب اور ثواب متصور نہیں ہے، انسان کا جسم تو کچھ عرصہ بعد گل سڑ جاتا ہے اور ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہو کر خاک ہو جاتی ہیں، پھر عذاب اور ثواب کیا صرف روح کو ہوتا ہے؟ اس میں تحقیق یہ ہے کہ انسان کے بدن کے اصلی جز کو اللہ تعالیٰ ہر محل میں قائم رکھتا ہے اور اس جز کے ساتھ روح متعلق ہو جاتی ہے اور عذاب اور ثواب کا ترتب روح اور بدن کے اس جز پر ہوتا ہے، لیکن دنیوی احکام میں یہ مردہ ہوتے ہیں۔

لولیاء اللہ کی جسمانی حیات کا بیان

لولیاء اللہ کو قبر میں جسمانی حیات حاصل ہوتی ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ امام ترمذی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بندہ مومن جب فرشتوں کے سوال کا صحیح جواب دے دیتا ہے تو اس کی قبر میں ستر در ستر وسعت کر دی جاتی ہے اور فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ اس عروس (دلہن) کی طرح سو جا جس کو اس کے محبوب اہل (زوج) کے سوا کوئی بیدار نہیں کرتا حتیٰ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اس قبر سے اٹھائے۔

(جامع ترمذی ص ۱۷۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندہ مومن قیامت تک قبر میں سوتا رہے گا اور سونا حیات کی فرع ہے، اور جب کہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ قبر میں بالعموم مسلمانوں کے اجسام گل سڑ جاتے ہیں اس لیے اس حدیث کو خواص مومنین یعنی لولیاء اللہ پر محمول کیا جائے گا اور لولیاء اللہ کی قبر میں حیات کے متعلق بہ کثرت نقول موجود ہیں۔ شیخ رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے کہ لولیاء کرام بھی بحکم شہداء ہیں اور مشمول آیت بل احياء عند ربهم کے ہیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ کمال بسوب ص ۸۷، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

علامہ قرطبی بیان کرتے ہیں :

نبی ﷺ سے روایت ہے کہ ثواب کی نیت سے لڑن دینے والا اس شہید کی طرح ہے جو اپنے خون میں تسخّر ہوا ہو، اگر وہ مر گیا تو اس کی قبر میں کپڑے نہیں پڑیں گے۔ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو مومن ثواب کی نیت رکھتا ہو اس کو بھی زمین نہیں کھاتی۔ (۱) یہ حدیث لولیاء اللہ کی جسمانی حیات پر واضح دلیل ہے۔

شہداء کی حیات کا بیان

شہداء کی حیات بھی جسمانی ہے جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت : ۱۷۰ میں ذکر ہے شہداء کو رزق بھی دیا جاتا ہے، اور سورہ بقرہ کی اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم ان کی حیات کا شعور نہیں رکھتے یعنی تم اپنے حواس سے ان کی حیات کا ادراک نہیں کر سکتے، پس طور کہ ہم ان کو رزق کھاتا ہوا دیکھیں یا چلتا پھرتا ہو لو کیس جس طرح ہم دنیا میں اور زندہ لوگوں میں آثار حیات دیکھتے ہیں اس طرح شہداء میں ہم کو آثار حیات دکھائی نہیں دیں گے، لیکن شہداء بھی دنیوی احکام میں مردہ ہیں کیونکہ ان کی شہادت کے بعد ان کی بیویوں سے عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کرنا جائز ہے اور ان کا ترکہ ان کے

(۱) علامہ ابو محمد محمد بن احمد مالکی قرطبی حنفی ص ۲۸۸، "الذکر فی احوال الموتی و امور الاخرۃ" ص ۸۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

دارثوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

شہادت کے بعد بعض جسموں کے تغیر سے ان کی حیات پر معارضہ کا جواب

حیات شہداء پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہم کئی بار میدان جنگ میں مسلمان مقتولین کو دیکھتے ہیں چند دن گزرنے کے بعد ان کا جسم پھول اور پھٹ جاتا ہے اور اس سے بدبو آنے لگتی ہے، قبروں میں ان کا جسم ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو جاتی ہیں اور یہ جسمانی حیات کے منافی ہے، اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو میدان جہاد میں مقتول ہوئے لیکن ان کی نیت صحیح نہیں تھی، یہ لوگ صرف روزی کمانے کے لیے فوج میں بھرتی ہوئے یا شہرت اور ناموری کے لیے فوج میں بھرتی ہوئے، ان کے دلوں میں اللہ کے دین کی سرملندی کے لیے جان دینا یا راہ خدا میں قتل ہونے کا جذبہ نہیں تھا اس لیے باوجود میدان جہاد میں مارے جانے کے یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید نہیں تھے۔ اس لیے ان کو جسمانی حیات سے بھی نہیں نوازا گیا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک اعرابی نے حاضر ہو کر کہا یا رسول اللہ! ایک شخص مال غنیمت کی خاطر لڑتا ہے، ایک شخص نام آوری کے لیے لڑتا ہے اور ایک شخص اظہار شجاعت کے لیے لڑتا ہے، ان میں سے اللہ کے لیے لڑنے والا کون ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کے دین کی سرملندی کے لیے جہاد کرے وہی (درحقیقت) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطلاع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا : یا رسول اللہ! ایک شخص دنیا کو حاصل کرنے کے لیے جہاد کا ارادہ کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔ اور جن مسلمانوں کی نیت صحیح ہوتی ہے ان کو شہادت کے بعد جسمانی حیات حاصل ہوتی ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے :

امام مالک روایت کرتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے :

حضرت عمرو بن الجموح انصاری اور حضرت عبداللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہما کی قبروں کو سیلاب نے اکھاڑ دیا تھا، ان کی قبریں سیلاب کے قریب تھیں، یہ دونوں ایک قبر میں مدفون تھے، یہ دونوں جنگ احد میں شہید ہوئے تھے، ان کی قبر کھودی گئی تاکہ ان کی قبر کی جگہ تبدیل کی جاسکے، جب ان کے جسموں کو قبر سے نکالا گیا تو ان کے جسموں میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا یوں لگتا تھا جیسے وہ کل فوت ہوئے ہوں، ان میں سے ایک زخمی تھا اور اس کا ہاتھ اس کے زخم پر تھا اس کو اسی طرح دفن کیا گیا تھا، اس کے ہاتھ کو اس کے زخم سے ہٹا کر جب چھوڑا گیا تو وہ پھر اپنے زخم پر آگیا، جنگ احد اور قبر کھودنے کے درمیان چھیالیس (۴۶) سال کا عرصہ تھا۔ (موطا امام مالک ص ۳۸۳-۳۸۴، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور)

امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۴ ص ۵۸-۵۷، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کاملین کو اصلی جسم کے ساتھ حیات عطا کی جائے اور عام مسلمانوں کو اس جسم معروف کے ساتھ حیات عطا نہ کی جائے بلکہ جسم مثالی کے ساتھ حیات عطا کی جائے۔ اس مسئلہ کو زیادہ تفصیل اور تحقیق کے ساتھ ہم

نے شرح صحیح مسلم جلد خامس میں بیان کیا ہے۔

سبزرہندوں میں شہید کی روح کے متمثل ہونے سے تلاح کا جواب
مطابق سیوطی بیان کرتے ہیں :

امام مالک، امام احمد اور امام ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ اور امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے حضرت
کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شہداء کی روہیں سبزرہندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں جو
جنت کے پھلوں یا درختوں پر ہوتے ہیں۔

امام عبدالرزاق نے مصنف میں حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا شہداء کی روہیں سبزرہندوں کی صورتوں میں جنت کی قدیلوں سے معلق ہوتی ہیں حتیٰ کہ قیامت کے دن اللہ انہیں
(ان کے بدنوں میں) لوٹا دے گا۔
(الدر المنثور ج ۱ ص ۵۵، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ، ایران)

امام عبدالرزاق کی اس جانی الذکر روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ شہادت کے بعد شہید کی روح کا سبزرہندہ کی
صورت میں متمثل ہو جانا بعینہ تملیح ہے، اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ تلاح انکار معلو پر مبنی ہے اور اس حدیث میں
معلو کو بیان کیا گیا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور زیادہ قوی اول الذکر حدیث ہے جس کی صحت کی امام
ترمذی نے تصریح کی ہے اور اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہے کیونکہ شہید کی روح پرہندہ کے پوٹے میں حلول نہیں کرتی
بلکہ پرہندہ میں اپنی روح ہوتی ہے، اور شہید کی روح بہ منزلہ سوار اور پرہندہ اس کی سواری ہے، اور اس روح کا اپنے اصل
جسم یا جسم مثالی کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے۔ لہذا یہ حدیثیں شہید کی جسمانی حیات کے منافی نہیں ہیں اور ان سے تلاح
جابت نہیں ہوتا۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات کا بیان

انبیاء علیہم السلام کی حیات بھی قبر میں جسمانی ہے اور یہ سب سے اعلیٰ افضل اور قوی حیات ہے، اور انبیاء علیہم
السلام دنیوی احکام میں بھی زندہ ہوتے ہیں ان کی وفات کے بعد ان کی میراث تقسیم نہیں کی جاتی اور وفات کے بعد ان کی
اندولج طمحات سے کسی شخص کے لیے نکاح کرنا جائز نہیں ہے

انبیاء علیہم السلام کی حیات پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے :

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ
إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَانَهُ فَلَئِمَّا خَرَّتْ نَبَبَاتُ
الْجِبْرِ أَن لَّوْكَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي
الْعَذَابِ الْمُهِينِ (سبا : ۴)

تو جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم نازل کر دیا تو جنات کو
ان کی موت پر سوائے زمین کی دیمک کے کسی نے مطلع نہیں کیا
جو سلیمان کے عصا کو کھاتی رہی، پھر جب سلیمان زمین پر آ رہے
تو جنوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو
اس ذلت کے عذاب میں نہ پڑے رہتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں سے مسجد بیت المقدس کی تعمیر کی تجدید کر رہے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو
موت کے وقت سے مطلع کر دیا تو آپ نے جنوں کو نقشہ بنا کر دیا اور خود ایک شیشہ کے مکان میں دروازہ بند کر کے عصا سے
نک نک کر کمرے ہوئے عیالت الہی میں مشغول ہو گئے، اسی حالت میں فرشتے نے روح قبض کر لی اور آپ کا جسم مبارک

اس عصا کے سہارے کھڑا رہا اور کسی کو آپ کی وفات کا احساس نہ ہوا۔ وفات کے بعد مدت دراز تک جن بہ دستور تعمیر کرتے رہے، جب تعمیر پوری ہو چکی تو وہ عصا دیمک کے کھن گھنے کی وجہ سے گر پڑا تب سب کو آپ کی وفات کا محل معلوم ہوا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ جنوں کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء پر موت طاری ہونے کے بعد ان کا جسم صحیح سلامت رہتا ہے، پھولنے، پھنسنے، گھنے اور سڑنے سے محفوظ رہتا ہے، لیکن ان کی جسمانی حیات کی کیفیت ہمارے دائرہ احساس اور شعور سے خارج ہے۔ عصا میں جب کھن لگ گیا اور وہ زمین پر گر گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم مبارک بھی زمین پر آ رہا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی ہوتی ہے لیکن اس پر دنیوی حیات کے آثار مرتب نہیں ہوتے ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم اپنے قیام میں عصا کا محتج نہ ہوتا اور عصا گرنے کے بلوجود آپ کا جسم مبارک قائم رہتا۔ انبیاء علیہم السلام زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور جو ان سے دعا کی درخواست کرتے ہیں ان کی شفاعت کرتے ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے مشاہدہ اور مطالعہ میں مستغرق رہتے ہیں اور احوال برزخ پر بھی نظر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لذن سے کائنات میں تصرف بھی کرتے ہیں لیکن یہ تمام امور مشابہات میں سے ہیں یہ امور ایسے نہیں ہیں جیسے دنیا میں کسی انسان سے صلہ ہوتے ہیں ان کی کیفیت ہم ایسے عام لوگوں کے دائرہ اور اک اور شعور سے خارج ہے، احادیث میں بھی انبیاء علیہم السلام کی جسمانی حیات اور ان کے جسمانی تصرفات پر دلیل ہے :

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ولوی ازرق میں گزرے آپ نے فرمایا یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یہ وادی ازرق ہے آپ نے فرمایا گویا کہ میں (حضرت) موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں وہ با آواز بلند تلبیہ پڑھتے ہوئے اس وادی سے اتر رہے ہیں، پھر آپ وادی ہرثی سے گزرے آپ نے فرمایا یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یہ وادی ہرثی ہے آپ نے فرمایا گویا کہ میں (حضرت) یونس بن متی کی طرف دیکھ رہا ہوں وہ ایک سرخ رنگ کی فریہ اونٹنی پر سوار ہیں، جس کی مہار کھجور کی چھل کی ہے انہوں نے ایک لونبی جبہ پہنا ہوا ہے اور وہ اللہم لبیک کہتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام حج اور تلبیہ کس طرح کرتے ہیں حالانکہ وہ وفات پا چکے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام بہ منزلہ شہداء ہیں بلکہ ان سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں، اس لیے ان کا حج کرنا اور نماز پڑھنا بعید نہیں ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۹۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

شیخ عثمانی لکھتے ہیں : انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اس لیے ان کے حج کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، (الی قولہ) اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ آپ نے ان کی روح کو دیکھا تھا، آپ کے لیے ان کی روحوں کو اس طرح متمثل کر دیا گیا جس طرح شب معراج انبیاء علیہم السلام کی روحوں کو متمثل کر دیا گیا تھا اور ان کے اجسام قبروں میں تھے، علامہ ابن منیر وغیرہ نے کہا، اللہ تعالیٰ نبی کی روح کے لیے ایک جسم مثالی بنا دیتا ہے پھر وہ جس طرح خواب میں دکھائی دیتے ہیں اسی طرح بیداری

(فتح المسلم ج ۱ ص ۳۳۰، مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی)

میں دیکھ رہے ہیں۔

لام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : میں (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا اس وقت وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۴۳۵ھ)

نیز لام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت میں پایا میں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کے بل قبیلہ شنوءہ کے لوگوں کی طرح کھڑکے تھے اور اس وقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے عروہ بن مسعود ثقفی ان سے بہت مشابہ ہیں اور اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور تمہارے نبی ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہیں پھر نماز کا وقت آیا اور میں نے ان سب نبیوں کی امامت کی۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۴۳۵ھ)

علامہ نووی لکھتے ہیں :

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے کیسے دیکھا تھا حالانکہ آپ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی اور آپ نے ان کو آسمانوں میں بھی اپنے اپنے مراتب میں دیکھا اور ان کو سلام کیا اور انہوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں بیت المقدس جاتے ہوئے آسمانوں پر چڑھنے سے پہلے دیکھا ہو۔ پھر حضرت موسیٰ آپ سے پہلے آسمان پر پہنچ گئے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کو پہلے نماز پڑھائی ہو اور پھر ان کو آسمانوں پر دیکھا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سدرۃ المنتہی سے واپسی کے بعد آپ نے انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی ہو اور حضرت موسیٰ کو دیکھا ہو

(شرح مسلم ج ۱ ص ۹۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۴۳۵ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں :

حضرت آدم علیہ السلام جمیع انبیاء میں اس کے قبل بیت المقدس میں بھی مل چکے ہیں اور اسی طرح وہ اپنی قبر میں بھی موجود ہیں اور اسی طرح بقیہ سموات میں جو انبیاء علیہم السلام کو دیکھا سب جگہ یہی سوال ہوتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسد سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقلات پر ان کی روح کا تامل ہوا ہے یعنی غیر عصری جسد سے جس کو صوفیہ جسم مثالی کہتے ہیں روح کا تعلق ہو گیا اور اس جسد میں تعدد بھی اور ایک وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ممکن ہے لیکن ان کے اختیار سے نہیں بلکہ محض بقدرت و مشیت حق

(نثر الیب ص ۶۵-۶۳، مطبوعہ تاج کہنی لینڈ کراچی)

اللہ تعالیٰ کی قدرت تو محل کلام نہیں ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس قسم کے اختیار عطا فرماتا ہے۔

لام احمد نووی روایت کرتے ہیں :

حضرت لوس بن لوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تمہارے دنوں میں جمعہ کا دن سب سے افضل ہے اس دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، صحابہ نے کمایا رسول اللہ! آپ پر ہمارا درود کس طرح پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ کا جسم بوسیدہ ہو چکا ہو گا، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسم کھانے کو حرام کر دیا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۳، مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس وقت بھی کوئی شخص مجھ پر سلام پیش کرتا ہے اس وقت اللہ نے مجھ پر روح لوٹائی ہوئی ہوتی ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۹، مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

حیات انبیاء پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے گرنے سے معارضہ کے جوابات

قرآن مجید میں ذکر ہے کہ وفات کے بعد عصا کا سہارا نہ ہونے کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم زمین پر آ رہا، اور احادیث صحیحہ میں وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا، نمازیں پڑھنا، حج کرنا، سلام کا جواب دینا اور باتیں کرنا مذکور ہے۔ ان میں توفیق اور تطبیق کی حسب ذیل صورتیں ہیں۔

(۱) عام انسانوں اور جنات کی نظروں میں انبیاء علیہم السلام کے اجسام پر وفات کے بعد آثار حیات نہیں ہوتے۔ ان میں آثار حیات کا مشاہدہ صرف اہل اللہ اور انبیاء علیہم السلام ہی کر سکتے ہیں۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کے اجسام غصیہ میں حس اور حرکت ارادی کے آثار نہیں ہوتے، البتہ ان کی روح کے ساتھ اجسام مثالیہ کو متعلق کر دیا جاتا ہے اور تصرف کے جس قدر واقعات کا ذکر احادیث میں ہے یہ سب اجسام مثالیہ ہیں۔

(۳) وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کے اجسام کے احوال مختلف ہوتے ہیں بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی کسی حکمت کو ظاہر کرنے کے لیے ان سے آثار حیات کو سلب فرما لیتا ہے (جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں جنوں کے دعویٰ علم غیب کو رد کرنا مقصود تھا یا ان کی وفات ظاہر کر کے ان کی تجنیز و تکفین اور ان کو قبر میں دفن کرنا تھا۔) اور بعض اوقات اپنی کسی حکمت کو ظاہر کرنے کے لیے ان کے اجسام میں آثار حیات جاری فرما دیتا ہے، جیسے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی عظمت اور شان ظاہر کرنے کے لیے شب معراج آپ کی اقتداء میں سب نبیوں سے نماز پڑھوائی اور عبلت میں ان کا شغف ظاہر کرنے کے لیے وفات کے بعد نبی ﷺ کو انہیں نماز پڑھتا ہوا اور حج کرتا ہوا دکھایا۔

وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کے دکھائی دینے کی کیفیت کا بیان

امام غزالی لکھتے ہیں :

صوفیاء کی پہلی منزل مکاشفات اور مشاہدات سے شروع ہوتی ہے، حتیٰ کہ وہ بیداری میں فرشتوں کا اور ارواح انبیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کی آوازیں سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

(المنتقد من الضلال ص ۵۰، مطبوعہ حسنت الاوقاف لاہور ۱۹۷۱ء)

علامہ سیوطی لکھتے ہیں :

آیات مصطفیٰ ﷺ کی زیارت آپ کے جسم اور روح کے ساتھ ہوتی ہے یا جسم مثالی کے ساتھ؟ امام غزالی نے کہا ہے کہ ارباب احوال آپ کے جسم اور روح کو نہیں دیکھتے بلکہ مثال کو دیکھتے ہیں (علامہ سیوطی فرماتے ہیں: آپ کی ذات

مبارک کی جسم اور روح کے ساتھ زیارت ممتنع نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ اور باقی انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور آپ سب کی روحیں آپ کے جسموں میں لوٹادی گئی ہیں اور تمام انبیاء کو اپنی قبروں سے باہر آنے کا اور تمام کائنات میں تصرف کرنے کا کون دیا گیا ہے اور لام نہمتی نے حیات انبیاء میں ایک رسالہ لکھا ہے اور دلائل النبوت میں لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام شہداء کی طرح اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ (الحلوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۶۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

یا تو نبی ﷺ کی روح دکھائی دیتی ہے یاں طور کہ وہ مختلف صورتوں میں دکھائی دیتی ہے اور اس کا تعلق جسد انور کے ساتھ باقی رہتا ہے، جیسا کہ جبرائیل علیہ السلام حضرت وحیہ کلبی کی صورت میں نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے اور سدرة المنتی سے جدا نہیں ہوتے تھے اور یا آپ کا جسم مثلی دکھائی دیتا ہے جس کے ساتھ نبی ﷺ کی روح متعلق ہوتی ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ بے شمار اجسام مثلیہ ہوں اور ان سب کے ساتھ نبی ﷺ کی روح واحد متعلق ہو جیسا کہ ایک جسم کے متعدد اعضاء کے ساتھ روح واحد متعلق ہوتی ہے۔

(روح العلانی ج ۲ ص ۳۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ انور شلہ کشمیری لکھتے ہیں :

میرے نزدیک بیداری میں نبی ﷺ کی زیارت ممکن ہے کیونکہ منقول ہے کہ علامہ سیوطی نے بائیس مرتبہ نبی ﷺ کو دیکھا اور آپ سے چند احادیث کی صحت کے متعلق سوال کیا اور آپ کے صحیح فرمانے کے بعد ان احادیث کو صحیح لکھا۔ اور علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ انہوں نے آپ کی بیداری میں زیارت کی اور آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آپ سے بخاری پڑھی جن میں سے ایک حنفی تھا۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴، مطبوعہ مطبع مجازی مصر ۱۳۵۷ھ)

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبور مبارکہ میں اپنے جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں اور اپنی عبادت اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدہ میں مشغول ہیں، ان پر اعمال پیش کیے جاتے ہیں، نیک، اعمال دیکھ کر وہ اللہ کی حمد کرتے ہیں اور برے اعمال دیکھ کر امت کے لیے استغفار کرتے ہیں، اور اہل اللہ اور خاص خاص بند مکن خدا ان کی زیارت سے مستفید ہوتے ہیں ان کا کلام سنتے ہیں اور وہ اپنی قبروں سے باہر بھی آتے ہیں اور زمین اور آسمان میں جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں، ایک وقت میں کئی جگہ بھی تشریف لے جاتے ہیں، اس وقت ان کی روح کئی صورتوں میں متمثل ہوتی ہے یا ایک وقت میں کئی جگہ ان کے اجسام مثلیہ نظر آتے ہیں، نبی ﷺ کو جو حاضر ناظر کہا جاتا ہے اس کا یہی مفہوم ہے، حاضر ناظر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اپنے جسم معروف اور جسد عنصری کے ساتھ ایک وقت میں ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔

شہید کا معنی

شہید کا معنی گولہ اور حاضر ہے۔ اللہ کی راہ میں مارے جانے والے کو شہید کہتے ہیں، اس کو شہید اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے لیے جنت کی شہادت دی گئی ہے، ایک قول یہ ہے کہ اللہ کے فرشتے اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ مرنے کے فوراً بعد شہید کی روح جنت میں حاضر ہو جاتی ہے جبکہ دوسروں کی روحیں فوراً جنت میں نہیں جاتیں، ایک قول یہ ہے کہ شہید راہ خدا میں جان دے کر اس بخت کی شہادت دیتا ہے کہ اس نے خدا سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا۔ اللہ

تعلیٰ کا ارشاد ہے :

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ
وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ (النوبہ : ۱۱۱)
اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت
کے بدلہ میں خرید لیا۔

اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا اللہ ہی کو خوب علم ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے۔

شہداء کی تعداد کا بیان

جو شخص دین کی سربلندی کے لیے راہ خدا میں مارا جائے وہ حقیقتہً ”شہید“ ہے، نبی ﷺ نے اس کے علاوہ بھی چند
مرنے والوں کو شہید فرمایا ہے، ہم نے شرح صحیح مسلم جلد خامس میں احادیث کے حوالوں سے پینتالیس شہداء کا ذکر کیا ہے۔
علامہ قرطبی نے بھی اپنی کتب التذکرہ میں احادیث کے حوالوں سے بعض شہداء کا ذکر کیا ہے، ہم اس میں سے یہاں ان
شہداء کا ذکر کر رہے ہیں جن کا ذکر شرح صحیح مسلم میں نہیں ہے۔

علامہ قرطبی التذکرہ میں لکھتے ہیں :

امام آجری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے انس! اگر ہو سکے تو تم
ہمیشہ بلوضور ہو کیونکہ ملک الموت جس بندہ کی روح قبض کرے اور وہ اس وقت بلوضو ہو اس کے لیے شہادت لکھ دی جاتی
ہے۔

امام شعبی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے چاشت کی نماز پڑھی، ہر ماہ
تین روزے رکھے، اور سفر اور حضر میں وتر کو ترک نہیں کیا اس کے لیے شہادت کا اجر لکھ دیا جاتا ہے، اس حدیث کو امام
ابونعیم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام حکیم ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :
ہر شخص کے پاس کوئی نہ کوئی ایسا پسندیدہ جانور ہوتا ہے جس کے ذبح کرنے سے وہ انکار کرتا ہے اور اللہ کی بھی ایک ایسی
مخلوق ہے جس کو ذبح کرنے سے وہ انکار کرتا ہے کچھ لوگ بستر پر مرتے ہیں اور ان کے لیے شہداء کا اجر تقسیم کیا جاتا
ہے۔ (۱) ان تین قسموں کو ملانے کے بعد شہداء کی تعداد اڑتالیس ہو گئی۔

شہید کے متعلق فقہی احکام

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں :

جس شخص کو مشرکین قتل کر دیں یا جو میدان جنگ میں مردہ پایا جائے اور اس پر زخموں کے نشان ہوں، یا جس کو
مسلمان ظلماً قتل کر دیں اور اس کے قتل کرنے سے ان پر دیت واجب نہ ہو وہ شہید ہے، اس کو کفن دیا جائے گا اور اس کی
نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ وہ شہداء احد کے معنی میں ہے، جن کے متعلق نبی ﷺ
نے فرمایا انہیں ان کے زخموں اور خون میں لپیٹ دو اور ان کو غسل نہ دو (یہ حدیث غریب ہے صحیح حدیث یہ ہے : امام
بخاری حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ احد کے دن فرمایا انہیں ان کے خون کے ساتھ دفن کر

(۱) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، التذکرہ ص ۱۸۲-۱۸۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ۱۴۰۷ھ

۱۵۷ لور ان کو قتل نہیں دلوایا۔ (ج ۱ ص ۱۷۹)

ہر وہ شخص جو کسی دھار والے آلہ کے ساتھ قتل کیا گیا ہو بہ شریک وہ ظاہر ہو (جنسی نہ ہو) لور بالغ ہو، لور اس کے قتل کی وجہ سے کوئی مل عوض واجب نہ ہو، وہ شہداء احد کے معنی میں ہے لور وہ ان کے ساتھ لاحق ہو گا، امام شافعی شہید کی نماز جنازہ میں ہماری مخالفت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں اس کا تلواریں سے مارا جاتا اس کے گناہوں کا کفارہ ہے لہذا وہ نمازیوں کی شفاعت سے مستغنی ہے، ہم کہتے ہیں کہ میت پر نماز پڑھنا اس کی تعظیم لور توقیر کے اظہار کے لیے ہے، اور شہید اس توقیر کے زیادہ لائق ہے، لور جو گناہوں سے پاک ہو وہ مسلمانوں کی دعا سے مستغنی نہیں ہوتا، جیسے نبی ﷺ کے لیے اور بچوں کے لیے دعا کی جاتی ہے۔ لور جس مسلمان کو اہل حرب، یا باغی یا ڈاکو قتل کر دیں، خلوہ وہ اس کو کسی چیز سے بھی قتل کریں اس کو قتل نہیں دیا جائے گا کیونکہ تمام شہداء احد کو تلواریں لور ہتھیاروں سے قتل نہیں کیا گیا تھا۔

(ہدایہ لولین ص ۱۸۳، مطبوعہ مکتبہ شرکت علیہ ملتان)

شہید کی نماز جنازہ پڑھی جانے کے متعلق فقہاء احناف کی دلیل یہ حدیث ہے :

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ تشریف لائے لور شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی، پھر آپ منبر کی طرف لوٹ گئے لور فرمایا میں تمہارا پیش رو ہو لور تمہارے حق میں گواہ ہوں، اور بے شک بہ خدا میں ضرور اس وقت اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں، لور مجھے تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں اور بے شک بہ خدا مجھے تم سے یہ اندیشہ نہیں ہے کہ تم (سب) میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تم سے یہ اندیشہ ہے کہ میرے بعد تم دنیا میں رغبت کرو گے۔

علم لور شعور کا فرق

اس آیت میں فرمایا ہے تم شہداء کی حیات کا شعور نہیں رکھتے، حواس سے اور اک کرنے کو شعور کہتے ہیں اور عقل سے اور اک کرنے کو علم کہتے ہیں۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں : لا شعور کا معنی ہے ۔ اس سے اور اک نہیں کرتے لور لا شعور کی جگہ لا عقلوں کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ کئی ایسی چیزیں جن کا حواس سے اور اک نہیں ہوتا لیکن عقل سے ان کا اور اک ہو جاتا ہے۔ (۱) نیز علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کسی شے کی حقیقت کا اور اک کرنا علم ہے لور علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم عقل سے حاصل ہوتا ہے لور دوسرا خبر سے۔ (المفردات ص ۳۳۳، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں :

علم صاحب عقل کی وہ صفت ہے جس سے اس کے لیے ذکر کی ہوئی چیز منکشف ہو جائے لور فرشتوں، انسانوں لور جنوں کے لیے علم کے تین اسباب ہیں : حواس سلیمہ، خبر مطلق لور عقل

(شرح مفاد ص ۵۵۰ مطبوعہ محمد سعید تاجران کتب کراچی)

علامہ شمس الدین خیالی علامہ قسطلانی پر اعتراض کرتے ہیں :

حواس کے اور اک کو علم میں شمار کرنا عرف لور لغت کے خلاف ہے کیونکہ عرف لور لغت میں بہائم (حیوانات) ندی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی حوالہ ۵۵۴، المفردات ص ۳۳۳، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۳۲ھ

(۱)

اعلم نہیں ہیں۔

(حاشیہ الخلیل ص ۳۲، مطبوعہ یوسی فرنگی علی گھوڑ)

علامہ خیالی کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ علامہ تفتازانی نے انسانوں کے لیے حواس کو علم کا سبب بتایا ہے مطلقاً حواس کو علم کا سبب نہیں کہا۔

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں :

پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں اس میں حضور ﷺ کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جالوے۔ (حفظ الایمان ص ۷، مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ دیوبند یوپی) اس عبارت پر حسب ذیل اعتراضات ہیں :

(۱) اس عبارت میں حیوانات اور بہائم کے اور اک پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے حالانکہ حیوانات کے اور اک پر علم کا اطلاق بھی صحیح نہیں ہے چہ جائیکہ حیوانات کے اور اک پر علم غیب کا اطلاق کیا جائے۔

(۲) مکتب فکر دیوبند کی تعلیم کے مطابق نبی ﷺ کے علم پر بھی علم غیب کا اطلاق جائز نہیں بلکہ عطائی علم غیب کو بھی انہوں نے کفر لکھا ہے، شیخ سرفراز نے لکھا ہے حضور ﷺ کے لیے علم غیب ثابت کرنے والا کافر اور مشرک ہے (محصلاہ ازالتہ، لریب ص ۳۸) پھر جانوروں کے لیے علم غیب ثابت کرنے کا کیا حکم ہو گا؟

(۳) تھانوی صاحب کی اس عبارت سے لازم آتا ہے کہ آپ کو عالم بھی نہ کہا جائے کیونکہ کل علم آپ کو حاصل نہیں اور بعض میں آپ کی تخصیص نہیں۔

(۴) عام لوگوں کو جن بعض غیوب کا علم ہوتا ہے (جیسے جنت، دوزخ وغیرہ) یہ بعض قلیل ہے اور نبی ﷺ کو جن بعض غیوب کا علم ہے وہ بعض کثیر ہے، آپ کے علم کے سامنے تمام مخلوق کا علم ایسا ہے جیسے قطرہ سمندر کے سامنے ہو اور اللہ کے مقابلہ میں آپ کے علم کی وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ اور سمندر میں ہے کیونکہ قطرہ اور سمندر میں محدود کی نسبت محدود کی طرف ہے اور آپ کے اور اللہ کے علم میں محدود کی نسبت لامحدود کی طرف ہے، اور بعض قلیل کی بناء پر وصف کا اطلاق نہیں ہوتا اور بعض کثیر کی بناء پر وصف کا اطلاق ہوتا ہے مثلاً ہر مسلمان کو دین کے بعض مسائل کا علم ہے لیکن اس کو عالم نہیں کہتے، اور عالم دین کو عالم کہتے ہیں حالانکہ اسے بھی کل مسائل کا علم نہیں ہوتا، بعض مسائل ہی کا علم ہوتا ہے لیکن اس کو چونکہ بعض کثیر کا علم ہوتا ہے، اس لیے اس کو عالم کہتے ہیں۔ باقی نبی ﷺ پر عالم الغیب کا اطلاق کرنا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے ہرچند کہ نبی ﷺ کو عطاء الہی سے غیب کا علم ہے لیکن چونکہ عرف اور شرع میں عالم الغیب کا لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے آپ کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے جیسا کہ آپ میں برکت اور بلندی کا معنی پایا جاتا ہے اس کے باوجود محمد تبارک و تعالیٰ کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ عرف اور شرع میں تبارک و تعالیٰ اللہ کے ساتھ مخصوص ہے دنیا میں مصائب پیش آنے کی وجوہات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور البتہ ہم تم کو کچھ خوف، بھوک اور (تمہارے) مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان میں ضرور مبتلا کریں گے۔

خوف سے مراد دشمنوں کا خوف ہے، بھوک سے مراد قحط ہے، مالوں کے نقصان سے مراد مویشیوں کا مرجنا، حلواناتی طور پر فصلوں کا تباہ ہو جانا، لور گاڑیوں کا ٹکراؤ سے برباد ہو جانا ہے، روپے پیسے وغیرہ کا لٹ جانا بھی اس میں شامل ہے، جانوں کے نقصان سے مراد دوستوں لور رشتہ داروں کی موت ہے، لور ثمرات کے نقصان سے مراد لولاد کی موت ہے، لولاد پر ثمرات کا اطلاق مجاز مشہور ہے۔

لام تنہی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ جب کسی بندہ کا بچہ مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے تم نے میرے بندہ کے بچہ کی روح قبض کر لی وہ کہتے ہیں ہاں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم نے میرے بندے کے دل کے ثمرہ پر قبضہ کر لیا وہ کہتے ہیں ہاں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ نے (اس پر) کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں تیری حمد کی اور انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

(جامع ترمذی ص ۲۶ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

دنیا میں لوگوں کا جو جلا ثات اور قدرتی آفات سے جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے دوسری قسم مکافات عمل اور کفارہ ذنوب ہے، کسی شخص نے کسی دوسرے آدمی کو کسی جانی اور مالی نقصان سے دوچار کیا ہوتا ہے اور وہ شخص اس پر صبر کر لیتا ہے تو اللہ اس کی طرف سے بدلہ لیتا ہے اور اس کو بھی جانی اور مالی نقصان میں مبتلا کر دیتا ہے اور بعض اوقات یہ جانی اور مالی نقصان آدمی کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں اور اس کے گناہوں میں تخفیف ہو جاتی ہے یا وہ بالکل گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

للم ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کو جب بھی کانٹا چھونے کی یا اس سے بھی کم کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کو جب بھی کوئی تھکاوٹ یا جسمانی درد لاحق ہوتا ہے یا کوئی غم پیش آتا ہے یا کوئی بیلہری لگتی ہے یا کسی چیز کا اندیشہ اور خوف و امن گیر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۱۵۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

نور مملکت عمل کے نتیجہ میں جو مصائب پیش آتے ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ
أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ (الشوری : ۳۰)

اور جو مصیبت تمہیں پہنچی تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی
کملی کے سبب پہنچی اور وہ تمہاری بہت سی خطاؤں کو معاف فرما
دیتا ہے۔

ممبر کے معافی اور مصیبت پر ممبر کرنے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان صبر کرنے والوں کو بشارت دیجئے جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

صبر کے معنی ہیں نفس کو مدد کرنا اور کسی چیز کو برداشت کرنا، جہاں اور نفس کاہوں کی ترغیب اور تحریک کے وقت اپنے

نفس کو گناہ سے روکنا صبر ہے، فرائض، واجبات اور سنن کی لوائیگی میں مشقت کو برداشت کرنا اور نفس کو آرام طلبی اور عیادت نہ کرنے سے روکنا بھی صبر ہے۔ لوگوں کی لذت رسانی پر اپنے آپ کو انتقام لینے سے روکنا بھی صبر ہے اور مصیبت پہنچنے پر دایوطا کرنے اور شکوہ اور شکایت کرنے سے خود کو روکنا بھی صبر ہے اور اس آیت میں یہی مراد ہے۔

جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچے یا اس سے کوئی نعمت چلی جائے تو وہ اس پر غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کے مقابلہ میں لاکھوں نعمتیں اس کی دی ہوئی ہیں اگر یہ ایک نعمت جاتی رہی تو کیا غم ہے اور اس کی دی ہوئی لاکھوں نعمتیں موجود ہیں، پھر جب اس نے خود ہی ایک دن اس دنیا سے چلے جاتا ہے تو اس ایک نعمت کے چلے جانے سے کیا فرق پڑے گا امام غزالی لکھتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : جب میں اپنے بندوں میں سے کسی بندے کے بدن، یا مال یا اولاد میں کوئی مصیبت بھیجتا ہوں، پھر وہ اس پر صبر جمیل کرتا ہے تو میں قیامت کے دن اس کے لیے میزان قائم کرنے یا اس کا نامہ اعمال کھولنے سے حیا کرتا ہوں۔ (کامل ابن عدی)

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے فرمایا : اے جبرائیل اس شخص کی کیا جزا ہے جس کی بینائی کو میں سلب کر لوں اور وہ اس پر صبر کرے، انہوں نے کہا اے اللہ! تو پاک ہے ہمیں صرف اس چیز کا علم ہے جس کا تو نے ہمیں علم عطا فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی جزا میرے گھر میں ہمیشہ رہنا ہے اور میرا دیدار کرنا ہے۔ (صحیح بخاری، معجم اوسط، کامل ابن عدی، ابو یعلیٰ)

امام مالک موطا میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل فرماتا ہے جب میں اپنے بندہ کو کسی مصیبت میں مبتلا کروں اور وہ اس پر صبر کرے اور اپنے عیادت کرنے والوں سے میری شکایت نہ کرے تو میں اس کے گوشت کو بہتر گوشت سے اور اس کے خون کو بہتر خون سے بدل دیتا ہوں اور جب میں اس کو صحت مند کرتا ہوں تو اس کا کوئی گناہ نہیں رہتا اور اگر میں اس کو وفات دوں تو وہ میری رحمت کی طرف ہے۔

(احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۲۲، مطبوعہ دار الخیر بیروت، ۱۴۱۳ھ)

انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کی فضیلت

امام طبرانی روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کو ایک ایسی چیز دی گئی ہے جو پہلی امتوں میں سے کسی کو نہیں دی گئی۔ وہ مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا ہے۔

(معجم کبیر ج ۱۲ ص ۳۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام مسلم روایت کرتے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا کہ جب مسلمان پر کوئی مصیبت آئے اور وہ اللہ کے حکم کے مطابق انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے اور یہ دعا کرے اے اللہ مجھے اس مصیبت پر اجر عطا فرما اور مجھے اس کا بہتر بدل عطا فرما، تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بہتر بدل عطا فرمائے گا، جب ابو سلمہ (حضرت ام سلمہ کے سابق شوہر) فوت ہو گئے تو میں نے سوچا ابو سلمہ سے بہتر اور کون ہو گا جن کے گھر نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی تھی، بہر حال میں نے یہ دعا پڑھ لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلہ میں رسول اللہ ﷺ سے

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۰۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطلحہ کراچی ۱۳۷۵ھ)

میرا حق کرنا۔

حفظ سید علی بیان کرتے ہیں۔ امام بزار نے سند ضعیف کے ساتھ اور امام بیہقی نے شعب اللایمیل میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کی رسی ٹوٹ جائے تو وہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے کیونکہ یہ بھی مصائب میں سے ہے۔

امام عبد بن حمید اور امام ابن ابی الدنیا نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کا چراغ بجھ گیا تو آپ نے پڑھا انا للہ وانا الیہ راجعون، آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا یہ مصیبت ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! ہر وہ چیز جو مومن کو ایذا دے وہ اس کے لیے مصیبت ہے اور اس میں اس کے لیے اجر ہے۔ امام ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں جس شخص میں چار خصلتیں ہوں اللہ تعالیٰ جنت میں اس کا گھر بنا دیتا ہے جو لا الہ الا اللہ سے اپنی (جان اور مال کی) حفاظت کرے، اور جب اس کو مصیبت پہنچے تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے اور جب اس کو کوئی چیز دی جائے تو الحمد للہ کہے اور جب وہ کوئی گناہ کرے تو استغفر اللہ کہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۱۵۷-۱۵۶، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

صلوٰۃ کا معنی اور غیر انبیاء پر صلوٰۃ بھیجنے کی شرعی حیثیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوات ہیں اور رحمت، اور یہی لوگ ہدایت پر ثابت قدم ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

اکثر اہل لغت نے کہا ہے کہ صلوٰۃ کا معنی دعا ہے اور تمہیک اور تہجید ہے، جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر صلوٰۃ پڑھے یا رسول اللہ ﷺ مسلمانوں پر صلوٰۃ پڑھیں تو اس کا معنی ان کو پاک اور صاف کرنا ہے، اور جب فرشتے صلوٰۃ پڑھیں تو اس کا معنی دعا اور استغفار ہے۔

(المفردات ص ۲۸۵، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویۃ، ایران ۱۳۴۲ھ)

علامہ آلوسی نے نقل کیا ہے کہ صلوٰۃ کا معنی تعریف اور ثناء کرنا ہے اور تعظیم کرنا ہے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۲۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یعنی اللہ تعالیٰ مصیبت پر صبر کرنے والوں کی تعریف کرتا ہے یا ان کے باطن کو پاک اور صاف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا مسلمانوں پر صلوٰۃ بھیجنا ان کے باطن کو پاک اور صاف کرنے کے معنی میں ہے، اور امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک امت کے لیے غیر نبی پر مستقل صلوٰۃ بھیجنا جائز نہیں ہے، یعنی اللہ صلی علی لہی وعلیٰ آہل بکرمنا جائز نہیں ہے اور سلام بھیجنا جائز ہے، سلام علی لہی وعلیٰ بکرمنا صحیح ہے۔ علامہ خفاجی حنفی نے اس کو بھی مکروہ تنزیہی کہا ہے (تیسیم الریاض ج ۳ ص ۵۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا انبیاء کے علاوہ اور کسی پر صلوٰۃ نہ بھیجی جائے (مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۳۸) علامہ نووی نے کہا ہے کہ عرف میں صلوٰۃ کا لفظ انبیاء کے ساتھ خاص ہو چکا ہے اس لیے غیر نبی پر صلوٰۃ نہیں بھیجی جائے گی۔ اس مسئلہ کو ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۷ میں بت تفصیل سے لکھا ہے۔

موجہ ماتم کی شرعی حیثیت

اس آیت میں مصیبت کے آنے پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کسی چیز کا امر اس کی ضد کی حرمت کو مستلزم ہوتا

ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت پر ماتم کرنا حرام ہے۔

شیخ کلنی کلینی روایت کرتے ہیں:

ابو عبد اللہ علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مصیبت کے وقت مسلمان کا اپنے ہاتھ کو اپنے زانو پر مارنا اس کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے۔ (الفروع من الکافی ج ۳ ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران ۱۳۹۹ھ)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا مبرہہ قدر مصیبت نازل کیا جاتا ہے جس شخص نے مصیبت کے وقت اپنا ہاتھ اپنے زانو پر مارا اس کا عمل ضائع کر دیا جاتا ہے۔ (نہج البلاغہ ص ۳۳۹، مطبوعہ انتشارات زرین ایران)

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ امام حسین نے میدان کربلا میں جانے سے پہلے اپنی بہن حضرت زینب کو یہ وصیت کی: اے میری معزز بہن میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ جب میں اہل جفا کی تلوار سے عالم بقائیں رحلت کر جاؤں تو گریہ نہ کرنا، چہرے پر خراشیں نہ ڈالنا اور ولولہ نہ کرنا۔ (جلاء العیون ج ۲ ص ۵۵۳، فارسی) مطبوعہ کتب فروغ اسلامہ ایران) شرح صحیح مسلم جلد اول (طبع خامس) میں ہم نے مروجہ ماتم کے حرام ہونے پر بہت دلائل پیش کئے ہیں اور اہل تشیع کے تمام شبہات کا ازالہ کیا ہے۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ

بے شک صفا اور مروه اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا،

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ

اس پر ان دونوں کا طواف (سعی) کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے اور بیشک جس نے خوشی سے کوئی (نفل) نیکی کی تو بیشک اللہ جزائے والا

شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝۱۵۸ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ

خوب جاننے والا ہے جو لوگ ہمارے نازل کیے ہوئے روشن دلائل اور ہدایت کو چھپاتے ہیں جب کہ ہم ان کو لوگوں کے

مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ

یہ کتاب میں بیان کر چکے ہیں، تو یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت

اللَّعْنُونَ ۝۱۵۹ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُّوْا فَاُولَٰئِكَ أَتُوبُ

کرتے ہیں البتہ جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور اچھپائی ہوئی باتوں کو ظاہر کر دیا تو میں ان لوگوں

عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝۱۶۰

کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں توبہ قبول فرمانے والا بڑا مہربان ہوں

بعد ایت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ پر اعتراضات کے جواب دیئے اور مخالفین کے اعتراضات اور طعنوں کی وجہ سے مسلمانوں کو جو لغت پہنچی تھی اس پر صبر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا تھا کہ صبر کرنے والوں پر اللہ کی رحمت ہے اور وہ ہدایت پر ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کا ذکر شروع کیا کیونکہ اس سے پہلے نمازوں میں کعبہ کو قبلہ بنانے کا حکم تھا اور اب حج اور عمرہ کے ذریعہ کعبہ کی زیارت اور اس کے گرد طواف کا حکم دیا۔ نیز اس سے پہلے صبر کا حکم تھا اور صبر کرنے میں نفس کو مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور اب حج اور عمرہ کا ذکر کیا ان میں جسم کو مشقت اٹھانی پڑتی ہے، نیز اس سے چند آیات پہلے بناء کعبہ کا ذکر تھا اور یہ فرمایا تھا کہ ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو یہ حکم دیا تھا کہ میرے بیت (کعبہ) کو طواف کرنے والوں، احکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو، اور بناء کعبہ کا سب سے عظیم مقصد حج اور عمرہ ہے اور طواف کے ذکر میں ان کی طرف اشارہ ہے، سو یہاں صراحت ”حج اور عمرہ کا ذکر فرمایا“ نیز اس سے پہلے حضرت ابراہیم کی اس دعا کا ذکر تھا کہ ہمیں مناسک (احکام حج) بتا تو اب حج اور عمرہ کے احکام میں سے صفا اور مروہ کی سعی کا حکم بیان فرمایا۔

صفا اور مروہ کے معنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

صفا اور مروہ کعبہ کے سامنے دو پہاڑیاں ہیں۔ صفا کے معنی ہیں چکنا پتھر، اور مروہ کے معنی ہے سفید اور ملائم پتھر، ایک قول یہ ہے کہ صفا کے معنی ہیں صاف اور خالص اور مروہ کے معنی ہیں چھوٹے چھوٹے پتھر۔ ایک قول یہ ہے کہ صفا کو اس لیے صفا کہتے ہیں کہ اس پر حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے اور مروہ کو اس لیے مروہ کہتے ہیں کہ اس پر ان کی امراۃ (بیوی) بیٹھی تھیں۔

شعائر شعیرہ کی جمع ہے۔ شعیرہ کا معنی علامت ہے اور شعائر اللہ کا معنی ہے، اللہ کے دین کی علامتیں اور خصوصیات، اور وہ اعمال جن کو اللہ نے عبادت اور دین کی علامتیں قرار دیا ہے۔

حج اور عمرہ کا لغوی اور شرعی معنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کا طواف (سعی) کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حج کا لغوی معنی ہے قصد اور اس کا شرعی معنی ہے، بیت اللہ کی زیارت کا قصد کرنا۔ زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض ہے۔ اسلام، حریت، عقل، بلوغ اور حج کی استطاعت حج کی فرضیت کے لیے شرط ہیں۔ وقوف عرفات اور طواف زیارت حج میں فرض ہیں۔ حج کے واجبات یہ ہیں: میقات یا اس سے پہلے احرام باندھنا، غروب آفتاب تک میدان عرفات میں رہنا۔ وقوف مزدلفہ، صفا اور مروہ میں دو ڈنٹا، شیطان کو منیٰ میں نکلیاں ملانا، سر منڈانا یا بیل کٹنا اور غیر ملکی کے لیے طواف وداع کرنا۔ حج میں یہ کلمہ ممنوع ہیں۔ عمل ندبیت، بل کٹنا، ناخن کٹنا، خوشبو لگانا، سر اور چہرہ دھو کر، سلا ہوا کپڑا پہننا، کسی دوسرے محرم کا سر مونڈنا، حل اور حرم میں شکار کے درپے ہونا۔ (فتح اللہ ج ۲ ص ۳۲۱-۳۲۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکر) علامہ شرنبلالی نے لکھا ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یوم عرفہ افضل الايام ہے اور جب یہ

دن جمعہ کا ہو تو یہ ستر حجوں سے افضل ہے۔ (مراتی الفلاح ص ۳۳۵، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البلبلی ولولادہ مصر ۱۳۵۶ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں: اس حدیث کو رزین بن معلویہ العبدری نے تجرید الصالح میں طلحہ بن عبید اللہ کرزین سے روایت کیا ہے اور اس پر موطا کی علامت ہے لیکن یہ حدیث یحییٰ بن یحییٰ کی موطا میں نہیں ہے کسی اور موطا میں ہے۔ (اتحاف سلاۃ المستفین ج ۴ ص ۲۷۳، مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۵۶ھ)

میں نے شرح صحیح مسلم جلد ثالث میں بڑی تفصیل اور تحقیق سے لکھا ہے کہ جمعہ کے دن اگر حج ہو تو اس کا ثواب ستر سے زیادہ ہوتا ہے اور یہ حج اکبر ہے۔ کتاب الحج کے آخر میں میں نے دعا کی اے اللہ مجھ کو بھی حج اور عمرہ کی سعادت عطا فرما۔ یہ دعا ۱۹ جملوی الثانیہ ۱۳۰۸ھ میں کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے تین سال بعد مجھے عمرہ کی سعادت عطا کی اور ۲۰ جملوی الاولیٰ ۱۳۱۱ھ کو بروز جمعہ میں نے عمرہ کیا اور اس کے تین سال بعد ۱۳۱۳ھ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے حج کی نعمت عطا کی اور یہ حج بھی جمعہ کے روز تھا اور حج اکبر تھا۔ اللہ العالمین جس طرح آپ نے میری یہ دعا قبول فرمائی ہے میری باقی دعائیں بھی قبول فرماتا۔ علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں: عمرہ کا لغوی معنی ہے زیارت اور اس کا شرعی معنی ہے بیت اللہ کی زیارت کرنا، عمرہ کرنا سنت ہے۔ اس میں میقات سے احرام باندھنا، کعبہ کا طواف کرنا، صفا اور مروہ میں سعی کرنا اور حلق یا قصر کرنا واجب ہے اور احرام باندھنا شرط ہے اور طواف کا اکثر حصہ فرض ہے۔

(مراتی الفلاح ص ۳۳۵، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البلبلی ولولادہ مصر ۱۳۵۶ھ)

شوال میں عمرہ کرنے والے پر استطاعت کے بغیر حج فرض ہونے کی تحقیق

ہمارے زمانہ میں یہ مشہور ہے کہ جس شخص نے پہلے حج نہ کیا ہو وہ اگر ماہ شوال میں عمرہ کرے تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے، خواہ اس کے پاس ایام حج تک وہاں ٹھہرنے اور کھانے پینے کی استطاعت نہ ہو اور خواہ اس کے پاس وہاں ٹھہرنے کے لیے سعودی عرب کا ویزا نہ ہو، اگر وہ حج کیے بغیر واپس آگیا تو اس کے ذمہ حج فرض ہو گا اس پر لازم ہے کہ وہ کسی سے قرض لے کر یا کسی بھی طرح حج کرے اگر اس نے حج نہیں کیا اور مرگیا تو گنہ گار ہو گا۔

یہ فتویٰ قرآن، حدیث اور فقہ کے صراحتہ "خلاف ہے" قرآن مجید میں ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ
اِلَيْهِ سَبِيلًا (آل عمران : ۹۷)

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ استطاعت کے بغیر حج فرض نہیں ہوتا، استطاعت کی تفسیر میں صدر الشریعت مولانا امجد علی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

سفر خرچ اور سواری پر قادر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ چیزیں اس کی حاجت سے فاضل ہوں یعنی مکان، لباس، خلام اور سواری کا جانور، اور پیشہ کے اوزار اور خانہ داری کے سامان اور دین (قرض) سے اتنا زائد ہو کہ سواری پر مکہ معظمہ جائے اور وہاں سے سواری پر واپس آئے اور جانے سے واپسی تک عیال کا نفقہ اور مکان کی مرمت کے لیے کافی مال چھوڑ جائے اور جانے آنے میں اپنے نفقہ اور گھر اہل و عیال کے نفقہ میں قدر متوسط کا اعتبار ہے نہ کمی نہ اسراف۔ عیال سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا نفقہ اس پر واجب ہے۔ در مختار، عالمگیری (ہمار شریعت ج ۶ ص ۱۱۲، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی) اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ شوال میں عمرہ کرنے والے جس شخص کے پاس حج کرنے تک مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے

وہ ظالم کی استطاعت نہیں ہے اس پر حج فرض نہیں ہے۔

لام دلمی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو لہمؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو حج کرنے سے کوئی ظاہری حاجت (طعام، قیام، اور سفر خرچ کی کمی) مانع نہ ہوئی نہ ظالم بادشاہ نہ کوئی ایسی بیماری جو حج سے مانع ہو وہ شخص اس حال میں مرجائے کہ اس نے حج نہ کیا ہو تو خولہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ (سنن داری ج ۱ ص ۳۶۰، مطبوعہ نشر النہد ملتان)

اس حدیث کو حافظ منذری (۱) اور صدر الشریعت (۲) رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیا ہے۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ظالم بادشاہ کے منع کرنے سے بھی حج فرض نہیں ہوتا اور جو شخص شوال میں واپسی کا ویزا لے کر عمرہ کرنے گیا ہے اس کو سعودی حکام مکہ میں قیام کرنے سے منع کرتے ہیں وہ لوگوں کی تلاشی لیتے رہتے ہیں اور جو پکڑا جائے اس کو پہلے گرفتار کر کے سزا دیتے ہیں پھر واپس اس کے ملک بھیج دیتے ہیں، اس لیے شوال میں عمرہ کرنے والے پر حج کو فرض کہنا اس حدیث کے بھی خلاف ہے، نیز جو نادر آدمی کسی کی طرف سے حج بدل کرتا ہے وہ حج کے ایام میں مکہ مکرمہ پہنچ جاتا ہے اگر صرف حج کے ایام میں مکہ پہنچ جانے سے حج فرض ہو جاتا ہے تو حج بدل کرنے والے نادر پر بھی حج فرض ہونا چاہئے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے۔ نیز شوال حج کا مہینہ ہے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ حج کے مہینوں میں صرف عمرہ کرنا جائز ہے عالم گیری میں لکھا ہے :

المفرد بالعمرة يحرم للعمرة من
المیقات او قبل المیقات فی اشهر الحج او میقات سے پہلے حج کے مہینوں میں یا حج کے مہینوں کے علاوہ۔
فی غیر اشهر الحج (عالم گیری ج ۱ ص ۲۳۷، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبری بولاق مصر ۱۳۱۰ھ)

اور اس جگہ یہ نہیں لکھا کہ جو شخص حج کے مہینوں میں صرف عمرہ کرے اس پر حج لازم ہو جاتا ہے حالانکہ موضع البیان میں بیان کرنا لازم ہوتا ہے۔ میں نے اس مسئلہ میں بعض علماء کا فتویٰ دیکھا انہوں نے شوال میں عمرہ کرنے پر حج فرض ہونے کے متعلق عالم گیری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ اور اس کے گرد رہنے والوں پر حج فرض ہو جاتا ہے خواہ ان کو سواری پر قدرت نہ ہو، بہ شرطیکہ وہ خود چل سکتے ہوں۔ اول تو ہمارا کلام اس شخص کے بارے میں ہے جو یہاں سے عمرہ کے لیے جائے کیونکہ حج کرنے تک رہائش اور کھانے کی استطاعت اسی سے متعلق ہے، مکہ میں رہنے والوں کے لیے رہائش کی استطاعت کا مسئلہ نہیں ہے ثانیاً انہوں نے فتویٰ میں عالم گیری کی آدمی عبارت نقل کی ہے عالم گیری کی پوری عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے :

یابغ میں مذکور ہے احل مکہ اور تین دن کی مسافت سے کم اس کے گرد رہنے والوں پر حج کرنا واجب ہے جب کہ وہ چلنے پر قوت رکھتے ہوں، خولہ ان کو سواری پر قدرت نہ ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ ان کے پاس دستور کے مطابق طعام کی اتنی مقدار ہو جو ان کے اور ان کے احل و عیال کے لیے والہاں آنے تک کے لیے کافی ہو، اسی طرح السراج البوہلج میں ہے۔ (عالم گیری ج ۱ ص ۲۱۷، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبری بولاق مصر ۱۳۱۰ھ)

(۱) حافظ ذی الدین عبد المستم بن عبد القوی المنذری المعنی ۷۵۶ھ الترفیب والترصیب ج ۲ ص ۲۸، مطبوعہ دار الفکر قاہرہ ۱۳۰۷ھ

(۲) مولانا مولوی حکیم محمد امجد علی حنفی ۷۵۶ھ، بہار شریعت ج ۱ ص ۹، مطبوعہ مکتبہ نظام علی انڈسٹری کراچی

غور فرمائیے جب اصل مکہ اور اس کے گرد رہنے والوں پر بھی واپس آنے تک طعام کی استطاعت کے بغیر حج فرض نہیں ہے تو دور دراز کے علاقوں سے مکہ مکرمہ پہنچنے والوں پر رہائش اور طعام کی استطاعت کے بغیر حج کیسے فرض ہو گا۔ اس فتویٰ میں دوسری دلیل یہ لکھی ہے کہ اگر کسی شخص پر استطاعت کی وجہ سے حج فرض تھا اور اس نے حج نہیں کیا حتیٰ کہ اس کا مال تلف ہو گیا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ قرض لے کر حج کرے خواہ وہ وفات تک اس قرض کی لوائیگی پر قلم نہ ہو، اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قرض کے ادا نہ کرنے کی وجہ سے اس سے مواخذہ نہیں فرمائے گا جبکہ اس کی نیت یہ ہو کہ وہ قلم نہ ہونے پر اس قرض کو ادا کر دے گا۔ (در مختار ج ۲ ص ۱۳۰)

یہ عبارت ہمارے بحث سے خارج ہے کیونکہ یہ عبارت اس شخص کے متعلق ہے جس پر مالی استطاعت کی وجہ سے حج فرض ہو چکا ہو اور اس نے حج نہ کیا ہو اور پھر اس کا مال تلف ہو گیا ہو اور ہماری گفتگو اس شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس حج کر کے واپس آنے تک رہائش اور طعام کے لیے اپنے اور اپنے عیال کا خرچ نہیں ہے، سو ظاہر ہے اس پر حج فرض ہوا ہی نہیں، نیز علامہ شامی نے لکھا ہے کہ جس پر حج فرض تھا اس نے حج نہیں کیا اور اس کا مال تلف ہو گیا اس کے لیے قرض لینا اس وقت جائز ہے جب کہ اس کا غالب گمان یہ ہے کہ وہ اپنی وفات سے پہلے اس قرض کو ادا کر دے گا اور اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ اپنی وفات سے پہلے اس قرض کو ادا نہیں کر سکے گا تو اس کے لیے افضل قرض نہ لینا ہے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۱۳۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ جو لوگ شوال میں عمرہ کرنے والے پر بغیر استطاعت کے حج کرنے کو فرض کہتے ہیں ان کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

یہ فرمانے کی وجہ کہ صفا اور مروہ میں سعی گناہ نہیں ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کی سعی کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ صفا اور مروہ میں طواف کو مسلمان دو جہوں سے گناہ سمجھتے تھے، ایک وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ بتوں کی عبادت اور ان کی تعظیم کے لیے صفا اور مروہ میں طواف کرتے تھے اس لیے اسلام لانے کے بعد انہوں نے اس کو عمل جاہلیت کی بناء پر گناہ سمجھا اور بعض لوگ زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ میں طواف کو گناہ سمجھتے تھے تو انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد ان میں طواف کرنے کو گناہ سمجھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

امام ابن جریر روایت کرتے ہیں :

شعبی بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں صفا پر اسعاف نام کا ایک بت رکھا ہوا تھا اور مروہ پر نائلہ نام کا ایک بت رکھا ہوا تھا، اہل جاہلیت جب بیت اللہ کا طواف کرتے تو ان بتوں کو چھوتے تھے، جب اسلام کا ظہور ہوا اور بت توڑ دیئے گئے تو مسلمانوں نے کہا صفا اور مروہ میں تو ان بتوں کی وجہ سے سعی کی جاتی تھی اور ان میں طواف کرنا شعائر اسلام سے نہیں ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کو سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن منذر کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۱۶۰، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ، ایران)

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

عروہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے : سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کی سعی کرنے میں کوئی گنہہ نہیں ہے، (ان کا مطلب تھا یہ سعی واجب نہیں ہے) سو یہ خدا اگر کوئی شخص صفا اور عروہ میں سعی نہ کرے تو اس پر کوئی گنہہ نہیں ہوگا! حضرت عائشہ نے فرمایا : اے بھتیجے! تم نے غلط کہا، جس طرح تم نے اس آیت کی تویل کی ہے اگر اسی طرح ہو تا تو اللہ تعالیٰ فرماتا جو ان کے درمیان سعی نہ کرے اس پر کوئی گنہہ نہیں ہے، اور اس طرح فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ اسلام سے پہلے منات (ایک بت) کے لیے احرام باندھتے تھے جس کی وہ مثل کے پاس عبادت کرتے تھے تو جو شخص احرام باندھتا وہ صفا اور عروہ کے درمیان طواف کرنے میں گنہہ سمجھتا تھا جب وہ اسلام لے آئے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا، انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم صفا اور عروہ کے طواف میں گنہہ سمجھتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کی سعی کرنے میں کوئی گنہہ نہیں ہے، حضرت عائشہ نے فرمایا بے شک رسول اللہ ﷺ نے اس طواف کو مقرر کیا ہے اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے درمیان طواف کرنے کو ترک کر دے، عروہ نے کہا بلا شک و شبہ یہ علم کی بات ہے، میں نے اس سے پہلے اس کو نہیں سنا، اور حضرت عائشہ کے بیان کرنے سے پہلے میں نے لوگوں سے یہ سنا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ منات کے لیے احرام باندھتے تھے اور وہ سب لوگ صفا اور عروہ میں طواف کرتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا ذکر فرمایا اور قرآن میں صفا اور عروہ کے درمیان طواف کا ذکر نہیں فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ! ہم صفا اور عروہ میں طواف کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا حکم نازل کیا ہے اور صفا کا ذکر نہیں کیا آیا اگر ہم صفا اور عروہ میں طواف کر لیں تو کوئی حرج ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی : جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کا طواف کرنے میں کوئی گنہہ نہیں ہے۔ ابو بکر بن عبد الرحمن (حدیث کے راوی) نے کہا سنو یہ آیت دونوں فریقوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں صفا اور عروہ کے طواف کو گنہہ سمجھتے تھے، اور جو لوگ زمانہ جاہلیت میں ان کا طواف کرتے تھے پھر ظہور اسلام کے بعد انہوں نے ان کے طواف کو گنہہ سمجھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا ذکر فرمایا اور صفا اور عروہ کے طواف کا ذکر نہیں فرمایا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۳-۲۲۲ ج ۲ ص ۳۳۶-۳۳۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی (۱) اور امام نسائی (۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو کلام اصل میں عبادت ہو اور شریعت میں صحیح ہو وہ اپنی اصل پر صحیح رہتا ہے خواہ جہل اور بد مذہب بعد میں اس کلام کو کسی غلط نیت اور فاسد عقیدہ سے کرنے لگیں، جس طرح سیاہ علامہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، بعد میں روافض اور شیعہ نے سوگ کی نیت سے سیاہ علامہ باندھنا شروع کر دیا تو ان کے اس عمل کا اعتبار نہیں ہو گا اور سیاہ علامہ باندھنا اپنی اصل کے اعتبار سے منہجوں رہے گا۔

صفا اور عروہ کے درمیان سعی میں مذہب ائمہ

صفا اور عروہ کے درمیان سات بار سعی کرنا واجب ہے، یہ سعی صفا سے شروع ہو کر عروہ پر ختم ہوگی، ائمہ ثلاثہ اور

(۱) امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۵۵ھ، جامع ترمذی ص ۳۲۲-۳۲۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۲) امام محمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن کبریٰ ج ۱ ص ۲۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۸۱ھ

امام شافعی کا صحیح مذہب یہ ہے کہ صفا سے مروہ تک ایک طواف ہے، علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ امام شافعی کے نزدیک صفا سے مروہ پھر مروہ سے صفا تک سنی ایک طواف ہے، یہ غلط ہے امام شافعی کا مذہب جمہور کے مطابق ہے۔ (شرح المذنب ج ۸ ص ۷۲-۷۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

صفا اور مروہ میں سنی کے متعلق امام احمد کے دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ یہ سنی رکن ہے اس کے بغیر حج تمام نہیں ہوتا کیونکہ امام مسلم نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے صفا اور مروہ میں طواف نہیں کیا اللہ نے اس کا حج تمام نہیں کیا، سنی کرنا حج اور عمرہ دونوں میں رکن ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سنی سنت ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ اس سنی میں کوئی گناہ نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ مباح ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شعار اللہ میں داخل کیا ہے اس لیے اس کا مرتبہ سنت سے کم نہیں ہے۔ (المغنی ج ۳ ص ۱۴۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: حج میں صفا اور مروہ میں سنی کرنا رکن ہے، دم دینے سے اس کی تکلیفی نہیں ہوگی، اور محرم اس کے بغیر حلال نہیں ہوگا۔ (رونتہ الطالین ج ۲ ص ۷۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو العباس رطبی شافعی نے لکھا ہے کہ صفا اور مروہ کا طواف کرنا عمرہ کا بھی رکن ہے۔

(نہایت المحتلج ج ۳ ص ۳۲۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ خطاب مالکی لکھتے ہیں: حج اور عمرہ دونوں میں صفا اور مروہ میں سنی کرنا رکن ہے۔

(موہب الجلیل ج ۳ ص ۸۳، مطبوعہ مکتبہ التجلیح لیبا)

علامہ الرغینانی حنفی لکھتے ہیں کہ صفا اور مروہ میں طواف کرنا (حج اور عمرہ میں) واجب ہے، رکن نہیں ہے، امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ یہ رکن ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر سنی فرض کر دی پس سنی کرو (مسند احمد ج ۶ ص ۷۱) ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے کہ صفا اور مروہ میں طواف کرنا گناہ نہیں ہے اور یہ مباح ہونے کو مستلزم ہے اور فرضیت کے منافی ہے، نیز ہم نے رکن سے وجوب کی طرف اس لیے عدول کیا ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور رکیت دلیل قطعی سے ثابت ہوتی ہے۔ (حدایہ اولین ص ۲۴۳، مطبوعہ شرکت طبعہ ملتان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو بے شک جس نے خوش دلی سے کوئی (نفل) نیکی کی تو بے شک اللہ جزا دینے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

امام رازی (۱)، علامہ قرطبی (۲)، علامہ ابوالحیاء اندلسی (۳) اور علامہ ماوردی (۴) وغیرہ نے کہا ہے کہ اس نیکی سے مراد نفلی نیکی ہے، کیونکہ قرآن اور حدیث کے اطلاقات میں تطوع کا نفل پر اطلاق ہوتا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے فرض کی ادائیگی کے بعد نفلی طور پر حج یا عمرہ کیا، اور علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد عام نیکی ہے خواہ فرض ہو یا نفل۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۲۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

(۱) امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ

(۲) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۸۱، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران

(۳) علامہ ابوالحیاء محمد بن یوسف غرناطی متوفی ۵۷۳ھ، البحر المحیط ج ۲ ص ۶۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ

(۴) علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری المتوفی ۳۵۰ھ، النکت والعیون ج ۱ ص ۲۱۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ شاکر عظیم ہے :

اللہ تعالیٰ لوگوں کے قصد اور نیت کو جانتا ہے اور ان کی نیکیوں کی جزا دیتا ہے یا اللہ تعالیٰ قلیل نیکی کی بھی جزا دیتا ہے اور اس کو ثواب کا علم ہے۔

علم چھپانے پر وعید کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جو لوگ ہمارے نازل کیے ہوئے روشن دلائل اور ہدایت کو چھپاتے ہیں جب کہ ہم ان کو لوگوں کے لیے کتب میں بیان کر چکے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔

ان دلائل اور ہدایت کو چھپانے والوں سے مراد یہود اور نصاریٰ کے علماء ہیں کیونکہ وہ لوگوں سے سیدنا حضرت محمد ﷺ کی نبوت اور آپ کے دین کو چھپاتے تھے اور ان کی کتابوں میں آپ کی بعثت اور آپ کی صفات کے متعلق جو کچھ لکھا ہوا تھا اس کو بیان نہیں کرتے تھے، حالانکہ تورات اور انجیل میں یہ سب لکھا ہوا تھا۔
لام ابو جعفر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت سعد بن معاذ اور حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہم نے علماء یہود سے پوچھا کہ تورات میں نبی ﷺ کے متعلق کیا لکھا ہوا ہے تو انہوں نے ان سے چھپایا اور ان کو بتانے سے انکار کر دیا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی : (جامع البیان ج ۲ ص ۳۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)
علامہ بلوردی نے لکھا ہے کہ یہ چھپانے والے کعب بن اشرف، کعب بن اسد، ابن صوریہ اور زید بن ثابت نام کے دو سادہ یہود تھے۔
(الکت والعیون ج ۱ ص ۲۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہر چند کہ اس آیت کا شلن نزول خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے اور جو شخص بھی اللہ کے دین میں سے کسی چیز کے علم کو چھپائے وہ اس آیت کی وعید میں داخل ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت کا مصداق ہے، کیونکہ صحابہ کرام نے اس آیت سے عموم ہی سمجھا تھا، لام ابن جریر روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کتاب اللہ میں یہ آیت نہ ہوتی تو میں تم کو یہ حدیث بیان نہ کرتا، پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی۔
(جامع البیان ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

لام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص سے کسی چیز کے علم کے متعلق سوال کیا گیا اور اس نے اس کو چھپایا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔
(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۵۹، مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو نصر حمیدی نے کہا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے اس کو پوری کوشش اور جدوجہد سے علم کو پھیلانا چاہئے خواہ اس سلسلہ میں اس کو مشقت برداشت کرنی پڑے اور اپنا پیسہ خرچ کرنا پڑے ورنہ علم مٹ جائے گا۔

لعنت کرنے والوں سے مراد فرشتے ہیں یا جن لوگ انہیں سے مومنین ہیں یا جن لوگ انہیں کے ماسوا حیوانات اور حشرات الارض ہیں، لام ابن جریر روایت کرتے ہیں :

مجلد بیان کرتے ہیں کہ حیوانات اور حشرات الارض ان پر

لنت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنو آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہم بارش سے محروم ہو گئے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۲۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

۱۱۔ اہل لوگوں کے سامنے علم اور حکمت کو بیان کرنے کی ممانعت

امام بخاری بیان کرتے ہیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگوں کے سامنے ایسی حدیثیں بیان کرو جن کو وہ پہچانتے ہوں کیا تم اس کو پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳ مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۴۲۸ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کے بیان کردہ دو قسم کے علم محفوظ ہیں، ایک علم کو میں نے لوگوں میں پھیلا دیا اور اگر دوسرے علم کو پھیلا یا تو یہ حلقوم کاٹ دیا جائے گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳ مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۴۲۸ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تم لوگوں کے سامنے ایسی حدیث بیان کرو گے جو ان کی عقلوں کے مطابق نہیں ہوگی تو وہ بعض لوگوں کے لیے فتنہ بن جائے گی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۹ مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی)

امام دارمی روایت کرتے ہیں :

کثیر بن مرہ نے کہا بے وقوف لوگوں کے سامنے حکمت کی باتیں نہ بیان کرو وہ تمہاری تکذیب کریں گے۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۸۸ مطبوعہ نشر السنۃ ملکن)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں چاہوں تو تمہارے سامنے ایک ہزار ایسے کلمات بیان کروں جن کو سن کر تم مجھ سے بغض رکھو مجھ سے دور بھاگو اور میری تکذیب کرو۔ (معجم کبیر ج ۳ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ ابی شیبہ بیان کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص لوگوں کے ہر استفتاء (سوال) کا جواب دیتا ہے وہ مجنون ہے۔ حافظ ابی شیبہ نے ان دونوں حدیثوں کو امام طبرانی کی معجم کبیر کے حوالہ سے درج کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ دونوں حدیثوں کی سندوں میں ثقہ راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۳ مطبوعہ دار الکتب العربی ۱۴۰۲ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

کافر کو قرآن مجید کی تعلیم دینا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو جائے، اسی طرح جو بدعتی اہل حق سے مناظرے کرتا ہو اس کو تعلیم دینا جائز نہیں ہے اور کسی شخص کو ایسی جھٹ کی تلقین کرنا جائز نہیں جس سے وہ کسی کامل ہڑپ کر لے، اور نہ حاکم کو ایسی تاویل سکھانا جائز ہے جس سے وہ عوام کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرے اور نہ عام لوگوں کو ایسی شرعی رخصتیں اور شرعی حیلے بتانا جائز ہیں جن سے کام لے کر وہ حرام کام کریں اور واجبات کو ترک کریں، نبی ﷺ نے فرمایا اہل لوگوں کے سامنے حکمت کے بیان سے نہ رکو ورنہ تم ان پر ظلم کرو گے اور نا اہل لوگوں کے سامنے حکمت کو بیان نہ کرو ورنہ تم اس حکمت پر ظلم کرو گے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۸۵ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۴۲۸ھ)

لَعْنَةُ الْكَافِرِ لُورِ شَرِّی مَعْنٰی لُورِ اس كے شَرِّی احكام

لَعْنَةُ مِی لَعْنَةُ كَامَعْنٰی هِیَ اللّٰهُ كِی رَحْمَتِ سِی دُور كَرْنَا لَعْنَةُ كِی تَمِی قَسْمِی هِی :

(۱) شَرِّیَتِ مِی جِس عَامِ وَصَفِ كِی سَاثِہ لَعْنَةُ كِی گُنٰی هُوَ اس وَصَفِ عَامِ كِی سَاثِہ لَعْنَةُ كَرْنَا جِیسِی قُرْآنِ مَجِیدِ مِی هِی :
كَافِرُورِ پَرِ اللّٰهُ كِی لَعْنَةُ هُوَ فَاسِقُورِ پَرِ اللّٰهُ كِی لَعْنَةُ هُوَ جَهَنَّمُورِ پَرِ اللّٰهُ كِی لَعْنَةُ هُوَ لُورِ صَحِیْحِ بَخَارِی مِی هِی جُو مَرْدُ عَوْرَتُورِ كِی
مُشَابَهَتِ كَرِی لُورِ جُو عَوْرَتِی مَرْدُورِ كِی مُشَابَهَتِ كَرِی اِن پَرِ اللّٰهُ كِی لَعْنَةُ هُوَ۔

(صَحِیْحِ بَخَارِی ج ۲ ص ۸۷۴، مَطْبُوعِ نُورِ مُحَمَّدِ صَحِیْحِ الْمَطْلُوعِ كِرَاجِی ۸۳۸ھ)

(۲) جِس فَخْصِ كِی مَوْتِ كُفْرِ دَلِیلِ قَطْعِی سِی ثَابِتِ هُوَ اس پَرِ لَعْنَةُ كَرْنَا جَائِزِ هِی جِیسِی اَبْلِیْسِی اُورِ اَبُو لَہْبِ پَرِ لَعْنَةُ كَرْنَا جَائِزِ
ہے۔

(۳) جُو فَخْصِ ظَاہِرِ حُلِ كِی اَعْتِبَارِ سِی مَوْمِنِ هُوَ یَا كَافِرُ هُوَ لُورِ اس كَا كُفْرُ مَرْنَا مَعْلُومِ نہ هُوَ اس پَرِ لَعْنَةُ كَرْنَا جَائِزِ نَہِی هِی
كِیونكہ هُوَ سَكَا هِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی اس كَا كُفْرُ كُو اِسْلَامِ كِی تَوْفِیقِ دِے دِے جَامِعِ تَرْمِذِی مِی هِی مَوْمِنِ بَسْتِ لَعْنَةُ كَرْنِی وَالا نَہِی
هوتہ۔ (۱) نِیْزِ اس مِی هِی : اللّٰهُ كِی لَعْنَةُ كِی سَاثِہ لَعْنَةُ نہ كَرُو۔ (۲) اُورِ سَنَنِ ابُو دَاؤُدِ مِی هِی جِس نِیْزِ اس فَخْصِ پَرِ
لَعْنَةُ كِی جُو لَعْنَةُ كَا مُسْتَحَقِّ نَہِی هِی تُوہ لَعْنَةُ لَعْنَةُ كَرْنِی دَالِی پَرِ لُورِ نِیْزِ۔ (۳) لَعْنَةُ كَا فِرُورِ پَرِ بَہِی كِی گُنٰی هِی اُورِ گَنَہِ
كَبِیرِہِ كَرْنِی دَالِی مُسْلِمَانُورِ پَرِ بَہِی وَصَفِ عَامِ كِی سَاثِہ لَعْنَةُ كِی گُنٰی هِی جِیسِی جَهَنَّمُورِ پَرِ لَعْنَةُ هُوَ كَا فِرُورِ پَرِ جُو لَعْنَةُ هِی
اس كَا مَعْنٰی هِیَ اللّٰهُ كِی رَحْمَتِ سِی بِالْكَلْبِہِ دُورِ كَرِ دِیْنَا اُورِ گَنَہِ كَبِیرِہِ كَرْنِی دَالِی مُسْلِمَانُورِ پَرِ جُو لَعْنَةُ هِیَ اس كَا مَعْنٰی هِیَ اللّٰهُ
تَعَالٰی كِی قُرْبِ خَاصِ اس كِی خُصُوصِی رَحْمَتِ اُورِ رَحْمَتِ دُورِ كَرِ دِیْنَا۔

بَعْضِ اِسْلَافِ نِیْزِ یَہِ كَمَا هِیَ كہ جُو فَخْصِ فُوتِ هُوَ گِیَا هُوَ اس پَرِ لَعْنَةُ كَرْنِی كَا كُوْنِی فَائِدِہِ نَہِی هِی اُورِ جَمُورِ عِلْمَاءِ نِیْزِ كَمَا
ہے كہ بَغِیرِ تَعْسِیْنِ كِی تَمَامِ كَا فِرُورِ پَرِ لَعْنَةُ كَرْنَا جَائِزِ هِی اُورِ بَعْضِ نِیْزِ اس كُو وَاجِبِ كَمَا هِی اُورِ جَمُورِ عِلْمَاءِ نِیْزِ كَمَا هِی كہ كِسی
مَعْمِیْنِ كَا فِرُورِ لَعْنَةُ كَرْنَا جَائِزِ نَہِی هِی۔

رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ نِیْزِ مَعْمِیْنِ كَا فِرُورِ پَرِ لَعْنَةُ فَرْمَی هِی۔ لَامِ نَسَائِی نِیْزِ حَضْرَتِ ابُو ہَرِیرَہِ سِی رَوَايَتِ كِیَا هِی كہ رَسُولُ
اللّٰهِ ﷺ مِشَاءِ كِی نَمَازِ مِی رُكُوعِ كِی بَعْدِ كُھْرَے هُوَ كَرِ مُسْلِمَانُورِ كِی لَیْے دَعَا كَرْتِی لُورِ كُفَارِ پَرِ لَعْنَةُ كَرْتِی اُورِ حَضْرَتِ اَنَسِ
رضی اللہ عنہ سِی رَوَايَتِ كِیَا هِی كہ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ نِیْزِ اِیْكَ لَہْ تَكِ رَعْلِ ذُكُوْنِ لُورِ لِحْمَانِ پَرِ لَعْنَةُ كِی لُورِ حَضْرَتِ عَبْدِ اللّٰهِ بِنِ عَمْرِو
سِی رَوَايَتِ كِیَا هِی كہ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ صَحِیْحِ كِی نَمَازِ كِی دُوسَرِی رَكْعَتِ مِی رُكُوعِ كِی بَعْدِ كُھْرَے هُوَ كَرِ مَنَاقِبُورِ كَا تَامِ لَے لَے
كَرِ فَرْمَاتِی لَے اللّٰهُ فَلَاسِ پَرِ لَعْنَةُ كَرِ فَلَاسِ پَرِ لَعْنَةُ كَرِ پھرِ اللّٰهُ تَعَالٰی نِیْزِ یَہِ آيَتِ نَازِلِ فَرْمَی :

(سَنَنِ نَسَائِی ج ۱ ص ۲۳۳، مَطْبُوعِ نُورِ مُحَمَّدِ كَارْخَانِہِ تِجَارَتِ كُتُبِ كِرَاجِی)

كَبِیْسِ كَلْگِ مِّنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ تَنُوبٌ عَلَیْہِمُ
اَوْ تَعَذِّبُہُمْ فَاِنَّہُمْ ظَلِمُوْنَ (آلِ عَمْرَانِ : ۷۸)
آپ اس مِی كِسی چِزِ كِی مَالِكِ نَہِی هِی یَا اللّٰهُ اِن كِی تُوہ
قَبُولِ فَرْمَی یَا اِن كُو عَذَابِ دِے بے شَكِّ یَہِ ظَالِمِ ہِی۔

(۱) لَامِ ہُوَ مِیْسِی مُحَمَّدِ بِنِ مِیْسِی تَرْمِذِی حَتْمِی ۷۹ھ، جَامِعِ تَرْمِذِی ص ۲۹۱-۲۹۵، مَطْبُوعِ نُورِ مُحَمَّدِ كَارْخَانِہِ تِجَارَتِ كُتُبِ كِرَاجِی

(۲) لَامِ ہُوَ مِیْسِی مُحَمَّدِ بِنِ مِیْسِی تَرْمِذِی حَتْمِی ۷۹ھ، جَامِعِ تَرْمِذِی ص ۲۹۱، مَطْبُوعِ نُورِ مُحَمَّدِ كَارْخَانِہِ تِجَارَتِ كُتُبِ كِرَاجِی

(۳) لَامِ ہُوَ اَبُو دَاؤُدِ سَلِیْمَانِ بِنِ اَشْعَثِ حَتْمِی ۷۵ھ، سَنَنِ ابُو دَاؤُدِ ج ۲ ص ۳۲۱، مَطْبُوعِ مَطْبَعِ مَجْلِیّی پَاكِیْسْتَانِ لاہُور ۱۳۰۵ھ

اس آیت کی تشریح ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی، نبی ﷺ نے ان کافروں اور منافقوں کے لیے لعنت فرمائی جن کے متعلق آپ کو وحی سے معلوم تھا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو لعنت کرنے سے روک دیا کیونکہ یہ ظاہریہ آپ کی رحمت کے منافی ہے۔

توبہ کے قبول ہونے کے لیے گناہ کو ترک کرنے اور اس کی تلافی کرنے کی شرط

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : البتہ جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور (چھپائی ہوئی باتوں کو) ظاہر کر دیا تو میں ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں۔ یہاں توبہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی آیتوں کو چھپانے والے یہودی کفر کو ترک کر کے اسلام لے آئیں اور اصلاح سے مراد یہ ہے کہ اپنی باطنی اصلاح کر لیں، اور ظاہری اعمال کو درست کر لیں، یا اس سے مراد ہے اپنی قوم اور اپنے پیروکاروں کو اسلام کی تبلیغ کر کے ان کی اصلاح کریں، اور تورات میں حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے متعلق جو لکھا ہوا ہے اس کا بیان کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ توبہ کے قبول ہونے کی یہ شرط ہے کہ جس برائی سے توبہ کی ہے اس کو ترک کر دیا جائے اور اس برائی کی تلافی کی جائے، کیونکہ یہود کی برائی یہ تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی صفات کو چھپاتے تھے، تو ان کی توبہ قبول کرنے کی یہ شرط بیان فرمائی کہ وہ اپنی اصلاح کریں یعنی آپ کی صفات چھپانے کو ترک کر کے اسلام لائیں اور چھپائی ہوئی صفات کو اب لوگوں میں بیان کریں یہ پچھلی برائی کی تلافی ہے، اس لیے اب کوئی قلابانی مثلاً مسلمان ہو تو اس پر لازم ہے کہ مرزا کے دعویٰ نبوت سے براءت کا بیان کرے اور اس کے کفر کا اقرار کرے اور کوئی عیسائی مسلمان ہو تو حضرت عیسیٰ کے بندہ اور رسول ہونے کا اقرار کرے اور ان کے خدا ہونے کی نفی کرے اور اسی طرح جو مسلمان جس گناہ سے توبہ کرے دوبارہ اس گناہ کا ارتکاب نہ کرے اور اس کی جو تلافی ممکن ہو وہ تلافی کرے اور جو شخص جب کسی گناہ سے توبہ کر لے پھر اس کو اس گناہ پر ملامت نہیں کرنی چاہئے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص گناہ سے توبہ کر لے وہ اس شخص کی مثل ہے جس کا گناہ نہ ہو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۱۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ حالت کفر میں مر گئے، وہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی

وَالْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۶۱﴾ خَلِيدِينَ فِيهَا لَا يَخَفُ

اور سب لوگوں کی (لعنت) ہے وہ اس (لعنت) میں ہمیشہ (گرفتار) رہیں گے ان سے عذاب کم

عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۱۶۲﴾ وَالْهُكْمُ لِلَّهِ وَاحِدًا لَّا إِلَهَ

کیا جائے گا نہ ان کو مہلت دی جائے گی تمہارا مبدؤ، ایک مبدؤ ہے اس کے سوا

إِلَهُوَالرَّحْمَنِ الرَّحِيمُ ۝

کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ نہایت رحم فرماتے والا بہت مہربان ہے

اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی ﷺ کی نعت چھپانے والوں کا ذکر کیا اور ان پر لعنت فرمائی، پھر ان میں سے توبہ کرنے والوں کا ذکر فرمایا اور اب ان کا ذکر فرمایا جنہوں نے اپنے اس کفر سے توبہ نہیں کی، کفر پر اصرار کیا اور کفر پر ہی مر گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

اللہ کی لعنت کا معنی ہے عذاب کی خبر دینا اور فرشتوں اور انسانوں کی لعنت کا معنی ہے اللہ کی رحمت سے دور کرنے کی

بدو عادت۔

مردہ کافروں پر لعنت کرنے کا جواز اور زندہ کافروں پر لعنت کرنے کی ممانعت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے جو کفر پر مر گئے اس سے جمہور علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ جس کی موت علی الکفر معلوم نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور نبی ﷺ نے جن بعض کفار پر لعنت کی ہے ان کے متعلق نبی ﷺ کو وحی سے معلوم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اور کفر پر مر گئے۔ علامہ ابو بکر ابن العربی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ :

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ بے شک عمرو بن العاص نے میری ہجو کی ہے اور اس کو ظلم ہے کہ میں شاعر نہیں ہوں تو اس کی ہجو فرما اور جتنی بار اس نے میری ہجو کی ہے اتنی بار اس پر لعنت فرما۔ اس حدیث کو امام رویانی اور امام ابن عساکر نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں کلام ہے۔

(کنز العمال ج ۳ ص ۵۳۸، مطبوعہ مؤستہ الرسالہ بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو بکر ابن العربی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس شخص کا ظاہر حل کفر ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے جیسے اس سے جہاد کرنا جائز ہے حالانکہ عمرو بن العاص بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۷۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس حدیث کی سند میں کلام ہے، ثانیاً اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ذات کا بدلہ لیا حالانکہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی ﷺ نے کسی اپنی ذات کا بدلہ نہیں لیا۔

لام تنفی روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی اپنے ساتھ کی جانے والی زیادتی کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا جب تک اللہ تعالیٰ کی حدود کو نہ توڑا جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑا جاتا تو آپ سے زیادہ غضب میں کوئی نہیں ہوتا تھا۔ (جامع تنفی ص ۵۹۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

البتہ یہ اعتراض صحیح ہے کہ لام تنفی روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! ابو سفیان پر لعنت کر، اے اللہ! حارث بن ہشام پر لعنت کر، اے اللہ! صفوان بن امیہ پر لعنت کر، تب یہ آیت نازل ہوئی :

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ (آل عمران : ۳۸)

آپ اس میں کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، یا اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے، یا ان کو عذاب دے، بے شک یہ ظالم ہیں۔

سوال اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، وہ اسلام لے آئے اور انہوں نے اسلام میں اچھے عمل کئے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۷۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پہلے کا واقعہ ہے جب نبی ﷺ کو کافروں پر لعنت سے روک دیا تو پھر آپ نے ان پر لعنت نہیں کی، اس سے یہ موقف اور مضبوط ہو گیا کہ زندہ کافروں پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں، اور جب نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کافروں پر لعنت کرنے سے منع کر دیا تو کسی اور کے لیے کب جائز ہو سکتا ہے۔ اور علامہ ابن العربی کا اس کو کافروں سے قتل کرنے پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ کافروں سے قتل کرنا تبلیغ اسلام کا سبب ہے جو رحمت کے حصول کا ذریعہ ہے اس کے برخلاف زندہ کفار پر لعنت کرنا ان کو رحمت سے دور کرنے کی دعا ہے۔

مسلمانوں پر لعنت کرنے کی ممانعت

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے مسلمان کو لعنت کی توبہ اس کو قتل کرنے کی مثل ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے عہد میں عبد اللہ نام کا ایک شخص تھا جس کا لقب ہمار تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا، رسول اللہ ﷺ اس کو شراب نوشی پر حد لگایا کرتے تھے، ایک دن اس شخص کو حد لگائی جا رہی تھی کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا اے اللہ! اس پر لعنت کر، اس کو کتنی بار حد لگائی گئی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا اس کو لعنت نہ کرو، خدا تم کو معلوم نہیں ہے یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۲، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۳۸۱ھ)

البتہ گناہ کبیرہ کرنے والوں پر بلا لعین نبی ﷺ نے لعنت فرمائی ہے :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ چوری کرنے والے پر لعنت کرے وہ بیضہ (لوہے کا گولہ) چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور وہ (جہاز کی) رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے جو کفر پر مرے اس پر سب انسان لعنت کرتے ہیں، حالانکہ کافر تو اس پر لعنت نہیں کرتے اس کا جواب یہ ہے کہ کافر اس پر آخرت میں لعنت کریں گے، دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان سے مراد کامل انسان ہے اور کامل انسان مسلمان ہیں۔

کفار کے عذاب میں تخفیف نہ ہونے پر دلائل اور ابولہب وغیرہ کے عذاب میں تخفیف کے جوابات اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ان سے نہ عذاب کم کیا جائے گا نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

نیک اعمال کے مقبول ہونے کی شرط ایمان ہے، ایمان کے بغیر نیکیاں اکارت ہو جاتی ہیں، قرآن مجید میں ہے :

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنشَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ
بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (النحل : ۹۷)
وَقَدْ مَنَّآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَلَجَعَلْنَاهُ حَبَآءً
مَّنْثُورًا (الفرقان : ۲۳)

مرد یا عورت جس نے کوئی نیک عمل کیا بہ شرطیکہ وہ
مومن ہو تو ہم ضرور اس کو پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے
اور ان کے اچھے کاموں کا ان کو ضرور اجر دیں گے۔
اور انہوں نے جو بھی (نیک) کام کیے ہم ان کی طرف قصد
فرمائیں گے پھر ہم انہیں باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرات بنا
دیں گے۔

وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ
(المائدہ: ۵) ہو گیا۔
اور جس نے ایمان لانے سے انکار کیا تو بے شک اس کا عمل ضائع

لام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ابن جدعان زمانہ جاہلیت میں رشتہ داروں
سے حسن سلوک کرتا تھا، اور مسکین کو کھانا کھلاتا تھا آیا اس کو یہ عمل نفع دے گا؟ آپ نے فرمایا یہ عمل اس کو نفع نہیں
دے گا کیونکہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا : اے اللہ! قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دینا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطالبع کراچی ۱۳۷۵ھ)

قرآن مجید کی ان آیات اور اس حدیث صحیح سے یہ ثابت ہے کہ کفار کی نیکیاں ضائع ہو جائیں گی، ان پر اجر ملے گا نہ
ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی، لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ صحیح بخاری میں ہے کہ پیر کے دن ابو لہب کے عذاب
میں تخفیف کی جاتی ہے کیونکہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی خوشی میں اپنی باندی ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ (۱) اور صحیح
مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ نے ابو طالب کو آگ سے کھینچ کر نکل لیا اور صرف اس کے ٹخنوں تک آگ رہ گئی کیونکہ وہ نبی
ﷺ کا دفاع کرتے تھے۔
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطالبع کراچی ۱۳۷۵ھ)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ حافظ بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں کہا ہے کہ کفر کی وجہ سے جو عذاب ہو گا اس میں
تخفیف نہیں ہوگی اور باقی جرائم پر جو عذاب ہو گا اس میں نیکیوں کی وجہ سے تخفیف ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطالبع کراچی ۱۳۸۱ھ)

لیکن اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ پھر تو کافر کی نیکیاں ضائع نہ ہوئیں، حالانکہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ اس
کی نیکیاں ضائع ہو جائیں گی اس لیے صحیح جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کی شفاعت اور آپ کی وجاہت کی خصوصیت کی وجہ
سے ابو لہب اور ابو طالب اس عام قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہ کرنا اللہ تعالیٰ
کا عمل ہے اور ابو طالب کے عذاب میں تخفیف کرنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ تخفیف نہ کرنے کا تعلق
امت سے ہے یعنی عذاب کی غیر متعین مدت میں کمی نہیں ہوگی اور جن کے عذاب میں تخفیف کی ہے ان کا تعلق عذاب کی
کیفیت سے ہے یعنی عذاب کی شدت میں کمی کر دی جائے گی، چوتھا جواب یہ ہے کہ تخفیف نہ کرنے کا تعلق عذاب
آخرت سے ہے اور تخفیف کرنے کا تعلق عذاب برزخ سے ہے۔

(۱) لام محمد بن اسماعیل بخاری حنفی ۲۵۱ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطالبع کراچی ۱۳۸۱ھ

واحد کا معنی اور لا الہ الا اللہ پڑھنے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تمہارا معبود ایک معبود ہے، اس کے سوا اور کوئی (معبود) نہیں۔

اس سے پہلی آیات میں حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا بیان کیا تھا اور فرمایا تھا کہ یہود اپنی کتابوں میں آپ کی نبوت کو چھپاتے تھے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید کو بیان فرمایا ہے اور ظاہر فرمایا ہے کہ یہود اللہ تعالیٰ کی توحید کو چھپاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا معنی یہ ہے کہ الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور عبودیت کا مستحق ہونے میں وہ مفرد ہے اور اس کی کسی صفت میں کوئی اس کا مثیل، شبیہ اور نظیر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ہم البقرة: ۲۱ میں دلائل بیان کر چکے ہیں۔

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا آخری کلام ہو لا الہ الا اللہ، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۸۸، مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کا امام ترمذی نے بھی ذکر کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۱۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام حاکم نے کہا ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے روایت نہیں کیا لیکن یہ حدیث صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۳۵۱، مطبوعہ دارالباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

شبلی سے منقول ہے کہ وہ صرف اللہ کہتے تھے، لا الہ الا اللہ نہیں کہتے تھے، جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا مجھے خوف ہے کہ میں نے لا الہ کہا اور اسی وقت مر گیا اور لا الہ پر نہ پہنچ سکا تو خدا کی نفی کرتا ہوا مروں گا، لیکن یہ ان کی محض علمی موشگافی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، مقصود دل سے اللہ کو ماننا ہے اگر کوئی شخص دل سے اللہ کو ماننا ہو اور لا الہ الا اللہ کہنے کا ارادہ رکھتا ہو اور صرف لا الہ پر اس کو موت آجائے تو وہ نبی ﷺ کی بشارت کے مطابق اہل جنت میں سے ہو گا، اس لیے وہی پڑھنا چاہئے جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے تعلیم دی ہے اور اپنی طرف سے باریکیں نہیں نکالنی چاہئیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۹۱، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

ملا علی قاری لکھتے ہیں :

شیخ محی الدین ابن العربی نے کہا ہے کہ مجھے نبی ﷺ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس شخص نے ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھا اس کی مغفرت کر دی جائے گی اور جس کے لیے پڑھا گیا اس کی بھی مغفرت کر دی جائے گی، میں نے ستر ہزار بار یہ کلمہ پڑھ لیا تھا اور کسی کے لیے خصوصی نیت نہیں کی تھی، ایک مرتبہ میں ایک کھانے کی دعوت میں پہنچا وہاں ایک نوجوان کشف میں مشہور تھا، کھانے کے دوران وہ رونے لگا، میں نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا میں نے اپنی ماں کو عذاب میں گرفتار دیکھا ہے، میں نے دل ہی دل میں ان ستر ہزار کلمات کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا اور اب وہ نوجوان ہنسے لگا اور کہا اب میں نے اپنی ماں کو اچھے حال میں دیکھا ہے تو مجھے اس حدیث کی صحت کا اس نوجوان کے کشف سے یقین ہوا اور اس کے کشف کی صحت کا اس حدیث سے یقین ہو گیا۔ (مرقات ج ۳ ص ۹۸-۹۹، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ)

إِنِّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

بے شک آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے، رات اور دن کے بدل کر آنے اور

وَالْفُلُكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ

ان کشتیوں میں جو لوگوں کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے سمند میں رواں دواں ہیں اور اس پانی میں

اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

جو اللہ نے آسمان سے نازل کیا، پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس میں ہر قسم کے

وَبَتَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۖ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ

جانہ پھیلانے اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان

الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۶۳﴾

کے تابع ہیں، ضرور ان (سب) میں مقلدوں کے لیے (اللہ کی معرفت کی) نشانیاں ہیں

اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی وحدت اور اس کے علم پر دلائل

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ تمہارا معبود واحد ہے اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق اور واحد ہونے پر دلائل قائم کئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدت پر دلائل بھی ہیں اور انسان کے حق میں نعمتیں بھی ہیں۔

آسمان کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی یہ نشانی ہے کہ وہ بغیر ستونوں کے قائم ہے نہ اس کے اوپر کوئی ایسی چیز ہے جس سے وہ ٹکا ہوا ہو اور عام علت کے خلاف بغیر ستونوں کے آسمانوں کو قائم رکھنا بغیر کسی زبردست قدر اور خالق کے ممکن نہیں ہے۔

زمین میں سمندر اور دریا ہیں، معدنیات ہیں، جنگلات ہیں، بلنات اور فصلیں ہیں اور ان سب میں اللہ تعالیٰ کے وجود پر نشانی ہیں، سمندروں کی دھولنی اور زمین کی پیداوار کا ہمیشہ ایک جہت اور ایک نظم پر قائم رہنا یہ بتاتا ہے کہ ان سب کا بنانے والا ایک ہے، کیونکہ کبھی سب کے درخت سے انگوڑی پیدا نہیں ہوتا اور نہ کبھی سمندر کے مدو جزر کا نظام بدلتا ہے۔

دن اور رات میں نشانی ہیں، دن کو روشنی اور رات کو اندھیرے کا سبب بنتا پھر دن اور رات میں کی اور بیشی کا نظام ایک بہت ہی حکمت پر مبنی ہے۔ ہمیشہ جون اور جولائی میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور نومبر دسمبر میں راتیں ہی اور دن چھوٹے ہوتے ہیں، اس نظام میں کبھی فرق نہیں آتا اس سے معلوم ہوا کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے۔

سمندروں پر دھول دھول کشتیوں میں نشانی ہیں جو محض اللہ کی قدرت سے پانی پر قائم رہتی ہیں اور لوگوں کو اور ان

کے ساز و سامان کو لے کر ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہوتی ہیں ہمیشہ لکڑی اور پلاسٹک کی چیزیں سطح آب پر قائم رہتی ہیں اور تیرتی ہیں اور لوہے اور پیتل کی چیزیں پانی میں ڈوب جاتی ہیں ان تمام چیزوں کا واحد طبعی شعور یہ بتاتا ہے کہ ان کا بنانے والا بھی واحد ہے۔

بارش میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نشانیاں ہیں کہ کس طرح بخارات سے حاصل شدہ پانی فضا میں جمع ہوتا ہے اور کس طرح منتشر ہوتا ہے، اور اس جہان کی بقا میں وہ کیا رول ادا کرتا ہے اور اس سے سبزیوں اور پھلوں کی کس طرح روئیدگی ہوتی ہے اور اس نظام کی وحدت بھی مخفی نہیں ہے۔ زمین میں اللہ تعالیٰ نے جو حیوانات اور حشرات الارض پیدا کیے ہیں ان میں عجیب و غریب حکمتیں اور فوائد ہیں، کچھ جانور انسان کی خوراک کے لیے حلال کر دیئے اور کچھ جانور اس کے امتحان کے لیے حرام کر دیئے۔ کچھ اس کی سواری کے کام آتے ہیں، کچھ جانوروں کو عبرت کے لیے پیدا کیا، اور کتنے ہی جانور ایسے ہیں جن کو پیدا کرنے کی حکمت سے ہماری عقل عاجز ہے، پھر ان تمام جانوروں کی پیدائش، نشوونما اور ان کی موت کا نظام واحد ہے، متعدد نہیں ہے تو ان کے پیدا کرنے والے متعدد کیسے ہو سکتے ہیں۔ ہواؤں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بہت نشانیاں ہیں، بعض ہوائیں بانجھ ہوتی ہیں، بعض ہوائیں شمر آور ہوتی ہیں، بعض ہوائیں سرد ہوتی ہیں بعض گرم ہوتی ہیں، بعض ہوائیں فصلوں کو اجاڑ دیتی ہیں اور ہلاکت کا سبب ہوتی ہیں، ہوا کے ذریعہ انسان سانس لیتا ہے، ہوا کے لیے عری میں ریح اور ریح دونوں لفظ آتے ہیں، ریح کا لفظ زیادہ تر ہلاکت اور تباہی والی ہواؤں کے لیے آتا ہے اور ریح کا لفظ خوشگوار اور رحمت والی ہواؤں کے لیے آتا ہے، امام ابو واؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ریح اللہ کی رحمت سے ہے جو رحمت لاتی ہے، اور عذاب کو لاتی ہے جب تم ریح (آندھی) کو دیکھو تو اس کو برا نہ کہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرو، اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صبا سے میری مدد کی گئی اور قوم عاد کو دہر سے ہلاک کیا گیا۔

انسان کو زندہ رہنے کے لیے خوراک، پانی اور ہوا کی ضرورت ہے، خوراک کے بغیر وہ چند دن زندہ رہ سکتا ہے اس لیے خوراک حاصل کرنے کے لیے اسے روزی حاصل کرنے اور مشقت کرنے کا مہکت کر دیا، پانی کی اس سے زیادہ شدید ضرورت ہے تو اس کا حصول اس کے لیے بہت سہل اور ارزاں کر دیا، اور ہوا کے بغیر وہ چند منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتا تو اس کا حصول بالکل عام کر دیا ہر شخص کو ہر جگہ اور ہر وقت بغیر کسی محنت اور معاوضہ کے ہوا میسر ہے، کیا یہ عجیب و غریب حکمت نہیں ہے۔ بادلوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نشانیاں ہیں، کس طرح بادل بنتے ہیں، کس طرح وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں اور بغیر کسی ظاہری سبب کے کس طرح فضا میں معلق ہیں، بادلوں کے گرجنے سے کس قدر ہیبت ناک اور ہولناک آواز پیدا ہوتی ہے۔ آسمان سے بارش ہونے کا بھی ہمیشہ سے ایک طریقہ ہے اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوئی کیا اس سے یہ پتا نہیں چلتا کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے اس میں کوئی تعدد نہیں ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، خلا۔ یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ ان تمام مظاہر قدرت میں غور و فکر اور تدبر کرے کہ یہ تمام چیزیں متغیر اور حادث ہیں اور ان کا حدوث اس بات کا متقاضی ہے کہ ان کا کوئی بنانے والا ہونا چاہئے اور چونکہ ان تمام چیزوں کے نظام عمل میں انتشار اور اختلاف نہیں ہے بلکہ ہم آہنگی اور وحدانیت ہے اس لیے ان کا بنانے والا بھی واحد ہی ہونا چاہئے۔ پھر

۱۔ مشرق سے مغرب کی طرف چلنے والی ہوا کو صبا اور مغرب سے مشرق کی طرف چلنے والی ہوا کو دہر کہتے ہیں۔ منہ

کلمہ چل میں جو بے شمار حکمیں اور فوائد ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بنانے والا انتہائی عظیم اور حکیم ہے اور یہ ساری کائنات کوئی متفق ملوث نہیں ہے اس کا نظم اور ربط اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ بالکل صحیح منصوبہ بندی سے وجود میں آئی ہے اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہ واحد ہے اور عظیم اور حکیم ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

ہم نے عام تعلیم یافتہ لوگوں کے سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یہ دلیل ذکر کی ہے اور بالخصوص علماء اور فقہاء کی ضیافت طبع کے لیے متکلمین کے طریقہ پر اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل کی تقریر اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ہے اگر ان چیزوں کے پیدا کرنے میں کوئی اور معبود بھی اللہ تعالیٰ کا شریک ہے تو اس کو بھی ان مقدرات پر قلمر ماننا پڑے گا اب سوال یہ ہے ان مقدرات کو پیدا کرنے میں دونوں کا ارادہ متفق ہے یا نہیں، اگر دونوں متفق ہیں تو ایک شے کو پیدا کرنے کے لیے دو مستقل علتوں کا ہونا لازم آئے گا اور یہ باطل ہے کیونکہ معلول علت مستقلہ کے غیر سے مستغنی ہوتا ہے ورنہ وہ علت مستقلہ نہیں ہوگی اور اگر ایک معلول کی دو علت مستقلہ ہوں تو معلول ان میں سے ہر ایک کا محتاج بھی ہو گا اور ہر ایک سے مستغنی بھی ہو گا اور یہ باطل ہے، اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ ان دو علتوں میں سے صرف ایک تاثیر کر سکتی ہے دوسری تاثیر نہیں کر سکتی تو یہ ترجیح بلا مرجح بھی ہے اور دوسرے کا عجز بھی ہے اور عجز الوہیت کے منافی ہے اور اگر ان مقدرات کو پیدا کرنے میں دونوں کا ارادہ متفق نہیں ہے بلکہ ایک پیدا کرنا چاہتا ہے اور دوسرا نہیں چاہتا تو دونوں کا ارادہ پورا ہو گا پھر لازم آئے گا وہ چیز بیک وقت ہو اور نہ ہو اور یہ اجتماع تقيضیں کو مستلزم ہے یا کسی کا ارادہ پورا نہیں ہو گا اور یہ ارتفاع تقيضیں کو مستلزم ہے اور یہ دونوں باطل ہیں اور یا ایک کا ارادہ پورا ہو گا اور دوسرے کا ارادہ پورا نہیں ہو گا تو جس کا ارادہ پورا نہیں ہو گا وہ مجبور ہو گا اور مجبور خدا نہیں ہو سکتا اس سے واضح ہو گیا کہ خدا ایک ہی ہے دوسرا خدا نہیں ہو سکتا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنُ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ

بعض لوگ اللہ کے غیر کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اور ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں،

اللَّهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ

اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ سب زیادہ اللہ سے محبت کرنے والے ہیں اگر یہ ظالم (دنیا میں اس عذاب کو) جان لیتے جس عذاب کو یہ

يَرُونَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ

تیا ت کد دن دیکھیں گے (تو یہ دنیا میں فوراً قرار کر لیتے) کہ تمام قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور یہ کہ اللہ سخت عذاب بخدا ہے

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا أَوْ أَوَّلَ الْعَذَابِ وَ

جس دن کد دن (دنیا میں) پیروی کی گئی تھی جبکہ (آخر میں) پیروی کرنے والوں سے بری الذمہ ہو جائیں گے اور عذاب کو دیکھ لیں

تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً

گے امدان کے تمام وسائل قطع ہو جائیں گے اور ان کی پیروی کرنے والے کیسے کاش ہمارے یہ دنیا میں لوٹنا (میں)

فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا وَامْنًا كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ

ہر تائب ہم ان سے اسی طرح بری الذمہ ہو جاتے جس طرح یہ ہم سے بری الذمہ ہو گئے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو باعوض

حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِمُخْرِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾

سرت بنا کر انہیں دکھائے گا، اور وہ نارِ جہنم سے ہرگز نکلنے والے نہیں ہیں

مومن کے نزدیک محبوبین کے مدارج

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بعض لوگ اللہ کے غیر کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اور ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود، علم، قدرت اور وحدانیت پر دلائل دیئے ہیں، اور اب فرما رہا ہے کہ ان عظیم اور واضح دلائل کے ہوتے ہوئے بعض لوگ انداد (غیر اللہ کو اللہ کا شریک) بناتے ہیں، انداد سے مراد وہ بت ہیں جن کی مشرکین اللہ کی طرح عبادت کرتے تھے، اور جس طرح مومنین اللہ سے برتاء حق محبت کرتے ہیں یہ مشرکین بتوں سے برتاء باطل محبت کرتے ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ انداد سے مراد ان کے کافر پیشوا ہیں جن کی وہ اللہ کی معصیت میں اطاعت کرتے تھے۔ اور جتنی محبت مشرکین اپنے بتوں سے کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ محبت مومنین اللہ سے کرتے ہیں، بلکہ مومن سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتا ہے، اور اس کی تعظیم اور تقدیس کرتا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا ہے اور آپ کی تعظیم اور توقیر کرتا ہے، پھر اپنے والدین کی تعظیم اور اطاعت کرتا ہے اس کے بعد اپنے نفس سے محبت کرتا ہے پھر اس کے بعد اپنے اہل و عیال، اقرباء، پڑوسیوں اور عام مسلمانوں سے محبت کرتا ہے۔ اسی طرح پہلے تعظیم اور محبت میں قرآن مجید کا مرتبہ ہے، پھر احادیث کا، پہلے مسجد حرام کا مرتبہ ہے اور پھر مسجد نبوی کا، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے زیادہ افضل ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی دعا کے مطابق مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ سے زیادہ محبوب ہے اور جس جگہ رسول اللہ ﷺ کا جسد اطہر آرام فرما ہے وہ جگہ کائنات کی ہر جگہ سے افضل ہے، پھر اس کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے مقابر اور مزارات کے مراتب ہیں اور حدود شرع کے مطابق ان کی تعظیم کرنا برحق ہے۔

البقرہ کی آیت: ۱۶۵ کے متعدد نحوی تراکیب کے اعتبار سے آٹھ معانی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر یہ ظالم (دنیا میں اس عذاب کو) جان لیتے۔

اس آیت کا ترجمہ بہت دقیق ہے اور عربی قواعد اور نحوی قوانین کے اعتبار سے اس کی متعدد ترکیبیں ہیں جن کی نوعیت خالص علمی ہے، ہم ان ابحاث کو چھوڑ کر صرف یہ ذکر کر رہے ہیں کہ مختلف تراکیب کے اعتبار سے اس آیت کے کیا معانی ہیں:

علامہ ابوالحیاء اندلسی لکھتے ہیں:

مٹانے اس آیت کا یہ معنی بیان کیا ہے : اگر یہ ظالم مشرکین قیامت کے دن کا عذاب دیکھ لیں تو یہ ضرور جانیں گے کہ تمام قدرت اللہ ہی کے لیے ہے اور بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔
ایک قول یہ ہے کہ اگر یہ لوگ دنیا میں اس عذاب کو جان لیتے جس عذاب کو یہ قیامت کے دن دیکھیں گے تو یہ ضرور اقرار کر لیتے کہ تمام قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (ہم نے اپنے ترجمہ میں اسی معنی کو اختیار کیا ہے)

زحری نے کہا ہے کہ معنی یہ ہے : اگر مشرکین یہ جان لیتے کہ تمام قدرت اللہ کو ہے نہ کہ ان کے خود ساختہ معبودوں کو، اور ظالموں پر عذاب کی شدت کو جان لیتے جب قیامت کے دن یہ عذاب کی شدت کا معائنہ کریں گے تو انہیں بڑی شدید حسرت اور ندامت ہوتی۔
(البحر المحیط ج ۲ ص ۹۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

لام رازی نے یہ معنی بیان کیا ہے :
اگر یہ ظالم اللہ کی قدرت اور اس کے عذاب کی شدت کو جان لیتے تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراتے۔
دوسرا معنی یہ بیان کیا ہے :

اگر قیامت کے دن عذاب کے مشاہدہ کے وقت یہ ظالم اپنے عاجز ہونے کو جان لیتے تو ضرور کہتے کہ تمام قدرت اللہ ہی کو ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔
(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۷۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)
علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

ابو عبید نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ اگر یہ ظالم دنیا میں عذاب آخرت کو دیکھ لیتے تو ضرور جان لیتے کہ تمام قوت اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور انہیں نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ اگر یہ ظالم اللہ کی قدرت اور اس کے عذاب کی شدت کو (حقیقتہً) جان لیتے تو خدا کا شریک بننے کے نقصان سے بچ جاتے۔

ایک قراءت میں ”ولوری“ کی جگہ ”ولوتری“ ہے، خطاب آپ کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے اس صورت میں معنی یہ ہے : اور اے محمد! اگر آپ ان ظالموں کو عذاب کا مشاہدہ کرتے وقت دیکھ لیتے تو آپ ضرور جان لیتے کہ تمام قدرت اللہ ہی کو ہے۔

حلائکہ آپ اس امر کو جانتے تھے اس لیے یہاں خطاب آپ کو ہے اور اس سے مراد آپ کی امت ہے۔
(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۰۵-۲۰۴، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

گمراہ کرنے والے متبوعین کا اپنے تابعین سے قیامت کے دن بری ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جن لوگوں کی دنیا میں پیروی کی گئی تھی : لایہ (۳۱)

اللہ، ظالموں کو دیکھ لیں گے تو اپنے متبعین کے کفر سے بری ہو جائیں گے، سدی نے کہا ہے کہ گمراہ کرنے والے شیاطین انسانوں سے بری ہو جائیں گے، اور ایک قول یہ ہے کہ ہر گمراہ کرنے والا متبوع اپنے تابع سے بری ہو جائے گا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اسباب منقطع ہو جائیں گے۔

جب کے معنی ہیں وہ رسی جس سے کسی چیز کو بندھ کر کھینچتے ہیں، پھر اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے کہ جس سے

کسی چیز کو کھینچا جائے، یہاں اسباب سے کیا مراد ہے! اس میں مختلف اقوال ہیں: مجاہد نے کہا اس سے مراد ہے دنیا میں جن کے ساتھ کافر مل جل کر رہتے تھے، ابن جریج نے کہا جن رشتہ داروں کے ساتھ وہ دنیا میں شفقت کرتے تھے، سدی نے کہا جن اعمال کو وہ نیکی سمجھ کر لازماً کرتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا جو وہ عہد و پیمان کرتے تھے اور حلف اٹھاتے تھے، خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں جن لوگوں اور جن چیزوں کو وہ نجات کا سبب سمجھتے تھے آخرت میں وہ سب ان سے منقطع ہو جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (ان کی) پیروی کرنے والے کہیں گے کاش ہمارے لیے دنیا میں لوٹنا (ممکن) ہوتا تو ہم ان سے اسی طرح بری الذمہ ہو جاتے۔ (الایۃ: ۱۶۷)

تابعین اپنے متبوعین کے جواب میں کہیں گے کہ کاش دنیا میں دوبارہ لوٹ کر جانا ہوتا تو ہم بھی ان سے اسی طرح بری الذمہ ہو جاتے ہیں جس طرح آج یہ ہم سے بری الذمہ ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی طرح اللہ ان کے اعمال کو باعث حسرت بنا کر دکھائے گا۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے اپنی سندوں کے ساتھ اس آیت کی دو تفسیریں نقل کی ہیں:

(۱) سدی بیان کرتے ہیں کہ کافروں کو جنت دکھائی جائے گی اور جنت میں ان کے مکان دکھائے جائیں گے کہ اگر وہ اللہ کی اطاعت کر لیتے تو یہ مکان ان کو دے دیئے جاتے پھر وہ مکان مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے اور وہ کافروں کے وارث ہوں گے اس وقت کافروں کو ندامت اور حسرت ہوگی۔

(۲) ابن زید اور ربیع وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ ان کے برے اعمال دکھائے گا پھر ان کو حسرت اور پشیمانی ہوگی کہ انہوں نے کیوں برے عمل کیے اور کیوں نہ اچھے عمل کیے تاکہ وہ عذاب سے نجات پا جاتے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۳۵-۳۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ یہ دوسری تاویل آیت کے زیادہ مناسب ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا

اے لوگو! زمین کی ان چیزوں میں سے کھاؤ جو حلال طیب ہیں، اور شیطان کے قدموں کی پیروی

خُطُوتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۱۶۸﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ

نہ کرو، بیشک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے وہ بہتیں صرف برائی اور بے حیائی کے کاموں

وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۶۹﴾ وَإِذَا قِيلَ

کا حکم دیتا ہے اور اللہ کے متعلق ایسی بات کہنے کا حکم دیتا ہے جس کو تم نہیں جانتے اور جب ان کے

کا حکم دیتا ہے اور اللہ کے متعلق ایسی بات کہنے کا حکم دیتا ہے جس کو تم نہیں جانتے اور جب ان کے

لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا

ہم اس کی پیروی کر رہے ہیں جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے

آلے کو کان آباؤہم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون ﴿۱۷۸﴾

باپ دادا کو پایا خواہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یا ایہا الناس اعبدوا ربکم سے امور دین کو تفصیل سے بیان فرمایا تھا اور اب یا ایہا الناس کلوا مما فی الارض سے دنیاوی امور کو بیان فرما رہا ہے دین روح کی غذا ہے اور کھانا پینا جسم کی غذا ہے پہلے اللہ تعالیٰ نے روح کی غذا کا تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور اب جسم کی غذا کا تفصیل سے بیان فرما رہا ہے تاکہ روح کی ترقی اور بدن کی نشوونما دونوں کے صحیح ذرائع میسر ہو جائیں۔

تقیف خزانہ اور بنو مدح نے اپنے اوپر کچھ جانوروں کو حرام کر لیا تھا ان کے رد میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

حلال اور طیب اور گناہ اور بدعت کا معنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : زمین کی ان چیزوں سے کھاؤ جو حلال طیب ہیں اور شیطان کی پیروی نہ کرو۔ (الایۃ : ۱۷۸) جس چیز سے حرمت کی گرہ کھل گئی ہو وہ حلال ہے اور طیب وہ چیز ہے جو حلال ذرائع سے حاصل ہوئی ہو سہل بن عبد اللہ نے کہا کہ نجات تین چیزوں میں ہے حلال کھانا فرائض کو ادا کرنا اور نبی ﷺ کی اقتداء کرنا۔ نیز سہل نے کہا حلال مل وہ ہے جو سود حرام رشوت خیانت مکروہ اور شبہ سے محفوظ ہو۔

جو کلام شریعت کے مخالف ہو وہ شیطان کا طریقہ ہے اگر اس کو کار ثواب اور نیکی سمجھ کر کیا جائے تو وہ بدعت ہے اور اگر اس کو برا سمجھ کر کیا جائے تو وہ گناہ ہے مثلاً ماتم اور تعزیہ داری شریعت کے خلاف ہے اور اس کو نیکی سمجھ کر کیا جاتا ہے یہ بدعت ہے اور چوری اور قتل بھی شریعت کے خلاف ہیں اور ان کو برا سمجھ کر کیا جاتا ہے یہ گناہ ہیں خلاصہ یہ ہے کہ بدعت اور گناہ کا عمل کرنا شیطان کے قدموں پر چلنا ہے اور اس کے طریقہ کی پیروی کرنا ہے۔

سوء اور فحشاء کا معنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی (کے کلاموں) کا حکم دیتا ہے اور اللہ کے متعلق ایسی بات کہنے کا حکم دیتا ہے۔ (الایۃ : ۱۷۹)

سوء کے معنی ہیں برائی اور فحشاء کے معنی ہیں بے حیائی ہر وہ کلام جس سے شریعت نے منع کیا ہو وہ سوء اور فحشاء ہے قرآن مجید میں فحشاء کا اطلاق زیادہ تر زنا پر آیا ہے اور ایک جگہ اس کا اطلاق بخل پر ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا جس کلام پر حد نہ ہو وہ سوء ہے اور جس پر حد ہو وہ فحشاء ہے۔

مشرکین بحیرہ سائبہ و صلیہ اور حام (بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور) کو حرام قرار دیتے تھے اور یہ گمان کرتے تھے کہ ان جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان جانوروں کو اللہ نے حرام نہیں کیا لیکن یہ مشرکین

اللہ پر افتراء باندھتے ہیں، اور اس آیت میں یہ بتلایا کہ شیطان نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف اس تحریم کو منسوب کرنے کا حکم دیا ہے۔

جب اونٹنی پانچ بچے لیتی جن میں آخری نہ ہوتا تو مشرکین اس کے کان کو چیر دیتے اور اس پر سوار ہونے، بوجھ لادنے اور اس کے ذبح کو حرام کر دیتے اور اس کو ذبح نہ کرتے اور جب کوئی شخص دور دراز کے سفر سے واپس آتا یا بیماری سے تندرست ہوتا یا کسی جنگ یا مصیبت سے نجات پاتا تو وہ اعلان کر دیتا کہ میری اونٹنی بتوں کے لیے چھوڑی گئی ہے اور اس پر سواری اور اس کے ذبح کو حرام کر دیتا اور اس کو کسی جگہ بھی گھاس چرنے یا پانی پینے سے منع نہ کیا جاتا اس کو ساتھ کتے تھے جب کوئی اونٹنی یکے بعد دیگرے ملہ کو جنم دیتی تو اس کو بھی بتوں کے تقرب کے لیے ذبح نہیں کرتے تھے اس کو وید کہتے تھے اور جب ایک معین تعداد میں اونٹ جفتی کر لیتا تو اس کو بھی بتوں کے لیے چھوڑ دیتے اس کو حام کہتے تھے (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا تھا۔ (الایہ : ۱۷۰)

مشرکین سے جب کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام نہیں کیا ان کا کھانا جائز ہے سو ان کو ذبح کر کے کھاؤ اور ان سے نفع اٹھاؤ تو وہ کہتے کہ ہم اپنے باپ دادا سے یہی سنتے چلے آئے ہیں کہ ان جانوروں کا کھانا حرام ہے ہم ان ہی کی پیروی کریں گے خواہ ان کے باپ دادا بے علم اور بے ہدایت ہوں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفر اور معصیت میں آباء و اجداد کی تقلید کرنا باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تقلید کی مذمت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جن کی تقلید کی جارہی تھی وہ بے علم اور بے ہدایت تھے۔

تقلید کی تعریف

مسائل فرعیہ تقیہ میں تقلید کرنا جائز ہے، تقلید کی تعریف ہے کسی شخص کے قول کو بلا دلیل قبول کرنا، کیونکہ عام آدمی میں اتنی اہلیت نہیں ہوتی کہ وہ کتاب اور سنت سے مسائل کا استنباط کر سکے اس لیے وہ ہر پیش آمدہ مسئلہ میں علماء سے رجوع کرے گا اور علماء اس کو اللہ اور رسول کا جو حکم بتائیں گے وہ اس پر عمل کرے گا اسی طرح تمام علماء بھی تمام احکام شرعیہ کو براہ راست کتاب، سنت، آثار صحابہ، اجماع اور قیاس سے نہیں نکل سکتے اور وہ اس معاملہ میں کسی فقیہ اور مجتہد کے استنباط کردہ مسائل پر اعتماد کرتے ہیں جس کی فقہ اور جس کے اجتہاد پر انہیں وثوق ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے :

فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے سوال کرو۔

(النحل : ۴۳)

امت کا اس پر اجماع ہے کہ عقائد میں تقلید کرنا جائز نہیں ہے، ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ کتاب اور سنت اور عقل سے غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے واحد ہونے کا علم حاصل کرے اور دلیل سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا حضرت محمد ﷺ کی نبوت کو حق جانے اور مانے۔ شرح صحیح مسلم جلد ثالث میں ہم نے تقلید اور اجتہاد پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے اس موضوع پر بصیرت حاصل کرنے کے لیے اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا

اند کا ٹھنڈی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ایسے شخص کو پکارتے جو بلانے اور آواز دینے کے سوا اور کچھ نہ سنتا ہو، یہ

دُعَاءٌ وَنِدَاءٌ ط صَمُّكُمْ عَمِّي فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۴۱﴾ يَا أَيُّهَا

بہے، گونگے، اندھے ہیں تو یہ کچھ نہیں سمجھتے

الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ

ایمان والو ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو تم کو دی ہیں، اور اللہ کا شکر ادا کرو

إِن كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۱۴۲﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالْدَّمَ

اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو اللہ نے تم پر جس کا (کھانا) حرام کیا ہے، وہ صرف مردار

وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَن اضْطَرَّ غَيْرَ

خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ سو جو شخص مجبور ہو جائے جبکہ

بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۴۳﴾

وہ نافرمان کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر (کھانے یا شہاں میں) کوئی گناہ نہیں جنسے شک اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے

نعم کا معنی

نعم کا معنی ہے : چرواہے کا اپنی بکریوں کو ڈانٹنا اور للکارنا

اس آیت میں جو مثل دی گئی ہے اس کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں :

(۱) نبی ﷺ کفار کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور وہ اس دعوت پر کلن نہیں دھرتے اور لبیک نہیں کہتے اس کی مثل ایسے ہے جیسے کوئی موشیوں کو چرانے والا اپنی بکریوں اور لونٹوں کو آوازیں دے کر بلاتا رہا ہو اور وہ جانور اس کی صرف آواز سن رہے ہوں اور ان کو پتا نہ چل سکے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، عکرمہ، سدی، زجاج، فرامہ اور سیوسہ وغیرہ سے یہ تفسیر منقول ہے۔

(۲) کفار اپنے باطل معبودوں کو جو پکارتے ہیں اس کی مثل ایسے ہے جیسے کوئی آدمی رات کو چلا رہا ہو اور اس کی آواز گونج

رہی ہو۔

(۳) کفار اپنے جوں کو جو پکارتے ہیں اس کی مثل ایسے ہے جیسے کوئی چرواہا اپنے گم شدہ موشیوں کو پکار رہا ہو اور اس کو پتا

نہ ہو کہ وہ موشی کھل ہیں۔

”صم بکم عی“ کی تفسیر البقرہ : ۱۸ میں گزر چکی ہے۔

حرام کھانے کا وہیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں، اور اللہ کا شکر لو کرو۔ (الایۃ : ۱۷۲)

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک چیز کے سوال اور کسی چیز کو قبول نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو حکم دیا تھا سو فرمایا : اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو، میں تمہارے کاموں سے باخبر ہوں، اور فرمایا اے مسلمانو! ہماری دی ہوئی چیزوں سے پاک چیزیں کھاؤ، پھر آپ نے ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے اس کے بل غبار آلود ہیں، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے یا رب! یا رب! اس کا کھانا پینا حرام ہو، اس کا لباس حرام ہو اس کی غذا حرام ہو تو اس کی دعا کیسے قبول ہوگی!

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی، ۷۵-۷۳ھ)

اس حدیث کو امام دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۲۱۱-۲۱۰، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

شکر کا معنی البقرہ : ۱۵۲ کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ نے تم پر جس (کا کھانا) حرام کیا ہے، وہ صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

حرام کیے ہوئے مردہ جانوروں میں سے مستثنیات کا بیان

میتہ (مردار) : ذبح کیے جانے والے جانوروں میں سے جو جانور بغیر ذبح کے اپنی طبعی موت مر گیا ہو اس کو مردار کہتے ہیں۔

قرآن مجید کی اس نص قطعی سے ہر مردار کا کھانا حرام ہے، تاہم اس کے عموم سے سمندر کے مردہ جانوروں کو خاص کر لیا گیا ہے، قرآن مجید میں ہے :

أَحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَارَةِ (المائدہ : ۹۶)

تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

امام احمد اور امام شافعی کے نزدیک مچھلی ہو یا کوئی اور سمندری جانور سب بغیر ذبح کے حلال ہیں، امام مالک کے نزدیک سمندری خنزیر کے علاوہ سب حلال ہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف مچھلی حلال ہے باقی سمندری جانور حرام ہیں، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں مچھلی کے علاوہ باقی سمندری جانور سے گھن آتی ہے اور گھناؤ نے جانور حرام ہیں، قرآن مجید میں ہے ویحرم علیہم الخبائث (الاعراف : ۱۵۷) اور ناپاک چیزیں آپ ان پر حرام کرتے ہیں۔

امام احمد نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے، اور اس حدیث سے کہ : نبی ﷺ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱، طبع مجبائی لاہور) امام احمد نے فرمایا یہ حدیث سو حدیثوں سے بہتر ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا سمندر کے طعام سے مراد سمندر کے مردار جانور ہیں، البتہ جو جانور طبعی

موت سے مر کر سح آب کے لوپر آجائے وہ بدبودار ہو جاتا ہے اس کا کھانا بدبو کی وجہ سے مکروہ ہے۔
(المنی ج ۹ ص ۳۱۵-۳۱۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

لحم ملک کے نزدیک قرآن مجید کے حکم عام کی سنت سے تخصیص جائز نہیں ہے اس لیے اگر ٹڈی اپنی طبعی موت سے مر جائے تو اس کا کھانا ان کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ وہ خشکی کا شکار ہے اور بغیر ذبح کے اللہ تعالیٰ نے صرف سمندر کا شکار حلال کیا ہے۔ اور لحم ابو حنیفہ، لحم شافعی اور لحم احمد کے نزدیک مچھلی اور ٹڈی کو بغیر ذبح کے کھانا جائز ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے :

لحم ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں، رہے مردار تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں اور رہے دو خون تو وہ کلبی اور تلی ہیں۔

(سنن ابن ماجہ ص ۲۳۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو لحم احمد (۱) اور لحم دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۷۲، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

غزبر کی تحقیق

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

اسی طرح حضرت جابر کی غزبر کے متعلق حدیث ہے جس کی سند صحیح ہے اور وہ عموم قرآن کی تخصیص کرتی ہے اس کو لحم بخاری اور لحم مسلم نے روایت کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۱۷، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

ان حدیثوں کو بیان کرنے سے پہلے ہم غزبر کا معنی بیان کرنا چاہتے ہیں :

علامہ محمد الدین فیوز آبادی لکھتے ہیں :

غزبر ایک خوشبودار چیز ہے، یہ سمندری جانور کی لید ہے، یا سمندر کی گہرائی میں چشمہ سے نکلتی ہے، (ازہری نے کہا) یہ ایک سمندری مچھلی ہے، بعض نے کہا یہ زعفران ہے، بعض نے کہا یہ سمندری مچھلی کی ڈھل ہے۔

(قاموس ج ۲ ص ۳۷۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ زبیدی سمندری مچھلی کی تشریح میں لکھتے ہیں : اس مچھلی کا طول پچاس ذراع (پچتر فٹ) ہوتا ہے۔

(تاج المعوس ج ۳ ص ۲۲۱، مطبوعہ المطبعۃ الخیرۃ مصر ۱۳۰۶ھ)

لحم بخاری لکھتے ہیں : حضرت ابن عباس نے فرمایا غزبر دھینہ نہیں ہے وہ ایک چیز ہے جس کو سمندر نکل کر (ساحل

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۴۸۸ھ)

پر) پھینک دیتا ہے۔

حکیم مظفر حسین امون لکھتے ہیں :

یہ ایک مچھلی (سرم ویل) کے شکم سے نکلتا ہے اور سمندر میں سطح آب پر تیرتا ہوا یا ساحل بحر سے ملتا ہے اس کی

(۱) لحم احمد بن حنبل حنفی ۱۴۱۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۷، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ

صورت اکثر گول ہوتی ہے (اس لیے اسے شلہ بھی کہتے ہیں) اس کا وزن نصف سیر سے لے کر دس سیر تک ہوتا ہے یہ موی مادہ ہے جو سرد پانی میں حل نہیں ہوتا لیکن گرم پانی میں گداز ہو جاتا ہے اور چکنا محسوس ہوتا ہے، قبر اشب بہترین خیال کیا جاتا ہے اشب اس سیاہ رنگ کو کہتے ہیں جس میں سفیدی غالب ہو، رنگ : بھورا یا سیاہی مائل و چکنا اور سنگ مرمر کی طرح جو ہر دار، ذائقہ : قدرے تلخ و خوشبودار، مزاج گرم اور خشک، مقام پیدائش : سپرم ویل برازیل، امریکہ کے جنوبی ساحل، کھمبند اور خلیج بنگال میں پائی جاتی ہے اس کی تجارت کے مرکز ممبیسہ اور دارالسلام ہیں، افعال و استعمال : مفرح اور مقوی قلب و دماغ ہے حواس کو تقویت دیتا ہے، زیادہ تر اعصاب، دماغ اور قلب کے امراض میں مستعمل ہے۔ (کتاب المفردات ص ۳۶۶، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی)

علامہ قرطبی نے عنبر کے متعلق جن حدیثوں کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں : امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ کی قیادت میں بھیجا ہم قریش کے قافلہ کو تلاش کر رہے تھے، زاد راہ میں ہمارے پاس صرف کھجوروں کی ایک تھیلی تھی، حضرت ابو عبیدہ ہمیں ہر روز ایک ایک کھجور دیتے تھے، راوی نے پوچھا آپ اس ایک کھجور کو کس طرح کھاتے تھے، حضرت جابر نے کہا ہم اس کو اس طرح چوستے تھے جس طرح بچہ چوستا ہے، پھر ہم اس کے بعد پانی پی لیتے تھے تو وہ ہمیں ایک دن اور رات کے لیے کافی ہوتی تھی، اور ہم لاشیوں سے درختوں کے پتے جھاڑتے پھر ان کو پانی میں بھگو کر کھالیتے تھے۔ ایک دن ہم ساحل سمندر پر گئے وہیں کنارے پر ایک بڑے نیلے کی مانند کوئی چیز پڑی ہوئی تھی، ہم اس کے پاس گئے دیکھا تو وہ ایک جانور ہے، جس کو عنبر کہا جاتا تھا۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا یہ مردار ہے۔ پھر کہا نہیں! ہم رسول اللہ ﷺ کے نمائندے ہیں اور اللہ کے راستے میں ہیں اور تم لوگ حالت اضطرار میں ہو سو اس کو کھاؤ، ہم لوگ تین سو تھے اور وہیں ایک ماہ ٹھہرے تھے اور اس کو کھا کر ہم موٹے ہو گئے تھے مجھے یاد ہے کہ ہم نے اس کی آنکھ کے ڈھیلے سے مشکوں سے بھر بھر کر اس جانور سے چربی نکالی تھی، اور اس میں سے نیل کے برابر گوشت کے ٹکڑے کاٹتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ نے ہم میں تیرہ آدمیوں کو لے کر اس کی آنکھ کے ڈھیلے میں بٹھادیئے اور اس کی ایک پسلی کو کھڑا کیا اور سب سے بڑے اونٹ کی پیٹھ پر کجلوہ کس کر اس کے نیچے سے گزار لیا، اور اس کے گوشت کو ابلال کر ہم نے زاد راہ تیار کر لیا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا یہ ایک رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا فرمایا ہے کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ ہے؟ اگر ہے تو ہمیں کھلاؤ، حضرت جابر کہتے ہیں پھر ہم نے اس میں سے کچھ گوشت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور آپ نے اس کو تناول فرمایا۔ (اس حدیث میں مچھلی پر عنبر کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے)

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۷، مطبوعہ نور محمد اصح المصالح کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۶-۸۲۵، مطبوعہ نور محمد اصح المصالح کراچی ۱۳۸۱ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ سپرم ویل مچھلی کے پیٹ سے نکلنے والے ایک خوشبودار موی مادہ کو عنبر کہتے ہیں اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سمندری مردہ جانوروں کو بغیر زنج کے کھانا جائز ہے اور یہ صحیح حدیث قرآن مجید میں میتہ کی عمومی حرمت کے لیے مخفص ہے۔

سطح آب پر آنے والی مردہ مچھلی کا شرعی حکم

جو پہلی طبی موت سے پانی کے اندر مرجئے اور بدودار ہو کر سطح آب پر ابھر آئے، لام شافعی کے نزدیک اس کو بھی کھانا جائز ہے، اور لام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا کھانا جائز نہیں ہے، لام ابو حنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے :

لام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو سمندر پھینک دے یا جس جانور سے پانی منقطع ہو جائے اس کو کھالو اور جو جانور پانی میں مر کر لوپر آجائے اس کو مت کھاؤ۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۷۸، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ)

ملکی اور غیر ملکی صلیبوں کو استعمال کرنے کا شرعی حکم
خشکی کے مردہ جانوروں کی چربی کو بھی کھانا اور استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔
لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام کر دیا ہے، آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! مردار کی چربی کے متعلق بتائیے کیونکہ اس چربی سے کشتیوں پر روغن کیا جاتا ہے اور اس کا تیل کھالوں پر لگایا جاتا ہے اور لوگ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں، آپ نے فرمایا نہیں! وہ حرام ہے، پھر اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے جب اللہ نے مردار کی چربی کو حرام کر دیا تو انہوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت کو کھلیا۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار کی چربی حرام ہے، اس کا بیچنا اور خریدنا جائز نہیں ہے اس کا استعمال بھی جائز نہیں ہے، عام طور پر مشہور ہے کہ صلیب میں مردار کی چربی ہوتی ہے خاص طور پر غیر ملکی صلیب میں، لیکن یہ امر یقینی نہیں ہے، اس لیے اس کا استعمال ناجائز نہیں ہو گا، نیز نفس چربی تو نجس ہے لیکن اگر چربی کسی چیز میں مل جائے اور وہ چیز کسی دوسری چیز کے ساتھ مل جائے تو وہ چیز شرعاً نجس نہیں ہو گی اس لیے صلیب ملکی ہو یا غیر ملکی اس کے استعمال سے ہاتھ یا بدن نجس نہیں ہو گا خصوصاً اس لیے کہ صلیب لگانے کے بعد ہاتھ یا بدن پر بغیر صلیب کے پانی بہا لیا جاتا ہے۔
علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اگر چربی میں چوہا گر جائے تو کیا کریں؟ آپ نے پوچھا کیا وہ جی ہوئی ہے؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا چوہے کو اور اس کے ارد گرد کی چربی کو پھینک دو اور اپنی چربی کھاؤ، صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ! اگر وہ چربی پکھلی ہوئی ہو تو؟ آپ نے فرمایا اس سے نفع حاصل کرو اور اس کو کھانا نہیں۔ اس حدیث میں نبی ﷺ نے اس کے کھانے سے منع فرمایا ہے اور اس کے علاوہ اس سے ہر قسم کے نفع حاصل کرنے کی اجازت دی ہے، حضرت ابن عمر، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور دیگر سلف صالحین نے اس قسم کی چربی سے نفع حاصل کرنے کو جائز کہا ہے، البتہ کھانے سے منع کیا ہے۔ ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ اس قسم کی چربی کو بیچنا جائز ہے اور بئرح کو اس کا عیب بیان کر دینا چاہئے۔

یہ بحث اس چربی میں ہے جس میں چوہا گر گیا ہو، مفتی محمد شفیع دہلوی نے اس کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔

ہے اور لکھا ہے : نیز اس وجہ سے بھی کہ بعض صحابہ کرام، ابن عمر، ابو سعید خدری، ابو موسیٰ اشعری نے مردار کی چربی کا صرف کھانے میں استعمال حرام قرار دیا ہے، خارجی استعمال کی اجازت دی ہے، اس لیے اس کی خرید و فروخت کو بھی جائز رکھا ہے۔ (بصا ص (معارف القرآن ج ۱ ص ۳۱۸، مطبوعہ لدارۃ المعارف ۱۳۳۳ھ)

مفتی صاحب کا یہ استنباط صحیح نہیں ہے نہ مذکور الصدر صحابہ کرام کا یہ نظریہ ہے۔ نہ علامہ جصاص کی یہ عبارت مطلقاً مردار کی چربی کے متعلق ہے بلکہ یہ بحث اس پکھلی ہوئی چربی میں ہے جس میں چوہا گر گیا ہو۔ علامہ جصاص اس بحث کے اخیر میں لکھتے ہیں :

یہ چربی ان کے نزدیک مردار کی چربی کے قائم مقام نہیں ہے، کیونکہ وہ مردار کے گوشت کی طرح بعینہ حرام ہے، اور جس پکھلی ہوئی چربی میں چوہا گر گیا ہو وہ بعینہ حرام نہیں ہے مردار کی مجبورت سے اس کا صرف کھانا حرام ہے اور اس سے باقی ہر طرح کا نفع حاصل کرنا جائز ہے۔

علامہ جصاص نے اس حدیث سے یہ اصول مستنبط کیا ہے :

جو چیز فی نفسہ نجس ہو وہ کسی چیز میں گر جائے تو جتنے حصہ میں وہ نجس چیز ہوگی اس نجس چیز کی مجبورت کی وجہ سے وہ حصہ نجس ہو جائے گا اور جو حصہ اس نجس حصہ سے مجبور ہے وہ نجس نہیں ہوگا، کیونکہ جس حصہ میں چوہا گر اس کو آپ نے نجس فرمایا اور چربی کا باقی حصہ جو اس حصہ سے ملا ہوا ہے اس سے نفع حاصل کرنے کو جائز فرمایا۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۸-۱۹، مطبوعہ سیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۰۰ھ)

اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض صابن میں مردار کی چربی ہو تب اس چربی کی وجہ سے صابن نجس ہو گا لیکن صابن جب بدن پر ملا جائے گا تو اس سے بدن نجس نہیں ہو گا کیونکہ جو چیز کسی کی مجبورت کی وجہ سے نجس ہو وہ دوسری چیز کو نجس نہیں کرتی اور اگر بالفرض نجس ہو تب بھی پانی بہا لینے کے بعد کسی قسم کی نجاست نہیں رہی، اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ مردار کی چربی سے صابن بنانا ناجائز ہے، لیکن جو صابن بالفرض اس چربی سے بنا ہوا ہو اور اس میں دیگر اور بہت سے کیمیائی مادے شامل ہوں تو اس صابن کو استعمال کرنا مردار کی چربی کو استعمال کرنا نہیں ہے، جب کہ ظن غالب یہ ہے کہ مسلمان اور عیسائی ممالک میں مذبح جانور کی چربی کو استعمال کیا جاتا ہے، اس لیے ملکی اور غیر ملکی صابنوں کو استعمال کرنا جائز ہے اور ان سے ہاتھ یا بدن نجس نہیں ہوتا۔

بہائے ہوئے خون کا بالاجمل حرام ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ نے تم پر جس کا کھانا حرام کیا ہے وہ صرف مردار، خون.....

اس آیت میں مطلقاً "خون کو حرام فرمایا ہے اور سورۃ الانعام میں اس کو بہائے ہوئے خون کے ساتھ مقید فرمایا ہے :

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر جو وحی کی جاتی ہے اس میں کسی

کھانے والے کے کھانے پر کوئی چیز حرام نہیں کی گئی ماسوا مردار یا

بہائے ہوئے خون یا خنزیر کے گوشت کے بے شک وہ (خنزیر)

نجس ہے یا وہ نق (جانور) جس کی ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا

ہو، سو جو شخص مجبور ہو جائے (اور) وہ نافرمانی کرنے والا اور حد

قُلْ لَا آجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى

طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا

أَوْ لَحْمِ خَنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رَجَسٌ أَوْ فِسْقًا أُهْلًا لِغَيْرِ اللَّهِ

بِهِ فَمَنْ أَضْطَرَّ غَيْرَ بَاعٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ

رَحِيمٌ (الانعام : ۱۴۵)

سے بڑھنے والا نہ ہو (اور وہ ان کو کھالے یا استعمال کر لے) تو آپ کا رب بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

تمام ائمہ اور مجتہدین نے یہاں مطلق کو مقید پر محمول کیا ہے اور یہاں خون سے بہلیا ہوا خون مراد ہے، کیونکہ جو خون گوشت کے ساتھ مخلوط ہوتا ہے وہ بلا اجماع حرام نہیں ہے، اسی طرح جگر اور تلی کے حلال ہونے پر بھی اجماع ہے اور مچھلی کے ساتھ جو خون لگا ہوا ہوتا ہے وہ حرام اور نجس نہیں ہے۔

ضرورت کی وجہ سے ایک شخص کے جسم میں دوسرے شخص کے خون کو منتقل کرنے کا جواز

قرآن مجید کی ان مذکور الصدر دونوں آیتوں میں شرعی ضرورت کے بغیر مردار اور خون وغیرہ کو حرام کیا گیا ہے اور جب شرعی ضرورت متحقق ہو یعنی ان چیزوں کے استعمال سے جان بچانے کا مسئلہ ہو یا بیماری کو زائل کرنا اور صحت کو قائم رکھنا مقصود ہو تو پھر ان چیزوں کے استعمال میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ
اللہ تعالیٰ نے دین کے احکام میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی۔
(الحج : ۷۸)

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم صرف آسان احکام بیان کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو، اور مشکل احکام بیان کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

دین سے مشقت اور بوجھ کو اٹھایا گیا ہے اور شریعت میں قاعدہ یہ ہے کہ جس عبلت کی ادائیگی میں امت کو حرج اور ثقل ہو وہ عبلت امت سے اٹھالی گئی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ مضطر (مجبور) مردہ کھا لیتا ہے، اور مریض روزہ توڑ دیتا ہے اور تیمم کر لیتا ہے اس کی اور مثالیں بھی ہیں۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۲۲، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران ۱۳۸۷ھ)

مجبوری کی بعض حالتوں میں ایک بیمار یا زخمی انسان کے جسم میں دوسرے انسان کے خون کو منتقل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، ایک وجہ یہ ہے کہ جب کسی حلوہ کی بناء پر جسم سے بہت زیادہ خون نکل جائے جس کی وجہ سے فوری طور پر اس کی جان بچانے کے لیے اس کے جسم میں خون منتقل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کا جگر خون بتنا بند کر دیتا ہے، اس وقت اس کو زندہ رکھنے کے لیے اس کے جسم میں مسلسل خون منتقل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، تیسری وجہ بلند کینسر (خون کا سرطان) ہے جس میں بعض لوقت ہر ملہ جسم کا پورا خون بدلنا پڑتا ہے چوتھی وجہ کوئی بڑا آپریشن ہے (مثلاً دل کا بلی پاس آپریشن) جس کی وجہ سے بعض لوقت جسم کا اتنا خون نکل جاتا ہے کہ اگر اس کے جسم میں دوسرا خون نہ منتقل کیا جائے تو اس کی زندگی خطروں میں پڑ جاتی ہے۔

یہ تمام اضطرار کی صورتیں ہیں اور قرآن مجید نے اضطرار کی صورت میں خون کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، اس لیے ان صورتوں میں ایک شخص کے جسم میں دوسرے شخص کا خون منتقل کرنا جائز ہے۔

حرام چیزوں سے علاج کی ممانعت کے متعلق احادیث

بعض علماء مذکور ذیل احادیث کی بناء پر حرام دلوں سے علاج کو ناجائز کہتے ہیں خو لو مریض مر جائے مگر حرام چیزوں

سے علاج نہ کرے۔

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں نازل کی ہیں اور ہر بیماری کے لیے دوا ہے سو تم دوا کرو اور حرام دوا نہ لو۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۸۵، مطبوعہ مطبع مجبلیٰ پاکستان، لاہور ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خبیث دوا سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۸۵، مطبوعہ مطبع مجبلیٰ پاکستان، لاہور ۱۴۰۵ھ)

حضرت سید بن طارق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے شراب کے متعلق پوچھا آپ نے اس سے منع فرمایا، انہوں نے پھر سوال کیا، آپ نے پھر منع فرمایا، انہوں نے کہا یا نبی اللہ یہ دوا ہے، آپ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ بیماری ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۸۵، مطبوعہ مطبع مجبلیٰ پاکستان، لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نشہ آور چیزوں کے متعلق فرمایا اللہ نے ان چیزوں میں تمہاری شفا نہیں رکھی جن کو تم پر حرام کیا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۰، مطبوعہ نور محمد اصح المصالح کراچی، ۱۴۳۸ھ)

مفتی محمد شفیع دیوبندی نے صحیح بخاری کی اس حدیث کو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد لکھا ہے (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۲۶) حالانکہ صحیح بخاری میں یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

علامہ علی متقی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۵۳، مطبوعہ مؤستہ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۵ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میری بیٹی بیمار ہو گئی میں نے اس کے لیے ایک کوزہ میں نمیز بنایا، نبی ﷺ تشریف لائے اس وقت نمیز میں جوش آ رہا تھا، آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا میری بیٹی بیمار تھی سو میں نے اس کے لیے یہ نمیز بنایا ہے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس چیز میں تمہاری شفا نہیں رکھی جس کو تم پر حرام کیا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۲۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ (۱)، امام ابن حبان (۲) اور امام بیہقی (۳) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو علامہ علی متقی نے بھی بیان کیا ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۵۲، مطبوعہ مؤستہ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۵ھ)

حافظ ابی شیبہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۸۶، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ)

علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۲۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

(۱) امام احمد بن علی المثنیٰ الشیبی الموصلی المتوفی ۳۰۷ھ، مسند ابو یعلیٰ ج ۶ ص ۲۷۰، مطبوعہ دار المامون تراث بیروت، ۱۴۰۴ھ

(۲) امام ابو حاتم محمد بن حبان بقی متوفی ۳۵۳ھ، موارد النعمان ص ۳۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

(۳) امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۳۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۵، مطبوعہ نشر النستہ ملتان

تمام اسلام کے نزدیک احادیث مذکورہ کا محمل

لام بہی تحریر فرماتے ہیں :

یہ دونوں حدیثیں (اللہ نے حرام میں شفا نہیں رکھی، اور حرام دوا سے علاج نہ کرو) اگر صحیح ہوں تو ان کا محمل یہ ہے کہ نشہ آور دوا سے علاج کرنا ممنوع ہے یا بغیر ضرورت کے ہر حرام دوا سے علاج کرنا ممنوع ہے تاکہ ان حدیثوں میں اور عریضین کی حدیث میں تطبیق رہے۔ (سنن کبریٰ ج ۱ ص ۵، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں :

ہمارے اصحاب (شافعیہ) کہتے ہیں کہ نجس چیز کو اس وقت بہ طور دوا استعمال کرنا جائز ہے جب اس کے قائم مقام پاک چیز نہ مل سکے اگر پاک چیز مل جائے تو پھر نجس چیز بلا اتفاق حرام ہے اور جس حدیث میں یہ ہے : اللہ نے اس چیز میں تمہاری شفا نہیں رکھی جس کو تم پر حرام کیا ہے اس کا یہی محمل ہے کہ جب حرام دوا کے علاوہ حلال دوا بھی موجود ہو تو پھر حرام دوا کا استعمال حرام ہے، اور جب حرام دوا کے علاوہ کوئی اور دوا موجود نہ ہو تو پھر وہ حرام نہیں ہے، ہمارے اصحاب نے کہا یہ اس وقت جائز ہے جب معالج طب کا عارف ہو اور اس کو علم ہو کہ اس دوا کا اور کوئی بدل نہیں ہے یا کوئی مسلمان نیک طبیب اس کی خبر دے، اور علامہ بغوی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ صرف ایک طبیب کی خبر بھی کافی ہے۔ (شرح المہذب ج ۹ ص ۵۱-۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ احمد قسطلانی شافعی لکھتے ہیں :

لام ابو داؤد نے حضرت ام سلیم (بلکہ ام سلمہ) سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے اس چیز میں تمہاری شفا نہیں رکھی جس کو تم پر حرام کیا ہے، یہ حالت اختیار پر محمول ہے لیکن ضرورت کے وقت یہ حرام نہیں ہے، جیسے ضرورت کے وقت مردار حرام نہیں ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱ ص ۲۹۳، مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس حدیث کا یہی محمل بیان کیا ہے کہ حالت اختیار میں حرام چیز میں شفا نہیں ہے اور ضرورت کے وقت حرام دوا سے علاج کرنا جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۳۳۸، مطبوعہ نشر کتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۰۱ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں :

چونکہ ان دو حدیثوں میں حرام چیز کے ساتھ علاج کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لیے عریضین کی حدیث (جس میں رسول اللہ ﷺ نے لونٹیوں کے پیشاب کو بہ طور دوا استعمال کر لیا اور عریضین تندرست ہو گئے) صحیح بخاری و صحیح مسلم) ضرورت کی صورت پر محمول ہے، کیونکہ زہر کے ساتھ علاج کرنا جائز ہے اور اس کا پیتا جائز نہیں ہے۔

(المباح لاحکام القرآن ج ۲ ص ۳۳۱، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں :

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس سے وہ صورت مراد ہے جب انسان کو حلال اور حرام دونوں دواؤں کے استعمال کا اختیار ہو، لیکن جب حرام دوا کے علاوہ اور کوئی دوا نہ ہو تو پھر وہ دوا شرعاً حرام نہیں رہے گی، جیسے ضرورت کے وقت حرام نہیں رہتا۔ (عمدة القاری ج ۳ ص ۱۵۵، مطبوعہ لواء البصائر المیریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

علامہ قاضی خلی حنفی لکھتے ہیں :

اس حدیث سے مراد وہ اشیاء ہیں جس میں شفاء نہیں ہے لیکن جب کسی چیز میں شفا ہو تو پھر اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ ضرورت کے وقت پیاسے کے لیے شراب پینا جائز ہے۔

(فتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص ۲۰۴، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیرہ بلاق مصر ۱۳۳۰ھ)

علامہ ابن براز کدوری حنفی لکھتے ہیں :

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ جب حرام دوا میں شفاء کا علم ہو تو پھر اس کا استعمال حرام نہیں ہے، جیسے پھنسے ہوئے لقمہ کو حلق سے اتارنے کے لیے (جب پانی نہ ہو تو) شراب کا گھونٹ پینا جائز ہے، اسی طرح پیاسے کے لیے شراب پینا جائز ہے۔

(فتاویٰ برازیہ علی حاشیہ الحندیہ ج ۶ ص ۳۶۵، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیرہ بلاق)

علامہ حموی حنفی لکھتے ہیں :

علامہ ترمذی نے شرح الجامع الصغیر میں تہذیب سے نقل کیا ہے کہ بیمار کے لیے مردار کھانا، اور خون اور پیشاب کو پینا جائز ہے، بہ شرطیکہ مسلمان طبیب یہ کہے کہ اس میں شفاء ہے اور اس کے قائم مقام جائز چیز نہ ملے۔

(غزیمون البصائر ج ۱ ص ۲۷۵، مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ ۱۳۰۵ھ)

علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں :

جس چیز میں شفاء ہو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے جس طرح ضرورت کے وقت پیاسے کے لیے شراب حلال ہے، صاحب حدایہ نے تجنیس میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ)

ضرورت کے وقت حرام چیزوں سے علاج کے متعلق احادیث اور فقہاء اسلام کی تشریحات

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عکل یا عرینہ سے کچھ لوگ آئے اور انہیں مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی، نبی ﷺ نے حکم دیا کہ وہ اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیئیں، جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے نبی ﷺ کے چرواہوں کو قتل کر دیا۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں :

امام بخاری نے اس حدیث کو آٹھ سندوں سے روایت کیا ہے، امام مسلم نے اس حدیث کو سات سندوں سے روایت کیا ہے، امام ابو داؤد اور امام نسائی نے بھی اس حدیث کو متعدد سندوں سے روایت کیا ہے۔

(عمدة القاری ج ۳ ص ۱۵۱، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية ۱۳۸۳ھ)

نیز اس حدیث کو امام ترمذی نے کتاب الطہارة، اطعمہ اور الطب میں روایت کیا ہے، امام ابن ماجہ نے کتاب الحدود میں روایت کیا ہے، امام احمد بن حنبل نے مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۲، ج ۳ ص ۳۷۰، ۲۸۷، ۲۰۵، ۱۹۸، ۱۷۷، ۱۷۱، ۱۰۷ میں روایت کیا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں :

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پیشاب پینا تو حرام ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس وقت حرام ہے جب دوسری دوا کا

میں اختیار ہو۔

(عمدة القاری ج ۳ ص ۱۵۵، مطبوعہ لادارۃ البیاعۃ المشریہ ۱۳۳۸ھ)

علامہ نووی شافعی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ خمر اور باقی نشہ آور مشروبات کے سوا ہر نجس چیز کے ساتھ علاج کرنا جائز ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۵۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۳۷۵ھ)

لیکن علامہ نووی نے شرح المہذب میں لکھا ہے کہ ضرورت کی بناء پر شراب سے بھی علاج جائز ہے۔ (شرح المہذب ج ۹ ص ۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہما کو ریشم کی قمیص پہننے کی اجازت دی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

علامہ نووی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث امام شافعی اور ان کے موافقین کے موقف پر صراحتہ "دلالت کرتی ہے کہ اگر مردوں کو خارش ہو تو ان کے لیے ریشم پہننا جائز ہے۔ (عمدة القاری ج ۳ ص ۱۹۱، مطبوعہ لادارۃ البیاعۃ المشریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

ملا علی قاری حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

جوؤں یا خارش کی وجہ سے ریشم پہننے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(مرقات ج ۸ ص ۲۳۲، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

عبدالرحمن بن طرفہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دلاو اعرفہ بن اسعد کی جنگ کلاب میں ناک کٹ گئی انہوں نے چاندی کی ناک لگالی، اس میں بدبو پیدا ہو گئی تو نبی ﷺ نے انہیں سونے کی ناک بنانے کا حکم دیا۔ امام ابو داؤد نے اس حدیث سے دانت کو سونے کے ساتھ باندھنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۲۵، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس حدیث سے دانت کو سونے کے ساتھ باندھنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۶۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام نسائی (۱) اور امام احمد (۲) نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

اس حدیث کی بناء پر سونے کی ناک لگانے اور سونے کے ساتھ دانت کے باندھنے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

(مرقات ج ۸ ص ۲۸۰، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ)

ہم نے اس بحث میں فقہاء احناف، فقہاء شافعیہ اور فقہاء مالکیہ کی تصریحات پیش کی ہیں کہ ضرورت کے وقت حرام

دولوں سے علاج کرنا جائز ہے، فقہاء حنبلیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض منع کرتے ہیں اور جمہور جائز کہتے ہیں، علامہ مولوی ضحلی لکھتے ہیں :

(۱) امام احمد بن حنبل نسائی حنفی ۳۴۰ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۸۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۲) امام احمد بن حنبل حنفی ۳۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۲۳، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۶۸ھ

جسور اصحاب کے نزدیک اضطراب کے وقت حرام چیز بہ قدر ضرورت کھانا جائز ہے اور اضطراب اس وقت ہے جب جان کی ہلاکت کا خدشہ ہو یا جان کے نقصان کا خدشہ ہو یا مرض کا خدشہ ہو یا مرض کے بڑھنے کا خدشہ ہو اور اگر مرض کے طول کا خدشہ ہو تو صحیح مذہب یہ ہے کہ پھر بھی اضطراب ہے۔ (الانصاف ج ۱۰ ص ۳۷۹-۳۸۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

صحت اور زندگی کی حفاظت کا حکم باقی تمام احکام پر مقدم ہے

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خون کی حرمت قطعی ہے اور خون نفل کرنے سے مریض کا بیچ جانا یا اس کا صحت یاب ہو جانا ظنی ہے اور ظنی فائدہ کی امید پر حرام قطعی کا ارتکاب کرنا جائز نہیں ہے، اور نبی ﷺ نے جو عرین کو بیماری میں اونٹنیوں کا پیشاب پلایا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعہ علم تھا کہ ان کی اسی سے شفا ہوگی اور وحی کا علم قطعی ہے، اس لیے اس سے معارضہ نہیں کیا جاسکتا، اور فقہاء نے شدید بھوک کی حالت میں مردار اور خنزیر کھانے کا جو جواز لکھا ہے اس سے بھی معارضہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ کسی چیز کے کھانے سے بھوک کا زائل ہونا قطعی ہے اور دوا سے بیماری کا علاج ظنی ہے، اسی طرح یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کہ فقہانے لکھا ہے کہ اگر حلق میں لقمہ پھنسا ہوا ہو اور کوئی اور پینے کی چیز نہ ملے تو شراب کا گھونٹ پی کر لقمہ کو حلق سے نیچے اتارنا جائز ہے کیونکہ کسی مشروب سے لقمہ کا حلق سے اتر جانا قطعی ہے اور دوا سے صحت اور شفا کا حاصل ہونا ظنی ہے اور ظنی کو قطعی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس اعتراض کی قوت اور متانت میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن معترض نے اس پر توجہ نہیں کی کہ جان کو بچانا اور صحت کو قائم رکھنا فرض ہے اور یہ فرض باقی تمام فرائض پر مقدم ہے اور خواہ جان بچانا اور مرض سے محفوظ رکھنا کسی ظنی امر پر موقوف ہو اس کے لیے فرض قطعی کو ترک کر دیا جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے :

وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا (النساء : ۲۹)

اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

(البقرہ : ۱۹۵)

رمضان میں روزہ رکھنا فرض قطعی ہے، لیکن اگر روزہ رکھنے سے بیمار پڑنے یا مرض بڑھنے کا خدشہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے رمضان میں روزہ نہ رکھنے اور بعد میں اس کو قضاء کرنے کا حکم دیا ہے :

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ (البقرہ : ۱۸۵)

تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو تو وہ ضرور اس ماہ کے روزے رکھے اور جو شخص بیمار یا مسافر ہو (اور روزے نہ رکھے) تو اسے دوسرے دنوں میں (قضا شدہ) عدد پورا کرنا لازم ہے، اللہ تم پر آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا اور تاکہ تم عدد پورا کرو۔

روزہ رکھنے سے بیماری لاحق ہونا یا بیماری کا بڑھنا اسی طرح سفر سے مشقت کا لاحق ہونا ایک امر ظنی ہے لیکن اس امر ظنی کی وجہ سے فرض قطعی کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے واضح ہو گیا کہ زندگی اور صحت کی حفاظت کرنے کا حکم باقی

حکم فرائض پر حدم ہے اور اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے حکم پر عمل کرنے کو صحت کی حفاظت پر مقدم کرے اور سفر کی مشقت برداشت کر کے روزہ رکھے تو وہ گنہگار ہو گا لام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ آپ نے روزہ رکھ لیا، حتیٰ کہ آپ کراع انعمیم پر پہنچ گئے، سو لوگوں نے بھی روزہ رکھ لیا تھا، پھر آپ نے پانی کا پیالہ منگیا اور اس کو لوپر اٹھا کر پی لیا، جس کو سب لوگوں نے دیکھ لیا، پھر آپ کو بتایا گیا کہ بعض لوگ بدستور روزہ سے ہیں اور ان پر روزہ دشوار ہو رہا ہے، آپ نے فرمایا یہ لوگ نافرمان ہیں! یہ لوگ نافرمان ہیں۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

علامہ نووی لکھتے ہیں :

یہ حدیث اس شخص پر محمول ہے جس کو سفر میں روزہ رکھنے سے ضرر ہو۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۳۵۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ صحت کو قائم رکھنا روزہ رکھنے پر مقدم ہے حالانکہ روزہ رکھنا فرض قطعی ہے، اور سفر میں روزہ رکھنے سے مشقت کا لاحق ہونا ایک امر ظنی ہے اور اس امر ظنی کی بناء پر اس فرض قطعی کو ترک کرنا واجب ہے اور اس پر عمل کرنا گنہگار ہے۔

نیز لام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، ہم میں سے بعض روزہ دار تھے اور بعض نے روزہ نہیں رکھا تھا، اس دن بہت سخت گرمی تھی، ہم نے ایک جگہ قیام کیا، ہم میں سے اکثر لوگ چاروںوں سے اپنے لوپر سلیہ کیے ہوئے تھے، اور بعض اپنے ہاتھوں سے اپنے اوپر سایہ کر رہے تھے، روزہ دار (بے ہوش ہو کر) گر گئے اور روزہ نہ رکھنے والوں نے ان پر سلیہ کیا اور ان پر پانی کے چھینٹے ڈالے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج روزہ نہ رکھنے والے اجر لے گئے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

علامہ مرغینالی حنفی لکھتے ہیں :

جو شخص رمضان میں بیمار ہو اور اس کو یہ خدشہ ہو کہ اگر اس نے روزہ رکھا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو وہ روزہ نہ رکھے اور قضاء کرے، لام شافعی کہتے ہیں کہ وہ روزہ رکھے وہ (روزہ نہ رکھنے کے لیے) جان کی ہلاکت یا عضو کی ہلاکت کا اعتبار کرتے ہیں اور ہم یہ کہتے ہیں کہ مرض کا زیادہ ہونا اور اس کا بڑھنا کبھی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے، اس لیے اس سے احتراز کرنا واجب ہے۔

(حدایہ لولین ص ۲۳۱، مطبوعہ شرکت طبہ ملکن)

مرض کا زیادہ ہونا ایک امر ظنی ہے، اسی طرح لام شافعی کے اعتبار سے روزہ رکھنے سے جان یا عضو کی ہلاکت بھی ایک امر ظنی ہے اور اس امر ظنی کی وجہ سے رمضان میں روزہ رکھنے کے قطعی حکم کے ترک کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ واجب قرار دیا گیا ہے، اس سے واضح ہو گیا کہ صحت اور زندگی کی حفاظت کا حکم باقی تمام احکام پر مقدم ہے۔

نیز علامہ مرغینالی حنفی لکھتے ہیں :

اگر ایک شخص مسافر ہو اور اس کو روزہ سے ضرر نہ ہو تو اس کا روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر وہ روزہ نہ رکھے تو جائز

ہے کیونکہ سفر مشقت سے خالی نہیں ہوتا اس لیے سفر میں نفس مشقت کو (روزہ نہ رکھنے کا) عذر قرار دیا گیا ہے اس کے برخلاف مرض میں تبھی روزہ رکھنے سے فائدہ ہوتا ہے (جیسے بیضہ میں) اس لیے مرض میں روزہ نہ رکھنے کے لیے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ روزہ رکھنے سے ضرر ہو۔

امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ سفر میں (مطلقاً) روزہ نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیک نہیں ہے۔ (صحیح بخاری)۔

ہمارے نزدیک یہ حدیث اس سفر پر محمول ہے جس میں مشقت ہو اور اگر مریض اور مسافر اسی حل میں مرجائیں تو ان پر قضا لازم نہیں ہے۔ (حدایہ اولین ص ۲۲۱، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

سفر میں مشقت کا لاحق ہونا بھی ایک امر ظنی ہے جس کی بناء پر رمضان میں روزہ کے قطعی حکم کو ترک کرنے کی رخصت دی گئی ہے۔

نیز علامہ المرغینانی حنفی لکھتے ہیں :

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں جب (رمضان میں) روزہ رکھنے سے اپنے لو پر یا اپنے بچہ کے لو پر (ضرر کا) خوف محسوس کریں تو روزہ نہ رکھیں اور قضا کریں تاکہ ان پر تنگی نہ ہو۔ (حدایہ اولین ص ۲۲۲، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کو روزہ رکھنے سے ضرر کا لاحق ہونا بھی ایک امر ظنی ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۱) علامہ علاء الدین حنفی لکھتے ہیں :

غلبہ ظن، علامات، تجربہ یا مسلمان ماہر طبیب کے بتانے سے اگر تندرست شخص کو روزہ رکھنے سے بیمار پڑنے کا خدشہ ہو تو ان کے لیے (رمضان میں) روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور جب وہ روزہ رکھنے پر قادر ہوں تو اس کی لازماً قضا کریں۔ (در مختار علی حاشی رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۱-۱۶۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

جو شخص بہت بوڑھا ہو یا جس کو ایسا مرض لاحق ہو جس سے شفا کی امید نہیں ہے (جیسے ذیابیطس اور ہائی بلڈ پریشر) اور اس وجہ سے اس کو روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو اس کے لیے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے اور اس پر ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کے طعام کا (دو کلو گندم) فدیہ دینا لازم ہے، قرآن مجید میں ہے :

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ط
اور جو لوگ روزہ کی طاقت نہ رکھتے ہوں، ان پر ایک مسکین کے طعام کا فدیہ لازم ہے۔ (البقرہ : ۱۸۳)

علامہ شامی لکھتے ہیں :

شیخ فانی اور جس شخص کو ایسا مرض لاحق ہو جس سے شفا کی امید نہ ہو، اس رخصت میں داخل ہیں۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۱۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

کسی مرض سے شفا کی امید نہ ہونا بھی امر ظنی ہے، جس کا مدار تجربہ، مشاہدہ اور طبیب کے قول پر ہے اور ان میں سے کوئی چیز قطعی نہیں ہے اور اس کی بناء پر دائماً "روزہ کو ترک کرنے اور اس کے بدلہ میں فدیہ دینے کا حکم دیا گیا ہے" حالانکہ روزہ کا حکم فرض قطعی ہے۔

امام بخاری نے ایک باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے : جب جنبی کو اپنے نفس پر موت کا یا مرض کا خدشہ ہو یا پیاس کا

مکرم ہو تو وہ تیمم کر لے اور اس کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے :

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سردی کی ایک رات میں جنبی ہو گئے انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت تلاوت کی :
وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ
رَحِيمًا (النساء : ۲۹)
اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر بہ حد
رحم فرمانے والا ہے۔

پھر نبی ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے اس پر ملامت نہیں کی، یعنی اس عمل کو صحیح قرار دیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

جنبی کے لیے غسل کرنے کا حکم فرض قطعی ہے اور سردی میں غسل کرنے سے موت یا مرض کا اندیشہ محض ظن پر
جبنی ہے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس ظن کی بناء پر فرض قطعی کو ترک کر دیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس عمل کو
مقرر رکھا اور صحیح قرار دیا اور امام بخاری نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ جنبی کے لیے مرض یا موت کے اندیشہ سے
غسل کی بجائے تیمم کرنا جائز ہے۔

قرآن مجید، احادیث، محدثین اور فقہاء کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ صحت اور زندگی کی حفاظت کا حکم باقی تمام
احکام پر مقدم ہے۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک یہ یقین نہ ہو کہ حرام چیز کے علاوہ اور کسی چیز میں شفا نہیں ہے اس کا
استعمال جائز نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ غیر نبی کے لیے یقین کا حصول ممکن نہیں ہے اس لیے عام مکلفین کے لیے
صرف غلبہ ظن کا اعتبار کیا جائے گا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں :

تم کو معلوم ہے کہ اطباء کے قول سے یقین حاصل نہیں ہوتا اور ظاہر یہ ہے کہ تجربہ سے بھی غلبہ ظن حاصل ہوتا ہے
یقین حاصل نہیں ہوتا، البتہ فقہاء علم اور یقین سے غلبہ ظن مراد لیتے ہیں اور ان کی عبارات میں یہ اطلاق عام اور شائع
ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اللہ کی دی ہوئی رخصت پر عمل کرنا واجب ہے

اس بحث میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ ہم اپنی زندگی کے مالک نہیں ہیں، ہمارے پاس یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت
ہے، ہم اس کو ضائع کرنے یا نقصان پہنچانے کے مجاز نہیں ہیں، اس لیے کسی مضر چیز کو استعمال کر کے زندگی اور صحت کو
نقصان پہنچانا جائز ہے نہ بیماری میں علاج کو ترک کر کے زندگی اور صحت کو نقصان پہنچانا، جائز ہے، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ
بیماری میں حرام چیز سے علاج نہ کرنا عزیمت اور تقویٰ ہے اور علاج کرنا رخصت اور فتویٰ ہے اور عزیمت اور تقویٰ پر عمل
کرنا افضل ہے، یہ محض جہالت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عذر کی حالت میں جو رخصت دی ہے اس پر عمل کرنا واجب
ہے اور عمل نہ کرنا مکمل ہے۔

لام سلم روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے تمہارے لیے جو رخصت
دی ہے اس رخصت پر عمل کرنا تم پر واجب ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

لام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی دی ہوئی رخصت کو قبول نہیں کیا اس کو میدانِ عرفات کے پہاڑوں کے برابر گناہ ہو گا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۷۱، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۳۸ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی مصیبت کو پسند فرماتا ہے اسی طرح اپنی دی ہوئی رخصت پر عمل کرنے کو پسند فرماتا ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۷۸، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۳۸ھ)

وَمَا أَهْلٌ بِهِ لَغَيْرِ اللَّهِ كِتَابُ اللَّهِ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (اس جانور کا کھانا حرام ہے) جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں :

(۱) مجاہد نے کہا اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو، قلادہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جس جانور پر اللہ کا نام لیے بغیر غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو، حضرت ابن عباس نے فرمایا یہود اور نصاریٰ کے علاوہ دیگر کافروں نے جس جانور کو بتوں کے لیے ذبح کیا ہو، اس سے وہ جانور مراد ہے۔

(۲) ربیع نے کہا اس سے مراد وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، ابن وہب نے کہا اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کو بتوں کے لیے ذبح کیا جائے اور ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۵۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۳۰ھ)

علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں : مسلمانوں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح

کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۲۵، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۳۰ھ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے : وآنچه آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا۔

علامہ ابوالحیاء اندلسی لکھتے ہیں :

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ جانور جس کو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو وہ حرام ہے، اور بت، مسیح، وغیرہ یہ سب غیر اللہ میں داخل ہیں، اس کو اھلال (آواز بلند کرنا) کہتے ہیں کیونکہ ذبح کے وقت یہ بلند آواز سے اس کا نام لیتے ہیں جس کے لیے جانور کو ذبح کرتے ہیں پھر اس کے مفہوم میں وسعت دی گئی اور ہر وہ جانور جس کو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو اس کو ما اھل بہ لغیر اللہ کہا جانے لگا خواہ بلند آواز سے اس کا ذکر کیا گیا ہو یا نہیں۔ اور عطاء، مکھول، حسن بصری، شعبی، ابن المسیب، اوزاعی اور لیث وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کو بتوں کی قربان گاہ پر ذبح کیا جائے اور وہ کہتے ہیں کہ مسیح کے نام پر نصرانی کا کیا ہوا ذبیحہ جائز ہے اور امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام مالک اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جب نصرانی مسیح کے نام پر جانور کو ذبح کریں تو ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔

(المحرر المحیط ج ۲ ص ۱۱۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں :

امیر یا کسی معظم شخص کی آمد پر جانور کو ذبح کیا گیا تو یہ ذبیحہ حرام ہے کیونکہ یہ ما اھل بہ لغیر اللہ ہے، خواہ اس

کو لٹھ کا ہم لے کر ذبح کیا گیا ہو، اور اگر مسلمان کے لیے جانور کو ذبح کیا گیا تو یہ حرام نہیں ہے کیونکہ یہ حضرت ابراہیم کی سنت ہے اور فرق یہ ہے کہ اگر اس نے جانور کو کھانے کے لیے ذبح کیا ہے تو ذبح کرنا اللہ کے لیے ہے اور منفعت مسلمان یا دعوت کے لیے ہے اور اگر اس نے کھانے کے لیے ذبح نہیں کیا بلکہ غیر اللہ کے لیے ذبح کرتا ہے تو یہ غیر اللہ کی تعظیم کی وجہ سے حرام ہے علامہ شامی نے وضاحت کی ہے کہ اگر ذبح سے غیر اللہ کی تعظیم کا قصد ہو گا تو ذبیحہ حرام ہو گا (مثلاً کوئی بڑا آدمی آیا تو اس کی تعظیم کے لیے جانور کا خون بہا دیا، تو یہ ذبیحہ حرام ہے) اور اگر یہ قصد نہیں ہے تو ذبیحہ جائز ہے مثلاً مکان کی بنیاد ڈالتے وقت جانور ذبح کیا جائے، یا کسی کے بیمار ہونے پر یا کسی کے بیماری سے شفا پانے پر، تو اس ذبیحہ کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، کیونکہ اس ذبیحہ سے مقصد اس کے گوشت کو صدقہ کرنا ہے، حموی۔ اس کی مثل یہ ہے کہ کسی شخص نے یہ نذر ملنی کہ اگر وہ سمندر کے سفر سے سلامت واپس آگیا تو اللہ کی رضا کے لیے ایک جانور ذبح کرے گا۔ بحر۔ اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے گوشت کو صرف فقراء پر صدقہ کرے۔ شبلی۔ آیا غیر اللہ کی تعظیم کے لیے ذبح کرنے والا کافر ہو جائے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ بزازیہ و شرح وحبانیہ۔ میں کہتا ہوں کہ منیہ کی کتاب الصيد میں ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے اور وہ کافر نہیں ہو گا کیونکہ ہم کسی مسلمان کے ساتھ یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے کسی آدمی کا تقرب حاصل کرے گا۔ (علامہ شامی فرماتے ہیں یعنی تقرب علی وجہ العبادۃ کیونکہ وہی کفر کا سبب ہے، اور یہ مسلمان کے حل سے بہت بعید ہے، لہذا جو شخص کسی بڑے آدمی کے آنے پر جانور کو ذبح کرتا ہے اس کا مقصد یا تو دنیا داری ہے یا اس جانور کو ذبح کر کے اس شخص سے اظہار محبت کرنا اور اس کے نزدیک مقبول ہونا اس کا مقصد ہے لیکن جب کہ اس فعل میں اس کی تعظیم داخل ہے تو اس جانور پر بسم اللہ پڑھنا حکماً "محض اللہ کے لیے نہ ہو اور یہ ایسا ہو گیا جیت اس نے بسم اللہ اور بسم فلاں پڑھا تو یہ ذبیحہ حرام ہو جائے گا لیکن حرمت اور کفر میں تلازم نہیں ہے)

(در مختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۸۸-۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اگر کوئی شخص غیر اللہ کی نذر مانے مثلاً یہ کہے کہ اگر فلاں بزرگ نے میرا کلام کر دیا تو میں اس بزرگ کے لیے ایک بکرا ذبح کروں گا سو یہ نذر حرام ہے کیونکہ البحر الرائق اور فقہ کی دیگر کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی نذر مانتا حرام ہے اور اگر اس شخص نے اس بزرگ کی تعظیم کے لیے اس بکرے کو ذبح کیا تو فقہاء کی تصریحات مذکورہ کی بناء پر وہ ذبیحہ حرام ہو گا اور وما اهل به لغیر اللہ کا مصداق ہو گا۔

اور اگر اس نے اللہ کی نذر ملنی مثلاً یہ کہا کہ اگر اللہ نے میرا فلاں کلام کر دیا تو میں اس کے لیے ایک بکرا ذبح کروں گا تو یہ نذر جائز ہے، اور یہ ذبیحہ بھی جائز ہے اور اگر وہ نذر ماننے کے بعد یہ کہے کہ میں اس بکرے کا گوشت فلاں بزرگ کے مزار کے فقراء میں تقسیم کروں گا اور اس نذر کا ثواب فلاں بزرگ کو پہنچاؤں گا تو یہ بھی جائز ہے، لیکن یہاں نذر کے لفظ سے احتراز کرنا چاہئے تاکہ اس معنی نذر کا شرعی نذر سے التباس نہ ہو اور ان پڑھ عوام کے عقائد خراب نہ ہوں، اس طرح بے اصل ثواب کرنے کو علماء دیوبند نے بھی جائز کہا ہے، شیخ محمود الحسن لکھتے ہیں :

البتہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کر کے فقراء کو کھلائے اور اس کا ثواب کسی قریب، یا پھر اور

نہ ہو سکتا ہے ان فقہاء کے زمانہ میں کسی بڑے آدمی کے آنے پر اس کی تعظیم کے لیے جانور کو ذبح کر کے اس کا خون بہلا جاتا ہو گا

اس پر کسی موج نہیں ہے۔

بزرگ کو پہنچا دے، یا کسی مردہ کی طرف سے قربانی کر کے اس کا ثواب اس ورثہ چاہے کیونکہ یہ ذبح غیر اللہ کے لیے ہرگز نہیں۔ (ماثیہ برقرآن ص ۳۲ مطبوعہ مودنی عربیہ)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ

بے شک جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جس کو اللہ نے کتاب میں نازل کیا ہے، اور اس کے بدلے میں تمغز

بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ

معاوضہ لیتے ہیں یہ لوگ اپنے پیٹوں میں محض آگ جہنم سے ہیں

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ

کے دن ان سے کلام نہیں کرے گا، اور نہ ان کو اٹھائیں گے) پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب

أَلِيمٌ ۝ اُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابِ

ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خرید لیا، اور مغفرت کے بدلہ میں عذاب کو (خرید لیا)

بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ

وہ آگ پر کس قدر صبر کرنے والے ہیں (مخالفت) اس لیے ہے کہ اللہ نے حق کے ساتھ کتاب

بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝

نازل کی اور بے شک جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا وہ بہت زیادہ مخالفت میں ہیں

تورات میں نبی ﷺ کے اوصاف کو چھپانے کا گناہ ہونا

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے ان کو کھانا، اور پاک اور صاف چیزوں کو نہ کھانا جس طرح گمراہی اور گناہ ہے

اسی طرح تورات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا محمد ﷺ کے جو اوصاف بیان کیے ہیں ان کو چھپانا اور ان کے عوض دنیا کا

قلیل مال حاصل کرنا گمراہی اور گناہ ہے۔ جس چیز سے بعینہ فائدہ حاصل نہ کیا جاسکے بلکہ اس کو خرچ کر کے کوئی فائدہ کی چیز

حاصل کی جاسکے اس کو شمن کہتے ہیں، علماء یہود تورات کی آیات کو چھپا کر جو دنیاوی فوائد اور نذرانے حاصل کرتے تھے اس

کو شمن قلیل اس لیے فرمایا کہ اس سے فائدہ حاصل کرنے کی مدت قلیل ہے اور دنیا کی متاع بجائے خود قلیل ہے۔ یہ فرمایا

کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں تاکہ کھانے کا معنی موکد ہو جائے اور یہ وہم نہ ہو کہ یہاں آگ کھانا مجاز ہے، اس

آیت کی تفصیل البقرہ : ۴۱ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سلام نہ کرنے اور نظر نہ فرمانے کی توجیہ

ام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تین بار پڑھا حضرت ابوذر نے کہا یہ لوگ نقصان اٹھانے والے اور نامراد ہیں یا رسول اللہ! یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا : (تکبر سے) چار کو نخنوں سے نیچے لٹکانے والا، احسان جتانے والا اور ہمنائی قسم کھا کر سودا بیچنے والا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے 'بوڑھا زلی' جھوٹا بلشہ اور متکبر فقیر۔ حضرت ابو ہریرہ سے ایک اور روایت میں ہے : جو شخص جنگل میں مسافر کو فالتو پانی دینے سے (بھی) منع کرے جو شخص 'عصر کے بعد کسی کو ہمنائی قسم کھا کر سودا فروخت کرے اور یہ کہے کہ خدا کی قسم اس نے وہ چیز اتنے کی لی تھی حالانکہ اس طرح نہ ہو اور وہ شخص اس کو سچا سمجھے اور جو شخص کسی امام سے مال دنیا کی خاطر بیعت کرے اگر وہ اس کو مل دے تو وہ اس سے وفا کرے اور مل نہ دے تو اس سے وفانہ کرے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس وعید کے متعلق امام مسلم نے تین مختلف حدیثیں روایت کی ہیں ہر حدیث میں تین مختلف شخصوں کا بیان ہے جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا خاصہ یہ ہے کہ یہ نواہیے گناہ ہیں جن کی وجہ سے قیامت کے دن انسان اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے محروم ہو گا اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس امت میں ان کبار میں مبتلا رہیں گے اور بغیر توبہ کے مرجائیں گے اور قرآن مجید میں اس عذاب کا مصداق ان یودیوں کو قرار دیا ہے جو تورات میں سیدنا محمد ﷺ کی آیات کو چھپاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو اختیار کر لیا۔

اس آیت کی تفسیر کے لیے البقرہ : ۸۱ ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور بے شک جن لوگوں نے کتب میں اختلاف کیا وہ بہت زیادہ مخالفت میں ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اختلاف کرنے والے یہودی تھے نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ تورات میں حضرت عیسیٰ کی صفت ہے اور یہود اس کی مخالفت کرتے تھے یا تورات میں ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی جو صفات تھیں یہود ان کی مخالفت کرتے تھے یا یہودی قرآن مجید کے احکام کی مخالفت کرتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اختلاف کرنے والے مشرکین تھے بعض کہتے تھے کہ یہ قرآن مجید پر محرم ہے بعض کہتے تھے کہ یہ اساطیر الاولین ہے یعنی پچھلے لوگوں کے قصے اور بعض کہتے تھے کہ اس میں اللہ پر انحراف ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

(اسلامی) نہیں ہے کہ آپ اپنے منہ کی طرف مشرق یا مغرب کی طرف پھرنے کی (اس)

وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ

نیکی اس شخص کی ہے، جو اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت، اور فرشتوں اور کتابوں

وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَ

اور نبیوں پر ایمان لائے اور مال سے اپنی محبت کے باوجود (اللہ کے حکم سے) ارشتہ داروں یتیموں

الْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ

مسکینوں، مسافروں، سواہیوں اور غلام آزاد کرانے کے لیے خرچ کرے، اور نماز قائم

الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا

کرے اور زکوٰۃ ادا کرے، اور اپنے عہد کو پورا کر نیوالے جب وہ عہد کریں،

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ

اور متکلیف اور سختی میں صبر کرنے والے، یہی

الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾

سچے لوگ ہیں اور یہی متقی ہیں

آیت مذکورہ کے شان نزول کے متعلق اقوال

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے، یعنی صرف یہ نیکی نہیں ہے کہ تم نماز پڑھ لو اور اس کے سوا اور کوئی نیک عمل نہ کرو۔

قنادہ بیان کرتے ہیں کہ یہود مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ صرف مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لینا کوئی نیکی نہیں ہے۔

ایک اور سند کے ساتھ قنادہ نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے نیکی کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی، نبی ﷺ نے اس شخص کو بلایا اور اس پر یہ آیت تلاوت فرمائی، اور فرائض کے نازل ہونے سے پہلے جب کوئی شخص توحید و رسالت کی گواہی دے دیتا تو اس کے حق میں خیر کی توقع کی جاتی تھی۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۵۶-۵۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ، یوم آخرت، فرشتوں، کتابوں اور نبیوں پر ایمان لانے کا معنی

لہذا پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے : کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرے، اس کو ہر عیب اور نقص سے منزہ مانے، اس کی تمام صفات کو قدیم مانے اور اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ کرے، اس کے سوا کسی کو نہ واجب اور قدیم مانے اور نہ اس کے سوا کسی کو عبودیت کا مستحق مانے اور اس کے تمام رسولوں کی تصدیق کرے اور حضرت سیدنا محمد ﷺ کو آخری نبی اور آپ کی شریعت کو آخری شریعت مانے۔

یوم آخرت پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ قیامت کی، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی، عذاب قبر اور قیامت کے بعد جزاء، سزا، حساب و کتب کی، صراط، میزان اور انبیاء اور رسل علیہم السلام کی شفاعت کی تصدیق کرے۔

فرشتوں پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ فرشتوں کے معصوم ہونے، اور رسل ملائکہ کی رسالت، کرامات، کاتین کے اعمال کو لکھنے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ان کے عمل کرنے کی تصدیق کرے اور تذکیر و تانیث سے فرشتوں کو بری مانے۔

کتب پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ اس کا اقرار کرے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے جس کو حضرت جبرائیل نے سیدنا محمد ﷺ کے قلب پر نازل کیا ہے، یہ آخری کتب ہے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی نہ کوئی اس کی کسی ایک سورت کی بھی مثل لا سکتا ہے۔

تمام نبیوں پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ یہ مانے کہ تمام انبیاء اور رسل برحق ہیں اور سب پر ایمان لانا ضروری ہے، یہ جائز نہیں ہے کہ بعض نبیوں پر ایمان لایا جائے اور بعض کا کفر کیا جائے، چونکہ ایمان کامل میں اعمال بھی داخل ہیں، اس لیے ایمان کے بعد اعمال کا ذکر شروع فرمایا :

رشتہ داروں پر مل خرچ کرنے کی فضیلت

اور مل سے اپنی محبت کے بلوجود خرچ کرے، اس کا معنی یہ ہے کہ انسان تندرست ہو اس کو پیسوں کی ضرورت بھی ہو تاکہ وہ اپنے مستقبل کے لیے بے منصوبوں کو پورا کرے اور اسے فقر کا خدشہ بھی لاحق ہو پھر بھی وہ اللہ کی راہ میں رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلین وغیرہ پر خرچ کرے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ سے زکوٰۃ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا مل میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے پھر آپ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا۔

(جامع ترمذی ص ۸۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

بعض علماء نے کہا یہ بھی زکوٰۃ میں داخل ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ کا اس کے بعد ذکر فرمایا ہے اور یہ قول حدیث مذکور کے بھی خلاف ہے، امام مالک نے کہا اس سے مراد یہ دے کر قیدیوں کو چھڑانا ہے، زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات واجبہ بھی اس سے مراد ہو سکتے ہیں۔

حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سب سے افضل صدقہ، پہلو تھی کرنے والے مختلف رشتہ دار پر صدقہ کرنا ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۷۰، مطبوعہ نثرانت لندن)

حدیث ایشی نے لکھا ہے اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(معجم الزوائد ج ۳ ص ۸۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

زکوۃ، قربانی، عشر اور صدقہ فطر صدقت واجبہ ہیں، باقی صدقت لعل اور مستحب ہیں۔ صدقت واجبہ مل باپ، لولہ اور شوہر یا بیوی کے علاوہ ان رشتہ داروں کو دیئے جائیں گے جو غیر سادات اور فقراء ہوں، اور صدقت نفلیہ دینے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے وہ ہر رشتہ دار کو دیئے جاسکتے ہیں : امام طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رشتہ دار پر صدقہ کرنے کا دو مرتبہ دگنا اجر دیا جاتا ہے۔
(المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۰۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

یتیم، مسکین اور ابن السیل کا معنی

یتامی : یتیم کی جمع ہے، یتیم اس مبلغ شخص کو کہتے ہیں جس کا باپ فوت ہو چکا ہو۔

مساکین : مسکین کی جمع ہے، مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس قدر کفایت یعنی گزارے کے لیے کوئی چیز نہ ہو۔
امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : وہ شخص مسکین نہیں ہے جو لوگوں کے گرد چکر کھاتا ہے اور ایک لقمہ، دو لقمے یا ایک کھجور یا دو کھجور لے کر چلا جاتا ہے، صحابہ نے پوچھا : یا رسول اللہ! پھر مسکین کون ہے؟ آپ نے فرمایا : جس کے پاس گزارے کے لیے کوئی چیز نہ ہو، اور نہ اس کے ظاہر حل سے اس کی مسکینی کا پتا چلے تاکہ اس پر صدقہ کیا جائے اور نہ وہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال کرے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

ابن السیل : اس مسافر کو کہتے ہیں جو حالت سفر میں ضرورت مند ہو اور اس کے پاس ضرورت پوری کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ہو چونکہ راستہ میں اس کے مل باپ نہیں ہوتے اور راستہ کے سوا اس کا کسی سے تعلق نہیں ہوتا اس لیے اس کو ابن السیل کہتے ہیں۔

سوال کرنے کی جائز حد

سائلین : سائل کی جمع ہے، بلا ضرورت سوال کرنا شرعاً حرام ہے، اور سائل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زیادہ کا سوال نہ کرے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جو شخص اپنا مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے سوال کرتا ہے وہ انگاروں کا سوال کرتا ہے، خواہ سوال کم کرے یا زیادہ۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

امام ابن عساکر روایت کرتے ہیں :

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی شخص اپنے اوپر سوال کرنے کا دروازہ نہیں کھولتا مگر اللہ تعالیٰ اس کے اوپر فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۴ ص ۳۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۲ھ)

حضرت قیسہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تین شخصوں کے علاوہ اور کسی

مسئل کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے، ایک وہ شخص جو مقروض ہو اس کے لیے اتنی مقدار کا سوال جائز ہے جس سے اس کا قرض لو اہو جائے، اس کے بعد وہ سوال سے رک جائے، دوسرا وہ شخص جس کے مل کو کوئی ناگہانی آفت پہنچی ہو جس سے اس کا مل برباد ہو گیا ہو، اس کے لیے اتنی مقدار کا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کا گزارہ ہو جائے، تیسرا وہ شخص جو فاقہ زدہ ہو اور اس کے قبیلہ کے تین عقلمند آدمی یہ گواہی دیں کہ واقعی یہ فاقہ زدہ ہے، تو اس کے لیے بھی اتنی مقدار کا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کا گزارہ ہو جائے، اور اے قسیدہ ان تین شخصوں کے علاوہ سوال کرنا حرام ہے اور جو (ان کے علاوہ) سوال کرتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

تین آدمیوں کی گواہی کی شرط بہ طور استنباب ہے، ورنہ دو آدمیوں کی گواہی بھی کافی ہے اور یہ شرط اس شخص کے لیے ہے جو معاشرہ میں مل دار مشہور ہو اور جس شخص کا مالدار ہونا مشہور نہ ہو اس کے فاقہ زدہ ہونے کی خبر کے لیے اس کا اپنا قول کافی ہے۔

لام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مالدار کے لیے صدقہ لینا جائز ہے اور نہ صحیح لاعضا اور قوی شخص کے لیے۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۳۱، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان ۱۱ہور ۱۴۰۵ھ)

لام ابو داؤد روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے سوال کیا درآں حایکہ اس کے پاس اتنا مل تھا جو اس کو سوال سے مستغنی کر سکتا تھا وہ جہنم کے انگارے جمع کرتا ہے، راوی نے پوچھا مال کی کتنی مقدار ہو تو سوال نہیں کرنا چاہئے؟ فرمایا جس کے پاس صبح اور شام کا کھانا ہو وہ سوال نہ کرے، ایک اور روایت میں ہے جس کے پاس اتنا کھانا ہو کہ وہ ایک دن اور ایک رات سیر ہو کر کھا سکے وہ سوال نہ کرے۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۳۰، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان ۱۱ہور ۱۴۰۵ھ)

علامہ علاء الدین مسکنی حنفی لکھتے ہیں : جس شخص کے پاس ایک دن کی خوراک ہو، خواہ وہ خوراک بنفسہ موجود ہو یا اس شخص میں اس خوراک کو کما کر لانے کی صلاحیت ہو یا اس طور کہ وہ تندرست اور کمانے والا ہو، ایسے شخص کے لیے خوراک کا سوال کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر خیرات دینے والے کو اس کے حل کا علم ہو اور اس کے بلوجود وہ اس کو بھیک دے تو وہ گنہگار ہو گا، کیونکہ وہ ایک حرام کام میں مدد کر رہا ہے اور اگر سائل ضرورت مند ہو اور کپڑوں کا سوال کرے یا جملویا طلب علم میں مشغول ہونے کی وجہ سے خوراک کا سوال کرے اور اس کو ان چیزوں کی ضرورت بھی ہو تو اس کا سوال کرنا جائز ہے اور اس کو دینا بھی جائز ہے۔ (درمختار علی حاشی رد المحتار ج ۲ ص ۶۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سائلین کو دینے کے متعلق مصنف کی تحقیق

مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ جو شخص تندرست ہو اور کمانے کے لائق ہو، اس کے بلوجود پیشہ ور گداگری کرتا ہو اس کو خیرات بالکل نہ دی جائے، سوال سے پہلے نہ سوال کرنے کے بعد تاکہ اس کی حوصلہ شکنی ہو اور وہ جائز طریقہ سے کسب معاش کرے، لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب حتی طور پر معلوم ہو کہ وہ سائل تندرست اور کمانے کے لائق ہے اور جب یہ معلوم نہ ہو تو کسی مسلمان سائل کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس کے سوال کو جائز صورت پر محمول کیا جائے، حنفیہ کہہ سکتا ہے کہ وہ کپڑوں کے لیے سوال کر رہا ہو، یا اپنے بیوی بچوں کے علاج یا کسی اور شدید ضرورت کی وجہ سے

سوال کر رہا ہو، یا وہ طالب علم ہو یا مسافر ہو، اور جن کے متعلق معلوم ہو کہ وہ ضرورت مند ہیں یا بے روزگار ہیں، یا ان کی آمدنی ان کی خوراک، لباس، رہائش، تعلیم اور علاج وغیرہ کے لیے کافی نہیں ہے تو ان کی سوال کے بغیر از خود مدد کرنی چاہیے اور جو لوگ مسجد میں آکر سوال کرتے ہیں، ان کے حل کا اکثر و بیشتر لوگوں کو علم نہیں ہوتا اگر وہ نمازیوں کے آگے سے نہ گزریں، اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلائیں اور گڑگڑا کر سوال نہ کریں تو ان مسلمان ساتلوں کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے ان کے سوال کو جائز صورت پر محمول کرنا چاہیے اور حتی الوسع ان کی مدد کرنی چاہیے۔

غلام آزاد کرنے، نماز پڑھنے، اور زکوٰۃ وغیرہ کے معانی

غلام کو آزاد کرنے کے دو معنی ہیں، یا تو مکمل غلام خرید کر اس کو آزاد کیا جائے اور یا جو غلام مکتب ہو اسے بدل کتبیت دے کر اس کو آزاد کر لیا جائے۔ غلام آزاد کرنے کا بہت اجر ہے : امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا، اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والا کا ہر عضو جہنم سے آزاد کر دے گا حتیٰ کہ اس کی فرج کے بدلہ میں فرج آزاد کر دے گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۹۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱۴۰۵ھ)

اور نماز قائم کرے : یعنی کعبہ کے طرف منہ کر کے بقی شرائط کے ساتھ نماز کے وقت میں نماز پڑھے۔

اور زکوٰۃ ادا کرے : یعنی جو شخص نصاب کا مالک ہو وہ ایک سال گزر جانے کے بعد اس مال کا چالیسواں حصہ مستحقین کو ادا کرے۔ نماز پڑھنے سے روح کی تطہیر ہوتی ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے مل کا تزکیہ ہوتا ہے اس لیے قرآن مجید میں دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے جب وہ عہد کریں : اس کے دو مطلب ہیں :

(۱) بندہ جب اللہ سے کسی عہد کی نذر مانے تو اس نذر کو پورا کرے۔ (۲) بندہ لوگوں کے ساتھ جو عہد کرے اس کو پورا کرے۔ ان دونوں عہدوں کو پورا کرنا واجب ہے۔ عہد کو پورا کرنا ایمان صحیح کی علامت ہے اور عہد پورا نہ کرنا نفاق کی علامت ہے، لیکن اگر کسی سے گناہ کا عہد کیا ہے تو اس کو توڑنا واجب ہے۔

اور تکلیف اور سختی میں صبر کرنے والے : اس آیت کے متعلق دو قول ہیں (۱) یہ آیت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ ان کے سوا اور کوئی پوری طرح اس آیت پر عمل نہیں کر سکتا۔

(۲) یہ آیت تمام لوگوں کے حق میں عام ہے، کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عمومی خطاب فرمایا ہے۔ جب کسی ناگہانی مصیبت سے آدمی فقر میں مبتلا ہو جائے، یا مرض طاری ہونے یا اپنے بچوں کی موت سے غم میں مبتلا ہو جائے یا معرکہ جہاد میں شدت میں مبتلا ہو جائے تو ان حالات میں صبر کرنا نصف ایمان ہے کیونکہ صبر کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شخص قضاء و قدر پر راضی ہے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھتا ہے۔

یہی سچے لوگ ہیں اور یہی متقی ہیں : یعنی جو لوگ نیکی کی ان تمام اقسام کے ساتھ متصف ہیں یہی اپنے ایمان میں سچے ہیں اور یہی لوگ حقیقتہً ”متقی ہیں“ کیونکہ یہ لوگ معاصی سے اجتناب کی وجہ سے اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے محفوظ ہو گئے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے اجر و ثواب کے ساتھ کامیاب ہو گئے اور حق یہ ہے کہ جس نے اس ایک آیت پر عمل کر لیا اس کا ایمان کامل ہو گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحُرُّ

اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے خون (نامتق) کا بدلہ لینا فرض کیا گیا ہے آزاد کے

بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْ

بدلہ آزاد، غلام کے بدلہ غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت۔ سو جس (قاتل) کے لیے اس کے

أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ

بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا تو (اس کا) دستور کے مطابق مطالبہ کیا جائے اور نیکی کے ساتھ اس کی

تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمِنْ أَعْتَدَىٰ بِكَ فَلَكَ عَذَابٌ

ادائیگی کی جائے، یہ (نہم) تھا ہے سب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے، پھر اس کے بعد جو حد سے تجاوز کرے اس کے

إِلَيْمٌ ۖ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۹﴾

یہ دردناک عذاب ہے اور اے عقلمند لوگو! تھا ہے یہ خون کا بدلہ (مشرع کرنے) میں زندگی ہے، تاکہ تم (نامتق قتل کرنے سے) بچو

اس سے پہلے عبادات اور معاملات کے متعلق احکام بیان کیے گئے تھے اب فوجداری معاملات سے متعلق احکام

شرعیہ بیان کیے جا رہے ہیں۔

آیت مذکورہ کا شلن نزول

لہم ہو جعفر محمد بن جریر طبری روایت کرتے ہیں :

زمانہ جاہلیت میں جب دو قبیلے آپس میں لڑتے، ایک معزز قبیلہ ہوتا اور دوسرا پسماندہ اور پسماندہ قبیلہ کا غلام معزز قبیلہ کے غلام کو قتل کر دیتا تو معزز قبیلہ کہتا تھا کہ ہم اپنے غلام کے بدلہ میں پسماندہ قبیلہ کے آزاد شخص کو قتل کریں گے، اسی طرح اگر پسماندہ قبیلہ کی کوئی عورت معزز قبیلہ کی کسی عورت کو قتل کر دیتی تو معزز قبیلہ کہتا تھا کہ ہم اپنی عورت کے بدلہ میں پسماندہ قبیلہ کے مرد کو قتل کریں گے۔ تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس تکبر اور بغاوت سے منع کیا اور فرمایا آزلو کے بدلہ میں آزلو کو، غلام کے بدلہ میں غلام کو اور عورت کے بدلہ میں عورت کو قتل کیا جائے گا، اور سورہ مائدہ میں فرمایا : جن کا بدلہ جن ہے، آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے، ناک کا بدلہ ناک ہے، کان کا بدلہ کان ہے، دانت کا بدلہ دانت اور ہر زخم کے بدلہ میں زخم ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۶۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۰ھ)

غلام اور ذمی کے خون کا قصاص نہ لینے کے حق میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل

لہم ملک، لہم شامی اور لہم احمد کے نزدیک مسلمان کو کافر کے بدلہ میں اور آزلو کو غلام کے بدلہ میں قتل نہیں کیا

جائے (جامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۳۶، المغنی ج ۸ ص ۱۳۳)

قاضی بیضوی شافعی لکھتے ہیں :

امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما نے آزاد شخص کو غلام کے بدلہ میں قتل کرنے سے منع کیا ہے، 'خولہ وہ غلام اس قاتل کا ہو یا اس کے غیر کا' کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے غلام کو قتل کر دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو کوڑے مارے اور اس کو ایک سال کے لیے شربدر کر دیا، اور اس سے اس کے غلام کا قصاص نہیں لیا، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۰۴) نیز حضرت علی نے فرمایا سنت یہ ہے کہ مسلمان کو ذی کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے اور نہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۳۴، مطبوعہ ملتان) اور اس لیے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما محض صحابہ میں آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل نہیں کرتے تھے اس پر کوئی انکار نہیں کرتا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۳۰۵) نیز اس پر اتفاق ہے کہ غلام کے اعضاء کے بدلہ میں آزاد کے اعضاء نہیں کاٹے جاتے، اور قرآن مجید میں جو ہے النفس بالنفس "جان کا بدلہ جان ہے۔" خواہ غلام کی جان ہو یا آزاد کی ہو، اس سے معارضہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ تورات کا حکم ہے اور تورات کا حکم قرآن کے اس حکم کے لیے مانع نہیں ہو سکتا کہ آزاد کو آزاد کے بدلہ میں قتل کیا جائے۔ (انوار التنزیل ص ۳۷-۳۶، مطبوعہ دار فراس النشر والتوزیع، بیروت)

اس آیت میں مفہوم مخالف سے استدلال نہیں کیا گیا ہے جیسا کہ شروع میں قاضی بیضوی نے بھی اعتراف کیا ہے، پھر قاضی بیضوی کا اپنے مذہب کو قرآن کا حکم قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے موقف پر یہ حدیث بھی دلیل ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا اس صحیفہ میں کیا مرقوم ہے؟ فرمایا دیت اور قیدی کو چھڑانے کے احکام ہیں اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۸ھ) غلام اور ذی کے قصاص کے متعلق امام ابو حنیفہ کا مذہب

علامہ عبد اللہ بن محمود موصلی حنفی لکھتے ہیں :

آزاد کو آزاد اور غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا، مرد کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا، چھوٹے کو بڑے کے بدلہ میں اور مسلمان کو ذی کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور مسلمان اور ذی کو مستامن کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور مستامن کو مستامن کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور صحیح الاعضاء کو لپاچ، اندھے، مجنون اور ناقص الاعضاء کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور کسی شخص کو اس کے بیٹے، اس کے غلام، اس کے بیٹے کے غلام اور اس کے مکاتب کے بدلہ میں نہیں قتل کیا جائے گا۔ (الاختیار ج ۳ ص ۲۷-۲۶، مطبوعہ دار فراس النشر والتوزیع مصر)

آزاد سے غلام کا قصاص لینے کے ثبوت میں قرآن اور سنت سے دلائل

ائمہ ثلاثہ نے امام ابو حنیفہ سے دو صورتوں میں اختلاف کیا ہے، پہلا اختلاف یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غلام کے بدلہ میں آزاد کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے، امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى (البقرہ : ۱۷۸)

فرض کیا گیا ہے۔

اس آیت میں مقتول کا لفظ عام ہے، یہ ہر مقتول کو شامل ہے خولہ آزلو ہو یا غلام، مسلمان ہو یا ذمی، اس کا بدلہ اس کے قتل کرنے والے سے لیا جائے گا، خولہ وہ آزلو ہو یا غلام، لہذا اگر آزلو شخص نے کسی کے غلام کو قتل کر دیا تو اس غلام کا قصاص اس آزلو سے لیا جائے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے :

إِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (المائدہ : ۳۵) بے شک جان کا بدلہ جان ہے۔

اس آیت میں بھی مطلقاً فرمایا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے اور آزلو یا غلام کا فرق نہیں کیا گیا اور اس پر علامہ بیضوی کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید نے یہ تورات کا حکم بیان کیا ہے، یہ اعتراض اس وقت صحیح ہوتا جب اللہ تعالیٰ نے اس حکم کا رد کیا ہوتا، اور سابقہ شریعتوں کے جو احکام قرآن اور سنت میں بلا تکثیر بیان کیے گئے ہیں وہ ہم پر حجت ہیں۔

اس آیت کے ہمارے حق میں حجت ہونے پر دلیل یہ حدیث ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان شخص اس کی شہوت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس کا خون صرف تین وجہوں میں سے کسی ایک وجہ سے بہانا جائز ہے : جان کا بدلہ جان، شہوت زدانی اور دین سے مرتد ہونے والا اور جماعت کو ترک کرنے والا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۴۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث میں بھی نبی ﷺ نے مطلقاً فرمایا جان کا بدلہ جان ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ سورہ مائدہ کی مذکور الصدر آیت ہمارے لیے بیان کی گئی ہے اور وہ تورات کے ساتھ خاص نہیں ہے، نیز ہماری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے :

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ (البقرة : ۱۷۹) اور قصاص کے حکم میں تمہارے لیے زندگی ہے۔

اس آیت میں برہنیل عموم فرمایا ہے کہ قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے اور اس کو آزلو یا غلام کے ساتھ خاص نہیں کیا، قصاص کی وجہ سے مسلمان کسی کو قتل کرنے سے باز رہیں گے، آزلو غلام کو قتل کرے گا نہ غلام آزلو کو۔

امام ابو حنیفہ کے موقف کے ثبوت پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے : حافظ البیہقی بیان کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، اس سے خیانت کرے نہ اس کو ذلیل کرے، ان کا خون ایک دوسرے (کے کفو) کی مثل ہے الحدیث۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم لوسط میں روایت کیا ہے، اس کی سند میں ایک رلوی کا نام قاسم بن ابی الزناد لکھا ہے حالانکہ اس کا نام ابو القاسم بن ابی الزناد ہے، اس کے علاوہ حافظ البیہقی نے اس حدیث پر اور کوئی جرح نہیں کی۔

(معجم الزوائد ج ۶ ص ۲۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۲ھ)

آزلو سے غلام کا قصاص نہ لینے کے متعلق ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب

قاضی بیضوی نے ائمہ ثلاثہ کے موقف پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو کوڑے مارے اور اس سے قصاص نہیں لیا (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۳۰۳) اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث امام ابو حنیفہ کے موقف کے خلاف نہیں ہے کیونکہ امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو قتل کر دے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اختلاف اس صورت میں ہے جب کوئی آزلو شخص کسی

دوسرے شخص کے غلام کو قتل کر دے۔

دوسری حدیث جس سے قاضی بیضوی نے استدلال کیا ہے اس کو امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں از جلد از عام حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں نہ قتل کیا جائے اس کا جواب یہ ہے کہ امام بیہقی نے خود کتب المعرفۃ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے کیونکہ اس روایت میں جلد بمعنی متغویہ ہے اور اس کے معارض حضرت علی سے دو روایتیں ذکر کی ہیں کہ جب آزاد غلام کو قتل کر دے تو اس میں قصاص ہے ہر چند کہ ان روایتوں کو بھی انہوں نے منقطع لکھا ہے۔

(معرفۃ السنن والآثار ج ۸ ص ۵۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۳ھ)

قاضی بیضوی نے تیسری دلیل یہ قائم کی ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما غلام کے بدلہ میں آزاد کو قتل نہیں کرتے تھے اور اس پر کوئی انکار نہیں کرتا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک یہ اس صورت پر محمول ہے جب کوئی آزاد شخص اپنے غلام کو قتل کر دے کیونکہ اسی صورت میں قصاص نہ لینے پر اتفاق ہے، حافظ البیہقی نے امام طبرانی کی معجم اوسط کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ نہ سنا ہو تاکہ مملوک کا قصاص مالک سے نہیں لیا جائے گا اور نہ بیٹے کا باپ سے تو میں تم سے قصاص لیتا۔

(مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۸۸، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۳۰ھ)

نیز متعدد صحابہ اور تابعین کا یہ موقف ہے کہ اگر آزاد کسی کے غلام کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی اور حضرت ابن مسعود نے کہا کہ جب آزاد غلام کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔

ابراہیم نے کہا کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں اور غلام کو آزاد کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔

سعید بن المسیب نے کہا کہ اگر آزاد غلام کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا پھر کہا کہ خدا اگر تمام یمن والے مل

کر ایک غلام کو قتل کریں تو میں ان سب کو قتل کر دوں گا۔

شعبی نے کہا آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔

سفیان نے کہا اگر کوئی شخص دوسرے کے غلام کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اگر اپنے غلام کو قتل کرے

تو پھر اس کو قتل نہیں کیا جائے گا جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

(المصنف ج ۹ ص ۳۰۷-۳۰۶، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۳۰ھ)

ان روایات سے قطع نظر امام اعظم ابو حنیفہ کا مذہب قرآن مجید کی صریح آیات پر مبنی ہے اور امام اعظم کے مذہب

میں انسانیت کی تکریم ہے کیونکہ آپ نے آزاد اور غلام مسلمانوں کے خون میں کوئی فرق نہیں کیا۔

مسلمان سے ذمی کا قصاص لینے کے متعلق قرآن اور سنت سے دلائل

مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل نہ کیے جانے کے متعلق ائمہ ثلاثہ کی طرف سے صحیح بخاری کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے

کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا، امام ابو حنیفہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث

کافر حربی پر محمول ہے، اور امام ابو حنیفہ کی دلیل سورہ بقرہ کی یہ آیت ہے۔ ”اے ایمان والو! تم پر قتل (مقتول) میں قصاص

فرض کیا گیا ہے“ مقتول کا لفظ عام ہے مسلمان اور ذمی دونوں کو شامل ہے، اور حربی کافر، قرآن مجید کی ان آیتوں سے مستثنیٰ

ہم میں کھڑے اور مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح سورہ مائدہ میں ہے ”جان کا بدلہ جان ہے“ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے۔

نیز امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

عبدالرحمن بن ملجم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مسلمان شخص کو لایا گیا جس نے ایک ذی فحش کو قتل کر دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کی گردن ماری اور فرمایا میں ذی کا ذمہ پورا کرنے کا زیادہ حق دار ہوں۔
عبداللہ بن عبد العزیز بن صلح حضری بیان کرتے ہیں کہ خیر کے دن رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا جس نے ایک کافر کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا اور فرمایا میں اس کا ذمہ پورا کرنے کا زیادہ حق دار ہوں۔
(مراہیل ابو داؤد ص ۳۲، مطبوعہ دلی محمد اینڈ سنز کراچی)

امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔

(سنن کبریٰ ج ۸ ص ۳۰، مطبوعہ نشر النہ ملتان)

نیز امام بیہقی روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مسلمان شخص نے ایک ذی کو عداوت قتل کر دیا یہ مقدمہ حضرت عثمان غنیؓ کے پاس پیش کیا گیا، حضرت عثمان نے اس کو قتل نہیں کیا اور اس پر بھاری دیت مقرر کی جیسے مسلمان کے قتل کا حق پر مقرر کی جاتی ہے۔

امام بیہقی نے کہا یہ حدیث متصل ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۳۳، مطبوعہ نشر النہ ملتان)

یہ حدیث بھی امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے کیونکہ دیت قصاص کی فرع ہے، فریقین میں صلح یا کسی اور وجہ سے قصاص کی جگہ دیت فرض کی گئی۔ انسانیت کی حکمران اور عدل و انصاف کے قریب امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ جب ذی سے اس کی جان اور مال کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا اور اس سے اس کے بدلہ میں جزیہ لیا گیا تو اس کا یہی تقاضا ہے کہ اگر ذی کو مسلمان بھی قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے، اس سے اسلام میں اخلاق کی بلندی، اصول کی برتری اور حکمران انسانیت کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

متعدد لوگوں کی جماعت سے ایک شخص کے قصاص لینے کا بیان

ظاہر یہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر چند آدمیوں کی جماعت مل کر ایک شخص کو قتل کر دے تو ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا، کیونکہ ظاہر آیت نے قصاص اور مسلمات کی شرط لگائی ہے اور واحد اور جماعت میں مساوات نہیں ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ آیت کا معنی یہ ہے کہ قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا جائے خواہ قاتل واحد ہو یا متعدد۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک لڑکے کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر اس کے قتل میں (تمام) اہل منعمہ شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا، اور منعمہ بن حکیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ چار آدمیوں نے مل کر ایک بچے کو قتل کیا تو حضرت عمرؓ نے اس کی مثل فرمایا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۸۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۸ھ)

سلاطین اور حکام سے قصاص لینے کے متعلق احادیث اور آثار

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ سلطان اگر اپنی رعیت میں سے کسی شخص پر زیادتی کرے تو وہ خود اپنی ذات سے قصاص لے گا، کیونکہ سلطان اللہ تعالیٰ کے احکام سے مستثنیٰ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے مقتول کے سب سے تمام مسلمانوں پر قصاص کو فرض کیا ہے، اگر سلطان کسی شخص کو بے قصور قتل کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ خود کو قصاص کے لیے پیش کرے۔ امام نسائی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کوئی چیز تقسیم کر رہے تھے، ایک شخص آپ پر جھک گیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو ایک چھری چبھوئی، اس نے ایک چیخ ماری، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آؤ بدلہ لے لو، اس شخص نے کہا، نہیں! یا رسول اللہ میں نے معاف کر دیا (سنن نسائی ج ۲ ص ۲۳۳-۲۳۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ اس کے چہرہ پر زخم لگ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آؤ مجھ سے بدلہ لے لو، اس نے کہا میں نے معاف کر دیا۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۶۸، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

امام نسائی روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کیا ہے۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۲۳۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے : (مسند احمد ج ۱ ص ۴۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۸ھ)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

ابو فراس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا، اور فرمایا میں عاملوں کو اس لیے نہیں بھیجتا کہ وہ لوگوں کے جسموں پر ضرب لگائیں اور نہ اس لیے کہ وہ ان کا مل لیں، جس شخص کے ساتھ کسی حاکم نے ایسا کیا وہ مجھ سے شکایت کرے میں اس سے قصاص لوں گا، حضرت عمرو بن العاص نے کہا اگر کوئی شخص اپنی رعیت کو تلہیا مارے، آپ پھر بھی اس سے قصاص لیں گے؟ حضرت عمر نے فرمایا : ہاں خدا کی قسم، جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے میں اس سے قصاص لوں گا، اور بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے، آپ نے اپنے نفس کو قصاص کے لیے پیش کیا تھا۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۶۸، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن کبری ج ۸ ص ۲۸، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں :

ابو نصر وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا ایک شخص نے (سرخ رنگ کی) خوشبو لگائی ہوئی تھی، آپ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا آپ نے وہ تیر اس کو چھو کر فرمایا : کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا؟ اس شخص نے کہا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اور بے شک آپ نے مجھے زخمی کر دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے تیر اس کے آگے ڈال دیا اور فرمایا تم اپنا بدلہ لے لو، اس شخص نے کہا یا رسول اللہ! جب آپ نے مجھے تیر چھو یا تھا تو میرے بدن پر کپڑا نہیں تھا اور آپ نے قمیص پہنی ہوئی ہے! رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹا دیا، اس شخص نے جھک کر آپ کے بدن مبارک کا بوسہ لے لیا۔

حضرت سولہ بن مویذؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت میں نے سرخ رنگ کی خوشبو لپی ہوئی تھی، جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا اے سولہ بن عمرو تم نے درس (ایک خوشبودار گھاس جس سے سرخ رنگ ہو جاتا ہے) کالیپ کیا ہوا ہے! کیا میں نے تم کو اس خوشبو سے منع نہیں کیا تھا؟ آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی آپ نے مجھے وہ چھوئی جس سے مجھے درد ہوا، میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ مجھے بدلہ دیں! آپ نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹا دیا اور میں آپ کے پیٹ کو بوسہ دینے لگا۔

ابو یعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیر بہت ہنسنے والے تھے، ایک دن وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے باتیں کر رہے تھے اور ان کو ہنسا رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلی اس کی کوکھ میں چھوئی، انہوں نے کہا آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، آپ نے فرمایا بدلہ لے لو، انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ نے قیص پسنی ہوئی ہے اور میں نے قیص نہیں پسنی ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے اپنی قیص اٹھادی، وہ آپ کے بدن سے لپٹ گئے اور آپ کے پہلو کا بوسہ لے لیا اور کہنے لگے! یا رسول اللہ! آپ پر میرے دل اور باپ فدا ہوں، میرا یہی ارادہ تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک حبشی شخص کو لشکر میں بھیجا، اس نے واپس آکر کہا کہ لشکر کے امیر نے بغیر کسی قصور کے میرا ہاتھ کاٹ دیا، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو میں اس سے ضرور تمہارا بدلہ لوں گا۔ الحدیث ملخصاً۔

جریر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰ کے ساتھ مل کر دشمن پر ملبہ پایا اور مل غنیمت حاصل کیا، حضرت ابو موسیٰ نے اس کو اس کا حصہ دیا اور تمام مل غنیمت نہیں دیا، اس نے منع کیا اور کہا وہ تمام مل غنیمت لے گا، حضرت ابو موسیٰ نے اس کو بیس کوڑے مارے اور اس کا سر مونڈ دیا، اس نے وہ تمام بل جمع کیے اور حضرت عمرؓ کے پاس گیا اور حضرت ابو موسیٰ کی شکایت کی اور وہ بل نکل کر دکھائے، حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ کے نام خط لکھا: سلام کے بعد واضح ہو کہ فلاں شخص نے مجھ سے تمہاری شکایت کی ہے اور میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ اگر واقعی تم نے اس شخص کے ساتھ یہ زیادتی لوگوں کے مجمع میں کی ہے تو میں لوگوں کے مجمع میں تم سے اس شخص کا قصاص لوں گا اور اگر تم نے تنہائی میں اس شخص کے ساتھ یہ زیادتی کی ہے تو میں تنہائی میں تم سے اس شخص کا قصاص لوں گا، لوگوں نے سفارش کی اور کہا ابو موسیٰ کو معاف کر دیجئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں! خدا کی قسم میں کسی شخص کے ساتھ رعایت نہیں کروں گا جب حضرت عمرؓ نے اس شخص کو وہ خط دیا اور قصاص لینے کے لیے تیار ہو گئے تو اس شخص نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا میں نے ان کو اللہ کے لیے معاف کر دیا۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۸۵۰، مطبوعہ نثرانت ملتان)

قصاص لینا حکومت کا منصب ہے۔

تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ از خود قصاص لے، قصاص لینے کے لیے ضروری ہے کہ حاکم کے پاس مرافعہ کیا جائے پھر حاکم خود قصاص لے گا یا کسی شخص کو قصاص لینے کے لیے مقرر کرے گا، قانون پر عمل کرنے کا منصب صرف حکومت کا ہے، ہر شخص کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے، اسی طرح جلد کر اور مرتد کو قتل کرنا اور حدود اور تعزیرات کو جاری کرنا حکومت کا منصب ہے۔

کیفیت قصاص اور آئہ میں ائمہ مذاہب کی آراء اور ان کے دلائل

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا رائج مذہب یہ ہے کہ جس طرح لور جس کیفیت سے قاتل نے قتل کیا ہے اسی طرح اور اسی کیفیت سے قاتل کو قتل کیا جائے اور یہی قصاص کا تقاضا ہے کیونکہ قصاص کا معنی ہے بدلہ لور بدلہ اسی صورت میں ہو گا نیز حدیث میں ہے کہ ایک یہودی نے پھر مار کر ایک باندی کا قتل کیا تو نبی ﷺ نے بھی اس یہودی کا پتھر سے سر پھاڑ کر اس کا بدلہ لیا، امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے دو پتھروں کے درمیان ایک باندی کا سر پھاڑ دیا، اس باندی سے پوچھا گیا کس نے تمہارا سر پھاڑا ہے، کیا فلاں نے، یا فلاں نے حتیٰ کہ اس یہودی کا نام لیا گیا تو اس باندی نے سر ہلایا، اس یہودی کو بلایا گیا اس نے قتل کرنے کا اقرار کر لیا تو اس کا سر بھی پتھر سے پھاڑ دیا گیا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱-۱۰۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابو حنیفہ اور ایک قول کے مطابق امام احمد کے نزدیک قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا اور اس حدیث میں مثلہ کرنے کی ممانعت سے پہلے کے واقعہ کا بیان ہے، جب نبی ﷺ نے مثلہ کرنے سے منع فرمادیا تو پھر اس کیفیت سے قصاص لینا منسوخ ہو گیا، امام ابو حنیفہ اور امام احمد کی دلیل یہ حدیث ہے : امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تلوار کے سوا کسی چیز سے قصاص لینا (جائز) نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۸۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں :

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تلوار کے بغیر کسی چیز سے قصاص لینا جائز نہیں ہے۔ ابراہیم نے کہا جس شخص کو پتھروں سے قتل کیا جائے یا اس کا مثلہ کیا جائے اس کا قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا اس کو مثلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ شعبی نے کہا تلوار کے سوا کسی چیز سے قصاص لینا جائز نہیں ہے۔ قتادہ نے کہا تلوار کے سوا کسی چیز سے قصاص لینا جائز نہیں ہے۔

(المسنن ج ۹ ص ۳۵۵-۳۵۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں :

جس کیفیت سے قاتل نے قتل کیا ہے اسی کیفیت سے اس کو قتل کیا جائے گا، اگر اس نے غرق کیا ہے تو اس کو غرق کیا جائے گا، اور اگر اس نے پتھر سے قتل کیا ہے تو اس کو پتھر سے قتل کیا جائے گا، امام مالک اور امام شافعی کا یہی قول ہے، البتہ اگر اس کیفیت سے زیادہ عذاب ہو تو پھر اس کو تلوار سے قتل کیا جائے گا اور جس نے آگ سے جلا کر قتل کیا اس کے متعلق امام مالک کے مختلف قول ہیں۔

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں :

جو شخص کسی کو عداً قتل کرے گا تو جس کیفیت سے اس نے قتل کیا ہے اسی کیفیت سے اس سے قصاص لیا جائے گا، اگر کسی نے تلوار سے قتل کیا ہے تو اس کو تلوار سے قتل کیا جائے گا اور اگر اس نے پتھرا لکڑی سے قتل کیا ہے تو اس کو پتھرا لکڑی سے قتل کیا جائے گا۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۵۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں :

اگر کسی شخص نے دوسرے شخص پر متحد وار کر کے زخمی کر دیا پھر زخم مندمل ہونے سے پہلے اس کو قتل کر دیا تو اس کی گردن پر تکوار مار کر اس کو صرف قتل کیا جائے گا کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے بغیر تکوار کے قصاص لینا جائز نہیں ہے۔
حافظ ثوری 'لام ابو یوسف اور لام محمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ لام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ جس صفت سے قاتل نے قتل کیا ہے اسی صفت سے اس کو قتل کیا جائے گا حتیٰ کہ اگر اس نے آگ میں جلایا ہے تو اس کو آگ میں جلایا جائے گا اور اگر اس نے دریا میں غرق کیا ہے تو اس کو غرق کیا جائے گا کیونکہ قرآن مجید میں ہے :

وَلَنْ عَاقِبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهِ ۖ
(النحل : ۴۶) تکلیف پہنچائی گئی تھی۔
اور اگر تم انہیں سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جس طرح تمہیں

فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا
اعْتَدَى عَلَيْكُمْ (البقرة : ۱۷۳)
جو شخص تم پر زیادتی کرے تو تم اس پر اسی طرح زیادتی کرو
جس طرح اس نے تم پر زیادتی کی تھی۔

لام احمد نے یہودی کا پتھر سے قصاص لینے پر بھی استدلال کیا ہے اور تکوار سے قصاص لینے والی حدیث کے متعلق کہا
ہے اس کی سند درست نہیں ہے۔
(المغنی ج ۸ ص ۲۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ھ)
علامہ المرغینانی الحنفی لکھتے ہیں :

قصاص صرف تکوار سے لیا جائے گا کیونکہ حدیث میں ہے تکوار کے بغیر قصاص لینا جائز نہیں ہے۔

(حدایہ اخیرین ص ۵۶۳ مطبوعہ مکتبہ ملیہ ملتان)

لام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی آدمی کو مثلہ کر کے قتل کیا یعنی اس کے جسم کے مختلف اعضاء
کٹ ڈالے اور اگر پھر قاتل سے اسی کیفیت سے قصاص لیا جائے تو لازم آئے گا کہ اس قاتل کو مثلہ کیا جائے حالانکہ
احادیث صحیحہ میں مثلہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

لام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو جو
فحش اللہ کے ساتھ کفر کرے اس کے ساتھ قتل کرو، خیانت نہ کرو، عہد شکنی نہ کرو، مثلہ نہ کرو (کسی شخص کے اعضاء کاٹ
کر اس کے جسم کو نہ بگاڑو) الحدیث
(صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو لام ترمذی، لام ابن ماجہ، لام مالک، لام دارمی اور لام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

تاکم قرآن مجید کی یہ آیت اور سورہ نمل اور سورہ بقرہ کی آیتیں ائمہ ثلاثہ کے موقف کی تائید کرتی ہیں۔

وَجَزَاءٌ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةً مِّثْلُهَا (الشوری : ۴۰)
اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا
جس نے برائی کی تو اس سے اسی کی مثل بدلہ لیا جائے گا۔

(المومن : ۴۰)

ملی محتفل کے معاف کرنے کی تفصیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو جس (قاتل) کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا تو (اس کا) دستور کے
مقتبہ معاف کیا جائے اور غلے کے ساتھ اس کی لوائیگی کی جائے یہ (حکم) تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت

ہے، پھر اس کے بعد جو حد سے تجاوز کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

یعنی مقتول کے ولی نے قاتل کو معاف کر دیا، قاتل کو مقتول کے بھائی سے تعبیر فرمایا ہے تاکہ ولی مقتول کو معاف کرنے میں رغبت ہو اور وہ قصاص کا مطالبہ ترک کر دے اور دستور کے مطابق دیت کا مطالبہ کیا جائے یعنی شریعت میں جو دیت کی مقدار مقرر کی گئی ہے ولی مقتول اس سے زیادہ کا مطالبہ نہ کریں اور قاتل کے عصبیت دیت کی لواٹنگی کی مدت میں تاخیر اور مقدار میں کمی نہ کریں اور معاف کرنے اور دیت ادا کرنے کا حکم تمہارے رب کی طرف سے تخفیف ہے اور اس میں تم پر رحمت ہے کیونکہ یہود کی شریعت میں صرف قصاص واجب تھا اور نصاریٰ کی شریعت میں صرف دیت واجب تھی، اور تمہارے لیے یہ آسانی ہے کہ مقتول کا ولی قاتل سے قصاص لے یا دیت لے یا بالکل معاف کر دے۔ تمہیں ہر طرح اختیار کی وسعت دی گئی اور کوئی ایک شق واجب نہیں کی گئی۔ اور جس نے اس کے بعد حد سے تجاوز کیا یعنی اگر ولی مقتول نے معاف کرنے کے بعد قاتل کو قتل کیا تو اس کو دنیا اور آخرت میں عذاب ہو گا، دنیا میں اس کو قتل کیا جائے گا اور آخرت کا عذاب الگ ہو گا۔

دیت کی مقدار اور عاقلہ کا بیان

(۱) دیت کی مقدار سو اونٹ یا ہزار دینار (۴۷۳۷۳ کلو سونا) یا دس ہزار درہم (۳۰۶۲۱۸ کلو چاندی) ہے

(ب) دیت کو تین سل میں قسط وار ادا کرنا قاتل کی عاقلہ پر لازم ہے۔

(ج) عاقلہ سے مراد قاتل کے حمایتی اور مددگار ہیں، یہ اس کے اہل قبیلہ، اہل محلہ اور اہل صنعت و حرفت ہو سکتے ہیں، جو شخص کسی مل یا کارخانہ میں ملازم ہو، اس مل یا فیکٹری کے مالکن اور کارکنان کو بھی عاقلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

دیت پر مفصل بحث ان شاء اللہ سورہ نساء آیت : ۹۲ میں بیان کی جائے گی۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ

جب تم میں سے کسی کو موت لگے (سو) اگر اس نے مال چھوڑا ہے (تو) اس پر ماں باپ اور رشتہ داروں

لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُسْلِمِينَ ۚ فَمَنْ

کے لیے دستور کے موافق وصیت کرنا فرض کیا گیا ہے، یہ پرہیزگاروں پر حق ہے سو جس نے

بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ

وصیت کو سننے کے بعد اس کو تبدیل کیا تو اس کا گناہ مرت تبدیل کرنے والوں پر ہے

إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۚ فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ جَنَفًا وَاِثْمًا

بیشک اللہ سب کچھ سننے والا بہت جاننے والا ہے پھر جس کو وصیت کرنے والے سے بے انصافی یا گناہ کا خوف ہو

فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۸۲

پس وہ ان کے درمیان صلح کرائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم کرنے والا ہے

رہا آیات اور خلاصہ تفسیر

اس سے پہلی آیتوں میں قتل اور قصاص کا ذکر تھا جس کے ضمن میں موت کا معنی تھا اور لوگ عام طور پر موت کے وقت وصیت کرتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وصیت کے متعلق ہدایت دی کہ جب کوئی شخص مرض الموت میں مبتلا ہو یا کسی اور وجہ سے اس پر موت کی علامات ظاہر ہوں اور اس کے پاس مل ہو تو اس پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ اپنے والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیت کرے۔ اور وصیت کرنے والے کی موت کے بعد اس کی وصیت کو تبدیل کرنا سخت گناہ ہے اگر مرنے والے نے دستور کے مطابق وصیت کی تھی اور بعد میں کسی نے اس کو تبدیل کر دیا تو وصیت کرنے والے سے آخرت میں باز پرس نہیں ہوگی اس کا گناہ صرف وصیت تبدیل کرنے والے کو ہوگا۔ اگر کسی شخص کو قرآن سے یا وصیت کرنے والے کے کسی بیان سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کسی وارث کو محروم کرنا چاہتا ہے یا کسی وارث کو دستور سے زیادہ دینا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اصلاح کی کوشش کرے اور وصیت کرنے والے کو عدل و انصاف کی تلقین کرے۔

وصیت کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ سید زبیدی لکھتے ہیں :

وصیت کا معنی اتصل ہے اور وصیت کو اس لیے وصیت کہتے ہیں کہ یہ میت کے معاملات کے ساتھ متصل ہوتی

(تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۳۳ مطبوعہ المطبعة الخيرية مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ راغب اصفہانی نے کہا د سروں کے عمل کرنے کے لیے پیشگی کوئی بات بہ طور تاکید کہنا وصیت ہے۔

(المفردات ص ۵۲۵ مطبوعہ المكتبة الرضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

علامہ میر سید شریف نے کہا موت کے بعد کسی کو کسی چیز کا بہ طور احسان مالک بنانا وصیت ہے۔

(کتاب التعریفات ص ۱۱۱ مطبوعہ المطبعة الخيرية مصر ۱۳۰۶ھ)

ڈاکٹر وجہ زحلی نے کہا کسی شخص کا اپنے ترکہ میں ایسا تصرف کرنا جس کا اثر موت کے بعد مرتب ہو یہ وصیت

(التفسیر المنیر ج ۱ ص ۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

وصیت کی اقسام

علامہ شاہی نے وصیت کی چار اقسام بیان کی ہیں :

(۱) واجب : انسان اللہ تعالیٰ کے جن حقوق کو لو ا نہیں کر سکا ان کی وصیت کرنا اس پر واجب ہے۔ مثلاً جن سالوں کی زکوٰۃ لو ا نہیں کی یا حج نہیں کیا تو ان کے متعلق وصیت کرے یا اس سے نمازیں اور روزے چھوٹ گئے جن کی قضاء نہیں کی ان کے فدیے کے بارے میں وصیت کرے یا مالی کفارے لو ا نہیں کیے ان کے لیے وصیت کرے اسی طرح انسان بعدل کے جن حقوق کو لو ا نہیں کر سکا ان کے متعلق وصیت کرے مثلاً کسی کا قرض دینا ہے جس کا کسی کو پتا نہیں کسی

کی لمت لوٹنی ہے، کسی کی کوئی چیز غصب کر لی تھی اس کو واپس کرنا ہے، اس قسم کی وصیت کرنا واجب ہے۔

(۲) مستحب : دینی مدارس، مساجد، علماء، دینی طلبہ، غریب قربات داروں اور دیگر امور خیر کے لیے وصیت کرنا مستحب ہے۔

(۲) مباح : امیر رشتہ داروں اور دنیا داروں کے لیے وصیت کرنا مباح ہے۔

(۳) مکروہ : فسق اور فجار کے لیے وصیت کرنا مکروہ ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۳۱۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ جن حقوق کا لو کرنا فرض ہے ان کے لیے وصیت فرض ہوگی جیسے زکوٰۃ اور جن حقوق کا

ادا کرنا واجب ہے ان کے بارے میں وصیت واجب ہوگی جیسے روزے کا کفارہ (کیونکہ اس کا ثبوت حدیث سے ہے اور ظنی

ہے) اسی طرح غریب فسق اور فجار کے لیے وصیت کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور امیر فسق اور فجار کے لیے وصیت کرنا مکروہ

تحریمی ہے، کیونکہ اگر وہ غریب ہیں تو ہو سکتا ہے اس مل کو وہ اپنی کفالت پر خرچ کریں اور اگر امیر ہیں تو ظن غالب ہے کہ

وہ معصیت اور فسق و فجور پر خرچ کریں گے، اور معصیت کے لواہوں کے لیے وصیت کرنا حرام ہے، مثلاً قلم سٹوڈیو، آرٹ

کونسل، ریس کورس وغیرہ، اسی طرح کفار کے لیے وصیت کرنا بھی حرام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مصنف کی تحقیق کے مطابق

وصیت کی سات قسمیں ہیں۔ (۱) فرض (۲) واجب (۳) مستحب (۴) مباح (۵) مکروہ تنزیہی (۶) مکروہ تحریمی (۷) حرام

(مستحب اور مباح کی وہی مثالیں ہیں جو اوپر مذکور ہیں)

وصیت کی شرائط اور رکن

وصیت کی حسب ذیل شرائط ہیں :

(۱) وصیت کرنے والا مالک بنانے کا اہل ہو، اس لیے نابالغ، مجنون اور مکاتب کی وصیت صحیح نہیں ہے۔

(۲) وصیت کرنے والے کے ترکہ پر قرض محیط نہ ہو کیونکہ قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے۔

(۳) جس کے لیے وصیت کی جائے وہ وصیت کے وقت زندہ ہو خواہ تحقیقاً یا تقدیراً (جیسے حاملہ کے بطن میں بچہ کے لیے

وصیت کی جائے)

(۴) جس کے لیے وصیت کی جائے وہ وارث نہ ہو۔

(۵) جس کے لیے وصیت کی جائے وہ قاتل نہ ہو، خواہ قتل عمد ہو یا قتل خطاء، البتہ قتل بالسبب وصیت کے منافی نہیں ہے۔

(۶) جس چیز کی وصیت کی ہو وہ تملیک کے قابل ہو، خواہ وہ اس وقت موجود ہو یا اس کا وجود بعد میں ہو، مثلاً ایک سل یا

ہیشہ کے لیے بلغ یا درخت یا درخت کے پھلوں کی وصیت کی جائے۔

(۷) کل ترکہ کے تمام مال میں وصیت کی جائے۔

وصیت کا رکن یہ ہے کہ وصیت کرنے والا کسے میں نے فلاں چیز کی فلاں شخص کے لیے وصیت کی ہے۔

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۵ ص ۳۱۵-۳۱۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

وصیت کا لزوم

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص کے پاس کوئی

وصیت کے لائق چیز ہو اور وہ اس میں وصیت کرنا چاہتا ہو اس کے لیے وصیت لکھے بغیر دو راتیں گزارنا بھی جائز نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر ورثاء چاہیں تو جائز ہے۔

حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر (دیگر) وارث اجازت دیں تو پھر جائز ہے۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ نثر السنتہ لمن)

اگر کوئی شخص کسی وارث کو محروم کر دے یا کسی شخص کے لیے اس قدر زیادہ وصیت کرے جس سے دوسرے حق داروں کے حصوں میں کمی ہو تو وہ شخص گنہگار ہو گا۔ امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک مرد اور عورت ساٹھ سال تک اللہ کی عبادت کرتے رہتے ہیں پھر ان کو موت آ جاتی ہے اور وہ وصیت میں (کسی کو) ضرر پہنچاتے ہیں تو ان کے لیے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

زندگی میں صحت کے وقت صدقہ کرنے میں موت کے وقت صدقہ کی وصیت کرنے کی بہ نسبت بہت زیادہ فضیلت ہے، امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ کون سے صدقہ میں زیادہ فضیلت ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اس وقت صدقہ کرو جب تم صحت مند ہو، مل پر حمیص ہو، زندگی کی امید ہو اور تنگ دستی کا خوف ہو، اور صدقہ میں تاخیر نہ کرتے رہو حتیٰ کہ جب موت حلقوم تک پہنچ جائے تو کو یہ چیز فلاں کے لیے اور یہ چیز فلاں کے لیے، یہ تو (اب تم کو یا نہ کو) فلاں کے لیے ہو ہی جائے گی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کرے تو وہ موت کے وقت سو درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى

اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر

اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ

معدودہ چند دنوں میں سو جو شخص

روزہ رکھنا فرض کیا گیا تھا تا کہ تم متقی بن جاؤ

كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى

تم میں سے بیمار ہو یا مسافر ہو (اور وہ روزے نہ رکھے) تو دوسرے دنوں میں عدد (پورا کرنا لازم ہے) اور جن لوگوں پر روزے

الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا

رکھنا دشوار ہو (ان پر ایک روزہ کا) فدیہ، ایک مسکین کا کھانا ہے، پھر جو خوشی سے فدیہ کی مقدار بڑھا کر زیادہ نیکی کرے تو یہ

فَهُوَ خَيْرٌ لَّهِ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۳﴾

اس کے لیے زیادہ بہتر ہے، اور اگر تمہیں علم ہو تو روزہ رکھنا تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے

ربط آیات

سابقہ آیات میں پہلے قصاص کا حکم دیا گیا تھا جس کا تقاضا یہ ہے کہ قاتل اپنے جسم کو حکام اور ولی مقتول کے حوالے کر دے تاکہ وہ اس کو قتل کر دیں۔ اس حکم پر عمل کرنا انسان کے لیے بہت مشکل اور دشوار ہے، اس کے بعد وصیت کرنے کا حکم دیا اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے مل کو اپنی ملکیت سے نکل کر دوسروں کے حوالے کر دے، یہ حکم پہلے حکم کی بہ نسبت کم مشکل اور کم دشوار ہے پھر اسکے بعد روزہ رکھنے کا حکم دیا یہ اس سے بھی کم مشکل ہے کیونکہ روزہ رکھنے سے انسان کے صرف کھانے پینے کے معمولات بدل جاتے ہیں اب وہ فجر سے پہلے سحری کرے گا اور دن بھر غروب آفتاب تک بھوکا پیاسا رہے گا، پھر مغرب کے بعد کھانا کھائے گا، یہ حکم پہلے دو حکموں کی بہ نسبت اور بھی کم مشکل ہے، تو ان احکام تلاش میں ترتیب یہ ہے کہ پہلے ایک زیادہ مشکل کام کا حکم دیا پھر بتدریج اس مشکل کو کم کر کے احکام دیئے۔ نیز اسلام کے پانچ ارکان میں سے توحید و رسالت پر ایمان، نماز، زکوٰۃ اور نمنا حج کا بھی ذکر اس سے پہلی آیات میں آچکا تھا سو اب روزہ کا ذکر فرمایا۔

قصاص اور وصیت کی روزہ کے ساتھ یہ مناسبت بھی ہے کہ قصاص میں نفس انسان کو حسی طور پر قتل کیا جاتا ہے اور روزہ میں شہوت کو قتل کیا جاتا ہے اور شہوت و طی کا سبب ہے اور و طی نفس انسان کے پیدا ہونے کا سبب ہے، نیز قصاص میں معنوی طور پر اجسام کی حیات ہے اور روزہ میں ارواح کی حیات ہے، کیونکہ روزہ سے ذہن پاکیزہ ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی نعمتوں اور اپنی بری عادتوں اور کوتاہیوں میں غور و فکر کرتا ہے جس سے ندامت ہوتی ہے اور وہ توبہ کرتا ہے اور اس کے دل میں خوف خدا پیدا ہوتا ہے اور وہ گناہوں سے بچتا ہے اور دنیا کی رنگینیوں کو ترک کرتا ہے اور فرشتوں کے لوصاف سے متصف ہو جاتا ہے، اسی سبب سے اس مہینہ میں فرشتے کی وسالت سے قرآن نازل ہوا، یہ اس ہمہ روزہ کا حکم وصیت کے مناسب تھا، کیونکہ وصیت کے ذریعہ پاکباز لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اب ان سے فرشتوں کی ملاقات کا وقت آ رہا ہے، اس لیے وہ مل دنیا کو ترک کر دیں اور دنیا کا مل وصیت کر کے دوسرے ضرورت مندوں کے حوالے کر دیں پھر وصیت کے حکم کو مغفرت اور رحمت پر ختم کیا اور اس کے بعد روزہ کا حکم شروع کیا تاکہ معلوم ہو کہ مغفرت اور رحمت سب سے زیادہ روزہ داروں کو حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا تھا۔

روزہ کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کی مشروعیت کی تاریخ

روزہ کا لغوی معنی ہے : کسی چیز سے رکنا اور اس کو ترک کرنا، اور روزہ کا شرعی معنی ہے : ملکیت اور بالغ شخص کا ثواب کی نیت سے طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے، پینے اور جماع کو ترک کرنا اور اپنے نفس کو تقویٰ کے حصول کے لیے تیار کرنا۔

تمام لوہان اور طل میں روزہ معروف ہے، قدیم مصری، یونانی، رومن اور ہندو سب روزہ رکھتے تھے، موجودہ تورات میں بھی روزہ داروں کی تعریف کا ذکر ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چالیس دن روزہ رکھنا ثابت ہے، یوحنا کی بھی کو یاد رکھنے کے لیے یہود اس زمانہ میں بھی ایک ہفتہ کا روزہ رکھتے ہیں، اسی طرح موجودہ انجیلوں میں بھی روزہ کو عبادت قرار دیا گیا ہے اور روزہ داروں کی تعریف کی گئی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ فرض کیا گیا تھا اسی طرح تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، تاکہ مسلمانوں کو روزہ رکھنے میں رغبت ہو کیونکہ جب کسی مشکل کام کو عام لوگوں پر لاگو کر دیا جاتا ہے تو پھر وہ سہل ہو جاتا ہے۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی نے لکھا ہے کہ ہجرت کے ڈیڑھ سال اور تحویل قبلہ کے بعد دس شعبان کو روزہ فرض کیا گیا۔ (در مختار علی حاشی رد المحتار ج ۲ ص ۸۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ)

سب سے پہلے نماز فرض کی گئی، پھر زکوٰۃ فرض کی گئی اس کے بعد روزہ فرض کیا گیا، کیونکہ ان احکام میں سب سے سہل اور آسان نماز ہے اس لیے اس کو پہلے فرض کیا گیا، پھر اس سے زیادہ مشکل اور دشوار زکوٰۃ ہے کیونکہ مال کو اپنی ملکیت سے نکالنا انسان پر بہت شاق ہوتا ہے، پھر اس کے بعد اس سے زیادہ مشکل عبادت روزہ کو فرض کیا گیا، کیونکہ روزہ میں نفس کو کھانے پینے اور عمل تزویج سے روکا جاتا ہے اور یہ انسان کے نفس پر بہت شاق اور دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے یہ تدریج احکام شرعیہ نازل فرمائے اور اسی حکمت سے رسول اللہ ﷺ نے ارکان اسلام میں نماز اور زکوٰۃ کے بعد روزہ کا ذکر فرمایا، قرآن مجید میں بھی اس ترتیب کی طرف اشارہ ہے :

وَالْخَشِيعِينَ وَالْخَشِيعَاتِ وَالْمُنَصِّدِينَ وَالْمُنَصِّدَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ (الاحزاب : ۳۵)

نماز میں خشوع کرنے والے مرد اور نماز میں خشوع کرنے والی عورتیں، اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔

رمضان اور روزوں کے فضائل کے متعلق احادیث

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزہ ڈھل ہے، روزہ دار نہ جملع کرے، نہ جماعت کی باتیں کرے، اگر کوئی شخص اس سے لڑے یا اس کو گالی دے تو وہ دو مرتبہ یہ کہے کہ میں روزہ دار ہوں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ اپنے کھانے پینے اور نفس کی خواہش کو میری وجہ سے ترک کرتا ہے، روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا، اور (باقی) نیکیوں کا اجر دس گنا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۴۳۸ھ)

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک دروازہ ہے، جس کا نام ریان ہے، اس دروازہ سے قیامت کے دن روزہ دار داخل ہوں گے، ان کے علاوہ اور کوئی اس دروازہ سے داخل نہیں ہو گا، کہا جائے گا کہ روزہ دار کہاں ہیں؟ پھر روزہ دار کھڑے ہو جائیں گے، ان کے علاوہ اور کوئی اس دروازہ سے داخل نہیں ہو گا، ان کے داخل ہونے کے بعد اس دروازہ کو بند کر دیا جائے گا پھر اس میں کوئی داخل نہیں ہو سکے گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۴۳۸ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب رمضان داخل ہوتا ہے تو آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

ام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے ایک روایت میں جنت کے دروازوں کا ذکر کیا ہے اور دوسری روایت میں رحمت کے دروازوں کا ذکر کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے حالت ایمان میں ثواب کی نیت سے یلتہ القدر میں قیام کیا اس کے پہلے (صغیر) گنہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے حالت ایمان میں ثواب کی نیت سے روزہ رکھا اس کے پہلے (صغیر) گنہ بخش دیئے جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ فرماتے ہیں جس نے جھوٹی بات اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ کو اس کے کھٹا پینا چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزے کے سوا ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہوتا ہے، روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا، روزہ ڈھل ہے اور جب تم میں سے کوئی شخص روزہ سے ہو تو وہ نہ جملع کی باتیں کرے نہ شور و شغب کرے، اگر کوئی شخص اس کو گل دے یا اس سے لڑے تو وہ یہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے روزہ دار کے منہ کی بول اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے، روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی افطار کے وقت اور ایک خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت ہوگی اس وقت وہ اپنے روزہ سب خوش ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی، ۱۴۳۸ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے وصل کے روزے رکھے تو صحابہ نے بھی وصل کے روزہ رکھے ان پر یہ روزے دشوار ہوئے، آپ نے ان کو منع فرمایا صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ آپ بھی تو وصل کے روزے رکھتے ہیں! آپ نے فرمایا تم میں میری مثل کون ہے؟ مجھے تو کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی، ۱۴۳۸ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے رمضان کا ایک روزہ بھی بغیر عذریا بغیر مرض کے چھوڑا تو اگر وہ تمام دہر بھی روزے رکھے تو اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی، ۱۴۳۸ھ)

ام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایک دن اللہ کی راہ میں روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چہو کو جنم سے ستر سال کی مسافت دور کر دیتا ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی، ۱۴۳۸ھ)

حافظ منذری لکھتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پانچ نمازیں ایک جمعہ سے دسرا ہو، اور ایک رمضان سے دسرا رمضان ان کے درمیان ہونے والے گنہوں کا کفارہ ہیں جب کہ گنہ کیوں سے بچا جائے۔ (صحیح مسلم)

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے جب آپ نے پہلی سیڑھی پر چڑھ کر کہا تو فرمایا آمین، جب دوسری سیڑھی پر چڑھ کر کہا تو فرمایا آمین پھر جب تیسری سیڑھی پر چڑھ کر کہا تو فرمایا آمین، پھر آپ نے فرمایا میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا اے محمد! جس نے رمضان کو پلایا اور اس کی بخشش نہیں کی مگر اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کر دے، میں نے کہا آمین، اور کہا جس نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو پلایا اس کے بلوجود وہ دوزخ میں داخل ہو گیا، اللہ اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے میں نے کہا آمین اور کہا جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کر دے میں نے کہا آمین۔ (صحیح ابن حبان)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے شعبان کے آخری دن خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو! تمہارے پاس ایک عظیم اور مبارک مہینہ آپہنچا ہے اس مہینہ میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اللہ نے اس مہینہ میں روزہ کو فرض کر دیا ہے اور اس کی رات میں قیام کو نفل کر دیا ہے جو شخص اس مہینہ میں کوئی نیکی کرے تو وہ دوسرے مہینہ میں فرض لوار کرنے کی مثل ہے، اور جو شخص اس مہینہ میں فرض لوار کرے تو وہ ایسا ہے جیسے دوسرے مہینہ میں ستر فرض لوار کیے، یہ مہر کا مہینہ ہے اور مہر کا ثواب جنت ہے، یہ نمکساری کرنے کا مہینہ ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کے رزق میں زیادتی کی جاتی ہے اس مہینہ میں جو کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کے لیے گناہوں کی مغفرت ہے، اور اس کی گردن کے لیے دوزخ سے آزادی ہے، اور اس کو بھی روزہ دار کی مثل اجر ملے گا اور اس روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی، صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص کی یہ استطاعت نہیں ہے کہ وہ روزہ دار کو افطار کرا سکے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمائے گا جو روزہ دار کو ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی یا ایک گھونٹ دودھ سے روزہ افطار کرائے، یہ وہ مہینہ ہے جس کا لول رحمت ہے، جس کا لول مغفرت ہے، اور جس کا آخر جہنم سے آزادی ہے، جس شخص نے اس مہینہ میں اپنے خلوام سے کام لینے میں تخفیف کی اللہ اس کی مغفرت کر دے گا، اور اس کو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔ اس مہینہ میں چار خصلتوں کو جمع کرو، دو خصلتوں سے تم اپنے رب کو راضی کرو اور دو خصلتوں کے بغیر تمہارے لیے کوئی چارہ کار نہیں ہے، جن دو خصلتوں سے تم اپنے رب کو راضی کرو گے وہ کلمہ شہادت پڑھنا ہے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا ہے، اور جن دو خصلتوں کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے وہ یہ ہیں کہ تم اللہ سے جنت کا سوال کرو اور اس سے دوزخ سے پناہ طلب کرو اور جو شخص کسی روزہ دار کو پانی پلائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے پلائے گا اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی حتیٰ کہ وہ جنت میں چلا جائے گا۔ (صحیح ابن خزیمہ، بیہقی، صحیح ابن حبان)

امام ابن حبان نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے مہینہ میں اپنی حلال کمائی سے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا تو رمضان کی تمام راتوں میں فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں اور یلتمہ القدر میں جبریل علیہ السلام اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور جس سے جبریل علیہ السلام مصافحہ کرتے ہیں اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور اس کے بہت آنسو نکلتے ہیں۔ حضرت سلمان نے کہا یا رسول اللہ! یہ فرمائیے اگر کسی شخص کے پاس افطار کرانے کے لیے کچھ نہ ہو؟ آپ نے فرمایا وہ ایک مٹھی طعام دے دے، میں نے کہا یہ فرمائیے اگر اس کے پاس روٹی کا ایک لقمہ بھی نہ ہو؟ آپ نے فرمایا وہ ایک گھونٹ دودھ دے دے، میں نے عرض کیا اگر اس کے پاس وہ بھی نہ ہو؟ فرمایا وہ ایک گھونٹ پانی دے دے۔ (امام ابن خزیمہ اور بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رمضان آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس رمضان آگیا ہے، یہ برکت کا مہینہ ہے اللہ تعالیٰ تم کو اس میں ڈھلپ لیتا ہے اس میں رحمت نازل ہوتی ہے اور گنہ جھڑ جاتے ہیں اور اس میں دعا مقبول ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس مہینہ میں تمہاری رغبت کو دیکھتا ہے سو تم اللہ کو اس مہینہ میں نیک کام کر کے دکھاؤ کیونکہ وہ شخص بد بخت ہے جو اس مہینہ میں اللہ عز و جل کی رحمت سے محروم رہا۔ (اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں البتہ اس کے ایک راوی محمد بن قیس کے متعلق مجھے کوئی جرح یا تعدیل مستحضر نہیں ہے)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ماہ رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور پھر پورے ماہ ان میں سے ایک دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا، اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور پھر پورے ماہ ان میں سے کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا، اور سرکش جنوں کے گلوں میں طوق ڈال دیا جاتا ہے اور ہر رات صبح تک ایک منہوی آسمان سے نڈا کرتا ہے، اے نیکی کے طلب کرنے والے نیکی کا قصد کر اور زیادہ نیکی کر، اور اے برائی کے طلب کرنے والے برائی میں کمی کر اور آخرت میں غور و فکر کر، کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے تو اس کی مغفرت کر دی جائے اور کوئی توبہ کرنے والا ہے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور کوئی دعا کرنے والا ہے تو اس کی دعا قبول کی جائے اور کوئی سؤل کرنے والا ہے تو اس کا سؤل پورا کیا جائے، اور اللہ تعالیٰ ماہ رمضان کی ہر رات میں ساٹھ ہزار لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے، اور رمضان کی ہر رات میں جتنے لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے عید کے دن اس سے تیس گنا زیادہ لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے۔ (اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث حسن ہے)

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کا ذکر کیا اور تمام مہینوں پر اس کی فضیلت بیان کی پس فرمایا جس نے رمضان میں ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے قیام کیا وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح آج ہی اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو۔ (اس حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے)

حضرت عمرو بن موملہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سؤل کیا : یا رسول اللہ یہ بتائیے اگر میں اللہ کے وحدہ لا شریک ہونے اور آپ کے رسول اللہ ہونے کی گواہی دوں، اور پانچوں نمازیں پڑھوں اور زکوٰۃ لو اکووں اور رمضان کے روزے رکھوں اور قیام کروں تو میرا کن لوگوں میں شمار ہو گا؟ آپ نے فرمایا صدیقین اور شہداء میں (مسند بزرگ، صحیح ابن خزيمة، صحیح ابن حبان) (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۶-۵۷، ملتقطاً مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ)

بعض نقلی روایات کی فضیلت

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے عبداللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی ہے کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو میں نے عرض کیا کیوں نہیں؟ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا نہ کہ روزہ بھی رکھو اور نفل بھی کرو (غیر روزہ کے رہو) قیام بھی کرو اور سوؤ بھی، کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری پیوی کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہارے مہمان کا بھی تم

پر حق ہے، اور تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہر مہینہ کے تین دن روزے رکھو، اور تمہیں ہر نیکی کا دس گنا اجر ملے گا اور یہ تمہارے لیے پورے دہر کے روزے ہو جائیں گے، میں نے شدت کی اور کمایا رسول اللہ میں قوت پاتا ہوں تو آپ نے فرمایا اللہ کے نبی داؤد کے روزے رکھو اور اس پر زیادتی نہ کرو میں نے عرض کیا اللہ کے نبی داؤد کے روزے کس طرح تھے؟ آپ نے فرمایا نصف دہر (ایک دن روزہ ایک دن انظار) (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطلاع کراچی ۱۴۳۸ھ)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

ابن ملکان قیسی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں لیام بیض کے روزے رکھنے کا حکم دیتے تھے تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ کے روزے کا اور فرماتے تین روزوں سے پورے دہر کے روزوں کا اجر ملے گا۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۳۲، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۳۰ھ)

تین روزوں کا دس گنا اجر ملے گا جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے تو ہر ماہ تین روزے رکھنے سے پورے ماہ کے روزوں کا اجر ملے گا اور جو شخص ہمیشہ یہ روزے رکھے گا اس کو تمام دہر کے روزوں کا اجر ملے گا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس نے شوال کے چھ روزے رکھے تو اس کو تمام دہر کے روزوں کا اجر ملے گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطلاع کراچی ۱۴۳۵ھ)

ہر نیکی کا دس گنا اجر ہوتا ہے تو چھتیس روزوں کا اجر ۳۶۰ روزوں کے برابر ہوا گویا وہ پورا سال روزہ دار رہا۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یوم عرفہ کا روزہ رکھنے سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہ مٹا دے گا اور دس محرم کا روزہ رکھنے سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ایک سال پہلے کے گناہ مٹا دے گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطلاع کراچی ۱۴۳۵ھ)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

قدامہ بن مطعون بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت اسلمہ بن زید رضی اللہ عنہما کے ساتھ ولوی القرئی میں اپنے مل کی طلب میں گئے، حضرت اسلمہ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے، قدامہ نے کہا آپ بوڑھے آدمی ہیں آپ پیر اور جمعرات کا روزہ کیوں رکھتے ہیں، انہوں نے کہا نبی ﷺ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے، آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا پیر اور جمعرات کو بندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۳۱، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۳۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ماہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینہ محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۳۰، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۳۰ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (مسلسل) روزے رکھتے تھے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ اب آپ انظار (روزہ ترک کرنا) نہیں کریں گے، اور آپ روزے نہ رکھتے تھے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ اب آپ روزے نہیں رکھیں گے، اور میں نے رمضان کے علاوہ آپ کو کسی ماہ کے مکمل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ شعبان کے مہینہ سے زیادہ کسی اور

یہ روزے رکھے ہوئے دیکھا۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۱-۳۳۰ مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۳۰ھ)
بعض ایام میں روزہ رکھنے کی ممانعت
لام ابوداؤد بیان کرتے ہیں :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا، عید الاضحیٰ کے دن کیونکہ اس دن تم اپنی قربانی کا گوشت کھاتے ہو اور عید الفطر کے دن کیونکہ اس دن تم اپنے روزوں سے افطار کرتے ہو۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۸ مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۳۰ھ)

حضرت عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق ہم اہل اسلام کی عید ہیں لہذا یہ کھانے پینے کے ایام ہیں۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۹-۳۲۸ مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۳۰ھ)
میدان عرفات میں یوم عرفہ کا روزہ رکھنا منع ہے اور دوسری جگہوں میں اس دن روزہ رکھنا کارِ ثواب ہے اور عیدین میں روزہ رکھنا منوع ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میدان عرفات میں یوم عرفہ کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۱ مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۳۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص (صرف) جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھے، لایہ کہ اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد بھی روزہ رکھے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۹ مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۳۰ھ)

ابوداؤد نے کہا یہ حدیث منسوخ ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۹ مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۳۰ھ)

یہود ہفتہ کے دن کی تعظیم کی وجہ سے اس دن کا روزہ رکھتے تھے ان کی مشابہت کی وجہ سے اس دن کے روزے سے منع فرمایا۔

روزہ کے اسرار و رموز

(۱) روزہ رکھنے سے کھانے پینے اور شہوانی لذت میں کمی ہوتی ہے اس سے حیوانی قوت کم ہوتی ہے اور روحانی قوت زیادہ ہوتی ہے۔

(۲) کھانے پینے اور شہوانی عمل کو ترک کر کے انسان بعض اوقات میں اللہ عز و جل کی صفت صمدیہ سے متصف ہو جاتا ہے اور بہ قدر امکان ملائکہ مقربین کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

(۳) بھوک اور پیاس پر صبر کرنے سے انسان کو مشکلات اور مصائب پر صبر کرنے کی عادت پڑتی ہے اور مشقت برداشت کرنے کی مشق ہوتی ہے۔

(۴) خود بھوکا اور پیاسا رہنے سے انسان کو دوسروں کی بھوک اور پیاس کا احساس ہوتا ہے اور پھر اس کا دل غریب کی مدد کی طرف مائل ہوتا ہے۔

(۵) بھوک پیاس کی وجہ سے انسان گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ رہتا ہے۔

(۶) بھوکا پیاسا رہنے سے انسان کا کبر ٹوٹتا ہے اور اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ کھانے پینے کی معمولی مقدار کا کس قدر محتاج

(۷) بھوکا رہنے سے ذہن تیز ہوتا ہے اور بصیرت کامل کرتی ہے، حدیث میں ہے جس کا پیٹ بھوکا ہو اس کی فکر تیز ہوتی ہے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۱۸)

اور پیٹ (بھر کر کھانا) بیماری کی جڑ ہے اور پرہیز علاج کی بنیاد ہے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۱۸) اور لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی اے بیٹے جب معدہ بھر جاتا ہے تو فکر سو جاتی ہے اور حکمت گونگی ہو جاتی ہے اور عبادت کرنے کے لیے اعضاء ست پڑ جاتے ہیں، دل کی صفائی میں کمی آ جاتی ہے اور مناجات کی لذت اور ذکر میں رقت نہیں رہتی۔

(۸) روزہ کسی کام کے نہ کرنے کا نام ہے، یہ کسی ایسے عمل کا نام نہیں ہے جو دکھائی دے اور اس کا مشاہدہ کیا جائے، یہ ایک مخفی عبادت ہے اس کے علاوہ باقی تمام عبادات کسی کام کے کرنے کا نام ہیں وہ دکھائی دیتی ہیں اور ان کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور روزہ کو اللہ کے سوا کوئی نہیں دیکھتا، باقی تمام عبادات میں ریا ہو سکتا ہے روزہ میں نہیں ہو سکتا یہ اخلاص کے سوالور کچھ نہیں۔

(۹) شیطان انسان کی رگوں میں دوڑتا ہے اور بھوک پیاس سے شیطان کے راستے تنگ ہو جاتے ہیں اس طرح روزہ سے شیطان پر ضرب پڑتی ہے۔

(۱۰) روزہ امیر اور غریب، شریف اور خسیس سب پر فرض ہے اس سے اسلام کی مساوات مؤکد ہو جاتی ہے۔

(۱۱) روزانہ ایک وقت پر سحری اور افطار کرنے سے انسان کو نظام الاوقات کی پابندی کرنے کی مشق ہوتی ہے۔

(۱۲) فریبی، تبخیر اور بسیار خوری ایسے امراض میں روزہ رکھنا صحت کے لیے بہت مفید ہے۔

روزہ کے فساد و عدم فساد کے بعض ضروری مسائل

علامہ علاء الدین حنفی لکھتے ہیں :

اگر روزہ دار بھولے سے کھالے یا پی لے یا جماع کرے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگر روزہ دار کے حلق میں غبار یا مکھی یا دھواں داخل ہو خواہ اس کو روزہ یاد ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ ان سے بچنا مشکل ہے، تیل لگانے سے یا سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا خواہ ان کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو، فصد لگوانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، بوسہ لینے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، بشرطیکہ اس سے انزال نہ ہو، احتلام سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، کلی کرنے کے بعد جو تری منہ میں رہ گئی اس کو نکلنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، کان میں پانی داخل ہونے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگر دانتوں کے درمیان سے خون نکلا اور اس کو نگل لیا تو اگر خون غالب تھا تو روزہ ٹوٹ گیا ورنہ نہیں، استمناء بلید سے اگر انزال ہو گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں۔ اگر ناک (رینٹ) کو اندر کھینچ لیا اور وہ حلق میں چلی گئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، کسی چیز کے چکھنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگر رات سمجھ کر سحری کی اور صبح ہو چکی تھی یا غروب آفتاب سمجھ کر روزہ افطار کیا اور آفتاب غروب نہیں ہوا تھا، تو روزہ ٹوٹ گیا اور اس پر صرف قضاء ہے اور کفارہ نہیں ہے، اگر کوئی شخص رمضان کے روزہ میں عدا جماع کرے، یا عدا دوا یا غذا کھائے یا پیے تو ان تمام صورتوں میں قضا اور کفارہ ہے، اور اگر از خود قے آئے اور وہ اس کو واپس حلق میں نہ لوٹائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا خواہ قے منہ بھر کر آئے یا منہ بھر کر نہ آئے، اور اگر خود بخود واپس حلق میں چلی جائے پھر بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر عدا قے لوٹالی تو روزہ ٹوٹ جائے گا، بشرطیکہ منہ بھر کر قے آئی ہو یہ مختار مذہب ہے، اور اگر از خود قے کی تو اگر منہ بھر کر قے کی ہے تو اجماعاً روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس میں صرف قضاء ہے کفارہ

نہیں ہے۔

روزہ میں کسی چیز کو بلاغذر چکھنا مکروہ ہے، دنداسہ چبانا مکروہ ہے، بوسہ لینا اور معافہ کرنا مکروہ ہے، مونچھوں پر تیل لگانا اور سرمہ لگانا مکروہ نہیں ہے، مسواک کرنا مکروہ نہیں ہے، خولہ شام کے وقت مسواک کی جائے۔

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۲ ص ۱۰۷-۱۰۸ ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹنے کا بیان

تحقیق یہ ہے کہ انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، قدیم فقہاء کے دور میں انسانی جسم کی اور اس کے تمام اعضاء کی مکمل تحقیق نہیں ہوئی تھی اور ان کے نظریات محض مفروضات پر مبنی تھے انہوں نے انسان کے جسم کا مکمل مشاہدہ اور تجزیہ نہیں کیا تھا اور اب تحقیق اور تجربہ سے ان کے کئی نظریات غلط ثابت ہو گئے مثلاً ان کا مفروضہ تھا کہ دماغ اور معدہ کے درمیان ایک منفذ (راستہ) ہے اور دماغ سے معدہ میں یا معدہ سے دماغ میں کوئی چیز چلی جاتی ہے حالانکہ دماغ اور معدہ میں کوئی منفذ نہیں ہے، نیز ان کا مفروضہ تھا کہ کلن اور معدہ میں منفذ ہے حالانکہ کلن اور معدہ میں کوئی منفذ نہیں ہے، انہیں مفروضات کی بناء پر انہوں نے یہ کہا کہ جوف معدہ یا جوف دماغ میں کوئی غذا یا دوا چلی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن یہ فقہاء اس غلطی میں معذور تھے کیونکہ اس زمانہ میں پوسٹ مارٹم کے ذریعہ جسم کے تمام رگ و ریشہ کا مکمل مطالعہ اور مشاہدہ نہیں کیا گیا تھا، نیز ان کے زمانہ میں جسم کو غذا یا دوا کے ذریعہ منفعت پہنچانے کا ذریعہ صرف معدہ کا نظام ہضم تھا، اس لیے انہوں نے کہا دوا یا غذا معدہ میں پہنچ جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، جب ہم منہ کے ذریعہ دوا کھاتے ہیں تو معدہ کے ہضم کرنے کے بعد وہ دوا خون میں پہنچ جاتی ہے اور جب تک وہ دوا خون میں نہ مل جائے اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، پہلے دوا سے استفادہ کا صرف یہی ایک طریقہ تھا، لیکن اب میڈیکل سائنس نے ترقی کر لی ہے اور انجکشن کے ذریعہ دوا کو براہ راست خون میں پہنچا دیا جاتا ہے، بعض اوقات کسی مارضہ کی وجہ سے معدہ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے اور منہ سے دوا کھانے کا کوئی اثر نہیں ہوتا، بعض دفعہ اس قدر التیاء آتی ہیں کہ جو دوا کھاؤ وہ فوراً الٹی کے ذریعہ نکل جاتی ہے پہلے اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں تھا، لیکن اب جب معدہ کام نہ کرے یا کسی چیز کو قبول نہ کرے یا دوا کا اثر جلدی مطلوب ہو تو دوا کو انجکشن کے ذریعہ براہ راست خون میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ لہذا منہ کے ذریعہ دوا کھانے سے جو فائدہ مطلوب ہوتا ہے وہ انجکشن کے ذریعہ دوا خون میں پہنچانے سے بہ طریق اتم اور اکمل حاصل ہو جاتا ہے، فرق یہ ہے کہ منہ کے ذریعہ دوا کھانے سے معدہ کے عمل ہضم کے بعد دوا خون میں پہنچتی ہے اور انجکشن کے ذریعہ اسی وقت براہ راست دوا خون میں پہنچ جاتی ہے اور اثر کرتی ہے اس لیے جس طرح منہ کے ذریعہ دوا کھانے سے روزہ ٹوٹتا ہے اسی طرح دوا کا انجکشن لگوانے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

بعض علماء یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ پھر مچھریا بھڑ کے ڈنک لگانے سے روزہ کیوں نہیں ٹوٹتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ روزہ ٹوٹنے کا مدار اس پر ہے کہ انسان اپنے قصد اور اختیار سے کوئی دوا یا غذا جسم میں پہنچائے، اور مچھریا بھڑ کے کاٹنے میں انسان کا قصد اور اختیار نہیں ہے۔ ثانیاً، دن کے ڈنک سے جو زہر جسم میں پہنچتا ہے وہ دوا یا غذا نہیں ہے نہ اس میں جسم کی منفعت ہے بلکہ اس سے جسم کو ضرر لاحق ہوتا ہے۔ دوا یا گلوکوز کا انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس میں صرف قضا ہے کفارہ نہیں ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز صورتہ "اور معنی" دونوں طرح منظر ہو اس سے قضا اور کفارہ

دونوں لازم آتے ہیں اور جو صرف صورۃ "یا صرف معنی مفطر ہو اس سے صرف قضا لازم ہے کفارہ لازم نہیں ہے اور دوا یا گلوکز کا انجیکشن لگوانا صرف معنی "مفطر ہے صورۃ" مفطر نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر مکمل ہدایت اور ہاتھ بٹ میں نے شرح صحیح مسلم جلد اول طبع خاص میں کی ہے، وہاں مطالعہ فرمائیں اس کا کچھ ذکر شرح صحیح مسلم جلد چہارم کے فیصلہ میں بھی ہے۔

مریض کے روزہ قضا کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا مسافر ہو (اور وہ روزے نہ رکھے) تو دوسرے دنوں میں عدد (پورا کرنا لازم ہے) (البقرہ : ۱۸۳)

علامہ ابو اسحاق شیرازی شافعی لکھتے ہیں :

جو شخص مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو، روزہ رکھنے کی وجہ سے اس کو مرض کے بڑھنے کا خدشہ ہو اور اس مرض کے زائل ہونے کی توقع ہو تو اس پر روزہ رکھنا واجب نہیں ہے اور جب مرض زائل ہو جائے تو اس پر ان روزوں کی قضا کرنا واجب ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے (فمن كان منكم مریضاً او علی سفر فعدة من ایام اخر) اور اگر کسی شخص نے صبح کو تندرستی کی حالت میں روزہ رکھا پھر بیمار ہو گیا تو وہ روزہ توڑ دے کیونکہ ضرورت کی وجہ سے اس کے لیے روزہ توڑنا جائز ہے اور ضرورت مستحق ہے لہذا روزہ توڑنا جائز ہے۔

(المہذب مع شرح المہذب ج ۶ ص ۲۵۸-۲۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ نووی شافعی اس کی شرح میں لکھتے ہیں :

جو شخص کسی ایسے مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے سے عاجز ہو جس مرض کا زائل ہونا متوقع ہو اس پر اس وقت روزہ رکھنا لازم نہیں ہے، اور اس پر قضا لازم ہے یہ اس وقت ہے جب اس کو روزہ رکھنے سے مشقت ہو اور اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ اس کا مرض اس حالت کو پہنچ جائے کہ اس کے لیے روزہ رکھنا ممکن ہی نہ ہو، بلکہ ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ افطار کے مباح ہونے کی شرط یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے اس کو مشقت ہو، اگر اس کو پورے وقت بخار رہتا ہو تو وہ رات کو روزے کی نیت نہ کرے اور اگر کسی وقت بخار ہو اور کسی وقت نہ ہو اگر روزہ کے شروع کے وقت بخار ہو تو روزہ کی نیت نہ کرے اور اگر بخار نہ ہو تو روزہ کی نیت کرے پھر اگر بعد میں بخار ہو جائے اور روزہ توڑنے کی ضرورت ہو تو روزہ توڑ دے۔ اسی طرح اگر تندرست آدمی صبح روزہ رکھے اور بعد میں بیمار ہو جائے تو اس کے لیے بغیر کسی اختلاف کے روزہ توڑنا جائز ہے۔

(شرح المہذب ج ۶ ص ۲۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں :

تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مریض کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور اس کی دلیل سورہ بقرہ کی یہ آیت (۱۸۳) ہے۔ جس مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا جائز ہے یہ وہ مرض ہے جو روزہ رکھنے سے زیادہ یا روزہ رکھنے کی وجہ سے دیر میں صحیح ہو، امام احمد سے کہا گیا کہ مریض کب روزہ نہ رکھے! کہا جب روزہ کی طاقت نہ رکھے پوچھا گیا مثلاً بخار! تو کہا بخار سے بڑھ کر اور کون سا مرض ہو گا؟

(المغنی ج ۳ ص ۳۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں :

ہو۔ شخص صحیح و درست ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے اس کو بیمار پڑنے کا خدشہ ہو وہ اس مریض کی طرح ہے جس کو روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے بڑھنے کا خدشہ ہو۔
(المنہج ج ۳ ص ۳۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں :

مریض کی دو حالتیں ہیں ایک حالت یہ ہے کہ اس میں روزہ رکھنے کی مطلقاً طاقت نہ ہو اس حالت میں اس پر روزہ نہ رکھنا واجب ہے، دوسری حالت یہ ہے کہ وہ تکلیف اور مشقت برداشت کر کے روزہ رکھ سکتا ہو اس حالت میں اس کے لیے روزہ نہ رکھنا مستحب ہے اور اس صورت میں صرف جہل ہی روزہ رکھے گا۔ (الی قولہ) جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ جب روزہ رکھنے سے کسی شخص کو درد ہو یا تکلیف پہنچے یا روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے طول پکڑنے یا زیادہ ہونے کا خدشہ ہو تو اس کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ امام مالک کے مذہب کے ماہرین کا یہی مذہب ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۷۶، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں :

امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا جب یہ خوف ہو کہ اس کی آنکھ میں درد زیادہ ہو گا یا بخار زیادہ ہو جائے گا تو روزہ نہ رکھے۔
(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۷۳، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں :

سفر شرعی کرنے والے مسافر، حاملہ اور دودھ پلانے والی کو غلبہ ظن سے اپنی جان یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو یا مرض بڑھنے کا خوف ہو، یا تندرست آدمی کو غلبہ ظن، تجربہ، علامات یا طبعی کے بتانے سے مرض پیدا ہونے کا خوف ہو یا خلومہ کو ضعف کا خوف ہو تو ان کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور بعد میں ان ایام کی قضاء کریں۔

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۲ ص ۱۷۷-۱۷۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جس شخص کے گردہ میں پتھری ہو یا جس کو درد گردہ کا عارضہ ہو اس کو دن میں بیس چوبیس گلاس پانی پینے ہوتے ہیں یا جو شخص ہسپتال کے انتہائی نگہداشت کے شعبہ میں داخل ہو، یہ لوگ اس بیماری کے دوران روزے نہ رکھیں اور بیماری زائل ہونے کے بعد ان روزوں کی قضا کریں۔

مسافر کے روزہ قضا کرنے کے متعلق مذہب ائمہ

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سفر میں بھیڑ دیکھی اور دیکھا ایک شخص پر سلیہ کیا گیا ہے، آپ نے پوچھا اس کو کیا ہوا، عرض کیا یہ روزہ دار ہے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۴۳۸ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ سفر کرتے روزہ دار، روزہ نہ رکھنے والے کی خدمت کرتا تھا نہ روزہ نہ رکھنے والا روزہ دار کی خدمت کرتا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۴۳۸ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ مدینہ سے مکہ گئے جب آپ صحن پر پہنچے تو آپ نے اپنی منگلیا اور اس کو اپنے ہاتھ سے اوپر اٹھایا تاکہ اس کو لوگ دیکھ لیں پھر آپ نے روزہ کھول لیا (اس کے بعد آپ نے

روزے نہیں رکھے) حتیٰ کہ مکہ پہنچ گئے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۸، مطبوعہ نور محمد صالح المصالح کراچی ۱۴۳۸ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں :

مسافر کے لیے روزہ رکھنا اور روزہ نہ رکھنا دونوں جائز ہیں، اگر اس کو روزہ رکھنے سے ضرر نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر ضرر ہو تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ (رونتہ الطالین ج ۲ ص ۲۳۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں :

مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اگر اس نے روزہ رکھ لیا تو یہ مکروہ ہے لیکن روزہ ہو جائے گا۔

(المغنی ج ۳ ص ۴۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں :

علماء کا اختلاف ہے کہ کس سفر میں روزہ نہ رکھنے اور نماز قصر کرنے کی رخصت ہے۔ حج، جہاد یا دیگر عبادت کے لیے سفر ہو تو اس میں اس رخصت پر اہتمام ہے۔ رشتہ داروں سے ملاقات اور طلب معاش کے لیے سفر بھی اس کے ساتھ لاحق ہے، تجارت اور مباح سفر (مثلاً سیرو سیاحت) میں اختلاف ہے لیکن ان میں بھی رخصت کا ہونا زیادہ رائج ہے، اور جو سفر معصیت ہو (مثلاً چوری یا ڈاکے کے لیے سفر کرے) اس میں اختلاف ہے اور اس میں رخصت کا ممنوع ہونا رائج ہے، اور سفر کی مسافت کی مقدار امام مالک کے نزدیک وہی ہے جتنی مسافت میں قصر جائز ہوتی ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۷۷، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابن عابدین شافعی حنفی لکھتے ہیں :

سفر شرعی میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے جو تین دن تین راتوں کی مسافت پر مشتمل ہو، خواہ یہ سفر معصیت ہو۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ کے معنی کی تحقیق میں احادیث اور آثار

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جن لوگوں پر روزہ رکھنا دشوار ہو (ان پر ایک روزہ کا) فدیہ، ایک مسکین کا کھانا ہے۔

اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے، آیا اس کا معنی ہے جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ روزہ نہ رکھیں اور ایک مسکین کا کھانا فدیہ میں دیں، اور پھر یہ آیت اس دوسری آیت سے منسوخ ہو گئی :

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو وہ ضرور اس

(البقرہ : ۱۸۵) ماہ میں روزہ رکھے۔

یا اس آیت میں یطیقونہ، یطوقونہ کے معنی میں ہے : یعنی جن لوگوں پر روزہ رکھنا سخت دشوار ہو، وہ روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

اول الذکر معنی کی تائید میں یہ حدیث ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں :

وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين، حضرت ابن عمر اور حضرت سلمہ بن اکوع نے کہا اس کو اس آیت نے منسوخ کر دیا، شهر رمضان الذي انزل فيه القرآن هدى للناس وبينات من الهدى والفرقان فمن شهد منكم الشهر فليصمه۔

لیکن لہی لہی بیان کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت محمد ﷺ کے اصحاب بیان کرتے ہیں کہ رمضان نازل ہوا اور صحابہ پر روزہ رکھنا دشوار ہوا تو بعض صحابہ جو روزہ کی طاقت رکھتے تھے وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتے اور روزہ ترک کر دیتے انہیں اس کی رخصت دی گئی تھی، پھر اس رخصت کو اس آیت نے منسوخ کر دیا وان تصوموا خیر لکم ”روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے۔“ تو انہیں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے فدیۃ طعام مسکین کو پڑھا اور فرمایا یہ منسوخ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

لور قطنی الذکر معنی کی تائید میں یہ حدیث ہے، امام دار قطنی روایت کرتے ہیں :
عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب بوڑھا شخص روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو وہ ایک مد (ایک کلو) طعام کھلا دے، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۰۳، مطبوعہ نشر النستہ ملتان)
امام دار قطنی نے ایک لور سند سے روایت کیا :

عطاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے وعلى الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین کی تفسیر میں فرمایا ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور فمن تطوع خیرا کی تفسیر میں فرمایا اگر ایک سے زیادہ مسکین کو کھلائے تو زیادہ بہتر ہے، لور فرمایا یہ آیت منسوخ نہیں ہے، البتہ اس میں اس بوڑھے شخص کو رخصت دی گئی ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا لور اس کو طعام کھلانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس حدیث کی سند ثابت اور صحیح ہے۔

امام دار قطنی نے ایک لور سند سے اس حدیث کو عطا سے روایت کیا ہے اس میں حضرت ابن عباس نے فرمایا یطیقونہ کا معنی ہے یکلفونہ یعنی جو سخت دشواری سے روزہ رکھیں وہ اس کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں لور جو ایک سے زیادہ مسکین کو کھلائے تو یہ اس کے حق میں زیادہ بہتر ہے اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور تمہارا روزہ رکھنا بہتر ہے، یہ رخصت صرف اس بوڑھے شخص کے لیے ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا یا اس مریض کے لیے ہے جس کو بیماری سے شفا کی توقع نہیں ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

امام دار قطنی نے ایک لور سند کے ساتھ مجاہد اور عطا سے حضرت ابن عباس کی یہ روایت ذکر کی ہے اور کہا اس کی سند صحیح ہے۔

امام دار قطنی نے ایک لور سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کیا :
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بوڑھے شخص کو یہ رخصت دی گئی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھلائے لور اس پر قضاء نہیں ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

امام دار قطنی نے چودہ صحیح سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔
(سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۰۷-۲۰۵، مطبوعہ نشر النستہ ملتان)

نیز امام دار قطنی روایت کرتے ہیں :
نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے ایک حلالہ عورت نے سوال کیا تو انہوں نے کہا تم روزہ نہ رکھو لور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلاؤ لور قضاء نہ کرو۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی بیٹی ایک قرشی کے نکاح میں تھی وہ حلالہ تھی اس کو رمضان میں پیاس لگی تو

حضرت ابن عمر نے فرمایا وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

ایوب بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک ایک کمزوری کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے تو انہوں نے ایک قمل میں ثرید (گوشت کے سالن میں روٹی کے ٹکڑے ڈال دیئے جائیں) بنایا اور تیس مسکینوں کو میر کر کے کھلایا۔

قلہ بیان کرتے ہیں کہ موت سے پہلے حضرت انس کمزور ہو گئے تو انہوں نے روزے نہیں رکھے اور گھروالوں سے کہا ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں، تو انہوں نے تیس مسکینوں کو کھلایا۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ قیس بن سائب نے کہا رمضان کے مہینہ میں ہر شخص روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھلاتا ہے تم میری طرف سے دو مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کو بڑھاپا آجائے اور وہ روزہ نہ رکھ سکے اس پر لازم ہے کہ ہر روزہ کے بدلہ میں ایک کلو گندم دے۔ (سنن دار تقنی ج ۲ ص ۲۰۸-۲۰۷، مطبوعہ نثرانتہ ملتان)

ان تمام آثار صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور جو کسی دائمی مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے وہ فدیہ دے اور اس کے بعد جو ان تصوموا خیر لکم ہے اس کا معنی ہے مسافر اور مریض کا روزہ رکھنا بہتر ہے، یہ آیت فدیہ کی ناسخ نہیں ہے۔ امام مالک کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت انس بن مالک بوڑھے ہو گئے حتیٰ کہ وہ روزہ رکھنے پر قادر نہ رہے تو وہ فدیہ دیتے تھے۔ (موطامالام مالک ص ۲۵۰، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور)

امام مالک کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے سوا ل کیا گیا کہ حاملہ عورت کو جب اپنے بچہ کی جان کا خوف ہو اور اس پر روزہ دشوار ہو تو کیا کرے؟ فرمایا وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو ایک کلو گندم کھلائے۔ (موطامالام مالک ص ۲۵۱، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور)

امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جن لوگوں پر روزہ سخت دشوار ہو وہ ایک روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں، یہ رخصت صرف اس بوڑھے کے لیے ہے جو روزہ نہ رکھ سکے یا اس مریض کے لیے جس کو شفا کی امید نہ ہو۔ (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۱۳-۱۱۲، مطبوعہ نثرانتہ ملتان)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب موت سے ایک سال پہلے کمزور ہو گئے تو انہوں نے روزے نہیں رکھے اور فدیہ دیا۔ (المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۳۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۱۳، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ) امام طبرانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت قیس بن سائب نے کہا رمضان کے مہینہ میں انسان ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلاتا ہے تم میری طرف سے ایک مسکین کو ہر روز ایک صاع (چار کلو) طعام دو۔ (المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۶۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب روزہ نہ رکھ سکیں تو فدیہ دیں، اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے حاملہ عورت کے متعلق فدیہ دینے کی روایت ذکر کی ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۲۳۰، مطبوعہ نثرانتہ ملتان)

امام بغوی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کا معنی ہے جو بہت مشکل سے روزہ رکھیں، ان

کے لیے روزہ کی جگہ فدیہ دینا جائز ہے اور بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت روزہ نہ رکھیں اور فدیہ دیں، اور حضرت انس جب کمزور ہو گئے تو انہوں نے فدیہ دیا۔ (شرح التتبع ج ۳ ص ۳۰۵-۳۰۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۳ھ)

لحم دار قطنی، لحم مالک، لحم نسائی، لحم طبرانی، لحم بیہقی اور لحم بغوی نے متعدد اسانید صحیحہ کے ساتھ یہ آثار نقل کیے ہیں کہ بوڑھا شخص اور دائمی مریض جن پر روزہ رکھنا دشوار ہے وہ روزہ کے بدلہ میں فدیہ دیں۔

الذین یطیقونہ کے معنی کی تحقیق میں مفسرین کی آراء

لحم ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے الذین یطیقونہ کے معنی اور اس کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کے متعلق متعدد آثار اور اقوال نقل کیے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے :

عمرہ نے الذین یطیقونہ کی تفسیر میں کہا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد بوڑھا شخص ہے۔

سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا وعلى الذین یطیقونہ اس کا معنی ہے جو مشقت اور تکلیف سے روزہ رکھیں۔ عطائے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ الذین یطیقونہ کا معنی ہے جو لوگ مشقت سے روزہ رکھیں وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں یہ رخصت صرف اس بوڑھے شخص کے لیے ہے جو روزہ نہ رکھ سکے یا اس بیمار کے لیے ہے جس کو شفا کی امید نہ ہو، مجاہد نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۸۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابوالیمان اندلسی لکھتے ہیں :

جو صحابہ اور فقہاء تابعین یہ کہتے ہیں کہ الذین یطیقونہ سے مراد بوڑھے اور عاجز لوگ ہیں ان کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے، بلکہ محکم ہے، اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت حلالہ اور دودھ پلانے والی کو شامل ہے یا نہیں۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۱۴۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۳ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں :

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے، حضرت ابن عباس کا یہی مختار ہے، اور نسخ کا قول بھی صحیح ہے، البتہ یہ احتمال ہے کہ نسخ، معنی تخصیص ہو (الی قولہ) اس پر اجماع ہے کہ جو بوڑھے روزے کی طاقت نہیں رکھتے یا جو بہت مشقت سے طاقت رکھتے ہوں وہ روزہ نہ رکھیں اور فدیہ کے وجوب میں اختلاف ہے، ربیعہ اور امام مالک کے نزدیک ان پر فدیہ واجب نہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۸۸-۲۸۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابوالحسن مہرودی شافعی لکھتے ہیں :

وعلى الذین یطیقونہ اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ جو لوگ تکلیف اور مشقت سے روزہ رکھیں، جیسے بوڑھے، حلالہ، اور دودھ پلانے والی یہ لوگ روزہ نہ رکھیں اور ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں، ان پر قضا نہیں ہے۔ (الکتب والعیون ج ۱ ص ۲۳۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن جوزی ضلی لکھتے ہیں :

عمرہ سے موی ہے کہ یہ آیت حلالہ اور دودھ پلانے والی کے متعلق نازل ہوئی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت ابن عباس نے اس آیت میں یہ قراءت کی وعلى الذین یطیقونہ (جو مشکل سے روزہ رکھیں) اس سے بوڑھے لوگ مراد

(زلوالمیرج ص ۱۸۶، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

ہیں۔

علامہ ابو بکر رازی جصاص حنفی لکھتے ہیں :

صحابہ اور تابعین میں سے اکثر یہ کہتے ہیں کہ ابتداء میں روزہ رکھنے کا اختیار تھا جو شخص روزہ کی طاعت رکھتا ہو خواہ وہ روزہ رکھے خواہ فدیہ دے، بعد میں روزہ کی طاعت رکھنے والوں سے یہ اختیار فمن شهد منكم الشهر فليصمه سے منسوخ ہو گیا (الی قولہ) اس آیت کا ایک اور معنی یہ ہے کہ جو لوگ مشقت اور صعوبت سے روزہ رکھتے ہیں وہ روزہ رکھنے کی طاعت رکھنے والے نہیں ہیں، وہ بھی روزے کے مکلف ہیں لیکن ان پر روزہ کے قائم مقام فدیہ ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو شخص پانی سے طہارت حاصل کرنے پر قادر نہ ہو وہ بھی پانی سے طہارت حاصل کرنے کا مکلف ہے لیکن اس کے لیے مٹی کو پانی کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۷۷-۷۸، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

اکثر صحابہ اور فقہاء تابعین کے نزدیک پہلے روزہ کی طاعت رکھنے والوں کے لیے روزہ رکھنے اور روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کا اختیار تھا بعد میں یہ منسوخ ہو گیا، اور حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ نے اس آیت کو بطور قونہ پڑھا، یعنی جو مشکل سے روزہ رکھیں وہ فدیہ دے دیں اور کہا یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور بعض علماء نے اس آیت کو الذین يطيقونه قرات متواترہ کے مطابق پڑھا اور کہا یہ آیت منسوخ نہیں ہے کیونکہ وسعت اور طاعت میں فرق ہے، وسعت کا معنی ہے کسی چیز پر سہولت سے قدرت ہونا اور طاعت کا معنی کسی چیز پر مشقت سے قدرت ہونا، تو آیت کا معنی ہے : جو لوگ مشقت سے روزہ رکھیں وہ فدیہ دیں، یا اس میں ہمزہ سلب مانخذ کے لیے ہے یعنی جو لوگ روزہ کی طاعت نہ رکھیں وہ فدیہ دیں۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۵۸-۵۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

برہا پے یا دائمی مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کے متعلق مذاہب ائمہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں :

جب بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت پر روزہ رکھنا سخت دشوار ہو تو ان کے لیے جائز ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس رضی اللہ عنہم اور سعید بن جبیر، طاؤس، ثوری اور اوزاعی کا یہی قول ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت بوڑھے شخص کی رخصت کے لیے نازل ہوئی ہے، اور اس لیے کہ روزہ رکھنا واجب ہے اور جب عذر کی وجہ سے اس سے روزہ ساقط ہو گا تو اس کے بدلہ میں قضا کی طرح کفارہ لازم آئے گا۔

نیز وہ مریض جس کے مرض کے زائل ہونے کی توقع نہیں ہے، وہ بھی روزہ نہیں رکھے گا اور یہ روزہ کے بدلہ میں ایک مریض کو کھانا کھلائے گا کیونکہ وہ بھی بوڑھے شخص کے حکم میں ہے۔

(المغنی ج ۳ ص ۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں :

امام شافعی اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ وہ بوڑھا شخص جس کو روزہ رکھنے میں شدید مشقت ہو اور وہ مریض جس کے مرض کے زوال کی توقع نہ ہو اس پر بالاجمل روزہ فرض نہیں ہے اور اس پر وجوب فدیہ کے متعلق دو قول ہیں

نہایت صحیح یہ ہے کہ اس پر فدیہ واجب ہے۔ (شرح المہذب ج ۶ ص ۲۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں :

اس پر اجماع ہے کہ جو بوڑھے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے یا سخت مشقت سے روزے رکھتے ہیں، ان کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ ان پر کیا واجب ہے؟ ربیعہ اور امام مالک نے کہا ان پر کوئی چیز واجب نہیں ہے البتہ امام مالک نے کہا اگر وہ ہر روزے کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں تو یہ مستحب ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۸۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابن عبدین شافعی لکھتے ہیں :

جو شخص بہت بوڑھا اور روزہ رکھنے سے عاجز ہو اسی طرح جس مریض کے مرض کے زوال کی توقع نہ ہو وہ ہر روزہ کے لیے فدیہ دیں۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۱۱۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۰۷ھ)

ایک روزہ کے لیے نصف صاع یعنی دو کلو گرام یا اس کی قیمت فدیہ دے، روزہ کے فدیہ میں فقراء کا تعدد شرط نہیں ہے اور ایک فقیر کو متعدد ایام کا فدیہ دے سکتا ہے اور مہینہ کی ابتداء میں بھی دے سکتا ہے۔

(در مختار علی حاشیہ ردالمحتار ج ۲ ص ۱۱۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۰۷ھ)

شوگر، بلڈ پریشر، دمہ اور جوڑوں کا درد یہ چار بیماریاں ایسی ہیں جن کا کوئی علاج نہیں ہے ان کو دو اؤں سے کنٹرول تو کیا جاسکتا ہے لیکن یہ بیماریاں زائل نہیں ہو سکتیں، ان میں جوڑوں کا درد روزے کے منافی نہیں ہے، اور عام حالات میں دمہ بھی روزوں کے منافی نہیں ہے، لیکن جب شوگر زیادہ ہو تو زیادہ گولیاں لینی پڑتی ہیں جس سے وقفہ وقفہ سے شدید بھوک لگتی ہے۔ اسی طرح جب بلڈ پریشر زیادہ ہو تو پانی زیادہ پینا پڑتا ہے اس لیے جن لوگوں کو شوگر یا بلڈ پریشر کا عارضہ ہو اور ڈاکٹر انہیں روزہ رکھنے کی اجازت نہ دے تو وہ روزہ کی جگہ فدیہ دے دیں۔

شَهْرًا مَضَانِ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ

رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، لوگوں کو ہدایت دینے والا اور

بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

دھن دہیں ہدایت دینے والیں اور حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والیں سو تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو، وہ

فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ

اس ماہ کے روزے رکھے، اور جو مریض یا مسافر ہو (اور روزے نہ رکھے) تو وہ دوسرے دنوں سے (مطلوبہ) مدد پورہ

أَخْرَجَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا

کرمے، اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا، اور تاکہ تم (مطلوبہ)

الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَذَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۸۵﴾

مدد پیدا کرو، اور اللہ کی کبریائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے اور تاکہ تم شکر ادا کرو

اللہ تعالیٰ نے تمام قرآن کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر ماہ رمضان کی لیلۃ القدر میں نازل کیا پھر حسب مصلحت تیس سال میں نبی ﷺ پر مکمل قرآن کو نازل فرمایا اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ نبی ﷺ پر قرآن مجید کو نازل کرنے کی ابتداء رمضان کے مہینہ میں ہوئی اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ روزہ کو فرض کرنے کے احکام ماہ رمضان میں نازل ہوئے۔

حافظ ابن عساکر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ عز و جل نے ابراہیم پر صحائف رمضان کی پہلی شب میں نازل کیے اور حضرت موسیٰ پر تورات رمضان کی چھٹی شب میں نازل کی، اور حضرت عیسیٰ پر انجیل رمضان کی اٹھارویں شب میں نازل کی، اور سیدنا حضرت محمد ﷺ پر قرآن رمضان کی چوبیسویں شب میں نازل کیا۔

(تاریخ ابن عساکر ج ۳ ص ۸۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۴ھ)

رمضان کے اسرار و رموز اور رمضان میں نزول قرآن کا بیان

امام رازی لکھتے ہیں :

مجاہد نے کہا کہ رمضان اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور رمضان کے مہینہ کا معنی ہے اللہ کا مہینہ، اور نبی ﷺ سے روایت ہے کہ یہ نہ کہو کہ رمضان آیا اور رمضان گیا، بلکہ یہ کہو کہ رمضان کا مہینہ آیا اور رمضان کا مہینہ گیا، کیونکہ رمضان، اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔

دوسرا قول ہے کہ رمضان مہینہ کا نام ہے جیسا کہ رجب اور شعبان مہینوں کے نام ہیں۔ خلیل سے منقول ہے رمضان، رمضاء سے بنا ہے اور رمضاء خریف کی اس بارش کو کہتے ہیں جو زمیں سے گرد و غبار کو دھو ڈالتی ہے، اسی طرح رمضان بھی اس امت کے گناہوں کو دھو ڈالتا ہے اور ان کے دلوں کو گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رمضان رمض سے بنا ہے اور رمض سورج کی تیز دھوپ کو کہتے ہیں اور اس مہینے میں روزہ داروں پر بھوک اور پیاس کی شدت بھی تیز دھوپ کی طرح سخت ہوتی ہے، یا جس طرح تیز دھوپ میں بدن جلتا ہے اسی طرح رمضان میں گناہ جل جاتے ہیں اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رمضان اللہ کے بندوں کے گناہ جلا دیتا ہے۔

رمضان کے مہینہ میں نزول قرآن کی ابتداء اس وجہ سے کی گئی کہ قرآن اللہ عز و جل کا کلام ہے اور انوار الہیہ ہمیشہ متجلی اور منکشف رہتے ہیں البتہ ارواح بشریہ میں ان انوار کے ظہور سے تجلیات بشریہ مانع ہوتے ہیں اور تجلیات بشریہ کے زوال کا سبب سے قوی سبب روزہ ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ کشف کے حصول کا سبب سے قوی ذریعہ روزہ ہے، اور نبی ﷺ نے فرمایا اگر بنی آدم کے قلوب میں شیطان نہ گھومتے تو وہ آسمانوں کی نشانیوں کو دیکھ لیتے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں اور رمضان میں عظیم مناسبت ہے اس لیے نزول قرآن کی ابتداء کے لیے اس مہینہ کو خاص کر لیا گیا۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۲۱-۱۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

قطبین میں روزے اور نماز کی تحقیق

تھیں کالو شلو ہے : سو تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں حاضر ہو وہ ضرور اس مہینہ کے روزے رکھے۔

بہ ظاہر اس آیت پر یہ مشکل ہے کہ اس آیت سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس مہینہ سے غائب بھی ہو سکتا ہے، ہو سکتا ہے کہ پہلے یہ بات عجیب معلوم ہو لیکن اب جب کہ یہ محقق ہو گیا ہے کہ قطبین میں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے تو وہاں کے رہنے والے رمضان کے مہینہ میں حاضر نہیں ہوتے اس لیے قطبین کے رہنے والوں پر رمضان کے روزے فرض نہیں ہیں، البتہ جب باقی دنیا میں رمضان کا مہینہ ہو ان دنوں میں کسی قریبی اسلامی ملک کے حاسب سے وہاں کے رہنے والے طلوع فجر اور غروب آفتاب کے لوقت کا اپنے علاقہ کی گھڑیوں کے وقت کے حساب سے ایک نظام للاوقات مقرر کر لیں اور اتنا وقت روزہ سے گزاریں تو بہت بہتر ہے، اور اب جب کہ تمام دنیا کا ٹائم بنانے والی گھڑیاں ایجلو ہو چکی ہیں، یہ ایسا مشکل بھی نہیں ہے، وہاں کے رہنے والے اگر گھڑیوں کے حساب سے نمازیں پڑھیں تو یہ بھی بہت بہتر ہے ہر چند کہ سورج کے طلوع اور غروب کے لحاظ سے ان پر ایک سال میں صرف ایک دن کی نمازیں فرض ہوں گی۔

سعودی عرب کے حاسب سے روزے رکھتا ہو یا پاکستان آیا تو عید کس حساب سے کرے گا؟

پاکستان میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ سعودی عرب سے ایک یا دو روز پہلے روزے رکھتے ہوئے آتے ہیں اور ان کے تیس روزے پورے ہو جاتے ہیں اور یہاں ہوز رمضان ہوتا ہے تو چونکہ مذاہب اربعہ کے محققین فقہاء کے نزدیک بلاد بعیدہ میں اختلاف مطلق معتبر ہے، اس لیے اس کو روزے رکھنے چاہئیں، نیز قرآن مجید میں ہے : فمن شهد منكم الشهر فليصمه ”تم میں سے جو اس مہینے میں موجود ہو تو وہ ضرور اس کے روزے رکھے۔“ (بقرہ : ۱۸۵) اور اس شخص نے اس صورت میں رمضان کا مہینہ پایا ہے اس لیے وہ سب کے ساتھ روزے رکھے، نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : الصوم يوم تصومون والفطر يوم تفطرون ”جس دن لوگ روزہ رکھیں اس دن روزہ ہے اور جس دن لوگ عید کریں اس دن عید ہے (جامع ترمذی ص ۳۴) اس حدیث کا بھی یہ تقاضا ہے کہ جو شخص پاکستان میں آگیا وہ یہاں کے لوگوں کے ساتھ روزے رکھے اور یہاں کے لوگوں کے ساتھ عید کرے۔ ایک رائے یہ ہے کہ اگر اس کے تیس روزے پورے ہو چکے ہیں تو اس پر اب روزے لازم نہیں، کیونکہ حدیث کے اعتبار سے مہینہ انتیس یا تیس دنوں کا ہوتا ہے اور وہ ایک مہینہ کے روزے رکھ چکا ہے، لیکن پہلی رائے کے دلائل زیادہ قوی ہیں۔

پاکستان سے روزے رکھتا ہو یا سعودی عرب گیا تو عید کس حساب سے کرے گا؟

بعض لوگ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص نے پاکستان میں چاند دیکھ کر روزے رکھنے شروع کیے اور اثناء رمضان میں سعودی عرب چلا گیا جہاں لوگوں نے ایک یا دو روز پہلے روزے رکھنے شروع کیے تھے اور ابھی اس کے انتیس یا انتیس روزے ہوئے تھے کہ انہوں نے عید کر لی اس صورت کے بارے میں علامہ نووی لکھتے ہیں :

ایک شخص نے ایک ایسے شہر سے سفر کیا جنہوں نے رمضان کا چاند نہیں دیکھا اور اس شہر میں پہنچا جس میں (اس کے حاسب سے) ایک دن پہلے چاند دیکھ لیا گیا تھا اور ابھی اس نے انتیس روزے رکھے تھے کہ انہوں نے عید کر لی۔ اب اگر ہم عام حکم رکھیں یا یہ کہیں کہ اس کے لیے اس شہر کا حکم ہے تو وہ عید کر لے اور ایک دن کے روزے کی قضاء کرے، اور اگر ہم حکم عام نہ رکھیں اور یہ کہیں کہ اس کے لیے پہلے شہر کا حکم ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس دن روزہ رکھے۔

چونکہ مذاہب اربعہ کے متفقین فقہاء کے نزدیک بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہے، اس لیے پاکستان سے سعودی عرب پہنچنے کے بعد اس شخص پر سعودی عرب کے مطالع کے احکام لازم ہوں گے وہ اس کے حسب سے روزے رکھے گا اور ان کے حسب سے عید کرے گا، لیکن اس کے روزے تیس سے کم ہیں تو وہ کم دنوں کی احتیاطاً قضا کر لے۔

سعودی عرب سے عید کے دن سوار ہو کر پاکستان آیا اور یہاں رمضان ہے

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص مثلاً سعودی عرب سے عید کے دن جہاز پر سوار ہو کر پاکستان پہنچا اور یہاں ہنوز رمضان ہے۔ ایسی صورت کے بارے میں علامہ نووی لکھتے ہیں، اگر ایک شخص نے ایک شہر میں چاند دیکھا تو صبح عید کی اور وہ کشتی کے ذریعہ کسی دور دراز شہر میں پہنچا جہاں لوگوں کا روزہ تھا۔ شیخ ابو محمد نے کہا اس پر لازم ہے کہ وہ بقیہ دن کھانے پینے سے اجتناب کرے۔ یہ اس صورت میں ہے جب ہم یہ کہیں کہ اس پر اس شہر کا حکم لازم ہے اور اگر ہم حکم عام رکھیں یا اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کریں تو اس پر افطار کرنا لازم ہے۔

چونکہ بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہے، اس لیے جو شخص سفر کر کے دور دراز علاقہ میں پہنچے گا اس پر وہاں کے جغرافیائی حالات کے اعتبار سے شرعی احکام لازم ہوں گے۔

روزہ کی رخصت کے لیے شرعی مسافت کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو مریض یا مسافر ہو (اور روزے نہ رکھے) تو وہ دوسرے دنوں سے (مطلوبہ) عدد پورا کرے۔

اس حکم کو دوبارہ ذکر فرمایا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ رخصت منسوخ ہو گئی ہے۔ کتنی مسافت کے سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، داؤد ظاہری کے نزدیک مسافت کم ہو یا زیادہ اس پر شرعی سفر کے احکام نافذ ہو جاتے ہیں خواہ ایک میل کی مسافت کا سفر ہو، امام احمد کے نزدیک دو دن کی مسافت کا اعتبار ہے، امام شافعی کے نزدیک بھی دو دن کی مسافت کا اعتبار ہے امام مالک کے نزدیک ایک دن کی مسافت معتبر ہے، امام ابو حنیفہ سفر شرعی کے لیے تین دن کی مسافت کا اعتبار کرتے ہیں، ان کی دلیل یہ حدیث ہے : امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کوئی عورت بغیر محرم کے تین دن کا سفر نہ کرے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

جمہور فقہاء احناف نے تین دن کی مسافت کا اندازہ اٹھارہ فرسخ کیا ہے (رد المحتار ج ۱ ص ۵۲۷-۵۲۸) اٹھارہ فرسخ ۵۳ شرعی میل کے برابر ہیں جو انگریزی میلوں کے حساب سے اکٹھ میل، دو فرلانگ، بیس گز ہے اور ۹۸.۷۳۳ کلومیٹر کے برابر ہے۔ مسافت قصر کی پوری تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں بیان کی ہے۔

میت کی طرف سے روزے رکھنے میں مذاہب ائمہ

جو شخص فوت ہو گیا اور اس نے رمضان کے روزے نہ رکھے ہوں تو امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک کوئی شخص اس کی طرف سے روزے نہیں رکھ سکتا، ان کی دلیل یہ آیت ہے :

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى (الانعام : ۱۴۳)

کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں :

جب کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس پر نذر کے روزے ہوں تو صحیح مذہب یہ ہے کہ اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھ سکتا ہے۔ اور صحیح مذہب یہ ہے کہ ایک جماعت میت کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہے، نیز صحیح مذہب یہ ہے کہ ولی کا غیر بھی میت کی طرف سے اس کی اجازت سے اور اس کی اجازت کے بغیر روزے رکھ سکتا ہے، اگر ولی روزے نہ رکھے تو میت کے مل سے ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

(الانصاف ج ۳ ص ۳۳۷-۳۳۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

علامہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں :

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت ہے کہ : کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ رکھے اور نہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھے۔ (موطام مالک ص ۲۳۵ مطبوعہ لاہور) دوسری دلیل یہ ہے کہ زندگی میں عیالات کی لواٹگی میں کوئی شخص کسی کا نائب نہیں ہو سکتا لہذا موت کے بعد بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ عیالات کا مکلف کرنے سے یہ مقصود ہے کہ مکلف کے بدن پر اس عیالات کی مشقت ہو اور نائب کے ادا کرنے سے مکلف کے بدن پر کوئی مشقت نہیں ہوئی، البتہ اس کی طرف سے ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے گا۔ کیونکہ اب اس مکلف کا خود روزہ رکھنا ممکن نہیں ہے تو فدیہ اس کے روزہ کا قائم مقام ہو جائے گا جیسا کہ شیخ فانی کی صورت میں ہے اور اگر اس نے فدیہ لوا کرنے کی وصیت کی ہو تو اس کے تہائی مل سے کھانا کھانا لازم ہے اور امام شافعی کے نزدیک وہ وصیت کرے یا نہ کرے اس کی طرف سے کھانا کھانا لازم ہے، فدیہ کی مقدار ہمارے نزدیک دو کلو گندم ہے اور امام شافعی کے نزدیک ایک کلو گندم ہے۔

(المبسوط ج ۳ ص ۳۷ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۸ھ)

حلالہ اور مرضہ کے لیے روزہ کی رخصت میں مذاہب ائمہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں :

حلالہ اور دودھ پلانے والی کو جب اپنی جان کا خوف ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں اور فقط ان روزوں کی قضاء کریں اور اگر ان کو اپنے بچہ کی جان کا خوف ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں، ان پر قضا بھی ہے اور فدیہ بھی، ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔

(المغنی ج ۳ ص ۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ العبدری مالکی لکھتے ہیں :

اگر حلالہ پر روزہ دشوار ہو تو وہ روزہ نہ رکھے اور صرف قضاء کرے اور اگر دودھ پلانے والی پر روزہ دشوار ہو تو وہ روزہ نہ رکھے، وہ قضا بھی کرے اور فدیہ بھی دے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ صرف قضا کرے۔

(التاج والاکلیل شرح مختصر خلیل ج ۲ ص ۳۷ مطبوعہ مکتبۃ التجار لیبا)

علامہ شمس الدین رملی شافعی لکھتے ہیں :

حلالہ اور دودھ پلانے والی کو اگر اپنی جان کا خوف یا اپنی اور بچہ دونوں کی جان کا خوف ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں صرف قضا کریں اور اگر صرف بچہ کی جان کا خوف ہو تو روزہ کی قضا بھی کریں اور فدیہ بھی دیں۔

(نہایت المحتاج ج ۳ ص ۸۳ مطبوعہ دار الکتب بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابن عساکر حنفی لکھتے ہیں :

حلالہ اور روزہ پلانے والی کو جب اپنی جان کا خوف ہو یا اپنے بچہ کا خوف ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں اور نکالیں تاکہ ان پر تکلی نہ ہو، ان پر فدیہ لازم نہیں ہے، کیونکہ وہ عذر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ رہیں، لام شافعی یہ کہتے ہیں کہ اگر بچہ کا خوف ہو تو فدیہ دیں وہ اس کو شیخ فحلی پر قیاس کرتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ شیخ فحلی میں فدیہ کا وجوب خلاف قیاس ہے اور یہاں روزہ نہ رکھنا بچہ کے سبب سے ہے اور بچہ شیخ فحلی کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ شیخ فحلی روزہ کے وجوب کے بعد عاجز ہوا، اور بچہ پر اصلاً "روزہ کا وجوب نہیں ہے" اس لیے یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔

(حدایہ لولین ص ۲۲۲، مکتبہ شرکت ملیہ ملکن)

اسلام دین سیر ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

اسلام نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا جس سے امت حرج اور دشواری میں مبتلا ہو جائے۔ قرآن مجید میں ہے :
مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ
(المائدہ : ۶)

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ط
(الحج : ۷۸)

اللہ تعالیٰ تم سے تخفیف کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔
يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخَلَقَ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا (النساء : ۲۸)

ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ
(البقرہ : ۱۷۸) کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔

قصاص کے ساتھ دیت کی گنجائش، پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تیمم کی سہولت، بیمار اور مسافر کے لیے روزہ قضا کرنے کی رخصت، بوڑھے اور دائمی مریض کے لیے روزے کے فدیہ کی اجازت، جو کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے اس کے لیے بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنے کی وسعت، اگر سواری سے اتر نہ سکے تو سواری پر نماز پڑھنے کی اجازت، جو شخص خود حج نہ کر سکے اس کے لیے حج بدل کی وسعت، سفر میں نماز کو قصر کرنا اور بہت سے احکام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے احکام شرعیہ میں مشقت کی صورت میں رخصت پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے، وصل کے روزوں، صیام دہر، عمر بھر شلوی نہ کرنے اور ساری رات قیام کرنے سے منع کیا ہے، اسی طرح مشکل عیالات کی نذر ماننے پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے، تمام مال کو صدقہ کرنے سے منع کیا ہے اور اضطراب کی حالت میں حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت دی ہے، بہ کثرت احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے آسان احکام اختیار کرنے کا حکم دیا ہے :

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا دین آسان ہے، جو شخص بھی دین پر غالب آنے کی کوشش کرے گا۔ (بایں طور کہ آسان طریقہ کو چھوڑ کر مشکل طریقہ کو اختیار کرے) دین اس پر غالب آجائے گا۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے صحابہ سے فرمایا : تم لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو، اور ان کو مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۴۳۸ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھے اور حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجا اور فرمایا آسانی کرنا، مشکل میں نہ ڈالنا، خوشخبری دینا، متغیر نہ کرنا اور آپس میں موافقت کرنا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۶۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۴۳۸ھ)

لام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے اصحاب میں سے کسی کو اپنے کسی کام کے لیے بھیجے، تو یہ فرماتے خوشخبری دینا، متغیر نہ کرنا، آسانی کرنا اور مشکل میں نہ ڈالنا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۴۳۵ھ)

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو کلموں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ اس پر عمل کرتے جو زیادہ آسان ہوتا، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ سب سے زیادہ اس سے بچنے والے ہوتے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۳، ج ۲ ص ۱۰۰۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۴۳۸ھ)

نبی ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین وہ ہے جو باطل اویان سے الگ ہو اور آسان اور سہل ہو۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۴۳۸ھ)

لام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا بہترین دینی عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو۔ تمہارا بہترین دینی عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو۔ تمہارا بہترین دینی عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸، ج ۵ ص ۳۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۳۹ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص فیصلہ کرنے اور تقاضا کرنے میں آسانی کرنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہو گیا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۳۹ھ)

بعض مفتی فحشی دیتے وقت ڈھونڈ ڈھونڈ کر لوگوں کو مشکل اور ناقابل عمل احکام بیان کرتے ہیں مثلاً اگر کسی عورت کا خلوند گم ہو جائے تو کہتے ہیں کہ وہ نوے سال تک انتظار کرے، پھر عقد طلی کرے، جس عورت کو اس کا خلوند کھانے پینے کا خرچ دے نہ آبلو کرے اور نہ اس کو طلاق دے تو کہتے ہیں کہ خلوند کی طلاق کے بغیر اس کی نجات نہیں ہو سکتی، عدالت نے جس کا نکاح فسخ کر دیا ہو اس کو نکاح کی اجازت نہیں دیتے، انگریزی دواؤں اور انتقال خون کو حرام کہتے ہیں، ریڈیو اور ٹی۔وی پر دعوت حلال کے اعلان کو ناجائز کہتے ہیں، پرفوم کے استعمال کو ناجائز کہتے ہیں چلتی ٹرین اور ہوائی جہاز میں نماز کو ناجائز کہتے ہیں، تعلیم نسوان کو حرام کہتے ہیں، نماز میں سجدہ کے دوران اگر بیوی کی تین انگلیاں اٹھ جائیں کہتے ہیں کہ نماز قاسد ہو گئی، بعض علماء سجدہ میں انگلیوں کے پیٹ لگانے کو فرض کہتے ہیں، گھڑی کے چمن کو ناجائز کہتے ہیں، جس مسئلہ میں فقہاء کے متحد اقوال ہوں تو اس قول پر فحشی دیتے ہیں جس پر عمل کرنا سب سے مشکل اور سخت ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ اور

اس کے رسول ﷺ نے آسان اور سہل احکام بیان کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ لوگ اس کے برعکس کرتے ہیں۔ عید گاہ جاتے ہوئے تکبیرات پڑھنے میں مذاہب ائمہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ کی کبریائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی اور تاکہ تم شکر لوا کرو۔ (البقرہ : ۱۸۵) علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان شوال کا چاند دیکھیں تو ان پر حق ہے کہ وہ اللہ کی تکبیر کریں، حتیٰ کہ وہ عید سے فارغ ہو جائیں، اور زہری نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ عید الفطر کے دن جب عید گاہ جاتے تو تکبیر پڑھتے اور جب نماز پڑھ لیتے تو تکبیر منقطع کر دیتے، حضرت علی، ابو قتادہ، حضرت ابن عمر، سعید بن مسیب، عروہ، قاسم، خارجہ بن زید، ثلف بن جیسر بن مطعم وغیرہم سے مروی ہے کہ وہ عید کے دن عید گاہ کو جاتے وقت تکبیر پڑھتے تھے۔ حیش بن معتمر نے بیان کیا کہ عید الاضحیٰ کے دن حضرت علی اپنے فخر پر سوار ہو کر گئے اور تکبیر پڑھتے رہے حتیٰ کہ جبانہ پہنچ گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام شعبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے لوگوں کو تکبیر پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا : یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ کیا امام تکبیر پڑھ رہا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا تو کیا یہ لوگ پاگل ہیں! اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابن عباس نے عید گاہ کی طرف جانے کے راستہ میں تکبیر پڑھنے کا انکار کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک اس آیت میں تکبیر سے مراد وہ تکبیریں ہیں جو امام خطبہ میں پڑھتا ہے، اور حضرت ابن عباس سے جو یہ روایت ہے کہ مسلمانوں پر حق ہے کہ شوال کا چاند دیکھ کر تکبیر پڑھیں اس سے مراد آہستہ تکبیر پڑھنا ہے، اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جب وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز پڑھنے کے لیے جاتے تو عید گاہ تک بلند آواز سے تکبیر پڑھتے۔

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا عید الاضحیٰ کے لیے جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر پڑھے اور عید الفطر کے لیے جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر نہ پڑھے اور امام ابو یوسف عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں میں تکبیر پڑھتے تھے، قرآن مجید میں کسی چیز کی تعین نہیں ہے، امام محمد نے فرمایا کہ عیدین میں تکبیر پڑھے، اور حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ عیدین میں تکبیر پڑھنا واجب نہیں ہے، راستہ میں نہ عید گاہ میں، تکبیر صرف عید کی نماز میں واجب ہے۔ امام اوزاعی اور امام مالک نے کہا ہے کہ دونوں عیدوں میں عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں تکبیر پڑھے، جب امام آجائے تو تکبیر منقطع کر دے اور واپسی میں تکبیر نہ پڑھے۔ امام شافعی نے فرمایا دونوں عیدوں کی رات میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنا مستحب ہے اور صبح جب عید گاہ کو جائے تو امام کے آنے تک تکبیر پڑھنا مستحب ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر پڑھے اور ہلال شوال دیکھ کر آہستہ تکبیر پڑھنا بھی جائز ہے، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ بلند آواز سے تکبیر پڑھنا واجب نہیں ہے اور جس نے بلند آواز سے تکبیر پڑھنے کے لیے کہا اس نے بہ طور استحباب کہا ہے۔ امام طحاوی نے کہا ہے کہ ابن ابی عمران نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے تمام اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر پڑھنا سنت ہے، یہ قول امام ابو حنیفہ کے مذہب کے زیادہ مناسب ہے، کیونکہ ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گنتی پوری کرنے کے بعد تکبیر پڑھی جائے اور گنتی پورا کرنا عید الاضحیٰ کی بہ نسبت عید الفطر کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ عید الفطر میں روزوں کا عدد پورا کیا جاتا ہے اور جب امام ابو حنیفہ

کے نزدیک عید لا محی میں تکبیر پڑھنا سنت ہے تو عید الفطر میں بھی سنت ہونا چاہئے کیونکہ دونوں عیدوں کی نمازوں میں تکبیر کے حکم میں کوئی اختلاف نہیں ہے نہ اس کے بعد خطبہ میں نہ سنتوں میں سو چاہیے کہ عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر پڑھنے میں بھی دونوں عیدوں میں اختلاف نہ ہو۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۲۶-۲۲۷ ملخصاً، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۳۰ھ) علامہ ابو بکر جصاص نے امام شافعی کا مذہب صحیح نقل نہیں کیا۔ امام شافعی کے نزدیک یہ تکبیرات واجب ہیں، اسی طرح ان کا جہر کے استحباب کو متفق علیہ قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ان تکبیرات کو جہر سے پڑھنا واجب ہے۔

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں :

عید الفطر کی رات اور عید لا محی کی رات میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنا سنت ہے اور جب عید گاہ کی طرف جائیں، امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ جب عید گاہ پہنچ جائیں تو تکبیرات منقطع کر دیں اور ایک روایت ہے جب امام خطبہ سے فارغ ہو۔ (زوال المسیر ج ۱ ص ۱۸۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں :

اگر طلوع شمس کے بعد عید گاہ کے لیے روانہ ہو تو عید گاہ کے راستہ میں امام کے آنے تک تکبیرات پڑھے، اس میں عید الفطر اور عید لا محی برابر ہیں اور اگر طلوع شمس سے پہلے روانہ ہو تو پھر نہ پڑھے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۳۰۷-۳۰۸، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

اس عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک عیدین کی تکبیرات واجب ہیں۔

علامہ خازن شافعی لکھتے ہیں :

امام شافعی نے کہا عیدین کی تکبیروں کو بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے، اور یہی امام مالک کا قول ہے۔ (باب التلویل ج ۱ ص ۴۳، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ

اور (اے مصل) جب آپ میرے نبی سے میرے متعلق سوال کریں (تو آپ فرمادیں کہ) بے شک میں ان کے قریب ہوں دُعا

إِذَا دَعَاكَ فَلْيَسْتَجِيبُوا إِلَيَّ وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۶﴾

کرنے والا جب دُعا کرتا ہے تو میں اس کا دعا قبول کرتا ہوں تو چاہیے کہ وہ (میرا) ایمان لائے اور مجھ پر ایمان برقرار رکھیں تاکہ وہ گمراہ نہ رہیں

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ

تہاں بے اعتدال کی رات میں اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا، وہ تہاں بے اعتدال لباس ہیں اور تم

وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط عَلِمَ اللَّهُ أَنْتُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ

ان کے لیے لباس ہو، اللہ کو علم ہے کہ تم اپنے نفسوں میں خیانت کرتے تھے،

فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا

سوائد نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہیں معاف کر دیا، سو اب تم (چاہو تو) ان سے عمل زوجیت کرو، اور جو اللہ نے

كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ

تہا سے لیے مقدّر کر دیا ہے اس کو صلب کرو اور کھاتے پیتے رہو، یہاں تک کہ فجر کا سفید دھاگا (رات کے) سیاہ دھاگے

الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتُمُوا الصِّيَامَ

سے ممتاز ہو جائے، پھر روزہ کو رات آنے تک

إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تَبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَجِدِ ط

پورا کرو، اور جب تم مسجدوں میں مشغول ہو تو (کسی وقت بھی) اپنی بیویوں سے

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ط كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ

عمل زوجیت نہ کرو، یہ اللہ کی حدود ہیں سو تم ان کے قریب نہ جاؤ اللہ اسی طرح اپنی آیتیں لوگوں کے لیے

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۴﴾

بیان فرماتا ہے تاکہ وہ متقی بن جائیں

شان نزول :

اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے : امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں : حسن بصری بیان کرتے ہیں صحابہ نے نبی ﷺ سے پوچھا : ہمارا رب کہاں ہے تو یہ آیت نازل ہوئی جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو بتائیے کہ میں قریب ہوں۔

عطا نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی : مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا تو صحابہ نے پوچھا ہم کس وقت دعا کریں تو یہ آیت نازل ہوئی جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو بتائیے کہ میں قریب ہوں اور جب کوئی دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۹۳-۹۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ) اللہ سے دعا کرنے کے متعلق احادیث

عالمے زندہ میں بعض جلالہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے بجائے اپنی حاجتوں کا سوال پیروں، فقیروں سے کرتے ہیں اور قبول اور استجاب پر جا کر اپنی حاجت بیان کرتے ہیں اور لولیا اللہ کی نذر مانتے ہیں، حالانکہ ہر چیز کی دعا اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے اور اسی کی نذر مانی چاہیے، کیونکہ دعا اور نذر دونوں عبادت ہیں اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے، البتہ دعا میں انبیاء کرام اور لولیا عظام کا وسیلہ پیش کرنا چاہیے۔

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات کے آخری حصہ میں آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کر لوں! کون مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو عطا کر دوں! اور کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے تو میں اس کی مغفرت کر دوں۔
(صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

لام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا دعا عبادت کا مغز ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۸۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنی ہر حاجت کا اللہ سے سوال کرو حتیٰ کہ جوتی کے تسمہ نوٹنے کا۔
(جامع ترمذی ص ۵۱۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔
(جامع ترمذی ص ۳۸۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اللہ سختیوں اور مصیبتوں میں اس کی دعا قبول کرے، وہ عیش و آرام میں اللہ تعالیٰ سے بہ کثرت دعا کرے۔

(جامع ترمذی ص ۳۸۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن نبی ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا : اے بیٹے میں تم کو چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں، تم اللہ کے حقوق کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا، تم اللہ کے حقوق کی حفاظت کرو، تم اللہ کی تقدیر کو اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد چاہو تو اللہ سے مدد چاہو۔
(جامع ترمذی ص ۳۸۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

باتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق احادیث

لام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت مالک بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم اللہ سے سوال کرو تو اپنی ہتھیلیوں کے ہاتھ سے سوال کرو اور ہتھیلیوں کی پشت سے سوال نہ کرو۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۹، مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تمہارا رب حیا والا کریم ہے، جب اس کا

کوئی بندہ اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ ان کو خالی لوٹنے سے حیا فرماتا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۹، مطبوعہ مطبع مجبلی لاہور)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۵۴، مطبوعہ کراچی)

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ سوال کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر اٹھاؤ، اور استغفار کا طریقہ یہ ہے کہ ایک انگلی سے اشارہ کرو اور گڑگڑا کر سوال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلاؤ۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۹، مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں :

ابو محرز رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم اللہ سے سوال کرو تو ہتھیلیوں کے باطن سے سوال کرو ہتھیلیوں کی پشت سے سوال نہ کرو۔ (المسنن ج ۱ ص ۲۸۶، مطبوعہ لواء القرآن کراچی)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دعائیں ہاتھ بلند کرتے اور ہاتھوں کو نیچے نہیں گراتے حتیٰ کہ ان کو چہرے پر مل لیتے۔ (جامع ترمذی ص ۴۸۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ہمارے زمانہ میں بعض علماء ہر دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کو سنت نہیں قرار دیتے اور بغیر ہاتھ اٹھا کے دعا کرنے کی تلقین کرتے ہیں، اس لیے میں نے ایسی احادیث بیان کیں جن میں دعا کرنے کا طریقہ یہ بیان کیا ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے۔

فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق احادیث

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کس وقت کی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد۔ (جامع ترمذی ص ۵۰۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد ان کلمات سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے، اے اللہ میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں اربل عمر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور دنیا کے فتنہ اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (جامع ترمذی ص ۵۱۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام نسائی روایت کرتے ہیں :

مسلم بن ابی بکرہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے : اے اللہ میں کفر، فقر اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں بھی یہ دعا کرنے لگا میرے والد نے پوچھا اے بیٹے یہ دعا کہاں سے حاصل کی، میں نے کہا آپ سے، انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۳۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں :

ابوبکر بن ابوموسیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعا کرتے : اے

میرے گھر کو بخش دے، میرے معاملہ کو آسان کر لو، میرے رزق میں برکت دے۔

(المصنف ج ۲ ص ۲۲۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۰۶ھ)

حضرت مخیمو بن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد فرماتے تھے : لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ، لہ الملک ولہ الحمد و هو علی کل شئی قذیر ، اللہم لا مانع لما اعطیت ولا معطى لما منعت ولا ینفع ذا الجدمنک الجدم (المصنف ج ۱۰ ص ۲۳۱ ، مطبوعہ ادارۃ القرآن ، کراچی ۱۳۰۶ھ)

۶ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد فرماتے تھے : اللہم انت السیلا مومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام

(المصنف ج ۱۰ ص ۲۳۲، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی ۱۳۰۶ھ)

ابو الزہیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن الزہیر رضی اللہ عنہما ہر نماز کے بعد بلند آواز سے پڑھتے تھے لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قذیر، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن، لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون پھر حضرت ابن الزہیر نے فرمایا رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد ان کلمات کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔
(المصنف ج ۱۰ ص ۲۳۲، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی ۱۳۰۶ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱۳۷۵ھ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کا سلام پھیرنے کے بعد فرماتے : اے اللہ میں تجھ سے علم نافع، پاک رزق اور عمل مقبول کا سوال کرتا ہوں۔

(المصنف ج ۱۰ ص ۲۳۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۳۰۶ھ)

اس حدیث کو امام ابن السنی نے بھی روایت کیا ہے۔

(عمل اليوم واليلة ص ۳۸-۳۹ مطبوعہ مجلس الدائرة المعارف حیدرآباد دکن)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم صغیر میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔
(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۱۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

زادان کہتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد سو مرتبہ فرماتے : اے اللہ میری مغفرت فرما، میری توبہ قبول فرما، بے شک توبہ قبول فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے۔

(المصنف ج ۲ ص ۲۳۵، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۰۶ھ)

منظور البشی نے لکھا ہے اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ١٠ ص ١٠٩-١١٠، مطبوعه دار الكتاب العربي بيروت ١٤٣٠هـ)

لام نسائی روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک یہودی عورت آئی اور کہنے لگی پیشاب کی وجہ سے غلاب قبر ہوتا ہے میں نے کہا تم جھوٹی ہو اس نے کہا کیوں نہیں؟ ہم کھل اور کپڑے کو پیشاب کی وجہ سے کٹا دیتے تھے۔

ہماری آوازیں بلند ہو رہی تھیں اس وقت رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے جا رہے تھے۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو میں نے سارا واقعہ عرض کیا آپ نے فرمایا وہ سچی ہے اس دن کے بعد آپ ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے : اے جبرائیل! میکائیل اور اسرافیل کے رب مجھے آگ کی گرمی اور عذاب قبر سے اپنی پناہ میں رکھ۔

(سنن کبریٰ ج ۱ ص ۴۰۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ)

حضرت ابو امامہ بلیلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیتہ الکرسی کو پڑھا، اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں ہوگی۔

(سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ)

اس حدیث کو امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۸ ص ۸۳، مسند الشامیین ج ۲ ص ۹، مطبوعہ مؤستہ الرسالہ بیروت)

اس حدیث کو امام ابن السنی نے بھی روایت کیا ہے۔ (عمل الیوم واللیلہ ص ۳۳، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۱۵ھ)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند جید ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۰۲، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام ابن السنی روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز ادا کر لیتے تو اپنا دایاں ہاتھ پیشانی پر پھیرتے

پھر پڑھتے :

اشھدان لا الہ الا الرحمن الرحیم اس کے بعد فرماتے اے اللہ! مجھ سے غم اور فکر دور کر دے۔

(عمل الیوم واللیلہ ص ۳۹، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۱۵ھ)

اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں اور امام بزار نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور متعدد ائمہ نے اس کی

توثیق کی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۰، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب بھی کسی فرض یا نفل نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوا تو

آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا : اے اللہ! میرے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے، اے اللہ! مجھے ہلاکت سے بچا، اے اللہ!

مجھے نیک اعمال اور اخلاق کی ہدایت دے، تیرے سوا کوئی نیک عمل کی ہدایت دینے والا نہیں ہے اور تیرے سوا کوئی برے

اعمال سے بچانے والا نہیں ہے۔ (عمل الیوم واللیلہ ص ۴۱-۴۰، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۱۵ھ)

حافظ البیہقی لکھتے ہیں اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۲، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ سے ملا تو آپ نے فرمایا اے معاذ! تم سے محبت کرتا

ہوں : تم کسی نماز کے بعد یہ دعا نہ چھوڑو : اللھم اعنی علی ذکرک و شکرک و حسن عبادتک

(عمل الیوم واللیلہ ص ۴۱، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۱۵ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بھی ہم کو فرض نماز پڑھائی اس کے بعد ہماری طرف

منہ کر کے یہ دعا کی : اے اللہ! میں ہر اس عمل سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے شرمندہ کرے، میں ہر اس شخص سے

تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے ہلاک کرے، اور ہر اس امید سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے غافل کر دے، میں ہر اس فقرے سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو تجھے بھلا دے اور ہر اس غیثی سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے سرکش بنا دے۔
(عمل الیوم والیلہ ص ۳۲-۳۱، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۱۵ھ)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام بزار نے حضرت انس سے روایت کیا ہے اور اس کی توثیق کی گئی ہے اور اس کو امام ابو یعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۰، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۲ھ)
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ فرض نماز کے بعد یہ دعا کرتے اے اللہ! میری آخری زندگی کو خیر کر دے اور میرے سب سے اچھے عمل پر میرا خاتمہ کر اور میرا سب سے اچھا دن وہ بنا دے جس دن تجھ سے ملاقات ہو۔
(عمل الیوم والیلہ ص ۳۲، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۱۵ھ)

اس حدیث کو امام طبرانی نے لوسط میں روایت کیا ہے اور اس کا ایک رلوی ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۰، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۲ھ)
حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں ہر نماز کے بعد معوذات (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) کو پڑھا کروں۔
(عمل الیوم والیلہ ص ۳۲، مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۱۵ھ)

حضرت ابو بزرہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں صبح کی نماز پڑھنے کے بعد تین بار بلند آواز سے یہ دعا فرماتے اے اللہ میرے دین کی اصلاح فرما جس کو تو نے میرے امر کی حفاظت بنایا ہے، اے اللہ میری دنیا کی حفاظت فرما جس کو تو نے میری معاش بنایا ہے، اور تین بار یہ دعا فرماتے اے اللہ میری آخرت کی اصلاح فرما جس کو تو نے میرا مرجع بنایا ہے، اور تین بار فرماتے اے اللہ میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں، اے اللہ میں تجھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں، جو تو عطا کرے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو تو روک دے اس کا کوئی دینے والا نہیں، اور تیرے مقابلہ میں کسی کی کوشش نفع نہیں دے سکتی۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۲ھ)

حافظ البیہقی لکھتے ہیں اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک ضعیف رلوی ہے۔
(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۲ھ)

حافظ البیہقی لکھتے ہیں :

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب بھی تمہارے نبی ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی تو آپ نے نماز کے بعد یہ دعا کی اے اللہ میری کل خطیوں اور ذنوب کو بخش دے، اے اللہ مجھے ہلاکت سے بچا، میرے نوٹے ہوئے کام جوڑ دے، اور مجھے نیک عمل اور اخلاق کی ہدایت دے، تیرے سوا نیک عمل کی ہدایت دینے والا اور برے عمل سے بچانے والا کوئی نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم صغیر اور معجم لوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۲ھ)

حضرت ابو لہم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز پڑھنے کے بعد دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی مغفرت کر دیتا ہے، اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۱، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء
علامہ حنفی لکھتے ہیں :

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز کے بعد صرف اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاكرام کی مقدار بیٹھتے تھے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ بعینہ یہی کلمات فرماتے تھے یا بس اتنی ہی دیر بیٹھتے تھے، اس سے تحدید مراد نہیں ہے اس لیے یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس حدیث کے متنی نہیں ہے جس میں حضرت عبداللہ بن الزبیر سے طویل ذکر مروی ہے۔

(غنیۃ المستمل (جلبی کبیر) ص ۳۳۲، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۳۳ھ)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں :

اس میں اختلاف ہے کہ فرض کے بعد متعلاً "سنت پڑھنا اولیٰ ہے یا دعا اور وظائف پڑھنے کے بعد سنتیں پڑھنا اولیٰ ہے، امام حلوانی نے کہا ہے کہ فرائض اور سنتوں کے درمیان وظائف اور اوپر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (الی قولہ) نبی ﷺ نے نماز کے بعد کم مقدار میں بھی ذکر کیا ہے اور زیادہ مقدار میں بھی، اور اس وقت سنت یہ ہے کہ اتنی مقدار میں تاخیر کے بعد سنتیں پڑھی جائیں۔

علامہ شرنبلالی حنفی لکھتے ہیں :

مستحب یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد ائمہ اپنے لیے اور مسلمانوں کے لیے دعائیں کریں کیونکہ جب نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ کس وقت دعا مقبول ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا آدھی رات کو اور فرض نمازوں کے بعد، اور آپ نے حضرت معاذ سے فرمایا کہ خدا میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تم کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ تم کسی نماز کے بعد یہ دعا ترک نہ کرو اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک (مراقی الفلاح ص ۱۸۹، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ)

علامہ لکھنوی حنفی لکھتے ہیں : ہر فرض نماز کے بعد تین بار اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔

(حاشیۃ اللکھنوی علی مراقی الفلاح ص ۱۸۸، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ)

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں :

امام کے لیے مستحب ہے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد تین بار استغفار کرے، آیت الکرسی اور معوذات پڑھے اور سو تسبیحات پڑھے اور دعا کرے اور سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون پر ختم کرے۔
(در مختار علی هامش حاشیۃ اللکھنوی، ج ۱ ص ۲۳۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ مظلوی حنفی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: کیونکہ فرض نمازوں کے بعد دعا مقبول ہوتی ہے۔

(حاشیہ المظلوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۳۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۵ھ)

نیز علامہ صفینی نے لکھا ہے کہ فرض نماز کے بعد متعملاً "سنتیں پڑھنے یا دعا اور ذکر کے بعد سنتیں پڑھنے میں فقہاء کا اختلاف انصافیت میں ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ فرض کے بعد اور لو اور دعا سے منع کرنے والوں کا قول اگر اس پر محمول کیا جائے کہ فرض نمازوں کے بعد وظائف میں زیادہ دیر لگانا مکروہ تنزیہی ہے اور کم مقدار میں دعا اور وظائف پڑھنا بلا کراہت جائز ہے تو پھر اختلاف نہیں رہے گا۔ (در مختار علی حاشیہ المظلوی ج ۱ ص ۲۳۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ حنبل مالکی طرابلسی مغربی لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ امام مقتدیوں کو بھی اپنی دعا میں شریک کرے، روایت ہے کہ جس نے ان کو نہیں شریک کیا اس نے ان سے خیانت کی، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ نماز کے بعد دعا کرنا جائز ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی رات اور فرض نمازوں کے بعد دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے، امام حاکم نے امام مسلم کی شرط کے مطابق یہ حدیث روایت کی ہے، جب بھی مسلمان جمع ہوں بعض دعا کریں اور بعض آمین کہیں تو اللہ ان کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

(موہب الجلیل ج ۱ ص ۳۷-۳۶، مطبوعہ مکتبہ التجار لیویا)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

نماز کے بعد کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا سنت ہے، اس سلسلہ میں بہت احادیث ہیں، اور سلام پھیرنے کے بعد آہستہ دعا کرنا مسنون ہے، لایہ کہ کوئی شخص امام ہو اور وہ حاضرین کو دعا پر مطلع کرنے کا ارادہ کرے تو وہ بلند آواز سے دعا کرے۔ (ردتہ لطائف ج ۱ ص ۳۷۳-۳۷۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

سلام پھیرنے کے بعد اللہ کا ذکر کرنا اور دعا کرنا مستحب ہے، حضرت ثوبان سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نماز پڑھنے کے بعد پھر جلتے اور تین بار استغفر اللہ کہتے، اور اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاكرام پڑھتے، حضرت سعد کہتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے اے اللہ میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں نکل سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں ارنل عمر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں دنیا کے فتنہ اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (المنہج ج ۱ ص ۳۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

چونکہ کثرت احادیث میں فرض نماز کے بعد نبی ﷺ سے جزا ذکر کرنا اور دعا کرنا ثابت اور مصرح ہے جیسا کہ ہم نے باحوالہ بیان کیا ہے اس لیے ہمارے نزدیک یہی رائج ہے کہ فرض نماز کے بعد مختصر ذکر کیا جائے اور دعا کی جائے اور جن فقہاء نے اس کو غیر افضل یا مکروہ تنزیہی کہا ہے ہمارے نزدیک ان کا قول صحیح نہیں ہے، ہم نے اس مسئلہ میں اس لیے طویل بحث کی ہے کہ ہمارے زمانہ میں بعض حنبلی المسک علماء اور بعض صوفیاء فرض نماز کے بعد دعا مانگنے سے لوگوں کو منع کرتے ہیں اور ان کا یہ قول بکثرت احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔

طلب جنت کی دعا کرنے کا قرآن اور سنت سے بیان

ہمارے زمانہ میں بعض جملا جنت کی بہت تنقیص اور بہت تحقیر کرتے ہیں اور جنت کی دعا کرنے کو بہت گھٹیا درجہ

قرار دیتے ہیں، بعض کہتے ہیں ہمیں جنت نہیں مدینہ چاہئے، حالانکہ مدینہ کی عظمت رسول اللہ ﷺ کے روضہ کی وجہ سے ہے اور آپ کا روضہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، رسول اللہ ﷺ اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے تو اگر سرکار کے مسکن کی وجہ سے مدینہ کو محبوب رکھا جاتا ہے تو دنیا اور آخرت میں آپ کا مسکن جنت ہے اس کی تنقیص کیوں کی جاتی ہے؟ بلکہ اس کو مدینہ سے زیادہ محبوب جلتا چاہئے کہ وہ اب آپ کا مسکن ہے اور آخرت میں بھی آپ کا مسکن ہے! بعض کہتے ہیں کہ جنت کا درجہ کم ہے اور اللہ کی رضا کا درجہ زیادہ ہے اس لیے وہ جنت کو کم قرار دیتے ہیں اور جنت کی دعا نہیں کرتے، لیکن وہ غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جنت کی بہت تعریف اور توصیف کی ہے اور اس کی طرف بہت رغبت دلائی ہے تو اللہ نے جس چیز کی تعریف و توصیف کی ہو اس کی تنقیص کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا یا ناراض! اور اللہ کی رضا اور اس کا دیدار اصل جنت کو ہو گا تو اللہ کی رضا اور اس کے دیدار کا وسیلہ جنت ہے اس لیے جنت کو محبوب رکھنا چاہئے جس طرح انبیاء علیہم السلام کو اس لیے محبوب رکھا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا وسیلہ ہیں، نیز قرآن اور سنت میں جنت کو طلب کرنے اور اس کے حصول کے دعا کی ہدایت دی گئی ہے :

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ
عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ
اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جلدی کرو
جس کی پسنائی آسمان اور زمینیں ہیں جو متقین کے لیے تیار کی گئی
(آل عمران : ۳۳) ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے بڑھ کر اللہ کی رضا کا کون طالب ہو گا انہوں نے جنت کے حصول کی دعا کی:
وَاجْعَلْنِي مِّنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ
(الشعراء : ۸۵)

نبی ﷺ نے جنت کے حصول کی دعا کرنے کا حکم دیا ہے، امام ترمذی روایت کرتے ہیں :
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم اللہ سے سوال کرو تو اس سے فردوس
(جامع ترمذی ص ۳۶۳-۳۶۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

کا سوال کرو۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے تین مرتبہ اللہ سے جنت کا سوال کیا،
جنت کہتی ہے اے اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے، اور جس نے تین بار جہنم سے پناہ طلب کی، جہنم کہتی ہے اے اللہ
اس کو جہنم سے پناہ میں رکھ۔
(جامع ترمذی ص ۳۶۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں :
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کو یہ دعا سکھائی : اے اللہ میں تجھ سے دنیا اور
آخرت کی ہر اس خیر کا سوال کرتی ہوں جو تجھے معلوم ہے اور مجھے معلوم نہیں، اور میں تجھ سے ہر اس شر سے پناہ طلب
کرتی ہوں جو تجھے معلوم ہے اور مجھے معلوم نہیں، اے اللہ میں تجھ سے اس خیر کا سوال کرتی ہوں جس کا تیرے بندے اور
تیرے نبی نے سوال کیا اور ہر اس شر سے تیری پناہ طلب کرتی ہوں جس سے تیرے بندے اور نبی نے پناہ طلب کی، اے
اللہ میں تجھ سے جنت کا سوال کرتی ہوں اور اس قول اور عمل کا سوال کرتی ہوں جو جنت کے قریب کر دے اے اللہ! میں
تجھ سے دوزخ سے پناہ طلب کرتی ہوں اور اس قول اور عمل سے پناہ طلب کرتی ہوں جو دوزخ کے قریب کر دے، اے اللہ!

میں تھمے سوال کرتی ہوں کہ تو میرے لیے جو چیز مقدر کرے تو اچھی چیز مقدر کر۔

(المصنف ج ۱۰ ص ۲۶۳، مطبوعہ لواء القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۳۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۹ھ)

نیز امام احمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو یہ دعا سکھائی :
اے اللہ میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور اس قول یا عمل کا جو جنت کے قریب کر دے اور تجھ سے جہنم سے
پتہ طلب کرتا ہوں اور اس قول یا عمل سے جو جہنم کے قریب کر دے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲، ج ۱ ص ۱۸۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۹ھ)

یہ حدیث کنز العمال میں بھی ہے حدیث نمبر : ۵۰۷۲، ۳۸۳، ۳۶۱۰۔

دعا قبول ہونے کی شرائط اور آداب

(۱) دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور ہتھیلیوں کا باطنی حصہ اپنے کندھوں کے بالمقابل رکھے اور دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر
پھیرے۔ (سنن اللہ داؤد ج ۱ ص ۲۰۹، جامع ترمذی ص ۳۸۸)

(۲) حافظ البیہقی نے امام طبرانی سے روایت کیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تم میں سے
کوئی شخص دعا کرے تو پہلے اللہ کی ایسی حمد و ثناء کرے جس کا وہ اہل ہے، پھر نبی ﷺ پر صلوٰۃ پڑھے، اس کے بعد سوال
کرے تو اس کی قبولیت متوقع ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۱۰، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

(۳) حافظ البیہقی نے امام طبرانی سے روایت کیا ہے کہ جب نبی ﷺ دعا کرتے تو پہلے اپنے لیے دعا کرتے، یہ حدیث حسن
ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۱، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

(۴) امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ کسی کا ذکر کر کے اس کے لیے دعا کرتے تو پہلے اپنے لیے دعا کرتے۔
(جامع ترمذی ص ۳۳۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

(۵) امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے
تو پورے عزم سے سوال کرے، یوں نہ کہے اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے عطا کر۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۳۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۴۰۸ھ)

(۶) امام ترمذی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرتا
ہے تو یا تو اللہ اس کی دعا قبول کر لیتا ہے یا اس سے اس کی مثل کوئی برائی دور کر دیتا ہے، بہ شرطیکہ وہ گناہ کی دعا کرے نہ قطع
رحم کی۔ (جامع ترمذی ص ۳۸۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی)

حضرت ابو سعید خدری کی روایت میں تین چیزوں کا ذکر ہے دعا جلد قبول کرنا، یا آخرت میں اجر عطا کرنا یا مصیبت مٹل
دینا۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۱، مطبوعہ دار الکتب العربی ۱۴۰۲ھ)

(۷) حافظ البیہقی نے امام احمد سے روایت کیا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ
نے فرمایا : اے لوگو جب تم اللہ سے دعا کرو تو قبولیت کے یقین سے دعا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی دعا قبول نہیں
کرتا جو غافل دل سے دعا کرتا ہے، یہ حدیث حسن ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۳۸، مطبوعہ دار الکتب العربی)

لام غزالی لکھتے ہیں :

(۸) قبولیت کے وقت میں دعا کرے، مثلاً رات کے آخری حصہ میں، فرض نمازوں کے بعد، اسی طرح قبولیت کے پیام میں مثلاً یوم عرفہ کو، رمضان میں، جمعہ میں۔

(۹) قبولیت کے احوال میں دعا کرے، مثلاً بارش کے وقت، حضرت انس سے روایت ہے کہ لڑائی اور اقامت کے درمیان دعا مسترد نہیں ہوتی۔

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بندہ کا اللہ سے سب سے زیادہ قرب سجدہ میں ہوتا ہے تو سجدہ میں بہ کثرت دعا کیا کرو، نیز امام مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سجدہ میں دعا کی قبولیت متوقع ہے۔

(۱۰) قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کرے امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے میدان عرفات میں قبلہ کی طرف منہ کیا اور غروب آفتاب تک دعا کرتے رہے۔

(۱۱) بہت زیادہ گلا پھاڑ کر دعا نہ کی جائے، امام بخاری حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے لوگو تم کسی بہرے اور غائب سے دعا نہیں کر رہے۔

(۱۲) تصنع اور تکلف سے مبرا مطلق عبارات کے ساتھ دعا نہ کرے، امام ابو داؤد حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب ایک قوم دعا میں حد سے تجلوز کرے گی۔

(۱۳) شوق اور خوف سے دعا کرے یدعوننا رغبا ورهبا (الانبیاء : ۹۰) ”وہ ہم سے رغبت اور خوف سے دعا کرتے ہیں“

(۱۴) گزرگذا کر اور خشوع سے دعا کرے ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة (الاعراف : ۵۵) اپنے رب سے دعا کرو گزرگذا کر اور چپکے چپکے۔

(۱۵) تین بار دعا کرے، امام مسلم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ دعا کرتے تو تین بار دعا کرتے اور جب سوال کرتے تو تین بار سوال کرتے۔

(۱۶) قبولیت کے لیے جلدی نہ کرے، امام بخاری اور امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک جلدی نہیں کی جائے گی تمہاری دعا قبول ہوتی رہے گی تم میں سے ایک شخص کہتا ہے میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی، جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو بہ کثرت سوال کرو کیونکہ تم کریم سے دعا کر رہے ہو۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا محمد ﷺ کی بعثت کی دعا کی جو تقریباً ”تین ہزار سال بعد قبول ہوئی“ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ تین سو سال بعد قبول فرمائی۔ تفسیر خازن ج ۱ ص ۴۷)

(۱۷) قبولیت دعا کے لیے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں سے توبہ کرے، لوگوں کے جو حقوق دبا رکھے ہیں وہ ان کو واپس کرے، جس پر جو ظلم کیا ہے وہ اس سے معاف کرائے، کعب احبار نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں قحط پڑ گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کے ساتھ مل کر تین بار بارش کے لیے دعا کی لیکن بارش نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی تمہارے درمیان ایک چغل خور ہے جب تک وہ درمیان سے نہیں نکلے گا تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی، حضرت موسیٰ نے پوچھا یا رب! وہ کون ہے؟ فرمایا میں تم کو چغلی سے منع کرتا ہوں تو

میں تم سے اس کی چٹلی کیسے کروں گا پھر موسیٰ علیہ السلام نے سب کو توبہ کرنے کا حکم دیا جب سب نے توبہ کر لی تو بارش ہو گئی۔
(احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۴۰۷-۴۰۳، مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۴۱۳ھ)

(۱۸) قبولیت دعا کی ایک اور شرط یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اجیب دعوة الداع اذا دعان فليستجيبوا لى ”دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو چاہئے کہ وہ بھی میرا حکم مانیں۔“ انسان بندہ اور محتاج ہو کر اللہ کی بات نہ مانے اور اس کے حکم پر عمل نہ کرے اور یہ چاہے کہ وہ معبود اور بے نیاز ذات اس کا کہاں لے یہ کیسی بے انصافی ہے!

(۱۹) حنفی ایشی نے لام طبرانی سے روایت کیا ہے کہ تین شخصوں کی دعا قبول ہوتی ہے، والد کی، مسافر کی اور مظلوم کی۔ یہ حدیث صحیح ہے، نیز لام طبرانی حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ غائب شخص کے لیے دعا کی جائے تو مسترد نہیں ہوتی۔
(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۲-۱۵۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

(۲۰) قبولیت دعا کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور تقدیر کے خلاف نہ ہو۔

دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات

قرآن مجید میں ہے :

أَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَا (البقرة ۱۸۶)
میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کئی بار ہم دعا کرتے ہیں اور وہ دعا قبول نہیں ہوتی۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ وہ دعا قبولیت کی ان شرائط اور آداب کے مطابق نہیں مانگی جاتی جن کو ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض لوقت ہم جس چیز کی دعا کرتے ہیں وہ مکمل کار ہمارے حق میں مضر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ دعا قبول نہ کر کے ہم کو اس کے ضرر سے بچا لیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے :

وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (البقرة : ۲۱)
ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کو تم برا سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ بعض لوقت ہماری دعا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق نہیں ہوتی اس لیے وہ اس کو قبول نہیں فرماتا قرآن مجید میں ہے :

بَلْ لَّيَالَاهُ نَادِعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ (الانعام : ۴)
بلکہ تم اسی سے دعا کرو گے اور اگر وہ چاہے گا تو وہ اس مصیبت کو دور کر دے گا جس کے لیے تم اس سے دعا کرو گے۔

لام تنفی روایت کرتے ہیں :

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا اللہ تعالیٰ نے مجھے دو چیزیں عطا کر دیں اور ایک چیز کے سوال سے مجھے روک دیا، میں نے سوال کیا کہ میری (تمام) امت عطا کرے یا کہ نہ ہو اللہ نے مجھے یہ عطا کر دیا، میں نے سوال کیا کہ میں کا مخالف دشمن (سب) پر مسلط نہ ہو، اللہ نے یہ

مطا کر دیا میں نے یہ سول کیا میری امت آپس میں جنگ نہ کرے تو اللہ نے مجھے اس سول سے روک دیا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۱۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے محبوب اور مستجاب ہونے کے متعلق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا مسترد نہیں کی بلکہ آپ کو اس دعا کے کرنے سے منع فرمادیا، دو سراجواب یہ ہے کہ اس ایک دعا کے سوا آپ کی تمام دعائیں قبول کی گئیں اور چونکہ آپ کی زندگی میں ہر عمل کے لیے حسین نمونہ ہے تو دعا قبول نہ ہونے پر صبر و ضبط کرنے کا نمونہ بھی آپ کی حیات طیبہ میں ہونا چاہئے تھا سو اس حکمت کی وجہ سے آپ کی ایک دعا قبول نہیں کی گئی۔ اصل سول کا چوتھا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والے کی دعا قبول نہیں فرماتا، قرآن مجید میں ہے :

أَدْعُوا رَبَّكُمْ نَضِرُّكُمْ وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يَحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (الاعراف : ۵۵)

اپنے رب سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرو بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

اور جو شخص علم سے یا بغیر علم کے گناہ کبیرہ پر اصرار کرتا ہو وہ حد سے بڑھنے والا ہے، اس کی دعا کیسے قبول ہوگی! امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص لباس فرما رہا ہے اس کے بل بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہوتے ہیں وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے یا رب! یا رب! اس کا کھانا پینا حرام ہو، اس کا لباس حرام ہو، اس کی غذا حرام ہو تو اس کی دعا کمال قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۷۵ء ۷۴ء)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں :

ابراہیم بن نصر کہانی کے از ابدال ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ دس وجوہات سے لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی، (۱) اللہ کا اقرار کرتے ہیں اور اس کا حکم نہیں مانتے (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں اور آپ کی سنت کی اتباع نہیں کرتے۔ (۳) قرآن مجید پڑھتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے، (۴) جنت کو پسند کرتے ہیں اور اس کے راستے پر نہیں چلتے، (۵) جہنم کو ناپسند کرتے ہیں اور اس کے راستے پر دھکم پیل کرتے ہیں (۶) اطمینان کو اپنا دشمن کہتے ہیں اور اس کی موافقت کرتے ہیں (۷) لوگوں کو دفن کرتے ہیں اور اپنی موت کو یاد نہیں کرتے۔ (۸) اپنے بھائیوں کے عیوب تلاش کرتے ہیں اور اپنے عیوب نہیں دیکھتے (۹) مال جمع کرتے ہیں اور حساب کے دن کو یاد نہیں رکھتے (۱۰) قبریں کھودتے ہیں پھر بھی عالیشان مکان بناتے ہیں۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۴ ص ۲۱۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ء)

رسول اللہ ﷺ نے دعا کو بعینہ عبادت اور عبادت کا مغز فرمایا ہے، اس لیے میں نے چاہا کہ دعا کے متعلق تمام اہم مباحث کو یہاں بیان کر دیا جائے وما توفیقی الا باللہ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

روزہ کی رات میں سونے کے بعد کھانے پینے اور عمل زوجیت کی اجازت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تمہارے لیے روزہ کی رات میں اپنی بیوی کے پاس جانا حلال کر دیا گیا۔ الا یتہ : (البقرہ :

(۱۸۷

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

عبدالرحمن بن ابی لیلی بیان کرتے ہیں مسلمان ابتداء میں ہر ماہ میں تین دن روزے رکھتے تھے، پھر رمضان کے

نہے فرض ہو گئے، جب کوئی شخص نفل کے وقت کھانا کھائے بغیر سو جاتا تو پھر اگلے روز نفل تک کھانا نہیں کھا سکتا تھا۔
 اور اگر وہ سو جاتا یا اس کی بیوی سو جاتی تو پھر وہ بیوی سے عمل زوجیت نہیں کر سکتا تھا، انصار میں سے صرمہ بن مالک نام کا
 ایک بوڑھا شخص تھا، اس نے نفل کے وقت اپنی بیوی سے کھا کھلا لاؤ، بیوی نے کہا میں گرم کر کے لاتی ہوں، اتنی دیر میں
 اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گیا، (اور اگلے دن بھوک سے اس کی حالت غیر ہو گئی) دو سرا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی
 بیوی کو عمل زوجیت کے لیے بلایا انہوں نے کہا میں سو چکی ہوں، حضرت عمرؓ نے یہ گمان کیا کہ وہ بہانے کر رہی ہیں اور ان
 سے اپنی خواہش پوری کر لی اور دونوں نے رات گزار لی تو اللہ نے یہ آیت نازل کی! اللہ کو علم ہے کہ تم اپنے نفوس میں
 خیانت کرتے تھے، سو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہیں معاف کر دیا سواب (چاہو تو) تم ان سے عمل زوجیت کرو،
 اور جو اللہ نے تمہارے لیے مقدر کر دیا ہے اس کو طلب کرو، اور کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ فجر کا سفید دھاگا (رات کے)
 سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے، پھر روزہ کو رات آنے تک پورا کرو۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۹۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ پہلے مسلمان سونے سے پہلے کھاتے پیتے رہتے تھے اور جماع کرتے تھے
 اور سونے کے بعد کھانے پینے اور جماع کو ترک کر دیتے تھے ابو صرمہ نام کا ایک انصاری شخص زمین میں کھیتی باڑی کرتا تھا،
 نفل کے وقت وہ سو گیا اور پھر صبح روزہ کے ساتھ کی، وہ بھوک پیاس سے بے حل ہو گیا، نبی ﷺ نے اس کو دیکھ کر پوچھا
 کیا ہوا تو اس نے واقعہ بیان کیا، لوہر دوسرے شخص نے خیانت کی اور بیوی سے اس کے سونے کے بعد جماع کر لیا تو یہ
 آیت نازل ہوئی۔
 (جامع البیان ج ۲ ص ۹۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

سفید دھاگے اور کالے دھاگے کا بیان اور طلوع فجر کے بعد سحری کھانے کی ممانعت
 حضرت عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے اسلام کی
 تعلیم دی، اور ہر نماز کے وقت میں نماز پڑھنا سکھایا پھر فرمایا جب رمضان آئے تو کھاتے پیتے رہنا حتیٰ کہ فجر کا سفید دھاگا
 رات کے سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے، پھر رات تک روزہ پورا کرنا، حضرت عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں میں نہیں سمجھ سکا کہ
 کالے اور سفید دھاگے سے کیا مراد ہے، میں فجر تک ان دونوں دھاگوں کو دیکھتا رہا اور وہ مجھے ایک جیسے دکھائی دیئے، پھر میں
 رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، پھر میں نے کمایا رسول اللہ! ہر وہ چیز جس کی آپ نے مجھے وصیت کی تھی مجھے یاد ہے، البتہ
 سفید دھاگے اور کالے دھاگے کا مطلب مجھے یاد نہیں، رسول اللہ ﷺ مسکرائے گویا کہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ میں نے کیا
 کیا تھا، میں نے کہا میں نے ان دونوں دھاگوں کو بٹ لیا اور رات بھر انہیں دیکھتا رہا مجھے یہ ایک جیسے دکھائی دیئے، رسول اللہ
 نے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں دکھائی دیں، پھر آپ نے فرمایا کیا میں نے تم سے فجر کا لفظ نہیں کہا تھا، اس سے مراد رات کی
 سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔
 (جامع البیان ج ۲ ص ۱۰۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

سید مودودی لکھتے ہیں :

سحری میں سیاہی شب سے سپید سحر کا نمودار ہونا بھی خاصی گنجائش اپنے اندر رکھتا ہے اور ایک شخص کے لیے یہ
 بالکل صحیح ہے کہ اگر صبح طلوع فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی ہو تو وہ جلدی سے اٹھ کر کچھ کھاپی لے، حدیث میں آتا ہے
 کہ حضور نے فرمایا : اگر تم میں سے کوئی شخص سحری کھا رہا ہو اور لوہن کی آواز آجائے تو فوراً چھوڑ نہ دے بلکہ اپنی

ماجت بھر کھاپی لے۔ (تفسیر القرآن ج ۱ ص ۳۶، مطبوعہ ترجمان القرآن لاہور، مہج ۱۴۳۳ء)

سید مودودی نے یہ صحیح نہیں لکھا، طلوع فجر کے بعد سحری کھانا جائز نہیں ہے اور جس حدیث سے انہوں نے بلا حوالہ استدلال کیا ہے اس میں طلوع فجر کے بعد کھانے پینے کی اجازت کا ذکر نہیں ہے۔ اصل حدیث یہ ہے لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ بلال رات کو لڑان دیتے ہیں تم کھاتے پیتے رہو حتیٰ کہ ابن ام مکتوم لڑان دیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۷، ۸۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطالک کراچی) رمضان میں حضرت بلال رات کے وقت لڑان دیتے تھے تاکہ سحری کرنے والے جاگ اٹھیں، اور جس نے تہجد پڑھنی ہو وہ اٹھ کر تہجد پڑھ لے اور حضرت ابن ام مکتوم طلوع فجر کے وقت صبح کی لڑان دیتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن ام مکتوم کی لڑان کو سحری کا اہتمام قرار دیا ہے اس سے طلوع فجر کے بعد کھانے پینے کی اجازت کمال نکلتی ہے؟ اعتکاف کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کی اقسام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو (کسی وقت بھی) اپنی بیویوں سے عمل زوجیت نہ کرو (البقرة: ۱۸۷)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں :

اعتکاف کا لغت میں معنی ہے ٹھہرنا، اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے : مسجد میں رہنا، روزہ سے رہنا، جمع کو بالکل ترک کرنا اور اللہ عز و جل سے تقرب کی نیت کرنا، اور جب تک یہ معلیٰ پائے نہ جائیں شرعاً اعتکاف متحقق نہیں ہو گا، لیکن مسجد میں رہنے کی شرط صرف مردوں کے اعتبار سے ہے، عورتوں کے لیے یہ شرط نہیں ہے۔ ہر مسجد میں اعتکاف ہو سکتا ہے، البتہ بعض فقہاء نے جامع مسجد کی شرط لگائی ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۳۲، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ) اعتکاف کی تین قسمیں ہیں، واجب یہ وہ اعتکاف ہے جس کی نذر ملنی جائے، سنت موکدہ، رمضان کے آخری دس دنوں کا اعتکاف اور نفل، جو اعتکاف سنت موکدہ ہے اس کی بھی وہی شرائط ہیں جو اعتکاف واجب کی ہیں۔

اعتکاف کی شرائط

(۱) اعتکاف کی نیت کرنا شرط ہے۔ (۲) جس مسجد میں اذان اور اقامت ہو اور باجماعت نماز ہو، اس میں اعتکاف کیا جائے۔ (۳) اعتکاف واجب میں روزہ شرط ہے، اعتکاف نفل میں روزہ شرط نہیں اور نہ اس میں وقت کی تحدید ہے (۴) اسلام (۵) عقل (۶) جنابت، حیض اور نفاس سے پاک ہونا ضروری ہے، بالغ ہونا اعتکاف کے لیے شرط نہیں ہے اور نہ آزاد ہونا اور مرد ہونا شرط ہے۔ عورتیں گھر میں نماز کی جگہ کو اعتکاف کے لیے مخصوص کر لیں اور اس جگہ بیٹھیں۔ اعتکاف کے آداب

معتکف اچھی بات کے سوا اور کوئی بات نہ کرے، رمضان کے دس دن اعتکاف کرے، سب سے افضل مسجد میں اعتکاف کرے مثلاً مسجد حرام، مسجد نبوی اور جامع مسجد، قرآن اور حدیث کی تلاوت اور فقہ کی کتابیں پڑھنے میں مشغول رہے، نبی ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور حکایات صالحین کے پڑھنے میں منہمک رہے، اللہ عز و جل کا ذکر کرے، استغفار کرے، درود شریف پڑھے، زندگی کی قضا نمازیں اور نوافل پڑھے، جن باتوں میں گناہ نہ ہو ان باتوں کے

سکھائی گئی کہ حج نہیں ہے، اعتکاف کرنے والا خود کو دنیا کے مشاغل سے الگ کر کے بالکل عبادت الہی کے سپرد کر دیتا ہے اور اعتکاف کے ایام میں بندہ فرشتوں کے مشابہ ہو جاتا ہے جو اللہ کی بالکل معصیت نہیں کرتے، اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور دن رات اس کی تسبیح کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ نمازی نماز پڑھ کر مسجد سے چلے جاتے ہیں لیکن ممکنہ طور پر گھر کو نہیں چھوڑتا اور وہیں دھرنا مار کر بیٹھا رہتا ہے سو اس کے لیے اللہ کی عطا اور نوال زیادہ متوقع ہے۔

اعتکاف کے مفصلات

بلوغت شرعی مسجد سے نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، بول و براز کے لیے جانا اور جمعہ پڑھنے کے لیے جانا عذر شرعی ہیں، وضوء کے لیے جانا بھی عذر شرعی ہے، کھانے، پینے اور سونے کے لیے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں ہے، جان اور مال کو بچانے کے لیے مسجد سے جانا جائز ہے، مریض کی عیادت کے لیے نہ جائے، نماز جنازہ پڑھنے کے لیے مسجد سے باہر گیا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا مسجد سے سر باہر نکالنا تاکہ اس کے گھر والے سردھو دیں جائز ہے، (معتدک حاصل کرنے یا صفائی حاصل کرنے کے لیے مسجد سے غسل کرنے کے لیے جانا جائز نہیں ہے، البتہ غسل جنابت کے لیے جانا جائز ہے) جماع کرنا، بوسہ دینا، لمس اور معافہ کرنا یہ تمام امور ناجائز ہیں اور اعتکاف کے لیے مفسد ہیں، بے ہوش ہونے یا جنون سے بھی اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

اعتکاف کے بعض ضروری مسائل

اعتکاف میں عبادت سمجھ کر خاموش رہنا منع ہے لیکن زبان کے گناہوں سے بچنے کے لیے خاموش رہنا عظیم عبادت ہے، جو چیز اعتکاف میں اعتکاف کی وجہ سے منع ہے مثلاً جماع اور مسجد سے نکلنا اس میں عمد اور نسیان میں فرق نہیں ہے اور جو چیز اعتکاف میں روزے کی وجہ سے منع ہے مثلاً کھانا پینا ان میں عمد "ارتکاب کی وجہ سے اعتکاف فاسد ہو گا اور نسیان" نہیں، اعتکاف میں خوشبو لگا سکتا ہے اور سر میں تیل ڈال سکتا ہے، اگر اعتکاف واجب فاسد ہو جائے تو اس کی قضا واجب ہے، جب اعتکاف کی نذر ملنے تو اس کو زبان سے کہنا ضروری ہے، اگر مثلاً تین دن یا دو دن اعتکاف کی نذر ملے تو اس میں راتیں شامل ہیں اور اگر مثلاً تین یا دو رات اعتکاف کی نذر ملے تو اس میں دن شامل ہیں اور اگر صرف دن یا صرف ایک رات کے اعتکاف کی نذر ملے تو یہ بھی جائز ہے۔ اور اگر ایک دن اعتکاف کی نذر ملے تو اس میں رات شامل نہیں ہے، فرض روزہ بلا عذر توڑنے میں قضا اور کفارہ واجب ہے اور نفل روزہ عمد "توڑنے میں صرف قضا واجب ہے۔ رمضان کفارہ قتل، کفارہ قتل، کفارہ قسم، کفارہ لفظ اور رمضان اور نذر کے روزوں کو مسلسل رکھنا واجب ہے۔

(عالمگیری ج ۱ ص ۳۳۳، مطبوعہ مطبع امیرہ کبری بولاق مصر ۱۳۱۰ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں :

رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہر چند کہ نفل ہے لیکن شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے، اگر کسی شخص نے ایک دن کا اعتکاف فاسد کر دیا تو لام ابو یوسف کے نزدیک اس پر پورے دس دن کی قضا لازم ہے اور لام ابو حنیفہ اور لام محمد کے نزدیک اس پر صرف اسی دن کی قضا لازم ہے، اس کے برعکس نفل میں اگر کچھ دیر مسجد میں بیٹھ کر باہر نکل گیا تو اس پر قضا نہیں کیونکہ اس کے باہر نکلنے سے اعتکاف ختم ہو گیا۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۱، مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ)

چونکہ آخری عشرہ کا اعتکاف شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے اس لیے ہم نے لکھا ہے کہ اس پر واجب کے احکام

لاگو ہوں گے۔

برطانیہ اور ہالینڈ وغیرہ میں لیز پر جگہ حاصل کر کے مسجد بنائی جاتی ہیں وہ شرعاً مسجد نہیں ہیں کیونکہ ان پر گورنمنٹ کی ملکیت ہوتی ہے ان میں نماز پڑھنے سے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ہو گا اور نہ ان میں اعتکاف صحیح ہو گا، شرعاً مسجد اس وقت ہوگی جب کسی زمین کو اپنی صحیح ملکیت میں لے کر مسجد کے لیے وقف کر دیا جائے، اسی طرح ان ممالک میں بعض مسلمان حکومت سے بیروزگاری الاؤنس لیتے ہیں اور ان کو ایک مقررہ تاریخ پر جا کر سائن کر کے الاؤنس لینا ہوتا ہے، بعض دفعہ اعتکاف کے دوران وہ تاریخ آجاتی ہے اور وہ سائن کرنے چلے جاتے ہیں اس سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا، لیکن ان پر صرف اس ایک دن کی قضا لازم ہوگی۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ

اور ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ، اور نہ (بطور رشوت) وہ مال حاکموں کو دو

لَتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾

تاکہ تم جان بوجھ کر لوگوں کا کچھ مال گناہ کے ساتھ کھاؤ

مال حرام کھانے کی حرمت

اس آیت میں نبی ﷺ کی تمام امت کو خطاب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کامل ناحق نہ کھائے، جو سود، دھوکے سے لیا ہو مال، غصب شدہ مال، کسی کے حق کا انکار مثلاً کسی کی مزدوری، اجرت یا کرایہ کا انکار کر کے اس کا حق مار لینا، یا وہ مال جس کو شریعت نے حرام کر دیا ہے، مثلاً فاحشہ کی اجرت، اور شراب اور مردار کی قیمت یہ تمام قسم کے مال حرام ہیں اور ان کا کھانا ناجائز ہے۔

مال حرام سے صدقہ کرنے کا شرعی حکم

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں :

ظہیر یہ میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ثواب کی نیت سے فقیر کو مال حرام سے کچھ دیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر فقیر کو معلوم تھا اور اس نے دینے والے کے لیے دعا کی اور اس نے آمین کہی تو دونوں کافر ہو جائیں گے، میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ فقیر کو دینے کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اگر اس نے ثواب کی نیت سے مسجد بنائی یا اور کوئی مالی عبادت کی تو وہ کافر ہو جائے گا البتہ اس مسئلہ میں یہ قید ہے کہ اس مال حرام کی حرمت قطعی ہو جیسے چوری اور ڈاکے کا مال، سحر کی کمائی، سود اور جو، خمر، مردار اور خنزیر کی قیمت، زنا کی اجرت، یا غصب کیا ہو مال وغیرہ، کیونکہ ان کے صدقہ پر ثواب کی امید رکھنا ان کو حلال سمجھنے پر موقوف ہے اور حرام قطعی کو حلال قرار دینا کفر ہے العیاذ باللہ!

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

گانے بجانے کی حرمت ظنی ہے، ڈانڈھی مونڈنے کی اجرت، فوٹو گرافی کی اجرت، سینما کی آمدنی، اداکاروں کی آمدنی، رقص کی اجرت فلم کی ویڈیو کیسٹ کے کاروبار کی آمدنی، جان داروں کی تصویریں بنانے والے پینٹرز کی آمدنی، کاہن اور

محمی کی گمنی و غیوین سب کی آمدنی حرام فنی ہے اگر اس مل سے صدقہ کیا جائے اور ثواب کی امید رکھی جائے تو یہ کفر نہیں ہے، لیکن سخت حرام، شدید گناہ کبیرہ اور گمراہی ہے۔

اگر کسی شخص کے پاس رشوت، چوری، سود، غصب یا کسی اور ناجائز ذریعہ سے حاصل کیا ہوا کسی کامل ہے اور اب وہ خوف خدا سے اس مل کے بدل سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہو تو وہ مل اس شخص کو واپس کر دے، اگر وہ شخص فوت ہو چکا ہو تو اس کے وارثوں کو وہ مل واپس کر دے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کو یہ بتائے کہ میں نے تم سے یا تمہارے مورث سے یہ مل ناجائز طور پر لیا تھا، اور اگر وہ شخص یا اس کے وارثوں میں سے کسی کا پتا نہ چلے تو اس مل کو اس شخص کی طرف سے صدقہ کر دے اور اپنی اور اس کی مغفرت کی دعا کرے، اور اگر اس نے حکومت کے مل کو ناجائز طریقہ سے حاصل کیا تھا تو وہ مل حکومت کے کسی فنڈ میں داخل کر دے یا سرکاری ریل یا ہوائی جہاز کے ٹکٹ خرید کر ان کو استعمال نہ کرے اور اگر اس کے پاس کسب حرام کامل ہے مثلاً سینما کی آمدنی یا رقص اور موسیقی کی آمدنی تو اس تمام مل کو اپنے ذمہ سے بری اور ساقط کرنے کی نیت سے کسی غریب کو خیرات کر دے، اس میں صدقہ کے ثواب کی نیت نہ کرے بلکہ یہ نیت کرے کہ وہ اپنے فرض سے سبکدوش اور ذمہ سے عمدہ برآ ہو رہا ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی فنی مجبوری سے غیر اسلامی ملک میں سود لیا مثلاً اس نے غیر اسلامی ملک کے بینک میں پیسہ رکھا اور اب اپنے اکاؤنٹ کو اپنے ملک میں ٹرانسفر کراتا ہے اور اس میں سود کی رقم بھی فنی وجہ سے آگئی تو اس رقم سے نجات کی ایک صورت تو وہ ہے جو لوپر ذکر کی گئی، دوسری صورت یہ ہے کہ کسی غیر مسلم سے قرض لے کر اتنی رقم کسی کار خیر میں صرف کر دے اور پھر اس سود کی رقم سے اس غیر مسلم کا قرض ادا کر دے، لیکن عام حالات میں جان بوجھ کر سود لینا اور پھر کسی غریب کو وہ سود کھانا جائز نہیں ہے، حدیث میں ہے سود کھانے والے اور سود کھلانے والے دونوں پر لعنت کی گئی ہے۔

رشوت کا معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی رشوت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

کوئی شخص حاکم یا کسی اور کو کچھ چیز دے تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کر دے یا حاکم کو اپنی فشاء پوری کرنے پر

ابھارے۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں : ”کچھ پیسے دے کر اپنی حالت پوری کرانا یہ رشوت ہے۔“

علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ رشوت اصل میں رشاء سے ماخوذ ہے اور رشاء اصل میں ذول لی اس رسی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کنویں سے پانی نکالا جاتا ہے اور راشی وہ شخص ہے جو کسی باطل چیز کو حاصل کرنے کے لیے کسی کی مدد کرتا ہے اور مرتشی رشوت لینے والے کو کہتے ہیں اور رائش اس شخص کو کہتے ہیں جو راشی اور مرتشی کے درمیان رشوت کا معاملہ طے کراتا ہے، اور جو چیز حق کو حاصل کرنے کے لیے دی جائے یا ظلم کو دور کرنے کے لیے دی جائے وہ رشوت نہیں ہے اور ائمہ تابعین سے متقول ہے کہ اپنی جان اور مل کو ظلم سے بچانے کے لیے رشوت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(آج العروس ج ۱ ص ۱۵۰ مطبوعہ المجمع الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

قرآن مجید کی روشنی میں رشوت کا حکم۔

لہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ
وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِنَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ
النَّاسِ بِالِإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرة : ۱۸۸)

آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل نہ کھاؤ اور نہ (ہلور
رشت) وہ مال حاکموں تک پہنچو تاکہ تم لوگوں کے مال کا کچھ
حصہ گنہ کے ساتھ کھاؤ حالانکہ تم جانتے ہو (کہ یہ فعل ناجائز
ہے)

أَكْلُونِ لِلشُّحِّ (المائدہ : ۴۲)
احادیث اور آثار کی روشنی میں رشوت کا حکم
امام بیہقی روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے
والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۳۹، مطبوعہ نثر النستہ ملتان)

مسوق بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ سحت کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا رشوت، پھر
سوال کیا کہ فیصلے پر رشوت لینے کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا یہ کفر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل
کردہ (احکام) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۳۹، مطبوعہ نثر النستہ ملتان)

ان احادیث میں فیصلہ کے لیے رشوت دینے اور باطل کام کرانے کے لیے رشوت دینے کو حرام قرار دیا ہے، اور
حسب ذیل احادیث اور آثار میں ظلم اور ضرر سے بچنے کے لیے کچھ دینے کو جائز قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ رشوت نہیں
ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص بیان کرتے ہیں :

روایت ہے کہ جب نبی ﷺ نے خیبر کا مال غنیمت تقسیم کیا اور بڑے بڑے عطیات دیئے اور عباس بن مرداس کو
بھی کچھ مال دیا تو وہ اس پر ناراض ہو گیا اور شعر پڑھنے لگا، نبی ﷺ نے فرمایا (کچھ اور مل دے کر) ہمارے متعلق اس کی
زبان بند کر دو، پھر اس کو کچھ اور مال دیا حتیٰ کہ وہ راضی ہو گیا۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۳۳۲، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)
امام بیہقی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ حبشہ کی سرزمین پر پہنچے تو ان سے کچھ سلمان چھینا گیا۔ انہوں نے
اس سلمان کو اپنے پاس رکھا اور دو دینار دے دیئے پھر ان کو چھوڑ دیا گیا۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۳۹، مطبوعہ نثر النستہ ملتان)
وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جس کام میں رشوت دینے والا گنہگار ہوتا ہے یہ وہ نہیں ہے جو اپنی جان اور مال
سے ظلم اور ضرر کو دور کرنے کے لیے دی جائے۔ رشوت وہ چیز ہے جس میں دینے والا گنہگار ہوتا ہے بایں طور کہ تم اس چیز
کے لیے رشوت دو جس پہ تمہارا حق نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۳۹، مطبوعہ نثر النستہ ملتان)
رشوت کی اقسام۔

علامہ قاضی خاں اوزجندی لکھتے ہیں : جب قاضی رشوت دے کر منصب قضاء کو حاصل کرے تو وہ قاضی نہیں ہوگا
اور قاضی اور رشوت لینے والے دونوں پر رشوت حرام ہوگی، رشوت کی چار قسمیں ہیں :
۱۔ پہلی قسم یہی ہے یعنی منصب قضاء کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا، اس رشوت کا لینا، اور دینا دونوں حرام ہیں۔

۱۔ کئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرنے کے لیے قاضی کو رشوت دے، یہ رشوت جانبین سے حرام ہے، خواہ وہ فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہو یا نہ ہو، کیونکہ فیصلہ کرنا قاضی کی ذمہ داری اور فرض ہے، (اسی طرح کسی افسر کو اپنا کام کرانے کے لیے رشوت دینا یہ بھی جانبین سے حرام ہے، کیونکہ وہ کام کرنا اس افسر کی ڈیوٹی ہے۔ سعیدی غفرلہ)

۲۔ اپنی جان اور مل کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لیے رشوت دینا، یہ لینے والے پر حرام ہے دینے والے پر حرام نہیں ہے۔ اسی طرح اپنے مل کو حاصل کرنے کے لیے بھی رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

۳۔ کسی شخص کو اس لیے رشوت دی کہ وہ اس کو بدوشلہ یا حاکم تک پہنچا دے تو اس رشوت کا دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔ (تدوی قاضی خاں علی ہاشم الندوی ج ۲ ص ۳۳۳-۳۳۴، مطبوعہ مطبع امیر بولاق مصر ۱۳۱۰ھ)

رشوت کی یہ چار اقسام قاضی خاں کے حوالے سے علامہ ابن ہمام (۱)، علامہ بدر الدین عینی (۲)، علامہ زین الدین ابن نجیم (۳) اور علامہ ابن عبدین شامی نے بھی بیان کی ہیں۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۳۲۲-۳۲۱، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول ۱۳۳۲ھ) علامہ ابوبکر جصاص نے بھی رشوت کی یہ چار قسمیں بیان کی ہیں۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۳۳۴، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۰۰ھ) قاضی اور دیگر سرکاری افسروں کے ہدیہ قبول کرنے کی تحقیق

شمس لائٹ سرخی لکھتے ہیں کہ قاضی ہدیہ اور تحفہ کو قبول نہ کرے، ہرچند کہ شریعت میں ہدیہ قبول کرنا مستحب ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”ایک دوسرے کو ہدیہ دو اور ایک دوسرے سے محبت کرو۔“ لیکن ہدیہ لینے کا یہ جواز اس شخص کے لیے ہے جو مسلمانوں کے اعمال میں سے کسی عمل کے لیے متعین نہ ہو اور جو شخص کسی عمل کے لیے متعین ہو گیا جیسے قاضی اور حاکم وغیرہ ان پر لازم ہے کہ یہ کسی سے ہدیہ قبول نہ کریں خصوصاً اس شخص سے جو اس منصب پر مقرر ہونے سے پہلے انہیں ہدیہ نہ دیتا ہو، کیونکہ ہدیہ دینے والا کسی کام یا قضاء کو اپنے حق میں کرنے کے لیے ہدیہ دیتا ہے اور یہ بھی رشوت اور عمت کی ایک قسم ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے ابن ابالبقیہ کو مسلمانوں سے صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا جب وہ صدقات لے کر آیا تو کہنے لگا کہ یہ تمہارا مل ہے اور یہ مجھے لوگوں نے ہدیہ دیا ہے۔ نبی ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جن کو ہم کسی جگہ کا عامل بنا کر بھیجتے ہیں اور وہ واپس آ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ تمہارا مل ہے اور یہ ہمیں ہدیہ ملا ہے، یہ لوگ اپنی مل کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ گئے پھر یہ دیکھا جاتا کہ ان کو کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کسی جگہ کا عامل بنایا، ان کے پاس کافی مل جمع ہو گیا۔ حضرت عمر نے ان سے پوچھا تمہارے پاس یہ مل کہاں سے آیا انہوں نے کہا گھوٹوں کی نسل بڑھی اور لوگوں نے تحفے دیے۔ حضرت عمر نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! تم اپنے گھر میں کیوں نہ بیٹھ گئے پھر ہم دیکھتے کہ تم کو کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں؟ اور وہ مل بیت المال میں داخل کر لیا، اس حدیث اور اثر سے یہ معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو کسی منصب کی جت سے کوئی ہدیہ ملے تو وہ رشوت ہے۔ لہذا جو لوگ قاضی کو منصب قضاء پر فائز ہونے سے پہلے تحفے دیتے تھے ان کے سوال اور کسی شخص سے قاضی کو ہدیہ اور تحفہ قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ (مبسوط ج ۲ ص ۸۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، المجلد الاول ۱۳۸۸ھ)

(۱) علامہ کل الدین ابن ہمام خلی حنفی ۸۸۷ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۸۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ کھر

(۲) علامہ محمد بن احمد عینی خلی حنفی ۸۵۵ھ، ہدایہ شرح ہدایہ الجزء الثالث ص ۲۸۸، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد

(۳) علامہ زین الدین ابن نجیم خلی حنفی ۸۵۰ھ، البحر الرائق ج ۶ ص ۲۸۳-۲۸۴، مطبوعہ مطبع مصر ۱۳۱۰ھ

جھوٹی گواہی سے حکم رد ہوتا ہے یا نہیں

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے موقف کو دوسرے کی بہ نسبت زیادہ دلائل کے ساتھ پیش کرے اور اس سماعت کے اعتبار سے میں (بافرض) اس کے حق میں فیصلہ کر دوں سو جس شخص کو میں اس کے بھائی کا حق دے دوں وہ اس کو نہ لے کیونکہ میں اس کو آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۳، مطبوعہ نور محمد اصح المصالح کراچی ۱۴۵۵ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں : صحابہ کرام، فقہاء تابعین، امام شافعی، امام احمد اور جمہور فقہاء اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ حاکم کا حکم باطن میں کسی چیز کو حلال کرتا ہے نہ حرام کرتا ہے لہذا جب دو جھوٹے گواہ کسی کے حق میں مل کی گواہی دیں اور حاکم اس گواہی کی بناء پر مدعی کے حق میں مل کا فیصلہ کر دے تو مدعی کے لیے اس مل کو لینا جائز نہیں ہے اور اگر دو جھوٹے گواہ کسی شخص کے خلاف یہ گواہی دیں کہ اس شخص نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے تو اگر مقتول کے ولی کو یہ علم ہو کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں تو اس کے لیے ملزم کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر دو شخص کسی کے خلاف یہ جھوٹی گواہی دیں کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے اور قاضی نے اس گواہی کی بناء پر تفریق کر دی ہے تو جس شخص کو علم ہو کہ یہ گواہی جھوٹی ہے اس کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اور امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ قاضی کے حکم سے عورت تو حلال ہو جاتی ہے مل حلال نہیں ہوتا۔ لہذا ان کے نزدیک اس صورت میں نکاح جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ کا یہ قول اس حدیث صحیح اور اجماع متقدمین کے خلاف ہے، اسی طرح ان کا یہ قول خود ان کے اور جمہور کے اس قلعہ کے بھی خلاف ہے کہ عورت سے وطی کے معاملہ میں نکاح کی بہ نسبت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۷۵-۷۳، مطبوعہ نور محمد اصح المصالح کراچی ۱۴۵۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں : علامہ مازری مالکی نے کہا ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جان، مل اور عورت اگر حرام ہو تو وہ قاضی کے حکم سے حلال نہیں ہوگی اور امام ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے کہ قاضی کے حکم سے عورت حلال ہو جاتی ہے، پس اگر دو گواہ کسی شخص کے خلاف یہ جھوٹی گواہی دیں کہ اس شخص نے اپنی عورت کو طلاق دے دی تو جس شخص کو یہ علم ہو کہ انہوں نے جھوٹی گواہی دی ہے اس کے لیے بھی اس عورت سے نکاح کرنا حلال ہے۔ اس قول کی وجہ سے امام ابو حنیفہ پر لے دے کی گئی کہ انہوں نے مال کی حفاظت کی اور عورت کی حفاظت نہیں کی حالانکہ عورت کی حفاظت مقدم ہے ہمارے اصحاب نے اس حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قضاء کے ظاہر اور باطن نافذ ہونے میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی نے اس سلسلہ میں فقہاء احناف کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ : جھوٹے گواہوں سے ظاہر اور باطن نافذ ہوتا ہے، بشرطیکہ محل اس حکم کا قابل ہو (یعنی محارم میں سے کسی پر دعویٰ نہ ہو) اور قاضی کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم نہ ہو، یہ قضا عقود (مثلاً بیع اور نکاح) اور فسوخ (مثلاً اقالہ اور طلاق) دونوں میں نافذ ہو جاتی ہے، کیونکہ حضرت علی نے اس عورت سے فرمایا تھا کہ تمہارے گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا، اور امام

ابو یوسف امام محمد امام زفر اور ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں صرف ظاہراً "قضاء ٹنڈ ہوتی ہے۔ اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔ (در مختار علی ہاشم رد المحتار ج ۳ ص ۳۳۳، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ امام طحاوی نے نقل کیا ہے کہ امام محمد کا قول بھی امام ابو حنیفہ کی طرح ہے، نیز علامہ شامی بیان کرتے ہیں کہ قسطلانی اور البحر الرائق میں حقائق اور ابو الیث سے منقول ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے لیکن فتح القدیر میں ہے کہ امام اعظم کا قول ہی معتبر ہے اور علامہ قاسم نے بھی اسی کی تائید کی اور عام متون میں بھی امام اعظم کا قول مذکور ہے۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۳۳، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

جن صورتوں میں فقہاء اختلاف کے نزدیک قضاء ظاہراً "اور باطناً" ٹنڈ ہو جاتی ہے

علامہ شامی نے جھوٹی گواہی کی بناء پر عقود اور فسوخ میں قاضی کے حکم کی حسب ذیل مثالیں بیان کی ہیں :

(۱) ایک باندی نے کسی شخص پر یہ دعویٰ کیا کہ اس شخص نے اس باندی کو اتنے روپوں میں خریدا ہے، اس شخص نے اس دعویٰ کا انکار کیا، قاضی نے اس کو قسم کھانے کا حکم دیا اس نے قسم کھانے سے انکار کیا اور قاضی نے اس انکار کی بناء پر اس شخص کے خلاف فیصلہ کر دیا تو اب وہ باندی اس شخص پر دیتا "اور قضاء" دونوں طرح حلال ہے۔

(۲) ایک شخص نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے، قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

(۳) ایک عورت نے کسی شخص پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے مدعیہ کے حق میں فیصلہ کر دیا تو ان دونوں صورتوں میں مرد کے لیے عورت سے وطی کرنا اور عورت کا اس کو وطی کا موقع دینا جائز ہے۔

(۴) ایک عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں، شوہر منکر ہے، عورت نے دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے اس جھوٹی گواہی کے پیش نظر ان کے درمیان تفریق کا فیصلہ کر دیا اور عدت گزر جانے کے بعد عورت نے کسی اور شخص سے نکاح کر لیا تو اس دوسرے شخص کا اس عورت سے وطی کرنا جائز ہے خواہ اس کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم ہو اور گواہوں میں سے کوئی ایک اس سے نکاح کر سکتا ہے اور وطی بھی کر سکتا ہے، اور پہلا شوہر اب وطی نہیں کر سکتا، عورت اس کو وطی کا موقع فراہم کر سکتی ہے۔

(۵) ایک باندی یہ دعویٰ کرے کہ اس کے مالک نے اس کو آزاد کر دیا ہے اور مالک منکر ہو، باندی اس پر دو گواہ پیش کر دے اور قاضی اس کے آزاد ہونے کا فیصلہ کر دے تو اب وہ باندی کسی شخص سے نکاح کر سکتی ہے اور اس شخص کا اس باندی سے وطی کرنا اور باندی کا اس کو وطی کا موقع فراہم کرنا جائز ہے خواہ اس شخص کو علم ہو کہ گواہ جھوٹے تھے۔

(۶) ایک شخص نے کسی مکان کے بارے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کے مالک نے اس کو وقف کر دیا تھا مالک منکر ہے اس شخص نے اس وقف پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے فیصلہ کر دیا تو مدعی کا اس جگہ پر وقف کے احکام لاگو کرنا صحیح ہے۔

(۷) کسی شے کو کرلیہ پر حاصل کرنے کا دعویٰ کیا اور اس پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا تو مدعی کے لیے اس شے میں تصرف کرنا جائز ہے۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۳۳، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک قضاء کے ظاہراً اور باطناً نافذ ہونے کی شرائط

فقہاء احناف کے نزدیک قضاء کے ظاہراً اور باطناً نافذ ہونے کی حسب ذیل شرائط ہیں :

(۱) قاضی کو یہ علم نہ ہو کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں۔

(۲) مدعی نے ملک مطلق کا دعویٰ نہ کیا ہو بلکہ ملکیت کا سبب بھی بیان کیا ہو، قرض کا بھی یہی حکم ہے اگر کسی شخص پر مطلقاً قرض کا دعویٰ کیا تو باطناً "قضاء نافذ نہیں ہوگی جب تک کہ یہ نہ بتائے اس پر فلاں سبب سے قرض ہے، کسی شخص پر وراثت کے دعویٰ کرنے کا بھی یہی حکم ہے اس میں بھی باطناً "قضاء نافذ نہیں ہوگی۔

(۳) مدعی نے جس چیز پر دعویٰ کیا ہے وہ اس کے دعویٰ کا محل بننے کی صلاحیت بھی رکھتی ہو، اگر اس میں اس کے دعویٰ کی صلاحیت نہیں ہے تو اس میں باطناً "قضاء نافذ نہیں ہوگی مثلاً منکوحہ غیر یا معتدہ غیر کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کی بیوی ہے اور اس پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے تو اس میں ظاہراً "قضاء نافذ ہوگی نہ باطناً" مرتدہ اور دیگر محارم کا بھی یہی حکم ہے۔

(۴) مدعی کا دعویٰ اس چیز کے متعلق ہو جس میں انشاء ممکن ہو، انشاء سے مراد ان کلمات کو بولنا ہے جن سے کسی چیز کو واقع کیا جائے مثلاً "میں نے یہ چیز خریدی کہہ کر بیع کو واقع کیا جیسے عقد بیع، فسخ بیع، نکاح، اور طلاق، اور جس چیز میں انشاء ممکن نہ ہو اس میں باطناً "قضاء نافذ نہیں ہوگی جیسے وراثت، کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں اور اس پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دے۔

(۵) قاضی یہ فیصلہ منکر کی قسم پر نہ کرے اگر قاضی نے منکر کی قسم پر فیصلہ کر دیا تو یہ قضاء باطناً "نافذ نہیں ہوگی مثلاً ایک عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں، اس کے پاس گواہ نہیں ہیں، قاضی نے شوہر سے قسم طلب کی، شوہر نے جھوٹی قسم کھالی تو اگر عورت کو یہ علم ہے کہ شوہر تین طلاقیں دے چکا ہے تو اس عورت کے لیے اس کو وطی کا موقع دینا جائز نہیں ہے اور مرد کے لیے بھی اس عورت سے وطی کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں انشاء نکاح نہیں ہے بلکہ جو نکاح پہلے سے قائم تھا قاضی نے اس کے برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے اس وجہ سے یہاں باطناً "قضاء نافذ نہیں ہوگی، خلاصہ یہ ہے کہ باطناً "قضاء اس وقت نافذ ہوتی ہے جب وہ قضاء گواہی کی بنا پر ہو یا انکار قسم کی بناء پر ہو اور وہ فیصلہ کسی عقد یا فسخ کے انشاء پر مبنی ہو اور محل انشاء بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

(۶) جن گواہوں کی بنیاد پر قاضی نے فیصلہ کیا ہے وہ مسلمان، آزاد اور عاقل ہوں اگر وہ گواہ کافر، غلام یا محدودی القذف ہوئے تو باطناً "قضاء نافذ نہیں ہوگی۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۴۶۳-۴۶۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۳۷ھ)

قضاء باطنی کے نفاذ میں فقہاء احناف کے دلائل اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا تجزیہ

شمس الائمہ سرخسی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں : امام ابو حنیفہ کے نزدیک عقود، فسخ، نکاح، طلاق اور عتق میں جھوٹے گواہوں سے بھی قاضی کا فیصلہ ظاہراً اور باطناً "نافذ ہو جاتا ہے، پہلے امام ابو یوسف کی بھی یہی رائے تھی۔ امام ابو یوسف کے دو سرے قول اور امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک ان صورتوں میں قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً "نافذ ہوتا ہے باطناً "نافذ نہیں ہوتا، حتیٰ کہ جب کسی شخص نے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور نکاح کے ثبوت میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے نکاح کا فیصلہ کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس شخص کے لیے اس عورت سے وطی کرنا جائز ہے،

لام ابو یوسف کا پہلا قول بھی یہی تھا البتہ لام ابو یوسف کا وہ سراقول یہ ہے کہ اس شخص کے لیے اس عورت سے وطی کرنا جائز نہیں ہے لام محمد اور لام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُنْتَلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِيُنْزِلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرة : ۱۸۸)

ایک دوسرے کامل آپس میں ناحق نہ کھاؤ اور نہ (بطور رشوت) وہ مل حکام تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مل کا کچھ حصہ تم گناہ کے ساتھ (تاجاز طور پر) کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حاکم کے فیصلہ سے مل غیر کے تاجاز طریقہ سے کھانے کو حرام کر دیا ہے لہذا یہ اس پر نص صریح ہے کہ اگر قاضی نے جھوٹے گواہوں کی بناء پر کسی چیز کا فیصلہ کر دیا تو اس چیز کا لینا تاجاز ہو گا۔

نبی ﷺ نے یہ فرمایا ہے : تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے موقف کو دوسرے کی بہ نسبت زیادہ چرب زبانی اور طلاقت لسانی سے پیش کرے پس اگر میں (ظاہری حجت کی بناء پر) کسی شخص کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دوں تو میں (در حقیقت) اس کے لیے آگ کے ایک ٹکڑے کا فیصلہ کر رہا ہوں وہ چاہے اس کو لے یا چھوڑ دے (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فیصلہ کی بناء ایک سبب باطل پر ہے اس لیے یہ فیصلہ باطل ہے۔ نیز قاضی غلام کا فریا محدود فی القذف کی گواہی پر فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ باطل ہے۔ اور اس فیصلہ کی بناء جھوٹی گواہی پر ہے اور یہ ایک باطل سبب ہے کیونکہ جھوٹی گواہی گناہ کبیرہ ہے اور قضا کی حجت ایک امر شرعی ہے اور گناہ کبیرہ اس کی ضد ہے اور جب جھوٹ کی تہمت کی وجہ سے گواہی مقبول نہیں ہوتی اور وہ گواہی فیصلے کی حجت نہیں بن سکتی تو حقیقتاً جھوٹی گواہی بدرجہ اولیٰ نامعتبر ہوگی نیز قاضی نے جس چیز کا فیصلہ کیا ہے اس کا واقع میں کوئی وجود نہیں ہے لہذا یہ قضا باطل ہوگی جیسا کہ اگر قاضی جھوٹے گواہوں کی بناء پر کسی کے لیے منکوحہ غیر کا فیصلہ کر دے تو وہ فیصلہ باطل ہوتا ہے نیز اس فیصلہ کو انشاء عقد قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ قاضی انشاء عقد کا قصد نہیں کرتا بلکہ مدعی نے جس عقد کا دعویٰ کیا تھا قاضی اس کو ثابت کرتا ہے۔

لام ابو حنیفہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ایک شخص نے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں دو گواہ پیش کر دیئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان نکاح کا فیصلہ کر دیا اس عورت نے کہا : اے امیر المومنین! اگر اس نکاح کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے تو پھر آپ میرا اس سے نکاح کر دیجئے کیوں کہ مجھے درمیان نکاح نہیں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : تمہارے گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا۔ دیکھئے اس عورت نے زنا سے بچنے کے لیے عقد نکاح کا مطالبہ کیا لیکن حضرت علی نے اس کا مطالبہ پورا نہیں کیا ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ کہے کہ حضرت علی نے ان کے درمیان نکاح کا مطالبہ اس لیے پورا نہیں کیا کہ اس کا خلوند راضی نہیں تھا لیکن یہ غلط خیال ہے کیونکہ اس کا خلوند نکاح پر راضی تھا اسی وجہ سے وہ نکاح کا دعویٰ کر رہا تھا اور عورت بھی راضی تھی کیونکہ اس نے کہا تھا کہ میرا اس سے نکاح کر دیجئے اور حضرت علی کے لیے ان کا نکاح کرنا آسان تھا کیونکہ خلوند کو اس میں رغبت تھی اس کے بعد حضرت علی نے یہ نکاح نہیں کیا بلکہ یہ بیان فرمایا کہ ان کے فیصلہ سے ان کا مقصود حاصل ہو گیا۔ اور یہ فرمایا کہ تمہارے گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا یعنی ان گواہوں نے تمہارے درمیان نکاح کا فیصلہ مجھ پر لازم کر دیا لہذا اس فیصلہ سے

نکاح ثابت ہو گیا اور حضرت علی کا یہ اثر رسول اللہ ﷺ کی حدیث مرفوعہ کے حکم میں ہے، کیونکہ اس حکم کو عمل اور قیاس سے جانا ممکن نہ تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید کی آیت (ایک دوسرے کا مل مانق نہ کھلو) اور حدیث ”اگر میں (ظاہری حجت) کی بناء پر کسی شخص کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کروں تو میں اس کے لیے آگ کے ٹکڑے کا فیصلہ کر رہا ہوں۔“ الماک مرسلہ (سب ملکیت بتائے بغیر کسی چیز پر ملکیت کا دعویٰ کرنا) کے بارے میں وارد ہے اور امام ابو حنیفہ اس کے قائل ہیں اور اس کی علت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن معاملات میں قاضی کو انشاء کی ولایت دی ہے، قاضی نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان معاملات میں فیصلہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ فیصلہ حقیقتاً نافذ ہو گا، کیونکہ یہ محل ہے کہ اللہ تعالیٰ قاضی کو فیصلہ کرنے کا حکم دے پھر اس فیصلہ کے نفع کو روک دے۔ قاضی اس بات کا مکلف تھا کہ علی الاعلان اور خفیہ طریقہ سے گواہوں کی عدالت کے بارے میں معلومات حاصل کرے اور جب اس نے تزکیہ شہود کر لیا اور اس کے نزدیک گواہوں کی عدالت ثابت ہو گئی تو اس گواہی کے مطابق اس پر فیصلہ کرنا واجب ہے، حتیٰ کہ اگر اس نے یہ فیصلہ نہیں کیا تو وہ گنہگار ہو گا اور اس کو اس کے عمدہ سے معزول کر دیا جائے گا۔ اس لیے ہم کو یہ معلوم ہو گیا کہ قاضی فیصلہ کرنے پر مامور ہے اور حقیقت میں کسی گواہ کے صدق یا کذب کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اور جس چیز کی حقیقت کو جاننے کا کوئی شرعی طریقہ نہ ہو قاضی اس کے جاننے کا شرعاً مکلف بھی نہیں ہے، کیونکہ انسان کو اس کی وسعت اور طاقت کے اعتبار سے مکلف کیا جاتا ہے، اور قاضی کی وسعت میں صرف اتنا ہی تھا کہ وہ گواہوں کے احوال کی جانچ پڑتال کرے اور جب اس نے اچھی طرح تزکیہ شہود کر لیا تو وہ اپنے عمدہ سے بری الذمہ ہو گیا اور اس پر لازم ہو گیا کہ وہ گواہوں کی گواہی کے اعتبار سے فیصلہ کر دے، اور قاضی کے فیصلہ پر ظاہراً اور باطناً عمل کرنا واجب ہے ورنہ قاضی کو قضاء پر مامور کرنا عبث ہو گا، اور اس صورت میں قضاء کے دو طریقے تھے ایک نکاح کا اظہار کرنا، دوسرا عقد نکاح کر دینا، اور جب ان کے درمیان عقد نکاح نہیں تھا تو اس فیصلہ سے نکاح کا اظہار کرنا متعذر ہے، اس لیے اب انشاء نکاح متعین ہو گیا، کیونکہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے لہذا دلیل شرعی کی اس نوع سے قاضی کے لیے ولایت انشاء ثابت ہو گی اور جس طرح اور نزاعی معاملات میں قاضی کی ولایت انشاء سے فیصلہ نافذ العمل ہوتا ہے اس صورت میں بھی قاضی کا فیصلہ نافذ العمل ہو گا بلکہ یہاں زیادہ اولیٰ ہے۔

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ جب شوہر اور بیوی آپس میں لعان کرتے ہیں تو قاضی کو انشاء تفریق کی ولایت حاصل ہوتی ہے اور وہ اسی اختیار سے زوجین کے درمیان تفریق کر دیتا ہے۔ اسی طرح قاضی ولایت انشاء تزویج سے نابالغ بچہ اور نابالغ بچی کا نکاح کر دیتا ہے، لہذا اس صورت میں بھی اس کو ولایت انعقاد عقد نکاح حاصل ہے تاکہ وہ عورت کو زنا سے محفوظ رکھ سکے اور قاضی کا یہ فیصلہ عورت کو زنا کا موقع دینے سے بچاتا ہے۔ جب دو فریق لعان کرتے ہیں کہ تو ایک فریق یقیناً کاذب ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے اور باوجود اس حقیقت کے کہ ان میں سے کوئی ایک کاذب ہے اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے قاضی کو ولایت انشاء تفریق حاصل ہوتی ہے اور قاضی ان کے درمیان تفریق کر دیتا ہے اسی طرح یہاں بھی گواہوں کے جھوٹے ہونے کے باوجود قاضی کو انشاء نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ شرعاً قضاء کرنے پر مامور ہے۔ (المبسوط ج ۱۲ ص ۱۸۳-۱۸۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ اور امام شعبہؒ کا بھی اسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کی طرح موقف ہے امام ابو یوسفؒ نے عمرو بن مقدم سے روایت کیا ہے کہ ایک قبیلہ کے ایک شخص نے ایک ایسی عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ جو شرف اور مرتبہ میں اس سے زیادہ تھی اس عورت نے اس شخص سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔ اس شخص نے یہ دعویٰ کر دیا کہ اس کا عورت سے نکاح ہو چکا ہے اور حضرت علیؓ کی عدالت میں اس پر دو گواہ پیش کر دیئے۔ اس عورت نے کہا میرا اس شخص سے نکاح نہیں ہوا، حضرت علیؓ نے فرمایا ان دو گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا، امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ شعبہ بن حجاجؒ زید سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے ایک شخص کے خلاف جھوٹی گواہی دی کہ اس نے اپنی عورت کو طلاق دے دی ہے، قاضی نے ان کے درمیان تفریق کر دی، پھر ان گواہوں میں سے ایک شخص نے اس عورت سے نکاح کر لیا شعبہؒ نے کہا یہ جائز ہے اور حضرت ابن عمرؓ نے ایک غلام کو عیب سے مبرا قرار دے کر فروخت کر دیا، خریدار اس غلام کو حضرت عثمانؓ کی عدالت میں لے گیا، حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا کیا تم اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ سکتے ہو کہ جب تم نے اس کو فروخت کیا تھا تو تم نے اس کی بیماری کو نہیں چھپایا تھا، حضرت ابن عمرؓ نے قسم کھانے سے انکار کیا، حضرت عثمانؓ نے وہ غلام ان ۱۰ واپس کر دیا اور بعد میں حضرت ابن عمرؓ نے وہ غلام زیادہ نفع کے ساتھ فروخت کر دیا۔ اس مسئلہ میں حضرت ابن عمرؓ نے غلام کی بیع کو جائز قرار دیا حالانکہ ان کو علم تھا کہ باطن میں ایسا نہیں ہے اور باطن کا حکم ظاہر کے خلاف ہے (کیونکہ انہوں نے بری الذمہ ہو کر غلام کو فروخت کیا تھا اس وجہ سے باطن میں اس غلام کو واپس کرنا صحیح نہیں تھا) اگر حضرت عثمانؓ کو بھی حضرت ابن عمرؓ کی طرح اس بات کا علم ہوتا تو وہ بیع کو رد نہ کرتے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمرؓ کا بھی یہ مذہب تھا کہ اگر حاکم عقد کو فتح کر دے تو وہ بائع کی ملک میں آ جاتا ہے اگرچہ باطن میں حقیقت اس کے برعکس ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کے قول کی صحت پر حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی دلیل ہے کہ نبی ﷺ نے ہلال بن امیہؓ اور اس کی بیوی کے درمیان لعن کر لیا پھر فرمایا اگر اس عورت کے ہاں اس طرح کا بچہ ہو تو وہ ہلال بن امیہؓ کا ہے اور اگر دوسری شکل و صورت کا ہو تو وہ شریک بن سماءؓ کا ہو گا جس کے ساتھ ہلال بن امیہؓ کی بیوی کو متسم کیا گیا تھا، پھر اس عورت کے ہاں ناپسندیدہ صفت پر بچہ پیدا ہوا تو نبی ﷺ نے فرمایا اگر ان کے درمیان لعن نہ ہو چکا ہو تا تو پھر میں اس عورت کو دیکھتا ہلال بن امیہؓ کا صدق اور اس کی بیوی کا کذب ظاہر ہو گیا اس کے بلوغ نبی ﷺ نے اس تفریق کو باطل نہیں کیا جو لعن کی وجہ سے ہوئی تھی اور یہ اس کی دلیل ہے کہ حاکم جب کسی عقد کو فتح کر دے تو وہ ظاہر اور باطن کا نفع ہو جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے قول پر اس سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ جب حاکم کے پاس ایسے گواہ گواہی دیں جن کا ظاہری حل صدق ہو تو حاکم پر واجب ہے کہ ان کی گواہی کے اعتبار سے فیصلہ کرے اور اگر اس نے گواہی کے بعد فیصلہ کرنے میں توقف کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا تارک اور گنہگار ہو گا کیونکہ اس کو ظاہر کا مکلف کیا گیا ہے اور اس کو اس علم باطن کا مکلف نہیں کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کا غیب ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۵۳، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

علامہ بہیقی حنفی اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو چیز پہلے ثابت ہو اس کا اعتبار قضا ہوتا ہے اور جو چیز پہلے نہ ہو اس کا اثبات قضا نہیں ہوتا اور نکاح پہلے ثابت نہیں تھا تو پھر کس طرح قضا ہوتا ہے؟

نہز ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح بطریقہ اعتناء مقدم ہے گویا کہ قاضی نے اس عورت سے کہا میں نے اس شخص سے تیرا نکاح کر دیا اور تم دونوں کے درمیان نکاح کا حکم کر دیا تاکہ ان کے درمیان نزاع نہ رہے اور وہ شخص اس عورت کے ساتھ وطی کر سکے۔ بعض علماء نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ نزاع ختم کرنے کے لیے یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ قاضی اس شخص سے کہتا کہ تم اس عورت کو طلاق دے دو، اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق سے کیا مراد ہے طلاق مشروع یا طلاق غیر مشروع؟ طلاق غیر مشروع کا تو کوئی اعتبار نہیں ہے اور طلاق مشروع اس کی مقتضی ہے کہ اس سے پہلے نکاح ثابت ہونا چاہئے لہذا ہر حل میں نکاح کا قول کرنا پڑے گا۔

(عتلہ علی حاشیہ فتح القدیر ج ۳ ص ۵۳۳ مکتبہ نوریہ رضویہ سکر)

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلَةِ ط قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ط

لوگ آپ سے ہلال (بہلی تا یخ کے چاند) کے متعلق دریافت کرتے ہیں، آپ کہیے یہ لوگوں کے (دینی اور دنیاوی کاموں) اور حج

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ

کے اوقات کی نشانیاں ہیں، اور یہ کوئی نیکی کا کام نہیں کہ تم گھروں میں پیچھے سے داخل ہو، لیکن (حقیقت میں) نیکی اس شخص

مَنْ اتَّقَى وَاتُّوا الْبُيُوتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ

کی ہے جو تعوی اختیار کرے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو، اور اللہ سے ڈرو

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ

تاکہ تم کامیابی حاصل کرو اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے

وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۱۹۰﴾

تجاوز نہ کرو، بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا

اسلامی تقویم کا بیان

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے روزوں کے مہینہ اور روزوں کے دن اور رات کے احکام بیان فرمائے، اسلام کے بہت سے احکام حلال کے طلوع پر موقوف ہیں مثلاً قربانی اور حج، عید الفطر اور رمضان، عدت و قلع کی گنتی ۴ ماہ ۱۰ دن اور جس کے حیض کی مدت تین ماہ ہو اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ایک سال کا تعین، ایلاء کے لیے ۴ ماہ کا تعین، کفارہ کے روزوں کے لیے ۲ ماہ کا تعین، ان تمام امور میں مدت کا تعین حلال کے طلوع سے ہوتا ہے، یہ تو دین کے احکام ہیں اور دنیا کے احکام میں مثلاً ۴ ماہ بعد کسی نے قرض کی ادائیگی کرنی ہو یا اسی طرح کا کوئی اور معاملہ ہو تو وہ چاند پر موقوف ہے۔ لوگ آپ سے چاند کے گھٹنے، بڑھنے کی کیفیت اور اس کی ماہیت کے متعلق سوال کرتے تھے کہ کیا وجہ ہے کہ چاند کبھی ایک باریک لکیر کی طرح نظر آتا ہے، کبھی موٹی لکیر کی طرح، کبھی آدھا اور کبھی پورا چاند نظر آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا کہ اس میں تمہارے

ہو گیا کہ گھبراہٹ اور غصہ جج کے وقت کی نشانیوں میں اور اس جواب سے اس امر پر متنبہ کیا کہ چاند کے گھٹنے سے قمری اور دنیوی کاموں کی جو غرض متعلق ہوتی ہے تمہیں صرف اس سے سروکار رکھنا چاہیے، باقی رہا چاند کا کبھی آوہا اور کبھی پورا نظر آنا اس کا تعلق علم ہیئت، علم نجوم اور علم الافلاک سے ہے، اور نبی کا منصب احکام شرعیہ بیان کرنا ہے، علم توقیت کے احکام بیان کرنا نبی کا منصب نہیں ہے۔

تاہم اس سے یہ سمجھنا غلط ہے کہ قمری تقویم اسلامی ہے اور شمسی تقویم غیر اسلامی ہے۔ چاند اور سورج دونوں اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور دونوں کی گردش بھی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق ہے، بعض عیالات چاند کی گردش کے حساب سے ہیں جیسے حج، رمضان اور عیدین اور بعض عیالات سورج کی گردش کے حساب سے مربوط ہیں جیسے ہر روز کی پانچ نمازیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَةً فَمَحْوُورًا آيَةً
الَّيْلَ وَجَعَلْنَا آيَةً النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا
مِّنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ
(بنو اسرائیل : ۴) گنتی اور (دوسرے) حساب کو جان سکو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شمسی تقویم کو بھی برسوں کی گنتی اور حساب کا معیار قرار دیا ہے، اس لیے اگر ہفتہ وار اجرت اور ملانہ تنخواہ کا حساب شمسی تقویم سے کیا جائے تو وہ بھی اسلام کے مطابق ہے، اسی طرح بیع و شراء اور دوسرے کاموں کی محلات کو شمسی تقویم سے حاصل کرنا جائز ہے اور غیر اسلامی نہیں ہے۔

اپنی طرف سے عیالات کے طریقے مقرر کرنے کی مذمت جس طرح چاند کے گھٹنے، بڑھنے کی علت کو دریافت کرنا کوئی نیکی نہیں تھی، اسی طرح حج کے موقع پر گھروں میں بیچے سے داخل ہونا بھی کوئی نیکی نہیں ہے، امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت براہ رحمہ بیان کرتے ہیں کہ انصار جب حج کر کے لوٹے تو گھروں میں دروازوں سے داخل نہیں ہوتے تھے بلکہ بیچے سے داخل ہوتے تھے، ایک انصاری حج کے بعد گھر میں دروازہ سے داخل ہوا تو لوگوں نے اس کو ملامت کی تب یہ آیت نازل ہوئی کہ گھروں میں بیچے سے داخل ہونا کوئی نیکی نہیں ہے حقیقت میں نیکی خوف خدا سے گناہوں کو ترک کرنا ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی عقل سے عیالات کے طور طریقے وضع کرنا جائز نہیں ہے، لوگ اپنی عقل سے عیالات کے طریقے وضع کر لیتے ہیں، پھر اس کی تائید میں دلائل شرعیہ تلاش کرتے ہیں اور جو ان کے بنائے ہوئے طریقے کے مطابق عیالات نہ کریں اس کو لعنت ملامت کرتے ہیں اسی کا نام احداث فی الدین اور بدعت سیئہ ہے، عیالات صرف اسی طریقہ سے کرنی چاہئے جس طریقہ سے رسول اللہ ﷺ نے عیالات کی ہے اور جس طرح آپ نے ہدایت دی ہے اور جماعت صحابہ کا اس پر عمل ہوا ہے۔

اجازت جملہ کی پہلی آیت کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ کی راہ میں من سے جگ کو جو تم سے جگ کرتے ہیں، اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ (البقرہ

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے روزہ کا ذکر فرمایا تھا 'اور اب جملہ کا ذکر فرما رہا ہے' روزہ اور جملہ میں ایک گونہ مناسبت ہے ' کیونکہ دونوں میں دنیا کو ترک کرنا پڑتا ہے ' نیز حدیث میں ہے میری امت کی سیاحت روزہ ہے اور میری امت کی رہبانیت جملہ ہے ' اور اصل اور اہم عبادات میں سے بعض کی ادائیگی کے لیے لوقت مخصوصہ مقرر ہیں جیسے نماز ' روزہ ' زکوٰۃ ' اور حج اور بعض اہمات عبادات کی ادائیگی کے لیے کوئی مخصوص وقت مقرر نہیں ہے جیسے جملہ اور ذکر ' تو پہلے عبادت مومنہ کا ذکر فرمایا اب عبادت غیر مومنہ میں سے جملہ کا ذکر شروع فرمایا ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کفار کے خلاف جملہ کرنے کا حکم دیا اور یہ پابندی لگائی کہ جو تم سے جنگ کریں ان سے جنگ کرو اور جو تم سے جنگ نہ کریں ان کے خلاف تلوار نہ اٹھاؤ پھر اس کے بعد سورہ توبہ کی آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

ربیع بیان کرتے ہیں کہ یہ پہلی آیت ہے جو مدینہ میں قتل کے متعلق نازل ہوئی جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ صرف ان کے خلاف جملہ کرتے جو آپ پر حملہ آور ہوتے اور جو آپ پر حملہ نہ کرتے آپ بھی ان سے جنگ نہ کرتے ' حتیٰ کہ سورہ توبہ نازل ہو گئی۔

ابن زید نے کہا سورہ بقرہ کی اس آیت کو سورہ توبہ کی حسب ذیل آیت نے منسوخ کر دیا :

فَإِذَا أُنْسِلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا
الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوا
وَأَحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ
پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو
جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو ' اور انہیں پکڑو اور ان کا محاصرہ کر لو اور
ان کی ناک میں ہر جگہ گھات لگا کر بیٹھو۔

(التوبہ : ۵)

ان علماء کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے حد سے تجاوز نہ کرو اس کا معنی یہ ہے کہ جو تم سے نہ لڑیں ان سے نہ لڑو ' اور سورہ توبہ کے نازل ہونے کے بعد یہ پابندی منسوخ ہو گئی ' اس کے برعکس دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہوئی اور حد سے تجاوز کرنے سے جو منع فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں ' بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو۔

قتل اور جہاد میں بچوں ' بوڑھوں اور عورتوں وغیرہ کو قتل کرنے کی ممانعت

امام ابن جریر روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "حد سے تجاوز نہ کرو" کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں ' بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو اور نہ اس کو قتل کرو جو ہتھیار ڈال دے ' اگر تم نے ان کو قتل کیا تو تم حد سے تجاوز کرنے والے ہو گے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۱۰-۱۱۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو لشکر کا امیر بناتے تو اس کو خصوصیت کے ساتھ خوف خدا کی وصیت کرتے ' اور فرماتے بسم اللہ پڑھ کر جہاد کرو ' اور جو اللہ کا کفر کرے اس سے قتل کرو اور خیانت نہ

کے مدد گئی نہ کرنا اور مظلہ نہ کرنا (کسی کے اعضاء نہ کلنا) اور کسی بچے کو قتل نہ کرنا الحدیث

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام مالک، یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان کی قیادت میں شام کی طرف ایک لشکر روانہ کیا تو ان کو یہ وصیت کی عنقریب تم راہیوں سے ملو گے جنہوں نے اپنے زعم میں خود کو اللہ کے لیے وقف کیا ہوا ہے ان کو چھوڑ دینا اور عنقریب تم مجوسیوں سے ملو گے جو سر کے درمیان سے بل کاٹتے ہیں ان کو قتل کر دینا اور میں تم کو دس چیزوں کی وصیت کرتا ہوں، کسی عورت کو قتل نہ کرنا، نہ کسی بچے کو، نہ کسی بوڑھے کو اور نہ کسی پھلدار درخت کو کلنا، اور نہ کسی بکری یا لونٹ کی کوٹھیں کلنا اور نہ کسی کھجور کے درخت کو جلانا، نہ کسی آبادی کو ویران کرنا اور نہ کسی کو غرق کرنا اور نہ مل غنیمت میں خیانت کرنا اور نہ بزدلی کرنا۔ (موطا امام مالک ص ۲۶۶، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور)

ہجرت سے پہلے قتل کی ممانعت

اس پر اتفاق ہے کہ ہجرت سے پہلے کفار سے قتل کرنا ممنوع تھا اس پر حسب ذیل آیات دلالت کرتی ہیں :

ادْفَعْ بِالْأَنفُسِ الَّتِي أَحْصَنَ النَّبِيُّ نَحْنُ أَعْلَمُ
بِمَا يَصِفُونَ (المومنون : ۶۱)

برائی کو اچھائی سے دفع کیجئے، آپ کے متعلق جو یہ باتیں
بناتے ہیں ہم انہیں خوب جانتے ہیں۔

آپ ان مشرکین کو معاف کر دیجئے اور ان سے درگزر

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ

(المائدة : ۳)

کافر جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور ان کو خوش اسلوبی
سے چھوڑ دیجئے اور جھٹلانے والوں ملہ داروں کو مجھ پر چھوڑ دیجئے
اور انہیں تھوڑی سی سہلت دیجئے۔

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا
جَمِيلًا ۝ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِيَ النَّعْمَةِ
وَمُهْلِكُهُمْ قُلُوبُهُمْ (المزمل : ۱۱)

سو اگر یہ اعراض کریں تو آپ کا کام تو صرف صاف صاف
احکام پہنچانا ہے۔

(النحل : ۸۷)

سو آپ نصیحت کیجئے، آپ صرف نصیحت کرنے والے
ہیں، آپ ان کو جبر سے منوانے والے نہیں ہیں۔

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۚ لَسْتَ عَلَيْهِمْ
بِمُصْبِحٍ (الغاشیہ : ۱۷-۱۸)

آپ ان کو جبر سے منوانے والے نہیں ہیں۔

وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ (البجانبہ : ۳)

ان آیات میں کفار کی ایذا رسانیوں پر رسول اللہ ﷺ کو صبر کرنے اور درگزر کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ پہلی آیت
جس میں ان کے حملوں کے جواب میں حملہ کرنے کا حکم دیا ہے وہ سورہ بقرہ کی زیر بحث آیت ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک یہی
رانج ہے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا سب سے پہلے جس آیت میں جملہ کی اجازت دی گئی
ہے وہ یہ آیت ہے :

جن (مسلمانوں) سے باطن قتل کیا جاتا ہے ان کو (جملہ کی)

أَفِئَّةً لِلَّذِينَ يُبَايِعُوكُمْ بَأَنَّهُمْ ظَالِمُونَ

(الحج : ۳۹) اجازت دے دی گئی کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت حقیقتہً پہلی ہو اور سورہ حج کی یہ آیت اخلاصہً پہلی ہو۔

وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ

اور تم ان (کافروں) کو قتل کرو جہاں تم انہیں پاؤ، اور ان کو نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں

أَخْرِجُوكُمُ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تَقْتُلُوهُمْ

نکالا ہے، اور (شرک اور ارتداد کا) فساد قتل سے بڑھ کر ہے، اور مسجد حرام کے

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يَقْتُلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَتَلُوكُمْ

پاس ان سے اس وقت تک جنگ نہ کرو جب تک کہ یہ تم سے وہاں جنگ نہ کریں، اگر یہ تم سے جنگ کریں تو تم

فَأَقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۖ فَإِنْ انْتَهَوْا فَإِنْ

ان کو قتل کر دو، اسی طرح کافروں کی سزا ہے پھر اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو بیشک

اللَّهُ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ۖ وَقَتْلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَ

اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے اور ان سے جہاد کرتے رہو حتیٰ کہ فتنہ (شرک) نہ رہے، اور

يَكُونَنَّ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ انْتَهَوْا فَلَا عُدُوَّانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۖ

اللہ ہی کا دین رہ جائے، پھر اگر وہ (شرک سے) باز آجائیں تو صرف ظالموں کو ہی سزا دی جائے

خلاصہ آیات

اور جب تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان جنگ اپنے پنجے گاڑ دے تو پھر تم ان کو جہاں اور جس جگہ پاؤ

قتل کر دو، خواہ سرزمین حرم ہو اور ان کو مکہ سے نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا تھا، یہ ایمان نہیں لاتے اور اللہ

تم کو کفر کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں حالانکہ شرک اور ارتداد کا فساد قتل اور خوں ریزی کے فساد سے زیادہ بڑا ہے۔ نیز یہ تم کو

سرزمین حرم میں قتل کرنے پر ملامت کرتے ہیں حالانکہ شرک اور کفر کا فساد حرم میں قتل کرنے سے زیادہ بڑا ہے۔

حرم میں ابتداءً قتل کرنے کی ممانعت کا منسوخ ہونا اور کفار سے مدافعتانہ جنگ کا جائز ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور مسجد حرام کے پاس ان سے اس وقت تک جنگ نہ کرو جب تک کہ یہ تم سے وہاں جنگ نہ

کریں۔

اس آیت کے منسوخ ہونے یا منسوخ نہ ہونے میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلے مشرکین سے حرم میں

بندہ پہنچ کرنے کی اجازت نہیں تھی بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں :
 اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا کہ جب تک مشرکین مسجد حرام کے پاس جنگ
 نہ کریں ان سے جنگ نہ کرو پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو اس آیت سے منسوخ کر دیا :

فَإِذَا ۱ اَنْسَلَخَ الْأَشْهُرَ الْحُرُمَ فَاَقْتُلُوا
 الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبہ : ۵) جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو۔

مجلد لور ملاؤس نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت محکم ہے لور مکہ مکرمہ میں ابتداء "کسی سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے" ہاں
 اگر کافر لور مشرک مسلمانوں پر حرم میں حملہ کریں تو ان کے خلاف مدافعتہ جنگ کرنا جائز ہے۔ (۱) لور یہی صحیح قول ہے امام
 ابو حنیفہ لور امام مالک کا یہی مذہب ہے۔ اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا : مکہ کو
 اللہ نے حرم بتلایا ہے اس کو لوگوں نے حرم نہیں بتلایا سو جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں
 ہے کہ وہ مکہ میں خون بہائے لور نہ اس کے کسی درخت کو کاٹے اگر کوئی شخص مکہ میں قتل کے جواز پر رسول اللہ ﷺ
 کے قتل سے استدلال کرے تو اس سے کہو اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تمہیں اجازت نہیں دی اور میرے
 لیے دن کی ایک ساعت میں اجازت دی گئی تھی پھر آج اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح اس کی کل
 حرمت تھی لور جو شخص (یہاں) حاضر ہے وہ غائب کو (یہ حدیث) پہنچا دے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

نبی ﷺ ۶ ہجری میں اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ مکرمہ عمرہ کرنے کے لیے گئے جب آپ حدیبیہ کے قریب پہنچے تو
 مشرکین نے آپ کو مکہ مکرمہ جانے سے منع کر دیا آپ ایک ماہ تک حدیبیہ میں ٹھہرے لور مشرکین سے اس بات پر صلح
 ہوئی کہ آپ اگلے سال عمرہ کرنے کے لیے آئیں لور اگلے سال تین دن آپ مکہ مکرمہ میں ٹھہر سکیں گے اور اس بات پر
 صلح ہوئی کہ مسلمانوں لور مشرکین کے درمیان دس سال تک جنگ نہیں ہوگی پھر آپ مدینہ لوٹ گئے لور جب آپ اگلے
 سال ۷ ہجری میں اس عمرہ کو لوا کرنے کے لیے آئے تو مسلمانوں کو کفار کی عمد شکنی کا خطرہ ہوا لور وہ حرمت والے مہینہ
 میں حرم میں جنگ کرنے کو برا جانتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر کفار تم سے حرم میں جنگ کریں تو

تمہارے لیے بھی حرم میں جنگ کرنا جائز ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۳۳۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لور ان سے جہاد کرتے رہو حتیٰ کہ فتنہ (شرک) نہ رہے لور اللہ ہی کا دین رہ جائے پھر اگر وہ
 (شرک سے) باز آجائیں تو صرف ظالموں کو ہی سزا دی جائے۔ (البقرہ : ۱۹۳)

اللہ کے دین کا مطلب ہے اللہ کی اطاعت یعنی انسان دین لور دنیا کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی
 اطاعت کریں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق عبادت کریں اس کے آگے سر جھکائیں لور اسی سے اپنی حاجات
 طلب کریں لور اپنی اغراض لور مالی اجتماعی نجی تمدنی لور کاروباری زندگی کے تمام معاملات میں اسی کے دیئے ہوئے نظام پر

(۱) امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری حنفی رحمہ اللہ جامع البیان ج ۲ ص ۳۳۷ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ

عمل کریں، اس کے برعکس اسلام کے علاوہ تمام لوہان اور مذہب میں لوگ خود ساختہ طریقوں سے عہدوت کرتے ہیں اور انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے انسانوں کو انسانوں کی بندگی کرنے سے آڑلو کرلو اور سب انسانوں کو اللہ کی اطاعت میں داخل کرلو اور جو شخص بھی اس مہم میں مزاحمت کرے اس کے خلاف قتل اور جملو کرلو حتیٰ کہ ساری دنیا کے انسان اللہ کے مطیع ہو جائیں۔ اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ ہر اس مشرک اور کافر کے خلاف جملو کیا جائے جو دعوت اسلام کو مسترد کر دے اور اسلامی نظام کو بہا کرنے کی مہم میں مزاحم ہو اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اس وقت تک لوگوں سے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ یہ شہوت نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عہدوت کا مستحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں جب وہ ایسا کریں گے تو حق اسلام کے ماسواہ اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۳۸۱ھ)

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ فَمَنْ

حرمت والے مہینہ کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہے، اور تمام محترم چیزوں کا بدلہ ہے سو جو شخص

اُعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاَعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدَى عَلَيْكُمْ

تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝۱۹۴ وَأَنْفِقُوا فِي

اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان لو کہ اللہ ان کے ساتھ ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور اللہ کی راہ میں

سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ وَأَحْسِنُوا ۚ

خرچ کرو، اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی کرو

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝۱۹۵

بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے

حرمت والے مہینوں کا بیان

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا زمانہ گھوم کر پھر اپنی اس حالت پر آگیا ہے جس حالت پر اللہ

نے اس کو زمین اور آسمانوں کے پیدا کرنے کے وقت بتلایا تھا، سل کے بارہ مہینے ہیں، تین مہینے پے درپے حرمت والے ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب، رجب کا مہینہ جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۳، ج ۲ ص ۳۲، مطبوعہ نور محمد اصح المصالح کراچی، ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ لوگ دو دروازے حج کے لیے ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم میں آنے جلنے کا سفر کرتے تھے، اور رجب کے مہینہ میں عمرہ کے لیے سفر کرتے تھے، اس لیے ان مہینوں کو حرمت والے مہینے کہا جاتا تھا، اور ان مہینوں کے احرام کی وجہ سے عرب ان مہینوں میں باہمی لڑائیوں کو موقوف کر دیتے تھے، بعض دفعہ جب ان کے نزدیک لڑائی ناگزیر ہوتی تو وہ محرم کو ایک مہینہ موخر کر دیتے، اور صفر کے مہینہ کو محرم قرار دیتے اور محرم میں لڑائی کر لیتے وہ یونہی محرم کو موخر کرتے رہے حتیٰ کہ جب نبی ﷺ نے حجتہ الوداع کیا تو محرم گھوم کر اپنی اصلی حالت اور اصل مہینہ میں آچکا تھا، اسلام نے مہینوں کو موخر کرنا حرام کر دیا، قرآن مجید میں ہے :

إِنَّمَا التَّيْسِيَّتِي زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ
مہینوں کو موخر کرنا صرف کفر میں زیادتی ہے۔

(النوبہ : ۳۷)

پہلے ان مہینوں میں جملہ کرنا منوع تھا لیکن حسب ذیل آیت کے نازل ہونے کے بعد یہ حرمت منسوخ ہو گئی۔
فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ
تم مشرکین کو جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو۔

(النوبہ : ۵)

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً (النوبہ : ۳۶) تم تمام مشرکین سے جنگ کرو۔

بعض علماء کے نزدیک ان مہینوں میں ابتداء "قتل کرنا منسوخ نہیں ہوا اور بدستور حرام ہے" البتہ مدافعتانہ جنگ کرنا جائز ہے، لیکن صحیح رائے جمہور کی ہے۔

ان آیات کا شان نزول بھی وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ۷ ہجری میں جب رسول اللہ ﷺ عمرہ کرنے کے لیے مکہ پہنچے تو مسلمانوں کو خدشہ ہوا کہ کہیں کفار عمد شکنی نہ کریں اور وہ حرم میں اور حرمت والے مہینہ میں جنگ کرنے کو بہت برا جانتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس مہینہ اور اس جگہ کی حرمت سب کے لیے یکساں ہے اگر وہ اس مہینہ اور اس جگہ میں جنگ چھیڑتے ہیں تو تم بھی مدافعتانہ جنگ کرو اور انہوں نے تم کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے ان سے اتنا ہی بدلہ لو، ان کا زیادتی کرنا ظلم اور مسلمانوں کا بدلہ لینا عدل ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں کے فعل کو "اعتداء" زیادتی فرمایا کیونکہ سورۃ "دونوں فعل ایک جیسے ہیں۔

خود کو ہلاکت میں ڈالنے کی تفسیر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ (البقرہ : ۱۹۵)

اس آیت کی متعدد تفسیریں کی گئی ہیں، امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : کسی آدمی کا اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا ہلاکت نہیں ہے، اللہ کی راہ میں مل خرچ نہ کرنا ہلاکت ہے۔

حضرت برہ بن مالک نے فرمایا کسی شخص کا لہ کرنا اور پھر اس کی مغفرت سے مایوس ہو کر توبہ نہ کرنا خود کو

ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا مسلمانوں کا اپنے اہل و عیال اور مل اور متاع کی دیکھ بھل میں مشغول رہنا اور اس مشغل میں افراط کی وجہ سے جہلو کو ترک کر دینا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۳۹-۴۰، ملقطاً، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو الحیثم اندلسی نے چند مزید اقوال بیان کیے ہیں :

ابو القاسم بلخی نے بیان کیا کہ بلا وجہ کسی سے بغض اور عدوت رکھنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، بعض علماء نے کہا تبلیغ اسلام کو ترک کر دینا ہلاکت ہے۔

عکرمہ نے کہا حرام مل سے صدقہ کرنا ہلاکت ہے، ابو علی نے کہا تمام مل کو صدقہ کرنا ہلاکت ہے، بعض علماء نے کہا ریاکاری یا احسان جتلا کر اپنی نیکیوں کو ضائع کر دینا ہلاکت ہے۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۲۵۲-۲۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ) یہ تمام اقوال اپنی جگہ درست ہیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ معتمد اور محقق قول یہ ہے کہ جہلو کو ترک کرنا اور تبلیغ اسلام نہ کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، آج امت مسلمہ جو ہر طرف سے دبی ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ صدیوں سے جہلو اور تبلیغ اسلام کو ترک کر چکی ہے، مسلمان حکمرانوں نے صدیوں ہندوستان پر حکومت کی لیکن غیر مسلم ریاستوں سے جہلو کیا نہ ان کو تبلیغ اسلام کی اگر مسلمان اس فریضہ کو ترک نہ کرتے تو آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ

اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو، سو اگر تم کو (حج یا عمرہ سے) روک دیا جائے تو جو قربانی تم کو آسانی

مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ^ط

سے حاصل ہو، وہ بھیج دو، اور جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اس وقت تک اپنے سروں کو نہ منڈاؤ

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن

پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو وہ اس کے بدلہ

صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ^و فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ

روزے رکھے یا کچھ صدقہ دے یا قربانی کرے، سو جب تم حالت امن میں ہو تو جو شخص حج کے ساتھ عمرہ ملائے

إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ

تو وہ ایک قربانی کرے جس کو وہ آسانی کے ساتھ کر سکے اور جو قربانی نہ کر سکے وہ تین روزے

ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَبَةِ وَسَبْعَةً إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ

ایام حج میں رکھے اور سات روزے جب تم لوٹ آؤ، یہ کامل دس (روزے) ہیں

ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاضِرِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ

یہ حج تمتع کا حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے اہل و عیال مسجد حرام (مکہ مکرمہ) کے رہنے والے نہ ہوں

اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان لو کہ بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے

فرضیت حج کی تاریخ اور حج کی اقسام

علامہ ابن حمام نے لکھا ہے کہ یہ آیت ۶ ہجری میں نازل ہوئی ہے (۱) 'ملا علی قادری نے لکھا ہے کہ فرضیت حج کی تاریخ میں اختلاف ہے '۵ ہجری' ۶ ہجری اور ۹ ہجری - ۸ ہجری فتح مکہ کے سال میں حضرت عتاب بن اسید نے مسلمانوں کو حج کر لیا '۹ ہجری میں حضرت ابو بکر صدیق نے اور دس ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے حج کر لیا۔

(مرقات ج ۵ ص ۲۶۳، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ)

حج کا لغوی اور شرعی معنی 'حج کے فرائض' واجبہ، سنن اور موانع ہم البقرہ : ۱۵۸ میں بیان کر چکے ہیں 'اسی طرح عمرہ کے واجبہ اور شرائط بھی ہم وہاں بیان کر چکے ہیں۔ حج کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) حج افراد جس میں صرف مناسک حج ادا کیے جائیں اور اس سے پہلے عمرہ نہ کیا جائے 'یہ صرف مکہ مکرمہ میں رہنے والوں کے لیے ہے' ۲۔ جمع تمتع : میقات سے عمرہ کا احرام باندھ لیا جائے اور عمرہ کرنے کے بعد سر کے بل کٹوا کر یا منڈوا کر حلال ہو جائے اور پھر آٹھ تاریخ کو حج کا احرام باندھ لے 'اور مناسک حج ادا کرنے کے بعد حلال ہو جائے۔ (۳) حج قرآن : میقات سے احرام باندھ لیا جائے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام کو برقرار رکھا جائے 'پھر اسی احرام کے ساتھ حج کرے اور مناسک حج ادا کرنے کے بعد سر کے بل کٹوا کر یا منڈوا کر احرام کھول دے۔ حج قرآن میں زیادہ مشقت ہے اور اس کا اجر بھی بہت زیادہ ہے 'اکثر روایات کے مطابق نبی ﷺ نے جو حج کیا تھا وہ حج قرآن تھا 'حج قرآن اور حج تمتع یہ دونوں مکہ مکرمہ سے باہر کے رہنے والوں کے لیے ہیں۔ احرام میں ممنوع کام

مو کے احرام کے لیے دو پاک صف 'نئی یا دھلی ہوئی چلوریں ہوں ایک چلور 'تہبند کی طرح باندھ لے اور دوسری چلور لوپر لوڑھ لے 'سر کھلا رکھے اور عورت سلعے ہوئے کپڑے پہنے سر اور پورا جسم ڈھانپ کر رکھے صرف چہرہ کھلا رکھے 'احرام میں حسب ذیل پابندیاں ہیں :

(۱) محرم جمع کرنے سے یا اپنی بیوی سے جماع کا ذکر کرنے سے احتراز کرے گا اپنی بیوی کو شہوت سے نہیں چھوئے گا نہ بوسہ دے گا۔ (۲) کسی قسم کا کوئی گتہ نہیں کرے گا۔ (۳) کسی سے لڑائی جھڑانہیں کرے گا۔ (۴) خشکی کے جانوروں

(۱) علامہ کل لدین بن حمام حنفی ۸۸۷ھ فتح بغداد ج ۲ ص ۳۲۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ عکرم

کو شکار نہیں کرے گا نہ ان کی طرف اشارہ کرے گا نہ ان کی طرف رہنمائی کرے گا۔ (۵) قصداً یا بلا قصد خوشبو نہیں لگائے گا۔ (خوشبو کا سوگنا مکروہ ہے، خوشبودار صابن سے نہلانا یا شپو استعمال کرنا جائز نہیں) اگر خوشبودار چیز کی ہوئی تھی تو حرج نہیں، اگر کچی ہو اور دوسری چیز سے مخلوط ہو اور خوشبو مغلوب ہو تو جائز ہے اگر غالب ہو تو جائز نہیں، اگر بےینہ خوشبودار چیز کھائی تو اس پر دم ہے۔ (۶) ناخن نہ کاٹے (۷) چہرے کو نہیں ڈھانپے گا، چہرہ کا بعض حصہ مثلاً منہ یا ٹھوڑی کو ہتھیلی سے نہیں ڈھانپے گا۔ (۸) سر کو نہیں ڈھانپے گا (۹) ڈاڑھی نہیں کاٹے گا، سر میں تیل نہیں ڈالے گا نہ بالوں میں خضاب لگائے گا نہ ہاتھوں پر مندی لگائے گا۔ (۱۰) سر کے بل یا بدن کے بل نہیں منڈائے گا۔ (۱۱) سلعے ہوئے کپڑے نہیں پہنے گا۔ (۱۲) علامہ یا ٹوپی نہیں پہنے گا۔ (۱۳) چمڑے کے موزے نہیں پہنے گا البتہ اگر ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کٹ دیا جائے کہ پنڈلیاں اور ٹخنے کھلے رہیں تو جائز ہے (ایسی چمڑی پہن سکتا ہے جس سے وسط قدم چھپا ہوا ہو اور ٹخنے کھلے ہوئے ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کٹ کر پہن سکتا ہے) جرابیں پہننا جائز نہیں کیونکہ ان سے ٹخنے چھپ جاتے ہیں۔ (۱۴) جس کپڑے کو ایسی چیز سے رنگا گیا ہو جس سے رنگنے کے بعد خوشبو آئے مثلاً زعفران اور ورس وغیرہ اس کو نہ پہنے۔ (۱۵) مکہ مکرمہ کے کسی درخت کو نہ کاٹے۔

احرام میں جائز کام

محرم حمام میں داخل ہو سکتا ہے، کسی مکان اور محل کے سائے کو حاصل کر سکتا ہے (مثلاً چھتری استعمال کر سکتا ہے) لیکن کوئی چیز اس کے چہرہ یا سر کو مس نہ کرے، پیسے وغیرہ رکھنے کے لیے ممیٹن کمر میں باندھ سکتا ہے (احرام کی چلور پر چمڑے کی پٹی باندھ لی جاتی ہے جس میں پیسے رکھنے کے لیے بٹوہ ہوتا ہے وہ بھی اسی حکم میں ہے) منطقہ (کمر باندھنے کی پٹی) بھی باندھ سکتا ہے، بغیر خوشبو کا سرمہ لگا سکتا ہے، ختنہ کرا سکتا ہے، قصد لگوا سکتا ہے، ڈاڑھ نکلا سکتا ہے۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی جڑوا سکتا ہے، سرا کمر کو کھجا سکتا ہے لیکن اس احتیاط سے کہ بل نہ اکھڑیں، اگر تین بل اکھڑ جائیں تو ایک مٹھی طعام صدقہ کر دے۔ احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا اور بدن پر خوشبو لگانا جائز ہے خواہ بعد میں خوشبو آتی رہے۔

احرام میں مستحب کام

محرم بہ کثرت تلبیہ پڑھے لبیک اللہم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملك لا شریک لک (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۰) جب نماز پڑھے یا جب کسی بلندی پر چڑھے یا کسی ولوی سے اترے، یا سواروں سے ملے، یا سحری کا وقت ہو تو تلبیہ پڑھے۔ جب مکہ میں داخل ہو تو پہلے مسجد حرام میں باب السلام سے داخل ہو اور جب کعبہ کو دیکھے تو تین بار تکبیر اور کلمہ طیبہ پڑھے، کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی دعا کرے، اس وقت کی دعا مقبول ہوتی ہے اور یہ دعا بھی کرے اے اللہ ہمارے دلوں میں کعبہ کی محبت اس کی تعظیم اور اس کی ہیبت کو زیادہ کر۔

عمرہ کرنے کا طریقہ

غیر مکہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھ لے، پاکستان کے رہنے والے ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں اس لیے وہ اپنے گھر میں غسل کر کے احرام باندھ لیں، اور ایئرپورٹ کے لاؤنج میں دو رکعت نماز پڑھ کر عمرہ کی نیت کر لیں : اے اللہ میں عمرہ کے لیے حاضر ہوں اس کو میرے لیے آسان کر دے اور میری طرف سے قبول فرما، پھر راستہ میں بہ کثرت تلبیہ پڑھے لبیک اللہم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملك لا شریک لک

کہ کمرہ پہنچ کر عمو لوار کرے یعنی بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کرے اس طواف میں انضبل کرے (احرام کی لو پر والی چادر کو دائیں بٹل کے نیچے سے ٹٹل کر بائیں کندھے کے لو پر ڈال دے) پہلے تین چکروں میں رمل کرے (کندھے ہلا ہلا کر دوڑتے ہوئے طواف کرے) جب بھی حجر اسود کے سامنے سے گزرے تو اگر ممکن ہو تو اس کو بوسہ دے ورنہ اس کی طرف منہ کر کے اس کی طرف دونوں ہتھیلیاں اس طرح کرے جیسے اس پر رکھ رہا ہو اور اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد پڑھے نبی ﷺ پر درود پڑھے پھر اپنی ہتھیلیوں کو بوسہ دے جب رکن یمانی کے پاس سے گزرے تو اس کو بھی چھو کر اس کی تعظیم کرے اس کو بوسہ دینے میں فقہاء احناف کے دو قول ہیں ایک قول منع کا ہے اور ایک جواز کا اگر اس کی تعظیم نہ کر سکے تو پھر اس کے قائم مقام ہاتھ سے اشارہ کرنا مشروع نہیں ہے۔ حجر اسود کی تعظیم کے ساتھ طواف کو ختم کرے پھر مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت طواف پڑھے۔ اس کے بعد سعی کے سات چکر لگے۔ سعی صفا سے شروع کرے اور مودہ پر ختم کرے صفا پر چڑھ کر کعبہ کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد پڑھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھے پھر دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرے : پھر مودہ کی طرف روانہ ہو راستہ میں دو سبز نشانوں کے درمیان سے دوڑتا ہوا گزرے طواف اور سعی کے دوران اس کو جو دعائیں اور لڑکار یاد ہوں ان کو خضوع اور خشوع کے ساتھ پڑھتا رہے۔

صفا اور مودہ میں طواف مکمل کرنے کے بعد محرم سر کے بل کٹوالے یا منڈوالے اب اس کا عمرہ مکمل ہو گیا اور وہ احرام کی پابندیوں سے آزلو ہو گیا لیکن پھر بھی کوئی گنہ نہ کرے، فحش باتیں نہ کرے اور کسی سے لڑائی جھگڑا نہ کرے آٹھ ذوالحجہ تک حسب استطاعت عمرے کرتا رہے اور مسجد حرام میں زیادہ سے زیادہ طواف کرتا رہے عمرہ اور طواف میں طواف کی زیادہ فضیلت ہے مسجد حرام میں کم از کم ایک بار قرآن مجید ختم کرنا چاہئے۔

حج کرنے کا طریقہ

حج کرنے والا آٹھ ذوالحجہ کو صبح کی نماز مسجد حرام میں لوار کرے حج کی نیت سے غسل کر کے احرام باندھے دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے اے اللہ میں حج کا لہوہ کرتا ہوں تو اس کو میرے لیے آسان کر دے اور قبول فرما اور فجر کی نماز کے بعد مکہ سے منی کے لیے روانہ ہو جائے اور ظہر کی نماز وہیں پہنچ کر پڑھے حج کی سعی کو طواف پر مقدم کرنا جائز ہے۔ اس لیے آسانی اس میں ہے کہ سلت ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھ لے اور حج کی سعی کر لے اور آٹھ تاریخ کو فجر کی نماز کے بعد منی روانہ ہو جائے اور بقیہ نمازیں منی میں لوار کرے اور طلوع فجر کے بعد منی سے عرفات کے لیے روانہ ہو اگر امام کے ساتھ نماز پڑھے تو ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھے ورنہ ہر نماز اپنے وقت میں پڑھے اس کے بعد جبل رحمت کے قریب جا کر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور بلند آواز سے گڑگڑا کر دعائیں لگے اور زندگی کے تمام گناہوں سے توبہ کرے تمام کھڑا ہونا شرط یا واجب نہیں ہے اگر بیٹھ کر دعا کی پھر بھی جائز ہے۔ اس جگہ رسول اللہ ﷺ نے وقوف فرمایا تھا یہ جگہ میدان عرفات کے وسط میں ہے اگر یہاں موقع نہ ملے تو دلدوی عرنہ کے سوا تمام میدان عرفات موقف ہے میدان عرفات میں جس جگہ بھی کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر دعا کر لی حج ہو جائے گا غروب آفتاب تک میدان عرفات میں رہنا واجب ہے غروب آفتاب کے بعد میدان عرفات سے مزدلفہ کے لیے روانہ ہو راستہ میں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد پڑھتا رہے۔ یہاں چلتا مستحب ہے مزدلفہ میں مغرب کی نماز مشاہد

کے وقت میں پڑھے، مغرب میں لو اکی نیت کرے اور اس کی سنتوں کو ترک کر دے اس رات کو جاگ کر مہلت کرنا ایلتہ القدر میں جاگنے سے افضل ہے، اسی رات میں رمی کے لیے ستر اسی کنکریاں چن لے۔ طلوع فجر کے بعد صبح کی نماز نہ اندھیرے پڑھے، اس کے بعد وقوف کرے (کھڑے ہو کر دعا کرے) وقوف کا وقت طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک ہے۔ خواہ اس وقت چل رہا ہو وقوف ہو جائے گا۔ (اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد) پڑھے، تلبیہ پڑھے، درود شریف پڑھے اور دعا کرے، اور جب خوب روشنی پھیل جائے تو منی کے لیے روانہ ہو اور جمرہ عقبہ کو رمی کرے، پانچ ہاتھ کے فاصلہ سے سات کنکریاں مارے، ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہے، رمی کے بعد قربانی کرے، پھر سر کے بل منڈوا لے یا کٹوا لے، منڈوانا افضل ہے، اگر بل کٹوائے تو ایک پور کے برابر بل کٹوائے چوتھائی سر کے بل کٹوانا واجب ہے اور پورے سر کے بالوں کو کٹوانا مستحب ہے، سر منڈوانے کے بعد وہ حلال ہو گیا اور بیوی سے جماع کے علاوہ اس پر ہر چیز حلال ہو گئی، پھر لیام نحر کے تین دنوں میں سے کسی ایک دن مکہ جا کر طواف زیارت کر لے، اگر پہلے سعی کر چکا ہے تو اس طواف میں رمل نہیں کرے گا، اور اگر پہلے سعی نہیں کی تو پہلے تین چکروں میں رمل کرے گا اور سات چکر پورے کرے، دو رکعت نماز طواف پڑھے گا اور اس کے بعد سعی کرے گا، طواف زیارت کے بعد اس پر بیوی بھی حلال ہو جائے گی۔ اگر اس نے طواف زیارت کو قربانی کے تین دنوں کے بعد کیا تو یہ فعل مکرمہ تحریمی ہے اور اس پر دم لازم آئے گا، (طواف زیارت کا وقت ساری عمر ہے) وقوف عرفات اور طواف زیارت کرنے کے بعد حج کے فرائض لو اہو گئے، وقوف مزدلفہ، حج کی سعی اور رمی جہرات واجب ہیں، ان میں سے کسی ایک کے بھی ترک سے دم لازم آئے گا، دس ذوالحجہ کو طواف زیارت کرنے کے بعد منی لوٹ آئے اور رات وہاں گزارے، اور گیارہ تاریخ کو زوال کے بعد تینوں جہرات پر رمی کرے اور ہر جمرہ پر سات سات کنکریاں مارے، پھر بارہ تاریخ کو اسی طرح کنکریاں مارے۔ دس تاریخ کو رمی کا وقت فجر سے غروب تک ہے اور گیارہ اور بارہ تاریخ کو زوال سے لے کر غروب تک ہے، تیرہ تاریخ کو طلوع فجر سے پہلے منی سے مکہ روانہ ہو سکتا ہے اور اگر تیرہ تاریخ کی فجر کو پالیا تو پھر اس دن کی رمی کرنی ہوگی۔ جب مکہ مکرمہ سے روانہ ہونے کا ارادہ کرے تو الوداعی طواف کرے اس کو طواف صدر کہتے ہیں یہ طواف واجب ہے، افتتاحی طواف کو طواف قدم کہتے ہیں یہ مستحب ہے، طواف زیارت فرض ہے اور طواف صدر یا طواف وداع واجب ہے۔ طواف وداع کرنے کے بعد حج کے تمام ارکان اور واجبات ادا ہو گئے اور حج مکمل ہو گیا، اس کے بعد مدینہ منورہ کا سفر کرے۔ اور وہاں آٹھ یا نو دن کے قیام میں کوشش کرے کہ مسجد نبوی میں متواتر چالیس نمازیں پڑھے۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نمازوں کا اجر و ثواب

امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں اور اس کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی اس کے لیے جہنم سے براءت اور عذاب سے نجات لکھ دی جائے گی اور وہ نفاق سے بری ہو جائے گا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

حافظ منذری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح ہیں اور اس حدیث کو امام طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۱۵، مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ ۱۴۰۷ھ)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رولوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۸، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ایک لاکھ نمازوں کا اجر ہے اور میری مسجد میں نماز پڑھنے کا ایک ہزار نمازوں کا اجر ہے اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کا پانچ سو نمازوں کا اجر ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے رولوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۸، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ المنذری لکھتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر ایک شخص اپنے گھر میں نماز پڑھ لے تو اس کو ایک نماز کا اجر ملتا ہے اور اگر محلہ کی مسجد میں نماز پڑھے تو پچیس نمازوں کا اجر ملتا ہے اور اگر جامع مسجد میں نماز پڑھے تو پانچ سو نمازوں کا اجر ملتا ہے اور میری مسجد میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا اجر ملتا ہے اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا اجر ملتا ہے، اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ نمازوں کا اجر ملتا ہے، اس حدیث کوائمہ ستہ میں سے صرف امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کے رولوی ثقہ ہیں (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۱۵، مطبوعہ دار الحديث قاہرہ) علامہ شامی نے لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ ثواب میں اضافہ مسجد حرام کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ پورے حرم مکہ میں کسی جگہ بھی نماز پڑھی جائے تو اتنا ہی ثواب ہو گا۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۸۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا طریقہ

علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں :

جو شخص نبی ﷺ کی زیارت کا قصد رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ آپ پر درود شریف پڑھے، کیونکہ آپ خود بھی درود شریف کو سنتے ہیں اور فرشتے بھی آپ کے پاس درود شریف پہنچاتے ہیں جب زائر مدینہ منورہ کی دیواروں کو دیکھے تو درود شریف پڑھ کر یہ کہے :

اے اللہ! یہ تیرے نبی کا حرم ہے اور تیری وحی کے نازل ہونے کی جگہ ہے تو مجھے یہاں حاضر ہونے کی نعمت عطا فرما اور یہاں کی حاضری کو میرے لیے جہنم سے نجات کا ذریعہ بنادے اور مجھے قیامت کے دن نبی ﷺ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما اور نبی ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے پہلے غسل کرے، اچھا لباس زیب تن کرے، خوشبو لگائے پھر انتہائی تواضع اور اکسار کے ساتھ آپ کے روضہ کی طرف روانہ ہو، اور درود شریف پڑھتا ہو اور اپنی مغفرت کی دعائیں مانگتا ہو اچلا رہے اور یہ پڑھے بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ رب ادخلنی مدخل صدق و اخر جنی مخرج صدق و اجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا اللهم اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک پھر مسجد شریف میں داخل ہو اور دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے آپ کی قبر شریف اور منبر کے درمیان کی جگہ جنس کے بانوں میں سے ایک بلغ ہے اس جگہ دو رکعت بہ طور شکر پڑھے، پھر نبی ﷺ کے قبر سے چار ہاتھ کے فاصلہ پر لوب سے کھڑا ہو، آپ کے مولاہ شریف (سرور چو) کی طرف منہ اور کعبہ کی طرف پیٹھ کر کے اور یوں سلام عرض کرے السلام

علیک یا سیدی یا رسول اللہ! السلام علیک یا نبی اللہ! السلام علیک یا حبیب اللہ! السلام علیک یا نبی الرحمة السلام علیک یا شفیع الامة السلام علیک یا سید المرسلین السلام علیک یا خاتم النبیین! السلام علیک یا مزمل! السلام علیک یا مدثر! السلام علیک وعلی اصولک الطیبین! واهل بیتک الطاہرین! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ نے فریضہ رسالت کو لو اکروا اور لمانت کو پہنچا دیا اور امت کی خیر خواہی کی اور واضح دلائل بیان کیے! اور اللہ کی راہ میں جہاد کا حق لو اکیا! اور دین کو قائم کیا حتیٰ کہ آپ رفتی اعلیٰ سے واصل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر صلوٰۃ و سلام نازل فرمائے جس جگہ آپ اپنے جسد اطہر کے ساتھ تشریف فرما ہیں وہ جگہ تمام جگہوں سے افضل جگہ ہے! اللہ تعالیٰ آپ پر اور اس جگہ پر ہمیشہ اتنی بار صلوٰۃ و سلام نازل فرمائے جس کا عدد اللہ ہی کے علم میں ہے۔ یا رسول اللہ! ہم آپ کے حرم مقدس اور آپ کی عظیم بارگاہ میں حاضر ہیں! ہم دروازے کے علاقوں سے آپ کے حضور میں آپ کی شفاعت کی امید سے آئے ہیں! آپ ہمارے رب کے حضور ہماری شفاعت فرمائیں گناہوں کے بوجھ سے ہماری کمر ٹوٹ رہی ہے! آپ ہی ایسے شفاعت کرنے والے ہیں جن سے شفاعت کبریٰ مقام محمود اور وسیلہ کا وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ نے فرمایا ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَّهُوا إِلَيْهِ تَوَّابًا رَّحِيمًا۔
اور اگر یہ اپنی جانوں پر ظلم کر گزریں! تو آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے مغفرت طلب کریں اور رسول بھی ان کی شفاعت کریں! تو یہ بے شک اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا پائیں گے۔

اور بے شک ہم اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے پاس آئے ہیں اور اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں سو آپ ہمارے لیے اپنے رب سے شفاعت کیجئے اور اللہ سے دعا کیجئے کہ آپ کی سنت پر خاتمہ فرمائے اور آپ کے دین میں ہمیں قیامت کے دن اٹھائے اور ہمیں آپ کے حوض کوثر پر وارد کرے اور بغیر کسی شرمندگی اور رسوائی کے ہمیں آپ کوثر پلائے! یا رسول اللہ شفاعت فرمائیے! یا رسول اللہ شفاعت فرمائیے! یا رسول اللہ شفاعت فرمائیے! (تین بار کہے) اے اللہ ہماری مغفرت فرما! اور جو ہم سے پہلے فوت ہو گئے ہیں ان کی مغفرت فرما! اور مسلمانوں کے خلاف ہمارے دلوں میں کینہ نہ رکھ! اے رب! تو رءوف رحیم ہے! پھر جن لوگوں نے آپ کو سلام پہنچانے کی درخواست کی تھی ان کا سلام پیش کرے اور کہے یا رسول اللہ فلاں فلاں کی طرف سے آپ کو سلام ہو! یا رسول اللہ وہ آپ سے شفاعت کے طلبگار ہیں ان کی شفاعت فرمائیے! پھر درود شریف پڑھ کر جو چاہے دعا کرے۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سر کے بالمقابل کھڑا ہو اور کہے السلام علیک یا خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم السلام علیک یا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانیسہ فی الغار ورفیقہ فی الاسفار وامینہ فی الاسرار اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے! آپ نے بہترین نیابت کی! اور نبی ﷺ کے طریقہ پر قائم رہے! اور آپ کے طریقہ کے مطابق کار خلافت انجام دیئے! آپ نے مرتدین اور مبتدعین سے قتال کیا اور اسلام کے قلعہ کو مضبوط کیا! آپ بہترین امام تھے! آپ تادم حیات دین کی خدمت کرتے رہے! آپ اللہ سبحانہ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے دلوں میں ہمیشہ آپ کی محبت رکھے اور قیامت کے دن ہمیں آپ کی جماعت میں

اللہ تعالیٰ اور ہماری زیارت کو قبول فرمائے، السلام علیک ورحمتہ اللہ۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سر کے بال قتل کھڑا ہو اور یوں سلام عرض کرے : السلام علیک یا امیر المومنین السلام علیک یا مظہر الاسلام علیک یا مکسر الاصنام اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے، آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی نصرت فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کے بعد بڑے بڑے شہوں کو فتح کیا۔ تیسوں کی کفالت کی اور صلہ رحمی کی، اے رسول اللہ ﷺ کے وزیر، رفیق، مشیر، اور دین قائم کرنے میں آپ کی معاونت کرنے والو اور آپ کے بعد مسلمانوں کی بہتری کے لیے کارہائے نمایاں کرنے والو آپ دونوں پر سلام ہو، اللہ آپ کو ہماری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے، ہم آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے درخواست کریں کہ حضور ہماری شفاعت فرمائیں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ہمارے اس حج اور زیارت کو قبول فرمائے، ہمیں آپ کے دین پر زندہ رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے اور آپ کی جماعت میں ہمارا حشر فرمائے، پھر اپنے لیے دعا کرے، اپنے والدین کے لیے دعا کرے اور جنہوں نے دعا کی درخواست کی تھی ان کے لیے دعا کرے، پھر تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے، پھر دوبارہ نبی ﷺ کے مواجد شریف میں جا کر کھڑا ہو، اسی طرح سلام پیش کرے اور آپ سے شفاعت کی درخواست کرے اور اسی طرح دعا کرے۔

حضرت ابولہبہ رضی اللہ عنہ کے ستون کے پاس نماز پڑھے، اور دیگر متبرک مقامات پر نمازیں پڑھے، بقیع شریف میں جائے شہداء احد کی قبروں پر جائے، حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر فاتحہ پڑھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضور کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ، ازواج مطہرات اور دیگر شہداء کی قبروں پر حاضر ہو اور تمام مزارات پر آیت الکرسی پڑھے، گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھے اور اگر یاد ہو تو سورہ یس پڑھے اور رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے ان کا ثواب ان تمام ارواح قدسیہ کو پہنچائے مسجد قبائیں حاضر ہو کر وہیں نماز پڑھے۔ وہیں دو رکعت نماز پڑھنے کا اجر عمرہ کے برابر ہے (سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۳۸) مسجد قبلتین، مساجد سبع اور تمام مشاہد کی زیارت کرے۔

(مرآۃ الفلاح ص ۳۵۱-۳۳۸، ملخصاً مطبوعہ مصطفیٰ البلبلی واولادہ مصر ۱۳۵۶ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو۔ (البقرہ : ۱۹۶)

اس کا معنی یہ ہے کہ حج اور عمرہ کے تمام شرائط، فرائض اور واجبات کو ادا کرو کہ یہ کمال ہوں ناقص نہ رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو اگر تم کو حج یا عمرہ سے روک دیا جائے تو جو قربانی تم کو آسانی سے حاصل ہو وہ بھیج دو اور جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اس وقت تک اپنے سروں کو نہ منڈواؤ۔ (البقرہ : ۱۹۶) یعنی اپنے احرام پر برقرار رہو اور حلال نہ ہو۔

”احصار“ (حج یا عمرہ کے سفر میں پیش آنے والی رکاوٹ) کی تعریف میں مذاہب ائمہ

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر دشمن سفر حج پر نہ جانے دے اور راستہ میں کسی جگہ روک لے تو یہ احصار ہے، اب محرم حرم میں قربانی بھیج دے اور جب قربانی ذبح ہو جائے گی تو وہ حلال ہو جائے گا، لام ابو حنیفہ کے نزدیک راستہ میں دشمن کے روکنے کے علاوہ راستہ میں پکار ہو جانا اور سفر کے قتل نہ رہنا بھی احصار ہے اور لغت میں احصار اسی کو کہتے ہیں اور احصاء بھی اس کی سہولت ہیں، علماء مذاہب کی تصریحات حسب ذیل ہیں :

اگر دشمن حج یا عمرہ کے لیے جانے نہ دے تو یہ احصار (روک دینا) ہے، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت انس بن مالک کا یہی قول ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ (الکت والعیون ج ۱ ص ۲۵۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت) علامہ ابن عربی مالکی لکھتے ہیں :

احصار دشمن کے منع کرنے اور روکنے کے ساتھ خاص ہے، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت انس بن مالک کا یہی قول ہے اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے، لیکن اکثر علماء لغت کی رائے یہ ہے کہ احصار کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی شخص کو مرض عارض ہو اور وہ اس کو کسی جگہ جانے سے روک دے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۷۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۸ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں :

احصار صرف دشمن کے روکنے سے ہوتا ہے مریض کو محصر نہیں کہتے، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت انس کا یہی قول ہے، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا یہی مذہب ہے لیکن ابن قتیبہ نے یہ کہا ہے کہ جب مرض یا دشمن سفر کرنے سے روک دیں تو یہ احصار ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۰۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۰۷ھ)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں :

کسائی، ابو عبیدہ اور اکثر اہل لغت نے یہ کہا ہے کہ مرض اور زار راہ گم ہو جانے کی وجہ سے جو سفر جاری نہ رہ سکے اس کو احصار کہتے ہیں، اور اگر دشمن سفر نہ کرنے دے تو اس کو محصر کہتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس میں دشمن اور مرض برابر ہیں۔ ایک دم (حدی کے قرین کا جانور) بھیج کر محرم حلالی ہو جائے گا جب کہ اس جانور کو حرم میں ذبح کر دیا جائے، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور ثوری کا یہی مذہب ہے، علامہ جصاص کہتے ہیں کہ جب لغت سے ثابت ہو گیا کہ احصار کا معنی مرض کا روکنا ہے تو اس آیت کا حقیقی معنی یہی ہے کہ جب کوئی مرض تم کو حج یا عمرہ سے روک دے، اور دشمن کا روکنا اس میں حکماً داخل ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۱۸، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۰۰ھ)

امام ابو حنیفہ کے موقف پر ائمہ لغت کی تصریحات

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ائمہ لغت میں سے ابن قتیبہ، ابو عبیدہ اور کسائی نے یہ کہا ہے کہ سفر میں مرض کا لاحق ہونا احصار ہے، اسی سلسلہ میں مشہور امام لغت فراء لکھتے ہیں :

جو شخص سفر میں خوف یا مرض کے لاحق ہونے کی وجہ سے حج یا عمرہ کو پورا نہ کر سکے اس کے لیے عرب احصار کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ (معانی القرآن ج ۱ ص ۱۷۷، مطبوعہ بیروت)

علامہ حماد جوہری لکھتے ہیں :

ابن السکیت نے کہا جب کسی شخص کو مرض سفر سے روک دے تو کہتے ہیں ”حصره المرض“ اخفش نے کہا جب کسی شخص کو مرض روک دے تو کہتے ہیں احصرنی مرضی۔ (الصحاح ج ۲ ص ۶۳۲، مطبوعہ دارالعلم بیروت ۱۳۰۴ھ)

امام ابو حنیفہ کے موقف پر احادیث سے استدلال

احادیث میں تصریح ہے کہ جب کوئی شخص مرض لاحق ہونے کی وجہ سے حج یا عمرہ کا سفر جاری نہ رکھ سکے تو اگلے

سل اس کی قضاء کرے۔ لام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت جلیج بن عمو انصاری کہتے ہیں کہ جس شخص کی ہڈی ٹوٹ گئی یا ٹانگ ٹوٹ گئی تو وہ حلال ہو گیا اور اس پر اگلے سل ج ہے، ایک اور سند سے روایت ہے یا وہ بیمار ہو گیا۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۵۷، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ)

اس حدیث کو لام ترمذی (۱)، لام ابن ماجہ (۲)، اور لام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (۳)

لام بخاری لکھتے ہیں :

عطاء نے کہا ہر وہ چیز جو حج کرنے سے روک دے وہ احصار ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

نیز لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص کو کوئی عذر حج کرنے سے روک دے یا اس کے سوا اور کوئی چیز مانع ہو تو وہ حلال ہو جائے اور رجوع نہ کرے اور جس وقت وہ محصر ہو تو اگر اس کے پاس قربانی ہو اور وہ اس کو حرم میں بھیجنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہیں ذبح کر دے، اور اگر وہ اس کو حرم میں بھیجنے کی استطاعت رکھتا ہو تو جب تک وہ قربانی حرم میں ذبح نہیں ہوگی وہ حلال نہیں ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۳-۲۳۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں عذر کے لفظ سے استدلال ہے جو عام ہے اور دشمن کے منع کرنے اور بیمار پڑنے دونوں کو شامل ہے۔

لام ابو حنیفہ کے موقف پر آثار صحابہ سے استدلال

لام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جس شخص نے حج کا احرام باندھا پھر وہ بیمار ہو گیا یا کوئی اور رکاوٹ پیش آگئی تو وہ وہیں ٹھہرا رہے حتیٰ کہ ایام حج گزر جائیں پھر عمرہ کر کے لوٹ آئے اور اگلے سل ج کرے۔

(المصنف ج ۱/۴ ص ۳۹، مطبوعہ لواء القرآن کراچی، ۱۳۰۶ھ)

سلیمان بیان کرتے ہیں کہ معبد بن حراسہ محرومی مکہ کے راستہ میں بے ہوش ہو گئے ان کے بیٹے ان پر پانی ڈالنے لگے، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حوین بن الھکم سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا وہ علاج کرے، اور جب سدرست ہو جائے تو حج کا احرام قطع کر کے عمرہ کر لے، اگلے سل ج کرے اور قربانی حرم میں بھیجے۔

(المصنف ج ۱/۴ ص ۳۰، مطبوعہ لواء القرآن کراچی، ۱۳۰۶ھ)

عبدالرحمن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ہم عمرہ کرنے گئے جب ہم ذات السوف میں پہنچے تو ہمارے ایک ساتھی کو (سپاہی) بچھونے ڈس لیا، ہم راستہ میں بیٹھ گئے، تاکہ اس کا شرعی حکم معلوم کریں، ناگہ ایک قافلہ میں حضرت ابن مسعود آئے، ہم نے بتایا کہ ہمارا ساتھی ڈسا گیا ہے، حضرت ابن مسعود نے فرمایا اس کی طرف سے ایک قربانی حرم میں بھیجو اور ایک دن مقرر کر لو جب وہ حدی حرم میں ذبح کر دی جائے تو یہ حلال ہو جائے گا۔ (المصنف ج ۱/۴ ص ۳۱، مطبوعہ لواء القرآن کراچی، ۱۳۰۶ھ)

(۱) لام ابو یسٰیٰ محمد بن یسٰیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۵۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۲) لام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۲۳۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۳) لام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ، المصنف ج ۱/۴ ص ۳۸-۳۹، مطبوعہ لواء القرآن کراچی، ۱۳۰۶ھ

(کراچی ۲۰۰۶ء)

امام ابو حنیفہ کے موقف پر اقوال تابعین سے استدلال

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

مجلد بیان کرتے ہیں جس شخص کو حج یا عمرہ کے سفر میں کوئی رکاوٹ درپیش ہو خولہ مرض ہو یا دشمن وہ احصار

(جامع البیان ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ء)

ہے۔

عطانے کہا ہر وہ چیز جو سفر سے روک دے وہ احصار ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ء)

قلوہ نے کہا جب کوئی شخص مرض یا دشمن کی وجہ سے سفر جاری نہ رکھ سکے تو وہ حرم میں ایک قربانی بھیج دے اور

جب وہ قربانی ذبح ہو جائے گی تو وہ حلال ہو جائے گا۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ء)

ابراہیم غنئی نے کہا مرض ہو یا ہڈی ٹوٹ جائے یا دشمن نہ جانے دے یہ سب احصار ہیں۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ء)

امام ابو حنیفہ کے موقف کی ہمہ گیری اور معقولیت

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد، آثار صحابہ اور اقوال تابعین، ائمہ لغت کی تصریحات ان سب سے امام ابو حنیفہ کا مسلک

ثابت ہے کہ احصار دشمن کے روکنے اور مرض کے خارج ہونے دونوں کو شامل ہے اور اس میں سیر اور سہولت ہے، اسلام

ہر مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے ائمہ ثلاثہ کے موقف پر یہ اشکل ہو گا کہ جو شخص حج یا عمرہ کے سفر میں کسی ایسی بیماری میں مبتلا

ہو جائے جس کی وجہ سے وہ اپنا سفر جاری نہ رکھ سکے تو اس کے لیے اسلام میں کیا حل ہے؟ ہر چند کہ اب ہوائی جہاز کے

ذریعہ بیشتر حجاج کرام حج اور عمرہ کا سفر کرتے ہیں لیکن پھر بھی بہت سے علاقوں سے لوگ سڑک کے ذریعہ سفر کرتے ہیں۔ نبی

ﷺ ۶ ہجری میں اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے تھے، جب آپ مقام حدیبیہ پر

پہنچے تو کفار نے آپ کو مکہ جانے سے روک دیا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمر کے دو بیٹے سالم اور عبید اللہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں حجاج نے حضرت ابن الزبیر پر مکہ میں

حملہ کیا ہوا تھا، ان دنوں میں حضرت ابن عمر نے حج کا ارادہ کیا، ان کے بیٹوں نے منع کیا کہ اس سال آپ حج نہ کریں، ہمیں

خوشہ ہے کہ آپ کو بیت اللہ جانے سے روک دیا جائے گا، حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے،

آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان کفار حائل ہو گئے تو نبی ﷺ نے اپنی قربانی کی اونٹنی کو نحر کیا اور اپنا سر مونڈ لیا اور میں تم

کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنے اوپر عمرہ لازم کر لیا ہے میں ان شاء اللہ روانہ ہوں گا، اگر کوئی رکاوٹ نہ ہوئی تو میں عمرہ

کروں گا اور اگر کوئی رکاوٹ پیش آئی تو میں اس طرح کروں گا جس طرح نبی ﷺ نے کیا تھا، پھر انہوں نے عمرہ کا احرام

باندھا پھر کچھ دور چل کر کہا احصار میں عمرہ اور حج دونوں برابر ہیں، میں عمرہ کے ساتھ حج کی نیت کرتا ہوں، پھر یوم نحر کو قربانی

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۳۸۱ء)

کر کے وہ حلال ہو گئے۔

ہر چند کہ نبی ﷺ کے ساتھ جو احصار پیش آیا تھا، وہ دشمن کی وجہ سے تھا لیکن نبی ﷺ نے مرض کی وجہ سے

رکاوٹ کا بھی یہی حل بیان فرمایا ہے اس لیے دلائل شرعیہ کی قوت، سیر، ہمہ گیری اور معقولیت کے اعتبار سے ائمہ ثلاثہ

کے موقف کی بہ نسبت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک رائج ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو اگر تم کوچ یا عمو سے روک دیا جائے تو جو قربانی تم کو حاصل ہو وہ بھیج دو اور جب تک قربانی
اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اس وقت تک اپنے سروں کو نہ منڈوؤ۔ (البقرہ : ۱۹۶)
حصر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں امام ابو حنیفہ کا مسلک

امام ابو حنیفہ کے نزدیک جو شخص راستہ میں مرض یا دشمن کی وجہ سے رک جائے وہ کسی اور شخص کے ہاتھ قربانی
(اونٹ، گائے یا بکری) یا اس کی قیمت بھیج دے اور ایک دن مقرر کر لے کہ فلاں دن اس قربانی کو حرم میں ذبح کیا جائے گا
اور اس دن وہ اپنا احرام کھول دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس وقت تک سر نہ منڈو اور جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ
جائے اور قربانی کی جگہ حرم ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جس جگہ کسی شخص کو رک جانا پڑے وہیں قربانی کر کے احرام کھول
دے کیونکہ نبی ﷺ کو حدیبیہ میں رک جانا پڑا تھا اور آپ نے حدیبیہ میں ہی قربانی کی اور امام بخاری نے لکھا ہے کہ حدیبیہ
حرم سے خارج ہے (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ بدر الدین یعنی اس دلیل کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کا بعض حصہ حرم سے خارج ہے اور بعض حصہ
حرم میں ہے اور نبی ﷺ حدیبیہ کے جس حصہ میں رکے تھے وہ حرم میں تھا اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابن ابی شیبہ نے
ابو عیسیٰ سے روایت کیا ہے کہ عطاء نے کہا ہے کہ حدیبیہ کے دن نبی ﷺ کا قیام حرم میں تھا۔
(عمدة القاری ج ۱۰ ص ۳۹، مطبوعہ ادارة البعثة المشریة مصر ۱۳۳۸ھ)

علامہ ابن حبان اندلسی لکھتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ کو جس جگہ روک دیا گیا تھا آپ نے وہیں قربانی کی تھی وہ جگہ حدیبیہ کی ایک طرف تھی جس کا نام
الربی ہے اور یہ اسل مکہ میں ہے اور وہ حرم ہے، زہری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اونٹ کو حرم میں نحر کیا
تھا، واقعی نے کہا حدیبیہ مکہ سے نو میل کے فاصلہ پر طرف حرم میں ہے (المعجم الج ۲ ص ۲۵۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ)
حصر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب
علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے حتیٰ کہ قربانی اپنے محل میں پہنچ جائے، محل کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد حرم
ہے، حضرت ابن مسعود، حسن بصری، عطاء، طاووس، مجاہد، ابن سیرین، ثوری اور امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب ہے۔ دوسرا قول یہ
ہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جس جگہ محرم کو رکھٹ پیش آئی، وہ اس جگہ قربانی کا جانور ذبح کر کے احرام کھول دے، امام
مالک، امام شافعی اور امام احمد کا یہی مذہب ہے۔ (زلا المبرج ص ۲۰۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۰۷ھ)

علامہ ابو دودی شافعی (۱) اور علامہ ابن العسلی (۲) مالکی نے بھی یہی لکھا ہے۔

قوت دلائل کے اعتبار سے امام ابو حنیفہ کا مسلک رائج ہے اور یسر اور سہولت کے اعتبار سے ائمہ ثلاثہ کا مسلک رائج
ہے کیونکہ بیمار یا دشمن میں گمرے ہوئے آدمی کے لیے اس وقت تک انتظار کرنا جب تک قربانی حرم میں ذبح ہو بہت مشکل
اور دشوار ہو گا اس کے برعکس موضع احرام میں قربانی کر کے احرام کھول دینے میں اس کے لیے بہت آسانی ہے جبکہ اس

(۱) علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ابو دودی شافعی حنفی ۵۰۰ھ، النکت والعیون ج ۱ ص ۲۵۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

(۲) علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العسلی مالکی حنفی ۵۳۳ھ، انکام الفقہاء ج ۱ ص ۱۷۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۸ھ

طریقہ کو عمر کی آسانی ہی کے لیے شروع کیا گیا ہے۔

ضرورت کی وجہ سے منیٰ میں پہنچنے سے پہلے سرمنڈانے کی رخصت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو وہ اس کے بدلہ میں روزے رکھے یا کچھ صدقہ دے یا قریلنی کرے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

عبداللہ بن معقل بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے پاس مسجد کوفہ میں بیٹھا ہوا تھا میں نے ان سے روزہ کے فدیہ کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا مجھے نبی ﷺ کے پاس لے جایا گیا در آن حایکہ میرے منہ پر جوئیں ٹپک رہی تھیں آپ نے فرمایا : میں تم پر کیسی مصیبت دیکھ رہا ہوں! کیا تمہارے پاس (قریلنی کے لیے) ایک بکری نہیں ہے؟ میں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا : تین دن کے روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ ہر مسکین کو نصف صاع (دو کلو گرام) طعام (گندم) دو اور اپنا سرمنڈا دو یہ آیت خاص میرے متعلق نازل ہوئی ہے لیکن تمہارے لیے بھی عام ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۲ مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۴۳۸ھ)

ملاجیون حنفی لکھتے ہیں :

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے جو شخص مریض ہو اور اس کو فوراً "سرمنڈانے کی حاجت ہو" یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو مثلاً کوئی زخم ہو یا جوئیں ہوں تو پھر اس کے لیے منیٰ پہنچنے اور قریلنی کرنے تک سرمنڈانے کو موقوف کرنا ضروری نہیں ہے البتہ سرمنڈانے کے بعد اس پر فدیہ دینا واجب ہو گا قریلنی کرے تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ قریلنی کو حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے اور روزہ رکھنا یا مسکینوں کو کھانا کھلانا حرم میں ضروری نہیں ہے۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۸۸ مطبوعہ مطبع کریمی بمبئی)

حج تمتع کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جب تم حالت امن میں ہو تو جو شخص حج کے ساتھ عمرہ ملائے تو وہ ایک قریلنی کرے جس کو وہ آسانی کے ساتھ کر سکے اور جو قربانی نہ کر سکے وہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات روزے حج سے واپس آنے کے بعد رکھے یہ کابل دس (روزے) ہیں یہ (حج تمتع کا) حکم اس شخص کے لیے جس کے اہل و عیال مسجد حرام (مکہ مکرمہ) کے رہنے والے نہ ہوں۔ (البقرہ : ۱۹۶)

اس آیت کی ایک تفسیر تو یہی ہے کہ اس آیت میں زمانہ امن میں حج تمتع کا بیان فرمایا ہے دوسری تفسیر یہ ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم سفر حج میں روک دیئے جاؤ تو تم کو جو قربانی سہولت سے حاصل ہو وہ قریلنی کر کے احرام کھول دو اور جب تم سے دشمن کا خوف جاتا رہے یا مرض دور ہو جائے اور تم حج کے ساتھ عمرہ ملاؤ تو ایک قریلنی کرو جس کو آسانی کے ساتھ کر سکو۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تمتع کیا اور قرآن (اس کے موافق) نازل ہو چکا تھا پھر ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۳ مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۴۳۸ھ)

اس قبل میں حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی طرف تہنیت ہے جو تمتع کرنے سے تنزیہاً منع کرتے تھے، ائمہ علماء صحابہ نے ان کی مخالفت کی اور اس کا انکار کیا اور حق ان ہی کے ساتھ ہے۔

مکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حج تمتع کے متعلق سوال کیا گیا، انہوں نے فرمایا: ہمارے جہن لور انصار اور نبی ﷺ کی ازواج اور ہم نے حجتہ الوداع میں احرام باندھا، نبی ﷺ نے فرمایا جن لوگوں نے قربانی کے جانوروں کے گلے میں ہار ڈال دیا ہے۔ لہٰذا ان کے سوا باقی لوگ حج کے احرام میں عمرہ کی نیت کر لیں، سو ہم نے بیت اللہ کا طواف کیا، صفا اور مودہ میں سعی کی، لور (احرام کھول کر) اپنی اپنی ازواج سے مقاربت کی اور سہلے ہوئے کپڑے پہن لیے، لور جن لوگوں نے اپنی قربانی کے جانوروں میں قلاوہ (ہار) ڈال دیا تھا وہ (عمرہ کرنے کے بعد بھی) بہ دستور اپنے احرام پر برقرار رہے، کیونکہ جب تک ان کی قربانی اپنی جگہ پر نہ ہو جاتی وہ احرام نہیں کھول سکتے تھے، پھر آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آٹھ ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھ لیں سو جب ہم عرفات لور مزدلفہ کے وقوف سے فارغ ہو گئے تو ہم نے بیت اللہ میں آکر طواف (زیارت) کیا، لور صفا اور مودہ میں سعی کی تو ہمارا حج مکمل ہو گیا اور ہم پر ایک قربانی لازم تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فما اسنیسر من الہدی، لور ایک بکری کی قربانی کافی ہے، سو ان لوگوں نے ایک سل میں حج اور عمرہ کی دو عملوں میں جمع کر لیں، اس حکم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے لور یہ اس کے نبی ﷺ کی سنت ہے اور اس تمتع کو مکہ والوں کے سوا باقی تمام مسلمانوں کے لیے مشروع فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذالک لمن لم یکن اہلہ حاضری المسجد الحرام لور حج کے جن مہینوں کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے وہ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں، سو جو شخص ان مہینوں میں تمتع کرے اس پر قربانی لازم ہے یا روزے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۳-۲۳۴، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ نبی ﷺ نے جو حج کیا وہ حج قرآن تھا اور یہی سب سے افضل حج ہے۔

الْحَبِیْرُ اَشْهَرُ مَعْلُوْمَتٍ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَبِیْرَ فَلَا رَفْثَ

حج کے مہینے معروف ہیں اور جو شخص ان مہینوں میں (حج کی نیت کرے) حج کو لازم کر لے تو حج میں نہ

وَلَا فُسُوْقٌ وَلَا جِدَالٌ فِی الْحَبِیْرِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرِ

مورتوں سے جماع کی باتیں ہوں، نہ گناہ اور نہ جھگڑا، اور تم جو نیکی کرتے ہو اس کا اللہ کو علم

یَعْلَمُہُ اللّٰہُ وَتَزُوْدُ وَاَفَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی وَاتَّقُوْا

ہے، اور سفر خرچ تیار کرو، اور بہترین سفر خرچ تقویٰ (سوال سے رکنا ہے)، اور اے فضل والو! مجھ ہی

لہٰذا کیونکہ قربانی کے گلے میں ہار ڈالنے سے حج کی نیت ہو گئی اور جنہوں نے ہار نہیں ڈالا تھا ان کی نیت نہیں ہوئی تھی، ان کو آپ نے

عمو کرنے کی نیت کا حکم دیا۔

يَاۡۤأَيُّهَا الْاَلْبَابُ ۝۱۹۷ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا

سے دستے رہو (جج کے دوران) اپنے رب کا فضل (رفدی) تلاش کرنے میں کوئی

مَنْ سَرِبَكُمْ ط فاذا افضتم من عرفات فاذكروا الله عند

حج نہیں ہے، اور جب تم عرفات سے (مزدلفہ میں) واپس آؤ تو مشعر حرام کے پاس

المشعر الحرام واذكروا كما هداكم و ان كنتم من

اللہ کو یاد کرو، اور جس طرح اس نے تم کو ہدایت دی ہے اس طرح اس کا ذکر کرو، اور بے شک اس سے پہلے تم

قبله لمن الصّالين ۝۱۹۸ ثم افيضوا من حيث افاض

ضرور گمراہوں میں سے تھے، پھر تم وہیں سے واپس آؤ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں

النّاس واستغفروا الله ان الله غفور رحيم ۝۱۹۹

اور اللہ سے بخشش طلب کرو، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کو پورا کرنے کا حکم دیا تھا اور عمرہ کا کوئی وقت معین نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ حج کا وقت معین ہے اور اس کے مہینے معروف اور مشہور ہیں۔

حج کے مہینوں کے متعلق فقہاء امت کے نظریات

حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم، عطاء، طاؤس، مجاہد، زہری، ربیع اور امام مالک کے نزدیک شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ پورے کے پورے حج کے مہینے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم ابن سیرین، حسن، شعبی، نخعی، قتادہ، مکحول، سدی، امام ابو حنیفہ اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن حج کے مہینے ہیں۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۲۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی نظریہ ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۰۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

فرضیت حج کے سبب میں ائمہ مذاہب کے اقوال

اللہ تعالیٰ کا قول ہے : جس نے ان مہینوں میں حج کو فرض کر لیا۔ (البقرہ : ۱۹۷)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا حج کا احرام باندھ کر تلبیہ پڑھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے، عطاء، طاؤس اور صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے کہا حج کی نیت سے تلبیہ پڑھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک حج کی نیت کے ساتھ احرام باندھ کر تلبیہ پڑھنے یا حج کی نیت سے احرام باندھ کر قربانی کے گلے میں قلاہ

ہے کہ اس کو روک دینے سے حج فرض ہو جاتا ہے یا حج کی نیت سے احرام باندھ کر اشعار کرنے سے حج فرض ہو جاتا ہے۔
(البحر المحیط ج ۲ ص ۲۷۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

امام احمد بن حنبل نے یہ تصریح کی ہے کہ حج کی نیت سے صرف احرام باندھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے خواہ تبلیہ نہ پڑھا جائے۔
(زلا المسیر ج ۱ ص ۲۱۰، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

ایام حج میں فحش باتیں گنہ اور جھگڑا کرنے کی ممانعت

اللہ تعالیٰ کا قول ہے : نہ عورتوں سے جماع کی باتیں ہوں نہ گنہ نہ جھگڑا۔ (البقرہ : ۱۹۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن جبر، قتوبہ، حسن، عکرمہ، مجاہد، زہری اور سدی نے بیان کیا کہ رفث سے مراد یہاں جماع ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور طاؤس وغیرہم نے کہا اس سے مراد عورتوں سے فحش کلام کرنا ہے۔
فسق سے مراد ہر قسم کے گنہ ہیں اور جدال سے مراد بحث مباحثہ میں غضب ناک ہونا ہے، یہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، عطاء اللہ مجاہد کی رائے ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور قتوبہ نے کہا اس سے مراد گالی دینا ہے۔ ابن زید اور امام مالک نے کہا اس سے مراد اس بات میں اختلاف کرنا ہے کہ کون اپنے باپ دادا کے موقف میں کھڑا ہے، کیونکہ عرب کسی اور کے موقف میں وقوف کرتے پھر اس میں اختلاف اور بحث کرتے، قاسم نے کہا یا اس میں اختلاف کریں کہ حج آج ہے یا کل۔
(البحر المحیط ج ۲ ص ۲۸۱-۲۸۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

فحش باتیں، فسق اور جھگڑا کرنا ہر وقت اور ہر جگہ ممنوع ہے لیکن یہ ممانعت اس وقت شدید ہے جب انسان بیت اللہ کی زیارت اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے دروازے سے چل کر یہاں آئے، ویسے تو تمام سفر حج میں انسان ان برائیوں سے مجتنب رہے لیکن حج کا احرام باندھنے سے لے کر مناسک حج مکمل ہونے تک جو شخص ان برے کاموں سے بچا رہا اس کا حج، حج مبرور ہے۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اس بیت اللہ کا حج کیا اور فحش باتیں نہیں کہیں اور فسق نہیں کیا وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہو کر نکلے گا جس دن اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔
(زلا المسیر ج ۲ ص ۲۸۱، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

ایام حج یا غیر ایام حج میں تم جو کلام بھی کرتے ہو خولہ نیک ہو یا بد امن سب کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔

حج کے لیے سفر خرچ تیار کرنے کا حکم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور سفر خرچ تیار کرو اور بہترین سفر خرچ سوار سے رکنا ہے اور اے عقل والو مجھ ہی سے ڈرو۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل یمن حج کرتے تھے اور سفر خرچ تیار نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم توکل کرنے والے ہیں جب وہ مکہ پہنچے تو مانگنا شروع کر دیتے، تب یہ آیت نازل ہوئی کہ سفر خرچ تیار کرو، کیونکہ بہترین سفر خرچ سوار نہ کرنا ہے۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۳۲ مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور ۱۳۵۵ھ) اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ دنیا سے آخرت کی طرف جو سفر ہے اس کے لیے سفر خرچ تیار کرو اور نیک اعمال کرو کیونکہ بہترین سفر خرچ تقویٰ اور خوف خدا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں معنی مرلو ہوں راستہ میں اور قیام حرمین کے دوران کھانے پینے اور سواری کا انتظام کر کے چلو، اور اعمال صالحہ کا زور دہ تیار کرو اور محل سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اللہ ہی سے ڈرو۔

حج کے دوران روزی کمانے کا جواز

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (حج کے دوران) اپنے رب کا فضل (روزی) تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ایام حج میں جدل (بحث اور تکرار) کرنے سے منع کیا تو یہ وہم پیدا ہوا کہ شاید ایام حج میں تجارت بھی ممنوع ہو کیونکہ اس میں قیمت پر بحث ہوتی ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عکاظ، بجنہ اور ذوالحجاز، زمانہ جاہلیت کے بازار تھے، جب اسلام آیا تو مسلمانوں نے ان بازاروں میں تجارت کرنے کو گناہ سمجھا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ (زمانہ حج میں) اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷۵ مطبوعہ نور محمد اصح المصالح کراچی ۱۳۸۸ھ)

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۳۲ مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور ۱۳۵۵ھ) اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ایام حج میں تجارت کرنا، محنت مزدوری اور ہر جائز طریقہ سے کسب معاش کرنا جائز ہے اور اس سے حج کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

حافظ سیوطی لکھتے ہیں :

امام عبدالرزاق، امام سعید بن منصور، امام ابن ابی شیبہ، امام عبد بن حمید، امام ابو داؤد، امام ابن جریر، امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم، امام حاکم، اور امام بیہقی روایت کرتے ہیں ابو امامہ تیمی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا : ہم لوگ محنت مزدوری کرتے ہیں کیا ہمارے لیے حج کا اجر و ثواب ہو گا؟ حضرت عبد اللہ بن عمر نے کہا کیا تم لوگ بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے؟ اور کیا تم اپنے سروں کو نہیں مونڈتے؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟ حضرت ابن عمر نے کہا ایک شخص نے آکر رسول اللہ ﷺ سے یہی سوال کیا جو تم نے مجھ سے کیا ہے، آپ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے کہ (زمانہ حج میں) اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۲۲ مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

اگر حج کے دوران ضمناً تجارت یا محنت مزدوری ہو جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر کوئی شخص بالقصد ایام حج میں تجارت کے لیے یا مزدوری کے لیے جائے اور ضمناً حج کر لے تو یہ اخلاص کے منافی ہے۔

مشعر حرام کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب تم عرفات سے (مزدلفہ میں) آؤ تو مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور جس طرح اس نے تم کو ہدایت دی ہے اس طرح اس کا ذکر کرو۔ (البقرہ : ۱۹۸)

لام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

عرفت کو عرفت اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت جبرائیل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مناسک کی تعلیم دی اور بار بار کہتے عرفت عرفت (آپ نے جان لیا، آپ نے جان لیا) تو اس جگہ کا نام میدان عرفت پڑ گیا۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۲۷۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

مشعر حرام کی تفسیر میں لام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو مزدلفہ میں ایک پہاڑ کے پاس جمع ہوتے ہوئے دیکھا تو آپ نے کہا اے لوگو! تمام مزدلفہ مشعر حرام ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۷۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

سدی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے مشعر حرام کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا دو پہاڑوں کے درمیان جو جگہ ہے وہ مشعر حرام ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۷۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

عمو بن میمون کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے مشعر حرام کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس کو اپنے ساتھ لے جا کر دکھایا کہ عرفت کے بعد جہل سے مزدلفہ کی ابتداء ہوتی ہے وہاں سے لے کر حرم تک مزدلفہ کی ساری ولوی مشعر حرام ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۷۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

مشعر حرام کے پاس ذکر کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے، اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کیا جائے اور اپنے گناہوں پر معافی طلب کی جائے۔

نسلی برتری کے تفاخر کا ناجائز ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر تم وہیں سے واپس آؤ، جہل سے لوگ واپس آتے ہیں اور اللہ سے بخشش طلب کرو، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ (البقرہ : ۱۹۹)

قریش اور ان کی لولاد مس کھاتے تھے اور یہ حج میں عرفت کے بجائے مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے اور عام لوگوں سے اپنے آپ کو منفرد سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم بھی عرفت میں وقوف کر کے پھر مزدلفہ میں آؤ جہل سے اور لوگ آتے ہیں۔ لام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ قریش اور ان کے دین پر چلنے والے مس تھے وہ مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے وہ کہتے تھے ہم خدام حرم ہیں، اور بقی لوگ عرفت میں وقوف کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۸۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

لور نہاد جاہلیت میں تم نے جو مناسک حج میں ترمیم کر دی تھی اس پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں سب برابر ہیں اور رنگ و نسل اور علاقہ اور زبان کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے اور کسی شخص کا رنگ و نسل اور علاقہ اور زبان کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسروں سے برتر

۱۔ کس : قریش، کنانہ، خزیمہ، ثقیف، بنو عامر، بنو نصر، کاتب، مس تھا، کیونکہ یہ لوگ اپنے دین میں متشدد اور سخت تھے۔ مس کا معنی سختی بلور ہے۔ سعیدی غفرلہ۔

اور اعلیٰ سمجھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت پسندیدہ ہے، امام احمد نے ابو نعروہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امام تشریق میں فرمایا : سنو تم سب کا رب ایک ہے کسی عہلی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عہلی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ سے (۱) اور جب نسلی برتری کے گھمنڈ پر جلوت میں احساس برتری جائز نہیں ہے تو دنیاوی معاملات میں کب جائز ہو گا، سو بعض سلوات کرام کا نسلی برتری کی بنا پر اپنے غیر کفو میں رشتہ دینے کو حرام کہنا جائز نہیں ہے، شرح صحیح مسلم جلد سولس میں ہم نے اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس تفسیر میں بھی ان شاء اللہ التواء : ۳ میں اس مسئلہ کو وضاحت سے بیان کریں گے۔

فَإِذَا قُضِيَتْ مَنَاسِكُكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ

پھر جب تم حج کی عبادات مکمل کر چکو تو اس طرح اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بکواس

أَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ

سے بھی زیادہ ذکر کر دے، اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے، اور

مَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلْقٍ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا

ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب

آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ

رب ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) اچھائی عطا فرما، اور ہم کو دوزخ کے عذاب

النَّارِ ۚ ۝۳۱ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ سَرِيعُ

سے بچا یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے

الْحِسَابِ ۚ ۝۳۲ وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ

والا ہے اور گنے چنے دنوں میں اللہ کو یاد کرو سو جس نے

تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا أَثْمَرَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا

دو دنوں میں (روانہ ہونے کی) جلدی کی تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے اور جس نے تاخیر کی اس پر بھی (کوئی حرج

(۱) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۸، مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ

نہیں ہے، یہ (محم) اس کے بیٹے ہے جو اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان لو کہ بے شک تم سب اس کی

إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۳﴾

طرف جمع کیے جاؤ گے

نہایت میں لوگ حج کی عبادت سے فارغ ہونے کے بعد اپنے آباء و اجداد کی بڑائی بیان کرتے تھے اور ان کے کارناموں کا ذکر کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد تم اپنے آباء و اجداد کی بڑائی بیان کرنے کے بجائے اللہ کی کبریائی اور اس کی عظمتوں کا ذکر کرو اور جتنا اپنے آباء و اجداد کا ذکر کرتے تھے اس سے زیادہ اللہ کا ذکر کرو۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ حج میں اپنے آباء کا ذکر کرتے تھے، بعض کہتے کہ میرا باپ لوگوں کو کھانا کلاتا تھا، بعض کہتے کہ میرا باپ تلوار کا دھنی تھا، بعض کہتے کہ میرے باپ نے فلاں، فلاں کی گردنیں اڑا دیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

دو دن سے پہلے اور جنت کی طلب کی دعا کرنا، انبیاء کرام اور صحابہ کا طریقہ ہے
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں، اے ہمارے رب، ہمیں دنیا میں دے اور ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ (البقرہ : ۲۶)

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے اے مسلمانو! حج کی عبادت سے فارغ ہو کر زیادہ سے زیادہ اللہ کا ذکر کرو اور اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی خیر مانگنے میں رغبت کرو، اور اللہ تعالیٰ سے بہت عاجزی اور گڑگڑا کر دعا کرو، خالص اللہ عز و جل کی رضا و خیر کے لیے عبادت کرو، اور یہ دعا کرو کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں خیر عطا فرما اور آخرت میں خیر عطا فرما اور ہمیں دو دن کی آگ سے بچاؤ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے آخرت کے بدلہ میں دنیا کی زندگی کو خرید لیا اور وہ صرف دنیا اور اس کی نعمت کے لیے عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بھی صرف متاع دنیا کا سوال کرتے ہیں، ان کے لیے اجر و ثواب میں سے کوئی حصہ نہیں ہے۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

ابو بکر بن عباس بیان کرتے ہیں کہ حج سے فارغ ہو کر لوگ یہ دعا کرتے تھے، اے اللہ ہمیں لونٹ دے، ہمیں بکریاں دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ بیت اللہ کا پرہیز طواف کرتے اور یہ دعا کرتے : اے اللہ ہم پر بارش نازل کر، اے اللہ! ہمیں ہمارے دشمنوں پر فتح عطا کر۔

جلد بیان کرتے ہیں کہ وہ دنیا میں مدد اور رزق مانگتے تھے اور آخرت کے متعلق کوئی سوال نہیں کرتے تھے۔

(جامع البیہ ج ۲ ص ۳۵۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

دنیا کی بھلائی سے مراد ہے : عافیت، نیک بیوی، علم، عبادت، پاکیزہ دل، نیک لولہ، صحت، دشمنوں پر فتح، نیک

لوگوں کی رفعت، اسلام پر ثابت قدمی اور ایمان پر خاتمہ، اور آخرت کی بھلائی سے مراد : جنت، ہمے طلب اور محشر کے خوف سے سلامتی، حور عین اور دیدار الہی کی لذت ہے۔

ان آیات میں یہ تصریح ہے کہ حج کی عبادت سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے دنیا کی خیر کے لیے اور آخرت کی خیر کے لیے اور اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرنا چاہئے اور دوزخ سے پناہ طلب کرنی چاہئے، ہمارے زندہ کے جملہ صوفیوں میں یہ مشہور ہے کہ عبادت بے غرض کرنی چاہئے، جنت کی طلب اور دوزخ سے پناہ کی دعائیں کرنی چاہیے وہ کہتے ہیں کہ رابعہ بصریہ ایک ہاتھ میں پانی اور ایک ہاتھ میں آگ لیے جارہی تھیں، کسی نے پوچھا اے رابعہ یہ کیا ہے؟ کہا لوگ جنت کی طلب اور دوزخ کے ڈر سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں، میں چاہتی ہوں کہ جنت کو آگ لگا دوں اور دوزخ کی آگ بجھا دوں تاکہ جنت کا شوق رہے نہ دوزخ کا خوف اور سب بغیر کسی غرض اور عوض کے اللہ کی عبادت کریں۔ علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

بعض جعلی صوفیوں سے منقول ہے کہ ہم اللہ کی عبادت محض اس کی ذات کی وجہ سے کرتے ہیں اور ہم اس سے کسی قسم کی غرض یا کسی عوض کی طلب نہیں رکھتے ان کا یہ قول بہت بڑا جہل ہے اور قریب بہ کفر ہے جیسا کہ لام غزالی نے فرمایا بغیر غرض کے کوئی کام کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے کاموں کا خلاصہ ہے، جبکہ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال بھی کسی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں، تو بندہ کے افعال بغیر کسی حکمت اور غرض کے کیسے ہو سکتے ہیں، ہاں بعض اوقات انسان کی توجہ محض اللہ کی رضا کی طرف ہوتی ہے اور وہ جنت کے شوق اور دوزخ کے خوف سے قطع نظر کر کے محض اس کی رضا کے لیے عبادت کرتا ہے لیکن یہ بہت اونچا مقام ہے اور سوائے اس کے مخلصین کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۹۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرماتا ہے :

وَمَسَاكِينٍ طَيِّبَةً فِي جَنَّتٍ وَعِلْنِ وِرْضَوَانٍ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ (التوبہ : ۷۲)

اور دائمی رہائش کی جنتیں ہیں اور اللہ کی رضا (ان) سب سے زیادہ بڑی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ (البقرہ : ۲۰۷)

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مخلصین اور بلند ہمت لوگ جنت کی طلب اور دوزخ سے پناہ کی دعا نہیں کرتے۔ انبیاء کرام اور صحابہ عظام سے زیادہ مخلص اور بلند ہمت اور کون ہو گا انہوں نے جنت کے حصول کی دعا کی ہے اور دوزخ سے پناہ طلب کی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا مذکور ہے :

وَاجْعَلْنِي مِّنْ وَّارَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ (الشعراء : ۸۵)

اور مجھ کو نعمت والی جنت کے وارثوں میں شامل کر دے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا تم نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ اس نے کہا میں تشہد پڑھنے کے بعد اللہ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے پناہ طلب کرتا ہوں، یہ خدا جتنی عمدگی سے آپ

آہستہ آہستہ دعا کرتے ہیں اور معذرت آہستہ آہستہ دعا کرتے ہیں میں اتنی عمدگی سے دعا نہیں کر سکتا آپ نے فرمایا ہم بھی یہی دعا کرتے ہیں۔
(سنن ابن ماجہ ص ۷۳ ج ۲، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۷۳ ج ۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)
نیز امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

قلہ نے حضرت انس سے سوال کیا کہ نبی ﷺ کون سی دعا بہت زیادہ مانگتے تھے؟ حضرت انس نے کہا نبی ﷺ جو دعا بہت زیادہ مانگتے تھے وہ یہ ہے : اے اللہ ہم کو دنیا کی خیر اور آخرت کی خیر عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔
(سنن ابو داؤد ج ۳ ص ۲۳، مطبوعہ مطبع مجبلیٰ پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

اللہ کے جلد حساب لینے کی تفسیر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے 'اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (البقرہ: ۲۰۲)

جو لوگ حج کی عبادت سے فارغ ہو کر یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا کی خیر عطا فرما اور آخرت کی خیر عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا' کیونکہ ان کا ایمان ہے کہ ہر خیر اللہ کی قدرت اور اس کے قبضہ میں ہے اور ان کا دل آخرت کی نعمتوں کی طرف راغب ہے اور ان کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جو چاہے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے 'تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے حج کی عبادت کا ثواب عطا فرمائے گا اور انہوں نے جو دوسرے نیک کام کیے ہیں اور بدی اور ملی عبادت کی ہیں اللہ تعالیٰ ان کا بھی اجر جزیل عطا فرمائے گا' اس کے برخلاف جن لوگوں نے اجر اخروی میں رغبت کیے بغیر اہل شلہ کی تکلیفیں برداشت کیں اور ان کا مصلح نظر دنیا کی حسین چیزیں تھیں ان کو 'کسی قسم کا کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کا علم ان دونوں فریقوں کے اعمال کو محیط ہے 'اور اللہ عز و جل ان سے بہت جلد حساب لینے والا ہے۔
علامہ ابو الیمان اندلسی لکھتے ہیں :

روایت ہے کہ جہنمی دیر میں بکری کا دودھ دوا جاتا ہے اتنی دیر میں اللہ تعالیٰ مخلوق کا حساب لے گا' دوسری روایت یہ ہے کہ ایک لمحہ بھر میں ساری مخلوق کا حساب لے لے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کو حساب لینے کے لیے نور و فکر کی حاجت نہیں ہے 'زجاج نے کہا کیونکہ اس کے لیے تمام جہاں کا حساب لینا ایک مٹھ سے حساب لینے کے حکم میں ہے۔ اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ حساب جزاء سے کنایہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ بہت جلد جزا دینے والا ہے 'اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ یہ استعجال دعا سے کنایہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ بہت جلد دعا قبول فرمائے والا ہے۔ ہر تفسیر پر اس آیت سے مقصود اس چیز سے ڈرنا ہے کہ قیامت بہت جلد آنے والی ہے۔

(المحرر المجلد ج ۲ ص ۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

تجسیرات تشریق میں مذاہب ائمہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور گئے چنے دنوں میں اللہ کو یاد کرو 'سو جس نے دونوں میں (دوا نہ ہونے کی) جلدی کی تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے اور جس نے تاخیر کی اس پر (بھی) کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس نے بیان فرمایا کہ ایام محدودات سے مراد ایام تشریق ہیں۔ (۱) اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ ایام تشریق میں نمازوں کے بعد تکبیرات تشریق پڑھی جائیں، اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد (۲) ایک بار یہ تکبیر پڑھنا واجب ہے اور اس سے زیادہ مستحب، تکبیرات تشریق کتنے دنوں تک پڑھی جائیں اس کے متعلق فقہاء کے مسالک حسب ذیل ہیں :

علامہ مالوردی شافعی لکھتے ہیں :

قربانی کے دن ظہر کی نماز سے لے کر آخر ایام تشریق کی صبح کی نماز تک ہر نماز کے بعد تکبیرات پڑھے، یہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور فقہاء میں سے امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔
(الکت والعیون ج ۱ ص ۳۳۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ قرطبی مالکی نے لکھا ہے کہ امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۴، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں :

امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ اگر غیر محرم ہو تو وہ تینیس نمازوں کے بعد تکبیرات پڑھے، یوم عرفہ کی فجر سے تکبیرات شروع کرے اور ایام تشریق کے آخری دن عصر کی نماز کے بعد تک پڑھے، اور اگر وہ محرم ہو تو سترہ نمازوں کے بعد تکبیرات پڑھے، قربانی کے دن کی ظہر کی نماز کے بعد سے شروع کرے اور ایام تشریق کے آخری دن عصر کی نماز کے بعد تک تکبیرات پڑھے۔
(زاوالمسیر ج ۱ ص ۲۱۷، مطبوعہ مکتب اسلام بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یوم عرفہ کی صبح سے لے کر آخر ایام تشریق کی عصر تک تکبیرات پڑھے (فقہاء میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد کا یہی مسلک ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یوم عرفہ کی صبح سے لے کر قربانی کے پہلے دن کی عصر تک تکبیرات پڑھے (فقہاء میں سے امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے)
(المصنف ج ۲ ص ۲۱۵، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ)

علامہ المرغینانی الحنفی لکھتے ہیں :

یہ مسئلہ صحابہ میں مختلف ہے، امام ابو یوسف اور امام محمد نے حضرت علی کے قول کو اختیار کیا کیونکہ یہ قول زیادہ تکبیرات کو شامل ہے اور عبادات میں اسی میں احتیاط ہے، اور امام ابو حنیفہ نے حضرت ابن مسعود کے قول کو اختیار کیا کیونکہ یہ آواز بلند تکبیر کہنا بدعت ہے۔ (مشائخ حنفیہ نے اس مسئلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے)۔ (سعیدی غفرلہ)

یہ تکبیرات شہر میں مستحب جماعت کے ساتھ پڑھی ہوئی نمازوں کے مقیمین (غیر مسافروں) پر واجب ہیں، صرف عورتوں کی جماعت کے بعد نہیں ہیں اور مسافروں کی جماعت کے بعد بھی نہیں ہیں، امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا کہ ہر

(۱) امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان ج ۲ ص ۱۷۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ

(۲) امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۲ ص ۲۱۵، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

فرض نماز پڑھنے والے پر تکبیر پڑھنا واجب ہے کیونکہ تکبیرات فرض کے تابع ہیں، اور امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا خلاف سنت ہے، اور چونکہ شریعت میں اس کا حکم ہے، اس لیے ان شرائط کے بعد ان کا پڑھنا واجب ہو گا۔ امام ابو یوسف نے کہا اگر امام تکبیر بھول جائے پھر بھی مقتدی پر تکبیر پڑھنا واجب ہے۔

(حدایہ اولین ص ۱۷۵، مکتبہ شرکتہ ملیہ ملتان)

ذکر بالہر میں امام ابو حنیفہ کا موقف

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور بہ کثرت احادیث صحیحہ میں فرض نماز کے بعد نبی ﷺ کے ذکر بالہر کرنے کی تصریح ہے، اس لیے امام اعظم ابو حنیفہ سے یہ متصور نہیں ہے کہ وہ تکبیرات تشریق کو بدعت یا خلاف سنت قرار دیں گے، اور علامہ مرغینانی صاحب حدایہ نے کہا ہے کہ امام اعظم نے تکبیرات تشریق میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ ان کے قول میں تکبیرات کا عدد کم ہے اور چونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے اس لیے انہوں نے حضرت ابن مسعود کے قول کو اختیار کیا، صاحب حدایہ کا یہ استدلال ان کے وہم پر مبنی ہے اور صحیح نہیں ہے، صحیح وجہ یہ ہے کہ اختلافات محلہ میں عام طور پر امام اعظم حضرت ابن مسعود کے قول کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس کی بہ نسبت حضرت ابن مسعود زیادہ فقیہ تھے، اس لیے تکبیرات تشریق میں حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس کی روایات کے مقابلہ میں امام اعظم نے حضرت ابن مسعود کی روایت کو اختیار فرمایا۔

علامہ ابن براز کدوری حنفی لکھتے ہیں :

بہر حال بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے جیسے لڑکا اور خطبہ میں ہے اور تکبیرات تشریق میں امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ بلند آواز سے تکبیر پڑھنا بدعت ہے کیونکہ اختلاف اس بات میں ہے کہ اصل نماز پر تکبیرات کی زیادتی کتنی نمازوں میں سنت ہے مثلاً اس میں اختلاف ہے کہ ظہر کی چار سنتوں کو ایک سلام کے ساتھ پڑھنا لوٹی ہے یا دو سلاموں کے ساتھ اور یہ اختلاف اس پر دلالت نہیں کرتا کہ اگر ظہر کی سنتوں کو دو سلاموں کے ساتھ پڑھا جائے تو وہ بدعت یا حرام ہوں گی۔ (فتاویٰ برازیہ علی حاشیہ الحندیہ ج ۶ ص ۳۷۹، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیرہ بلاق مصر)

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں :

امام اعظم اور امام ابو یوسف اور امام محمد میں جو تکبیرات کے عدد کا اختلاف ہے اس میں تمام زمانوں اور تمام شہروں میں امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر عمل کیا گیا ہے، اسی قول پر اجماع ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۱ ص ۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں :

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب امام اعظم اور صاحبین میں اختلاف ہو تو قوت دلیل کا اعتبار ہوتا ہے اور یہی وجہ صحیح ہے جیسا کہ فتاویٰ فقہی میں مذکور ہے، یا اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحبین کا قول بھی در حقیقت امام اعظم کا قول ہوتا ہے، علامہ ابن حاتم نے فتح القدیر میں اس مسئلہ میں امام اعظم کے قول کو ترجیح دی ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ (المحرر الرائق)

(رد المحتار ج ۱ ص ۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں :

مبتنی میں مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ سے کہا گیا کہ اصل کو ذہ و غیرہ کو چاہئے کہ ان دس دنوں میں ہزاروں اور مہجوں میں تکبیرات پڑھیں، امام ابو حنیفہ نے فرمایا : ہاں، اور فقیہ ابو الیث نے ذکر کیا ہے کہ امیر ایم بن یوسف ان جگہوں میں تکبیرات پڑھنے کا حکم دیتے تھے اور فقیہ ابو جعفر نے کہا میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ عام لوگوں کو تکبیرات پڑھنے سے منع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ عوام کی خیر میں رغبت کم ہوتی ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔ اس عبارت کا قصایہ ہے کہ تکبیرات پڑھنا لوٹی ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۵۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

عید الفطر کی تکبیرات بھی عید الاضحیٰ کی تکبیرات کی طرح ہیں، یہی امام ابو یوسف اور امام محمد کا مسلک ہے اور امام اعظم سے بھی ایک روایت یہی ہے بلکہ مسند امام اعظم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ذکر بالجر کو مطلقاً مستحب قرار دیتے ہیں۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۲۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قیام منیٰ کی مدت کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جس نے دو دنوں میں (روانہ ہونے کی) جلدی کی، تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے اور جس نے تاخیر کی اس پر بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

ملا جیون حنفی لکھتے ہیں :

جو شخص ایام منیٰ میں سے صرف دس اور گیارہ تاریخ کو منیٰ میں، فقط دو دن ٹھہرا اور اس نے دو دن رمی کی اور تیسرے دن رمی نہیں کی اس پر کوئی حرج نہیں ہے، اور جس نے تاخیر کی اور تیسرے دن بھی رمی کی اس پر بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ صاحب حدایہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ وہ طلوع فجر سے پہلے چوتھے دن بغیر رمی کے مکہ روانہ ہو جائے اور اگر چوتھے دن کی فجر منیٰ میں طلوع ہو گئی تو وہ رمی کے بغیر مکہ روانہ نہیں ہو سکتا اور افضل یہ ہے کہ وہ چوتھے دن بھی منیٰ میں ٹھہرے اور چوتھے دن کی رمی کر کے مکہ مکرمہ روانہ ہو، کیونکہ نبی ﷺ نے اسی طرح کیا تھا، اور اگر اس نے چوتھے دن زوال سے پہلے رمی کر لی تو یہ بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ جب وہ رمی کو ترک کر سکتا ہے تو اس کو وقت سے پہلے بھی کر سکتا ہے۔ یہ قرآن کریم میں مسائل حج کا آخری عنوان ہے۔

(تفسیرات احمدیہ ص ۹۸-۹۹، مطبوعہ مطبع کریبی بمبئی)

البقرہ : ۱۹۶ سے لے کر البقرہ : ۲۰۳ تک اللہ تعالیٰ نے مسائل حج سے متعلق آیات نازل کیں اور ان آیات کی تفسیر لکھنے کا حسین اتفاق ایام حج عشرہ ذوالحجہ میں پیش آیا اور تکبیرات کی تفسیر میں نے ایام تشریق میں لکھی اور بارہ ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ کو ان آیات کی تفسیر مکمل ہو گئی والحمد للہ رب العالمین والصلوة والسلام علی خاتم النبیین وعلیٰ آلہ واصحابہ وازوجہ اجمعین، الہ العالمین مجھے باقی قرآن مجید کی تفسیر بھی مکمل کرنے کی توفیق اور سعادت عطا فرما اور اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما اس کو تاقیام قیامت باقی، فیض آفریں اور اشاعت پذیر رکھ، امین یا رب العلمین بجاہ حبیبک سید المرسلین۔

حجاج کرام کے اجرو ثواب اور ان سے مصافحہ کرنے کے متعلق احادیث و آثار

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

لام ابن ابی شیبہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے یہ منہک حج اس لیے ہٹائے ہیں تاکہ ہو کوہ کے گناہوں کا کفار ہو جائیں۔ لام بیہقی نے شعب اللایمان میں روایت کیا ہے کہ حسن بصری سے پوچھا گیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حج کرنے والا بخش دیا جاتا ہے انہوں نے کہا بہ طریقہ وہ ان گناہوں کو ترک کر دے جن کو پہلے کرتا تھا۔ لام امبہلی نے ترمذی میں روایت کیا ہے کہ ابراہیم نے کہا کہ حج کے گناہوں میں آلودہ ہونے سے پہلے ان سے صاف کر لو۔

لام امبہلی نے روایت کیا ہے کہ حسن بصری سے پوچھا گیا کہ حج مبرور کی کیا تعریف ہے؟ انہوں نے کہا وہ حج کرنے کے بعد دنیا سے مستغنی ہو اور آخرت میں رافغ ہو۔

لام حاکم نے صحیح حدیث کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم حج پورا کر لو تو جلد گھر کی طرف روانہ ہو اس سے زیادہ اجر ملے گا۔
لام مالک، لام بخاری، لام مسلم، لام ابوداؤد، لام نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حج یا عمو سے لوٹنے کے بعد کسی بلند جگہ کھڑے ہو کر تین مرتبہ تکبیر پڑھتے پھر یہ دعا کرتے : لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وہو علی کل شئی قذیر ائبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق اللہ وعده ونصر عبده وهزم الا حزاب وحدہ
(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۷، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

رسول اللہ ﷺ پر سلام عرض کرنے اور شفاعت طلب کرنے کے متعلق احادیث اور آثار حفظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

لام ابن حبان نے الضعفاء میں، لام ابن عدی نے کمال میں اور لام دار قطنی نے الطل میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔
لام سعید بن منصور، لام ابو یعلیٰ، لام طبرانی، لام ابن عدی، لام بیہقی اور لام ابن عساکر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں میری زیارت کی۔ (سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۳۶، المعجم الکبیر ج ۳ ص ۳۲۰، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲)
لام حکیم تفسیر، لام بریلو، لام ابن خزمہ، لام ابن عدی، لام دار قطنی اور لام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔
(کمال ابن عدی ج ۶ ص ۲۳۵، شعب اللایمان ج ۳ ص ۴۰۰، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲، کنز العمال حدیث نمبر ۳۲۵۸۳)
لام طبرانی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بغیر کسی اور کام کے صرف میری زیارت کے لیے آیا مجھ پر واجب ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔

امام علیؑ اور امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی میں اس کی شفاعت کروں گا یا شہادت دوں گا اور جو شخص حرمین میں سے کسی ایک حرم میں فوت ہو گیا وہ قیامت کے دن امن والوں میں سے اٹھے گا۔ (سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۳۵ شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۱)

امام بیہقی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آکر سلام عرض کرتے اور قبر کو چھوتے نہیں تھے پھر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبر پر سلام عرض کرتے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ محمد بن منکدر نے کہا کہ میں نے حضرت جابرؓ کو رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس روتے ہوئے دیکھا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری قبر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۶ سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۳۶ کشف الاستار ج ۲ ص ۵۶ کنز العمال ج ۳ ص ۲۶۰)

امام ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی نے فیب بن عبداللہ بن ابی امامہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے دیکھا حضرت انس بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر آکر کھڑے ہوئے اور بڑی دیر تک ہاتھ بلند کیے رہے حتیٰ کہ میں نے گمان کیا وہ نماز کی نیت کر رہے ہیں پھر سلام عرض کیا اور چلے گئے۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۱)

امام بیہقی حاتم بن مروان سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کسی قاصد کو مدینہ میں بھیجتے تاکہ وہ نبی ﷺ پر سلام عرض کرے۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۲-۴۹۱)

امام بیہقی ابو حرب ہلالی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے حج کیا جب وہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے دروازہ پر آیا تو اس نے اپنی اونٹنی کو وہاں باندھ دیا پھر مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس گیا اور رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! آپ پر میرے مل اور بپ فدا ہوں میں آپ کے پاس اپنے گناہوں اور خطاؤں کے بوجھ تلے دبا ہوا آیا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے ولو انہم اذ ظلموا انفسہم الا یہ "اگر یہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کے پاس آکر اللہ سے استغفار کریں اور رسول بھی ان کی شفاعت کر دیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائیں گے" اور میں گناہوں سے بوجھل ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں آپ اپنے رب کے حضور میری شفاعت کریں کہ وہ میرے گناہوں کو بخش دے اور آپ کی شفاعت کو قبول فرمائے۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۱-۴۹۵)

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۸-۲۳۷ ملتقطاً مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجِبُّكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْرِكُهُ

لوگوں میں سے ایک شخص ایسا ہے جس کی بات آپ کو دنیا کی زندگی میں اچھی لگتی ہے اور

اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ لَا هُوَ إِلَّا الْخِصَامُ ۖ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ

وہ اپنے دل کے خلوص پر اللہ کو گواہ بناتا ہے، حالانکہ وہ سب سے زیادہ جھگڑالو ہے اور جب وہ پیٹھ موڑ کر جاتا ہے

فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ

تر اس کی یہ کرکٹ ہوتی ہے کہ زمین میں فساد برپا کرے اور کھیتوں کو (برباد) اور جانوروں کو ہلاک کرے اور اللہ

لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۚ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ

فساد کو پسند نہیں فرماتا اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو وہ ضد میں آکر (اور) گناہ کرتا ہے،

بِالْإِثْمِ فَحَسْبُ لَهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْبِهَادُ ۚ

سو اس کے لیے جہنم کافی ہے اور ضرور وہ بہت برا ٹھکانا ہے

دنیا اور آخرت کو برباد کرنے والا

آیات حج میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا بیان فرمایا تھا جو صرف دنیا میں رغبت کرتا ہے اور صرف دنیا کے حصول کی دعائیں کرتا ہے اور اس شخص کا ذکر فرمایا تھا جو دنیا اور آخرت میں رغبت کرتا ہے اور دونوں کے لیے دعا کرتا ہے، عقلی طور پر یہ دو قسمیں اور بھی ہیں ایک وہ شخص جس کی رغبت دنیا میں ہو نہ آخرت میں ان آیات میں اس شخص کا ذکر ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس کی رغبت صرف آخرت میں ہو اور وہ آخرت کی خاطر دنیا کو چھوڑ دے ان آیات کے بعد آیت : ۲۰۷ میں اسی شخص کا ذکر آ رہا ہے، پہلے اللہ تعالیٰ نے اس منافق کا ذکر فرمایا جو دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کرتا ہے۔

یہ آیت انخس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور کہا میں اسلام لانے کا ارادہ کرتا ہوں، اور قسم کھائی کہ وہ صرف اسی لیے آیا ہے پھر جب آپ کے پاس سے اٹھا تو باہر جا کر مسلمانوں کے اموال کو تباہ کر دیا۔ امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سدی بیان کرتے ہیں کہ انخس بن شریق ثقفی بنو زہرہ کا حلیف تھا، وہ مدینہ میں نبی ﷺ کے پاس پہنچا اور اسلام کا اعلان کیا نبی ﷺ کو اس کی باتیں اچھی لگیں اس نے کہا میں اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے آیا ہوں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اپنی بات میں سچا ہوں، پھر جب وہ نبی ﷺ کے پاس سے اٹھا تو مسلمانوں کے کھیتوں اور گدھوں کے پاس سے گزرا، اس نے مسلمانوں کے کھیتوں میں آگ لگادی اور ان کے گدھوں کی کونچیں کاٹ دیں تب اس کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۸۷-۱۸۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

أَلَا لَدَا الْخِصَامِ (مخت جگہوں) کا بیان

منافق سیوطی بیان کرتے ہیں :

مطلب نے کہا جو شخص کج بحث، ہٹ دھرم اور ظالم ہو وہ لاد الخصام ہے۔

امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مبغوض شخص لاد الخصام (مخت جگہ) کرنے والا ہے۔

امام ترمذی اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے گناہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ جھگڑتے رہو۔

امام بیہقی نے عبدالکریم الجذری سے روایت کیا ہے کہ متقی کبھی جھگڑا نہیں کرتا۔

امام بیہقی نے ابن عمرو بن العلاء سے روایت کیا ہے کہ جب دو شخص جھگڑا کرتے ہیں تو جو زیادہ برا ہوتا ہے وہ غالب آجاتا ہے۔

امام احمد حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ تمہارے گناہ کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ لڑتے رہو اور تمہارے ظلم کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ جھگڑتے رہو اور تمہارے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ باتیں کرتے رہو ماسوا اس گفتگو کے جو اللہ کے متعلق کی جائے۔ نیز امام احمد حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جو بہت باتیں کرتا ہے وہ بہت جھوٹ بولتا ہے اور جو بہت قسمیں کھاتا ہے وہ بہت گناہ کرتا ہے اور جو بہت جھگڑا کرتا ہے اس کا دین سلامت نہیں رہتا۔ (۱) اس کے بعد فرمایا :

اور جب اس منافق سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فسو نہ ڈالو اور اللہ کی نافرمانی نہ کرو تو وہ ضد اور تکبر میں آکر لور بڑھ چڑھ کر فسو کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ

اور لوگوں میں سے ایک شخص ایسا ہے جو اللہ کی رضا جوئی کے بدلہ اپنی جان کو فروخت کر دیتا ہے،

وَاللَّهُ رَعُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝۲۱۰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي

اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ

السَّلَامِ كَافَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ

اور شیطان کے قدم بہت کم چلو بے شک وہ تمہارا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۱۱ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ

کھلا دشمن ہے پھر اگر روشن دلیلیں آنے کے بعد بھی تم پھسلنے لگو، تو یقین

فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۱۲ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ

رکھو کہ اللہ بہت غالب، بڑی حکمت والا ہے وہ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ

(۱) حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۹، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران

يَا أَيُّهَا اللَّهُ فِي ظُلِّ مَنْ الْغَمَامِ وَالْمَلِكَةِ وَقُضِيَ

(الغلاب) بلوں کے ساتھ ان کے (فرشتے) ان کے پاس آجائیں اور کام تمام

الْأَمْرُ وَالِىَ اللَّهُ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ ۲۱۰

ہو جائے۔ اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جاتے ہیں

رضاء الہی کی خاطر دنیا ترک کرنے والا

اس آیت میں باقی ماندہ اقسام میں سے اس شخص کا بیان ہے جو آخرت کی خاطر دنیا کو ترک کر دیتا ہے اور وہ صرف آخرت میں رغبت رکھتا ہے۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

لام ابن مروج نے حضرت صیب رومی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب میں نے مکہ سے نبی ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو مجھ سے قریش نے کہا اے صیب! جب تم ہمارے پاس آئے تھے تو تمہارے پاس کچھ مل نہ تھا اور اب تم یہ سارا مل لے کر جا رہے ہو! خدا کی قسم یہ ہرگز نہیں ہو سکتا! میں نے ان سے کہا یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنا سارا مل تم کو دے دوں تو پھر تم مجھے جانے دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں! میں نے ان سے کہا یہ سارا مل لے لو اور مجھے جانے دو! جب میں مدینہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا : صیب تمہاری تجارت نے نفع پایا۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۰-۲۳۹ مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں :

سعید بن صیب بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت صیب ہجرت کر کے مدینہ جانے لگے تو قریش نے ان کا پیچھا کیا حضرت صیب سواری سے اتر گئے اور اپنی کمان کو سیدھا کر لیا اور کہا اے قریش کی جماعت تم کو معلوم ہے میں تم سب سے بڑا تیر انداز ہوں اور خدا کی قسم جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی باقی ہو گا تم مجھ تک نہیں پہنچ سکو گے پھر جب تک میرے ہاتھ میں تلوار رہے گی میں تم سے مقابلہ کرتا رہوں گا اب جو چاہو کرو اور اگر تم چاہو تو میں تم کو بتاتا ہوں میرا مل کھل رکھا ہے یہ شرطیکہ تم میرا راستہ چھوڑ دو انہوں نے کہا ہاں! سو انہوں نے ایسا ہی کیا جب وہ نبی ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ نے دو مرتبہ فرمایا تمہاری بیع نفع یاب ہوئی اور یہ آیت نازل ہو گئی اور لوگوں میں سے ایک شخص ہے جو اللہ کی رضا جوئی کے بدلہ میں اپنی جان فروخت کر دیتا ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۱ ص ۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

لام ابن جریر روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت صیب بن سنان اور حضرت ابوذر غفاری جندب بن سکن رضی اللہ عنہما کے حلقہ چل ہوئی ہے حضرت ابوذر کو ان کے گھروالوں نے پکڑ لیا تھا وہ ان کی گرفت سے نکل کر بھاگے اور نبی ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ اور حضرت صیب رضی اللہ عنہ کو مشرکین مکہ نے پکڑ لیا وہ مدینہ میں ان کو اپنا مل دے کر ہجرت کے لیے چل

پڑے، راستہ میں مسندیں عمیر بن جعد بن لہی کو پکڑ لیا، اس کو بقیہ منہ مل دے کر نبی ﷺ کے پاس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

ربیع بیان کرتے ہیں کہ مکہ والوں میں سے ایک شخص مسلمان ہو گیا، اس نے ہجرت کر کے نبی ﷺ کے پاس جانے کا ارادہ کیا راستہ میں مشرکین نے ان کو پکڑ لیا، انہوں نے کہا میں تم کو اپنا گمراہ اور اپنا سارا مل و متاع دیتا ہوں تم مجھے نبی ﷺ کے پاس جانے دو، پھر وہ اپنا سب کچھ دے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ راستہ میں حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے کہا تمہاری بیع نفع بخش ہے اس میں کوئی گھٹا نہیں ہے، انہوں نے پوچھا کیسی بیع؟ کہا تمہارے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک لشکر بھیجا۔ لشکر والوں نے ایک قلعہ کا محاصرہ کر لیا، پھر لشکر میں ایک مسلمان نکلا اور قلعہ والوں سے قتل کیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گیا، لوگ کہنے لگے اس نے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا ہے، حضرت عمرؓ تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا نہیں یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی جان دے کر اللہ کی رضا کو خرید لیا ہے۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک مسلمان کافر سے مقابلہ ہوا، مسلمان نے کافر سے کہا لا الہ الا اللہ پڑھو، تم یہ کلمہ پڑھ لو گے تو تمہاری جان اور مل پر حملہ نہیں ہو گا، کافر نے انکار کیا، مسلمان نے کہا میں اپنی جان کو اللہ کے ہاتھ بیچتا ہوں یہ کہہ کر اس کافر پر حملہ کیا اور راہ حق میں شہید ہو گیا۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۸۷-۱۸۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ آلوسی نے کواشی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت زبیر بن عوامؓ اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی ہے، اہل مکہ نے حضرت خبیب کو سولی پر لٹکا دیا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا جو خبیب کو سولی پر سے اتارے گا اس کے لیے جنت ہے، حضرت زبیرؓ نے کہا میں اور میرا ساتھی مقداد اتاریں گے، اور شیعہ نے کہا یہ آیت حضرت علیؓ کے متعلق نازل ہوئی ہے جب رسول اللہ ﷺ ان کو مکہ میں اپنے بستر پر سلا کر چلے گئے تھے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۹۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہ تمام آثار اس آیت کے نزول کے متعلق اور مطابق ہیں لیکن درحقیقت یہ آیت ان تمام لوگوں کے حق میں عام ہے جو نیکی کے کاموں میں حصہ لیتے ہیں اور جو شخص نیکی کی راہ میں مزامم ہو تو وہ محض اللہ کی رضا کی خاطر اپنی جان اور مل سے اس کے خلاف جہاد کرتے ہیں وہ خود بھی نیک کام کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی نیکی کی تلقین کرتے ہیں، خود بھی برائی سے بچتے ہیں اور دوسروں کو بھی برائی سے روکتے ہیں اور اس عظیم مقصد کے لیے محض اللہ کی رضا کی خاطر ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی دیتے ہیں۔

دین اسلام کے ساتھ کسی اور دین کی رعایت یا موافقت کا ناجائز ہونا
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو۔

(البقرہ : ۲۰۸)

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ثعلبہ، عبد اللہ بن سلام، ابن یامین، اسد بن کعب، اسید بن کعب، شعبہ بن عمرو، اور قیس بن زید رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے یہ سب یہود سے اسلام لائے تھے، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم ہفتہ

کے دن کی تعظیم کرتے تھے، آپ ہمیں اس دن کی تعظیم کرنے دیں کیونکہ تورات بھی اللہ کی کتاب ہے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔
(جامع البیان ج ۲ ص ۱۸۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ اسلام قبل کرنے کے بعد بھی ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے اور لونٹیوں کے گوشت اور ان کے دودھ کو مکروہ جانتے تھے، مسلمانوں نے اس پر اعتراض کیا تو انہوں نے کہا ہم دونوں شریعتوں پر عمل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نبی ﷺ سے عرض کیا کہ تورات بھی اللہ کی کتاب ہے، آپ ہمیں اس پر بھی عمل کرنے دیں تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی کہ تم اسلام میں ظاہراً داخل ہو جاؤ اور خفیہ کر کے شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو، تیسرا قول یہ ہے کہ جو اصل کتاب، کتب سابقہ پر ایمان لائے تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اصل مقصود ان کی شریعت پر اسلام لانا ہے، ان سے خطاب فرمایا گیا ہے کہ تم ہمارے نبی ﷺ کی شریعت اور دین اسلام میں داخل ہو جاؤ، یہی دین اسلام ہے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۹۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دین اسلام کے ساتھ کسی اور دین اور شریعت کی رعایت یا موافقت کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا :

تم اس حکم کی مخالفت کر کے اور متعدد شریعتوں میں متفرق ہو کر شیطان کی پیروی نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ بیعت کی تفسیر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر اگر روشن دلیلیں آنے کے بعد بھی تم پھسلنے لگو تو یقین رکھو کہ اللہ بہت غالب، بڑی حکمت والا ہے۔ (البقرہ : ۲۰۹)

اگر پہلی آیت میں کفار سے خطاب ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اگر بنیات (روشن دلیلیں) آنے کے بعد بھی تم کفر کرو تو یقین کرو کہ اللہ بہت غالب ہے اور اگر اس میں مسلمانوں سے خطاب ہے تو مراد یہ ہے کہ اگر بنیات آنے کے بعد تم معصیت کرو، یا خطا کرو یا گمراہی پر رہو تو یقین رکھو کہ اللہ بہت غالب ہے بڑی حکمت والا ہے۔

بیعت سے مراد اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلائل ہیں، یا اس سے مراد حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، اور آپ کو تعظیماً جمع سے تعبیر فرمایا ہے، ہرچند کہ آپ واحد بالخصوص ہیں لیکن آپ معنی "کثیر ہیں یا اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ بدلوں کے ساتھ عذاب کی تمثیل کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ (کا عذاب) بدلوں کے ساتھ انہوں (عذاب کے) فرشتے ان کے پاس آجائیں اور کام تمام ہو جائے۔ (البقرہ : ۲۱۰)

اس آیت میں فرمایا ہے کہ وہ صرف اللہ کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں اور چونکہ آنا جانا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے، اس لیے اس کو مجاز پر محمول کیا گیا ہے، ایک معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کے انتقام کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں، دوسرا یہ ہے کہ وہ اللہ کی وعید کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں اور بہترین توجیہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا ہے اللہ کا عذاب ان کے پاس بدلوں کے ساتھ انہوں میں آجائے۔ اللہ تعالیٰ نے بدلوں اور

ساتھوں کے ساتھ عذاب کو تیسہ دی اور اس کی تصویر کشی کی ہے کیونکہ جب گناہوں پر گمراہی میں مبتلا ہوں تو اس سے بہت خوف اور دہشت معلوم ہوتی ہے، یا جس طرح بادل قطو قطو کر کے بے حساب برستے ہیں اسی طرح عذاب بھی بے حساب ہوتا ہے، قرآن مجید میں کئی جگہ عذاب آنے کی مثل باتوں کے ساتھ دی ہے: **وَيَوْمَ تَشْقَى السَّمَاءُ بِالنِّعَامِ وَنَزَلَ الْمَلَائِكَةُ نَزِيرًا (الفرقان : ۲۵)** جس دن آسمان پھٹ کر بادل کی صورت میں ہو گا اور فرشتوں کی جماعتیں اتاری جائیں گی۔

وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوَجٌ كَالظُّلَلِ (القمان : ۳۲) اور جب ساتھوں کی طرح موج انہیں ڈھانپ لیتی ہے۔ اور کلام تمام ہو جائے: اس سے مراد ہے ان کے عذاب سے ہلاک ہونے کا کلام پورا ہو جائے یا قیامت کا انتظار ختم ہو جائے اور قیامت آجائے یا ان کا حساب پورا ہو جائے اور ان پر عذاب واجب ہو جائے۔

سَلْ بَنِي إِسْرَءِيلَ كَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ وَمَنْ

بنو اسرائیل سے پوچھیے ہم نے ان کو کتنی نشانیاں دی تھیں؟ اور جو

يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ

اللہ کی نعمت حاصل ہونے کے بعد اس کو بدل دے تو (وہ سن لے کہ) اللہ سخت عذاب

الْعِقَابِ ۝۳۱ نُرَئِينَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَ

دینے والا ہے کافروں کے لیے دنیا کی زندگی نہیں کر دی گئی ہے، وہ

يَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ

ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں، حالانکہ وہ قیامت کے دن (کافروں سے)

يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۲

سر بلند ہوں گے اور اللہ جسے چاہے بے حساب روزی دیتا ہے

بنو اسرائیل کا اللہ کی نعمتوں کو کفر سے تبدیل کرنا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ بادلوں کے ساتھوں میں اللہ کا عذاب آجائے، یہ ظاہریہ امر بہت حیران کن تھا، لیکن بنو اسرائیل بادلوں میں اللہ تعالیٰ کی آیات اور نشانیوں کا کئی بار مشاہدہ کر چکے تھے، جب انہیں مصر سے نکالا گیا تھا اور پہاڑ طور پر وہ ان آیات کا مشاہدہ کر چکے تھے اس لیے فرمایا اگر تم کو یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہو تو بنو اسرائیل سے پوچھو ہم ان کو کتنی نشانیاں دے چکے ہیں! وہ اس کا انکار نہیں کر سکتے اور ان آیات کے نازل ہونے کے بعد ان کا سکوت کرنا ان کے اقرار کی دلیل ہے۔ اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ مسلمان بنو اسرائیل کی

کائنات پر توجہ کریں ان کے بادشاہوں، علماء، ان کے بدلتے ہوئے حالات اور ان کے فرقوں میں تقسیم ہونے پر غور کریں اور جن طرح طرح کی آفاتوں سے گزرے ہیں اس سے عبرت حاصل کریں۔ اس آیت کا یہ منشاء نہیں ہے کہ خود نبی ﷺ یا صحابہ بنو اسرائیل سے جا کر پوچھیں کہ تم پر اللہ کی کتنی نشانیاں اتر چکی ہیں!

اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو بہت سی نعمتیں عطا فرمائی تھیں جن کو انہوں نے تبدیل کر دیا تھا اور اس کی وجہ سے ان پر طرح طرح کے عذاب آتے رہے، ان کو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا کی انہوں نے اس پر عمل کرنے کے بجائے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، پھر پہاڑ طور کو ان کے سروں پر معلق کر دیا اور فرمایا اس کو قبول کرو ورنہ یہ پہاڑ تم پر آگرے گا، ان کو اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کی نعمت عطا کی انہوں نے اس کا صلہ یہ دیا کہ اللہ کو دیکھے بغیر اس پر ایمان لانے سے انکار کر دیا سو ایک کڑک نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ان پر من و سلویٰ نازل کیا گیا انہوں نے نافرمانی کر کے اس کو بجا کر رکھنا شروع کیا نتیجہً وہ سڑنے لگا، ان سے کہا گیا کہ حقہ کہنا انہوں نے اس کے بجائے حنفہ فی شعیۃ کہا، ان سے کہا گیا تھا شرک نہ کرنا انہوں نے گوسلہ پرستی کی، ان سے کہا گیا تھا کہ ہفتہ کو پھلیوں کا شکار نہ کرنا انہوں نے ہفتہ کے دن پھلیوں کو حوضوں میں جمع کر لیا جس کی سزا میں ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کا قلعہ یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمت ملنے کے بعد اس کو بدل دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب دیتا ہے۔

یہ تو بنو اسرائیل کے آباء و اجداد کو دی ہوئی نعمتوں، ان کی ناشکری اور اس پر ملنے والی سزاؤں کا بیان تھا اور نزول وحی کے زمانہ میں جو بنو اسرائیل تھے انہوں نے اللہ کی جس نعمت کے ساتھ کفر کیا وہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت ہے: امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ کے اللہ کفر (ابراہیم: ۲۸) کی تفسیر میں فرمایا اللہ کی نعمت کو بدلنے والے کفار قریش ہیں اور سیدنا محمد ﷺ اللہ کی نعمت ہیں۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۲۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

تمام نعمتوں کی اصل اور نعمت عظمیٰ سیدنا محمد ﷺ کا وجود مسعود ہے بنو اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لانے کی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی لیکن انہوں نے ناشکری کی اور آپ پر ایمان لانے کے بجائے آپ کا کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ تبدیل کرنے کا سبب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کافروں کے لیے دنیا کی زندگی مزن کردی گئی ہے۔ (البقرہ: ۲۳)

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ بنو اسرائیل نے اللہ کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ تبدیل کر دیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا کوئی شخص اللہ کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ بھی بدل سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے انسان کے قبضہ میں جو اس کی پسندیدہ، خوش نما اور دیدہ زیب چیزیں ہوتی ہیں وہ صرف انہی کو دیکھتا ہے، اور دنیا کی زندگی کے ظاہری حسن و جمال اور وقتی فوائد کو دیکھتا ہے اور عقل کی آنکھوں سے ان چیزوں کی باطنی خرابیوں کو نہیں دیکھتا، دنیا کی رہنمائی اور عیش و آرام انسان کے دل کو بھالتے ہیں: شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا:

قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَا أَغْوِيَهُمْ أَجْمَعِينَ (الحجر: ۳۹)

شیطان نے کہا: اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے اس لیے میں ضور زمین میں ان کے لیے (بمے کاموں کو) مزن کر دوں گا۔ اور میں ضور ضور میں ان سب کو گمراہ

کروں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فَبِجَلِّوْا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زَيْنَ لَهُمْ سُوءَ أَعْمَالِهِمْ
جس کو اللہ نے حرام کیا یہ اس کو طہل کرتے ہیں، ان کے
(النورہ : ۳۷) برے اعمل مزین کر دیے گئے۔

تو اللہ کی نعمتوں کا کفر کرنے کا سبب یہ ہے کہ شیطان نے ان کے لیے کفر اور برے اعمل کو مزین کر دیا ہے اور ان کے لیے خوش نما بنا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ وہ قیامت کے دن کافروں سے سر بلند ہوں گے اور اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ (البقرہ : ۲۳)

حضرت بلال، حضرت صیب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ایسے فقراء مسلمین کو دیکھ کر کافران کا مذاق اڑاتے تھے اور اپنے دنیاوی مل و دولت اور عیش و آرام کی وجہ سے اپنے آپ کو ان سے بلند اور بڑا سمجھتے تھے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ قیامت کے دن یہ نیک مسلمان سر بلند ہوں گے اور کفار ذلت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ کفار نے کہا اگر محمد (ﷺ) نبی ہوتے تو ہمارے بڑے بڑے ان کی اتباع کرتے بہ خدا ان کی اتباع تو عبد اللہ بن مسعود ایسے لوگ کر رہے ہیں۔
(جامع البیان ج ۲ ص ۱۸۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ

نہام لوگ ایک امت تھے (جب وہ مختلف ہو گئے) تو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دینے والے اور

وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ

ڈرانے والے نبی بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان

النَّاسِ فِيهَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ

ان کی اختلاف کردہ باتوں میں فیصلہ کریں، اس میں صرف ان ہی لوگوں نے اختلاف کیا تھا

أَوْتَوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَىٰ

جہنیں کتاب دی گئی تھی، انہوں نے روشن دلائل آنے کے باوجود محض باہمی سرکشی کی وجہ سے

اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِأُذُنِهِ

یہ اختلاف کیا تھا تو اللہ نے اس اختلاف میں ایمان والوں کو اپنے اذن سے حق بات (دین حق) کی ہدایت

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۲۱۳﴾

دی اور اللہ جسے چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے

تاریخ انسانیت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ لوگ دنیا کی محبت کی وجہ سے کفر پر اصرار کرتے ہیں، اب یہ بیان فرمایا ہے کہ کفر اور گمراہی کا یہ سبب نیا نہیں ہے بلکہ پہلے بھی یہی سبب تھا تمام لوگ پہلے دین حق پر تھے پھر دنیا کی محبت کی وجہ سے انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف بغاوت کی اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔
علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

تمام لوگ امت واحدہ تھے اس کا معنی ہے تمام لوگ دین واحد پر تھے، حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا یہاں لوگوں سے مراد وہ قرن ہیں جو حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان تھے اور یہ دس قرن ہیں جو دین حق پر رہے، پھر بعد میں ان کے درمیان اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو مبعوث فرمایا، ابن ابی نیشہ نے کہا اس سے حضرت آدم سے لے کر حضرت سیدنا محمد ﷺ تک کے قرن مراد ہیں اور یہ پانچ ہزار آٹھ سو سال کے زمانہ پر محیط لوگ ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس سے زیادہ زمانہ کے لوگ ہیں، حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان بارہ سو سال گزرے، حضرت آدم نو سو ساٹھ سال زندہ رہے، ان کے زمانہ میں تمام لوگ ایک دین پر تھے فرشتے ان سے مصافحہ کرتے تھے، پھر حضرت ادریس علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد ان میں اختلاف ہوا، لیکن اس قول پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ادریس، حضرت نوح علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے تھے، کبھی اور واقعہ دی نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی کشتی کے لوگ ہیں یہ تمام لوگ دین حق پر تھے، حضرت نوح کی وفات کے بعد ان میں اختلاف ہو گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۳۱-۳۰، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

حضرت ابن عباس کی تفسیر یہ ہے کہ تمام لوگ امت واحدہ تھے یعنی تمام لوگ کافر تھے، اور حضرت ابن مسعود کی قرات سے یہ مستفہل ہوتا ہے کہ پہلے تمام لوگ دین حق پر تھے بعد میں انہوں نے مختلف دینوں کی اغراض کی بناء پر ایک دوسرے سے اختلاف کیا اور بغاوت کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے انبیاء اور رسل بھیجے، ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کل نبیوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں تین سو تیرہ رسول ہیں۔ محققین کے نزدیک اس آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ پہلے تمام لوگ دین حق پر تھے بعد میں ان کے درمیان اختلاف ہوا، اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں :

ابتداء میں نوع انسان کے دین حق پر ہونے کے دلائل

(۱) اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ پہلے تمام لوگ ایک دین پر تھے، پھر ان میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا۔ اگر وہ تمام لوگ کفر پر تھے تو رسولوں کو پہلے بھیجنا چاہیے تھا۔

(۲) نقل متواتر سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو ان کی لولاد کی طرف مبعوث فرمایا۔ ان کی تمام لولاد مسلمان اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار تھی، اور اس وقت تک ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوا حتیٰ کہ قاتل نے حسد سے قاتل کو قتل کر دیا۔

(۳) جب طوفان سے تمام روئے زمین کے لوگ فرق ہو گئے اور صرف کشتی کے لوگ بچے یہ بنی ماندہ لوگ سب دین حق پر تھے پھر اس کے بعد ان میں اختلاف ہوئے۔

(۴) امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مولود فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانی بنادیتے ہیں یا مجوسی بنادیتے ہیں۔ الحدیث (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۱ مطبوعہ نور محمد اصح المصاحف کراچی ۱۴۲۸ھ)

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کسی بچہ کو اس کی اصلی فطرت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ کسی باطل دین پر نہیں ہو گا کسی باطل دین کو اختیار کرنے کا سبب اس کے والدین کی کوشش ہوتی ہے یا دنیا کی محبت یا حسد بغض اور دیگر اغراض فاسدہ ہوتی ہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے یوم میثاق میں فرمایا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰی (الاعراف : ۱۷۲) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں! اس دن سب لوگوں کا ایک ہی دین تھا اور وہ دین حق تھا۔ تمام انسانوں کا دین صرف اسلام ہے

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام نوع انسان کے لیے ایک ہی دین ہے اور وہ دین اسلام ہے اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں اور رسولوں کو اسی دین کی رہنمائی کے لیے بھیجا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اللہ نے تمہارے لیے اسی دین کو مقرر کیا ہے جس دین کی
اِنَّ الَّذِيْنَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
مُوسٰى وَعِيسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَنفَرُقُوْا
فِيْهِ (الشورى : ۱۳)

اس نے نوح کو وصیت کی تھی۔ اور جس دین کی ہم نے آپ کی
طرف وحی فرمائی ہے اور جس کی ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ
کو وصیت کی تھی کہ وہ اسی دین کو قائم رکھیں اور اس میں تفرقہ
نہ ڈالیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا سَلَامٌ (آل عمران : ۱۹)
وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ اِلَّا سَلَامٍ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهٗ
وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ اِلَّا سَلَامٍ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهٗ
(آل عمران : ۸۵)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔
جس شخص نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کیا تو
وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ حضرت آدم سے لے کر ہمارے رسول سیدنا محمد ﷺ تک تمام نبیوں اور رسولوں کا ایک ہی دین تھا اور وہ دین اسلام ہے البتہ شریعتیں سب نبیوں کی الگ الگ ہیں دین سے مراد وہ اصول اور عقائد ہیں جو تمام نبیوں میں مشترک ہیں جیسے الوہیت، توحید باری، نبوت، تقدیر، وحی، فرشتے، کتب سلوویہ، قیامت، حساب و کتاب اور جنت اور دوزخ پر ایمان لانا اور ہر نبی کے زمانہ میں اس زمانہ کے مخصوص حالات، تہذیب اور رسم و رواج کے اعتبار سے عبادت کے جو طریقے مقرر کیے گئے وہ اسی نبی کی شریعت ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ط
ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ شریعت اور راہ
(المائدہ : ۴۸) عمل بنائی ہے۔

زیر بحث آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسانیت کی ابتداء نور اور ہدایت سے ہوئی تھی۔ پھر لوگوں نے شیطانی راستوں اور نفسانی خواہشوں کی بناء پر اس نور کو ظلمت سے بدل لیا۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ

کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تک تم پر ایسی آزمائشیں نہیں آئیں جو

خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمْ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزَلُوا

تم سے پہلے لوگوں پر آتی تھیں، ان پر آفتیں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ اس قدر (بھینچوڑ دیئے گئے کہ

حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ

اس وقت کے رسول اور اس کے ساتھ ایمان والے پکار اُٹھتے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟

اللَّهِ الْآلَآنَ نَصَرَ اللَّهُ قَرِيبٌ ۖ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ

سنو بے شک اللہ کی مدد عنقریب آئے گی یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟

قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ وَالَّذِينَ وَالْأَقْرَبِينَ

آپ کہیے کہ تم ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں اور

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ

سکینوں اور مسافروں پر جو اچھی چیز بھی خرچ کرو گے، تو وہ ان کا حق ہے، اور تم جو نیک کام بھی کرو گے

خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۖ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ

تو بے شک اللہ کو اس کا علم ہے تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تم پر دشوار ہے

كُرْهُ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ

اور ہو سکتا ہے کہ تم پر کوئی چیز شاق محسوس ہو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا

أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

ہے کہ تم کوئی چیز تمہارے نزدیک اچھی ہو اور اللہ ہی کو علم ہے اور تمہیں علم نہیں ہے

راہ حق میں پیش آنے والے مصائب

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ جسے چاہے صرلا مستقیم کی ہدایت دیتا ہے اور صرلا مستقیم پر چلنے سے جنت حاصل ہوتی ہے، اب اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ جنت کے حصول کے لیے صرلا مستقیم پر چلنا آسان نہیں ہے، اس راہ میں بہت مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور بہت مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں، بہت آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے اور بہت قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔

یہ شہادت کہ الفت میں قدم رکھنا ہے۔۔۔ لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

چوں میگویم مسلمانم بلرزم۔۔۔ کہ دائم مشکلات لالہ را

مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی مخالفت، ان کے ساتھ آئے دن کی لڑائیوں، ان کے طعنوں، استہزاء اور ان کی فتنہ سلائیوں سے گھبرانہ جانا بھی تو تمہارا ایسی آزمائشوں سے سبقت نہیں پڑا ہے جن آزمائشوں سے تم سے پہلے مسلمان گزر چکے ہیں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے نبی ﷺ سے شکایت کی اس وقت آپ کعبہ کے سائے میں ایک چادر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے، انہوں نے کہا آپ ہمارے لیے مدد کیوں نہیں طلب کرتے اور ہمارے لیے دعا کیوں نہیں کرتے، آپ نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا اور اس کو گڑھے میں کھڑا کیا جاتا پھر آرے کو اس کے سر پر رکھ کر اس کا سارا جسم چیر دیا جاتا اور یہ چیز اس کو اس کے دین سے نہیں ہٹا سکتی تھی، اور کسی شخص کے جسم کو لوہے کی کنگھی سے چھیل دیا جاتا وہ کنگھی اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں کو کاٹتی ہوئی چلی جاتی اور اس کے پائے ثابت میں جنبش نہیں آتی تھی الحدیث (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطلاع کراچی ۱۳۸۱ھ) اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس آیت کے شان نزول کے متعلق متعدد اقوال ہیں، بعض نے کہا یہ ہجرت کے ابتدائی ایام میں نازل ہوئی، بعض نے کہا، جنگ احد کے موقع پر نازل ہوئی، امام ابن جریر طبری نے قتادہ کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ یہ آیت جنگ خندق کے موقع پر نازل ہوئی (۱) جب ۵ ہجری میں کفار کی متعدد جماعتیں مدینہ پر حملہ آور ہوئیں اور مسلمانوں نے شہر کے گرد خندق کھود کر مدینہ کا دفاع کیا ان دنوں میں سخت سردی پڑ رہی تھی اور مسلمانوں کے پاس ہتھیار اور خوراک کی بہت کمی تھی اور یہود کے تعاون سے مشرکین کے متعدد قبائل نے مرکز اسلام کا محاصرہ کیا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں اس وقت مسلمانوں کی حالت کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے :

إِذْ جَاءُوكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ○ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ○

جب تمہارے اوپر اور نیچے سے کافر تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پتھرا کر رہ گئیں اور دل منہ کو آنے لگے، اور تم اللہ کے متعلق (امید و بیم میں) طرح طرح کے گمان کرنے لگے، یہ وہ وقت تھا جب مسلمانوں کی آزمائش کی گئی تھی اور وہ نہایت سختی

(۱) امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان ج ۲ ص ۱۹۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ

(الاحزاب: ۵) سے منجھوڑے گئے تھے۔

رہ خدا میں مل خرچ کرنے کے مصارف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہیے کہ تم میں باپ، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر جو اچھی چیز بھی خرچ کرو گے تو وہ ان کا حق ہے۔ (البقرہ : ۲۱۵)

اس سورت میں جن چیزوں کو زیادہ اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے، جیسا کہ شروع میں فرمایا تھا و مِمَّا رَزَقْنَهُمْ يُنْفِقُونَ پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو بار بار دہرایا اور حج سے متعلق جن آیات کا ابھی ذکر ہوا ہے، ان میں بھی صدقہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ نیز اس کے بعد آنے والی آیات میں جملہ کا حکم دیا گیا ہے اور جملہ کا عظیم ستون بھی اللہ کی راہ میں مل کو خرچ کرنا ہے، اس لیے اس آیت میں صدقہ اور خیرات کا ذکر فرمایا ہے، نیز اس سے پہلی آیت میں بتایا تھا کہ مصائب پر صبر کرنا دخول جنت کا سبب ہے اور اللہ کی راہ میں مل خرچ کرنا اور اس خرچ کی وجہ سے مل نقصان پر صبر کرنا بھی دخول جنت کا سبب ہے۔ بہ ظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے نبی ﷺ سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ اللہ کی راہ میں کیا چیز خرچ کریں؟ لیکن سوال کے لائق یہ چیز نہیں تھی کہ وہ کیا خرچ کریں بلکہ سوال اس چیز کا کرنا چاہئے تھا کہ وہ اپنے مل کو کس پر خرچ کریں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جواب میں صدقہ کے مادہ کی بجائے پہلے صدقہ کے مصرف کا بیان فرمایا کہ تمہارے صدقات کے مستحق تمہارے والدین، رشتہ دار، یتیم، مسکین اور مسافر ہیں، اس آیت میں صدقہ کی مقدار کو بیان نہیں فرمایا کیونکہ یہ آیت زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے نازل ہوئی تھی اور جب زکوٰۃ فرض ہوئی تو یہ بیان کر دیا گیا کہ کس قدر مل پر کتنا وقت گزرنے کے بعد کتنی مقدار میں زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے اور اس کے کیا کیا مصارف ہیں۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں : سدی نے کہا یہ آیت زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ ابن جریج نے کہا یہ آیت نفلی صدقات سے متعلق ہے اور زکوٰۃ اس کے علاوہ ہے، ابن زید کا بھی یہی قول ہے (جامع البیان ج ۲ ص ۲۰۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ سیوطی ذکر کرتے ہیں :

امام ابن منذر نے امام ابن حبان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو بن جموح نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ ہم اپنے مل میں سے کیا چیز خرچ کریں اور کمال خرچ کریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۳، مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ، ایران)

صدقہ کا مصرف بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے صدقہ کا مادہ بیان فرمایا : تم جو "خیر" بھی خرچ کرو، اور خیر حلال اور طیب چیز ہوتی ہے، حلال سے مراد یہ ہے کہ وہ چیزی فی نفسہ حلال ہو جیسے بکری نہ کہ کتا اور خنزیر، اور طیب سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز حلال ذرائع سے حاصل ہوئی ہو یعنی وہ چوری یا ڈاکہ سے حاصل شدہ بکری نہ ہو اگر وہ چوری یا ڈاکہ سے حاصل شدہ بکری ہے تو وہ فی نفسہ حلال تو ہے لیکن طیب نہیں ہے، اس لیے اللہ کی راہ میں خیر کو خرچ کرو جو حلال اور طیب ہو، اور تم اللہ کی راہ میں جس خیر کو بھی خرچ کرو گے اللہ کو اس کا علم ہے۔

جملہ کی تعریف اور اس کی اقسام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تم پر جملہ فرض کیا گیا ہے اور وہ تم پر دشوار ہے اور ہو سکتا ہے کہ تم پر کوئی چیز شاق گزرے اور

وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز تمہارے نزدیک اچھی ہو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ ہی کو علم ہے اور تمہیں علم نہیں ہے۔ (البقرہ : ۲۱۶)

اس سے پہلے آیت : ۲۱۴ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ جنت میں داخل ہونے کے لیے سختیاں اور مشقتیں برداشت کرنی پڑیں گی، پھر آیت : ۲۱۵ میں اللہ کی راہ میں مل خرچ کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی ایک مشقت ہے۔ اور اب اس آیت میں جہلو کی مزید مشقت برداشت کرنے کا حکم دیا ہے۔ جہلو کا لغوی معنی ہے اللہ کے دشمنوں سے جنگ کرنے میں اپنی پوری وسعت اور طاقت کو خرچ کرنا، اور جہلو کا شرعی معنی ہے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کفار سے جنگ میں اپنی پوری طاقت اور وسعت کو خرچ کرنا۔

جہلو کی دو قسمیں ہیں فرض عین اور فرض کفایہ، اسلام کی تبلیغ کے لیے کافروں کو اسلام کی دعوت دینا اور اگر وہ اسلام کو قبول نہ کریں تو پھر ان کو جزیہ لوانا کرنے کے لیے کہنا اور اگر وہ اس کو بھی قبول نہ کریں تو پھر ان سے جہلو کرنا فرض کفایہ ہے اور اگر کسی اسلامی شہر پر کافر حملہ کریں تو اس شہر کے مسلمانوں پر اپنے شہر کے دفاع کے لیے جہلو کرنا فرض عین ہے اور اگر اس شہر کے مسلمان اپنا دفاع نہ کر سکیں تو اس کے قریب کے شہروالوں پر جہلو کرنا فرض عین ہو جائے گا۔ علیٰ هذا القیاس اگر ایک اسلامی ملک اپنے دفاع کی استطاعت نہ رکھے تو اس کے قریب کے ملک پر جہلو کرنا فرض عین ہو گا۔ علامہ کاسانی حنفی نے لکھا ہے اگر جہلو کے لیے روانہ ہونے کا مسلمانوں کو عام حکم دیا جائے تو جہلو فرض عین ہے اور اگر عام حکم نہ ہو تو جہلو فرض کفایہ ہے اور بعض مسلمانوں کے جہلو کرنے سے باقی مسلمانوں سے جہلو کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۹۸، مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ)

جہلو کرنے میں عزت اور جہلو ترک کرنے میں ذلت کا بیان

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو مکہ میں توحید کا حکم دیا اور نماز پڑھنے کا، زکوٰۃ لوانا کرنے کا حکم دیا اور مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے سے منع کیا، اور جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو باقی فرائض نازل ہوئے اور مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی، تب یہ آیت نازل ہوئی کہ تم پر قتل (جہلو) فرض کر دیا گیا ہے، اور قتل سے ممانعت کے بعد تم کو قتل کی اجازت دے دی گئی ہے اور اگرچہ یہ مبعا "تم پر گراں اور بھاری ہے لیکن انجام کار تمہارے لیے خیر ہے کیونکہ کافروں کو مغلوب کر کے تم ایک اسلامی ریاست قائم کر سکو گے اور آزادی کے ساتھ باعزت طریقہ سے زندگی گزار سکو گے اور اسلام کے تمام احکام پر بے خوف و خطر عمل کر سکو گے، اور جنگ کے ذریعہ تم کو دشمنوں کا جو مل غنیمت حاصل ہو گا اس سے تم پر خوش حلا آئے گی، اور اگر تم راہ حق میں شہید ہو گئے، تو تمہارے لیے بے پناہ اجر ہے اور اگر تم کافروں سے جہلو نہیں کرو گے تو وقتی طور پر تو تمہیں آرام ملے گا لیکن مکہ کار تمہارے ملک پر کافر قبضہ کر کے تمہیں آزادی سے محروم کر دیں گے۔ تمہیں اپنا غلام بنالیں گے اور پھر تم کو ذلت اور خواری کی زندگی گزارنی ہوگی۔

جہلو کے درجات اور اجر و ثواب کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام بیہقی نے (شعب الایمان میں) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ اور اس

کے رسول پر صلوات اللہ علیہ آپ سے کہا گیا کہ پھر کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، آپ سے عرض کیا گیا پھر کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا حج مبرور، امام بیہقی نے شعب اللایمان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل عمل نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

امام ترمذی، امام بزار، امام حاکم اور امام بیہقی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص کا جنگل میں بیٹھے پانی کے ایک چشمہ سے گزر رہا تھا اس نے سوچا کاش میں لوگوں کو چھوڑ کر یہیں رہ جاؤں، میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر یہیں آ جاؤں گا، جب اس نے نبی ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو، ساتھ سل اپنے گھر میں نماز پڑھنے سے تمہارا ایک وقت اللہ کی راہ میں گزارنا افضل ہے، کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے اور تم کو جنت میں داخل کر دے! اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو شخص اونٹنی کا دودھ دوہے جانے کے وقت کے برابر بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

امام طبرانی نے فضالہ بن عبیدہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام کے تین درجے ہیں، 'اوی' اوسط اور 'اعلیٰ' لوئی درجہ کا اسلام یہ ہے جس میں عام مسلمان ہیں تم جس سے بھی سوال کرو گے وہ کہے گا میں مسلمان ہوں! اور اوسط درجہ میں بعض مسلمانوں کے عمل بعض سے افضل ہوتے ہیں اور سب سے اعلیٰ درجہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

امام بزار نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام کے آٹھ حصے ہیں، اسلام (قبول کرنا) ایک حصہ ہے، نماز ایک حصہ ہے، زکوٰۃ ایک حصہ ہے، روزہ ایک حصہ ہے، حج بیت اللہ ایک حصہ ہے، نیکی کا حکم دینا ایک حصہ ہے، برائی سے روکنا ایک حصہ ہے، اور جہاد فی سبیل اللہ ایک حصہ ہے، اور وہ شخص نامراد ہے جس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص جہاد کرنے کی تمنا کئے بغیر مر گیا وہ فقی کے ایک حصہ کے ساتھ مرا ہے۔

امام احمد، امام بخاری، امام ترمذی اور امام نسائی نے عبدالرحمن بن جبران رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے چہرہ اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوئے اللہ ان پیروں پر جنم کی آگ حرام کر دیتا ہے۔ امام حاکم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ تین آنکھیں ایسی ہیں جن کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں نکل دی گئی، دوسری وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں جاگتی رہی اور تیسری وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روٹی رہی۔

امام عبدالرزاق، امام احمد، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن حبان، امام حاکم اور امام بیہقی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اونٹنی کا دودھ دوہنے کے برابر وقت میں جہاد کیا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی اور جس شخص نے صدق دل سے شہادت کے حصول کی دعا کی وہ مرجائے یا قتل کر دیا جائے اس کو شہادت کا اجر ملے گا اور جو اللہ کی راہ میں زخمی ہوا وہ قیامت کے دن اسی طرح زخمی اٹھے گا اس کے خون کا رنگ زعفران کی طرح ہو گا اور اس سے ملک کی خوشبو آ رہی ہو گی۔

لام مسلم، لام ترفی اور لام حاکم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے دروازے تلواروں کے سایوں کے نیچے ہیں۔

لام طبرانی نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت کیا ہے کہ جو قوم جہلو کو ترک کر دیتی ہے اللہ اس پر عام عذاب بھیجتا ہے۔ لام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب لوگ دنیا داری، روپے پیسے اور کھیتی باڑی میں منہمک ہو جائیں اور اللہ کی راہ میں جہلو کو ترک کر دیں اور بیع عینہ کریں، تو اللہ تعالیٰ ان پر مصیبتیں نازل فرماتا ہے اور جب تک وہ اپنے دین کی طرف رجوع نہ کریں وہ مصیبتیں ان سے دور نہیں کرتی۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۹-۲۴۲ مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ

لوگ آپ سے ماہ حرام میں جنگ کے متعلق پوچھتے ہیں، آپ کہیے کہ اس ماہ میں جنگ کرنا، بڑا گناہ ہے، اور

كَبِيرٌ وَصَدَّا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

(لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکنا، اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام جانے سے روکنا اور

إِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقِتَالِ

ساکنین حرم کو وہاں سے نکالنا، اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ بڑا گناہ ہے، اور فساد ڈالنے کا گناہ قتل سے زیادہ بڑا ہے،

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ

اور وہ (کافرا تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے، حتیٰ کہ اگر ان کے بس میں ہو تو وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں،

أَسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فِيمَتٌ

اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور وہ حالت کفر میں ہی مر گیا تو

كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ

ان لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور وہ لوگ

أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ

جہنمی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے بے شک جو لوگ ایمان لائے

هَاجِرُوا وَجْهًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ

اللہ انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ لوگ اللہ کی رحمت کی امید

اللَّهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢١٨﴾

رکھتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے

ربط آیات اور مشن نزول

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر قتل اور جملہ کو فرض کر دینے کے متعلق آیات نازل کی تھیں، اس لیے یہاں اس سوال کی گنجائش تھی کہ آیا حرمت والے مہینے میں بھی قتل جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے احوال پر نظر رکھنے کے لیے حضرت عبداللہ بن محسّس کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا تھا۔ اس لشکر میں سے ایک شخص نے عمرو بن حفص بن امیہ کے ایک مشرک کو قتل کر دیا، مورخین کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے یہ لشکر جمادی الاخریٰ میں بھیجا تھا یا رجب میں، بہر حال عمرو بن حفص کا قتل رجب میں ہوا (اور وہ حرمت والا مہینہ ہے) اس پر مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض کیا کہ ایک طرف تو محمد (ﷺ) اللہ کے دین پر عمل کی دعوت دیتے ہیں اور ان کے پیروکاروں کا یہ مل ہے کہ انہوں نے ماہ حرام میں ایک شخص کو قتل کر دیا، حالانکہ حرمت والے مہینے میں قتل کرنا ملت ابراہیم کے مطابق حرام ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ یہ لوگ آپ سے ماہ حرام میں جنگ کے متعلق پوچھتے ہیں، آپ کہیے کہ اس ماہ میں قتل کرنا بدگناہ ہے، لیکن لوگوں کو اسلام کے قبول کرنے سے منع کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور لوگوں کو مسجد حرام میں جانے سے روکنا اور ساکنین حرم کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے۔ تو جو لوگ ان بڑے گناہوں میں ملوث ہیں وہ کس منہ سے ماہ حرام میں قتل کے متعلق سوال کرتے ہیں! حضرت عبداللہ بن محسّس کے لشکر کی تفصیل امام ابن جریر طبری نے اس طرح بیان کی ہے :

حفصی کے قتل کی تاریخ کی تحقیق

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رجب میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن محسّس کو آٹھ مہاجرین کے ساتھ روانہ کیا، اور ولقدی کا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ بارہ مہاجرین کو روانہ کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن محسّس کو ایک خط دیا اور فرمایا دو دن سفر کرنے کے بعد اس خط کو کھول کر پڑھنا اور اس میں درج ہدایت پر عمل کرنا اور کسی کو مجبور نہ کرنا، اس خط میں لکھا تھا کہ تم غلہ (مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام) پہنچ جاؤ، قریش کا ایک قافلہ وہاں سے گزرے گا تم اس کی گھلت لگا کر بیٹھو اور اس کے احوال کی خبر ہمیں پہنچاؤ، حضرت عبداللہ بن محسّس نے خط پڑھ کر اپنے اصحاب کو سنا وہ سب بہ خوشی ان کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئے۔ جب وہ معدن میں پہنچے تو حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عتبہ بن غزوہ ان کے لونٹ گم ہو گئے وہ دونوں اپنے اپنے لونٹوں کی تلاش میں نکل گئے اور حضرت عبداللہ بن محسّس اپنے بقیہ اصحاب کے ساتھ غلہ میں پہنچ گئے، وہاں سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ گزرا جس میں خوراک اور دیگر تجارتی سامان تھا، اس قافلہ میں عمرو بن العاص، عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اس کا بھائی نوفل وغیرہ تھے۔

مسلمانوں نے ان کو دیکھ کر انہیں دھمکیاں اور اس قافلہ کو روک لیا اور ان کے متعلق غور کیا اس دن رجب کی آخری تاریخ تھی، بعض نے کہا اگر تم نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ حرم میں پہنچ جائیں گے اور تم سے محفوظ ہو جائیں گے، اور اگر تم نے ان سے جنگ کی تو تم ماہ حرام میں جنگ کرنے کا ارتکاب کرو گے۔ وہ بلاخر اس نتیجے پر پہنچے کہ ان سے جنگ کی جائے اور جس کو قتل کر سکیں اس کو قتل کر دیں باقی کو گرفتار کر لیں اور ان کا مل لوٹ لیں، پھر حضرت ولید بن عبد اللہ حمیری نے تیر مار کر عمرو بن الحضری کو قتل کر دیا اور عثمان بن عبد اللہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا، اور نوفل بن عبد اللہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا، حضرت عبد اللہ بن محسب اس قافلہ کے سلمان اور دو قیدیوں کو لے کر اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے، ان لوگوں نے اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے الگ کر لیا تھا اور باقی آپس میں تقسیم کر لیا تھا، یہ اسلام میں پہلا مال غنیمت اور پہلا خمس تھا، جب یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا میں نے تم کو ماہ حرام میں قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، ان کا قافلہ اور دو قیدی وہیں ٹھہرے رہے آپ نے اس میں سے کسی چیز کو بھی لینے سے انکار کر دیا، اس وقت ان مسلمانوں کو بہت پشیمانی ہوئی اور دیگر مسلمانوں نے بھی ان کو ملامت کی اور کہا تم نے وہ کام کیا ہے جس کا تمہیں حکم نہیں دیا گیا تھا، تم نے ماہ حرام میں قتل کیا حالانکہ تم کو لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، لوہر قریش نے طعنہ دیا کہ محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب نے ماہ حرام کو حلال کر لیا ہے اور اس ماہ میں خون ریزی کی ہے اور لوٹ مار کی ہے لوہر یہودیوں نے اس واقعہ کو خوب اچھلا اور کہا وائد بن عبد اللہ نے جنگ کی آگ بھڑکادی ہے اور حضری کے قتل سے جنگ کی نوبت آگئی ہے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ تم سے ماہ حرام میں قتل کے متعلق دریافت کرتے ہیں ان سے کہیں کہ یہ گناہ ہے اور اس سے بھی بڑا گناہ وہ ہے جو تم کر رہے ہو لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے ہو، اللہ کا کفر کرتے ہو، مسلمانوں کو مسجد حرام جانے نہیں دیتے اور ساکنین حرم کو وہیں سے نکالتے ہو، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں کا غم دور ہوا، رسول اللہ ﷺ نے اس قافلہ اور قیدیوں پر قبضہ کر لیا، قریش نے ان دو قیدیوں کا فدیہ بھیجا آپ نے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا، ان میں سے حکم بن کیسان مسلمان ہو گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ منورہ ہی میں رہے حتیٰ کہ بیر معونہ کے واقعہ میں شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ

(تاریخ الامم والملوک ج ۲ ص ۳۶-۳۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابن اثیر جزری نے بھی اسی طرح اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اس کے بعد لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ جس دن حضری کو قتل کیا گیا وہ جمادی کا آخری دن تھا اور رجب کی پہلی شب تھی۔

(الکامل فی التاريخ ج ۲ ص ۸۰، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۰ھ)

حافظ ابن کثیر نے ابن اسحاق کے حوالے سے پہلی اور امام احمد اور امام بیہقی کے حوالے سے دوسری روایت لکھی

ہے اور لکھا ہے کہ اللہ ہی جانتا ہے کون سی روایت صحیح ہے (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۵۲-۲۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ)

اکثر و بیشتر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کو مغالطہ ہو گیا تھا انہوں نے سمجھا کہ یہ جملوی کی آخری تاریخ ہے

لیکن درحقیقت وہ رجب کی پہلی تاریخ تھی، اور انہوں نے دانستہ ماہ حرام میں قتل نہیں کیا تھا، لیکن قرآن مجید کی اس آیت

سے ابن اسحاق کی روایت کی تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے دانستہ ماہ حرام میں قتل کیا تھا، تب ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ٹھیک

ہے یہ فعل گناہ ہے لیکن جو تم کر رہے ہو وہ اس سے بڑھ کر گناہ ہے اور امام ابن جریر طبری اور علامہ جزری وغیرہم نے اسی

حرمت والے مہینوں میں ممانعت قتل کے منسوخ ہونے کی تحقیق

چار مہینوں میں جنگ کرنا حرام ہے، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب، اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تین مہینوں میں لوگ حج کے لیے اور حج سے واپسی کا سفر کرتے ہیں اور رجب میں عمرہ کا سفر کرتے ہیں ان مہینوں کو اشہر حرام (حرمت والے مہینے) کہتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ ہی سے ان مہینوں میں جنگ نہ کرنے کا دستور چلا آ رہا تھا تاکہ لوگ زمانہ امن میں حج اور عمرہ کا سفر کریں، اس میں اختلاف ہے کہ یہ حرمت اب بھی قائم ہے یا منسوخ ہو گئی، جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ حرمت منسوخ ہو گئی اور ان کی دلیل یہ آیت ہے :

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبہ : ۵)

تم مشرکین کو جہاں پاؤ انہیں قتل کرو۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں ہر جگہ مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور ہر جگہ ان کو قتل کرنے کا عموم اس بات کو مستلزم ہے کہ ہر زمانہ اور ہر وقت میں ان کو قتل کیا جائے اور ہر زمانہ میں حرمت والے مہینے بھی داخل ہیں لہذا ان مہینوں میں بھی مشرکین کو قتل کیا جائے گا اس سے ظاہر ہوا کہ ان مہینوں میں قتل کرنے کی حرمت اب منسوخ ہو گئی۔ علامہ ابوالیمان اندلسی لکھتے ہیں :

ایک قول یہ ہے کہ ان مہینوں میں قتل کی حرمت اس سے منسوخ ہو گئی کہ نبی ﷺ نے ثقیف سے ماہ حرام میں قتل کیا تھا اور آپ نے ماہ حرام میں قتل کے لیے ابو عامر کو لوٹاس روانہ کیا تھا۔

عطائے کہا ہے کہ یہ حرمت منسوخ نہیں ہوئی وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ لوگوں کے لیے حرم میں اور حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنا جائز نہیں لایہ کہ ان کو مدافعتانہ جنگ کرنی پڑے، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے لایہ کہ آپ سے جنگ کی جائے اور آپ کو مدافعتانہ جنگ کرنی پڑے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان مہینوں میں جنگ کرنا گنہ کبیرہ ہے۔

اس آیت کا غیر منسوخ ہونا اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ابن وہب نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عری کے قتل کی رست لوانی اور مل غنیمت اور دونوں قیدیوں کو واپس کر دیا، نیز اس کے بعد جو قتل کی آیات نازل ہوئیں وہ زمانہ کے اعتبار سے عام ہیں اور یہ آیت خاص ہے اور عام خاص کو بالاتفاق منسوخ نہیں کرتا۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۳۸۵-۳۸۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

ہمارے ائمہ احناف کے نزدیک خاص کو عام سے منسوخ کرنا جائز ہے اور حضرت ابن عباس سے اس آیت کے حعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا یہ آیت منسوخ ہے اور ماہ حرام میں قتل کرنا جائز ہے، البتہ عطائے اس میں اختلاف کیا ہے۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۰۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ قرطبی مالکی کہتے ہیں :

جمہور کے نزدیک اس آیت کا حکم منسوخ ہے۔ البتہ عطائے اس میں اختلاف کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۳)

ص ۳۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو اربن)

علامہ بلوردی شافعی لکھتے ہیں :

زہری نے کہا حرمت والے مبینوں میں قتل کی ممانعت کا حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً (التوبہ : ۳۶)

ہیں۔

لور عطانے کہا یہ حکم منسوخ نہیں ہوا لور پہلا قول صحیح ہے کیونکہ بہ کثرت احادیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے حوازن سے حنین میں لور ثقیف سے طائف میں ان مبینوں میں جنگ کی لور آپ نے ابو العاص (یا ابو عامر) کو لو طاس میں ان مبینوں میں جنگ کے لیے بھیجا لور قریش سے قتل کے لیے بیعت رضوان بھی ذوالقعدہ میں ہوئی تھی۔

(الکت والعیون ج ۱ ص ۲۷۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں :

عطا قسم کھا کر کہتے تھے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی، لور سعید بن مسیب لور سلیمان بن یسار یہ کہتے تھے کہ ماہ حرام میں قتل کرنا جائز ہے وہ سورہ توبہ : ۱۹ لور توبہ : ۵ سے استدلال کرتے ہیں، جن میں مشرکین سے بالعموم قتل کرنے کا حکم دیا ہے، لور تمام شہروں کے فقہاء کا یہی قول ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۷۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

قاضی ثناء اللہ مظہری کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے، ان کے نزدیک ان مبینوں میں ابتداء قتل کرنا جائز نہیں ہے البتہ مدافعتہ جنگ جائز ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ

(التوبہ : ۳۶)

لیکن قاضی مظہری نے اس آیت کے دوسرے حصے پر غور نہیں کیا جس سے جمہور ان مبینوں کی حرمت کے منسوخ ہونے پر استدلال کرتے ہیں وہ یہ ہے :

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً (التوبہ : ۳۶)

کرتے ہیں۔

قاضی مظہری نے لکھا ہے کہ خاص کا عام سے منسوخ ہونا قطعی نہیں ہے، شوافع کا اس میں اختلاف ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۱ ص ۲۶۱-۲۶۲، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ)

لیکن انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ شوافع کے نزدیک بھی یہ آیت منسوخ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حرمت والے مبینوں میں قتل کیا ہے اس کے معارض انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے طائف کا محاصرہ شوال میں کیا تھا، لیکن یہ جمہور کے خلاف نہیں ہے کیونکہ جمہور نے یہ کہا ہے کہ طائف اور حنین کی جنگیں شوال سے لے کر ذوالقعدہ کے

بعض ایام تک جاری رہیں اور ذوالقعدہ حرام ہے۔

ایام امن جریر طبری لکھتے ہیں :

ہم نے جو کہا ہے کہ سورہ توبہ : ۳۶ سے یہ آیت منسوخ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بہ کثرت احادیث مشورہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے حوازن سے حنین میں اور ثقیف سے طائف میں جنگ کی اور ابو عامر کو مشرکین سے جنگ کے لیے طائف میں بھیجا اور یہ جنگیں شوال اور ذوالقعدہ کے بعض ایام میں ہوئیں 'اور ذوالقعدہ حرام ہے' اگر ان مہینوں میں قتل اور جملہ حرام اور گنہ ہوتا تو نبی ﷺ ان مہینوں میں قتل نہ کرتے کیونکہ آپ سب سے زیادہ حرام اور معصیت سے اجتناب کرنے والے تھے 'دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے تمام جامعین اس پر متفق ہیں کہ قریش کے خلاف جنگ کرنے کی بیعت رضوان ذوالقعدہ میں منعقد ہوئی تھی اگر بالفرض حضرت عثمان کو کفار قریش نے قتل کر دیا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ان کا قصاص لینے کے لیے ان سے ذوالقعدہ میں جنگ کرتے اور وہ حرام ہے 'اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ان مہینوں میں قتل کرنا ان مہینوں میں جنگ کو حرام قرار دینے سے پہلے ہے تو وہ جاہل ہو گا کیونکہ زیر بحث آیات جس میں ان مہینوں میں قتل کو برا گنہ فرمایا ہے اس وقت نازل ہوئی جب حضرت عبداللہ بن محسبؓ کے لشکر کے ایک مسلمان نے عمرو بن الحضری کو قتل کر دیا تھا 'اور یہ واقعہ دو ہجری جملوی الاخرہ کا ہے اور حنین اور طائف کا واقعہ شوال و ذوالقعدہ آٹھ ہجری کو پیش آیا۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۰۶ 'مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

ہمارے نزدیک اس بحث میں جمہور کا قول صحیح ہے جن کے نزدیک ان مہینوں میں جنگ کی حرمت منسوخ ہے اور علامہ قاضی مظہری کی رائے صحیح نہیں ہے۔

جب کہ کفار کا مسلمانوں سے قتل کرنا صرف اس لیے تھا کہ ان کو دین حق سے پھیر کر دین باطل پر کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ کافر تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے 'حتیٰ کہ اگر ان کے بس میں ہو تو وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اور جب وہ دین باطل پر ہونے کے بلوجود تم کو دین سے پھیرنے کی سعی کرتے ہیں تو تم دین حق پر ہونے کی وجہ سے اس بات کے زیادہ حقدار ہو کہ تم ہمیشہ دین حق پر قائم رہو 'اور ان کو کامیاب نہ ہونے دو کیونکہ تمہارا اعتقاد اللہ پر ہے اور ان کا اعتقاد اپنی قوت پر ہے اور جو اپنے آپ پر اعتقاد کرے وہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جو شخص کفر کے ڈالے ہوئے شہادت کا شکار ہو گیا اور دین حق سے مرتد ہو گیا اس کا کیا حکم ہے!

مرتد کی تعریف اور اس کا شرعی حکم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور وہ حالت کفر میں ہی مر گیا تو ان لوگوں کے نیک اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہ لوگ جنسی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (البقرہ : ۲۱۷)

جو مسلمان صاحب عقل ہو 'مکلف ہو' اور بغیر نیند اور نشہ کے دین اسلام سے منحرف ہو کر کوئی اور دین قبول کر لے وہ مرتد ہے 'علم ازیں کہ اس کا کفر کو اختیار کرنا قولاً ہو یا فعلاً 'اور علم ازیں کہ اس کا قول سنجیدگی سے ہو یا استہزاء یا متلاً ہو۔

علامہ شمس الدین سرخسی حنفی لکھتے ہیں :

جب کوئی مسلمان معتاد اللہ مرتد ہو جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے اور اسلام کے خلاف جو اس کے شہادت ہیں

ان کو زائل کیا جائے اگر وہ مسلمان ہو جائے تو فیماوردہ اس کو اسی جگہ قتل کر دیا جائے، البتہ اگر وہ ملت طلب کرے تو اس کو تین دن کی ملت دی جائے حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت معاذ وغیرہم سے موسیٰ ہے کہ مرتد کو قتل کرنا واجب ہے۔ (المبسوط ج ۱۰ ص ۹۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت معاذ، حضرت ابو موسیٰ، حضرت ابن عباس اور حضرت خالد رضی اللہ عنہم سے مرتد کو قتل کرنے کا حکم مقول ہے اور اس کا انکار نہیں کیا گیا لہذا قتل مرتد پر اجماع ہو گیا۔ (المغنی ج ۹ ص ۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ھ)

قتل مرتد پر قرآن اور سنت سے دلائل

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ
سَتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْمٍ أُولَىٰ بَأْسٍ شَدِيدٍ
نُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ (الفتح : ۲۱)

ان پیچھے رہنے والے رہتلیوں سے آپ فرما دیجئے عنقریب تم ایک ایسی قوم (مرتدین اہل بھارہ) کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت جنگجو ہوگی تم ان سے لڑتے رہو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔

اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ مرتدین کے لیے صرف دو راستے ہیں یا ان سے جنگ کی جائے یا وہ مسلمان ہو جائیں، تیسری کوئی صورت نہیں ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام ابو داؤد (۱)، امام ترمذی (۲)، امام نسائی (۳)، امام ابن ماجہ (۴)، اور امام احمد (۵) نے بھی روایت کیا ہے۔

امام مالک روایت کرتے ہیں :

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کی گردن اڑا دو۔ (موطا امام مالک ص ۶۳۱، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور)

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں :

حضرت معاویہ بن حیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے دین کو تبدیل کرے اس کو قتل کر دو۔ (المصنف ج ۱۰ ص ۲۱۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔

(المصنف ج ۱۰ ص ۲۳۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۰۶ھ)

(۱) امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۳۲، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ

(۲) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۳۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۳) امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۹۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۴) امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۸۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۵) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۱ ص ۳۲۲، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲، ج ۵ ص ۲۳۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

مرتد کو قتل کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور فقہاء احناف کے دلائل

علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ امام احمد، امام مالک، اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ مرتد خواہ مرد ہو یا عورت اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو۔ اور امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ صحابہ میں سے حضرت علی اور تابعین میں سے حسن بصری اور قتادہ کا یہی موقف ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عورت کو قتل نہ کرو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۴) اور جب عورت کو کفر اصلی کی وجہ سے قتل نہیں کیا جاتا تو کفر طاری کی وجہ سے بھی قتل نہیں کیا جائے گا، نیز حضرت ابو بکر نے بنو حنیفہ کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا تھا اور ان میں سے ایک عورت حضرت علی کو دی تھی، جس سے محمد بن حنیفہ پیدا ہوئے اور حضرت ابو بکر نے محضر صحابہ میں یہ کلام کیا تھا، اس لیے اس پر اجماع ہو گیا۔ (المنہج ج ۹ ص ۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ) امام دار قطنی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب عورتیں اسلام سے مرتد ہو جائیں تو ان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۸۸، مطبوعہ نشر السنتہ ملتان)

اس حدیث کو امام محمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (کتاب الآثار ص ۳۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۷ھ)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب عورتیں اسلام سے مرتد ہو جائیں تو ان کو قتل نہیں کیا جائے گا لیکن ان کو قید کیا جائے گا اور ان کو اسلام کی دعوت دی جائے گی۔ امام ابن ابی شیبہ نے عطا اور حسن سے بھی اس قول کو روایت کیا ہے۔

کیا مرتد کو قتل کرنا آزادی فکر کے خلاف ہے؟

بعض مخالفین اسلام اور مستشرقین قتل مرتد کے حکم پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ حکم آزادی فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے فکر کو علی الاطلاق اور بے لگام نہیں چھوڑا مثلاً اگر کسی شخص کا یہ نظریہ ہو کہ زنا کرنا اور چوری کرنا درست ہے تو کیا اس کو مسلمانوں کی لڑکیوں سے بدکاری کرنے اور اموال چرانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے گا؟ اور اگر کسی کا یہ نظریہ ہو کہ قتل کرنا درست ہے تو اس کو قتل کرنے کے لیے بے ہمار چھوڑ دیا جائے گا؟ اور اگر ان اخلاقی مجرموں کو سزا دی جائے تو کیا یہ آزادی فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف ہوگا؟

تمام دنیا کے ملکوں میں یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص حکومت وقت کے خلاف بغاوت کرے اور حکومت کو الٹنے اور اختلاب کے پروگرام بنائے تو ایسے شخص کو پھانسی کی سزا دی جاتی ہے پھر کیا ایسے شخص کو موت کی سزا دینا آزادی فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف نہیں ہے؟ جب کہ تمام دنیا میں باغیوں اور ملک کے غداروں کو موت کی سزا دی جاتی ہے اور جب ملک کے غدار کو موت کی سزا دینا حریت فکر اور آزادی رائے کے خلاف نہیں ہے تو دین کے غدار کو موت کی سزا دینا کیونکر آزادی رائے کے خلاف ہو سکتا ہے!

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں نصف اور امن کے لیے آزادی رائے اور حریت فکر کو بے لگام اور بے ہمار نہیں چھوڑا جاسکتا ورنہ کسی کی جان، مل، عزت اور آہو کا کوئی تحفظ نہیں ہوگا، اس لیے ضروری ہے کہ فکر اور اعتقاد کے لیے حدود اور

قیود مقرر کی جائیں اور ان حدود کا تقریر یا قتل محض سے ہو گا یا وحی الہی سے، اگر ان حدود کا تقریر محض سے کیا جائے تو ان حدود میں غلطی، خطاء، ظلم اور جور کا امکان ہے۔ اس لیے ان حدود اور قیود میں وحی پر اکتفا کرنا ہو گا اور یہ وحی الہی ہے جس نے مرتد کی سزا قتل کرنا بیان کی ہے، جیسا کہ ہم قرآن مجید، احادیث صریحہ، اور آثار صحابہ و تابعین سے واضح کر چکے ہیں۔

بعض مستشرقین کہتے ہیں کہ مرتد کو قتل کی سزا دینا خود قرآن مجید کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے: لا اکراہ فی الدین (البقرة: ۲۵۶) ”دین (قبول کرنے) میں جبر نہیں ہے۔“ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت کافر اصلی کے متعلق ہے یعنی جو ابتداءً ”کافر ہو مرتد کے بارے میں نہیں ہے کیونکہ پوری آیت اس طرح ہے:

لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ - قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ - فَمَنْ يَکْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَهَا
 دین (قبول کرنے) میں جبر نہیں ہے، ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے جو شخص شیطان کے حکم کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو بے شک اس نے ایسا مضبوط دستہ تھام لیا جو (البقرة: ۲۵۶) کبھی نہیں ٹوٹے گا۔

ارتداد سے نیک عمل ضائع ہونے کے متعلق مذاہب فقہاء

امام شافعی کے نزدیک ارتداد سے نیک عمل اس وقت تک باطل نہیں ہوتے جب تک اس شخص کی موت ارتداد پر نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور وہ حالت کفر میں ہی مر گیا تو ان لوگوں کے نیک اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے لہذا ایک شخص نے وضو کیا اور وہ معاذ اللہ مرتد ہو گیا پھر وضو ٹوٹنے سے پہلے وہ مسلمان ہو گیا تو وہ اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے حج کر لیا اور پھر وہ مرتد ہو گیا اور دوبارہ پھر مسلمان ہو گیا تو اب اگر وہ صاحب استطاعت ہے تو اس پر دوبارہ حج فرض نہیں ہو گا، اسی طرح اگر کوئی صحابی العیاذ باللہ مرتد ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد دوبارہ مسلمان ہو گیا تو وہ بدستور صحابی ہے، اور امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک صرف ارتداد سے نیک عمل ضائع ہو جاتے ہیں لہذا اگر کسی شخص نے وضو کیا اور مرتد ہو گیا تو اس کا وضو ٹوٹ گیا، اگر اس نے حج کیا تھا تو وہ ضائع ہو گیا اور مسلمان ہونے کے بعد صاحب استطاعت ہونے کے بعد اس پر از سر نو حج اسلام فرض ہو گا۔ اسی طرح جو صحابی العیاذ باللہ مرتد ہو گیا تو اس کا شرف صحابیت باطل ہو گیا اب اگر وہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مسلمان ہوا ہے تو وہ تابعی کہلائے گا صحابی نہیں ہو گا۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں دو جرم اور دو سزائیں بیان کی ہیں ایک جرم ہے مرتد ہونا، دوسرا جرم ہے تاحیات مرتد رہنا اور ارتداد پر ہی مرنا اور رجوع الی الاسلام نہ کرنا، اور ایک سزا ہے ان کے نیک اعمال کا ضائع ہونا، اور دوسری سزا ہے ہمیشہ جہنم میں رہنا۔ پہلی سزا کا تعلق پہلے جرم کے ساتھ ہے اور دوسری سزا کا تعلق دوسرے جرم کے ساتھ ہے یعنی مرتد ہونے سے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے اور اگر وہ مرتد دم تک مرتد رہا تو جہنمی ہو گا۔ اب ہم اس چیز کو مفسرین اور فقہاء کے حوالوں سے بیان کرتے ہیں۔

قاضی بیضاوی شافعی لکھتے ہیں:

نیک اعمال کے ضائع ہونے کے لیے ارتداد کو موت کے ساتھ مقید فرمایا ہے جیسا کہ امام شافعی کا مذہب ہے۔

(انوار التنزیل ص ۴۷، دار فرائس للنشر والتوزیع مصر)

خاصی ہو کہ میں اس کی مالکی لکھتے ہیں:

ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ نفس ارتد لو سے نیک عمل ضائع ہوتے ہیں یا جب تک ارتد لو پر اس کی موت نہ ہو نیک عمل ضائع نہیں ہوتے، لام شافعی کے نزدیک جب تک وہ تدم مرگ مرتد نہ رہے اس کے نیک عمل ضائع نہیں ہوتے اور لام مالک کے نزدیک نفس ارتد لو سے نیک عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ ثمر اختلاف یہ ہے کہ ایک آدمی نے حج کیا پھر مرتد ہو گیا پھر مسلمان ہو گیا تو لام مالک کے نزدیک اس پر دوبارہ حج فرض ہے کیونکہ اس کا حج مرتد ہونے سے باطل ہو گیا اور لام شافعی کے نزدیک اس کا حج باقی ہے ضائع نہیں ہوا اس لیے اس پر دوبارہ حج فرض نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ

اگر آپ نے (بہ فرض محل) شرک کیا تو آپ کے (نیک)

(الزمر: ۲۵) عمل ضائع ہو جائیں گے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نفس ارتد لو سے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس آیت میں خطاب آپ سے ہے اور مراد آپ کی امت ہے کیونکہ آپ کا مرتد ہونا شرعاً محل ہے۔ شافعی یہ کہتے ہیں بلکہ اس آیت میں آپ ہی مراد ہیں اور یہ آیت بہ طور تعلیل ہے کہ جب نبی ﷺ کو ان کے بلند مرتبہ کے بلوغ یہ فرمایا ہے کہ اگر آپ نے بھی شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے تو تمہاری کیا حیثیت ہے! (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۰۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۸ھ)

(اللہ جانے اس تقریر سے لام شافعی کا مدعا کیسے پورا ہو گا۔) ہمارے موقف پر یہ آیات بالکل واضح ہیں:

وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ

اور جس نے ایمان لانے سے انکار کیا تو اس کا نیک عمل

ضائع ہو گیا۔

وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے نیک اعمال ضائع ہو

جاتے (الانعام: ۸۸)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ

اے ایمان والو! اس نبی کی آواز پر آواز بلند نہ کرو اور ان کے

سامنے بلند آواز سے اس طرح باتیں نہ کرو جس طرح تم ایک

دوسرے سے بلند آواز سے باتیں کرتے ہو ورنہ تمہارے نیک

عمل ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں شعور بھی نہیں ہو گا۔

(الحجرات: ۲)

یعنی اگر کسی نے نبی ﷺ سے (گستاخانہ لہجہ میں) بلند آواز سے بات کی تو وہ مرتد ہو جائے گا اس کے نیک عمل ضائع ہو جائیں گے۔ ان تمام آیات میں نیک اعمال ضائع ہونے کا سبب نفس ارتد لو کو قرار دیا ہے اور اس کو موت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا اور یہ ائمہ ثلاثہ کے موقف پر واضح دلیل ہیں۔

علامہ ابن قدامہ ضلی لکھتے ہیں:

اگر کوئی مسلمان مرتد ہو گیا تو وہ وضو کے بغیر نماز نہیں پڑھ سکتا خواہ اس نے ارتد لو سے پہلے وضو کیا ہو، لام ابو حنیفہ

لام مالک اور لام شافعی نے کہا ارتد لو سے اس کا وضو باطل نہیں ہو گا۔ (المغنی ج ۱ ص ۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ کو یہاں بیان مذہب میں تسامح ہوا ہے، لام ابو حنیفہ اور لام مالک کے نزدیک بھی اس کا وضو باطل

ہو گیا۔ البتہ امام شافعی کے نزدیک اس کا وضو نہیں ٹوٹا۔

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

امام شافعی کے نزدیک ارتدلو پر موت سے نیک عمل ضائع ہوتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف ارتدلو سے نیک عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ ثنوا اختلاف یہ ہے کہ ایک شخص نے مثلاً ظہر کی نماز پڑھی اور مرتد ہو گیا اور ظہر کا وقت ختم ہونے سے پہلے دوبارہ مسلمان ہو گیا تو امام شافعی کے نزدیک اس پر ظہر کی نماز کا اعلاہ نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر ظہر کی نماز کا اعلاہ ہے کیونکہ ارتدلو سے اس کی پہلے پڑھی ہوئی نماز باطل ہو گئی۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۳۳۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

دارالاسلام، دارا کفر اور دارالحرب کی تعریفات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہ لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ (البقرہ: ۲۱۸)

پہلے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا بیان فرمایا تھا جن کے لیے قطعی طور پر جنم ہے، اب ان لوگوں کا بیان فرما رہا ہے جو جنت کی امید رکھنے کے حقدار ہیں۔ مسلمانوں پر پہلے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا اور فتح مکہ کے بعد یہ ہجرت منسوخ ہو گئی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے۔ (۱) البتہ جب کبھی کہیں مکہ جیسے حالات پیدا ہو جائیں جہاں اس کا ایمان، جان، مال اور عزت محفوظ نہ ہو تو اس کے لیے وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہے۔ آج کل جس قدر کافر ملک ہیں کسی میں ایسے حالات نہیں ہیں، ہو سکتا ہے اسرائیل میں یہ کیفیت ہو۔ اس لیے ان ممالک سے ہجرت کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ برطانیہ، مغربی جرمنی، کینیڈا، فرانس اور ہالینڈ میں رہنے والے مسلمان پاکستان سے زیادہ مامون اور محفوظ ہیں، یہ تمام ملک دارا کفر ہیں اور جن ملکوں سے بالفعل حالت جنگ برپا ہو وہ دارالحرب ہیں اور جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور ان میں نظام اسلام جاری کرنے کی اہلیت ہو وہ دارالاسلام ہیں۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَ

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے

مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ

اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے (بھی) ہیں، اور ان کا گناہ ان کے فائدہ سے زیادہ بڑا ہے، اور یہ آپ سے سوال کرتے ہیں

مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ

کہ کیا چیز خرچ کریں، آپ کہیے کہ جو ضرورت سے زائد ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ اپنی

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱۹﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط وَ

آیت بیان فرماتا ہے تاکہ تم تدبر کرو دنیا اور آخرت کے کاموں میں اور

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى ط قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ ط وَإِنْ

یہ لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کیسے کہ ان کی خیر خواہی کرنا بہتر ہے اور اگر تم اپنا اور ان کا خرچ

تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ط وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمَصْلِحِ ط

مشرک رکھو (تو کوئی سراج نہیں ہو وہ تہلکے بھائی ہی تو ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ کون خیر خواہی کر رہا ہے اور کون بدخواہی کرنے والا،

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَاعْنَتَكُمْ ط إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۲۰﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو فوراً مٹی میں ڈال دیتا۔ بے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے

قرآن مجید سے خمر (شراب) کی تحریم کا بیان

اس سے پہلی آیت میں جملہ کا بیان کیا گیا تھا، اور عربوں میں شراب پینے کا عام رواج تھا اور شراب اور جملہ دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے کیونکہ شراب کے نشہ میں انسان کو اپنے پرانے کی تمیز نہیں رہتی تو ایسا شخص کافروں سے جملہ کب کر سکتا ہے۔ نیز وہ شراب کے نشہ میں جوا کھیل کر رہتا ہے اور جیتی ہوئی رقم غریبوں میں تقسیم کرتے تھے اور بہ ظاہر یہ اچھا کام تھا اس لیے صحابہ نے ان دونوں کا حکم معلوم کیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اگرچہ اس میں کچھ لوگوں کا فائدہ ہے لیکن ان کا نقصان زیادہ ہے کیونکہ شراب کے نشہ سے عقل زائل ہو جاتی ہے اور انسان جھوٹ بولتا ہے اور کالم گلوچ کرتا ہے اور جوئے کے ذریعہ دو سروں کا مل ہتھیالیتا ہے۔

لہذا ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

زید بن علی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خمر (شراب) کے متعلق تین آیتیں نازل کی ہیں، ایک یہ آیت ہے (شراب پینے سے وقتی جوش اور بیجان پیدا ہوتا ہے اور جوئے کے ذریعہ آسانی سے جیتی ہوئی رقم حاصل ہو جاتی ہے اور زندہ جاہلیت میں یہ رقم غلام پر خیرات کر دی جاتی تھی۔ ان فوائد کی بناء پر لوگوں نے آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اگرچہ ان میں کچھ فائدہ ہے لیکن ان کا نقصان زیادہ ہے) تب لوگوں نے شراب پینے کے معمول کو جاری رکھا حتیٰ کہ دو آدمیوں نے شراب پی کر نماز پڑھی اور نماز میں بدکلامی کی تب یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ
اے ایمان والو! نہش کی حالت میں تم نماز کے قریب نہ جاؤ
حتیٰ کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

(النساء: ۴۳-۴۴)

پھر جو لوگ شراب پیتے تھے وہ نماز کے وقت میں شراب سے اجتناب کرتے تھے، حتیٰ کہ ایک دن ابو القحوس نے نشہ کی حالت میں مقتولین بدر کے نوحہ اور مرفیہ میں چند اشعار پڑھے، جن میں مقتولین بدر کی تعظیم اور نگریم کی، جب رسول اللہ ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ غضب میں گھبرائے ہوئے چلے گئے اور آپ کو کھینچتے ہوئے آئے جب اس نے آپ کو دیکھا تو آپ نے اس کو مارنے کے لیے کوئی چیز اٹھائی، اس نے کہا میں اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں بہ خدا میں اب کبھی شراب نہیں پیوں گا تب یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ
وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ
فَا جَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ
أَنْ يُوقَعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ
وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ
فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝ (المائدہ: ۹۰)

اے ایمان والو! خمر (شراب)، جو، بتوں کے چڑھلوں کی جگہ اور بتوں کے پاس فل نکلنے کے تیر محض ٹپاک ہیں، شیطان کا کھوں سے ہیں، ان سے اجتناب کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان کا صرف یہ ارادہ ہے کہ وہ شراب اور جوئے کے سبب سے تمہارے درمیان بغض اور عدوت پیدا کر دے، اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے والے ہو؟

حضرت عمرؓ نے جب یہ آیت سنی تو کہا ہم باز آئے، ہم باز آئے! (جامع البیان ج ۲ ص ۲۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس آیت میں شراب کی حرمت پر دس دلیلیں ہیں۔ (۱) شراب کا ذکر، جوئے، بتوں کے چڑھلوں کی جگہ اور بتوں کے پاس فل نکلنے کے تیروں کے ساتھ کیا ہے اور یہ سب حرام ہیں۔ (۲) شراب کو رجس (نجس) فرمایا اور ہر نجس چیز حرام ہے۔ (۳) شراب کو شیطانی کام فرمایا اور شیطانی کام حرام ہیں۔ (۴) شراب پینے سے اجتناب کا حکم دیا لہذا اس سے اجتناب کرنا فرض ہوا اور جس سے اجتناب فرض ہو اس کا ارتکاب حرام ہے۔ (۵) حصول فلاح کو شراب سے اجتناب پر معلق فرمایا۔ اس لیے اس سے اجتناب فرض اور اس کا ارتکاب حرام ہوا۔ (۶) شراب کے سبب سے شیطان عدوت پیدا کرتا ہے اور عدوت حرام ہے اور حرام کا سبب بھی حرام ہوتا ہے لہذا شراب حرام ہوئی۔ (۷) شراب کے سبب سے شیطان بغض پیدا کرتا ہے اور بغض حرام ہے۔ (۸) شراب کی تاثیر سے شیطان اللہ کے ذکر سے روکتا ہے اور اللہ کے ذکر سے روکنا حرام ہے۔ (۹) شراب کی تاثیر سے شیطان نماز سے روکتا ہے اور نماز سے روکنا حرام ہے۔ (۱۰) اللہ تعالیٰ نے استفہاما انتہائی بلیغ ممانعت کرتے ہوئے فرمایا کیا تم (شراب نوشی سے) باز آنے والے ہو؟

احادیث سے خمر (شراب) کی تحریم کا بیان

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دنیا میں خمر (شراب) پی وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زنا کرتے وقت زانی میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا اور خمر پیتے وقت شرابی میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا اور چوری کرتے وقت چور میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۴۳۸ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو عبیدہ، حضرت ابو طلحہ اور حضرت ابی بن کعب کو لوہہ کی

رسول اور چھوڑوں کی شراب پلا رہا تھا کہ ایک آنے والے نے کہا خمر کو حرام کر دیا گیا تو حضرت ابو طلحہ نے کہا اے انس انھو اور اس تمام شراب کو اٹھادیل دو۔

حضرت ابو مالک یا حضرت ابو مالک اشعری رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو زنا، ریشم، خمر اور آلات موسیقی کو حلال کہیں گے، اور عنقریب کچھ لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے جب شام کو وہ اپنے جانوروں کا ریوڑ لے کر لوٹیں گے اور ان کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت لے کر آئے گا تو کہیں گے ”کل آتا“ اللہ تعالیٰ پہاڑ گرا کر ان کو ہلاک کر دے گا، اور دوسرے لوگوں (زنا، شراب اور آلات موسیقی کو حلال کرنے والوں) کو صبح کر کے قیامت کے دن بندر اور خنزیر بنادے گا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

لام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عمر نے دعا کی کہ اے اللہ خمر کے متعلق شافی حکم بیان فرما تو سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی یسئلونک عن الخمر والمیسر (البقرہ: ۲۱۹) عمر نے پھر دعا کی تو یہ آیت نازل ہوئی یا ایہا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سكارى (النساء: ۴۳) تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے نداء کی کہ کوئی شخص نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جائے، عمر نے پھر دعا کی اے اللہ خمر کے متعلق شافی حکم نازل فرما تو یہ آیت نازل ہوئی فهل انتم منتهون (المائدہ: ۹۰) حضرت عمر نے کہا ہم باز آگئے۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۱۱، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ چیز جو عقل کو ڈھانپ لے وہ خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس شخص نے کسی نشہ آور چیز کو پیا اس کی چالیس دن کی نمازیں ناقص ہو جائیں گی۔ اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لے گا اور اگر اس نے چوتھی بار شراب پی تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کو میتہ النجیل سے پلائے۔ پوچھا گیا کہ میتہ النجیل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخیوں کی پیپ۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۱۲، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے خمر پر لعنت فرمائی ہے اور خمر پینے والے پر پلانے والے پر، بیچنے والے پر، خریدنے والے پر، خمر کو (انگوروں سے) نچوڑنے والے پر، اس کو پیمانے والے پر، خمر کو لانے والے پر اور جس کے پاس لاد کر لائی جائے۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۱۱، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ)

لام ترمذی روایت کرتے ہیں۔

حضرت مطویہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خمر پیے اس کو کوڑے مارو، اگر وہ چوتھی بار پیے تو اس کو قتل کرو۔

(جامع ترمذی ص ۲۲۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

لام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر پینے کی بناء پر اسی کوڑے مارے۔

(المصنف ج ۷ ص ۳۷۹، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

لام ملوئی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص خمر ہے اس کو اسی کوڑے مارو۔

(شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۹، مطبوعہ مطبع بھائی پاکستان لاہور ۱۳۴۴ھ)

خمر کی تعریف میں ائمہ مذاہب کا نظریہ اور امام ابو حنیفہ کے موقف پر دلائل

لام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور اس کے پینے پر حد واجب ہے خواہ قلیل مقدار

میں ہے یا کثیر مقدار میں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے متعلق شمس لائبریری سرخی لکھتے ہیں:

قرآن مجید نے خمر کو حرام کیا ہے، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک خمر اس کے شیرے کا نام ہے جو پڑے پڑے جوش کھلنے لگے اور جھاگ چھوڑ دے، اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے انی اعصر خمرا (یوسف: ۳۶) میں نے خواب میں دیکھا کہ خمر کو نچوڑ رہا ہوں یعنی انگوروں کو نچوڑ رہا ہوں جو خمر ہو جائیں گے۔

(المبسوط ج ۲ ص ۲۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف خمر حرام قطعی ہے، اس کا پینا پلانا، بیچنا، خریدنا، رکھنا، سب حرام قطعی ہے، خمر کے علاوہ تین مشروب اور حرام ہیں ایک باذن ہے یعنی انگور کا پکا ہوا شیرا جو پکنے کے بعد ایک تہائی رہ جائے یا جو پڑے پڑے جوش کھلنے لگے اور جھاگ چھوڑ دے، دوسرا سکر ہے یعنی تازہ کھجوروں کا کچا شیرہ جب جھاگ چھوڑ دے، تیسرا قیغ الریب ہے یعنی کشمش کا کچا شیرہ جو پڑے پڑے جھاگ چھوڑ دے۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۰-۲۸۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۹۸ھ)

ان تینوں مشروبات کی حرمت ظنی ہے اور ان کی نجاست خفیہ ہے جب کہ نشہ آور مقدار میں پیا جائے، اور اس

سے کم مقدار میں یہ حرام ہیں نہ نجس۔

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

خمر کا ایک قطرہ بھی پی لیا جائے تو حد واجب ہوگی، اور باقی تین شرابوں کے پینے سے اس وقت حد واجب ہوگی جب

نشہ ہو جائے۔ (حدایہ اخیرین ص ۲۹۵، مطبوعہ شرکت ملیہ لبنان)

امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ خمر تو بعینہ حرام ہے اور باقی نشہ آور مشروب اگر مقدار نشہ میں پیئے جائیں تو وہ بھی

حرام ہیں اور اگر اس سے کم مقدار میں پیئے جائیں تو وہ حرام نہیں ہیں اور باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جو مشروب نشہ آور ہو وہ

خمر ہو یا کوئی اور مشروب خواہ وہ قلیل مقدار میں پیا جائے یا کثیر مقدار میں وہ بہر حال حرام ہے، امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ حدیث

ہے۔

امام ابو حنیفہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا خمر (مطلقاً) حرام کی گئی ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر اور ہر مشروب میں سے نشہ

آور (مقدار) کو حرام کیا گیا ہے۔ (مسند امام اعظم ص ۳۵۲، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

امام ابو یوسف نے بھی اس حدیث کو امام ابو حنیفہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ (کتب الآثار ص ۳۲۸)

امام ابن ابی شیبہ (۱) اور امام دار قطنی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۵۱، مطبوعہ نشر السنۃ لمطان)

امام طبرانی تین مختلف اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا شراب کو بعیضہ حرام کیا گیا ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور مقدار کو۔

(معجم کبیر ج ۱۰ ص ۳۳۹، ۳۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ ابی شیبہ نے لکھا ہے کہ بعض سندوں کے ساتھ یہ حدیث صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۵۳، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام نسائی نے اس حدیث کو چار مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۲۸۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۹۷، مطبوعہ نشر السنۃ لمطان)

ہم نے اس حدیث کے متعدد طرق اور اسناد اس لیے بیان کیے ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ جس حدیث پر امام ابو حنیفہ کے مسلک کی بنیاد ہے وہ بہت قوی حدیث ہے۔ اور جس حدیث میں ہے کہ جس مشروب کی کثیر مقدار حرام ہے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے، شرح صحیح مسلم جلد سلس میں ہم نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور امام ابو حنیفہ کی تائید میں بہت سی احادیث اور آثار نقل کیے ہیں۔

جوئے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کا بیان

عربی میں جوئے کے لیے میسر اور قمار دونوں لفظ استعمال کیے جاتے ہیں، میسر کا لفظ یسر سے بنا ہے جس کا معنی آسانی ہے چونکہ جوئے میں جیتنے والا آسانی سے رقم حاصل کر لیتا ہے اس لیے اس کو میسر کہتے ہیں، میرسد شریف قمار کی تعریف میں لکھتے ہیں :

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دے دی جائے گی قمار ہے۔

(التعریفات ص ۷۷، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابن عبدین شاہی حنفی لکھتے ہیں :

قمار، قمر سے ماخوذ ہے جو کبھی کم ہوتا ہے کبھی زیادہ اور جوئے کو قمار اس لیے کہتے ہیں کہ جو اکیلے والوں میں سے ہر ایک اپنا مل اپنے ساتھی کو دینے اور اپنے ساتھی کامل لینے کو (شرط کے ساتھ) جائز سمجھتا ہے اور یہ نص قرآن سے حرام ہے اور اگر صرف ایک جانب سے شرط لگائی جائے تو جائز ہے۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۵۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں :

(۱) امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ حنفی ۳۳۵ھ، المصنف ج ۵ ص ۸، مطبوعہ لواء القرآن کراچی

لہل علم کا قمار کے عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور باہم شرط لگانا بھی قمار ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا آپس میں شرط لگانا قمار ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے مل اور بیوی کی شرط لگاتے تھے، پہلے یہ مباح تھا بعد میں اس کی تحریم نازل ہو گئی، جب سورہ دوم نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر نے دومیوں کے اہلیوں سے غالب ہونے پر مشرکین سے شرط لگائی تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا شرط میں زیادتی کو اور مدت پورا نہ ہونے پر منع فرمادیا اور قمار کی حرمت نازل ہو گئی، اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ شتر سواری، گھوڑے سواری اور نیزے بازی میں سابلقت کی شرط لگانے کی رخصت ہے جبکہ سب سے آگے نکلنے والے کو انعام دیا جائے اور پیچھے رہ جانے والے کو نہ دیا جائے، اور اگر یہ شرط لگائی جائے کہ دونوں میں سے جو آگے نکل جائے گا وہ لے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا وہ دے گا تو یہ ناجائز ہے اور اگر وہ کسی تیسرے شخص کو داخل کر دیں کہ اگر وہ آگے نکل گیا تو لے گا اور اگر پیچھے رہ گیا تو کچھ نہیں دے گا تو یہ جائز ہے، اس دخیل کو نبی ﷺ نے محمل فرمایا ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۲۹، مطبوعہ سبیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۳۰ھ)

لاٹری اور انعامی بانڈز وغیرہ کا شرعی حکم

لاٹری، معممہ بازی، ریس کورس میں گھڑ دوڑ، تاش، شطرنج، کیرم اور دیگر کھیلوں میں ہارجیت پر رقمیں لگانا، کرکٹ، فٹ بال اور سکوائش وغیرہ کے ملکی اور بین الاقوامی کھیلوں میں سٹھ کھیلنا یہ سب قمار اور میسر (جوا) ہیں۔ گنہ کبیرہ اور حرام قطعی ہیں۔ انعامی بانڈز پر جو انعامی رقم ملتی ہے وہ جائز ہے، قمار نہیں کیونکہ اس میں کسی فرد کی رقم ضائع نہیں ہوتی، ہر شخص جب چاہے اپنے بانڈز کو بینک سے کیش کر سکتا ہے، اس میں خریداری کی ترغیب دینے کے لیے بعض نمبروں پر حکومت انعام کی رقم کا اعلان کرتی ہے۔ اس کی مثل ایسے ہے جیسے بعض صابن ساز وارے یا ٹوتھ پیسٹ بنانے والے کوئی اسکیم جاری کرتے ہیں اور خریداروں کو کوئی اضافی چیز انعام میں دیتے ہیں یا بعض ٹھنڈے مشروبات والے (مثلاً کوکا کولا) بوتل کے بعض ڈھکنوں پر انعامی رقم رکھتے ہیں۔ اس کی تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم جلد رابع میں بیان کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں، آپ کہئے کہ جو ضرورت سے زائد ہو۔

(البقرة: ۲۱۹)

اس آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ شراب اور جوئے میں گنہ زیادہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ شراب اور جوئے سے روحانی اور بدنی بیماری ہوتی ہے اور ان میں پیسہ خرچ کرنا لائق مذمت ہے۔ تب یہ سوال پیدا ہوا کہ کس چیز میں پیسہ خرچ کرنا لائق تحسین ہے؟ اور چونکہ اس کلام کا سیاق جملہ ہے اور جملہ کا عظیم ستون اللہ کی راہ میں مل خرچ کرنا ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس سوال کو پھر دہرایا کہ کیا چیز خرچ کریں؟ آپ کہیے کہ ”عفو“ جو ضرورت سے زائد ہو۔

”عفو“ (زائد از ضرورت) کے معانی اور محال

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

امام ابن جریر، امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ضرورت سے زائد خرچ کرنے کا حکم اس وقت تھا جب زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی تھی۔

امام طبرانی اور امام بیہقی نے ”عفو“ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو چیز لہل و

میں خرچ کرنے سے بچ رہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کی جائے۔

امام ابن المنذر نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ غنوکے تین معنی ہیں: (۱) گنہ سے درگزر کرنا، (۲) میانہ روی سے خرچ کرنا اور اس آیت میں بھی مراد ہے یعنی اللہ کی راہ میں میانہ روی سے خرچ کرو، (۳) لوگوں کے ساتھ احسان کرنا، یہ معنی اس آیت میں ہے او یعفوا الذی بیدہ عقدۃ النکاح (البقرہ: ۲۳۷) یا (دخول سے پہلے مطلقہ عورت کو) شوہر بہ طور احسان نصف مہر سے زیادہ دے دے۔

امام عبد بن حمید نے عطا سے روایت کیا ہے کہ غنوکا معنی ہے ضرورت سے زائد۔

امام عبد بن حمید نے طلوس سے روایت کیا ہے کہ غنوکا معنی ہے جس کا خرچ کرنا آسان ہو، اور مجاہد نے کہا اس سے مراد زکوٰۃ ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے غنوکے تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد صدقہ کی کوئی معین مقدار نہیں ہے، اس کے بعد فرائض کو معین کر کے نازل کیا گیا، نیز امام ابن جریر نے سدی سے غنوکے تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس حکم کو زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۳، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران) غنوکے لفظ سے سوشلزم کے جواز پر استدلال اور اس کا جواب

جمہوری طریقہ سے رائے عامہ کو ہموار کر کے سیاسی اقتدار پر قبضہ کرنا اور اسمبلی کی منظوری سے زرعی، صنعتی اور تجارتی لوگوں کو ان کے مالکوں سے معروضہ دے کر یا بلا معاوضہ چھین کر قومیا لینا سوشلزم ہے اور ناچار اور محنت کش عوام کو منظم کر کے تاجروں، صنعت کاروں اور زمینداروں کے خلاف جنگ کر کے انقلاب لانا اور تمام پیداواری اداروں کو قومیا لینا کیونرم ہے۔

۱۹۷۰ء میں جب پاکستان میں سوشلزم کا زور تھا اس وقت بعض سوشلسٹ علماء نے اس آیت سے سوشلزم کے اسلامی ہونے پر استدلال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ضرورت سے زائد ہر چیز کو خرچ کرنے کا حکم دیا ہے لہذا تمام بڑے بڑے کاروباری اور صنعتی اداروں کو قومی ملکیت میں لینا جائز ہے کیونکہ وہ تمام ادارے ان کے مالکوں کی ضرورت سے زائد ہیں۔ اس وقت اس کے جواب میں یہ کہا گیا تھا کہ اس آیت میں رلہ خدا میں خرچ کرنے اور دینے کا حکم ہے، لوگوں کے اموال کو بالجبر لینے یا قومیا لینے کا حکم نہیں ہے۔ نیز یہ حکم بہ طور استعجاب ہے، بہ طور فرض نہیں ہے، فرض صرف زکوٰۃ اور زرعی پیداوار سے مشرانصف عشر لوار کرنا ہے۔

اب ہم اس آیت کو ذرا زیادہ گہرائی سے دیکھتے ہیں، اس آیت میں لفظ غنوکے استدلال کیا گیا ہے، ہم نے ائمہ تفسیر سے اس لفظ کے تین معنی نقل کیے ہیں۔ زائد از ضرورت، میانہ روی اور آسان۔ جن صحابہ، تابعین اور ائمہ تفسیر نے اس کا معنی زائد از ضرورت بیان کیا ہے انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ زائد از ضرورت مل خرچ کرنے کا حکم زکوٰۃ کی فرضیت اور اس کی مقدار بیان کرنے سے پہلے تھا، اور اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا، اور جن ائمہ تفسیر نے یہ بیان کیا کہ اس کا معنی ہے رلہ خدا میں میانہ روی سے خرچ کرنا یا جس کا خرچ کرنا آسان ہو اس کو خرچ کرنا سواس معنی میں یہ حکم اب بھی باقی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر غنوکا معنی زائد از ضرورت ہے تو زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اگر اس کا معنی ہے میانہ روی سے خرچ کرنا یا جس کا خرچ کرنا آسان ہو اس کو خرچ کرنا تو یہ حکم اب بھی باقی ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا

ہے اس کی تائید حسب ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بخاری اور امام نسائی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی رہے، لوہر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔ (یعنی سارا مال صدقہ نہ کرو کہ اس کے بعد بھیک مانگتے بھوکے خراج کی ابتداء اپنے اہل و عیال سے کرو، بیوی کے گی یا تو مجھے نفقہ دیا مجھے طلاق دو، خدام کے گامچے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو، بیٹا کے گامچے کھلاؤ! تم مجھے کس پر چھوڑتے ہو؟

امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی رہے اور خرچ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔

امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن جریر، امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس ایک دینار ہے! آپ نے فرمایا اس کو اپنے نفس پر خرچ کرو، اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا اس کو اپنی لولاد پر خرچ کرو، اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو، اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا اس کو اپنے خدام پر خرچ کرو، اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا تم اس کے خرچ کے متعلق بہتر جانتے ہو۔

امام ابن سعد، امام ابو داؤد اور امام حاکم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص انڈے کے برابر سونے کا ایک ٹکڑا لے کر آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ مجھے ایک معدن (کلن) سے یہ سونا ملا ہے میں اس کو صدقہ کرتا ہوں، آپ اس کو لے لیجئے، میرے پاس اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے اعراض کیا۔ اس نے دوبارہ پیچھے سے آکر عرض کیا، آپ نے اس سے وہ سونا لے کر اس کی طرف اتنے زور سے پھینکا کہ اگر اس کو لگ جاتا تو اس کو بہت چوٹ لگتی یا اس کی آنکھ پھوٹ جاتی، آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنا (کل) مال لے کر میرے پاس آ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے، پھر وہ بیٹھ کر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے گا! بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی رہے اور خرچ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔

(الدر المنثور، ج ۱ ص ۲۵۳-۲۵۴، مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اپنی ضروریات سے زائد کل مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شرعاً محمود اور مستحسن بھی نہیں ہے۔ اگر ہر شخص پر یہ لازم ہوتا کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد چیز خدا کی راہ میں دے دے تو کوئی شخص صاحب نصاب نہ ہوتا نہ کسی کے نصاب پر سال گزرتا اور پھر زکوٰۃ کا فرض کرنا بالکل لغو اور بے فائدہ ہوتا، نہ کسی شخص پر قربانی واجب ہوتی نہ کسی پر حج فرض ہوتا، نہ صدقہ فطر ہوتا تو پھر قربانی اور حج کی مشروعیت کے احکام بھی عبث ہوتے، کیونکہ جب مال جمع کرنا شرعاً جائز ہی نہیں ہے تو پھر ان احکام کے کیا معنی؟ اور عشر اور نصف عشر کے احکام صحیح نہ ہوتے، یہ حکم نہ ہوتا کہ اپنی زرعی پیداوار کا دسواں حصہ راہ خدا میں دو بلکہ یہ حکم ہوتا کہ اپنی ضرورت کا غلہ رکھ کر باقی سارا غلہ راہ خدا میں دے دو، چور کا ہاتھ کاٹنا بھی غلط ہوتا بلکہ الٹا چور مالک سے باز پرس کرنا کہ تم نے اتنا مال جمع ہی کیوں کیا جس کو چرایا جاسکے! غرضیکہ

الحمد لله

کے ساتھ اپنے بیٹے کا نکاح کر سکتا ہے اور خود بھی اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ یہ شرطیکہ ان تمام مملی اور جسمانی تصرفات سے یتیم کی خیر خواہی مقصود ہو۔ اس کے مل اور نفس سے اپنے خود غرضانہ فوائد مطلوب نہ ہوں۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوا ۖ وَلَا مَلَائِكَةً مُّؤْمِنَةً خَيْرٌ

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں اور مسلمان باندی (آزاد) مشرک عورت

فِنْ مُّشْرِكَةٍ ۖ وَلَوْ أَحْبَبْتُمْ ۚ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوا

سے بہتر ہے، خواہ وہ تم کو اچھی لگتی ہو، اور مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ ۚ وَلَوْ أَحْبَبْتُمْ ۚ أُولَٰئِكَ

اور مسلمان غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے خواہ وہ تم کو اچھا لگتا ہو، یہ (مشرکین) دوزخ

يَدْعُونَ إِلَى التَّارِكِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ

کی آگ کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ اپنے اذن سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا

بِإِذْنِهِ ۚ وَيَبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٢١﴾

ہے اور لوگوں کے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں

مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کے ساتھ مسلمانوں کے نکاح کا عدم جواز

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یتیم کے ساتھ مخالفت کا جواز بیان فرمایا تھا جس کا تقاضا یہ تھا کہ یتیم کے مل کے ساتھ اپنا مال مخلوط کرنا بھی جائز ہے اور یتیم لڑکے یا یتیم لڑکی کے ساتھ اپنا یا اپنی اولاد کا نکاح کرنا بھی جائز ہے، تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بعض مسائل بیان فرمائے کہ مشرک مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کا اور مشرک عورتوں کے ساتھ مسلمان مردوں کا نکاح جائز نہیں ہے، کیونکہ نکاح کی وجہ سے شوہر اور بیوی کے ساتھ جسمانی اور ذہنی قرب ہوتا ہے، وہ دونوں ایک دوسرے کے عقائد، نظریات، افکار اور خیالات سے متاثر ہوتے ہیں اس لیے یہ خدشہ ہے کہ مشرک شوہر کے عقائد سے مسلمان بیوی متاثر ہو یا مشرک عورت کے نظریات سے مسلمان شوہر متاثر ہو، اس لیے اسلام نے یہ راستہ ہی بند کر دیا، اگرچہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ مسلمان شوہر یا بیوی سے مشرک بیوی یا شوہر متاثر ہو جائے لیکن جب کوئی چیز نفع اور نقصان کے درمیان دائر ہو تو نقصان سے بچنے کو نفع کے حصول پر مقدم کیا جاتا ہے اس لیے اسلام نے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مناکحت کا معاملہ کلیۃً منقطع کر دیا۔ یہاں شرک سے مراد کفر ہے اس لیے ملحد، مجوسی، بت پرست اور کسی قسم کے بھی کافر سے نکاح جائز نہیں ہے مسلمان مرد کا نہ مسلمان عورت کا۔

حافظ جلال الدین سیوطی اس آیت کے شان نزول کے متعلق لکھتے ہیں:

لام بن ابی حاتم اور لام ابن المنذر نے قتال بن حیان سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو مرثد غنوی کے حمل ثمل ہوئی ہے، انہوں نے نبی ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ عتق نامی ایک مشرکہ عورت سے نکاح کر لیں جو نسلت حسین و جمیل عورت تھی اور حضرت ابو مرثد مسلمان ہو چکے تھے، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! وہ عورت مجھے بہت اچھی لگتی ہے تب یہ آیت نازل ہوئی اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ (الایۃ۔)

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۶، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ، ایران۔)

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ آزاد مشرک کی بہ نسبت مسلمان غلام بہتر ہے، اور کسی آزاد مسلمان عورت کا نکاح مسلمان غلام سے کرنا اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ اس کا نکاح آزاد مشرک سے کیا جائے حالانکہ غلام آزاد کا کفو نہیں ہے۔ سو غیر کفو میں نکاح کے جواز کے لیے یہ آیت صریح جزیہ ہے۔ ہم انشاء اللہ سورہ نساء میں اس موضوع پر مفصل گفتگو کریں گے، شرح مسلم جلد ثالث اور جلد سلس میں ہم نے اس موضوع پر بہت تفصیل اور تحقیق سے بحث کی ہے۔

مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کے بلوجود اہل کتاب سے نکاح کے جواز کی توجیہ

اسلام میں یہ جائز ہے کہ اہل کتاب عورتوں کے ساتھ مسلمان مرد نکاح کر لیں لیکن اہل کتاب مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے، قرآن مجید نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کے بلوجود کتابیہ یعنی یہودی یا عیسائی عورت کے ساتھ نکاح کی اجازت دی ہے:

وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَالٌ لَّكُمْ وَ طَعَامُكُمْ حَلَالٌ لَهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ (المائدة: ۵)

اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے، اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور (تمہاری) آزاد پاکدامن مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (تمہارے لیے حلال ہیں) جبکہ تم ان سے نکاح کر کے ان کا مہر ادا کرو، نہ ان سے ظاہراً نہ باہراً بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو۔

اب یہ سوال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی تھی تو پھر کتابیہ سے نکاح کی اجازت کیوں دی جبکہ اہل کتاب یہودی اور عیسائی بھی مشرک ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ (النوہ: ۳۰)

یہود نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ یہود و نصاریٰ دونوں مشرک ہیں لیکن قرآن مجید کی اصطلاح ہے کہ اس نے بت پرستوں پر مشرکین کا اطلاق کیا ہے اور یہود و نصاریٰ پر اہل کتاب کا قرآن مجید میں ہے:

مَا يَتُودُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ (البقرة: ۲۵)

کافروں میں سے اہل کتاب اور مشرکین یہ پسند نہیں کرتے کہ.....

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفِرِينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ (البينة: ۱)

کافر اہل کتاب اور مشرکین بغیر واضح دلیل کے اپنے دین کو چھوڑنے والے نہ تھے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہرچند کہ مشرک عورتوں میں اہل کتب عورتیں بھی داخل تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مشرک کے عموم سے اہل کتب عورتوں کو مستثنیٰ کر لیا، اور یہ اصطلاح میں عام مخصوص عنہ البعض ہے، ملاحظہ جلیل الدین سیوطی لکھتے ہیں:

امام ابن جریر، امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ولا ننکحوا المشرکت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے اہل کتب کی عورتوں کو مستثنیٰ کر لیا ہے اور دلیل استثناء یہ آیت ہے:

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
اور اہل کتب کی آزاد پاکدامن عورتیں (ہمارے لیے
حلال ہیں)۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۶، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران۔)

باقی رہی یہ بحث کہ خالص مشرک عورتوں اور اہل کتب میں نکاح کے جواز کا فرق کرنے کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مشرک نہ خدا کو مانتا ہے نہ کتب کو نہ رسول کو نہ قیامت اور جزاء اور سزا کو، نہ حلال اور حرام کا قائل ہوتا ہے اس کے برعکس اہل کتب ان تمام امور کو مانتے ہیں۔ ان کے کفر کی صرف یہ وجہ ہے کہ انہوں نے غلو محبت میں اپنے اپنے رسول کو خدا اور خدا کا بیٹا کہہ دیا۔

دوسری بحث یہ ہے کہ مسلمان مردوں کا اہل کتب عورتوں کے ساتھ نکاح جائز قرار دیا ہے اور مسلمان عورتوں کا اہل کتب مردوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں کیا، اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عائلی اور گھریلو زندگی میں مرد حاکم ہوتا ہے اور اس کا گھر میں قبضہ اور اقتدار ہوتا ہے اور عورت فطرۃً "منفعل مزاج اور گھر میں محکوم ہوتی ہے۔ اگر کسی یہودی یا عیسائی مرد کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح جائز ہوتا تو عین ممکن تھا کہ وہ مسلمان عورت اپنے کافر شوہر کے معتقدات اور خیالات سے متاثر ہو جاتی اور اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جاتی۔ اس کے برعکس جب شوہر مسلمان ہو اور بیوی یہودی یا عیسائی ہو تو چونکہ گھر میں حاکم اور مقتدر شوہر ہوتا ہے اس لیے گھر میں اسلامی اصول اور لڑچچ فراہم ہو گا اور اس اہل کتب عورت کو اسلام کو قریب سے دیکھنے، پڑھنے اور سمجھنے کا موقع ملے گا، اسلامی معاشرہ، اسلام کی تہذیب اور مسلمان خاندان سے میل جول اور ربط و ضبط کی وجہ سے اس کے اسلام قبول کرنے کے بہت ذرائع میسر ہوں گے اور وہ جلد یا بدیر مسلمان ہو جائے گی اور اگر بالفرض وہ مسلمان نہ بھی ہو تو بچے بہر حال باپ کے دین کے تابع رہیں گے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام مواقع دارالاسلام میں ہی میسر ہوتے ہیں۔ اس لیے ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ دارالکفر میں اہل کتب عورت کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہاں کفر کا غلبہ ہوتا ہے اور جس حکمت کی وجہ سے اہل کتب عورت کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے اس کے پورے ہونے کے مواقع وہاں میسر نہیں ہیں۔ باقی اس مسئلہ میں فقہاء صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے مذاہب ہم ان شاء اللہ سورہ مائدہ میں اس آیت کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى لَا فَاعِلٌ خَالِ الْمَرْءِ مَا يَفْعَلُ بِالْمَرْءِ

اور یہ آپ سے جیض کا حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے کہ وہ گندگی ہے، سو عورتوں سے حالت حیض میں

فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهَرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ

امک رہو، اور ان سے عمل زوجیت نہ کرو حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائیں اور جب وہ غسل پاک

فَاتَّوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ

ہو جائیں تو ان کے پاس (وہاں) آؤ۔ جہاں سے (اُنے کا) اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو

وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ

پسند کرتا ہے اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے تمہاری عورتیں تمہارے (بیج ڈالنے کے) لیے کھیتیاں ہیں تو تم اپنی

أَتَى شِئْتُمْ وَقَدْ آمُوا لِنَفْسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ

کھیتوں میں جس طرح بجا ہو آؤ، اور اپنے لیے نیک عمل بھیجتے رہو، اور یقین رکھو کہ بے شک تم اس

مُلَقَّوَةٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢٣﴾

طافات کرنے والے ہو، اور آپ مومنوں کو بشارت دے دیجئے

حیض کا حکم بیان کرنے کا شان نزول

اس سے پہلی آیت میں نکاح کا ذکر کیا گیا تھا، اور نکاح کے لوازم سے بیوی کے ساتھ جماع کرنا ہے سو ان آیتوں میں بتایا ہے کہ کس حالت میں عورت کے ساتھ جماع کرنا ہے اور کس حالت میں نہیں کرنا اور چونکہ جماع کا مقصد حصول اولاد ہے محض قضاء شہوت نہیں ہے اس لیے فرمایا کہ جس جگہ سے حصول اولاد ہو وہاں حتم ریزی کرو، یعنی عمل معکوس نہ کرو، خواہ اس عمل (حتم ریزی) کے لیے کوئی طریقہ اختیار کرو۔

حافظ جلیل الدین سیوطی اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

امام احمد، امام دارمی، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام ابو یعلیٰ، امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم، امام ابن حبان اور امام بیہقی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہود کے ہاں جب کسی عورت کو حیض آ جاتا تو وہ اس کو گھر سے نکل دیتے، اس کے ساتھ کھاتے نہ بیٹے نہ اس کے ساتھ گھروں میں رہتے۔ رسول اللہ ﷺ سے اس کے حلق سوا کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان عورتوں کو گھروں میں رکھو، اور عمل زوجیت کے سوا ان کے ساتھ سب کچھ کرو، جب یہود کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا یہ شخص ہر بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے، پھر حضرت اسید بن خضیر اور حضرت عبید بن بشر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! یہود اس طرح کہہ رہے ہیں تو کہیں نہ ہم اپنی عورتوں سے جماع بھی کر لیں، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ خفیر ہو گیا حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ آپ ان سے عداوت ہو گئے ہیں، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس ہدیہ میں دودھ آیا تو آپ نے وہ دودھ ان

دونوں کے لیے بھیجا اس سے ان دونوں نے یہ جانا کہ آپ ان سے ناراض نہیں ہوئے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۸، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ اہل بیت)

اس سے معلوم ہوا کہ استلویا میں باپ، شاگرد یا لولاد کو اگر کسی بات پر ڈانٹیں تو بعد میں کسی طرح ان کی دلجوئی کر کے اس کی تلافی بھی کریں۔

حائضہ سے مباشرت کرنے کی دینی اور دنیاوی خرابی

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حائضہ عورت سے جماع کے سوا باقی سب کچھ کر سکتے ہو۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۹۳، مطبوعہ مطبع مجبلیٰ پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کی بناء پر ہمارے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ شوہر ایام حیض میں اپنی بیوی سے جسمانی قرب اور جسمانی لذت حاصل کر سکتا ہے البتہ نف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک احتراز کرے، کیونکہ اگر اس میں بھی دست درازی کرے گا تو خطرہ ہے کہ وہ عمل زوجیت میں مبتلا ہو جائے گا۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے حائضہ عورت سے جماع کیا یا کسی عورت کی سرین میں دخول کیا یا کسی شخص نے کاہن کے قول کی تصدیق کی تو اس نے سیدنا محمد (ﷺ) پر نازل شدہ دین کے ساتھ کفر کیا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۴۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

جدید میڈیکل سائنس سے بھی واضح ہو گیا کہ حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کرنے سے مرو کے عضو مخصوص میں سوزاںک ہو جاتا ہے اور بعض اوقات مرد اور عورت دونوں بانجھ ہو جاتے ہیں۔

حیض کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

جو خون رحم سے وقت مخصوص میں وصف مخصوص کے ساتھ خارج ہو اس کو حیض کہتے ہیں۔

علامہ ابن عبدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

لغت میں حیض کا معنی ہے سیلان (بہنا) جب کوئی وادی بنے لگتی تو کہتے ہیں حاض الوادی، اوقات مخصوصہ میں خون بننے کی وجہ سے اس خون کو حیض کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں حیض اس صفت شرعیہ کو کہتے ہیں جو ان کاموں کے کرنے سے مانع ہو جن کے لیے حیض سے پاک ہونا شرط ہے، مثلاً نماز پڑھنا، قرآن مجید کو چھونا، روزہ رکھنا، مسجد میں داخل ہونا اور عمل زوجیت کرنا۔

علامہ حصکفی نے حیض کی یہ تعریف کی ہے: وہ خون جو بالغہ کے رحم سے بغیر وقت ولادت کے خارج ہو۔ رحم کی قید سے استحضار خارج ہو گیا، کیونکہ یہ خون ایک رگ سے خارج ہوتا ہے اور یہ افعال مذکورہ سے مانع نہیں ہے، رحم اس طرف کو کہتے ہیں جس میں بچہ ہوتا ہے یعنی بچہ دانی، اور بغیر وقت ولادت کی قید سے نفاس خارج ہو گیا (نفاس بھی افعال مذکورہ سے مانع ہے) ولادت کے بعد عورت کے رحم سے جو خون نکلتا ہے اس کو نفاس کہتے ہیں۔

حیض کا سبب یہ ہے کہ حضرت حواء نے شجر ممنوع سے کھالیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حیض میں مبتلا کر دیا، امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حیض کے متعلق فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر اس کو مقدر کر دیا ہے، حیض کا رکن یہ ہے کہ خون رحم سے نکل کر فرج داخل کے باہر آجائے اگر وہ خون فرج داخل ہی میں رہے تو وہ حیض نہیں ہے۔
(المفردات ص ۳۶، مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ ایران ۱۳۳۲ھ)

ایام حیض کے تعین میں مذاہب ائمہ علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

حیض کی کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے، اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے اور عموماً "حیض چھ یا سات دن ہوتا ہے" اور دو حیضوں کے درمیان کم از کم طہر (پاکیزگی کے ایام) کی مدت پندرہ دن ہے۔
(رد المحتار ج ۱ ص ۱۸۸-۱۸۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ دردیلمکی لکھتے ہیں:

حیض کی کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے۔
(رونتہ الطالین ج ۱ ص ۲۳۸-۲۳۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

حیض کی کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے۔
(المغنی ج ۱ ص ۱۸۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

حیض کی کم از کم مدت تین دن اور تین راتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔
(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۱ ص ۱۸۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فقہاء احناف کی دلیل حسب ذیل احادیث ہیں: امام دار قطنی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو لہبہ باہلی جیٹھو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی کنواری اور شادی شدہ عورت کا حیض تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ نہیں ہوتا، دس دن کے بعد نکلنے والا خون استحاضہ ہے۔ حائضہ ایام حیض کے بعد کی نمازوں کی قضا کرے۔ حیض میں سرخی مائل سیاہ گاڑھا خون ہوتا ہے اور استحاضہ میں زرد رنگ کا پتلا خون ہوتا ہے۔
(سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۸، مطبوعہ نثرانت ملکن)

امام دار قطنی نے ایک اور سند سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۸، مطبوعہ نثرانت ملکن)

حضرت داؤد بن اسحق جیٹھو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حیض کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ

(سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۸، مطبوعہ نثرانت ملکن)

دس دن ہوتا ہے۔

امام دار قطنی نے ان احادیث کی سند کو ضعیف کہا ہے لیکن تعدد اسناد کی وجہ سے یہ احادیث حسن لغیرہ ہو گئیں

اور ان سے استدلال صحیح ہے نیز ان احادیث کی تقویت حسب ذیل آثار سے ہوتی ہے:

لام دار قطنی روایت کرتے ہیں:

معلویہ بن قرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس نے فرمایا حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ ویکس نے کہا حیض تین سے دس دن تک ہے اس کے علاوہ استحاضہ ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۰۰ مطبوعہ نثرانتہ لکھن)

لام دار قطنی نے ایک اور سند سے بھی یہ اثر بیان کیا اور سفیان کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۰۰ مطبوعہ نثرانتہ لکھن)

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ متعدد اسانید کے ساتھ چھ صحابہ سے منقول ہے کہ حیض کم از کم تین دن اور زیادہ سے

زیادہ دس دن ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۸۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن حمام لکھتے ہیں:

امام ابن عدی نے کمال میں حضرت معلز بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تین دن سے کم حیض نہیں ہوتا اور دس دن سے زیادہ حیض نہیں ہوتا۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

لام ابن جوزی نے علل متناہیہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ (العلل المتناہیہ مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد ۱۴۰۱ھ)

حیض نفاس اور استحاضہ میں بتلاواتین کے مسائل

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

(۱) حالت حیض میں طہارت (پاکیزگی) کے حصول کے لیے وضو کرنا منع ہے، صفائی کے لیے غسل کرنا جائز ہے جیسے دوران حج بدن صاف کرنے کے لیے غسل کرتے ہیں۔ اسی طرح جن وظائف کے پڑھنے کی اس کو علوت ہو مثلاً تکبیر، تہلیل، درود شریف ان کے لیے وضو کرنا جائز ہے، کیونکہ فقہاء نے کہا ہے کہ حائضہ کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ ہر نماز کے وقت وضو کر کے اتنی دیر جائے نماز پر بیٹھ کر وظیفہ وغیرہ پڑھتی رہے جتنی دیر میں وہ نماز پڑھتی تھی تاکہ اس کی نماز کی علوت قائم رہے۔ اس عمل سے اس کو اس کی بہترین نماز پڑھنے کا اجر ملے گا۔

(۲) حیض کی حالت میں نماز پڑھنا منع ہے، خواہ کسی قسم کی نماز ہو یا سجدہ شکر ہو، حالت حیض میں جو نمازیں فوت ہو گئیں ان کی قضا نہیں ہے۔

(۳) حائضہ کا اعتکاف کرنا منع ہے، اور اگر دوران اعتکاف اس کو حیض آگیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

(۴) حالت حیض میں طواف صدر (وداع) ممنوع ہے۔

(۵) حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے۔

(۶) حیض آنے سے لڑکی بالغہ ہو جاتی ہے۔

(۷) عدت پوری ہونے کا تعلق بھی حیض سے ہے، آزاد عورت کی عدت تین حیض ہے اور باندی کی عدت دو حیض ہے۔

ہے۔

(۸) استبراء کا تعلق بھی حیض سے ہے، جب مال غنیمت سے کوئی باندی ملے یا کسی باندی کو خریدے تو ایک حیض

کے لیے مکرہ نہیں ہے۔

(۹) حیض منقطع ہونے کے بعد غسل کرنا واجب ہے۔

(۱۰) رمضان کے روزہ کے کفارہ اور قتل کے کفارے میں مسلسل روزے رکھے جاتے ہیں اگر ان روزوں کے درمیان حائضہ کو حیض آگیا تو اس کا تسلسل نہیں ٹوٹے گا۔

(۱۱) حائضہ عورت پر روزہ رکھنا منع ہے لیکن وہ ان فوت شدہ روزوں کی قضا کرے گی، اس نے نفل روزہ شروع کیا اور پھر حیض آگیا تو اس کی قضا کرے گی۔

(۱۲) حائضہ عورت کا مسجد میں داخل ہونا منع ہے۔

(۱۳) حائضہ کے لیے کعبہ کا طواف کرنا منع ہے۔

(۱۴) حائضہ کی بیف سے گھٹنے تک اس کے شوہر کا قریب ہونا منع ہے۔

(۱۵) تلاوت قرآن کے قصد سے قرآن پڑھنا منع ہے البتہ دعا کے قصد سے سورہ فاتحہ یا کسی اور آیت کو پڑھنا یا تبرک کے قصد سے بسم اللہ پڑھنا جائز ہے۔

(۱۶) قرآن مجید کو چھونا منع ہے خولہ وہ متصل یا منفصل غلاف میں ہو۔

(۱۷) اللہ کا ذکر کرنا، تسبیح کرنا، قبول کی زیارت کرنا جائز ہے۔ اسی طرح عید گاہ میں جانا جائز ہے۔

(۱۸) ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کے بعد کھانا پینا جائز ہے، اور ہاتھ منہ دھوئے بغیر جنبی کے لیے کھانا مکروہ ہے، حائضہ کے لیے مکروہ نہیں ہے۔

(۱۹) جب اکثر مدت پوری ہونے کے بعد حیض منقطع ہو (یعنی دس دن کے بعد) تو شوہر کا اس کے ساتھ بغیر اس کے غسل کے وطی کرنا جائز ہے اور غسل کے بعد وطی کرنا مستحب ہے۔

(۲۰) اگر کم مدت گزرنے کے بعد اس کا حیض منقطع ہو تو حائضہ وضو کرے اور آخری وقت میں نماز پڑھ لے۔

(۲۱) اگر حائضہ کے ایام مقرر ہیں اور اس سے کم وقت میں حیض منقطع ہو گیا تو اس کے شوہر کے لیے اس سے مباشرت جائز نہیں ہے، البتہ وہ احتیاطاً نماز پڑھے اور روزہ رکھے۔

(۲۲) اگر حیض کم مدت میں منقطع ہو گیا تو شوہر کا اس سے اس وقت تک وطی کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ غسل نہ کرے۔

(۲۳) اگر حیض منقطع ہونے کے بعد حائضہ نے نماز کا اتنا وقت پایا جس میں تکبیر تحریمہ پڑھی جاسکتی ہے تو اس پر وہ نماز فرض ہوگئی اور اس کی قضا کرے گی۔

(۲۴) جو شخص حائضہ عورت سے طہل سمجھ کر مباشرت کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔

(۲۵) مدت حیض سے کم یا مدت حیض کے بعد آنے والا خون استحاضہ ہے، اس کا حکم اس طرح ہے جس طرح کسی مفسور شخص کی ناک سے ہمیشہ خون جاری ہو تو اس سے نماز روزہ ساقط نہیں ہوتا، اسی طرح مستحاضہ سے بھی نماز روزہ ساقط نہیں ہوتا۔ اس کی طہارت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ نماز کے ایک وقت میں وضو کرے یہ وضو اس پورے وقت میں شوعاً قائم رہے گا۔ یہ شرطیکہ کسی اور وجہ سے وضو نہ ٹوٹے، وہ اس وضو سے پورے وقت میں تمام عبادتیں کر سکتی ہے اور

وقت ختم ہونے کے بعد اسے دوسرے وقت کے لیے وضو کرنا ہوگا۔

(۲۶) ولادت کے بعد رحم سے جو خون نکلتا ہے اس کو نفاس کہتے ہیں۔ اس کے کم ہونے کی کوئی حد نہیں ہے اور اکثر نفاس کی حد چالیس دن ہے اور چالیس دن کے بعد جو خون آتا رہے وہ استحاضہ ہے، استحاضہ کے دوران وہ نمازیں پڑھے گی اور روزے رکھے گی اور معذور شخص کی طرح وضو کرے گی۔

(۲۷) نفاس کا خون نکلنے سے عدت پوری ہو جاتی ہے خواہ وہ عدت طلاق ہو یا عدت وفت ہو۔

(۲۸) حیض اور نفاس میں مبتلا دونوں عورتیں ان ایام میں نماز نہیں پڑھیں گی اور ان پر ان ایام کی قضا نہیں ہے البتہ ان ایام میں اگر رمضان کے روزے آگئے تو روزے نہیں رکھیں گی۔ بعد میں فوت شدہ روزوں کی قضا کریں گی۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۱۸۷-۱۸۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

وَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عُرْضَةً اِيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَ

تم نیکی، تقویٰ اور لوگوں کی خیر خواہی سے بچنے کے لیے اللہ کے نام کی قسمیں کھانے کو بہانہ نہ بناؤ اور

تُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۲۲۳) لَا يُوَاخِذُكُمُ

اللہ خوب سننے والا، بہت جاننے والا ہے اللہ تم سے تمہاری

اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اِيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّوَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ

بے ارادہ کھائی ہوئی قسموں پر مواخذہ نہیں فرمائے گا، لیکن ان قسموں پر تم سے مواخذہ فرمائے گا جو تم نے پختہ ارادوں

قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (۲۲۵) لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ

سے کھاتی ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بہت بردبار ہے جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی

نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةٍ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَاَوْفَاتِ اللّٰهُ غَفُوْرٌ

قسم کھا لیتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی بہت ہے، اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کر لیا تو بے شک اللہ بہت

رَحِيْمٌ (۲۲۶) وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيْمٌ (۲۲۷)

بخشنے والا بڑا مہربان ہے اور اگر انہوں نے طلاق ہی کا ارادہ کر لیا ہے تو بے شک اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں اور تم جس طرح چاہو اپنی کھیتوں میں آؤ، پھر فرمایا ایام حیض میں اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنا، یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض اوقات میں جماع کی ممانعت تھی، بعض لوگ از خود چار ماہ مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا کر اپنے آپ کو عورتوں سے روک لیتے تھے، اس خاص قسم کو ایلاء

ہے ہیں 'ایمان' کا اسم بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عام قسموں کا بھی حکم بیان فرمایا۔ بعض لوگ نیکی، پرہیزگاری اور لوگوں کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی نہ کرنے کی قسم کھا لیتے تھے، پھر اگر کوئی ان کو ٹوکتا کہ تم یہ کار خیر کیوں نہیں کرتے؟ تو وہ کہتے کہ ہماری قسم ٹوٹ جائے گی۔ ہم نے ان کاموں کے نہ کرنے کی قسم کھالی ہے۔
حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ایک شخص یہ قسم کھا لیتا کہ وہ اپنے رشتہ دار سے کلام نہیں کرے گا، یا صدقہ نہیں دے گا، یا ان دو آدمیوں میں صلح نہیں کرائے گا جو آپس میں لڑے ہوئے ہیں۔ وہ کہتا کہ میں حلف اٹھا چکا ہوں کہ میں یہ کام نہیں کروں گا تب یہ آیات نازل ہوئیں کہ نیکی اور خدا خونی کے کاموں سے رکنے کے لیے اللہ کی قسموں کو بہانہ نہ بناؤ اور گویا اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ تم ایسی قسموں کو توڑ کر ان نیکی کے کاموں کو کرو اور اپنی قسموں کا کفارہ دو۔
(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۶۸، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران۔)

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یمن (قسم) اور ایلاء کا بیان شروع کیا ہے اس لیے ہم یہاں یمن کا لغوی اور شرعی معنی اور یمن اور ایلاء کے شرعی احکام بیان کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة یلیق۔
قسم کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور قسم کی شرائط اور ارکان علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

یمن اصل میں دائیں ہاتھ کو کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے واصحاب الیمین، اس میں قوت اور برکت کے معنی کا اعتبار ہے، اور یمن کا استعارہ حلف سے بھی کیا جاتا ہے کیونکہ جب کوئی شخص کسی سے عہد کرتا ہے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اس کے دائیں ہاتھ پر رکھ کر عہد کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بِاللَّعْنَةِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ
(الفلم: ۳۹) قیامت تک پہنچنے والے ہیں۔
یا تمہارے لیے ہم پر کچھ عہد و پیمان (قسمیں) ہیں جو

قرآن مجید کی زیر بحث آیت میں بھی یمن کا لفظ حلف کے معنی میں ہے۔

(المفردات ص ۵۵۳، مکتبہ الرضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

علامہ طلاء الدین حکنی لکھتے ہیں:

یمن اس قوی عہد کو کہتے ہیں جس کے ساتھ قسم کھانے والا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا عزم کرتا ہے۔ اس کی شرائط یہ ہیں: اسلام، مکلف ہونا اور قسم پوری ہونے کا ممکن ہونا اس کا حکم یہ ہے: قسم کو پورا کرنا یا قسم توڑ کر اس کا کفارہ لو اکر۔ اس کا رکن وہ الفاظ ہیں جن کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے، کیا غیر اللہ کے ساتھ حلف اٹھانا مکروہ ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ ہاں، کیونکہ حدیث میں ہے جو شخص حلف اٹھائے وہ اللہ کے نام سے حلف اٹھائے ورنہ نہ اٹھائے، اور عام فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے، ہمارے فقہاء نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے، خاص طور پر ہمارے زمانہ میں، اور حدیث کی ممانعت کو اس پر محمول کیا ہے جب بغیر یقین دلانے کے قسم کھائی جائے جیسے تمہارے باپ کی قسم، اور تمہاری زندگی کی قسم، (یعنی اللہ کے نام کے ساتھ حلف اٹھانا یقین دلانے اور وثوق کے ساتھ مخصوص ہے اور بغیر وثوق کے غیر اللہ کے ساتھ حلف اٹھانا جائز ہے۔)
(در مختار علی حاشیہ الرد ج ۳ ص ۶۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔)

غیر اللہ کی قسم، اور مستقبل اور ماضی میں طلاق اور عتق کی قسم کھانے کی تحقیق

علامہ ابن عبدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ زبلی نے کہا ہے کہ غیر اللہ کی بیمن (قسم) بھی مشروع ہے اور یہ جزاء کو شرط پر معلق کرنا ہے اور یہ اصطلاحاً بیمن نہیں ہے، اس کو فقہاء کے نزدیک بیمن کہا جاتا ہے، کیونکہ اس سے بھی بیمن باللہ (اللہ کی قسم) کا معنی حاصل ہوتا ہے، اور وہ ہے کسی کام پر ابھارنا یا کسی کام سے رکنا، اور اللہ کی قسم کھانا مکروہ نہیں ہے اور زیادہ قسمیں کھانے کے بجائے کم قسمیں کھانا زیادہ بہتر ہے، اور بعض فقہاء کے نزدیک غیر اللہ کی قسم کھانا مکروہ ہے اور اکثر فقہاء کے نزدیک مکروہ نہیں ہے کیونکہ اس سے مخالف کو یقین اور وثوق حاصل ہوتا ہے، خاص طور پر ہمارے زمانہ میں، اور حدیث میں جو غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت ہے۔ (جو شخص حلف اٹھائے تو اللہ کے ساتھ حلف اٹھائے ورنہ خاموش رہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۸۳) یہ اس پر محمول ہے جب بغیر وثوق دلانے کے قسم کھائی جائے، جیسے کوئی کہے تمہارے بپ کی قسم، میری زندگی کی قسم، فتح القدر میں بھی اسی طرح مذکور ہے، خلاصہ یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم سے کبھی یقین دلایا جاتا ہے تاکہ فریق مخالف حلف اٹھانے والے کی بات پر یقین کر لے، مثلاً طلاق اور عتق پر تعلیق کی جائے (اور یوں کہے کہ اگر میں نے فلاں کام کیا یا نہ کیا تو میری بیوی کو تین طلاق یا میرا غلام آزاد) یہ اس قسم کا حلف ہے جس میں حرف قسم نہیں ہوتا، اور کبھی غیر اللہ کی قسم سے وثوق اور یقین دلانا مقصود نہیں ہوتا اس میں قسم پوری نہ ہونے سے قسم کھانے والا حاثث نہیں ہوتا اور کفارہ لازم نہیں آتا لہذا اس قسم سے فریق مخالف کو حلف اٹھانے والے کی بات پر وثوق اور یقین حاصل نہیں ہوتا، اور رسول اللہ ﷺ کا جو ارشاد ہے جو شخص حلف اٹھائے وہ اللہ کا حلف اٹھائے، یہ اکثر فقہاء کے نزدیک غیر تعلیق پر محمول ہے، کیونکہ غیر تعلیق میں جب کوئی شخص غیر اللہ کی قسم کھائے گا تو وہ غیر اللہ کے نام کو تعظیم میں اللہ کے مساوی قرار دے گا۔ رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خود غیر اللہ کی قسم کھائی ہے جیسے والنہی، واللیل والنجم وغیرہا، تو فقہاء نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ جس کو چاہے معظم قرار دے، اور ہمارے لیے ممانعت کے بعد غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں ہے اور رہی تعلیق تو اس میں غیر اللہ کی تعظیم نہیں ہے (کیونکہ اس میں غیر اللہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔) بلکہ اس میں حصول وثوق کے ساتھ کسی کام پر خود کو ابھارنا ہے یا کسی کام سے خود کو روکنا ہے، لہذا یہ بالاتفاق مکروہ نہیں ہے جیسا کہ ہماری تقریر سے ظاہر ہے، بلکہ ہمارے زمانہ میں اللہ کے نام سے حلف اٹھانے کی بہ نسبت طلاق یا عتق کی قسم سے مخالف کو زیادہ وثوق اور یقین حاصل ہوتا ہے کیونکہ لوگ حاثث ہونے اور لزوم کفارہ کی بہت کم پرواہ کرتے ہیں، اس لیے حلف اٹھانے والا بیوی کو طلاق پڑنے یا غلام آزاد ہو جانے کے ڈر سے قسم پوری نہ کرنے یا قسم کے خلاف کرنے سے باز رہے گا۔ اور معراج میں مذکور ہے کہ اگر کسی نے یقین دلانے کے بغیر یا ماضی کے کسی واقعہ پر طلاق یا عتق کے ساتھ حلف اٹھایا تو یہ مکروہ (تحریمی) ہے۔

(رد المحتار، ج ۳ ص ۴۷-۴۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر غیر اللہ کی قسم کھانا جائز ہے کیونکہ اس سے وثوق اور حث مطلوب نہیں ہوتا، اور علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اس پر اکثر فقہاء کے نزدیک طلاق اور عتق کی قسم کھانا بھی جائز ہے کیونکہ یہ اصطلاحاً قسم نہیں ہے نہ اس میں قسم کے الفاظ ہیں، اور اللہ کی قسم کی بہ نسبت اس میں زیادہ وثاقت ہے، اس لیے خصوصاً ہمارے زمانہ میں یہ قسم جائز ہے مثلاً کوئی شخص کہے کہ اگر میں نے یہ کام کیا یا نہیں کیا تو میری بیوی کو طلاق یا

تین طلاقیں۔ اس کے برعکس ماضی کی کسی بات پر اور دعویٰ میں طلاق اور عتق کے ساتھ حلف اٹھانا اکثر فقہاء کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ علامہ علاء الدین حکنی نے کتب الدعویٰ میں لکھا ہے:

ہرچند کہ خلاف اصرار کرے پھر بھی طلاق اور عتق کے ساتھ حلف نہ اٹھائے (تاتار خانیہ) کیونکہ ان کے ساتھ حلف اٹھانا حرام ہے (خانیہ) اور ایک قول یہ ہے کہ اگر ضرورت ہو تو یہ قاضی کی رائے پر موقوف ہے، سو اگر قاضی نے مدعی علیہ کو حلف دیا اور اس نے انکار کیا اور مل کے دعویٰ میں قاضی نے اس کے خلاف فیصلہ کر دیا تو اکثر کے قول کے مطابق اس کا فیصلہ ٹنڈ نہیں ہوگا۔ فیصلہ کا عدم نفوذ اکثر کے قول پر مبنی ہے لیکن جن فقہاء کے نزدیک مدعی علیہ کو طلاق اور عتق کا حلف دینا جائز ہے، ان کے نزدیک مدعی علیہ کے انکار پر اس کے خلاف قاضی کا فیصلہ ٹنڈ ہو جائے گا ورنہ اس کو حلف دینے کا کیا فائدہ ہے۔ (در مختار علی حاشی الرّد، ج ۳ ص ۴۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن عبدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ جو فقہاء طلاق اور عتق کے ساتھ قسم دینے کے قائل ہیں ان کے نزدیک ہرچند کہ طلاق اور عتق کے ساتھ حلف دینا مشروع ہے، اس کے باوجود مدعی علیہ پر یہ حلف پیش کیا جائے گا کیونکہ جس میں معمولی بھی دیانت ہوگی وہ طلاق اور عتق کا جھوٹا حلف نہیں اٹھائے گا، کیونکہ اس سے یا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی یا اس کی باندی آزاد ہو جائے گی یا لازم آئے گا کہ وہ ان کو بر سبیل حرام اپنے پاس رکھے، اس کے برخلاف جب اس نے اللہ کی قسم کھائی تو اس میں ہر زمانہ میں لوگ بہت تسلل کرتے ہیں۔ (رد المحتار، ج ۳ ص ۴۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حاصل کلام یہ ہے کہ مستقبل میں کسی کلم کے کرنے یا نہ کرنے پر طلاق کی قسم کھانا جائز ہے مثلاً یوں کہے کہ اگر میں نے فلاں کلم نہیں کیا یا کیا تو میری بیوی کو تین طلاقیں یا میری باندی آزاد ہو جائے گی۔ علامہ ابن حمام، علامہ شامی اور اکثر فقہاء کی یہی تحقیق ہے اور جب کسی شخص پر دعویٰ کیا جائے کہ مثلاً اس نے کسی شخص کے ہزار روپے دیئے ہیں یا اس نے کسی کی زمین غصب کر لی ہے، مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں اور مدعی علیہ پر قسم آئے تو اب مدعی علیہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اس کے ذمہ ہزار روپے نہیں ہیں یا اس نے زمین غصب نہیں کی اور علامہ ابن حمام، علامہ زہبی، علامہ حکنی، علامہ شامی اور اکثر فقہاء کے نزدیک اس کے لیے طلاق اور عتق کے ساتھ حلف اٹھانا جائز نہیں ہے مثلاً یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ اگر اس نے زمین غصب کی ہو تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں، اور بعض علماء کے نزدیک اس زمانہ میں یہ حلف دینا جائز ہے کیونکہ لوگ اللہ کی قسم جھوٹی کھاتے ہیں، لیکن بیوی پر طلاق پڑنے سے ڈرتے ہیں۔ نتیجہً مقام یہ ہے کہ مستقبل میں کسی کلم کے کرنے یا نہ کرنے پر طلاق اور عتق کی قسم کھانا اکثر فقہاء کے نزدیک جائز ہے اور ماضی کی کسی بات پر طلاق اور عتق کے ساتھ حلف اٹھانا اکثر فقہاء کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے اور ان کے نزدیک بھی یہ مکروہ تحریمی ہے۔

بیمین غموس (جھوٹی قسم)

علامہ علاء الدین حکنی حنفی لکھتے ہیں:

قسم کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) بیمین غموس (۲) بیمین لغو اور (۳) بیمین منعقدہ۔

اگر کوئی شخص عہدہ ۱۱ جھوٹ پر قسم کھائے تو یہ بیمین غموس ہے مثلاً کسی نے کسی شخص کے ایک ہزار روپے دیئے

ہوں، اور وہ قسم کھائے اللہ کی قسم میں نے اس کے ایک ہزار روپے نہیں دیے، حالانکہ اس کو علم ہو کہ اس نے ایک ہزار روپے دیے ہیں۔ اس کو غموس اس لیے کہتے ہیں کہ یہ قسم، قسم کھانے والے کو گنہ میں ڈال دیتی ہے، یہ قسم مطلقاً گنہ کبیرہ ہے، خولہ اس قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا حق دہائے یا نہ دہائے، کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ بکتر یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، قتل ناحق کرنا اور یمین غموس۔ علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ اس پر یمین کا اطلاق مجازاً ہے کیونکہ یمین ایک عقد مشروع ہے اور یہ محض گنہ کبیرہ ہے۔ اس پر توبہ لازم ہے۔

یمین لغو (بلا قصد قسم)

علامہ حکنی حنفی لکھتے ہیں:

یمین لغو یہ ہے کہ انسان ماضی یا حل کی کسی بات پر اپنی دانست میں جی قسم کھائے اور درحقیقت وہ جھوٹ ہو، اس کو لغو اس لیے کہتے ہیں کہ اس پر کوئی ثمر مرتب نہیں ہوتا، نہ گنہ نہ کفارہ، اس میں قسم کھانے والے کی بخشش کی امید کی گئی ہے۔ امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ یمین لغو اس قسم کو کہتے ہیں جو انسان کی زبان پر بلا قصد جاری ہو جیسے لا واللہ، بلی واللہ نہیں خدا کی قسم، ہاں خدا کی قسم۔ (رد مختار علی حاشیہ المرد، ج ۳ ص ۳۸-۳۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن عبدین شامی لکھتے ہیں:

یمین لغو کی جو تعریف مصنف نے ذکر کی ہے، ہدایہ اس کی شروحات اور دیگر متون میں اسی طرح لکھا ہے لیکن علامہ زبلی نے امام ابو حنیفہ سے امام شافعی کی طرح یمین لغو کی تعریف نقل کی ہے، اسی طرح بدائع میں ہمارے اصحاب کی طرف سے پہلے پہلی تعریف نقل کی ہے، پھر لکھا ہے امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں کی زبان پر جو نہیں خدا کی قسم اور ہاں خدا کی قسم جاری ہوتا ہے یہ یمین لغو ہے۔ ہمارے نزدیک یہ قسم ماضی اور حل پر موقوف ہے اور ہمارے نزدیک یہ لغو ہے اور ہمارے اور امام شافعی کے درمیان اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بلا قصد مستقبل کے متعلق قسم کھائے تو یہ امام شافعی کے نزدیک یمین لغو ہے اور اس میں کفارہ نہیں ہے اور ہمارے نزدیک یہ یمین منعقدہ ہے اور اس میں کفارہ ہے۔ یمین لغو صرف وہ ہے جو ماضی یا حل کے متعلق بلا قصد کھائی جائے۔

(رد المحتار، ج ۳ ص ۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ مالوردی شافعی لکھتے ہیں:

یمین لغو وہ ہے جو زبان پر بلا قصد جاری ہو جاتی ہے جیسے نہیں خدا کی قسم اور ہاں خدا کی قسم، یہ حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے، اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔

(المنکات والعیون، ج ۱ ص ۲۸۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

یمین لغو میں ایک قول یہ ہے کہ ایک شخص اپنے گمان کے مطابق کسی بات پر حلف اٹھائے پھر اس پر منکشف ہو کہ واقعہ اس کے خلاف ہے، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، شعبی، ابن جبر، مجاہد، قتادہ، امام مالک اور مقاتل کا یہی قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کوئی شخص قسم کھانے کے قصد کے بغیر کہے، نہیں خدا کی قسم، ہاں خدا کی قسم، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، طاوس، عروہ، خثی اور امام شافعی کا قول ہے، اس قول پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے

لیکن اللہ تعالیٰ قسموں پر تم سے مولودہ کرے گا جو تم نے پختہ ارادوں سے کھائی ہیں" یہ دونوں قول امام احمد سے منقول ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ آدمی غصہ میں جو قسم کھائے وہ یمین لغو ہے، چوتھا قول یہ ہے کہ آدمی کسی گنہ پر قسم کھائے پھر قسم توڑ کر کفارہ دے اس پر کوئی گنہ نہیں ہے، وہ یمین لغو ہے یہ سعید بن جبیر کا قول ہے، پانچواں قول یہ ہے کہ آدمی کسی چیز پر قسم کھائے پھر اس کو بھول جائے یہ غنی کا قول ہے۔ (زوالمیسر، ج ۱ ص ۲۵۵-۲۵۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ) قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی لکھتے ہیں:

للم مالک کے نزدیک یمین لغو یہ ہے کہ آدمی اپنے گنہ کے مطابق کسی چیز پر قسم کھائے اور واقعہ اس کے خلاف ہو۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۳۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۸ھ)

یمین منعقدہ (باعتقاد قسم)

علامہ علاء الدین حنفی لکھتے ہیں:

اگر مستقبل کے کسی کام پر قسم کھائی جائے تو وہ یمین منعقدہ ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وہ کام فی نفسہ ممکن ہو، اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ خدا کی قسم میں نہیں مومن گا یا خدا کی قسم سورج طلوع نہیں ہوگا تو یہ یمین غموس ہے۔ اگر اس قسم کو پورا نہیں کیا تو اس میں کفارہ ہے۔ (مثلاً اس نے قسم کھائی خدا کی قسم میں کل روزہ رکھوں گا، اب اگر اس نے کل روزہ نہیں رکھا تو اس کو کفارہ دینا ہوگا۔) (در مختار علی حاشیاء الرد، ج ۳ ص ۴۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) کفارہ کی تفصیل اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

لَا يُؤْخَذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فَنِيَ آيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ
يُؤْخَذُكُمُ بِمَا عَقَدْتُمْ الْأَيْمَانَ - فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ
عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ
أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ط فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ آيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَ
احْفَظُوا آيْمَانَكُمْ ۖ (المائدہ: ۸۹)

بلا قصد کھائی ہوئی قسموں پر اللہ تم سے مواخذہ نہیں فرمائے گا، لیکن تمہاری بلا قصد کھائی ہوئی قسموں (یمین منعقدہ) پر تم سے مواخذہ فرمائے گا، تو اس قسم کا کفارہ تمہارے درمیانی قسم کے کھانوں میں سے دس مسکینوں کا کھانا دینا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا دس مسکینوں کو کپڑے دینا ہے، یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو ان میں سے کسی پر قدرت نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا کر (توڑ دو) اور اپنی قسموں کی (نوٹنے سے) حفاظت کرو۔

احکام شریعہ کے اعتبار سے قسم کی اقسام

حالات اور واقعات کے اعتبار سے قسم کھانے کی یہ قسمیں ہیں: فرض، واجب، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام۔

(۱) اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر قسم کھانا فرض ہے۔

(۲) اگر اپنی جان یا کسی مسلمان کی جان کو بچانا قسم کھانے پر موقوف ہو تو قسم کھانا واجب ہے۔ مثلاً کوئی شخص قتل

کے الزام سے بری ہو اور اس پر قسامت کے ذریعہ قسم لازم آ رہی ہو یا کوئی اور مسلم بری ہو اور اس کو علم ہو تو اس پر قسم

کھا کر اپنی اور اس مسلمان کی جان بچانا واجب ہے۔

(۳) اگر دو مسلمانوں میں صلح کرنے کے لیے یا کسی مسلمان کے دل سے بغض زائل کرنے کے لیے یا دفع شر کے

لے قسم کھانی پڑے تو قسم کھانا مستحب ہے۔

(۴) کسی مباح کام پر قسم کھانا مباح ہے، محمد بن کعب القرظی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ منبر پر صاع لے ہوئے کھڑے تھے انہوں نے فرمایا اے لوگو تم اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے قسم کھانے سے گریز نہ کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے میرے ہاتھ میں عصا ہے۔

(۵) کسی مستحب کام کے ترک پر یا کسی مکروہ کام کے ارتکاب پر قسم کھانا مکروہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ (البقرہ: ۲۲۴) تم نیکی، تقویٰ اور خیر خواہی سے بچنے کے لیے اللہ کے نام کی قسمیں کھانے کو ہلکا نہ بناؤ۔

روایت ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت مسطح نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو انہوں نے قسم کھالی کہ وہ حضرت مسطح کو جو صدقات اور خیرات دیا کرتے تھے اب اس کو بند کر دیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَأْتِلُ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ (النور: ۲۲) اور تم میں سے جو لوگ اصحاب فضل اور ارباب وسعت ہیں وہ یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں، مسکینوں، اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہیں کریں گے انہیں معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہئے کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے۔

(۶) جھوٹی قسم کھانا حرام ہے۔ قرآن مجید میں منافقوں کے متعلق ہے:

وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (المجادلہ: ۱۲) وہ دانستہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کا مال کھانے کے لیے جھوٹی قسم کھائی وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہو گا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۸) ایلاء کا معنی اور ایلاء کے بعد وقوع طلاق میں فقہاء احناف کا موقف ایلاء کا لغوی معنی ہے قسم کھانا اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے مدت مخصوصہ تک اپنی منکوحہ سے جماع نہ کرنے کی قسم کھانا اور زیادہ صحیح تعریف یہ ہے کہ اپنی منکوحہ سے چار مہینے تک جماع نہ کرنے کی قسم کھانا۔ علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ اللہ کی قسم میں تم سے مقاربت نہیں کروں گا، یا کہے اللہ کی قسم میں تم سے چار مہینے مقاربت نہیں کروں گا تو وہ ایلاء کرنے والا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کر لیا تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا بردبار ہے اور اگر انہوں نے طلاق ہی کا ارادہ کر لیا ہے تو بے شک اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے۔ (البقرہ: ۲۳۶) اگر اس نے چار مہینے کے اندر اپنی بیوی سے مباشرت کر لی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس پر کفارہ لازم ہو گا اور

ایہ ساقط ہو جائے گا اور اگر اس نے چار مہینے اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کی تو اس کی بیوی پر از خود طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔ امام شافعی نے کہا کہ قاضی کے تفریق کرنے سے طلاق بائنہ واقع ہوگی جیسا کہ مقطوع المآلہ اور نامرد کے مسئلہ میں قاضی کی تفریق سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے عورت کے حق کو اس سے سلب کر کے اس پر ظلم کیا ہے اس لیے شریعت نے اس کو یہ سزا دی ہے کہ اس مدت کے پوری ہونے پر نکاح کی نعمت اس سے زائل ہو جائے گی۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے اور ان کی اقتداء کرنی ہمارے لیے کافی ہے اور اس لیے کہ زنہ جاہلیت میں قسم کھاتے ہی فوراً طلاق واقع ہو جاتی تھی اور شریعت اسلامیہ نے وقوع طلاق کے لیے مدت پوری ہونے کی حد مقرر کر دی۔

اگر اس نے چار ماہ تک مقاربت نہ کرنے کی قسم کھائی تھی تو چار ماہ کے بعد قسم ساقط ہو جائے گی اور اگر اس نے یہ قسم کھائی تھی کہ میں کبھی بھی اس سے مقاربت نہیں کروں گا تو چار ماہ بعد اس کی بیوی کو طلاق بائنہ ہو جائے گی اور قسم باقی رہے گی، پھر اگر اس نے اس سے دوبارہ نکاح کر لیا اور اس کے بعد مقاربت کر لی تو نبھا اور اسے اس قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا اور اگر اس نے پھر چار ماہ تک مقاربت نہیں کی تو اس کی بیوی پر دوبارہ طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور اگر اس نے اس سے پھر تیسری بار نکاح کر لیا تو پھر اسی طرح ہو گا یعنی اگر اس نے مقاربت کر لی تو نبھا ورنہ چار ماہ بعد پھر اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور اس کے بعد حلالہ شریعہ کے بغیر وہ اس سے چوتھی بار نکاح نہیں کر سکتا اور چوتھی بار نکاح کرنے کے بعد پھر اسی طرح ہو گا۔

اگر اس نے چار ماہ سے کم کی قسم کھائی ہے تو یہ ایلاء نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس نے فرمایا چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں ہے، کیونکہ جس شخص نے ایک ماہ مقاربت نہ کرنے کی قسم کھائی اور پھر چار ماہ تک مقاربت نہیں کی تو بقیہ تین ماہ کے عرصہ میں اس نے بغیر قسم کے مقاربت نہیں کی اور جو بغیر قسم کے تین ماہ بلکہ اس سے زائد عرصہ تک بھی مقاربت نہ کرے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (حدایہ لولین ص ۳۰۲-۳۰۱، مطبوعہ شرکۃ مطبعہ ملکن)

علامہ المرغینانی نے امام شافعی کا جو یہ مذہب نقل کیا ہے کہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد قاضی کی تفریق سے طلاق بائنہ ہوگی، یہ نقل صحیح نہیں ہے، بلکہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ مدت گزرنے کے بعد شوہر کو اختیار ہے چاہے تو رجوع کر لے اور چاہے تو طلاق دیدے۔

ایلاء کے بعد وقوع طلاق میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب اور دلائل اور فقہاء احناف کی طرف سے جوابات

علامہ ہارودی شافعی لکھتے ہیں:

چار ماہ گزرنے کے بعد وقوع طلاق کے متعلق دو قول ہیں، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن زید، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ اس مدت کے گزرنے کے بعد طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے، اور حضرت عمر، اور حضرت علی کا دو سرا قول، اور ایک روایت میں حضرت عثمان کا دو سرا قول یہ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد شوہر کو اختیار ہے خولہ رجوع کرے خولہ طلاق دے دے، امام شافعی اور اہل مہنہ کا یہی

(الکت والبعون ج ۱ ص ۲۸۸-۲۸۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

مذہب ہے۔

علامہ ابن جوزی حنبلی نے بھی موخر الذکر قول نقل کیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

ابو صالح نے بیان کیا کہ بارہ صاحب سے یہی (موخر الذکر) قول منقول ہے اور امام مالک، امام احمد اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد از خود طلاق واقع ہو جائے گی، اور یہ طلاق بائن ہوگی، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت قیس بن زبیب سے یہی منقول ہے۔

(زاد المسیر، ج ۱ ص ۲۵۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”فان عزموا الطلاق“ ”پس اگر وہ طلاق کا ارادہ کریں“ اس میں یہ دلیل ہے کہ مدت گزرنے سے از خود طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ طلاق اس وقت واقع ہوگی جب شوہر طلاق دینے کا قصد کرے گا، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ چار ماہ تک اس کا رجوع نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا عزم طلاق ہے، ہمارے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ چار ماہ تک رجوع نہ کرنا اس کا ماضی ہے اور ماضی پر عزم کرنا محمل ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد اگر وہ طلاق کا عزم کریں، اس سے معلوم ہوا کہ چار ماہ گزرنے کے بعد اس کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہوگی۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۲۳۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۸ھ)

قاضی ابوبکر ابن العربی کا یہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے اگر وہ طلاق کا عزم کریں یہ نہیں فرمایا کہ وہ زبان سے طلاق دیں، جب کہ ائمہ ثلاثہ کا یہ مذہب ہے کہ شوہر جب زبان سے طلاق دے گا تو طلاق واقع ہوگی، اور قرآن مجید میں زبان سے طلاق دینے کا ذکر نہیں ہے بلکہ طلاق کے عزم کا ذکر ہے اور اس کا چار ماہ تک رجوع نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے اس کا عزم طلاق دینا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”پس اگر وہ طلاق کا عزم کریں“ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اس مدت کے بعد وہ عزم کریں بلکہ اس کا معنی ہے اگر وہ طلاق کے عزم پر مستمر اور برقرار رہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”بہت جاننے والا ہے، یعنی ان کے دل کی بات کو سننے والا ہے اور ان کی نیت کو جاننے والا ہے“ سننے کا تعلق صرف کلام لفظی سے نہیں ہوتا بلکہ کلام نفسی سے بھی ہوتا ہے۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ

اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (معتد ثانی سے) روکے رکھیں، اور اگر وہ اللہ اور

أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ

یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے ان

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبَعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ

کے رحموں (بچہ دانوں) میں پیدا کیا ہے، اور ان کے خاوند اس مدت میں (طلاق رجعی کو) واپس لینے کے زیادہ مختار ہیں بشرطیکہ

اَسَادُوا الصَّلَاحًا وَلَكُمْ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْكُمْ بِالْمَعْرُوفِ

ان کا ارادہ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کا ہو، اور عورتوں کے لیے بھی دستور کے مطابق مردوں پر اسی طرح

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْكُمْ دَرَجَةٌ ۖ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۚ

حقائق ہیں جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ نفیست ہے اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے

مطلقہ عورتوں کی عدت مقرر کرنے کا شان نزول

اس سے پہلے ایلاء کی دو آیتوں کو اللہ تعالیٰ نے طلاق پر ختم کیا تھا اور طلاق کو عدت لازم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عدت کا حکم بیان فرمایا ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے اس آیت کے شان نزول میں حسب ذیل احادیث ذکر کی ہیں۔

امام ابو داؤد، امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید بن اسکن انصاریہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں طلاق دی گئی، اس وقت مطلقہ کے لیے کوئی عدت نہیں ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے طلاق کی عدت کو بیان فرمایا اور یہ آیت نازل فرمائی، وہ پہلی خاتون ہیں جن کے متعلق عدت طلاق نازل ہوئی۔

امام عبد بن حمید نے قولہ سے روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں طلاق کی کوئی عدت نہیں ہوتی تھی۔

(الدر المنثور، ص ۲۷۴، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

مطلقہ عورتوں کی اقسام اور ان کی عدتوں کا بیان

اس آیت میں مطلقات کی عدت تین قروء (تین حیض) بیان کی گئی ہے اور مطلقہ کے کئی افراد ہیں، غیرہ خولہ کی

سرے سے عدت ہی نہیں ہے:

اے مسلمانو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر تم

ان کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دو، تو پھر تمہارے لیے ان پر

کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرو، سو تم ان کو کچھ فائدہ پہنچاؤ اور

حسن سلوک کے ساتھ انہیں چھوڑ دو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ

طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ

عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَلُونَهَا ۚ فَمَتَّعُوهُنَّ

سَرَّ حَوْسُهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا (الاحزاب: ۴۹)

اور جو عورت مطلقہ ہو اور طلعہ ہو اس کی عدت وضع حمل ہے:

اور طلعہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ

حَمْلَهُنَّ (الطلاق: ۴)

اور جو عورت مطلقہ ہو، غیر طلعہ ہو لیکن صغیر یا بچہ کی وجہ سے اس کو حیض نہ آتا ہو اس کی عدت تین ماہ ہے:

تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں

اگر حمیس اشبلہ ہو (کہ ان کی عدت کیا ہوگی؟) تو ان کی عدت

تین مہینے ہے، اور جن عورتوں کو ابھی حیض آنا شروع نہیں ہوا۔

وَالَّذِي يَنْسَى مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ

ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَالَّذِي لَا يَحِضُّ

(الطلاق: ۳) (ان کی عدت بھی تین ماہ ہے)

اور جو مطلقہ عورت مدخولہ ہو غیر حائلہ ہو بلاغہ اور جوان ہو لیکن باندی ہو اس کی عدت دو حیض ہے، سو اس آیت میں جس مطلقہ عورت کی عدت تین حیض بیان کی گئی ہے وہ ایسی مطلقہ عورت ہے جو مدخولہ ہو، غیر حائلہ ہو، بلاغہ اور جوان ہو اور آزلو ہو، اور مطلقہ کے عموم سے مطلقہ عورتوں کے باقی افراد مستثنیٰ ہیں اس لیے یہ آیت عام مخصوص عنہ البعض ہے۔
عدت کا لغوی اور شرعی معنی اور عدت کے احکام:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ
لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا
تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ
يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَنَلَكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ
يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۖ

اے نبی! (مسلمانوں سے کہیے) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو، تو ان کو عدت کے لیے (اس زمانہ میں جس میں جماع نہ کیا ہو) طلاق دو، اور عدت کو شمار کرو، اور اپنے رب اللہ سے ڈرتے رہو، تم مطلقہ عورتوں کو دوران عدت ان کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ خود (بھی) نہ نکلیں البتہ اگر وہ کسی کملی بے حیائی کا ارتکاب کریں (تو پھر نکال دو) یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے

(الطلاق: ۱) اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

عدت کا لغوی معنی ہے گنا اور شمار کرنا، اور اس کا اصطلاح شرع میں یہ معنی ہے کہ زوال نکاح کے بعد عورت کا شوہر کے مکان میں ایک مدت معینہ تک ٹھہرنا اور انتظار کرنا۔ عورت کے حق میں عدت کا رکن یہ ہے کہ دوران عدت اس کا گھر سے باہر نکلتا حرام ہے، اور دوران عدت نکاح کرنا یا نکاح کا پیغام قبول کرنا حرام ہے، اور مرد پر لازم ہے کہ وہ عدت کے زمانہ میں عورت کو رہائش اور کھانے کا خرچ مہیا کرے۔ اگر اس نے تین طلاقیں دی ہیں تو مطلقہ اس کے گھر میں اجنبی عورت کی طرح رہے گی اور اس سے پردہ کرے گی۔ عدت کے دوران مرد پر مطلقہ کی بہن اس کی پھوپھی، اس کی خالہ، اس کی بھتیجی اور اس کی بھانجی سے نکاح کرنا حرام ہے، اسی طرح اگر مطلقہ اس کی چوتھی بیوی تھی اور بقیہ تین اس کے نکاح میں ہیں تو اب وہ دوران عدت مزید کسی عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔ (رد المحتار، ج ۲ ص ۵۹۹-۵۹۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) عدت مقرر کرنے کی حکمتیں

عدت کی حکمت یہ ہے کہ عورت کے رحم کا استبراء ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں، کیونکہ اگر اس کو حیض آگیا تو وہ حاملہ نہیں ہوگی اور اس کی عدت تین حیض ہوگی، ورنہ وضع حمل تک اس کی عدت ہوگی، دوسری حکمت یہ ہے کہ اگر عورت دوسرا نکاح کرتی ہے تو اس نکاح اور دوسرے نکاح کے درمیان وقفہ ہونا چاہئے تاکہ اس وقفہ میں عورت کے دل و دماغ پر پہلے شوہر کے جو اثرات نقش ہو چکے تھے وہ محو ہو جائیں اور وہ خالی الذہن ہو کر دوسرے شوہر کے نکاح میں جائے، تیسری حکمت یہ ہے کہ عدت کے دوران عورت طلاق کے عواقب اور نتائج پر غور کرے کہ اس کی کس خطایا زیادتی کی وجہ سے طلاق واقع ہوئی تاکہ دوسرے نکاح میں وہ ان غلطیوں کا اعادہ نہ کرے اور اگر شوہر کی کسی بدسلوکی یا زیادتی کے نتیجے میں طلاق واقع ہوئی ہے تو اب دوسرے نکاح میں بنیادہ غور و فکر اور تامل سے کام لے اور احتیاط سے نکاح کرے تاکہ پھر اسی قماش کے شوہر کے پلے نہ بندھ جائے۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ اگر ایک طلاق یا دو طلاقیں کی

حکم کر رہی ہے تو شوہر کے لیے اس طلاق سے رجوع کرنے کا موقع باقی رہے اور جس جھگڑے یا فسلہ کی بناء پر یہ طلاق واقع ہوئی تھی بعد میں جب فریقین کا جوش غضب ٹھنڈا ہو جائے تو اس جھگڑے کے عوامل پر غور کریں اور شوہر حسن سلوک کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے رجوع کر لے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: ”اور ان کے خلوند اس مدت میں (طلاق رجعی کو) واپس لینے کے زیادہ حقدار ہیں بہ شرطیکہ ان کا ارادہ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کا ہو“ اس لیے یہ ضروری ہے کہ صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ دو طلاقیں دی جائیں تاکہ رجوع کا موقع باقی رہے اور تین طلاقیں دے کر بعد میں پچھتانا نہ پڑے اور بچوں کی زندگی ویران نہ ہو ہمارے زمانہ میں یہ دبا عام ہے کہ لوگ جب طلاق دیتے ہیں تو تین طلاقیں سے کم نہیں دیتے یا وثیقہ نویس سے طلاق لکھواتے ہیں اور وہ تین طلاقیں لکھ کر دستخط کرا لیتا ہے اور جب جھگڑے کا جوش ختم ہو جاتا ہے تو میاں بیوی دونوں در بدر مارے مارے پھرتے ہیں۔ غیر مقلد مولوی سے فتویٰ لیتے ہیں یا حلالہ کی ناگوار صورت اختیار کرتے ہیں۔

قرء کے معنی کے متعلق ائمہ لغت کی تصریحات

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کی عدت تین قروء بیان فرمائی ہے لیکن قروء کی تفسیر میں مجتہدین کا اختلاف ہے امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک قروء کا معنی حیض ہے، اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک قروء کا معنی طہر ہے۔ لغت میں قروء کا معنی حیض اور طہر ہے اور یہ لغت اضداد سے ہے۔ علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں:

قرء کا معنی حیض طہر اور وقت ہے۔ (قاموس ج ۱ ص ۳۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
علامہ جوہری لکھتے ہیں:

قرء کا معنی حیض ہے اس کی جمع قروء اور اقراء ہے حدیث میں ہے اپنے ایام اقراء میں نماز کو ترک کر دو اس حدیث میں قرء کا اطلاق حیض پر ہے اور قرء کا معنی طہر بھی ہے یہ لغت اضداد سے ہے۔

(الصحاح ج ۱ ص ۶۳ مطبوعہ دار العلم بیروت ۱۳۰۳ھ)

علامہ ابن منظور افریقی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۳۰ مطبوعہ نشر اب الحوزہ قم ایران ۱۳۰۵ھ)
علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

قرء حقیقت میں طہر سے حیض میں داخل ہونے کا نام ہے اور جب کہ یہ لفظ حیض اور طہر دونوں کا جامع ہے تو اس کا ہر ایک پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو (نکاح ثانی سے) تین قروء تک روکے رکھیں یعنی تین حیض تک روکے رکھیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے ایام اقراء میں نماز پڑھنے سے بیٹھی رہو یعنی اپنے ایام حیض میں۔ لہذا لغت نے کہا ہے کہ قرء کا معنی ہے جمع ہونا اور ایام حیض میں رحم میں خون جمع ہوتا ہے۔

(المفردات ص ۴۰۲ مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ ایمان ۱۳۳۲ھ)

قرء بہ معنی حیض کی تائید میں احادیث اور فقہاء احتف کے دلائل
لام تنفی روایت کرتے ہیں:

عدی بن ثابت اپنے والد سے اور وہ اپنے دوا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مستحاضہ کے متعلق فرمایا تم اپنے ایام اقراء میں نماز چھوڑ دو جن میں تم کو حیض آتا ہے پھر تم غسل کرو اور ہر نماز کے لیے وضو کرو نماز پڑھو اور

روزہ رکھو۔

(جامع ترمذی ص ۴۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرء کا اطلاق حیض پر کیا ہے اور یہ دلیل بھی ہے کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے کیونکہ اقراء عربی قولہ کے اعتبار سے جمع قلت ہے اور اس کا اطلاق کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن پر ہوتا ہے اور آپ نے حیض کے لیے اقراء کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد (۱)، امام نسائی (۲)، اور امام دار قطنی (۳) نے بھی روایت کیا ہے۔ نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا باندی کی طلاق (مطلقہ) دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔ (جامع ترمذی ص ۴۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام ابو داؤد (۱)، امام ابن ماجہ (۵)، امام مالک (۸)، امام دارمی (۱۵)، اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (۸) اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ آزلو اور باندی کی عدت کے عدد میں فرق ہے جس میں فرق نہیں ہے اور جب باندی کی عدت دو حیض ہے تو آزلو عورت کی عدت تین حیض ہوئی، اور حدیث میں یہ تصریح ہے کہ قرء سے مراد حیض ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق، امام ابن جریر اور امام بیہقی نے عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے کہ محمد ﷺ کے اصحاب نے کہا الاقراء سے مراد حیض ہے۔

امام ابن جریر اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ثلاثۃ قروء سے مراد تین حیض ہیں۔

امام عبد بن حمید نے مجاہد سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حیض ہے۔

ویکیح نے حسن سے روایت کیا ہے کہ عورت حیض کے ساتھ عدت گزارے خواہ اس کو ایک سال کے بعد حیض

آئے۔

امام عبدالرزاق نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ الاقراء حیض ہیں، طہر نہیں ہیں۔

امام عبدالرزاق اور امام بیہقی نے حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ طلاق دینا مردوں پر موقوف ہے اور

(۱) امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۷، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

(۲) امام ابو عبد الرحمن نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۱ ص ۶۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۳) امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۲۸۵ھ، سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۱۲، مطبوعہ نشر النستہ ملتان

(۴) امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۹۸، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

(۵) امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۵۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

(۶) امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک ص ۵۳۶، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور۔

(۷) امام عبد اللہ بن عبد الرحمن متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی ج ۲ ص ۲۹۸، مطبوعہ نشر النستہ ملتان

(۸) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۶ ص ۱۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

(لور المنثور ج ۱ ص ۲۷۵، ۲۷۴ مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران۔)

عدت عورت پر موقوف ہے۔

فقہاء احناف نے ثلاثہ قروء میں لفظ عدت سے بھی استدلال کیا ہے کیونکہ اگر قرء کا معنی طہر لیا جائے تو جس طہر میں طلاق دی جائے گی اس طہر کو شمار کیا جائے گا یا نہیں، اگر اس طہر کو شمار کیا جائے تو دو طہر اور ایک طہر کا کچھ حصہ یعنی ڈھائی طہر عدت قرار پائے گی اور اگر اس طہر کو شمار نہ کیا جائے تو ساڑھے تین طہر عدت قرار پائے گی اور تین قروء صرف اسی صورت میں عدت ہو سکتی ہے جب قرء کا معنی حیض کیا جائے۔

فقہاء احناف نے قرء بہ معنی حیض لینے پر یہ عقلی استدلال کیا ہے کہ عدت مشروع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ استبراء رحم ہو جائے یعنی یہ معلوم ہو جائے کہ عورت کے رحم میں شوہر کا نطفہ استقرار پا گیا ہے اور بچہ بننے کا عمل شروع ہو گیا ہے یا اس کا رحم خلل اور صاف ہے سو اگر عورت کو حیض آگیا تو معلوم ہوا کہ اس کا رحم خلل ہے اور اگر حیض نہیں آیا تو معلوم ہوا کہ اس میں نطفہ ٹھہر گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدت کی حکمت حیض سے پوری ہوتی ہے نہ کہ طہر سے، اس لیے صحیح یہی ہے کہ قرء کا معنی حیض کیا جائے۔

فقہاء شافعیہ اور مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے فطلقوهن لعدتھن (الطلاق: ۱) انہوں نے کہا اس آیت میں لام توقیت کے لیے ہے اور آیت کا معنی ہے: ان کو عدت کے وقت میں طلاق دو، اور چونکہ حیض میں طلاق دینا مشروع نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عدت کا وقت طہر ہے اس لیے ثلاثہ قروء میں قرء بہ معنی طہر ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں لام توقیت کے لیے نہیں بلکہ اختصاص کے لیے ہے یعنی طلاق عدت کے ساتھ مختص ہے اور عدت حیض سے شروع ہوتی ہے، اس لیے طلاق حیض سے پہلے دینی چاہئے نہ کہ دوران حیض۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ایک قرأت میں ہے نبی ﷺ نے اس آیت کو یوں بھی پڑھا ہے فی قبل عدتھن۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۱۳۲) یعنی ان کو عدت سے پہلے طلاق دو، نیز قرء بہ معنی حیض پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ثلاثہ قروء کے بعد فرمایا ہے ”عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے۔“ اور یہ واضح ہے کہ اس کا تعلق حیض سے ہے نہ کہ طہر سے۔

قرء کے معنی کی تفسیر میں دیگر ائمہ مذاہب کی آراء

علامہ مالوردی شافعی لکھتے ہیں:

قروء کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حیض ہے یہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابو موسیٰ، مجاہد، قتادہ، ضحاک، عکرمہ، سدی، لام مالک اور لام ابو حنیفہ کا قول ہے (علامہ مالوردی کو نقل میں تسلسل ہوا ہے، لام مالک کے نزدیک اس کا معنی حیض نہیں، طہر ہے، البتہ لام احمد کے نزدیک اس کا معنی حیض ہے) دو سرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی حیض ہے یہ حضرت عائشہ، حضرت ابن عمر، حضرت زید بن ثابت، زہری، ابن بن عثمان، لام شافعی اور اصل مجاز کا قول ہے۔

(الکت والعیون ج ۱ ص ۳۸۰-۳۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین لوہار یا تین انتقالات تک (مقد ملنی سے) روکے رکھیں، اور مطلقہ کبھی حیض سے طہر کی طرف اور کبھی طہر سے حیض کی طرف منتقل ہوتی ہے، اور یہاں طہر سے حیض کی

طرف انتقال تو قطعاً مرلو نہیں ہے کیونکہ حیض میں طلاق دینا تو اصلاً مشروع نہیں ہے اور جبکہ طلاق دینا طہر میں مشروع ہے تو پھر عدت تین انتقالات ہے اور پہلا انتقال اس طہر سے ہے جس میں طلاق واقع ہوئی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۵۵-۵۴ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

اقراء کے متعلق فقہاء کے دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مرلو حیض ہے، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابو موسیٰ، حضرت عبیدہ بن الصامت، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم، عکرمہ، ضحاک، سدی، سفیان ثوری، لوزاعی، حسن بن صالح، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے، امام احمد نے کہا میں پہلے یہ کہتا تھا کہ قرء، معنی طہر ہے، اور اب میرا مذہب یہ ہے کہ قرء کا معنی حیض ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اقراء سے مراد اطہار ہیں، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن عمر، حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہم، زہری، لبنان بن عثمان، امام مالک بن انس اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔ (زوالمیر، ج ۱ ص ۲۵۹-۲۶۰ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

ہرچند کہ قرء کا اطلاق حیض اور طہر دونوں پر ہوتا ہے، لیکن چند دلائل کی وجہ سے قرء، معنی حیض رائج ہے، ایک دلیل یہ ہے کہ اہل لغت نے کہا ہے کہ قرء کا معنی اصل لغت میں وقت ہے اور اس لحاظ سے اس کا بہ معنی حیض ہونا رائج ہے، کیونکہ وقت کسی چیز کے حلول ہونے کا ہوتا ہے اور حلول حیض ہوتا ہے کیونکہ طہر تو حالت اصلی ہے اور بعض نے کہا قرء کا معنی اصل لغت میں جمع اور تالیف ہے، اس اعتبار سے بھی حیض لوٹی ہے کیونکہ لیام حیض میں رحم میں خون جمع ہوتا رہتا ہے، دوسری دلیل یہ ہے کہ اس عورت کو ذات الاقراء کہا جاتا ہے جس کو حیض آتا ہو، اور جو کم سن ہو یا بڑھیا بانجھ ہو اس کو ذات الاقراء نہیں کہا جاتا حالانکہ طہر تو ان کو اس وقت حاصل ہوتا ہے، تیسری دلیل یہ ہے کہ لغت قرآن پر اتھارٹی تو نبی ﷺ کی ذات مقدسہ ہے اور نبی ﷺ نے قرء کو حیض کے معنی میں استعمال فرمایا ہے طہر کے معنی میں استعمال نہیں فرمایا کیونکہ آپ نے فرمایا مستحاضہ اپنے لیام اقراء میں نماز پڑھنا چھوڑ دے، اور آپ نے حضرت فاطمہ بنت ابی حیش سے فرمایا جب تمہارا قرء آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب وہ چلا جائے تو غسل کر کے نماز پڑھو، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کا قرء دو حیض ہیں۔ اور ایک روایت میں فرمایا اس کی عدت دو حیض ہیں، اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اوطاس کی باندیوں کے متعلق فرمایا وضع حمل سے پہلے حاملہ سے وطی نہ کی جائے اور جب تک ایک حیض سے استبراء نہ ہو جائے غیر حاملہ سے وطی نہ کی جائے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۶۷-۳۶۸ ملخصاً، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب وطی شدہ باندی کو بہہ کیا جائے یا اسے فروخت کیا جائے یا وہ آزاد ہو جائے تو ایک حیض کے ساتھ اس کے رحم کا استبراء کیا جائے اور کنواری باندی کا استبراء نہ کیا جائے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۸-۲۹۷ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اسلام میں عورتوں کے مردوں پر حقوق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور عورتوں کے لیے بھی دستور کے مطابق مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اور مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ فضیلت ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں ہم پہلے یہ بیان کریں گے کہ اسلام نے عورتوں کو کیا حقوق دیئے ہیں اس کے بعد مردوں کے حقوق اور ان کی فضیلت بیان کریں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَجِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا
النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَعْضَلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ
مَا آتَيْنَهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ وَ
عَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ
فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا
كَثِيرًا ۝ وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَ
آتَيْتُمْ أَحَدَهُنَّ فَنُطْرًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا
أَنَّا خُلُوفٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَبِيتِنَا ۝ وَكَيْفَ نَأْخُذُوهُ
وَقَدْ أَقْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَا مِنْكُمْ
مِيثَاقًا غَلِيظًا۔ (النساء: ۲۰-۱۸)

اے ایمان والو! تمہارے لیے زبردستی عورتوں کا وارث بن جانا جائز نہیں ہے اور ان سے اپنے دیئے ہوئے مہر کا بعض حصہ لینے کے لیے ان کو نہ روکو، مگر اس کے کہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی کا کام کریں، اور تم ان کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ زندگی گزارو، پس اگر تم ان کو پسند کرو تو یہ ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور اللہ تمہارے لیے اس میں خیر کثیر رکھ دے، اور اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی سے نکاح کا ارادہ کرو اور تم ان میں سے کسی ایک کو بہت زیادہ مل دے چکے ہو تو اس سے کوئی چیز واپس نہ لو، کیا تم اس مل کو بہتان باندھ کر واپس لو گے؟ اور کھلے گناہ کا ارتکاب کرو گے! اور تم اس مل کو کیسے واپس لو گے حالانکہ تم (خلوت میں) ایک دوسرے سے باہم مل چکے ہو؟ اور وہ تم سے (عقد نکاح کے ساتھ) پختہ عہد لے چکی ہیں۔

ان آیتوں کا شکیں نزول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا خلود مرجاتا تو اس کے خلود کا سوتیلا بیٹا یا بھائی یا کوئی اور رشتہ دار اس سے بالجبر نکاح کر لیتا یا کسی دوسرے شخص سے اس کا بالجبر نکاح کر دیتا اور اس کے کل مہر یا آدمے مہر قبضہ کر لیتا، اسلام نے عورتوں پر اس ظلم اور بری رسم کو مٹایا اور زبردستی عورتوں کا کسی سے بھی نکاح کرنے سے منع فرمایا، دوسری اہم چیز ہے مہر کا تحفظ کرنا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ مختلف جیلوں بہانوں سے عورتوں کا مہر دبا لیتے تھے، اسلام نے اس بری رسم کو مٹایا، واضح رہے کہ دنیا کے کسی مذہب میں بھی عورتوں کے لیے مہر کو لازم نہیں کیا صرف اسلام نے ہی عورتوں کو یہ حق دیا ہے، مہر کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر خلود عورت کو طلاق دیدے یا مرجائے تو عورت کے پاس مہر کی صورت میں ایک مستقل آمدنی ہو جس کے ذریعہ وہ اپنے نئے مستقبل کا آغاز کر سکے۔

ان آیتوں میں عورتوں کا خلود پر تیسرا حق یہ بیان کیا ہے کہ مردوں کو ہدایت دی کہ وہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ رہائش میں، کھانے پینے، بت چیت کرنے میں اور دیگر عائلی اور خانگی معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ رہیں۔

چوتھا حق یہ بیان کیا ہے کہ اگر عورت کی صورت یا سیرت تم کو پسند ہو پھر بھی اس کے ساتھ ازدواج کے ٹاپے نہ توڑو اور مہر و شکر کے ساتھ اس کے مہر و زندگی گزارو ہو سکتا ہے کہ اس سے ایسی صلح لوللا پیدا ہو کہ اسے دیکھ کر تم بیوی کی بد صورتی یا اس کی بری عادتوں کو بھول جاتو یا کسی اور وجہ سے اللہ تمہارے لیے اس نکاح میں ڈھیروں برکتیں نازل

فرمے

پانچوں حق یہ بیان کیا ہے کہ اگر عورت کو تم سونے چاندی کے پل کے برابر ڈھیروں مل بھی دے چکے ہو خواہ مہر کی صورت میں یا ویسے ہی بہ طور ہبہ، تو اس مل کو اب اس سے دلہن نہ لو، تم نے تو صرف مل دیا ہے عورت تو اپنا جسم اور بدن تمہارے حوالے کر چکی ہے اور جسم و جان کے مقابلہ میں مل کی کیا حقیقت ہے۔

فَإِنْ حِفْظُكُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ لَكُمْ لَكُمْ
أَيَّمَانُكُمْ طَلِكِ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۝ وَأَتُوا النِّسَاءَ
صَدَقْتِهِنَّ نِحْلَةً ۝ (النساء: ۳-۴)

پھر اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ تم ان (تعدد ازواج) میں عدل قائم نہ رکھ سکو گے، تو فقط ایک سے نکاح کرو، یا اپنی مملوکہ باندیوں پر اکتفاء کرو، یہ کسی ایک زوجہ کی طرف بہت مائل ہونے سے زیادہ قریب ہے اور عورتوں کو ان کا مہر خوشی سے لوار کرو۔

اسلام نے ضرورت کی بنا پر تعدد ازواج کی اجازت دی ہے، لیکن جو ان میں عدل کر سکے، اور جو عدل نہ کر سکے اس کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ صرف ایک نکاح پر اکتفا کرے۔ ان آیتوں میں عورتوں کا مردوں پر ایک حق یہ بیان کیا ہے کہ ان میں عدل و انصاف کیا جائے اور دوسرا حق یہ بیان کیا ہے کہ ان کا مہر خوشی سے لوار کیا جائے۔ سورہ نساء کی ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مہر کی لواٹنی کے متعلق بہت تاکید کی ہے اور ہمارے دور میں اس معاملہ میں بہت سستی کی جاتی ہے۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ
بِالْمَعْرُوفِ ۝ (البقرہ: ۲۳۳)

اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق اس شخص کے ذمہ ہے جس کا بچہ ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا کہ عورتوں کا مردوں پر یہ حق ہے کہ وہ ان کو کھانا اور کپڑا مہیا کریں، اگر عورتیں امور خانہ داری انجام دیتی ہیں اور کھانا پکاتی ہیں تو یہ ان کی طرف سے احسان ہے اور ازواج مطہرات اور صحابیات کی سنت ہے۔

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاتُّوهُنَّ أَجُورَهُنَّ ۖ وَ
اتِمُّوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَإِنْ تَعَاَسَرْتُمْ
فَسَرِّضْ لَهَا الْآخَرَىٰ ۚ (الطلاق: ۶)

پھر اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دو، اور آپس میں دستور کے مطابق مشورہ کرو، اور اگر تم باہم دشواری محسوس کرو تو بچہ کو کوئی اور عورت دودھ پلا دے گی۔

اس آیت میں بتایا ہے کہ بچہ کو دودھ پلانا عورت کی ذمہ داری نہیں ہے، اور عورت مرد کی غلام نہیں ہے، اور مرد ڈکٹیشن بنے بلکہ گھریلو معاملات کو باہمی مشاورت سے چلائیں اور اگر عورت بچہ کو دودھ پلائے تو اس کا یہ حق ہے کہ مرد سے اس کی اجرت لے لے اور یہ کہ عورت کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

اگر شوہر اور بیوی کے درمیان کوئی مناقشہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے عورت کے حقوق کی محافظت کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّتِي تَخَافُ مِنْ نُشُوزِهَا فَعَظْمُوهَا
وَأَهْجُرُوْهَا فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهَا فَإِنْ
أَطَعَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهَا سَبِيلًا ۝

اور جن عورتوں سے تمہیں نافرمانی کا خوف ہو، ان کو (زہری) نصیحت کرو اور انہیں ان کی خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو، (اگر وہ پھر بھی باز نہ آئیں) تو انہیں (تادیباً) خفیف (سا) مارو، پھر

وہ اگر تمہاری فراموشی کریں تو انہیں تکلیف پہنچانے کا کوئی
(النساء: ۳۴) بدلہ تلاش نہ کرو۔

تعدد ازواج کی صورت میں عدل و انصاف کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

خواہ تم عدل کرنے پر حریص ہو پھر بھی تم متعدد ازواج میں
عدل نہ کر سکو گے (تو جس کی طرف تم کو رغبت نہ ہو) اس سے
کھل اعراض نہ کرو کہ اسے یوں چھوڑ دو گویا وہ درمیان میں لٹکی
ہوئی ہے، اور اگر تم اپنی اصلاح کر لو اور خدا سے ڈرو تو بے شک
اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ اور اگر شوہر اور بیوی علیحدگی
اختیار کر لیں، تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی وسعت سے مستغنی کر
دے گا۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ
حَرَضْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ فَتَكْرُوهَا
كَالْمُعْلَقَةِ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ
غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّنْ
سَعْيِهِ ۚ (النساء: ۳۴)

اگر عورت کو طلاق دے دی جائے تو اللہ تعالیٰ نے دوران عدت عورت کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ان عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں خود
رہتے ہو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر
وہ عورتیں حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دیتے رہو۔

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ
وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ط وَإِنْ كُنَّ
أُولَاتٍ حَمِلَ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ
حَمْلَهُنَّ ۚ (الطلاق: ۶)

یہ تو اس مطلقہ عورت کے حقوق تھے جس کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہو اور جس عورت کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی
ہو اس کے حلقہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اگر تم نے عورتوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی اور
آں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تم پر آدھا مہر لدا کرنا
واجب ہے۔

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ
فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ
(البقرة: ۲۳۷)

اگر تم مباشرت سے پہلے عورتوں کو طلاق دے دو تو کوئی حرج
نہیں ہے، یا تم نے ان کا کچھ مہر مقرر نہ کیا ہو، اور ان کو استعمال
کی کچھ چیزیں دے، خوشحال اپنی وسعت کے مطابق اور تنگدست
اپنی حیثیت کے مطابق۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ
تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى
الْمُوسِمِ فَذَرُوهُنَّ عَلَى الْمَقْعَرِ قَدْرَهُ ۚ
(البقرة: ۲۳۶)

اور ان کو ضرر پہنچانے کے لیے ان کو (اپنے نکاح میں) نہ
دو کو تاکہ تم ان پر زیادتی کرو۔

وَلَا تُمَسِّكُوهُنَّ ضَرَارًا لِّتَعْتَدُوا
(البقرة: ۲۳۷)

اس آیت سے ائمہ محدثین نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر خلوہ عورت کو خرچ دے نہ طلاق دے تو عدالت اس نکاح کو
صحیح کر سکتی ہے اور ضرورت کی بنا پر طلاق احکام کو بھی اسی قیل پر فہمی دینا چاہئے۔ واضح رہے کہ اگر شوہر ناموہ ہو تو فقہاء
احکام کے نزدیک بھی عدالت نکاح کو صحیح کر سکتی ہے جبکہ فقہاء حیات کا مدار ہے اور شوہر کے موہنے پر صرف

خواہش نفسانی کی تکمیل کا مدار ہے۔

عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں قرآن مجید کی آیات ذکر کرنے کے بعد اب ہم اس سے متعلق چند احادیث پیش کر رہے ہیں:

حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن الاوص سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو! تمہاری ازواج پر تمہارا حق ہے اور تمہاری ازواج کا تم پر حق ہے، تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر تمہارے پسندیدہ لوگوں کو نہ آنے دیں، اور نہ تمہارے پسندیدہ لوگوں کو تمہارے گھروں میں آنے دیں، اور ان کا تم پر حق یہ ہے کہ تم ان کو اچھے کپڑے پہناؤ اور اچھے کھانے کھاؤ۔

امام احمد، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن جریر، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت معلویہ بن حیدہ قیسریؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ عورت کا اس کے خلوہ پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا جب وہ کھانا چاہے تو اس کو کھانا کھلائے اور جب پہننا چاہے تو اس کو پہنائے، اس کے چہرے پر نہ مارے اس کو برا نہ کہے اور (توبیہ) صرف گھر میں اس سے علیحدگی اختیار کرے۔ (الدرالمستور، ج ۱ ص ۲۷۶، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران) حافظ منذری بیان کرتے ہیں۔

میمون اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی عورت سے کوئی مہر مقرر کر کے نکاح کرے خواہ کم ہو یا زیادہ، اور اس کا ارادہ مہر ادا کرنے کا نہ ہو اور وہ اسے دھوکے میں رکھے اور تلوامرگ اس کا مہر ادا نہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے زانی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا۔

امام ترمذی اور امام ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومنوں میں سے اس شخص کا ایمان کامل ہو گا اور اس شخص کے اخلاق سب سے اچھے ہوں گے جس کے اخلاق اپنی ازواج کے ساتھ اچھے ہوں گے۔

امام ابن حبان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی اہلیہ کے ساتھ بہتر ہو اور میں تم سب سے زیادہ اپنے لہل کے ساتھ بہتر ہوں۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو، کیونکہ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور سب سے زیادہ ٹیڑھی پسلی سب سے اوپر والی ہوتی ہے اگر تم اس کو سیدھا کرنے لگو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی، سو عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو۔

امام ابن ماجہ اور امام ترمذی حضرت عمرو بن الاوصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں اللہ کی حمد و ثناء اور وعظ و نصیحت کے بعد فرمایا سنو عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو وہ صرف تمہاری مددگار ہیں، تم ان پر صرف اس صورت میں حق رکھتے ہو جب وہ کھلی بدکاری کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ان کی خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو، اور ان کو معمولی سامرو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کر لیں تو ان کو مزید مارنے کے لیے کوئی بہانہ نہ بناؤ، سنو تمہارا تمہاری بیویوں پر حق ہے اور تمہاری بیویوں کا تم پر حق ہے، تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر ان کو نہ آنے دیں جن

کو تم پسند کرتے ہو، اور نہ ان کو گھروں میں آنے دیں جن کو تم پسند کرتے ہو، سنو ان کا تم پر حق یہ ہے کہ تم ان کے کھانے اور پینے میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۸۵ ملقطاً مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ) اسلام میں مردوں کے عورتوں پر حقوق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ط
فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ
وَالنِّسَاءُ تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ
فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا (النساء: ۳۴)

مرد عورتوں کے (حاکم یا) منتظم ہیں، کیونکہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اور اس لیے بھی کہ انہوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے ہیں سو نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں، مردوں کی غیر حاضری میں بھی اللہ کی حفاظت کے ساتھ (شوہر کی عزت اور اس کے مال کی) حفاظت کرتی ہیں اور تمہیں جن عورتوں کی نافرمانی کرنے کا خدشہ ہو ان کو نصیحت کرو اور انہیں ان کی خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو، اور انہیں (تادیباً) مارو، اور اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کر لیں تو پھر ان کو مارنے کے لیے بہانے تلاش نہ کرو۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے اور ان کو جسمانی اور عقلی قوت زیادہ عطا کی ہے، دوسری فضیلت یہ ہے کہ مرد کو عورت کے اخراجات کا کفیل بنایا ہے اور اس کے گھر کا منتظم بنایا ہے، تیسری فضیلت یہ ہے کہ مرد کو عورت پر حاکم بنایا ہے اور عورت کو مرد کی فرمانبرداری کا پابند کیا ہے، چوتھی فضیلت یہ ہے کہ مرد کو عورت پر یہ فوقیت دی ہے کہ وہ اس کو اس کی نافرمانی پر تادیباً مار سکتا ہے، اور پانچویں فضیلت یہ دی ہے کہ عورت کو اس کا پابند کیا ہے کہ وہ مرد کی غیر حاضری میں اس کی عزت کی حفاظت کرے اور اپنی پارسائی کو مجروح نہ کرے اور شوہر کی غیر حاضری میں اس کے مال کی بھی حفاظت کرے غرضیکہ جسمانی قوی، کھانے پینے، رہائش، اور لباس کے اخراجات، اور شوہر کے احکام کی تعمیل اور اس کے مال اور اپنی عفت کی حفاظت، ہر اعتبار سے عورت کو مرد کا تابع اور محکوم قرار دیا ہے۔

بِبَيْدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (البقرة: ۲۳۷) نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ نکاح کی گرہ کو قائم رکھنے یا طلاق کے ذریعہ اس کو توڑنے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے مرد کے ہاتھ میں رکھا ہے۔ عورت کے ذمہ مرد کے فرائض اور مرد کے ذمہ جو عورتوں کے حقوق ہیں ان کا بیان حسب ذیل احادیث میں ہے:

حفظ مندرجہ بیان کرتے ہیں:

لام تنفی، لام ابن ماجہ اور لام حاکم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو عورت اس محل میں مری کہ اس کا خلوہ اس سے راضی تھا وہ جنت میں داخل ہو گئی۔

لام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت پانچ وقت کی نمازیں پڑھے، اپنی پارسائی کی حفاظت کرے، اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے وہ جس دروازے سے چاہے گی جنت

میں داخل ہو جائے گی۔

امام بزار اور امام حاکم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اس نے کہا میں فلانہ بنت فلاں ہوں، آپ نے فرمایا میں تمہیں پہچانتا ہوں! بتاؤ کیا کام ہے؟ اس نے کہا فلاں عیلت گزار میرا عم زانو ہے۔ آپ نے فرمایا میں اس کو جانتا ہوں اس نے کہا وہ مجھے نکاح کا پیغام دے رہا ہے، مجھے بتائیں کہ مرد کا بیوی پر کیا حق ہے؟ اگر میں اس کا حق ادا کرنے کی طاقت رکھوں گی تو اس سے نکاح کر لوں گی! آپ نے فرمایا مرد کا حق یہ ہے کہ اگر بالفرض مرد کے نعتوں سے خون لور پیپ بہ رہا ہو اور تم اس کو چلت لو پھر بھی اس کا حق ادا نہیں ہو۔ اگر کسی بشر کے لیے سجدہ جائز ہو تا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ جب خلوند آئے تو عورت اپنے خلوند کو سجدہ کرے۔ امام حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ خلوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ رکھے اور نہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں آنے کی اجازت دے۔

امام حاکم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے خلوند کے گھر میں کسی ایسے شخص کو آنے کی اجازت دے جس کو وہ پسند کرتا ہو، اور نہ اس کی مرضی کے بغیر گھر سے نکلے اور نہ اس معاملہ میں کسی لور کی اطاعت کرے، اور نہ اس سے الگ بستر پر سوئے، اور نہ اس کو ستائے، اگر اس کا خلوند ظلم کرتا ہو تو وہ اس کے پاس جائے حتیٰ کہ اس کو راضی کرے، اگر وہ اس کی معذرت قبول کر لے تو نبی اور اللہ بھی اس کے عذر کو قبول کر لے گا، اس کی حجت صحیح ہوگی اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، اور اگر خلوند پھر بھی اس سے راضی نہیں ہو تو اللہ کے نزدیک اس کی حجت تمام ہو گئی۔ امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

امام طبرانی نے سند جید کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ خلوند کے بیوی پر کیا حقوق ہیں؟ میں بے نکاح عورت ہوں اگر میں نے ان حقوق کے ادا کرنے کی طاقت پائی تو نکاح کر لوں گی ورنہ بے نکاح رہوں گی، آپ نے فرمایا بیوی پر شوہر کے حقوق میں سے یہ ہے کہ اگر وہ اونٹ کے کجاوہ پر بیٹھی ہو اور شوہر اسے مباشرت کے لیے بلائے تو وہ انکار نہ کرے، اور اس کا بیوی پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ نہ رکھے، اگر اس نے اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھا تو وہ محض فاقہ ہے اس کا روزہ قبول نہیں ہوگا، اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے، اور اگر وہ اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلی تو اس کے واپس آنے تک آسمان کے فرشتے رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔ اس عورت نے کہا یہ حقوق ضروری ہیں اور میں کبھی نکاح نہیں کروں گی۔

امام ترمذی اور امام ابن ماجہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب بھی دنیا میں کوئی عورت اپنے خلوند کو ایذا پہنچاتی ہے تو جنت میں اس کی بیوی بڑی آنکھوں والی حور اس سے کہتی ہے اللہ تجھے ہلاک کرے تو اس کو نہ ستائے یہ تیرے پاس عارضی طور پر ہے اور عنقریب ہمارے پاس آنے والا ہے۔

امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت طلح بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ

ہم نے فرمایا جب مومعورت کو اپنے کسی کام سے بلائے تو عورت فوراً آجائے خواہ تنور پر بیٹھی ہو۔

لام بخاری، لام مسلم، لام ابو داؤد اور لام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مومعورت کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے اور شوہر ناراضگی میں رات گزارے تو صبح تک اس پر فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔

لام ترمذی، لام ابن ماجہ اور لام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین شخصوں کی نماز ان کے سروں سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی۔ جو شخص کسی قوم کی لامت کرے اور وہ اس کو (کسی شرعی عیب کی وجہ سے) پسند کرتے ہوں، اور جو عورت اس حل میں رات گزارے کہ اس کا خلوند اس پر ناراض ہو، اور دو مسلمان بھائی جو آپس میں لڑے ہوئے ہوں۔

لام طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو عورت اپنے خلوند کی مرضی کے بغیر گھر سے نکلے اس کے واپس آنے تک آسمان کے سارے فرشتے اور جن انسانوں اور جنوں کے پاس سے وہ گزرتی ہے سب اس پر لعنت کرتے ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۹-۵۲ ملقطاً مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ ۱۴۰۷ھ) آیا عورت پر مرد کی خدمت واجب ہے یا نہیں؟

فقہاء مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے، بعض علماء مالکیہ نے کہا ہے کہ بیوی پر شوہر کی خدمت کرنا واجب نہیں ہے، کیونکہ عقد نکاح کا مقصد یہ ہے کہ عورت اس کو مباشرت کا موقع دے نہ کہ خدمت کا، کیونکہ یہ مزدوری کا عقد نہیں ہے اور نہ نکاح کے ذریعے عورت اس کی باندی بن گئی، یہ عقد اجارہ ہے نہ عقد تملیک، یہ صرف عقد مباشرت ہے (نکاح کا معنی مباشرت ہے) لہذا عورت سے شوہر مباشرت کے علاوہ اور کسی چیز کا مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کر لیں تو تم ان کو مارنے کے لیے بہانے نہ ڈھونڈو۔ (النساء: ۳۴)

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ عورت پر خلوند کی خدمت کرنا واجب ہے۔ اگر اس کا تعلق معزز اور خوشحال گھرانے سے ہو تو گھر کی دیکھ بھل اور خانگی امور کی نگرانی اس کے ذمہ ہے اور اگر وہ متوسط گھرانے کی ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ خلوند کا بستر وغیرہ بچھائے اور اگر وہ غریب گھرانے کی ہو تو اس پر گھر کی صفائی کرنا، کپڑے دھونا اور کھانا پکانا لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے عورتوں کے اتنے ہی حقوق ہیں جتنے دستور کے مطابق ان کے فرائض ہیں (البقرہ: ۲۲۸) اور یہ معقول رائے ہے اور ہر زمانے میں مسلمانوں کے گھرانوں میں اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کی اندوچ محترمت چکی سے آنا پستی تھیں، کھانا پکاتی تھیں، بستر بچھاتی تھیں اور اپنے خلوندوں کے لیے کھانا لاکر رکھتی تھیں اور دیگر انواع کی خدمت کرتی تھیں اور نبی ﷺ نے معاشرت کی ذمہ داریوں کو مرد اور عورت پر تقسیم کر دیا تھا، حضرت سیدنا قاسم رضی اللہ عنہما کے ذمہ خانگی ذمہ داریاں تھیں اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ کسب معاش اور کمانے کی ذمہ داریاں تھیں۔

حاصل بحث

حاصل بحث یہ ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کے بھی حقوق ہیں۔ مردوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے انتہائی اور حسن سلوک کے ساتھ رہیں ان کو ضرر نہ پہنچائیں۔ ہر فرقہ اس معاملہ میں اللہ سے ڈرے، بیوی خلوند کی

اطاعت کرے اور ہر ایک دوسرے کے لیے بن سنور کر رہے۔ امام ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں اپنی بیوی کے لیے بن سنور کر رہتا ہوں جیسے وہ میرے لیے بن ٹھن کر رہتی ہے، ضرورت کے وقت ہر فریق دوسرے کے کام آئے اور بیماری میں ہر فریق دوسرے کا علاج اور خدمت کرے۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَإِمْسَاكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٍ بِإِحْسَانٍ

دو بار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے، یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے،

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا بِمَا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا

اور نہ ہلے لیے اس (مہر یا مہر) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے جو تم ان کو دے چکے ہو، مگر جب دونوں فریقوں کو یہ

أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا

خوف ہو کہ وہ اللہ کی حد کو قائم نہ رکھ سکیں گے، سو اے مسلمانو! اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود قائم نہ رکھ سکیں گے تو

جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا

عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ اللہ کی حد وہیں سو تم اللہ کی حد سے تجاوز

تَعْتَدُوهَا ج وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

نہ کرے، اور جنہوں نے اللہ کی حد سے تجاوز کیا تو وہی لوگ ظالم ہیں

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرًا

پھر اگر اس کو (تسبی) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تسبی طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ

کسی اور مرد سے نکاح کرے، پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس (طلاق کی عدت کے بعد) پھر باہم

يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يَبَيِّنُهَا الْقَوْمُ يَعْلَمُونَ

رجوع کر لیں اگر ان کا بیگانہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حد قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ کی حد وہیں جن کو اللہ ان لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے جو علم والے ہیں

طلاق کا لغوی معنی

امام اللغت سید زبیدی طلاق کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عباب میں ہے کہ عورت کی طلاق کے دو معنی

نکاح کی گہ کو کھول دینا۔ (ب) ترک کر دینا، چھوڑ دینا، لسان العرب میں ہے کہ عثمان لور زید کی حدیث ہے 'طلاق کا تعلق مردوں سے ہے لور عدت کا تعلق عورتوں سے ہے۔ (تلح العروس ج ۶ ص ۲۲۵، مطبوعہ مطبعہ خیریہ مصر ۱۳۰۶ھ) طلاق کا اصطلاحی معنی

علامہ ابن نجیم طلاق کا فقہی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الفاظ مخصوصہ کے ساتھ فی الفور یا از روئے مک نکلح کی قید کو اٹھا دینا طلاق ہے۔ الفاظ مخصوصہ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو ماہ طلاق پر صراحتہ "یا کنایتہ" مشتمل ہوں، اس میں خلع بھی شامل ہے لور نامردی لور لعن کی وجہ سے نکاح کی قید از روئے مک اٹھ جاتی ہے۔ (المحرر الرائق ج ۳ ص ۲۳۵، مطبوعہ مکتبہ مابدیہ کوئٹہ)

طلاق کی اقسام

طلاق کی تین قسمیں ہیں، احسن، حسن، لور بدی۔

طلاق احسن : جن ایام میں عورت ماہواری سے پاک ہو لور ان ایام میں بیوی سے مقاربت بھی نہ کی ہو، ان ایام میں صرف ایک طلاق دی جائے، اس میں دوران عدت مرد کو رجوع کا حق رہتا ہے لور عدت گزرنے کے بعد عورت بائنہ ہو جاتی ہے، لور فریقین کی باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

طلاق حسن : جن ایام میں عورت پاک ہو لور مقاربت بھی نہ کی ہو ان ایام میں ایک طلاق دی جائے لور جب ایک ماہواری گزر جائے تو بغیر مقاربت کیے دوسری طلاق دی جائے لور جب دوسری ماہواری گزر جائے تو بغیر مقاربت کیے تیسری طلاق دی جائے اس کے بعد جب تیسری ماہواری گزر جائے تو عورت مغلطہ ہو جائے گی لور اب شرعی حلالہ کے بغیر اس سے دوبارہ عقد نہیں ہو سکتا۔

طلاق بدی : اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) ایک مجلس میں تین طلاقیں دفعتہ "دی جائیں خواہ ایک کلمہ سے مثلاً تم کو تین طلاقیں دیں یا کلمات متعددہ سے، مثلاً کہ تم کو طلاق دی، تم کو طلاق دی، تم کو طلاق دی۔ (ب) عورت کی ماہواری کے ایام میں اس کو ایک طلاق دی جائے، اس طلاق سے رجوع کرنا واجب ہے لور یہ طلاق شمار کی جاتی ہے۔ (ج) جن ایام میں عورت سے مقاربت کی ہو، ان ایام میں عورت کو ایک طلاق دی جائے، طلاق بدی کسی صورت میں ہو اس کا دینے والا گنہگار ہوتا ہے۔ (در مختار علی ماحض رد المحتار ج ۲ ص ۵۷۸-۵۷۳، مطبوعہ استنبول ۱۳۳۷ھ)

صریح لفظ طلاق کے ساتھ ایک یا دو طلاقیں دی جائیں تو یہ طلاق رجعی ہے لور اگر صریح لفظ طلاق نہ ہو کنلیہ سے طلاق دی جائے تو یہ طلاق بائنہ ہے، مثلاً طلاق کی نیت سے بیوی سے کہا تو میری ماں کی طلاق رجعی میں دوبارہ رجوع کیا جاسکتا ہے، لیکن پچھلی طلاقیں شمار ہوں گی، اگر پہلے دو طلاقیں دی تھیں تو رجوع کے بعد صرف ایک طلاق کا مالک رہ جائے گا طلاق بائنہ سے فی الفور نکاح منقطع ہو جاتا ہے لیکن اگر تین سے کم طلاقیں بائنہ ہوں تو باہمی رضامندی سے دوبارہ عقد ہو سکتا ہے لیکن پچھلی طلاقوں کا شمار ہو گا۔

طلاق کیوں مشروع کی گئی؟

اسلام کا اختیاء یہ ہے کہ جو لوگ رشتہ نکاح میں منسلک ہو جائیں ان کے نکاح کو قائم لور برقرار رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی جائے لور اگر کبھی ان کے درمیان اختلاف یا نزاع پیدا ہو تو رشتہ دار لور مسلم سوسائٹی کے ارباب حل و عقد اس

اختلاف کو دور کر کے ان میں صلح کرائیں اور اگر ان کی پوری کوشش کے باوجود زوجین میں صلح نہ ہو سکے تو یہ خطہ ہو کہ اگر یہ بدستور رشتہ نکاح میں بندھے رہے تو یہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے اور نکاح کے مقاصد فوت ہو جائیں گے تو ان کی عدم موافقت اور باہمی نفرت کے باوجود ان کو نکاح میں رہنے پر مجبور نہ کیا جائے، اس صورت میں ان کی ان کے رشتہ داروں اور معاشرہ کے دیگر افراد کی بہتری اور مصلحت اسی میں ہے کہ عقد نکاح کو توڑنے کے لیے شوہر کو طلاق دینے سے نہ روکا جائے۔ طلاق کے علاوہ عقد نکاح کو فسخ کرنے کے لیے دوسری صورت یہ ہے کہ عورت شوہر کو کچھ دے دلا کر خلع کرائے اور تیسری صورت قاضی کی تفریق ہے اور چوتھی صورت یہ ہے کہ جن دو مسلمان حکموں کو نزاہی حالت میں یہ معاملہ سپرد کیا گیا ہو وہ نکاح کو فسخ کرنے کا فیصلہ کر دیں۔

صرف ناگزیر حالت میں طلاق دی جائے

قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ اگر شوہر کو بیوی ناپسند ہو پھر بھی وہ اس سے نباہ کرنے کی کوشش کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَايَشْتُمْوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (النساء: ۱۹)

اور اپنی بیویوں کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کے ساتھ رہو، اور اگر تم کو وہ ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے!

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

حضرت محارب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے، ان میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۱، مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۳۰ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۱، مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۳۰ھ)

قرآن اور سنت کی ان ہدایات کی روشنی میں شوہر پر یہ لازم ہے کہ اختلاف اور نزاع کی صورت میں حتی الامکان طلاق سے گریز کرے اور اگر طلاق دینا ناگزیر ہو تو صرف ایک طلاق رجعی دے کیونکہ اس کے بعد عدت کے تین ماہ تک اس معاملہ پر نظر ثانی کا موقع رہے گا ورنہ عدت کے بعد عورت علیحدہ ہو جائے گی، آج کل لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تین بار کہے بغیر طلاق نہیں ہوتی، اس لیے یا تو وہ خود تین طلاقیں دیتے ہیں یا وکیل اور وثیقہ نویس ان کو تین طلاقیں لکھ دیتے ہیں اور جب طلاق نافذ ہو جاتی ہے تو یہ لوگ پشیمان ہوتے ہیں اور مفتیوں کے پاس جاتے ہیں کہ دوبارہ نکاح یا رجوع کا کوئی حیلہ بتلائیں حتیٰ کہ یہ لوگ حلالہ کی ناگوار صورت کو قبول کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں حالانکہ اس قسم کے حلالہ پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے، لیکن بعد میں بچوں کی درپردہ اور دوسرے برے نتائج سے بچنے کے لیے اس وقت فریقین ہر قیمت پر صلح کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ میری تیس سالہ افتاء کی زندگی کا تجربہ ہے۔

صرف مرد کو طلاق کا اختیار کیوں دیا گیا؟

طلاق دینے کا حق صرف مرد کو تفویض کیا گیا ہے حالانکہ عقد نکاح عورت اور مرد دونوں کی باہمی رضامندی سے وجود

نہیں آتا ہے تو پھر عورت کو یہ اختیار کیوں نہیں ہے کہ وہ بھی جب چاہے اس عقد کو ختم کر دے؟

اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ عورت مغلوب الغضب ہوتی ہے اور اس کو جلد غصہ آتا ہے، اگر طلاق دینے کا معاملہ عورت کے اختیار میں ہوتا تو وقوع طلاق کی شرح دوچند سے بھی زیادہ بڑھ جاتی۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ عورت کے مقابلہ اور اس کی ضد پر شوہر طلاق دیتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد کے مقابلہ میں عورت کی قوت فیصلہ کمزور ہوتی ہے، خصوصاً حیض کے ایام میں عورت ذہنی اضطراب میں مبتلا ہوتی ہے اور ان ایام میں اس کا ذہن منتشر اور مزاج چڑچڑا ہوا ہوتا ہے اس لیے اگر طلاق دینے کا معاملہ عورت کے سپرد کیا جاتا تو شرح طلاق زیادہ ہو جاتی اور اکثر ہتے بستے گھروں میں ہو جاتے، تیسری وجہ یہ ہے کہ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں جیسا صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن ابو داؤد، مسند احمد بن حنبل اور مستدرک (۱) میں اس کی تصریح ہے اور فسخ نکاح کا معاملہ ناقص العقل کے سپرد کرنے کے لائق نہیں ہے۔

طلاق کا معاملہ مرد کو مفوض کرنے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ چونکہ مرد اپنا مال خرچ کر کے حقوق زوجیت حاصل کرتا ہے اس لیے ان حقوق سے دست کش ہونے کا اختیار بھی اسی کو دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص اپنا روپیہ خرچ کر کے کوئی چیز حاصل کرتا ہے وہ اس چیز کو آخری حد تک رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور صرف اس وقت اس چیز کو چھوڑتا ہے جب اس کو چھوڑنے کے سوا اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔ اس کے برخلاف حقوق زوجیت کو قائم کرنے میں عورت کو کوئی محنت کرنی پڑتی ہے نہ پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے اس لیے اگر طلاق کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دے دی جاتی تو عورت کو طلاق واقع کرنے میں اس قدر سوچ و بچار اور تامل کی ضرورت نہ ہوتی۔ علاوہ ازیں یہ اقدام عدل و انصاف کے بھی خلاف ہوتا۔

طلاق میں عورت کی رضامندی کا اعتبار کیوں نہیں ہے؟

یہ ٹھیک ہے کہ بعض لوگ عورت طلاق لینا نہیں چاہتی اور اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر وہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہی رہنا چاہتی ہے لیکن مرد بد مزاج اور ظالم ہوتا ہے اور عورت کی مرضی کے خلاف وہ اس کو طلاق دیتا ہے، ایسی صورت میں بعض عورتیں یہ کہتی ہیں کہ جب نکاح کے عقد میں اس کی مرضی کا دخل ہے تو طلاق میں اس کی رضامندی کا دخل کیوں نہیں ہے؟ اور اس کی مرضی کے بغیر طلاق کیوں موثر قرار دی جاتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی عقد کو بھی قائم کرنے کے لیے فریقین کی رضامندی ضروری ہے (مثلاً وکالت، اجارت، مضارت وغیرہ) لیکن عقد کو فسخ کرنے کے لیے دونوں فریقوں کی رضامندی ضروری نہیں ہوتی، کوئی ایک فریق بھی دوسرے کی مرضی کے خلاف عقد توڑ سکتا ہے، اس لیے اگر کوئی شخص کسی عورت کو اپنے نکاح میں رکھنے پر آمادہ نہ ہو اور اس کے ساتھ عمل زوجیت پر تیار نہ ہو تو اس سے بہ ندور یہ عمل نہیں کر لیا جاسکتا، نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ تم خواہی نخواہی اس عورت کو اپنے نکاح میں رکھو اور اس کو خراج دیتے رہو اور چونکہ ازدواجی زندگی کی گازی میں اہم رول مرد لواتا ہے کیونکہ عمل زوجیت اور نفقہ کی لوائیگی میں مرد قائل ہوتا ہے اور عورت اس کے فصل کی محل یا منفصل ہوتی ہے اس لیے عقد نکاح کو قائم رکھنے یا اس کو فسخ کرنے کا

[illegible]

کتابخانه م. ۲۸۸۴۸۸، مسد احمد بن خلیل ج ۲ ص ۷۴، مستدرک ج ۲ ص ۳۳۰

اختیار بھی صرف مرد کو دیا گیا ہے۔
خلع

طلاق کو مرد کے اختیار میں دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وقوع طلاق میں عورت کا بالکل دخل نہیں ہے۔ عورت کو خلع کا اختیار دیا گیا ہے اگر عورت کو مرد کی شکل و صورت پسند نہ ہو یا کسی اور طبعی نامناسبیت کی وجہ سے وہ مرد کو پسند کرتی ہو تو وہ اپنا مہر چھوڑ کر یا کچھ لور دے دلا کر شوہر سے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

سید محمد قطب شہید لکھتے ہیں: امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس ابن شماس کی بیوی نبی ﷺ کے پاس گئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ثابت کے خلع لور اس کے دین کے بارے میں کوئی حرف گیری نہیں کرتی، لیکن میں اسلام کے بعد کفر (ناشکری یا شوہر کے حقوق کو لوانہ کرنا) کو پسند کرتی ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس کا بلغ واپس کر دو گی (ثابت نے ان کو مہر میں بلغ دیا تھا) انہوں نے کہا ہاں! رسول اللہ ﷺ نے ثابت سے فرمایا ”بلغ لے لو اور اس کو طلاق دے دو۔“

(فی ظلال القرآن ج ۲ ص ۱۹۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۶ھ)

اس حدیث کی روشنی میں یہ ہونا چاہیے کہ جب کسی عورت کو کسی طبعی نامہواری کی وجہ سے شوہر پسند ہو لور یہ نفرت اس قدر بڑھ جائے کہ وہ اس نفرت کی وجہ سے شوہر کے حقوق لوانہ کر سکے تو پھر وہ قاضی اسلام سے رجوع کرے لور قاضی مہر واپس کر کے شوہر سے طلاق دلا دے، یاد رہے کہ یہاں قاضی شوہر سے طلاق دلوائے گا از خود نکاح فسخ نہیں کرے گا۔

قاضی اور حکمین کی تفریق

طلاق دینا مرد کے اختیار میں ہے لیکن اگر مرد عورت پر تعدی لور ظلم کرتا ہے لور اس کو طلاق نہیں دیتا تو عورت کو حق ہے کہ وہ عدالت سے نکاح فسخ کرا لے اور مذہب مالکیہ کے مطابق یہ تفریق نافذ ہو جائے گی، اسی طرح اگر خلوئہ تنگ کرنے کے لیے عورت کو نفقہ دے نہ طلاق دے تب بھی عورت عدالت سے تفریق کرا سکتی ہے، اگر کسی نوجوان عورت کا خلوئہ پاگل ہو جائے اور ٹھیک نہ ہو سکے یا کسی اور ناقابل علاج بیماری میں مبتلا ہو جائے اور حقوق زوجیت لوانہ کر سکے تب بھی عورت عدالت سے تفریق کرا سکتی ہے، اگر کسی نوجوان عورت کا خلوئہ کسی جرم کی وجہ سے لمبی مدت کے لیے سزایاب ہو یا اس کو عمر قید ہو جائے تب بھی عورت عدالت سے تفریق کرا سکتی ہے، اگر کسی نوجوان عورت کا خلوئہ لا پتا ہو جائے لور عورت کے گزر بسر کا ذریعہ نہ ہو تو عدالت تحقیق کے بعد فی الفور تفریق کر دے گی۔ اگر عورت لور مرد میں اختلاف ہو اور وہ حکمین کو مقرر کر لیں اور حکمین تفریق کا فیصلہ کر دیں تو تفریق ہو جائے گی۔ یہ تمام صورتیں امام مالک کے نزدیک جائز ہیں اور فقہاء احناف نے تصریح کی ہے کہ ضرورت کے وقت امام مالک کے مذہب پر عمل درست ہے اور یہ بھی تصریح ہے کہ قاضی اپنے اجتہاد سے مذہب غیر کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے اور اس پر عمل صحیح ہے ان تمام امور کی باحوالہ، مکمل مفصل اور مدلل بحث ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ثالث باب ۴۰۴ (ص ۱۱۲۱-۱۰۹۲) میں بیان کر دی ہے۔

تین طلاقیں کی تحدید کی وجوہات، مصالح اور حکمتیں

اسلام نے صرف تین طلاقیں کی گنجائش رکھی ہے پہلی اور دوسری طلاق دینے کے بعد مرد کو اس طلاق سے رجوع

کرنے کا احتیاج ہے لیکن تیسری طلاق دینے کے بعد مرد کو رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہے، اب اگر وہ مرد اور عورت پھر ملنا چاہیں تو اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے، عورت عدت گزارنے کے بعد کسی اور شخص سے نکاح کرے، نکاح کرنے کے بعد وہ شخص اس سے عمل زوجیت (محبت) کرے اور پھر اپنی مرضی سے جب اس کو طلاق دے دے تو پھر وہ عورت اس کی عدت گزار کر پہلے شوہر کے نکاح میں جاسکتی ہے، ظاہر ہے کہ یہ ناگوار اور مشکل صورت ہے اس لیے مرد کو تیسری طلاق دینے سے پہلے اچھی طرح سوچ و بچار اور غور و فکر کرنا چاہیے تاکہ بعد میں پریشانی اور پچھتلاؤ کا سامنا نہ کرنا پڑے اور مرد جو کہ مفتیوں سے حیلے نہ پوچھے جائیں اور اپنا مذہب چھوڑ کر غیر مقلدیت کے دامن میں پناہ لینے کی ضرورت نہ پڑے، اسلام نے اسی لیے بیک وقت تین طلاقیں دینے سے روکا ہے اور اس فعل کو معصیت اور گناہ قرار دیا ہے۔

سنت کے مطابق اور احسن طریقے سے طلاق دینے کے فوائد

جب کوئی شخص سنت کے مطابق صحیح طریقہ سے عورت کی پاکیزگی کے ان ایام میں جن میں اس نے جماع نہ کیا ہو صرف ایک طلاق دے گا اور دوسری طلاق کے لیے اگلی پاکیزگی کے ایام تک رکا رہے گا جو تقریباً ایک ماہ کے برابر ہیں تو اس عرصہ میں وہ اس معاملہ پر سودفعہ سے زیادہ غور کرے گا اور ممکن غالب ہے کہ اس کی رائے بدل جائے گی (کیونکہ میں تیس سالہ اقامہ کی زندگی میں بارہا دیکھ چکا ہوں کہ کل شوہر نے تین طلاقیں دی ہیں اور آج وہ دوڑا چلا آ رہا ہے کہ کوئی حیلہ بتلائیں کہ نکاح قائم رہ سکے۔" جب ایک دن میں رائے بدل جاتی ہے، حالات بدل جاتے ہیں تو ایک ماہ میں تو بہت گنجائش ہے) اگر بیوی کے مطالبہ یا اس کے غلط طرز عمل کی وجہ سے یہ اختلاف کی صورت پیدا ہوئی ہے تو ایک ماہ میں اس کے طرز عمل میں تبدیلی یا مطالبہ طلاق ترک کر دینے کا غالب امکان ہے اس طرح دوسری طلاق پڑنے کا خطرہ ٹل جائے گا اور تیسری طلاق کی نوبت نہیں آئے گی جبکہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احسن طریقہ یہ ہے کہ زمانہ طہر میں بشرط عدم جماعت صرف ایک طلاق دی جائے اور عدت کے پورے زمانہ میں دوبارہ طلاق نہ دی جائے اور عدت کے اس تین ماہ میں طلاق سے رجوع کرنے کا زیادہ موقع رہے گا اور بالفرض رجوع نہیں کیا اور عدت گزر گئی اور عورت بائند ہوگی اور بعد میں حالات سازگار ہوئے تو اب دوبارہ نکاح کرنے کی گنجائش ہے اور کسی حلالہ کی ضرورت نہیں ہے جبکہ تین طلاقیں دینے کے بعد یہ گنجائش نہیں رہتی۔

طلاق کی تدریج میں مرد کی اور تحدید میں عورت کی رعایت ہے

تین طلاق کی تحدید سے دراصل عورت کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے کیونکہ اگر طلاق میں کوئی تحدید نہ ہوتی تو عورت کی گلو خلاصی کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا۔ زمانہ جاہلیت میں مرد عورت کو طلاق دیتا اور عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لیتا پھر طلاق دے دیتا اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا تھا۔

لام رازی نے "اسلاق مرتین" کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر یہ شکایت کی کہ اس کا شوہر اس کو بار بار طلاق دیتا ہے اور پھر رجوع کر لیتا ہے جس کی وجہ سے اس کو ضرر ہوتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَإِنْ مَسَاكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ

دوبارہ طلاق دینے کے بعد دستور کے مطابق عدت میر

روکنا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

تَسْرِيَةً يٰۤاَحْسَنَ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ

پھر اگر اسے (تیسری) طلاق دیدی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس کے لیے حلال نہیں۔ یہاں تک کہ (وہ عورت) اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے، پھر اگر (دوسرا خلوہ) اس کو طلاق دیدے تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ (دوسرے خلوہ کی عدت گزارنے کے بعد) وہ آپس میں رجوع کر لیں اگر وہ سمجھیں کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔

(البقرہ: ۲۳۰)

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے نتائج

چونکہ تیسری طلاق آخری حد ہے اور اس کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں ہے اس لیے تیسری طلاق دینے سے پہلے بہت سوچ و بچار اور غور و خوض کرنا چاہیے اور اس آخری قدم اٹھانے سے پہلے دوستوں اور رشتہ داروں سے مشورہ بھی کر لینا چاہیے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اسلام کی ہدایت کے مطابق طلاق وقفہ وقفہ سے دی جائے اگر ایک مجلس میں بیک وقت تین طلاقیں دے دی گئیں تو پھر بعد میں پریشانی اور پشیمانی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوگا اس لیے بکثرت احادیث اور آثار میں بیک وقت تین طلاقیں دینے کو معصیت اور گناہ فرمایا ہے، لیکن اگر کسی شخص نے بد قسمتی سے معصیت کا ارتکاب کر کے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدیں تو اس کو اب صبر و استقامت اور حوصلہ سے اس اقدام کے نتیجہ اور انجام کا سامنا کرنا چاہیے اور اپنے ہاتھوں کی ہوئی اس علیحدگی کو قبول کر لینا چاہیے۔ حالانکہ کاکمرہ حیلہ اختیار کرے نہ غیر مقلد مولویوں کے خلاف شرع فتویٰ پر عمل کرنے کے لیے در بدر مارا مارا پھرے، کیونکہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا عقل اور درایت کے بھی خلاف ہے اور قرآن اور حدیث کے بھی خلاف ہے۔ عددی معاملات میں یہ کہیں نہیں ہوتا کہ کوئی شخص تین یا پانچ یا دس عدد کو ایک عدد قرار دے اور اگر کوئی شخص دس روپوں کو ایک روپیہ قرار دے تو یہ منطق اور قانون دونوں کے خلاف ہے۔ پھر تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے وقت ان لوگوں کی منطق کمال رخصت ہو جاتی ہے۔ آئندہ مباحث میں ہم انشاء اللہ ایک مجلس کی تین طلاقوں پر گفتگو کریں گے۔ پہلے ہم ایک مجلس کی تین طلاقوں کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف فقہاء بیان کریں گے پھر تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر غیر مقلدین کے دلائل پیش کر کے ان کا جائزہ لیں گے اس کے بعد قرآن مجید، احادیث، آثار صحابہ اور اقوال تابعین کی روشنی میں جمہور فقہاء اسلام کا یہ موقف پیش کریں گے کہ اگر کسی شخص نے بد قسمتی سے معصیت کا ارتکاب کر کے ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو وہ بہر حال نافذ ہو جائیں گی۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

بیک وقت تین طلاقیں دے کر عورت کو بدر کر دینا نصوص صریحہ کی بناء پر معصیت ہے۔ علماء امت کے درمیان اس مسئلہ میں جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف اس امر میں ہے کہ ایسی تین طلاقیں ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہیں یا تین طلاق مغلطہ کے حکم میں لیکن اس کے بدعت اور معصیت ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ حالانکہ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے وہ بیک وقت تین طلاقوں کو بدعت اور گناہ نہیں، مباح کہتے ہیں اور

امام احمد مالک مالک بھی یہی ہے۔ سید ابوالاعلیٰ نے مذاہب فقہاء کی تحقیق کیے بغیر یہ لکھ دیا ہے۔

(حقوق الزوجین ص ۵۰، مطبوعہ لواہ ترجمان القرآن لاہور، بانیسویں بار ۱۹۸۶ء)

بیک وقت دی گئی تین طلاقیں کے حکم میں جمہور کا موقف

جمہور علماء لہل سنت کے نزدیک بیک وقت دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں، امام شافعی، امام مالک، امام ابو حنیفہ اور قدیم و جدید جمہور علماء کے نزدیک یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں

(شرح مسلم ج ۱ ص ۷۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی، ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں جس شخص نے بیک وقت تین طلاقیں دیں وہ واقع ہو جائیں گی خواہ دخول سے پہلے دی ہوں یا دخول کے بعد۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ابن مسعود اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کا یہی نظریہ ہے، اور بعد کے تابعین اور ائمہ کا بھی یہی موقف ہے (۱)۔ قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء کا یہی موقف ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۴۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔)

علامہ الحسینی الحنفی لکھتے ہیں کہ بار بار لفظ طلاق کا تکرار کرنے سے تمام طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور اگر طلاق دینے والا ناکید کی نیت کرے تو اس کا دیانہ "اعتبار ہو گا" (یعنی قضاء "اعتبار نہیں ہو گا")

بیک وقت دی گئی تین طلاقیں میں شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کا موقف

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے ایک طہر میں ایک لفظ یا متعدد الفاظ کے ساتھ تین طلاقیں دیں، مثلاً کہا کہ تم کو تین طلاقیں یا کہا کہ تم کو طلاق ہے، تم کو طلاق ہے، یا کہا تم کو تین طلاقیں یا دس طلاقیں یا سو طلاقیں یا ہزار طلاقیں، اس قسم کی عبارات میں حقد میں اور متاخرین علماء کے تین نظریات ہیں اور ایک چوتھا قول بھی ہے جو محض من گھڑت اور بدعت ہے، پہلا قول یہ ہے کہ یہ طلاق مباح اور لازم ہے، یہ امام شافعی کا قول ہے، امام احمد کا بھی ایک یہی قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ طلاق حرام اور لازم ہے، یہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا قول ہے، امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے، یہ قول حقد میں بکھرت صحابہ اور تابعین سے منقول ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ طلاق حرام ہے لیکن اس سے صرف ایک طلاق لازم آتی ہے، یہ قول صحابہ میں سے حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمن بن عوف سے منقول ہے۔ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود سے بھی مروی ہے اور حضرت ابن عباس کے دو قول ہیں، تابعین اور بعد کے لوگوں میں سے طلوس، خلاص بن عمرو، محمد بن اسحاق سے منقول ہے، داؤد اور ان کے اکثر اصحاب کا یہی قول ہے، ابو جعفر محمد بن علی بن الحسن اور ان کے بیٹے جعفر بن محمد کا بھی یہی قول ہے، اسی وجہ سے شیعہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے بعض اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔ چوتھا قول بعض معتزلہ اور بعض شیعہ کا ہے وہ یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینے سے کوئی طلاق نہیں پڑتی، سلف صالحین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں تھا اور تیسرا قول یہی وہ ہے جس پر کتب و سنت سے دلائل موجود ہیں۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۳۳ ص ۷۹، مطبوعہ)

(۱) علامہ ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی حنفی ۷۴۰ھ، الحنفی ج ۷ ص ۲۸۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ھ

(۲) علامہ محمد بن الحسینی الحنفی حنفی ۸۸۸ھ، در مختار علی حاشی رد المحتار ج ۲ ص ۳۲، مطبوعہ استنبول ۱۳۲۷ھ

شیخ ابن قیم لکھتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں کے وقوع کے بارے میں چار مذاہب ہیں، پہلا مذہب یہ ہے کہ یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، یہ قول ائمہ اربعہ، جمہور تابعین اور بکثرت محلہ کا ہے، (رضی اللہ عنہم) دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ مردود ہے کیونکہ یہ بدعت محرمہ ہے اور بدعت اس حدیث کی وجہ سے مردود ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے ایسا عمل کیا جو ہمارے دین میں نہیں ہے وہ مردود ہے۔“ اس مذہب کو ابو محمد بن حزم نے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام احمد نے فرمایا یہ باطل ہے اور رافضیوں کا قول ہے۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ اس سے ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے، یہ مذہب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے، جیسا کہ امام ابو داؤد نے ذکر کیا ہے، امام احمد نے کہا یہ ابن اسحاق کا مذہب ہے وہ کہتے ہیں کہ جو شخص سنت کی مخالفت کرے اس کو سنت کی طرف لوٹنا چاہیے۔ (تابعین میں سے) طاؤس اور عکرمہ کا بھی یہی قول ہے اور شیخ ابن تیمیہ کا بھی یہی نظریہ ہے، چوتھا مذہب یہ ہے کہ مدخول بہا اور غیر مدخول بہا میں فرق ہے، مدخول بہا کو تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور غیر مدخول بہا کو ایک طلاق واقع ہوتی ہے، یہ قول حضرت ابن عباس کے تلامذہ کا ہے اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

(زوائد المعارج ۴ ص ۵۴، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البلبلی ولولاد مصر۔)

بیک وقت دی گئی تین طلاقیں میں علماء شیعہ کا موقف

جیسا کہ شیخ ابن تیمیہ نے لکھا ہے بعض شیعہ کا موقف یہ ہے کہ اگر بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (شرائع الاسلام ج ۲ ص ۵۷)

اور جمہور شیعہ کا مذہب یہ ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ شیخ ابو جعفر کلینی روایت کرتے ہیں:

زارہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی ایک علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس یا متعدد مجالس میں تین طلاقیں دیں درآں حالیکہ وہ عورت حیض سے پاک تھی؟ انہوں نے کہا یہ ایک طلاق ہوگی۔

(الفروع من الکافی ج ۶ ص ۷۱-۷۰، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران)

عمرو بن براء کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص جب اپنی بیوی کو ایک طلاق دے یا سو طلاقیں دے تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور ہمیں آپ سے اور آپ کے آباء علیہم السلام سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جب کوئی شخص ایک بار طلاق دے یا سو بار طلاق دے تو وہ ایک طلاق ہوتی ہے۔ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے کہا مسئلہ اسی طرح ہے جس طرح تمہیں پہنچا ہے۔

(الفروع من الکافی ج ۶ ص ۷۱، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران، ۱۳۶۲ھ)

تین طلاقیں کو ایک طلاق قرار دینے پر شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کے دلائل

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”الطلاق مرتان“ اس سے معلوم ہوا کہ وہ طلاق رجعی جس میں طلاق کے بعد رجوع کیا جاتا ہے ایک بار دینے کے بعد دوسری مرتبہ دی جاتی ہے، جیسے کسی شخص نے کہا جاؤ! دوبار تہیج کرو یا تین بار تہیج کرو یا سو بار تہیج کرو، اس پر عمل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اتنی بار تہیج کرے کہ یہ عدد پورا ہو جائے، مثلاً کہے

سبحان اللہ تو یہ دوبار ہو گا اور اگر اس نے کہا ”دو بار سبحان اللہ!“ (سبحان اللہ مرتباً) یا ”سوار سبحان اللہ“ (سبحان اللہ متتابعاً) کہا تو یہ ایک تسبیح شمار کی جائے گی۔ علیٰ ہذا القیاس جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا تمہیں دو طلاقیں یا تمہیں تین طلاقیں یا تمہیں دس طلاقیں یا تمہیں ہزار طلاقیں تو یہ ایک طلاق شمار کی جائے گی۔ اس کو واضح کرنے کے لیے شیخ ابن تیمیہ نے ایک یہ مثل دی ہے کہ نبی ﷺ نے مشروع فرمایا ہے کہ نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ، تینتیس بار الحمد للہ اور تینتیس بار اللہ اکبر کہا جائے، اب اگر کوئی شخص کسے سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر عدد خلقہ (اس کی مخلوق کی تعداد کے برابر) تو یہ صرف ایک تسبیح شمار کی جائے گی۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ہمارے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ کسی شخص نے نبی ﷺ کے عہد میں ایک لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دی ہوں اور نبی ﷺ نے اس پر تین طلاقیں لازم کر دی ہوں، اس بارے میں کوئی حدیث صحیح یا احسن موی نہیں ہے اور نہ کسی مستند کتب میں کوئی ایسی حدیث نقل کی گئی ہے، اس سلسلے میں جتنی احادیث نقل کی گئی ہیں وہ سب ائمہ حدیث کی تصریح کے مطابق ضعیف ہیں، بلکہ موضوع ہیں، بلکہ صحیح مسلم اور دیگر سنن اور مسانید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موی ہے، حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے اور حضرت ابوبکر کے زمانہ خلافت میں اور حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا تھا، حضرت عمر نے فرمایا لوگوں نے اس کلام میں عجلت کرنی شروع کر دی ہے جس میں انہیں مہلت دی گئی تھی، اگر ہم ان پر یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں تو بہتر ہو گا، پھر آپ نے یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں، اس سلسلے میں دوسری حدیث یہ ہے ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکنہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں پھر سخت غمگین ہوئے، نبی ﷺ نے ان سے سوال کیا تم نے کس طرح طلاق دی تھی؟ انہوں نے کہا میں نے تین طلاقیں دی تھیں۔ آپ نے فرمایا ایک مجلس میں؟ انہوں نے کہا جی! آپ نے فرمایا یہ ایک طلاق ہوئی ہے اگر تم چاہو تو اس سے رجوع کر سکتے ہو! حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ پھر حضرت رکنہ نے رجوع کر لیا۔“ شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جو یہ استفسار فرمایا ایک مجلس میں؟ اس سے یہ مفہوم نکلا ہے کہ اگر ایک مجلس میں تین طلاقیں نہ دی جائیں تو پھر وہ ایک نہیں قرار دی جائیں اور جب ایک مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں گی تو وہ ایک قرار دی جائے گی، حضرت رکنہ کی یہ حدیث شیخ ابن تیمیہ نے مسند احمد کے حوالے سے بیان کی ہے۔

(مجموع الفتاویٰ ج ۳۳، ص ۳۳۳ مطبوعہ دار فہم بن عبد العزیز)

شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کے دلائل کے جوہریت

شیخ ابن تیمیہ نے ”الطلاق مرتباً“ سے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر طلاق الگ الگ دی جائے تب وہ متعدد طلاقیں تصور ہوں گی اور اگر کسی نے کہا ”تم کو تین طلاقیں“ تو چونکہ یہ طلاق ایک بار دی گئی ہے، اس لیے یہ ایک طلاق ہی شمار ہوگی، شیخ ابن تیمیہ کا یہ استدلال خود انہیں بھی مفید نہیں ہے کیونکہ اس استدلال کا یہ تقاضا ہے کہ کسی شخص نے ایک مجلس میں تین بار کہا میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی، تو یہ تین طلاقیں واقع ہوئی چاہیں کیونکہ یہ تین طلاقیں تین بار دی گئی ہیں، حالانکہ شیخ کے نزدیک یہ بھی ایک طلاق ہے جیسا کہ اس سے پہلے باحوالہ کر چکا ہے۔

زنا کی شہادت اور قسامت کی قسموں پر قیاس کے جوابات

شیخ ابن تیم جوزیہ نے زنا کی چار شہادتوں اور قسامت کی پچاس قسموں سے بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں چار بار گواہی دیتا ہوں کہ فلاں شخص نے زنا کیا ہے تو اس کی یہ گواہی مردود ہوگی جب تک چار آدمی الگ الگ گواہی نہ دیں، اسی طرح اگر ایک آدمی یہ کہے کہ میں پچاس قسمیں کھاتا ہوں کہ میں نے قتل کیا ہے نہ قاتل دیکھا ہے تو اس کی یہ قسم معتبر نہیں ہوگی جب تک کہ پچاس آدمی الگ الگ قسمیں نہ کھائیں، اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تم کو تین طلاقیں دیتا ہوں تو یہ تین طلاقیں بھی معتبر نہیں ہوں گی جب تک کہ وہ الگ الگ تین طلاقیں نہ دے۔ (زوالعلاج ۴ ص ۵۵، مطبوعہ مصلیٰ البلی ولولاد مصر ۱۳۶۹ھ)

اس استدلال کا ایک جواب تو یہی ہے کہ یہ دلیل خود شیخ ابن قیم کو بھی مفید نہیں ہے کیونکہ اس دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مجلس میں اگر تین بار الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ واقع ہو جاتی چاہئیں، حالانکہ ان کے نزدیک ایک مجلس میں الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ بھی واقع نہیں ہوتیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ زنا کی شہادت اور قسامت پر طلاق کا قیاس درست نہیں ہے کیونکہ جو شخص یہ کہے کہ میں زنا کی چار گواہیوں یا میں قتل نہ کرنے کی پچاس قسمیں کھاتا ہوں اس کی گواہی اور قسم مطلقاً مردود ہے، برخلاف طلاق کے کیونکہ جو شخص کہے کہ میں تم کو تین طلاقیں دیتا ہوں اس کی طلاق ان کے نزدیک بھی مطلقاً مردود نہیں ہے بلکہ ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ دوسرا جواب علامہ آلوسی کی عبارت سے مستفاد ہے۔

علامہ آلوسی نے اس استدلال کے جواب میں لکھا ہے کہ شہادت لعن اور رمی جہرات پر طلاق کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، دونوں کے احکام الگ الگ ہیں، اور ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، علاوہ ازیں طلاق کا معاملہ حلت اور حرمت سے ہے اور اس میں احتیاط یہی ہے کہ جو تین طلاقیں بیک وقت دی گئی ہیں وہ واقع مان لی جائیں۔ (۱) اور یہ مسلم اصول ہے کہ جب لباحت اور تحریم میں تعارض ہو تو تحریم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین ایک طلاق قرار دے کر نکاح کو مباح کہتے ہیں اور جمہور ان تین طلاقوں کو تین ہی شمار کر کے نکاح کو حرام کہتے ہیں اور اس اصول کے مطابق جمہور کے قول کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ لباحت اور تحریم کے تعارض میں تحریم ہی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

تبیح فاطمہ پر قیاس کے جوابات

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں: حضور کریم ﷺ نے اپنی لخت جگر خاتون جنت سے فرمایا تھا کہ بیٹی نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کر، یہ لونڈیوں سے بہتر ہے، اب اگر کوئی شخص سبحان اللہ تینتیس بار (ایک دفعہ) کہہ دے تو کیا وہ اس اجر و ثواب کا مستحق ہوگا؟ (۲) (پیر صاحب اس سے یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ ایک مرتبہ تین طلاقیں کہنے سے تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں۔)

یہ دلیل سب سے پہلے شیخ ابن تیمیہ نے قائم کی تھی، اس کے بعد شیخ ابن تیمیہ کے متبعین مزید مثالوں کے ساتھ

(۱) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۲ھ، روح المعانی ج ۲ ص ۱۳۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

(۲) پیر محمد کرم شاہ الازہری، دعوت فکر و نظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۲۲۹، مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور، ۱۹۷۹ء

اس کو نقل کرتے چلے گئے ہیں۔ ہم اس دلیل کے چار جواب بیان کر چکے ہیں کہ یہ استدلال ان حضرات کو بھی مفید نہیں ہے کیونکہ اگر ایک مجلس میں کلمات متعدد سے تین بار تین طلاقیں دی جائیں تو اس دلیل کے اعتبار سے وہ ٹانڈ ہونی چاہئیں حالانکہ یہ لوگ اس کو بھی تین طلاق نہیں مانتے بلکہ ایک طلاق کہتے ہیں، دوسرا یہ کہ جب لباحت اور تحریم میں تعرض ہو تو ترجیح تحریم کی ہوتی ہے، تیسرا جواب ہم نے علامہ آلوسی سے نقل کیا جس کا خلاصہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک دفعہ مثالیوں کہہ دے کہ سو بار سبحان اللہ تو اس حدیث پر عمل نہیں ہوگا اور یہ تسبیح فاطمہ نہیں ہوگی اور وہ اس کے اجر کا مستحق نہیں ہوگا اس کے برخلاف اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے تم کو تین طلاقیں تو آپ بھی یہ تو مانتے ہیں کہ ایک طلاق ہو جائے گی اس لیے یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔ علامہ آلوسی نے جو دوسرا جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا حرام کو حلال کرنا ہے اس لیے اس قسم کی تک بندیوں اور ڈھکوسلوں سے اللہ اور رسول کے حرام کردہ کو حلال نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت عمرؓ پر عہد رسالت کے معمول بدلنے کے الزام کے جوابات

شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کی دوسری دلیل صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر کے عہد میں بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا اور حضرت عمرؓ نے یہ کہا کہ اگر ان کو تین طلاق ہی قرار دیا جائے تو بہتر ہوگا اور پھر انہوں نے ایسا ہی کر دیا۔ جس طرح شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی صریح مخالفت کی اور تمام صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کو قبول کر لیا، اگر اس بات کو مان لیا جائے تو حضرت ابوبکر اور ان کے دور میں فوت ہونے والے صحابہ کے علاوہ کوئی صحابی اس قتل نہیں رہے گا کہ اس کے دین پر اعتماد کیا جائے اور اس کی روایت کو قبول کیا جائے یہی وجہ ہے کہ جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث کا ظاہر معنی نہیں لیا، اور اس حدیث کے متعدد جوابات دیئے ہیں لے ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

صحیح مسلم کی زیر بحث روایت غیر صحیح اور مرود ہے

قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ٹانڈ ہو جاتی ہیں، جیسا کہ انشاء اللہ عنقریب واضح ہوگا اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے جس کو صحاح ستہ کے دیگر مؤلفین نے بھی روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان تین طلاقوں کو ٹانڈ کر دیا، نیز دیگر احادیث صحیحہ اور بکثرت آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے ثابت ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ٹانڈ ہو جاتی ہیں (جس کا تفصیلی بیان عنقریب آ رہا ہے) اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت چونکہ قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کی صراحت کے خلاف ہے اس لیے یہ روایت شذو اور مطل ہے اور استدلال سے خارج ہے۔

۱۔ حضرت عمرؓ کرم اللہ تعالیٰ عنہ ہر محقق سنی خلی عالم ہیں اس مسئلہ میں ان کی رائے ائمہ اربعہ کے حلق علیہ موقف سے مختلف ہے تمام ملکی مطبوعات کے مطابق انہوں نے اس رائے پر فتویٰ نہیں دیا، لیکن چونکہ غیر مقلد حضرات ان کا رسالہ مسلسل چھاپ رہے ہیں اس لیے ہم نے ان کے دلائل کا جواب ضروری سمجھا کہ عوام اہل سنت ان کے حوالے سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ (علامہ رسول سعیدی رحمہ اللہ)

صحیح مسلم کی زیر بحث روایت کے غیر صحیح ہونے پر دوسری دلیل

اس روایت کے شذ، مطل اور مردود ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود یہ فتویٰ دیتے تھے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ متصور نہیں ہے کہ وہ نبی ﷺ سے ایک چیز روایت کریں اور فتویٰ اس کے خلاف دیں اس لیے یہ روایت شذ ہے اور حضرت ابن عباس کی طرف اس روایت کو منسوب کرنے میں طاؤس کو وہم ہوا ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳۳۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۹ھ)

صحیح مسلم کی اس زیر بحث حدیث کو طاؤس نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی صراحت کے مطابق یہ طاؤس کا وہم ہے اس کی مزید وضاحت امام بیہقی کے بیان سے ہوتی ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جس میں امام بخاری اور امام مسلم کا اختلاف ہے۔ امام مسلم نے اس کو روایت کیا ہے اور امام بخاری نے اس کو ترک کر دیا ہے، اور میرا گمان یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اس لیے ترک کیا ہے کہ یہ روایت حضرت ابن عباس کی باقی روایات کے مخالف ہے، پھر امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عکرمہ نے کہا حضرت ابن عباس نے فرمایا پہلے انسان تین طلاق دینے کے بعد رجوع کر لیتا تھا۔ ”الطلاق مرتان“ نے اس کو منسوخ کر دیا۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ اس پر حرام ہو گئی، مجاہد کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے پوچھا میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا تم تین طلاقیں لے لو اور ستانوے طلاقوں کو چھوڑ دو، مجاہد سے ہی روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی، تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی، تم نے اللہ کا خوف نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کوئی مخرج نہیں رکھا، ان کے علاوہ عطاء، عمرو بن دینار اور مالک بن حارث وغیرہ طاؤس کے علاوہ حضرت ابن عباس کے تمام تلامذہ حضرت ابن عباس سے یہی روایت کرتے ہیں کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں، اس کے برخلاف صرف طاؤس نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت کیا ہے کہ عہد رسالت اور عہد ابوبکر میں تین طلاقیں ایک قرار دی جاتی تھیں اس لیے یہ روایت طاؤس کے وہم پر محمول کی جائے گی اور صحیح نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۳۳۷، مطبوعہ نشر النستہ ملتان)

اعتبار راوی کی روایت کا ہے یا اس کی رائے کا؟

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں: اس حدیث کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ صحابہ کرام کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے خصوصاً حضرت ابن عباس راوی حدیث کا فتویٰ بھی اس کے خلاف ہے تو اس روایت پر عمل کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ الی قولہ اس کے متعلق مختصر یہ گزارش ہے کہ حضور کریم ﷺ کے فرمان عالیشان کے سامنے کسی کا قول حجت نہیں، نیز حضرت ابن عباس سے بھی دو روایتیں آئی ہیں ایک وہ جو اوپر گزری دوسری وہ جسے مسند میں امام احمد نے نقل کیا ہے: حضرت ابن عباس کا نظریہ تھا کہ ہر طہر کے وقت طلاق دی جائے۔ دوسرے صحابہ کرام کے اقوال کا ذکر جا بجا گزر چکا ہے نیز اصول فقہ کا یہ مسلمہ قلعہ ہے کہ ”اعتبار راوی کی روایت کا ہے نہ کہ اس کی ذاتی رائے کا“ (دعوت فکر و نظریہ ایک مجلس کی تین طلاقیں، ص ۲۲۹، مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور ۱۹۷۹ء)

بشیر رسول اللہ ﷺ کے فرمان مایشان کے مقابلہ میں کسی کا قول حجت نہیں ہے لیکن یہ کون سی حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: تین طلاقیں کو ایک طلاق قرار دیا جائے۔ اگر مسلم کی حدیث مذکور مراد ہے تو اول تو اس میں آپ کے کسی فرمان کا ذکر نہیں ہے۔ ثانیاً اسی حدیث میں تو بحث ہو رہی ہے کہ یہ ثابت اور صحیح نہیں ہے طاؤس کا وہم ہے مشہور غیر مقلد عالم فاضل شوکانی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ:

لام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس کے تمام شاگردوں نے حضرت ابن عباس سے طاؤس کے برخلاف روایت کیا ہے۔ سعید بن جبیر، مجاہد اور نافع نے حضرت ابن عباس سے اس کے برخلاف روایت کی ہے۔

(نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۲، مطبوعہ مکتبۃ الکلیات لازہریہ قاہرہ ۱۳۹۸ھ)

اور چونکہ صحیح مسلم کی یہ روایت طاؤس کے وہم پر مبنی ہے اس لیے صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر عہد رسالت کے معمول کی مخالفت اور تمام صحابہ پر مد اہنت کی تہمت لگانے سے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ایک معقول وجہ (طاؤس کے وہم) کی بنیاد پر اس حدیث کو مسترد کر دیا جائے!

پیر محمد کرم شاہ صاحب نے لکھا ہے: نیز اصول فقہ کا ”یہ مسلمہ قلعہ ہے کہ اعتبار رلوی کی روایت کا ہے نہ کہ اس کی رائے کا“ اس کے بارے میں گزارش ہے کہ عام رلوؤں کے بارے میں بے شک ایسا ہی ہے لیکن جب صحابی رسول کسی حدیث کی روایت کریں اور ان کا عمل یا فتویٰ اس حدیث کے خلاف ہو تو پھر وہی باتیں ہو سکتی ہیں یا تو یہ روایت صحیح نہیں یا اس صحابی کے نزدیک منسوخ ہو چکی ہے کیونکہ صحابی رسول سے یہ متصور نہیں کہ وہ ایک حدیث بیان کرے اور عمل اس کے خلاف کرے۔ کتب صحاح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے اور لام طلحوی نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔ اس روایت کو بیان کرنے کے بعد امام طلحوی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا پھر نبی ﷺ کے بعد اس کو ترک کر دیا اور یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ ان کے نزدیک کسی دلیل سے رفع یدین منسوخ ہو چکا ہو۔ (۱) نیز حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ جس برتن میں کتانہ ڈال دے اس کو سات مرتبہ دھونا ضروری ہے اور خود تین مرتبہ دھوتے تھے۔ لام طلحوی لکھتے ہیں کہ ہم حضرت ابو ہریرہ کے ساتھ حسن عمن رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ نبی ﷺ سے ایک حدیث سن کر اس پر عمل کرنا ترک کر دیں گے۔ اور اگر وہ ایسا کریں تو ان کی عدالت (نیکی کاری) ساقط ہو جائے گی اور وہ اس قتل بھی نہیں رہیں گے کہ ان کی کوئی بات قبول کی جائے چہ جائیکہ ان کی روایت قبول کی جائے اس لیے ضروری ہے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت ابو ہریرہ کے نزدیک یہ روایت منسوخ ہو چکی ہے۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۳۳، مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور ۱۳۴۳ھ)

جب صحابی رسول کا عمل یا فتویٰ اس کی روایت کے خلاف ہو تو اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس روایت کی نسبت اس صحابی کی طرف صحیح نہیں ہے یا پھر اس روایت میں کوئی تاویل ہے۔ علامہ پرہادی لکھتے ہیں:

رلوی کا عمل جب حدیث کے خلاف ہو تو یہ اس حدیث کی صحت میں طعن کا موجب ہے یا اس حدیث کے منسوخ

(۱) لام محمد جعفر امین عمر اللہ علیہ الرحمۃ حنفی حنفی، شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۳۳، مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور ۱۳۴۳ھ

ہونے پر دلیل ہے یا پھر اس حدیث میں توہیل ہے اور اس کا ظاہری معنی مرلو نہیں ہے۔

(النبز اس ص ۲۳، مطبوعہ شہ عبدالحق اکیڈمی بنیوال، الطبعة الاولى ۱۳۹۷ھ)

حضرت ابن عباس کی یہ حدیث جس کو طاؤس نے بیان کیا ہے، ایسی ہی ہے، قوی ترین بات یہ ہے کہ چونکہ یہ طاؤس کا وہم ہے اس لیے صحیح اور ثابت نہیں ہے۔ جمہور فقہاء اسلام نے اس کو منسوخ قرار دے کر بھی جواب دیا ہے اور اس کا ظاہری معنی چھوڑ کر توہیل بھی کی ہے، عنقریب ہم بعض تلویحات کا ذکر کریں گے۔

پیر محمد کرم شہ صاحب نے اس بحث میں یہ بھی لکھا ہے کہ ”حضرت ابن عباس کی روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ طواف میں رمل کرتے تھے اور ان کا قول یہ ہے کہ رمل سنت نہیں ہے۔“ اس کا جواب یہ ہے کہ رمل کے معاملہ میں حضرت ابن عباس کی رائے جمہور کے خلاف ہے اور تین طلاقیں کے مسئلہ میں ان کی روایت دیگر احادیث اور جمہور کے موافق ہے، اور ان کی مفرد رائے کو ترک کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی جو روایت جمہور کے موافق ہو اس کو بھی ترک کر دیا جائے۔

نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر راوی کا عمل اور فتویٰ اس کی روایت کے خلاف ہو تو غیر مقلدین اور شوافع کا وہی مسلک ہے جو پیر محمد کرم شہ صاحب نے فتح الباری کے حوالے سے بیان کیا ہے اور نیل الاوطار میں بھی مشہور غیر مقلد عالم قاضی شوکانی نے ایسا ہی لکھا ہے (۱) اور حق اور صواب اختلاف اور مآلیہ کا نظریہ ہے جس کو ہم نے امام طحطاوی اور علامہ برہاروی کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

مسلم میں درج طاؤس کی روایت کے غلط اور شاذ ہونے پر مزید دلائل

طاؤس کی اس روایت کے وہم اور غلط ہونے پر ایک اور واضح قرینہ یہ ہے کہ خود طاؤس کا فتویٰ بھی اس روایت کے خلاف تھا، طاؤس یہ کہتے تھے کہ اگر غیر مدخولہ کو ایک مجلس میں تین لفظوں کے ساتھ تین طلاقیں دی جائیں تو یہ ایک طلاق ہوگی (کیونکہ وہ پہلی طلاق کے بعد بائنہ ہو جاتی ہے اور بعد کی طلاقیں کا محل نہیں رہتی) طاؤس مدخولہ کی تین طلاقیں کو ایک طلاق نہیں قرار دیتے تھے۔ امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: لیث بیان کرتے ہیں کہ طاؤس اور عطاء کہتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو مقاربت سے پہلے تین طلاقیں دے تو وہ ایک طلاق ہوگی۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۶ مطبوعہ ادارة القرآن کراچی، الطبعة الاولى ۱۳۰۶ھ)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ طاؤس مطلقاً ”تین طلاقیں کو ایک نہیں کہتے تھے اس لیے طاؤس کی یہ روایت جس کو امام مسلم نے بیان کیا ہے وہم اور مغالطہ سے خالی نہیں ہے۔

علامہ ماردینی، طاؤس کی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ ابن عبد البر (صاحب استذکار) نے کہا ہے کہ طاؤس کی یہ روایت وہم اور غلط ہے۔ علماء میں سے کسی نے اس کو قبول نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس سے طاؤس کی یہ روایت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ثقہ راویوں نے حضرت ابن عباس سے اس کے خلاف روایت کیا ہے۔ (الجوہر النقی علی ہامش البیہقی ج ۷ ص ۳۳۸-۳۳۷، مطبوعہ نشر ائنتہ لبنان)۔

نیز علامہ ابو جعفر بن نحاس کتاب النسخ والمنسوخ میں لکھتے ہیں کہ ”طاؤس ہر چند کہ نیک شخص ہیں لیکن وہ حضرت

(۱) قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۲، مطبوعہ مکتبۃ الکلیات الازہریہ، قاہرہ ۱۳۹۸ھ

میں سے بہت سی روایات میں مقبوض ہیں، لہٰذا علم ان روایات کو قبول نہیں کرتے، ان روایات میں سے ایک روایت وہ بھی ہے جس میں انہوں نے حضرت ابن عباس سے تین طلاقوں کے ایک ہونے کی روایت کی ہے، لیکن حضرت ابن عباس اور حضرت علی سے صحیح روایت یہی ہے کہ تین طلاقیں، تین ہی ہوتی ہیں۔

طلاق کی روایت کا صحیح محل

جسور فقہاء اسلام نے لولا تو اس حدیث کے فنی سقم کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کیا مگر سبیل تنزل اس میں تاویل کی اور کہا کہ دور رسالت اور دور صحابہ میں لوگ تاکید کی نیت سے تین بار طلاق دیتے تھے بعد میں حضرت عمر کے دور میں لوگوں نے تین طلاقیں دینے کی نیت سے تین بار طلاق کہنا شروع کر دیا اس لیے حضرت عمر نے ان کی نیات کے اعتبار سے ان تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دیا۔ ان جوہریت سے واضح ہو گیا کہ حضرت عمر نے رسول اللہ ﷺ کے کسی امر کو نہیں بدلا بلکہ اسی چیز کو بخند کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے ثابت ہے، امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، حضرت رکنہ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے طلاق البتہ سے کیا مراد لیا تھا؟ میں نے کہا ایک طلاق! آپ نے فرمایا قسم بخدا؟ میں نے کہا قسم بخدا! آپ نے فرمایا پس یہ وہی طلاق ہے جس کا تم نے ارادہ کیا ہے، یعنی ایک (۱) اس حدیث کو امام ابو داؤد نے تین اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے (۲) امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے (۳) اس حدیث سے ظاہر ہو گیا کہ مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقوں کا ارادہ کیا جائے تو یہ جائز ہے کیونکہ اگر یہ جائز نہ ہو تا تو رسول اللہ ﷺ حضرت رکنہ سے یہ استفسار نہ کرتے کہ تم نے اس لفظ سے کیا مراد لیا ہے اور ان کی مراد پر قسم طلب نہ فرماتے بلکہ صاف فرما دیتے کہ ایک مجلس میں ایک عبارت سے صرف ایک طلاق ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا حضرت رکنہ سے طلاق کی تعدد کا دریافت کرنا اور ان کی مراد پر قسم لینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقیں مؤثر ہو جاتی ہیں، اور حضرت عمر نے جو فیصلہ بخند کیا وہ اس حدیث کے مطابق تھا اور جسور فقہاء اسلام کا نظریہ بھی اسی حدیث کے تابع ہے۔

حضرت رکنہ سے متعلق مسند احمد کی روایت کے فنی اسقام

شیخ ابن تیمیہ نے حضرت رکنہ سے متعلق ایک دوسری روایت مسند احمد کے حوالے سے ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت رکنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک طلاق قرار دیا اور انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا۔ شیخ ابن تیمیہ نے مسند احمد کی اس حدیث کو جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن ابو داؤد کی مذکورہ مصدر روایت پر ترجیح دی ہے، لیکن شیخ ابن تیمیہ کو جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن ابو داؤد کی روایت پر مسند احمد کو ترجیح دینا اصل و انصاف سے سخت بعید ہے، کیونکہ لہٰذا علم سے مخفی نہیں ہے کہ مسند احمد میں صرف اعلیٰٰت صحیحہ کو جمع کرنے کا التزام نہیں کیا گیا، اس میں ضعیف، حسن، صحیح ہر قسم کی اعلیٰٰت ہیں۔ برخلاف جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور

(۱) امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی حنفی ۷۸۷ھ، جامع ترمذی ص ۱۸۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

(۲) امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث حنفی ۷۷۷ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۰۰، مطبوعہ مطبع مجبلی لاہور ۱۳۰۵ھ

(۳) امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ حنفی ۷۷۷ھ، سنن ابن ماجہ ص ۳۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

سنن ابو داؤد کے، کیونکہ یہ ابن کتب احادیث میں سے ہیں بن میں احادیث صحیحہ جمع کرنے کا التزام کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن ابو داؤد کو صحاح ستہ میں شمار کیا جاتا ہے اور مسند احمد کو صحاح ستہ میں شمار نہیں کیا جاتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امام ابو داؤد کے علم میں بھی مسند احمد کی یہ روایت تھی جس میں طلاق البتہ کی بجائے تین طلاقیں کا ذکر ہے لیکن انہوں نے اس روایت کو اپنی کتب میں درج نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی: هذا اصح من حديث ابن جريج ان ركناة طلق امراته ثلاثا لانهم اهل بينه وهم اعلم به (۱) ”یہ حدیث ابن جریج کی روایت کی بہ نسبت صحیح ہے جس میں ہے کہ حضرت رکنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں کیونکہ اس حدیث کی روایت حضرت رکنہ کے اہل بیت سے ہے اور وہ اپنے گھر کے واقعات کو دوسروں کی نسبت زیادہ جاننے والے تھے۔“ امام ابو داؤد نے اپنی تینوں احادیث یزید بن رکنہ سے روایت کی ہیں اسی طرح امام ترمذی نے بھی یزید بن رکنہ کی روایت سے حدیث بیان کی ہے، اس کے برخلاف امام احمد نے مسند احمد میں ابن جریج سے حضرت رکنہ کی روایت بیان کی ہے اور یہ بالکل معقول اور انصاف کی بات ہے کہ حضرت رکنہ کے گھر کا واقعہ وہی درست ہو گا جو ان کے بیٹے نے بیان کیا ہے اور ان کے بیٹے کی روایت کے خلاف اگر کسی غیر متعلق شخص نے کوئی واقعہ بیان کیا ہے تو وہ درست قرار نہیں دیا جائے گا۔

شیخ ابن تیمیہ نے البتہ والی روایت کو مرجوح قرار دینے کے لیے کسی کتب کا حوالہ دیئے بغیر لکھا ہے: امام احمد بن حنبل، امام بخاری، ابو عبید اور ابو محمد بن حزم نے البتہ والی روایت کو ضعیف قرار دیا اور بیان کیا ہے کہ اس کے راوی مجہول ہیں، ان کی عدالت اور ضبط کا حال معلوم نہیں ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۳۳ ص ۱۵ مطبوعہ بامرفہ بن عبد العزیز آل سعود)

امام احمد بن حنبل چونکہ اس روایت کو اپنی کتب میں درج کرنے والے ہیں اس لیے وہ ایک فریق کی حیثیت رکھتے ہیں لہذا اگر ان کی تضعیف بالفرض ہو بھی تو خارج از بحث ہے اور ابن حزم کا حوالہ دینا، شیخ ابن تیمیہ کی مغالطہ آفرینی ہے۔ شیخ ابن حزم نے سنن ابو داؤد کی ایک اور روایت کو بعض بنی ابی رافع کی وجہ سے مجہول لکھا ہے جس کا ذکر باحوالہ آگے آ رہا ہے۔ رہے امام بخاری تو ان کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے البتہ والی روایت کی تضعیف کی ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ امام بخاری نے مسند احمد والی روایت کو مضطرب اور معل قرار دیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔ (۲) اور علامہ ابن عبد البر نے اس کو تمہید میں ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ ابن جوزی مسند احمد والی حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اس کی سند کا ایک راوی ابن اسحاق مجروح ہے اور دوسرا راوی داؤد اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ امام ابن حبان نے کہا ہے کہ اس کی روایات سے اجتناب کرنا واجب ہے اور البتہ والی (صحاح ستہ کی) روایت صحت کے قریب ہے اور مسند احمد والی روایت میں راویوں کی غلطی ہے۔ (العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیہ ج ۲ ص ۱۵۱ مطبوعہ ادارة العلوم الاثریہ فیصل آباد)

علامہ ابوبکر رازی جصاص نے مسند احمد کی اس روایت کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۸۸، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۰۰ھ)

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ رکنہ کی حدیث منکر ہے اور صحیح روایت وہ ہے جو ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے

(۱) امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۰۱، مطبوعہ مطبع مجبائی لاہور، ۱۳۰۵ھ

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۴ھ، تلخیص الجیرج ص ۱۲۵۵، نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ

کہ رکنہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳۱، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

حضرت رکنہ سے متعلق صحاح کی روایت کی تقویت

شیخ ابن تیمیہ نے حضرت رکنہ کی البتہ والی روایت پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”اس حدیث کے راوی مجہول ہیں اور ان کی عدالت اور ضبط کا حل معلوم نہیں ہے۔“ شیخ ابن تیمیہ کی یہ بات بھی عدل و انصاف اور حقیقت اور صداقت سے بہت دور ہے۔ یہ حدیث ترمذی، ابن ماجہ اور ابو داؤد میں ہے، اور امام ابو داؤد نے اس کو تین مختلف سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اختصار کے پیش نظر ہم صرف امام ترمذی کی سند کے راویوں کی عدالت اور ضبط کا حل بیان کر رہے ہیں:

امام ترمذی نے اس حدیث کو از حنلو از قیسہ از جریر بن حازم از زبیر بن سعید از عبد اللہ بن علی بن یزید بن رکنہ بیان کیا ہے۔ سند کے پہلے راوی حنلو ہیں، ان کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبل نے کہا تم حنلو کو لازم رکھو، ابو حاتم نے کہا وہ بہت سچے ہیں قیسہ نے کہا میں نے دیکھا کہ وکیع حنلو سے زیادہ کسی کی تعظیم نہیں کرتے تھے، امام نسائی نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں، امام ابن حبان نے بھی ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔

(تمذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۷، مطبوعہ مجلس دائرة المعارف ہند ۱۳۲۵ھ)

اس سند کے دوسرے راوی قیسہ ہیں ان کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ حافظ ابو زرہ سے قیسہ اور ابو نعیم کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ان دونوں میں قیسہ افضل ہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے قیسہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا وہ بہت سچے ہیں۔ اسحاق بن یسار نے کہا میں نے شیوخ میں سے قیسہ سے بڑھ کر کوئی حافظ نہیں دیکھا، امام نسائی نے کہا ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں اور امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔

(تمذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۳۹-۳۳۸، مطبوعہ مجلس دائرة المعارف ہند ۱۳۲۵ھ)

اس حدیث کے تیسرے راوی ہیں جریر بن حازم، ان کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حملہ جتنی تعظیم جریر بن حازم کی کرتے تھے کسی اور کی نہیں کرتے تھے، عثمان داری نے ابن معین سے نقل کیا کہ یہ ثقہ ہیں، دوری کہتے ہیں میں نے یحییٰ سے پوچھا کہ جریر بن حازم اور ابو الاشب میں کس کی روایت بہتر ہے انہوں نے کہا جریر کی روایت احسن اور اسند ہے۔ ابو حاتم نے کہا یہ بہت سچے اور نیک ہیں۔

(تمذیب التہذیب ج ۲ ص ۷۰، مطبوعہ مجلس دائرة المعارف ہند ۱۳۲۵ھ)

اس حدیث کے چوتھے راوی زبیر بن سعید ہیں ان کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: دوری نے ابن معین سے نقل کیا کہ یہ ثقہ ہیں، دارقطنی نے کہا یہ معتبر ہیں، اور امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔

(تمذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۱۵، مطبوعہ مجلس دائرة المعارف ہند ۱۳۲۵ھ)

اس حدیث کے پانچویں راوی ہیں عبد اللہ بن یزید بن رکنہ: یہ خود حضرت رکنہ کے اہل بیت سے ہیں۔ امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۱) اور حافظ ابن حجر نے اس کو مقرر رکھا ہے۔ (۲)

(۱) حافظ محمد بن حبان حمی متونی ۳۵۳ھ کتب الثقات ج ۷ ص ۱۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۱ھ

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی متونی ۸۵۵ھ، تمذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۲۵، مطبوعہ مجلس دائرة المعارف ہند ۱۳۲۶ھ

حضرت رکنہ سے متعلق سنن ابوداؤد کی ایک شاذ روایت کے ضعف کا بیان

پیر محمد کرم شہ صاحب نے سنن ابوداؤد کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ جس میں ہے حضرت عبدالعزیز ابورکنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اپنی بیوی ام رکنہ سے رجوع کرلو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں نے تو اسے تین طلاقیں دے دی ہیں، آپ نے فرمایا: میں جانتا ہوں تم اس سے رجوع کرلو! (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۹-۲۹۸، مطبوعہ مطبع مجملی پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ)

اس حدیث سے پیر صاحب کا استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس کی سند میں بعض بنی لہی رافع موجود ہیں جو مجہول ہیں۔ غیر مقلدین کے بہت بڑے عالم شیخ ابن حزم اس حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (شیخ ابن تیمیہ نے سنن ابوداؤد کی جس حدیث کے بارے میں ابن حزم کا حوالہ دیا تھا وہ اصل میں یہ حدیث ہے) ہمارے علم میں اس حدیث کے سوا ان لوگوں کی اور کوئی دلیل نہیں ہے، اور یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ ابورافع کی اولاد میں سے جس شخص سے یہ روایت ہے اس کا نام نہیں لیا گیا، اور مجہول راوی کی روایت دلیل نہیں ہو سکتی۔ (المجلد ج ۱۰ ص ۲۱۸، مطبوعہ دار البیضاء المیریہ، ۱۳۵۲ھ)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ متدرک کی بعض روایات میں بعض بنی لہی رافع کی تعین محمد بن عبید اللہ بن لہی رافع سے کر دی گئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی محمد بن عبید اللہ بن لہی رافع کے بارے میں لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا: یہ منکر الحدیث ہے۔ ابن معین نے کہا: یہ لیس لبشی ہے ابو حاتم نے کہا: یہ ضعیف الحدیث، منکر الحدیث اور زاہب الحدیث ہے۔ ابن عدی نے کہا: یہ کوفہ کے شیعہ میں سے ہے اور فضائل میں اس نے ایسی روایات بیان کی ہیں جن کا کوئی متابع نہیں ہے، ابن حبان نے اس کا ثبات میں ذکر کیا۔ برقانی نے دار قطنی سے روایت کیا کہ یہ متروک ہے۔ یاد رہے کہ امام بخاری نے فرمایا ہے جس شخص کے بارے میں میں یہ کہوں کہ یہ منکر الحدیث ہے اس سے روایت کرنا صحیح نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ملحوظ رہنی چاہیے کہ امام ابن عدی نے اس کو شیعہ لکھا ہے اور تین طلاقیں کو ایک طلاق قرار دینا شیعہ حضرات کا مسلک ہے۔ (تمذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۲۱، مطبوعہ مجلس دائرة المعارف ہند، ۱۳۲۱ھ)

اس روایت کی سند اس پائے کی نہیں ہے، جس سے حلال اور حرام کے مسئلہ میں استدلال ہو سکے، خصوصاً جب کہ اس روایت سے وہ چیز حلال ہو رہی ہو جو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی صراحت سے حرام ہو چکی ہو اور ائمہ اربعہ اور جمہور مسلمین کا اس کی حرمت پر اتفاق ہو۔

شیخ ابن تیمیہ اور ان کے حامیوں کے پاس تین طلاقیں کو ایک طلاق قرار دینے کے لیے صرف یہ تین روایات تھیں۔ ایک صحیح مسلم کی روایت جو طاؤس کا وہم اور شاذ روایت ہے دوسری مسند احمد کی روایت جو مضطرب، منکر، مغل اور ضعیف روایت ہے، تیسری سنن ابوداؤد کی یہ روایت جو مجہول منکر اور متروک کی روایت ہے۔

بیک وقت دی گئی تین طلاقیں کے تین ہونے پر جمہور کے قرآن مجید سے دلائل اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ دو طلاقیں کے بعد بھی خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ چاہے تو ان طلاقیں سے رجوع کر لے اور چاہے تو رجوع نہ کرے لیکن :

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ پس اگر اس نے اس کو ایک اور طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس

نکاحِ زوجاً غَيْرَهُ (البقرة: ۲۳۰) کے لیے حلال نہیں ہے تو فیکہ وہ کسی اور شخص سے نکاح کرے۔

اس آیت سے پہلے ”الطلاق مرتن“ کا ذکر ہے یعنی طلاق رجعی دو مرتبہ دی جاسکتی ہے اس کے بعد فان طلقها فرمایا اس کے شروع میں حرف فاء ہے جو تعقیب بلا مصلحت کے لیے آتا ہے اور اب قواعد عربیہ کے اعتبار سے معنی یہ ہو گا کہ دو رجعی طلاقیں دینے کے بعد خلوند نے اگر فوراً تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس مرد کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ شرعی قاعدہ کے مطابق کسی اور مرد کے ساتھ نکاح نہ کرے اس آیت میں اگر حرف ”ثم“ یا اس قسم کا کوئی اور حرف ہوتا جو مصلحت اور تاخیر پر دلالت کرتا تو علی التبعین یہ کہا جاسکتا تھا کہ ایک طہر میں ایک طلاق اور دوسرے طہر میں دو سری طلاق اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دی جائے گی لیکن قرآن مجید میں ”ثم“ کی بجائے ”فَا“ کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خلوند نے دو طلاقیں دینے کے بعد فوراً تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہیں رہے گی۔

قرآن مجید نے ”الطلاق مرتن“ فرمایا ہے یعنی دو مرتبہ طلاق دی جائے اور دو مرتبہ طلاق دینا اس سے عام ہے کہ ایک مجلس میں دو مرتبہ طلاق دی جائے یا دو طہروں میں دو مرتبہ طلاق دی جائے اور اس کے بعد فوراً اگر تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی اس سے واضح ہو گیا کہ اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں تین بار طلاق دی اور بیوی سے کہہ دیا میں نے تم کو طلاق دی میں نے تم کو طلاق دی میں نے تم کو طلاق دی تو یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ غیر مقلدوں کے مشہور، مستند اور ان کے بہت بڑے عالم شیخ ابن حزم اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

یہ آیت بیک وقت دی گئی تین طلاقیں اور الگ الگ دی گئی طلاقیں دونوں پر صلوٰۃ آتی ہے اور اس آیت کو بغیر کسی نص کے طلاق کی بعض صورتوں کے ساتھ خاص کرنا جائز نہیں ہے۔

(الحلی ج ۱۰ ص ۱۷۱، مطبوعہ دارۃ البیاعۃ المیریہ ۱۳۵۲ھ)

قرآن مجید کی اس آیت سے بھی جمہور فقہاء اسلام کا استدلال ہے۔

اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَةٍ تَعْتَبُوْنَهَا؟

(الاحزاب: ۴۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیرہ خولہ کو طلاق دینے کا ذکر فرمایا ہے اور طلاق دینے کو اس سے عام رکھا ہے کہ بیک وقت انہی تین طلاقیں دی جائیں یا الگ الگ طلاقیں دی جائیں اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مطلق اور عام رکھا ہو اس کو اخبار آلو اور احادیث صحیحہ سے بھی متقید اور خاص نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ ملو شام کی غیر معصوم آراء اور غیر مستند اقوال سے اس کو متقید کیا جاسکے۔

قرآن مجید سے استدلال پر اعتراض کے جوابات

یہ محمد کرم اللہ تعالیٰ نے اس استدلال کے جواب میں لکھا ہے:

دوسری آیات اور سنت نبوی نے ان کے اطلاق کو مقید کر دیا ہے، اور ان کے احکام اور شرائط کو بیان کر دیا ہے، نیز ان آیات میں ایک ساتھ طلاق دینے کی بھی تو کہیں تصریح نہیں۔

(دعوت فکر و نظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں، ص ۲۳۳، مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور، ۱۹۷۹ء)

قرآن مجید کی کسی آیت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ بیک وقت اجتماعی طور پر دی گئی تین طلاقیں ایک ہوں گی جس کو اس آیت کے عموم کی تخصیص پر قرینہ بتایا جاسکے۔ نہ کسی حدیث صحیح میں یہ تصریح ہے نہ ہل یا یہ ضروری ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا موجب ہے اور بدعت اور گنہ ہے اور یہی احتیاط کا مسلک ہے اور سنت طریقہ الگ الگ طہروں میں تین طلاقیں دینا ہے لیکن اس میں گفتگو نہیں ہے گفتگو اس میں ہے کہ اگر کسی شخص نے خلاف سنت طریقہ سے بیک وقت تین طلاقیں دے دیں تو آیا وہ ٹنڈ ہوں گی یا نہیں! البتہ بکثرت احادیث اور آثار سے یہ ثابت ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں ٹنڈ ہو جائیں گی، جیسا کہ عنقریب واضح ہو گا۔ غیر مقلدوں کے لام ثانی ابن حزم اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں عموم ہے اور تین، دو اور ایک طلاق دینے کی لباحت ثابت ہوتی ہے۔

(الحلی ج ۱۰ ص ۱۷۹، مطبوعہ ادارة البعثة المیریہ مصر، ۱۳۵۲ھ)

جمہور فقہاء اسلام نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَنَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ مطلقہ عورتوں کو رواج کے مطابق منع (کپڑوں کا جوڑا) دینا

(البقرہ: ۲۳۱) چاہیے۔

شیخ ابن حزم اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کو عام رکھا ہے خواہ وہ ایک طلاق سے مطلقہ ہو یا دو سے یا تین سے اور ان میں سے کسی کے ساتھ اس کو خاص نہیں کیا۔

(الحلی ج ۱۰ ص ۱۷۰، مطبوعہ ادارة البعثة المیریہ مصر، ۱۳۵۲ھ)

اس آیت میں مطلقہ عورتوں کو منع (کپڑوں کا جوڑا) دینے کی ہدایت کی ہے خواہ وہ عورتیں تین طلاقیں سے مطلقہ ہوں یا دو طلاقیں سے مطلقہ ہوں، یا ایک سے، اور کسی ایک طلاق کے ساتھ مطلقہ کی تخصیص نہیں فرمائی، یہی چیز شیخ ابن حزم نے بیان کی ہے۔ قرآن مجید میں طلاق کے عموم اور اطلاق کی اور بھی آیات ہیں لیکن ہم بغرض اختصار انہی آیات پر اکتفا کرتے ہیں۔

بیک وقت دی گئی تین طلاقیں پر جمہور فقہاء اسلام کے احادیث سے دلائل

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! یہ بتلائیے کہ ایک شخص اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو دیکھ لے تو اس کو قتل کر دے یا کیا کرے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں قرآن مجید میں لعان کا مسئلہ ذکر فرمایا، نبی ﷺ نے فرمایا تیرے اور تیری بیوی کے درمیان اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا، حضرت سہل کہتے ہیں کہ ان دونوں نے میرے سامنے مسجد میں لعان کیا جب وہ لعان سے فارغ ہو گئے تو اس شخص نے کہا اب اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو میں خود جھوٹا ہوں! پھر رسول اللہ صلی اللہ

یہ وسلم کے حکم سے پہلے لعن سے قلعہ ہوتے ہی اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی سے طہر کی اختیار کر لی، آپ نے فرمایا سب لعن کرنے والوں کے درمیان یہ تفریق ہے۔ ابن شہاب کہتے ہیں اس کے بعد یہ طریقہ مقرر ہو گیا کہ سب لعن کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی جائے۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۰۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی کی شرح مسلم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اس نے اس لیے تین طلاقیں دی تھیں کہ اس کا گناہ یہ تھا کہ لعن سے اس کی بیوی حرام نہیں ہوئی تو اس نے کہا ”اس کو تین طلاقیں ہیں۔“

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۵۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۳۹۰ھ)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام کے درمیان یہ بات معروف اور مقرر تھی کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے اسی وجہ سے اسی شخص نے اپنی بیوی سے تفریق اور تحریم کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کو تین طلاقیں دیں، اگر ایک مجلس میں تین طلاقوں سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی تو اس صحابی کا یہ فعل مہربان ہو تا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرماتے بیک وقت تین طلاقوں سے تمہاری مفارقت نہیں ہوگی۔

اس سلسلے میں امام بخاری نے یہ حدیث بھی روایت کی ہے :

حضرت سہل کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لعن کیا اور آن حایکے میں بھی لوگوں کے ساتھ تھا۔ حضرت عومیر نے کہا: یا رسول اللہ! اب اگر میں نے اس کو اپنے پاس رکھا تو میں جھوٹا ہوں پھر حضرت عومیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۰۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی، البصائر الاولى، ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (۱) امام نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (۲) اور

ابوداؤد میں بھی ہے۔

علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک نفس لعن سے تفریق ہو جاتی ہے اور محمد بن ابی صفروماکی نے کہا ہے کہ نفس لعن سے تفریق نہیں ہوتی، من کی دلیل یہ ہے کہ اگر نفس لعن سے تفریق ہوتی تو حضرت عومیر اس کو تین طلاقیں نہ دیتے، اور شوافع نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا مباح ہے۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۳۸۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

بخاری اور مسلم کی اس حدیث سے یہ بات برہنہ واضح ہو گئی کہ صحابہ کرام کے درمیان یہ بات معروف اور متفق علیہ تھی کہ تین طلاقوں سے تفریق اور تحریم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد رجوع جائز نہیں ہے ورنہ حضرت عومیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تفریق کے قصد سے اپنی بیوی کو لفظ واحد سے تین طلاقیں نہ دیتے۔

اس واقعہ میں سنن ابوداؤد کی درج ذیل حدیث نے مسئلہ بالکل واضح کر دیا ہے:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عومیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) امام ابوالحسن مسلم بن حجاج قشیری حنفی ۳۸۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۸۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی، ۱۳۵۵ھ

(۲) امام عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی حنفی ۳۸۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۷۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

کے سامنے تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان طلاقیں کو ٹنڈ کر دیا۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۰۶، مطبوعہ مطبع مجبلی لاہور ۱۳۵۵ھ)

اس حدیث میں اس بات کی صاف تصریح ہے کہ حضرت عویمیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقیں کو ٹنڈ کر دیا۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی اور سنن ابوداؤد میں حضرت عویمیر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد کسی انصاف پسند شخص کے لیے اس مسئلہ میں تردد کی گنجائش نہیں رہنی چاہیے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں ٹنڈ ہو جاتی ہیں۔ والحمد للہ رب العلمین۔

حضرت عویمیر کی حدیث سے استدلال پر اعتراض کے جوابات

پیر محمد کرم شاہ لاہری اس حدیث سے جمہور فقہاء اسلام کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: جہاں تک اس حدیث کی سند کا تعلق ہے اس کی صحت میں کسی کو کلام نہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے لیکن کیا اس حدیث سے استدلال درست ہے تو یہ ذرا تفصیل طلب ہے خود ابوبکر الجصاص اور شمس لائٹہ سرخی نے فرمایا کہ اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔ (دعوت فکر و نظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۲۲۵، مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور ۱۹۷۹ء)

پیر محمد کرم شاہ صاحب کا یہ استدلال سخت حیرت کا باعث ہے۔ جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ تین طلاقیں اگر بیک وقت دی جائیں تو تینوں واقع ہو جاتی ہیں، علامہ ابوبکر جصاص اور علامہ سرخی نے اس استدلال کا رد نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ اختلاف کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں دینا گنہ ہے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا مباح ہے اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر بیک وقت تین طلاقیں دینا گنہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عویمیر عجلانی رضی اللہ عنہ کے تین طلاقیں دینے پر انکار فرماتے اور آپ کا انکار نہ فرماتا بیک وقت تین طلاقیں کے مباح ہونے کی دلیل ہے۔ علامہ ابوبکر الجصاص اور علامہ سرخی نے ان کے اس استدلال کا رد فرمایا ہے۔ اب ہم پہلے علامہ ابوبکر الجصاص کی اصل عبارت ذکر کرتے ہیں:

علامہ ابوبکر الجصاص الرازی فرماتے ہیں :-

امام شافعی نے فرمایا کہ جب شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقیں بیک وقت دینے سے منع نہیں فرمایا تو اس سے ثابت ہوا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا مباح ہے، (علامہ جصاص فرماتے ہیں) اس حدیث سے امام شافعی کا استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ عورت کے لعان سے پہلے خلوند کے لعان کرنے سے تفریق ہو جاتی ہے اور عورت اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے اور اس کے بعد طلاق لاحق نہیں ہوتی، اور جب طلاق واقع ہوئی نہ اس کا حکم ثابت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کیسے انکار فرماتے! اگر یہ سوال کیا جائے کہ تمہارے یعنی اختلاف کے مذہب پر اس حدیث کی کیا توجیہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ طلاق دینے کا طریقہ اور وقت مقرر کرنے سے پہلے کا واقعہ ہو اور ایک طہر میں تین طلاقیں کو جمع کرنے کی ممانعت سے پہلے انہوں نے تین طلاقیں دی ہوں۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۳۸۳، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ علامہ جصاص کی بحث اس بات میں ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا ممنوع ہے یا

مہلح ہے اس میں بحث نہیں ہے کہ تین طلاقیں دینے کے بعد ایک طلاق واقع ہوتی ہے یا تین!

لب ہم آپ کے سامنے علامہ سرخی کی اصل عبارت پیش کر رہے ہیں علامہ سرخی فرماتے ہیں:

لام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: تین طلاقوں کے جمع کا بدعت ہونا اور ان کو الگ الگ دینے کا سنت ہونا میں نہیں جانتا بلکہ سب طرح طلاق دینا مہلح ہے اور بالوقت کہتے ہیں کہ تین طلاقوں کو جمع کر کے دینا سنت ہے حتیٰ کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کما تم کو سنت کے مطابق تین طلاقیں ہیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر وہ اکٹھی تین طلاقوں کی نیت کر لے تو تینوں اکٹھی واقع ہو جاتی ہیں کیونکہ الفاظ کے برخلاف نیت کرنا باطل ہے۔ امام شافعی نے حضرت عویمر مجملی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جب حضرت عویمر نے اپنی بیوی سے لعان کر لیا تو کہا: یا رسول اللہ! میں نے اگر اب اس عورت کو رکھ لیا تو میں جھوٹا قرار پاؤں گا اس کو تین طلاقیں

(المبسوط ج ۶ ص ۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت 'الطبعة الثانیہ' ۱۳۹۸ھ)

اس کے بعد علامہ سرخی نے امام شافعی کے اور بھی دلائل ذکر کیے ہیں اور اخیر میں اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے اور احناف کے مسلک پر دلیل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجوع کرنے کا حکم دیا انہوں نے پوچھا یہ بتلائیے کہ اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دوں تو کیا پھر بھی رجوع کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں! تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو جائے گی اور تین طلاق دینا گنہگار ہے (یہی احناف کی دلیل ہے سعیدی وغیرہ) ان احادیث سے یہ ظاہر ہو گیا کہ آپ نے حضرت عویمر مجملی کو تین طلاقیں دینے سے اس وجہ سے نہیں روکا تھا کہ وہ اس وقت سخت غصہ میں تھے اور آپ کو علم تھا کہ اس وقت وہ آپ کی بات نہیں مانیں گے اور اس وجہ سے کافر ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے آپ نے از روئے شفقت انکار کو کسی اور وقت کے لیے موخر کر دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جب آپ نے یہ فرمایا تھا کہ جلاؤ تمہارا اس پر کوئی حق نہیں ہے تو یہی آپ کا انکار تھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ تین طلاقوں کو بیک وقت دینا اس وقت مکروہ ہے جب وہ بلا ضرورت ہوں اور ان کی طہانی اور تدارک ممکن ہو اور حضرت عویمر مجملی کے حق میں یہ وجہ متحقق نہیں تھی کیونکہ جو میاں بیوی آپس میں لعان کرنے پر مصر ہوں ان کی طلاق کا تدارک نہیں ہو سکتا اور حضرت عویمر مجملی رضی اللہ عنہ لعان کرنے پر مصر تھے۔

(المبسوط ج ۶ ص ۶-۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت 'الطبعة الثانیہ' ۱۳۹۸ھ)

دیکھئے شمس لائٹہ سرخی کیا فرما رہے ہیں! اور پیر محمد کرم شلہ صاحب لازم ہری ان کے حوالے سے کیا سمجھا رہے ہیں؟

فیاللاسف۔

تحجیمین کی ایک اور حدیث سے استدلال پر اعتراض کا جواب

لام بخاری "باب من اباح السلق اثلاث" جس نے بیک وقت تین طلاقوں کو جائز قرار دیا کے باب میں اس حدیث کو روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اس عورت نے کہیں اور شادی کر لی اس نے بھی طلاق دے دی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آیا یہ عورت پہلے خلوند پر حلال

ہے! آپ نے فرمایا نہیں! جب تک کہ دوسرا خلو نہ پہلے خلو نہ کی طرح اس کی مٹاؤ نہ چکے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی، المبدع للعلیٰ ۱۴۳۸ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی، المبدع للعلیٰ ۱۴۳۷ھ)

علامہ یعنی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ اس شخص نے اس کو تین طلاقیں مجموعی طور پر (ایک مجلس میں) دی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا ہے۔

(عمدة القاری ج ۲ ص ۲۰۷، مطبوعہ دار الفکر البیروتیہ مصر ۱۴۳۸ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی حدیث کی باب سے مطابقت بیان کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۷، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۳۰ھ)

صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث سے بھی واضح ہو گیا کہ بیک وقت تین طلاقیں کے بعد تحریم ہو جاتی ہے اور رجوع جائز نہیں رہتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت تین طلاقیں دی جانے کے بعد فرمایا کہ یہ اس شوہر پر حلال نہیں ہے، اور یہ استدلال بالکل واضح ہے کیونکہ بیک وقت تین طلاقیں کے بعد رجوع کا ناجائز ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہے۔ بیک وقت تین طلاقیں کی تحریم میں یہ حدیث بھی بالکل واضح ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری اس حدیث سے جمہور کے استدلال کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ تین طلاقیں ایک ساتھ دی گئیں تھیں بلکہ طلق ثلاثا کا مطلب تو یہ ہے کہ اس نے تین بار طلاقیں دیں، اس لیے اس حدیث سے بھی استدلال درست نہ ہوا۔

(دعوت فکر و نظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۲۳۱، مطبوعہ نعمتی کتب خانہ لاہور ۱۹۷۹ء)

جمہور فقہاء اسلام کا اس حدیث سے استدلال بالکل درست ہے اور طلق ثلاثا کا یہی معنی ہے کہ اس نے بیک وقت

تین طلاقیں دیں۔ پیر صاحب جو کہہ رہے ہیں کہ اس کا مطلب ہے اس نے تین بار طلاقیں دیں اس کے لیے طلق ثلاثا کی جگہ طلق ثلاث مرات کا لفظ ہونا چاہیے تھا اور اس سے بھی پیر صاحب کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ایک مجلس میں تین لفظوں سے تین بار طلاق دی جائے تو وہ بھی ان کے نزدیک ایک طلاق ہوتی ہے۔ پیر صاحب کا مدعا ثابت ہوتا جب حدیث کے الفاظ یوں ہوتے: طلق ثلاث تطلیقات فی ثلاثة اطہار ”تین طہروں میں تین طلاقیں دیں۔“ لیکن بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے طلق ثلاثا یعنی انہوں نے بیک وقت تین طلاقیں دیں اور اس سے جمہور فقہاء اسلام ہی کا مدعا ثابت ہوتا ہے لہذا اس حدیث سے جمہور کا استدلال بالکل درست ہے۔

سوید بن غفلہ کی روایت کی تحقیق

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ خنیمہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو اس نے حضرت حسن سے کہا آپ کو خلافت مبارک ہو، حضرت حسن نے کہا: تم حضرت علی کی شہادت پر خوشی کا اظہار کر رہی ہو، جاؤ! تم کو تین طلاقیں دیں! اس نے اپنے کپڑے لیے اور بیٹھ گئی، حتیٰ کہ اس کی

حدث پہنچی ہوگی، حضرت حسن نے اس کی طرف اس کا بغیر ہر لور دس ہزار کا صدقہ بھیجا، جب اس کے پاس قاصد یہ مل لے کر آیا تو اس نے کہا مجھے اپنے جدا ہونے والے محبوب سے یہ تمہوڑا سا سلان ملا ہے۔ جب حضرت حسن تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے تہدیدہ ہو کر فرمایا: اگر میں نے اپنے مٹا سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی یا کہا اگر میرے والد نے یہ بیان نہ کیا ہوتا کہ انہوں نے میرے مٹا سے سنا ہے جس شخص نے بھی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں خواہ الگ الگ طہروں میں یا بیک وقت تو وہ عورت اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ کسی لور خلوند سے نکاح نہ کر لے تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔ (السن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۳۶، مطبوعہ نثرانہ ملتان)

یہ حدیث انتہائی واضح لور صریح ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں سے تین طلاقیں ہی واقع ہوتی ہیں۔ امام دار قطنی نے بھی اس حدیث کو سید بن غفلہ سے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۴ ص ۳۱-۳۰، مطبوعہ نثرانہ ملتان)

امام البیہقی نے بھی اس حدیث کو طبرانی کے حوالے سے سید بن غفلہ اور ابواسحاق سے روایت کیا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۹، مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

غیر مقلدوں کے عالم شیخ شمس الحق عظیم آبادی امام دار قطنی کی بیان کردہ اس حدیث کی پہلی سند پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں عمرو بن قیس رازی ازرق ہے، یہ راوی بہت سچا ہے لیکن اس کے اوہام ہیں، امام ابو داؤد نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کی حدیث میں خطاء ہے اور اس کی سند میں سلمہ بن فضل قاضی رے ہے۔ ابن راہویہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور امام بخاری نے کہا اس کی احادیث میں منکر روایات بھی ہیں، ابن معین نے کہا یہ تشیع کرتا تھا میں نے اس کی احادیث لکھی ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ابو حاتم نے کہا اس کی احادیث سے استدلال نہیں ہوتا۔ ابو زرہ نے کہا کہ رے کے لوگ اس کی غلط رائے لور ظلم کی وجہ سے اس کو پسند نہیں کرتے تھے۔

(التطبیق المنفی علی دار قطنی ج ۴ ص ۳۰، مطبوعہ نثرانہ ملتان)

شیخ عظیم آبادی نے اس حدیث کے دو راویوں کے بارے میں صرف جرح کے اقوال نقل کر دیئے ہیں، حالانکہ ان دونوں کی زیادہ تر تعدیل کی گئی ہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: عمرو بن قیس رازی ازرق سے، امام بخاری نے تعالیٰ میں روایت کی ہے، امام ترمذی، امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے ان کی روایات کو ذکر کیا ہے اور ان سے استدلال کیا ہے۔ رے کے لوگ امام سفیان ثوری کے پاس گئے لور ان سے احادیث سننے کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا کیا تمہارے پاس عمرو بن لبی قیس نہیں ہیں؟ امام ابو داؤد نے ایک جگہ کہا کہ ان کی حدیث میں خطاء ہوتی ہے لور دوسری جگہ فرمایا ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام ابن حبان لور ابن شاہین نے ان کا ثقت میں ذکر کیا ہے۔ عثمان بن لبی نے کہا ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں ہے بل ان سے حدیث میں کچھ دہم بھی ہے۔ امام بزار نے فرمایا: یہ مستقیم لکھتے ہیں، یعنی ان کی روایت صحیح ہوتی ہے۔ (تذیب التذیب ج ۸ ص ۵۵-۵۴، مطبوعہ مجلس دائرة المعارف ہند)

اس حدیث کی سند کے جس دوسرے راوی پر شیخ عظیم آبادی نے جرح کی ہے، وہ ہیں سلمہ بن فضل قاضی رے (طبرانی) حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے بارے میں کہتے ہیں: امام ابن معین ان کو ایک روایت میں ثقہ لور ایک میں لیس

بہاں کہتے ہیں، ابن سعد ان کو ثقہ اور صدوق کہتے ہیں، محدث ابن عدی فرماتے ہیں ان کی حدیث میں غرائب و افروغ تو ہیں، لیکن میں نے ان کی کوئی ایسی حدیث نہیں دیکھی جو حد انکار تک پہنچتی ہو، ان کی احادیث متقارب اور قتل برداشت ہیں۔ امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور لکھتے ہیں ”یعنی وہ مخالف“ امام ابو داؤد ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں میں ان کے بارے میں سوائے خیر کے اور کچھ نہیں جانتا۔

(تمذیب التہذیب ج ۳، ص ۵۵۳-۵۵۴ مطبوعہ مجلس دائرة المعارف ہند، ۱۳۲۵ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی سند کے دو رلوپوں عمرو بن ابی قیس رازی اور سلمہ بن فضل قاضی رے (طهران) کے بارے میں جو ائمہ حدیث کی آراء پیش کی ہیں ان میں ان کی زیادہ تر تعدیل کی گئی ہے اور ان کے حفظ اور اتقان کی توثیق اور حافظ البیہقی اس حدیث کی سند کے رلوپوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اس کے رلوپوں میں کچھ ضعف ہے لیکن ان کی توثیق کی گئی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۳، ص ۳۳۹، مطبوعہ دار الکتب العربی، البیروت، ۱۳۴۰ھ)

پھر اس حدیث کو طبرانی کی دو سری سند سے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ان دونوں کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور پہلی حدیث کے رلوپ حدیث صحیح کے رلوپ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۳، ص ۳۳۹-۳۴۰، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت، ۱۳۴۰ھ)

حافظ نور الدین البیہقی کا علم رجل میں بہت اونچا مقام ہے، اور جب انہوں نے یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو ایک انصاف پسند شخص کو اس کی سند میں تردد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، علاوہ ازیں یہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے، دو سندوں سے امام دار قطنی نے روایت کیا ہے، دو سندوں سے امام طبرانی نے روایت کیا ہے، امام بیہقی نے لکھا ہے کہ سوید بن غفلہ سے اس کو عمرو بن شمر اور ابراہیم بن عبد اللہ اعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے، اس طرح اس حدیث کی سات اسانید کا بیان آگیا ہے جس سے اس حدیث کو مزید تقویت پہنچتی ہے۔

سنن نسائی کی روایت سے استدلال پر اعتراض کا جواب

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے واقع ہونے کے ثبوت میں یہ حدیث بھی بہت واضح اور صریح ہے:

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

محمود بن لبید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دیں۔ آپ غصہ سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا میرے سامنے کتاب اللہ کو کھیل بنایا جا رہا ہے؟ حتیٰ کہ ایک شخص

نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! میں اس کو قتل نہ کروں! (سنن نسائی ج ۲، ص ۱۸۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اگر بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے نافذ ہونے کا عمد رسالت میں معمول نہ ہوتا اور تین طلاقوں سے ایک طلاق

مراد لینے کا معمول ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس قدر ناراض کیوں ہوئے تھے؟ ظاہر ہے کہ ایک طلاق تو سنت ہے اور اگر بیک

۱۰ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے اس حدیث کو بیہقی کی ایک سند کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اس سند پر جرح کی ہے جب کہ ہم

نے سنن دار قطنی کی ایک روایت کی سند کی صحت کو ثابت کیا ہے اور اس کی سند کی جرح کا جواب دیا ہے اور مجمع الزوائد سے اس کی

توثیق کی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

وقت دی گئی تین طلاقیں بھی ایک طلاق کے حروف ہیں تو وہ بھی حکماً سنت قرار پائیں گی اور اس پر رسول اللہ ﷺ کے غضب اور ناراضگی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا بدعت اور گناہ ہے، ورنہ رسول اللہ ﷺ اس پر ناراض نہ ہوتے۔

پھر محمد کرم شاہ لاہری اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: حضور کا ایسے شخص پر ناراض ہونا جس نے تین طلاقیں ایک بار دی تھیں اس امر پر صراحت "دلالت کرتا ہے کہ ایسا کرنا حکم الہی کے سراسر خلاف ہے۔

(دعوت فکر و نظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۲۳۱، مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور ۱۹۷۹ء)

یقیناً خلاف ہے اور یہی احتف کا مذہب ہے اسی لئے وہ بیک وقت تین طلاقوں کو بدعت اور گناہ کہتے ہیں لیکن پھر صاحب کا مذہب یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاقوں سے ایک طلاق ہوتی ہے اور وہ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے برخلاف جمہور فقہاء اسلام کا موقف ثابت ہوتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں ثابت ہو جاتی ہیں۔

حافظ البیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا تین طلاقیں دینے کے بعد تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو جائے گی اور تمہارا بیوی کو تین طلاقیں دینا گناہ ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں علی بن سعید ایک راوی ہے۔ دار قطنی نے کہا وہ قوی نہیں ہے اور دوسروں نے اس کو عظیم قرار دیا اور اس کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ (جمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۶، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ البیہقی نے اس حدیث کی فنی حیثیت بھی متعین کر دی ہے کہ امام دار قطنی نے اس کے ایک راوی علی بن سعید رازی کی ثقاہت سے اختلاف کیا ہے اور اس حدیث کے باقی تمام راویوں کی ثقاہت پر اتفاق ہے اور صرف امام دار قطنی کے اختلاف سے اس حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور یہ بھی ہے کہ یہ فعل گناہ ہے۔

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے واقع ہونے میں آثار صحابہ اور اقوال تابعین

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں: سالم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ واقع ہو جائیں گی اور اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

(المسنن ج ۶ ص ۳۹۵، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت، المجلد الاول ۱۴۳۴ھ)

یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۶، مطبوعہ نور محمد اصح المصالح کراچی ۱۴۷۵ھ)

جلد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے بیان کیا کہ میں نے ایک شخص نے کہا: اے ابو عباس! میں نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ حضرت ابن عباس نے (خبراً) فرمایا: یا ابابواس! پھر فرمایا تم میں سے کوئی شخص حملت سے طلاق دیتا ہے پھر کہتا ہے اے ابو عباس! تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی۔

(المسنن ج ۶ ص ۳۹۷، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت، المجلد الاول ۱۴۳۴ھ)

لام ابو بکر بن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

واقع بن مجمل بیان کرتے ہیں کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں؟ حضرت عمران بن حصین نے کہا: اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۱، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں تو آپ اس کو مارتے تھے اور ان کے درمیان تفریق کر دیتے تھے۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۱، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ)

زہری کہتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دیں اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہو گئی۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۱، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ)

شعبی سے پوچھا گیا: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے علیحدہ ہونا چاہے؟ اس نے کہا اس کو تین طلاقیں دے دے۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۲، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ)

طقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں؟ آپ نے فرمایا تین طلاقوں سے اس کی بیوی حرام ہو گئی اور باقی ستانوے طلاقیں حد سے تجاوز ہیں۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۲، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ)

حبیب کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر ایک شخص کہنے لگا: میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں، آپ نے فرمایا تمہاری بیوی تین طلاقوں سے علیحدہ ہو گئی، باقی طلاقیں اپنی بیویوں میں تقسیم کر دو۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ)

معاویہ بن ابی یحییٰ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کے پاس ایک شخص نے آکر کہا: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں؟ آپ نے فرمایا تین طلاقوں سے تمہاری بیوی تم پر حرام ہو گئی اور باقی ستانوے طلاقیں حد سے تجاوز ہیں۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین طلاقوں نے اس پر اس کی بیوی کو حرام کر دیا اور ستانوے طلاقیں زائد ہیں۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۳-۱۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ)

شعبی کہتے ہیں کہ شریح سے کسی نے پوچھا میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں۔ انہوں نے کہا تمہاری بیوی تین طلاق سے علیحدہ ہو گئی اور باقی طلاقیں اسراف اور معصیت ہیں۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ)

حسن بصری سے ایک شخص نے کہا میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعة الاولى ۱۴۰۶ھ)

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے مقاربت سے پہلے

اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ آپ نے فرمایا اس کی بیوی اس کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک دوسرا شوہر اس سے مقاربت نہ کر لے۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۲، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، المجلد الاول ۱۴۰۶ھ)

حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم تینوں یہ فتویٰ دیتے تھے کہ جس شخص نے مقاربت سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس کی بیوی اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، المجلد الاول ۱۴۰۶ھ)

ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ جب کسی شخص نے مقاربت سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو وہ اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، المجلد الاول ۱۴۰۶ھ)

مذکور الصدر تینوں روایات میں غیر مذکورہ پر جن تین طلاقیں کے واقع کرنے کا حکم کیا گیا ہے اس سے مراد بیک وقت دی گئی لفظ واحد سے تین طلاقیں ہیں کیونکہ اگر الفاظ متعدد سے تین طلاقیں دی جائیں تو پہلی طلاق سے غیر مذکورہ عورت ہائے ہو جاتی ہے اور بقیہ طلاقیں کا محل نہیں رہتی اور وہ طلاقیں لغو ہو جاتی ہیں۔ حسب ذیل حدیث سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب کوئی شخص دخول سے پہلے تین طلاقیں دے تو وہ عورت اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اور اگر اس نے متفرق الفاظ سے یہ طلاقیں دیں تو عورت پہلی طلاق سے ہائے ہو جائے گی۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۵، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، المجلد الاول ۱۴۰۶ھ)

ہم نے مذکور الصدر روایات میں 'حضرت عمر'، 'حضرت عثمان'، 'حضرت علی'، 'حضرت عبداللہ بن مسعود'، 'حضرت عبداللہ بن عمر'، 'حضرت عبداللہ بن عباس'، 'حضرت عمران بن حصین'، 'حضرت مغیرہ بن شعبہ'، 'حضرت ابو ہریرہ'، 'حضرت ام سلمہ' اور 'حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم' ایسے گیارہ جلیل القدر فقہاء صحابہ اور اہل بیت المؤمنین کے فتویٰ اور تصریحات پیش کی ہیں کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں، اور فقہاء تابعین میں سے 'ابن شلب زہری'، 'شعبی'، 'شریح'، 'حسن بصری' اور 'ابراہیم نخعی' کے فتویٰ پیش کئے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی صراحت کے بعد جمہور فقہاء اسلام کا موقف انہی نفوس قدسیہ کی اتباع پر مبنی ہے۔

حرف آخر

تین طلاقیں کے مسئلہ میں میں نے اس قدر تفصیل اور تحقیق اس لئے کی ہے کہ آج کل غیر مقلدین کی عام روش یہ ہے کہ جس شخص نے بھی اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دیں وہ اس کو ایک طلاق قرار دے کر ثبوت میں ملاؤں کی روایت لکھ کر دے دیتے ہیں جس کی وجہ سے عام مسلمان شکوک و شبہات میں مبتلا ہوتے ہیں، جب میں نے یہ دیکھا کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کر دیا ہے اس کو بکثرت حلال کیا جا رہا ہے حتیٰ کہ ملک کے عائلی قانون میں بھی تین طلاقیں کو ایک طلاق قرار دے دیا گیا ہے تو میں نے اللہ اور اس کے رسول کی قائم کردہ حدود کے علمی تحفظ اور دفع کے لئے یہ صفحات لکھ دیئے۔

لے اللہ! اس تحریر کو نفع بخشنے والے معرین کے لئے اس کو ذریعہ ہدایت اور ماننے والوں کے لئے سبب استقامت کر

دے، اس کے مصنف، معلون اور پڑھنے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کی لغزشوں اور خطوں کو معاف فرما اور ان کے لئے دارین کی سعادتوں اور کامرائیوں کو مقدر کر دے، والحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی محمد خاتم النبیین شفیع المذنبین قائد الغر المحجلین و علی الہ واصحابہ وازواجه امہات المؤمنین اجمعین۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

اور جب تم عورتوں کو (رجعی) طلاق دو۔ پھر وہ اپنی مدت (کی میعاد) کو پہنچیں تو انہیں دستور کے مطابق (اپنے نکاح میں) رکھو، یا ان کو حسن سلوک

أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا

کے ساتھ جھوڑ دو، اور ان کو ضرر پہنچانے کے لیے نہ رکھو تاکہ تم ان پر زیادت کر

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ

اللہ جس نے ایسا کیا تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، اور اللہ کی آیتوں کو

اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَإِذْ كُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ

مذاق نہ بناؤ، اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے (اس کو) یاد کرو اور اللہ نے تم پر جو کتاب اور

مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا

حکمت نازل کی ہے وہ تم کو اس کی نصیحت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور یقین رکھو کہ

أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۲۳۱ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ

اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو، اور وہ اپنی مدت

أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَنْفُسَهُنَّ إِذَا

کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (اپنی پہلے خاوندوں) ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، جب

تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ۚ ذَلِكَ يُوعِظُ بِهِ مَنْ كَانَ

وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں اس حکم کے ساتھ ہر اس شخص کو

مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكُمْ اَنْتُمْ كِلٰكُمْ وَ

نہایت کی جاتی ہے جو اللہ اور ایم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، یہ (حکم) تمہارے لیے زیادہ بھرا اور

اَظْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۲﴾

پاکیزہ ہے، اور اللہ (ہی) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

جس عورت کو خلوند خرچ نہ دے اس کی گلو خلاصی میں آراء ائمہ
للہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان (عورتوں) کو ضرر پہچانے کے لئے (اپنے نکاح میں) نہ روکے رکھو تاکہ تم ان پر زیادتی
کو اور جس نے ایسا کیا تو اس نے بیشک اپنی جان پر ظلم کیا۔ (البقرہ: ۲۳۱)
ائمہ ثلاثہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی شخص کا اپنی منکوحہ کو بہ طور ظلم اور زیادتی کے اپنے نکاح
میں روکے رکھنا جائز نہیں ہے۔ بایں طور کہ اس کو نہ کھانے، پینے، کپڑوں اور رہائش کے اخراجات دے اور نہ اس کو اپنے
نکاح کی قید سے آزلو کرے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت کا حکم یہ ہے کہ قاضی ان کا نکاح فسخ کر دے اور عدت کے
بعد وہ عورت نکاح ثانی کے لئے آزلو ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک اس صورت میں قاضی کو تفریق کا حق نہیں ہے۔
ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ جب خلوند نامرد ہو تو فقہاء احناف کے نزدیک بھی قاضی کو تفریق کا حق ہے، جب کہ خلوند کے مرد
ہونے سے عورت کی شمولی تسکین ہوتی ہے اور کھانے پینے کے خرچ نہ ہونے سے اس کی زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی اس
لئے اس صورت میں قاضی تفریق کرنے کا زیادہ مستحق ہے، فقہاء احناف نے اس آیت کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ استدلال
اس آیت کے شان نزول کے خلاف ہے، علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

بعض علماء نے اس آیت کو بہ طور ظلم عورت کو نکاح میں روکنے کی ممانعت اور حسن معاشرت کے ساتھ عورت
کے مہر لہ رہنے کے حکم پر محمول کیا ہے لیکن یہ تقریر اس آیت کے شان نزول کے خلاف ہے کیونکہ امام ابن جریر، امام ابن
المنذر و فیہ نے سدی سے روایت کیا ہے کہ ثابت بن یسار انصاری نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور جب اس کی عدت
ختم ہونے میں دو یا تین دن رہ گئے تو اس سے رجوع کر لیا اور اس کو پھر طلاق دیدی اور جب دوبارہ اس کی عدت ختم ہونے
میں دو یا تین دن رہ گئے تو اس سے پھر رجوع کر لیا اور سہ بارہ اسی طرح کیا حتیٰ کہ اس عورت کی عدت نو بارہ ہو گئی تب یہ
آیت نازل ہوئی کہ اپنی عورتوں کو ضرر پہنچانے کے لئے (عدت میں) نہ روکے رکھو۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۳۳-۳۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ آلوسی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ خصوصیت مورد لحاظ نہیں ہوتا بلکہ عموم الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے اور اس
میں کوئی شک نہیں کہ انسانی ہمدردی، قوت استدلال اور عدل انصاف اور ہمہ گیری اور ہمہ جہتی کے لحاظ سے ائمہ ثلاثہ کا
مسئلہ رائج ہے، اور علماء احناف کو اس خالص انسانی مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کے مسلک پر فتویٰ دینا چاہیے جبکہ فقہاء احناف
نے یہ تصریح کی ہے کہ ضرورت کے وقت مذہب غیر پر فتویٰ دینا جائز ہے۔ میں نے شرح صحیح مسلم جلد چھٹ کے اخیر میں
اس مسئلہ پر بہت تفصیل اور تحقیق سے لکھ چکی ہے۔

خرج سے محروم عورت کی گلو خلاصی پر جمہور فقہاء کے دلائل

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دستور کے مطابق عورتوں کو نکاح میں رکھنے کا حکم دیا ہے اور دستور کے مطابق رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ خلوند اس کو کھانے پینے کا خرچ دے اور اگر یہ نہیں دے سکتا تو پھر اس کو طلاق دیدے اور اگر وہ اس کو پھر بھی طلاق نہیں دیتا تو وہ عورت کو دستور کے مطابق رکھنے کے حکم سے خارج ہو گیا، اب حاکم اس عورت پر طلاق واقع کر دے گا تاکہ شوہر کی طرف سے نفقہ نہ ملنے کی وجہ سے عورت کو ضرر نہ لاحق ہو، کیونکہ بھوک اور پیاس پر کوئی صبر نہیں کر سکتا (اس کے برعکس شہولنی خواہش پوری نہ ہونے پر صبر ہو سکتا ہے) امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابو ثور، ابو عبید، یحییٰ قطلان اور عبد الرحمن بن مہدی کا یہی مذہب ہے، صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہ کا یہی مذہب ہے اور تابعین میں سے سعید بن مسیب کا یہی مذہب ہے اور انہوں نے کہا یہی سنت ہے اور اس کو حضرت ابو ہریرہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔

اس کے برعکس امام ابو حنیفہ، ثوری، اور زہری کا یہ قول ہے کہ جب شوہر خرچ نہ دے تو عورت پر صبر لازم ہے اور حاکم کے حکم سے یہ نفقہ شوہر کے ذمہ ہو گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ كَانَ نُوَ عُسْرَةً فَنِظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ

اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو فراخ دستی تک سہلت

(البقرة: ۲۸۰) -۵-

(قرض لے کر بیوی کو کھانا اس وقت متصور ہو گا جب اس کی نیت بیوی کو تنگ کرنا اور ضرر پہنچانا نہ ہو، اور مفروضہ صورت میں شوہر دانستہ بیوی کو خرچ نہیں دیتا) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ (النور: ۳۲)

اور تم اپنے بے نکاح (آزاد) مردوں اور عورتوں سے نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں سے نکاح کر دو اگر وہ فقراء ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فقراء کا نکاح کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے فقر علیحدگی کا سبب نہیں بن سکتا (کسی شخص کا فقر کی وجہ سے نفقہ دینے پر قادر نہ ہونا اور بات ہے وہ قرض لے کر بھی بیوی کو کھلا سکتا ہے اور کسی شخص کا قدرت کے باوجود عورت کو محض تنگ کرنے کے لئے نفقہ نہ دینا اور چیز ہے اور ہماری بحث اسی میں ہے اور زیر بحث آیت میں بھی عورت کو ضرر پہنچانے کی نیت سے نکاح میں روکے رکھنے سے منع کیا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

نیز شوہر اور بیوی کے درمیان اجماعاً نکاح منعقد ہو گیا، اب یہ نکاح اجماع سے منسوخ ہو گا، یا رسول اللہ ﷺ کی سنت سے جس کا کوئی معارض نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی رائے کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی ہو، اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے، اپنے عیال سے خرچ کی ابتداء کرو، عورت کے گے یا مجھے کھلاؤ یا مجھے طلاق دو، غلام کے گے مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو، بیٹا کے گے مجھے کھلاؤ مجھے کس پر چھوڑتے ہو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۶، مسند احمد ج ۲ ص ۵۲، ۵۲۳، ۵۵۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ بیوی کو یا خرچ دیا جائے ورنہ اس کو طلاق دے دی جائے اور یہ ائمہ ثلاثہ کے موقف پر قوی دلیل ہے بلکہ اس اختلاف میں بہ منزلہ حکم ہے۔ نفقہ نہ دینے کی وجہ سے قاضی جو تفریق کرے گا وہ امام

خاصی کے نزدیک طلاق بائنہ ہے اور لام مالک کے نزدیک طلاق رجعی کے قائم مقام ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۵۶-۱۵۵، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

مذاق میں دی ہوئی طلاق کا نفاذ ہوتا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ۔ (البقرہ: ۲۳۱)

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں: امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت عبلوہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کے عہد میں ایک آدمی کسی شخص سے کتائیں نے تم سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ پھر کتائیں تو تم سے مذاق کر رہا تھا اور کوئی شخص کتائیں نے غلام آزاد کر دیا اور پھر کتائیں تو مذاق کر رہا تھا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ ”اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ“ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں کہ کوئی شخص ان کو مذاق سے کہے یا بغیر مذاق کے وہ نفاذ ہو جائیں گی طلاق، عتق اور نکاح۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص بغیر ارادہ طلاق کے مذاق سے طلاق دے دیتا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ”اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ“ اور رسول اللہ ﷺ نے طلاق کو لازم کر دیا۔

امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے: نکاح، طلاق اور رجوع کرنا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۸۶، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

احکام شرعیہ کو مذاق بیلینا حرام ہے اور ان کا مذاق اڑانا کفر ہے، مذاق میں طلاق دینا حرام ہے اور یہ طلاق نافذ ہو جائے گی۔ اسی طرح عمل گنہہ کرتے رہنا اور زبان سے توبہ کرتے رہنا بھی احکام شرعیہ کو مذاق بنانا ہے۔ بغیر ولی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے متعلق مذاہب ائمہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (ان ہی پہلے خلوں کے) ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں۔ (البقرہ: ۲۳۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت معقل بن یسار کی بہن کو ان کے خلو نے طلاق دے دی اور ان کو چھوڑے رکھا حتیٰ کہ ان کی عدت پوری ہو گئی۔ پھر ان کی بہن کے خلو نے دوبارہ نکاح کا پیغام دیا تو حضرت معقل نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی ۱۳۸۸ھ)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر عورت کا از خود نکاح کرنا جائز نہیں ہے، وہ اس آیت سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اگر بغیر ولی کے عورت کا از خود نکاح کرنا جائز ہوتا تو حضرت معقل کی بہن از خود اپنا نکاح اپنے پچھلے خلو سے کر لیتی اور ان کے خلو کو یہ ضرورت نہ پڑتی کہ وہ ان کے بھائی سے رشتہ مانگیں، اور نہ ان کے بھائی کے منع کرنے کی کوئی وجہ ہوتی۔ اسی لئے امام شافعی نے کہا ہے کہ بغیر ولی کے عورت کے نکاح کے عدم جواز پر یہ آیت قوی دلیل ہے۔ نیز ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس عورت نے اپنے لولیاہ کی اجازت کے بغیر نکل کیا اس کا نکل باطل ہے، یہ تین بار فرمایا، نیز فرمایا جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۸۳، مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ بالغہ عورت اپنا نکل از خود کر لے، ان کا استدلال بھی اسی آیت سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نکل کا اسلہ عورتوں کی طرف کیا گیا ہے اور ان کو نکل سے روکنے سے منع فرمایا ہے اور اس لئے بھی کہ یہ خالص ان کا حق ہے کیونکہ وہی لکل مباشرت ہیں اس لئے ان کا یہ تصرف صحیح ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ نابالغہ اور مجنونہ پر محمول ہے۔

بغیر ولی کے عورت کے کیے ہوئے نکل کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابو حنیفہ کا استدلال حسب ذیل احادیث سے ہے:

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیر شلوی شدہ لڑکی (خولہ کنواری ہو یا بیوہ) ولی کی بہ نسبت اپنے نکل کی زیادہ حقدار ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیر شلوی شدہ لڑکی کا نکل اس کے مشورے کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کا نکل اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اس کی اجازت کیسے ہوگی؟ فرمایا اس کی خاموشی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۳۷۸ھ)

حضرت خنساء بنت حزام انصاریہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے باپ نے ان کا نکل کر دیا در آں حالیکہ وہ بیوہ تھیں اور ان کو یہ نکل ناپسند تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ نے اس نکل کو مسترد کر دیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۷-۴۷۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۳۷۸ھ)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس آکر ایک عورت نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے بیٹے کے چچا (دیور) نے میرے نکل کا پیغام دیا، اور میرے باپ نے اس نکل کو مسترد کر دیا اور میرا نکل وہاں کر دیا جہاں مجھے پسند نہیں تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے والد کو بلایا اور اس سے یہ معاملہ دریافت فرمایا، اس کے باپ نے کہا میں نے اس کے نکل میں کسی خیر کو ترک نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ نکل نہیں ہوا، (اور عورت سے فرمایا) جاؤ جس سے چاہو نکل کر لو، (المصنف ج ۲/۴ ص ۳۳۳-۳۳۲، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۰۶ھ)

قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر کی بیٹی حفصہ کا نکل، منذر بن الزبیر سے کر دیا۔ اس وقت حضرت عبد الرحمن موجود نہیں تھے، جب وہ آئے تو انہوں نے ناراض ہو کر کہا: اے خدا کے بندو! کیا مجھ ایسے شخص کی بیٹی کا نکل اس کے مشورہ کے بغیر کیا جاسکتا ہے؟ حضرت عائشہ ناراض ہوئیں اور فرمایا کیا تم منذر کو ناپسند کرتے ہو؟ (المصنف ج ۲/۴ ص ۳۳۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۰۶ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ولی کے بغیر ایک عورت کے نکل کو جائز قرار دیا، اس عورت کی

مرضی سے اس کی ماں نے اس کا نکل کر دیا تھا۔ (المصنف ج ۲/۴ ص ۳۳۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۰۶ھ)

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ

انہ ماں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، یہ (م) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا

أَنْ يُتِمَّ الرِّضَاعَةَ ط وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِشْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ط

کنا چاہے اور جس کا بچہ ہے اس کے زمرہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہنا ہے

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارُّ وَالِدَةُ بَوْلًا هَا وَلَا مَوْلُودٌ

کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کیا جائے گا، نہ ماں کو اس کے بچے کی دہر سے ضرر دیا جائے اور نہ بچہ کو

لَهُ بَوْلًا هَا وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ ج فَإِنْ أَرَادَ فِصَالًا عَنْ

اس کے بچے کی دہر سے ضرر دیا جائے اور وارث پر بھی اسی طرح لازم ہے، پھر اگر ماں اور باپ باہمی مشورے سے دودھ بھڑانا چاہیں

تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ

تزان پر کوئی حرج نہیں ہے اور اگر تم دائیں سے اپنے بچوں کو

تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ

دودھ بلوانا چاہو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ تم (ان کو) دستور کے مطابق اُجرت

بِالْمَعْرُوفِ ط وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

ادا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے

دودھ پلانے کے شرعی احکام

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے طلاق کے احکام بیان کیے جس سے فرقت واقع ہوتی ہے، اور اب ان چیزوں کے احکام بیان کیے جو نکاح کے نتیجہ میں واقع ہوتی ہیں، کیونکہ بعض مطلقہ عورتوں کے دودھ پیتے بچے ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ماں بپ کے جھگڑوں کی وجہ سے دودھ پیتے بچے ضائع ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ بپ سے انتقام لینے کے لئے ان کو مائیں دودھ نہیں پلاتیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ماں کو یہ نصیحت کی کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اور یہ کہ باہمی رضامندی سے وہ بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں اور بچوں کے بپ پر یہ لازم کیا کہ وہ اپنی طاعت اور وسعت کے مطابق دودھ پلانے والیوں کو کھانے اور کپڑوں کا خرچ مہیا کریں اور یہ کہ بچوں کی وجہ سے ماں بپ میں سے کوئی فریق نہ ہو کہ بچوں کو پالنے اور پرورش کرنے کی وجہ سے بپ کو ضرر پہنچائے اور کھانے اور کپڑوں کا

دستور سے زیادہ خرچ طلب کرے، یا مل بچوں کو دودھ پلانا چاہتی ہو اور باپ زبردستی بچوں کو مل سے چھین لے یا اس کو دودھ پلانے پر مجبور کرے یا اس کے خرچ میں قدر معصوم سے کمی کرے۔ اس تفسیر کی بناء پر اس آیت میں وہ مطلقہ عورتیں مراد ہیں جن کی ان کے خولادوں سے لولاد ہو، اور اجنبی دائیوں کی بہ نسبت دودھ پلانے کی وہ زیادہ حقدار ہیں، اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اس آیت میں مطلقاً دودھ پلانے والی مائیں مراد ہیں خولہ وہ مطلقہ عورتیں ہوں یا منکوحہ عورتیں ہوں۔

امام مالک کے نزدیک مل پر دودھ پلانا واجب ہے خولہ وہ منکوحہ ہو یا مطلقہ اور جمہور کے نزدیک مل پر اس وقت دودھ پلانا واجب ہے جب بچہ کسی اور عورت کا دودھ نہ پیے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دودھ پلانے کی مکمل مدت دو سال ہے، کیونکہ اس مدت میں بچہ کو اپنی نشوونما کے لئے دودھ کی حاجت ہوتی ہے۔ نیز اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کم از کم دودھ پلانے کی کوئی حد نہیں ہے اور مل باپ باہمی مشورہ سے جتنے عرصہ تک چاہیں دودھ پلائیں اور اس کے بعد دودھ چھڑا دیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کا خرچ باپ کے ذمہ ہے اور دلیہ کی اجرت بھی باپ کے ذمہ ہے اور امام شافعی کے نزدیک بچہ کی مل کا بھی دودھ پلانے کی اجرت طلب کرنا جائز ہے خولہ وہ نکاح میں ہو یا عدت میں، اور بچہ کا خرچ بھی باپ کے ذمہ ہے اور اگر باپ زندہ نہ ہو تو باپ کے وارث کے ذمہ بھی یہی احکام ہیں اس پر لازم ہے کہ وہ دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کا خرچ دے اور دودھ پلانے کی اجرت دے اور دودھ پلانے والی کو ترک نہ کرے۔ امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت محارم کے نفقہ کے وجوب کی اصل ہے ان کے نزدیک ہر ذی رحم محرم پر خرچ واجب ہے مثلاً ماسوں اور پھوپھی پر اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک بچوں کا خرچ صرف والدین پر واجب ہے، بچہ کا خرچ باپ پر واجب ہے، باپ فوت ہو گیا ہو تو اس کے ترکہ سے خرچ کرنا واجب ہے اور اگر اس کا مل نہ ہو تو پھر مل پر واجب ہے، قرآن مجید کی اس آیت سے امام ابو حنیفہ اور امام احمد کی رائے کی تائید ہوتی ہے کیونکہ قرآن مجید نے باپ کے بعد وارث پر بچہ کے خرچ کو واجب کیا ہے۔

دودھ پلانے کی مدت میں ائمہ مذاہب کی آراء

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں: دو سال کی مدت کی تفسیر میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ جس عورت کے ہاں چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو جائے وہ دو سال دودھ پلائے تاکہ تیس مہینے پورے ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ط

حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے

(الاحقاف: ۱۵)

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور عطا اور ثوری کا قول یہ ہے کہ ہر بچہ کو دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے۔

(المنک والعیون ج ۱ ص ۳۰۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ دودھ پلانے کی کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے اور زیادہ سے زیادہ حد دو سال ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۲۷۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے کہ دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عائشہ کے علاوہ باقی ازواج مطہرات، امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام

محمدؐ، شیعی، لوزلی، اور ابو ثور کا بھی مسلک ہے۔ (الغنی ج ۸ ص ۳۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ھ)

علامہ الرغینلی الغنی لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دودھ پلانے کی مدت تیس مہینے ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک دو سال ہے، امام شافعی کا بھی یہی قول ہے، اور امام زفر کے نزدیک یہ مدت تین سال ہے، کیونکہ دو سال کے بعد بچے کو دفعہ ”دودھ سے غذا کی طرف لانا مشکل ہے۔ اس لئے بعد کے ایک سال میں دودھ کے ساتھ اس کو غذا کا اعلیٰ بتایا جائے اور تین سال کے بعد مکمل دودھ چھڑا دیا جائے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ (الاتحاف: ۱۵) اور کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ ہے تو دودھ چھڑانے کے لئے دو سال باقی بچے، امام دار قطنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طفولیت کی دو سال کی عمر کے بعد دودھ پلانے کا عمل نہیں ہے۔ (سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۷۳) اس حدیث کو امام عبد الرزاق اور امام مالک نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہی آیت ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں ذکر کیں (حمل اور دودھ چھڑانا) اور دونوں کی ایک مدت ذکر فرمائی یعنی تیس مہینے۔ لہذا ان میں سے ہر ایک کی مدت مکمل تیس ماہ ہوگی لیکن ان میں ایک یعنی حمل کی مدت ایک حدیث سے دو سال متعین ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں بقی رہتا۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۳۲۲، مطبوعہ ملکن، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۴۳، مطبوعہ ملکن)

ان میں سے ایک کی مدت اس حدیث کی بناء پر دو سال رہ گئی تو دوسرے یعنی دودھ چھڑانے کی مدت اپنی اصل پر تیس ماہ رہے گی، نیز دو سال تک بچہ کو دودھ پلانے کے بعد فوراً غذا کی طرف راجع کرنا مشکل ہوگا اس لئے اس کو بقیہ چھ مہینے میں بہ تدریج غذا کا اعلیٰ بتایا جائے گا اور ذہائی سل کے بعد کلی طور پر دودھ چھڑا دیا جائے گا اور سورہ بقرہ میں جو ارشاد ہے: اور مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال دودھ پلائیں۔ (البقرہ: ۲۳۳) اور حدیث میں ہے دو سال کے بعد ”دودھ پلانا“ نہیں ہے، اس آیت اور اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ دو سال سے زیادہ بچے کو دودھ پلانے کا استحقاق نہیں ہے۔ (حدایہ لولین ص ۳۵۱-۳۵۰، مطبوعہ مکتبہ شریک علیہ ملکن)

ہرچند کہ امام اعظم اور صاحبین دونوں کے قول مفتی بہ ہیں لیکن علامہ حسینی نے امام اعظم کے قول کو ترجیح دی ہے۔ (در مختار علی حاشیہ الرد ج ۲ ص ۴۰۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ

اور ہم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (مقتضیٰ سے) چار ماہ

أَرْبَعَةَ أَشْهُي وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

دس دن روکے رکھیں اور جب وہ اپنی مدت پوری کر لیں، تو وہ دستور کے موافق بوجہ اپنے لیے یہاں اس

فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۳۳﴾

میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ

اور تم پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم (عدت والی عورتوں کو) اشارہ کنایہ سے نکاح کا پیغام دو، یا تم اپنے

فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ

دلوں میں چھپاؤ، اللہ کو علم ہے کہ (عدت کے بعد) تم قریب تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے، لیکن تم (عدت سے پہلے)

سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزَمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ

ان سے کوئی خفیہ وعدہ نہ کرو، البتہ شریعت کے موافق ان سے بات کرو، اور جب تک عدت پوری نہ ہو جائے (ان سے)

حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ

عقد نکاح کا عزم نہ کرو، اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے سو اس سے

فَاذْهَبُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۳۵﴾

ڈرتے رہو، اور یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت علم والا ہے

عدت وفات کا بیان اور عدت کی تعریف

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت کی عدت کا ذکر فرمایا تھا اور اب بیوہ کی عدت کا ذکر فرما رہا ہے۔ وہ مدت جس میں عورت شوہر کے گھر میں بغیر نکاح کے ٹھہری رہے اور بغیر عذر شرعی کے گھر سے باہر نہ نکلے تاکہ اس کے رحم کا استبراء ہو جائے یا شوہر کی موت پر سوگ ہو، مطلقہ کے لئے یہ مدت تین حیض ہے اور بیوہ کے لئے یہ عدت چار ماہ دس دن ہے، اور جو عورت حاملہ ہو اس کی عدت وضع حمل ہے خواہ شوہر کی موت کے ایک ساعت بعد وضع حمل ہو جائے، عدت وفات میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کا کوئی فرق نہیں ہے۔ چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا صرف شوہر کی موت کے ساتھ خاص ہے۔ اور کسی عزیز یا رشتہ دار کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

زمین بنت ابی سلمہ بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زوجہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی، انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتی ہو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کی مرگ پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے سوائے شوہر کے اس پر چار ماہ دس دن سوگ

کے۔ پھر جب حضرت زینب بنت جحش کے بھائی فوت ہو گئے تھے تو میں ان کے پاس گئی، انہوں نے خوشبو منگا کر اپنے جسم پر لٹکی اور کہا مجھے خوشبو لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، البتہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائی ہو اس کے لئے کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے، البتہ خلوند (کی موت) پر چار ماہ و دس دن تک سوگ کرے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۳۸۱ھ)

عدت کے مسائل اور شرعی احکام

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

مسلمان منکوحہ بالغہ عورت جب طلاق ثلاثہ مطلقہ کی عدت گزارے یا عدت وفات گزارے تو انقطع نکاح پر افسوس کے اظہار کے لئے زینت کو ترک کر دے، زیورات اور ریشمی کپڑے نہ پہنے، باریک دندانون کی کنگھی سے بل نہ سنوارے، خوشبو اور تیل نہ لگائے، سرمہ اور مہندی نہ لگائے، زعفران اور سرخ یا زرد رنگ میں رنگے کپڑے نہ پہنے، ہلے عذر کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی اختیار کر سکتی ہے، کالے اور نیلے رنگ کے کپڑے پہن سکتی ہے، کافرہ، صغیرہ، مجنونہ، نکل فاسد، وطی بائبہ اور طلاق رجعی کی معتدہ پر سوگ نہیں ہے، دیگر رشتہ داروں کی موت پر صرف تین دن تک سوگ کرنا مباح ہے، اور خلوند کے لئے جائز ہے کہ عورت کو تین دن سے زیادہ سوگ کرنے پر منع کرے کیونکہ عورت کا مزین ہونا اس کا حق ہے، ہلے اگر خلوند کو اعتراض نہ ہو یا عورت شادی شدہ نہ ہو تو پھر تین دن سے زیادہ بھی سوگ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (علامہ شامی نے کہا ہے کہ علامہ حصکفی کا تین دن سے زیادہ سوگ کی اجازت دینا صحیح نہیں ہے اور یہ حدیث کے خلاف ہے جیسا کہ ابھی صحیح بخاری کے حوالے سے گزرا ہے۔ سعیدی غفرلہ) ہر قسم کی عدت گزارنے والی کو نکل کا پیغام دینا حرام ہے، البتہ اشارہ کنیہ سے اپنا مدعا ظاہر کرنا جائز ہے مثلاً کہ مجھے امید ہے کہ ہم اکٹھے رہیں گے، یا آپ بہت خوبصورت ہیں یا نیک ہیں، بہ شرطیکہ وہ عورت عدت وفات گزار رہی ہو اور عدت طلاق میں ایسا کہنا مطلقاً جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے اس کے شوہر کے ساتھ عدوت پیدا ہوگی۔ جو عورت عدت گزار رہی ہو خواہ وہ طلاق رجعی کی عدت ہو یا طلاق بائن کی وہ گھر سے بالکل نہ نکلے، نہ رات کو نہ دن کو، اور اگر حویلی میں دوسرے لوگوں کے گھر ہوں تو اس کے صحن میں بھی نہ جائے خواہ شوہر کی اجازت ہو، کیونکہ یہ اللہ کا حق ہے، اور جو عورت عدت وفات گزار رہی ہو وہ دن اور رات میں گھر سے باہر جاسکتی ہے لیکن رات کا اثر حصہ اپنے گھر میں گزارے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ مطلقہ کے خرچ کا کفیل اس کا خلوند ہے اس لئے اس کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے اور جو عدت وفات گزار رہی ہے، اس کے خرچ کا کوئی کفیل نہیں ہے اس لئے اس کو طلب معاش کے لئے دن اور رات کے وقت میں نکلنا ہوگا، ہلے اگر اس کے خرچ کی کفالت کا انتظام ہو تو پھر اس کو بھی مطلقہ کی طرح گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر عورت کسی گھر میں تھی اور اس کو طلاق دے دی گئی، یا اس کا خلوند فوت ہو گیا تو وہ فوراً اپنے گھر لوٹ آئے اور وہیں عدت گزارے خواہ عدت طلاق ہو یا عدت وفات، اور اس گھر سے نہ نکلے، مگر اس صورت کے کہ اس کو اس گھر سے نکل دیا جائے، یا وہ گھر منہدم ہو جائے یا اس گھر کے اندام کا خدشہ ہو یا وہیں اس کے مل کے تلف ہونے کا خطرہ ہو اس کے پاس اس گھر کا کرایہ نہ ہو، اس قسم کی اگر کوئی ناگزیر صورت ہو مثلاً وہ اس گھر میں تھا اور اس کی جان کو خطرہ ہو، ایسی صورت میں وہ اس گھر کے قریب کسی گھر میں منتقل ہو سکتی ہے اور عدت طلاق میں جہاں اس کا شوہر چاہے وہیں منتقل ہو جائے، جب عورت عدت طلاق گزار رہی ہو

تو اس کے لور شوہر کے درمیان ایک پردہ ضروری ہے لور اگر گھر تک ہو یا شوہر فاسق ہو تو پھر اس کا اس گھر سے نکل جانا بہتر ہے۔ (در مختار علی حاشی الدج ۳۱-۳۲، ملخصاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

عدت کے دوران عورتوں کو جن کاموں سے منع کیا ہے مثلاً بغیر عذر شرعی کے گھر سے باہر نکلنا یا بیٹو سنگسار کرنا یا کسی سے عقد ثانی کا عہد و پیمان کرنا اگر عورتیں عدت کے دوران ان میں سے کوئی کام کریں تو اس عورت کے وارثوں لور سرپرستوں پر لازم ہے کہ عورت کو اس سے منع کریں لور اگر وہ منع نہیں کریں گے تو گنہگار ہوں گے لور اگر اس عورت کے اولیاء نہ ہوں تو پھر یہ حکام لور عام مسلمانوں کا فریضہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لور جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لئے کریں اس میں تم پر کوئی حرج (یا گناہ) نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انہوں نے عدت سے پہلے یہ کام کیے لور تم نے ان کو نہ روکا تو تمہیں گناہ ہوگا۔

اس آیت میں عدت و فلت چار ماہ دس دن بیان کی گئی ہے لیکن یہ عدت و فلت غیر حاملہ کے ساتھ مخصوص ہے جو عورت حاملہ ہو اس کی عدت وضع حمل ہے خولہ شوہر کی و فلت کے ایک مٹ بعد وضع حمل ہو جائے، قرآن مجید میں ہے: **وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ** (الطلاق: ۴) جائے۔

اس سے پہلے عدت و فلت ایک سال تھی جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے: **وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ اَزْوَاجًا وَ وَصِيَّتَهُ لَازِوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ اِخْرَاجٍ** (البقرہ: ۲۴۰) جائیں وہ (مرنے سے پہلے) اپنی بیویوں کے لئے یہ وصیت کر جائیں کہ ان کو گھر سے نکالے بغیر ان کو ایک سال کا خرچ دیا جائے۔

سورہ بقرہ کی زیر بحث آیت سے یہ آیت منسوخ ہو گئی اور اب ایک سال کے بجائے چار ماہ دس دن عدت و فلت ہے، اس آیت کی تفسیر ان شاء اللہ عنقریب بیان کی جائے گی۔

گناہ کے ارتکاب پر مواخذہ ہونے اور گناہ کے ارادہ پر مواخذہ نہ ہونے کی تحقیق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تک عدت پوری نہ ہو جائے (ان سے) عقد نکاح کا عزم نہ کرو۔

اس آیت میں طلاق یا وفات کی عدت گزارنے والی عورت سے نکاح کرنے کے ارادہ سے بھی منع فرمایا ہے لور دوران عدت اس سے نکاح کا عزم (پکا ارادہ) کرنا حرام ہے اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے، اور عزم کرنا دل کا فعل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دل کے افعال پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔ حرام کام کا کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے لور اس کا عزم بھی گناہ کبیرہ ہے، عام طور پر مشہور ہے کہ برائی کا ارتکاب گناہ ہے اور اس پر مواخذہ ہوتا ہے لیکن اگر برائی کا صرف عزم کیا جائے اور برائی کا ارتکاب نہ کیا جائے تو مواخذہ نہیں ہوتا، یہ قاعدہ صحیح نہیں ہے، برائی کا عزم بھی گناہ ہے اور اس پر مواخذہ ہوتا ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب دو مسلمان تلواروں سے لڑیں تو قاتل اور مقتول

دونوں جہنمی ہیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو قاتل ہے، مقتول کے جہنمی ہونے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا یہ

بھی اپنے حرف کے قتل پر حریص تھا (صحیح بخاری ج ۱ ص ۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۳۸۸ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اگر کسی شخص نے قتل نہ کیا ہو بلکہ صرف قتل کا عزم کیا ہو وہ پھر بھی جہنمی ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فعل حرام کا عزم اور پکارا لوہ بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور اس پر استحقاق عذاب ہے۔ البتہ ”ہم“ پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ ”ہم“ اور ”عزم“ میں یہ فرق ہے کہ اگر کوئی شخص راجح اور غالب طور پر کسی کام کو کرنا چاہے اور مرجوح اور مغلوب طور پر کام نہ کرنا چاہے تو یہ ”ہم“ ہے، اور جب سو فیصد کسی کام کا پختہ ارادہ ہو تو یہ عزم ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دل میں کسی کام کے کرنے کا اچانک خیال آئے تو اس کو حاجس کہتے ہیں، اور بار بار یہ خیال آئے تو اس کو خاطر کہتے ہیں اور جب ذہن اس کام کو کرنے کا منصوبہ اور پروگرام بنائے تو اس کو حدیث نفس کہتے ہیں، اور جب راجح اور غالب جانب اس کام کے کرنے کی اور مرجوح اور مغلوب جانب اس کام کو نہ کرنے کی ہو مثلاً ۹۹ فیصد کام کرنا چاہتا ہو اور ایک فیصد نہ کرنا چاہتا ہو تو اس کو ہم کہتے ہیں اور جب یہ ایک فیصد بھی ختم ہو جائے اور سو فیصد کام کرنا چاہتا ہو تو یہ عزم ہے۔ اس کی مثل یہ ہے کہ ایک شخص کا کوئی دشمن ہو اور اس کے دل میں اچانک اس کو قتل کرنے کا خیال آئے تو یہ حاجس ہے، یہ خیال بار بار آئے تو خاطر ہے، اور جب وہ اس کو قتل کرنے کا منصوبہ اور پروگرام بنائے مثلاً فلاں جگہ سے پستول حاصل کرے گا اور فلاں وقت اور فلاں جگہ جا کر اس کو قتل کرے گا تو یہ حدیث نفس ہے، اور جب ۹۹ فیصد اس کو قتل کرنا چاہتا ہے لیکن ایک فیصد اس کو قتل نہ کرنا چاہے مبادا پکڑا جائے اور اس کو پھانسی ہو جائے تو یہ ”ہم“ ہے، اور جب یہ ایک فیصد نفی بھی زائل ہو جائے اور وہ دشمن کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لے خواہ اس کو نتیجہ میں پھانسی ہو جائے تو یہ عزم ہے، اس عزم کے بعد اگر وہ کسی وجہ سے اس کو قتل نہ بھی کرے تب بھی وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار پائے گا اور اس سے مواخذہ ہوگا۔ بہ اعتبار لغت کے ہم اور عزم دونوں کے معنی ارادہ ہیں لیکن اصطلاح شرع میں ہم وہ ارادہ ہے جس میں جانب مخالف کی بھی کسی درجہ میں گنجائش ہو اور عزم وہ ارادہ ہے جس میں جانب مخالف کی بالکل گنجائش نہ ہو اور حرام فعل کا ارتکاب اور حرام فعل کا عزم دونوں گناہ کبیرہ ہیں جب کہ حرام فعل کا ہم گناہ نہیں ہے، پچھلی امتوں سے معصیت کے ”ہم“ پر بھی مواخذہ ہوتا تھا اور ہماری امت سے صرف معصیت کے عزم پر مواخذہ ہوتا ہے اور حاجس، خاطر اور حدیث نفس کے درجہ میں ان سے مواخذہ ہوتا تھا نہ ہم سے مواخذہ ہوتا ہے، نیز نیکی کا اگر ”ہم“ کر لیا جائے (یعنی ارادہ ہو لیکن سو فیصد نہ ہو) اور پھر بعد میں وہ نیکی نہ کی جائے تو اس ”ہم“ پر اجر و ثواب مل جاتا ہے، لیکن اگر معصیت کا ”ہم“ کیا جائے اور وہ معصیت نہ کی جائے تو گناہ نہیں ہوتا، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور احسان ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عز و جل فرماتا ہے جب میرا بندہ کسی معصیت کا ”ہم“ مثلاً (۹۹ فیصد) ارادہ کرے تو اس کو نہ لکھو اور جب وہ اس معصیت کا ارتکاب کرے تو اس کی ایک معصیت لکھ دو، اور جب وہ کسی نیکی کا ”ہم“ (مثلاً ۹۹ فیصد ارادہ) کرے اور اس نیکی کو نہ کرے (تو پھر بھی) اس کی ایک نیکی لکھ دو اور جب وہ اس نیکی کو کر لے تو اس کی دس نیکیاں لکھ دو، ایک اور سند سے یہ روایت ہے کہ دس سے سلت سو تک نیکیاں لکھ دو۔ (۱) اس حدیث کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم جلد اول میں کی ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا ہر

لَهُنَّ فَرِيضَةٌ مِّمَّا وَصَّيْتُمْ وَلَهُنَّ مَتَاعٌ بِمَا كُنَّ يَنْتَظِرُونَ عَلَى الْمَوْتِ وَقَدْ تَوَفَّيْتُمُوهُنَّ

نقحر نہ کیا ہو۔ اور تم انہیں استئصال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے

قَدَارُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝۳۶ وَإِنْ

لاق۔ دستور کے مطابق انہیں نادمہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے اور اگر تم نے

طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ

عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی در اس حایکہ تم ان کا ہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے

فَرِيضَةٌ فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يُعْفُونَ أَوْ يُعْفُوا إِلَيْهِ

مقرر کیے ہوئے ہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح

بَيِّدَهُ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۝۳۷ وَأَنْ تُعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنْسُوا

کی گڑ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے) اور تمہارا زیادہ ادا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب، اور تم ایک دوسرے

الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۝۳۸ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝۳۹

کے ساتھ نیکی کرنے کو فراموش نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے

غیر مدخولہ کے مہر اور متاع کی ادائیگی کا بیان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے عورت کی عدت کے مفصل احکام بیان فرمائے تھے اور اس کے ضمن میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ مردوں کے حقوق عورتوں سے زیادہ ہیں اور عدت طلاق ہو یا عدت وفات اس کے نتیجے میں عورت کے مہر کی ادائیگی مرد پر واجب ہو جاتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں مہر کے بعض احکام بیان فرمائے، جس عورت کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ ہے جس کا نکاح کے وقت کوئی مہر مقرر نہیں کیا گیا اور دوسری وہ ہے جس کا نکاح کے وقت مہر مقرر کیا گیا ہو، اول الذکر کو شوہر اپنی حیثیت کے مطابق کچھ استعمال کی چیزیں دیدے اور ثانی الذکر کو نصف مہر ادا کرنا لازم ہے الا یہ کہ عورت نصف مہر سے کچھ رقم معاف کر دے، یا شوہر نصف مہر سے زائد ادا کرے اور شوہر کا نصف مہر سے زائد ادا کرنا مکارم اخلاق کے زیادہ قریب ہے۔ غیر مدخولہ کو استعمال کی کچھ چیزیں یا نصف مہر

لوا کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ مباشرت سے پہلے فوراً اس کو طلاق دینے سے اس کے مستقبل پر برا اثر پڑے گا اور اس قدر جلد طلاق ہونے سے چھ میگوئیں ہوں گی اور اس کے لیے جو نکاح کے مزید پیغام آنے ہیں ان میں کمی ہوگی تو اس کی ایک شوئی اور طلاق کے لیے اس کے واسطے نصف مہر کو لازم کیا گیا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نکاح سے پہلے مہر کو مقرر نہ کیا جائے تو نکاح پھر بھی صحیح ہے، تاہم اس صورت میں مہر مثل ادا کرنا لازم ہوتا ہے یعنی اس جیسی لڑکی یا اس لڑکی کے خاندان میں جتنے مہر کو مقرر کرنے کا رواج ہوتا تھا مہر ادا کیا جائے۔

مطلقہ کی متاع کی مقدار میں ائمہ مذاہب کی آراء

لام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ مطلقہ کی متاع میں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک خلام دیا جائے، اس سے کم درجہ یہ ہے کہ چاندی دی جائے اور اس سے کم یہ ہے کہ کپڑے دیئے جائیں۔ شعی نے کہا متوسط مطلقہ کی متاع دوپٹہ، قمیص، چادر اور ملحفہ ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۳۲۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ہاروی شافعی نے لکھا ہے کہ لام شافعی کے نزدیک مطلقہ کی متاع حاکم کے اجتہاد پر موقوف ہے۔

(الکنت والعیون ج ۱ ص ۳۰۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں: لام احمد کے اس میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ یہ حاکم کے اجتہاد پر موقوف ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ جتنے کپڑوں کے ساتھ عورت نماز ادا کر سکے وہ مطلقہ کی متاع ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۸۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: لام مالک نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک مطلقہ کی متاع کی کوئی معین مقدار نہیں ہے، قلیل متاع کی کوئی حد ہے نہ کثیر کی اور ائمہ کا اس کی حد میں اختلاف ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۳ ص ۲۰۱، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں: جس عورت سے بلا مہر نکاح کیا گیا ہو اور مباشرت سے پہلے اس کو طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا واجب ہے، اور یہ قمیص، دوپٹہ اور ملحفہ (سر سے قدم تک اوڑھے جانے والی چادر، علامہ شامی نے لکھا ہے اس کے ساتھ ازار بھی ضروری ہے)۔ یہ متاع نصف مہر مثل سے زائد نہیں ہونی چاہیے، خواہ زوج خوشحال ہو، اور نہ پانچ درہم سے کم ہو، تنگ دستی اور خوشحالی میں عورت کے حل کا اعتبار کیا جائے گا، اس کے سوا باقی مطلقہ عورتوں کے لیے متاع مستحب ہے، بلکہ جس عورت کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور اس کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی اس کے لیے متاع کو دینا مستحب نہیں ہے۔ (مطلقات کی چار قسمیں ہیں مطلقہ کا مہر پہلے مقرر کیا گیا تھا یا نہیں اور ہر تقدیر پر مباشرت سے پہلے طلاق دی گئی یا مباشرت کے بعد، سو جس کا مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا اور اس کو مباشرت سے پہلے طلاق دی گئی اس کو متاع دینا واجب ہے اور باقی قسموں کی مطلقات کو متاع دینا مستحب ہے، علامہ حصکفی نے لکھا ہے کہ جس مطلقہ کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور اس کو وطی سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا مستحب نہیں ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ مبسوط، محیط، کنز اور ملتقی وغیرہ میں لکھا ہے کہ اس کو بھی متاع دینا مستحب ہے اور یہی صحیح ہے۔

(در عقد علی حاضر الرد ج ۲ ص ۳۳۶-۳۳۵، مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت)

مطلقہ کی متاع کے شرعی حکم کے متعلق ائمہ مذاہب کی آراء

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں: مطلقہ کی متاع کے شرعی حکم میں صحابہ کرام، فقہاء تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے: حضرت علی، حسن بصری، ابو العلیہ اور زہری کا مذہب یہ ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے متاع واجب ہے، حضرت ابن عمر، قاسم بن محمد، شریح اور ابراہیم کا یہ نظریہ ہے کہ جس مطلقہ کا مهر مقرر کیا گیا ہو اور مباشرت سے پہلے اس کو طلاق دے دی گئی ہو اس کے سوا ہر مطلقہ کے لیے متاع واجب ہے، اور اس مطلقہ کے لیے نصف مهر واجب ہے، امام لوزامی، ثوری، امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ جس عورت کا مهر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کے لیے متاع واجب ہے، اور اگر اس کے ساتھ مباشرت کی گئی ہو تو پھر اس کو متاع نہیں دی جائے گی۔ امام مالک، سیث بن سعد، حکم اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک متاع مستحب ہے اور کسی عورت کے لیے واجب نہیں ہے۔ خواہ اس عورت کا مهر مقرر کیا گیا ہو یا نہیں اور اس کے ساتھ مباشرت کی گئی ہو یا نہیں۔

(زاد المسیر، ج ۱ ص ۲۸۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ ماوردی شافعی نے لکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک جس عورت کا مهر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا واجب ہے۔ (المنکح والعیون ج ۱ ص ۳۰۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی لکھتے ہیں:

ہمارے علماء کے نزدیک مطلقہ کی متاع واجب نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے متاع کی مقدار بیان نہیں فرمائی بلکہ اس کو دینے والے کے اجتہاد پر معلق فرمایا، ثانیاً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حقا علی المحسنین ”یہ محسنین پر واجب ہے“ اگر مطلقہ کی متاع واجب ہوتی تو مطلقاً تمام مسلمانوں پر واجب ہوتی۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۲۸۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۸ھ)

متاع کے وجوب پر فقہاء احناف کے دلائل

علامہ ابوبکر رازی جصاص حنفی لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کے نزدیک جس عورت کا مهر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا واجب ہے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فمتعوهن ”ان کو متاع دو“ یہ امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے الا یہ کہ اس کے خلاف استنباط پر کوئی دلیل قائم ہو اور وہ یہاں نہیں ہے، نیز فرمایا وللمطلقات متاع بالمعروف ”دستور کے مطابق متاع مطلقات کی ملکیت ہے“ کیونکہ لام تملیک کے لیے ہے اور جو چیز کسی کی ملکیت اور اس کا حق ہو اس کا لوا کرنا واجب ہوتا ہے، اور تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حقا علی المحسنین اور حقا علی المتقین یہ وجوب کی تاکید ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۳۲۸، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

متاع کے وجوب کے خلاف فقہاء مالکیہ کے دلائل کے جوابات

علامہ ابن عربی مالکی نے جو یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر متاع واجب ہوتی تو ہر مسلمان پر واجب ہوتی صرف متقین اور محسنین پر واجب نہ ہوتی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وجوب کی تاکید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ متاع محسنین اور متقین پر حق ہے، اور حق سے زیادہ اور کوئی لفظ وجوب کے لیے موکد نہیں ہے، جس طرح حدی للمتقین سے یہ لازم

میں آنا کہ قرآن مجید تمام مسلمانوں کے لیے ہدایت نہ ہو اسی طرح حقاً علی المستقین سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقہ کی حلال ہر مسلمان پر واجب نہ ہو، نیز اس کا معنی ہے جو تقویٰ اور احسان کی طرف رجوع کرنے والا ہو اور ہر مسلمان تقویٰ اور احسان کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔ بقی یہ جو کہا ہے کہ اگر متاع واجب ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کی مقدار کا بیان فرماتا اس کا جواب یہ ہے کہ مل و دولت کے لحاظ سے لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں اس لیے تمام مسلمانوں کے لیے ایک مقدار معین نہیں کی جاسکتی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خوشحال پر (یہ متاع) اس کے (حل کے) موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق ہے۔

نکاح کی گمرہ کا مالک شوہر ہے یا عورت کا ولی؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گمرہ ہے وہ کچھ زیادہ دیدے۔ (البقرہ:

۲۳۷)

اس میں اختلاف ہے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گمرہ ہے اس سے مراد شوہر ہے یا عورت کا ولی؟ اگر اس سے مراد شوہر ہو تو اس آیت کا وہ معنی ہو گا جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے اور اگر اس سے مراد عورت کا ولی ہو تو معنی یہ ہو گا البتہ عورتیں (نصف مہر سے) کچھ معاف کر دیں یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گمرہ ہے یعنی ولی وہ کچھ معاف کر دے۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اس سے مراد شوہر ہے اور امام مالک کے نزدیک اس سے مراد عورت کا ولی ہے۔

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: جس کے ہاتھ میں نکاح کی گمرہ ہے اس سے ولی کے مراد ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا البتہ عورتیں (نصف مہر سے) کچھ معاف کر دیں، اور یہ بات معلوم ہے کہ ہر عورت اپنے مہر کو معاف نہیں کر سکتی، کیونکہ صغیرہ اور مجنونہ اپنے حقوق میں خود تصرف نہیں کر سکتی، اس کے حق میں اس کا ولی تصرف کرتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ذکر کے بعد اس کے ولی کا ذکر فرمایا، یعنی جس کو وہ معاف کر سکتی ہیں وہ معاف کر دیں اور جس کو وہ معاف نہیں کر سکتیں اس کو ولی کا ولی معاف کر دے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۲۰۷، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ قرطبی کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ ولی یعنی لڑکی کے باپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لڑکی کے مل سے کسی کو کوئی چیز بہہ کرے، خود کو نہ کسی اور کو، نیز جس کے ہاتھ میں نکاح کی گمرہ ہے وہ صرف شوہر ہے اسی کو اختیار ہے کہ وہ نکاح پر برقرار رہ کر نکاح کی گمرہ کو قائم رکھے یا طلاق دے کر نکاح کی گمرہ کو کھول دے اور لڑکی کے ولی کے ہاتھ میں نکاح کی گمرہ مطلق نہیں ہے۔ حقیقت "نہ مجازاً" علامہ ابو بکر جصاص حنفی نے اسی طرح لکھا ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۲۴۰، مطبوعہ سہیل ایڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

شوہر کے حق میں عقد نکاح کی ملکیت پر جمہور کے دلائل

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں: جس کے ہاتھ میں نکاح کی گمرہ ہے اس کے مصداق کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت جابر بن مطعم، ابن المسیب، ابن جبر، مجاہد، شریح، جابر بن زید، ضحاک، محمد بن کعب القرظی، الربیع بن انس، ابن شبرمہ، امام شافعی، امام احمد، امام ابو حنیفہ اور دیگر فقہاء رضی اللہ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ اس سے مراد شوہر ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس، حسن، مطہر، طلوس، شعبی، ابراہیم اور دیگر حضرات کا یہ نظریہ ہے کہ اس سے مراد ولی ہے۔

(۳) عورتوں کا معاف کرنا شادی شدہ عورتوں پر محمول ہے اور اگر لڑکی کنواری ہو تو پھر اس کا دل معاف کرے گا یہ

بھی حضرت ابن عباس اور ابو الشفاء سے منقول ہے۔

ان تینوں اقوال میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ نکاح کے بعد نکاح کی گہری دلی کے ہاتھ سے نکل کر خلوند کے ہاتھ میں آگئی، اور معاف کرنے کا تعلق اس چیز کے ساتھ ہے جو انسان کی ملکیت میں ہو، اور مردی کی ملکیت میں نہیں ہے تو وہ اس کو معاف کرنے کا بھی مالک نہیں ہے۔ نیز اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اور تم ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرنے (ہبہ کرنے) کو فراموش نہ کرو“ اور انسان اپنے دل سے کسی کو کوئی چیز ہبہ کر سکتا ہے، دوسرے کے دل سے کوئی چیز ہبہ نہیں کر سکتا لہذا اسباق و سباق کے اعتبار سے یہاں شوہر کو مرد لینا ہی صحیح ہے۔

(زوال المسیرج ص ۲۸۱، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

شوہر کے حق میں عقد نکاح کی ملکیت کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی نے اس آیت میں شوہر کے مرد ہونے پر متعدد روایات بیان کی ہیں بعض ازل میں یہ ہیں:

امام ابن جریر، امام ابن ابی حاتم، امام طبرانی اور امام بیہقی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گہرہ ہے وہ شوہر ہے۔

امام ابن ابی شیبہ، امام عبد بن حمید، امام ابن جریر، امام ابن ابی حاتم، امام دار قطنی اور امام بیہقی نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گہرہ ہے وہ شوہر ہے۔

امام ابن ابی شیبہ، امام ابن المنذر، امام ابن جریر اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گہرہ ہے وہ شوہر ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے سعید بن جبیر، مجاہد، ضحاک، شرح، ابن المسیب، شعبی، نافع اور محمد بن کعب سے روایت کیا ہے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گہرہ ہے وہ شوہر ہے۔

امام عبد الرزاق نے ابن المسیب سے روایت کیا ہے کہ زوج کا غویہ ہے کہ وہ پورا مردے، اور بیوی کا غویہ ہے کہ وہ نصف مہر معاف کر دے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۹۳، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران۔)

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ

تمام نمازوں کی پابندی کرو اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی، اور اللہ کے سامنے ادب سے

قِنْتَيْنِ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنْتُمْ

قیام کرو پس اگر تم حالت خوف میں ہو تو پیدل چلتے ہوئے یا سواری پر (نماز پڑھ لو) پھر جب خوف جاتا ہے تو پھر

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَيْكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۚ وَالَّذِينَ

اسی طرح اللہ کا ذکر کرو جس طرح اس نے تمہیں سکھایا ہے جس کو تم نہیں جانتے تھے اور تم میں سے جو لوگ

يَتَوَكَّلُونَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا

مرائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں

إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَا عَنْكُمْ فِي مَا

ایک سال تک خرچ دیا جائے (اور اگر سے) نکالنا جائے پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر (ان کے) اس کام کا

فَعَلْنَا فِي أَنْفُسِهِمْ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٠﴾

کوئی گناہ نہیں ہے جو انہوں نے دستور کے مطابق کیا ہے۔ اور اللہ بہت غاب بڑی حکمت والا ہے

وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَاعٌ بِالمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿٢٢١﴾

اور مطلقہ عورتوں کے لیے دستور کے مطابق متاع ہے جو اللہ سے ڈرنے والوں پر واجب ہے

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٢٢﴾

اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کو بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ یا زوجہ نصف میرے کچھ مقدار معاف کر دے، یا شوہر اس کو پورا امر لو کر دے اور فرمایا تھا کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ احسان اور نیکی کرنے کو فراموش نہ کرو، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نمازوں پر پابندی اور مد لومت کرنے کا حکم دیا، کیونکہ نماز انسان کو بے حیائی اور برائی کے کلاموں سے روکتی ہے اور اس کو نیکی اور اچھائی کے کلاموں پر برا ٹکھوت کرتی ہے اور قدر واجب سے زیادہ دینا بھی اچھائی کا کام ہے۔ نیز پہلی آیت میں مخلوق پر شفقت کا حکم تھا اور اس آیت میں اللہ کی تعظیم کا حکم ہے، تاکہ انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی رعایت کرے نیز اس آیت سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے اہل و عیال کے احکام بیان کئے اور اس آیت کے بعد پھر عائلی احکام بیان فرمائے اور درمیان میں پابندی اور دوام کے ساتھ نماز پڑھنے کا ذکر فرمایا اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ بیوی بچوں کے ساتھ تعلق، محبت اور ان کے حقوق کی لوائیگی میں اس قدر مشغول نہ ہو جاتا کہ اپنے مولیٰ کے حقوق کی لوائیگی کو بھول جاوے اور امور خانہ داری اور دنیا داری میں اس قدر منہمک نہ ہو جاوے کہ نمازوں کے اوقات میں بھی بیوی بچوں کے گورکھ دھندوں میں پڑے رہو اور یاد دہانی کو بالکل فراموش کر بیٹھو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا
أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ
هُمُ الْخَسِرُونَ (المنافقون: ۹)

اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جنہوں نے ایسا کیا تو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

نفل کی حالت کا معنی یہ ہے کہ نماز کو اس کے مستحب وقت میں پڑھا جائے اور یہ کوشش کی جائے کہ نماز میں کسی قسم کا سہو

اور نقصان واقع نہ ہو۔

حفاظت نماز کی تاکیدات اور نماز میں سستی اور اس کو ترک کرنے پر وعیدات

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کے پاس آکر عرض کیا مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کر دے، آپ نے فرمایا اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کرو، جب وہ شخص چلا گیا تو آپ نے فرمایا اگر اس شخص نے اس پر عمل کیا تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔

امام ابو یعلیٰ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے دین کی جس چیز کو سب سے پہلے لوگوں پر فرض کیا وہ نماز ہے، اور جو چیز سب سے آخر میں باقی رہے گی وہ نماز ہے، اور سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندوں کی نمازوں کو دیکھو اگر وہ مکمل ہوں تو مکمل لکھ دی جائیں گی، اور اگر وہ ناقص ہوں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھو کیا اس کے نوافل ہیں؟ اگر اس کے نوافل ہوں گے تو فرائض کی کمی نوافل سے پوری کر دی جائے گی۔ پھر فرمائے گا دیکھو اس کی زکوٰۃ پوری ہے؟ اگر زکوٰۃ پوری ہو تو پوری لکھ دی جائے گی اور اگر ناقص ہو تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھو اس نے کوئی صدقہ کیا ہے؟ اگر اس نے صدقہ کیا ہو گا تو اس صدقہ سے اس کی زکوٰۃ پوری کر دی جائے گی۔

امام طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جس چیز کا سب سے پہلے بندے سے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے، اگر نماز درست ہو تو باقی عمل بھی درست ہوں گے اور اگر نماز فاسد ہو تو باقی عمل بھی فاسد ہوں گے۔

امام طبرانی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص امانت دار نہ ہو اس کا کوئی ایمان نہیں، جس کا وضو نہ ہو اس کی کوئی نماز نہیں اور جس کی نماز نہ ہو اس کا کوئی دین نہیں، دین میں نماز ایسی ہے جیسے جسم میں سر ہے۔

امام بزار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی نماز نہ ہو اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

امام طبرانی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جو شخص پانچ نمازیں لے کر آیا جن کے وضو، ان کے اوقات اور ان کے رکوع اور سجود کی اس نے حفاظت کی ہوئی ہو، اس شخص کے ساتھ اللہ کا عہد ہے کہ وہ اس کو عذاب نہیں دے گا، اور جس نے ان میں سے کسی چیز میں کمی کی اس کے ساتھ اللہ کا کوئی عہد نہیں ہے، اگر اللہ چاہے تو اس پر رحم فرمائے اور چاہے تو اس کو عذاب دے۔

امام طبرانی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے تین چیزوں کی حفاظت کی وہ یقیناً (اللہ کا) ولی ہے اور جس نے ان کو ضائع کیا وہ یقیناً (اللہ کا) دشمن ہے، نماز، روزہ اور جنابت۔

امام طبرانی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنے وقت

میں نماز پڑھی اور اس کے لیے مکمل وضو کیا اور نماز کے قیام، خشوع، رکوع اور سجود کو پوری طرح لیا تو وہ نماز سفید اور روشن ہوگی اور اس شخص سے کہے گی اللہ تیری بھی اس طرح حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی ہے، اور جس نے وقت نکلنے کے بعد نماز پڑھی، اس کے لیے مکمل وضو نہیں کیا اور نہ اس کے خشوع، رکوع اور سجود کو پوری طرح لیا تو وہ نماز سیاہ اندھیری ہوگی اور کہے گی اللہ تجھے بھی اس طرح ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا ہے حتیٰ کہ جب اللہ چاہے گا اس نماز کو پرانے کپڑے میں پیٹ کر اس شخص کے منہ پر مار دے گا۔

امام احمد، امام طبرانی اور امام ابن مردودہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ہم ظہر کی نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ ہم نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا تمہارا رب یہ فرماتا ہے کہ جس شخص نے نماز اپنے وقت میں پڑھی، اس کی حفاظت کی اور اس کے حق کو معمولی سمجھ کر ضائع نہیں کیا اس کے ساتھ میرا یہ عہد ہے کہ میں اس کو جنت میں داخل کروں گا، اور جس شخص نے نماز اپنے وقت میں نہیں پڑھی، اس کی حفاظت نہیں کی، اور اس کے حق کو معمولی جان کر ضائع کیا، اس کے ساتھ میرا کوئی عہد نہیں ہے، اگر میں چاہوں تو اس کو عذاب دوں اور اگر میں چاہوں تو اس کو معاف کروں۔

امام دارمی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی چابی نماز ہے۔

امام دہلی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نماز دین کا ستون ہے۔

امام بیہقی نے شعب اللایمان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کون سی چیز دین میں سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو اپنے وقت میں پڑھنا، جس شخص نے نماز کو ترک کیا اس کا کوئی دین نہیں، نماز دین کا ستون ہے۔

امام ابن ماجہ، امام ابن حبان، امام حاکم صحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مستقیم رہو، اور تم ہرگز نہ رہ سکو گے، اور جان لو کہ تمہارا بہترین عمل نماز ہے اور مومن کے سوا اور کوئی شخص ہمیشہ بد وضو ہرگز نہ رہ سکے گا۔

امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ وہ کل اللہ سے حالت اسلام میں ملاقات کرے، اسے چاہیے کہ جب ان نمازوں کی نواہن ہو تو وہ ان کی حفاظت کرے۔ امام ابو داؤد کی روایت یہ ہے کہ جب نواہن ہو تو پانچوں نمازوں کی حفاظت کرو، کیونکہ جماعت سنن الہدیٰ میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے سنن الہدیٰ کو مشروع کیا ہے، اور ہمارے عہد میں مسافروں کے سوا اور کوئی جماعت کو نہیں چھوڑتا تھا، اور ہم نے دیکھا ہے کہ ایک آدمی دو آدمیوں کے سارے سے چل کر صف میں جا کر کھڑا ہوتا تھا، اور ہر شخص کے لیے اس کے گھر میں نماز کی جگہ ہوتی ہے اور اگر تم نے اپنے گھروں میں نماز پڑھی اور اپنی مسجد کو چھوڑ دیا تو تم اپنے نبی کی سنت کو ترک کرو گے اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت کو ترک کیا تو تم کافر ہو جاؤ گے۔

اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ جس نے نبی ﷺ کی سنت کو بہ طور استخفاف یا بہ طور لہت ترک کیا وہ کافر ہو جائے گا۔ یا کفر بہ معنی کفرانِ نعمت ہے۔

امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام حاکم صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بندہ کے عمل سے جس چیز کا سب سے پہلے حاسب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے اگر وہ صحیح ہوئی تو وہ کامیاب اور کامران ہو گیا اور اگر وہ فاسد ہوئی تو وہ ناکام اور نامرلو ہو گیا اور اگر اس کے فریضہ میں کچھ کمی ہوئی تو رب فرمائے گا دیکھو میرے بندہ کا کوئی نفل ہے جس سے اس کا فرض پورا کیا جائے، پھر بقی اہل عمل کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا۔

امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص لوگوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا اور ان کو سلام کیا، لوگوں نے اس کے سلام کا جواب دیا، جب وہ گزر گیا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا بہ خدا میں اس شخص سے اللہ کے لیے بغض رکھتا ہوں، لوگوں نے کہا تم نے بہت بری بات کی ہے، اے فلاں شخص! جاؤ اس کو بلا کر لاؤ، وہ شخص اس کو بلا کر لے آیا، اور اس کو بتایا کہ اس کے متعلق کیا کہا گیا ہے، وہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گیا اور کہا یا رسول اللہ میں مسلمانوں کی ایک مجلس کے پاس سے گزرا میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا، جب میں چلا گیا تو ایک شخص نے میرے متعلق کہا میں اللہ کے لیے اس شخص سے بغض رکھتا ہوں! یا رسول اللہ! اس شخص کو بلائیے اور اس سے بغض کی وجہ معلوم کیجئے، رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو بلایا تو اس نے اعتراف کیا کہ اس نے یہ کہا تھا، اس نے کہا یہ شخص میرا پڑوسی ہے بہ خدا میں نے اس کو فرض نماز کے سوا اور کوئی نماز پڑھتے نہیں دیکھا جس کو ہر نیک اور بد پڑھتا ہے، اس نے کہا یا رسول اللہ! اس سے پوچھیے کبھی میں نے نماز کو وقت سے موخر کر کے پڑھا یا اس کے وضو میں کوئی کمی کی یا رکوع اور سجود میں کوئی کوتاہی کی؟ رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا نہیں! پھر اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے اس شخص کو رمضان کے سوا اور کوئی روزہ رکھتے نہیں دیکھا جس مہینہ میں ہر نیک و بد روزہ رکھتا ہے، اس نے کہا یا رسول اللہ اس سے پوچھیے میں نے کبھی روزہ کے حق میں کوئی کوتاہی یا کمی کی؟ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا نہیں! پھر اس نے کہا یا رسول اللہ! میں نے زکوٰۃ کے سوا اس کو کبھی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور زکوٰۃ تو ہر نیک و بد ادا کرتا ہے، اس نے کہا یا رسول اللہ اس سے پوچھیے میں نے کبھی زکوٰۃ کی لوائیگی میں کوئی کوتاہی یا کمی کی؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا اٹھو! یہ تم سے بہتر ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ان سے پوچھا گیا اسلام کا کون سا درجہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا نماز اور جس نے نماز نہیں پڑھی اس کا کوئی دین نہیں۔

امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام مسلم، امام نسائی اور امام ابن ماجہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان اور اس کے کفر کے درمیان نماز کا ترک کرنا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن حبان، اور امام حاکم حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد ہے، جس نے نماز

کفر کیا اس نے کفر کیا۔

لام طبرانی نے حضرت عبلہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میرے محبوب رسول اللہ ﷺ نے مجھے سات چیزوں کی فصاحت کی فرمیا: اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہ کرو، خولہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں، یا تم کو جلا دیا جائے یا تم کو سولی پر چڑھا دیا جائے، اور نماز کو عدا "ترک نہ کرو کیونکہ جس نے عدا" نماز کو ترک کیا وہ ملت اسلام سے نکل گیا، اور معصیت کا ارتکاب نہ کرو، کیونکہ اس میں اللہ کی ناراضگی ہے اور شراب نہ پو کیونکہ یہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

لام ترمذی اور لام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب نماز کے سوا اور کسی چیز کے ترک کو کفر نہیں کہتے تھے۔

لام طبرانی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کفر اور ایمان کے درمیان نماز ہے جس نے نماز کو ترک کیا اس نے شرک کیا۔

لام بزار اور لام طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب ان کی آنکھوں میں تکلیف ہو گئی تو ان سے کہا گیا کہ ہم آپ کا علاج کرتے ہیں آپ چند دن نماز چھوڑ دیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ اللہ سے اس حل میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اس پر غضب ناک ہو گا۔

لام ابن حبان حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بارش کے دن جلدی نماز پڑھ لو، کیونکہ جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

لام ابی ہانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عدا "نماز کو ترک کیا اللہ اس کے عمل کو ضائع کر دیتا ہے اور اس کا ذمہ اللہ سے بری ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ سے توبہ کر لے۔

لام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور لام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جس نے نماز نہیں پڑھی وہ کافر ہے اور ایک روایت ہے اس نے کفر کیا۔

لام مالک نے یزید سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے اپنے عمل کی طرف لکھا کہ میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سب سے اہم کام نماز ہے۔ جس نے نماز کی حفاظت کی اس نے اپنے دین کی حفاظت کی اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ باقی دین کو زیادہ ضائع کرنے والا ہے۔

لام ترمذی اور لام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے بغیر غدر کے دو نمازوں کو جمع کیا اس نے گناہ کبیرہ کیا۔

لام نسائی اور لام ابن حبان نے حضرت نوفل بن معویہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کی ایک نماز فوت ہو گئی گویا اس کے لال اور مل ہلاک ہو گئے۔

(الدر المستورج ص ۷۸-۷۹، ملتقا، مطبوعہ مکتبۃ آیت اللہ العظمیٰ امین)

صلوۃ و سلی کے حلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ آلوسی حنفی بیان کرتے ہیں: صلوٰۃ وسطیٰ (درمیان نماز) کی تعیین میں متحد اقوال ہیں:

- (۱) اس سے مراد ظہر کی نماز ہے کیونکہ یہ دن کے وسط میں پڑھی جاتی ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔
- (۲) اس سے مراد عصر کی نماز ہے، کیونکہ یہ دن کی دو نمازوں اور رات کی دو نمازوں کے درمیان پڑھی جاتی ہے، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حسن اور متعدد صحابہ اور فقہاء تابعین کا یہی نظریہ ہے، امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔
- (۳) اس سے مراد مغرب کی نماز ہے، کیونکہ یہ چار رکعت اور دو رکعت کی نمازوں کے درمیان متوسط ہے، حضرت قیس بن ذویب کا یہی نظریہ ہے۔

- (۴) اس سے مراد عشاء کی نماز ہے، کیونکہ یہ مغرب اور فجر کی نمازوں کے درمیان ہے جن میں قصر نہیں ہے۔
- (۵) اس سے مراد فجر کی نماز ہے، کیونکہ یہ دن اور رات کی نمازوں کے درمیان ہے، نیز یہ وہ منفرد نماز ہے جو دوسری نماز کے ساتھ ملا کر نہیں پڑھی جاتی۔ حضرت معاذ، حضرت جابر، عطاء، عکرمہ اور مجاہد کا یہی قول ہے۔
- ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وتر ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد چاشت کی نماز ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عید الفطر ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عید الاضحیٰ ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تہجد ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نماز جمعہ ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جماعت کے ساتھ نماز ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد صلوٰۃ خوف ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی اقوال ہیں۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۱۵۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔)

زیادہ تر احادیث میں عصر کی نماز کو صلوٰۃ وسطیٰ کہا گیا ہے اور ظہر اور فجر کی نماز کے متعلق بھی احادیث ہیں۔ ہم اختصار کے ساتھ ان احادیث کا بیان کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة یلیق۔

فجر کی نماز کے صلوٰۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں: امام مالک نے موطا میں لکھا ہے کہ ہمیں حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے، اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

امام ابن جریر نے ابو العالیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے بصرہ کی جامع مسجد میں صبح کی نماز پڑھائی اور رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھی اور فرمایا یہ وہ صلوٰۃ وسطیٰ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔

امام سعید بن منصور نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے جس کو اندھیرے میں پڑھا جاتا ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے حبان ازدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۰۱، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

ظہر کی نماز کے صلوٰۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث

امام طبرانی نے معجم اوسط میں ثقہ راویوں کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان

سے پوچھا گیا کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی نماز ہے تو انہوں نے کہا ہم یہ کہتے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ وہ نماز ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کو کعبہ کی طرف متوجہ کیا گیا اور وہ ظہر کی نماز ہے۔

امام احمد، امام بخاری نے اپنی تاریخ میں، امام ابو داؤد، امام ابن جریر، امام طحاوی، امام ابو یعلیٰ، امام طبرانی اور امام بیہقی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ ظہر کی نماز دوپہر میں پڑھتے تھے اور یہ نماز آپ کے اصحاب پر سب نمازوں سے زیادہ دشوار تھی تب یہ آیت نازل ہوئی حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ نیز اس نماز سے پہلے بھی دو نمازیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں۔

امام طحاوی، امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں، امام بخاری نے اپنی تاریخ میں، امام ابن ابی حاتم، امام ابو یعلیٰ اور امام بیہقی نے زہرہ بن معبد سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو لوگوں نے حضرت اسلمہ کے پاس کسی کو بھیجا اور ان سے صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ ظہر کی نماز ہے جس کو رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت پڑھتے تھے۔

امام نسائی اور امام طبرانی نے زہری کی سند سے روایت کیا ہے کہ سعید بن مسیب نے کہا میں لوگوں کے پاس بیٹھا تھا وہ اس میں بحث کر رہے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی نماز ہے؟ میں ان میں سب سے کم سن تھا۔ انہوں نے مجھے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تاکہ میں ان سے معلوم کروں کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی نماز ہے؟ میں نے ان کے پاس جا کر پوچھا تو انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ ہمیں ظہر کی نماز دوپہر میں پڑھاتے تھے لوگ اس وقت گھروں میں سوئے ہوئے ہوتے تھے اور بازاروں میں ہوتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے پیچھے صرف ایک صف یا دو صفیں ہوتی تھیں، تو یہ آیت نازل ہوئی حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ باز آجائیں ورنہ میں ان کے گھروں میں آگ لگا دوں گا۔

امام ابن جریر نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے۔

امام بیہقی اور امام ابن عساکر نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا کہ صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے پھر وہاں سے حضرت ابن عمر کا گزر ہوا تو لوگوں نے حضرت ابن عمر سے معلوم کیا انہوں نے بھی کہا صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اور امام ابن ابی شیبہ نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۰۶-۳۰۷ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

صبر کی نماز کے صلوٰۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث

امام عبد الرزاق، امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ،

امام ابن جریر اور امام بیہقی زر سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا عبیدہ سے کہو کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نماز وسطیٰ کے

متعلق سوال کریں، انہوں نے سوال کیا تو حضرت علی نے جواب دیا ہم یہ خیال کرتے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ فجر کی نماز ہے حتیٰ

کہ میں نے جنگ خندق کے دن رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ان کے ساتھ (جنگ میں) مشغول رہنے کی وجہ سے

ہم صلوٰۃ وسطیٰ صلوٰۃ العصر نہیں پڑھ سکے، اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو اور ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔
امام عبدالرزاق، امام ابن ابی شیبہ، امام مسلم، امام نسائی اور امام بیہقی شہترین شکل سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا میں نے حضرت علیؓ سے صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا اہل اخیال یہ تھا کہ یہ صبح کی نماز ہے حتیٰ کہ میں نے جنگ خندق کے دن رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا اللہ تعالیٰ ان کے گھروں کو اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ پڑھنے سے مشغول کر دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور نبی ﷺ نے غروب آفتاب تک ظہر اور عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔

امام ابن ابی شیبہ، امام ترمذی اور امام ابن حبان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر ہے۔

امام ابن جریر، امام ابن المنذر اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خندق کے دن فرمایا۔ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ پڑھنے سے مشغول کر دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو اور ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔

امام طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ صلوٰۃ عصر پڑھنے سے محروم کر دیا، اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں کو اور ان کے دلوں کو آگ سے بھر دے۔

امام احمد، امام ابن جریر اور امام طبرانی نے حضرت سرہ جہنم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطیٰ اور ہمارے لیے صلوٰۃ وسطیٰ کا نام صلوٰۃ عصر رکھا۔

امام عبدالرزاق نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہو گئی گویا اس کے اہل اور مل ہلاک ہو گئے۔

امام ابن ابی شیبہ ربیع بن خثیم سے روایت کرتے ہیں ان سے کسی شخص نے صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا تم تمام نمازوں کی حفاظت کرو، صلوٰۃ وسطیٰ انہیں میں سے کوئی ایک ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۰۵-۳۰۳، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

باتیں نہ کرنے اور خضوع اور خشوع سے نماز پڑھنے کا حکم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کے سامنے ادب سے قیام کرو۔

امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن جریر، امام ابن خزیمہ، امام طحاوی، امام ابن حبان، امام طبرانی اور امام بیہقی حضرت زید بن اسلمؓ سے روایت کرتے ہیں، ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نماز میں باتیں کیا کرتے تھے، ہم میں سے ایک شخص اپنے ساتھ نماز میں کھڑے ہوئے شخص سے باتیں کرتا تھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی و قوموا للہ قانتین پھر ہمیں نماز میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور باتیں کرنے سے منع کر دیا گیا۔

امام عبدالرزاق، امام ابن المنذر اور امام ابن جریر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ پہلے مسلمان نماز میں باتیں کرتے تھے، ایک شخص نماز میں اپنے بھائی کو کسی کام کا حکم دیتا تھا، پھر یہ آیت نازل ہوئی و قوموا للہ قانتین پھر ان کو کلام سے

روک دیا گیا قوت کا معنی سکوت ہے اور قوت کا معنی طاقت ہے۔

لام ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نماز میں باتیں کیا کرتے تھے، ایک شخص نماز میں اپنے ساتھی سے سرگوشی کرتا، ہم ایک دوسرے کو سلام کرتے اور جواب دیتے، حتیٰ کہ میں ایک دن نماز میں شامل ہوا اور میں نے سلام کیا تو میرے سلام کا کسی نے جواب نہیں دیا، مجھے اس سے بہت رنج ہوا، جب نبی ﷺ نے نماز پوری کر لی تو آپ نے فرمایا مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے اور کوئی چیز مانع نہیں تھی سوا اس کے کہ ہمیں نماز میں خاموش کھڑے رہنے اور باتیں نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور قوت سکوت ہے۔

لام سعید بن منصور، لام ابن جریر، لام اصہبانی اور لام بیہقی نے اس آیت کی تفسیر میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ رکوع، خشوع اور لہار رکوع بھی قوت کا معنی ہے، یعنی طویل قیام کرنا، نظر نیچے رکھنا، بازو جھکائے رکھنا اور اللہ سے ڈرتے رہنا اور سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب میں سے فقہاء جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو لوہر اور ادر التفتا کرنے، کنکریاں ہٹانے، آنکھیں بند کرنے، کسی چیز کے ساتھ کھیلنے یا دنیوی کاموں کے متعلق غور و فکر کرنے سے اللہ سے ڈرتے تھے۔

لام ابن ابی شیبہ، لام مسلم، لام ترمذی اور لام ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افضل نماز وہ ہے جس میں طویل قوت (قیام) ہو۔

لام بخاری، لام مسلم، لام ابو داؤد، لام نسائی اور لام ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نماز میں رسول اللہ ﷺ کو سلام کرتے تھے اور آپ ہمیں جواب دیتے تھے۔ جب ہم نجاشی کے پاس سے واپس آئے ہم نے آپ کو سلام کیا آپ نے ہمیں جواب نہیں دیا۔ ہم نے (نماز کے بعد) عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کو سلام کرتے تھے اور آپ جواب دیتے تھے؟ آپ نے فرمایا نماز میں مشغولیت ہے۔

(لدر المتشورج ص ۳۰۶، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران۔)

چلتی ٹرین اور طیارہ وغیرہ میں نماز پڑھنے کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اگر تم حالت خوف میں ہو تو پیدل چلتے ہوئے یا سواری پر (نماز پڑھ لو) پھر جب خوف جاتا رہے تو پھر اسی طرح اللہ کا ذکر کرو (نماز پڑھو) جس طرح اس نے تمہیں سکھایا ہے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پانچوں نمازوں کی حفاظت کا اور ان کو خاموشی اور خضوع اور خشوع کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا تھا، اور انسان کو زندگی میں بعض مرتبہ نماز کے وقت میں خوف اور خطرہ لاحق ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں نماز کا حکم اور اس کا طریقہ بیان فرمایا کہ اگر تم کو نماز کے وقت میں خوف اور خطرہ لاحق ہو تو پیدل چلتے ہوئے نماز پڑھو یا سواری پر سواری ہونے کی حالت میں نماز پڑھو، اس خوف سے مراد عام ہے خولہ دشمن کا خوف ہو یا درندے کا خوف ہو یا سیلاب کا خوف ہو، پس ہر وہ امر جس سے اس کی جان کا خوف ہو اس کی وجہ سے پاپیادہ یا سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے، اسی مقام پر ہم کہتے ہیں کہ چلتی ٹرین، بحری جہاز یا ہوائی جہاز میں دوران سفر نماز کا وقت آجائے اور پورے وقت میں وہ سواری چلتی رہے اور اس چلتی سواری سے چٹان لگا کر اترنے میں جان جانے کا خطرہ ہو تو اس چلتی ہوئی سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس نماز کا اعلقہ نہیں ہے، اس کے مزید دلائل اور فقہاء کی عبارات ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں بیان کئے ہیں۔

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق ائمہ کی آراء

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس آیت کا تعلق جنگ اور قتل سے بھی ہے یعنی اگر دوران قتل شدید خطرہ اور خوف ہو تو پاپیادہ اور سواری پر بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جملہ اور قتل میں صلوٰۃ خوف پڑھی جائے اور اگر جنگ کی شدت کی وجہ سے صلوٰۃ خوف نہ پڑھی جاسکے تو نماز موخر کر دی جائے جیسے رسول اللہ ﷺ نے جنگ خندق کے دن چار نمازیں موخر کر دی تھیں اور قتل کے علاوہ اور کسی صورت میں دشمن کا خوف ہو تو پاپیادہ یا سواری پر نماز پڑھ لی جائے۔

امام احمد جیون حنفی لکھتے ہیں: حالت خوف میں نماز پڑھتے وقت ضرورت کی بناء پر قبلہ سے توجہ ساقط ہو جاتی ہے، یعنی اگر تم کو دشمن سے خوف ہو یا درندہ کا خوف ہو یا کسی اور چیز کا خوف ہو تو تم پر قیام فرض نہیں ہے بلکہ تم کو اس کا اختیار ہے کہ تم پیدل چلتے ہوئے نماز پڑھو یا سواری پر نماز پڑھو اور جس طرف سواری کا منہ ہو اسی طرف اشاروں سے نماز پڑھو، اسی طرح مدارک میں ہے، اور صاحب ہدایہ نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ اگر شدید خوف ہو تو الگ الگ سواری پر نماز پڑھیں اور اشارہ سے رکوع اور سجود کریں، خواہ جس طرف منہ ہو بشرطیکہ وہ قبلہ کی طرف منہ پر قنور نہ ہوں اور جس وقت تکواریں تکرار ہی ہوں اور تیر چل رہے ہوں اس حل میں ہمارے نزدیک نماز جائز نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک رجلا کا معنی ہے اپنے پیروں پر کھڑے ہوئے نماز پڑھیں، اور امام شافعی کے نزدیک اس کا معنی ہے چلتے ہوئے نماز پڑھیں، اسی لیے قاضی بیضوی نے کہا ہے کہ اس آیت میں امام شافعی کی دلیل ہے کہ تکواریں سے لڑائی کی حالت میں نماز جائز ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس حالت میں نماز کو موخر کر دیں اور بعد میں پڑھیں۔
(التفسیرات الاحمدیہ ص ۱۵۸، مطبوعہ مطبع کربئی بمبئی)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

امام شافعی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر لڑائی کی حالت میں سواری ٹھہرانا ممکن نہ ہو تو تکواریں سے لڑتے ہوئے بھی نماز جائز ہے اور ہمارے امام کا یہ مذہب ہے کہ چلنے سے اور لڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز میں قنوت کا حکم دیا ہے اور چلنا اور لڑنا قنوت کے منافی ہے اور جب ایسی صورت ہو تو نماز کو موخر کر دے اور جب امن اور سکون ہو تو نماز پڑھ لے، اگر تم انصاف سے کام لو تو تمہیں علم ہو گا کہ یہ آیت امام شافعی کے موقف میں بالکل صریح ہے، کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ کے لیے قیام کرو، اور دین آسان ہے اور مشکل نہیں ہے اور مقلات مختلف ہوتے ہیں اور مشکل کی وجہ سے آسان حکم کو نہیں چھوڑا جاتا اور جس کام کو مکمل طور پر حاصل نہیں کیا جاسکتا اس کو مکمل طور پر ترک بھی نہیں کیا جاتا۔
(روح المعانی ج ۲ ص ۱۵۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام طحاوی، امام عبدالرزاق، امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام نسائی، امام ابو یعلیٰ اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنگ خندق کے دن ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، ہم ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جنگ کی مشغولیت کی وجہ سے نہ پڑھ سکے حتیٰ کہ ہم لڑائی سے بچا لیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہو کفی اللہ المؤمنین القتال (الاحزاب: ۲۵) (زبردست آدمی بھیج کر) ”اللہ مسلمانوں کی جنگ سے کفی ہو گیا۔“ یعنی ان کو لڑنے سے بچالیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال کو (توڑن کا) حکم دیا اور ہر نماز کے لیے اقامت کی، یہ واقعہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے تھا فان خفتم فرجالا اور کباناً اگر تم حالت خوف میں ہو تو پیادہ اور سواری پر نماز پڑھو۔“

امام ابن ابی شیبہ، امام مسلم اور امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض ایام میں صلوٰۃ خوف پڑھی، ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی اور ایک جماعت دشمن کے سامنے کھڑی رہی جو جماعت آپ کے ساتھ تھی آپ نے اس کو ایک رکعت نماز پڑھائی، پھر وہ لوگ چلے گئے اور دوسری جماعت آگئی، آپ نے اس دوسری جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائی پھر دونوں جماعتوں نے باقی ماندہ ایک ایک رکعت نماز پڑھی، حضرت ابن عمر نے کہا اور اگر اس سے زیادہ خوف ہو تو پھر تم کھڑے ہوئے اور سواری پر اشارہ سے نماز پڑھو۔

امام مالک، امام شافعی، امام عبد الرزاق، امام بخاری، امام ابن جریر اور امام بیہقی نے نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب صلوٰۃ خوف کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا امام ایک جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائے اور دوسری جماعت ان کے اور دشمن کے درمیان کھڑی رہے اور نماز نہ پڑھے، اور جب وہ جماعت ایک رکعت نماز پڑھ لے تو وہ اس دوسری جماعت کی جگہ چلی جائے جس نے نماز نہیں پڑھی تھی، اور یہ لوگ سلام نہ پھیریں، اور جس جماعت نے پہلے نماز نہیں پڑھی تھی وہ امام کے پیچھے آکر کھڑی ہو اور امام اس کو بھی ایک رکعت پڑھائے۔ پھر امام چلا جائے اس کی دو رکعتیں ہو گئیں اور امام کے چلے جانے کے بعد ہر جماعت اپنی اپنی باقی ماندہ ایک ایک رکعت پڑھے، اور اگر اس سے زیادہ خوف ہو تو اپنے پیروں پر کھڑے ہوئے نماز پڑھیں یا سواری پر نماز پڑھیں خواہ منہ قبلہ کی طرف ہو یا غیر قبلہ کی طرف، نافع کہتے ہیں کہ مجھے یہ یقین ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر نے رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح سنا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۲-۶۵۱)

امام بزار حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگوں سے لڑائی کی حالت میں نماز ایک رکعت ہے، انسان جس طریقہ سے بھی یہ رکعت پڑھ لے اس کے لیے کافی ہے اور وہ اس کو نہیں دہرائے گا۔

امام ابن ابی حاتم نے فان خفتم فرجالا اور کباناً کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سوار اپنی سواری پر نماز پڑھے اور پیدل چلنے والا اپنے پیروں پر نماز پڑھے اور جب خوف دور ہو جائے تو سوار اور پیادہ معمول کے مطابق نماز پڑھیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھایا ہے۔

امام ابن ابی حاتم اور امام ابن المنذر نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب تم لوگوں سے جنگ ہو رہی ہو تو اپنے سر کے اشارہ سے نماز پڑھے خولہ اس کا منہ کسی طرف ہو، فرجالا اور کباناً کی یہی تفسیر ہے۔ امام ابن المنذر اور امام ابن جریر نے مجاہد سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے چلتے ہوئے اور سواری پر، اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب سے فرمایا کہ جب تم جنگ میں سواریوں پر ہو اور خوف زیادہ ہو تو ہر شخص کسی بھی سمت کھڑا ہو کر یا سواری پر سر کے اشارہ سے یا زبان کے کلام سے یا جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھے۔ (لقد المنشور ج ۱)

ص ۳۰۸-۳۰۹، ملقطاً، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ امین (حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب علامہ مالوردی شافعی لکھتے ہیں:

یعنی اگر تمہیں دشمن کا خوف ہو تو تم اپنے پیروں پر یا اپنی سوارپوں پر ٹھہرے ہوئے یا چلتے ہوئے نماز پڑھو خولہ منہ قبلہ کی طرف ہو یا غیر قبلہ کی طرف، اشارہ سے یا بغیر اشارہ کے جس طرح بھی قدرت ہو، اس حالت میں نماز کی مقدار میں اختلاف ہے، جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ طریقہ کے مطابق دو رکعت نماز پڑھے گا، اور حسن نے کہا جب اسے خوف ہو تو ایک رکعت نماز پڑھے، اہل حجاز (شافعیہ) نے کہا اس پر بعد میں اس نماز کا اعلوہ نہیں ہے کیونکہ وہ معذور تھا، اور اہل عراق (حنفی) نے کہا اس پر اعلوہ واجب ہے کیونکہ چلنا نماز کے اہل میں سے نہیں ہے۔

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ہر حالت میں نماز کی حفاظت کا حکم دیا ہے، مرض ہو، حضر ہو، سفر ہو، قدرت ہو، عجز ہو، خوف ہو، امن ہو، نماز مکلف سے کسی حل میں ساقط نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھو، اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر۔ (صحیح بخاری، سنن ابو داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد) اور حضرت عبداللہ بن عمر نے صلوٰۃ خوف کے ذکر میں فرمایا: اگر زیادہ خوف ہو تو کھڑے ہوئے اور سوارپوں پر نماز پڑھو، خواہ منہ قبلہ کی طرف ہو یا نہ ہو، (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۲۵۶) اس سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھ لی جائے اور کسی حالت میں بھی نماز ساقط نہیں ہوگی حتیٰ کہ اگر صرف آنکھ کے اشارہ سے نماز پڑھی جاسکے تو اسی طرح لازم ہے، اسی وجہ سے نماز باقی عیالات سے ممتاز ہے، کیونکہ نماز کے علاوہ باقی عیالات عذر کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں، اور اسی سبب سے ہمارے علماء نے کہا ہے کہ تارک نماز کو قتل کر دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ جنگ کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ حضرت ابن عمر کی حدیث اور یہ آیت ان کے خلاف قوی دلیل ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۰۳-۳۰۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۸ھ)

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں: یہ آیت سورہ نساء کی اس آیت کے بعد نازل ہوئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ

الخوف پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے:

وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَلُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۚ (النساء: ۱۰۲)

جب آپ ان میں ہوں اور (جنگ کے دوران) انہیں نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ کو آپ کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے اور وہ لوگ اپنے ہتھیار لیے رہیں، پھر جب وہ سجدہ کر لیں تو (اے مسلمانو!) وہ تمہارے پیچھے چلے جائیں اور دوسرا وہ گروہ آ جائے جس نے نماز نہیں پڑھی، اور انہیں آپ کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے اور وہ بھی اپنی حفاظت کا سامان اور اپنا اسلحہ لیے رہیں۔

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تمہیں اس سے زیادہ خوف ہو تو تمہاروں سے لڑائی کے درمیان تم کو جس طرح قدرت ہو اس طرح نماز پڑھو، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ خندق کے دن ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں شفق کے غائب ہونے کے بعد پڑھیں یعنی عین حالت جنگ میں یہ نمازیں نہیں پڑھیں جیسا کہ اس آیت میں ہے اور ان کو موخر کر دیا (ترمذی، ابو یعلیٰ، بیہقی) تو اس حدیث اور اس آیت میں کیسے موافقت ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ خندق کا یہ واقعہ اس آیت (فان خفتهم فرجالا اور کباناً) کے نزول سے پہلے کا ہے۔ (سنن نسائی، صحیح ابن حبان)

(زوال المسیرج ص ۲۸۵-۲۸۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب
علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

اس آیت میں خوف کی حالت میں پاپیادہ اور سواری پر نماز پڑھنے کا حکم بیان فرمایا ہے، دوران جنگ اس طرح نماز پڑھنے کا حکم نہیں ہے (بلکہ دوران جنگ نماز پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو سورہ نساء میں ہے) جب کسی شخص کو دشمن گھیر لے اور اس کو سخت خطر ہو تو اس کے لیے اس طرح نماز پڑھنا جائز ہے اور جب خوف کی وجہ سے اس کے لیے سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے لیے رکوع اور سجود کو ترک کرنا جائز کر دیا تو اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کرے یا نہ کرے، اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خوف کی حالت میں بھی نماز کے ترک کرنے کی اجازت نہیں دی تو نبی ﷺ قتل میں مشغول تھے اور قتل میں مشغول ہونا نماز سے مانع ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ان کی قبروں اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ ان کے خلاف جنگ میں مشغول رہنے کی وجہ سے ہم صلوٰۃ وسطیٰ نہیں پڑھ سکے اگر یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دن ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کو کیوں ترک کر دیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خوف کی حالت میں اس طرح نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے دوران قتل اس طرح نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا اور جنگ خندق کے دن نبی ﷺ قتل میں مشغول تھے اور قتل میں مشغول ہونا نماز سے مانع ہے، اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ ان کے خلاف جنگ میں مشغول رہنے کی وجہ سے ہم صلوٰۃ وسطیٰ نہیں پڑھ سکے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نبی ﷺ نے جنگ خندق کے دن نمازیں اس لیے نہیں پڑھی تھیں کہ اس وقت تک صلوٰۃ خوف پڑھنے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ محمد بن اسحاق اور دہلوی کا اس پر اتفاق ہے کہ غزوہ ذات الرقاع، غزوہ خندق سے پہلے ہی لور نبی ﷺ نے غزوہ ذات الرقاع میں صلوٰۃ خوف پڑھی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کا غزوہ خندق میں نماز نہ پڑھنا قتل کی وجہ سے تھا اور قتل نماز کی صحت سے مانع اور اس کے مستثنیٰ ہے۔

بعض فقہاء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص خوف زدہ ہو اس کے لیے چلتے ہوئے بھی نماز پڑھنا جائز ہے خواہ وہ کسی پر حملہ آور ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر تم حالت خوف میں ہو تو پاپیادہ نماز پڑھو یا سواری پر، یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں چلتے کا ذکر نہیں، علاوہ ازیں حملہ آور خوف زدہ نہیں ہوتا کیونکہ اگر وہ حملہ کرنے کی بجائے واپس چلا جائے تو اسے کوئی خوف اور خطر نہیں ہوگا، اللہ سبحانہ نے اس طرح نماز پڑھنا خوف زدہ کے لیے

م شروع کیا ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب اس پر حملہ کیا جائے اس وقت حالت خوف میں اس کے لیے جائز ہے کہ وہ سواری پر نماز پڑھے یا چلتے ہوئے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۳۹-۳۴۸، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۳۰ھ)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا معاملہ کس قدر سنگین ہے باقی تمام عبادات عذر کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں لیکن جب جان کا خوف اور خطرہ ہو نماز اس وقت بھی معاف نہیں ہے اور اس حل میں بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم چلتے ہوئے یا سواری پر جس طرح بھی بن پڑے نماز پڑھ لو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نکلا نہ جائے پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر ان کے اس کام کا کوئی گناہ نہیں ہے جو انہوں نے دستور کے مطابق کیا ہے۔ (البقرہ: ۲۳۰)

حفاظت نماز اور عدت وفات میں مناسبت کا بیان

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ساتھ نکاح، معاشرت، ان کے حقوق اور فرائض، ان کی طلاق اور عدت کے احکام بیان فرمائے تھے اور چونکہ ان کے ساتھ زیادہ اشتغال عبادات میں خارج ہے اس لیے ان احکام کے درمیان میں نماز کی حفاظت اور اس کی تاکید کو بیان فرمایا حتیٰ کہ عین جنگ کی حالت میں بھی نماز ساقط نہیں ہوتی اور پابادہ یا سواری پر جس حل میں اور جس طرح بھی بن پڑے نماز پڑھی جائے گی اس تنبیہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر عورتوں کے ساتھ معاشرت کے احکام بیان فرمائے اور چونکہ پہلے ازدواج، طلاق، وفات اور مطلقیت غیر مدخولہ کے مہر اور ان کی متاع کا ذکر کیا تھا اس لیے ان احکام کو اب شوہر کی موت کے ذکر پر ختم کیا اور شوہر کی موت کے بعد بیوہ کی عدت کا ذکر فرمایا اور چونکہ پہلے مطلقیت غیر مدخولہ کے مہر اور متاع کا ذکر فرمایا تھا تو اب مطلقیت مدخولہ کے مہر اور ان کی عدت کا ذکر فرمایا۔

ایک سال تک عدت وفات کے منسوخ ہونے کا بیان

اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لوگ موت کی آہٹ محسوس کریں یا قریب المرگ ہوں وہ اپنی بیویوں کے لیے یہ وصیت کریں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکلا جائے، جمہور فقہاء اور مفسرین کے نزدیک یہ آیت سورہ بقرہ کی اس آیت سے منسوخ ہے جس میں فرمایا ہے: تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (عورتیں) اپنے آپ کو چار ماہ دس دن تک (عقد ثانی سے) روکے رکھیں (البقرہ: ۲۳۴)

امام ابن جریر طبری نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ پہلے جب کسی عورت کا خلوند فوت ہو جاتا تھا تو خلوند کے مل سے اس کے لیے ایک سال کی رہائش اور خرچ مہیا کیا جاتا تھا۔ پھر جب سورہ نساء میں عورت کی میراث مقرر کر دی گئی کہ اگر اس کے خلوند کی اولاد نہ ہو تو اس کو خلوند کے مل کا چوتھائی حصہ ملے گا اور اگر اس کی اولاد ہو تو پھر اس کو خلوند کے مل کا آٹھواں حصہ ملے گا، تو پھر رہائش اور نفقہ کا یہ حکم منسوخ ہو گیا، البتہ مجاہد کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے ان کے نزدیک اس کا محمل یہ ہے کہ بیوہ پر چار ماہ دس دن عدت گزارنا تو واجب ہے جیسا کہ البقرہ: ۲۳۴ میں مذکور ہے، اس کے بعد سال کے باقی ماندہ سات ماہ بیس دن میں عدت گزارنے کا اسے اختیار ہے چاہے وہ یہ عدت گزارے یا نہ گزارے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۶۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجہا۔ الی قولہ غیر اخراج اس آیت کو سورہ بقرہ کی دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے تو پھر آپ نے اس آیت کو مصحف میں کیوں لکھا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے کہا اے پیغمبر ہم اس آیت کو اسی طرح رہنے دیں گے قرآن مجید کی کسی آیت کو اس کی جگہ سے تبدیل نہیں کریں گے۔ (یعنی قرآن مجید کی آیات کو لکھنا امر تو قیسی تھا اور رسول اللہ ﷺ نے جس آیت کی جو جگہ بتائی تھی اس کو وہیں لکھا گیا تھا۔)

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۴۳۸ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کی بیوی ایک سال تک عدت گزارتی اس پر اس کی وراثت سے ایک سال تک خرچ کیا جاتا جب ایک سال پورا ہو جاتا تو وہ اپنے شوہر کے گھر سے نکلتی اور اس کے پاس ایک میٹھی ہوتی وہ ایک کتے کو میٹھی ملاتی اور شوہر کی عدت سے باہر آ جاتی، اور میٹھی کو مارنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ کہتی کہ میرے نزدیک خلوند کی وفات کے بعد میرا اس کی عدت گزارنا میرے نزدیک اس میٹھی کو مارنے سے زیادہ آسان تھا، اسلام نے اپنے ظہور کے بعد ان کو پہلے اپنے اسی دستور پر قائم رکھا اور بیوہ کی عدت ایک سال ہی برقرار رہی پھر اس کے بعد اس حکم کو سورہ البقرہ: ۲۳۷ سے منسوخ کر دیا گیا اور بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کر دی گئی۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۰۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

عدت وفات کے شرعی حکم میں اختلاف فقہاء

لام مالک کے نزدیک اگر خلوند کا اپنا یا کرایہ کا مکان ہو تو بیوہ کا اس گھر میں عدت گزارنا واجب ہے اور عدت سے پہلے گھر سے نکلتا مطلقاً جائز نہیں ہے، لام شافعی کا ظاہر قول یہ ہے کہ خلوند کے مل سے بیوہ کے لیے عدت تک رہائش مہیا کرنا واجب ہے۔ لام احمد کے نزدیک اگر بیوہ غیر حاملہ ہو تو اس کے لیے عدت کی رہائش کا استحقاق نہیں ہے اور اگر وہ حاملہ ہو تو پھر ان کے دو قول ہیں، اور لام ابو حنیفہ کے نزدیک بیوہ کا خلوند کے گھر میں عدت گزارنا واجب ہے لیکن وہ دن کے وقت میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

حدیث سے عدت وفات کا بیان

لام مالک روایت کرتے ہیں:

نعم بن بنت کعب بن عجرہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت فریدہ بنت مالک بن سنان جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں وہ روایت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں اور آپ سے یہ سوال کیا کہ وہ بنو خدرہ میں اپنے خاندان میں جا سکتی ہیں کیونکہ ان کے شوہر اپنے چند بھائے ہوئے غلاموں کو ڈھونڈنے گئے تھے حتیٰ کہ جب وہ قدم کے راستہ میں پہنچے تو انہوں نے ان غلاموں کو جلیا سو ان غلاموں نے ان کے شوہر کو قتل کر دیا، وہ کہتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ پوچھا کہ آیا میں بنو خدرہ میں اپنے میکہ میں جا سکتی ہوں تاکہ وہیں عدت گزاروں کیونکہ میرے خلوند نے اپنی ملکیت میں کوئی مکان چھوڑا ہے نہ فقہ، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ وہ کہتی ہیں کہ جب میں واپس ہوئی تھی کہ میں (بھی) جمہور میں تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے آواز دی، یا مجھے کسی سے آواز دے کر بلوایا آپ نے پوچھا تم نے کیا کیا تھا؟ میں نے آپ سے پھر اپنے خلوند کی وفات کا پورا قصہ دہرایا، آپ نے فرمایا تم اپنے گھر میں ٹھہری رہو حتیٰ کہ تمہاری عدت پوری ہو جائے، وہ کہتی ہیں کہ میں نے چار ماہ دس دن عدت گزار لی، جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا

تو انہوں نے مجھ سے اس کے متعلق سوال کیا میں نے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے اس حدیث کی بیہوشی کی اور اس کے مطابق فیصلہ کیا۔

(موطالم مالک ص ۵۳۱-۵۳۰، مطبوعہ مطبعہ مجلی پاکستان لاہور) (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۱۵-۳۱۴، جامع ترمذی ص ۱۴۳، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۴۱، سنن ابن ماجہ ص ۳۶۱، سنن دارمی ج ۲ ص ۹۰)

عدت وفات کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی بیان کرتے ہیں:

اگر بیوہ غیر حاملہ ہو تو اس کے لیے سکنی (رہائش) نہیں ہے یہ قول واحد ہے اور اگر وہ حاملہ ہو تو پھر دو قول ہیں، ایک قول کے مطابق خلوند کے ترکہ سے وہ رہائش کی مستحق ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ رہائش کی مستحق نہیں ہے۔

اگر وہ غیر حاملہ ہو تو اس کے لیے رہائش نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلوند کے ترکہ سے بیوی کو چوتھائی یا آٹھواں حصہ دیا ہے اور باقی ترکہ دوسرے وارثوں کا ہے اور رہائش مکان بھی ترکہ میں سے ہے اس لیے واجب ہے کہ وہ اپنے حصہ سے زیادہ کی مستحق نہ ہو، نیز موت کے بعد وہ اپنے شوہر سے بائن (منقطع) ہوگئی اور اب وہ مطلقہ ثلاثہ کے مشابہ ہے (حنبلیہ کے نزدیک مطلقہ ثلاثہ رہائش اور نفقہ کی مستحق نہیں ہوتی) اس لیے وہ رہائش کی مستحق نہیں ہوگی۔

اور اگر وہ حاملہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ وہ رہائش کی مستحق ہوگی کیونکہ وہ اپنے خلوند سے حاملہ ہے تو مطلقہ رجعیہ پر قیاس کرتے ہوئے اس کے لیے رہائش واجب ہوگی اور جب ہم کہتے ہیں کہ وہ رہائش کی مستحق ہے تو وہ اس مکان میں رہائش کی مستحق ہے جس میں وہ دیگر ورثاء کے ساتھ رہتی تھی۔ امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے، اگر کسی وجہ سے اس مسکن میں رہائش نہ ہو سکے تو وارث پر لازم ہے کہ میت کے مال سے اس کے لیے کرائے پر مکان حاصل کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو حاکم اس کو مجبور کرے، اور بغیر عذر کے بیوہ کے لیے اس مکان سے دوسری جگہ منتقل ہونا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس مکان میں عدت گزارنا اللہ کے حقوق سے ہے اور یہ سوگ کرنے کا تمہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”ان عورتوں کو ان گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔ الا یہ کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں (الطلاق: ۱) ہمارا دوسرا قول یہ ہے کہ حاملہ بیوہ کے لیے رہائش مکان کا استحقاق نہیں ہے، اگر وارث یا سلطان یا کوئی اجنبی خوشی سے اس کو شوہر کے مکان میں رہنے دے تو اس پر وہاں عدت گزارنا لازم ہے، اور اگر وہ منع کریں تو اس کے لیے دوسری جگہ عدت گزارنا جائز ہے۔ اور اس کے وہی دلائل ہیں جو ہم نے غیر حاملہ کے سلسلہ میں بیان کئے ہیں اور نبی ﷺ نے حضرت فریہ کے لیے مکان کو لازم کیا تھا وہ ایک خاص واقعہ تھا ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ کو علم ہو کہ اس کے وارثوں نے اس کو اس مکان میں رہنے کی اجازت دے دی ہے، آپ نے بیوہ کے لیے استحقاق رہائش کا کوئی قلعہ کلیہ نہیں بیان فرمایا تھا۔

(المغنی ج ۸ ص ۱۲۸-۱۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

عدت وفات کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ ابوالعباس ربیع شافعی لکھتے ہیں:

زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ جو عورت عدت وفات گزارے اس کے لیے بھی رہائش مہیا کرنا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فریہ سے فرمایا تھا تم اپنے شوہر کے گھر رہو حتیٰ کہ تمہاری عدت پوری ہو جائے، سو انہوں نے اس گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزار لی، امام ترمذی وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے لیے

جس طرح نفقہ کا استحقاق نہیں ہے اسی طرح اس کے لیے رہائش کا بھی استحقاق نہیں ہے اور پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ رہائش اس کے پانی (منی) کی حفاظت کے لیے ہوتی ہے اور وہ اس کی وفات کے بعد بھی موجود ہے، اور نفقہ کا وجوب خلوند کے تسلط کی وجہ سے ہوتا ہے اور موت سے وہ منقطع ہو گیا، نیز نفقہ عورت کا حق ہے اور وہ میراث سے ساقط ہو گیا اور رہائش اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور وہ ساقط نہیں ہوا۔ (نہایت المحتاج ج ۷ ص ۱۵۳، دارالکتب العلمیہ بیروت)

عدت وقات کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ قرطبی مالکی حضرت فریہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: جاز اور عراق کے علماء کے درمیان یہ حدیث معروف ہے اور اس حدیث کی بناء پر وہ کہتے ہیں کہ بیوہ شوہر کے گھر عدت گزارے اور گھر سے باہر نہ نکلے۔ داؤد ظاہری یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید نے بیوہ پر عدت گزارنا لازم کیا ہے، یہ لازم نہیں کیا کہ وہ شوہر کے گھر عدت گزارے، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے، موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیوہ عورتوں کو عدت سے پہلے حج پر جانے سے بھی منع کرتے تھے، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا ان کے نزدیک بیوہ کا خلوند کے گھر عدت گزارنا لازم تھا، اور قرآن اور سنت کا یہی مقتضی ہے۔ اس لیے عدت سے پہلے بیوہ کا حج اور عمرہ کے لیے بھی جانا جائز نہیں ہے۔ امام مالک نے کہا جب تک بیوہ نے احرام نہ باندھا ہو اس کو گھر لوٹا دیا جائے گا۔ یہ حکم اس وقت ہے جب خلوند کا گھر اس کی ملکیت میں ہو۔ امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ، امام احمد اور اکثر فقہاء کا یہی مسلک ہے جیسا کہ حضرت فریہ کی حدیث میں ہے اور اگر خلوند اس گھر میں رہتا ہو لیکن اس کا مالک نہ ہو تو عدت کے دوران بیوہ کے لیے اس میں رہنے کا استحقاق ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت فریہ کے خلوند اس گھر کے مالک نہیں تھے پھر بھی آپ نے حضرت فریہ سے فرمایا تم عدت پوری ہونے تک اس گھر میں رہو، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے، یہ حکم اس وقت ہے جب اس کا خلوند اس مکان کا کرایہ دیتا رہا ہو لیکن اگر خلوند نے اس مکان کا کرایہ نہ دیا ہو تو خلوند خولہ امیر ہو اس کے مل سے بیوہ کے لیے رہائش کا کوئی استحقاق نہیں ہے کیونکہ بیوہ کا رہائش پر استحقاق اس وقت ہو گا جب خلوند کی مکان پر مکمل ملکیت ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۷۸-۱۷۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

عدت وقات کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

مطلقہ اور بیوہ اس گھر سے باہر نہ نکلے جس میں وہ رہتی تھی، البتہ بیوہ دن میں باہر جاسکتی ہے لیکن رات اس گھر میں اگر گزارے، مطلقہ کے باہر نہ نکلنے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِغَارٍ حَشْوَةٍ مُبَيَّنَةٍ. (الطلاق: ۱)

ان مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو، نہ وہ خود نکلیں، یہ کہ وہ مکمل بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

اور بیوہ کے گھر سے باہر نہ جانے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ

بیوہ عورتوں کو ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے

(البقرة: ۲۳۰) نکال نہ جائے۔

پھر چار ماہ دس دن سے زائد مدت کو البقرة: ۲۳۳ سے منسوخ کر دیا اور چار ماہ دس دن کی مدت تک یہ حکم باقی رہا، اور

حضرت فریہ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فریہ کو ان کے خلوند کے گھر سے نکل ہونے سے منع فرمادیا تھا، اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ بیوہ خلوند کے گھر سے نکل نہ ہو اور ثانی یہ کہ بیوہ کا گھر سے باہر نکلنا ممنوع نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے گھر سے باہر نکلنے سے منع نہیں فرمایا اور حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت ام سلمہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے کہ بیوہ عورت دن میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے لیکن رات اس گھر میں گزارے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۳۸-۳۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

مطلقہ عورتوں کے مہر کی ادائیگی کا وجوب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مطلقہ عورتوں کے لیے دستور کے مطابق متاع ہے جو اللہ سے ڈرنے والوں پر واجب ہے۔ (البقرہ: ۲۳۲)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا ذکر فرمایا تھا کہ انہیں ایک سال کا نفقہ اور رہائش مہیا کی جائے، اور اس آیت میں مطلقہ عورتوں کا ذکر فرمایا جو طلاق یافتہ اور مدخول بہا عورتیں ہیں کہ اگر ان کا مہر پہلے مقرر تھا تو طلاق کے وقت ان کو، ان کا پورا مہر ادا کیا جائے اور اگر پہلے ان کا مہر مقرر نہیں تھا تو ان کو مہر مثل ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کے حقوق کے بعد مطلقہ عورتوں کے حقوق کا ذکر فرمایا اس میں یہ اشارہ ہے کہ طلاق بھی بہ منزلہ موت ہے کیونکہ جس طرح شوہر کی موت کے بعد شوہر سے علیحدگی ہو جاتی ہے، اسی طرح طلاق کے بعد بھی شوہر سے علیحدگی ہو جاتی ہے۔ مہر کی پوری تفصیل اور تحقیق ان شاء اللہ ہم النساء: ۴ میں بیان کریں گے۔

اس آیت میں مطلقات سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو مباشرت کے بعد طلاق دی گئی ہو کیونکہ جن عورتوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دی گئی ہو ان کا حکم البقرہ: ۲۳۶ میں بیان کیا جا چکا ہے اور متاع سے مراد مہر ہے، اور طلاق کے بعد مہر کا ادا کرنا واجب ہے، خواہ مقرر شدہ مہر ہو یا مہر مثل، بعض علماء نے کہا ہے کہ متاع سے مراد عورت کا لباس وغیرہ ہے یعنی مطلقہ عورتوں کو مہر کے علاوہ لباس وغیرہ بھی دیا جائے، اور جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی اس کو لباس دینا واجب ہے اور باقی تین قسم کی مطلقہ عورتوں (جن کا مہر مقرر کیا گیا ہو خواہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، اور وہ مدخولہ جس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو) کو لباس دینا مستحب ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَارٌ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں موت کے خوف سے اپنے گھروں

الموت فقال لهم الله موتوا ثم احياهم ان الله لنادو

سے نکلے، سو اللہ نے ان سے فرمایا مر جاؤ، پھر اللہ نے ان کو زندہ کر دیا، بے شک اللہ لوگوں پر فضل

فَضِّلْ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۳۳﴾ وَ

کرنے والا ہے۔ لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے اور اسے

قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۳۴﴾ مَنْ

مسلمان! تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو، اور یقین رکھو کہ اللہ بہت سننے والا، بہت جاننے والا ہے وہ کون

ذَ الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ أَضْعَافًا

ہے جو اللہ کو قرض سن مے؛ تو اللہ اس کو بڑھا کر اس کے لیے کئی گنا کر مے،

كَثِيرَةً ط وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۳۵﴾

اور اللہ ہی کشی اور کشادگی فرماتا ہے اور اسی کی طرف تم (سب) لوٹائے جاؤ گے

طاعون سے ڈر کر بھاگنے والوں کا مرنا اور دوبارہ زندہ ہونا

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ طلاق بہ منزلہ موت ہے اور طلاق سے رجوع کرنا بہ منزلہ حیات ہے، اور یہ موت اور حیات مجازاً ہے اور جملہ کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں جان دینا بہ ظاہر موت ہے اور حقیقتہً "شہادت کی صورت میں حیات ہے" سو اس سے پہلی آیات میں دنیوی اور معاشرتی زندگی کے اعتبار سے موت اور حیات کا ذکر کیا گیا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ دینی اور اخروی اعتبار سے موت اور حیات کا ذکر فرما رہا ہے، اور چونکہ قریب ترین امت بنو اسرائیل تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جملہ کے معاملہ میں بنو اسرائیل کے احوال بیان فرمائے، یہ لوگ طاعون کی صورت میں موت کے ڈر سے بھاگے، اللہ نے ان پر موت طاری کی اور پھر ان کو زندہ کیا۔ اس میں بھی موت اور حیات کا ذکر ہے۔ پھر ان کو جملہ کا حکم دیا اس میں بھی موت اور حیات کا ذکر ہے۔

حافظ جلیل الدین سیوطی بیان فرماتے ہیں: امام ابن جریر، امام ابن المنذر اور امام حاکم نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان لوگوں کی تعداد چار ہزار تھی اور یہ دلوں دن نام کے ایک شہر کے رہنے والے تھے، یہ لوگ طاعون کے ڈر سے اس شہر سے بھاگ نکلے۔ امام ابن جریر، امام ابن المنذر اور امام ابی حاتم نے سدی کی سند سے حضرت ابومالک سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ دلوں دن نام کی ایک بستی جو واسطہ کے قریب تھی، اس میں طاعون پھیل گیا۔ لوگوں کی ایک جماعت تو اس میں ٹھہری رہی اور ایک جماعت بھاگ نکلی، جو لوگ ٹھہرے رہے تھے ان میں سے کچھ مر گئے اور بھاگنے والے بچ گئے، جب طاعون ختم ہو گیا تو وہ لوگ واپس آ گئے، اس شہر کے زندہ بچنے والے لوگوں نے کہا ہمارے بھائی ہم سے زیادہ سمجھدار نکلے کاش ہم سب ان کی طرح نکل جاتے اور سب بچ جاتے، اور اگر ہم اگلے طاعون تک زندہ رہے تو ایسا ہی کریں گے۔ اگلے سال پھر طاعون آیا اس بار سب نکل بھاگے، جو پہلے رہ گئے تھے وہ بھی اور جو نکل گئے تھے وہ بھی، ان لوگوں کی تعداد تیس ہزار سے زائد تھی، وہ لوگ دو پہاڑوں کے درمیان

ایک ولوی میں قیام پذیر ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس دو فرشتے بھیجے ایک فرشتہ ولوی کے لوپر تھا اور دوسرا ولوی کے نیچے تھا، ان دونوں فرشتوں نے ان کو ندا کر کے کہا مرجلو، تو وہ سب مر گئے، پھر جب تک اللہ نے چلا وہ اسی طرح مودہ پڑے رہے۔ پھر وہیں سے حضرت حزقیل نبی علیہ السلام کا گذر ہوا، انہوں نے اتنی ساری ہڈیوں کو دیکھا تو بہت حیران ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کہ آپ یہ ندا کریں کہ اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں مجتمع ہونے کا حکم دیتا ہے، تو ولوی کے لوپر لوڑ نیچے سے تمام ہڈیاں مجتمع ہو گئیں، اور ہر جسم کی ہڈیاں آپس میں جڑ گئیں، اور بغیر خون اور گوشت کے ہڈیوں کے اجسام بن گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ آپ یہ کہیں کہ اے ہڈیو! اللہ تمہیں گوشت سے ملبوس ہونے کا حکم دیتا ہے تو تمام ہڈیوں پر گوشت آگیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ان کو ندا کر کے یہ کہیں کہ اللہ تمہیں کھڑے ہونے کا حکم دیتا ہے تو وہ سب زندہ ہو کر اٹھ گئے اور بے اختیار ان کی زبانوں پر جاری ہوا سبحانک لا الہ الا انت اور پھر وہ اپنے شہروں کی طرف واپس گئے، وہ وہیں رہنے لگے مگر وہ جب بھی کوئی لباس پہنتے تو وہ ان کے جسم پر ایک بوسیدہ کفن کی صورت اختیار کر لیتا جس سے اس زمانہ کے لوگوں نے پہچان لیا کہ یہ لوگ درحقیقت مرچکے ہیں وہ لوگ اپنی طبعی حیات پوری ہونے تک وہیں رہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۰ مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

وقت سے پہلے موت آنے اور تیسری موت کے اشکل کا جواب

اس روایت پر یہ اشکل ہوتا ہے کہ اللہ نے تو فرمایا ہے:

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ○
ہر گروہ کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور جب ان کا وقت آجائے گا تو وہ اس سے ایک ساعت پیچھے نہیں گئے نہ آگے

(یونس: ۴۹) بڑھیں گے۔

پھر طاعون سے بھاگنے والے ان لوگوں کو وقت سے پہلے موت کیسے آگئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ موت وہ نہیں تھی جو طبعی حیات مکمل ہونے کے بعد طاری ہوتی ہے وہ موت اپنا وقت پورا ہونے کے بعد ان پر طاری ہوئی، یہ موت طاعون سے بھاگنے کی سزا کے طور پر تھی اور اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت حزقیل علیہ السلام کی وجاہت کو ظاہر فرمایا کہ ان کی دعا سے مردوں کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح یہ اشکل ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کے دن کفار کہیں گے:

رَبَّنَا آمَنَّا أَثْنَيْنِ وَأَحْيَيْنَا أَثْنَيْنِ
اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو بار موت دی اور دو بار

(المومن: ۱۱) زندہ فرمایا۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان کے لیے دو موتیں اور دو زندگیاں ہیں ایک موت نطفہ کی صورت میں اور اس کے بعد ولادت کی صورت میں حیات، دوسری موت طبعی حیات پوری ہونے کے بعد اور دوسری حیات قیامت کے دن جب مردوں کو اٹھایا جائے گا، اور ان لوگوں کے لیے تین موتیں اور تین حیاتیں ہو گئیں، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے عادتاً اور معمول کے مطابق دو موتیں اور دو زندگیاں ہیں اور ان پر جو تیسری موت اور تیسری حیات آئی وہ خلاف عادت اور خلاف معمول تھی۔

الم تر (کیا آپ نے نہیں دیکھا) کی تحقیق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا۔ (البقرة: ۲۳۳)

صفت کے معنی دیکھنا ہیں اور یہ لفظ صفت فہمی یعنی علم کے معنی میں بھی آتا ہے اس لیے کیا آپ نے نہیں دیکھا اس کا معنی ہے کیا آپ نے نہیں جانتا؟ یہ جملہ ان چیزوں کے لیے کہا جاتا ہے جو پہلے مذکور ہوں اور جن کا پہلے علم ہو اور ان کا استعمال ان چیزوں کو یاد دلانے، ان کو مقرر اور ثابت کرنے اور ان پر تعجب میں ڈالنے کے لیے ہوتا ہے اور کہیں اس کے بغیر بھی اس جملہ کو استعمال کیا جاتا ہے اور اس وقت یہ کسی چیز کی خبر دینے اور اس خبر پر تعجب میں ڈالنے کے لیے ہوتا ہے اور کبھی اس کو مجازاً استعمال کرتے ہیں اور جس نے کسی چیز کو نہیں دیکھا ہوا ہوتا اس کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں جس نے اس چیز کو دیکھا ہوا ہوتا ہے تاکہ مخاطب اس پر متنبہ ہو کہ یہ چیز اس پر مخفی نہیں ہونی چاہیے تھی اور اس کو اس پر تعجب ہونا چاہیے تھا یا یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ چیز شہرت کے اس درجہ میں ہے کہ کسی پر مخفی نہیں ہے حتیٰ کہ مخاطب پر بھی مخفی نہیں ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اس کے بعد جو واقعہ ذکر کیا جا رہا ہے اس پر غور و فکر کیا جائے اور اس سے عبرت حاصل کی جائے اور اس واقعہ میں لائق غور یہ چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں لوگوں پر موت طاری کرنے کے بعد ان کو زندہ کر دیا اور جو اس دنیا میں موت کے بعد زندہ کرنے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن بھی مردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے اور عبرت کا تعلق اس چیز سے ہے کہ طاعون سے ڈر کر شر چھوڑ کر بھاگنا اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب ہے۔ سو طاعون سے گھبرا کر شر نہیں چھوڑنا چاہیے اس میں تقدیر پر ایمان رکھنے کے علاوہ یہ حکمت ہے کہ طاعون زدہ علاقہ کے لوگ جب دوسرے علاقوں میں جائیں گے تو طاعون کے جراثیم اپنے ساتھ لے جائیں گے اور دوسرے علاقوں میں بھی طاعون پھیل جائے گا طاعون زدہ علاقہ میں جانا بھی نہیں چاہیے شام کے علاقہ عمو اس میں طاعون پھیلا ہوا تھا حضرت عمروہاں نہیں گئے اور فرمایا ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف بھاگ رہے ہیں۔

لام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت اسلمہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم کسی علاقہ میں طاعون کے متعلق سنو تو وہاں مت داخل ہو اور اگر تم کسی علاقہ میں ہو اور وہاں طاعون پھیل جائے تو وہاں سے نہ نکلو۔
(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

طاعون کی مفصل بحث ہم البقرہ ۵۵ میں کر چکے ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقدیر پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور موت سے نہیں بھاگنا چاہیے۔

جلو کی تحریک

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مسلمانو!) تم اللہ کی راہ میں جلو کرو (البقرہ ۲۳۳)

اس سے پہلی آیت میں طاعون سے بھاگنے والوں کا جو قصہ بیان کیا گیا تھا وہ مسلمانوں کو جلو پر ابھارنے کے لیے تھا کیونکہ موت سے کسی کو مفر نہیں تو کیوں نہ موت کو شہادت کی صورت میں گلے لگایا جائے۔ پہلے فرمایا تھا ان لوگوں کے واقعہ میں غور و فکر کرو اور اب فرمایا ہے اللہ کی راہ میں جلو کرو اس سورت میں دین اسلام کے بنیادی احکام بیان کئے گئے ہیں اور غلظت، روزہ، حج اور جلو کا بار بار عجیب و غریب پیرایوں سے ذکر کیا گیا ہے اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ مسلمانوں کو معاشرتی مصروفیت اور کامداری میں مشغولیت کی وجہ سے جلو سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے؟ تو اللہ اس کو بڑھا کر اس کے لیے کئی گنا کر دے! کائنات کی ہر چیز اللہ کی ملک ہے اس لیے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے کو مجازاً "قرض فرمایا ہے یا اللہ کے بندوں کو قرض دینا کو یا اللہ کو قرض دینا ہے اور اس میں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح مقروض "قرض خولہ کو قرض دلہن کہتا ہے اسی طرح تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ آخرت میں اس کا اجر عطا فرمائے گا۔

اس سے پہلی آیت میں جملہ کا حکم دیا تھا اور جملہ مل کے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ جملہ کے لیے سواریاں، آلات حرب اور خوراک اور رسد کو مل کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا اس لیے اس آیت میں اللہ کی راہ میں مل خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے، اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے مل خرچ کرنے کو اللہ کو قرض دینے کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے اور اس میں بتایا ہے کہ یہ مل ضائع نہیں ہوگا بلکہ آخرت میں کئی گنے اجرو ثواب کے ساتھ تمہیں مل جائے گا، دنیا میں لوگ زیادہ سے زیادہ دگنے چو گنے سود پر قرض دے دیتے ہیں اللہ تمہیں اس مل کا اجر دس گنا، ستر گنا، سات سو گنا، چودہ سو گنا اور اس سے بھی زائد عطا فرمائے گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ آدمی کسی محبت اور تعلق کی وجہ سے قرض دیتا ہے تو اللہ سے زیادہ اور کون محبت کا مستحق ہے، سو اگر تم محبت کی بناء پر مل خرچ کرتے ہو تو اللہ سے اور اللہ کے دین کی سربلندی سے زیادہ اور کوئی محبت کا محل نہیں ہے اور اگر فائدہ اور بڑھوتری کے لیے مل خرچ کرتے ہو تو اس سے زیادہ اور کوئی فائدہ کی صورت نہیں ہے۔ اور اس قرض کو قرض حسن فرمایا یعنی یہ قرض اخلاص نیت اور پاکیزہ مل کے ساتھ دیا جائے، لوگ جو آپس میں قرض کا لین دین کرتے ہیں وہ برابر برابر ہونا چاہیے اگر قرض دینے والا یہ شرط لگائے کہ وہ اصل رقم سے ایک معین رقم زائد لے گا تو یہ سود ہے اور اگر مقروض بغیر کسی پیشگی شرط کے قرض خواہ کو اصل رقم سے کچھ زائد ادا کر دے تو یہ قرض حسن ہے، نبی ﷺ عموماً "جب کسی سے قرض لیتے تو اس کو اصل سے زائد لیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا لوگوں میں اچھا شخص وہ ہے جو قرض کو اچھی طرح ادا کرے، اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا وہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن یعنی اچھا قرض دے اور چونکہ انسان فطرتاً "بخیل ہے اس لیے فرمایا اللہ تعالیٰ آخرت میں اس قرض کا اجر کئی گنا زائد بڑھا کر عطا فرمائے گا، نیز فرمایا اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے یہ اس لیے فرمایا کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ اللہ کی راہ میں مل خرچ کرنے سے تم تنگی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ کیونکہ اس سے تنگی نہیں ہوتی تنگی اور کشادگی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ و قدرت میں ہے۔

قبض اور بسط کا معنی

اللہ تعالیٰ اپنی جبروتیت سے موحدین کی ارواح کو نور انبی میں قبض کر لیتا ہے، اور عارفین کے اسرار کو مشاہدہ ذات میں بسط کر دیتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ قبض اللہ کا سر ہے اور بسط اس کا کشف ہے، ایک قول یہ ہے کہ مریدین کے لیے قبض ہے اور مرادین کے لیے بسط ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ مشتاقین کے لیے قبض ہے اور عارفین کے لیے بسط ہے اور مشہور یہ ہے کہ قبض اور بسط بندہ کی ترقی کی دو حالتیں ہیں جب عارف پر خوف کا غلبہ ہو تو یہ قبض کی حالت ہے اور جب اس پر رجاء کا غلبہ ہو تو یہ بسط کی حالت ہے اور جب اس کے قلب پر واردات غیبیہ ہوں تو آثار جلال کو قبض اور آثار جمال کو بسط کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں:

لام سید بن منصور، لام ابن سعد، لام بزار، لام ابن جریر، لام ابن المنذر، لام حکیم ترمذی، لام طبرانی اور لام بیہقی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے؟ تو اللہ اس کو بڑھا کر اس کے لیے کئی گنا کر دے تو حضرت ابو الدحداح انصاری نے کہا یا رسول اللہ! کیا واقعی اللہ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ابو الدحداح! انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اپنا ہاتھ بڑھائیں آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا، انہوں نے کہا میں نے اپنا بلغ اپنے رب کو قرض دے دیا اور ان کے بلغ میں چھ سو کھجور کے درخت تھے، ام الدحداح اور ان کے بچے اس بلغ میں تھے، ابو الدحداح وہاں گئے اور ام الدحداح کو آواز دے کر کہا اے ام الدحداح یہاں سے نکلو میں نے یہ بلغ اپنے رب عزوجل کو قرض دے دیا ہے۔

لام ابو الشیخ اور لام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ایک فرشتہ یہ کہتا رہتا ہے کہ وہ کون ہے جو آج اللہ کو قرض حسن دے اور کل اس کی جزا لے لے اور ایک اور دروازہ پر فرشتہ یہ کہتا ہے کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس خرچ کا بدل عطا فرما اور بخیل کے مال کو ضائع کر دے، اور ایک دروازہ پر فرشتہ یہ کہتا ہے کہ اے لوگو اپنے رب کی طرف بڑھو! وہ قلیل مال جو کافی ہو وہ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جو غافل کرنے والا ہو، اور ایک اور دروازہ پر فرشتہ یہ کہتا ہے اے بنو آدم! موت کے لیے جھگڑے پاؤ اور ویران ہونے کے لیے مکان بناؤ۔

لام بیہقی نے شعب اللایمن میں حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل فرماتا ہے: اے ابن آدم اپنے خزانے کو میرے پاس امانت رکھو، نہ جلع گا، نہ ڈوبے گا، نہ چوری ہوگا! اور تمہاری ضرورت کے وقت میں تم کو دے دوں گا۔
(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۳-۳۴ مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَا مِنْ بَنِي إِسْرَءِیْلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰی اِذْ قَالُوْا

کیا آپ نے موسیٰ (کے وفات) کے بعد بنو اسرائیل کے ایک گروہ کو نہیں دیکھا! جب انہوں نے (اپنے) نبی سے کہا

لِنَبِیِّ لَہُمْ اُبْعَثْ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ ہَلْ عَسِیْتُمْ

ہمارے لیے کوئی بادشاہ مقرر کر دیں تو ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، (نبی نے) کہا اگر تم پر

اِنْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ اَلَا تُقَاتِلُوْا قَالُوْا وَمَا لَنَا اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ

قتال فرض کر دیا جائے تو شاید تم قتال نہیں کرو گے انہوں نے کہا ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم اللہ کی راہ

سَبِیْلِ اللّٰہِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَابْنَا بِنَا فَلَمَّا کُتِبَ

میں قتال نہ کریں ملائے ہمیں اپنے محرموں اور اہل دیار سے نکال دیا گیا ہے، چر جب ان پر قتال

مکمل اول

عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۳۴﴾

فرض کیا گیا تو چند لوگوں کے سوا باقی سب نے مدد دانی کی اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا

اور ان کے نبی نے ان سے کہا بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارے لیے بادشاہ مقرر فرما دیا ہے، انہوں نے کہا

أَنِّي يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ

اس کی بادشاہی ہم پر کیسے ہوگی، حالانکہ ہم اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق ہیں اور اس کو

يُؤْتِ سَاعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَ

مال دست بھی نہیں دی گئی، (ان کے) نبی نے کہا بے شک اللہ نے اس کو تمہارے لیے منتخب

زَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنُ

فرمایا ہے اور اس کو علم اور جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرمائی ہے اور اللہ جسے چاہے اپنا ملک عطا فرماتا ہے

يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۳۵﴾

اور اللہ بڑی وسعت والا، بہت علم والا ہے

نبی ﷺ اور مسلمانوں کو بنو اسرائیل کی ایک جماعت کے جہلو کی طرف متوجہ کرنے کے اسرار۔

اس سے پہلی آیتوں میں مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا تھا اور مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کرنے کے لیے پچھلی امتوں میں سے ان لوگوں کے احوال کو بیان فرمایا تھا جو موت سے ڈر کر بھاگے پھر بھی ان کو موت نے آلیا تاکہ مسلمان یہ غور کریں کہ جب موت سے مفر نہیں ہے تو کیوں نہ شہادت کے آئینہ میں موت کا استقبال کیا جائے اور ان آیتوں میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کو جو جہاد کا مکلف کیا ہے وہ ان پر کوئی پہلایا حکم نہیں ہے، ان سے پہلے بھی بنو اسرائیل کو جہاد کا مکلف کیا گیا تھا اور جب کسی حکم کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کسی ایک جماعت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ میں ہر امت کو اس حکم کا مکلف کیا جاتا رہا ہے تو اس حکم کا بار مشقت کم ہو جاتا ہے۔

نبی ﷺ سے آپ کے زمانہ کے بنو اسرائیل اللہ کے حکم کی اطاعت اور آپ کی نبوت پر ایمان لانے میں فضول ضد بحث اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے تھے، اور نبی ﷺ کو ان کی ضد اور کج بخشی سے ملال ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں اور آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک نبی کے زمانے میں بنو اسرائیل کی

خدا اور ہٹ دھرمی کی طرف حوجہ فرمایا کہ یہ ضد اور ہٹ دھرمی ہمیشہ سے بنو اسرائیل کا وتیرہ رہا ہے اور یہ ان کے عمل کا ایک تسلسل ہے جو آپ کے زمانہ کے بنو اسرائیل میں بھی پایا جاتا ہے۔
بنو اسرائیل کی اس جماعت کے نبی آیا شمول تھے یا شمعون؟

اس آیت میں جس نبی کا ذکر کیا گیا ہے اس کے مطلق مفسرین کا اختلاف ہے، وہب بن منبہ نے بیان کیا کہ وہ نبی شمول تھے۔ سدی نے کہا اس نبی کا نام شمعون ہے۔ معمر نے قلدہ سے روایت کیا ہے کہ یہ نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وقت کے بعد حضرت یوشع بن نون تھے۔

لام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

وہب بن منبہ نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وقت کے بعد بنو اسرائیل میں حضرت یوشع بن نون خلیفہ ہوئے اور انہوں نے تورات کے احکام کو نافذ کیا۔ ان کے بعد حضرت کالب بن یوقنا خلیفہ ہوئے انہوں نے بھی تورات کے احکام کو نافذ کیا۔ ان کی وقت کے بعد حضرت حزقیل بن یوزی خلیفہ ہوئے ان کی وقت کے بعد بنو اسرائیل میں کئی حلوٹ ہوئے اور انہوں نے تورات کے احکام کو فراموش کر کے بت پرستی شروع کر دی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں الیاس بن نسی فخاص بن العیرار بن حارون بن عمران کو مبعوث کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان نبیوں کو تورات کے احکام کی تجدید کے لیے فرمایا تھا، حضرت الیاس کے ساتھ بنو اسرائیل کے بلو شاہوں میں سے ایک بلو شاہ تھا جس کا نام احلب تھا، اس وقت تمام بنو اسرائیل بت پرستی کرتے تھے اور حضرت الیاس ان کو اللہ وحدہ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے، حضرت الیاس کی دعوت کو بنو اسرائیل مسترد کر دیتے تھے، صرف ایک بلو شاہ ان کی دعوت سناتا تھا اور وہ بھی بت پرستی میں مشغول ہو گیا، پھر ان کے بعد حضرت الیسع خلیفہ ہوئے، وہ بھی کچھ عرصہ بعد وفات پا گئے، پھر یکے بعد دیگرے نبی آتے رہے، ان کے پاس ایک تابوت تھا جو آباؤ اجداد سے ان کے پاس چلا آتا تھا، اس میں سیکنہ اور آل موسیٰ اور آل حارون کے بقیہ تہرکت تھے، ان کا جب بھی کسی دشمن سے مقابلہ ہوتا وہ اس تابوت کو آگے کر دیتے اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کو دشمنوں پر فتح عطا فرماتا۔ پھر ان میں ایک بلو شاہ ہوا جس کا نام ایلاء تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایلیا کے پہاڑ میں برکت رکھی تھی، اس طرف سے ان پر دشمن حملہ نہیں کرتا تھا، اور جب ان کی برائیاں حد سے بڑھ گئیں تو وہ تابوت ان کے ہاتھ سے جاتا رہا وہ بلو شاہ مارا گیا اور انہوں نے اپنے دشمن سے شکست فاش کھائی، اس وقت ان میں حضرت شمول نبی تھے اور یہی وہ نبی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے ذکر کیا ہے کہ اے نبی کیا آپ نے موسیٰ کے بعد بنو اسرائیل کے ایک گروہ کو نہیں دیکھا جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا ہمارے لیے کوئی بلو شاہ مقرر کر دے تو ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (نبی نے) کہا اگر تم پر قتل فرض کر دیا جائے تو شاید تم قتل نہیں کرو گے! انہوں نے کہا ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں قتل نہ کریں حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور اہل و عیال سے نکلنا پڑا ہے، پھر جب ان پر قتل فرض کیا گیا تو چند لوگوں کے سوا باقی سب نے روگردانی کی اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔ لام ابن اسحاق نے وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ جب بنو اسرائیل پر مہجیس نازل ہوئیں اور انہیں ان کے دشمنوں سے نکلنا پڑا تو انہوں نے اپنے نبی حضرت شمول بن ہلی سے کہا ہمارے لیے ایک بلو شاہ مقرر کر دیں ہم اللہ کی راہ میں قتل کریں گے۔ اور بنو اسرائیل کے ہلی یہ طریقہ تھا کہ بلو شاہ دیہوی امور کا انتظام کرتا تھا اور نبی اللہ کی طرف سے احکام بیان کرتا تھا اور دین میں رہنمائی کرتا تھا، جب وہ دونوں کی لطافت

کرتے تو ان کے حالات درست رہتے اور جب بلوشہ سے سرکشی کرتے اور انبیاء کی اطاعت نہ کرتے تو ان کے حالات خراب ہو جاتے، ان پر اسی طرح لگاتار مصیبتیں آتی رہیں حتیٰ کہ انہوں نے اپنے نبی سے کہا اہلے بے ایک بلوشہ مقرر کر دیں ہم اللہ کی راہ میں قتل کریں گے، نبی نے ان سے کہا تم نے کبھی وعدہ پورا نہیں کیا اور نہ جملہ سے تمہیں کوئی رغبت ہے، انہوں نے کہا ہم کیسے جملہ سے بھاگیں گے حالانکہ ہمیں ہمارے شہروں سے نکل دیا گیا ہے۔

امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں دوسری روایت یہ بیان کی ہے:

سدی نے بیان کیا ہے کہ بنو اسرائیل علاقہ سے جنگ کرتے رہتے تھے، اور علاقہ کا بلوشہ جلاوت تھا، علاقہ نے بنو اسرائیل کو شکست دی اور ان پر جزیہ مقرر کر دیا اور ان کی تورات چھین لی، بنو اسرائیل اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ وہ ان میں کوئی نبی مبعوث فرمائے جس کے ساتھ مل کر وہ علاقہ سے اپنی شکست کا بدلہ لیں، نبوت کے خاندان کے سب لوگ فوت ہو چکے تھے ان میں سے صرف ایک حلدہ عورت باقی بچی تھی، بنو اسرائیل نے اس عورت کو قید کر لیا اس نے اللہ سے دعا کی کہ اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو، سو اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور اس عورت نے اس کا نام شمعون رکھا، جب وہ بڑا ہوا تو اس کو بیت المقدس میں تورات کی تعلیم کے لیے بھیجا، ایک شیخ نے اس کی تربیت کی جب وہ بالغ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مقام نبوت پر فائز کیا۔ حضرت جبریل نے ان سے کہا آپ اپنی قوم کے پاس جائیں اور ان کو اللہ کا پیغام سنائیں، جب وہ قوم کے پاس پہنچے تو قوم نے ان کو جھٹلایا اور کہا تم بہت جلدی نبی بن گئے، اور کہا اگر تم سچے ہو تو ایک بلوشہ مقرر کرو ہم اللہ کی راہ میں قتل کریں گے اور یہ تمہاری نبوت کی دلیل ہوگی، حضرت شمعون نے کہا جب تم پر قتل فرض کر دیا جائے تو شاید تم قتل نہ کرو۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۷۵-۳۷۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت۔ ۱۴۰۹ھ)

یسود کو سرزنش

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب ان پر قتل فرض کیا گیا تو چند لوگوں کے سوا باقی سب نے روگردانی کی۔ (البقرہ: ۲۳۶) جب ان پر ان کے دشمنوں سے قتل اور اللہ کی راہ میں جملہ فرض کیا گیا تو چند لوگوں کے سوا باقی سب قتل سے پیٹھ موڑ کر بھاگے، اور انہوں نے اپنے نبی سے جہاد کی فرضیت کا جو سوال کیا تھا اس کو ضائع کر دیا اور جن چند لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا ہے یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے طلوت کے ساتھ دریا کو عبور کر لیا تھا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا محمد ﷺ کے وہ اصحاب جو آپ کے ساتھ بدر میں تھے ان کی تعداد طلوت کے اصحاب کے برابر تھی جنہوں نے ان کے ساتھ دریا کو عبور کر لیا تھا۔ اور وہ تین سودس اور کچھ تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔ (البقرہ: ۲۳۶)

ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد شکنی اور وعدہ خلافی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور اس میں ان یسود پر زجر و توبیخ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے وقت موجود تھے، کیونکہ وہ اس رسول کی بعثت کے منتظر تھے، انہوں نے تورات کی وساطت سے اس نبی کی اطاعت کا عہد کیا تھا یہ اس نبی کے توسل سے فحش کی دعائیں کیا کرتے تھے اور جب یہ نبی مبعوث ہو گئے تو انہوں نے سارے عہد و میثاق پس پشت ڈال دیئے اور صاف اور صریح علامتیں پائی جانے کے باوجود

اس کی کوئیں مانا اور اس نبی کا کفر کیا

طلوت کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے نبی نے ان سے کہا بیشک اللہ نے طلوت کو تمہارے لیے بلاشلہ مقرر فرمایا ہے، انہوں نے کہا اس کی بلاشلی ہم پر کیسے ہوگی؟ حالانکہ ہم اس سے زیادہ بلاشلی کے مستحق ہیں اور اس کو ملی وسعت بھی نہیں دی گئی۔ (البقرہ: ۲۳۰)

لام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب بنی اسرائیل کی جماعت نے حضرت شمویل سے بلاشلہ کا مطالبہ کیا تو حضرت شمویل نے اللہ سے دعا کی کہ وہ ایک بلاشلہ کو بھیج دے، اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تمہارے گھر کے بلورچی خانہ میں جو تیل پڑا ہوا ہے اسے دیکھتے رہو جب کسی شخص کے آنے کی وجہ سے وہ تیل جوش مارنے لگے تو وہی بنو اسرائیل کا بلاشلہ ہوگا۔ حضرت شمویل بلورچی خانہ میں رکھے ہوئے تیل کو دیکھنے لگے کہ کب کوئی شخص آتا ہے اور اس میں جوش آتا ہے۔ طلوت بنیامین بن یعقوب علیہ السلام کی لولاد میں سے تھے ان کی نسل میں نبوت رہی تھی نہ بلاشاہت، وہ چمڑے کا کام کرتے تھے، ایک دن طلوت اپنے غلام کے ساتھ اپنے گم شدہ جانور کو ڈھونڈنے نکلے جب وہ حضرت شمویل کے گھر کے پاس سے گزرے تو غلام نے کہا اس نبی کے گھر چلیں شاید یہ ہمارے گم شدہ جانور کے متعلق کچھ بتائیں، جب طلوت حضرت شمویل سے بات کر رہے تھے تو اچانک مطبخ میں رکھا ہوا تیل جوش مارنے لگا حضرت شمویل نے ان کو قریب بلایا اور ان کے سر پر وہ تیل لگایا اور کہا تم بنو اسرائیل کے بلاشلہ ہو، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو ان کا بلاشلہ بناؤں، طلوت نے کہا آپ کو علم ہے کہ میں بنو اسرائیل کے نچلے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں فرمایا ہاں! کہا آپ کو علم ہے کہ میرا قبیلہ اور میرا گھر سب سے پست اور نچلے درجہ کا ہے فرمایا ہاں! پھر بنو اسرائیل کو بتایا کہ طلوت ان کا بلاشلہ ہے انہوں نے اعتراض کیا کہ ہم اس سے زیادہ بلاشاہی کے مستحق ہیں اور اس کے پاس زیادہ مال بھی نہیں ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے لیے منتخب کر لیا ہے اور اس کو تم سے زیادہ علم اور جسم عطا فرمایا ہے، بنو اسرائیل کی تسلی کے لیے حضرت شمویل نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک عصا دیا اور کہا تمہارے بلاشلہ کا قد اس کے برابر ہو گا اور جب طلوت کو اس عصا کے ساتھ ٹپا تو وہ ان کے قد کے برابر تھا۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۳۷۹-۳۸۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت۔ ۱۴۰۹ھ)

حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں:

طلوت کا نام سریانی زبان میں شلول بن قیس بن لیل بن ضرار بن -عرب بن انج بن اس بن بنیامین بن یعقوب بن اسحق بن ابراہیم ہے ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام شاک تھا ان کو ان کے بہت بے قد کی وجہ سے طلوت کہا گیا ہے، یہ وہی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں ذکر فرمایا ہے، جنہوں نے جالوت کو قتل کیا، اور ان کی بیٹی سے حضرت داؤد علیہ السلام نے نکاح کیا۔ کب احبار نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے طلوت کو بلاشلہ بتلایا وہ پہلے گدھوں کو چراتے تھے، وہ فقیر تھے اور بالکل کنکھل تھے۔ ان کے دو گدھے گم ہو گئے تھے وہ ان کی تلاش میں نکلے تلاش میں بہت دیر ہو گئی اور ان کو سخت بھوک لگی، حضرت شمویل کے گھر سے مساکین کھانا کھاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت شمویل کی طرف وحی کی میں تمہارے پاس اس شخص کو بھیج رہا ہوں جو کہ حاد حوٹ نے نکالا ہے، وہی بنو اسرائیل کا بلاشلہ ہوگا، جب وہ تمہارے پاس آئے تو ایک سرکنڈے

سے اس کی پیمائش کرنا پھر وہ سرکنڈا بنو اسرائیل کو دے دینا کہ جس شخص کا قندے کے برابر ہو گا وہی تمہارا بلاشلہ ہو گا۔ اس سرکنڈے کی لمبائی آٹھ ذراع (بارہ فٹ) تھی، حضرت شمویل نے وہ سرکنڈا بنو اسرائیل کو دیا کہ اس کے برابر قندے کے شخص کو تلاش کرو، انہوں نے بہت تلاش کیا مگر ان کو بنو اسرائیل میں اتنا لمبا شخص کوئی نہیں ملا، حضرت شمویل نے ان کو بتایا وہ شخص طاوت ہے جو گدھے چراتا ہے، انہوں نے اس کی پیمائش کی تو طاوت کا قندے اس سرکنڈے کے برابر تھا، انہوں نے پوچھا تم کس کی سبط (لولاد) ہو، طاوت نے کہا میں سبط بنیامین سے ہوں تو وہ اس سے تعظیم ہوئے اور اس کو پسند کیا۔ نیز طاوت کنگل اور مقروض تھا، بنو اسرائیل نے کہا جو شخص کنگل اور مقروض ہو وہ ہمارا بلاشلہ کیسے ہو سکتا ہے! اور اس کے بلاشلہ ہونے کی کیا علامت ہے؟ حضرت شمویل نے کہا اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے پاس تمہارا گم شدہ تابوت آئے گا، بنو اسرائیل نے کہا اگر یہ ہمارا تابوت واپس کر دے تو ہم اس کی بلاشاہت پر راضی ہو جائیں گے، وہ تابوت ان کے دشمن جالوت نے چھین لیا تھا اس نے وہ تابوت اپنے بت خانہ میں رکھا تو سارے بت لوندھے ہو کر گر پڑے اور سب سے بڑا بت اس تابوت کے سامنے سجدہ میں گر پڑا، علاقہ یہ منظر دیکھ کر غضب ناک ہوئے اور اس تابوت کو بول و براز کی جگہ ڈال دیا اس اہانت کی پاداش میں رات کو چوہے ان کا پیٹ کٹ کر ان کے مبرز سے نکل جاتے اس سے انہوں نے یہ سمجھا کہ ان پر یہ مصیبت اس تابوت کی وجہ سے آئی ہے پھر انہوں نے دو بیلوں کے جوئے پر یہ تابوت رکھ کر انہیں ہانک دیا اور فرشتے اس تابوت کو اٹھا کر طاوت کے پاس لے آئے۔

حضرت ابن عباس نے بیان کیا اس تابوت میں تورات کی الواح کے ٹکڑے تھے، حضرت موسیٰ کا عصا تھا اور حضرت ہارون کا عمامہ اور ان کی قبا (اچکن) تھی، اور سبز مرد سے بنا ہوا ہلی کا سر تھا، سکینے سے یہی مر لو ہے جب لڑائی ہوتی تو بنو اسرائیل اس تابوت کو آگے رکھتے ہلی کے اس سر سے چیخ نکلتی اور زلزلے دار ہوا چلتی اور تابوت فضا میں بلند ہو جاتا اور اس سے دو زبانیں باہر نکلتیں ایک میں نور ہوتا اور ایک میں ظلمت، مسلمانوں پر نور پھیل جاتا اور کفار پر ظلمت چھا جاتی، پھر بنو اسرائیل کو جنگ میں کامیابی حاصل ہوتی تھی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱۱ ص ۲۲۱-۲۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ

اور ان کے نبی نے ان سے کہا بے شک اس بادشاہ کی سلطنت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا

سَكِينَةً مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ

جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ (سکون اور چیز) ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کی

تَحِبُّهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِن فِي ذَلِكَ لَآيَةٍ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾

جھوڑی ہوئی باقی ماندہ کچھ چیزیں ہیں اس تابوت کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہونگے، اگر تم مومن ہو تو بے شک اس میں فرشتہ ہے یہ ایک عظیم نشان

بنو اسرائیل کے تابوت کی تحقیق

علامہ ابو الحیسان اندلسی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس اور حضرت ابن السائب رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ یہ صندوق

منزل کی کوئی سے بنا ہوا تھا اور اس پر سونے کے پترے چڑھے ہوئے تھے یہ تین ہاتھ لبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا اس نبوت کی عظمت بنو اسرائیل کے نزدیک مشہور و معروف تھی وہ اس کو گم کر چکے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کے مندرجات کو ہم رکھا ہے اور اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ اس صندوق میں کیا تھا اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے تھے ہم اس صندوق کے حلق اس چیز کو اختصار سے بیان کریں گے جس کو مفسرین اور مورخین نے بیان کیا ہے مورخین نے ذکر کیا ہے کہ یہ نبوت حضرت آدم علیہ السلام پر اتارا گیا تھا اس میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے گھروں کی تصویریں تھیں اور آخری گھر سیدنا محمد ﷺ کا تھا حضرت آدم علیہ السلام کے بعد یہ نبوت حضرت شیث علیہ السلام سے منتقل ہوتا ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچا پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس رہا پھر ان کے بیٹے قیدار کے پاس پھر ان سے ان کے عم زاد لولاد اسحاق نے اس میں تنازع کیا اور یہ کہا اس نور کے سوا تم سے نبوت لے لی گئی ہے انہوں نے نبوت نہیں دیا اور ایک دن اس کو کھولنے کی کوشش کی تو ان سے نہیں کھلا پھر آسمان سے ایک منادی نے ان کو ندا کی کہ نبی کے سوا اس کو کوئی نہیں کھول سکتا تم یہ اپنے عم زاد یعقوب کو دے دو سو انہوں نے اس کو اپنی پیٹھ پر اٹھا کر اپنے عم زاد حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دیا پھر یہ نبوت بنو اسرائیل میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا انہوں نے اس میں تورات کو رکھا اور اپنی بعض دوسری چیزیں رکھیں پھر یہ بنو اسرائیل کے انبیاء میں منتقل ہوتا ہوا حضرت شمویل تک پہنچا

(البحر المحیط ج ۲ ص ۵۸۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

سکینہ کا معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق

سکینہ کا معنی ثابت امن اور سکون ہے قرآن مجید میں ہے ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المؤمنین (النوبہ: ۲۶) پھر اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر سکون اور اطمینان نازل کیا۔

صحابہ کرام اور فقہاء تابعین سے سکینہ کے متعدد معانی منقول ہیں۔ زنانے دار ہوا پروں اور دم والی کوئی چیز سونے کا طشت زرمویا یا قوت کی تصویر جس کا سر اور دم ملی کی ہو وہ بشارات جو اللہ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر نازل کیں طلوت کی فتح کی بشارت وہ جلی پھلنی آیات جن سے سکون حاصل ہو رحمت اور وقار وغیرہ۔

لام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں سکینہ انسان کے چہرہ کی طرح ایک چوہ ہے یا بھریہ زنانے دار ہوا ہے۔

جلد بیان کرتے ہیں کہ سکینہ کے دو پر اور ایک دم ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سکینہ سونے کا ایک جفتی طشت ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب کو غسل دیا جاتا ہے۔

ربیع نے کہا سکینہ تہارے رب کی طرف سے رحمت ہے قلوہ نے کہا سکینہ وقار ہے سب سے بڑی تفسیر وہ ہے جس کو عطا بن لبی ملاح نے بیان کیا کہ سکینہ وہ معروف علامتیں ہیں جن سے دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۳۸۷-۳۸۸ ملخصاً مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سکینہ کا معنی طہانیت ہے اور جب کہ بنو اسرائیل کو تہوت کے آنے سے طہانیت حاصل ہوئی تو تہوت کو سکینہ کے لیے مجازاً عرف قرار دیا گیا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت برہہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی سورہ کف پڑھ رہا تھا اور اس کا گھوڑا اس کی رسیوں سے بندھا ہوا تھا اس شخص کو ایک بلبل نے ڈھنپ لیا وہ بلبل چکر لگاتا ہوا قریب ہو رہا تھا اور اس کا گھوڑا اس سے ڈر کر متوحش ہو رہا تھا جب صبح ہوئی تو اس نے نبی ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا وہ سیکنہ تھا جو قرآن کی وجہ سے نازل ہوا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطلاع کراچی ۱۴۵۵ھ)

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ سیکنہ کے کئی معنی ہیں اور مختار یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی چیز ہے جس میں طمانیت اور رحمت ہوتی ہے اور اس کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں۔

نیز امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک رات حضرت اسید بن خضیر اپنے اصطلیل میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے ناگہ ان کا گھوڑا اچھلنے لگا اور حضرت اسید کو یہ خوف ہوا کہ کہیں وہ ان کے بچے یحییٰ کو کچل نہ دے میں (حضرت اسید کہتے ہیں) اس کی طرف کھڑا ہوا تو کیا دیکھا ہوں کہ میرے سر کے اوپر فضا میں چہ انگوں کی مثل ساہن ہے۔ صبح میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس واقعہ کو عرض کیا آپ نے فرمایا یہ فرشتے تھے جو تمہارا قرآن سن رہے تھے اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح سب لوگ ان کو دیکھ لیتے اور وہ کسی پر مخفی نہ رہتے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطلاع کراچی ۱۴۵۵ھ)

رسول اللہ ﷺ نے اس کو حضرت براء کی حدیث میں سیکنہ سے تعبیر کیا اور حضرت اسید کی حدیث میں اس کو فرشتوں سے تعبیر فرمایا آپ نے فرشتوں کو سیکنہ اس لیے فرمایا کہ ان کا ایمان غایت طمانیت میں ہوتا ہے وہ ہمیشہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی کبھی معصیت نہیں کرتے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر جائے اللہ تعالیٰ ان کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور جو جماعت اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت کرتی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ درس کا تکرار کرتی ہے ان پر سیکنہ نازل ہوتی ہے انہیں رحمت ڈھنپ لیتی ہے اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطلاع کراچی ۱۴۵۵ھ)

حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث میں اللہ کے گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت کرنے والوں اور اس کے درس کی تکرار کرنے والوں پر نزول سیکنہ کا بیان ہے کیونکہ جو شخص کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے اور اس کے معانی میں تدبر اور تفکر کرتا ہے اس کو طمانیت اور انشراح قلب حاصل ہوتا ہے۔

آل موسیٰ اور آل ہارون کے باقی ماندہ تبرکات کا بیان

بنو اسرائیل کے تابوت میں آل موسیٰ اور آل ہارون کے باقی ماندہ تبرکات تھے ان کی تعین میں صحابہ اور فقہاء تابعین کے مختلف اقوال ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان باقی متروکہ چیزوں میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور الواح تورات کے ٹکڑے تھے۔ ابو صالح نے بیان کیا اس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کا عصا تورات کی دو تختیاں اور من رکھے ہوئے تھے۔

عطیہ بن سعد نے بیان کیا اس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی لاٹھیاں ان کے کپڑے اور الواح تورات کے

کھڑے تھے اور بعض نے کہا اس میں من کی لاشیاں اور نطین تھیں۔

لبن نہد نے بیان کیا کہ دن کے وقت فرشتے تابوت کو لے کر آئے اور بنو اسرائیل ان کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے، سدی نے کہا ہے کہ فرشتوں نے وہ تابوت طاوت کے گھر کے سامنے لا کر رکھ دیا، تب بنو اسرائیل حضرت شمعون (یا حضرت شموئیل) کی نبوت اور طاوت کی بلوشاہت پر ایمان لے آئے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۸۹-۳۸۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ) علامہ ابو الحیمان اندلسی لکھتے ہیں :

قلہ نے بیان کیا ہے کہ اس تابوت کو حضرت موسیٰ نے حضرت یوشع کے پاس میدان تیبہ میں چھوڑا تھا، وہ وہیں پر رکھا رہا اور بنو اسرائیل اس پر مطلع نہ ہو سکے حتیٰ کہ فرشتوں نے اس کو اٹھا کر طاوت کے گھر میں رکھ دیا پھر وہ طاوت کی بلوشاہت پر ایمان لے آئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ اس تابوت کو بھجویا تاکہ اس نشانی کی عظمت پر لوگ متنبہ ہوں، کیونکہ فرشتے بڑے بڑے کاموں کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت عظیم قوت عطا کی ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ کی کتابوں کو اللہ کے پاس سے لاتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام پر نازل کرتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کے نافرمانوں پر مدائن کی سرزمین الٹ دی تھی، وہ روحوں کو قبض کرتے ہیں اور عرش الہی کو اٹھائے ہوئے ہیں ایسی قوت والے فرشتے جس تابوت کو اٹھا کر لائیں گے وہ اللہ کی طرف سے بہت بڑی نشانی ہوگی!

وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ بنو اسرائیل نے اپنے نبی سے پوچھا کہ تابوت کس وقت آئے گا؟ انہوں نے فرمایا صبح کو وہ تمام رات نہیں سوئے حتیٰ کہ صبح انہوں نے آسمان اور زمین کے درمیان فرشتوں کے چلنے کی آواز سنی۔ (المحرر المحدث ج ۲ ص ۵۸۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

لام رازی لکھتے ہیں :

یہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا اس میں من کی لولاد میں سے انبیاء علیہم السلام کی تصویریں تھیں۔ یہ لولاد آدم علیہ السلام سے نکل ہوتا ہوا حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا۔ پھر بنو اسرائیل کے پاس رہا، ان کا جب کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو وہ اس تابوت کو حکم بتاتے اور جب دشمنوں سے جنگ ہوتی تو اس تابوت کو اپنے آگے رکھتے اور اس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے اپنے دشمنوں کے خلاف فتح کی دعا کرتے، اور فرشتے اس تابوت کو ان کے لشکر کے اوپر اٹھا لیتے وہ لشکر سے لڑتے رہتے اور جب اس تابوت سے ایک چپ کی آواز آتی، تو ان کو فتح اور نصرت کا یقین ہو جاتا، جب بنو اسرائیل نے اللہ کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد کیا تو اللہ نے ان کے دشمن علاقہ کو ان پر مسلط کر دیا، علاقہ نے ان کو شکست دے دی، اور ان سے تابوت چھین کر لے گئے، پھر جن کافروں نے ان سے تابوت چھینا تھا انہوں نے اس تابوت کو کندگی اور بھل و بزدلی کی جگہ ڈال دیا، اس وقت کے نبی نے ان کے خلاف دعاء ضرر کی تو اللہ نے ان کافروں کو ایک بلاء میں جلا کر دیا، جو شخص بھی اس تابوت کے پاس گندگی ڈالا اللہ تعالیٰ اس کو بواہر میں جلا کر دیتا، تب ان کافروں نے یہ جانا کہ ان پر یہ مصیبت اس تابوت کی بے حرمتی کی وجہ سے نازل ہوئی ہے، انہوں نے دو بیلوں کے جوئے پر اس تابوت کو رکھ کر ہانک دیا، وہ تپل چلتے رہے، اللہ تعالیٰ نے چار فرشتے ان بیلوں کے ساتھ محافظہ کر دیئے حتیٰ کہ وہ فرشتے اس تابوت کو طاوت کے پاس لے آئے اور تب بنو اسرائیل کو طاوت کی بلوشاہت کا یقین ہو گیا۔

قل رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس تہوت کی انصاف حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی آل کی طرف کی گئی ہے حالانکہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے دور کے صدیوں بعد عہد طلوت تک یہ بنو اسرائیل کی تحویل میں رہا ہے اور تورات میں جو چیزیں تھیں ان کے وارث حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے قبیع علماء تھے اس لیے یہاں پر آل متبعین کے معنی میں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ادخلوا ال فرعون اشد العذاب

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۸۹-۲۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

دیکر انبیاء علیہم السلام اور ہمارے نبی ﷺ کے تبرکات سے استفادہ اور حصول شفاء

قرآن مجید کی اس آیت اور امام رازی کی بیان کردہ تفسیر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی استعمال کی ہوئی چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے کس قدر برکت رکھی ہے ان تبرکات (عصا، کپڑے اور نعلین) کے وسیلہ سے بنو اسرائیل نے فتح اور نصرت کی دعائیں کی تو وہ فتیحاب ہوئے اور قوم عمارقہ نے ان تبرکات کی بے حرمتی کی تو وہ بوا سیر ایسی مسلک بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ اس کی تائید سورہ یوسف میں ہے جب حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر رکھی گئی تو ان کی بینائی لوٹ آئی :

اِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَيِّىَ
يَا بَصِيْرًا (یوسف : ۹۳)
میری یہ قمیص لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرے پر
ڈال دو اس کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

احادیث میں بھی انبیاء علیہم السلام کے تبرکات سے استفادہ اور استفادہ کا بیان ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت اسماء بنت ابی بکر کے غلام عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت اسماء نے حضرت عبد اللہ بن عمر کے پاس بھیجا اور کہا یہ رسول اللہ ﷺ کا جبہ ہے انہوں نے ایک طیالی کسوانی جبہ نکلا جس کی آستینوں اور گریبان پر ریشم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے حضرت اسماء نے کہا یہ جبہ حضرت عائشہ کی وفات تک ان کے پاس تھا اور جب ان کی وفات ہوئی تو پھر میں نے اس پر قبضہ کر لیا، نبی ﷺ اس جبہ کو پہنتے تھے ہم اس جبہ کو دھو کر اس کا پانی بیماروں کو پلاتے تھے اور اس جبہ سے ان کے لیے شفا طلب کرتے تھے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۲ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عثمان بن عبد اللہ بن موصی بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پانی کا ایک پیالہ دے کر بھیجا۔ اسرائیل نے تین انگلیاں سکیڑ کر اشارہ کیا کہ وہ چھوٹا پیالہ تھا اس میں نبی ﷺ کے بالوں میں سے ایک بال تھا اور لوگوں کی عادت تھی کہ جب کسی انسان کو نظر لگ جاتی یا اور کوئی مرض لاحق ہو جاتا تو وہ حضرت ام المومنین کے پاس ایک تنار بھیجتا سو میں نے گھنٹی کی شکل کی ایک نلکی دیکھی جس میں (آپ کے) سرخ رنگ کے موئے مبارک تھے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۷۵ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

مراد یہ ہے کہ جو شخص بیمار ہو جاتا وہ اپنا برتن حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجتا وہ اس برتن میں ان مبارک بالوں کو رکھ دیتیں اور اس برتن میں ان بالوں کو بار بار دھوتیں پھر برتن والا حصول شفاء کے لیے اس غسلہ (دھون) کو پی لیتا یا اپنے

ہم متواتر اس کو اس کی برکت حاصل ہوتی۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۵۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

لام بیہقی روایت کرتے ہیں :

جعفر بیان کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے دن حضرت خالد بن ولید کی ٹوپی گم ہو گئی، انہوں نے کہا اس کو تلاش کرو، انہوں نے بار بار ڈھونڈھا وہ ٹوپی نہیں ملی، بلاخر وہ ٹوپی مل گئی وہ بہت بوسیدہ ٹوپی تھی، حضرت خالد نے کہا رسول اللہ ﷺ نے عمو کیا اور سر کے بل منڈوائے تو صحابہ ہر طرف سے آپ کے بل مبارک لینے کے لیے جھپٹ پڑے میں نے بھی آپ کے چند بل لے لیے اور میں نے ان کو اس ٹوپی میں رکھ لیا، اس کے بعد میں جس جنگ میں بھی شریک ہوا تو یہ ٹوپی میرے ساتھ ہوتی تھی اور مجھے اس جنگ میں فتح نصیب ہوتی تھی۔ (دلائل النبوت ج ۶ ص ۲۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث کو لام حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ (المستدرک ج ۳ ص ۲۹۹، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)
حافظ البیہقی نے اس حدیث کو لام ابو یعلیٰ اور امام طبرانی کے حوالوں سے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں سندیں صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۳۹، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، ۱۴۰۲ھ)

لام بیہقی روایت کرتے ہیں :

خیب بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں خیب بن عدی کا ہونٹ کٹ کر لٹک گیا رسول اللہ ﷺ نے لعاب دہن لگا کر اس کو جوڑ دیا۔ (دلائل النبوت ج ۳ ص ۹۸-۹۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
لام ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں :

حضرت قتادہ بن نعمان بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں ان کی ایک آنکھ کا ڈھیلا نکل کر رخسار پر لٹک گیا، لوگوں نے ارلہ کیا اس کو کٹ دیں، انہوں نے نبی ﷺ سے پوچھا آپ نے فرمایا نہیں، پھر آپ نے ان کو بلایا اور اپنی ہتھیلی سے اس ڈھیلے کو اپنی جگہ رکھ کر دھیلیا، پھر قتادہ بن نعمان کو پتا نہیں چلتا تھا کہ ان کی کونسی آنکھ کا ڈھیلا نکلا تھا۔ (مسند ابو یعلیٰ موصلی ج ۲ ص ۲۲۱، مطبوعہ دار المأمون تراث بیروت، ۱۴۰۳ھ)

اس حدیث کو لام بیہقی (۱)، لام ابن اثیر (۲)، حافظ ابن کثیر (۲) اور حافظ ابو نعیم (۴) نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ نور الدین البیہقی نے اس حدیث کو لام بزار اور لام طبرانی کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۵، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، ۱۴۰۲ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

اس حدیث کو لام بغوی اور لام دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ ان کی سب سے زیادہ

صحیح آنکھ تھی۔ (الاصلب ج ۳ ص ۲۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ)

حافظ البیہقی بیان کرتے ہیں :

(۱) لام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۸ھ، دلائل النبوت ج ۳ ص ۲۰۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

(۲) لام ابو الحسن علی بن ابی الکرم المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۷۴۰ھ، اسد الغابہ ج ۳ ص ۸۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت

(۳) حافظ علاء الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۵ھ، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ

(۴) حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ امسلی متوفی ۳۰۰ھ، دلائل النبوت ج ۲ ص ۲۸۳-۲۸۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن ان کی آنکھ زخمی ہو گئی نبی ﷺ نے اس میں لعاب دہن لگایا تو وہ ان کی سب سے بہتر آنکھ تھی۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۸، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کل میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ فتح فرمائے گا، وہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس شخص سے محبت کرتا ہے، اس رات صحابہ یہ غور کرتے رہے کہ کل آپ کس کو جھنڈا عطا فرماتے ہیں، صبح کو صحابہ آپ کے پاس گئے اور ہر ایک کو یہ امید تھی کہ آپ اس کو جھنڈا عطا کریں گے، آپ نے فرمایا علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں! آپ نے فرمایا انہیں بلاؤ، وہ بلائے گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا، تو ان کی آنکھیں اس طرح ٹھیک ہو گئیں کہ گویا کبھی ان میں درد ہی نہیں ہوا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۶-۶۰۵، مطبوعہ نور محمد اصح المصالح کراچی ۱۴۳۸ھ)

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں :

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حضرت علی کو بلانے کے لیے بھیجا، اور فرمایا آج میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے یا فرمایا جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں، حضرت علی کی آنکھیں دکھتی تھیں میں ان کو سارے سے پکڑ کر لایا رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھ میں لعاب دہن ڈالا اور ان کو جھنڈا عطا فرمایا حضرت علی نے اپنی تلوار سے مرحب کا سراڑا دیا اور اللہ نے ان کے ہاتھ پر خیبر فتح فرمایا۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۵۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ)

قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں :

عقیلی نے حبیب بن ندیک سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور انہیں کچھ بھی نہیں دکھائی دیتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا تو ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور میں نے دیکھا کہ وہ اسی سال کی عمر میں سوئی میں دھاگا ڈال لیتے تھے۔

جنگ احد کے دن کلثوم بن حصین کے سینہ میں زخم لگا، رسول اللہ ﷺ نے اس میں لعاب دہن ڈالا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ جنگ خیبر کے دن حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پندلی پر لعاب دہن لگایا تو وہ جڑ گئی۔ کعب بن اشرف کے قتل کے معرکہ میں حضرت زید بن معاذ کی ٹانگ ٹوٹ گئی آپ نے لعاب دہن لگایا تو وہ جڑ گئی۔ جنگ خندق کے دن حضرت علی بن الحکم کی پندلی ٹوٹ گئی آپ نے لعاب دہن لگایا تو وہ جڑ گئی۔

جنگ بدر کے دن ابو جہل نے حضرت معوذ بن عفراء کا ہاتھ کاٹ دیا آپ نے لعاب دہن لگا کر وہ ہاتھ جوڑ دیا۔ جنگ بدر کے دن حضرت حبیب بن یساف کے کندھے پر ضرب لگی کندھا کاٹ کر ایک طرف جھک گیا نبی ﷺ نے کندھا جوڑ کر لعاب دہن لگایا وہ جڑ گیا۔

قبیلہ شعم کی ایک عورت آپ کے پاس اپنے بچہ کو لے کر آئی وہ کسی بیماری کی وجہ سے بول نہیں سکتا تھا، آپ نے پانی منگایا، کلی کی اور ہاتھ دھوئے پھر وہ غسلہ اس بچہ کو پلایا تو وہ بچہ صحیح ہوش و حواس سے باتیں کرنے لگا۔ آپ کے سامنے کھانا رکھا تھا آپ وہ کھانا کھا رہے تھے، ایک لڑکی میں حیا بہت کم تھی وہ کہنے لگی آپ اپنے منہ سے

نولہ نکل کر مجھے دے دیں آپ نے وہ نولہ اس کو دے دیا، آپ سے جس چیز کا بھی سوال کیا جاتا تھا تو آپ منع نہیں فرماتے تھے جب وہ نولہ اس کے پیٹ میں پہنچا تو پورے مدینہ میں اس سے زیادہ باحیاء کوئی لڑکی نہیں تھی۔
(الشفاء ج ۱ ص ۲۲۳-۲۲۴ مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان)

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ

پھر جب طالوت اپنے لشکروں کو لے کر روانہ ہوا تو اس نے اہل شکر سے کہا بیشک اللہ تمہیں ایک دیا کے ذریعہ آزمائش میں

فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا

متلا کرے گا سو جس نے اس سے (پانی) پی لیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہوگا۔ اور جس نے اس دریا سے صرف ایک آدھ چلو

مَنْ اعْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ

کے علاوہ نہیں پیا وہ میرے طریقہ پر ہوگا۔ تو چند لوگوں کے سوا ب نے اس سے خوب پانی پیا پھر جب طالوت اور

هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ

اس کے ساتھ ایمان والے اس دریا سے گزر گئے تو (پانی پینے والوں نے) کہا، آج جالوت اور اس کے لشکروں کو لڑنے کی ہم

قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا بِاللَّهِ كَرَّ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ

میں طاقت نہیں ہے اور جن لوگوں کو یہ یقین تھا کہ وہ اللہ سے طاقت کرنے والے ہیں انہوں نے کہا بہت دفعہ اللہ کے حکم سے تمہیں

فِئَةٌ كَثِيرَةٌ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَرْنَا

جماعتیں کثیر جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں اور اللہ (مدد کرنے کے لیے) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جب وہ جالوت اور

لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبَّتْ أقدامنا

اس کے لشکروں کے سامنے صفت آرا ہوئے تو انہوں نے دعا کی اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ

وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ

اور کافروں کی قوم کے خلاف ہماری مدد فرما سو اللہ کے حکم سے انہوں نے ان (کافروں) کو شکست دے دی

دَاوُدُ جَالُوتَ وَاتَّهَى اللَّهُ الْمُلُوكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مَتَائِشَاءَ

اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اللہ نے انہیں سلطنت اور صحت عطا فرمائی اور جن چیزوں کا چاہا انہیں سکھایا،

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ

اور اگر اللہ بعض لوگوں (کے شر) کو بعض (نیک) لوگوں کے سب سے دور نہ دھرماتا تو ضرور زمین تباہ ہو جاتی

وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ آيَةُ اللَّهِ

لیکن اللہ تمام جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے یہ اللہ کی آیات ہیں

نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۵۲﴾

جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت فرماتے ہیں، اور بیشک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں

طلوت کی فتح اور جالوت کی شکست کا بیان

طلوت عملاقہ سے قتل کرنے کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ بیت المقدس سے روانہ ہوئے، اس کی تفسیر میں حافظ

جلال الدین سیوطی نے یہ حدیثیں بیان کی ہیں :

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کیا ہے کہ اسی ہزار، بنو اسرائیل طلوت کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے، اس زمانہ میں جالوت سب سے زیادہ طاقت ور شخص تھا اور اس کی بہت زیادہ ہیبت تھی، وہ اپنے لشکر میں سب سے آگے رہتا تھا اور ابھی اس کا لشکر اس تک نہیں پہنچ پاتا تھا کہ وہ دشمن کو شکست دے دیتا تھا، جب طلوت کا لشکر روانہ ہوا تو طلوت نے اہل لشکر سے کہا عنقریب اللہ تمہیں ایک دریا کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا کرے گا سو جس نے اس دریا سے (سیر ہو کر) پی لیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہو گا، اور جس نے اس سے نہیں پیا وہ میرے طریقہ پر ہو گا، چار ہزار کے سوا باقی سب نفوس نے جالوت کی ہیبت سے اس دریا سے پانی پی لیا اور ان چار ہزار افراد نے ہی اس دریا کو عبور کیا اور باقی ماندہ چھتر ہزار لشکری دریا عبور نہ کر سکے، جن لوگوں نے دریا سے سیر ہو کر پانی پیا تھا وہ سخت پیاس میں مبتلا ہو گئے اور جنہوں نے چلو بھر پانی پیا تھا ان کو پیاس نہیں لگی، اور جب طلوت نے اور ان کے ساتھ مومنوں نے دریا عبور کر لیا اور انہوں نے جالوت کو دیکھا تو انہوں نے کہا آج ہم جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے اور ان میں سے بھی تین ہزار چھ سو اسی نفوس واپس ہو گئے اور طلوت اہل بدر کی تعداد کے مطابق تین سو تیرہ نفوس کے ساتھ باقی رہ گئے۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس دریا میں ان کو مبتلا

کیا گیا تھا وہ فلسطین میں تھا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۱۸، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا طلوت کا لشکر ایک لاکھ تین ہزار تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھا، تین سو تیرہ افراد کے سوا باقی سب نے اس دریا سے پانی پی لیا، اور یہ غزوہ بدر میں نبی ﷺ کے اصحاب کی تعداد کے برابر تین سو تیرہ افراد تھے۔ طلوت نے ان سب کو واپس کر دیا اور ان کے ساتھ صرف تین سو تیرہ افراد رہ گئے، جب طلوت اور ان کے

ساتھ مومنوں نے دریا کو عبور کر لیا تو انہوں نے طاوت سے کہا آج ہم جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے، اور جو لوگ آخرت اور اللہ سے طاقت پر یقین رکھتے تھے انہوں نے کہا کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم سے گلیل جماعت کثیر جماعت پر غالب آجاتی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کی مدد کرتا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے فتح اور نصرت کی دعا کی اور دعا وہ واحد ہتھیار ہے جو صرف مومنوں کے پاس ہے اور کافروں کے پاس نہیں ہے۔ حضرت شمویل نبی علیہ السلام نے طاوت کو ایک زرہ دی اور فرمایا جس شخص کے جسم پر یہ زرہ پوری آجائے گی وہ اللہ کے حکم سے جالوت کو قتل کر دے گا، اور طاوت کے متلوی نے ندا کی جو شخص جالوت کو قتل کرے گا میں اس کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا اور اپنا آدھا ملک اور آدھا مل اس کو دے دوں گا (یہ زرہ حضرت داؤد پر پوری آئی تھی) حضرت داؤد کا پورا نام و نسب یہ ہے :

داؤد بن ایشام بن حصرون بن قافص بن یسودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

وحب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت داؤد نے اپنے توبرے میں ہاتھ ڈالا تو تین پتھر مل کر ایک پتھر بن گئے، حضرت داؤد نے اس پتھر کو نکل کر اپنی منجیق میں ڈال دیا، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے بندے داؤد کی مدد کرو، جب حضرت داؤد نے آگے بڑھ کر اللہ اکبر کہا تو جن و انس کو چھوڑ کر تمام فرشتوں اور حاطین عرش نے نعرہ بکسیر بلند کیا، جب جالوت نے اللہ اکبر کی گونج دار آوازوں کو سنا تو اس نے یہ سمجھا کہ تمام دنیا نے مل کر اس پر حملہ کر دیا ہے، زور سے آندھی چلی اور ان پر اندھیرا چھا گیا جالوت کا خود اٹ کر گر گیا، حضرت داؤد نے منجیق میں پتھر ڈال کر اسے چھوڑا تو اس سے تین پتھر نکلے، ایک پتھر جالوت کی پیشانی پر لگ کر آ رہا ہو گیا اور وہ مقتول ہو کر زمین پر جا گرا، دوسرا پتھر لشکر جالوت کے میمنہ پر جا کر گر اور ان کو تباہ کر دیا، تیسرا پتھر ان کے میسرہ پر گر اور ان کو یوں لگا جیسے ان پر پہاڑ آگرا ہو وہ سب گھبرا کر پیٹھ موڑ کر بھاگے اور ایک دوسرے کے پاؤں تلے روندے گئے اور کچلے گئے، طاوت بنو اسرائیل میں کامیاب اور کامران ہو کر لوٹے، اللہ نے ان کو ان کے دشمنوں پر فتح اور نصرت عطا فرمائی، طاوت نے حسب وعدہ حضرت داؤد سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور ان کو نصف سلطنت اور نصف مل عطا کر دیا۔ اس کے بعد حافظ ابن عساکر نے حضرت ابن عباس اور مکحول سے ایک طویل قصہ روایت کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس فتح کے بعد بنو اسرائیل حضرت داؤد علیہ السلام کو زیادہ پسند کرنے لگے اور وہ چاہتے تھے کہ پورا ملک ان کو ہی دے دیا جائے، طاوت کو اس سے حسد ہوا اور اس نے حضرت داؤد کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا لیکن طاوت کی بیٹی جو حضرت داؤد کی اہلیہ تھیں انہوں نے ان کو بروقت سازش سے آگاہ کر دیا، طاوت اور اس کے گھر والے مارے گئے اور تمام بنو اسرائیل حضرت داؤد کی زیر سلطنت آ گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو زور عطا کی اور ان کو زرہ بنانے کا عمل سکھایا اور پہاڑوں اور پرندوں کو ان کے حکم کے تابع کر دیا جب حضرت داؤد تسبیح کرتے تو وہ ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ طبری نے بیان کیا ہے کہ طاوت کی حکومت چالیس سال رہی۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۱۱ ص ۱۷۰-۱۷۱ ملخصاً مطبوعہ دارالاندلس بیروت ۱۴۰۳ھ)

نیکو کاروں کی برکت سے گنہ گاروں سے عذاب کا دور ہوتا

اللہ تعالیٰ کا اشلہ ہے : اور اگر اللہ بعض لوگوں (کے شر) کو بعض (نیک) لوگوں کے سبب سے دور نہ فرماتا تو ضرور زمین

جہ ہو جاتی۔ (البقرہ: ۲۵۱)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جالوت اور اس کے لشکر کے فساد کو طاوت اور اس کے لشکر

سے دور فرمادیا اور جلاوت کو حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل کرا دیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ مام کاہن بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ وہ مفسدین کے شر کو مصلحین سے دور فرماتا ہے اور اگر ایمان نہ ہو تا تو یہ زمین جہنم جاتی اور قیامت آجاتی اس آیت میں مفسدین اور مصلحین کے متعلق کئی تقریریں کی گئی ہیں بعض ازلوں یہ ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ ظالم اور جبار حکمران کے جبر کو کسی نیک شخص کے سبب سے دور کر دیتا ہے جیسے فرعون کے جبر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جلاوت کے جبر کو حضرت داؤد علیہ السلام سے دور کر دیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ لوگوں کے کفر کو انبیاء علیہم السلام کی ہدایت اور تبلیغ سے دور فرماتا ہے :

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (ابراہیم : ۱)

یہ کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کی) روشنی کی طرف نکالیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ علماء اور صالحین کے سبب سے لوگوں کو معاصی اور برائیوں سے دور کر دیتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران : ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جس کو لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

ادْفَعْ بِاللَّيْنِ هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةِ (المؤمنون : ۹۶)

برائی کو اچھے طریقہ سے دور کرو۔

وَيَذَرُوهَا بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ (القصص : ۵۳)

اور وہ بدی کو نیکی کے ذریعہ دور کرتے ہیں۔

اس مفہوم میں وہ حکام بھی داخل ہیں جو اللہ کے احکام کو نافذ کرتے ہیں اور اللہ کی حدود کو قائم کرتے ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ انبیاء، خلفاء، سلاطین اور حکام کے ذریعہ لوگوں سے قتل و غارت گری، لوٹ مار اور فتنہ و فساد کو دور فرماتا ہے۔

وَلَوْ لَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَهَلُمَّتْ صَوَامِعُ وَبَيْعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسْجِدٌ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا (الحج : ۳۰)

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور راہبوں کی عبادت گاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں گرا دی جاتیں جن میں اللہ کے نام کا بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے۔

امام (خليفة) یا سلطان یا حاکم کی حجت اور اس کی اطاعت پر حسب ذیل احادیث شہد ہیں :

حافظ نور الدین البیہقی بیان کرتے ہیں :

حضرت ابوبکر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس نے دنیا میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے سلطان کی عزت کی اللہ قیامت کے دن اس کو عزت عطا کرے گا اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور امام احمد کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تم پر میرا حق ہے اور تم پر امراء کا بھی حق ہے جب تک وہ تین چیزوں کو قائم رکھیں جب ان سے رحم طلب کیا جائے تو رحم کریں جب وہ فیصلہ کریں تو

حل کریں اور جب وہ عہد کریں تو اس کو پورا کریں اور جس نے یہ نہیں کیا اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ کن کا فرض قبول ہو گا نہ نفل۔ اس کو لام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں بعض رلوی غیر معروف ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ٥ ص ٢٢١-٢٢٥ مطبوعه دار الكتب العربى بيروت ١٤٠٢هـ)

حضرت مہدی علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بغیر لام کے مر گیا وہ زمانہ جاہلیت کی موت مرا۔ اس حدیث کو لام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ج ٥ ص ٢١٨، مطبوعه دار الكتب العربي بيروت ١٤٠٢هـ)

(۵) اللہ تعالیٰ انبیاءِ عظیم السلام اور صالحین کے سبب سے کفار اور فساق پر ہونے والے عذاب کو دور کر دیتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا تو اس عذاب سے زمین تباہ ہو جاتی، اس کی تصدیق ان آیات میں ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ

اللہ (کے شلیان شان) نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے

(الانفال: ۳۳) در آں حالیکہ آپ ان میں موجود ہیں ۔

لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا
الْيَمًّا (الفتح: ۲۵)

اور اگر وہ ایمان والے وہاں سے نکل جاتے تو ہم ان (کے
والوں میں سے) کافروں کو دردناک عذاب دیتے۔

حضرت خضر لور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے گھاؤں والوں کی ایک گرتی ہوئی دیوار بتادی حالانکہ ان لوگوں نے ان کی میزبانی لور ضیافت سے انکار کر دیا تھا، لور دیوار بنانے کی اجرت بھی نہیں لی حضرت خضر نے اس کی وجہ بیان کی:

وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا (الكهف: ٨٧)

اور رہی دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔

لور اس کی تصدیق من احادیث میں ہے: حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن جریر اور امام ابن عدی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نیک مسلمان کے سب سے اس کے پڑوس کے سو گھروں سے بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔

لام ابن جریر نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک نیک مسلمان کے سب سے اس کی لولاد، لولاد در لولاد، اس کے احل خانہ اور اس کے پڑوس کی اصلاح فرماتا ہے اور جب تک وہ شخص ان میں رہے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔

لام ابن ابی حاتم اور لام بنیحقی نے شعب اللامیان میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ تعالیٰ نمازیوں کے سبب بے نمازیوں سے عذاب کو دور کر دیتا ہے، اور حج کرنے والوں کے سبب سے حج نہ کرنے والوں سے عذاب کو دور کر دیتا ہے، زکوٰۃ دینے والوں کے سبب سے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے عذاب کو دور کر دیتا ہے۔

لام احمد، حکیم ترمذی، نور لام ابن عساکر نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شام میں چالیس بدل ہیں جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ دوسرے کو اس کا بدل مٹا دیتا ہے، ان کے وسیلہ سے پردہ ہوتی ہے اور دشمنوں کے خلاف مدد حاصل ہوتی ہے، نور ان کے سبب سے احل شام سے عذاب دور کیا جاتا ہے

لور لام ابن عساکر کی روایت میں ہے ان کے سب سے روئے زمین سے ہلائے اور فرق کیے جانے کو دہر کیا جاتا ہے۔
لام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبلہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں تمیں ابدال ہیں، انہی کے وسیلہ سے زمین قائم ہے، انہی کے وسیلہ سے تم پر بارش ہوتی ہے اور انہی کے وسیلہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۰، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

سیدنا محمد ﷺ کی رسالت پر دلیل لور آپ کو تسلی دینے کا بیان
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت فرماتے ہیں، لور بیشک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں۔

ان آیات کا اشارہ ان ہزاروں اسرائیلیوں کی طرف ہے جو طاعون کی صورت میں موت کو دیکھ کر شہر چھوڑ کر بھاگے، اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی پھر ایک نبی کی دعا سے ان کو زندہ کر دیا، لور تلاوت کو بلا شہ بیتا لور اس کی بلا شہت کی دلیل پر تابوت کو نازل کیا، لور قوم عمالقہ لور جلوت کو حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں قتل کر لیا لور یہ تمام واقعات اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت، اس کی حکمت لور اس کی رحمت پر دلالت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان آیات کو آپ پر ہم تلاوت فرماتے ہیں، حالانکہ ان آیات کو آپ پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تلاوت کیا تھا، اس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت جبرائیل کا پڑھنا گویا اللہ کا پڑھنا ہے، اس میں حضرت جبرائیل کو اسی طرح مشرف فرمایا ہے جس طرح نبی ﷺ کی عزت افزائی کے لیے فرمایا:

رَأَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَ الْكِبْرََاءَ إِتْمَاعًا بِالْحَقِّ حَقًّا
بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت
(الفتح: ۱۰) اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں

اور اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہم ان آیات کو حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں تو اس کی حسب ذیل وجہ ہیں:
(۱) جس طرح سابقہ امتوں نے اللہ کی راہ میں سختیوں اور مصائب کو برداشت کیا اس طرح آپ کی امت کو بھی جہلونی سبیل اللہ میں سختیوں اور مشقتوں کو برداشت کرنا چاہیے یعنی یہ واقعات حق ہیں اور ان میں تدبیر کر کے ان پر عمل کرنا چاہیے۔

(۲) حق سے مراد یقین ہے یعنی ان واقعات کے ثبوت میں کوئی شک نہیں ہے، کیونکہ سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی یہ واقعات اسی طرح لکھے ہوئے ہیں۔

(۳) ہم نے ان واقعات کو ایسی فصیح و بلیغ عبارات میں بیان کیا ہے کہ کوئی شخص ان کی نظیر نہیں لاسکتا، لور یہ آپ کے برحق ہونے پر دلیل ہے۔

(۴) یہ آیات حق ہیں، یعنی یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں، یہ القاء شیطان سے ہیں نہ کاہنوں اور جادو گروں کی تحریف ہیں نہ شعرو شاعری ہیں، اس کے بعد فرمایا بیشک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں کیونکہ یہ آیات دو وجہ سے آپ کی رسالت پر دلالت کرتی ہیں:

(۱) آپ نے سابقہ امتوں کے یہ واقعات بیان فرمائے جن کی تصدیق اس زمانہ کی آسمانی کتابوں میں موجود تھی حالانکہ سب جانتے تھے کہ آپ نے کسی مکتب میں جا کر پڑھنا نہیں سیکھا نہ علماء اہل کتب سے آپ نے یہ واقعات سنے اس کے باوجود

جب آپ نے بغیر پردے اور سنے یہ واقعات بالکل درست بیان فرمادیے تو یہ اس بات پر روشن دلیل ہے کہ اللہ نے اپنی وحی کے ذریعہ آپ کو ان سے مطلع فرمایا اور اس نے اپنا کلام آپ پر نازل فرمایا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر آپ کو یہ بتایا کہ ہر زمانہ میں رسولوں کی مخالفت ہوتی رہی ہے اور ان کا انکار کیا جاتا رہا ہے، سو اگر کچھ لوگ آپ کو نہیں مانتے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، رسولوں سے ہمیشہ اسی طرح ہوتا آیا ہے، ہر زمانہ میں رسولوں کو اسی لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اللہ کا پیغام پہنچادیں اور وہ اپنی خوشی اور اختیار سے اس کو قبول کر لیں، کسی رسول کو بھی جبراً مسلّم کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا سو اگر بعض ضدی اور ہٹ دھرم لوگ آپ کی رسالت کو نہیں مانتے تو آپ غم نہ کریں کیونکہ آپ کا کلی طور پر نہ مانا جاتا عین تاریخ رسالت کے مطابق ہے اور اگر یہ آپ کو رسول نہیں مانتے تو کیا ہوا اہم تو کہتے ہیں کہ آپ ضرور اللہ کے رسولوں میں سے ہیں!

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ

ان سب رسولوں (میں سے) ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے بعض سے

مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ

اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کو (بے شمار درجوں کی) بندی عطا فرمائی، اور ہم نے عیسیٰ بن

مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا

مریم کو واضح نشانیاں دیں، اور ہم نے روح القدس (جبرائیل) سے اس کی مدد فرمائی اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے

أَقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مَنْ بَعْدَ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ

بعد اے واضح نشانیاں آنے کے بعد آپس میں قتال نہ کرتے، یقیناً انہوں نے

وَلَكِنْ اُخْتَلَفُوا فِيهِمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ

کیا، سوائے اس سے کوئی ایمان لے آیا اور کسی نے کفر کیا اور اگر اللہ

اللَّهُ مَا أَقْتَتَلُوا وَلَكِنْ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۝۲۵۳

چاہتا تو وہ آپس میں قتال نہ کرتے، یقیناً اللہ وہی کرتا ہے جس کا ارادہ فرماتا ہے

رسولوں کی باہمی فضیلت

اس سے پہلے اس سورت میں متعدد نبیوں اور رسولوں کا ذکر آچکا ہے مثلاً حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت شموئیل، حضرت حزقیل، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، اور حضرت عیسیٰ

پہلا اول

عيسى وعلی نبینا سیدنا محمد الصلوۃ والسلام اس لیے پڑھنے والے کے ذہن میں یہ تجسس پیدا ہو گا کہ آیا یہ تمام نبی اور رسول درجہ اور مرتبہ میں برابر ہیں یا ان میں درجات اور مراتب کا فرق ہے؟ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ان سب رسولوں (میں سے) ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، یعنی بعض رسولوں کو ایسی خصوصیات اور فضیلتیں عطا فرمائی ہیں جو دوسرے بعض رسولوں کو عطا نہیں فرمائیں۔ اور چونکہ اس سورت کا اکثر حصہ بنو اسرائیل کے احوال پر مشتمل تھا اور ان میں زیادہ تر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبع تھے اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ اس لیے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی فضیلتوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کہ ہم نے بعض کو کلام سے سرفراز فرمایا، یعنی ان سے بلا واسطہ کلام فرمایا ان سے حضرت آدم، حضرت موسیٰ اور حضرت سیدنا محمد ﷺ مراد ہیں، اس کے بعد فرمایا اور بعض کو (بے شمار درجوں کی) بلندی عطا فرمائی، اس سے مراد سیدنا محمد ﷺ ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہاں صراحہ ”آپ کا نام نہیں لیا کیونکہ غیر متقی درجات کے ساتھ آپ کا مخصوص ہونا اس قدر مشہور اور معروف ہے کہ آپ کا صراحہ ”ذکر نہ کیا جائے پھر بھی ذہن آپ کے سوالور کسی کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا“ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ آپ کو درجات کی بلندی عطا کی ہے یہ نہیں بیان فرمایا کتنے درجات کی بلندی عطا فرمائی ہے کیونکہ عالم اعداد میں کوئی عدد ایسا ہے ہی نہیں جو آپ کے تمام درجات کو بیان کر سکے اور کسی حد اور کسی عدد کا ذکر نہ فرما کر اس پر متنبہ کیا ہے کہ آپ کے درجات کا کوئی شمار نہیں نہ ان کی کوئی حد ہے، کہ آپ رحمت للعالمین اور خاتم النبیین ہیں، لواء حمد کے حامل اور مقام محمود پر فائز ہیں، تمام سابقہ شریعتوں کے تلخ ہیں، کوثر و سلسبیل کے ساقی ہیں عالم میثاق میں تمام انبیاء اور مرسلین سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کا عہد و پیمان لیا گیا، آپ تمام انبیاء اور مرسلین کے قائد ہیں، شب معراج اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دیدار سے مشرف فرمایا، روز حشر تمام اہل محشر کو آپ کی شفاعت کی احتیاج ہوگی، آپ کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے، کائنات اللہ کو راضی کرتی ہے اور اللہ آپ کو راضی فرماتا ہے، اور ایسے بہت سے فضائل اور خصائص ہیں جو صرف آپ ہی کو حاصل ہیں، یہ اجمالی ذکر ہے اور انشاء اللہ ہم اس کو تفصیل سے بھی بیان کریں گے، اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ ان کے معجزات زیادہ تر حسی تھے، مثلاً مردوں کو زندہ کرنا، مادر زاد اندھوں کو بینا کرنا اور برص اور کوڑھ کے مریضوں کو تندرست کرنا وغیرہا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے واضح نشانیاں آنے کے بعد آپس میں قتل نہ کرتے لیکن انہوں نے اختلاف کیا۔

بعض کفار عرب کے اسلام نہ لانے پر آپ کو تسلی دینا

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو سابقہ امتوں کی خبر دی ہے کہ حضرت موسیٰ کی قوم نے واضح دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود کہا ہمیں اللہ کو ظاہر باہر دکھاؤ، اور ہمارے لیے ایک معبود بنا دو جیسے ان کا معبود ہے، اسی طرح حضرت عیسیٰ کی قوم نے روشن دلائل اور معجزات مثلاً مردوں کو زندہ کرنا اور کوڑھیوں کو تندرست کرنا دیکھا، اس کے باوجود انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور ان کو قتل کرنے کے درپے ہوئے اب آپ کو یہ بتایا جا رہا ہے آپ بھی سابقہ رسولوں کی طرح ایک رسول ہیں تو اگر آپ کے دلائل اور معجزات پیش کرنے کے باوجود آپ کی قوم کے بعض لوگ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے:

اور اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو بیشک ان سے پہلے نوح کی قوم، اور علو اور ثمود نے اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم نے اور اصحاب مدین نے اپنے اپنے نبیوں کی تکذیب کی تھی اور موسیٰ کی تکذیب کی گئی۔

لَٰنْ يُكْذِبُوْكَ فَاِنَّ كُذْبَ رُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۤءُ وَاٰلَآءُ وَاَنْۢمُوْذُوْا قَوْمَ اِبْرٰهِيْمَ وَاَنْۢمُوْا قَوْمَ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبِ مَدِيْنٍ وَّكُذِّبَ مُوْسٰى (الحج: ۴۴-۴۷)

نیز فرمایا:

اگر یہ آپ کی تکذیب کریں (تو غم نہ کریں) آپ سے پہلے رسولوں کی بھی تکذیب کی گئی ہے جو واضح دلائل، آسمانی (آل عمران: ۸۴) صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔

فَاِنَّ كُذْبَ رُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۤءُ وَاٰلَآءُ وَاَنْۢمُوْذُوْا قَوْمَ اِبْرٰهِيْمَ وَاَنْۢمُوْا قَوْمَ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبِ مَدِيْنٍ وَّكُذِّبَ مُوْسٰى (الحج: ۴۴-۴۷)

اور اگر اللہ چاہتا تو نہ وہ لوگ اختلاف کرتے اور نہ آپ کی قوم کے بعض لوگ مخالف ہوتے، اور اللہ تعالیٰ ان سب کو جبراً مسلمان کر دیتا، اور دنیا میں کبھی کوئی شخص کسی نبی کا مخالف اور کافر نہ ہوتا لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت کے خلاف ہے، اس نے انسان کو حریت فکر اور سوچ و بچار کی آزادی عطا کی ہے اس نے کفر اور ایمان اور ہدایت اور گمراہی کے راستے پیدا کیے شیطان کو پیدا کیا جو انسان کو کفر اور گمراہی کی طرف بلاتا ہے اور انبیاء اور رسل مبعوث فرمائے جو اس کو ایمان اور ہدایت کی دعوت دیتے ہیں اور انسان کو عقل سلیم عطا کی، سچ اور جھوٹ اور کھرے اور کھوٹے کو پرکھنے کا شعور دیا اب وہ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ انبیاء اور رسل کی دعوت پر کتنے لوگ صراط مستقیم کو اختیار کرتے ہیں اور شیطان کے بہکانے میں آکر کتنے لوگ کفر اور گمراہی کو اختیار کرتے ہیں، اس لیے فرمایا لیکن انہوں نے اختلاف کیا سو ان میں سے کوئی ایمان لے آیا اور کسی نے کفر کیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں قتل نہ کرتے لیکن اللہ وہی کرتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے۔

اب ہم قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مشورہ سے بیان کریں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

رحمۃ اللطیفین ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

(۱) وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء: ۱۰۷) بجما ہے۔

آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں اور اپنے وجود اور بقاء میں ہر چیز کو رحمت کی ضرورت ہے تو ساری کائنات آپ کی خلق ہوئی، اور علاج الیہ علاج سے افضل ہوتا ہے اس لیے آپ ساری کائنات سے افضل قرار پائے، اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں سے بھی افضل ہوں، آپ سے پہلے جو نبی آئے ان کی قوموں نے ان کی تکذیب کی تو ان قوموں پر عذاب آیا، جب آپ کی قوم کے کافروں نے آپ کی تکذیب کی اور عذاب کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال: ۳۳) کافروں کو عذاب دے۔

انبیاء سابقین کے آنے کے بعد کافروں سے عذاب مل نہیں سکتا تھا اور آپ کے آنے کے بعد عذاب آ نہیں سکتا

تھا، آپ سے پہلے نبی عذاب کا مقدمہ بن کر آئے اور آپ مقدمہ رحمت بن کر آئے۔
تمام نبیوں اور رسولوں کے نبی ہونے کی وجہ سے کا آپ کا افضل الرسل ہونا

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لِمَا اُنَبِّئُكُمْ
مِّنْ كِتٰبٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا
مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ اَاقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ
عَلٰى ذٰلِكُم اٰصِرِيْٓ قَالُوْا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا
وَ اَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلٰى بَعْدَ ذٰلِكَ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (آل عمران: ۸۲-۸۷)

اور یاد کیجئے جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں تم کو جو
کتاب اور حکمت دوں، پھر تمہارے پاس ایک عظیم رسول
آجائے جو اس (کتاب اور حکمت) کی تصدیق کرے جو تمہارے
پاس ہے، تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی
مدد کرنا، فرمایا کیا تم نے اس کا اقرار کر لیا؟ اور اس پر میرے بھاری
عہد کو قبول کر لیا، ان سب نے کہا ہم نے اقرار کیا، فرمایا سو گولو ہو
جاؤ اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ پھر اس
عہد کے بعد جو اس سے پھر اتو وہی لوگ نافرمان (فاسق) ہیں۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ انبیاء سابقین میں سے جس نبی کے زمانہ میں بھی آپ مبعوث ہو جاتے، اس نبی پر لازم
ہو تا کہ وہ آپ پر ایمان لائے۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کے بعد جس نبی کو بھی بھیجا اس
سے سیدنا محمد ﷺ کے متعلق یہ عہد لیا کہ اگر اس نبی کی زندگی میں سیدنا محمد ﷺ مبعوث ہو جائیں تو وہ ضرور ضرور ان پر
ایمان لائے اور ضرور ضرور ان کی نصرت کرے اور اپنی قوم کو بھی ان پر ایمان لانے کا حکم دے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۳۶، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت
میں میری جان ہے اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

(المصنف ج ۹ ص ۴۷، مطبوعہ اوارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

اس حدیث کو امام بغوی نے بھی روایت کیا ہے۔ (شرح السنۃ ج ۳ ص ۲۱۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۲ھ)

امام ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم اگر موسیٰ تمہارے زمانہ میں زندہ ہوتے تو
ان کے لیے میرے سوا کسی کی پیروی کرنا جائز نہ ہوتا۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ۲ ص ۲۴، مطبوعہ دار المأمون تراث بیروت ۱۴۰۳ھ)

امام احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۹۸ھ)

حافظ البیہقی (۱) اور حافظ سیوطی (۲) نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

(۱) حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی المتوفی ۸۵۷ھ، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۳، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ

(۲) حافظ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور ج ۲ ص ۴۸، مطبوعہ مکتبۃ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء اور رسل حکما "لور تقدیر" ہمارے نبی ﷺ کی امت ہیں لور نبی امت سے افضل ہوئے اس سے واضح ہوا کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں۔
تمام نبیوں اور رسولوں کو عالم مشرق میں کیے ہوئے اس عہد کو پورا کرنے کا انتظار تھا اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

رَتْنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ
آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ
إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (البقرة: ۱۲۹)

اے ہمارے رب ان میں ایک عظیم رسول بھیج دے جو
ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے لور ان کو کتاب اور حکمت کی
تعلیم دے لور ان کی باطنی اصلاح کرے بے شک تو ہی بڑا غالب
لور بہت حکمت والا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے آنے کی بشارت دی:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَنْبِئُ اسْمَاءَ ابْنَتِ
رَسُوْلِ اللّٰهِ الْبِكْرَ الْمُصَدِّقَ قَالَا لِمَ بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ
التَّوْرَةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ
أَحْمَدُ (الصف: ۶)

لور یاد کیجئے جب عیسیٰ بن مریم نے کلمہ اے بنو اسرائیل
بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلی کتاب
تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور اس عظیم رسول کی خوشخبری دیتا
ہوں جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام ثانی احمد ہے۔

لام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عرواض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا
تھا لور بے شک (اس وقت) آدم اپنی مٹی میں تھے لور عنقریب میں تم کو اپنی ابتداء کے متعلق بتاؤں گا میں ابراہیم کی دعا
ہوں لور عیسیٰ کی بشارت ہوں لور میں اپنی ماں کا خواب ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا لور بیشک ان سے
ایک نور نکلا جس سے (ملک) شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (۱)

اس حدیث کو لام طبرانی (۲)، لام بزار (۳)، لام ابن حبان (۴)، لام ابو نعیم (۵)، لام حاکم (۶)، لام بیہقی (۷) اور لام
بنو (۸) نے بھی روایت کیا ہے۔ لام ذہبی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (۹)

(۱) لام احمد بن حنبل حوالی ۲۴۱، مسند احمد ج ۲ ص ۴۸۷، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ بیروت ۱۳۹۸

(۲) لام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی حوالی ۳۲۰، معجم کبیر ج ۸ ص ۲۵۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

(۳) لام احمد بن عمرو بن عبد اللہ البراء الحنفی ۲۳۳، کتب الاستاذ من زوائد البراء ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ مکتبۃ الرسالۃ بیروت۔

(۴) لام ابو حاتم محمد بن حبان بنی حوالی ۲۷۲، موارد المکنن ص ۵۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت۔

(۵) لام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ امبلی حوالی ۳۳۰، حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۸۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷

(۶) لام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری حوالی ۴۰۵، المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰، مطبوعہ مکتبہ دارالباز کہ کرم۔

(۷) لام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی حوالی ۴۵۸، دلائل النبوت ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

(۸) لام حسین بن مسعود بنو حوالی ۵۵۸، شرح السنہ ج ۷ ص ۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۳

(۹) علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی حوالی ۸۴۸، تحفہ المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰، مطبوعہ مکتبہ دارالباز کہ کرم۔

تمام انبیاء کے لوصف اور کمالات کے جامع ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَا هُمْ أَقْنَدُهُ

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے سو آپ بھی

(الانعام: ۹۰) ان کے طریقہ پر چلیں۔

اس آیت میں عقائد اور اصول مرلو نہیں ہیں کیونکہ عقائد اور اصول میں تقلید جائز نہیں ہے اور نہ فروغ اور اہل مرلو ہیں کیونکہ آپ کی شریعت تمام شرائع سابقہ کے لیے تلخ ہے، سو اس سے مرلو یہ ہے کہ آپ محاسن اخلاق میں تمام انبیاء عظیم السلام کی پیروی کیجئے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ تمام لوصف حمیدہ اور تمام اخلاق حسنہ جو تمام انبیاء عظیم السلام میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے آپ ان تمام لوصف اور اخلاق کے جامع ہیں مگویا آپ کی صفت کو پھیلاؤ تو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی صفت ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی صفت کو سمیٹو تو وہ تنہا آپ کی صفت ہیں، آپ کی ذلت بہ منزلہ متن ہے اور تمام انبیاء بہ منزلہ شرح ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم: ۴)

بے شک آپ ضرور خلق عظیم پر فائز ہیں۔

علی کا لفظ استعلا اور تفوق کے لیے آتا ہے، جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص سواری پر سوار ہے، سو آپ بہ منزلہ سوار ہیں اور خلق عظیم بہ منزلہ سواری ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ دوسرے لوگ نیک ہونے میں نیکی کے تلخ ہوتے ہیں اور یہاں نیکی آپ کے تلخ ہے، آپ جس کلم کو کر لیں وہ اچھا ہے اور جس سے منع فرمادیں وہ برا ہے، خلق عظیم کی باگیں آپ کے ہاتھ میں ہیں، آپ جس طرف ان کا رخ موڑ دیں غمگین ہیں، آپ غمگینوں کے تلخ نہیں ہیں، غمگین اپنے غمگین ہونے میں آپ کے تلخ ہیں۔

وَمَا أَنْتُمْ إِلَّا رُسُلٌ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَكُم عَنْهُ فَأَنْتَهُوا (الحشر: ۷)

اور رسول تمہیں جو کچھ دیں وہ لے لو، اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو۔

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضَيِّقُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُّورٌ عَلَىٰ نُورٍ (النور: ۳۵)

قریب ہے کہ (آپ کی نبوت کا) تیل خود ہی روشن ہو جائے خواہ اسے (وحی کی) آگ نہ چھوئے اور (نزول وحی کے بعد) وہ نور علی نور ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

قریب ہے کہ نبی ﷺ کی استعداد کا تیل اپنی صفائی اور زکونیت کی وجہ سے خود ہی روشن ہو جاتا خواہ اس کو نور قرآن نے نہ چھوا ہوتا۔ امام بغوی نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ قریب ہے کہ نبی ﷺ کے محاسن لوگوں کے سامنے وحی سے پہلے ہی ظاہر ہو جاتے۔ (روح المعانی ج ۱۸ ص ۱۷۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قاضی عیاض لکھتے ہیں: قریب ہے کہ اس تیل کی طرح سیدنا محمد ﷺ کی نبوت لوگوں پر آپ کے دعویٰ نبوت سے پہلے ہی ظاہر ہو جاتی۔ (الشفاء ج ۱ ص ۱۱، مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان)

علامہ شہاب الدین خفائی نے لکھا ہے:

اس آیت میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو اس تیل سے تشبیہ دی گئی ہے جو از خود روشن ہو جاتا ہے۔ (نیم الریاض ج ۱ ص ۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

عالم قاری نے لکھا ہے۔

کیونکہ آپ کا ظاہر اور باطن صاف تھا آپ میں نبوت اور رسالت مجتمع تھی، آپ میں انوار ایہ بہت قوی تھے اور آپ انوار صمدیہ کے مظہر تھے اور آپ ایسے کامل تھے کہ اگر آپ دعویٰ نبوت نہ کرتے پھر بھی لوگوں پر آپ کی نبوت ظاہر ہو جاتی۔
(شرح الشفاء علی حاشیہ نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

قلہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا یا ام المومنین! مجھے رسول اللہ ﷺ کے خلق کے متعلق بتائیے؟ آپ نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں! حضرت عائشہ نے فرمایا نبی ﷺ کا خلق قرآن تھا۔
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۶ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام بخاری (۱)، امام ابو داؤد (۲)، امام نسائی (۲)، امام ابن ماجہ (۴)، امام احمد (۵)، امام دارمی (۶) اور امام بیہقی (۷) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے خصائل اور شمائل کی جامع عبارت قرآن مجید ہے اور قرآن مجید کے تیس پاروں کو اگر انسانی پیکر میں ڈھلا جائے تو وہ پیکر مصطفیٰ ہے۔

امام مالک نے فرمایا ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے حسن اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔
(موطا امام مالک ص ۷۰۵ مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان لاہور)

امام بغوی روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق کو تمام تک پہنچانے اور محاسن افضل کو مکمل تک پہنچانے کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ (شرح السنہ ج ۷ ص ۱۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)
ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ آپ سے پہلے کوئی نبی اور رسول مکارم اخلاق اور محاسن افضل کا جامع نہیں تھا حضرت داؤد اور سلیمان نے شہس کی زندگی گزاری اس میں فقر کا نمونہ نہیں ہے، حضرت یحییٰ اور عیسیٰ نے تجرد کی زندگی گزاری اس میں ازدواجی زندگی اور عائلی حیات کا نمونہ نہیں ہے، ایسی کامل زندگی جو انسانیت کے ہر شعبہ پر محیط ہو وہ صرف آپ کی زندگی ہے۔ آپ نے بکمال چہرہ میں گزریوں اور چہرہ میں کو اعزاز بخشا، دودھ دہا گوالوں کی عزت افزائی کی، جوتی مرمت کر لی، موجیوں کا مقام اونچا کیا، پٹے ہوئے کپڑے سی لیے، خندقیں کھودیں، تجارت ہو، صنعت و حرفت ہو،

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، کتاب المفرد ص ۸۷-۸۶ مطبوعہ مکتبہ اثیریہ سائیکہ مل

(۲) امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۵۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۸۹-۱۸۸ مطبوعہ مکتبہ مجتہدی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ

(۳) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، سنن نسائی ج ۱ ص ۲۳۷ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۴) امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۱ھ، سنن ابن ماجہ ص ۲۸۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۵) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۶ ص ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴

حکومت کا کوئی شعبہ ہو، ناست ہو، خطابت ہو، سپہ سالاری ہو، ہر شعبہ میں آپ کا نمونہ ہے۔ اگر ایک حاکم فحش کے لئے کہ میں حکومت چلا کر رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عامل ہوں تو پیوند لگے ہوئے لباس پہن کر زمین کھودنے والا مزدور بھی کہے گا کہ میں بھی رسول اللہ کی سنت کا امین ہوں، سو ایسی کمال زندگی نبیوں اور رسولوں میں سے کسی نے نہیں گزاری، آپ تمام نبیوں اور رسولوں میں مکارم اخلاق اور محاسن افعال کے سب سے زیادہ جامع ہیں اس لیے سب رسولوں میں آپ ہی سب سے افضل ہیں۔

رسالت کے عموم کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (سبا: ۲۸)

بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے رسول ہیں، نیز فرمایا :

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان : ۱)

وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندہ پر فیصلہ کرنے والی کتب نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے ہوں۔

اسی طرح احادیث میں بھی نبی ﷺ کی رسالت کا عموم اور شمول بیان کیا گیا ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی (نبی) کو نہیں دی گئیں، ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے، تمام روئے زمین میرے لیے مسجد بنا دی گئی ہے اور طہارت کا ذریعہ (تیمم) بنا دی گئی ہے سو میری امت کا جو شخص بھی نماز کا وقت پائے وہ (جہاں بھی ہو) نماز پڑھ لے، اور میرے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا اور وہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا، اور مجھے شفاعت (کبریٰ) عطا کی گئی ہے اور ہر نبی بالخصوص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۴۳۸ھ)

اس حدیث کو امام بغوی (۱) اور امام دارمی (۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے چھ وجوہ سے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے، میری رعب سے مدد کی گئی، میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا، تمام روئے زمین کو میرے لیے طہارت کا آلہ (تیمم) اور مسجد بنا دیا گیا، مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت ختم کی گئی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۴۳۷ھ)

امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں، مجھے ہر کالے

(۱) امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۸۱ھ، شرح السنہ ج ۷ ص ۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۳ھ

(۲) امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی رقم الحدیث : ۱۳۹۵، دار المعرفۃ بیروت

لور گورے کی طرف مبعوث کیا گیا ہے لور میرے لیے تمام زمین مسجد لور آلہ طہارت (مہم) بنادی گئی ہے الحدیث

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۱، مطبوعہ دارالکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام رولوی صحیح ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۸، مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

لام احمد نے اس حدیث کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۷-۲۸۸، مطبوعہ دارالکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ البیہقی نے لام بزار کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول

ﷺ نے فرمایا ہر نبی بالخصوص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا لور میں تمام جن لور انس کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۸، مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں :

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ہمیں چار ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو ہم

سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں لور میں نے اپنے رب سے پانچویں چیز مانگی تو میرے رب نے وہ بھی عطا کر دی، پہلے نبی کسی

ایک شہر (قوم) کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا لور اس سے تجلوز نہیں کرتا تھا لور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ

سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں لور فخر نہیں ہے مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے کلاوں کی طرف اور گوروں کی

طرف لور مجھ سے پہلے نبی کو ایک قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا۔ الحدیث

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

اس حدیث کو لام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ (معجم کبیر ج ۱ ص ۵۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔

(معجم کبیر ج ۲ ص ۳۱۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن مجید لور بہ کثرت احادیث صحیحہ سے واضح ہو گیا کہ نبی ﷺ تمام جن و انس بلکہ تمام مخلوق کی طرف مبعوث

کئے گئے ہیں، ہم البقرہ : ۱۲۹ کی تفسیر میں باحوالہ بیان کر چکے ہیں کہ گوہ لور ہرنی نے آپ کا کلمہ پڑھا، درختوں نے آپ کی

طلاعت کی پتھروں نے آپ کو سلام عرض کیا لور لوٹنی آپ کے فراق میں روئی لور یہ وہ عظیم خصوصیت ہے جو اللہ تعالیٰ

نے آپ کے سوا اور کسی نبی کو عطا نہیں کی اس سے واضح ہوا کہ آپ تمام نبیوں لور رسولوں سے افضل ہیں۔

خاتم الانبیاء ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِنْ

رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب : ۴۰) وہ اللہ کے رسول ہیں لور سب نبیوں کے آخر۔

نبی ﷺ آخر الانسین ہیں، ہر نبی کی شریعت بعد میں آنے والے نبی سے منسوخ ہوتی رہی لور نبی ﷺ آخر الانبیاء

ہیں اور قیامت تک کے نبی ہیں اس لیے آپ کی شریعت باقی اور غیر منسوخ ہے اور اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آپ تمام انبیاء سے افضل ہوں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے پانچ اسماء ہیں۔ میں محمد اور احمد ہوں میں ماحی ہوں جس کے سبب سے اللہ کفر کو مٹاتا ہے، میں حاشر ہوں لوگ میرے قدموں میں جمع کیے جائیں گے، اور میں عاقب (آخری نبی) ہوں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۱ ج ۲ ص ۷۲۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی، ۱۴۳۸ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں محمد اور احمد ہوں، میں ماحی ہوں جس کے سبب سے اللہ کفر کو مٹاتا ہے، میں حاشر ہوں میری ایڑیوں پر لوگ جمع کیے جائیں گے اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی)

اس حدیث کو امام ترمذی (۱) اور امام بغوی (۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اور مجھ سے پہلے نبیوں کی مثل ایسے ہے جیسے کسی شخص نے بہت حسین و جمیل گھر بنایا لیکن اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی ہو لوگ اس گھر کے گرد طواف کریں اور تعجب کریں اور کہیں کہ کیوں نہ یہ ایک اینٹ بھی رکھ دی گئی تو میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ (۲) اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی، ۱۴۳۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بنو اسرائیل کے انبیاء ان کا سیاسی نظام چلاتے تھے۔ جب بھی کوئی نبی فوت ہوتا تو دو سرانہی اس کا خلیفہ ہو جاتا اور بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی، ۱۴۳۸ھ)

اس حدیث کو امام مسلم (۲) اور امام احمد (۵) نے بھی روایت کیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تبوک کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت علی کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا حضرت علی نے کہا آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں آپ نے فرمایا کیا تم اس پر راضی

(۱) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۵۹۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۲) امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۲۱ھ، شرح السنہ ج ۷ ص ۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۲ھ

(۳) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی، ۱۴۳۸ھ

(۴) امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی، ۱۴۳۵ھ

(۵) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۳۹ھ

نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون تھے اگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۳۲، مطبوعہ نور محمد اصح المصالح، کراچی)

اس حدیث کو امام مسلم (۱)، امام ترمذی (۲)، امام ابن ماجہ (۳)، امام احمد (۴)، اور امام ابن حبان (۵) نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے سو میرے بعد کوئی رسول ہو گا نہ نبی (۶)

اس حدیث کو امام احمد (۷)، امام حاکم (۸)، اور امام ابن ابی شیبہ (۹) نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک میری امت کے قبائل مشرکین کے ساتھ لاحق نہ ہوں، اور جب تک بتوں کی عبادت نہ کی جائے، اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی، اور عنقریب میری امت میں تمیں کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد (۱۰)، امام احمد (۱۱)، اور امام بیہقی (۱۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

کثرت معجزات کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

بے شک ہم ہی نے قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

(الحجر : ۹) اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

(۱) امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۸، مطبوعہ نور محمد اصح المصالح، کراچی ۱۳۷۵ھ

(۲) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۵۳۵-۵۳۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۳) امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۴) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۳-۱۷۴، ج ۳ ص ۳۳۸-۳۳۹، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

(۵) امام ابو حاتم محمد بن حبان البسی متوفی ۳۵۳ھ، لاسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۴۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ

(۶) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۳۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۷) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

(۸) امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۴ ص ۳۹، مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ

(۹) امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ، المصنف ج ۵ ص ۵۳، مطبوعہ لواء القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ

(۱۰) امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۲۸، مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ

(۱۱) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۸، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

(۱۲) امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۵۸ھ، دلائل النبوت ج ۶ ص ۲۸۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ اس قرآن مجید میں ملنے سے باطل آسکتا ہے نہ پیچھے (حم السجدة : ۴۲) سے۔

پہلی آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید میں سے کسی آیت بلکہ کسی حرف کی کمی نہیں ہو سکتی اور دوسری آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی حرف کا اضافہ نہیں ہو سکتا، فرض قرآن مجید کے یہ دو دعوے ہیں اس میں کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی ہو سکتی ہے۔ اور تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ کوئی شخص قرآن مجید کی کسی سورت بلکہ کسی آیت کی بھی نظیر اور مثال نہیں لاسکتا :

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا
فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ
ہم نے جو اپنے (مقدس) بندے پر کلام نازل کیا ہے اگر تم اس کے (منزل من اللہ ہونے کے) متعلق شک میں ہو تو اس (کلام) کی مثل کوئی سورت لے آؤ۔ (البقرہ : ۲۳)

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ
(الطور : ۲۴)
اگر وہ سچے ہیں تو اس قرآن جیسی کوئی آیت لے آئیں۔

قرآن مجید کی چھ ہزار سے زیادہ آیتیں ہیں اور ہر آیت میں قرآن مجید کی حقانیت اور نبی ﷺ کی نبوت کی صداقت پر تین دلیلیں ہیں، (۱) قرآن مجید میں زیادتی نہیں ہو سکتی (۲) قرآن مجید میں کمی نہیں ہو سکتی (۳) اس کی کوئی مثل نہیں لاسکتا، اس طرح نبی ﷺ کی نبوت کے صدق پر اٹھارہ ہزار سے زائد دلائل ہو گئے۔

علوم و فنون میں دن بدن ترقی ہو رہی ہے اور اسلام کے مخالفین اور آپ کی رسالت کے منکرین کی تعداد بھی دن بہ دن بڑھ رہی ہے، اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ چودہ سو سال سے زیادہ گزر گئے اور اب تک کسی نے اس چیلنج کو نہیں توڑا، نہ کوئی شخص قرآن مجید کی کسی آیت کی کوئی مثل لاسکا نہ اس میں کمی یا زیادتی کر سکا، اگر اس چیلنج کو توڑنا کسی کے بس کی بات ہوتی تو اب تک وہ اس چیلنج کو توڑ چکا ہوتا۔

دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات مثلاً لاشی اور اونٹنی وغیرہ اعیان و جواہر کے قبیل سے تھے لیکن وہ باقی نہ رہے اور قرآن مجید اعراض اور معانی کے قبیل سے ہے اور ہنوز باقی ہے اور انشاء اللہ قیامت تک بلکہ اس کے بعد تک باقی رہے گا، خلاصہ یہ ہے کہ جس قدر کثیر اور قوی دلائل نبی ﷺ کی نبوت پر قائم کیے گئے، وہ کسی اور نبی اور رسول کی نبوت پر قائم نہیں کیے گئے، دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر دلیل فانی معجزات تھے، آپ کی نبوت پر دلیل باقی رہنے والا، اللہ کا کلام اور قرآن مجید ہے۔

آپ کے دین کے نسخ الا دیان ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے ہوئے دین کو اپنی نعمت تامہ قرار دیا اور فرمایا :

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ
نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا
آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر

(المائدہ : ۳) لیا۔

آپ کے دین کو ادیان سابقہ کے لیے نسخ قرار دیا اور فرمایا :

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ
جس شخص نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کیا سو

(آل عمران : ۸۵) وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

لور یہ رسول اللہ ﷺ کی تمام انبیاء اور رسل پر عظیم فضیلت ہے کہ آفتاب محمدیت کے طلوع کے بعد اب کسی نبی یا رسول کی شریعت کا چرغ نہیں جلے گا، حتیٰ کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ظاہری حیات سے زندہ ہوتے تو آپ کی پیروی کرتے لور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا تو وہ بھی آپ کی شریعت کی پیروی کریں گے، امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا مرتبہ ہو گا جب تم میں ابن مریم کا نزول ہو گا لور امام تم میں سے ہو گا۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)
اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا دین تمام لوہان سے افضل ہے اس لیے ضروری ہوا کہ آپ تمام انبیاء اور رسل سے افضل ہوں۔

امت کی کثرت لور افضلیت کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ
کے سامنے پیش کیا گیا تم نیکی کا حکم دیتے ہو لور برائی سے روکتے
بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
(آل عمران : ۱۱۰) -

آپ کی امت کے افضل ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ سابقہ امتوں میں بھی ایمان لانے والے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی امت کو یا یہا الذین امنوا (ایمان والے) کہہ کر مخاطب نہیں فرمایا بلکہ، مثلاً یا نبی اسرائیل، کہہ کر پکارا لور یہ اس امت کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ اس کو یا یہا الذین امنوا سے خطاب کیا کیونکہ اس پر ایمان لانے کے تو بہت دعوئی دار ہیں لیکن فضیلت ان کی ہے جن کو وہ خود یا یہا الذین امنوا فرمائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن جب انبیاء علیہم السلام کی ان کے امتی تکذیب کریں گے اور کہیں گے ہمیں کسی نے خدا کے عذاب سے نہیں ڈرایا اس وقت انبیاء علیہم السلام کی صداقت پر آپ کی امت گواہی دے گی :
وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا
لور اے مسلمانو! اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا
شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (البقرة : ۱۴۳)
تاکہ تم لوگوں (انبیاء علیہم السلام) پر گواہ ہو جاؤ۔

لور یہ اس امت کی کتنی بڑی فضیلت ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے مقدمہ میں گواہ ہو گی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کے متعلق فرمایا :

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآئِيْلُ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ
اے بنو اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو۔

(البقرة : ۱۷۷)

لور آپ کی امت کے متعلق فرمایا :

تَمِيزُ ذَاتِ كِبَرٍ

فَاذْكُرُونِي (البقرة : ۱۷۷)

بنو اسرائیل کی رسل صرف اللہ کی صفت انعام تک تھی لور آپ کی امت کی رسل اللہ کی ذات تک ہے، کیونکہ

باقی امتوں کے نبیوں نے اللہ کی صفات کا مشاہدہ کیا اور آپ نے اللہ کی ذات کا مشاہدہ کیا اور صرف صفات کے مظہر تھے آپ عین ذات کے مظہر ہیں، اس لیے ان کی امتیں صفات کو یاد کرتی ہیں اور آپ کی امت ذات کو یاد کرتی ہے۔
امت کی وجہ سے آپ کے افضل الرسل ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کی امت کی تعداد تمام امتوں کے مجموعہ سے بھی زیادہ ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی کو اتنے معجزات دیئے گئے جن کی مثل پر ایک بشر ایمان لے آئے، اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام عطا فرمایا ہے اور مجھے امید ہے کہ میری امت قیامت کے دن ان سب سے زیادہ ہوگی۔ (۱) اس حدیث کو امام مسلم (۲) اور امام بغوی (۳) نے بھی روایت کیا ہے۔
امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھ پر امتیں پیش کی گئیں میں نے ایک نبی کو دیکھا ان کے ساتھ ایک جماعت تھی، ایک اور نبی کو دیکھا ان کے ساتھ ایک اور دو آدمی تھے، ایک اور نبی کو دیکھا ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا، پھر میرے سامنے ایک عظیم جماعت بلند کی گئی میں نے گمان کیا یہ میری امت ہوگی! مجھے بتلایا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ کی امت ہے، البتہ آپ آسمان کے کنارے پر دیکھیں میں نے دیکھا تو ایک بہت بڑی جماعت تھی، پھر مجھ سے کہا گیا، آپ دوسرے کنارے کو دیکھیں تو وہاں بھی ایک بہت بڑی جماعت تھی، مجھ سے کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار ایسے لوگ ہیں جو جنت میں بغیر حساب اور عذاب کے داخل ہوں گے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا، اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ اے اللہ تو گواہ ہو جا! پھر فرمایا کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم چوتھائی اہل جنت ہو؟ ہم نے کہا ہاں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم اہل جنت کی تہائی ہو؟ ہم نے عرض کیا ہاں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم نصف اہل جنت ہو، تمہارے مقابلہ میں دوسری امتیں ایسی ہوں گی جیسے سفید بیل میں ایک سیاہ بیل ہو یا سیاہ بیل میں ایک سفید بیل ہو۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث میں ہے کہ آپ کی امت نصف اہل جنت ہوگی اور دوسری حدیث میں ہے کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی صفیں آپ کی امت کی ہوں گی یعنی آپ کی امت کل اہل جنت کی دو تہائی ہوگی! اور آپ کی امت کا کل نبیوں کی امتوں سے تعداد میں سب سے زیادہ ہونا اور مرتبہ میں سب سے افضل ہونا اس کی دلیل ہے کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں میں سب سے افضل ہیں۔

مقام محمود پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۳۸۱ھ

(۲) امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۳۷۵ھ

(۳) امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۵۱ھ، شرح السنہ ج ۷ ص ۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ

عَنْكَ أَنْ تَيْتَعَنَّكَ رَتِّكَ مَقَامًا
مَحْمُودًا (الاسراء : ۷۹)

مقام محمود سے مراد وہ مقام ہے جس مقام پر فائز ہونے والے کی تمام اولین اور آخرین حمد کریں گے، جب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہو گا اور آپ کو شفاعت کبریٰ عطا کی جائے گی اور آپ تمام اہل محشر کی شفاعت کریں گے۔

لام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اذان سننے کے بعد یہ کہا ”اے اللہ! اس دعوت تلمہ اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب! محمد کو وسیلہ (جنت میں ایک بلند مقام) اور فضیلت عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔“ اس شخص کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔ (جامع ترمذی ص ۵۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اور لام مسلم نے روایت کیا ہے :

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم موزن سے اذان سنو تو اذان کے کلمات کی مثل کو پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو، وہ جنت میں ایک مقام ہے، جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے امید (بہ معنی یقین) ہے کہ وہ بندہ میں ہوں سو جس نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ عز و جل نے حضرت موسیٰ کو کلام عطا کیا اور مجھے دیدار عطا کیا اور مجھے مقام محمود اور حوض مورود (جس حوض پر لوگ وارد ہوں گے) کی فضیلت عطا کی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۰۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

قرآن مجید اور ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مقام محمود صرف ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو عطا ہو گا، نیز وسیلہ (جنت میں مقام بلند) بھی صرف آپ کو عطا ہو گا اور اس میں آپ کے افضل الرسل ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اللہ کی رضا ہوئی کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ
فَلَنُؤَيِّدَنَّكَ قَبْلَ تَرْجُئِهَا (البقرہ : ۲۵۳)

بے شک ہم آپ کے رخ (انور) کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم آپ کو ضرور اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔

وَمِنْ أَنَا نِي الْبَيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ
لَعَلَّكَ تَرْضَى

اور رات کے کچھ وقت (مغرب اور عشاء) میں اس کی تسبیح کیجئے اور دن کے درمیانی گناہوں میں اس کی تسبیح کیجئے تاکہ آپ راضی ہو جائیں۔ (طہ : ۳۰)

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ

اور مقرب آپ کا رب آپ کو ضرور لکھ دے گا کہ آپ

(الضحیٰ : ۵) راضی ہو جائیں گے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا : یا رسول اللہ! میں صرف یہی جانتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی فرماتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۳۷۵ھ)

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ وہ آیات تلاوت کیں جن میں حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کے شفاعت کرنے کا ذکر ہے پھر آپ نے ہاتھ بلند کیے اور روتے ہوئے فرمایا اے اللہ! میری امت! میری امت! اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبرائیل محمد کے پاس جاؤ حلا تکہ آپ کا رب خوب جانتا تھا (پھر بھی) فرمایا ان سے پوچھو آپ کس وجہ سے رورہے ہیں، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر آپ سے پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتایا کہ آپ نے کیا کہا تھا، حلا تکہ اللہ خوب جانتا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبرائیل محمد کے پاس جاؤ اور کہو بے شک ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۳۸۱ھ)

تمام انبیاء اور رسل اللہ کو راضی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے رسول سیدنا محمد ﷺ کو راضی کرتا ہے اور یہ آپ کے افضل الرسل ہونے کی واضح دلیل ہے۔

آپ کے ذکر کی رفعت کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (انشراح : ۴)

اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی جگہ پر سورج غروب ہو رہا ہے اور غروب آفتاب کے وقت مغرب کی اذان ہو رہی ہے، اسی طرح ہر وقت کہیں نہ کہیں فجر ہو رہی ہے اور جہاں طلوع فجر ہے وہاں فجر کی اذان ہو رہی ہے و علیٰ ہذا القیاس، اور اذان میں جہاں اللہ کا نام بلند کیا جا رہا ہے وہاں رسول اللہ ﷺ کا نام بھی بلند کیا جا رہا ہے خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی جگہ پر آپ کا نام بلند کیا جا رہا ہے اور جس طرح کلمہ شہادت میں 'اذان میں' اور تشہد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ آپ کا نام رکھا ہے، انبیاء سابقین میں سے کسی کا نام اپنے نام کے ساتھ نہیں رکھا، نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا، آپ کی بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا، فرمایا :

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(النساء : ۸۷)

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی

(الفتح : ۱۰) سے بیعت کرتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کی عزت کو اپنی عزت کے ساتھ مقرون کیا اور فرمایا۔ ولله العزة ولرسوله (المنافقون)

اللہ اور سولہ احق ان پر ضوہ (التوبہ : ۳) اور آپ کی اجابت کو اپنی اجابت کے ساتھ مقرون کیا اور فرمایا :
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ (الانفال : ۲۴)
 نبی ﷺ کے ذکر کی بلندی کا اس سے اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر عزت اور سر بلندی کے مقام پر نبی ﷺ کے ذکر
 کو اپنے ساتھ ذکر کیا ہے اور فرمایا :

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ
 اللہ تعالیٰ اور اس کے سارے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ
 (الاحزاب : ۵۶) وسلم) پر صلوٰۃ پڑھتے (رحمت بھیجتے) رہتے ہیں۔

گویا انزل سے لے کے بد تک کوئی وقت نہیں گزر تا مگر اس وقت میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ پڑھتا رہتا
 ہے، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ پر یوم ولادت، یوم وفات اور یوم بعثت میں صرف تین بار اللہ نے سلام نازل کرنے کا ذکر
 فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر زمان و مکان کی کسی قید کے بغیر اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ نازل کرنے کا ذکر فرمایا پھر وہاں سلام کا
 ذکر تھا یہاں صلوٰۃ کا ذکر ہے وہاں تین ایام کی قید ہے یہاں بعد لو و شمار کا ذکر نہیں ہے نہ الوہیت کے عدم کا تصور ہے نہ آپ
 کے ذکر کے انقطاع کا تصور ہے۔ ورفعنالک ذکرک۔

لام یصحی روایت کرتے ہیں :

جب نبی ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو آپ نے اپنے رب سے کلام کیا، آپ نے عرض کیا : تو نے ابراہیم کو خلیل
 بنایا اور ان کو ملک عظیم عطا کیا، اور موسیٰ سے کلام کیا اور داؤد کو ملک عظیم عطا کیا اور ان کے لیے لوہے کو نرم کیا، اور ان
 کے لیے پہاڑوں کو مسخر کیا اور سلیمان کو ملک عظیم عطا کیا اور ان کے لیے پہاڑ، جن اور انسان مسخر کر دیئے اور شیطانوں اور
 ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا، اور ان کو ایسی سلطنت عطا کی جو ان کے بعد اور کسی کو سزاوار نہ ہوگی، اور عیسیٰ کو تورات اور
 انجیل کا علم دیا، اور ان کو یہ حکمت دی کہ وہ برص اور کوڑھ کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے اور تیرے اذن سے مردوں
 کو زندہ کرتے تھے، اور تو نے ان کو اور ان کی ماں کو شیاطین سے اپنی پناہ میں رکھا، اللہ عزوجل نے فرمایا میں نے آپ کو
 خلیل بنایا اور تورات میں لکھا ہوا ہے کہ وہ خلیل الرحمن ہیں، اور آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنایا اور آپ کے
 لیے شرح صدر کیا، اور آپ سے مشکل احکام کا بوجھ دور کیا، اور آپ کے ذکر کو بلند کیا، اور جب بھی میرا ذکر کیا جاتا ہے تو
 اس کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جاتا ہے اور آپ کی امت کو سب سے بہتر امت بنایا، اور امت وسط بنایا، اور آپ کی امت کو
 لول اور آخر بنایا، اور آپ کی امتوں کے دل ابھیل کی کیفیت پر بتائے اور آپ کی امت جب بھی خطبہ پڑھتی ہے تو یہ
 شہادت دیتی ہے کہ آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں، اور آپ کو بہ اعتبار خلقت کے لول الانبیاء اور بہ لحاظ بعثت
 کے آخر الانبیاء بنایا اور آپ کو عرش کے خزانہ کے نیچے سے سورہ فاتحہ دی گئی جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی، اور
 آپ کو قلح اور خاتم بنایا۔
 (دلائل النبوت ج ۲ ص ۴۰۳-۴۰۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

آپ کے ذکر کی رفعت سے متعلق قرآن مجید کی آیات اور اس حدیث میں ہمارے نبی ﷺ کے افضل الرسل
 ہونے کا واضح بیان ہے۔

دنیا میں سلطان مغفرت ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

بے شک ہم نے آپ کو دشمن طاعن فرمایا تاکہ اللہ آپ
 اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۚ لِيُغْفِرَ لَكَ

اللّٰهُ مَا تَقْدَمُ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا نَأْخِرُ وَبَيْنَهُمَا نِعْمَتُهُ
عَلَيْكَ وَنَهْدِيكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَ
يَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَظِيمًا (الفنح: ۱-۳)

کے لیے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) عطف اولیٰ سب کام
معاف فرمادے اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو
مراہ مستقیم پر ثابت قدم رکھے اور اللہ آپ کو غالب نصرت عطا
فرمائے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ پر حدیبیہ سے لوٹتے وقت یہ آیت نازل ہوئی لیغفر لک اللہ
ما تقدم من ذنبک وما تاخر' لہ نبی ﷺ نے فرمایا : مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے تمام روئے
زمین سے زیادہ محبوب ہے۔ پھر آپ نے اس آیت کو صحابہ کرام کے سامنے پڑھا، صحابہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ! آپ
کو مبارک ہو! اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ آپ کے ساتھ قیامت کے دن کیا کیا جائے گا، لیکن ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟
تب یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ :) اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو جن جنت میں داخل کرے گا جن کے
نیچے دریا بہتے ہیں آپ نے یہ آیت فوزاً "عظیماً" تک تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۶۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام بخاری (۱) اور امام مسلم (۲) نے بھی روایت کیا ہے :

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی!

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کو جمع فرمائے
گا، لوگ کہیں گے کاش ہم اپنے رب کے حضور شفاعت طلب کرتے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس جگہ ہم کو راحت عطا فرماتا، پھر
وہ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ
میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونکی اور فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا اور انہوں نے آپ کو سجدہ کیا! آپ ہمارے رب کے حضور
ہماری شفاعت کیجئے، حضرت آدم فرمائیں گے میں تمہارا کام نہیں کر سکتا، اور اپنی (اجتہادی) خطا یاد کریں گے، تم نوح کے
پاس جاؤ (آخر حدیث تک) پھر لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے کہ میں تمہارا کام نہیں کر سکتا، تم محمد ﷺ
کے پاس جاؤ، ان کے اگلے اور پچھلے ذنب (یعنی بظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کی مغفرت کر دی گئی ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطلق کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت میں ذکر کیا ہے کہ جب لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں

(۱) امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶، ۷۷، ۷۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطلق کراچی ۱۳۸۱ھ

(۲) امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطلق کراچی ۱۳۸۱ھ

لہ ذنب کا معنی ہے خطا، جرم اور اثم اور نبی ﷺ کے افعال پر ذنب کا اطلاق مجازاً ہے کیونکہ آپ معصوم ہیں اور معصوم کا
ذنب نہیں ہوتا اس لیے یہاں ذنب سے مراد ہے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام، اب سوال یہ ہے کہ جب آپ کے گناہ نہیں ہیں تو
مغفرت ذنوب کا کیا معنی ہے اس کا جواب ہے کہ جب معصوم کے ساتھ مغفرت کا تعلق ہوتا ہے، تو اس سے مراد ہوتا ہے
درجات کا بلند کرنا اور اپنی رحمت سے نوازنا۔ منہ

کے توبہ لیا میں گے :

میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، محمد ﷺ کے پاس جاؤ، پھر لوگ میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے محمد! پ
اللہ کے رسول ہیں اور تمام انبیاء کے خاتم ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب (یعنی خلاف لوئی کاموں) کو بخش
دیا ہے اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۴۰۵ھ)

لام ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۵۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

لام بزار نے سند جید کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا : مجھے انبیاء
(سابقین) پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے، مجھ سے پہلے کسی کو وہ فضیلتیں نہیں دی گئیں، میرے اگلے اور پچھلے ذنب
(یعنی خلاف لوئی کاموں) کی مغفرت کر دی گئی، میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا، میری امت کو سب سے بہتر امت قرار
دیا گیا، تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد بنا دیا گیا اور اس سے تیمم کو جائز کر دیا گیا، مجھے کوثر عطا کی گئی اور میری رعب سے
مدد کی گئی، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے تمہارے نبی کے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہو گا اور آدم
اور ان کے ماسوا سب قیامت کے دن اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

(خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۱۶۱، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

حافظ البیہقی نے اس حدیث کو کشف الاستار میں لام بزار کی سند سے روایت کیا ہے اور مجمع الزوائد (۲) میں ان کے
حوالہ سے درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ لام بزار کی سند جید ہے۔

لام بیہقی روایت کرتے ہیں :

نبی ﷺ نے فرمایا پھر مجھے السدرۃ المنتہی کی بلندی پر لے جایا گیا اس کا ہر پتا اتنا بڑا تھا کہ وہ اس امت کو چھپا لیتا، اس
کے نیچے سے ایک چشمہ جاری تھا جس کا نام سلسبیل تھا اور اس سے دو دریا نکلے تھے ایک کوثر اور ایک رحمت، میں نے اس
میں غسل کیا، پھر میرے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کر دی گئی۔ (دلائل النبوت ج ۲ ص ۳۹۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے کچھ چیزیں دی گئی ہیں جن کا میں فخر سے ذکر
نہیں کرتا، وہ مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں، میرے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کر دی گئی ہے اور میری امت کو
سب امتوں سے بہتر بنایا گیا ہے، اور میرے لیے مل غنیمت حلال کر دیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا اور
میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور آلہ طہارت بنا دیا گیا اور مجھے کوثر دی گئی اور میری رعب سے مدد کی گئی اور اس
ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے بے شک تمہارے پیغمبر قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والے
ہوں گے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہم سے عتاب ہو گئے اور باہر نہیں آئے حتیٰ کہ ہم

(۱) حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی المحضی ۷۰۰ھ، کشف الاستار ج ۳ ص ۳۷، مطبوعہ مکتبۃ الرسل بیروت ۱۴۰۳ھ

(۲) حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی المحضی ۷۰۰ھ، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۶۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۲ھ

نے گمان کیا کہ آپ تشریف نہیں لائیں گے، پھر آپ باہر آئے اور آپ نے اتنا طویل سجدہ کیا کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ کی روح قبض ہو گئی۔ پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھا کر فرمایا میرے رب نے مجھ سے میری امت کے حلق مشورہ کیا کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں؟ میں نے کہا اے میرے رب جو تو چاہا وہ تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ مشورہ کیا میں نے پھر یہی کہا، اس نے پھر مشورہ کیا، میں نے پھر اسی طرح کہا، پھر اللہ نے فرمایا اے محمد! میں نے آپ کی امت میں سزا نہیں رکھی اور مجھے یہ بشارت دی کہ میری امت سے ستر ہزار کا ایک گروہ پہلے جنت میں داخل ہو گا اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہونگے، ان سے حاسب نہیں ہو گا۔ پھر اللہ نے میری طرف پیغام بھیجا آپ دعا کریں قبول ہوگی۔ آپ سوال کریں آپ کو دیا جائے گا۔ میں نے اللہ کے سفیر سے کہا کیا اللہ میرے سوال کو عطا کرے گا؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کرنے کے لیے ہی تو بھیجا ہے، اور میں بغیر نحر کے کہتا ہوں کہ اللہ نے مجھے یہ چیزیں عطا کی ہیں: میرے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کردی، اور میرا سینہ کھول دیا اور مجھے یہ نعمت دی کہ میری امت بھوک نہیں رہے گی اور نہ مغلوب ہوگی، اور مجھے جنت میں ایک نہر کوثر عطا کی جو میرے حوض میں بہ رہی ہے، اور مجھے عزت اور نصرت عطا کی، اور ایک ماہ کی مسافت سے میرا رب طاری رہتا ہے اور مجھے یہ نعمت دی کہ میں انبیاء میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونگا، اور میرے اور میری امت کے لیے غنیمت کو حلال کر دیا، ہم سے پہلی امتوں پر جن بہت سی چیزوں میں سختی کی گئی تھی وہ ہم پر حلال کر دیں اور ہم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی اور میں نے (ان نعمتوں کا شکر کرنے کے لئے) اس سجدہ کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں پایا۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۶-۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ)

حافظ ابن کثیر نے سورہ فتح کی اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

یہ آیت نبی ﷺ کے ان خصائص میں سے ہے جن میں کوئی اور آپ کا شریک نہیں ہے، آپ کے علاوہ اور کسی شخص کے لیے کسی حدیث صحیح میں یہ نہیں ہے کہ اس کی اگلی اور پچھلی (ظاہری) خطاؤں کی مغفرت کردی گئی ہو اور اس میں نبی ﷺ کی نہایت تعظیم اور تشریف ہے اور اطاعت، نیکی اور پارسائی میں اولین اور آخرین میں سے کسی نے آپ کے مقام کو نہیں پایا اور آپ ﷺ دنیا اور آخرت میں علی الاطلاق اکمل البشر اور سید البشر ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۳۲۹، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۴۸۵ھ)

نبی ﷺ کی طرف مغفرت کی نسبت کے محال

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں :

علامہ سبکی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ ہر چند کہ نبی ﷺ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے شرف اور مرتبہ کو ظاہر کرنے کے لیے یہ فرمایا ہم نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب بخش دیئے کیونکہ بادشاہوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ اپنے خواص اور مقربین کو نوازنے کے لیے کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے اور تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہو گا حالانکہ بادشاہ کو علم ہوتا ہے کہ اس شخص نے کوئی گناہ نہیں کیا، نہ آئندہ کرے گا لیکن اس کلام سے اس شخص کی تعظیم اور تشریف کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔

بعض محققین نے یہ کہا کہ : لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی میں گناہوں سے بچائے رکھے گا اور آپ کو عصمت پر قائم رکھے گا، اس آیت میں مغفرت

صحت سے کہتا ہے اور قرآن مجید میں بعض مقامات پر مغفرت سے صحت کا انکار کیا گیا ہے۔

شیخ محمد بن عبد السلام نے کتب : نہایہ السؤل فیما سنع من تفضیل الرسول میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی ہے، پھر انہوں نے فضیلت کی وہ وجوہات ذکر کی ہیں اور ان فضیلت کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام ذنوب (یعنی بظاہر خلاف لوئی کاموں) کو بخش دیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ انبیاء سابقین میں سے اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی مغفرت کی خبر نہیں دی، یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن جب دیگر انبیاء علیہم السلام سے شفاعت طلب کی جائے گی تو سب نفسی نفسی کہیں گے اور بیت الہی سے شفاعت نہیں کریں گے اور جب رسول اللہ ﷺ سے لوگ شفاعت طلب کریں گے تو آپ فرمائیں گے یہ میرا کام ہے، اور اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کے لیے فتح مبین کو ثابت کیا پھر مغفرت ذنوب کا ذکر کیا پھر اپنی نعمت پوری کرنے اور صراط مستقیم کی ہدایت پر ثابت رکھنے اور نصر عزیز کا ذکر کیا جس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس آیت سے مقصود گناہوں کا ثابت کرنا نہیں بلکہ گناہوں کی نفی کرنا ہے۔

ابن عطار رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں نبی ﷺ کے لیے متعدد نعمتوں کو جمع کر دیا ہے فتح مبین عطا فرمائی جو اجابت کی علامت ہے، مغفرت عطا فرمائی جو محبت کی علامت ہے، اتمام نعمت سے سرفراز کیا جو آپ کے اختصاص کی نشانی ہے اور ہدایت عطا فرمائی جو ولایت کی علامت ہے، پس مغفرت سے مراد تمام عیوب اور نقائص سے آپ کی تزیینہ ہے اور اتمام نعمت سے مراد آپ کو درجہ کمال پر پہنچانا ہے اور ہدایت سے مراد آپ کو مشاہدہ ذات و صفات کے اس مرتبہ پر پہنچانا ہے جس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ (مدارج النبوت ج ۱ ص ۷۳-۷۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

خاصی میاض مالکی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر کا جو بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو حضور کا مرتبہ اور مقام ہے اس کا جو ذکر کیا ہے اس کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر حضور کے غلبہ اور آپ کی شریعت کی سر بلندی کی خبر دینے سے کی ہے اور یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ مغفور ہیں اور ماضی اور مستقبل کی کسی چیز پر آپ سے مواخذہ نہیں ہوگا، بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ آپ سے کوئی چیز ہوئی ہے یا نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس کی مغفرت کر دی ہے۔ (شفاء ج ۱ ص ۳۱، مطبوعہ عبدالباقی اکیڈمی ملتان)

علامہ شہاب الدین خلعتی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ تہجدی نے کہا ہے کہ یہ آیت نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے جیسے کوئی شخص کسی سے اظہار محبت کے لیے کہے اگر تمہارا کوئی پسایا پچھلا گناہ ہو بھی تو ہم نے اس کو معاف کر دیا۔ اس کلام سے اس شخص کا یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ اس نے فی الواقع کوئی گناہ کیا ہے اور وہ اس کو معاف کر رہا ہے اور میں کہتا ہوں کہ ذنب کا معنی ستر ہے جو نہ دکھائی دینے کا تقاضا کرتا ہے اور اس کو لازم ہے عدم ذنب یعنی جب گناہ ہے ہی نہیں تو کیسے دکھائی دے گا کیونکہ اگر گناہ ہوتا تو دکھائی دیتا۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقدم اور موخر دونوں کا ذکر کیا ہے حالانکہ موخر کا وجود ہی نہیں ہے اور اس میں یہ اشلہ ہے کہ آپ کا گناہ مقدم ہے نہ موخر سو آپ سے مطلقاً گناہ سرزد نہیں ہوا۔

(نیم الریاض ج ۱ ص ۷۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ ہر چند کہ بندہ اپنے مقصود کے مطابق اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جائے پھر بھی وہ اللہ کی مغفرت سے مستغنی نہیں ہوتا کیونکہ بندہ اپنے بشری عوارض کی بناء پر قضاے ربوبیت کے مطابق عبادت کا حق ادا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مباح امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے یا امت کے اہم کاموں میں منہمک اور مستغرق ہونے کی وجہ سے جو حضرت الوہیت میں غفلت واقع ہوتی ہے، حضرت انبیاء علیہم السلام اپنے بلند مقام کے اعتبار سے اس کو بھی سینہ اور گنہ خیال کرتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گنہ ہوتی ہیں۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۱ ص ۲۷۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کی بکثرت عبادت کرنے کا جو حل مشہور تھا اس کا لحاظ رکھتے ہوئے اس آیت میں نبی ﷺ کے مقام کی بلندی پر جو دلالت ہے اس کو الفاظ بیان کرنے سے قاصر ہیں اور حدیث صحیح میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ نے نفلی روزے رکھے اور نفلی نمازیں پڑھیں حتیٰ کہ آپ کے قدم مبارک سوچ گئے اور سالخورہ مشک کی طرح آپ کا جسم لاغر ہو گیا، آپ سے کہا گیا کہ آپ عبادت میں اس قدر مشقت کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذنب (یعنی بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کی مغفرت کر دی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں اللہ شکر گزار بندہ نہ بنوں؟۔ (روح المعانی ج ۲۶ ص ۹۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بعض علماء نے اس آیت کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور آپ کی امت کے گنہ معاف کر دیے یعنی مغفرت کا تعلق آپ کے ساتھ نہیں ہے۔ حضرت آدم اور آپ کی امت کے ساتھ ہے۔ ملا علی قاری اس سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس شخص کا قول بہت بعید ہے جس نے یہ کہا کہ آپ کے اگلے ذنب سے مراد حضرت آدم کے ذنب ہیں اور آپ کے پچھلے ذنب سے مراد امت کے ذنب ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے آپ کے وہ افعال مراد ہیں جن کو آپ نے سوا ترک کر دیا یا جن میں آپ نے نسیان سے تاخیر کر دی اور خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے فضل سے کوئی بھی مستغنی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کے سبب سے نجات نہیں پائے گا صحابہ نے کہا یا رسول اللہ آپ بھی نہیں! فرمایا میں بھی نہیں ماسوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ عدل کرے تو تمام اولین اور آخرین کو عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہے، ہم اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرتے ہیں اور اس کے عدل سے اس کی پناہ میں آتے ہیں۔ (جمع الوسائل ج ۲ ص ۸۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

باعث تخلیق کائنات ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام سے اجتناب سے احتسالی خطا ہو گئی تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور دعا کی میں محمد کے حق سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری مغفرت فرما، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ محمد کون ہیں؟ حضرت آدم نے کہا جب تو نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے عرش کی طرف

رکھا کر دیکھا تھا وہاں یہ لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سو میں نے جان لیا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے وہ میرے نزدیک بہت عظیم مرتبہ کا ہو گا اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی کہ اے آدم! وہ آپ کی لولہ میں سے آخر النسنین ہیں اور ان کی امت آپ کی لولہ میں سے آخری امت ہے اور اے آدم اگر وہ نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا۔

(معجم صغیر ج ۲ ص ۸۳، مطبوعہ مکتبہ سفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ)
حافظ البیہقی نے اس حدیث کو معجم صغیر اور معجم لوسط کے حوالے سے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایسے رلوی ہیں جن کو میں نہیں پہچانتا۔
لام ابن جوزی نے بھی اس حدیث کو حضرت عمر بن الخطاب سے روایت کیا ہے۔

(الوفاء ج ۱ ص ۳۳، مطبوعہ مکتبہ رضویہ فیصل آباد)

لام بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں:
اللہ عزوجل نے فرمایا اے آدم تم نے محمد کو کیسے پہچانا حالانکہ ابھی میں نے ان کو پیدا نہیں کیا حضرت آدم نے کہا اے میرے رب اس لیے کہ جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی تو میں نے عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو میں نے جان لیا کہ جس نام کو تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا وہ تجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہو گا اللہ عزوجل نے فرمایا اے آدم آپ نے سچ کہا بیشک وہ مجھے اپنی تمام مخلوق میں بہت زیادہ محبوب ہیں اور جب آپ نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا ہے تو میں نے آپ کو بخش دیا اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا اس حدیث کی سند میں عبد الرحمن بن زید ایک ضعیف رلوی ہے۔

(دلائل النبوت ج ۵ ص ۳۸۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

لام حاکم نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور اس میں بھی یہ الفاظ ہیں اگر محمد نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا۔ اور لام حاکم نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔
(المستدرک ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ)
لام حاکم نے ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ محمد پر ایمان لائے اور اپنی امت کو حکم دیں جو ان کا زندہ پائے وہ ان پر ایمان لائے اگر محمد نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا نہ جنت کو پیدا کرتا نہ دوزخ کو پیدا کرتا میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ ٹپنے لگائیں نے اس پر لکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو وہ ساکن ہو گیا اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن لام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ)

قائد المرسلین ہونے اور بعض دیگر فضائل کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا
لام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت داؤد بن اسحق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی لولہ میں سے کتنے کو فضیلت دی اور کتنے سے قریش کو فضیلت دی اور قریش سے بنو حاشم کو فضیلت دی اور بنو حاشم سے مجھے فضیلت دی۔ (۱) اس حدیث کو لام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (۲) (حواشی صفحہ آئندہ بر)

نیز لام تنزی روایت کرتے ہیں:

حضرت عباس بن عبدالمطلب ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قریش اپنی مجلسوں میں اپنے حسب و نسب کا ذکر کرتے ہیں اور آپ کی مثل وہ اس طرح دیتے ہیں جیسے کسی زمین میں کھجور کا درخت ہو، نبی ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے ان کے بہترین فریقین میں رکھا، پھر اللہ نے مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا پھر سب سے افضل گھر میں رکھا، پس گھرانے اور شخصیت کے اعتبار سے میں سب سے افضل ہوں۔

(جامع تنزی ص ۵۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبوں سے اٹھنے والوں میں، میں سب سے پہلا ہوں، جب لوگوں کے وفد آئیں گے تو میں خطبہ دوں گا، اور جب لوگ مایوس ہو جائیں گے تو میں بشارت دوں گا، اس دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا، لولاد آدم میں اپنے رب کے نزدیک میں سب سے مکرم ہوں اور مجھے فخر نہیں ہے۔

(جامع تنزی ص ۵۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب زمین شق ہوگی تو سب سے پہلے میں اٹھوں گا، مجھے جنت کے حلوں میں سے حلہ پہنایا جائے گا پھر میں عرش کی دائیں طرف کھڑا ہوں گا اور میرے سوا مخلوق میں سے کوئی شخص اس مقام پر کھڑا نہیں ہوگا۔

(جامع تنزی ص ۵۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابی بن کعب ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میں نبیوں کا لام اور خطیب ہوں گا، اور میں ہی ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا، اس پر فخر نہیں ہے۔ (جامع تنزی ص ۵۲۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابو سعید ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لولاد آدم کا میں سردار ہوں گا اور اس پر فخر نہیں اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور اس پر فخر نہیں اور آدم اور ان کے علاوہ جتنے نبی ہیں سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، اور جب زمین شق ہوگی تو سب سے پہلے میں اٹھوں گا اور اس پر فخر نہیں۔

(جامع تنزی ص ۵۲۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں قائد المرسلین ہوں اور فخر نہیں ہے، اور میں خاتم النبیین ہوں اور فخر نہیں ہے اور میں پہلا شفاعت کرنے والا اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس کی شفاعت قبول ہوگی اور اس پر فخر نہیں ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۰۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۰۳ھ)

حضرت عبادہ بن صامت ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر فخر اور ریا نہیں ہے، اور قیامت کے دن ہر شخص میرے جھنڈے کے نیچے کشلوگی کا انتظار کر رہا ہوگا اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا، جب میں چلوں گا تو لوگ میرے ساتھ چلیں گے حتیٰ کہ میں جنت کے دروازہ پر پہنچ

(حواشی از صفحہ سابقہ)

(۱) امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ۔

(۲) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۵۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

میں کو کھلاؤں گا کما جائے گا یہ کون ہے؟ میں کہوں گا محمدؐ اس وقت میں اپنے رب عزوجل کو دیکھ کر اس کے سامنے
جہ میں گر پڑوں گا مجھ سے کما جائے گا اپنا سر اٹھائیے آپ کہیے آپ کی بات مانی جائے گی، آپ شفاعت کیجئے آپ کی
شفاعت قبول ہوگی، پھر اللہ کی رحمت اور میری شفاعت سے دوزخ سے لیے لوگ نکالے جائیں گے جو جل چکے ہونگے۔
(مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی فرمایا جب
آدم کو پیدا کر کے ان میں روح پھونکی جارہی تھی۔ (۱) اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔
(جامع ترمذی ص ۵۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

خالق اور خلق کے محبوب ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ۔ (التوبة: ۲۴)

آپ فرمائیے کہ تمہارے باپ دادا، اور تمہارے بیٹے اور
تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور تمہارے
کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کے کھانے کا تمہیں خوف
ہے اور تمہارے پسندیدہ مکان اگر تم کو اللہ اور اس کے رسول
سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو پھر
انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے اور اللہ تعالیٰ نافرمان
لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

مال باپ اور بھائی بہنوں سے طبعی محبت ہوتی ہے، بیوی سے شہوانی محبت ہوتی ہے اور مال و دولت، تجارت اور مکانوں
سے عقلی محبت ہوتی ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ محبت کی جو قسم بھی ہو اس کو رسول اللہ ﷺ کی محبت
سے مغلوب کر دو اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کو ہر محبت پر غالب کر دو۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رسول اللہ ﷺ سے جو محبت تھی وہ اپنی جان سے، مال باپ اور اولاد سے،
بیویوں سے اور مال و دولت سے اور ہر چیز سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے محبت تھی، جنگ بدر میں حضرت ابو بکر اپنے بیٹے
کے خلاف صف آرا تھے، جنگ احد میں حضرت ابو عبیدہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا، حضرت معصب بن عمیر نے جنگ احد
میں اپنے بھائی کو قتل کر دیا، جنگ بدر میں حضرت عمر نے اپنے ماہوں عاص بن ہشام کو قتل کر دیا اور حضرت علی نے اپنے کئی
رشتہ داروں کو قتل کر دیا۔
(نیم الریاض ج ۳ ص ۳۶۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قاضی میاض لکھتے ہیں: ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ جنگ احد میں ایک عورت کا باپ، بھائی اور شوہر قتل کر دیا
گیا اس نے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ صحابہ نے کہا الحمد للہ! وہ تمہاری تمنا کے مطابق خیریت سے
ہیں اس نے کہا مجھے دکھاؤ، حتیٰ کہ میں آپ کو دیکھ لوں، جب اس نے آپ کو دیکھا تو کہا آپ (کی خیریت) کے بعد ہر
محبت آسان ہے۔
(شفاء ج ۲ ص ۸، مطبوعہ عبد الوہاب الیذنی مکن)

نیز قاضی میاض لکھتے ہیں کہ کند کہ حضرت زید بن دثمہ کو قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر لے جانے لگے اس

(۱) مطبوعہ دار الفکر بیروت، مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ

وقت ان سے ابو سفیان بن حرب نے کہا اے زید! میں تم کو اللہ کی قسم دتا ہوں یہ بتاؤ کہ کیا تم کو یہ پسند ہے کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد ﷺ ہوتے اور تمہارے بدلے ہم ان کی گردن اتار دیتے؟ حضرت زید نے کہا خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی پسند نہیں ہے کہ میں اپنے گھر میں آرام سے ہوں اور آپ کے کٹنا چھ جائے ابو سفیان نے کہا میں نے اصحاب محمد ﷺ کی طرح کسی شخص کو کسی سے محبت کرتے نہیں دیکھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حضرت حنظلہ بن ابی عامر اور حضرت عبداللہ بن ابی عامر نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے شرک اور منافق باپ کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی، مگر رسول اللہ ﷺ نے اجازت نہیں دی، حضرت حنظلہ بن ابی عامر جنگ احد میں شہید ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے ان کو غسل دے رہے ہیں جلاؤ ان کی بیوی سے جا کر پوچھو، بیوی نے کہا جس وقت انہوں نے جملہ کی آواز سنی تو یہ غسل کیے بغیر حالت جنابت میں جملہ کے لیے نکل گئے تھے! نبی ﷺ نے فرمایا اسی لیے فرشتے ان کو غسل دے رہے تھے۔ (اصول ج ۱ ص ۳۸۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۸ھ)

یہ اپنی جان، اپنے ماں باپ، لولاد اور رشتہ داروں کی طبعی محبت سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے کی مثالیں ہیں، اور حنظلہ بن ابی عامر کے واقعہ میں شہوانی محبت سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کی دلیل ہے اور جن صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی خاطر مکہ میں اپنے ماں و دولت، مکانات اور تجارت کو چھوڑ کر مدینہ ہجرت کی اس میں ان کی عقلی محبت سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے کا بیان ہے، ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی محبت ہر محبت پر غالب تھی! صرف انسان ہی نہیں، شجر و حجر اور حیوان بھی آپ سے محبت کرتے تھے، آپ نے فرمایا احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، کھجور کا تنا آپ کے فراق میں چیخیں مار کر روتا تھا، اور جب آپ قربانی کرتے تو ہر لونٹنی آگے بڑھ کر آپ کی چھری کے قریب ہوتی تھی۔ (صحیح بخاری و سنن ابوداؤد)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بیٹھے ہوئے آپ کا انتظار کر رہے تھے، آپ (حجرے سے) نکل کر ان کے قریب ہو کر ان کی باتیں سننے لگے، ان میں سے بعض نے تعجب سے کہا: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے ایک خلیل بنانے لگا تو حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ہم کلام ہونے کا شرف بخشا، ایک اور نے کہا: حضرت عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں، دوسرے نے کہا اور حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے صفی بنایا، آپ نے ان کے پاس آ کر ان کو سلام کیا اور فرمایا میں نے تمہارا کلام اور اس پر تعجب سنا کہ ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں، وہ ایسے ہی ہیں اور موسیٰ اللہ کے کلیم ہیں، وہ ایسے ہی ہیں اور عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں وہ ایسے ہی ہیں اور آدم کو اللہ نے صفی بنایا اور وہ ایسے ہی ہیں، سنو! میں اللہ کا محبوب ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ہے، میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے، میں قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں، اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی، اور اس پر فخر نہیں، میں سب سے پہلے جنت کی کنڈی کھٹکھاؤں گا، پھر اللہ میری خاطر جنت کو کھولے گا اور اس میں مجھ کو داخل کرے گا اور میری ساتھ فقراء مومنین ہوں گے اور اس پر فخر نہیں اور میں اولین اور آخرین میں سب سے زیادہ معزز ہوں اور اس پر فخر

(جامع ترمذی ص ۵۳۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں نبی ﷺ اللہ کے محبوب ہیں، اور امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میرا یہی گمان ہے کہ آپ کا رب آپ کی خواہش بہت جلد پوری کرتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۴۳۸ھ)

خلیل اور حبیب میں فرق کا بیان

قاضی عیاض مالکی نے خلیل اور حبیب کا فرق بیان کرتے ہوئے امام ابو بکر بن فورک کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

خلیل، اللہ تک بلا واسطہ پہنچنے

اور اسی طرح ہم نے ابرہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی ساری بلا شتمی دکھائی۔

وَكَذَٰلِكَ نُرِئُكَ اِبْرٰهِيْمَ مَلِكُوتِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ - (الانعام: ۷۵)

اور حبیب، اللہ تک بلا واسطہ پہنچنے

پھر (اللہ، محمد ﷺ کے) قریب ہوا، پھر زیادہ قریب ہوا۔ پھر دو کمانوں کی مقدار کے برابر اللہ کے قریب ہوئے یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے۔

ثُمَّ دَنٰی فَتَنَلٰی ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ
اَوْ اَدْنٰی - (النجم: ۹-۸)

خلیل کی مغفرت کا بیان مرتبہ طمع میں ہے:

اور جس سے میری امید وابستہ ہے وہ قیامت کے دن میری خطا معاف فرمادے گا۔

وَالَّذِيْ اٰطَمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ
الدِّيْنِ (الشعراء: ۸۷)

اور حبیب کی مغفرت کا بیان مرتبہ یقین میں ہے:

بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام معاف فرمادے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ
اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح: ۱-۲)

خلیل نے دعا کی کہ اللہ انھیں روز حشر شرمندہ نہ کرے۔

اور مجھے روز حشر شرمندہ نہ فرماتا۔

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُنْعَتُوْنَ (الشعراء: ۸۷)

اور حبیب کو یمن مانگے یہ مقام عطا فرمایا:

جس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو شرمندہ کرے گا نہ ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو۔

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ
(التحریم: ۸)

احسان کے موقع پر خلیل نے کہا:

مجھے اللہ کافی ہے۔

حَسْبِيَ اللّٰهُ

اور حبیب کے لیے اللہ نے از خود فرمایا:

اے نبی! آپ کے لیے اللہ، اور وہ ایمان لانے والے کافی

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

ہیں جنہوں نے آپ کی لہجہ کی ہے۔

الْمُؤْمِنِينَ (الانفال: ۴۳)

خلیل نے دعا کی:

اور بعد کے آنے والوں میں میرا ذکر جمیل جاری کرے۔

وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ

(الشعراء: ۸۴)

اور حبیب کے لیے از خود فرمایا:

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الانشراح: ۴)

سو قیامت تک کلمہ 'تو ان' نماز اور خطبہ میں مسلمانوں کی زبان سے آپ کا ذکر بلند ہوتا رہے گا۔

خلیل نے دعا کی:

مجھے اور میرے (خاص) بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے

وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ إِلَّا ضَمَامَ-

(ابراہیم: ۵۳) اجتناب پر برقرار رکھ۔

اور حبیب کے لیے بلا طلب از خود فرمایا:

اے لل بیت رسول! اللہ ہی ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ

قسم کی ٹپاکی دور کر کے تم کو خوب پاکیزہ کر دے۔

الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الاحزاب: ۳۳)

قاضی عیاض فرماتے ہیں ہم نے جو یہ چند آیات ذکر کی ہیں ان سے نبی ﷺ کے احوال اور آپ کے مقلات کی

افضلیت کی ایک جھلک معلوم ہو جاتی ہے اور ان آیات سے ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق مفہوم اخذ کرتا ہے اور تمہارا

(شفاء ج ۱ ص ۳۳-۳۴ مطبوعہ عبدالباق اکیدمی ملکن)

رب ہی بہتر جانتا ہے کہ کون احسن طریقہ پر ہے۔

کلیم اور حبیب میں فرق کا بیان

کلیم اور ان کے بھائی حضرت ہارون نے فرعون کے پاس جلتے وقت اپنا خوف عرض کیا۔

اے ہمارے رب! ہمیں یہ خدشہ ہے کہ وہ (فرعون) ہم

رَبَّنَا إِنَّا نَخَافُ أَنْ يُفْرِطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغَى

(طہ: ۲۵) پر کوئی زیادتی یا سرکشی کرے گا۔

اور حبیب کے لیے از خود فرمایا:

اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ: ۶۷)

کلیم دعا کرتے ہیں:

اے میرے رب میرا سینہ کھول دے۔

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي (طہ: ۲۵)

حبیب کے لیے از خود فرمایا:

کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھولا۔

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (الانشراح: ۱)

کلیم دعا کرتے ہیں:

اے رب! مجھے اپنی ذات دکھائیں تجھے دیکھوں۔

رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرَ إِلَيْكَ (الاعراف: ۱۴۳)

حبیب سے فرمایا:

لَقَدْ تَوَالَىٰ رَبُّكَ الْفِرْقَانِ (۲۵)

کلمہ سے فرمایا:

لَنْ تَرَانِي (الاعراف: ۴۳)

حبیب سے فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ (النجم: ۱۷)

کلمہ اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں:

وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ (طہ: ۸۳)

نہ نظر ایک طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی۔

اے میرے رب میں نے تیرے پاس حاضر ہونے میں
جلدی کی تاکہ تو راضی ہو جائے۔

اور حبیب کی رضا رب تعالیٰ چاہتا ہے:

فَلَنَوْا إِلَيْكُم مَّقَابِلُ تَرْضَاهَا

ہم ضرور آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس سے

(البقرہ: ۱۴۳) آپ راضی ہوں گے۔

اور بے شک آپ کو آپ کا رب اتادے گا کہ آپ راضی
ہو جائیں گے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ

(الضحیٰ: ۵)

وَمِنْ أُنَائِي اللَّيْلِ فَسَبَّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ

لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ (طہ: ۴۰)

کلمہ نے اپنے اور اپنی قوم کے لیے دعا کی!

وَاجْتَبِ كُنَّا فِي هَذِهِ الْكُنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ

(الانفال: ۵۶)

ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ اور آخرت میں۔

حبیب کی امت کے متعلق فرمایا:

فَسَاكُنْهَا الَّذِينَ يَتَقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ

وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ۚ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ

الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْنُونًا

عِنْدَهُمْ فِي الْكُوْأَةِ وَالْأَنْجِيلِ

(الاعراف: ۵۵-۵۶)

انجیل میں لکھا ہوا ہے۔

فرمایا متعرب میں اس (مصلیٰ) کو ان لوگوں کے حق

میں لکھ دوں گا جو پرہیز گاری کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ

لوگ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، جو اس رسول، نبی امی

(اللقب) کی پیروی کرتے ہیں جس کا نام ان کے پاس تورات اور

انجیل میں لکھا ہوا ہے۔

دیکھئے ماکہ حضرت کلیم نے اور ملا آپ کے غلاموں کو، مظلوم ہوا کہ زندہ کسی نبی کا ہو کسی رسول کا ہو سکے چلتا تھا تو

مٹنے کا چلتا تھا اور دیکھا تھا تو مٹنے کا چلتا تھا۔

انبیاء سابقین علیہم السلام کے معجزات پر نبی کلیم کے معجزات کی افضلیت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام الہی لینے کے لیے طور پر جانا پڑا اور آپ کو کلام الہی کے لیے کیس جانا نہیں پڑتا تھا

آپ جہل ہوتے کلام الہی وہیں نازل ہو جاتا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ انہوں نے زمین پر لائے ماری تو پانی نکل آیا، لیکن زمین میں علوہ "پانی ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے توجہ فرمائی تو آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے نکل پڑے اور جہل علوہ "پانی نہیں ہوتا وہیں سے پانی نکل آیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا گیا تھا اور وہ اس سے زرہ بن لیتے تھے لیکن لوہے کو بھی علوہ "آگ سے گرم کیا جاسکتا ہے آپ کے لیے تو پتھر نرم ہو گیا جو کبھی نرم نہیں ہوتا، حافظ ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ جب نبی ﷺ غار میں گئے اور آپ نے اس میں سر مبارک داخل کیا تو وہ نرم ہوتا چلا گیا، اور صحیح بخاری میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا احد ایک پہاڑ ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں (ج ۲ ص ۵۸۵) دیکھئے پتھر وہ جس ہے جس میں محبت پیدا نہیں ہوتی حتیٰ کہ جس شخص کو کسی سے محبت نہ ہو اس کو سنگدل کہتے ہیں لیکن یہ رسول اللہ ﷺ کا اعجاز ہے کہ جس چیز کی حقیقت میں محبت نہیں ہے وہیں بھی اپنی محبت پیدا کر دی، نبی ﷺ کے ساتھ پہاڑ نے تسبیح کی اور آپ کے ہاتھ میں سنگ ریزوں نے تسبیح پڑھی، کمل لوہے کا نرم ہونا اور کمل پتھروں کا محبت کرنا اور سنگ ریزوں کا تسبیح پڑھنا!

حضرت داؤد سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ - (ص: ۲۱)

اور رسول اللہ ﷺ سے فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ (النجم: ۳)

وہ (رسول اللہ ﷺ) اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے۔

سبحان اللہ! آپ وہ ہیں جن کی اللہ کی رضا کے مقابلہ میں اپنی کوئی خواہش نہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں سے گفتگو کا ملکہ دیا اور جنت اور ہوا کو مسخر کیا گیا، رسول اللہ ﷺ سے بکری کے گوشت کے ٹکڑے نے کلام کیا اور آپ سے کہا مجھ میں زہر ملا ہوا ہے، ہرن اور لونٹ نے آپ سے شکایت کی اور سنگ ریزوں نے آپ کے ہاتھ پر تسبیح پڑھی، پتھروں نے سلام عرض کیا اور درختوں نے آپ کی اطاعت کی آپ کے حکم سے درخت ایک جگہ سے دوسری جگہ چل کر آیا اور پھر واپس چلا گیا، یہ امور پرندوں کے ساتھ گفتگو کرنے کی بہ نسبت زیادہ عجیب و غریب اور باکمل ہیں، اور ہوا کے مسخر کرنے کا قصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان اپنے تخت پر بیٹھ کر ہوا میں اڑتے تھے اور صبح کی سیر میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتے اور شام کی سیر میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتے۔

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحُ غَدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ (سبا: ۱۲)

ایک مہینہ کی راہ تھی اور شام کی رفتار ایک مہینہ کی راہ تھی۔

ہوا مسخر سہی، لیکن حضرت سلیمان جس جگہ کا قصد کرتے انہیں وہاں جانا پڑتا تھا اور نبی ﷺ کو کہیں جانا نہیں پڑتا تھا۔ آپ جس جگہ کا جہاں قصد کرتے وہ جگہ وہیں آ جاتی تھی، معراج سے واپسی کے بعد جب کفار قریش نے آپ سے بیت المقدس کے متعلق سوالات کئے تو بیت المقدس کو آپ کے سامنے دار ارقم میں لا کر رکھ دیا گیا۔

(مشکوٰۃ ص ۵۳۰، مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

نیز آپ نے فرمایا:

ان الله زوى لى الارض فرايت مشارقها و الله تعالى نے تمام روئے زمین کو میرے لیے سمیٹ دیا اور

مغاریبا

میں نے زمین کے تمام مشرق اور مغرب کو دیکھ لیا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

اور ہا حضرت سلیمان کے لیے جنت کا سفر ہوتا تو اس کے مقابلہ میں نبی ﷺ کی تبلیغ سے جنت مسلمان ہو گئے اور جنت کا سفر ہونا اور بات ہے اور ان کا مسلمان ہونا اور چیز ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اندھوں اور کوڑھیوں کے تندرست کرنے اور مردہ زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا تو نبی ﷺ نے حضرت قلعہ بن نعمان کی نکلی ہوئی آنکھ دوبارہ لوٹادی، حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی جو زدی، آپ کے بلانے سے درخت چل کر آئے، کجور کا تانا آپ کے فراق میں چیخیں مار کر رویا اور یہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے کہیں بڑھ کر کمالات اور معجزات ہیں، کیونکہ مردے میں پہلے جان آچکی ہوتی ہے، آپ نے ان چیزوں میں حیات جاری کی جملہ علوۃ حیات نہیں ہوتی، آنکھ والے کو دکھانا اور کلن والے کو سنانا اور بات ہے اور بغیر آنکھوں کے دکھانا اور بغیر کانوں کے سنانا اور چیز ہے۔ الغرض نبی ﷺ کو جو معجزات اور کمالات دیئے گئے وہ تمام نبیوں کے معجزات اور کمالات سے فائق اور ان پر غالب تھے، آپ معجزات کی تعداد ان کی کیفیات اور حیثیات ہر اعتبار سے سب پر بلند و بالا تھے، دوسرے نبیوں نے نبوت کا دعویٰ کرتے ہی معجزات پیش کئے اور آپ نے اعلان نبوت کے بعد کسی معجزہ کو پیش کرنے کی بجائے اپنی زندگی کو پیش کر دیا اور یوں ظاہر ہوا کہ آپ کو اپنی نبوت ثابت کرنے کے لیے کسی خارجی معجزہ کی احتیاج نہیں تھی، آپ کی زندگی خود سراپا معجزہ تھی، یوں ہی تو نہیں فرمایا تھا العمرک (الحجر: ۷۲) "تمہاری زندگی کی قسم"

حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ
اے میرے رب میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے
(المومنون: ۲۶) جھٹلایا۔

آپ سے بلا طلب فرمایا:

وَيَنْصُرْكَ اللَّهُ نَصْرًا عَظِيمًا (الفنح: ۳)

حضرت نوح نے اپنی قوم کے کافروں کی ہلاکت کی دعا کی:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَيَّ الْأَرْضَ مِنَ الْكَافِرِينَ
اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ
دُبَارًا (نوح: ۲۶) چھوڑ۔

اور آپ سے فرمایا:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ
اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ آپ کے ہوتے ہوئے ان کو
(الانفال: ۳۳) عذاب دے۔

سب سے پہلے قبر سے اٹھنے والی حدیث کا حضرت موسیٰ کے پہلے اٹھنے والی حدیث سے تعارض کا جواب

حدیث میں ہے: سب سے پہلے قبر سے اٹھیں گے انہوں کا، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو، کیونکہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہوں گے میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہوں گا، میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا اس وقت حضرت موسیٰ عرش کی

ایک جانب پڑے کھڑے ہوں گے میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوش ہوئے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا نہ لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ رکھا تھا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطلاع کراچی، ۱۴۳۸ھ)

علامہ بدرالدین یعنی لکھتے ہیں:

ان حدیثوں میں تعارض نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ صحیح بخاری کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کا جو ارشاد ہے اس وقت نبی ﷺ کو یہ علم نہ ہو کہ آپ مطلقاً سب سے پہلے قبر سے اٹھائے جائیں گے اور مسلم کی روایت میں جو ارشاد ہے وہ بعد کا واقعہ ہو۔

علامہ وشتانی لابی مالکی نے بھی اس تعارض کا یہی جواب دیا ہے۔

(اکمل اکمل المعلم ج ۶ ص ۷۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

جس حدیث میں آپ نے دوسرے انبیاء پر فضیلت دینے سے منع کیا ہے اس کے جوہریت امام بخاری نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انبیاء میں (کسی کو) فضیلت نہ دو۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: مجھے حضرت موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطلاع کراچی، ۱۴۳۸ھ)

صحیح بخاری کی ان روایات سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کو دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دینا ممنوع ہے حالانکہ صحیح مسلم کی روایت میں نبی ﷺ نے تمام انبیاء علیہم السلام پر اپنی فضیلت بیان کی ہے، اس تعارض کے جواب میں علامہ بدرالدین حنفی لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ ”انبیاء میں کسی کو فضیلت نہ دو“ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بغیر علم کے کسی نبی کو کسی پر فضیلت نہ دو، ورنہ انبیاء علیہم السلام کی ایک دوسرے پر فضیلت کو اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمایا ہے: تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض (البقرہ: ۲۵۳) ”یہ سب رسول“ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔“

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی فضیلت کا علم ہونے سے پہلے یہ فرمایا تھا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اس طرح فضیلت دینے سے منع فرمایا ہے جو دوسرے نبی کی تنقیص کو مستلزم ہو۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ایسی فضیلت دینے سے منع فرمایا ہے جو دوسرے نبی کی دل آزاری کا موجب ہو۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نفس نبوت میں فرق کرنے سے منع فرمایا ہے۔

چھٹا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ قول تواضع پر محمول ہے۔

(عمدة القاری ج ۱۲ ص ۲۵۱، مطبوعہ دارالطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۴۳۸ھ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ

اے ایمان والو! ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں اس سے

يَوْمَ لَا يَبْعِرُ فِيهِ وَلَا خِلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۵۳﴾

پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں خرید و فروخت ہوگی نہ (کافروں کی) کسی سے دوستی ہوگی اور نہ (کفار کے لیے) شفاعت ہوگی اور کفار ہی ظالم ہیں

راہ خدا میں مل خرچ کرنے کی تاکید

سابقہ آیات میں مسلمانوں کو بدن کے ساتھ جہلو کرنے پر برا لکھیہ کیا تھا اور چونکہ جہلو اور قتل کے لیے مل کو خرچ کرنا بہت ضروری ہے اس لیے ان آیات میں مل کے خرچ کرنے کو بیان فرمایا ہے اور اس حکم کو قیامت کے دن کی یاد دلا کر مزید موکد فرمایا ہے۔ دنیا میں تو انسان اپنے آپ کو مصیبت اور تکلیف سے بچانے کے لیے بعض چیزیں خرید لیتا ہے، کبھی کوئی دوست اس سے تکلیف دور کر دیتا ہے کبھی کسی کی سفارش سے اس سے مصیبت ٹل جاتی ہے، لیکن قیامت کے دن کوئی خرید و فروخت ہو سکے گی نہ کسی کی دوستی کام آئے گی نہ کسی کی سفارش۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہاں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کون سا خرچ مراد ہے، بعض علماء نے کہا اس سے قتل اور جہلو میں خرچ کرنا مراد ہے۔ بعض علماء نے کہا اس سے زکوٰۃ اور صدقات فرضیہ مراد ہیں اور صدقات نفیہ مراد نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خرچ نہ کرنے پر وعید فرمائی ہے اور نفل کے ترک کرنے پر وعید نہیں ہوتی لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں وعید نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہ فرمایا ہے کہ قیامت کا دن آنے سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور جب تک تم دنیا میں ہو آخرت کے لیے منافع حاصل کرو، کیونکہ ان منافع کا آخرت میں حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ آخرت میں دوستی اور سفارش سے مسلمانوں کے انفعالات کا بیان

ہر چند کہ اس آیت سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کی کسی شخص سے دوستی کام نہیں آئے گی نہ کسی کی کسی کے لیے سفارش کام آئے گی لیکن قرآن مجید کی دوسری آیات سے یہ متعین ہو گیا ہے کہ یہ محرومی صرف کفار کے لیے ہے اور مسلمانوں کی مسلمانوں سے دوستی بھی کام آئے گی اور سفارش بھی، قرآن مجید میں ہے:

الْمُتَّقِينَ ۝ يَوْمَ لَا يَخَافُ عَلَيْكُمْ الْبُيُوتُ وَلَا أَنْتُمْ تَخَافُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ۝ (الزخرف: ۳۱-۳۲)

مستقین کے سوا گھرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ اے میرے بندو آن تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم تمہارے گھر پر، جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور ہمارے احکام کے تابع رہے۔

اور مسلمانوں کی شفاعت کے متعلق فرمایا:

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ (الانبیاء: ۲۸)

اور (فرشتے) صرف اس کی شفاعت کرتے ہیں جس کی (شفاعت) پر اللہ راضی ہو۔

شفاعت پر سیر حاصل بحث ہم (البقرہ: ۳۸) میں بیان کر چکے ہیں۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ

اللہ، اس کے سوا کوئی جلالت کا مستحق نہیں، وہ زندہ (جاوید) ہے اور وہ سُر کو قائم کرنے والا ہے اس کو اندھ آتی ہے احسنہ منید

لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے (اب اسی کی ہکیت ہے، کون ہے جو اس کی اجانت کے بغیر اس کی

عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يُعَلِّمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا

بارگاہ میں شفاعت کرے، وہ جانتا ہے جو ان (لوگوں) کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اور اس کے

يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ

علم میں سے وہ (لوگ) کسی چیز کو حاصل نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے، اس کی کرسی (حکومت) آسمانوں اور

وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۚ لَا

زمینوں کو محیط ہے، اور ان کی حفاظت اس کو تھکاتی نہیں ہے اور وہی بہت بلند بڑی عظمت والا ہے دین میں

إِكْرَاهًا فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ

جبر نہیں ہے، بے شک ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے، سو جو شخص طاغوت سے کفر کرے

بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنُ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ

اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے ایسا مضبوط دستہ پکڑ لیا جو کبھی ٹوٹنے والا

لَا انْقِصَامَ لَهَا ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۚ

نہیں ہے اور اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ توحید، رسالت اور آخرت سے متعلق عقائد اور مختلف احکام شرعیہ کو بار بار ایک دوسرے کے بعد دہراتا رہتا ہے، مسلسل عقائد کا ذکر جاری رہتا ہے نہ متواتر احکام کا، تاکہ قاری کا ذہن اکٹھا نہ ہو اس لیے اللہ تعالیٰ عقائد کے مضمون کے بعد احکام کا مضمون شروع کر دیتا ہے، اور عقائد میں بھی توحید، رسالت اور آخرت کے مضمون کا تنوع ہے اور اسی طرح احکام میں بھی مختلف انواع کے حکم کا ایک دوسرے کے بعد ذکر فرماتا ہے تاکہ قاری یکسانیت کا شکار نہ ہو اور ہر بار اس کو غور و فکر کی نئی راہیں ملیں۔

اس سے پہلے آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ نجات کا دار انسان کے اعمال صالحہ پر ہے اور قیامت کے دن اس کامل اس کی مدد سے اور کسی کی سفارش کام نہیں آئے گی اور یہ فرمایا تھا کہ تمام رسل علیہم السلام کے مراتب اور درجات اگرچہ متفاوت اور مختلف ہیں لیکن تمام رسولوں کی دعوت اور ان کا پیغام واحد ہے اور ان کا دین واحد ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کو واحد مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو۔

اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی جامع آیت 'آیت الکرسی' ہے، ہم پہلے آیت الکرسی کے مفردات کے معانی بیان کریں گے اور پھر اس کے فضائل کے متعلق احادیث کا ذکر کریں گے۔

آیت الکرسی کے مفردات اور جملوں کی تشریح

اللہ : یہ اللہ تعالیٰ کا اسم ذاتی ہے۔ اس کا معنی ہے وہ ذات جو واجب الوجود (قدیم بالذات) ہو تمام صفات کملیہ کی جامع ہو اور تمام خائص سے بری ہو اور عبادت کی مستحق ہو۔

الحی : جو ہمیشہ سے از خود زندہ ہو، اپنی حیات میں کسی کا محتاج نہ ہو، اور ہمیشہ زندہ رہے، اور کبھی اس پر موت نہ آئے۔

القیوم : جو از خود قائم ہو، دوسروں کا قائم کرنے والا ہو، جو تمام کائنات کو قائم رکھے ہوئے ہے اور ان کے نظام کی تدبیر

فرماتا ہے۔ ومن اینہ ان تقوم السماء والارض بامرہ (الروم: ۲۵) اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔

لونگہ اور نیند سے بری : تھکاوٹ اور سستی سے غفلت کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ لونگہ ہے اور یہ نیند کا مقدمہ ہے

اور نیند کا معنی ہے دماغ کے اعصاب کا ڈھیلا پڑ جانا جس کے بعد علم اور ادراک معطل ہو جاتا ہے اور حواس کا شعور اور

ادراک بھی موقوف ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ معنی محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے غفلت محال ہے وہ

اس عظیم کائنات کا موجد اور اس کے نظام کو جاری رکھنے والا ہے اور ہر آن اور ہر لمحہ اس کائنات میں تبدیلی اور تغیر واقع ہو

رہا ہے اور اس کے علم اور اس کی توجہ سے ہو رہا ہے، وہ ہر وقت ہر چیز کے ہر محل کا عالم ہے، بے خبر اور سونے والا نہیں

ہے۔

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کی ملکیت ہے : تمام آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق، سب اس کے بندے اور اس

کی ملکیت ہیں، ہر چیز اس کی قدرت اور اس کی مشیت کے تابع ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا أَنِي

الرَّحْمَانُ عَبْدًا (مریم: ۳)

بن کر حاضر ہوں گے۔

اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور شفاعت نہیں ہوگی : اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلالت اور اس کی کبریائی کا یہ تقاضا

ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اس کے حضور شفاعت نہیں کر سکے گا، حشر کے دن تمام انبیاء، رسل، اولیاء، علماء

اور شہداء اللہ تعالیٰ کے جلال سے سہمے ہوئے ہوں گے، اس دن ہمارے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں

گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھائیے، آپ کہیں آپ کی بت سنی جائے گی، آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت

قبول ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ ایک حد مقرر فرمائے گا اور رسول اللہ ﷺ اس حد کے مطابق شفاعت فرمائیں گے یہ حدیث

تفصیل کے ساتھ باحوالہ و رفع بعضہم درجہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور لوگوں کو امتاعی علم ہے جتنا اس نے دیا : اللہ تعالیٰ کا علم تمام کائنات کے مافیہ و ماہل اور مستقبل کو محیط ہے وہ دنیا اور آخرت کے تمام امور کو تفصیلاً جانتا ہے اس کو ایک ذرہ کا علم بھی غیر متعین و محدود ہوتا ہے مثلاً ایک ذرہ کو کتنے انسانوں، کتنے جانوروں، کتنے جنت اور کتنے فرشتوں نے دیکھا اس ایک ذرہ کی دیگر ذرات کے ساتھ کتنی نسبتیں ہیں اس پر کتنے ہوا کے جھوٹے اور کتنے بارش کے قطرے گزرے اس میں کتنے قدمے، کتنے فصلات کتنی حکمتیں ہیں۔ اس ذرہ کی کتنی عمر ہے وہ کمال کمال رہا اور ایسی بے شمار وجوہ ہیں تمام کائنات کا علم تو الگ رہا ایک ذرہ کے متعلق اللہ کا علم کتنا وسیع ہے انسان کی عقل اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی مخلوق کو امتاعی علم ہوتا ہے جتنا وہ عطا فرماتا ہے۔

اس کی کرسی تمام آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے : کرسی کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں کرسی سے مراد علم ہے اسی وجہ سے علماء کو بھی کرسی کہتے ہیں یا اس لیے کہ انسان کرسی پر ٹیک لگاتا ہے اور اٹھتا کرتا ہے اور علماء کا اٹھنا بھی علم پر ہوتا ہے ایک قول یہ ہے کہ کرسی سے مراد عظمت ہے ایک قول یہ ہے کہ کرسی سے مراد ملک اور حکومت ہے۔ امام مقدسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کی کرسی تمام آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے اور وہ اس طرح چرچاتی ہے جیسے نیپالان سواروں کے بوجھ سے چرچاتا ہے۔ (الاحادیث المختارہ ج ۱ ص ۳۲۸ مطبوعہ مکتبۃ النفعۃ للحدیث مکہ مکرمہ ۱۴۱۰ھ)

کرسی کے متعلق حافظ سیوطی نے بہت احادیث ذکر کی ہیں ہم ان میں سے چند احادیث ذکر کر رہے ہیں :
امام ابن المنذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر سات آسمانوں اور سات زمینوں کو بچھا دیا جائے تب بھی وہ کرسی کے مقابلہ میں اس طرح ہیں جیسے ایک انگشتی کسی وسیع میدان میں پڑی ہو۔
امام ابن جریر، امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسی کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا : اے ابوذر! سات آسمان اور سات زمینیں کرسی کے مقابلہ میں اس طرح ہیں جیسے کسی جنگل میں انگوٹھی کا چھل پڑا ہو اور عرش کی فضیلت کرسی پر اس طرح ہے جیسے جنگل کی فضیلت اس انگوٹھی کے چھل پر ہے۔

امام ابو الشیخ نے ابو مالک سے روایت کیا ہے کہ کرسی عرش کے نیچے ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۸ مطبوعہ مکتبۃ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

امام رازی کا مختار یہ ہے کہ کرسی ایک عظیم جسم ہے جو سات آسمانوں اور سات زمینوں کو محیط ہے۔ وہ فرماتے ہیں بغیر کسی دلیل کے ظاہر قرآن اور ظاہر حدیث سے عدول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۳۳-۳۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

کرسی کا معنی ہے جس پر کوئی شخص بیٹھے اور بیٹھنے کے بعد اس میں جگہ نہ بچے اور یہاں یہ کلام بہ طور تمثیل ہے ورنہ کوئی کرسی ہے نہ کوئی بیٹھنے والا اکثر متاخرین نے یہی کہا ہے تاکہ اللہ کے لیے جسم ہونا لازم نہ آئے اور احادیث میں بھی استعارہ ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے اور حق وہی ہے جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور تو ہم جسمیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات کا انکار لازم آئے گا اور متقدمین نے یہ کہا کہ یہ تشابہات میں سے ہے اور حقیقت میں

آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت اللہ کو نہیں تھکتی : آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت اللہ پر بھاری اور دشوار نہیں ہے بلکہ اللہ کے نزدیک بہت سہل اور آسان ہے وہ ہر چیز کو قائم رکھنے والا طور ہر چیز کا محافظ اور نگہبان ہے وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اس کا ارادہ اٹل ہے اور جس کا وہ ارادہ کر لے اس کو ضرور کر گزرتا ہے وہ ہر چیز پر غالب ہے اور ہر شے سے بلند اور برتر ہے اور وہی سب سے عظیم ہے کبریائی اور بڑائی اسی کو زیبا ہے۔

آیت الکرسی کے فضائل

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

لام احمد، لام مسلم، لام ابو داؤد اور لام حاکم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان سے (احتمالاً) سوال کیا کہ کتب اللہ کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے انہوں نے کہا آیت الکرسی! آپ نے فرمایا اے ابو المنذر تم کو یہ علم مبارک ہو۔

لام بخاری نے اپنی تاریخ میں لام طبرانی اور لام ابو نعیم نے مستند راویوں سے روایت کیا ہے حضرت ابن الاسف بکری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا کہ قرآن مجید کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ لا الہ الا هو الحی القيوم اور پوری آیت پڑھی۔

لام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی کو پڑھا اللہ تعالیٰ اس کو دوسری نماز تک اپنی حفاظت میں رکھتا ہے اور آیت الکرسی کی حفاظت صرف نبی، صدیق یا شہید ہی کرتا ہے۔

لام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی کو پڑھے اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں ہوگی اور وہ مرتے ہی جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(لام نسائی از حضرت ابو امامہ سنن کبری ج ۶ ص ۳۰، عمل الیوم واللیلہ ص ۴۹، لام طبرانی از حضرت ابو امامہ المعجم الکبیر ج ۸ ص ۳۳، مسند الشامیین ج ۲ ص ۹، کتب الدعاء ص ۲۳، لام ابن السنی، عمل الیوم واللیلہ ص ۴۳، حافظ البیہقی، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۴)

لام بخاری، لام نسائی اور لام ابو نعیم نے دلائل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے زکوٰۃ کی حفاظت پر مامور کیا ایک شخص آیا اور مٹی بھر طعام لے جانے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا میں تجھے ضرور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاؤں گا اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں محتاج اور عیال دار ہوں اور مجھے بڑی سخت ضرورت تھی میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو ہریرہ! گذشتہ رات کے تمہارے قیدی کا کیا ہوا میں نے کہا یا رسول اللہ اس نے اپنی سخت حاجت بیان کی مجھے اس پر ترس آیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا آپ نے فرمایا جو وہ ہے اور وہ پھر آئے گا مجھے یقین ہو گیا کہ وہ پھر آئے گا تو میں اس کی کھات لگا کر بیٹھا وہ آیا اور مٹی بھر طعام لے جانے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا میں تجھے ضرور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاؤں گا اس نے کہا مجھے چھوڑ دو

میں ضرورت مند اور عیالدار ہوں، میں دوبارہ نہیں آؤں گا، مجھے اس پر ترس آیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا، صبح کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گذشتہ رات کے تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے اپنی اور اپنے میل کی سخت مجبوری بیان کی مجھے ترس آیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا آپ نے فرمایا وہ جھوٹا ہے وہ پھر آئے گا میں تیسری رات پھر اس کی گھلت میں بیٹھا وہ آیا اور پھر مٹھی بھر کر طعام لے جانے لگا، میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا آج آخری بار ہے میں تجھ کو ضرور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاؤں گا، تو یہ کہتا ہے کہ میں نہیں آؤں گا اور پھر آجاتا ہے! اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں تم کو چند ایسے کلمات بتاتا ہوں جن سے تم کو نفع ہوگا، میں نے پوچھا وہ کون سے کلمات ہیں؟ اس نے کہا جب تم بستر پر جاؤ تو آیت الکرسی پڑھنا تو صبح تک اللہ تمہاری حفاظت کرے گا اور تمہارے پاس صبح تک شیطان نہیں آئے گا، صبح کو نبی ﷺ نے فرمایا ہے تو وہ جھوٹا لیکن یہ بات اس نے سچ کہی ہے۔

امام ابن الضریس نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص بستر پر لیٹ کر آیت الکرسی پڑھتا ہے صبح تک دو فرشتے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۷-۳۲۸، ملقطاً، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران) کرسی پر بیٹھنے کی تحقیق

آیت الکرسی کی اس بحث میں ہم کرسی پر بیٹھنے کا شرعی حکم بیان کرنا چاہتے ہیں کیونکہ بعض علماء نے اس مسئلہ میں تشدد کیا ہے اور کرسی پر بیٹھنے کو ناجائز اور مکروہ تحریمی لکھا ہے اور بعض علماء نے کرسی پر بیٹھنے کو بدعت کہا ہے۔ علامہ ابوطالب مکی لکھتے ہیں:

پہلے صوفیاء کے بیٹھنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مجتمع ہو کر گھٹنوں کو کھرا کر لیتے تھے، بعض اپنے قدموں پر بیٹھتے اور اپنی کھنیاں گھٹنوں پر رکھ لیتے، خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے زمانہ سے علماء دین کا یہی طریقہ تھا۔ حسن بصری کے زمانہ سے لے کر ابوالقاسم جنید تک صوفیاء کا یہی طریقہ تھا اس وقت تک کرسیاں نہیں ہوتی تھیں، رسول اللہ ﷺ سے بھی یہی مروی ہے کہ آپ اکڑوں بیٹھتے تھے اور گھٹنوں کے گرد کلائیوں سے حلقہ بنا لیتے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ قدموں پر بیٹھتے تھے اور کلائیوں گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے۔ صوفیاء میں سے جو شخص سب سے پہلے کرسی پر بیٹھا وہ مصر کے یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تھے اور بغداد میں ان کی موافقت ابو حمزہ نے کی اور مشائخ نے ان کی مذمت کی۔ کرسی پر بیٹھنا ان عارفین کی سیرت سے نہیں ہے جو علم معرفت میں کلام کرتے ہیں، چار زانو (آلتی پالتی مار کر بیٹھنا) نخویوں، لغویوں، دنیا دار علماء اور مفتیوں کا طریقہ ہے اور یہ متکبرین کی وضع ہے اور تواضع کا طریقہ سمٹ کر یا جڑ کر بیٹھنا ہے۔

(توت القلوب ج ۱ ص ۲۶، مطبوعہ مکتبہ میمنہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابوطالب مکی کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ کرسی پر بیٹھنا اور چار زانو بیٹھنا جنید بغدادی کے بعد صوفیاء میں شروع ہوا ائمہ صحابہ سے لے کر جنید تک یہ طریقہ نہیں تھا سو یہ بدعت اور سنت کے خلاف ہے، اور متکبرین کے بیٹھنے کا طریقہ ہے۔

علامہ ابوطالب مکی کی یہ رائے صحیح نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت کے خلاف ہے، کرسی پر بیٹھنا انبیاء علیہم السلام، فرشتوں اور صحابہ کا طریقہ ہے اور چار زانو بیٹھنا بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، پہلے ہم کرسی پر بیٹھنے کے متعلق بحث کریں گے اس کے بعد چار زانو بیٹھنے پر گفتگو کریں گے۔

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں :

کری لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس پر ٹیک لگا کر بیٹھا جاتا ہے، ثعلب نے کہا کری وہ ہے جو عرب کے نزدیک بادشاہوں کی کری کی حیثیت سے معروف ہے۔ (ٹیک لگانے کی قید سے کری تخت سے ممتاز ہو گئی)

(لسان العرب ج ۶ ص ۸۳، مطبوعہ نشر لوب الحوزة قم، ایران ۱۳۰۵ھ)

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں :

زخشری نے کہا ہے کہ کری وہ ہے جس پر بیٹھنے کے بعد مقعد سے زائد جگہ نہ بچے (یہ تخت اور کری میں فرق ہے) تخت پر بیٹھنے کے بعد جگہ باقی رہتی ہے اور کری میں نہیں رہتی۔

(عمدة القاری ج ۱ ص ۶۱، ج ۹ ص ۲۳، مطبوعہ ادارة البعثة المشریة مصر ۱۳۳۸ھ)

قرآن مجید، احادیث اور آثار سے کری پر بیٹھنے اور چار زانو بیٹھنے کا جواز

قرآن مجید سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کری پر بیٹھتے تھے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰی كُرْسِيِّهٖ

اور بیشک ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کی کری پر

جَسَدًا (ص : ۳۳)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیل کو ایک کری پر بیٹھے ہوئے دیکھا، امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس وقت میں جا رہا تھا تو میں نے آسمان سے ایک آواز سنی میں نے نظر لوہر اٹھائی تو دیکھا کہ جو فرشتہ میں نے حرام میں دیکھا تھا وہ زمین و آسمان کے درمیان ایک کری پر بیٹھا ہوا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۳۸۱ھ)

رسول اللہ ﷺ خود بھی کری پر بیٹھے ہیں، امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اس وقت آپ خطبہ دے رہے تھے میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ ایک مسافر آیا ہے وہ دین کے متعلق سوال کر رہا ہے وہ نہیں جانتا کہ اس کا دین کیا ہے؟ پھر رسول اللہ ﷺ خطبہ چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو گئے، حتیٰ کہ میرے پاس آئے ایک کری لائی گئی آپ اس پر بیٹھ گئے، میرا گمان ہے اس کے پائے لوہے کے تھے پھر رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے دیئے ہوئے علم سے مجھے دین کی تعلیم دی پھر آکر اپنا خطبہ مکمل کیا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۳۷۵ھ)

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کری پر اس لیے بیٹھے تھے کہ سب لوگ آپ کا کلام سنیں اور آپ کی

نواہت کریں۔ (۱) اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (۲)

رسول اللہ ﷺ کے گھر میں بھی کری تھی، امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گزشتہ رات میں نے گھر میں آہٹ سنی تو باہر جبرائیل

(۱) علامہ سیبکی بن شرف نووی حنفی ۷۷۱ھ، شرح مسلم ج ۱ ص ۲۸۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۳۷۵ھ

(۲) امام احمد بن حنبل حنفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۸۰، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۶۸ھ

علیہ السلام تھے، میں نے کہا آپ گھر کے اندر کیوں نہیں آتے؟ کہا گھر میں کتا ہے، میں نے گھر جا کر دیکھا تو کرسی کے نیچے حسن کے کتے کا بچہ تھا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۳۸ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کرسی پر بیٹھے تھے، امام بخاری روایت کرتے ہیں :

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ میں شیبہ کے ساتھ کعبہ میں کرسی پر بیٹھا اور کہا اس بیٹھنے کی جگہ پر حضرت عمر بھی بیٹھے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷، مطبوعہ نور محمد اصرار المطابع کراچی ۱۴۳۸ھ)

اور متعدد احادیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کرسی پر بیٹھے تھے، امام نسائی روایت کرتے ہیں :

عبد خیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی کے لیے کرسی لائی گئی اور وہ اس پر بیٹھے۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۲۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام نسائی نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، اور امام احمد نے بھی اس کو دو سندوں سے روایت کیا ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۹، ۳۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۳۸ھ)

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوہ میں بھیجے ہوئے بارہ صحابہ کے متعلق فرمایا وہ شہید ہو گئے ان کے چہرے جنت میں چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے تھے ان کے لیے سونے کی کرسیاں لائی گئیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۳۸ھ)

کرسی پر بیٹھنے کے جواز کو بیان کرنے کے بعد اب ہم چار زانو (آلتی پالتی مار کر بیٹھنا) بیٹھنے کا جواز بیان کر رہے ہیں :

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن سمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اچھی طرح سورج نکلنے تک چار زانو بیٹھے رہتے تھے۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۱۰، مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان لاہور ۱۴۳۰ھ)

دین میں جبر نہ ہونے کی تحقیق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : دین میں جبر نہیں ہے، بے شک ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے۔ (البقرہ : ۲۵۱)

اس سے پہلے آیت الکرسی میں اللہ عز و جل کی صفات بیان کی گئی تھیں، اور یہ بتلایا گیا تھا کہ تمام آسمانوں میں صرف اسی کی سلطنت ہے اور آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت سے اس کو تھکاؤ نہیں ہوتی اور اس کو ہر چیز کا علم ہے، اور جب انسان نے یہ جان لیا تو پھر اس کے اسلام قبول کرنے اور اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور انسان اگر اس کائنات میں غور و فکر کرے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا اور اس کو بقی رکھنے والا وہی رب عظیم ہے، اب اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ اللہ کی ذات و صفات کو جاننے کے بعد انسان کو از خود اس پر ایمان لانا چاہیے اور اس کے لیے کسی جبر و اکراہ کی ضرورت نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ منشاء نہیں ہے کہ لوگ جبرا "اسلام میں داخل ہوں!

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ الْمَنَ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں جتنے لوگ ہیں سب

ہی ایمان لے آتے! تو کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں

آپ کہیے کہ یہ حق (ہے) تمہارے رب کی طرف سے
سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ
شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (الكهف: ۳۹)

لام ابن جریر روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک قبیلہ بنو سالم بن عوف کے حصین نامی ایک شخص
کے دو بیٹے نصرانی تھے اور وہ خود مسلمان تھے انہوں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ ان کے بیٹے اسلام قبول کرنے سے انکار
کرتے ہیں کیا وہ ان کو جبراً مسلمان کریں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ دین میں جبر نہیں ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۳۰ھ)

”دین میں جبر نہیں ہے“ (البقرہ : ۲۵۶) اس آیت کے متعلق علماء تفسیر کا اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا یہ آیت
اس دور میں نازل ہوئی جب کفار سے جہاد اور قتل کا حکم نازل نہیں ہوا تھا جب ان کی زیادتیوں پر معاف کرنے اور درگزر
کرنے کا حکم تھا، اور یہ حکم تھا کہ ان کی برائی کو اچھائی سے دور کرو، اور عمدہ طریقہ سے ان سے بحث کرو، اور جب جاہل
مسلمانوں سے بات کرتے تو وہ سلام کہتے، اور جب جہاد اور قتل کی آیات نازل ہوئیں تو ان آیات کا حکم منسوخ ہو گیا، جہاد
اور قتل کی بعض آیات یہ ہیں :

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ
وَاعْلِظْ عَلَيْهِمْ (التوبہ: ۷۳)

کیجئے۔

پس تم مشرکین کو جہاد بھی پاؤ انہیں قتل کر دو۔

فَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبہ: ۷۳)

(التوبہ : ۵)

اور کافروں سے قتل کرتے رہو حتیٰ کہ کفر کا غلبہ نہ رہے

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ

اور (پورا) دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے۔

الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (الانفال : ۳۹)

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے لوگوں سے قتل کرنے کا حکم
دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیں، جب وہ ایسا کر لیں گے تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور
مالوں کو محفوظ کر لیں گے ماسوا حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

(صحیح بخاری ج ۸ ص ۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۴۲۸ھ)

اس سلسلہ میں تحقیق یہ ہے کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ آیت اصل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے
یعنی جو لوگ کسی دین کو ماننے والے ہیں ان پر دین اسلام کو قبول کرنے کے معاملہ میں جبر نہیں کیا جائے گا، اور رہے کفار اور
بت پرست جن کا کسی آسمانی دین سے تعلق نہیں ہے تو ان کے اور ہمارے درمیان صرف تمکار ہے، وہ اسلام قبول کر لیں
ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے گا، اس کے برخلاف یہود و نصاریٰ اگر جزیہ لوا کر دیں تو ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا، لام
ابن جریر کا بھی یہی نظریہ ہے اور اس کی تائید حسب ذیل احادیث سے ہوتی ہے، لام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت

کرتے ہیں :

قلہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ جزیرہ عرب میں بت پرستوں سے قتل کریں اس لیے آپ نے ان سے لا الہ الا اللہ یا تلواری کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں کیا اور بتی لوگوں سے جزیرہ کو قبول کرنے کا حکم دیا اور غریبا دین میں جبر نہیں ہے۔

زید بن اسلم نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں دس سال رہے اور آپ کسی شخص پر دین میں جبر نہیں کرتے تھے اور مشرکین آپ سے قتل کرنے کے سوا اور کسی بت کو نہیں مانے تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے قتل کرنے کی اجازت دی۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۳۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو بکر جصاص رازی حنفی لکھتے ہیں :

قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں مشرکین سے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اہل کتب جب جزیرہ لوار کریں تو وہ اہل اسلام کے حکم میں داخل ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے مشرکین عرب سے تلواری یا اسلام کے سوا اور کسی چیز کو قبول نہیں کیا اور جو مشرک بھی یہودی یا نصرانی ہو جائے اس کو قبول اسلام پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۵۲، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

مشروعیت جملہ پر، نفی جبر کی وجہ سے اعتراض، اور معاصر مفسرین کے جوابات

غیر مسلم سکالرز اور مستشرقین، اسلام کے خلاف یہ پردہ پیگنڈہ کرتے ہیں کہ اسلام تلواری کے زور سے پھیلا ہے، اس سے مرعوب ہو کر ہمارے بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ ”دین میں جبر نہیں ہے۔“ اور جملہ کا حکم صرف مدافعتہ جنگ کے لیے ہے یعنی جب کوئی قوم مسلمانوں پر حملہ آور ہو تو وہ اپنے تحفظ اور دفاع کے لیے جملہ کریں :

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں :

اسلام جس طرح یہ گوارہ نہیں کرتا کہ کسی کو جبراً مسلمان بنایا جائے اسی طرح وہ یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی اس کے ماننے والوں پر تشدد کر کے انہیں اسلام سے برگشتہ کرے یا جو خوشی سے اسلام کی برلوری میں شریک ہونا چاہتے ہیں ان کو ایسا کرنے سے زبردستی روکا جائے، اور اگر کہیں ایسی صورت پیدا ہو جائے تو اس وقت اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ ایسی حالت میں وہ ظالم قوت کا مقابلہ کریں اور یہی اسلام کا نظریہ جملہ ہے، اسلام کے بعض نکتہ چیں جملہ کو اگر لہ فی الدین سے تعبیر کرتے ہیں اور اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں وہ سن لیں کہ اسلام ان کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے اپنے ماننے والوں کو دشمنان دین و ایمان کے جو رستم کا تختہ مشق بننے نہیں دے گا۔

(ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۷۹، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

شیخ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں :

اسی طرح ہمیں اس امر سے انکار نہیں ہے کہ مجرد کسی قوم کے اندر کفر کا وجود اس امر کے لیے کافی وجہ نہیں ہے کہ اسلام کے علمبردار ان کے خلاف جملہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور تلواری کے زور سے ان کو اسلام پر مجبور کر دیں۔ جملہ اصلاً ”فتنہ اور فساد فی الارض کے مٹانے کے لیے مشروع ہوا ہے اگر یہ چیز کہیں پائی جاتی ہے تو اہل ایمان پر یہ ذمہ داری عائد

الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (التوبة: ۲۹)

میں لاتے اور اس چیز کو حرام نہیں کئے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے جو کہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اہل کتاب ہیں حتیٰ کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کسی قوم سے اس وقت تک قتل نہیں کیا جب تک ان کو اسلام کی دعوت نہیں دی۔

حافظ البیہقی لکھتے ہیں اس حدیث کو امام احمد، امام ابو یعلیٰ اور امام طبرانی نے کئی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام احمد کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۳، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی بڑے یا چھوٹے لشکر کا امیر بناتے تو اس کو بالخصوص اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتے اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو نیکی کی وصیت کرتے، پھر فرماتے اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو، جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اس کے ساتھ جنگ کرو، خیانت نہ کرو، عہد شکنی نہ کرو، کسی شخص کے اعضاء کاٹ کر اس کی شکل نہ بگاڑو، اور کسی بچہ کو قتل نہ کرو، جب تم دشمن مشرکوں (اہل کتاب) سے مقابلہ کرو، تو ان کو تین چیزوں کی دعوت دینا وہ ان میں سے جس کو بھی مان لیں اس کو قبول کر لینا اور جنگ سے رک جانا، پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کا اسلام قبول کر لو، اور ان سے جنگ نہ کرو، اور ان سے یہ کہو کہ وہ اپنا شہر چھوڑ کر مہاجرین کے شہر میں آجائیں (الی قولہ) اور اگر وہ مہاجرین کے شہر میں آنے سے انکار کر دیں تو ان کو یہ خبر دو کہ پھر ان پر دیہاتی مسلمانوں کا حکم ہو گا (الی قولہ) اگر وہ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو اگر وہ اس کو تسلیم کر لیں تو تم بھی اس کو قبول کر لو اور ان سے جنگ نہ کرو اور اگر وہ اس کا انکار کریں تو پھر اللہ کی مدد کے ساتھ ان سے جنگ شروع کر دو، الحدیث (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۴۰۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

جنگ خیبر کے ایام میں جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا تو انہوں نے کہا جب تک وہ مسلمان نہیں ہوں گے ہم ان سے قتل کرتے رہیں گے، آپ نے فرمایا اسی طرح کرنا، حتیٰ کہ جب تم ان کے علاقہ میں داخل ہو تو (پہلے) ان کو اسلام کی دعوت دینا، اور ان کو یہ خبر دینا کہ ان پر کیا احکام واجب ہیں اللہ کی قسم، اگر ایک شخص بھی تمہارے سبب سے ہدایت یافتہ ہو جائے تو وہ تمہارے لیے سرخ لونٹوں (دنیا کی خیر) سے بہتر ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۴۰۱ھ)

مصنف کی طرف سے مشروعیت جہاد پر اعتراض کے جوابات

یہودی اور عیسائی مستشرقین معترضین کو سب سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ کفار کے خلاف جنگ اور جہاد کرنے میں اسلام تنہا اور منفرد نہیں ہے، بلکہ موجودہ تورات (کتاب مقدس، بائبل) میں بھی اپنے مخالف کفار کے ساتھ جنگ اور جہاد کرنے کی تلقین اور ترغیب دی گئی ہے، اور موجودہ انجیل میں تصریح ہے کہ تورات کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہے۔ اب آپ

تورات کے اس اقتباس کا مطالعہ فرمائیں :

جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا ○ اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پچانک تیرے لیے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے بلج گزار بن کر تیری خدمت کریں ○ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا ○ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا ○ لیکن عورتوں اور بلی بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مل اور لوٹ کو اپنے لیے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا ○ ان سب شہروں کا یہی حال کرنا جو تجھ سے دور ہیں اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں ○ پر ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا ○ بلکہ تو ان کو یعنی حتی اور راموری اور کنعلانی اور فرزی اور حوی اور یوسی قوموں کو جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے بالکل نیست کر دینا ○ تاکہ وہ تم کو اپنے سے مکروہ کام کرنے نہ سکھائیں جو انہوں نے اپنے دیوتائوں کے لیے کیے ہیں اور یوں تم خداوند اپنے خدا کے خلاف گناہ کرنے لگو ○

(استثناء باب : ۲۰ : آیت : ۱۸-۱۰) (عہد نامہ قدیم : ۱۸۶)

واضح رہے کہ عیسائیوں کے نزدیک بھی کفار کے خلاف جملہ کا یہ حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا :

یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں ○ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے ○

(متی باب : ۵ : آیت : ۱۸-۱۷) (نیا عہد نامہ : ۸)

جو غیر مسلم مستشرقین اسلام کے نظریہ جملہ پر اعتراض کرتے ہیں انہیں تورات اور انجیل کے ان اقتباسات کو بہ غور پڑھنا چاہئے۔ اب جملہ کے متعلق اسلام کا نظریہ ملاحظہ کریں :

جملہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کے شر پر حملہ کیا جائے اور مسلمان مدافعتاً جنگ کریں، یہ جملہ فرض عین ہے، اس کی مثل غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق میں ہے اور ظاہر ہے کہ یہ لا اکراہ فی الدین کے خلاف نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی ہوش مند اعتراض کر سکتا ہے اور جملہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ تبلیغ اسلام کے لیے جملہ کیا جائے اور بہ شرط استطاعت از خود کافروں کے ملک پر حملہ کیا جائے یہ جملہ فرض کفایہ ہے، فتح مکہ، فتح طائف اور فتح خیبر میں اس کی مثالیں ہیں اور بعد میں مسلمانوں نے مصر، شام، عراق، ایران اور بہت سے علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لیے جملہ کیا اور دنیا کے تین براعظموں میں مسلمانوں کی حکومت پہنچ گئی، اور اس میں یہ تفصیل ہے کہ جب مشرکین سے جملہ کیا جائے تو یا تلوار سے یا اسلام، اور احل کتب کے ساتھ جنگ ہو تو پھر تین صورتیں ہیں یا وہ اسلام قبول کریں، یا جزیہ دیں یا پھر جنگ کریں۔

احل کتب کے ساتھ جزیہ کی رعایت اس لیے رکھی ہے کہ وہ الوہیت اور رسالت کے کسی نہ کسی طور پر قائل ہیں، آخرت پر ایمان رکھتے ہیں جزا سزا اور حلال و حرام کے اصولی طور پر معترف ہیں اور جب وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کے بلج

گزار ہو جائیں گے اور ان کا مسلمانوں کے ساتھ میل جول ہو گا تو مسلمانوں کو ان میں تبلیغ اسلام کے مواقع میسر ہوں گے اور انہیں بھی اسلام کی تعلیمت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا اور وہ جلد یا بدیر اسلام کو قبول کر لیں گے اور ان کا اسلام کو قبول کرنا بہ رضا و رغبت ہو گا اس میں جبر کا کوئی دخل نہیں ہے، جہاد کی اس شکل پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اب صرف ایک شکل رہ جاتی ہے اور وہ ہے تبلیغ اسلام کے لیے مشرکین کے خلاف جہاد، یا وہ اسلام کو قبول کر لیں ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے گا، اور اس پر بلاوی النظر میں اعتراض ہوتا ہے کہ یہ جبر و اکراہ ہے لیکن درحقیقت یہ بھی جبر نہیں ہے، اگر کوئی شخص کسی ملک کا باشندہ ہو اس ملک کے باشندہ کی مہیا کی ہوئی سہولتوں اور فائدوں سے بہواندوز ہو تا اور اس ملک کی زمین میں گھر بنا کر رہتا ہو اور تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہو لیکن وہ اس ملک کے باشندہ یا حکمران کی حکومت کو نہ مانے، اس کے قوانین پر عمل نہ کرے اور اس کے برعکس اس حکومت کے مخالف اور دشمن ملک اور حکومت کا علی الاعلان دم بھرتا ہو اور اس کی وفاداری کا اعلان کرتا ہو تو کیا اس کو گردن زدنی نہیں قرار دیا جائے گا اور اس کو غدار قرار دے کر قتل نہیں کیا جائے گا کیا آج دنیا کے تمام مذاہب ملکوں کا اس پر عمل نہیں ہے اور اگر اس شخص سے یہ کہا جائے کہ یا تو تم اس ملک کی وفاداری کا اعلان کرو ورنہ تم کو قتل کر دیا جائے گا تو یہ کیوں عدل و انصاف کے مطابق نہیں ہے جب کہ آج کی تمام مذاہب دنیا میں ایسے شخص کو یہ موقع دیئے بغیر قتل کر دیا جاتا ہے، سو اسی طرح جو شخص اللہ کی پٹلی ہوئی زمین میں رہتا ہے اور اس کی دی ہوئی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے لیکن وہ اللہ کو مانتا ہے نہ اس کے کسی اصول اور قانون کو، اور دنیا میں آسمانی مذاہب کی جتنی شکلیں ہیں ان میں سے وہ کسی کو بھی نہیں مانتا تو اس سے یہ کہنا بجا اور عدل و انصاف کے مطابق ہے کہ یا تو اللہ کے دین کو قبول کر لو ورنہ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ، نیز جس طرح ہر حکومت میں ریاست کے غدار کی سزا موت ہے اسی طرح اسلام میں بھی مرتد کی سزا یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے، اس کو تین دن موقع دیا جاتا ہے کہ وہ غور و فکر کرے اور اگر اس کو اسلام کے خلاف کوئی شبہ ہے تو اس کو زائل کیا جائے لیکن اگر وہ اس کے بلوجود اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہتا ہے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے جبکہ غدار وطن کے لیے یہ رعایت نہیں ہوتی۔

تمام مذاہب دنیا میں جرائم پر سزائوں کا نظام جاری ہے، اور جب کسی قاتل، چور، ڈاکو یا ریاست کے غدار کو سزا دی جائے تو یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ جبر ہے اور حریت فکر اور آزادی رائے کے خلاف ہے اسی طرح جب مشرک کو ایمان نہ لانے پر جہاد میں قتل کیا جائے یا مرتد کو توبہ نہ کرنے پر قتل کیا جائے تو یہ بھی ان کے جرائم کی سزا ہے، جبر نہیں ہے اور حریت فکر اور آزادی رائے کے خلاف نہیں ہے۔

کیا دین اسلام قبول کرنے میں جبر کا نہ ہونا مشروعیت جہاد کے خلاف ہے؟ میں اس اشکال کے جواب پر کئی دن غور کرتا رہا میں نے اس سوال کے جواب کی تلاش کے لیے قدیم اور جدید متعدد تفاسیر کو دیکھا، لیکن میں نے دیکھا کہ کسی نے بھی اس کو حل نہیں کیا اور مدافعانہ جنگ اور جزیہ کے اختیار سے اصل اشکال کو ٹالنے، دفع وقتی اور فرار کی کوشش کی، بہر حال میرے ذہن میں جو جواب آیا وہ میں نے لکھ دیا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو یہ میری فکر کی کمی ہے اور آئندہ آنے والے علماء کے لیے دعوت فکر ہے۔

اِنَّهٗ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی السُّوْرِۃِ

اگر ایمان والوں کا مددگار ہے، انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے،

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اُولٰٓئِہِمْ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُم مِّنَ السُّوْرِۃِ

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے دوست شیطان ہیں، وہ ان کو روشنی سے اندھیروں کی

اِلَی الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ہُمْ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

طرف نکالتے ہیں، وہ دوزخی لوگ ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

مومنوں کو ظلمت سے نکلنے کے محال

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے، اس پر یہ سوال ہوتا تھا کہ جب ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ سب لوگ ایمان نہیں لائے لہذا اس آیت میں بتایا ہے کہ ایمان کی دولت اللہ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور جن لوگوں نے شیاطین سے دوستی رکھی وہ اللہ کی توفیق سے محروم ہو گئے اور شیطان نے انہیں کفر کے اندھیروں میں دھکیل دیا۔

دلی کا یہاں معنی ہے مددگار، محب اور کارساز، یعنی اللہ مومنین کا محب ہے یا مددگار ہے یا کارساز ہے، اس آیت میں فرمایا ہے اللہ مومنوں کو ظلمت سے نور کی طرف نکالتا ہے اس پر سوال ہے کہ مومن تو ایمان کی وجہ سے پہلے ہی نور میں ہیں نہ کہ ظلمت میں پھر ان کو ظلمت سے نکلنے کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اخراج کے دو معنی ہو سکتے ہیں حقیقت اور مجاز، اگر حقیقت مرلو ہو تو ایمان والوں سے مرلو ہے جنہوں نے ایمان لانے کا ارادہ کیا ان کو اللہ کفر کے اندھیروں سے ایمان کے نور کی طرف نکالتا ہے یا معنی ہے اللہ مومنوں کو ان کے نفوس کی ظلمتیت سے آداب شریعت کی طرف نکالتا ہے یعنی ان کو رضاء، صدق، توکل، معرفت اور محبت الہی کی راہ پر ڈال دیتا ہے، یا معنی ہے ان کو وحشت اور فرقت کے اندھیروں سے سکون اور وصل کے نور کی طرف نکالتا ہے، یا اخراج سے مجازاً باز رکھنا مرلو ہے یعنی اللہ مومنوں کو ظلمت کفر سے دور رکھتا ہے۔

کفار کو نور سے نکلنے کے محال

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے دوست طاغوت ہیں وہ ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں :

یہاں پر بھی یہ سوال ہے کہ کفار کے لیے نور کب ثابت ہے جو انہیں نور سے نکل کر ظلمت کی طرف لایا گیا، کفر تو ہے ہی ظلمت، اس کے متحدہ جوہریت ہیں۔

بعض مفسرین نے کہا اس سے مرلو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کے وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، پھر شیطان کے بھانے میں آکر وہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور آپ کے ساتھ انہوں

نے کفر کیا اور یوں وہ نور سے نکل کر ظلمت میں آ گئے۔ بعض نے کہا اس سے وہ لوگ مرلو ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کے وسیلہ سے فتح کی دعائیں کرتے رہے اور جب آپ مبعوث ہو گئے تو انہوں نے شیطان کے کہنے میں آ کر آپ کے ساتھ کفر کیا اور یوں وہ روشنی سے اندھیرے میں آ گئے، بعض نے کہا انہوں نے فطرت اسلام کے نور کو ترک کر کے کفر کے اندھیرے کو اختیار کیا، بعض نے کہا عالم ارواح میں انہوں نے ”بلی“ کہہ کر جو اقرار کیا تھا اس کے نور سے نکل کر وہ کفر کے اندھیروں میں آ گئے۔

طاغوت کا معنی :

طاغوت کا لفظ طغیان سے ماخوذ ہے، اور طغیان کا معنی ہے، کسی چیز کی حد سے تجاوز کرنا، یہ لفظ اصل میں ملکوت کی طرح مصدر ہے اور اس میں تاء زائد ہے۔ طاغوت سے مراد بت ہیں یا شیطان، بعض محققین نے کہا طاغوت چار ہیں :

(۱) ابلیس لعنہ اللہ (۲) وہ شخص جو اپنی عبلت کیے جانے پر راضی ہو (۳) وہ شخص جو لوگوں کو اپنی عبلت کرنے کی دعوت دے۔ (۴) جو شخص وحی الہی کے بغیر علم غیب کا مدعی ہو۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ

(اے محبوب!) کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے متعلق جھگڑا کیا (کیونکہ) اللہ نے

إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أَحْيِي وَمُمِيتُ

اس کو سلطنت دی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا

قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ

ہوں۔ ابراہیم نے کہا بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو

بِهَآ مِنْ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

مغرب لے آ، تو کافر حیران اور لاجواب ہو گیا، اور اللہ ظلم کرنے والے لوگوں کو ہدایت

الظَّالِمِينَ ﴿۲۵۸﴾ أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْبَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى

نہیں دیتا یا اس شخص کی طرح جو ایک بستی پر گزرا دریا خلیکہ وہ بستی اپنی چھتوں پر گری ہوئی

عُرُوشَهَا ﴿۲۵۹﴾ قَالَ أَنِي يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴿۲۶۰﴾ فَأَمَّا تِلْكَ

تھی، اس نے (تعجب سے) کہا اللہ اس بستی والوں کو مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا! تو اللہ نے سو برس تک

مِائَةً عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ط قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ط قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا وَ

اس پر موت لدی کردی، پھر اس کو زندہ کر کے اٹھایا۔ فرمایا تم نے کتنی مدت قیام کیا؟ اس نے

بَعْضَ يَوْمٍ ط قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةً عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ

کہا تم اہدن یادن کا کچھ حصہ! اللہ نے فرمایا بعد تم ایک سو سال تک ٹھہرے ہے پس تم اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھو

وَشَرَابِكَ كَمْ يَتَسَنَّهْ ط وَانْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ

جواب تک ٹھہری (بدبودار) نہیں، اور اپنے گدھے کو دیکھو اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنائیں اور (ان)

آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا

بڑیوں کی طرف دیکھو ہم کس طرح ان کو ملا کر جوڑتے ہیں پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں، پھر جب ان پر روت

لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ط قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۲۵۹

کے بعد زندہ ہونا) مکشفت ہو گیا تو انہوں نے کہا میں یقین رکھتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

مومن کے نور اور کافر کی ظلمت کی مثالیں

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تھا اللہ تعالیٰ مومنوں کا مددگار ہے، اور کفار کے دوست شیاطین ہیں، اب اللہ تعالیٰ ایک مثل مومن کی اور ایک مثل کافر کی بیان فرما رہا ہے تاکہ اس قاعدہ کی وضاحت ہو اور اس قاعدہ پر دلیل قائم ہو، مومن کی مثل میں حضرت ابراہیم کو بیان کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات پر دلائل پیش کرنے کی توفیق عطا کی اور انہوں نے کافر کے شبہات کا قلع قمع کیا اور کافر کی مثل میں نمود بلو شلہ کو بیان کیا جو اپنے شکوک اور شبہات کے اندھیروں میں رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمود کے مباحثہ کا پس منظر اور پیش منظر

لام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

قلہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کے سامنے حضرت ابراہیم نے اللہ کے رب ہونے پر دلیل پیش کی تھی، اس کا نام نمود بن کھن تھا، یہ زمین پر پہلا بلو شلہ تھا، اس نے بھل میں قلعہ بنایا تھا اور یہ پہلا شخص تھا جو اللہ کی ربوبیت پر دلیل قائم ہونے کے بعد زمین پر لاجواب اور حیران ہوا۔

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ زمین پر سب سے پہلا بلو شلہ نمود تھا، لوگ اس کے پاس خوراک طلب کرنے کے لیے جاتے تھے، ایک دن لوگوں کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اس کے پاس گئے وہ لوگوں سے پوچھتا تھا ارباب کون ہے؟ لوگ کہتے کہ آپ ہیں، حتیٰ کہ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گذرا تو پوچھتا تھا ارباب کون

ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا جو لوگوں کو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے؟ اس نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں حضرت ابراہیم نے کہا اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکل تو وہ کافر حیران اور لاجواب ہو گیا پھر اس نے حضرت ابراہیم کو خوراک اور طعام دیئے بغیر وہیں کر دیا وہی میں حضرت ابراہیم کا ایک رست کے ٹیلہ سے گزر ہوا انہوں نے سوچا کیوں نہ میں کچھ رست کپڑے میں باندھ کر لے جاؤں تاکہ گھروالوں کو کوئی بندھی ہوئی چیز دیکھ کر تسکین ہو مگر جا کر انہوں نے گٹھڑی کو رکھ دیا۔ لہلیہ نے کھول کر دیکھا تو وہ بہترین طعام تھا حضرت ابراہیم نے جان لیا کہ یہ طعام انہیں اللہ نے دیا ہے پھر اللہ نے اس بلاشلہ کی طرف ایک فرشتہ بھیجا کہ وہ اللہ پر ایمان لائے اللہ اسے اس کے ملک پر برقرار رکھے گا نمود نے کہا میرے سوا اور کون رب ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس تین بار فرشتے کو بھیجا اس نے ہر بار انکار کیا پھر فرشتے نے اس سے کہا تم تین دن کے اندر اپنے سب لوگوں کو جمع کر لو جب سب لوگ جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر چھوڑ دیئے چھروں نے ان لوگوں کا گوشت کھالیا اور خون پی لیا اور وہ لوگ صرف ہڈیوں کا بنجرہ گئے اللہ تعالیٰ نے ایک چھرا اس کے نتھنے کے ذریعہ اس کے دماغ میں بھیج دیا چار سو سال تک نمود کے سر کو ہتھوڑوں سے کوتا جاتا تھا چار سو سال تک وہ اس عذاب میں مبتلا رہا لوگ اس کو دیکھ کر رحم کھاتے تھے بلاخرہ مر گیا یہ وہی شخص ہے جس نے آسمان کی جانب ایک قلعہ بنایا تھا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : بیشک ان سے پہلے لوگوں نے فریب کیا تو اللہ نے ان کی عمارت بنیادوں سے اکھاڑ دی سو ان پر ان کے اوپر سے چھت گر پڑی اور ان پر وہیں سے عذاب آیا جہل سے انہیں وہم و گمان بھی نہیں تھا۔

رتج بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے تو نمود نے دو آدمیوں کو بلایا ایک کو چھوڑ دیا اور دوسرے کو مار دیا حضرت ابراہیم نے کہا بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکل تو پھر وہ کافر حیران اور لاجواب ہو گیا۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کو آگ سے نکل کر بلاشلہ کے سامنے پیش کیا گیا اس سے پہلے وہ بلاشلہ کے سامنے پیش نہیں ہوئے تھے بلاشلہ نے ان سے بت کی اور پوچھا تمہارا رب کون ہے حضرت ابراہیم نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے نمود نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں اس نے چار آدمیوں کو بلایا اور ان کا کھانا پینا بند کر دیا جب وہ بھوک سے مرنے لگے تو اس نے ان میں سے دو آدمیوں کو کھلایا اور پلایا وہ زندہ رہے اور باقی دو کو بدستور بھوکا رکھا وہ مر گئے تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جانا اس کو اپنی سلطنت میں اقتدار حاصل ہے اور وہ اس طرح کے کام کر سکتا ہے تب پھر انہوں نے کہا بیشک میرا رب سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکل یہ سن کر وہ حیران اور لاجواب ہو گیا اس نے کہا یہ شخص مجنون ہے اس کو لے جاؤ کیا تم نے نہیں دیکھا اس نے تمہارے خداؤں پر جرات کی اور انہیں توڑ دیا اور آگ اس کو جلا نہیں سکی اور نمود کو یہ ڈر تھا کہ وہ اپنی قوم کے سامنے رسوا ہو جائے گا پھر اس نے حضرت ابراہیم کو نکالنے کا حکم دیا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۸-۲۱، ملقطا مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کا خلاصہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمود کے سامنے جو دلیل پیش کی تھی اس کی ایک تقریر تو یہ ہے کہ نمود حضرت ابراہیم کی پہلی دلیل نہیں سمجھ سکا وہ اس قدر موٹی عقل کا انسان تھا کہ اس نے زندہ کرنے کا معنی زندہ چھوڑنا سمجھا حالانکہ زندہ

کرنے کا معنی ہے بے جان جسم میں جان ڈالنا اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسری دلیل پیش کی 'لور دوسری تقریر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف منتقل نہیں ہوئے' بلکہ دونوں مرتبہ ایک ہی دلیل پیش کی البتہ اس کی دو مثالیں بیان فرمائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کی تقریر یہ ہے کہ : ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ بہت سی ایسی چیزیں حادث ہوتی ہیں جن کے وجود میں کسی شخص کا دخل نہیں ہوتا مثلاً زندہ کرنا مارنا بالوں کی کڑک لور بجلی کا چمکنا سورج چاند اور دیگر کواکب سیارہ کی حرکت نمود کا کسی کو زندہ چھوڑ دینا لور کسی کو قتل کر دینا اس کا زندہ کرنا لور مارنا نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی لوگ پیدا ہوتے تھے لور مرتے تھے وہ خود بھی پیدا ہوا لور اس نے ایک مقررہ دن میں مرنا تھا جب اس مثل سے اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استدلال واضح نہیں ہو سکا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسری آسان مثل دی۔

مناظرہ لور مباحثہ کے احکام لور آداب

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کو ملک (بلشلہ) کتنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اللہ نے اس کو ملک دیا تھا نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو دنیا میں نعمتیں عطا فرماتا ہے لور آخرت میں ان کو محروم کر دیتا ہے لور دوزخ کے سوالن کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے نیز اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ دین کو ثابت کرنے کے لیے مخالفین سے مباحثہ لور مناظرہ کرنا جائز ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے احل کتب سے مباحثہ کیا لور دلیل قائم کرنے کے بعد مبالغہ کیا یعنی یہ دعا کی جو ہم میں سے ظالم لور باطل ہو اللہ اس پر لعنت کرے اسی طرح صحابہ میں سے مہاجرین لور انصار نے سفید بنو سلمہ میں اس بات پر مباحثہ کیا کہ مہاجرین لور انصار میں خلافت کا مستحق کون ہے مناظرہ لور مباحثہ کا مقصد صرف حق کو ثابت کرنا لور باطل کا رد ہونا چاہئے مناظرہ کا معنی ہے فریقین کے دلائل میں نظر کرنا اناست ہٹ دھرمی کج بحثی لور اپنی ضد پر قائم رہنا لور اپنے موقف پر اڑے رہنا مناظرہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مناظرہ کے حسب ذیل آداب بیان فرمائے ہیں :

فَلِمَ تَحَارَبُونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۚ

تم اس چیز میں کیوں بحث کرتے ہو جس کا ہمیں علم نہیں

(آل عمران : ۳۱) ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بغیر علم کے مناظرہ نہیں کرنا چاہئے۔ لام اعظم نے اپنے بیٹے حملو کو مناظرہ سے منع کیا انہوں نے کہا آپ خود تو مناظرہ کرتے ہیں لام اعظم نے کہا تمہارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کب مخالف کوئی کفریہ بات کہے لور ہم اس کی گرفت کریں لور ہم مخالف کو ایسے موقع پر سنبھل لیتے ہیں لور اس کو اس درجہ کی ضد سے بچا لیتے ہیں۔

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَا لِيَهُم بِالْأَنبَىٰ هِيَ أَحْسَنُ (النحل: ۴۵) طرف بلائے لور ان سے عمدہ طریقہ سے بحث کیجئے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مخلوق میں سے کوئی شے اللہ کے مشابہ نہیں ہے لور خالق کائنات میں غور و فکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا علم حاصل ہوتا ہے لور انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کے فضل لور آثار سے اس کی ذات لور صفات پر استدلال کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یا اس شخص کی طرح جو ایک بستی پر گزرا اور اس کا ایک وہ بستی اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھی اس

نے (تجربہ سے) کہا اللہ اس بستی والوں کو مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا تو اللہ نے سو برس تک اس پر موت طاری کر دی پھر اس کو زندہ کر کے اٹھایا۔ (البقرہ : ۲۵۹)

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے حضرت ابراہیم کا جو واقعہ بیان کیا تھا اس میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کو ثابت کرنے کا بیان تھا اور اس واقعہ میں قیامت کے بعد لوگوں کو زندہ کرنے اور حشر کو ثابت کرنے کا بیان ہے۔

تباہ شدہ بستی اور اس کے پاس سے گزرنے والے شخص کی تحقیق جو شخص اس تباہ شدہ بستی کے پاس سے گزرا تھا وہ کون تھا اس کے متعلق مفسرین کے کئی اقوال ہیں : امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے :

سلیمان بن بريدہ، قتادہ، ربيع، عكرمة، سدي، ضحاک اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔

وہب بن منبہ، عبید بن عمیر اور ابن وہب نے کہا کہ وہ ارمیاہ بن حلقیا یعنی حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نبی علیہ السلام کے تجربہ کا ذکر کیا ہے کہ اللہ مرنے کے بعد لوگوں کو کیسے زندہ فرمائے گا اور اس نبی کے نام کی تعین نہیں کی ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت عزیر ہوں اور ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت خضر ہوں اس لیے ہمیں بھی اس کی تعین کے درپے نہیں ہونا چاہئے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابوالحیثم اندلسی لکھتے ہیں :

حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، عكرمة، ابو العلیہ، سعید بن جبیر، قتادہ، ربيع، ضحاک، سدي، مقاتل، سلیمان بن بريدہ، ناجیہ بن کعب اور سالم خواص نے کہا وہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔

وہب، مجاہد، ابن عمر، بکر بن مضر، ابن اسحاق اور نقاش نے کہا وہ حضرت ارمیاہ یعنی خضر علیہ السلام تھے۔ حسن بصری نے کہا کہ وہ ایک کافر تھا جو گدھے پر سوار تھا اس کے پاس انجیر کی ایک ٹوکری تھی مجاہد نے مکی سے نقل کیا ہے کہ وہ بنو اسرائیل کا کوئی شخص تھا ایک قول یہ ہے کہ وہ لوط علیہ السلام کا غلام تھا ایک قول یہ ہے کہ وہ شیاء تھے (فقہاء صحابہ اور تابعین کی اکثریت نے چونکہ یہ کہا ہے کہ وہ حضرت عزیر تھے اس لیے ہمارا رجحان بھی اسی طرف ہے سعیدی غفرلہ)

حضرت عزیر کا جس تباہ شدہ بستی سے گزر ہوا تھا اس کے متعلق وہب، قتادہ، ضحاک، عكرمة اور ربيع نے کہا ہے کہ وہ بیت المقدس کا شہر تھا یا بیت المقدس سے دو فرسخ (نو انگریزی میل) کے فاصلہ پر انگوروں کے باغ کی ایک بستی تھی ضحاک نے کہا وہ ارض مقدسہ تھی ابن زید نے کہا یہ وہ بستی تھی جس سے لوگ طاعون سے ڈر کر بھاگے تھے حضرت ابن عباس نے کہا وہ دیر ہر قل تھا کلبی نے کہا شاہور آباد تھا سدی نے کہا وہ سلما یا ز تھا۔

(المحرر المحیط ج ۲ ص ۶۳۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

امام ابن جریر نے عكرمة سے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ جس بستی کے پاس سے حضرت عزیر گزرے تھے وہ بیت المقدس کے قریب ایک بستی تھی جس کو بخت نصر نے تباہ کر دیا تھا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

زحری نے کہا ہے کہ وہ شخص کافر تھا تاکہ یہ واقعہ نمود کے واقعہ کے ساتھ منسلک ہو، ابو علی نے کہا وہ کافر ہی تھا کیونکہ نبی کو مرنے کے بعد لٹنے میں شک نہیں تھا لیکن یہ دونوں دلیلیں کمزور ہیں، وہ حضرت عزیر تھے اور یہ قصہ حضرت ابراہیم کے قصہ کے ساتھ منسلک ہے اور ان کو شک نہیں تھا بلکہ انہوں نے ازراہ تعجب کہا تھا، نیز اس واقعہ کے آخر میں ہے اس نے بحث بعد الموت کی تصدیق کی اور کافر تصدیق نہیں کرتا اور اتنی بڑی نشانی دکھانے کا اعزاز نبی کے لیے ہی ہو سکتا ہے کافر کے لیے نہیں، اور نہ کافر کا یہ مقام ہے کہ اللہ اس کے تعجب کو زائل کرنے کے لیے اپنی عظیم الشان قدرت کو ظاہر فرمائے۔

حضرت عزیر کو حیات بعد الموت کا مشاہدہ کرانا

بعض مفسرین کا یہ مختار ہے کہ حضرت عزیر زندہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک سوسل تک ان سے حس اور حرکت کو سلب کر لیا، پھر ان میں دوبارہ حس اور حرکت کو لوٹا دیا گیا کہ وہ سوئے ہوئے تھے پھر بیدار ہو گئے اور ان کے حواس معطل ہونے کے سترسل بعد وہ بستی دوبارہ تعمیر ہو گئی تھی، اور اس میں بنو اسرائیل لوٹ آئے تھے، اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتہ کے واسطے سے ان سے سوال کیا یا حاتف غیبی نے ندا کی کہ آپ کتنی دیر ٹھہرے یہ سوال اس لیے کیا تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے کاموں کا احاطہ نہیں کر سکتے، اور اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ ان پر حقیقتہً موت طاری ہو گئی تھی، انہوں نے جو کہا تھا کہ میں نے ایک دان یا دن کے کچھ حصہ میں قیام کیا ہے یہ انہوں نے اپنے گمان سے کہا تھا کیونکہ دن کے ابتدائی حصہ میں ان پر موت طاری ہوئی تھی، دن کے آخری حصہ میں ان کو زندہ کیا گیا جب انہوں نے دیکھا کہ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تو انہوں نے گمان کیا کہ انہوں نے دن کے کچھ حصہ میں قیام کیا ہے، ہر چند کہ ان کا یہ کلام صورت واقع کے خلاف تھا لیکن یہ کذب نہیں ہے کیونکہ ان کے گمان میں ایسا ہی تھا، کذب تب ہوتا جب وہ قصد اور ارادہ سے واقعہ کے خلاف خبر دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ تم ایک سوسل ٹھہرے ہو تم ہماری قدرت کے دلائل پر غور کرنے کے لیے دیکھو سوسل میں تمہارا طعام اور مشروب (انجیر یا میوے اور انگور کا شیرہ، البحر المحیط) سزا نہیں، حالانکہ عام علت جاریہ یہ ہے کہ اتنے عرصہ میں طعام اور مشروب بدبودار اور خراب ہو جاتا ہے، اور ان کا گدھا مرچکا تھا اس کا گوشت پوست گل گیا تھا اس کی ہڈیاں بکھر گئی تھیں، دیکھو کس طرح اس کی بوسیدہ اور بکھری ہوئی ہڈیاں جمع ہوتی ہیں اور جڑتی ہیں اور کس طرح ہم ان ہڈیوں پر گوشت پہنتے ہیں اور اس کی رگوں میں خون دلوں دلوں کرتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے اس گدھے کے جسم میں مدح پھونک دی اور وہ اللہ عزوجل کے تون سے زندہ ہو کر رینگنے لگا۔ حضرت عزیر نے مشاہدہ کر لیا کہ جو سوسل بعد مودہ کو زندہ کرتا ہے وہ ہزاروں اور لاکھوں سل بعد بھی مودہ کو زندہ کرنے پر قادر ہے، گدھے میں انہوں نے حیات بعد الموت کا مشاہدہ کر لیا اور خود اپنی ذلت پر حیات بعد الموت کا تجربہ حاصل ہوا اور انہیں موت کے بعد حیات کا پہلے علم یقین تھا اور اب عین یقین اور حق یقین بھی حاصل ہو گیا۔

اس واقعہ میں جزوی طور پر حیات بعد الموت پر دلیل ہے اور تمام کائنات کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرنے اور حشر و نشر کے ثبوت پر حسب ذیل آیتیں دلیل ہیں : اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

جس طرح اللہ نے ہمیں ابتداً پیدا کیا ہے اسی طرح

کَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ (الاعراف: ۷۸)

تمہیں لوئے گا۔

گَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ (الانبیاء ۴۳) جس طرح ہم نے ابتداً تمہاری آفرینش کی ہے اسی طرح ہم اس کا علقہ کریں گے۔

قرآن مجید میں ہے کہ زندگی صرف دوبار ہے ایک اس وقت جب اللہ تعالیٰ نطفہ میں جان ڈالتا ہے اور دوسری قیامت کے بعد، حضرت عزیر کے لیے تین بار زندگی ہو گئی اس کا جواب ہم نے البقرہ : ۲۴۳ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

وَلَاذُ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرٰنِیْ کَیْفَ تُحِی الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنُ

اور (یاد کیجئے) جب ابراہیمؑ نے کہا اے میرے رب! مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا، اللہ نے فرمایا کیا آپکو

قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لَّیُطٰہِیْنَ قَلْبِیْ ط قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ

یقین نہیں، عرض کیا کہ میں نہیں! مگر تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے، فرمایا چار پرندے لیں اور ان کو خود سے مانوس

فَصَرْهُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اَجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ

کر لیں (پھر ان کو ذبح کر کے) ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دیجئے، پھر انہیں بلائیے وہ آپ کے پاس

اَدْعُهُنَّ یٰ اٰتِیْنٰکَ سَعِیًّا ط وَاَعْلَمَنَّ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ یُزِیْ حَکِیْمٌ ۝۴

دوڑتے ہوئے آجائیں گے، اور یقین رکھیے اللہ بہت غالب، بڑی حکمت والا ہے

حضرت ابراہیمؑ کو حیات بعد الموت کا مشاہدہ کرانا

اس سے پہلی آیت میں حضرت عزیر علیہ السلام کو حیات بعد الموت کے مشاہدہ کرانے اور ان کے تعجب کو زائل کرنے کا ذکر تھا، اور اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ کو حیات بعد الموت کے مشاہدہ کرانے کا ذکر ہے، حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام نے جو یہ سوال کیا تھا کہ انہیں دکھایا جائے اللہ مردوں کو کیسے زندہ کرے گا، اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو اس میں شک تھا یا اللہ کی قدرت میں شک تھا بلکہ وہ دوبارہ زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ انسان کی طبیعت میں ان دیکھی چیز کو دیکھنے کا اشتیاق ہوتا ہے، اور ان کو بعث بعد الموت اور حشر و نشر پر جو ایمان علم الیقین کے درجہ میں تھا اس کو عین الیقین کے درجہ میں ترقی دینا چاہتے تھے، امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبر مشاہدہ کی طرح نہیں ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

الحديث

اس حدیث کو امام ابن عدی نے بھی روایت کیا ہے۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۱ ص ۲۰۳، ج ۲ ص ۱۵۸۰، ج ۷ ص ۲۳۹۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(معجم لوسط ج ۱ ص ۳۶، مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض ۱۴۰۵ھ)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک راستہ سے گزر رہے تھے انہوں نے دیکھا کہ راستہ میں ایک مردہ گدھا پڑا ہوا ہے جس کا گوشت فوج فوج کر درندے اور پرندے کھا رہے ہیں، جب درندے چلے گئے اور پرندے اڑ گئے اور اس مردہ گدھے کی صرف ہڈیاں باقی بچ گئیں تو حضرت ابراہیم کو تعجب ہوا وہ کہنے لگے اے میرے رب! مجھے یقین ہے کہ تو اس گدھے کو ان درندوں اور پرندوں کے پیڑوں سے جمع کرے گا، اے میرے رب تو مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا آپ کو اس پر ایمان نہیں ہے فرمایا کیوں نہیں! لیکن خبر معائنہ کی طرح نہیں ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۳۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

قرآن مجید میں جن چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا بیان ہے اس کی تفسیر میں امام ابن جریر

نے روایت کیا ہے :

مجلد نے بیان کیا ہے کہ یہ چار پرندے مرغ، مور، کوالور، کبوتر تھے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۳۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں کبوتر کی جگہ گدھا کا ذکر ہے، اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ نفس انسانی کو حیات البدیہ اس وقت حاصل ہوگی جب وہ اپنی شہوات اور حسن و زیبائش کو ذبح کر دے جو مور کی صفت ہے اور دوسروں پر حملہ کرنے کے جذبہ کو فنا کر دے جو مرغ کی صفت ہے اور نفس کی خست اور گھٹیا پن کو دور کر دے جو کوالور کی صفت ہے اور اپنی خواہشات کو جلدی پورا کرنے کی علت کو دور کر دے جو کبوتر کی صفت ہے، روایت ہے کہ حضرت ابراہیم کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ان پرندوں کو ذبح کر دیں، ان کے پر فوج ڈالیں اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کو خلط طوط کر دیں، پھر ان منتشر اجزاء کو مختلف پہاڑوں پر ڈال دیں، پھر ان کو بلائیں، جب حضرت ابراہیم نے ان کو بلایا تو وہ اجزاء متمیز ہوئے اور ہر جسم کے اجزاء آپس میں مل گئے اور اخیر میں ان کے ساتھ ان کا سر جڑ گیا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر انسان حیات البدیہ چاہتا ہے تو وہ اپنے بدن کی طاعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے (غالباً اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ کے احکام سے روگردانی اور سرکشی کی طاعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے) پھر جب وہ اپنے بدن کو احکام شریعہ پر عمل کرنے کے لیے بلائے گا تو وہ اس کی طاعت کرے گا اور اس کو دائمی حیات حاصل ہو جائے گی۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ

اس دانے کی طرح ہے

بروک اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی مثال

أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضْعِفُ

اور اللہ جس کے لیے چاہے

سودا خانے میں،

جس نے سات ایسے خوشے اگائے کہ ہر خوشے میں

لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۶۶﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ

ان کو دگنا کرتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يَتَّبِعُونَ مِمَّا انْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَهُمْ

پھر جو کچھ خرچ کیا اس پر نہ احسان جتانے میں نہ تکلیف پہنچاتے ہیں ان کے لیے

أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۶۷﴾

ان کے رکے پاس ان کا اجر ہے، اور ان پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمیں ہوں گے

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتَّبِعُهَا أَذًى وَ

(لوگوں سے) اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا، اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد تکلیف پہنچے، اور

اللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿۲۶۸﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ

اللہ بے نیاز اور بہت بردبار ہے اے ایمان والو! احسان جتا کر اور اذیت پہنچا کر اپنے صدقات ضائع نہ کرو

بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ

اس شخص کی طرح جو اپنا مال ریاکاری کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ پر اور قیامت

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ

کے دن پر ایمان نہیں رکھتا، اس کی مثال اس پھنکے پتھر کی طرح ہے جس پر کچھ مٹی ہو،

فَاصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا إِلَّا يَقْدَرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا

پھر اس پر زور کی بارش ہوئی جس نے اس پتھر کو بالکل صاف کر دیا، وہ اپنی کمائی سے کسی چیز پر قدرت نہیں پائیں گے

كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۲۶۹﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ

اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا اور جو لوگ اپنے مالوں کو

يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَشْبِيهُتًا مِّنْ

اللہ کی رضا جوئی اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں، ان کی

أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاتَتْ أُكُلَهَا

مثال اونہی زمین پر ایک باغ کی طرح ہے جس پر زوردار بارش ہو تو وہ اپنا پھل

ضَعْفَيْنِ فَإِنْ لَمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطُلٌّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

دگھلا لائے پھر اگر اس پر زوردار بارش نہ ہو تو اسے ضعیف ہی کافی ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں کو

بَصِيرٌ ۝۳۹ أَيْوَدُ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّ

دیکھنے والا ہے کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور اس کے

أَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَّ

نیچے دیا بہہ رہے ہوں، اس کے لیے اس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں اس کو

أَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ

بڑھاپا آجائے، اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں تو (اچانک) اس باغ میں گرم ہوا کا ایک

فَاحْتَرَقَتْ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۝۴۰

جس میں آگ ہو اور وہ باغ جل جائے، اللہ تمہارے لیے اسی طرح آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو

حیات بعد الموت کے ذکر کے بعد صدقہ و خیرات کے ذکر کی مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر اور حضرت ابراہیم کا قصہ بیان کیا ان دونوں قصوں میں حیات بعد الموت پر دلائل قائم کیے گئے تھے اور اس زندگی کے بعد دوسری زندگی پیش آنے کا ذکر کیا گیا تھا ان آیتوں میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اس دوسری زندگی میں کیا چیز انسان کے کام آسکتی ہے اور کون سا عمل وہاں نفع دے سکتا ہے اور وہ صدقہ اور خیرات ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو ہزاروں کی تعداد میں موت کے ڈر سے بھاگے اور ان کے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا وہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے؟ پھر جلوت اور طلوت کا قصہ بیان کیا اور اس کے بعد فرمایا اے ایمان والو! اس دن کے آنے سے پہلے ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو جب خرید و فروخت ہو سکے گی نہ کسی کی دوستی کام آئے گی نہ کسی کی (بلا تون) شفاعت کام آسکے گی اسی طرح یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر اور حضرت ابراہیم کے قصوں کو بیان کرنے کے بعد صدقہ اور خیرات پر اپنے بہت زیادہ اجر عطا فرمائے گا ذکر فرمایا۔

منفق فی سبیل اللہ کے مصارف

قرآن کریم میں جگہ جگہ صدقہ و خیرات کی فضیلت اور اس کا اجر و ثواب بیان کیا ہے اور صدقہ و خیرات کی

بہت ترغیب دی ہے، کیونکہ صدقہ و خیرات کرنے سے دولت معاشروں میں گردش کرتی رہتی ہے، فہم اور فقرہ کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور رفہ عام کے بہت سے کام انجام پاتے ہیں اور ملک و ملت کی بھلائی میں صدقہ و خیرات کا بہت بڑا دخل ہے، ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اللہ کی سبیل (رہ) میں خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور اللہ کی سبیل کی کئی انواع ہیں، علم دین کی نشر و اشاعت میں حصہ لینا، دینی مدارس کی مدد کرنا، مساجد بنانا، لائبریری قائم کرنا، سرائے بنانا، محلّج خانے اور لیلج خانے تعمیر کرنا، مروجہ علوم کے لیے اسکولوں اور کالجوں کو گرانٹ دینا، قیموں اور پیلوں کے لیے وظائف جاری کرنا، بیماروں کے علاج معالجہ کے لیے ہسپتال بنانا اور ان کے لیے دوائیں فراہم کرنا، جو لوگ عدالتی اخراجات کی وجہ سے اپنے حقوق حاصل نہ کر سکیں ان کے کام آنا، اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں جو تنگ دست ہوں ان کی مدد کرنا، فقرہ اور مساکین کی کفالت کرنا، قرض کی ادائیگی میں مقروض لوگوں کی مدد کرنا اور سبیل اللہ کی انواع میں سب سے بڑی اور اہم نوع جملہ کے راستہ میں خرچ کرنا ہے تاکہ اللہ کا دین سر بلند ہو۔

دس گنے، سات سو گنے اور بے حساب اجر دینے کی وجوہات

اس رکوع میں صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتے ہوئے البقرہ : ۲۶۶ سے لے کر ۲۶۷ تک چھ آیتیں بیان کی گئی ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا ہے :

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امثالِهَا ج جو شخص ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو اس جیسی دس نیکیوں کا (الانعام: ۱۰۰) اجر ملے گا۔

اور یہاں البقرہ کی آیت : ۲۶۶ میں فرمایا ہے، جو شخص اللہ کی راہ میں ایک دانہ خرچ کرے گا اس کو سات سو گنا اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے گا اس اجر کو دو گنا کر دے گا۔ ایک اور مقام پر فرمایا ہے :

إِنَّمَا يُوقِى الصَّبْرُ وَنَ أَجْرُهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ صبر کرنے والوں کو ان کا پورا اجر بے حساب دیا جائے گا۔ (الزمر : ۱۰)

کسی نیکی کا اجر دس گنا ہے، کسی نیکی کا اجر سات سو گنا ہے اور کسی نیکی کا اجر بے حساب ہے، اب سوا یہ ہے کہ اجر کے یہ مختلف مدارج کس حساب سے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو اللہ کی راہ میں حساب سے خرچ کرتا ہے اس کو اللہ حساب سے اجر دیتا ہے اور جو اللہ کی راہ میں بے حساب خرچ کرتا ہے اس کو اللہ بے حساب اجر دیتا ہے، دو سوا جواب یہ ہے کہ اجر و ثواب کے مدارج کا یہ فرق نیت اور اخلاص کے مدارج کے اعتبار سے ہے جس شخص میں جتنا زیادہ اخلاص ہو گا اس کو اتنا زیادہ اجر ملے گا، تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ فرق حالات کے اعتبار سے ہے مثلاً ایک کروڑ پتی کسی بھوکے کو دو روٹیاں دے یہ بھی نیکی ہے، ایک متوسط آمدنی والا کسی بھوکے کو دو روٹیاں دے یہ بھی نیکی ہے اور جس کی کل کائنات دو روٹیاں تھیں وہ اگر بھوکے کو دو روٹیاں دے گا تو خود بھوکا رات گزارے گا، اس کا بھوکے کو دو روٹیاں دینا بھی نیکی ہے، لیکن یہ تینوں نیکیاں برابر نہیں ہیں تو ان کا اجر برابر کیسے ہو گا! جس کی کل متاع دو روٹیاں ہیں، اس کا دو روٹیاں دینا ایسے ہے جیسے ایک کروڑ پتی اپنی ساری دولت کسی کو دے دے، اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ کروڑ پتی کو اس نیکی کا اجر دس گنا ملے، متوسط آمدنی والے کو سات سو گنا اجر ملے اور جس کے پاس تھیں ہی دو روٹیاں اس کو بے حساب اجر ملے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ اللہ

تعلیٰ نے صبر کرنے والوں کے لیے بے حساب اجر کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ اللہ کی راہ میں از خود خرچ کرنا آسان ہے اور کسی ناگہانی آفت اور نقصان پر شکوہ و شکایت نہ کرنا اور خاموشی سے اس نقصان کو برداشت کرنا مشکل ہے، کیونکہ جب آدمی اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے منصوبہ اور پروگرام کے مطابق خرچ ہوتا ہے اس کو خرچ کرنے سے طمانیت اور تسکین حاصل ہوتی ہے، کسی غریب اور فقیر کی حالت زار کو دیکھ کر جو اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور اس کی تکلیف سے اس کو جو تکلیف ہوتی ہے اس کا ازالہ ہوتا ہے لیکن اچانک اور ناگہانی نقصان ہو جائے جس میں اس کے پروگرام اور منصوبہ کا دخل نہ ہو، جس میں کسی وجہ سے خوشی اور تسکین کا کوئی پہلو نہ ہو ماسوا اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس غم کو خاموشی کے ساتھ برداشت کر لے اور کسی کے سامنے حرف شکایت زبان پر نہ لائے یہ عمل اپنے پروگرام اور منصوبہ کے مطابق خرچ کرنے کی بہ نسبت زیادہ مشکل ہے۔

صدقات و خیرات کے آداب و شرائط

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس رکوع کی پہلی آیت میں اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنے کا اجر و ثواب بیان فرمایا ہے دوسری آیت میں یہ فرمایا ہے کہ یہ اجر و ثواب تب حاصل ہو گا جب صدقہ دینے کے بعد احسان جتلیا جائے نہ طعنہ دے کر اس کو لذت پہنچائی جائے جس کو صدقہ دیا ہے، لام رازی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے جب غزوہ تبوک میں ایک ہزار لونٹ مع کھلوں کے دیئے اور ایک ہزار دینار دیئے تو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے میرے رب میں عثمان سے راضی ہو گیا تو بھی عثمان سے راضی ہو جا، اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اپنے مال سے چار ہزار دینار صدقہ کیے تو یہ آیت نازل ہوئی: جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں پھر جو کچھ خرچ کیا اس پر احسان جتاتے ہیں نہ تکلیف پہنچاتے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے ان پر کچھ خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (البقرہ: ۲۶۷) (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اور تیسری آیت میں یہ فرمایا ہے اگر کسی کو صدقہ دینے کے بعد طعنہ دے کر اس کو لذت پہنچائی تو اس سے بہتر ہے کہ اس کو صدقہ نہ دیا جائے اور اس سے کوئی نیک اور اچھی بات کہہ دی جائے، مثلاً سائل سے یہ کہہ دے کہ اس وقت ہمارے پاس گنجائش نہیں ہے اور اس سے معذرت کرے، یا اس کی کسی اور دینے والے کی طرف رہنمائی کر دے، یا کسی مسلمان کو کوئی نصیحت کرنا، اس کی خیر خواہی میں کوئی بات کرنا، کسی کو نیک مشورہ ایسے صدقہ کرنے سے بہتر ہے جس کے بعد اس شخص کی دل آزاری کی جائے جس کو صدقہ دیا ہے اور اس رکوع کی چوتھی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ صدقہ اور خیرات کرنے والے اخلاص کے ساتھ، محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے صدقہ دیں لوگوں کو دکھانے اور شانے کے لیے صدقہ نہ دیں، وہ ضرورت مندوں سے اپنی سلطنت اور دریا دلی کے قصیدے سننے کی خواہش نہ رکھیں نہ یہ چاہیں کہ عالم لوگوں میں ان کی فیاضی کا ذکر ہو، اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کا یہ تمام عمل ضائع ہو جائے گا اور اس پر کوئی ثواب نہیں ملے گا اور ان کی مثل ایسے ہیں جیسے کسی چکنے پھر پر مٹی جمع ہو گئی اور بارش نے اس کو بالکل صاف کر دیا ہو، خلاصہ یہ ہے کہ صدقہ کی مقبولیت اور اس پر اجر ملنے کی تین شرطیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں (۱) احسان نہ جتلیا جائے (۲) جس کو صدقہ دیا ہو اس کو طعنہ دے کر لذت نہ پہنچائی جائے۔ (۳) اخلاص کے ساتھ صدقہ دیا جائے لوگوں کو دکھانے اور شانے کے لیے نہ دیا جائے۔

صدقہ کے مصارف، اجر و ثواب اور آداب و شرائط کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

امام طبرانی حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک شخص گزرا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اس کے حسن اور اس کی تندرستی کو دیکھ کر کہا : یا رسول اللہ! کاش یہ شخص اللہ کی راہ میں ہوتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ شخص اپنے چھوٹے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے جا رہا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے، اگر یہ اپنے بوزے یا باپ کی خدمت کے لیے جا رہا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے، اگر یہ اپنی ضروریات میں خود کو سول سے روکنے کے لیے جا رہا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے، اور اگر یہ لوگوں کو دکھانے اور فخر کے لیے جا رہا ہے تو یہ شیطان کی راہ میں ہے۔

امام احمد نے اور امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں کسی زائد چیز کو خرچ کیا اس کو سات سو گنا اجر ملے گا، اور جس نے اپنی ذلت پر اور اپنے اصل پر خرچ کیا کسی مریض کی عیادت کی یا راستہ سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دی تو اس کو دس گنا اجر ملے گا اور جب تک روزہ کو فاسد نہ کرے وہ اس کے لیے دھل ہے اور جس شخص کو اللہ کسی جسمانی بیماری میں مبتلا کرے تو اس کو بھی اجر ملے گا۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعمال کی سات قسمیں ہیں، دو عمل واجب کرتے ہیں، دو عملوں کا بدلہ ایک مثل ہے، ایک عمل کا بدلہ دس گنا ہے، ایک عمل کا بدلہ سات سو گنا ہے اور ایک عمل ایسا ہے کہ اس کے ثواب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، رہے وہ دو عمل جو واجب کرتے ہیں تو جو شخص اس حل میں اللہ سے ملاقات کرے کہ اس نے اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کی ہو اور شرک بالکل نہ کیا ہو اس کے لیے جنت واجب ہے اور جس نے اللہ سے اس حل میں ملاقات کی ہو کہ اس نے شرک کیا ہو اس کے لیے دوزخ واجب ہے، (اور جن دو کاموں کا ایک مثل اجر ہے تو) جس نے برا کام کیا اس کو ایک برائی کی سزا ملے گی، اور جس نے نیکی کا صرف ارادہ کیا اس کو ایک نیکی کا اجر ملے گا، (اور جن کاموں کا سات سو گنا اجر ہے تو) جس نے اللہ کی راہ میں ایک درہم خرچ کیا اس کو سات سو درہموں کا اجر ملے گا اور جس نے اللہ کی راہ میں ایک دینار خرچ کیا اس کو سات سو دیناروں کا اجر ملے گا، اور روزہ اللہ کے لیے ہے اس کے عامل کے ثواب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

امام ابن ابی حاتم نے حسن سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ کسی آدمی کو اللہ کی راہ میں بھیجتے ہیں یا کسی آدمی پر خرچ کرتے ہیں، پھر اس پر احسان رکھتے ہیں اور اس کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں میں نے اللہ کی راہ میں اتنا خرچ کیا، اللہ کے نزدیک اس عمل کا شمار نہیں ہو گا، اور جو لوگ کسی کو دے کر یہ کہتے ہیں کہ کیا میں نے تم کو فلاں فلاں چیز نہیں دی تھی وہ اس کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : احسان جتانے والا، ماں باپ کا نافرمان، علوی شربلی، جلاو پر ایمان رکھنے والا اور کاہن جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

امام بزار اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تین شخصوں کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔ ماں باپ کا نافرمان، علوی شربلی اور

(لہذا المستورج ص ۳۳۹-۳۳۶ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

مردے کو احسن جگہ دے۔

جملہ نور اللہ کی رضا جوئی میں خرچ کرنے کی مثالوں کا فرق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں، ان کی مثل لوہی زمین پر ایک بلخ کی طرح ہے جس پر زوردار بارش ہو تو وہ اپنا پھل دو گنا لائے پھر اگر اس پر زوردار بارش نہ ہو تو اسے شبنم ہی کہتی ہے۔

اس سے پہلے فرمایا تھا کہ جو اللہ کی راہ (جملہ) میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں، ان کی مثل اس دانے کی طرح ہے جس نے سات ایسے خوشے اکٹھے کیے ہر خوشے میں سات سو دانے ہیں، اور اسی پر عطف کرتے ہوئے فرمایا اور جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتے ہیں، ان کی مثل لوہی زمین پر ایک بلخ کی طرح ہے، دنیا میں زراعت سے غلہ اور پھل حاصل ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان کے اجر و ثواب کی مثل بھی دانوں (غلہ) اور پھلوں سے دی ہے، اور جس نے اللہ کی راہ (جملہ) میں خرچ کیا اس کے اجر کی مثل دانوں سے دی ہے اور جس نے اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کیا اس کی مثل بلخ سے دی ہے اور جو رضا جوئی اور اسلام پر اپنا دل مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتا ہے اس کی مثل بلخ کے ساتھ دینے میں یہ لطافت ہے کہ جس طرح بلخ میں درختوں کی جڑیں زمین میں پیوست اور مضبوط ہوتی ہیں اسی طرح اس خرچ کرنے والے کے سینہ میں اسلام کی جڑیں پیوست اور مضبوط ہیں۔ اس کے برخلاف غلہ کے دانے کھیتوں سے حاصل ہوتے ہیں اور کھیت کی جڑیں زمین میں پیوست اور مضبوط نہیں ہوتیں، نیز کھیت میں پانی لگانے کی ہر کھیتی کے وقت ضرورت ہوتی ہے اور بلخ پانی لگانے سے مستغنی ہوتا ہے، سو اسی طرح جملہ کے لیے ہر مرتبہ جملہ کے وقت مل خرچ کرنے کی ضرورت ہے اور جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتا ہے اس کے لیے کسی وقت اور موقع کی قید نہیں ہے، وہ ہر وقت اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتا ہے۔

ریاکار منافق اور مخلص مومن کے راہ خدا میں خرچ کرنے کی مثالوں کا فرق

اس سے پہلی آیت (البقرہ: ۲۶۳) میں اللہ تعالیٰ نے منافق کے خرچ کرنے کی مثل دی تھی کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا اور ریاکاری سے اپنا مل خرچ کرتا ہے، اس کی مثل اس چکنے پتھر کی طرح ہے جس پر (کچھ) مٹی ہو، پھر اس پر زور کی بارش ہوئی جس نے اس پتھر کو بالکل صاف کر دیا، احسن جگہ دانے والے، ایذا پہنچانے والے اور منافق کو چکنے پتھر سے تشبیہ دی ہے اور ان کے خرچ کرنے کے ظاہری عمل کو چکنے پتھر پر پڑی ہوئی تھوڑی سی مٹی سے تشبیہ دی ہے اور قیامت کے دن کو زوردار بارش سے تشبیہ دی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے نیکی کے راستوں میں بہ ظاہر جو کچھ خرچ کیا ہے قیامت کے دن ان کے عمل سے وہ سب دھل کر صاف ہو جائے گا جیسا کہ اس آیت میں ہے

وَقَدْ مَنَّآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ
(ان کافروں نے اپنے زعم میں جو بھی نیکی) عمل کیے ہیں
ہم ان کی طرف قصد فرمائیں گے، پھر ہم انہیں (نظام میں)
ہبّا ممتثورا (الفرقان: ۲۳)

بکھرے ہوئے (غبار کے) ہر ایک ذرے بنا دیں گے۔

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخلص سے خرچ کرنے والے مومن کی مثل دی ہے جو اللہ کی رضا جوئی اور اسلام پر اپنے دل کو مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتا ہے اس کے اجر و ثواب کی مثل بلندی پر لگے ہوئے اس بلخ کی طرح

ہے جس پر نور کی بارش ہو تو وہ اپنا پھل دو گنا لائے اور اگر نور کی بارش نہ ہو تو اس بلخ کی ٹمر کو دی کے لیے معمولی جہنم ہی کافی ہے، سو اسی طرح اخلاص اور اللہ کی رضا جوئی اور دین پر ثابت قدم رہنے کے لیے زیادہ خرچ کرے یا کم خرچ کرے اللہ کے ہاں اس کے اجر و ثواب کا جو بلخ لگا ہوا ہے وہ پھلتا پھوٹتا رہے گا اس میں قلع مسلمانوں کو یہ تسلی دیتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان تنگ دست اور کم حیثیت ہے تو وہ یہ فہم نہ کرے کہ اگر اس نے اللہ کی راہ میں اپنی تنگ دستی کی وجہ سے کم خرچ کیا تو اللہ کے نزدیک اس کی کم حیثیت ہوگی، بلکہ یہ فرمایا کہ مومن اخلاص اور اللہ کی رضا جوئی کے لیے حسب حیثیت کم خرچ کرے یا زیادہ آخرت میں اس کے اجر و ثواب کا بلخ پھلتا پھوٹتا رہے گا۔

اللہ کی رضا جوئی اور اسلام پر ثابت قدمی کے لیے خرچ کرنے کی صورتیں۔

اس آیت (البقرہ: ۲۶۵) میں اللہ کی رضا جوئی اور اسلام پر ثابت قدمی کے لیے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اور اس کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

(۱) اللہ کی رضا جوئی اور اپنے دلوں کو اسلام پر مضبوط رکھنے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو احکام شرع پر عمل کرنے کا عادی بنائیں اور اپنے نیک اعمال کو ایسی نیتوں اور ایسے کاموں سے محفوظ رکھیں جن سے وہ نیک اعمال فاسد ہو جائیں، ایسی نیتوں میں ریاکاری اور دکھلوے کی نیت ہے اور ایسے کاموں میں صدقہ لینے والے پر احسان جتنا اور طعنہ دے کر اسے تکلیف پہنچانا ہے۔

(۲) دل کا ثابت قدم رہنا صرف اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سنو! اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے، تو جو شخص اس کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے اس کا دل اسلام پر اس وقت تک مطمئن اور مضبوط نہیں ہوتا جب تک اس کا خرچ کرنا محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے نہ ہو، اسی وجہ سے حضرت علی نے خرچ کرتے وقت فرمایا ”ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے کھلاتے ہیں ہم تم سے کسی صلہ اور ستائش کے طالب نہیں ہیں اور جب حضرت ابو بکر نے حضرت بلال کو بھاری قیمت پر خرید کر آزاد کیا اور مشرکوں نے کہا ضرور بلال نے ابو بکر پر کوئی احسان کیا ہو گا جس کا بدلہ چکانے کے لیے ابو بکر نے بلال کو اتنی گراں قیمت پر خرید کر آزاد کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر کی مدح میں فرمایا:

وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى إِلَّا
ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۚ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ۚ

اور اس پر کسی کا کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے، وہ
صرف اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے (اپنا مال خرچ کرتا ہے) جو
(اللیل: ۲۴-۱۹) سب سے بلند ہے، اور ضرور وہ عنقریب راضی ہو گا۔

اسی طرح حضرت صیب رومی جب اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنا سارا مال و متاع مکہ میں چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ آگئے تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ (البقرہ: ۲۰۷) اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنا نفس فروخت کر دیتے ہیں، سو جب انسان کی طبیعت میں یہ چیز راسخ ہو جاتی ہے کہ وہ محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنے مال کو خرچ کرتا ہے اور اس خرچ سے کوئی نفسانی منفعت مطلوب نہیں ہوتی تو اس کے دل میں اسلام کی جڑیں پوسٹ ہو جاتی ہیں اور اسلام پر اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت

سب سے پہلے لور دیکھ کر صلبہ کرام اسی پائے کے غلصین تھے۔

(۳) جب انسان بار بار اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتا ہے تو اللہ کی رضا جوئی اس کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے اور اگر کبھی اس سے کسی نیک کام میں غفلت بھی ہو جائے تو اس کا دل فوراً اللہ کی جنب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور یہی اسلام پر ثابت قدم رہنے کا وہ مرتبہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔

(۴) غلصین جب اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو ان کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ ان کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا اور ان کو جو اللہ سے ثواب کی امید ہے وہ پوری ہوگی کیونکہ ان کو یوم قیامت اور ثواب و عذاب کا یقین ہوتا ہے اس کے برعکس منافق جب خرچ کرتا ہے تو وہ سمجھتا ہے اس کا یہ عمل ضائع ہو رہا ہے کیونکہ اس کو آخرت پر ایمان نہیں ہوتا اور غلصین کا آخرت پر یقین رکھنا ہی اسلام پر ثابت قدمی سے عبارت ہے۔

(۵) غلصین جب اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو اپنے مل کو صحیح مصارف میں خرچ کرتے ہیں اور نیکی کے راستہ میں لگتے ہیں اور خوب چھان بین کر اپنا مل خرچ کرتے ہیں اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان کا مل کہیں اللہ کی نافرمانی اور کسی گنہ کے کام میں نہ لگ جائے اور یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رضا جوئی اور اسلام پر ثابت قدمی کی نیت سے اللہ کی راہ میں اپنا مل خرچ کرتے ہیں۔

سخت حاجت کے وقت بلوغ کے جل جانے کی مثل کی دو تقریریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا ایک بلوغ ہو اور اس کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں اس کے لیے اس بلوغ میں ہر قسم کے پھل ہوں اس کو بڑھاپا آجائے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں تو (اچانک) اس بلوغ میں گرم ہوا کا ایک گلولہ آئے جس میں آگ ہو اور وہ بلوغ جل جائے۔ (البقرہ: ۲۶۶) جو شخص صدقہ و خیرات کرنے کے بعد احسان جتائے اور ایذا پہنچائے اس کی محرومی کی ایک مثل پہلے البقرہ: ۲۶۳ میں دی تھی اور وہ سری مثل اس آیت میں دی ہے۔ پہلی مثل میں یہ ذکر تھا کہ کسی چکنے پتھر پر مٹی ہو اور اس مٹی کو تیز بارش بہا کر لے جائے اس مثل میں یہ بتایا ہے کہ کسی شخص کا بہت حسین اور پھلدار بلوغ ہو وہ اس وقت بوڑھا ہو اور کمانے سے عاجز ہو اور اس پر چھوٹے چھوٹے بچوں کی پرورش کا بھی بوجھ ہو تو ظاہر ہے اس وقت اس کو بلوغ کی بہت سخت ضرورت ہوگی کیونکہ وہ خود بڑھاپے کی وجہ سے کما نہیں سکتا بچے جو ان نہیں جو اس کو کما کر لاکر دیں بلکہ خود ان بچوں کی پرورش کی اس پر ذمہ داری ہے اب اچانک اگر وہ بلوغ کسی آگ والے گلولے سے جل جائے تو اس کے نقصان اور محرومی کا کیا عالم ہوگا اسی طرح انسان اللہ کی راہ میں مل خرچ کرے اور فقراء اور مساکین کو صدقہ و خیرات دے اور اس کو یہ امید ہو کہ آخرت میں جب وہ نیک عمل کرنے سے بالکل عاجز ہو گا اور اس کو نیکیوں پر اجر و ثواب کی سخت حاجت ہوگی اور کہیں اور کسی ذریعہ سے کسی نیکی کے ملنے کا امکان نہیں ہو گا اور اس کی واحد امید وہ صدقات و خیرات ہوں جو اس نے دنیا میں کئے تھے پھر اس کو لپٹا کھٹکے ہو کہ اس نے جو ان صدقات پر احسان جتایا تھا اور فقراء کو ملنے دے کر ایذا پہنچائی تھی اس سے وہ تمام صدقات ضائع ہو چکے ہیں تو اس شخص کی محرومی کا کیا عالم ہوگا

اس مثل کی دو سری تقریر یہ ہے! حلف سید علی بیان کرتے ہیں:

لام عبد بن حمید نے طحا سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اس آیت کے

متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! اللہ نے یہ مثل بیان کی ہے کہ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ ساری عمر صلح اور نیک عمل کرتا رہے حتیٰ کہ جب وہ بوڑھا ہو جائے اس کی موت قریب آگے اور اس کی ہڈی کنور ہو چکی ہو اور اس وقت اس کو اس بات کی سب سے زیادہ احتیاج ہو کہ اس کے اعمال کا خاتمہ نیکیوں پر ہو اور اس وقت وہ دوزخیوں کے سے برے کام کرنا شروع کر دے اور ایسے برے کام کرے جن سے اس کے سابقہ سارے نیک کام اور صلح عمل اکارت چلے جائیں اور ضائع ہو جائیں اور اس کی زندگی کے سارے نیک کاموں کا بلوغ اس آخری برائی سے جل کر راکھ ہو جائے اس مثل کا حضرت عمرؓ پر بڑا گہرا اثر ہوا اور وہ حیران رہ گئے۔

اے بار الہ! مصنف اور اس کتاب کے قارئین کو ایسی برائی سے اپنی پنہ میں رکھنا جو زندگی کی ساری نیکیوں کو جلا ڈالے! اور ہمیں حسن عاقبت سے محروم نہ کرنا اور ایمان اور اعمال صالحہ پر ہمارا خاتمہ کرنا مصنف اپنی زندگی کے آخری حصہ میں ہے اس کو اپنی پنہ اور امن میں رکھنا آمین!

امام طبرانی نے معجم اوسط میں اور امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کرتے تھے اے اللہ! جب میرا بڑھاپا ہو اور میری عمر کے انقطاع کا وقت ہو اس وقت مجھے اپنا سب سے وسیع رزق عطا فرماتا۔ (معجم اوسط ج ۱ ص ۳۴۰، مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض ۱۴۰۵ھ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا مِنْ طَبِئَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَفِيهَا أَخْرَجْنَا

اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں اپنی کمائی سے اچھی چیزوں کو خرچ کرو، اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے

لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَتَّبِعُوا الْخَيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَكُمْ

نہاے لیے زمین سے پیدا کی ہیں اور (اللہ کی راہ میں) ایسی ناکارہ اور ناقابل اشتغال چیز دینے کا قصد نہ کرو جس کو

بَاخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ وَالْعِلْمُ أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿۲۴۶﴾

تم خود بھی انہیں بند کیے بغیر لینے والے نہیں ہو، اور یقین رکھو کہ اللہ بہت بے نیاز بہت تقرب کیا ہوا ہے

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ

شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے اور تم کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے

مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۷﴾ يُوْتِي الْحِكْمَةَ

اپنی بخشش اور اپنے فضل کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا بہت جاننے والا ہے وہ جسے چاہے حکمت عطا فرماتا

مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

ہے اور جسے حکمت دی گئی تو بیشک اسے غیر کثیر دی گئی،

وَمَا يَذْكُرُ إِلَّا أُولَ الْأَلْبَابِ ﴿۳۶﴾

اور مرنے والے ہی نصیب قبول کرتے ہیں

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ

اہم جو کچھ خرچ کرتے ہو، اور تم جو بھی نذر مانتے ہو تو بے شک اللہ اس کو

يَعْلَمُهُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۳۷﴾

جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے

الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخَفُّوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ

صدقات دو تو وہ کیا ہی خوب ہے اور اگر تم ان کو مخفی رکھو اور فقراء کو دو تو وہ

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا

تہا ہے بے زیادہ بہتر ہے اور (یہ صدقہ کرنا) تمہارے کچھ گناہوں کو مٹا دے گا اور تمہارے سب کاموں

تَعْمَلُونَ خَيْرٌ ﴿۳۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ

سے اللہ غمراہ کرنے والا ہے (اے رسول!) انہیں ہدایت یافتہ کرنا آپ کے ذمہ نہیں ہے، لیکن اللہ جسے

يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۖ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا نُفْسِكُمْ

پاتا ہے اے ہدایت یافتہ بنادیتا ہے، اور تم جو اچھی چیز خرچ کرتے ہو سو وہ تمہارے نفع کے لیے ہے،

وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۖ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ

اہم مرنے والوں کی مفاہمت کے لیے ہی خرچ کرتے ہو اور تم جو اچھی چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے

خَيْرٌ يُؤْتِي إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿۳۹﴾

بہتر کام کر پورا اجر دیا جائے گا اور تم پر غم نہیں کیا جائے گا (یہ غیرت) ان فقراء کا حق ہے جو

أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي

خود کو اللہ کی راہ میں دقت کیے ہوئے ہیں، جو (اس میں شدت اشتغال کی وجہ سے) زمین میں سفر کی طاقت نہیں

الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ

رکھتے، نادان شخص ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو خوش حال سمجھتا ہے، (لے مبالغہ)

تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا

تم (ان میں بھوک کے آثار دیکھ کر) محنت سے پہچان لو گے۔ وہ لوگوں سے گڑبڑا کر سوال نہیں کرتے، تم جو

تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرِ قَاتِ اللَّهِ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢٦٣﴾ الَّذِينَ

اچھی چیز بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہو، بے شک اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے جو لوگ

يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً

رات اور دن میں خفیہ اور علانیہ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں

فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ

تو ان کے رب کے پاس ان کے لیے اجر ہے نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور

لَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٦٤﴾

نہ وہ غمگین ہوں گے

صدقہ میں دیئے جانے والے مال کی صفات کا بیان۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے صدقات اور خیرات کے متعلق چھ آیتوں میں یہ بتلایا تھا کہ صدقہ کرنے والے کی نیت میں اخلاص ہونا چاہئے اور لوگوں کو دکھانے اور سنانے کی غرض نہیں ہونی چاہئے اور صدقہ و خیرات کرنے کے بعد فقراء پر احسان جتاننا چاہئے اور نہ طعنے دے کر انہیں اذیت پہنچانی چاہئے اور محض صفاء باطن اور تزکیہ نفس کے لیے صدقہ اور خیرات کرنی چاہئے۔ اس کے بعد آنے والی آٹھ آیتوں (البقرہ: ۲۶۴-۲۶۷) میں بتلایا ہے کہ اللہ کی راہ میں جو مال دیا جائے اس مال کی صفت کیسی ہو، وہ زدی، ناکارہ اور ناقابل استعمال نہ ہو، نیز یہ فرمایا ہے کہ اللہ تمہیں اچھا مال دینے کا جو حکم فرما رہا ہے، اس میں اس کی کوئی غرض نہیں ہے، اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے اور آخرت میں تم کو اس کا پورا پورا اجر دے دیا جائے گا۔ بشرطیکہ تم صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے صدقہ اور خیرات کرو نام نمود کے لیے نہیں۔ نیز یہ فرمایا ہے کہ تمہارے

۱۰۰۱
 کے اصل میں مستحق وہ قراء ہیں جنہوں نے خود کو علم دین کے حصول کے لیے وقف کیا ہوا ہے جو بلو جود سخت ضرورت اور بھوک و پیاس کے اپنی خودداری کی وجہ سے کسی کے سامنے دست سول دراز نہیں کرتے اور ان کی اس روش کی وجہ سے عوام لوگ انہیں خوشحال سمجھتے ہیں نیز یہ فرمایا ہے کہ اگر نیت درست ہو تو علانیہ اور خفیہ ہر طرح صدقہ و خیرات کرنا درست ہے اور صدقہ و خیرات کرنے والے آخرت میں کسی خوف سے دوچار ہوں گے نہ غم سے۔

لام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت برام بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ہم انصار کے متعلق نازل ہوئی، ہم لوگوں کے کجیوروں کے درخت تھے، اور جس شخص کے پاس جتنی زیادہ یا کم کجیوریں درختوں سے اترتی تھیں وہ اسی حسب سے کجیوریں لاتا تھا، کوئی شخص کجیوروں کا ایک کچالانا کوئی دو کچالے لاتا اور ان کو مسجد میں لٹکا دیتے، اور لیل الصبح (وہ صبح جنہوں نے قرآن و حدیث کو محفوظ کرنے کے لیے خود کو وقف کر لیا تھا اور وہ دن رات مسجد نبوی میں رہتے تھے نبی ﷺ نے ان کے لیے ایک چبوترہ بنا دیا تھا اس وجہ سے ان کو اصحاب الصبح کہا جاتا ہے، صبح کے معنی چبوترہ ہیں) کے پاس کھانا نہیں ہوتا تھا، ان میں سے جب کسی کو بھوک لگتی تو وہ ان کچیوں پر لاشی مارتا تو اس سے لودہ پکی کجیوریں اور چھوڑے گر جاتے اور وہ اس کو کھا لیتے، لودہ لوگوں کو صدقہ اور خیرات میں خاص رغبت نہیں تھی، وہ کجیوروں کے ایسے کچالے لے کر آتے جن میں سوکھی ہوئی، ردی اور بے کار کجیوریں ہوتیں، اور وہ ان کو لاکر لٹکا دیتے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی : اے ایمان والو! (اللہ کی رلہ میں) اپنی پاکیزہ کمالی سے اچھی اور عمدہ چیزوں کو خرچ کرو، اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں، اور (اللہ کی رلہ میں) ایسی ناکارہ اور ناقابل استعمال چیز دینے کا قصد نہ کرو جس کو تم خود بھی آنکھیں بند کئے بغیر لینے والے نہیں ہو۔ (جامع ترمذی ص ۳۲۵-۳۲۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اللہ تبارک و تعالیٰ کی رلہ میں اس چیز کو صدقہ کرنا چاہئے جو فی نفسہ حلال اور طاهر ہو، اور وہ چیز حلال اور جائز ذرائع سے حاصل کی گئی ہو، جو چیز فی نفسہ حلال نہ ہو مثلاً موار یا حرام جانور اس کا صدقہ کرنا جائز نہیں ہے، یا وہ چیز فی نفسہ حلال ہو لیکن ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی ہو مثلاً سود، رشوت یا کسب حرام سے جو پیسہ حاصل ہو اس سے کوئی چیز خرید کر صدقہ کی جائے۔ لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے پاکیزہ کمالی سے ایک کجیور کے برابر صدقہ کیا، اور اللہ صرف پاکیزہ چیز ہی کو قبول فرماتا ہے، تو اللہ اس صدقہ کو اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرماتا ہے، پھر اللہ اس صدقہ کو پاتا (بوحاتا) رہتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کو پاتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ کجیور کا صدقہ پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۸ھ)

حلال کمالی کی صلح اور برہان ضرورت لولہ کے مل سے کھانے کا جواز

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! اللہ کی رلہ میں اپنی کمالی سے اچھی چیزوں کو خرچ کرو۔ (البقرہ ۲۶۷)

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

لام احمد نے حضرت ابو ہریرہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے اچھا کس (کمالی) کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا جائز تجارت اور اپنے ہاتھ سے کام کرنا

امام عبد بن حمید نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے حضرت عائشہ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنی پاکیزہ کمائی سے کھلو، اور تمہاری لولاد تمہاری پاکیزہ کمائی ہے، تمہاری لولاد اور ان کے اموال تمہاری ملکیت ہیں۔

امام احمد، امام عبد بن حمید، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے عمدہ کھانا وہ ہے جس کو انسان اپنی کمائی سے کھائے اور انسان کی لولاد بھی اس کی کمائی ہے۔

امام عبد بن حمید حضرت محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس مل بھی ہے اور میری لولاد بھی ہے اور میرے بپ کے پاس بھی مل ہے اور اس کی لولاد بھی ہے، اور میرا بپ میرے مل سے لیتا ہے؟ آپ نے فرمایا تم خود اور تمہارا مل تمہارے بپ کی ملکیت ہے۔

امام عبد بن حمید نے حسن سے روایت کیا ہے کہ والد اپنی لولاد کے مل سے جو چاہے لے سکتا ہے اسی طرح والد بھی لولاد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے والد کے مل سے اس کی مرضی کے بغیر کوئی چیز لے۔

امام عبد الرزاق اور امام عبد بن حمید نے زہری سے روایت کیا ہے کہ کوئی شخص بغیر ضرورت کے اپنی لولاد کامل بالکل نہ لے اور ضرورت کے وقت دستور کے مطابق لے، اور ابراہیم سے روایت ہے کہ کھانے، پکڑے اور لباس کے علاوہ اور کچھ نہ لے۔
(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۴۷ مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

حرام مل سے صدقہ کرنے کا وہیل

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس کی کمائی حرام ہے اس سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔
امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جب کوئی شخص اپنی حلال کمائی سے حج کے لیے جاتا ہے اور سواری پر بیٹھ کر ندا کرتا ہے اللھم لبیک تو آسمان سے فرشتہ ندا کرتا ہے لبیک وسعدیک، تمہارا زاد راہ حلال ہے اور تمہاری سواری حلال ہے تمہارا حج مبرور ہے اس میں گناہ نہیں ہے، اور جب کوئی شخص حرام کمائی سے حج کے لیے جاتا ہے اور سواری پر بیٹھتا ہے اور لبیک اللھم لبیک کہتا ہے تو آسمان سے فرشتہ ندا کرتا ہے تمہارا لبیک کتنا مقبول نہیں، تمہارا سفر خرچ حرام ہے تمہارا حج غیر مبرور ہے اور مقبول نہیں ہے۔

امام اصہبانی نے الترغیب میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے حرام مل سے حج کیا اور لبیک اللھم لبیک کہا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہارا لبیک کتنا مردود ہے، تمہارا حج مردود ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۴۷ مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں کرتا اور چوری کے مل سے صدقہ قبول نہیں کرتا۔
(جامع ترمذی ص ۲۶۱ مطبوعہ نور محمد اصح الطالعی کراچی)

اگر کسی شخص کے پاس ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ مل ہو اور اب اس سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہو، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مل اصل مالکوں کو واپس کر دے، اگر وہ فوٹ ہو چکے ہوں تو ان کے وارثوں کو واپس کر دے، اور اگر ان کا پتا نہ چلے تو اس مل کو ان مالکوں کی طرف سے صدقہ کر دے۔ اور یہ بہر حال جائز نہیں ہے کہ وہ مل حرام سے زکوٰۃ لیا

کے صدقات و خیرات اور حج اور عمو کے علامہ شامی لکھتے ہیں :

جس شخص نے کسی فقیر کو مل حرام سے کوئی چیز دی اور اس میں ثواب کی امید رکھی تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ اس کو مل حرام سے دیا ہے اور اس نے دینے والے کو دعا دی اور دینے والے نے آمین کہی تو دونوں کافر ہو جائیں گے، لیکن تکفیر اس وقت ہوگی جب اس مل حرام کی حرمت قطعی ہو مثلاً سود یا خمر اور زنا کی آمدنی۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

عشر کا بیان

لله تعالى کارشلو ہے : اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی کمائی سے اچھی چیزوں کو خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔ (البقرہ: ۲۶۷)

اس آیت میں صدقات فرضیہ زکوٰۃ اور عشر لیا کرنے کا حکم دیا ہے، امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبیدہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا "اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں" تو حضرت علی نے فرمایا یعنی دانے (غلہ) پھل اور ہر وہ چیز جس پر زکوٰۃ ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۵۵-۵۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

چونکہ اس آیت میں اصلہ "زمین کی پیداوار سے زکوٰۃ لیا کرنے کا حکم دیا ہے" اس لیے ہم زرعی پیداوار پر عشر میں مذاہب فقہاء بیان کر رہے ہیں۔

عشر کے نصاب میں فقہاء کے نظریات۔

غلہ اور پھلوں کی زکوٰۃ (عشر) کے نصاب میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل حدیث مذکور کی روشنی میں غلہ اور پھلوں کے لیے پانچ دس (بتیس من) کو نصاب قرار دیتے ہیں۔ جس شخص کے کھیتوں اور باغات سے پانچ دس یا اس سے زائد پیداوار حاصل ہو جائے اس پر عشر واجب ہو گا اور جس شخص کی پیداوار پانچ دس سے کم ہو اس پر عشر واجب نہیں ہو گا۔ اس کے برخلاف امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین کی پیداوار کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے۔ غلہ، پھل اور سبزیوں کی زمین سے جس قدر پیداوار بھی حاصل ہو اس پر عشر یا نصف عشر دینا واجب ہو گا۔

عشر کے نصاب میں ائمہ ثلاثہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں "امام مالک، امام ثوری، امام لوزامی، امام ابن ابی لیلی، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد اور تمام اہل علم کا قول یہ ہے کہ پھلوں اور غلہ میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب ان کی مقدار پانچ دس کو پہنچ جائے" البتہ امام ابو حنیفہ اور مجاہد کہتے ہیں کہ گھیل اور کثیر سب میں زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہاموم فرمایا ہے : "جس زمین کو ہادش سیراب کرے اس میں عشر ہے" اور چونکہ زمین کی پیداوار میں سل گزرنے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے اس لیے اس کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، اور ہمدی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا : "پانچ دس سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔" یہ حدیث خاص ہے اور امام ابو حنیفہ کی پیش کردہ حدیث عام ہے جس کی اس حدیث سے تخصیص کرنا واجب نہیں ہے۔

(المنجى ج ۲ ص ۲۴۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

ہے۔

عشر کے نصاب میں امام ابو حنیفہ کا نظریہ

امام ابو حنیفہ کا نظریہ یہ ہے کہ زرعی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں ہے اور زمین سے جس قدر بھی پیداوار حاصل ہو اس پر عشر یا نصف عشر واجب ہے۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (الانعام: ۱۴۱)

درخت کا پھل جب پھل دے تو اس سے کھاؤ اور اس کی کٹائی کے دن اس کا حق لو ا کرو۔

اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھلوں سے زکوٰۃ لو ا کرنے کے لیے پھلوں کا کوئی نصاب نہیں بیان کیا اس سے معلوم ہوا کہ درخت کے پھلوں پر مطلقاً "عشر واجب ہے" خولہ بن کی مقدار کثیر ہو یا قلیل۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ (البقرة: ۲۶۷)

اے ایمان والو اپنی کمالی سے اچھی چیزوں کو خرچ کرو اور جو کچھ زمین سے ہم نے تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں خرچ کرو)

امام ابو حنیفہ کا استدلال یوں ہے کہ اس آیت میں "ما" عام ہے جس کا تقاضا ہے "زمین سے ہم نے جو بھی تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے خرچ کرو" اور پانچ وسق والی حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے قرآن مجید کے عام کو خاص نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خبر واحد ظنی ہے اور قرآن مجید کا عموم قطعی ہے اور ظنی دلیل سے قطعی کی تخصیص کرنا صحیح نہیں ہے۔ خبر واحد سے قرآن مجید کے عام کو خاص نہ کرنا، امام ابو حنیفہ کا مشہور قلعہ ہے، اور یہ انتہائی دقت نظری اور باریک بینی پر مبنی ہے، اس قلعہ میں فرق مراتب کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور قرآن مجید سے ثابت شدہ چیز کو حدیث شریف سے ثابت شدہ چیز پر ترجیح اور فوقیت دی گئی ہے۔ فقہ حنفی کے متعدد احکام اس قلعہ پر موقوف ہیں اور یہ صرف فقہ حنفی کی خصوصیت ہے جب کہ دیگر ائمہ ثلاثہ اس اصول کو پیش نظر نہیں رکھتے اور قرآن مجید کے عموم قطعی کی احادیث غیر متواترہ سے تخصیص کر کے قرآن مجید کو حدیث کے تابع کر دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ آیت کریمہ اخراجنا لکم من الارض کی پانچ وسق والی حدیث سے تخصیص کر دیتے ہیں۔

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں:

ہم آیت کریمہ کے عموم کے مقابلہ میں پانچ وسق والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور قرآن کریم کے عموم کی خبر واحد سے تخصیص کرنے میں اختلاف ہے۔ (اکمل اکل المعلم ج ۳ ص ۱۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قرآن مجید کے علاوہ احادیث صحیحہ میں بھی زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم عام ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو زمین بارش یا چشموں سے سیراب ہو یا دریائی پانی سے سیراب ہو اس پر عشر (۱/۱۰) ہے اور جس زمین کو کنوئیں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر ہے (یعنی ۱/۲۰)

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۴۳۸ھ)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے قلیل اور کثیر کا فرق کئے بغیر مطلقاً "زمین سے حاصل شدہ پیدلوار پر عشر یا نصف عشر کا حکم عائد فرمایا اور یہ حدیث عموم قرآن کے مطابق ہے، نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس زمین کو دریا یا بارش سیراب کرے اس پر عشر (۱/۱۰) ہے اور جس زمین کو کنوئیں کے پانی سے لونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر (۲۰/۱) میسواں (صحہ) ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی، المجلد الثانیہ ۷۵ ۱۴۳۵ھ)

امام ابو داؤد نے بھی اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی ان دونوں روایات کو ذکر فرمایا ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۲۵ مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور المجلد الثانیہ ۱۴۰۵ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس زمین کو بارش یا چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو لونٹوں کے ذریعہ کنوئیں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۳۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کے بعد امام ابن ماجہ نے حضرت جابر کی حدیث کو بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام عبد الرزاق بن ہمام نے اپنی مصنف میں اس مضمون کی انیس احادیث روایت کی ہیں، ہم ان میں سے چند کا ذکر کر رہے ہیں۔

قلعہ بیان کرتے ہیں کہ معمر نے کہا میں نے تمام (معتبر) لوگوں کے پاس نبی ﷺ کا لکھا ہوا فرمان دیکھا کہ جس زمین کو رسیوں اور ڈولوں کے ذریعہ کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے (معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے) اور جس زمین کو بارش یا دریائی پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر ہے، معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(المصنف ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت المجلد الاول ۱۴۳۰ھ)

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

(سنن کبری ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ نشر الشیخ لیبان)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس زمین کو دریائی پانی بارش اور چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو رسیوں کے ذریعہ کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت المجلد الاول ۱۴۳۰ھ)

عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس زمین کو بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے اور جس زمین کو ڈول کے ذریعہ کنوئیں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت المجلد الاول ۱۴۳۰ھ)

جلد بیان کرتے ہیں زمین جس چیز کو بھی نکالے خولہ قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر یا نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۲ ص ۳۹، مطبوعہ لواء القرآن کراچی المجلد الاول ۱۴۰۶ھ)

مملو کتے ہیں ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں عشر ہے یا نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۳ ص ۳۹، مطبوعہ لواء القرآن کراچی، المجلد الاول ۱۳۰۶ھ)

ابراہیم کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں زکوٰۃ ہے۔

(المصنف ج ۳ ص ۳۹، مطبوعہ لواء القرآن کراچی، المجلد الاول ۱۳۰۶ھ)

ائمہ ثلاثہ جو پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ کو واجب نہیں قرار دیتے قرآن کریم کی عمومی آیت اور ان تمام احادیث اور آثار کے تارک ہیں اور عمومی دلائل کے پیش نظر ان کا نظریہ صحیح نہیں ہے۔

پانچ وسق دلی احادیث کی احتف یہ توجیہ کرتے ہیں کہ یہ احادیث اسواول تجارت پر محمول ہیں کیونکہ اس وقت پانچ وسق (بارہ سو کلو گرام) دو سو درہم کے برابر ہوتے تھے اس لیے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
عشری اور خراجی اراضی کی تعریفیں۔

جو زمین عشری ہو اس سے عشر (زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ) لیا جاتا ہے اور جو زمین خراجی ہو اس سے خراج لیا جاتا ہے، عشری کو ایسی عبلت ہے اور یہ صرف مسلمانوں سے وصول کیا جاتا ہے، اور خراج اصلہ "غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے اور اس کی مختلف پیداوار کے اعتبار سے لوائیگی کی مختلف شرح ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ عنقریب آرہی ہے، اگر مسلمان کسی خراجی زمین کو خرید لے تب بھی اس سے حسب سابق خراج ہی وصول کیا جائے گا، عشری اور خراجی زمین کے بیان میں علامہ المرغینانی لکھتے ہیں :

ہر وہ زمین جہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہو، یا جس زمین کو جنگ سے فتح کر کے مل غنیمت حاصل کرنے والوں (مجاہدین) میں تقسیم کر دیا ہو وہ زمین عشری ہے، اور ہر وہ زمین جس کو جنگ سے فتح کیا گیا ہو اور وہاں کے رہنے والوں کو اسی زمین پر برقرار رکھا گیا ہو وہ زمین خراجی ہے اور اسی طرح اس زمین کا حکم ہے جہاں کے رہنے والوں سے صلح کر کے اس پر قبضہ کیا ہو، اور مکہ مکرمہ اس قلعہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو جنگ اور غلبہ سے فتح کیا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہیں رہنے دیا اور ان پر خراج مقرر نہیں کیا، اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ ہر وہ زمین جس کو جنگ سے فتح کیا گیا ہو اور اس میں دریاؤں کا پانی پہنچتا ہو تو وہ خراجی زمین ہے اور اگر اس تک دریاؤں کا پانی نہ پہنچتا ہو اور اس زمین سے چشمہ نکلا جائے تو وہ عشری زمین ہے، کیونکہ عشر کا تعلق اس زمین سے ہوتا ہے جس میں نشو و نما ہو، اور نشو و نما کا تعلق اس زمین کے پانی سے ہے اس لیے عشر کے پانی یا خراج کے پانی سے سیرابی کا اعتبار کیا جائے گا۔

جس شخص نے کسی غیر آباد زمین کو آباد کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس زمین کے عشری یا خراجی ہونے میں اس کے قرب کا اعتبار کیا جائے گا، اگر وہ خراجی زمین کے قریب ہے تو خراجی ہے اور اگر عشری زمین کے قریب ہے تو عشری ہے اور امام محمد نے کہا اگر اس نے اس زمین میں کنواں کھود کر اس کے پانی سے زمین کو سیراب کیا ہے یا اس زمین کے چشمہ سے اس کو سیراب کیا ہے یا ان بڑے بڑے دریاؤں سے اس کو سیراب کیا ہے جن کا کوئی مالک نہیں ہے تو وہ زمین عشری ہے، اسی طرح اگر اس زمین کو بارش کے پانی سے سیراب کیا ہے تو بھی وہ زمین عشری ہے اور اگر اس زمین کو بھٹیوں کی کھودی ہوئی نہروں سے سیراب کیا ہے تو وہ زمین خراجی ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۵۹۱-۵۹۰، مطبوعہ شرکت ملیہ ملتان)

حضرت عمرؓ نے عرق کو فح کرنے کے بعد ہر جریب (تیس گز زمین) پر ایک صاع (چار کلو گرام غلہ) اور ایک درہم مقرر کیا تھا۔ بشرطیکہ اس زمین میں پانی پہنچتا ہو، اور جس زمین میں ٹکڑی، خربوزے اور بیگن وغیرہ سبزیوں کی کاشت ہو اس میں ہر جریب پر پانچ درہم مقرر کئے اور جس زمین میں انگور کی بیلین لگی ہوں یا کجور کے درخت ہوں اس میں ہر جریب پر دس درہم مقرر کئے، حضرت عمرؓ نے صحابہ کی جماعت کے سامنے یہ شرح مقرر کی اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا۔ اس لیے اس پر اجماع ہو گیا، نیز اس لیے کہ کاشتکاری میں کم و بیش مشقت ہوتی ہے، انگوروں کی بیل لگانے میں سب سے کم مشقت اور غلہ اگانے میں سب سے زیادہ مشقت ہے اور سبزیوں کی کاشت میں درمیانی مشقت ہے اور مشقت کے فرق کی وجہ سے وظیفہ خراج میں بھی تفریق کی گئی اور انگوروں کی بیل میں سب سے زیادہ یعنی دس درہم فی جریب وظیفہ مقرر کیا گیا اور غلہ کی کھیتی باڑی میں سب سے کم یعنی ایک صاع غلہ اور ایک درہم فی جریب مقرر کیا گیا اور سبزیوں کی کاشت میں درمیانی وظیفہ یعنی پانچ درہم فی جریب مقرر کیا گیا، ان کے علاوہ زراعت کی دیگر اجناس مثلاً زعفران اور بلغات (جن کے گرد چار دیواری ہو) میں کاشتکاری کی مشقت کے اعتبار سے خراج مقرر کیا جائے گا اور یہ امام کے اجتہاد پر موقوف ہے، ہمارے مشائخ نے یہ کہا ہے کہ ان زمینوں سے پیداوار کے نصف سے زیادہ خراج نہ لیا جائے کیونکہ کاشتکار نصف پیداوار سے زیادہ لو اکر نہ کا متحمل نہیں ہوگا، اگر کاشتکار امام کے مقرر کردہ خراج کو ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھے تو پھر امام کو اس کی مقدار میں کمی کر دینی چاہئے۔

(ہدایہ اولین ص ۵۴۳-۵۴۱ مطبوعہ شرکت ملیہ ملتان)

ایک درہم ۳۰۶ گرام چاندی کے برابر ہے اور پانچ درہم ۱۵۳۳ گرام چاندی کے برابر ہیں اور دس درہم ۳۰۶۶ گرام چاندی کے برابر ہیں۔

چاندی کے برابر ہیں۔

اراضی پاکستان کے عشری ہونے کا بیان۔

جو زمینیں پاکستان کے زمینداروں کی ملکیت میں ہیں ان پر قطعیت کے ساتھ عشری یا خراجی ہونے کا حکم لگانا بہت مشکل ہے، کیونکہ جب سلاطین اسلام نے ابتداءً ہندوستان کے اس حصہ کو فتح کیا تھا تو یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ان سلاطین نے کون سی صورت اختیار کی تھی، بعض صورتیں عشری زمین کی ہیں اور بعض خراجی زمین کی، اور جو زمینیں مسلمانوں کے زیر تصرف ہوں اور ان کے متعلق عشری یا خراجی ہونا یقینی اور مستحق نہ ہو ان کو عشری زمین پر محمول کیا جائے گا :

علامہ شمس الدین سرخسی لکھتے ہیں :

ہر وہ شہر جس کے رہنے والے بہ خوشی مسلمان ہوئے اس کی زمین عشری ہے، کیونکہ مسلمانوں کے مسلمانوں پر وظیفہ (زمین کا محصول) مقرر کرنے کی ابتداءً خراج سے نہیں کی جائے گی تاکہ مسلمان کو ذلت سے محفوظ رکھا جائے لہذا ان پر عشر ہوگا۔

(المبسوط ج ۳ ص ۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

لہذا جب پاکستان بنا اور مسلمان مسلمانوں پر حاکم ہوئے تو یہاں کے کاشتکاروں سے زمین میں زراعت کرنے کے وظیفہ کی ابتداءً بھی عشر سے کی جائے گی نہ کہ خراج سے، کیونکہ عشر اصلہ مسلمانوں کا فریضہ ہے اور خراج اصلہ کانہوں پر ہے۔

علامہ کامنی لکھتے ہیں :

زمینیں وظیفہ (محمول یا ٹیکس) کی ادائیگی سے خالی نہیں ہیں اور یہ وظیفہ یا عشر ہو گا یا خرچ اور مسلمان کے زیر تصرف زمین میں عشر سے ابتداء کرنا لولی ہے کیونکہ عشر میں عبادت کا معنی ہے اور خرچ میں ذلت کا معنی ہے۔
(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۵۷، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۳۰ھ)

اسی طرح حکومت پاکستان نے جو زمینیں مسلمانوں کو لاث کر دیں یا ان کو بے طور عطیہ دیں، یا کسی کارگزاری یا خدمت کے معروضہ میں دیں وہ بھی عشری ہیں، علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں :

جس زمین کو مل غنیمت حاصل کرنے والوں (مجلدین) کے غیر میں ہماری حکومت تقسیم کرے وہ بھی عشری ہے کیونکہ مسلمان پر ابتداء "خراج مقرر نہیں کیا جاتا۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ) بخل کو بے حیائی کے ساتھ تعبیر کرنے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے، اور تم کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور اپنے فضل کا وعدہ فرماتا ہے۔ (البقرہ: ۲۷۸)

فحشاء کا معنی بے حیائی ہے اور اس آیت میں بخل پر بے حیائی کا اطلاق کیا گیا ہے، کیونکہ حیاء کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو اس کی ضروریات سے زیادہ مل دیا ہے، اور جب اس کے سامنے کوئی ضرورت مند سائل سوال کرے تو وہ اس کی ضرورت کو پورا کرے اور اس کو یہ خیال آئے کہ آخر وہ بھی تو اپنی ضرورتوں کے لیے اللہ کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے اور اللہ جب اس کو ضرورت سے زیادہ عطا کرتا ہے تو وہ اللہ کے حکم سے سائل کو خللی ہاتھ لوٹانے سے حیاء کرے، اور جو انسان کسی کو صدقہ اور خیرات دینے کا ارادہ کرتا ہے شیطان اس کو مستقبل کی ضرورتیں یاد دلاتا ہے اور اس کو پیش آنے والی تنگدستی یاد دلاتا ہے، اس کو صدقہ دینے سے منع کرتا ہے اور اسے سائل کو بری طرح جھڑکنے کا حکم دیتا ہے، اور اللہ صدقہ کرنے پر تم سے مغفرت اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے کہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور جتنا تم دو گے آخرت میں تم کو اس سے زیادہ اجر عطا فرمائے گا۔ قرآن مجید میں ہے :

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (سبا: ۳۹)
اور تم جو کچھ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو گے وہ تمہیں اس کا بدل عطا کرے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

امام ترمذی تحسین سند کے ساتھ، امام نسائی، امام ابن جریر، امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم، امام ابن حبان اور امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابن آدم کے پاس ایک شیطان ہوتا ہے اور ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ شیطان اس کو شر سے ڈراتا ہے اور حق کی تکذیب کرتا ہے، اور فرشتہ اس سے خیر کا وعدہ کرتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی :

شیطان تم کو تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور تم کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۳۸، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

حکمت کے مصداق میں صحابہ اور فقہاء تابعین کے اقوال

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ جسے چاہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت دی گئی تو بے شک اسے خیر کثیر دی گئی۔ (البقرہ

علامہ ابوالیمان اندلسی لکھتے ہیں :

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ 'مجلد' ضحاک اور مقاتل نے کہا حکمت سے مراد قرآن ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا قرآن مجید کے مطلع اور منسوخ، محکم اور قشلبہ، اور مقدم اور موخر کی معرفت حکمت ہے، 'سدی' نے کہا حکمت سے مراد نبوت ہے، 'ابراہیم' ابو العلیہ اور قتادہ نے کہا حکمت سے مراد فہم قرآن ہے، 'یث' نے مجلد سے روایت کیا اس سے مراد علم اور فقہ ہے، 'ابن حجر' نے مجلد سے روایت کیا اس سے مراد قول اور فعل کا درست ہونا ہے، 'حسن' نے کہا اس سے اللہ کے دین میں تقویٰ مراد ہے، 'ربیع بن انس' نے کہا اس سے مراد خشیت (خوف خدا) ہے، 'ابن زید' نے کہا اس سے مراد اللہ کے حکم میں تعقل ہے، 'شریک' نے کہا فہم ہے، 'ابن قتیبہ' نے کہا علم اور عمل کا مجموعہ ہے، 'مجلد' نے کہا کتابت ہے، 'ابن المنعم' نے کہا جس چیز کی صحت کی عقل گواہی دے، 'تیسری' نے کہا اللہ کے احکام میں غور و فکر کرنا اور ان کا اتباع کرنا، 'نیز' انہوں نے کہا اللہ کی اطاعت، 'فقہ' دین اور اس پر عمل کرنا، 'عطاء' نے کہا مغفرت، 'ابو عثمان' نے کہا وہ نور جس کی وجہ سے دوسوہ اور الہام میں فرق ہو، 'قاسم بن محمد' نے کہا اپنی خواہشات کی بجائے حق کے مطابق فیصلہ کرنا، 'بندار بن حسین' نے کہا سرعت کے ساتھ صحیح جواب دینا، 'مفضل' نے کہا کسی چیز کو صحت کی طرف لوٹانا، 'کتانی' نے کہا جس چیز سے روحوں کو سکون ملے، 'لور' یہ اقوال ہیں : ہر حل میں حق کی گواہی دینا، دین کی بہتری اور دنیا کی اصلاح کرنا، 'علم لدنی' اللہ تعالیٰ کی ذات میں نظر کرنا، 'لور الہام' کا مورد بننے کے لیے صفاء باطن کرنا، یہ کل پچیس اقوال ہیں۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۶۸۳-۶۸۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

حکمت کی تعریف اور اس کی اقسام

حکمت کی دو قسمیں ہیں، حکمت نظری اور حکمت عملی، حکمت نظری کی یہ تعریف ہے کہ بشری طاقت کے مطابق حقائق اشیاء کا اس طرح علم ہو جس طرح وہ اشیاء واقع میں ہیں، اور حکمت عملی یہ ہے کہ انسان برے اخلاق کو ترک کرے اور اچھے اخلاق کو اپنائے، لور ایک تعریف یہ ہے کہ بشری طاقت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متعلق ہونا، یا رسول اللہ ﷺ کے تمام احکام پر عمل کرنا اور آپ کے تمام افعال کی اتباع کرنا، حکمت عملی کی تین قسمیں ہیں اگر اس کا تعلق ایک فرد کی اصلاح کے ساتھ ہو تو اس کو تہذیب اخلاق کہتے ہیں لور اگر اس کا تعلق ایک خاندان کی اصلاح کے ساتھ ہو تو اسے تہذیب محل کہتے ہیں لور اگر اس کا تعلق ایک شہر یا ملک کی اصلاح کے ساتھ ہو تو اس کو سیاست مدنیہ کہتے ہیں۔

حکمت کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

لام احمد نے کتاب التہذیب میں کھول سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے چالیس دن اللہ کے ساتھ انکسار کیا اس کے قلب سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے پھوٹ پڑیں گے۔

لام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں سے بھی حکمت ملے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔

لام طبرانی نے حضرت ابو لہدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اے

بیٹے! علماء کی مجالس کو لازم رکھو، اور علماء کا کلام سنو، کیونکہ اللہ تعالیٰ حکمت کے نور سے مردہ دل کو ایس طرح زندہ کرتا ہے جس طرح مردہ زمین تیز بارش سے زندہ ہو جاتی ہے۔

امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ علم بہت عبادت سے بہتر ہے اور کسی شخص کے فقیہ ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے، اور کسی شخص کے جلیل ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ (قرآن اور سنت کے خلاف) اپنی رائے کو پسند کرے۔

امام طبرانی نے معجم اوسط میں، امام دار قطنی نے اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دین میں فقہ حاصل کرنے سے افضل کوئی عبادت نہیں ہے اور ایک فقیہ شیطان کے نزدیک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہوتا ہے، اور ہر چیز کا ایک ستون ہوتا ہے اور اس دین کا ستون فقہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ نے کہا اگر میں ایک ساعت بیٹھ کر دین کا علم حاصل کروں تو یہ میرے نزدیک ساری رات جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کو جمع کرے گا پھر ان میں سے علماء کو الگ کرے گا، پھر فرمائے گا اے علماء کے گروہ! میں نے تمہیں عذاب دینے کے لیے تم میں اپنا علم نہیں رکھا تھا، جاؤ! میں نے تم کو بخش دیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵۱-۳۵۰، مطبوعہ مکتبۃ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

نذر کا لغوی اور شرعی معنی اور نذر کی اقسام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو، اور تم جو بھی نذر مانتے ہو تو بیشک اللہ اس کو جانتا ہے۔ (البقرة: ۲۷۰)

علامہ فیروز آبادی نے لکھا ہے نذر کا معنی ہے توان، کسی چیز کو واجب کرنا، اللہ کے لیے منت ماننا۔

(القاموس المحیط ج ۲ ص ۱۹۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ راغب اصفہانی نذر کا شرعی معنی بیان کرتے ہیں :

نذر یہ ہے کہ تم کسی کام کے ہونے کی بناء پر اپنے اوپر ایسی عبادت کو واجب کر لو جس کو تم پر واجب نہیں کیا گیا

(المفردات ص ۲۸۷، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

جب عمران کی بیوی نے کہا : اے میرے رب! میں نے

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ

تیرے لیے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو آزاد کیا ہوا ہے (وہ

مَا فِی بَطْنِی مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّی

خالص تیرے لیے ہے) تو اس کو میری طرف سے قبول فرما۔

(آل عمران: ۳۵)

(اے مریم!) تم کہنا میں نے رحمان کے لیے (خاموشی

فَقُولِیْ إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ

کے) روزہ کی نذر مانی ہے۔ سو میں آج ہرگز کسی انسان سے بات

أَكَلِمَ الْيَوْمَ أَنْسِيًّا

(مریم: ۲۷) نہیں کروں گی۔

علامہ ابو الجہان اندلسی لکھتے ہیں :

نذر کی دو قسمیں ہیں 'ایک قسم حرام ہے لور یہ ہر وہ نذر ہے جو اللہ کی اطاعت میں نہ ہو' اور زمانہ جاہلیت میں زیادہ تر نذریں ایسی ہوتی تھیں 'لور دوسری قسم ہے مباح' یہ کبھی کسی کام کے ساتھ مشروط ہوتی ہے لور کبھی مطلق ہوتی ہے' مثلاً اگر میں فلان مرض سے شفا پا جاؤں تو میں ایک دینار صدقہ کروں گا' (یہ نذر مشروط ہے) یا میں اللہ کے لیے ایک غلام آزاد کروں گا' (یہ غیر مشروط ہے) لور کبھی نذر مطلق ہوتی ہے مثلاً اگر میں صحت مند ہو گیا تو میں صدقہ کروں گا۔ (المحرر المصنف ج ۲ ص ۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

نذر صحیح لور نذر باطل کا بیان :

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں :

— اکثر عوام جو فوت شدہ بزرگوں کی نذر مانتے ہیں لور لولیاں کرام کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کے مزارات پر جو روپے، موم بتی لور تیل کی نذر مانتے ہیں وہ بلا جملع باطل اور حرام ہے، جب تک ان چیزوں کو فقراء پر خرچ کرنے کا ارادہ نہ کیا جائے، لوگ اس آفت میں بہت مبتلا ہیں خصوصاً ہمارے زمانہ میں۔ (در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۲ ص ۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن عبدین شاہی حنفی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں :

مثلاً کوئی شخص لولیاں اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنی نذر میں کہتا ہے : اے میرے سردار فلان بزرگ اگر میرا گم شدہ شخص واپس آ جائے یا میرا بیمار صحت مند ہو جائے یا میری حاجت پوری ہو جائے تو میں آپ کے لیے اتنا سونا یا چاندی یا کھانا یا موم بتی یا تیل دوں گا' (المحرر الرافق) یہ نذر کئی وجوہ سے باطل اور حرام ہے۔ (۱) یہ مخلوق کی نذر ہے لور مخلوق کی نذر باطل اور حرام ہے، کیونکہ نذر عبودت ہے لور مخلوق کی عبودت جائز نہیں ہے۔ (۲) جس کی نذر مانی گئی ہے وہ فوت شدہ ہے لور فوت شدہ شخص کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ (۳) اگر نذر ماننے والے کا یہ گمان ہے کہ وہ فوت شدہ شخص اللہ کے اذن کے بغیر تصرف کرتا ہے تو یہ اعتقاد کفر ہے، ہاں اگر اس نے یہ کہا کہ اے اللہ میں تیرے لیے نذر مانتا ہوں کہ اگر تو نے میرے مریض کو شفا دے دی یا میرے گم شدہ شخص کو لوٹا دیا یا میری حاجت پوری کر دی تو میں سیدہ نفیسہ کے مزار پر بیٹھنے ہوئے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا یا لام شافعی یا لام یسٹ کے مزار پر بیٹھنے والے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا یا اس نے ان کی مساجد کے لیے چٹائی لور روشنی کے لیے تیل یا دیگر کاموں کے لیے روپیہ دیا جس میں فقراء کا نفع ہو، یہ نذر خاص اللہ کے لیے ہو لور شیخ کا ذکر صرف نذر کو خرچ کرنے کے محل کے لیے ہو تاکہ اس مزار یا مسجد میں بیٹھنے والے فقراء لور مستحقین پر ان چیزوں کو خرچ کر دیا جائے تو اس اعتبار سے یہ نذر جائز ہے، لور کسی غنی یا سید پر ان چیزوں کا خرچ کرنا جائز نہیں ہے، لور جو نذر مخلوق کے لیے مانی گئی ہو اس کو پورا کرنا حرام ہے لور مزار کے متولی کے لیے اس کا لینا جائز نہیں ہے، جب تک نذر ماننے والا اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے نذر نہ مانے لور فقراء پر اس کو خرچ کرنے کی نیت نہ کرے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۰ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ العزیز اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

نذر عرف میں ہدیہ اور پیشکش کو کہتے ہیں، اور شرع میں نذر عبلت اور قیمت مقصود ہے، اسی لیے اگر کسی نے گناہ کی نذر کی تو وہ صحیح نہیں ہوئی، نذر خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے اور یہ جائز ہے کہ اللہ کے لیے نذر کر لے اور کسی دلی کے آستانہ کے فقراء کو نذر کے لیے صرف کا محل مقرر کر لے، مثلاً کسی نے یہ کہا کہ یارب میں نے نذر ملنی کہ اگر تو میرا فلاں مقصد پورا کر دے کہ فلاں بیمار کو تندرست کر دے تو میں فلاں دلی کے آستانہ کے فقراء کو کھانا کھلاؤں یا وہیں کے خدام کو روپیہ پیسہ دوں یا ان کی مسجد کے لیے تیل یا بوریا حاضر کروں تو یہ نذر جائز ہے۔ (رد المحتار)

(خزان العرفان ص ۷۳، مطبوعہ تلج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

جواز کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان اللہ کے لیے نذر مانے اور اس عبلت کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچا دے۔ اردو لغت میں نذر کا معنی ہدیہ اور تحفہ بھی ہے اور منت اور چڑھوا بھی ہے (قائد اللغات ص ۹۵۹) لیکن عربی میں نذر کا وہی معنی ہے جس کو ہم نے قاموس کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

امام مالک، امام بخاری، امام ابو داؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر ملنی ہے وہ اس کی اطاعت کرے اور جس نے اس کی معصیت کی نذر ملنی ہے وہ اس کی معصیت نہ کرے۔ امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذر نہ مانا کرو، کیونکہ نذر تقدیر سے مستغنی نہیں کرتی نذر تو صرف بخیل آدمی مانا ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵۱، مطبوعہ مکتبہ آیہ اللہ العظمیٰ ایران)

خفیہ اور علانیہ صدقہ کرنے کے متعلق احادیث

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر تم علانیہ صدقہ دو تو وہ کیا ہی خوب ہے، اور اگر تم ان کو مخفی رکھو اور فقراء کو دو تو وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور یہ صدقہ کرنا تمہارے کچھ گناہوں کو مٹا دے گا۔ (البقرہ: ۲۷۱)

علامہ ابوالحیاء اندلسی لکھتے ہیں :

صدقہ فرضیہ کو ظاہر کر کے دینا افضل ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مختار ہے، امام طبری نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، اور قاضی ابو یعلیٰ کا بھی یہی مختار ہے، نیز حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ نفلی صدقہ کو مخفی طور پر دینا افضل ہے، اور حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ نفلی صدقہ کو خفیہ طور پر دینا علانیہ صدقہ سے ستر درجہ افضل ہے، اور صدقہ فرضیہ کو علانیہ دینا خفیہ دینے سے پچیس درجہ افضل ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس یہ بات اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتے، اس لیے یہ اس پر محمول ہے کہ انہوں نے اس کو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوگا، زجاج نے کہا رسول اللہ ﷺ کے عہد میں زکوٰۃ کو خفیہ طور پر دینا بھی احسن تھا، لیکن اب لوگ بدگمانی کرتے ہیں اس لیے زکوٰۃ کو ظاہر کر کے دینا افضل ہے۔ علامہ ابن عربی نے کہا ہے کہ خفیہ اور علانیہ صدقات کی ایک دوسرے پر افضلیت کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں ہے

(البحر المحیط ج ۲ ص ۶۸۸-۶۸۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بیہقی نے شعب الایمان میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول

ﷺ نے فرمایا خفیہ عمل علانیہ عمل سے افضل ہے، اور جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی اقتداء کی جائے اس کے لیے علانیہ عمل افضل ہے۔

امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات کوئی اللہ کے سائے میں ہوں گے، جس دن اللہ کے سائے کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہوگا، امام علول، وہ نوجوان جس کی اللہ کی محبت میں نشوونما ہوئی، وہ شخص جس کا دل مسجد میں معلق رہتا ہے، وہ دو آدمی جو اللہ کی محبت کی وجہ سے ملتے ہیں اور اللہ کی محبت کی وجہ سے جدا ہوتے ہیں، وہ شخص جس کو کسی خوب صورت اور مقتدر عورت نے گناہ کی دعوت دی اور اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں، وہ شخص جس نے خفیہ صدقہ دیا حتیٰ کہ بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے، اور وہ آدمی جس نے تمنا میں اللہ کو یاد کیا حتیٰ کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔

امام طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیکی کے کام بری آفتوں سے بچاتے ہیں، اور خفیہ صدقہ کرنا اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے، اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنا عمر کو بڑھاتا ہے۔

امام ابو داؤد نے، امام ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ، امام نسائی نے، امام ابن خزیمہ نے، امام ابن حبان نے اور امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے اور تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے، جن سے اللہ محبت رکھتا ہے وہ یہ ہیں: ایک شخص لوگوں کے پاس گیا اور اس نے ان سے محض اللہ کی وجہ سے سوال کیا اس کی ان سے قربت داری نہیں تھی، ایک شخص ان کے پیچھے سے اٹھا اور اس کو خفیہ طور پر صدقہ دیا، اللہ کے سوا اس صدقہ کا کسی کو علم نہیں تھا، یا اس سائل کو علم تھا، کچھ لوگوں نے رات کو سفر کیا اور ایک جگہ ٹھہر کر سو گئے ان میں سے ایک شخص رات کو اٹھا اور اللہ کو یاد کرنے لگا اور اس کی آیات تلاوت کرنے لگا، ایک شخص کسی لشکر میں تھا، ان کا دشمن سے مقابلہ ہوا انہوں نے دشمن کو شکست دیدی اس شخص نے آگے بڑھ کر مقابلہ کیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گیا یا فتح یاب ہو گیا اور جن تین لوگوں سے اللہ بغض رکھتا ہے وہ یہ ہیں: بوڑھا زانی، متکبر فقیر اور ظالم تو نگر۔

امام ابن ماجہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو موت آنے سے پہلے اللہ سے توبہ کرلو، اور مشغول ہو جانے سے پہلے نیک عمل کرلو، اور اللہ کو بہت یاد کر کے اس سے وصل کرو، اور خفیہ اور علانیہ صدقہ دو تمہیں رزق دیا جائے گا، تمہاری مدد کی جائے گی اور تمہارا نقصان پورا کیا جائے گا۔

امام احمد، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام حاکم صحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی شعب اللایمن میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جب تک لوگوں کے درمیان فیصلہ ہوگا اس وقت تک ہر شخص اپنے صدقہ کے سائے میں رہے گا۔

امام طبرانی اور امام بیہقی نے شعب اللایمن میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ کرنے والوں کے لیے ان کا کیا ہوا صدقہ قبر کی گرمی کو دور کرے گا اور قیامت کے دن مومن صرف اپنے صدقہ کے سائے میں ہوگا۔

امام ترمذی نے حسین سند کے ساتھ اور امام ابن حبان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا صدقہ کرنا رب کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دور کرتا ہے
امام طبرانی نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ برائی کے سر
دروازوں کو بند کرتا ہے۔

امام طبرانی نے حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کا صدقہ عمر میں
اضافہ کرتا ہے، بری موت کو دور کرتا ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تکبر اور فخر کو دور کرتا ہے۔
(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵۵-۳۵۳، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ اربعین)

اہل الذمہ کو نفلی صدقات دینے کا جواز

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اے رسول!) انہیں ہدایت یافتہ کرنا آپ کے ذمہ نہیں ہے، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اسے
ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔ (البقرہ: ۲۷۲)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمان اپنے (نفلی) صدقات اپنے مشرک رشتہ داروں کو نہیں
دیتے تھے، اسی طرح انصار بنو قریظہ اور بنو نضیر کو صدقات نہیں دیتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ اسلام لے آئیں تو یہ آیت
نازل ہوئی کہ (اے رسول!) انہیں ہدایت یافتہ کرنا آپ کے ذمہ نہیں ہے، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اسے ہدایت یافتہ بنا دیتا
ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۶۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ نفلی صدقات ذمی کافروں کو دیئے جاسکتے ہیں یعنی جو کافر مسلمانوں کے ملک میں حکومت کی
امان کے ساتھ رہتے ہیں وہ اہل ذمہ کے حکم میں ہیں ان کو نفلی صدقات دیئے جاسکتے ہیں اور صدقات فرضیہ غیر مسلم کو دینا
جائز نہیں ہے اور حربی کافر کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں ہے۔

نیز اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ہدایت کو لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنا آپ کا فرض اور منصب نہیں ہے آپ کا کام
صرف ہدایت کو پہنچانا اور بیان کرنا ہے، قرآن مجید میں ہے:

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيفًا
إِنَّ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ (الشوری: ۳۸)
سو اگر یہ (اسلام قبول کرنے سے) منہ موڑیں تو ہم نے
آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا، آپ کا منصب تو صرف دین
کو پہنچانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ (خیرات) ان فقراء کا حق ہے جو خود کو اللہ کی راہ میں وقف کیے ہوئے ہیں جو (اس میں
شدت اشتغال کی وجہ سے) زمین میں سفر کی طاقت نہیں رکھتے۔ (البقرہ: ۲۷۳)
علامہ ابو الیمان اندلسی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا یہ فقراء اہل صفہ تھے جنہوں نے خود کو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر لیا تھا
ان کے پاس بالکل مال نہیں تھا، ان کی تعداد تقریباً "چار سو تھی" مجاہد نے کہا یہ قریش کے فقراء مہاجرین تھے، سعید بن جبیر
نے کہا یہ وہ صحابہ تھے جو مختلف غزوات میں زخمی ہو کر لاپاج ہو گئے تھے۔ نسائی نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ وہ مرض کی وجہ
سے زندگی کے کام کاج کرنے اور سفر کرنے سے معذور ہو گئے تھے، سدی نے کہا کفار نے ان کو گھیرے میں لے لیا تھا، اور وہ

اللہ کے قلب کی وجہ سے گھر گئے تھے، اللہ نے کہا انہوں نے خود کو جملہ کے لیے وقف کر لیا تھا، لیکن فقر کی وجہ سے جملہ نہیں کر سکتے تھے، محمد بن فضل نے کہا یہ وہ فقراء تھے جو اپنی بلند ہمت اور خود داری کی وجہ سے صرف اللہ سے دعا کرتے تھے اور کسی کے آگے دست سول دراز نہیں کرتے تھے، زحشری نے کہا یہ وہ فقراء تھے جو جملہ میں مشغول رہنے کی وجہ سے تجارت کرنے کے لیے زمین میں سفر نہیں کر سکتے تھے۔ (المحر المحیط ج ۲ ص ۶۶۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۳ھ)

ہر چند کہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں ان فقراء کے متعدد مصداق بیان کئے ہیں لیکن ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ ان فقراء سے مراد اہل صفہ ہیں جنہوں نے خود کو علم دین کے حصول کے لیے وقف کیا ہوا تھا، یہ ستر بار صحابہ تھے جو مسجد نبوی میں رہتے تھے نبی ﷺ نے ان کے لیے ایک چبوترہ بنوایا تھا، یہ اپنی بلند ہمت اور خود داری کی وجہ سے کسی کے آگے دست سول دراز نہیں کرتے تھے، نہ انہوں نے اپنی وضع قطع مسکینوں اور درویشوں کی سی بنائی ہوئی تھی کہ ان کی ظاہری حالت قتل رحم ہو اور دیکھنے والا ان کو ضرورت مند سمجھ کر ان کی مدد کرے، یہ صحابہ ”خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر“ کی عملی تصویر تھے، یہ شدید ضروریات میں بھی اپنی سفید پوشی کو قائم رکھتے تھے اور اپنے چہروں سے اپنی بھوک اور پیاس کو ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے اور ان سے باتیں کرنے والا اور ان کی ظاہری حالت کو دیکھنے والا ان کو خوش حال اور شکم سیر گمان کرتا تھا، اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے، امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ اہل اسلام کے مسلمان تھے، ان کا کوئی گھر نہیں تھا نہ مل، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں بھوک کی شدت سے اپنے جگر کو زمین سے لگائے رکھتا تھا، اور بھوک کے غلبہ کے وقت اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا، ایک دن میں ایک راستہ پر بیٹھا تھا جملہ سے لوگ گذر رہے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ گذرے تو میں نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق پوچھا میں نے ان سے صرف اس لیے پوچھا تھا کہ شاید وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں اور مسلمان بنا کر کھانا کھلائیں، وہ گذر گئے اور مجھے نہیں لے گئے پھر حضرت عمر گذرے میں نے ان سے بھی قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی، ان سے بھی اسی لیے پوچھا تھا وہ بھی مجھے نہیں لے گئے، پھر سیدنا ابوالقاسم رضی اللہ عنہ کا گذر ہوا، آپ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا بلیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا میرے ساتھ آؤ اور چل پڑے، میں بھی آپ کے ساتھ گیا، آپ گھر چلے گئے میں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی، آپ نے اجازت دیدی، گھر میں دودھ کا ایک پیالہ تھا، آپ نے پوچھا یہ دودھ کھل سے آیا ہے، گھر والوں نے بتلایا کہ ہمارے لیے فلاں شخص نے ہدیہ بھیجا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا بلیک! آپ نے فرمایا جاؤ تمام اہل صفہ کو بلاؤ، وہ اہل اسلام کے مسلمان ہیں، ان کا گھر بار ہے نہ مل ہے، آپ کے پاس جب کوئی صدقہ آتا تھا تو آپ اس کو ان کے پاس بھیج دیتے تھے، اور خود اس میں سے بالکل نہیں کھاتے تھے اور جب آپ کے پاس کوئی ہدیہ آتا تھا تو آپ ان کے پاس بھی بھیج دیتے تھے اور خود بھی اس میں سے تناول فرماتے تھے، مجھے آپ کا یہ فرمانا گوار لگا، میں نے سوچا یہ ایک پیالہ دودھ تمام اصحاب صفہ کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے، اب میں ان کو بلا کر لاؤں گا، پھر فرمایا میں نے کو یہ دودھ پلاؤ! میرے لیے تو اس میں سے ایک قطرہ بھی نہیں بچے گا، اور مجھے یہ امید تھی کہ شاید آپ یہ سارا دودھ مجھے دے دیں گے، لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ملامت کے سوا اور کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا، میں گیا اور ان کو بلا کر لایا وہ سب آکر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا ابو ہریرہ یہ پیالہ لو اور ان کو پیش کرو، میں نے وہ پیالہ لیا اور ان میں سے ایک شخص کو پلایا، اس نے اس

پیالے سے دودھ پیا حتی کہ وہ سیر ہو گیا پھر میں نے دوسرے کو پیالیا حتی کہ اخیر میں میں اس پیالہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گیا اور تمام اصحاب صفہ سیر ہو کر پی چکے تھے رسول اللہ ﷺ نے وہ پیالہ لے کر میرے ہاتھ پر رکھ دیا پھر آپ سر اٹھا کر مسکرائے اور فرمایا: اے ابو ہریرہ پیو میں نے پیا آپ نے فرمایا (اور) پیو میں نے پیا میں اسی طرح چٹا رہا اور آپ فرماتے رہے پیو! حتی کہ میں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اب بالکل معجائز نہیں ہے آپ نے وہ پیالہ لیا اللہ کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھ کر پی لیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۵۷-۳۵۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اصحاب صفہ وہ فقراء صحابہ تھے جن کا گھر بار تھانہ ان کے پاس مل و مثل تھا انہوں نے علم دین کے حصول کے لیے خود کو وقف کیا ہوا تھا وہ سخت بھوک و پیاس کے عالم میں بھی کسی کے آگے دست سولہ دراز نہیں کرتے تھے اور ان کی ظاہری حالت سے ان کی اندرونی کیفیات کا اندازہ نہیں ہوتا تھا قرآن مجید کے بیان کردہ اوصاف انہی پر پوری طرح صادق آتے تھے نیز حسب ذیل احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اس آیت کا مصداق اصحاب صفہ ہی تھے۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن المنذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت سے مراد اصحاب صفہ ہیں۔ امام بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا جاؤ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ اور اصحاب صفہ اسلام کے مہمان تھے ان کا گھر تھانہ ان کے پاس مل تھا جب آپ کے پاس کوئی صدقہ آتا تو آپ ان کے پاس بھیج دیتے اور خود اس سے تناول نہیں فرماتے تھے اور جب آپ کے پاس کوئی ہدیہ آتا تو ان کے پاس بھی بھیجتے اور خود بھی تناول فرماتے۔

امام ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت فضالہ بن عبید اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھاتے تو کچھ لوگ بھوک کی شدت سے قیام کے دوران گر پڑتے تھے یہ اصحاب صفہ تھے دیہاتی لوگ ان کو مجنون گمان کرتے تھے۔ امام ابن سعد، عبد اللہ بن احمد اور امام ابو نعیم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اصحاب صفہ کی تعداد ستر تھی ان میں کسی کے پاس چادر نہیں تھی۔

امام محمد بن سعد نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اصحاب صفہ کے متعلق نازل ہوئی ہے ان کا مدینہ میں کوئی گھر تھانہ کوئی قبیلہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵۸، ملقطاً مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

گداگری کی مذمت اور سوال نہ کرنے کی فضیلت میں احادیث

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ثَوَاقِفُ** شخص ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو خوش حال سمجھتا ہے اے مخاطب تم (ان میں بھوک کے آثار دیکھ کر) ان کو صورت سے پہچان لو گے وہ لوگوں سے گزر کر سوال نہیں کرتے۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم اور امام ابن مردویہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

ہے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص مسکین نہیں ہے، جس کو ایک کھجور یا دو کھجور لوٹادیں، یا ایک قلعہ اور دو قلعے لوٹادیں، مسکین تو صرف وہ شخص ہے جو سوال کرنے سے باز رہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو، وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنے قلعہ یا اپنے گھر والوں کے قلعہ کے بغیر سوال کیا، قیامت کے دن اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا، اور اللہ تعالیٰ اس پر فاقوں کا دروازہ کھول دے گا جہاں سے اس کا گناہ بھی نہیں ہوگا۔

امام طبرانی نے معجم لوسط میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے بلا ضرورت سوال کیا قیامت کے دن اس کے چہرے پر خراشیں پڑی ہوں گی۔

امام ابن ابی شیبہ، امام مسلم اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے مل بوجھانے کے لیے سوال کیا وہ صرف انکاروں کا سوال کر رہا ہے، کم سوال کرے یا زیادہ۔

امام احمد، امام ابوداؤد، امام نسائی، اور امام ابن ماجہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ لوگوں سے سوال نہیں کرے گا میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔

امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کوئی شخص کثرت مل سے غنی نہیں ہوتا، لیکن غنی وہ شخص ہے جس کا دل غنی ہو۔

امام طبرانی نے معجم لوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم حرص کرنے سے بچو، کیونکہ حرص ہی درحقیقت فقر ہے اور اس بات سے بچو کہ تم سے معذرت کی جائے۔

امام ابن ابی شیبہ، امام بخاری اور امام ابن ماجہ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص رسی سے لکڑیوں کا ایک گٹھا باندھ کر اپنی کمر پر لادے اور اس کو فروخت کر کے سوال کرنے سے بچے وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے وہ اس کو دیں یا منع کر دیں۔

امام احمد، امام ابویعلیٰ، امام ابن حبان، امام طبرانی اور امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت خالد بن عدی الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے پاس اس کے بھائی کی طرف سے کوئی چیز بغیر کسی طمع اور بغیر کسی سوال کے پہنچی ہو وہ اس کو قبول کر لے یہ اس کو اللہ نے رزق عطا کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۳۳-۳۵۸، ملقط، مطبوعہ مکتبۃ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

سوال کرنے کی حد جواز

علامہ علاء الدین صکنی حنفی لکھتے ہیں :

جس شخص کے پاس ایک دن کا کھانا ہو یا اتنی بدنی طاقت ہو کہ وہ محنت مزدوری کر کے ایک دن کی خوراک حاصل کر سکے، اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے اور اگر دینے والے کو یہ علم ہو اور اس کے بلوجود وہ اس کو دے تو وہ گناہ گار ہوگا کیونکہ وہ حرام کام میں مدد کر رہا ہے، اور اگر وہ شخص طلب علم دین یا جہلو میں مشغول ہو اور وہ کپڑوں کا سوال کرے تو جائز

ہے، بہ شرطیکہ اس کو کپڑوں کی ضرورت ہو۔ (در مختار ج ۲ ص ۶۹، علی حاشیہ رد المحتار مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ شاہی لکھتے ہیں :

جس شخص کے لیے سوا کرنا جائز نہیں ہے، اس کے سوا پر اس کو دینا تو حرام ہے لیکن جو شخص صاحب نصاب نہ ہو اس کو اس کے سوا کے بغیر بہ طور صدقہ اور خیرات کے دینا جائز ہے اور کار ثواب ہے اور جو شخص صاحب نصاب ہو اس کو بہ طور ہدیہ اور ہبہ کے دینا جائز ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

مسجد میں سائل کو دینے کی تحقیق

ہمارے زمانہ میں لوگ مسجدوں میں آکر سوا کرتے ہیں اور بعض علماء ایسے سوا کرنے والوں کو مطلقاً منع کرتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

علامہ حاکمی حنفی لکھتے ہیں :

مسجد میں سائل کو دینا مکروہ ہے، ہاں اگر وہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگیں تو پھر قول مختار کے مطابق وہ مکروہ نہیں ہے، اسی طرح اختیار اور مواہب الرحمن میں مذکور ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز کی حالت میں انگوٹھی صدقہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح میں قرآن کی آیت نازل کی ”جو لوگ رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔“

(در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۵ ص ۲۱۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن عابدین شاہی حنفی لکھتے ہیں :

”اختیار“ میں مذکور ہے کہ اگر سائل نمازیوں کے آگے سے گزرتا ہے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے تو اس کو دینا مکروہ ہے، کیونکہ یہ لوگوں کو ایذاء دینے پر معلومت ہے، حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ اس طرح ایک پیسہ دینے کا کفارہ ستر پیسے بھی نہیں ہو سکتے، علامہ مغلطوی نے کہا ہے کہ یہ کراہت نمازیوں کی گردنیں پھلانگنے کی وجہ سے ہے جس کو ایذا لازم ہے اور جب وہاں گزرنے کے لیے کشادہ جگہ ہو تو پھر کوئی کراہت نہیں ہے جیسا کہ اس عبارت کے مفہوم مخالف سے معلوم ہوتا ہے۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۱۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن بزاز کردری احکام مسجد کے بیان میں لکھتے ہیں :

جو مسکین کھانے میں فضول خرچی کرتے ہوں، اور گڑگڑا کر مانگتے ہوں ان کو دینے سے بھی اجر ملے گا، لیکن اگر کسی معین شخص کے متعلق معلوم ہو کہ وہ فضول خرچی کرتا ہے اور گڑگڑا کر مانگتا ہے تو پھر اس کو دینے سے اجر نہیں ہو گا۔

(فتاویٰ بزازیہ علی حاشیہ الحدید ج ۶ ص ۳۵۸-۳۵۷، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیرہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جو سائل مسجد میں نمازی کے آگے سے گزرے یا نمازیوں کی گردنیں پھلانگے، یا گڑگڑا کر سوا کرے یا اس کے متعلق دینے والے کو معلوم ہو کہ یہ فضول خرچی کرتا ہے یا اس کو معلوم ہو کہ اس کے پاس ایک دن کی خوراک ہے یا یہ شخص صحت مند ہے اور محنت مزدوری کر کے کما سکتا ہے اس کے سوا پر اس کو دینا جائز نہیں ہے، اور اگر یہ موانع اور عوارض نہ پائے جائیں تو اس سائل کو مسجد میں دینا جائز ہے۔

خفیہ اور علانیہ صدقہ کی آیت کے شان نزول میں متعدد اقوال۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو لوگ رات اور دن میں خفیہ اور علانیہ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں تو ان کے رب کے پاس

کے لیے آئے ہیں نہ ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ ممکن ہوں گے۔ (البقرہ : ۲۷۳)

اس سے پہلے آیات میں اللہ تعالیٰ نے صدقہ کرنے کی بار بار ترغیب دی ہے اب یہ فرما رہا ہے کہ صدقہ کرنے کے لیے کوئی وقت معین نہیں ہے، دن اور رات کے کسی بھی وقت میں خفیہ یا علانیہ صدقہ کیا جاسکتا ہے، اس آیت کے شان نزول میں متحد اقوال ہیں، حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

لحم ابن المنذر، لحم ابن ابی حاتم اور لحم واحدی حضرت ابولہامہ بلالی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں گھوڑا باندھا، اور اس کا یہ عمل دکھانے اور سنانے کے لیے نہیں تھا تو وہ اس آیت کا مصداق ہے۔
لحم عبدالرزاق، لحم عبد بن حمید، لحم ابن جریر، لحم ابن المنذر، لحم طبرانی اور لحم ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ان کے پاس چار درہم تھے، ایک درہم انہوں نے رات میں خرچ کیا، ایک دن میں، ایک خفیہ اور ایک علانیہ۔

لحم ابن جریر اور لحم ابن المنذر نے قلم سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اللہ کی راہ میں صدقات فرضیہ خرچ کرتے ہیں وہ اسراف کرتے ہیں، نہ تنگی کرتے ہیں نہ فساد کرتے ہیں۔
لحم ابن ابی حاتم نے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے نازل ہوئی تھی۔

لحم ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت سورہ توبہ سے پہلے نازل ہوئی تھی، جب سورہ توبہ میں صدقات فرضیہ اور ان کی تفصیل نازل ہوئی تو تمام صدقات اس تفصیل کے مطابق خرچ کیے جانے لگے۔
(لحم المشرع، ص ۳۶۳، مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي

بروگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن مرنے والے شخص کی طرح کھڑے ہوں گے

يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ

جس کو شیطان نے پھوکر مغبوطاں کر دیا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع

مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَكَ

سود ہی کی طرح ہے، اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ سو جس شخص کے پاس

مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ

اس کے سبک دین سے نصیحت آگئی، پس وہ (سود سے) باز آگیا تو جو کچھ وہ پہلے سے چکے وہ اس کا ہو گیا اور

وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۵﴾

اس کا معاد اللہ کے حوالے ہے اور جس نے دوبارہ اس کا اعادہ کیا تو وہی لوگ نذر میں ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرِي الصَّدَاقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے کو گار کو

كَفَّارٍ أَنْتُمْ ﴿۳۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا

پسند نہیں کرتا بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور نماز

الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ

قائم رکھی اور زکوٰۃ دیتے رہے، ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ

خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور

وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾ فَإِنْ

باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو اگر تم مومن ہو پس اگر تم

لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ

ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو، اور اگر تم توبہ کرو

فَلَكُمْ رِعَاؤُكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ وَإِنْ

تو تمہارے اصل مال تمہارا حق ہیں، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم ظلم کیے جاؤ گے اور اگر

كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ

(مقروض) تنگ دست ہے تو اسے اس کی فراخ دستی تک ہمت دو اور قرض کو معاف کر کے تمہارا صدقہ کرنا

لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۰﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ

زیادہ بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو، اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے

إِلَى اللَّهِ تُجِزُّ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾

جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا

صدقہ کے بعد سود کی آیات ذکر کرنے کی مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اللہ کی راہ میں صدقہ دینے کا ذکر کیا تھا لو اب ان آیتوں میں سود کو حرام کرنے کا ذکر فرما رہا ہے 'صدقہ میں انسان کسی ظاہری اور دنیوی معاوضہ کے بغیر ضرورت مند کو اپنے مال سے کچھ دیتا ہے اور اپنے مال کو کم کرتا ہے' جب کہ سود میں انسان ضرورت مند کو قرض دے کر ایک مدت معینہ کے بعد اس سے اصل رقم سے ایک معین زیادتی کو وصول کرتا ہے اور اپنے مال کو بڑھاتا ہے 'صدقہ دینے والا بلا معاوضہ اپنا مال دیتا ہے' اور سود کھانے والا بلا معاوضہ دوسرے کا مال لیتا ہے 'صدقہ دینے والے کے مال میں اللہ برکت دیتا ہے اور سود کھانے والے کی برکت مٹاتا ہے' صدقہ دینے والے کی نظر صرف آخرت پر ہوتی ہے اور سود لینے والی کی نظر صرف دنیا پر ہوتی ہے 'صدقہ کا باعث خدا ترسی اور ہمدردی ہے اور سود کا محرک خدا سے بے خونی اور خود غرضی ہے' صدقہ دینے والا مشکلات میں مبتلا لوگوں کو سہارا دیتا ہے 'اور سود کھانے والا مصیبت کے مارے لوگوں کی رگوں سے خون نچوڑ لیتا ہے' یوں سود کھانا 'صدقہ دینے کی مکمل ضد' ہے اور ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے 'اس وجہ سے قرآن مجید ایمان کے بعد کفر کا 'نور کے بعد ظلمت کا اور جنت کے بعد دوزخ کا ذکر فرماتا ہے اور یہاں پر صدقہ کے بعد سود کا ذکر فرما رہا ہے 'سود لینے کو سود کھانے سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ جو چیز لے لی جائے اس کی واپسی کا امکان ہوتا ہے اور جو چیز کھالی جائے اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں رہتا اس سے کسی چیز کی وصول یا بی کا شدید ہونا ظاہر ہوتا ہے اسی لیے سود لینے والوں کو سود خور کہا جاتا ہے۔ سود کو عربی میں ربا کہتے ہیں 'ہم ربا کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے' پھر ربا کی دو قسمیں ربا النسیئہ اور ربا الفضل بیان کریں گے 'ربا الفضل میں ائمہ اربعہ کی بیان کردہ علت پر سیر حاصل بحث کریں گے 'ربا الفضل کی حرمت کی وجہ بیان کریں گے اور بینک کے سود کے مجوزین کے دلائل بیان کریں گے 'ان کے شبہات کے جوابات پیش کریں گے 'دار الحرب میں سود کی بحث کا اور دارا کفر میں کافروں کے مال ہڑپ کرنے کا ذکر کریں گے 'اس کے بعد اس رکوع کی آیات کی تفسیر بیان کریں گے' فنقول وبالله التوفیق

ربا کا لغوی معنی

لغت میں ربا کے معنی زیادتی 'بڑھوتری اور بلندی ہیں' علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ علامہ رافع اصفہانی نے کہا ہے کہ اصل مال پر زیادتی کو ربا کہتے ہیں اور زجاج نے کہا ہے کہ ربا کی دو قسمیں ہیں ایک ربا حرام ہے اور دوسرا حرام نہیں ہے۔ ربا حرام ہر وہ قرض ہے جس میں اصل رقم سے زیادہ وصول کیا جائے یا اصل رقم پر کوئی منفعت لی جائے اور ربا غیر حرام یہ ہے کہ کسی کو ہدیہ دے کر اس سے زیادہ لیا جائے (تلج المعوس شرح القاموس ج ۲ ص ۳۳ 'مطبوعہ المکتبۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ) علامہ بخاری نے شرح المہذب کے حوالے سے لکھا ہے کہ ربا کو الف 'واو اور یا تینوں کے ساتھ لکھنا صحیح ہے یعنی ربا' (عمدة القاری ج ۱ ص ۱۱۹ مطبوعہ لواء البیان النیریہ ۱۳۳۸ھ)

ربا اور ربی

ربا کا اصطلاحی معنی

اصطلاحی شرع میں ربا کی دو قسمیں ہیں ربا النسیئہ (اس کو ربا القرآن بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کو قرآن مجید نے حرام

کیا ہے) اور ربا الفضل (اس کو ربا الحدیث بھی کہتے ہیں) ربا الفضل یہ ہے کہ ایک جنس کی چیزوں میں دست بدست زیادتی کے عوض بیع ہو، مثلاً چار کلو گرام گندم کو نقد آٹھ کلو گرام گندم کے عوض فروخت کیا جائے۔ ربا الفضل کن چیزوں میں ہے اس میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے، جس کو انشاء اللہ ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔ ربا النسیئہ یہ ہے کہ لوہار کی میخ پر معین شرح کے ساتھ اصل رقم سے زیادہ وصول کرنا یا اس پر نفع وصول کرنا۔ آج کل دنیا میں جو سود رائج ہے اس پر بھی یہ تعریف صلوٰۃ آتی ہے۔

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں : علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ شریعت میں ربا بغیر عقد بیع کے اصل مل پر زیادتی ہے اور ہمارے نزدیک ربا یہ ہے کہ مل کے بدلے مل میں جو مل بلا عوض لیا جائے مثلاً کوئی شخص دس درہم کو گیارہ درہم کے بدلے میں فروخت کرے تو اس میں ایک درہم زیادتی بلا عوض ہے۔

(عمدة القاری ج ۱ ص ۱۹۹ مطبوعہ لواء البعثة المیریہ ۱۳۳۸ھ)

علامہ ابن اثیر نے جو تعریف کی ہے وہ ربا النسیئہ پر صلوٰۃ آتی ہے اور علامہ عینی نے جو تعریف کی ہے وہ ربا النسیئہ پر اس لیے صلوٰۃ نہیں آتی کیونکہ اس میں ادھار کا ذکر نہیں ہے اور چونکہ اس میں مجاہست کی قید نہیں ہے اس لیے ربا الفضل پر بھی صلوٰۃ نہیں آتی۔

ربا النسیئہ کی صحیح اور واضح تعریف امام رازی نے کی ہے لکھتے ہیں : ربا النسیئہ زمانہ جاہلیت میں مشہور اور معروف تھا۔ وہ لوگ اس شرط پر قرض دیتے تھے کہ وہ اس کے عوض ہر ماہ (یا ہر سال) ایک معین رقم لیا کریں گے اور اصل رقم مقروض کے ذمہ باقی رہے گی مدت پوری ہونے کے بعد قرض خواہ مقروض سے اصل رقم کا مطالبہ کرتا، اور اگر مقروض اصل رقم ادا نہ کر سکتا تو قرض خواہ مدت اور سود دونوں میں اضافہ کر دیتا یہ وہ ربا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت، المجلد الثانی ۱۳۹۸ھ)

ربا الفضل کی تعریف اور اس کی علت کے متعلق مذاہب ائمہ

ربا الفضل یہ ہے کہ ایک مخصوص مل کو اس کی مثل سے نقد زیادتی کے ساتھ یا لوہار فروخت کیا جائے مثلاً پانچ کلو گرام گندم کو دس کلو گرام گندم کے عوض نقد فروخت کیا جائے یا پانچ کلو گرام گندم کو پانچ کلو گرام گندم کے عوض ایک سال کے ادھار پر فروخت کیا جائے اس کو ربا الحدیث بھی کہتے ہیں کیونکہ امام مسلم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سونا سونے کے عوض، چاندی چاندی کے عوض، گندم گندم کے عوض، جو جو کے عوض، کھجور کھجور کے عوض، نمک نمک کے عوض برابر برابر فروخت کرو اور نقد بہ نقد، اور جب یہ اجناس مختلف ہو جائیں تو پھر جس طرح چاہو فروخت کرو بہ شرطیکہ نقد بہ نقد ہوں، اور ایک روایت میں ہے جس نے زیادہ لیا یا زیادہ دیا اس نے سودی کاروبار کیا۔ دینے والا اور لینے والا دونوں برابر ہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ ایک دینار کو دو دیناروں کے بدلے میں اور ایک درہم کو دو درہم کے بدلے میں فروخت نہ کرو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶، ۲۵، ۲۴ مطبوعہ کراچی)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے چھ چیزوں میں ربا الفضل کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے، سونا، چاندی، گندم، جو، چھوڑے اور نمک، غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ اور کسی چیز میں کمی و زیادتی کے ساتھ بیع حرام نہیں ہے، کیونکہ وہ قیاس کے منکر ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام فقہاء یہ کہتے ہیں کہ حرمت کا یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ خاص

میں ہے بلکہ جو چیزیں ان کے متقی میں شریک ہوں ان میں بھی تقاضل کے ساتھ بیع حرام ہے، پھر ان فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ ان چھ چیزوں میں حرمت ربا کی علت کیا ہے؟ لام شافعی نے کہا سونے اور چاندی میں علت حرمت ان کا جنس ثمن سے ہونا ہے اس لیے باقی وزنی چیزوں میں کمی اور بیشی کے ساتھ بیع حرام نہیں ہوگی، کیونکہ علت حرمت مشترک نہیں ہے، لام شافعی نے فرمایا باقی چار چیزوں میں علت حرمت کھانے کی جنس سے ہونا ہے سو ہر کھانے کی چیز میں تقاضل کے ساتھ بیع حرام ہوگی، لام مالک کا قول سونے اور چاندی میں لام شافعی کی طرح ہے اور باقی چار چیزوں میں ان کے نزدیک علت حرمت خوراک کے لیے ذخیرہ ہونے کی صلاحیت ہے سو انہوں نے متقی میں تقاضل کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ گندم اور جو کی طرح اس کا بھی ذخیرہ کیا جاسکتا ہے، لام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی میں علت وزن ہے اور باقی چار چیزوں میں علت ماپنا ہے پس ہر وہ چیز جس کی بیع وزن اور ماپنے سے ہوتی ہو اتحد جنس کی صورت میں اس کی تقاضل کے ساتھ بیع حرام ہے، اور سعید بن مسیب، لام احمد اور لام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ ان چار چیزوں میں علت حرمت طعام کا وزن یا ماپ کے ساتھ فروخت ہونا ہے اس بناء پر کھانے پینے کی جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں جیسے انڈا وغیرہ ان میں تقاضل کے ساتھ بیع حرام نہیں ہے۔ نیز فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ایک سود والی جنس کو دوسری سود والی جنس کے ساتھ کمی و بیشی اور لوحار کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے مثلاً سونے کی گندم کے بدلے میں یا چاندی کی جو کے بدلے میں کمی اور بیشی کے ساتھ بیع کی جائے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ ایک سود والی جنس کی اپنی جنس کے ساتھ لوحار بیع جائز نہیں ہے اور سود والی جنس کی اپنی جنس کے بدلے میں تقاضل کے ساتھ نقد بیع بھی جائز نہیں ہے، مثلاً سونے کی سونے کے بدلے میں لوحار بیع جائز ہے نہ نقد تقاضل کے ساتھ۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۲۳-۲۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطالع کراچی، المبعث الاولی) لام ابو القاسم خرقی حنبلی لکھتے ہیں: ہر وہ چیز جو وزن یا ماپ کے ذریعہ فروخت کی جائے اس کی اس جنس کے بدلے میں تقاضل سے بیع جائز نہیں ہے۔ (۱) (اور یہی لام ابو حنیفہ کا نظریہ ہے)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں لام احمد سے دو سری روایت یہ منقول ہے کہ سونے اور چاندی میں حرمت کی علت ثنیت ہے اور باقی چیزوں میں طعام حرمت کی علت ہے اور یہی لام شافعی کا مذہب ہے۔
(المنہج ج ۳ ص ۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں لام احمد سے تیسری روایت یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے علاوہ حرمت کی علت یہ ہے کہ وہ چیز جنس طعام سے ہو اور ماپ یا وزن سے بکتی ہو لہذا جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں ان کی کمی اور بیشی کے ساتھ بیع جائز ہوگی۔
(المنہج ج ۳ ص ۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ دمشقی مالکی لکھتے ہیں: لام مالک کے نزدیک سونے اور چاندی میں حرمت کی علت ثنیت ہے اور باقی چار میں حرمت کی علت خوراک کا ذخیرہ ہونا یا خوراک کی صلاحیت ہے۔

(اکمل اکمل المصنوع ج ۳ ص ۲۷۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

لام مالک کے مذہب پر نوٹ اور دوسرے سکوں میں سود کا ہونا بالکل واضح ہے، کیونکہ ان میں ثنیت موجود ہے۔
علامہ ابو الحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں ہمارے نزدیک حرمت کی علت قدر مع الجنس ہے۔ (دہلیہ آخرین ص ۷۷)

(۱) علامہ ابو القاسم محمد بن الحسن بن عبد اللہ بن احمد الحنفی حنفی ۳۳۳ھ، مختصر الحنفی مع المنہج ج ۳ ص ۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت

مطبوعہ مکتبہ شرکت ملیہ، ملتان

ربا الفضل میں ائمہ کی بیان کردہ علت کا ایک جائزہ

ائمہ کرام نے احادیث مبارکہ کو سامنے رکھ کر حتی المقدور اس امر کی سعی اور کوشش فرمائی ہے کہ سود کے لیے کوئی اصول وضع کیا جاسکے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ احادیث میں جن چھ چیزوں (سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک) میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنے کو ربا فرمایا ہے، ان میں حصر نہیں ہے بلکہ ان چیزوں کو بطور مثل ذکر کیا ہے۔ اسی لیے ائمہ اور مجتہدین نے انتہائی محنت اور جانفشانی سے ان چیزوں میں کوئی امر مشترک تلاش کر کے اس کو علت ربا قرار دیا ہے جیسا کہ مذکور الصدر تفصیل سے ظاہر ہو چکا ہے۔ ان بزرگوں نے نہایت کوشش کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات مبارکہ کو سمجھا اور سمجھایا ہے، ہم نے جب ان احادیث پر غور کیا تو ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے تاذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵، مطبوعہ اصح المطابع کراچی) جب دو نوع مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو فروخت کرو اور جب ان میں اختلاف نہ ہو تو فرمایا مثلاً بمثل فروخت کرو اور مثل میں مساوات کا مطلب ہے قدر میں مساوات اور قدر وزن، کیل اور عدد تینوں کو شامل ہے جس طرح ایک کلو یا ایک صاع گندم دو کلو یا دو صاع گندم کے برابر نہیں ہیں، اسی طرح ایک درجن اخروٹ اور اندھے دو درجن اخروٹ اور اندھوں کی مثل اور برابر نہیں ہیں۔ یہ ایک بالکل بدیہی بات ہے اور اس میں کوئی خفاء نہیں ہے اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں بھی وزن، "کیلا" (ماپ کے ذریعہ) یا عدداً فروخت ہوتی ہیں خواہ وہ از قبیل ثمن ہوں یا از قبیل طعام ہوں یا عام استعمال کی چیزیں ہوں، لائق ذخیرہ ہوں یا نہ ہوں جب ان کی بیع مثلاً بمثل یعنی وزن، ماپ یا عدد کے اعتبار سے برابر برابر اور بد ۱۳ بید یعنی نقد کی جائے گی تو وہ جائز ہو گی اور اگر وزن، عدد یا ماپ میں زیادتی کے ساتھ یا ادھار بیع ہوگی تو ناجائز اور حرام ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ سے حرمت ربا کے سلسلہ میں جتنی بھی احادیث روایت کی گئی ہیں سب میں مثلاً بمثل کی قید ہے اور فقہاء نے مثل کا معنی قدر کیا ہے اور قدر وزن، ماپ اور عدد تینوں کو شامل ہے، یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آسکی کہ ایک کلو یا ایک صاع گندم تو دو کلو یا دو صاع گندم کے غیر مثل ہوں اور ایک درجن اندھے یا اخروٹوں کے غیر مثل نہ ہوں اس لیے مثل میں جس طرح وزنی اور ماپ والی چیزیں شامل ہیں اسی طرح عددی چیزیں بھی شامل ہیں اور اس پر سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے للذکر مثل حظ الانثیین (النساء : ۱۱) "مرد کے لیے عورتوں کی دو مثل (دو گنا) حصہ ہے۔" فرض کیجئے لڑکی کو ایک کلو چاندی ملتی ہے تو لڑکے کو دو کلو چاندی ملے گی، لڑکی کو ایک سو صاع گندم ملتی ہے تو لڑکے کو دو سو صاع گندم ملے گی اور اگر لڑکی کو ایک ہزار روپے ملتے ہیں تو لڑکے کو دو ہزار روپے ملیں گے اس سے معلوم ہوا کہ مثل، ماپ والی، وزنی، عددی ہر قسم کی مساوی چیز کو کہتے ہیں حدیث شریف میں ہے : امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ایک دینار کو دو دینار اور ایک درہم کو دو درہم کے عوض نہ فروخت کرو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴، سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۷۸)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق جس طرح وزنی اور ماپ والی ایک نوع کی دو چیزوں میں زیادتی کے ساتھ بیع ربا ہے اسی طرح ایک نوع کی عددی چیزوں میں بھی زیادتی کے ساتھ بیع ربا ہے۔ ان دلائل کی

دو قسمی میں بظاہر یہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ ایک نوع کی دو چیزیں خولہ وہ از قبیل طعام ہوں یا استعمال ہوں یا
 ثمن ہوں اگر ان کی بیع کی یا زیادتی کے ساتھ ہو خولہ کی یا زیادتی عدد میں ہو یا کیل میں ہو یا وزن میں ہو یا بیع لوحار ہو تو وہ ربا
 ہے اور اگر یہ لبر اور نقد بیع ہو تو جائز اور صحیح ہے۔ ہذا ما عندی والعلم التام عند اللہ۔

لام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک نوع کی ماپ اور تول و لی چیزوں میں سود ہے، ان کے نزدیک علت ربا ماپ اور
 تول اور اشتراک جنس ہے، وہ عددی چیزوں میں حرمت ربا کے قائل نہیں ہیں مثلاً سیب و زنا" بکتا ہے اس لیے ایک کلو گرام
 سیب کو دو کلو گرام سیب کے عوض فروخت کرنا ان کے نزدیک سود ہے اور کیلے عددا" فروخت ہوتے ہیں اس لیے ایک
 درجن کیلوں کو دو درجن کیلوں کے عوض فروخت کرنا ان کے نزدیک سود نہیں ہے، اور یہ انتہائی تعجب خیز امر ہے کہ سیب
 میں زیادتی کے ساتھ بیع سود ہو اور کیلوں میں زیادتی کے ساتھ بیع سود نہ ہو۔ بعض چیزوں میں عددا" اور وزنا" فروخت ہونے
 کا عرف بدلتا رہتا ہے مثلاً پشاور میں پہلے روٹی تول کر فروخت ہوتی تھی اور اب عددا" فروخت ہوتی ہے اور اخروٹ تول کر
 بھی بکتے ہیں اور عددا" بھی فروخت ہوتے ہیں یعنی آپ اگر عددا" اخروٹ خریدیں تو سو کے بدلے میں دو سو اخروٹ لے
 سکتے ہیں اور یہ سود نہیں ہے اور وزنا" خریدیں تو ایک کلو کے بدلے میں دو کلو اخروٹ نہیں لے سکتے اور یہ سود ہے، بعض
 شہروں میں مالٹے ایک ہی دو کلوں پر عددا" بھی بکتے ہیں اور تول کر بھی اور یہ بڑی حیرت انگیز بات ہوگی کہ ایک ہی دو کلو دار
 سے ایک چیز کو وزنا" زیادتی کے ساتھ لینا سود ہو اور عددا" لینا سود نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ اس کی کوئی توجیہ ہو لیکن میری ناقص
 فہم میں یہ بات نہیں آسکی۔ رہا یہ کہ بعض احادیث میں ایک حیوان کی دو حیوانوں کے ساتھ بیع کا جواز ہے تو اولاً" تو یہ ہے
 کہ رسول اللہ ﷺ شارع ہیں جس کا چاہیں استثناء فرمادیں، اس لیے یہ حدیث خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے اپنے مورد
 میں بند رہے گی۔ ثانیاً" ہو سکتا ہے کہ اس کی یہ وجہ ہو کہ جس طرح دو غیر جاندار چیزوں میں عین کے لحاظ سے مساوات
 ہوتی ہے اس طرح دو جاندار چیزوں میں عیناً" مساوات نہیں ہوتی اور صفات میں فرق ہوتا ہے مثلاً ایک غلام عالم ہو تو وہ
 دس جمل غلاموں سے قیمتی ہو گا، ایک گھوڑا اعلیٰ نسل کا ہو تو وہ اونٹنی نسل کے دس گھوڑوں سے قیمتی ہو گا۔ اس وجہ سے
 رسول اللہ ﷺ نے ایک حیوان کی دو حیوانوں کے ساتھ بیع جائز فرمائی ہو اور آپ کی تمام حکمتوں کو کون جان سکتا ہے!

لام شافعی کے نزدیک حرمت کی علت طعم اور ثمنیت ہے۔ لہذا تمام کھانے پینے کی چیزوں اور سونے اور چاندی میں
 ہم جنس چیزوں کی زیادتی کے ساتھ بیع ان کے نزدیک سود ہے لیکن جو چیزیں کھانے پینے کی اور ثمن نہ ہوں مثلاً تانبا، پیتل،
 چونا، کپڑا اور لکڑی وغیرہ ان میں لام شافعی کے نزدیک ہم جنس اشیاء کی زیادتی کے ساتھ بیع سود نہیں ہے اور یہ عجیب و
 غریب بات ہے کہ ایک کلو چاندی کی دو کلو چاندی کے بدلے میں بیع سود ہو اور ایک کلو تانبا یا پیتل کی دو کلو تانبا یا پیتل کے
 بدلے میں بیع سود نہ ہو اور تانبا، پیتل، چونا اور کپڑے وغیرہ میں لام شافعی کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک
 سود ہے اور کھانے پینے کی عددی اشیاء مثلاً انڈے اور اخروٹ میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام شافعی کے
 نزدیک سود ہے۔

لام مالک کے نزدیک حرمت کی علت ثمن ہونا اور خوراک کا قتل ذخیرہ ہونا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تانبا، پیتل،
 لکڑی اور دیگر عام استعمال کی اشیاء میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا ان کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک
 ان اشیاء میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا سود ہے۔

لور طعام کے علاوہ استعمال کی جو چیزیں عداۃً فروخت ہوتی ہیں جیسے چین، چل، تصیار، میز، کرسی اور عام فرنیچر ان میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا کسی لام کے نزدیک بھی سود نہیں ہے یعنی ایک انڈے یا ایک اخروٹ کی دو انڈوں یا دو اخروٹوں کے بدلہ میں بیع کرنا لام شافعی لور لام مالک کے نزدیک سود ہے لیکن ایک بین یا ایک بندوق کی دو بین یا دو بندوقوں کے بدلہ میں بیع کرنا کسی لام کے نزدیک سود نہیں ہے لور یہ انتہائی عجیب بات ہے۔

ربا الفضل کی حرمت کا سبب

ربا الفضل اس زیادتی کو کہتے ہیں جو ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے دست بدست لین دین میں ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ربا الفضل کو اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ اس سے ربا النسیئہ کا دروازہ کھلتا ہے لور انسان میں وہ ذہنیت پرورش پاتی ہے جس کا آخری ثمر سود خوری ہے، یہ حکمت رسول اللہ ﷺ نے خود بیان فرمائی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : ایک دینار کو دو دیناروں کے عوض لور ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے میں نہ فروخت کرو مجھے خوف ہے کہیں تم سود خوری میں نہ مبتلا ہو جاؤ۔

علامہ علی متقی نے یہ حدیث طبرانی کے حوالے سے بیان کی ہے (کنز العمال ج ۳ ص ۱۸۷، ۱۸۸، مطبوعہ بیروت)

ظاہر ہے کہ ایک جنس کی دو چیزوں کی آپس میں بیع کی ضرورت صرف اس وقت پیش آتی ہے جبکہ اتلو جنس کے باوجود ان کی نوعیتیں مختلف ہوں۔ مثلاً چاول اور گندم کی ایک قسم کی دو سری قسم کے ساتھ بیع ہو، یا سونے کی ایک قسم کی دو سری قسم کے ساتھ بیع ہو۔ ایک جنس کی مختلف اقسام کی چیزوں کا کمی و بیشی کے ساتھ تباہ کرنے سے اس ذہنیت کے پرورش پانے کا اندیشہ ہے جو بلاخر سود خوری لور ناجائز نفع اندوزی تک جا پہنچتی ہے، اس لیے شریعت نے یہ قلعہ مقرر کر دیا ہے کہ ایک جنس کی مختلف اقسام کے باہمی تباہ کی اگر ضرورت ہو تو یا تو برابر مبلولہ کر لیا جائے لور ان کی قیمتوں میں جو فرق ہو اس کو نظر انداز کر دیا جائے یا ایک چیز کا دو سری چیز سے براہ راست تباہ کرنے کے بجائے ایک شخص اپنی چیز کو روپوں کے عوض بازار کے بھاؤ پر فروخت کرے اور دوسرے شخص سے اس کی چیز بازار کے بھاؤ پر خریدے۔

گندم کی گندم کے بدلے میں بیع کو برابر برابر نقد ہو تو جائز کیا گیا ہے لور ادھار کو حرام کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مثلاً زید آج دس کلو گرام گندم فروخت کرتا ہے اور اس کے بدلے میں چھ ماہ بعد عمرو سے دس کلو گرام گندم لیتا ہے تو یہ عین ممکن ہے کہ جس وقت زید گندم فروخت کر رہا ہے اس وقت گندم کی قیمت پانچ روپے فی کلو ہو لور جب عمرو اس کو اس کے بدلے میں گندم دے گا اس وقت گندم کی قیمت آٹھ روپیہ کلو ہو تو زید کو پچاس روپیہ کے بدلہ میں چھ ماہ بعد کی مدت کے عوض اسی روپے حاصل ہو گئے اور یہی سود ہے۔

نفع اور سود میں فرق

اللہ تعالیٰ نے بیع کو جائز کہا ہے اور سود کو ناجائز کہا ہے لور ان میں فرق بالکل واضح ہے، ہم دو کاندار سے پانچ روپیہ کی چیز چھ روپے میں بخوشی خرید لیتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہرچند کہ یہ چیز پانچ روپے کی ہے لیکن اس چیز پر دو کاندار کی محنت، ذہانت اور وقت کا خرچ ہوا ہے لور اس ایک زائد روپے کو ہم اس کی ذہنی اور جسمانی محنت کا عوض قرار دیتے ہیں لیکن جب ایک شخص پانچ روپے پر ایک روپیہ سود لیتا ہے تو اس ایک روپیہ میں وقت کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہوتی جس کو اس ایک روپیہ کا بدلہ قرار دیا جاسکے اس لیے تجارت میں نفع لینا جائز ہے اور روپیہ پر سود لینا ناجائز ہے۔

محبت کے بعض جدید مفکرین یہ کہتے ہیں قرآن مجید میں رہا اس خاص سود کو کہا گیا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔ کوئی غریب شخص شادی یا کفن و دفن کی کسی نجی ضرورت میں کسی مہاجن سے قرض لیتا تھا اور کسی مصیبت زدہ شخص کی مدد کرنے کے بجائے اس سے قرض پر سود لینا بے شک ظلم اور سنگ دلی ہے اسی وجہ سے قرآن مجید میں اس سود کو حرام کیا گیا ہے لیکن آج کل کا مروجہ سود اس سے بالکل مختلف ہے آج کل بینکوں سے غریب اور مصیبت زدہ شخص قرض نہیں لیتے بلکہ متمول اور سرمایہ دار تاجر اور صنعتکار قرض لیتے ہیں اور ان سے قرض کی رقم پر بینک جو سود وصول کرتا ہے وہ ان پر کوئی ظلم نہیں ہے کیونکہ اگر وہ بینک کو چودہ فیصد سود لو کرتے ہیں تو خود قرض کی رقم سے وہ ساٹھ ستر فیصد تک کماتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بینک سے قرض لے کر ایک کارخانہ لگاتے ہیں اور اس کارخانے سے پھر دو سرا اور تیسرا کارخانہ لگ جاتا ہے اس طرح تاجروں کی تجارت میں اضافہ ہو جاتا ہے اس لیے اگر بینک کو وہ چودہ فیصد سود دیتے ہیں تو ان پر یہ کوئی بوجھ نہیں ہے اور بینک میں روپیہ عام لوگوں کا جمع کیا ہوا ہوتا ہے اس لیے اگر بینک عام لوگوں کو سات آٹھ فیصد سود ادا کرے تو بینک پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا سرمایہ دار اور بینک دونوں خوشی سے سود لو کرتے ہیں کسی پر ظلم نہیں ہے اور چونکہ بینکوں میں عموماً غریب اور متوسط لوگ اپنی فاضل بچت کی رقمیں جمع کراتے ہیں تو سود کے ذریعہ ان کو سات فیصد سالانہ کا فائدہ پہنچاتا رہتا ہے۔ غرضیکہ زمانہ جاہلیت کا رہا غریبوں سے سود لیتا تھا اور اس زمانہ کی ترقیاتی سکیم بینکوں کے ذریعہ غریبوں کو سود دیتی ہے۔ وہ رہا غریب پر ظلم تھا اور یہ غریبوں کی خوشحالی اور مل کی ترقی کا سبب ہے اس لیے شخصی اور نجی ضروریات کے قرضوں پر سود ناجائز ہونا چاہیے اور تجارتی قرضوں پر بینک کا سود جائز ہونا چاہیے۔

بینک کے سود کے جائز ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ افراط زر کی وجہ سے روپے کی قدر (VALUE) دن بدن گرتی جا رہی ہے اور اجناس کی قیمت بڑھتی جا رہی ہے۔ اب سے انتیس سال پہلے (۱۹۴۱ء میں) سونا ایک سو روپیہ تولہ تھا اصلی دسی کھی پانچ روپیہ کلو، ڈالڈا دو روپیہ کلو، دسی انڈا دو آنے کا، توری روٹی ایک آنے کی، دودھ آٹھ آنے کلو اور ڈاک کالغافہ چھ پیسے (ڈیڑھ آنے کا) ملتا تھا اور اب (۱۹۹۵ء میں) سونا تقریباً پانچ ہزار روپیہ تولہ، دسی کھی ایک سو تیس روپیہ کلو، ڈالڈا کھی چالیس روپیہ کلو، دسی انڈا تین روپیہ کا، توری روٹی ڈیڑھ روپیہ کی، دودھ اٹھارہ روپیہ کلو اور ڈاک کالغافہ ڈیڑھ روپے کا ہو گیا۔ اس تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انتیس سال میں روپیہ کی قدر بارہ سے لے کر پچاس گنا (پچیس سو فیصد سے لے کر پانچ ہزار فیصد تک) گر گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے انتیس سال پہلے بینک میں سو روپیہ رکھوایا تھا اب اس کی قیمت دو چار روپیہ رہ گئی ہے اور اگر سونے کے بھاؤ سے تناسب کیا جائے تو اب ایک سو روپیہ تقریباً دو روپے کا رہ گیا ہے اگر اس سو روپیہ پر سال بہ سال بینک کا سود لگتا رہتا تو اس کی ساکھ کسی حد تک بھل رہتی اور جو لوگ بینک میں اپنی فاضل پچوں کو جمع کراتے ہیں ان کا نقصان نہ ہوتا اس لیے بینک کا سود جائز ہونا چاہیے۔

مجوزین سود کے دلائل کے جوہر

اس سلسلہ میں پہلے یہ بت جان لینی چاہئے کہ قرآن مجید نے مطلقاً سود کو حرام کیا ہے، خولہ نجی ضروریات کے قرضوں پر سود ہو یا تجارتی قرضوں پر سود ہو، خولہ اس سود سے غریبوں کو نقصان ہو یا فائدہ، اللہ تعالیٰ نے لہرت اور غربت کا فرق کے بغیر سود کو علی الاطلاق حرام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (البقرة: ۲۷۵)

اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم مومن ہو تو (نہ)

مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا

جہالت کا) باقی ماندہ سود چھوڑ دو۔ اور اگر تم ایمان نہ کرو تو اللہ اور

بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (البقرة: ۲۷۸-۲۷۹)

اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ من لو!

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سود کو مطلقاً حرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود مفہوم کو بھی حرام کیا ہے اور لا ناکلوا

الربوا اضعافاً مضاعفة (آل عمران: ۳۰) ”دگنا چو گنا سود نہ کھلو“ فرما کر سود مرکب کو بھی حرام کیا ہے اور ہر جگہ

مطلقاً ”سود کو حرام کیا ہے اور نجی اور کاروباری قرضوں کا فرق نہیں کیا۔ علاوہ ازیں تاریخ اور حدیث سے ثابت ہے کہ زمانہ

جہالت میں کاروباری قرضوں پر سود لینے کا بھی عام رواج تھا۔

ابن جریر ”وذروا ما بقی من الربو“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

یہ وہ سود تھا جس کے ساتھ زمانہ جہالت میں لوگ خرید و فروخت کرتے تھے۔

علامہ سیوطی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی اسانید کے ساتھ سدی سے یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت حضرت

عباس بن عبد المطلب اور بنو مغیرہ کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے، یہ دونوں زمانہ جہالت میں شریک تھے اور انہوں

نے ثقیف کے بنو عمرو بن عمیر میں لوگوں کو سودی قرض پر مل دے رکھے تھے۔ جب اسلام آیا تو ان دونوں کا بڑا سرمایہ سود

میں لگا ہوا تھا۔ (در مشورج ص ۳۲۱، مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۳۳ھ)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جہالت میں بڑے بڑے تاجر خوردہ فروشوں کے ہاتھ لوہار پر مل فروخت

کرتے تھے اور اس پر سود لگاتے تھے اور اس سے واضح ہو گیا کہ زمانہ جہالت میں کاروباری اور تجارتی قرضوں پر سود لگانے کا

عام رواج تھا اور اس کو الربو کہا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے عموم کے صیغہ سے سود کی ممانعت کی ہے خواہ وہ سود نجی قرضوں پر

ہو یا تجارتی قرضوں پر۔

رہا دوسرا اعتراض کہ بینک کے سود کے ناجائز قرار دینے کی بناء پر افراط زر کی وجہ سے روپیہ کی قدر گر جاتی ہے اگر

بینک سے سود نہ لیا جائے تو بیس بائیس سال میں بینک میں رکھوایا ہو ایک سو روپیہ سوا تین روپے کا رہ جائے گا۔ اور یہ

نقصان بینک سے سود نہ لینے کی وجہ سے ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے ناطے سے ہمارا ایمان یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کے منع کردہ کام سے بچنے کی وجہ سے اگر ہمیں کوئی مادی نقصان ہوتا ہے تو ہمیں اس کو

خوشی سے گوارا کرنا چاہیے۔ مسلمان کے نزدیک نفع اور نقصان کا معیار دنیاوی اور مادی اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اخروی اور

معنوی اعتبار سے ہے۔ دنیاوی اور مادی اعتبار سے زکوٰۃ، قربانی اور حج کے لیے زکیر خرچ کرنا بھی مل کا ضیاع اور نقصان ہے

تو کیا اس مادی نقطہ نظر سے ان تمام مالی عبادات کو خیر باد کہہ دیا جائے گا؟ اور جب مسلمان مالی عبادات کو چھوڑنے پر تیار نہیں

ہیں تو سود کھا کر اللہ اور رسول سے اعلان جنگ کے لیے کیسے تیار ہو سکتے ہیں؟ ایک سچے مسلمان کے نزدیک سود چھوڑنے کی

اس سول کا دسرا جواب یہ ہے کہ یہ نقصان دراصل ہماری ایک اجتماعی تعمیر کی سزا ہے اور وہ یہ کہ ہم نے اسلامی طریقہ مضامین کو رواج نہیں دیا، گناہ یہ چاہیے کہ لوگ اپنے روپے کو بینک کی معرفت کاروبار میں لگائیں اور بینک ان کا مدیہ لٹاتے رکھنے کی بجائے ان سے ایک عام شراکت نامہ طے کرے اور ایسے تمام اموال کو مختلف قسم کے تجارتی، صنعتی، زراعتی یا دوسرے ان جائز کاروبار میں جو بینک کے دائرہ عمل میں آسکتے ہوں لگائے اور اس مجموعی کاروبار سے جو منافع حاصل ہو، اسے ایک طے شدہ نسبت کے ساتھ ان لوگوں میں اسی طرح تقسیم کر دے جس طرح خود بینک کے حصہ داروں میں منافع تقسیم ہوتا ہے۔

افراط زر کی صورت میں اصل زر کو بحال رکھنے کا حل

ڈالر، پونڈ اور ریال وغیرہ مستحکم کرنسی ہیں اور عرف اور تعامل سے یہ مقرر اور ثابت ہے کہ ان کی قدر برقرار رہتی ہے، پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور دیگر پس ماندہ ممالک کی طرح افراط زر کے نتیجہ میں وقت گزرنے کے ساتھ ان کی قدر میں کمی نہیں ہوتی، سو جو شخص چار، پانچ سل یا زائد عرصہ کے لیے بینک میں اپنا پیسہ رکھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی رقم کو ڈالر یا کسی اور مستحکم کرنسی میں منتقل کر کے ان بینکوں میں اپنی رقم رکھے جو غیر ملکی کرنسی میں بھی اکاؤنٹ کھولتے ہیں اسی طرح جو شخص کسی دوسرے شخص کو ملکی کرنسی میں مثلاً ایک ہزار روپے قرض دیتا ہے اور وہ شخص اس کو دس سل بعد ایک ہزار روپے واپس کرتا ہے تو دس سل بعد اس ایک ہزار روپے کی قدر ایک سو روپے رہ جائے گی، اس ضرر سے بچنے کا بھی یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنی رقم کو ڈالر میں منتقل کر کے قرض دے اور جتنے ڈالر دیئے تھے اتنے ہی واپس لے لے۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر اس نے ملکی کرنسی میں رقم قرض دی تھی اور مثلاً دس سل بعد اس کی قدر کم ہو گئی تو وہ اب بھی دس سل پہلے کی ملکی کرنسی جتنے ڈالر کے مساوی تھی، دس سل بعد اتنی ملکی کرنسی واپس لے سکتا ہے، مثلاً پہلے ایک ہزار روپے جتنے ڈالر کے مساوی تھے دس سل بعد اگر اتنے ڈالر کے دس ہزار روپے بنتے ہیں تو وہ دس ہزار روپے لے سکتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ بہر حال ایک ہزار روپے دے کر دس ہزار روپے لے رہا ہے اور معنوی طور پر خولہ ان کی قدر برابر ہو لیکن یہ صورت اصل رقم سے زائد لینا ہے اور ظاہری طور پر اس کے سود ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، نیز چونکہ یہ پہلے سے طے نہیں کیا گیا اس لیے یہ موجب نزاع بھی ہے، افراط زر سے بچنے کے لیے ملکی کرنسی کو سونے چاندی سے بدل کر قرض دینا بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ سونے چاندی میں لوہار جائز نہیں ہے۔

دارالحرب کے سود میں جمہور فقہاء کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں : دارالحرب میں سود اسی طرح حرام ہے جس طرح دارالاسلام میں سود حرام ہے (لام اہم) لام ملک، لام لوزامی، لام ابو یوسف، لام شافعی اور لام اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ لام ابو حنیفہ نے کہا کہ مسلمان اور حبشی کے درمیان دارالحرب میں رہا جا رہی نہیں ہو گا اور ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ دو شخص دارالحرب

میں مسلمان ہو گئے تو ان کے درمیان رہا نہیں ہو گا اور ان کے اموال مباح ہیں (امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو دار الحرب میں احکام شریعہ نافذ کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ دار الحرب میں مسلمانوں کا سود کھانا جائز ہے۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن قدامہ ضلی لکھتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : حرم الربوا (البقرہ : ۲۷۵) "اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر دیا" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا : الذین یا کلون الربا لا یقومون الا کما یقوم الذی ینخبطه الشیطان من المس (البقرہ : ۲۷۵) "جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے شیطان نے مخبوط الحواس کر دیا" نیز فرمایا : یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربا (البقرہ : ۲۷۸) "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود چھوڑ دو اور احادیث میں بالعموم تفاضل کی ممانعت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا اس نے سودی معاملہ کیا۔ باقی احادیث میں بھی اسی طرح تفاضل کی ممانعت ہے اور اس لیے کہ جو کام (مسلمانوں پر) دار الاسلام میں حرام ہیں وہ دار الحرب میں بھی حرام ہیں جس طرح مسلمانوں میں سود کا لین دین حرام ہے اور امام ابو حنیفہ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ مرسل ہے جس کی صحت کا ہمیں علم نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں لافنی کی بجائے نفی کے لیے ہو۔ یعنی مسلمان دار الحرب میں حربی سے سود نہ لیں اور جس چیز کو قرآن مجید نے علی النعم والاطلاق حرام کر دیا ہے اور سنت مشورہ سے بھی اس کی علی الاطلاق حرمت ثابت ہے اور اس کے حرام ہونے پر اجماع ہو چکا ہے اس کے عموم اور اطلاق کو ایسی خبر مجہول کے سبب سے ترک کر دینا جائز نہیں ہے جو کسی کتاب صحیح میں ہے نہ سند میں نہ کسی معتد اور مستند کتب میں ہے اور اس کے علاوہ یہ کہ وہ حدیث مرسل ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں لافنی کا نہ ہو بلکہ نفی کا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے : لا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (البقرہ : ۱۹۷) "ج میں جملہ فسوق اور لڑائی جھگڑا نہیں ہے۔" (المغنی ج ۳ ص ۴۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

دار الحرب کے سود میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں : مسلمان اور حربی کے مابین دار الحرب میں رہا نہیں ہے۔ اس میں امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کا اختلاف ہے وہ اس پر قیاس پر کرتے ہیں کہ حربی جب لمان لے کر دار الاسلام میں آئے تو اس سے سود لینا جائز نہیں ہے اور ہماری دلیل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے : "مسلمان اور حربی کے مابین دار الحرب میں رہا نہیں ہے۔" اور اس لیے بھی کہ دار الحرب میں ان کا مال مباح ہے خواہ مسلمان جس طریقہ سے ان کا مال حاصل کرے وہ مال مباح ہے بشرطیکہ دھوکا نہ دے اور عمدہ شکنی نہ کرے اور مستامن پر قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جب وہ لمان لے کر دار الاسلام میں داخل ہوا تو اس کے مال کا لینا ممنوع ہو گیا۔ (ہدایہ اخیرین ص ۸۶ مطبوعہ مکتبہ شریک علیہ ملتان)

دار الحرب میں جواز ربا والی حدیث کی فنی حیثیت

علامہ زیلیعی حنفی لکھتے ہیں : امام بیہقی نے امام شافعی کی کتاب السیر کے حوالے سے اس حدیث کو "معرفۃ" میں ذکر کیا ہے۔ امام شافعی نے کہا امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا بعض مشائخ نے مکحول سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اہل حرب کے مابین رہا نہیں ہے میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا اور اہل اسلام کے مابین امام

خاص ہے لہذا یہ ثابت ہے نہ اس میں کوئی جھٹ ہے۔ (نصب الرایہ ج ۲ ص ۴۴ مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند)

علامہ ابن ہمام نے بھی اس حدیث کی فنی حیثیت کے بارے میں یہی کچھ نقل کیا ہے۔

(فتح القدیر ج ۶ ص ۱۷۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکر)

دارالحرب میں ربا کے متعلق فقہاء احناف کے دلائل کا تجزیہ

ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ مکحول کی روایت لول تو ثابت نہیں ہے اور بر تقدیر ثبوت اس میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مشہورہ سے معارضہ کی صلاحیت نہیں ہے۔ علامہ ابن ہمام نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ قرآن مجید نے جو ربا کو مطلقاً حرام کیا ہے وہ مل محظور میں حرام کیا ہے اور حربی کامل مباح ہے اور اس توجیہ کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مکحول کی یہ مرسل روایت نہ بھی ہوتی تب بھی دارالحرب میں حربی سے سود لینا مباح ہوتا۔

(فتح القدیر ج ۶ ص ۱۷۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکر)

علامہ ابن ہمام کا یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ وہ ”مل محظور“ کی قید لگا کر اپنی رائے سے قرآن مجید کے عموم اور اطلاق کو مقید کر رہے ہیں اور جب قرآن مجید کے عموم قطعی کو حدیث رسول سے بھی مقید کرنا صحیح نہیں ہے تو علامہ ابن ہمام کی رائے میں اتنی قوت کہل کہ وہ قرآن مجید کے عموم اور اطلاق کے مزاحم ہو سکے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مشہورہ نے علی الاطلاق سود کو حرام کر دیا ہے خواہ مسلمان سے سود لیا جائے یا کافر سے اور کافر خواہ حربی ہو یا ذمی اور دارالاسلام میں سود لیا جائے یا دارالحرب میں، قرآن مجید نے ہر قسم کے سود کو حرام کر دیا ہے اور اس عموم کو نہ مکحول کی مرسل اور غیر ثابت روایت سے مقید کیا جاسکتا ہے نہ علامہ ابن ہمام کی رائے سے۔

مکحول کی روایت کا محمل

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مکحول کی یہ روایت صحیح ہے اور واقعی رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے : ”لا ربو بین المسلم والحربی“ ”مسلمان اور حربی میں سود نہیں ہے“ تو اس حدیث کی حسب ذیل توجیہات ہیں :
 اول : اس حدیث میں ”لا“ نفی کا نہیں ہے بلکہ نفی کا ہے اور اس کا معنی ہے مسلمان اور حربی کے مابین سود کی ممانعت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے : لا رقت ولا فسوق ولا جدال فی الحج (البقرہ : ۱۹۷) ”جج میں جماع“ فسوق اور لڑائی جھگڑا نہیں ہے۔“ یعنی ان افعال کی ممانعت ہے۔

دو : اس حدیث میں حربی سے مراد محض فیریزی کافر نہیں ہے بلکہ ہر سرجنگ قوم کا ایک فرد مراد ہے اور جس قوم کے ساتھ حالت جنگ قائم ہو اس کو ہر طرح سے جانی اور مالی اعتبار سے زک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے اس لیے اس قوم کے کسی حربی کافر سے اگر کسی مسلمان نے سودی معاملہ کے ذریعہ اس کامل لے لیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

ثالث : لاریو کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ حربی کافر سے جو سود لیا جائے گا وہ سود نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ دارالحرب میں رہنے والا مسلمان اگرچہ حربی کافر سے سود لیتا ہے تو اگرچہ یہ فعل مکند ہے لیکن قانون حرمت اور ممانعت سے مستثنیٰ ہے یعنی مسلمان حکومت اس شخص سے باز پرس نہیں کر سکتی کہ تم نے یہ عقد قاسد کیوں کیا ہے اور سود کیوں لیا ہے اور اس مسلمان کو اس کے اس غلط کام پر سزا نہیں دے سکتی کیونکہ دارالحرب میں رہنے والا مسلمان، مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے اور اس پر اسلامی ریاست کے احکام جاری نہیں ہو سکتے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَمْسَسْهُمْ جُرُومٌ مَّا لَكُمْ مِنْ
وَلَا يَنْهَمُ مِنْ شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجِرُوا (الانفال : ۷۲) (میں) نہیں آئے ان پر تہمدی کوئی "ولایت" نہیں ہے۔ حتی کہ وہ ہجرت کر لیں۔

اس آیت میں یہ اصول بتایا گیا ہے کہ ولایت کا تعلق صرف ان مسلمانوں سے ہو گا جو دارالاسلام کے باشندے ہوں یہ آیت دارالاسلام سے باہر کے مسلمانوں کو (دینی اخوت کے بلجود) دارالاسلام کے مسلمانوں کے ساتھ سیاسی اور تمدنی رشتے سے خارج کر دیتی ہے اس عدم ولایت کے نتیجہ میں دارالاسلام اور دارالحرب کے مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے اور ایک دوسرے کے قانونی ولی نہیں ہو سکتے۔

ہم نے جو یہ بیان کیا ہے کہ دارالحرب میں بھی سود لینا گناہ ہے اور لا ربوبین المسلم والحربی کا مفہول یہ ہے کہ اس پر سود لینے کی دنیاوی سزا جاری نہیں ہوگی کیونکہ وہ مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے اس کی تائید علامہ سرخسی کی ذکر کردہ ان احادیث سے ہوتی ہے :

نبی ﷺ نے نجران کے نصاریٰ کی طرف لکھا جس شخص نے سود لیا ہمارے اور اس کے درمیان کوئی عہد نہیں ہے اور مجوس ہجر کی طرف لکھایا تو تم سود چھوڑ دو یا اللہ اور اس کے رسول سے اعلان جنگ قبول کر لو۔!

(المبسوط ج ۳ ص ۵۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

نصاری نجران اور مجوس ہجر حبلی تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھی اپنے علاقوں میں سود لینے کی اجازت نہیں دی اور جب آپ نے حبلی کافروں کو سود لینے کی اجازت نہیں دی ہے تو آپ دارالحرب کے مسلمانوں کو سود خوری کی اجازت کب دے سکتے ہیں!

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے مکحول کی روایت کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حالت اضطرار میں مسلمان حبلی کافر سے سود لے سکتا ہے۔ (۱) یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سود دینے میں تو اضطرار ہو سکتا ہے مثلاً کسی شخص کو اپنی ناگزیر ضرورت میں بغیر سود کے قرض نہ ملے لیکن سود لینے میں اضطرار کا کوئی تعلق نہیں ہے سود لینے کی وجہ صرف مل کی حرص اور جلب زر کی خواہش ہوتی ہے۔

دارالحرب کے سود کے بارے میں امام ابو حنیفہ کے قول کی وضاحت امام اعظم نے جو یہ کہا ہے کہ دارالحرب میں مسلمان اور حبلی کے درمیان ربا نہیں ہے ان کی بھی اس قول سے یہی مراد ہے کہ چونکہ دارالحرب مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے اس لیے مسلمان حکام وہاں کسی مسلمان کے سود لینے پر اس سے مواخذہ نہیں کریں گے اور وہ اس کا مالک ہو جائے گا لیکن اس کا یہ فعل گناہ ہے اور وہ اس پر اخروی عذاب کا مستحق ہے اس کی وضاحت علامہ سرخسی کی اس عبارت سے ہوتی ہے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ دارالاسلام کی حفاظت میں آنے سے پہلے اسلام سے جو عصمت ثابت ہوتی ہے وہ صرف امام کے حق میں ہے احکام کے حق میں نہیں ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر ان دو مسلمانوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا مل یا اس کی جان تلف کر دے تو اس پر ضمان نہ ہو گا حالانکہ وہ اس فعل کی وجہ سے گنہگار ہو گا دراصل احکام میں عصمت

(۱) ماہنامہ ضیاء حرم، ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

صرف دارالاسلام میں رہنے سے ہوتی ہے نہ کہ دین کی وجہ سے، کیونکہ دین تو حق شرع کے لحاظ سے ان لوگوں کو روکتا ہے جو اس دین کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جو اس کا اعتقاد نہیں رکھتے ان کو نہیں روکتا اس کے برخلاف جب انسان دارالاسلام میں ہو تو اس کے دل کی حالت اس شخص سے بھی کی جائے گی جو اس کی حرمت کا اعتقاد رکھتا ہے یا اس دین کا اعتقاد نہیں رکھتا پس گنہ ہونے کی حیثیت سے جو عصمت ثابت ہے اس اعتبار سے ہم نے کہا ان کا یہ فعل مکروہ ہے اور قانون کے لحاظ سے عدم عصمت کی بناء پر (چونکہ مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے) ہم نے یہ کہا کہ اس کا لیا ہوا مل واپس کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک جب دوسرے کا مل لیتا ہے تو محض لینے کی وجہ سے ہی اس مل کا مالک ہو جاتا ہے۔

امام اعظم کا یہ اصول ہے کہ اگر مسلمان دارالحرب میں کوئی عقد فاسد کرے تو وہ اس سے مالک تو ہو جائے گا لیکن اس کا یہ فعل گنہ ہے۔ علامہ سرخی لکھتے ہیں :

اگر دو حبلی مسلمان ہو جائیں اور دارالحرب سے ہجرت نہ کریں اور آپس میں سود کا معاملہ کریں تو میں اس کو مکروہ (تحری) قرار دیتا ہوں لیکن یہ سود واپس نہیں کروں گا اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

(المبسوط ج ۳ ص ۵۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

ان عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر دارالحرب میں رہنے والے مسلمان آپس میں سود لیں یا مسلمان حبلی کافر سے سود لے تو وہ اس سود کا مالک تو ہو جائے گا لیکن سود لینے والا مسلمان بہر حال گنہ گار ہو گا۔

کیا سود اور دیگر عقود فاسدہ کے ذریعہ حبلی کافروں کا پیسہ بٹورنا جائز ہے؟

جب مسلمان کسی کافر قوم سے برسر جنگ ہوں اس وقت کافروں کا ملک دارالحرب ہوتا ہے اور اس وقت دارالحرب کے کافروں کی جان اور اموال مباح ہیں لیکن جن ممالک سے مسلمان برسر جنگ نہیں ہیں ان سے سفارتی تعلقات قائم کیے ہوئے ہیں اور ان کے ہاں پاسپورٹ اور ویزے سے آنا جانا جاری اور معمول ہے اور ان ممالک میں مسلمانوں کو جان و مال اور عزت و آمد کا تحفظ حاصل ہے بلکہ وہاں انہیں اسلامی احکام پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امریکہ، برطانیہ، کینیڈا اور جرمنی وغیرہ ایسے ممالک دارالحرب نہیں ہیں بلکہ دارا کفر ہیں اور ایسے ممالک کے کافروں کے اموال ان پر مباح نہیں ہیں۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ کافروں کا مل مسلمانوں پر مباح ہے خواہ جس طرح حاصل ہو بشرطیکہ اس سے مسلمانوں کا

وقد مجموعہ نہ ہو، ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے :

اے ایمان والو! آپس میں اپنے اموال باحق نہ کھاؤ لایہ کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ

تمہاری آپس کی رضامندی سے تجارت ہو۔

بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ

مِنْكُمْ (النساء : ۲۹)

اس آیت سے یہ لوگ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کو آپس میں ناجائز طریقے سے مل کھانے سے منع کیا ہے اور اگر مسلمان کافروں کا مل ناجائز طریقے سے کھالیں تو اس سے منع نہیں کیا گیا سو مسلمانوں کے لیے کھانے کے اموال عقد فاسد سے یا ناجائز طریقے سے کھانا جائز ہے۔

یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید کا عام اسلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکارم اخلاق سے مسلمانوں کو خطاب کرتا ہے لیکن اس سے قرآن مجید کا منشاء یہ نہیں ہے کہ نیکی صرف مسلمانوں کے ساتھ کی جائے اور کفار کے ساتھ سلوک میں مسلمان نیکیوں کو چھوڑ کر بدترین برائیوں پر اتر آئیں حتیٰ کہ کفار کے نزدیک مسلمان ایک خائن اور بد کردار قوم کے نام سے معروف ہوں!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَبَارِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ
تَحَصُّنًا لِّتَبْتَعُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
اپنی باتوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ پاکدامن
رہنا چاہتی ہوں تاکہ تم (اس بدکاری کے کاروبار کے ذریعہ) دنیا کا
(النور : ۳۳) عارضی فائدہ طلب کرو۔

کیا اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی دارا کفر میں کافر عورتوں کا کوئی فتنہ کھول کر
کاروبار کرنا شروع کر دیں؟

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ
وَتَخُوْنُوْا اٰمَنِيْكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (النفال : ۲۷)
اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ
اپنی امانتوں میں خیانت کرو درآں حالیکہ تم جانتے ہو۔

کیا اس آیت سے مسلمانوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کافروں کی امانتوں میں خیانت کر لیا کریں؟
وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ
اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا دینے کے لیے بہانہ نہ

(النحل : ۹۳) بناؤ۔

کیا اس آیت کا یہ معنی ہے کہ کافروں سے دروغ حلفی میں کوئی مضائقہ نہیں؟

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشْبَعَ الْفَاحِشَةُ فِي
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط
بے شک جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانا پسند
کرتے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔
(النور : ۱۹)

کیا اس آیت سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ کافروں میں بے حیائی اور بدکاری کو پھیلانا جائز اور صواب ہے اور
اخروی ثواب کا موجب ہے؟

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا منشاء یہ ہے کہ اخلاق اور کردار کے اعتبار سے دنیا میں مسلمان ایک آئیڈیل قوم کے
لحاظ سے پہچانے جائیں، غیر اقوام مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق اور کردار کو دیکھ کر متاثر ہوں، مسلمانوں کی امانت اور دیانت کی
ایک عالم میں دھوم ہو، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کفار قریش ہزار اختلاف کے باوجود نبی ﷺ کی راستبازی، پارسائی، امانت اور
دیانت کے معترف اور مداح تھے۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں تنہا اور جملہ سے زیادہ نبی ﷺ کی باکمل سیرت کا حصہ ہے۔
مسلمانوں کی کفار سے لڑائی تیز و تفنگ کی نہیں اصول اور اخلاق کی لڑائی ہے، اس کا نصب العین زر اور زمین کا حصول نہیں
بلکہ دنیا میں اپنے اصول اور اقدار کو پھیلانا ہے۔ اب اگر اس نے اپنے مکارم اخلاق ہی کو کھودیا اور خود ہی ان اصولوں اور
تعلیمات کو قربان کر دیا جس کو پھیلانے کے لیے وہ کھڑا ہوا ہے تو پھر اس میں اور دوسری اقوام میں کیا فرق رہے گا اور کس چیز
کی وجہ سے اس کو دوسروں پر فتح حاصل ہوگی اور کس قوت سے وہ دلوں اور روحوں کو مسخر کر سکے گا؟

لوگ دلا کفر میں حبلی کافروں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں اور حبلی کافروں کے اموال کو عقد فاسد کے ساتھ لینے کو جائز قرار دیتے ہیں وہ اس پر کہیں غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس عمل کی مذمت کی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کا حق کھانے کے لیے یہ مسئلہ گھڑ لیا تھا کہ عرب کے اہل جو ہمارے مذہب پر نہیں ہیں ان کا مل جس طرح ملے روا ہے، فی مذہب والوں کی لانت میں خیانت کی جائے تو کچھ گناہ نہیں خصوصاً "وہ عرب جو اپنا آبائی وطن چھوڑ کر مسلمان بن گئے ہیں" خدا نے ان کا مل ہمارے لیے حلال کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاَمَنُہٗ بِدِيَارِ لَا يُؤْتِيہٗ الْبَيْکَ اِلَّا مَا نَمَتْ عَلَیْہِ قَائِمًا ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَبِْسٌ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیَّتِیْنِ سَبِیْلٌ وَنَقُوْلُوْنَ عَلٰی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (آل عمران : ۷۵)

اور ان یہودیوں (میں سے) بعض ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک اشرافی لانت رکھو تو جب تک تم ان کے سر پر کھڑے نہ رہو وہ تم کو واپس نہیں دیں گے یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے کہہ دیا کہ امیوں (مسلمانوں) کا مل لینے سے ہماری پکڑ نہیں ہوگی، اور یہ لوگ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

غور کیجئے جو لوگ دارا کفر میں حبلی کافروں سے سود لینے اور عقد فاسد پر ان سے معاملے کو جائز کہتے ہیں ان کے عمل میں اور یہودیوں کے اس مذموم عمل میں کیا فرق رہ گیا؟
حضرت ابو بکر کے قمار کی وضاحت

جو لوگ حبلی کافروں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکر نے مکہ میں ابی بن خلف سے تل دوم کی فتح پر شرط لگائی تھی اس وقت مکہ دار الحرب تھا، حضرت ابو بکر نے ابی بن خلف سے شرط جیت کر وہ رقم وصول کر لی اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں رقم لینے سے منع نہیں کیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ حبلی کافروں سے قمار اور دیگر عقود فاسد کے ذریعہ رقم بنور ناجائز ہے۔

یہ استدلال بالکل بے جاں ہے کیونکہ حضرت ابو بکر کے شرط لگانے کا ذکر جن روایات میں ہے وہ باہم متعارض ہیں۔
قاضی بیضوی، بغوی، علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین نے بغیر کسی سند کے یہ واقعہ ذکر کیا ہے جس میں حضرت ابو بکر کے شرط جیتنے کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکر نے ابی بن خلف سے یہ شرط لگائی کہ اگر تین سل کے اندر رومی ایرانیوں سے ہار گئے تو وہ دس لونٹ دیں گے اور اگر تین سل کے اندر رومی ایرانیوں سے جیت گئے تو ابی کو دس لونٹ دینے ہوں گے پھر جب حضور ﷺ سے اس شرط کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ تم نے کیا کیا ہے، نفع کا لفظ تو تین سے لے کر نو تک بولا جاتا ہے تم شرط اور مدت دونوں کو پڑھاؤ، پھر حضرت ابو بکر نے نو سل میں سو لونٹوں کی شرط لگائی جب ساتواں سل شروع ہوا اور ابن ابی حاتم اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ جنگ بدر کے دن رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے، حضرت ابو بکر نے ابی کے ورثاء سے لونٹ لے لیے اور نبی ﷺ کے پاس وہ لونٹ لے کر آئے آپ نے فرمایا یہ عت (مل حرام) ہے، اس کو صدقہ کر دو حالانکہ اس وقت تک حرمت قمار کا حکم منزل نہیں ہوا تھا۔
(مدح المصلی ج ۲ ص ۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ آلوسی نے تفسیر کے حوالے سے بھی حضرت ابو بکر کے جیت جانے کا واقعہ لکھا ہے لیکن یہ علامہ آلوسی کا مسلح ہے۔ جامع تفسیر میں حضرت ابو بکر کے شرط ہارنے کا ذکر ہے حافظ ابن کثیر نے بھی تفسیر کے حوالے سے ہارنے کا

ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ تابعین کی ایک جماعت نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور مفسرین کی ذکر کنندہ مذکور الحدیث روایت کا عطاء خراسانی کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اس کو اقرب قرار دیا ہے۔

(تفسیر القرآن العظیم ج ۵ ص ۳۳۲-۳۳۳ مطبوعہ دارالاندلس بیروت)

جامع ترمذی کی روایت کا متن یہ ہے :

نیار بن اسلمی بیان کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی "الم غلبت الروم فی ادنی الارض وهم من بعد غلبهم سیغلبون فی بضع سنین" "الم اهل روم قریب کی زمین میں (فارس سے) مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد چند سالوں میں غالب ہو جائیں گے۔" جن دونوں یہ آیت نازل ہوئی ان دونوں میں ایرانیوں کو رومیوں پر برتری تھی اور مسلمانوں کی خواہش تھی کہ رومی ایرانیوں پر فتح پا جائیں کیونکہ وہ اور رومی اہل کتب تھے اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کلیہ قول ہے : ویومئذ یفرح المؤمنون بنصر اللہ ینصر من یشاء وهو العزیز الرحیم "جس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ عزیز رحیم ہے۔" اور قریش یہ چاہتے تھے کہ ایرانی غالب ہو جائیں کیونکہ وہ دونوں نہ اہل کتب تھے نہ بعثت پر ایمان رکھتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر نے مکہ کے اطراف میں یہ اعلان کر دیا الم اهل روم قریب کی زمین میں (فارس سے) مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے چند سالوں میں غالب آجائیں گے۔" قریش کے کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر سے یہ کہا تمہارے پیغمبر یہ کہتے ہیں کہ چند سالوں میں رومی ایرانیوں پر غالب ہو جائیں گے کیا ہم اس پر شرط نہ لگائیں حضرت ابوبکر نے کہا کیوں نہیں اور یہ قمار کی حرمت نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ تھا پھر حضرت ابوبکر اور مشرکین نے شرط لگائی مشرکین نے کہا "بضع سنین" تین سالوں سے لے کر نو سال تک ہے تم ہمارے درمیان اس کی درمیانی مدت طے کر لو پھر انہوں نے یہ مدت چھ سال طے کی پھر چھ سال گزر گئے اور رومی غالب نہ ہوئے پھر مسلمانوں نے حضرت ابوبکر پر تنقید کی کہ انہوں نے "بضع سنین" کو چھ سال کیوں قرار دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو "بضع سنین" فرمایا تھا (اور وہ نو سال تک کو کہتے ہیں) امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۶۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابوبکر کے قمار سے جو یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ حربی کافروں کا مال ناجائز طریقے سے بھی لینا جائز ہے اس روایت کی تحقیق کے بعد اس کے حسب ذیل جواب ہیں :

(۱) حضرت ابوبکر کے قمار کا واقعہ جن روایات سے ثابت ہے وہ مضطرب ہیں بعض روایات میں حضرت ابوبکر کے جیتنے کا ذکر ہے اور بعض میں ہارنے کا ذکر ہے اور مضطرب روایات سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

(۲) قمار کا یہ واقعہ بالاتفاق حرمت قمار سے پہلے کا ہے کیونکہ یہ شرط فتح مکہ سے پہلے لگائی گئی تھی اور قمار کی حرمت سورہ مائدہ میں نازل ہوئی ہے جو مدینہ میں سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔

(۳) نبی ﷺ نے اس مال کو نہ خود قبول فرمایا نہ حضرت ابوبکر کو لینے دیا بلکہ فرمایا یہ مال حرام ہے اس کو صدقہ کر دو۔

(اس میں یہ دلیل ہے کہ جب انسان کسی مال حرام سے بری ہونا چاہے تو براءت کی نیت سے اس کو صدقہ کر دے)

دارالحرب دارالکفر اور دارالاسلام کی تعریفات

فحس لائند سر فسی دار الحرب کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

خلاصہ یہ ہے کہ لام ابو حنیفہ کے نزدیک دار الحرب کی تین شرطیں ہیں، ایک یہ کہ اس پورے علاقے میں کافروں کی حکومت ہو اور درمیان میں مسلمانوں کا کوئی ملک نہ ہو، دوسری یہ کہ اسلام کی وجہ سے کسی مسلمان کی جان، مل اور عزت محفوظ نہ ہو، اسی طرح ذی بھی محفوظ نہ ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ اس میں شرک کے احکام ظاہر ہوں۔

یہ تعریف اس ملک پر صلوٰۃ آئے گی جس ملک سے مسلمان عملاً برسرِ جنگ ہوں اس ملک کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم نہ ہوں اور وہیں کسی مسلمان کی اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے جان، مل اور عزت محفوظ نہ ہو جیسا کہ کسی زمانہ میں اسپین میں تھا وہیں ایک ایک مسلمان کو چن چن کر قتل کر دیا گیا وہیں مذہب اسلام پر قائم رہنا قانوناً جرم تھا۔ ایسے ملک سے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض ہے۔ فقہاء احناف نے حربی کافروں کی جان اور مل کے مباح ہونے کی جو تصریح کی ہے اس سے اسی دار الحرب کے باشندے مراد ہیں۔

کافروں کے وہ ملک جن سے مسلمانوں کے سفارتی تعلقات ہیں، تجارت اور دیگر انواع کے معاہدات ہیں پاسپورٹ اور ویزے کے ساتھ ایک دوسرے کے ملک میں آتے جاتے ہیں، مسلمانوں کی جان، مل اور عزت محفوظ ہیں بلکہ مسلمانوں کو وہیں اپنے مذہبی شعائر پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امریکہ، برطانیہ، ہالینڈ، جرمنی اور افریقی ممالک یہ ملک دار الحرب نہیں ہیں بلکہ دارا کفر ہیں۔ فقہاء احناف نے اسلامی احکام پر عمل کرنے کی آزادی کے پیش نظر ایسے ملکوں کو دارالاسلام کہا ہے لیکن یہ حکماً دارالاسلام ہیں حقیقتہً "دارا کفر ہیں۔ بعض اوقات فقہاء دارا کفر پر مجازاً "دار الحرب کا اطلاق بھی کر دیتے ہیں لیکن یہ ملک حقیقتہً "دارالاسلام ہیں نہ دار الحرب بلکہ یہ دارا کفر ہیں کافروں کی حکومت کی وجہ سے کبھی ان پر دار الحرب کا اطلاق کر دیا جاتا ہے اور اسلامی احکام پر عمل کی آزادی کی وجہ سے کبھی ان پر دارالاسلام کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

قیامت میں سود خور کے محبوب الحواس ہو کر اٹھنے سے جن چڑھنے پر استدلال اور اس کا جواب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن صرف اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر محبوب الحواس کر دیا ہو۔ (البقرہ : ۲۷۵)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اپنے آپ کو ان گناہوں سے بچاؤ جن کی مغفرت نہیں ہوگی! مل غنیمت میں خیانت کرنے سے، سو جس نے خیانت کی وہ قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز کو لے کر آئے گا، اور سود کھانے سے، سو جس نے سود کھایا وہ قیامت کے دن محبوب الحواس پاگل کی طرح اٹھے گا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن صرف اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر محبوب الحواس کر دیا ہو۔ (معجم کبیر ج ۸ ص ۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سود خوروں کی یہ علامت بتا دے گا، اور قیامت کے مجمع عظیم میں جو شخص پاگلوں کی طرح محبوب الحواس کھڑا ہو گا اسے دیکھ کر قیامت کے دن سب پہچان لیں گے کہ یہ شخص دنیا میں سود خور تھا۔ مس کے اصل معنی چھوٹا ہیں، بعض اوقات اس کا استعمال کسی برائی اور مصیبت پہنچنے کے لیے بھی ہوتا ہے قرآن

مجھ میں ہے حضرت ابوب علیہ السلام نے فرمایا :

اِنِّیْ مَسْنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ؕ

شیطان نے مجھے بڑی نصبت اور سخت عذاب پہنچا ہے۔

(ص : ۴)

نیک بندوں پر تو شیطان کا اس سے زیادہ اثر نہیں ہوتا کہ وہ ان کو کسی نصبت اور آزمائش میں مبتلا کر دے، لیکن عام لوگ جن کی رگوں میں شیطان سیال خون کی طرح دوڑتا ہے، ان میں سے جو فاسق و فاجر ہوتے ہیں، کبھی ان کی عقل اور دماغ پر بھی شیطان کا تسلط ہو جاتا ہے، اور وہ پاگلوں کی طرح کپڑے پھاڑتے ہیں، اور منہ سے جھاگ اڑاتے ہوئے، پریشان حال، پر آگندہ بل جدمر سیکنگ سمائے خاک اڑاتے پھرتے ہیں۔ ان کو یہ سزا اس لیے دی جائے گی کہ دنیا میں سود خور اپنا مال برصالحانہ کی حرص میں اس طرح دیوانہ ہو چکا تھا کہ اس کو نہ خوف خدا تھا نہ کسی ضرورت مند اور مصیبت زدہ پر اس کو ترس آتا تھا اور سود خوری کی محبت میں وہ بالکل مجنون ہو چکا تھا، اس لیے قیامت کے دن اس کو پاگلوں کی طرح محبوظ الحواس اٹھایا جائے گا۔ اہل عرب پاگل شخص کو مجنون کہتے تھے یعنی یہ آسیب زدہ شخص ہے یا اس پر جن بھوت کا سلیہ ہے یا جن کے چھوٹنے کی وجہ سے یہ پاگلوں کی سی حرکتیں کر رہا ہے اور محبوظ الحواس ہو گیا ہے، عرب کے اسی اسلوب اور محاورہ کے مطابق قرآن مجید نے یہ بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن سود خور پاگلوں کی طرح محبوظ الحواس اٹھے گا، اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی آدمی پر جن چڑھ جاتا ہے پھر اس کے جسم پر جن کا تصرف ہوتا ہے، جن اس کی زبان سے باتیں کرتا ہے اور مافوق الفطرت کام کرتا ہے، قرآن مجید اس مفہوم کی تائید اور تصدیق نہیں کر رہا جیسا کہ علامہ آلوسی نے سمجھا ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

کبھی کسی جسم میں ایک متعفن روح داخل ہو جاتی ہے جس کی اس جسم کی روح کے ساتھ مناسبت ہو، پھر اس شخص پر مکمل جنون طاری ہو جاتا ہے اور بعض اوقات یہ بخار (متعفن روح) انسان کے حواس پر غالب ہو کر اس کو معطل کر دیتا ہے، پھر یہ خبیث روح اس کے جسم پر مستقل تصرف کرتی ہے، اس کی زبان سے کلام کرتی ہے اور اس کے اعضاء میں تصرف کرتی ہے اور جس شخص کے جسم میں یہ روح تصرف کرتی ہے اسے اس کا بالکل شعور نہیں ہوتا، اور یہ چیز محسوس اور مشاہدہ میں ہے اس کا صرف وہی شخص انکار کرے گا جو مشاہدات کا منکر ہو گا۔

(روح المعانی ج ۳ ص ۴۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ آلوسی بڑے پائے کے محقق ہیں، ہمارے دل میں ان کا بڑا احترام ہے اس کے باوجود وہ انسان ہیں اور انسانی فروگزاشت سے خالی نہیں ہیں یہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے تحقیق کے خلاف لکھا ہے، اللہ تعالیٰ کسی انسان کے جسم پر کسی اور روح کو تصرف کرنے کا اختیار نہیں دیتا، اللہ تعالیٰ نے انسان کو احکام شرعیہ کا مکلف کیا ہے یہ چیز اس قلعہ کے خلاف ہے، نیز اگر ایسا ہو تو ایک آدمی کسی کو قتل کر دے گا اور بعد میں کہہ دے گا کہ یہ کام میں نے نہیں کیا، مجھے اس کا پتا نہیں، مجھ پر اس وقت کسی جن کا اثر تھا یہ قتل اسی نے کیا ہے، اسی طرح ہر شخص کوئی بھی قانون شکنی کر کے عدالت سے یہ کہہ کر بری ہو سکتا ہے کہ اس قانون شکنی کے وقت میں کسی خبیث جن کے زیر اثر تھا، اور یوں دنیا فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن جائے گی اور امن اور سکون غارت ہو جائے گا۔

ربا اور بیع کا فرق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع سود ہی کی مثل ہے، اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے

سود کو حرام کیا ہے۔ (البقرہ : ۲۷۵)

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ سود خوروں کو قیامت کے دن مجنوں اور مغبوط الخواس شخص کی طرح اس لیے اٹھایا جائے گا کہ وہ دنیا میں کما کرتے تھے کہ بیع سودی کی مثل ہے، بہ ظاہر ان کو یوں کہنا چاہئے تھا کہ سود بیع ہی کی مثل ہے، لیکن انہوں نے سود کے جائز اور حلال ہونے میں مبالغہ کیا، اور جواز اور حلت میں سود کو اصل اور مشبہ بہ قرار دیا، ان کا یہ قیاس قاسد تھا اللہ تعالیٰ نے صریح عبارت سے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا : اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

سود خوروں کا یہ کہنا کہ سود بیع کی طرح ہے بدعت "باطل ہے سود اور بیع کے فرق کی بہت سی وجوہ ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں :

(۱) بیع میں تاجر دس روپے کی چیز کو مثلاً بارہ روپے کی بیچتا ہے، اور دس روپے کی چیز پر دو روپے زائد لیتا ہے، اور سود میں سود خور ایک ماہ کے لیے مثلاً دس روپے قرض دیتا ہے اور اس کے عوض بارہ روپے وصول کرتا ہے، اور اس سے اصل رقم پر دو روپے زائد وصول کرتا ہے، لیکن ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ تاجر دس روپے کی چیز کو منڈی سے تھوک فروشوں سے تھوک کے حسب سے زیادہ مقدار میں خریدتا ہے، اور وہاں سے کسی گاڑی میں وہ سلمان لا کر لاتا ہے پھر وہ چیز بارہ روپے میں فروخت کرتا ہے اس پورے عمل میں اس دو روپے کے نفع پر تاجر کا وقت، اس کی محنت اور اس کی ذہانت صرف ہوئی ہے اس لیے خریدار اس نفع کو تاجر کا جائز حق سمجھتا ہے اور وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ اگر وہ اپنا وقت اور کرایہ خرچ کر کے منڈی جائے تب بھی اس کو تھوک فروشوں سے تھوک کے بھلو پر یہ چیز نہیں ملے گی، اس کے برعکس سود خور دس روپے پر ایک ماہ بعد جو دو روپے زائد لے رہا ہے اس کے لیے اس کے وقت، محنت اور ذہانت میں سے کوئی چیز خرچ نہیں ہوئی۔

(۲) تاجر جب اپنا سودیہ تجارت میں لگاتا ہے تو اس میں نفع اور نقصان کے دونوں امکان ہیں، اس کے برعکس سود خور جو اپنے روپے پر سود وصول کر رہا ہے اس کو نقصان کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

(۳) تجارت میں بیع اور قیمت کے تبادلہ کے بعد بیع مکمل ہو جاتی ہے لیکن سود میں اصل رقم واپس کرنے کے بعد اس پر سود در سود کا سلسلہ عرصہ دراز تک قائم رہتا ہے۔

یہاں تک کہ سود حرام کرنے کا بیان

شراب کی طرح سود کو بھی اللہ تعالیٰ نے بہ تدریج حرام کیا ہے، سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں سود کے متعلق یہ آیت

نازل ہوئی :

اور جو مل تم سود حاصل کرنے کے لیے دیتے ہو کہ وہ مل لوگوں کے دل میں شامل ہو کر بھٹائی رہے، تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بھٹائی اور جو تم اللہ کی رضا جوئی کے لیے زکوٰۃ دیتے ہو تو وہی لوگ اپنا مل (بہ کثرت) بھٹانے والے ہیں۔

وَمَا آتَيْتُم مِّن رَّبًّا تَبَرُّوْا فِیْ اَمْوَالِ النَّاسِ
فَلَا یَبْرُؤُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا آتَيْتُم مِّنْ زَكٰوةٍ تُرَبِّدُوْنَ
وَجَعَلَ اللّٰغِفَآءُ لِكُلِّ هُمٍ الْمُصْحِفُوْنَ (الروم : ۳۹)

اس آیت میں صراحہ "سود کو حرام نہیں فرمایا" صرف اس پر ٹیپنڈی کی کا اظہار فرمایا ہے۔

سود کے حعلق یہ آیت کہ میں نازل ہوئی اور ہقی آیات میں نہ میں نازل ہوئیں، دوسری آیت یہ ہے : اللہ تعالیٰ

نے میان فرمایا سود کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی ایسی پاک چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال کی گئی تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہ کثرت روکتے تھے نیز فرمایا :

وَآخِذْهُمْ بِالْأُتْرَاقِ الَّتِي بَدَلُوا بِهَا أَمْوَالَهُمُ الَّتِي هُمْ يَحِبُّونَ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (النساء : ۲۹)

اس آیت میں بھی مسلمانوں کو سودی کاروبار سے صراحتاً منع نہیں فرمایا صرف یہ اشارہ فرمایا کہ سود پر عکس کی وجہ ان کا سودی کاروبار تھا پھر یہ آیت نازل فرمائی :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ الَّتِي هُمْ يَحِبُّونَ بَعْضُكُمْ يَكْتُمُ لِبَعْضٍ سِرًّا وَإِلَى الْيَدِ الْيُمْنَىٰ (البقرة : ۲۹۰)

اس آیت میں بھی مطلقاً "سود سے منع نہیں فرمایا بلکہ سود در سود سے منع فرمایا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زیر بحث آیت میں مطلقاً "سود کو حرام فرمایا :

وَأَحْلَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (البقرة : ۲۷۵)

نیز فرمایا :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ (البقرة : ۲۷۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔

اسلام نے حرکت اور عمل کی تعلیم دی ہے، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، ہمسایوں سے ہمدردی، فقراء اور مساکین اور دیگر ضرورت مندوں کے ساتھ شفقت اور ایثار کی تلقین کی ہے، اسلام کسی ایسے کسب کی اجازت نہیں دیتا جس میں انسان کی کوشش اور جدوجہد کا دخل نہ ہو وہ صدقہ کرنے اور قرض حسن دینے کی ترغیب دیتا ہے اور ضرورت مندوں کے استحصال سے منع کرتا ہے، اور ہر اس چیز کو حرام قرار دیتا ہے جو عدالت، بغض، منافقہ اور نزاع کا موجب ہو، اور کینہ، حسد، حرص اور طمع کی بیج بکھیرتا ہے اور مل کو صرف جائز اور مشروع طریقہ سے لینے کی اجازت دیتا ہے جس میں کسی پر ظلم نہ ہو، اور چند ہاتھوں میں دولت کے مرکز ہو جانے کو ناپسند کرتا ہے، ان اصولوں کی روشنی میں ربا کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے ربا کے حرام ہونے کی حسب ذیل وجوہ ہیں :

(۱) سود خوری کی وجہ سے انسان بغیر کسی عمل کے پیسہ کمانے کا علوی ہو جاتا ہے کیونکہ سود کے ذریعہ تجارت یا صنعت و حرفت میں کوئی جدوجہد کیے بغیر پیسہ حاصل ہو جاتا ہے۔

(۲) سود میں بغیر کسی عوض کے نفع ملتا ہے، اور شریعت نے بغیر حق شرعی کے مل لینے کو ناجائز قرار دیا ہے اور کمزوروں اور ناداروں کے استحصال سے منع کیا ہے۔

(۳) سود خوری کی وجہ سے مفلسوں اور ناداروں کے دلوں میں امراء اور سرمایہ داروں کے خلاف کینہ اور بغض پیدا ہوتا ہے۔

ہے۔

(۴) سود خوری کی وجہ سے صلہ رحمی کرنے، صدقہ و خیرات کرنے اور قرض حسن دینے ایسے مکارم اخلاق مٹ جاتے ہیں، پھر انسان ضرورت مند غریب کی مدد کرنے کے بجائے اس کو سود پر قرض دینے کو ترجیح دیتا ہے۔

سود خور کے لیے دانا "دو زخ کی وعید کی توجیہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آگئی پس وہ (سود سے) باز آگیا تو جو کچھ وہ پہلے لے چکا ہے وہ اس کا ہو گیا اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، اور جس نے دوبارہ اس کا اعلاہ کیا تو وہی لوگ دو زخی ہیں، وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ (البقرہ : ۲۷۵)

یعنی جس شخص کو سود کا حرام ہونا معلوم ہو گیا، اور وہ سود خوری سے رک گیا، تو سود کی تحریم سے پہلے وہ جو کچھ لے چکا ہے وہ اس سے واپس نہیں لیا جائے گا، اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اس کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ ہے کہ اگر اللہ چاہے تو اس کو آئندہ سود خوری سے محفوظ رکھے گا، اور اگر چاہے گا تو ایسا نہیں کرے گا، دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو شخص نصیحت پہنچنے کے بعد اخلاص اور صدق نیت سے سود خوری چھوڑ دے گا، اس کو اللہ تعالیٰ جزا دے گا، یا اللہ جو چاہے گا اس کے متعلق فیصلہ فرمائے گا کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ وہی مالک اور حاکم علی الاطلاق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ جس نے دوبارہ سود لیا تو وہی لوگ دو زخی ہیں وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس سے معتزلہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ دو زخ میں رہتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص جائز اور حلال سمجھ کر دوبارہ سود لے وہ ہمیشہ دو زخ میں رہے گا کیونکہ حرام قطعی کو حلال سمجھنا کفر ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص سود کے حرام ہونے کے بعد دوبارہ سود لے وہ دو زخ میں دانا "رہنے کا مستحق ہے، یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو یہ سزا نہ دے، تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ وعید مشیت کے ساتھ مقید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرے گا اور اس کی جزا اس کو دے گا جس مومن نے سود لیا، اس کا ایمان بھی تو ایک نیکی ہے اگر اس کو ہمیشہ دو زخ میں رکھا گیا تو اس کے ایمان کی اس کو جزا نہیں ملے گی اس لیے ضروری ہے کہ کچھ عرصہ دو زخ میں سزا دینے کے بعد اسے جنت میں بھیج دیا جائے تاکہ وہ اپنی برائی اور نیکی دونوں کی جزا پالے، اس لیے یہ آیت مشیت کے ساتھ مقید ہے یعنی اگر اللہ چاہے تو ان کو دو زخ میں دانا رکھے گا، لیکن اللہ ایسا نہیں چاہے گا کیونکہ اس نے فرمایا ہے جس نے نیکی کی اس کو اس کی نیکی کی جزا ملے گی۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ○ سو جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی وہ اس کی جزا

(الزلزال : ۷) کو دیکھے گا۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ زیادہ عرصہ دو زخ سے سزا دینے کو اللہ تعالیٰ نے مجازاً دوام کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔

سود کا کم ہونا اور صدقہ کا بڑھنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گناہ کو پسند نہیں کرتا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دیتے رہے، ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (البقرہ : ۲۷۶-۲۷۷)

سود کے مل میں برکت نہیں رہتی اور جس مل میں سود کامل شامل ہوتا ہے وہ مل بھی ضائع ہو جاتا ہے۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

امام احمد، امام ابن ماجہ، امام ابن جریر، امام حاکم صحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی شعب اللیمان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سود اگرچہ بہت زیادہ ہو لیکن اس کا انجام مل کی کمی ہے۔
امام ابن المنذر نے اس آیت کی تفسیر میں ضحاک سے نقل کیا کہ دنیا میں سود کی آمدنی بہت زیادہ ہو جاتی ہے، لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابوہریرہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ روٹی کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر احد پہاڑ جتنا کر دیتا ہے۔

(معجم کبیر ج ۱ ص ۳۶۱-۳۶۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سودی کاروبار ترک نہ کرنے والوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ پس اگر تم ایمان نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو، اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے اصل مل تمہارا حق ہیں، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم ظلم کیے جاؤ گے (البقرہ : ۲۷۹-۲۸۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! سود حرام قرار دیئے جانے کے بعد لوگوں کے اوپر جو تمہاری سودی رقوم ہیں ان کو چھوڑ دو، اور ان سے صرف اپنی اصل رقم وصول کرو، امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سدی بیان کرتے ہیں کہ یہ آیات حضرت عباس بن عبدالمطلب اور بنو مغیرہ کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی ہیں وہ دونوں زمانہ جاہلیت میں شریک تھے جس وقت وہ مسلمان ہوئے تو لوگوں کے اوپر ان کے سود کی بڑی بھاری رقیں تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ زمانہ جاہلیت میں جو سود تھا اس کو وصول مت کرو۔

ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ ثقیف نے نبی ﷺ سے اس بات پر صلح کر لی کہ ان کا جو سود لوگوں پر ہے اور لوگوں کا جو سود ان پر ہے وہ سب چھوڑ دیا جائے گا، فتح مکہ کے بعد حضرت عتب بن اسید مکہ مکرمہ کے عامل بنائے گئے، اس وقت بنو عمرو بن عمیر بن عوف، بنو مغیرہ سے سود لیتے تھے اور بنو مغیرہ ان کو جاہلیت میں سود ادا کرتے تھے، جب وہ مسلمان ہوئے تو ان پر بہت زیادہ سود کی رقیں واجب الادا تھیں، بنو عمرو نے آکر ان سے اپنے سود کا مطالبہ کیا، بنو مغیرہ نے مسلمان ہونے کے بعد ان کو سود ادا کرنے سے انکار کر دیا، یہ مقدمہ حضرت عتب بن اسید رضی اللہ عنہ کے پاس پیش کیا گیا، حضرت عتب نے رسول اللہ ﷺ سے اس معاملہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے خط لکھا، تو یہ آیت نازل ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت عتب بن اسید کو جواب لکھا کہ اگر بنو عمرو، سود کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوں تو ان سے اعلان جنگ کر دو۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۷۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

حضرت ابن عباس نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو ثقیف سود لینے سے باز آ گئے اور کہا ہم اللہ اور رسول سے جنگ کی طاقت نہیں رکھتے۔

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ جو لوگ سود لینے کو ترک نہ کریں ان سے اسی طرح جنگ کی جائے گی جس طرح مرتدین

سود کا حلال سے جنگ کی جاتی ہے۔ جسور مفسرین کا یہی عقار ہے۔

(روح المعانی ج ۳ ص ۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سود پر وعید کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

لام مسلم اور لام یسحقی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے سود کھانے والے سود پر گواہی دینے والے اور سود کے لکھنے والے پر لعنت کی ہے اور فرمایا یہ سب برابر ہیں۔ اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ بینک سے سود وصول کر کے غریبوں کو کھانا جائز نہیں ہے اور نہ بینک کی ملازمت کرنا جائز ہے۔

لام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ چار آدمیوں کو جنت میں داخل نہ کرے اور ان کو جنت کی نعمتیں نہ چکھائے، علوی شربلی، سود خور، ناحق مال چیم کھانے والا اور مل باپ کا نافرمان۔

لام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان سود کا جو ایک درہم وصول کرتا ہے وہ اللہ کے نزدیک اسلام میں تینتیس بار زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔

لام طبرانی نے معجم لوسط میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سود کے بہتر درجہ ہیں اور سب سے کم درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی مال کے ساتھ بدکاری کرے۔

لام ابو یعلیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس قوم میں زنا اور سود کی کثرت ہو جاتی ہے اس قوم پر اللہ کا عذاب حلال ہو جاتا ہے۔

لام احمد نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس قوم میں سود کی کثرت ہوتی ہے اس قوم پر قحط مسلط کر دیا جاتا ہے اور جس قوم میں رشوت کی کثرت ہوتی ہے اس پر رعب طاری کر دیا جاتا ہے۔

لام ابو داؤد، لام ابن ماجہ اور لام یسحقی اپنی سنن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی شخص سود کھانے سے نہیں بچے گا جو شخص سود نہیں کھائے گا اس کو سود کا

خبر پہنچے گا۔ (لدر المنثور ج ۱ ص ۳۶۷، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

لام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس رات مجھے معراج کرائی گئی مجھے ایک ایسی قوم کے پاس سے گزارا گیا جن کے پیٹ کو ٹھڑیوں کی طرح تھے ان کے پیٹوں میں باہر سے سٹپ دکھائی دے رہے تھے میں نے پوچھا اے جبرائیل یاہ کن ہیں کیا یہ لوگ سود کھانے والے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سود کے ستر گناہ ہیں اور ان میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی مال کے ساتھ زنا کرے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۴۵-۴۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صبح کو اپنا خواب بیان فرمایا کہ مجھے جبرائیل اور میکائیل لے گئے میں نے دیکھا کہ خون کا ایک دریا ہے جس کے وسط میں ایک شخص کھڑا ہوا ہے اور دریا کے کنارے ایک شخص ہاتھ میں پتھر لیے ہوئے کھڑا ہے، جب دریا میں کھڑا ہوا شخص کنارے کی طرف آنے کی کوشش کرتا ہے تو کنارے پر کھڑا ہوا شخص اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے اور اس کو پھر دریا کے وسط میں دھکیل دیتا ہے اور وہ جب بھی دریا سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے اس کے ساتھ یہی ہوتا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا، مجھے جبرائیل اور میکائیل نے بتایا کہ خون کے دریا میں ڈوبے ہوئے یہ لوگ سود خور تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی ۱۴۲۸ھ)

اس حدیث میں سود خوروں کے عذاب قبر کا بیان ہے اور چونکہ یہ لوگ دنیا میں غریبوں کی رگوں سے خون نچوڑتے تھے اس لیے ان کو خون کے دریا میں ڈوبا گیا۔

مقروض کو مہلت دینے اور اس سے قرض وصول کرنے کا طریقہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر مقروض تنگ دست ہے تو اسے اس کی فراخ دستی تک مہلت دو، اور (قرض کو معاف کر کے) تمہارا صدقہ کرنا زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو (البقرہ : ۲۸۰)

جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ سود چھوڑ کر قرض خواہ کی اصل رقم واپس کر دی جائے اور ثقیف نے اپنی اصل رقم کا بنو مغیرہ سے مطالبہ کیا تو بنو مغیرہ نے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور کہا اس وقت ہمارے پاس مل نہیں ہے، اور کہا جس وقت ہمارے پھل اتریں گے ہم اس وقت ادائیگی کر دیں گے، تب یہ آیت نازل ہوئی : اور اگر مقروض تنگ دست ہے تو اسے اس کی فراخ دستی تک مہلت دو اور تمہارا صدقہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔

جس شخص پر لوگوں کے بہت زیادہ قرض ہوں، اور قرض خواہ مطالبہ کر رہے ہوں، تو حاکم کے لیے یہ جائز ہے کہ مقروض کی ضروریات کے سوا باقی مل نیلام کر کے قرض خواہوں کے قرض ادا کر دے، اگر مقروض لوگوں کے واجبات ادا نہ کرے تو امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور دیگر فقہاء کے نزدیک اس کو قید کرنا جائز ہے الا یہ کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے پاس واقعی مل نہیں ہے۔ (تفسیر منیر ج ۳ ص ۱۰۱ ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۳ھ)

مقروض کو ادائیگی کی مہلت دینا واجب ہے اور اس کا قرض معاف کر دینا مستحب ہے اور اس معاملہ میں مستحب کا اجر واجب سے زیادہ ہے۔

مقروض کو مہلت دینے اور قرض معاف کرنے کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث

مقروض کا قرض معاف کرنے کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں :

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

امام احمد، امام مسلم اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے تنگ دست کو مہلت دی یا اس کو معاف کر دیا اللہ اس کو اس دن اپنے سائے میں رکھے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کسی کا سایہ نہیں ہوگا۔

امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ عز و جل کے سامنے ایک شخص کو پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا تم نے دنیا میں کیا کیا؟ وہ شخص کہے گا میں نے دنیا میں ایک ذرہ برابر بھی نیکی

نہیں کی 'تمہیں بدی مکتلہ ہو گا تیسری بات کے' گا میں دنیا میں اپنا فاضل مل دے دیا کرتا تھا' میں لوگوں کو چیزیں فروخت کرتا امیر آدمی پر آسانی کرتا اور غریب کو مصلحت دیتا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہم تم سے زیادہ معاف کرنے کے حقدار ہیں' میرے بندے سے درگزر کرو' پھر اس کو معاف دیا جائے گا۔

امام احمد نے حضرت عمر بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا کسی آدمی پر کوئی حق ہو اور وہ اس کو موخر کر دے تو اس کو ہر روز صدقہ کا اجر ملے گا۔

امام احمد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی دعا قبول کی جائے اور اس کی مصیبت دور کی جائے وہ تنگ دست کے لیے کشادگی کرے۔

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے تنگ دست کو کشادگی تک مصلحت دی اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں سے توبہ کرنے کی مصلحت دے گا۔

امام احمد، امام ابن ماجہ، امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے تنگ دست کو مصلحت دی اس کو ہر دن قرض کے برابر صدقہ کا اجر ملے گا' پھر میں نے آپ سے سنا کہ جس نے تنگ دست کو مصلحت دی اس کو ہر دن اس قرض کے دو گنے صدقہ کا اجر ملے گا' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ پہلے تو آپ نے قرض کے برابر صدقہ کے اجر کا فرمایا تھا' اور اب آپ نے دو گنے صدقہ کے اجر کا فرمایا ہے' آپ نے فرمایا جب تک قرض کی ميعلو پوری نہیں ہوگی اس کو ہر روز اس قرض کے برابر صدقہ کا اجر ملے گا اور جب ميعلو پوری ہو جائے گی اور وہ اس کو مصلحت دے گا تو پھر اس کو ہر روز اس کے دو گنے صدقہ کا اجر ملتا رہے گا۔ ۱۷

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۰، سنن ابن ماجہ ص ۱۷۳، شعب الایمان ج ۷ ص ۵۳۸)

امام احمد، امام داری اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے مقروض کو مصلحت دی یا اس کو معاف کر دیا وہ قیامت کے دن عرش کے سلیہ میں ہو گا۔ ۱۸

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۹، سنن داری ج ۲ ص ۱۷۹، شعب الایمان ج ۷ ص ۵۳۵)

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے کسی تنگ دست کو مصلحت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی تپش سے محفوظ رکھے گا۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۶۹-۳۶۸، ملقطا مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

قرآن مجید میں نازل ہونے والی آخری آیت

۱۔ اس حدیث میں قرض سے مراد دین ہے یعنی کا دہاری قرض' مدت معینہ کے لوہار پر کوئی چیز خریدنا' کیونکہ نئی قرضوں میں مدت کا تعین قرض دینے والے کی طرف سے جائز نہیں ہے ورنہ وہ قرض سود ہو جائے گا۔ مثلاً سو روپے دے کر ایک ماہ کے تعین کے بعد سو روپے لیتا رہا' البتہ اگر مدت کا تعین نہ ہو تو پھر جائز ہے۔ ہاں اگر قرض لینے والی مدت کا تعین کرے پھر جائز ہے مثلاً وہ کہے میں ایک ماہ بعد ادا کروں گا۔ منہ

مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۰ میں اسی طرح روایت ہے اور سنن ابن ماجہ اور شعب الایمان میں اس طرح ہے کہ قرض کی ميعلو پوری ہونے تک اس کو صدقہ کا اجر ملے گا اور مصلحت دینے کے بعد اس قرض کی مصلحت صدقہ کا اجر ملے گا۔ نیز مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۹ میں بھی اسی

طرح ہے۔ منہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹنے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (البقرہ : ۲۸۱)

اللہ تعالیٰ نے آیات رہا کو اس بلغ فصاحت پر ختم کیا ہے کہ دنیا جانے والی ہے اور آخرت آنے والی ہے اور باقی ہے اور اس کے بعد وہ حسب پیش آنے والا ہے جو یقینی ہے لہذا اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس دن سے ڈرا رہا ہے جس دن تم سب لوگ اللہ سے ملاقات کرو گے اس دن تمہارے وہ برے اعمال سامنے آئیں گے جو تم کو ہلاک کر دیں گے اور تمہیں لوگوں کے سامنے شرمندہ اور رسوا کریں گے وہ اعمال کی جزا کا دن ہے اس دن کوئی نیک عمل ہو سکے گا نہ کچھ برے کام پر توبہ ہو سکے گی وہ ثواب عتاب اور محاسبہ کا دن ہے اس دن ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کاموں کی پوری پوری جزا دی جائے گی خواہ اس کے عمل نیک ہوں یا بد خیر ہوں یا شر اس دن ہر عمل سامنے آجائے گا اور کوئی چھوٹا یا بڑا عمل باقی نہیں بچے گا پھر اللہ تعالیٰ ان اعمال کی جزا دے گا اور تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا اور اس ذات سے ظلم کیسے متصور ہو سکتا ہے جو برائی پر صرف اتنی ہی سزا دیتا ہے جتنی وہ برائی ہو اور نیکی کا دس گنا بڑھا کر اجر دیتا ہے بلکہ کبھی ایک نیکی پر سات سو گنا کبھی اس سے بھی زیادہ اور کبھی بے حساب اجر دیتا ہے اے بدکار! وہ تجھ پر عدل کرے گا تو اس دن کے آنے سے پہلے توبہ کر لے اور اپنے آپ کو اس کے فضل و کرم کا سزاوار کر لے اور اے نیکوکار! اس دن کے آنے سے پہلے اپنی نیکیوں کو اور بڑھالے وہ تجھ پر فضل کرے گا۔ بعض روایات کے مطابق یہ قرآن مجید کی آخری آیت ہے امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آخری آیت ہے جو نبی ﷺ پر نازل ہوئی۔

یہ آیت ہفتہ کے دن نازل ہوئی تھی اس کے نزول کے بعد نبی ﷺ نو دن حیات (ظاہری کے ساتھ) رہے اور پیر کے دن رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۷۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

امام ابو عبیدہ، امام عبد بن حمید، امام نسائی، امام ابن جریر، امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے دلائل النبوت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ پر نازل ہونے والی قرآن مجید کی یہ آخری آیت تھی۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت منیٰ میں نازل ہوئی تھی اور اس کے اکیاسی دن بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۷۰، مطبوعہ مکتبۃ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

اس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ کی مدت حیات میں مختلف اقوال ہیں : نوراتیں، سات دن، تین گھنٹے، اکیس دن اور اکیاسی دن۔

امام بخاری، امام ابو عبیدہ، امام ابن جریر اور امام بیہقی نے شعبی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ پر جو آخری آیت نازل ہوئی وہ آیت رہا ہے یہ اس آیت کے آخری آیت ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یوم سے متعلق آیات میں آخری آیت، آیت رہا ہے، یا مراد یہ ہے کہ آیت رہا آخر میں نازل ہوئی ہے اور تمام آیتوں کے لحاظ سے جو آخری آیت ہے وہ یہی آیت ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۵۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَيْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى

اے ایمان والو! جب تم کسی مقرر مدت تک آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو

فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْب كَاتِبٌ أَنْ

اور تمہارے درمیان کسی کاتب کو عدل کے ساتھ دستاویز لکھنی چاہیے اور جس شخص کو اللہ نے

يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ

لکھنا سکھایا ہو اس کو لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے اور جس شخص پر قرض ہو لکھوانا اس کی ذمہ داری

وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي

ہے اور اس کو اللہ سے ڈرنا چاہیے جو اس کا رب ہے، اور اس (قرض) سے کچھ کم نہ کرے، اور اگر مقرض کم قتل ہو یا

عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْطِيعُ أَنْ يُمْلِسَ هُوَ فَلْيُمْلِلْ

مزدور ہو یا وہ خود لکھوانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کا دل (سرپرست) عدل سے

وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رَجَالِكُمْ فَإِنْ

لکھو دے، اور تم اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بناؤ، پھر اگر

لَمْ يَكُنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ

دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (ایک کو گواہ بناؤ) جن کو تم گواہوں سے پسند

الشَّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى

کرتے ہو کہ ان دو میں سے کوئی ایک (عورت) اگر مبہول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے

وَلَا يَأْب الشَّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ

اور جب گواہوں کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں اور (قرض) چھوٹا ہو یا بڑا

صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَى أَجَلٍ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ

اس کی میعاد تک اس (کی دستاویز) کو لکھنے میں تاخیر نہ کرو، اللہ کے نزدیک یہ بہت عادلانہ

لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً

کاروائی ہے اور گواہی دینے کے لیے بہت درست طریقہ ہے اور شکوک و شبہات دور کرنے کے بہت قریب ہے، ان جو تجارت

تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۚ

لین دین تم آپس میں دست بستہ کرتے ہو اس کو نہ لکھنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور

أَشْهَدُوا ۚ وَإِذَا تَبَايَعْتُمْ ۖ وَلَا يُضَارُّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ

جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بنالیا کرو، اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو۔

وَأِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيَعْلَمَ كُمْ

اور اگر تم نے ایسا کیا تو وہ بے شک تمہارا گناہ ہوگا اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اللہ تمہیں سمجھتا ہے

اللَّهُ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾ وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ

اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور اگر تم سفر میں ہو (اور تم نے دین پر مبنی کوئی معاملہ کرنا ہو)

وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَ مَقْبُوضَهُ ۖ فَإِنْ أَهِنَ بَعْضُكُم

اور تمہیں دستاویز لکھنے والا نہ ملے تو قبضہ دی ہوئی رہن (کی بنا پر دین کا معاملہ کرلو) پھر اگر تم کو ایک دوسرے پر

بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي أُؤْتِمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۚ

اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ وہ اس کی امانت ادا کرے، اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آتَمَ قَلْبُهُ ۚ

اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی چھپائے گا اس کا دل گناہ آلود ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو

اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾

اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے

سود کے بعد تجارتی قرضوں کے تحفظات کے ذکر کی مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں صدقہ دینے اور سود نہ لینے کا حکم دیا تھا اور ان آیتوں میں کاروبار اور تجارت میں لین دین

کے حکم بیان فرماتے ہیں۔ صدقہ و عطا اور سود نہ لینا مل میں کی کاسب ہے اور تجارت مل میں افزائش کا سبب ہے اس سے پہلے رکوع میں سود کا ذکر تھا اور اس رکوع میں کاروبار میں لوحار کے تحفظات کا ذکر ہے سود قرض کی ناجائز صورت ہے اور کاروبار میں بلا سود قرض قرض کی جائز صورت ہے۔ صدقہ اور قرض میں ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور تعاون ہے اور سود میں سنگ دلی اور سرکشی ہے اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر کے مل میں اضافہ کرنے کے ناجائز طریقہ سے روکا اور تجارت کو حلال کر کے مل میں اضافہ کرنے کے جائز طریقہ کی طرف رہنمائی کی۔

مل کے مذموم یا محمود ہونے کا مدار

اس آیت کو آیت مداینہ کہتے ہیں یہ قرآن مجید کی سب سے طویل آیت ہے اس میں مل کو محفوظ کرنے کا طریقہ بتایا ہے کہ جب کسی چیز کو مدت معینہ کے لوحار پر فروخت کیا جائے تو بائع اور مشتری کسی تیسرے فریق سے لکھوالیں کہ کتنی رقم لوا کرنی ہے اور کب لوا کرنی ہے اور اس دستویز پر دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالیا جائے۔ اور اگر فریقین سفر میں ہوں جمل کاتب اور گواہ میسر نہ ہوں تو مقروض بائع کے پاس اپنی کوئی چیز رہن رکھ کر اس کے قبضہ میں دے دے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام کے نزدیک مل و دولت کوئی بری چیز نہیں ہے بہ شرطیکہ وہ مل فی نفسہ حلال ہو حلال ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو اور اس مل کو جائز اور نیکی کے راستوں میں خرچ کیا جائے اس لیے اسلام نے کسب حلال اور تجارت کی حوصلہ افزائی کی ہے جیسا کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت دی ہے کہ کاروبار کرنے والے اپنے مل کو محفوظ کرنے کے لیے کیا طریقے اختیار کریں اور لوحار مل فروخت کرتے وقت خریدار سے کس قسم کے تحفظات حاصل کریں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (الجمعة : ۱۰)

پھر جب نماز پڑھ لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو طلب کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مل و دولت کو اللہ کا فضل فرمایا ہے۔

اور امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں :

حضرت ایوب علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے اہل کو سوال سے روکنے کے لیے (رزق) حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے (رزق) حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۷۷-۲۷۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

اور جو شخص مل کو اللہ کی راہ میں نیکی کے راستوں میں خرچ نہ کرے وہ مل مذموم ہے اس کے متعلق فرمایا :

الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۖ كَلَّا لَيُنبَنَّى فِي الْحُطْمَةِ ۖ وَمَا أَذْرَاكَ مَا الْحُطْمَةُ ۖ نَارُ اللَّهِ الَّتِي تَطْلُعُ عَلَى الْأَنْفَةِ (الهمزة : ۴-۲)

جس نے مل جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا اس نے گمان کیا اس کا مل اس کو ہمیشہ (دنیا میں) زندہ رکھے گا ہرگز نہیں! وہ ضرور چوراجوراکر دینے والی میں پھینک دیا جائے گا اور آپ کیا سمجھے چوراجوراکر دینے والی کیا چیز ہے؟ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے وہ مل مذموم ہے اس کے متعلق فرمایا :

اور امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں :

نبی ﷺ نے فرمایا : جو شخص مل کو کثیر بنانے کی طلب میں لکے وہ شیطان کے راستہ میں ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۷۷، ۲۷۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۹ھ)

بیع مطلق اور بیع سلم کی تعریفات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! جب تم کسی مقرر مدت تک آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ خرید و فروخت کا کوئی معاملہ لوہار پر کریں تو اس کے تحفظ کے لیے اس کو لکھ لیں اور اس پر گولہ بنالیں۔ اس آیت میں دین کا ذکر ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت بیع سلم کے متعلق نازل ہوئی ہے، اس لیے ہم بیع مطلق، بیع سلم، دین اور قرض کی تعریفات کو ذکر کریں گے۔ جب باہمی رضامندی سے ایک چیز کا دوسری چیز سے تبادلہ کیا جائے تو اس کو بیع کہتے ہیں، اس میں سودے کو بیع اور اس کی قیمت کو ثمن کہتے ہیں۔ بیع تین قسم کی ہے کسی چیز کو نقد قیمت دے کر خریداجائے، کسی حاضر چیز کو مدت معینہ کے لوہار پر خریداجائے یہ دونوں قسمیں جائز ہیں، تیسری قسم یہ ہے کہ کسی لوہار (غائب) چیز کو لوہار پر خریداجائے مثلاً زید کے عمرو پر دس سیر گندم واجب ہیں، اور خالد کے بکر پر پندرہ سیر جو واجب ہیں تو زید، خالد کو اپنے وہ دس سیر گندم فروخت کر دے جو عمرو کے ذمہ ہیں اور اس کے معروضہ میں خالد سے وہ پندرہ سیر جو لے جو خالد کے بکر کے ذمہ ہیں اس کو بیع الدین بلدین یا بیع الکالئی بالکالئی کہتے ہیں، یہ بیع جائز نہیں ہے، نقد کو عربی میں عین کہتے ہیں، اور لوہار کو دین کہتے ہیں۔ اس آیت میں بیع کی دوسری قسم کا ذکر ہے جس میں ایک عوض نقد ہو اور دوسرا مدت معینہ کے لوہار پر ہو، اگر بیع (سودا) نقد ہو اور ثمن (قیمت) مدت معینہ کے لوہار پر ہو تو یہ بیع مطلق ہے اور اگر ثمن نقد ادا کر دی جائے اور بیع کو ایک مدت معینہ کے بعد وصول کیا جائے تو اس کو بیع سلم کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس کے نزدیک یہ آیت خاص بیع سلم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

امام ابن جریر روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت گندم کی بیع سلم کے متعلق نازل ہوئی ہے (گندم کی قیمت کی پیشگی ادائیگی کر دی جائے اور فصل کٹنے کے بعد گندم کو وصول کیا جائے) اس میں گندم کی مقدار بھی معلوم ہو اور اس کی مدت بھی معلوم ہونی چاہیے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۷۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت حکیم بن حزام رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ (میں نے عرض کیا) یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی شخص ایک چیز خریدنے کے لیے آتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے آیا میں اس کے لیے بازار سے چیز خرید لوں؟ آپ نے فرمایا جو چیز تمہارے پاس موجود نہیں ہے اس کو فروخت مت کرو۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۳۹، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کی بناء پر جو چیز موجود نہ ہو اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ضرورت کی بناء پر بیع سلم کی اجازت دی ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں آئے تو لوگ ایک یا دو سال کی مدت پر پھلوں میں بیع سلم کرتے تھے تو آپ نے فرمایا جو شخص کھجوروں میں بیع سلم کرے اس کا کیل معلوم ہو اور وزن معلوم ہو

(یعنی عقدہ معلوم ہو) اور اس کی مدت معلوم ہو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی، ۱۳۷۵ھ)

بیع سلم کی شرائط

بیع سلم کو بیع سلف بھی کہتے ہیں، سلم اور سلف کا معنی ہے تسلیم اور تقدیم، کسی چیز کو پہلے دینا، اور اس کو سپرد کرنا، شریعت میں بیع سلم اس عقد کو کہتے ہیں جس میں ثمن پہلے واجب ہو اور بیع بعد میں ميعلا مقرر پر واجب ہو۔ علامہ عبداللہ بن محمود موصلی حنفی لکھتے ہیں :

ہر وہ چیز جس کی صفت اور مقدار کو منضبط کرنا ممکن ہو اس کی بیع سلم جائز ہے، ورنہ نہیں، بیع سلم کی شرائط یہ ہیں: ان چیزوں کو معین کیا جائے: جنس، نوع، وصف، مدت، مقدار، جس جگہ بیع کو سپرد کیا جائے، کیل، وزن اور عدد کی تعیین کرنا، اور عقد کے بعد علیحدگی سے پہلے ثمن پر قبضہ کرنا ضروری ہے، اس چیز میں بیع سلم صحیح نہیں ہے جو عقد کے وقت سے لے کر تسلیم کرنے کی مدت تک موجود نہ رہے، نہ جو اہر میں صحیح ہے، حیوان، اس کے گوشت اور اس کے اعضاء میں بھی صحیح نہیں ہے، خشک سمندری مچھلی میں صحیح ہے، کسی معین شے کے غلہ میں بیع سلم صحیح نہیں ہے، اگر کپڑے کا طول اور عرض معین کر دیا جائے تو صحیح ہے، جس چیز میں بیع سلم کی گئی ہے اس میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ اس کے ثمن میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا صحیح ہے۔ (الاعتیاد ج ۲ ص ۳۸-۳۳، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر)

دین اور قرض کی تعریفیں اور ان کا فرق

علامہ شامی لکھتے ہیں :

جو چیز کسی عقد یا کسی چیز کے ضائع یا حلاک کرنے سے کسی کے ذمہ واجب ہو گئی ہو، یا کسی چیز کو قرض لینے کی وجہ سے کسی کے ذمہ لازم ہو گئی ہو وہ دین ہے، دین قرض سے عام ہے، دین میں مدت کا مقرر کرنا واجب ہے عام ازیں کہ مدت معلوم ہو یا مجهول ہو، لیکن اگر جہات معمولی ہو جیسے فصل کی کٹائی یا دانہ کو بھوسے سے الگ کرنے کا وقت تو یہ جائز ہے اور اگر غیر معمولی ہو تو جائز نہیں ہے، جیسے جب آندھی آئے گی، حدایہ وغیرہ میں ہے کہ معمولی جہات دین میں برداشت کی جاتی ہے۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں :

اور قرض میں مدت کا تعین کرنا لازم نہیں ہے، یعنی اگر قرض میں مدت کا تعین کر دیا جائے تو وہ غیر لازم ہونے کے باوجود صحیح ہے، اور قرض دینے و لاندت کا تعین کرنے کے بعد اس سے رجوع کر سکتا ہے، لیکن حدایہ میں یہ کہا ہے کہ قرض میں مدت کا تعین کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قرض ابتداءً "لعلمہ ہے اور انتہاءً" معلقہ ہے اور ابتداءً کے اعتبار سے اس میں مدت کا تعین کرنا لازمی نہیں ہے جیسا کہ عاریتہ "چیز دینے میں ہے اور انتہاءً کے اعتبار سے اس میں مدت کا تعین کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ قرض انتہاءً معلقہ ہے اگر کسی قرض دینے والے نے ایک درہم ایک ماہ کے لیے قرض دیا اور اس کے عوض میں ایک ماہ بعد ایک درہم واپس لیا تو یہ ایک درہم کی ایک درہم کے عوض ایک ماہ کے عوض پر بیع ہوگی اور یہ رہا انستہ (سودا ہے) اس لیے قرض میں مدت کا تعین کرنا جائز نہیں ہے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۵۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ طہ الدین حکنی لکھتے ہیں :

نفت میں قرض کا معنی ہے جس کو قضا کرنے کے لیے دیا جائے، اور شرع میں اس کا معنی ہے جو حلی چیز قضا کرنے کے لیے دی جائے، مثلاً سے مراد وہ کیل، موزوں یا محدود چیز ہے یعنی اس چیز کی حلی میں ایسا فرق نہ ہو جس سے قیمت مختلف ہو جائے، جیسے انڈا اور اخروٹ وغیرہ، اس لیے درہم، دینار، اخروٹ، انڈے، گوشت، روٹی، کھنڈ اور سکوں وغیرہ میں قرض کا لین دین جائز ہے۔ (در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۳ ص ۲۸۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

آیت مداینہ کے حکم کا تمام دیون کو شامل ہونا علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی ہے کہ بیع سلم جس میں مدت مقررہ کے بعد بیع کی ادائیگی کی جاتی ہے وہ بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہے، لہذا ہر وہ دین جس میں مدت مقرر ہو وہ اس آیت میں مرلوہ ہے خواہ وہ کسی منافع کا بدل ہو یا کسی معین چیز کا عوض ہو اس لیے جس اجرت اور مرکی میعلو مقرر ہو اسی طرح عقد خلع، قتل عمد کی دیت اور بدل کتابت جن کی ادائیگی کی میعلو مقرر ہو وہ سب اس آیت میں مرلوہ ہیں کیونکہ یہ وہ دیون ہیں جو کسی عقد سے ثابت ہیں اور ان میں ادائیگی کی میعلو مقرر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو دین کے لکھنے اور اس پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے وہ ان تمام عقود اور دیون پر لاگو ہے، اسی طرح گواہوں کا عدد اور ان کے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں وہ بھی ان تمام عقود میں جاری ہوتے ہیں کیونکہ اس آیت کے الفاظ کسی ایک دین کے ساتھ خاص نہیں ہیں، اسی وجہ سے جب نکاح میں عورت کا مردین موجب ہو تو اس پر دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح عقد اجارہ، بدل صلح وغیرہ تمام دیون کے عقود میں اسی طرح حکم جاری ہو جائے گا۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۸۳-۳۸۴، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

دین پر مبنی عقود کی دستویز لکھوانے، ان پر گواہ یا رہن رکھنے کا شرعی حکم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے معاملہ کو لکھنے اور اس پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے اس کے متعلق علامہ جصاص لکھتے ہیں : فقہاء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس آیت میں دین کے معاملہ کو لکھنے، اس پر گواہ بنانے اور اس کے لیے کسی چیز کو رہن رکھنے کا جو حکم دیا ہے یہ حکم استحباب، ہماری بہتری اور خیر خواہی، ارشاد اور دین اور دنیا میں احتیاط کے لیے ہے اور اس میں کوئی چیز بھی واجب نہیں ہے، اور ابتداء سے آج تک تمام امت مسلمہ تمام شہروں میں دین پر مبنی عقود بغیر کسی کو گواہ بنائے کرتی رہی ہے، اور ہر دور میں علماء، فقہاء اور اہل فتویٰ حضرات کو اس کا علم ہوتا تھا اور ان میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا، اگر اس قسم کے ادھار کے معاملات کی دستویز لکھنا یا اس پر گواہ بنانا، یا رہن رکھنا واجب ہوتا تو اس کے ترک پر اعتراض کیا جاتا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ امور مستحب ہیں اور نبی ﷺ کے عہد سے لے کر آج تک یہی منقول ہے اور اگر صحابہ اور تابعین ان عقود پر لازماً گواہ بناتے تو یہ چیز تو اتر سے منقول ہوتی۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۳۸۲، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

شہادت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنالو، پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (ان کو گواہ بنالو) جن کو تم گواہوں سے پسند کرتے ہو، کہ ان میں سے کوئی ایک (عورت) اگر بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلادے۔ (البقرہ : ۲۸۲)

علامہ ابن اثیر انجوری لکھتے ہیں :

جس چیز کا مشاہدہ کیا ہو یا جس پر کوئی شخص حاضر ہو اس کی خبر دینا لغت میں شہوت ہے۔ (نہلیہ ج ۲ ص ۵۳۳، مطبوعہ

ایران ۱۳۳۳ھ)

علامہ راجب اصفہانی لکھتے ہیں :

بصیرت سے یا آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے جس چیز کا علم حاصل ہو اس کی خبر دینے کو شہوت کہتے ہیں۔ (المفردات

ص ۲۸۸، مطبوعہ ایران ۱۳۳۲ھ)

علامہ بوعلی شافعی لکھتے ہیں :

جو شخص کسی جگہ حاضر ہو یا اس نے کبھی کسی چیز کو دیکھا ہو اس کی یقینی خبر دینے کو شہوت کہتے ہیں اور کبھی اس چیز

کی خبر کو شہوت کہتے ہیں جس کا اس کو یقین ہو یا وہ چیز مشہور ہو۔ (شرح المہذب ج ۲ ص ۲۲۵، مطبوعہ بیروت)

علامہ ابن حام خفی لکھتے ہیں :

کسی حق کو ثابت کرنے کے لیے ”میں گولی دیتا ہوں“ کے الفاظ کے ساتھ مجلس قضاء میں جی خبر دینا شہوت

ہے۔ (فتح القدیر ج ۶ ص ۴۴۶، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ کھمر)

علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ اشد کا لفظ اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ قسم کو متضمن ہے گویا کہ گواہ یہ کہتا ہے

کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے یہ واقعہ اسی طرح دیکھا ہے اور اب میں اس کی خبر دے رہا ہوں۔

شہوت کی اقسام

(الف) معنی شہوت : یعنی گواہ آنکھوں سے دیکھے ہوئے کسی واقعہ کو بیان کرے، یہی شہوت فیصلہ کن ہوتی ہے۔

(بدلیہ اخیرین ص ۱۵۹)

(ب) سمعی شہوت : یعنی گواہ کسی چیز کو سن کر اس کی شہوت دے، جن امور کا تعلق مسوعات سے ہو، ان میں سمعی

شہوت اتنی ہی معتبر ہوتی ہے جتنی معنی شہوت ہے (بدلیہ اخیرین ص ۱۶۰)

(ج) شہوت علی الشہوت : اصل گواہ کسی شخص کو اپنی شہوت پر شہد بتائے تب یہ گواہ اصل کی شہوت دے سکتا ہے

(بدلیہ اخیرین ص ۱۵۸)

قرآن مجید کی روشنی میں شہوت کا بیان

شہوت کے ساتھ دو حکم متعلق ہوتے ہیں ایک تحمل شہوت ہے اور دوسرا لواء الشہوت۔ تحمل شہوت کا مطلب کسی

دفعہ کا ساتھ کر کے اس کو سمجھ کر منقبض کرنا (۱) اور لواء الشہوت کا مطلب ہے اس شہوت کو قاضی کے سامنے لوا کرنا۔

تحمل شہوت کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات ہیں :

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رَجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ

يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ

الشَّهَادَةِ (البقرہ: ۲۸۲)

۱۰

(۱) داکٹر مدنی زبلی، اللہ تعالیٰ ولولہ ج ۶ ص ۵۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

اور جب تم خرید و فروخت کو تو گولہ مارو۔

وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ (البقرة : ۲۸۲)

اور اپنوں میں دو ملل (ٹیک) مصلوں کو گولہ مارو۔

وَأَشْهِدُوا ذَوَىٰ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق : ۲)

اور اداء شہادت کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات ہیں :

اور اللہ کی خاطر شہادت لو اکو۔

وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ (الطلاق : ۲)

اور جب گواہوں کو (گوئی کے لیے) بلایا جائے تو وہ انکار

وَلَا يَأْتِ الشُّهَدَاءُ إِذًا مَا دُعُوا (البقرة : ۲۸۲)

نہ کریں۔

اور گوئی کو نہ چھپاؤ اور جو گوئی چھپاتا ہے تو بے شک

وَلَا تَكْنُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَن يَكْنُمْهَا فَيَأْتِئْهُ

اس کا دل گنہ گار ہے۔

قَلْبُهُ (البقرة : ۲۸۲)

شہادت کا حکم

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ تحمل شہادت اور اداء شہادت دونوں فرض کفایہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا یاب الشہداء اذا ما دعوا ”اور جب گواہوں کو گوئی کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔“ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تکنموا الشہادة ومن یکنمها فانہ اثم قلبہ (البقرة : ۲۸۳) ”اور گوئی نہ چھپاؤ اور جو گوئی چھپائے تو بے شک اس کا دل گنہ گار ہے۔“ نیز اس لیے کہ شہادت ایک امانت ہے اور باقی امانتوں کی طرح اس کا لوا کرنا لازم ہے۔

(المغنی ج ۱۰ ص ۳۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابوالحسن مرغینانی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں شہادت کا لوا کرنا واجب ہے، اور جب مدعی شہد کو بلائے تو شہادت کو چھپانا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا یاب الشہداء اذا ما دعوا (البقرة : ۲۸۲) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تکنموا الشہادة (البقرة : ۲۸۳) اور مدعی کا گولہ کو طلب کرنا اس لیے شرط ہے کہ یہ مدعی کا حق ہے سو باقی حقوق کی طرح یہ بھی طلب پر موقوف ہے، اور حدود میں شہادت دینے پر گولہ کو اختیار ہے کہ خولہ ستر کرے خولہ اظہار کرے کیونکہ دونوں چیزوں میں ثواب ہے پردہ پوشی میں بھی اور اقامت حدود میں بھی اور ستر افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ہزال رضی اللہ عنہ سے فرمایا : کاش تم اپنے کپڑے سے اس کا ستر کر لیتے (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۳۵) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت میں پردہ پوشی کرے گا۔ (بخاری ج ۱ ص ۳۳۰) اور نبی ﷺ اور صحابہ کرام سے حدود ساقط کرنے کے بارے میں جو روایات منقول ہیں ان سے ستر کا افضل ہونا صراحتہ ”معلوم ہوتا ہے۔“ (ہدایہ اخیرین ص ۱۵۴، مطبوعہ مکتبہ شرکہ ملیہ ملتان)

علامہ مرغینانی کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً ”ستر افضل ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اگر کوئی شخص گنہ کرنے کے بعد اس پر نادم ہو تو اس کی پردہ پوشی کرنا افضل ہے اور جو شخص علی الاعلان بدکاری کرتا ہو جس سے حدود الہیہ کا احترام مجروح ہوتا ہو تو پھر اس کے خلاف شہادت دینا افضل ہے۔“

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ تحمل شہادت میں مسلمان کے حق کا تحفظ ہے اور مسلمان کے حق کا تحفظ کرنا اولیٰ ہے اور تحمل شہادت سے انکار کرنا خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے اور قرآن مجید کی جن آیات میں شہداء کا لفظ آیا ہے اس سے مراد اداء شہادت کرنے والا ہے کیونکہ شہادت تحمل کرنے والے کو شاہد مجازاً ”کہا جاتا ہے۔“ خلاصہ یہ ہے کہ جب شہد کو مدعی

شہادت کو اکرنا فرض ہے اور تحمل شہادت کرنا مستحب ہے۔

(فتح القدیر ج ۶ ص ۳۳۷-۳۳۶ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

شہادت کی تعریف: رکن اور سبب وغیرہ کا بیان

مجلس قضاء میں کسی شخص کے حق کو ثابت کرنے کے لیے لفظ اشد (میں گواہی دیتا ہوں) کے ساتھ جی خبر بیان کرنا شہادت ہے۔ (فتح القدیر)

شہادت کا رکن لفظ اشد ہے۔ یعنی میں گواہی دیتا ہوں۔ (تبیین الحقائق)

شہادت کو اکرنا سبب یہ ہے کہ مدعی گواہ سے شہادت طلب کرے یا مدعی از خود گواہی دے جبکہ گواہ کو یہ علم ہو کہ مدعی کو اپنے حق پر شہادت کا علم نہیں ہے اور اس کے گواہی نہ دینے کی صورت میں مدعی کے حق کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو۔

شہادت کا حکم یہ ہے کہ شہادت کے بعد قاضی پر واجب ہے کہ اس شہادت کے مطابق فیصلہ کرے (عنایہ)

تحمل شہادت کی شرائط

شہادت کی شرائط دو قسم کی ہیں، تحمل شہادت (حصول شہادت) کی شرائط اور لوائگی شہادت کی شرائط، تحمل شہادت کی شرائط یہ ہیں کہ جس وقت گواہ کسی وقوعہ کو دیکھ رہا ہے اور گواہی کو حاصل کر رہا ہے تو وہ شخص مجنون نہ ہو، نا سمجھ بچہ نہ ہو اور یہ شخص بصیر ہو لہذا اندھے کا تحمل شہادت کرنا جائز نہیں ہے، نیز مشہودہ (جس چیز کی گواہی دینی ہے) کا وہ خود مشاہدہ کرے کسی اور کے مشاہدہ کا تحمل نہ کرے البتہ بعض اشیاء میں لوگوں سے سن کر تحمل شہادت کرنا بھی جائز ہے (بدائع الصنائع) تحمل شہادت کے لیے بلوغ، حریت، اسلام اور عدالت (نیک چلتی) شرط نہیں ہے حتیٰ کہ اگر تحمل شہادت کے وقت وہ سمجھدار بچہ ہو یا غلام ہو یا کافر ہو یا فاسق ہو پھر بچہ بالغ ہو جائے یا غلام آزاد ہو جائے یا کافر مسلمان ہو جائے یا فاسق توبہ کر لے اور پھر وہ قاضی کے پاس شہادت دیں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی۔ (المحرر الرائق)

لمحافظ شاہد لوائگی شہادت کی شرائط

شہادت کو اکرنا کرنے کے لیے شہد میں عقل، بلوغ، بصر اور نطق (گویائی) کی شرط ہے اور یہ کہ اس کو حد قذف نہ لگی ہو (یہ شرط احتیاط کے نزدیک ہے) اور یہ کہ وہ محض اللہ کے لیے شہادت دے اور اس شہادت سے اس کا مقصد نہ کسی نفع کو حاصل کرنا ہو اور نہ کسی ضرر کو دور کرنا ہو اور یہ کہ اس مقدمہ میں وہ شخص خود فریق نہ ہو اور یہ کہ لواء شہادت کے وقت اس کو مشہودہ کا علم ہو اور وہ اس کو یاد ہو۔ (یہ شرط لام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے، صامین کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے) (بدائع الصنائع)

عدالت کی تعریف

گواہوں کا عدل (نیک) ہونا قاضی پر واجب قبول کے لیے شرط ہے نفس شہادت کے جواز کے لیے گواہوں کا عدل ہونا شرط نہیں ہے۔ (المحرر الرائق) لام ابو حنیفہ کے نزدیک عدالت ظاہریہ شرط ہے اور عدالت حقیقیہ جو تزکیہ شہود اور تبدیل سے طہیت ہوتی ہے وہ لام اعظم کے نزدیک شرط نہیں ہے اور لام ابو یوسف اور لام محمد کے نزدیک عدالت حقیقیہ شرط ہے۔ (المبداء الصنائع) اس نکتہ میں فتویٰ صامین کے قول پر ہے (کلی) لام ابو یوسف سے جو عدالت کی تفسیر متحمل

ہے وہ یہ ہے کہ شہادت میں عدل یہ ہے کہ شہد کبائر سے مجتنب ہو اور صغائر پر اصرار کرنے والا نہ ہو اور اس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں اور اس کی درست باتیں اس کی غلط باتوں سے زیادہ ہوں، یہ عدالت کی سب سے بہترین تفسیر ہے۔ (نہایہ)

عورت کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

- (۱) زنا کے اثبات کے لیے چار آزاد مسلمان مردوں کی گواہی ضروری ہے اور اس میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا یہی نظریہ ہے۔ (۱)
- علامہ ابن ہمام حنفی (۲) علامہ یحییٰ بن شرف نووی (۳) اور علامہ ابن رشد مالکی نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ (۴)
- (۲) بقیہ حدود اور قصاص میں کم از کم دو آزاد اور مسلمان مردوں کی گواہی ضروری ہے اور عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا یہی نظریہ ہے۔ (۵)
- (۳) عطاء اور حملہ سے منقول ہے کہ تین مردوں اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی زنا ثابت ہو جائے گا۔ اسی طرح عطاء اور حملہ کہتے ہیں کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بقیہ حدود اور قصاص کے اثبات کے لیے کافی ہے۔ یہ حضرات حدود اور قصاص کو بھی اصول پر قیاس کرتے ہیں۔ (المغنی ج ۱۰ ص ۱۵۶-۱۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)
- (۴) شیخ ابن حزم نے فقہاء اربعہ کے اجماع کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حدود اور قصاص میں عورت کی شہادت مطلقاً مقبول ہے۔ چنانچہ آٹھ عورتوں کی گواہی سے زنا ثابت ہو جائے گا اور بقیہ حدود اور قصاص میں ایک مرد اور دو عورتیں یا چار عورتیں گواہی دیں تو وہ ثابت ہو جائیں گے۔ (المجلد ج ۹ ص ۳۹۶-۳۹۵، مطبوعہ ادارة البعثة المشرقية ۱۴۳۹ھ)
- (۵) تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قرض اور کاروباری معاملات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت جائز ہے علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اس کی تصریح کی ہے۔

(المغنی ج ۱۰ ص ۱۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک مالی حقوق کے علاوہ میں مثلاً نکاح، طلاق، وصیت، عدت، حوالہ، وقف اور صلح وغیرہ میں بھی ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت جائز ہے۔ (یعنی حدود اور قصاص کے سوا تمام معاملات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کو گواہ بنانا جائز ہے اور امام مالک اور شافعی کے نزدیک ان معاملات میں عورت کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے اور امام احمد کے اس میں دو قول ہیں۔) (فتح القدیر ج ۶ ص ۴۵۱، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

(۶) وہ تمام امور جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے مثلاً حیض، عدت، رضاعت، ولادت، بکارت اور عورتوں کے عیوب وغیرہ ان میں صرف ایک عورت کی گواہی بھی جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن چیزوں کو دیکھنے کی مرد استطاعت نہیں

(۱) علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱۰ ص ۱۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

(۲) علامہ کمال الدین بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۴۵۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

(۳) علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، روضة الطالین و عمدة المفتین ج ۱۱ ص ۲۵۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ

(۴) قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت

(۵) علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱۰ ص ۱۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

رکتے ان میں عورتوں کی گواہی جائز ہے (مصنف عبد الرزاق) علامہ مرغینانی حنفی (۱) شارح المذنب شافعی (۲) علامہ ابن قدامہ حنبلی (۳) اور علامہ ابن رشد مالکی (۴) وغیرہم نے اس کی تصریح کی ہے۔

ملی معاملات میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی شہادت مقرر کرنے کی وجوہات

عورتوں کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے مذاہب بیان کرنے کے بعد ہم دو چیزوں کی وضاحت کریں گے۔ ایک یہ کہ قرض کے لین دین اور کاروباری معاملات میں ایک مرد کی گواہی کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی کو کیوں مشروع کیا گیا ہے اور دوم یہ کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی کا کیوں اعتبار نہیں کیا گیا۔

سب سے پہلے یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جس بات میں دو مرد میسر نہ آنے کی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے، یہ اختیاری شہادت کا بیان ہے یعنی یہ وہ صورت نہیں ہے کہ جب کسی ہنگامی، ناگہانی یا اضطراری واقعہ میں کسی ملی معاملہ یا کسی انسانی حق میں موقع پر موجود کسی شخص کی گواہی کو اس معاملہ یا حق کے ثبوت میں پیش کرنا ہو، ایسے کسی ہنگامی اور ناگہانی واقعہ میں ایک مسلمان عورت تو الگ رہی، کفار کی شہادت سے بھی وہ معاملہ یا حق ثابت ہو جائے گا، قرآن مجید کی زیر بحث جس آیت میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے اس میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جب تم اپنے قصد اور اختیار سے اپنے کسی کاروباری معاملہ یا قرض کے لین دین پر گواہ بنانا چاہو تو اپنی پسند اور مرضی سے گواہ بناؤ اور وہ دو مسلمان مرد ہیں یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتیں ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ توسع اور اختیار کی حالت میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتیں کیوں رکھی گئی ہیں! اس کا جواب یہ ہے کہ عدالت میں مدعی علیہ کے خلاف گواہی دینا بہت بڑی جرات، حوصلہ اور دلیری کی بات ہے، کیونکہ جس فریق کے خلاف گواہی دی جاتی ہے، فطری طور پر وہ فریق اس گواہ کا دشمن ہو جاتا ہے اور فریق مخالف گواہ کو ڈراتا اور دھمکاتا ہے اور مختلف ہتھکنڈوں سے اس کو مرعوب اور متاثر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ عورتیں جب گواہی دینے کے لیے آتی ہیں تو رونے لگتی ہیں یا کوسنا شروع کر دیتی ہیں یا وکیل مخالف کے اعتراضات سے گھبرا کر بے ربط اور اول قول باتیں کرنا شروع کر دیتی ہیں۔

یہ ایک حقیقت ثابت ہے کہ عورتیں مردوں سے فطرتاً کمزور ہوتی ہیں اور ان میں مردوں کی بہ نسبت جرات اور حوصلہ بہت کم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو سپہ سالار، جنرل اور کمانڈر نہیں بنایا جاتا، دُنیا میں محدودے چند عورتیں پائلٹ ہیں اور بالعموم ساری دنیا میں عورتوں کو پائلٹ نہیں بنایا جاتا، غرض ہمت، دلیری اور شجاعت کے تمام کام مردوں کے سپرد کیے جاتے ہیں اور عورتوں کو ان کاموں سے الگ رکھا جاتا ہے۔ چونکہ فریق مخالف کے خلاف گواہی دینا بہت جرات اور حوصلہ کا کام ہے، اس وجہ سے اسلام نے یہ کام اصالتاً اور بلذات دو مردوں کے سپرد کیا ہے اور اگر کسی عورت اور معاملہ کے وقت دو مرد میسر نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے، کیونکہ عین ممکن ہے کہ

(۱) علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۵۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۱۵۵، مطبوعہ مکتبہ شرکت طبعہ ملتان

(۲) شرح المذنب ج ۲۰ ص ۲۵۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت

(۳) علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۵۳۰ھ، المغنی ج ۱ ص ۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

(۴) قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۵۳ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت

عدالت میں فریق مخالف کی جرح یا اس کے خوف سے عورت اپنی طبعی کنواری سے گھبرا کر کچھ کا کچھ کہہ دے تو دوسری عورت اس کو صحیح بت یاد دلا دے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

أَنْ تَضِلَّ أَحَدُهُمَا فَتَذَكَّرَ أَحَدُهُمَا
الْأُخْرَى (البقرة: ۲۸۲)

دے۔

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں ضلال کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

شہوت میں ضلال یہ ہے کہ ایک چیز یاد رہے اور دوسری یاد نہ رہے اور انسان سرگشتہ و حیران ہو۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۳۹۷، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

وکلاء بیان کرتے ہیں کہ بچانوں نے فی صد مقدمات میں جب عورت گواہی کے لیے پیش ہوتی ہیں تو یا رو پڑتی ہیں یا گھبرا کر اول فول باتیں کرتی ہے یا کوسنا شروع کر دیتی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں مرد فطرۃً قوی، جرات مند اور دلیر ہوتا ہے اور فریق مخالف کے دباؤ سے مرعوب اور متاثر نہیں ہوتا اس لیے وہ عدالت میں حوصلہ ہارے بغیر ٹھیک ٹھیک گواہی پیش کرتا ہے۔ اسلام نے جو نظام حیات پیش کیا ہے وہ چونکہ فطرتی تقاضوں سے ہم آہنگ ہے اس وجہ سے اس نے ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی رکھی ہے تاکہ گواہی کے موقع پر ان دونوں عورتوں کو ایک دوسری سے طمانیت خاطر رہے اور ڈھارس بندھی رہے اور جب کوئی عورت بوکھلا جائے اور گھبراہٹ میں کچھ کا کچھ کہنے لگے تو دوسری عورت اس کو صحیح بات یاد دلا دے۔

ایک مرد کی گواہی کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی کو مقرر کرنے کا دو سرا سبب یہ ہے کہ تجارتی مل کی پیچیدگیوں، لین دین کی باریکیوں اور قرض کی ضروری شرائط اور قیود سے عام طور پر مرد پوری طرح واقف ہوتے ہیں اس کے برخلاف عورت چونکہ فطری اور شرعی طور پر صرف امور خانہ داری کی ماہر ہوتی ہے اور عام دنیوی معاملات میں وہ براہ راست ملوث نہیں ہوتی اور نہ اس کی باریکیوں سے کماحقہ واقف ہوتی ہے، اس وجہ سے کسی لین دین اور معاملہ کے وقت فریق مخالف یہ چاہتا ہے کہ اس کے معاملہ پر زیادہ سے زیادہ تجربہ کار اور اہل شخص گواہی دے اس لیے وہ چاہتا ہے کہ اولین مرحلہ میں دو مردوں کو گواہ بنایا جائے اور اگر دو مرد میسر نہ آسکیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنادیا جائے تاکہ اس کے معاملہ پر زیادہ سے زیادہ بہتر گواہی پیش کی جاسکے اور اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے اس نے انسانی فطرت کے قریب گواہی کا یہ ضابطہ مقرر کیا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ عورت چونکہ فطرۃً منفعل مزاج ہوتی ہے اس لیے فریق مخالف کے وکیل کی جرح کے موقع پر اس کا اصل موقف سے پھسل جانا اور فریق مخالف کے دلائل سے متاثر ہو جانا زیادہ ممکن ہے اس لیے اس کو اصل موقف پر قائم رکھنے کے لیے ایک اور گواہ کی ضرورت ہے تاکہ جب وہ منفعل یا متاثر ہو کر اصل موقف سے پھسلنے لگے تو دوسری گواہ اس کو سنبھال سکے اور اس کو بروقت اصل موقف یاد دلا دے۔

وہ امور جن میں صرف عورت کی گواہی معتبر ہے

مذکورہ الصدر بحث سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ مالیات کے اختیاری معاملات میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی مشروع اور مقرر کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اسلام کے نزدیک عورت آدمی انسان ہے یا وہ حقیر یا کم درجہ کی مخلوق

ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فلیقہ "منفصل مزاج" ہے یا مرد کے مقابلہ میں جرات اور حوصلہ کم رکھتی ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ عیال "فطرہ" گھریلو معاملات اور امور خانہ داری میں ماہر ہوتی ہے اور مالیاتی نظام کی باریکیوں اور کاروباری نزاکتوں سے واقف اور ان امور کی ماہر نہیں ہوتی اس لیے ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی مشروع اور مقرر کی گئی ہے ورنہ جن معاملات پر اس کی دسترس ہوتی ہے یعنی عورتوں سے متعلق معاملات ان میں تنہا ایک عورت کی گواہی ہی مشروع اور مقرر کی گئی ہے۔ اگر اسلام کے نزدیک عورت آدمی انسان ہوتی یا ساقط الاعتبار ہوتی تو عورتوں کے مخصوص معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی کو کیوں کافی قرار دیا جاتا؟ اب ہم قارئین کے سامنے ایسی احادیث پیش کر رہے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ عورتوں کے مخصوص معاملات میں صرف عورتوں کی گواہی کافی ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے شہادی کی ایک اور عورت نے آکر کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے! میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں جا کر یہ واقعہ عرض کیا، آپ نے فرمایا : تم اس عورت کو اب نکاح میں کس طرح رکھ سکتے ہو جبکہ یہ شہادت ہو چکی ہے۔ اس عورت کو طلاق دے دو۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ صرف ایک عورت نے یہ شہادت دی کہ اس نے حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ کو دودھ پلایا ہے اور صرف اسی ایک عورت کی شہادت پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عقبہ بن حارث کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں، ہر چند کہ فقہاء احناف اور دیگر ائمہ کے نزدیک یہ حدیث استحباب پر محمول ہے، اور رضاعت میں صرف ایک عورت کی شہادت پر فیصلہ کرنا واجب نہیں ہے تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رضاعت میں ایک عورت کی شہادت پر فیصلہ کر دیا۔

نیز جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مرد جن امور کو دیکھنے کے شرعاً مجاز نہیں ہیں ان امور میں تنہا عورتوں کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے گا، بلکہ صرف ایک عورت کی شہادت پر بھی فیصلہ کر دیا جائے گا۔ امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں :

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ابن شہاب نے کہا : اس بات پر سنت کے مطابق عمل ہوتا رہا ہے کہ عورتوں کے بچے جننے، نومولود بچے کے رونے اور عورتوں کے ان معاملات میں جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے اور صرف عورتیں ہی ان معاملات کی نگہبان ہوتی ہیں، ان میں صرف عورتوں کی شہادت جائز ہے، پس جب بچے جننے والی ایک مسلمان عورت گواہی دے یا ایک عورت سے زیادہ عورتیں نومولود کے رونے کی گواہی دیں تو یہ شہادت جائز ہے۔

(المصنف ج ۸ ص ۳۳۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۰ھ)

نیز امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں کہ :

ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے نومولود کے رونے میں ایک عورت کی شہادت کو جائز قرار دیا۔

(المصنف ج ۸ ص ۳۳۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۰ھ)

عقلم بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تنہا عورتوں کی شہادت حمل اور حیض

وغیرہ صرف ان امور میں جائز ہے جن پر صرف عورتیں ہی مطلع ہوتی ہیں۔

(المصنف ج ۸ ص ۳۳۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

امام شعبی اور حسن بصری نے کہا کہ جن امور پر مرد مطلع نہیں ہوتے ان میں ایک عورت کی شہادت بھی جائز ہے

(المصنف ج ۸ ص ۳۳۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

عورت کی شہادت کو نصف شہادت قرار دینے کی حکمتیں :

مذکور الصدر احلیث، آثار، اقوال تابعین اور ائمہ مذاہب کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ جو امور عورتوں کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں، ان میں صرف ایک عورت کی شہادت پر بھی فیصلہ کرنا جائز ہے اس لیے یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ مالی معاملات کی اختیاری گواہی میں چونکہ ایک مرد کی گواہی کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی رکھی گئی ہے اس لیے اسلام نے عورت کو آدھا انسان قرار دیا ہے یا اس کی گواہی کو کمتر قرار دیا ہے، اگر اسلام کے نزدیک عورت آدھا انسان ہوتی یا وہ ذلیل اور حقیر ہوتی تو ان معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی پر فیصلہ کا مدار کیوں رکھا جاتا؟

اگر مرد یہ اعتراض کریں کہ بعض نسوانی معاملات میں ان کی شہادت اصلاً "معتبر نہیں ہے" جبکہ ان معاملات میں عورتوں میں سے ایک عورت کی گواہی قبول کر لی جاتی ہے تو مردوں کو اسلام نے بالکل ساقط الاعتبار کر دیا اور ان کو آدھے انسان کا درجہ بھی نہیں دیا تو کیا مردوں کا یہ اعتراض درست اور معقول ہو گا؟ نہیں! بلکہ یہی کہا جائے گا جن دنیاوی معاملات میں مردوں کو شہادت کی اہلیت ہے وہاں مردوں کی شہادت قبول کی جاتی ہے اور جن نسوانی معاملات میں عورتیں شہادت کی اہل ہیں وہاں عورتوں کی شہادت قبول کی جاتی ہے، اسلام نے جس صنف کی شہادت کا جس جگہ اعتبار کیا ہے وہ ٹھیں حکمت اور فطرت کے مطابق ہے سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم

مزید غور فرمائیے کہ اثبات زنا میں دو کے بجائے چار مردوں کی گواہی مقرر کی گئی ہے، اب کیا مرد یہ کہہ سکتے ہیں کہ جناب ہماری گواہی تو آدھی کر دی گئی ہے کیونکہ باقی حدود اور معاملات میں دو مردوں کی گواہی کافی ہوتی ہے اور اب زنا میں بجائے دو کے چار مردوں کی گواہی ضروری قرار دی گئی ہے تو گویا دو مردوں کو ایک کے قائم مقام کیا ہے اور یہ مردوں کو آدھا انسان قرار دینا ہے! اس کے جواب میں بھی یہی کہا جائے گا کہ چونکہ زنا کی سزا بہت سخت رکھی گئی ہے جس میں شہادی شدہ زانی کو رجم کر دیا جاتا ہے اس لیے اس کے ثبوت کی بھی کڑی شرط رکھی ہے اور ثبوت زنا کو چار مسلمان مردوں کی گواہی پر موقوف کیا گیا ہے۔

پھر یہ چیز بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ شہادت دینا کوئی حق یا انعام نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو عورتیں کہہ سکتی تھیں کہ ہمارا حق کم کر دیا گیا ہے، عدالت میں جا کر فریق مخالف کے خلاف گواہی دینا اور اس کی دشمنی مول لینا یہ تو ایک ابتلاء اور مصیبت ہے، بعض اوقات شہادت دینے کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر جانا پڑتا ہے اور سفر کی صعوبتیں اٹھانی پڑتی ہیں، اسلام نے صنف نازک پر جیسے اور احسانات کیے ہیں کہ اس پر معاش اور بچوں کی کفالت کا بوجھ نہیں رکھا، ایام حیض میں نمازوں کا مکلف نہیں کیا، حالت حیض، حمل اور رضاعت میں روزے قضاء کرنے کی سہولت دی ہے اسی طرح اسلام کا عورتوں پر یہ بھی احسان اور انعام ہے کہ اس پر شہادت ادا کرنے کا بوجھ کم سے کم رکھا ہے، حدود اور قصاص کے معاملات جن کی گواہی دینے میں زیادہ خطرہ اور مشقت ہے ان میں اس کو شہادت کا بالکل مکلف نہیں کیا اور مالی معاملات میں اس کے بوجھ کو کم کر

ہا ہے اور جو بوجہ ایک سو پر ڈالا جاتا ہے وہ دو عورتوں پر تقسیم کر دیا الحمد للہ علی احسانہ و انعامہ۔
اس مسئلہ کے دیگر پہلوؤں کو جاننے کے لیے شرح صحیح مسلم جلد خامس کا مطالعہ فرمائیں، ہم نے وہاں اس مسئلہ کے
دو پہلوؤں پر بھی بحث کی ہے۔

گواہی کے لیے بلائے جانے پر گواہوں کے جانے کا شرعی حکم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب گواہوں کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ (البقرہ : ۲۸۲)

اگر کسی معاملہ پر متعدد گواہ ہیں تو ہر گواہ کا گواہی دینا واجب نہیں ہے، بلکہ یہ وجوب کفائی ہے، ان میں سے کسی بھی
دو گواہوں نے گواہی دے دی تو باقی سب سے وجوب ساقط ہو جائے گا اور اگر کسی نے گواہی نہیں دی تو سب گناہ گار ہوں
گے، اور اگر کسی معاملہ پر صرف دو گواہ ہوں تو ان کا گواہی دینا متعین ہے اور جب ان کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو ان کا جانا
واجب ہے اور نہ جانا مکروہ تحریمی ہے۔

علامہ ابوالحیثم اندلسی لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس، قتادہ اور ربیع وغیرہ نے کہا ہے کہ جب گواہوں کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں، عطا
اور حسن بصری نے کہا یہ ممانعت تحریم کے لیے نہیں ہے، گواہ کے لیے گواہی دینا اور نہ گواہی دینا دونوں جائز ہیں، شعبی نے
کہا اگر اس کے علاوہ اور کوئی گواہ نہیں ہے تو اس پر گواہی دینا متعین ہے ورنہ اس کو اختیار ہے، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر
وغیرہ نے کہا کہ اگر وہ اس سے پہلے شہادت دے چکے ہیں تو جب ان کو اداء شہادت کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں،
نقاش نے کہا رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح مروی ہے اور اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر اس سے عدول نہیں کیا جائے گا اور
لواء شہادت سے انکار کی ممانعت تحریمی ہوگی۔

حسن بصری نے کہا مسلمانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا مستحب ہے، اگر گواہ زیادہ ہوں اور مدعی کے حق
معتل ہونے کا خدشہ نہ ہو تو جس گواہ کو بلایا گیا ہے اس کا جانا مستحب ہے، اور کسی عذر کی وجہ سے ان کا نہ جانا بھی جائز ہے
اور اس میں گناہ نہیں ہے اور اگر گواہ کو یہ خدشہ ہو کہ اس کے نہ جانے سے کسی کا حق معتل ہو جائے گا تو پھر اس کا شہادت
دینے کے لیے جانا واجب ہے۔
(البحر المحیط ج ۲ ص ۳۷۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

کتاب اور گواہ کے ضرر کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو اور اگر تم نے ایسا کیا تو وہ بے شک تمہارا
گناہ ہوگا۔ (البقرہ : ۲۸۱)

اس آیت کی دو قراءتیں ہیں ایک قرأت کے مطابق معنی یہ ہے کہ نہ کتاب کو ضرر پہنچایا جائے نہ گواہ کو، اس قرأت
کے مطابق صاحب حق کو اس سے منع کیا گیا ہے کہ وہ کتاب اور گواہ کو ان کے کاموں سے روک کر انہیں لکھنے اور گواہی
دینے کے لیے مجبور کریں یا ان کو اس سلسلہ میں ہونے والے اخراجات لوانہ کریں یا لکھنے اور گواہی دینے میں جو ان کا وقت
خرچ ہو اس کا محاذہ ان کو لوانہ کریں۔

اور دوسری قرأت کے مطابق معنی یہ ہے کہ کتاب اور گواہ صاحب حق کو ضرر نہ پہنچائیں، مثلاً کتاب صاحب حق کے
لواہ کرانے کے خلاف کچھ کا کچھ لکھ دے، یا گواہ اپنی طرف سے گواہی میں کچھ بیحدادے یا کچھ کم کر دے۔

سفر اور حضر میں رہن رکھنے کا جواز

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر تم سفر میں ہو (اور تمہیں دین پر مبنی کوئی معاملہ کرنا ہو) اور تمہیں دستلوں لکھے و لائے ملے تو قبضہ دی ہوئی رہن (کی بنا پر دین کا معاملہ کرو) پھر اگر تم کو ایک دوسرے پر اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہئے کہ وہ اس کی امانت لو کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ (البقرہ : ۲۸۳)

اس آیت میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور تم نے کسی شخص سے کوئی چیز لو حار خریدنی ہے اور بائع کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے تمہیں دوران سفر کتب یا گولہ دستیاب نہ ہوں تو بائع کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے اپنی کوئی چیز اس کے پاس رہن رکھ دو، اور مقبوضہ کے لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ بائع اس چیز پر صرف قبضہ کرے گا وہ اس میں تصرف کرنے اور اس سے استفادہ کرنے کا مجاز اور مختار نہیں ہے، بعض فقہاء تابعین نے یہ کہا ہے کہ اگر کتب موجود ہو تو پھر کسی چیز کو گروی رکھنا جائز نہیں ہے۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

ضحاک نے کہا اگر کوئی شخص سفر میں ہو اور وہ مدت معینہ کے لو حار پر کسی چیز کی بیع کرے اور اس کو کتب نہ ملے تو اس کے لیے رہن پر قبضہ کرنا جائز ہے اور اگر کتب ہو تو پھر اس کے لیے رہن پر قبضہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۳۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

اور بعض فقہاء تابعین نے یہ کہا ہے کہ صرف سفر میں رہن رکھنا جائز ہے اور حضر میں رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔

امام ابن جریر روایت کرتے ہیں :

عجلد بیان کرتے ہیں کہ رہن پر قبضہ کرنا صرف سفر میں جائز ہے، حضر میں جائز نہیں ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۳۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

لیکن یہ دونوں قیدیں اتفاقی ہیں اور ان کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے، علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں :

تمام اہل علم کے نزدیک یہ حکم اس طرح نہیں ہے اور تمام شہروں کے فقہاء اور علامتہ السلف کے نزدیک شہر میں بھی کسی چیز کا گروی رکھنا جائز ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۵۲۳، مطبوعہ سبیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جو کے بدلہ اپنی زرہ رہن رکھی، میں نبی ﷺ کے پاس جو کی روٹی اور پرانی چربی لے کر گیا اور میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا آل محمد کے پاس صبح اور شام کے لیے صرف ایک صلح ہے۔ (چار کلو گرام)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زرہ گروی رکھ کر ایک یہودی سے طعام

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی، ۱۴۳۸ھ)

خرید۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی سے مدت معینہ کے ادھار پر طعام خرید اور

اپنی زرہ گروی رکھ دی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ

کسی رکھی اور اس سے اپنے مل کے لیے جو خریدے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۵۷۷ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

رہن کی تعریف اور رہن سے قائمہ اٹھانے میں مذاہب فقہاء

رہن کا معنی ہے گروی رکھنا اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے دوسرے کے مل کو اپنے حق میں اس لیے روکنا کہ اس کے ذریعہ سے اپنے حق کو کلا یا جزء وصول کرنا ممکن ہو رہن میں رکھی ہوئی چیز کو مرہون رہن رکھنے والے کو راہن اور جس کے پاس کوئی چیز رہن رکھی جائے اس کو مرتن کہتے ہیں عقد رہن بلا جملع جائز ہے۔ (حدایہ اخیرین ص ۵۷۱ مطبوعہ شرکت ملیہ ملکن)

لام ابو حنیفہ، لام مالک اور لام احمد بن حنبل کے نزدیک رہن شدہ چیز سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے، اور لام شافعی کے نزدیک جائز ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے، لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا رہن شدہ سواری پر اس کے خرچ کے بدلہ میں سواری کی جائے گی، اور اس کے تھنوں سے دودھ نکل کر پیا جائے گا اور جو اس پر سواری کرے گا یا پیئے گا خرچ اس کے ذمہ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۴۱ مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی ۱۳۸۸ھ)

علامہ بدرالدین یعنی حنفی اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں :

اس حدیث سے ابراہیم حنفی، لام شافعی اور ظاہریہ (غیر مقلدین) نے اس پر استدلال کیا ہے کہ رہن رکھوانے والا (مقروض) سواری پر اپنے خرچ کے باعث سواری کرے گا اور اس کا دودھ پیئے گا، ابن حزم نے محلی میں لکھا ہے کہ رہن رکھوانے والا جس طرح رہن رکھوانے سے پہلے اس سے منافع حاصل کرتا تھا اسی طرح رہن رکھوانے کے بعد بھی اس چیز سے منافع حاصل کرتا رہے گا اور اس سے کسی منفعت کو روکا نہیں جائے گا اور رہن شدہ جانور پر سواری کرنے اور اس کا دودھ پینے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح پہلے یہ منافع رہن رکھوانے والے کے لیے تھے اب بھی رہیں گے، ہاں اگر وہ ان جانوروں کو ضائع کرے تو پھر وہ ان پر خرچ نہیں کرے گا، اور رہن رکھنے والا (راہن) ان پر خرچ کرے گا اور وہی اس پر سواری کرنے اور اس سے دودھ پینے کا نفع بھی حاصل کرے گا، اور اس کی رقم کو اس کے قرض میں محسوب نہیں کیا جائے گا قرض کم ہو یا زیادہ، اور یہ اس لیے کہ رہن رکھوانے والے کی ملکیت مرہون میں باقی ہے اور وہ مرہون چیز اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی لیکن اس جانور پر سواری کرنا اور اس کا دودھ دوہنا خصوصیت سے اس شخص کا حق ہے جو اس جانور پر خرچ کرے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہے۔

لام ابو حنیفہ، لام ابو یوسف، لام محمد، لام مالک اور ایک روایت میں لام احمد نے یہ کہا ہے کہ رہن رکھوانے والے کا رہن سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ رہن رکھنے کے متلی ہے، رہن کا معنی ہے دائمی طور پر کسی چیز کو محبوس کرنا لہذا وہ اس سے نفع اٹھانے کا مالک نہیں ہے، اور مرہون سے خدمت طلب کرنا اس پر سواری کرنا اس کا دودھ دوہنا اور اس میں سکونت رکھنا وغیرہ اس کے لیے جائز نہیں ہے، اور رہن رکھنے والے کے سوا اور اس کی اجازت کے بغیر کسی اور کے ہاتھ پر مرہون کو فروخت کرنا بھی اس کے لیے جائز نہیں ہے، اور اگر اس نے فروخت کر دیا تو یہ مرتن (رہن رکھنے والے) کی اجازت پر موقوف ہے، اگر اس نے اجازت دے دی تو یہ فروخت کرنا جائز ہو گا اور اب قیمت اس کے پاس رہن ہوگی، اسی طرح مرتن کے لیے بھی رہن سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر غلام رہن ہو تو وہ اس سے خدمت

طلب نہیں کرے گا سواری کا جانور ہو تو اس پر سواری نہیں کرے گا اگر کپڑا ہو تو اس کو نہیں پہنے گا ممکن ہو تو اس میں سکونت نہیں کرے گا اور مصحف ہو تو اس کی تلاوت نہیں کرے گا اور راہن (رہن رکھوانے والے) کی اجازت کے بغیر مرتن کے لیے رہن کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ لام طحوی نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ رہن کا خرچ راہن کے ذمہ ہے اور اس پر خرچ کرنا مرتن کی ذمہ داری نہیں ہے اور جس حدیث سے لام شافعی نے استدلال کیا ہے وہ مجمل ہے اس میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ کون رہن پر سواری کرے گا اور کون اس کا دودھ پیئے گا پس مخالف کے لیے یہ کہل سے جائز ہو گیا کہ اس کو راہن کے ساتھ مخصوص کر دے نہ کہ مرتن کے لیے اور بغیر دلیل کے اس کو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص کر دینا جائز نہیں ہے اور ہشیم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب سواری کا جانور رہن ہو تو مرتن پر اس کو چارہ ڈالنا لازم ہے اور اس کے تھنوں سے دودھ نکالا جائے گا اور اس کا خرچ اس کے ذمہ ہے جو اس کا دودھ پیئے گا اور اس پر سواری کرے گا اس حدیث سے یہ متعین ہو گیا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں سواری کرنے اور دودھ پینے کے منافع مرتن پر محمول ہیں نہ کہ راہن پر مرتن رہن پر سواری کرے گا اور اس کا دودھ نکالے گا اور اس کے معروضہ میں اس کا خرچ اٹھائے گا ہمارے نزدیک یہ حکم اس وقت تھا جب سود لینا مباح تھا اور اس قرض سے منع نہیں فرمایا تھا جس میں نفع لیا جائے اور نہ غیر مسلوٰی چیزوں کی بیع سے منع فرمایا تھا اس کے بعد آپ نے سود کو حرام کر دیا اور ہر اس قرض سے منع فرما دیا جس سے کوئی منفعت حاصل ہو۔

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ رہن کا خرچ راہن کے ذمہ ہے مرتن کے ذمہ نہیں ہے اور مرتن کے لیے رہن کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ رہن کا تقاضا یہ ہے کہ راہن اس کو مرتن کے قبضہ میں دے دے اور پھر اس سے سروکار نہ رکھے اسی لیے اس پر اجماع ہے کہ اگر راہن اپنی لونڈی رہن رکھ دے تو وہ اس سے مباشرت نہیں کر سکتا نیز لام طحوی نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ رہن سے کوئی نفع حاصل نہیں کیا جائے گا۔

(عمدة القاری ج ۱۳ ص ۷۳-۷۴، مطبوعہ ادارة البیاعة النیریہ مصر ۱۳۲۸ھ)

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں :

رہن سے نفع حاصل کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے اس سے خدمت لے سکتا ہے نہ اس میں سکونت کر سکتا ہے نہ اس کو پن سکتا ہے نہ اس کو کرایہ پر دے سکتا ہے نہ کسی کو عاریتہ دے سکتا ہے نہ راہن نہ مرتن ہاں اگر راہن مرتن کو یا مرتن راہن کو اجازت دے دے تو پھر جائز ہے کہا گیا ہے کہ مرتن کے لیے اجازت کے بلوجود نفع لینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ سود ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سود اس وقت ہو گا جب رہن کے عقد میں یہ شرط ہو کہ مرتن اس سے نفع حاصل کرے گا ورنہ سود نہیں ہے اشباہ اور جواہر میں مذکور ہے کہ راہن نے مرتن کے لیے درخت کے پھلوں کا کھانا یا گھر میں رہنایا بکری کا دودھ پینا مباح کر دیا اور اس نے یہ منافع حاصل کیے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہو گا نیز اشباہ میں لکھا ہے کہ مرتن کے لیے نفع حاصل کرنا مکروہ ہے (در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۵ ص ۳۱۱-۳۱۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

رہن کی شرائط اور ضروری مسائل

عقد رہن ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتا ہے مثلاً راہن یہ کہے کہ تمہارا دین جو میرے ذمہ ہے اس کے مقابلہ میں میں نے یہ چیز تمہارے پاس رکھی رہن کی شرائط حسب ذیل ہیں :

(۱) راہن لور مرتن مائل ہوں۔ نامحجہ بچے لور مجنون کارہن رکنا صحیح نہیں ہے۔

(۲) رہن کسی شرط پر مطلق نہ ہو لور اس کی انصاف وقت کی طرف کی جائے۔

(۳) جو چیز غیر منقسم لور غیر متمیز ہو اس کو رہن رکنا صحیح نہیں ہے، مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میں اپنا آدھا مکان رہن رکھتا ہوں لور آدھے کی تحدید لور تعین نہ کرے۔

(۴) جس چیز کو رہن رکھا ہے وہ قتل فروخت ہو لور وہ چیز اس وقت موجود ہو لور مل متقوم ہو، درخت پر جو پھل نہیں لگے، جانور کے پیٹ میں جو بچہ ہے لور مردار لور خون ایسی حرام چیزوں کو رہن رکنا جائز نہیں ہے۔

مرہون چیز کی مالیت مرتن کی ضمان میں ہوتی ہے لور خود وہ چیز مرتن کے پاس ملالت ہوتی ہے، ان کے فرق کی وضاحت اس طرح ہے کہ اگر مرتن مرہون کو راہن سے خرید لے، تو اس چیز پر مرتن کا قبضہ خریداری کے قائم مقام نہیں ہو گا کیونکہ یہ اس کے قبضہ میں ملالت ہے، لور خریداری کے لیے قبضہ ضمان چاہیے، لور مرہون کا خرچ راہن کے ذمہ ہے، مرتن کے ذمہ نہیں ہے، اگر مرہون غلام تھا لور وہ مرگیا تو اس کی تجنیزو تکلیفیں راہن کے ذمہ ہے، اگر مرہون چیز راہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو دین لور اس چیز کی قیمت میں جو مقدار کم ہو گی اس کو ہلاک قرار دیا جائے گا، مثلاً ہزار روپے دین کے مقابلہ میں دو ہزار روپے کا گھوڑا گروی رکھا تھا، تو گھوڑا، ہزار روپے کے مقابلہ میں ہلاک ہو گیا لور اب مرتن راہن کو کچھ نہیں دے گا لور اگر صورت مفروضہ میں گھوڑے کی قیمت پانچ سو روپے تھی تو ہزار روپے رہن میں سے پانچ سو روپے ساقط ہو گئے لور باقی ماندہ پانچ سو روپے راہن کے ذمہ واجب الادا ہیں، لور اگر دین لور مرہون کی مالیت برابر ہو مثلاً اس صورت میں گھوڑا ہزار روپے کا ہو تو کسی کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہے۔

اگر مرتن نے دین میں کوئی ایسا تصرف کیا جس سے وہ چیز ہلاک ہو گئی یا اس میں نقصان پیدا ہو گیا تو وہ اس کا ضامن ہو گا، یعنی اس کا تلوان لوار کرے گا، مثلاً ایک شیروانی دو ہزار کی تھی، مرتن نے راہن کی اجازت سے اس کو پہنا لور اس پر داغ دے لگ گئے، جس سے وہ ہزار روپے کی رہ گئی تو اس ہزار روپے کی کمی کا تلوان مرتن راہن کو لوار کرے گا، لور اس نے وہ دھلنے کے لیے دی لور دھوبی نے گم کر دی تو وہ دو ہزار روپے کا ضامن ہو گا، اگر مرتن نے راہن کی اجازت کے بغیر رہن سے قائمہ اٹھایا لور وہ چیز ہلاک ہو گئی تو بھی مرتن کو تلوان لوار کرنا ہو گا، مرہون کی حفاظت کا خرچ مثلاً اس کے لیے مکان کا کرلیہ لور چوکیدار کی تنخواہ مرتن کے ذمہ ہے، لور مرہون کی بقا کا خرچ مثلاً جانوروں کے چارے کا خرچ یا بلغ میں پانی لگانے لور پھل توڑنے کے اخراجات وغیرہ راہن کے ذمہ ہیں۔

(عالم گیری ج ۵ ص ۳۳۲-۳۳۳، رد المحتار ج ۵ ص ۳۳۳-۳۰، حادیہ اخیرین ص ۵۴۰-۵۴۱ ملخصاً)

فقہاء نے یہ نہیں لکھا کہ گروی رکھے ہوئے جانوروں کے دودھ کی آمدنی لور بلغ کے پھلوں کی آمدنی کا کون مالک ہو گا، مرتن تو اس کا مالک نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سود ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ اس آمدنی کا مالک راہن ہی ہو گا، کیونکہ در مختار میں مذکور ہے کہ مرتن کی اجازت سے راہن مرہون سے قائمہ اٹھا سکتا ہے۔

احکام کی صورت میں دیشہ لکھوانے، گولہ پٹانے لور گروی رکھنے کو ترک کرنے کی رخصت اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر اگر تم کو ایک دوسرے پر احمق ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ وہ اس کی ملالت لوار

کر دے، لور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

یعنی اگر دائن کو مقروض کی لامت داری پر اکتفا ہو اور وہ دستویز لکھنے، کسی کو گولہ پلانے اور قرض کے مقابلہ میں کسی چیز کو گروی رکھنے کے بغیر اپنا مال مقروض کے حوالے کر دے یا اپنا مال اس کو فروخت کر دے تو مقروض پر لازم ہے کہ وہ دائن کے اکتفا پر پورا اترے اور اس کی لامت اس کو لوا کر دے، یہ امر وجوب کے لیے ہے اور اس پر اکتفا ہے کہ قرضوں کا لوا کرنا واجب ہے، حاکم کو چاہئے کہ وہ مقروض کو قرض لوا کرنے کا حکم دے اور مقروض کو قرض لوا کرنے پر مجبور کرے۔

احادیث کی روشنی میں دین اور قرض کے ضروری مسائل

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے لوگوں سے اموال لیے اور وہ ان کو لوانے کا ارادہ رکھتا تھا تو اللہ تعالیٰ ان اموال کو اس کی طرف سے لوا کر دے گا اور جس نے لوگوں کے مال لیے در آن حالیکہ وہ ان کو تلف کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اللہ تعالیٰ اس شخص کو تلف کر دے گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطلق کراچی ۱۴۳۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

یعنی جس شخص نے کوئی تقصیر نہیں کی، اس کی نیت قرض ادا کرنے کی تھی، لیکن اس کو اتنے پیسے دستیاب نہیں ہوئے، یا اس کو اچانک موت آگئی اور اس کو قرض ادا کرنے کی مہلت نہیں ملی حالانکہ اس کی نیت لوانے کی تھی، تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی طرف سے قرض خواہ کو ادائیگی کر دے گا اور اس سے مطالبہ نہیں ہو گا اور جیسا کہ طریقہ ہے کہ اگر مقروض نے قرض لوانہ کیا ہو تو اس کی نیکیاں قرض خواہ کو دے دی جاتی ہیں یا قرض خواہ کے گنہ مقروض کے ثلہ اعمال میں ڈال دیئے جاتے ہیں، اس کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہو گا، اور جس شخص کی نیت یہ ہو کہ وہ دائن کو اس کامل نہیں دے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم کو ضائع کر دے گا یا اس کے مال کو ضائع کر دے گا یا آخرت میں اس کو عذاب دے گا۔

امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے محمد بن علی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر لوگوں سے قرض لیتے تھے، ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے جب تک مقروض قرض کو ادا نہ کرے اللہ مقروض کے ساتھ ہوتا ہے، اس حدیث کی سند حسن ہے، نیز امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جس بندہ کی نیت قرض کو ادا کرنا ہو، اس کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۵۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو، تو مجھے اس سے خوشی نہیں ہوگی کہ میرے پاس تین دن تک اس میں سے کوئی چیز رہے ماسوا اس کے جس کو میں قرض کی ادائیگی کے لیے رکھ لوں۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطلق کراچی ۱۴۳۸ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سختی کے ساتھ قرض کا تقاضا کیا، آپ کے اصحاب نے اس کو مارنے یا ڈانٹنے کا ارادہ کیا، آپ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو، کیونکہ صاحب حق کو بات کرنے کی گنجائش ہوتی ہے اور اس کے لیے اونٹ خریدو اور اس کا قرض ادا کر دو، صحابہ نے کہا جتنی عمر کا اونٹ اس کو لوانا ہے اس سے زیادہ کامل رہا ہے، آپ نے فرمایا وہی خرید لو اور اس کو ادا کر دو، کیونکہ تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اچھی طرح قرض لوانا

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدت پوری ہونے کے بعد قرض کا مطالبہ کرنا جائز ہے، اور قرض خولہ کا مطالبہ میں سختی کرنا بھی بدست ہے اور مقروض کو اس کی سختی کا جواب سختی سے نہیں دینا چاہئے اور مقروض اصل قرض سے زیادہ لو اکرے تو مستحسن ہے بہ شرطیکہ قرض خولہ کی طرف سے اس کا مطالبہ نہ ہو ورنہ حرام ہے، اور اچھے جائز کاموں کے لیے قرض لینا درست ہے، اور لام کے لیے بیت المال پر قرض لینا جائز ہے اور جو شخص لام کے ساتھ بدتمیزی کے ساتھ پیش آئے وہ تصور کا مستحق ہے لایہ کہ لام معاف کر دے، اس حدیث میں نبی ﷺ کے زبردست حوصلہ، حلم، تواضع اور آپ کے خلق عظیم کا بیان ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نماز میں یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ میں آتا ہوں، کسی شخص نے کہا آپ قرض سے بہت پناہ مانگتے ہیں! آپ نے فرمایا جب انسان مقروض ہوتا ہے تو وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۲، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غنی کا (قرض کی ادائیگی میں) تاخیر کرنا ظلم ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

گوای دینے کا وجوب اور دل کی طرف گناہ کی اضافت کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور گوای نہ چھپاؤ اور جو شخص گوای چھپائے گا اس کا دل گناہ آلودہ ہے۔

یہ نہی تحریم ہے اور گوای کا چھپانا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر وعید معلق فرمائی ہے کہ جو شخص گوای کو چھپائے گا اس کا دل گناہ آلودہ ہے گوای چھپانے کا معنی یہ ہے کہ انسان گوای ادا کرنے سے اپنے آپ کو روک لے اور گوای چھپانا اس وقت حرام ہے جب اس کے گوای نہ دینے سے صاحب حق کا حق ضائع ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو شخص گوای چھپائے گا اس کا دل گناہ آلودہ ہے، اور گناہ کی اضافت دل کی طرف کی ہے کیونکہ شلوت چھپانے اور اس کو لوٹانے کرنے کی نیت کا تعلق دل سے ہے، اور جب کسی فعل کی اضافت کسی عضو کی طرف کی جاتی ہے تو اس میں زیادہ تاکید ہوتی ہے جیسے کہتے ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا، اور میرے دل میں فلاں کی محبت ہے، اور خصوصاً دل کی طرف اضافت اس لیے کی ہے کہ دل انسان کے اجزاء میں اشرف اجزاء اور رئیس اعضاء ہے اور اس کا فعل باقی اعضاء کی بہ نسبت زیادہ عظیم ہے، اور ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ گناہ کی اضافت دل کی طرف اس لیے کی ہے کہ یہ ممکن نہ کیا جائے کہ شلوت چھپانے کے گناہ کا تعلق صرف زبان کے ساتھ ہے، اور یہ معلوم ہو جائے کہ گناہ کا اصل سرچشمہ اور معدن انسان کا دل ہے۔

لام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنو! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ صحیح ہو تو پورا جسم صحیح ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو پورا جسم خراب ہوتا ہے سنو وہ قلب ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

یا قلب کی طرف اضافت اس لیے کی ہے کہ گنہ کا اثر قلب میں ظاہر ہوتا ہے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بندہ کوئی گنہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پیدا ہو جاتا ہے، اگر وہ توبہ کرے، اس کام سے باز آجائے اور استغفار کرے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ زیادہ گنہ کرے تو اس کے دل میں اور سیاہ نکتے پیدا ہو جاتے ہیں اور یہی وہ رین (رین) ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۳۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

كَلاَّ بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ
ہرگز نہیں! بلکہ ان کے کاموں نے ان کے دلوں پر رنگ (المطففين : ۳) چڑھا دیا۔

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)
و شیعہ لکھنے، گواہ بنانے اور رہن رکھنے کے اسرار اور حکمتیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مدت معینہ کے ادھار پر کی جانے والی بیع کی دستاویز لکھنے، اس بیع پر گواہ بنانے اور مقروض کی کسی چیز کو گروی رکھنے کا جو حکم دیا ہے وہ دین اور دنیا کی صلاح پر مبنی ہے، دنیا کی صلاح یہ ہے کہ اگر اس بیع کو لکھا نہ جائے تو اس میں اختلاف، تنازع اور فساد ہو سکتا ہے، اور انسان کے ہاتھ سے دین اور دنیا جاتی رہے گی، اللہ عز و جل نے فرمایا ہے تم ایک دوسرے کے ساتھ نزاع نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکٹھ جائے گی۔ (الانفال : ۴۶) اور جب خرید و فروخت کے معاملات لکھے ہوئے ہوں گے اور ان پر گواہ موجود ہوں گے تو کوئی فریق دوسرے فریق کے حق کا انکار نہیں کر سکے گا اور نہ اس کے حق میں کوئی کمی کر سکے گا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے ایسی بیع کرنے سے منع فرمادیا جس میں بیع یا ثمن کی مقدار مجہول ہو یا بیع یا ثمن کو ادا کرنے کی مدت مجہول ہو، کیونکہ اس جہالت کی وجہ سے فریقین میں اختلاف اور نزاع ہو گا، اور یہ اختلاف آپس میں لڑائی جھگڑے، کینہ، بغض اور عداوت کا موجب ہو گا اور اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کو حرام کرنے کا بھی یہ سبب بیان کیا ہے کہ ان کی وجہ سے عداوت اور بغض پیدا ہوتا ہے (المائدہ : ۹۰)

نیز اللہ تعالیٰ نے دستاویز لکھنے، گواہ بنانے اور رہن رکھنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ بائع کامل محفوظ رہے اور خریدار کی نادمندگی سے مامون رہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہ یہ حکم دیا ہے کہ مال کی حفاظت کی جائے اور اس کو ضائع ہونے سے بچایا جائے، ارشاد فرمایا :

اور کم عقلوں (نا سمجھ تیسوں) کو ان کے (وہ) مال نہ دو (جو تمہاری تحویل میں ہیں) جن (اموال) کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے۔ (النساء : ۵)

نیز فرمایا : اور وہ لوگ جو خرچ کرتے وقت نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ تنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ میانہ روی اور اعتدال سے ہوتا ہے (الفرقان : ۶۷) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تمہاری تین عادتوں کو ناپسند کرتا ہے، قیل و قال کرنا، بہ کثرت سوال کرنا اور مال ضائع کرنا (صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۵)
خلاصہ یہ ہے کہ قرآن اور سنت کا منشاء یہ ہے کہ مسلمان آپس میں اختلاف اور نزاع نہ کریں اور اس کی وجہ

ہے یہی عدولت اور بغض میں جلاء نہ ہوں اور مسلمان اپنے مالوں کو ضائع ہونے سے بچائیں اور ان کی حفاظت کریں اور بیع کی دستویز لکھنے، اس پر گولہ بنانے اور قیمت کے مقابلہ میں مقروض کامل گروی رکھنے سے یہ دونوں امر حاصل ہوتے ہیں اس لیے اس آیت میں وثیقہ لکھنے، گولہ بنانے اور رہن رکھنے کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے تمام اسرار اور حکمتوں کو وہی خوب جانتا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ

اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے

اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخْفَوْهُۤ يَحٰسِبُكُمْ بِهٖ اللّٰهُؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

تم اس کو ظاہر کرو یا تم اس کو چھپاؤ۔ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ سو جس کو چاہے گا بخش دے گا

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌۭ اَمِنْ

اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (ہمارے)

الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖؕ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّ

رسول اس (کلام) پر ایمان لائے جو ان کی طرف سے نازل ہوا اور مومن (بھی ایمان لائے اللہ پر

اَمِنْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكِتٰبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر سب (یہ کہتے ہوئے) ایمان لائے کہ ہم (ایمان لانے

اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرٰنَكَ

میں) ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اور انہوں نے کہا ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ لے ہمارے

رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُؕ ۲۸۶ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاؕ

رب! ہم تیری بخشش کے طالب ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا محنت نہیں کرتا

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا

جو اس (شخص) نے عیب کام کیے ہیں ان کا نفع (بھی) اس کے لیے ہے اور جو اس نے برے کام کیے ہیں ان کا نقصان (بھی) اس کے

إِنْ كُنْتُمْ تَحِبُّونَ أَوْ أَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا أَصْرًا كَمَا

لیجے، اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے غلطی ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کرنا، اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا

حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا

ہم پر ہے، اے ہمارے رب! ہم پر ان احکام کا بوجھ نہ ڈالنا جن کی ہمیں طاقت نہ ہو

لَهَا قُوَّةٌ لَنَا يَهْوَاعِفُ عَنَّا وَقَدْ غَفِرْنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ

اور ہمیں صاف فرما، اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہمارا

مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۲۸۱﴾

مالک ہے تو کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما

بیچ اور دین کے بعد اعمال صالحہ سے مکلف کرنے کی مناسبت

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اصول اور فروع، اور عقائد اور اعمال میں سے متعدد اہم امور بیان فرمائے ہیں 'توحید' رسالت، قیامت اور جزاء اور سزا کے دلائل کا ذکر فرمایا اور نماز، زکوٰۃ، صدقات، روزہ، حج، جہاد، قصاص، حیض، طلاق، عدت، نفل، ایلاء، رضاعت، ربا، بیع، دین اور رہن کے احکام بیان فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان عقائد کو ماننے اور ان احکام پر عمل کرنے کا مکلف فرمایا ہے تو یہاں ہمیں مکلف کرنے کی دلیل ذکر فرمائی کہ تمام آسمانوں میں جو کچھ ہے اور تمام زمینوں میں جو کچھ ہے اللہ اس کا مالک ہے اور آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کی مملوک ہے اور مالک کو حق ہے کہ وہ اپنی مملوک کو جس چیز کا چاہے مکلف کرے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں توحید و رسالت، اور قیامت اور جزاء اور سزا کے ماننے کا مکلف کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جن عقائد کا مکلف کیا ہے ان کو ماننے کا تعلق ہمارے دلوں سے ہے، اور جن احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا مکلف کیا ہے، ان کی جزاء یا سزا کا مدار ہماری نیتوں پر ہے اور ہماری نیتوں کا تعلق بھی ہمارے دلوں کے ساتھ ہے اس لیے فرمایا "اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا تم اس کو چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا" چونکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے اور ہر چیز اس کی مملوک ہے اس لیے حساب لینا اس کا حق ہے اور وہ ہر چیز کا عالم ہے خولہ کوئی چیز چھوٹی ہو یا بڑی، ظاہر ہو یا مخفی اسے ہر چیز کا علم ہے اور ہر چیز کی گرفت کرنے پر وہ قادر ہے اس کا علم ہر شے کو محیط ہے اور اس کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے۔

خواطر قلب کی تکلیف کے منسوخ ہونے کا بیان

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی : "اللہ ہی کی ملکیت میں ہے

ہم کہ انہوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ! اللہ تم سے اس کا حساب لے گا سو جس کو چاہے کا بخش دے گا اور جس کو چاہے کا عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب پر یہ آیت بہت شوق گزری وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر گھنٹوں کے بل بیٹھ گئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ کا مکلف کیا گیا یہ ایسے اعمال ہیں جن کی ہم طاقت رکھتے ہیں اور لب آپ پر جو آیت نازل کی گئی ہے اس پر عمل کرنے کی ہم طاقت نہیں رکھتے (کیونکہ اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ تمہارے دلوں کی چھپی ہوئی باتوں کا بھی حساب لیا جائے گا اور دل میں غیر اختیاری طور پر بہت سی باتوں کا خیال آتا ہے جو اچھی بھی ہوتی ہیں اور بری بھی اور دل میں آنے والی باتوں کے دور کرنے پر انسان قادر نہیں ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اس طرح کو جس طرح تم سے پہلے کتب والوں (یسود و نصاری) نے کہا تھا ”ہم نے سنا اور ہم نے مانگنا“ بلکہ تم کہو ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اے ہمارے رب ہم تیری بخشش کے طالب ہیں، اے ہمارے رب اور (ہمیں) تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ ”جب مسلمانوں نے اس طرح پڑھا اور ان کی گردنیں جھک گئیں تو اللہ عز و جل نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی: ”(ہمارے) رسول اس کلام پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور مومن بھی ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر سب (یہ کہتے ہوئے) ایمان لائے کہ ہم (ایمان لانے میں) ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اے ہمارے رب، ہم تیری بخشش کے طالب ہیں، اور ہمیں تیری طرف لوٹنا ہے۔“ جب مسلمانوں نے یہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس پہلے حکم کو منسوخ کر دیا اور یہ آیت نازل فرمائی ”اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا جو اس (شخص) نے نیک کام کیے ہیں ان کا نفع (بھی) اس کے لیے ہے اور جو اس نے برے کام کیے ہیں ان کا نقصان بھی اس کے لیے ہے، اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے غلطی ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کرنا“ اللہ نے فرمایا ہاں! (حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے اللہ نے فرمایا: میں نے ایسا کر دیا) اے ہمارے رب ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا اللہ نے فرمایا ہاں! (حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے فرمایا میں نے کر دیا) اے ہمارے رب! ہم پر ان احکام کا بوجھ نہ ڈالنا جن کی ہمیں طاقت نہ ہو فرمایا ہاں! (یا فرمایا میں نے کر دیا) اور ہمیں معاف فرما، اور ہمیں بخش دے، اور ہم پر رحم فرما تو ہمارا مالک ہے تو کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما، فرمایا ہاں یا فرمایا میں نے کر دیا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۷-۷۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۷۵ھ ۱۳۵۵ھ)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے، اکثر مفسرین اس کے قائل ہیں کہ پہلے مسلمان دل میں برے خیالات اور دوسو سوں سے بھی اجتناب کے مکلف تھے پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا کیونکہ دوسو سوں سے اجتناب کرنا ان کی وسعت اور طاقت میں نہیں ہے جیسا کہ اس حدیث میں اس کی تصریح ہے، اور بعض متاخرین نے کہا یہل خن نہیں ہے کیونکہ خن انشاء (وامر اور نواہی) میں ہوتا ہے، اخبار میں نہیں ہوتا، لیکن ان متاخرین کی یہ رائے صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان کو پہلے یہ حکم دیا گیا تھا کہ دوسو سوں سے اجتناب کرو اور بعد میں اس حکم کو منسوخ کیا گیا ہے اور اس آیت میں اس سابق حکم اور اس کے منسوخ ہونے کی خبر دی گئی ہے، بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ خن سے مراد یہل ازلہ ہے یعنی ان کے دلوں میں یہ بات مرکوز ہو گئی تھی کہ ان کو ایک سخت دشوار اور ناقابل عمل فعل کا مکلف کر دیا گیا ہے، تو ان کے دلوں

سے اس بات کو زائل کیا گیا کہ اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا ملک نہیں کرتا یہ قاضی عیاض کی رائے ہے اور واحدی کا مختار یہ ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے، منسوخہ نہیں ہے۔

”ہم“ اور عزم کی تحقیق

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے جب میرا بندہ گناہ کا ”ہم“ (ارادہ) کرے تو اس کا گناہ نہ لکھو، اور اگر وہ اس گناہ کو کر لے تو ایک گناہ لکھ دو اور جب وہ نیکی کا ”ہم“ کرے اور اس نے ابھی وہ نیکی نہ کی ہو تو اس کی ایک نیکی لکھ دو، اور اگر وہ اس نیکی کو کر لے تو اس کی دس نیکیاں لکھ دو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ عزوجل نیکیاں اور برائیاں لکھتا ہے، سو جو شخص نیکی کا ”ہم“ کرے اور ابھی اس نیکی کو نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس اس کو ایک مکمل نیکی لکھ لیتا ہے، اور اگر وہ اس نیکی کو کر لے تو اس کے لیے دس نیکیوں سے لے کر سات سو نیکیاں تک لکھ دیتا ہے، اور اگر وہ گناہ کا ہم کرے اور اس گناہ کو نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک مکمل نیکی لکھ دیتا ہے، اور اگر وہ گناہ کا ہم کرے اور وہ گناہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک گناہ لکھ دیتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطلحہ کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں :

امام مازری نے کہا قاضی ابوبکر بن الطیب کا مذہب یہ ہے کہ جس نے دل سے معصیت کا عزم کیا وہ اپنے اعتقاد اور عزم میں گنہ گار ہوگا، اور اگر اس نے معصیت کا عزم نہیں کیا، وہ معصیت صرف اس کے ذہن میں آئی اس کا ذہن میں استقرار نہیں ہوا تو یہ ”ہم“ ہے اور ہم اور عزم میں فرق کیا جاتا ہے (اگر کسی کام میں راجح جانب کرنے کی ہو اور مرجوح سا خیال نہ کرنے کا ہو تو یہ ”ہم“ ہے اور اگر کام نہ کرنے کی مرجوح جانب بھی ختم ہو جائے اور اس کام کو کرنے کا سو فیصد ارادہ ہو جائے خواہ نفع ہو یا نقصان تو اس کو عزم کہتے ہیں) بہت سے فقہاء اور محدثین نے اس قاعدہ کی مخالفت کی ہے اور ظاہر حدیث پر عمل کیا ہے۔

قاضی عیاض نے کہا کہ عامۃ السلف، فقہاء اور محدثین کا وہی مذہب ہے جو قاضی ابوبکر کا مذہب ہے، کیونکہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ دل کے عمل پر بھی مواخذہ ہوتا ہے لیکن انہوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی برائی کا عزم کرے تو ایک برائی لکھ لی جاتی ہے اور اگر برائی کا ”ہم“ کرے تو برائی نہیں لکھی جاتی کیونکہ ”ہم“ کے بعد عمل نہیں کیا جاتا اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ عمل نہ کرنے کی وجہ خوف الہی ہو لیکن نفس اصرار اور عزم معصیت ہے، اس لیے عزم کے بعد ایک معصیت لکھ دی جاتی ہے اور اگر عزم کے بعد اس پر عمل کر لیا تو دوسری معصیت لکھ لی جائے گی اور اگر اس نے عزم معصیت کے بعد خدا کے خوف سے اس معصیت کو ترک کر دیا تو ایک نیکی لکھ دی جائے گی۔

معصیت کے ”ہم“ کے بعد معصیت نہیں لکھی جاتی کیونکہ ”ہم“ میں نفس اپنے آپ کو اس معصیت پر آمادہ نہیں کرتا، نہ اس کا عقد، عزم اور نیت کرتا ہے، متکلمین نے اس میں بحث کی ہے کہ جب وہ اس معصیت کو خوف خدا کے علاوہ کسی اور وجہ سے ترک کرے، مثلاً لوگوں کے خوف کی وجہ سے ترک کرے تو اس کی نیکی لکھی جائے گی یا نہیں، بعض علماء نے کہا اب اس کی نیکی نہیں لکھی جائے گی، لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۷۸-۷۹)

مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۷۵ء (۳۳)

قرآن مجید کی نصوص قطعیہ اور احادیث صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ معصیت کے عزم، عقد اور گناہ کی نیت سے مواخذہ ہوتا ہے خواہ اس پر عمل کیا جائے یا نہیں۔

دل کے انفعال پر مواخذہ کی تحقیق

قرآن مجید میں ہے :

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي
الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے
حیائی کی بات پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک
(النور: ۱۹) عذاب ہے۔

اس آیت میں صرف دل کے عمل پر عذاب کی وعید ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ
بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (الحجرات-۴) اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ
ہیں۔

اس آیت میں بدگمانی کو گناہ قرار دیا ہے اور وہ دل اور ذہن کا فعل ہے۔

وَلَا تَعَزَّمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ (البقرة: ۲۳۵) اور (عدت کے دوران) عقد نکاح کا عزم نہ کرو۔

اس آیت میں عزم سے منع کیا گیا ہے اور عزم دل کا فعل ہے اور عدت میں کسی عورت سے نکاح کا عزم کرنا گناہ

کبیرہ ہے۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب دو مسلمان تلواریں سے مقابلہ کرتے ہیں تو
قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں، میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! یہ قاتل تو ہوا، مقتول کا کیا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا وہ
بھی اپنے مقتل کے قتل پر حریص تھا (صحیح بخاری ج ۱ ص ۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۷۵ء)

اس حدیث سے بھی یہ واضح ہوا کہ جس طرح مسلمان کو قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے اسی طرح مسلمان کو قتل کرنے کا عزم

کرنا بھی گناہ ہے۔

قرآن مجید اور حدیث شریف کی تصریحات کے علاوہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حد کرنا، مسلمانوں کو حقیر جاننا

اور ان سے کینہ اور بغض رکھنا حرام ہے، اور یہ تمام دل کے انفعال ہیں، ان دلائل سے یہ واضح ہو گیا کہ معصیت کا عزم بھی

معصیت ہے خواہ اس عزم کے بعد معصیت کا ارتکاب کرے یا نہ کرے، البتہ معصیت کا ”ہم“ معصیت نہیں ہے۔

”ہم“ اور ”عزم“ کی مزید وضاحت کے لیے یہ جتنا چاہیے کہ ذہن میں وارد ہونے والے امور کی پانچ قسمیں ہیں :

علامہ احمد صلی ماکی لکھتے ہیں :

۱۔ پس نہ لہا تک کسی چیز کا خیال آئے۔

۲۔ خاطر نہ کسی چیز کا بہرہ خیال آئے۔

۳۔ حدیث نفس نہ جس چیز کا خیال آئے ذہن اس کی طرف راغب ہو اور اس کے حصول کے لیے منصوبہ بنائے۔

۴۔ ”ہم“ نہ غالب جانب اس چیز کو حاصل کرنے کی ہو اور مغلوب سا خیل ہو کہ اس کو حاصل نہ کیا جائے، کیونکہ ہو سکتا ہے اس سے ضرر ہو۔

۵۔ عزم نہ مغلوب جانب بھی زائل ہو جائے اور اس چیز کے حصول کا پختہ ارادہ ہو، وہ اپنے نفس کو اس کے حصول پر آمادہ کر لے اور اس کی نیت کر لے۔

اگر کسی شخص کے ذہن میں خیال آئے تو حاجس، خاطر، حدیث نفس اور ہم کے مرتبہ میں اس سے مواخذہ نہیں ہوتا البتہ اگر گناہ کا عزم کر لے تو وہ مستحق مواخذہ ہے، خواہ اس کے بعد گناہ کا فعل نہ کرے۔

(تفسیر الصلوی ج ۱ ص ۹۹، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ مصر)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کسی انسان کا کوئی دشمن ہو اور ایک دن اس کے ذہن میں اچانک اس کو قتل کرنے کا خیال آئے تو یہ حاجس ہے، اور اگر بار بار اس کو قتل کرنے کا خیال آئے تو یہ خاطر ہے اور جب اس کا ذہن اس کے قتل کی طرف راغب ہو اور وہ اس کے قتل کا منصوبہ بنائے کہ اس کو مثلاً پستول سے قتل کرے گا اور فلاں جگہ سے پستول کو حاصل کرے گا تو یہ حدیث نفس ہے، اور جب وہ اس کو قتل کرنے کا ارادہ کر لے اور غالب جانب اس کو قتل کرنے کی ہو لیکن مغلوب سا یہ خیال ہو کہ وہ کیس پکڑا نہ جائے اس لیے نہ قتل کرے تو بہتر ہے تو یہ ہم ہے اور جب یہ مغلوب جانب بھی زائل ہو جائے اور وہ یہ طے کر لے کہ اس کو قتل کرنا ہے خواہ وہ پکڑا کیوں نہ جائے اور اس کے بدلہ میں قتل کیوں نہ کر دیا جائے اور اس کو قتل کرنے کی نیت کرے تو یہ عزم ہے، پہلے چار مرتبوں پر اس سے مواخذہ نہیں ہو گا لیکن جب وہ قتل کرنے کا عزم کر لے گا تو اس عزم پر مواخذہ ہو گا خواہ اس نے قتل نہ کیا ہو، مثلاً وہ شخص اس کو قتل کرنے گیا لیکن جب وہ اس کے گھر گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنی طبعی موت سے ابھی ابھی مرا ہے، اب ہرچند کہ اس نے قتل نہیں کیا لیکن اس نے بہر حال اس کو قتل کرنے کی نیت کر لی تھی اس لیے اس نیت کی وجہ سے اس کی گرفت ہوگی۔

حاجس، خاطر اور حدیث نفس کے مرتبہ میں معصیت پہلی امتوں پر بھی معاف تھی اور اس امت پر بھی معاف ہے، لیکن پچھلی امتوں کا ”ہم“ پر مواخذہ ہوتا تھا اس امت پر ”ہم“ معاف ہے البتہ اگر معصیت کا عزم کر لیا جائے تو اس امت پر بھی مواخذہ ہوگا۔

معصیت کی حدیث نفس مذموم ہے اور نیکی کی حدیث نفس جائز بلکہ مستحسن ہے خواہ حالت نماز ہو۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں :

حضرت عمرؓ نے کہا میں نماز کی حالت میں لشکر کی صفیں مرتب کرتا رہتا ہوں۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دینی امور کے متعلق نماز میں سوچ و بچار اور غور و فکر کرنا جائز ہے۔

امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت اپنے دل میں جن کاموں کے منصوبے بناتی ہے (حدیث نفس) جب تک ان کی بات نہ کرے یا ان پر عمل نہ کرے، اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرماتا ہے۔

امام فریابی، امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر، محمد بن کعب قرظی سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ نے جس نبی اور

رسول کو مبعوث کیا اور اس پر کتب نازل کی۔ اس پر یہ آیت نازل فرمائی ”جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا تم اس کو چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا“ پس جس کو چاہے گا اس کو بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا“ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ سابقہ امتوں نے اپنے نبیوں اور رسولوں سے اس حکم کو ماننے سے انکار کیا اور کہا ہمارے دلوں میں جو باتیں آئیں اور ہم ان پر عمل نہ کریں تو ہم سے ان پر کیسے گرفت ہوگی! سو وہ کافر اور گمراہ ہو گئے، اور جب نبی ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر بھی یہ آیت اسی طرح دشوار ہوئی جس طرح پچھلی امتوں پر دشوار ہوئی تھی، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے دلوں میں جو باتیں آئیں اور ہم ان پر عمل نہ کریں کیا پھر بھی ہم سے ان باتوں پر مواخذہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تم سنو اور تم اطاعت کرو، اور جب مسلمانوں نے یہ کہا کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے حدیث نفس (دل کی باتوں) پر محاسبہ کو ساقط کر دیا، جب تک کہ وہ اس پر عمل نہ کر لیں، اور ان کو انہی کاموں کو مکلف کیا جن کی وہ طاقت رکھتے تھے اور جب انہوں نے کہا اے ہمارے رب! نسیان اور خطا پر ہماری گرفت نہ کرنا تو ان سے نسیان اور خطا پر مواخذہ کو ساقط کر دیا اور جب انہوں نے کہا اے ہمارے رب ہم پر ایسے سخت احکام کا بوجھ نہ ڈالنا جیسے سخت احکام پچھلی امتوں پر تھے، تو ان کو ایسے سخت احکام کا مکلف نہیں کیا گیا، اور ان کو معاف کر دیا، ان کی مغفرت کی اور ان کی مدد فرمائی۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۷۳-۳۷۴، مطبوعہ مکتبۃ آیتہ اللہ العظمیٰ امیران)

تکلیف ملا یطابق پر استدلال اور اس کا جواب

علامہ ابو الیمان اندلسی لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے ”جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے“ تم اس کو ظاہر کرو یا تم اس کو چھپاؤ“ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا“ انسان اپنے دل میں جن دوسو سو اور حدیث نفس کو چھپاتا ہے وہ اس میں داخل نہیں ہیں، کیونکہ ان سے قلب کو قاصر کرنا اس کی طاقت اور اختیار میں نہیں ہے، البتہ جس چیز کا وہ اعتقاد کرتا ہے اور اس کا عزم کرتا ہے وہ اس میں داخل ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس آیت کو تلاوت کیا اور کہا اگر اللہ نے اس پر ہمارا مواخذہ کیا تو ہم ہلاک ہو جائیں گے، پھر وہ رونے لگے، جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمن پر رحم کرے جس طرح ان کو رنج ہوا ہے مسلمانوں کو بھی اس طرح رنج ہوا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا، ان روایات کی بناء پر بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے، اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کا محاسبہ کرے گا، اور انہوں نے جن کاموں کا پختہ عزم کیا ہے خواہ انہوں نے وہ کام نہیں کیے ان کا بھی محاسبہ کرے گا اور مومنین کی مغفرت فرمادے گا اور کفار اور منافقین کا مواخذہ فرمائے گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا دل میں جو خواطر اور وساوس آتے ہیں ان کی سزا میں دنیا میں مصائب اور آلام پہنچتے ہیں۔ بعض علماء نے اس آیت سے تکلیف ملا یطابق پر استدلال کیا ہے کیونکہ خواطر قلب سے بچنا انسان کی طاقت میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا مکلف کیا ہے، ابن علیہ نے کہا یہ استدلال صحیح نہیں ہے کہ کیونکہ خواطر قلب کی یہی تاویل نیت، عزائم اور اعتقالات سے کی گئی ہے اور وہ انسان کے اختیار میں ہیں۔

(المحرر المبیح ج ۲ ص ۷۵۳، ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

سورہ بقرہ کے اقتراح اور اختتام کی مناسبت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (ہمارے) رسول اس (کلام) پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور مومن (بھی ایمان لائے)

اس سورت کی ابتداء میں بھی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی صفت بیان فرمائی تھیں کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو اس (کلام) پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ آخرت میں فلاح پانے والے ہیں اور سورت کے اختتام میں بھی مومنوں کی صفت بیان کی گئی ہیں کہ وہ اس کلام پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور اے ہمارے رب! ہم تیری مغفرت کے طالب ہیں اور تیری ہی طرف ہمیں لوٹنا ہے۔ لایۃ۔

اللہ فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے کے ذکر کی ترتیب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر سب (یہ کہتے ہوئے) ایمان لائے کہ ہم (ایمان لانے میں) ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اس آیت میں پہلے اللہ پر ایمان لانے کا ذکر کیا ہے، کیونکہ ہر ذی عقل سب سے پہلے وجودِ صانع پر استدلال کرتا ہے، اس کے بعد فرشتوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے، کیونکہ اللہ اور بندوں کے درمیان فرشتے واسطہ ہیں، اس لیے ان کا دوسرے درجہ میں ذکر ہے، پھر کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے، کیونکہ کتابیں وہ وحی ہیں جن کو فرشتہ اللہ سے لے کر نبیوں تک پہنچاتا ہے، اس لیے ان کا تیسرے مرتبہ میں ذکر ہے، اس کے بعد رسولوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے، کیونکہ وہی وحی کے انوار سے اقتباس کرتے ہیں، اس لیے ان کا چوتھی جگہ ذکر ہے۔

اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لانے میں ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے، جیسے یہود اور نصاریٰ نے فرق کیا کہ بعض نبیوں پر ایمان لائے اور بعض پر ایمان نہیں لائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔

امام ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم ہاتھ پاؤں اور زبان کے کاموں سے توبہ اور رجوع کرتے ہیں وسوسوں سے کیسے رجوع کریں تو جبریل اس آیت کو لے کر آئے اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا، بیشک تم وسوسوں سے باز رہنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے سینہ میں جو وسوسے آتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمایا ہے، جب تک کہ وہ اس پر عمل نہ کریں اور اس کی بات نہ کریں۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۶، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

کسب اور اکتساب کا معنی اور شر کو اکتساب کے ساتھ مخصوص کرنے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو اس (شخص) نے نیک کام کئے ہیں ان کا نفع (بھی) اس کے لیے ہے اور جو اس نے برے کام کیے ہیں ان کا نقصان (بھی) اس کے لیے ہے۔

جس کلام کو انسان قصد لور ارلہ سے کرے اس کو کسب لور اکتساب کہتے ہیں، لور خواطر لور و سوس میں انسان کے قصد لور ارلہ کا دخل نہیں ہوتا اس لیے ان پر گرفت نہیں ہوگی، اسی طرح جو کلام انسان سے نسیانا، لور خطاء ہو جائے یا جو کلام اضطراری طور پر صادر ہو، اس پر بھی گرفت نہیں ہوگی۔

لام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کے ان کاموں کو معاف کر دیا جو خطاء ہوں، نسیانا ہوں یا جن کاموں پر انہیں مجبور کیا گیا ہو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۷۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

لعل لغت کے نزدیک کسب لور اکتساب کا معنی واحد ہے، لور بعض نے کسب لور اکتساب میں فرق بیان کیا ہے، کسب عام ہے خواہ انسان وہ کلام صرف اپنے لیے کرے یا دوسرے کے لیے، لور اکتساب اس کلام کو کہتے ہیں جو صرف اپنے لیے کیا جائے، زعمی نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خیر کے لیے کسب لور شر کے لیے اکتساب کو استعمال کیا ہے، کیونکہ باب افعال کا خلاصہ ہے کسی چیز کو زیادہ محنت لور کوشش سے حاصل کرنا، لور جب انسان کسی برے کام کی خواہش کرتا ہے تو اس کی تحصیل میں زیادہ عمل کرتا ہے اس کے لیے اکتساب فرمایا، اور بعض نے کہا نیکی کے کام انسان کی فطرت کے مطابق ہوتے ہیں اس لیے ان کو کرنے کے لیے زیادہ کوشش نہیں کرنی پڑتی لور برائی کے کام چونکہ انسان کی فطرت کے خلاف ہوتے ہیں اس لیے ان کو کرتے وقت انسان کا نفس بوجھل ہوتا ہے اور ان کے لیے زیادہ عمل کرنا پڑتا ہے اس لیے ان کے لیے اکتساب فرمایا، لور یہ بھی ہو سکتا ہے جس کی سرشت میں خیر اور نیکی ہو وہ اگر برا کام کسی وجہ سے کرے گا تو اس کا ضمیر مزاحمت کرے گا لور اسے برائی کے لیے زیادہ دشواری ہوگی، لور جس کی سرشت میں شر اور برائی ہو وہ برے کام کو زیادہ دلچسپی لور زیادہ کوشش سے کرے گا، اس طرح ہر صورت میں برے کام میں زیادہ عمل ہو گا اس لیے برے کام کے لیے اکتساب کا لفظ فرمایا جس میں زیادہ عمل ہے کیونکہ زیادتی لفظ زیادتی معنی پر دلالت کرتی ہے۔

دوسروں کے عمل سے نفع یا ضرر پہنچنے کا بیان

بہ ظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو صرف ان ہی کاموں کا نفع یا ضرر ہو گا جو اس نے خود کیے ہوں، لیکن تحقیق یہ ہے کہ جن کاموں کے وجود میں آنے کے لیے کسی طور سے بھی کسی انسان کا دخل ہو تو اگر وہ اچھے کام ہیں تو اس کو ان کا نفع پہنچے گا لور اگر وہ برے کام ہوں تو اس کو ان کا ضرر پہنچے گا، مثلاً ایک آدمی نے مسجد بنوادی یا لائبریری قائم کر دی تو جب تک اس مسجد میں نمازیں پڑھی جاتی رہیں گی اس کو اس کا اجر ملتا رہے گا لور جب تک اس لائبریری میں کتابیں پڑھی جاتی رہیں گی اس کو اجر ملتا رہے گا، اس طرح اولاد کے دعا کرنے سے لور کسی استغاثہ کے پڑھانے ہوئے علم سے اجر ملتا رہے گا، لور جس شخص نے کوئی جو اخلاص، قبحہ خاندان یا شراب خاندان بنایا ہے تو جب تک وہاں برائی کے کام ہوتے رہیں گے اس کے عمل میں گناہ لکھے جاتے رہیں گے۔ لام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لون کے کپڑے پہنے ہوئے کچھ دیہاتی حاضر ہوئے آپ نے ان کی بد حالی لور ضرورت کو دیکھا، پھر آپ نے لوگوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی، لوگوں نے کچھ توقف کیا جس سے آپ کے چہرہ پر انور پر کبیدگی کے آثار ظاہر ہوئے، پھر ایک انصاری درہموں کی قھیلی لے کر آیا، پھر دوسرا آیا، لور پھر صدقہ لانے والوں کا تہا بندہ گیا، حتیٰ کہ نبی ﷺ کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے، تب رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا جس شخص نے مسلمانوں میں کسی نیک طریقہ کی ابتداء کی، اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے ثمرہ اعمال میں لکھا جائیگا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہیں ہوگی اور جس شخص نے مسلمانوں میں کسی برے طریقہ کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس شخص کے ثمرہ اعمال میں لکھا جائیگا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کمی نہیں ہوگی۔
(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۱، مطبوعہ نور محمد اصرار الطبع کراچی ۱۴۳۸ھ)

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائیگا اس کے گناہ میں ایک حصہ پہلے ابن آدم کا ہوگا (یعنی قاتل کا جس نے ہاتل کو ظلماً قتل کیا تھا) کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ نکالا۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۱، مطبوعہ نور محمد اصرار الطبع کراچی ۱۴۳۸ھ)

خطا، نسیان اور جو کام جبراً کرائے جائیں ان پر مواخذہ نہ ہوتا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے غلطی ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کر۔
امام ابن ماجہ، امام ابن المنذر، امام ابن حبان، امام طبرانی، امام دارقطنی، امام حاکم اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا، نسیان اور جس کام پر اس کو مجبور کیا گیا ہو اس سے درگزر فرمایا ہے۔

امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت ثوبان، حضرت ابن عمر اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور امام ابن عدی نے کمال میں، امام ابو نعیم نے تاریخ میں اور امام سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اس کو حسن سے روایت کیا ہے، ہم اس سے پہلے امام مسلم کی روایت سے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی، امام ابن جریر نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے۔
سابقہ امتوں کے سخت احکام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ہمارے رب ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔ لایۃ
امام ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ ہم کو ایسے احکام کا مکلف نہ کرنا جن کو ہم لو انہ کر سکیں، جس طرح ہم سے پہلے یہود و نصاریٰ پر سخت احکام کا بوجھ ڈالا گیا، وہ ان احکام پر عمل نہ کر سکے پھر اس کی سزائیں ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔

امام ابن ابی شیبہ، امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے عبد الرحمن بن حنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب بنو اسرائیل کے کپڑوں پر پیشاب لگ جاتا تو وہ اس کو قینچی سے کاٹ دیتے تھے۔
امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ بنو اسرائیل میں جب کوئی شخص گناہ کرتا تو اس سے کہا جاتا کہ تمہاری توبہ یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو قتل کرو، سو وہ قتل کرتا، اس امت سے ایسے سخت احکام کا بوجھ اٹھایا گیا۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۷۷، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

سابقہ امتوں پر بہت سخت اور دشوار احکام تھے، ان پر پچاس نمازیں فرض تھیں، زکوٰۃ میں چوتھائی مل کو ادا کرنا فرض

ہم نے کبھی کبھار گناہ کیا ہے، سو اس کی سزا میں ہم کو قتل کرنا لازم تھا، شرک کی توبہ قتل کرنا تھی، جس عضو سے گناہ ہوتا تھا اس کو کاٹ دیا جاتا تھا، دیت کی سولت نہیں تھی، بعض گناہوں کی سزا میں ان کی صورتوں کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنایا جاتا تھا۔

سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت

امام عبد بن حمید نے عطا سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت جبرائیل نے سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو نبی ﷺ کے سامنے پڑھا تو آپ نے کہا آمین۔

امام احمد، امام دارمی، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے رات میں سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو پڑھا تو وہ اس کے لیے کافی ہیں۔

امام طبرانی نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو بار بار پڑھو، کیونکہ اللہ نے ان کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کو فضیلت دی ہے۔

امام احمد نے اور امام بیہقی نے شعب اللایمان میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ مجھے سورہ بقرہ کی آخری آیتیں عرش کے نیچے سے دی گئی ہیں، مجھ سے پہلے یہ کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔

امام طبرانی نے سند جید کے ساتھ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک کتب لکھی اس میں سے دو آیتیں نازل کیں اور سورہ بقرہ کو ان پر ختم کیا جس گھر میں تین راتیں ان دو آیتوں کو پڑھا جائے گا اس گھر میں شیطان نہیں ٹھہرے گا۔
(لقد انشورج اص ۷۸، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

کلمات تفکر

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۹۹۳ء کو میں نے تبیان القرآن لکھنے کا آغاز کیا تھا، اسی سال اللہ تعالیٰ نے مجھے فریضہ حج کی لواحقیت سے نوازا اور اپنے کرم سے حج اکبر عطا کیا، حج سے پہلے اور بعد حج کی مصروفیات اور تھکاوٹ کی وجہ سے لکھنے میں تاخیر ہوتی رہی، ۲۸ فروری ۱۹۹۵ء کو مقدمہ تفسیر سورہ فاتحہ اور پہلے پارہ کی تفسیر مکمل ہوئی، دس جولائی ۱۹۹۵ء کو دوسرے پارہ کی تفسیر مکمل ہوئی اور بارہ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ دس اگست ۱۹۹۵ء کو سورہ بقرہ کی تفسیر مکمل ہو گئی فالحمد للہ رب العالمین۔

۱۰ رمضان المبارک کو تبیان القرآن کی پہلی جلد کا افتتاح ہوا اور بارہ ربیع الاول جشن آمد رسول کے مبارک دن یہ جلد مکمل ہو گئی، اس جلد کا افتتاح اور اختتام مبارک لیام میں ہوا ہے سواہ الطمینین! اس کتب کو مبارک بنادے، ہمارے دلوں کو قرآن مجید کی ہدایات سے معمور کر دے اور ہماری مدحوں کو احاطہ مبارک کے انوار سے منور کر دے اور ہمارے بدن اور ہمارے تمام اعضاء کو قرآن اور سنت کے تلاح کر دے۔ رب الطمینین! جس طرح تو نے تبیان القرآن کی اس پہلی جلد اول

جلد کو مکمل کرنے کی توفیق دی ہے، اسی طرح اپنے کرم سے اس کی باقی جلدوں کو بھی مکمل کرنے کی سعادت عطا فرما، اس کتب کو مقبولیت عامہ عطا فرما اور تاقیامت اس کے فیض کے چشموں کو جاری رکھ۔ اور اس کے مندرجات پر مجھ سمیت سب کو عمل کی توفیق عطا فرما، اس کتب کو مخالفین کے لیے ہدایت اور موافقین کے لیے استقامت کا موجب بنا، اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ کر دے! مجھے، میرے والدین کو میرے اقرباء کو میرے اساتذہ اور تلامذہ کو میرے احباب اور معاونین کو بیان القرآن کے ناشر، کاتب اور صحیح کو اور جملہ مسلمانوں کو دنیا اور آخرت کے مصائب، آفت اور بلاؤں سے محفوظ اور مامون رکھ اور دنیا اور آخرت کی ہر خیر ہر سعادت اور ہر کامرانی عطا فرما۔ آمین و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین و علی الہ الطیبین الطاہرین واصحابہ الکاملین الراشدین وازواجه امہات المومنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ من المفسرین والمحدثین والمجتہدین الراسخین اجمعین الی یوم الدین۔

لےخذ و مرآع

كٲب الہیہ

۱ قرآن مجید

۲ تورٲ

۳ انجیل

كٲب اءلویٲ

- ۴ لاء ہو ضیفہ نعمان بن علبٲ ءونی ءصاف؁ مسء لاء اعلم؁ مطبوء؁ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
- ۵ لاء مالک بن انس اسبجی ءونی ۷۷۷؁ موطا لاء مالک؁ مطبوء؁ مطبع مجبلی پاکستان لاہور
- ۶ لاء ہو یوسف یعقوب بن ابراہیم ءونی ۷۷۷؁ کتب لاء آثار؁ مطبوء؁ مکتبہ اتریہ سانگلہ بل
- ۷ لاء محمد بن حسن شیبانی ءونی ۷۷۷؁ موطا لاء عمر؁ مطبوء؁ نور عمر کارخانہ تجارت کب کراچی
- ۸ لاء محمد بن حسن شیبانی ءونی ۷۷۷؁ کتب لاء آثار؁ مطبوء؁ لواء القرآن کراچی؁ ۷۷۷۰
- ۹ لاء سلیمان بن دلوڈ بن جارد طیالسی ءنی ءونی ۷۷۷؁ مسء طیالسی؁ مطبوء؁ لواء القرآن کراچی؁ ۷۷۷۱
- ۱۰ لاء محمد بن لورس شافعی ءونی ۷۷۷؁ المسء؁ مطبوء؁ دار الکتب العلمیہ بیروت؁ ۷۷۷۰
- ۱۱ لاء عبد الرزاق بن عامر صنفی ءونی ۷۷۷؁ المصنف؁ مطبوء؁ لواء القرآن کراچی؁ ۷۷۷۱
- ۱۲ لاء عبد اللہ بن الزہرہ عیدی ءونی ۷۷۷؁ المسء؁ مطبوء؁ عالم الکتب بیروت
- ۱۳ لاء ہو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ ءونی ۷۷۷؁ المصنف؁ مطبوء؁ لواء القرآن کراچی؁ ۷۷۷۱
- ۱۴ لاء احمد بن حنبل ءونی ۷۷۷؁ المسء؁ مطبوء؁ کتب اسلامی بیروت؁ ۷۷۷۱
- ۱۵ لاء ہو عبد اللہ بن عبد الرحمن داری ءونی ۷۷۷؁ سنن داری؁ مطبوء؁ نشر الٰہ ملکن
- ۱۶ لاء ہو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری ءونی ۷۷۷؁ صحیح بخاری؁ مطبوء؁ نور عمر اصح الطلوع کراچی؁ ۷۷۷۱
- ۱۷ لاء ہو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری ءونی ۷۷۷؁ کلاب المفرد؁ مطبوء؁ مطبع اتریہ سانگلہ بل
- ۱۸ لاء ابو الحسن مسلم بن حلاج قسری ءونی ۷۷۷؁ صحیح مسلم؁ مطبوء؁ نور عمر اصح الطلوع کراچی؁ ۷۷۷۱
- ۱۹ لاء ہو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ ءونی ۷۷۷؁ سنن ابن ماجہ؁ مطبوء؁ نور عمر کارخانہ تجارت کب کراچی
- ۲۰ لاء ہو دلوڈ سلیمان بن اشعث بسکنی ءونی ۷۷۷؁ سنن ہو دلوڈ؁ مطبوء؁ مطبع مجبلی پاکستان لاہور؁ ۷۷۷۱
- ۲۱ لاء ہو دلوڈ سلیمان بن اشعث بسکنی ءونی ۷۷۷؁ مراسل ہو دلوڈ؁ مطبوء؁ نور عمر کارخانہ تجارت کب کراچی
- ۲۲ لاء ہو عینی محمد بن عینی تفسی ءونی ۷۷۷؁ جامع تفسی؁ مطبوء؁ نور عمر کارخانہ تجارت کب کراچی
- ۲۳ لاء ہو عینی محمد بن عینی تفسی ءونی ۷۷۷؁ شامل تفسی؁ مطبوء؁ نور عمر کارخانہ تجارت کب کراچی
- ۲۴ لاء علی بن عولر قسنی ءونی ۷۷۷؁ سنن دار قسنی؁ مطبوء؁ نشر الٰہ ملکن
- ۲۵ لاء احمد بن عوبین عبد اللہ بن عولر ءونی ۷۷۷؁ المسء؁ مطبوء؁ مؤسئ القرآن بیروت؁ ۷۷۷۱

- ۲۶ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ 'سنن نسائی' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۲۷ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ 'عمل الیوم واللیلہ مطبوعہ مؤستہ الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ
- ۲۸ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ 'سنن کبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ
- ۲۹ امام احمد بن علی المشی الخیمسی المعنی ۳۰۷ھ 'مسند ابو یعلیٰ موصلی مطبوعہ دار المأمون تراث' بیروت' ۱۴۰۴ھ
- ۳۰ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ 'صحیح ابن خزیمہ' مطبوعہ کتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ
- ۳۱ امام ابو حوانہ یعقوب بن اسحاق متوفی ۳۲۱ھ 'مسند ابو حوانہ' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ
- ۳۲ امام ابو عبد اللہ محمد الحکیم الترمذی المعنی ۳۲۰ھ 'تولود لاصول' مطبوعہ دار الریان التراث قاہرہ' ۱۴۰۸ھ
- ۳۳ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ 'شرح مشکاۃ الآثار' مطبوعہ مؤستہ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
- ۳۴ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ 'شرح معانی الآثار مطبوعہ مطبعہ مجبلی پاکستان لاہور' ۱۴۰۴ھ
- ۳۵ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی متوفی ۳۵۴ھ 'الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۷ھ
- ۳۶ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد البرہانی المعنی ۳۶۰ھ 'معجم صغیر' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ' ۱۴۱۸ھ
- ۳۷ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد البرہانی المعنی ۳۶۰ھ 'معجم لوسط' مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض' ۱۴۰۵ھ
- ۳۸ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد البرہانی المعنی ۳۶۰ھ 'معجم کبیر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۳۹ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد البرہانی المعنی ۳۶۰ھ 'مسند الشامیین مطبوعہ مؤستہ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۹ھ
- ۴۰ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد البرہانی المعنی ۳۶۰ھ 'کتب الدعاء مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ
- ۴۱ امام ابو بکر احمد بن اسحاق دیوری المعروف بابن السنی متوفی ۳۶۳ھ 'عمل الیوم واللیلہ مطبوعہ مجلس الدائرۃ المعارف' حیدر آباد دکن
- ۴۲ امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی المعنی ۳۶۵ھ 'الکامل فی ضعفاء الرجال' مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۴۳ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ 'المستدرک' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ
- ۴۴ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی متوفی ۴۲۰ھ 'حلیۃ الاولیاء' مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ
- ۴۵ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی متوفی ۴۲۰ھ 'دلائل النبوة' مطبوعہ دار التفاسیر بیروت
- ۴۶ امام ابو بکر احمد بن حسین نیمحقی متوفی ۴۵۸ھ 'سنن کبریٰ' مطبوعہ نشر النستہ ملکن
- ۴۷ امام ابو بکر احمد بن حسین نیمحقی متوفی ۴۵۸ھ 'معرفۃ السنن والآثار' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۴۸ امام ابو بکر احمد بن حسین نیمحقی متوفی ۴۵۸ھ 'دلائل النبوة' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۴۹ امام ابو بکر احمد بن حسین نیمحقی متوفی ۴۵۸ھ 'شعب الایمان' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۱ھ
- ۵۰ امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۱ھ 'شرح النستہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ
- ۵۱ امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ 'مختصر تاریخ دمشق' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ
- ۵۲ امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ 'تمذیب تاریخ دمشق' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ
- ۵۳ امام ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۲۳ھ 'الاحادیث المختارۃ' مطبوعہ مکتبہ النهضة المدنیہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ
- ۵۴ امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ 'الترغیب والترہیب' مطبوعہ دار الحديث قاہرہ' ۱۴۰۷ھ

- ۵۵ نام علی الدین محمد بن حنفی حنفی ۸۷۲ھ 'مکتوب' مطبوعہ اسح المظاہر دہلی
- ۵۶ حافظ علی الدین عبداللہ بن یوسف زبلی حنفی ۸۷۳ھ 'نصب الرایہ' مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند ۱۳۵۷ھ
- ۵۷ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی 'المعنی' ۸۸۰ھ 'مجمع الزوائد' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۲ھ
- ۵۸ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی 'المعنی' ۸۸۰ھ 'کشف الاستار' مطبوعہ مؤستہ الرسالہ بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۵۹ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی 'المعنی' ۸۸۰ھ 'مورد النعمان' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۶۰ نام محمد بن محمد جزری متوفی ۸۸۳ھ 'حسن حصین' مطبوعہ مصطفیٰ البیہقی ولولادہ مصر ۱۳۵۰ھ
- ۶۱ حافظ طلاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی متوفی ۸۸۵ھ 'الجوہر النقی' مطبوعہ نشر النستہ ملتان
- ۶۲ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۸۸۸ھ 'تخصیص المستدرک' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
- ۶۳ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۸۸ھ 'الطالب العالیہ' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
- ۶۴ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ 'الجامع الصغیر' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۹ھ
- ۶۵ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ 'جامع الاطالیث الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۶۶ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ 'الخصائص الکبریٰ' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
- ۶۷ علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ 'کشف الغم' مطبوعہ مطبعہ عامو ثنائیہ مصر ۱۳۰۳ھ
- ۶۸ علامہ علی قلی بن حسام الدین ہندی بہمن پوری متوفی ۹۷۵ھ 'کنز العمال' مطبوعہ مؤستہ الرسالہ بیروت ۱۳۰۵ھ

کتب تفسیر

- ۶۹ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ 'توہد المقباس' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران
- ۷۰ نام حسن بن عبداللہ البصری المعنی ۱۱۱ھ 'تفسیر الحسن البصری' مطبوعہ مکتبہ ادلویہ مکہ مکرمہ ۱۳۱۳ھ
- ۷۱ نام ابو زکریا یحییٰ بن زیاد قرطبی متوفی ۴۰۷ھ 'مطلی القرآن' مطبوعہ بیروت
- ۷۲ شیخ ابو الحسن علی بن ابی ایوب قرطبی متوفی ۴۰۷ھ 'تفسیر قرطبی' مطبوعہ دار الکتب ایران ۱۳۰۶ھ
- ۷۳ نام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۲۵۵ھ 'جامع البیان' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۰۹ھ
- ۷۴ نام ابو اسحاق ابی ایوب بن محمد الزجاج متوفی ۲۵۵ھ 'اعراب القرآن' مطبوعہ مطبعہ سلیمان قاری ایران ۱۳۰۶ھ
- ۷۵ نام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص خفی متوفی ۳۷۰ھ 'احکام القرآن' مطبوعہ سبیل اکیڈمی لاہور ۱۳۰۰ھ
- ۷۶ علامہ ابو العیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ 'تفسیر سمرقندی' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۳ھ
- ۷۷ شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۳۸۵ھ 'التیسار فی تفسیر القرآن' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۷۸ علامہ کی بن ابی طالب متوفی ۳۸۳ھ 'مشکل اعراب القرآن' مطبوعہ انتشارات نور ایران ۱۳۱۳ھ
- ۷۹ علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماردوی شافعی متوفی ۳۵۵ھ 'النکت والعیون' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۸۰ علامہ جلال الدین محمد بن عمر زحیری متوفی ۵۴۸ھ 'کشف' مطبوعہ مطبعہ بیہ مصر ۱۳۱۳ھ

- ۸۱ علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بہن العربی مالکی متوفی ۵۵۳ھ 'احکام القرآن' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۸۲ علامہ ابو بکر قاضی عبد الحق بن غالب بن علیہ اندلسی متوفی ۵۵۶ھ 'الحرر الوعیز مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ
- ۸۳ شیخ ابو علی فضل بن حسن طبری متوفی ۵۵۸ھ 'مجمع البیان' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۰۶ھ
- ۸۴ علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی خلیلی متوفی ۵۹۷ھ 'زواہر المسیر' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۸۵ خواجہ عبد اللہ انصاری من علماء القرن السلس 'کشف الاسرار و مدۃ الایار' مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران ۱۳۰۷ھ
- ۸۶ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ 'تفسیر کبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۸۷ علامہ محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ 'تفسیر القرآن الکریم' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۷۸ھ
- ۸۸ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۸۸ھ 'الجامع لاحکام القرآن' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ
- ۸۹ قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضوی شیرازی شافعی متوفی ۶۸۵ھ 'انوار التنزیل' مطبوعہ دار فراس للنشر و التوزیع مصر
- ۹۰ علامہ ابو البرکت احمد بن محمد نسفی متوفی ۷۷۰ھ 'مدارک التنزیل' مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور
- ۹۱ علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۷۵ھ 'لباب التلویل' مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور
- ۹۲ علامہ نظام الدین حسین بن محمد قتی متوفی ۷۷۸ھ 'تفسیر نیشاپوری' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۰۹ھ
- ۹۳ علامہ تقی الدین ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ 'التفسیر الکبیر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۹ھ
- ۹۴ علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۷۳ھ 'البحر المحیط' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ
- ۹۵ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۳ھ 'تفسیر القرآن' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ
- ۹۶ علامہ عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف ثعلبی متوفی ۸۷۵ھ 'تفسیر الثعلبی' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلیٰ للمطبوعات بیروت
- ۹۷ علامہ ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ 'نظم الدرر' مطبوعہ دار الکتب الاسلامی قاہرہ ۱۳۳۳ھ
- ۹۸ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ 'الدر المنثور' مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران
- ۹۹ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ 'جلالین' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
- ۱۰۰ علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی متوفی ۹۵۱ھ 'حاشیہ شیخ زادہ علی السیضوی مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند
- ۱۰۱ شیخ فتح اللہ کاشانی متوفی ۹۷۷ھ 'منہج الصالحین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران
- ۱۰۲ علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ 'تفسیر ابو السعود' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۱۰۳ علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ 'عنایۃ القاضی' مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۳ھ
- ۱۰۴ علامہ احمد جیون جونپوری متوفی ۱۱۳۰ھ 'التفسیرات الاحمدیہ' مطبع کربئی بمبئی
- ۱۰۵ علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ 'روح البیان' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
- ۱۰۶ شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمال متوفی ۱۲۰۴ھ 'الفتوحات الالہیہ' مطبوعہ المطبعۃ البیتہ مصر ۱۳۰۳ھ
- ۱۰۷ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ 'تفسیر صاوی' مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ مصر
- ۱۰۸ قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ 'تفسیر مظہری' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ
- ۱۰۹ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ 'تفسیر عزیزی' مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی

- ۱۰ شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، فتح القدر، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت
- ۱۱ علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۱۲ نواب صدیق حسن خان، بحوالہ متوفی ۱۳۰۰ھ، فتح البیان، مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۰۱ھ
- ۱۳ علامہ محمد جمال الدین قاسمی متوفی ۱۳۳۲ھ، تفسیر القاسمی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ
- ۱۴ علامہ محمد رشید رضا متوفی ۱۳۵۳ھ، تفسیر المنار، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت
- ۱۵ علامہ حکیم شیخ مظہری بن جوہری مصری متوفی ۱۳۵۹ھ، الجواهر فی تفسیر القرآن، المکتبۃ الاسلامیہ ریاض
- ۱۶ شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۷۳ھ، بیان القرآن، مطبوعہ تلج کینی لاہور
- ۱۷ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ، خزائن العرفان، مطبوعہ تلج کینی لیٹڈ لاہور
- ۱۸ شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ، دُشّ شہیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ تلج کینی لیٹڈ لاہور
- ۱۹ سید محمد قطب شہید متوفی ۱۳۸۵ھ، فی ظلال القرآن، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۸۶ھ
- ۲۰ مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۹ھ، نور العرفان، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ کجرات
- ۲۱ مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۱ھ، معارف القرآن، مطبوعہ لواء المعارف کراچی، ۱۳۹۷ھ
- ۲۲ سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ لواء ترجمان القرآن لاہور
- ۲۳ علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۳۰۶ھ، التبیان، مطبوعہ کاظمی پبلیکیشنز ملتان
- ۲۴ علامہ محمد امین بن محمد مختار بکلی شتیبلی، انصواء البیان، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۲۵ استاد احمد مصطفیٰ المرافی، تفسیر المرافی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۲۶ آیت اللہ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران، ۱۳۶۹ھ
- ۲۷ جنس جی محمد کرم شاہ لاہوری، ضیاء القرآن، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور
- ۲۸ شیخ امین احسن اصلاحی، تدر قرآن، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
- ۲۹ علامہ محمود صافی، اعراب القرآن و صرفہ و بیانہ، مطبوعہ انتشارات زرین ایران
- ۳۰ استاد محی الدین دودیش، اعراب القرآن و بیانہ، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
- ۳۱ ڈاکٹر وجہ زحلی، تفسیر منیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۷۳ھ

کتب علوم قرآن

- ۳۲ علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۴۳ھ، البرہان فی علوم القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۳۳ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۹۱ھ، الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ سبیل الہدٰی لاہور
- ۳۴ علامہ محمد عبد العظیم زرکشی، معجم المصنفین، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتاب شروح حدیث

- ۳۵ حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۴۳ھ، تمهید، مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور، ۱۳۰۴ھ
- ۳۶ علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف بلخی مالکی اندلسی متوفی ۴۴۳ھ، المستقیٰ مطبوعہ مطبع السطوة مصر، ۱۳۳۲ھ
- ۳۷ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم مطبوعہ نور محمد اصح المطالغ کراچی، ۱۳۷۵ھ
- ۳۸ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلف دشتی بلخی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمل اکمل المطم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۳۹ حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۳۰۴ھ
- ۴۰ حافظ بدر الدین محمود بن احمد یحییٰ خفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدة القاری، مطبوعہ لواء البیاض المنیریہ مصر، ۱۳۳۸ھ
- ۴۱ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ، مکمل اکمل المطم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۴۲ علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۰۰ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر، ۱۳۰۶ھ
- ۴۳ علامہ عبد الرؤف متولی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ، فیض القدر، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۹ھ
- ۴۴ علامہ عبد الرؤف متولی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطالغ کراچی
- ۴۵ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۲ھ، جمع الوسائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطالغ کراچی
- ۴۶ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۲ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۰۵ھ
- ۴۷ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۲ھ، مرقات، مطبوعہ مکتبہ لدویہ ملکن، ۱۳۹۰ھ
- ۴۸ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۲ھ، الخرز الثمین، مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ، ۱۳۰۲ھ
- ۴۹ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البلبلی ولولان مصر، ۱۳۵۰ھ
- ۵۰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۲۵۲ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ مطبعہ تیج کمار لکھنؤ
- ۵۱ شیخ عبد الرحمن مبارک پوری متوفی ۱۳۲۵ھ، تحفۃ الاحوذی مطبوعہ نشر النستہ ملکن
- ۵۲ شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری، مطبوعہ مطبعہ حجازی مصر، ۱۳۷۵ھ
- ۵۳ شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ، فتح الملکم، مطبوعہ مکتبۃ الحجاز کراچی

کتاب اسماء رجال

- ۵۴ علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ، العلل المتناهیہ، مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد، ۱۳۰۱ھ
- ۵۵ حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ دائرة المعارف دکن، ۱۳۳۶ھ
- ۵۶ علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۲ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ مطبعہ مجتہائی دہلی

کتاب لغت

- ۵۷ علامہ اسماعیل بن حماد الجوهری متوفی ۳۹۸ھ، الصحاح، مطبوعہ دار العلم بیروت، ۱۳۰۴ھ

- ۱۳۳۲ء محمد بن محمد راتب اسلمانی حنفی ۱۰۷۲ھ 'المفردات' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۳۲ء
- ۱۳۳۳ء محمد بن احمد الجوری حنفی ۱۰۷۱ھ 'تذلیہ' مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعات ایران ۱۳۳۳ء
- ۱۳۳۴ء یحییٰ بن شرف لدوی حنفی ۱۰۷۰ھ 'تہذیب الاسماء واللغات' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
- ۱۳۳۵ء جمال الدین محمد بن کرم بن حکور افریقی حنفی ۱۰۶۹ھ 'لسان العرب' مطبوعہ نشر لوب الحوزۃ قم ایران ۱۳۳۵ء
- ۱۳۳۶ء محمد الدین محمد بن یعقوب فیوز آبادی حنفی ۱۰۶۸ھ 'القاموس المحیط' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۱۳۳۷ء سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی ۱۰۶۷ھ 'تاج العروس' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر
- ۱۳۳۸ء لوئیس مطوف الیسوی 'المعجم' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ بیروت ۱۳۳۸ء
- ۱۳۳۹ء شیخ نظام احمد بدوی حنفی ۱۰۶۶ھ 'لغات القرآن' مطبوعہ لواء طلوع اسلام لاہور
- ۱۳۴۰ء ابوفیم عبدالکیم خان شترجاندہری 'قامد اللغات' مطبوعہ حلد اینڈ کمپنی لاہور

کتاب تاریخ سیرت و فضائل

- ۱۳۴۱ء امام محمد بن سعد حنفی ۱۰۶۵ھ 'الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۴۱ء
- ۱۳۴۲ء امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۱۰۶۴ھ 'تاریخ الامم والملوک' مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۳۴۳ء حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر متوفی ۱۰۶۳ھ 'الاستیعاب' مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۳۴۴ء قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۱۰۶۲ھ 'الافتاء' مطبوعہ عبد الوہاب آکیدی لبنان
- ۱۳۴۵ء علامہ عبد الرحمن بن علی جوزی متوفی ۱۰۶۱ھ 'الوقا' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکر
- ۱۳۴۶ء علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیسی السعوف بن لاثیر متوفی ۱۰۶۰ھ 'اسد الغلابہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۳۴۷ء علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیسی السعوف بن لاثیر متوفی ۱۰۶۰ھ 'الکامل فی التاريخ' مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت
- ۱۳۴۸ء علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان متوفی ۱۰۵۹ھ 'وفیات لاعیان' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
- ۱۳۴۹ء حافظ علاء الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی حنفی ۱۰۵۸ھ 'البدایہ والنہایہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۴۹ء
- ۱۳۵۰ء حافظ شلب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی حنفی ۱۰۵۷ھ 'الاصالبہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۳۵۱ء علامہ نور الدین علی بن احمد سمودی حنفی ۱۰۵۶ھ 'وقایہ الوقایہ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۵۱ء
- ۱۳۵۲ء علامہ احمد قسطلانی حنفی ۱۰۵۵ھ 'المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
- ۱۳۵۳ء علامہ احمد بن جبرکی شافعی حنفی ۱۰۵۴ھ 'المصواعق الحرقۃ' مطبوعہ مکتبۃ القامیہ ۱۳۵۳ء
- ۱۳۵۴ء علامہ علی بن سلطان محمد القادری حنفی ۱۰۵۳ھ 'شرح الفتاوی' مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۳۵۵ء شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی ۱۰۵۲ھ 'درج النبوت' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکر
- ۱۳۵۶ء علامہ احمد شلب الدین خلکی حنفی ۱۰۵۱ھ 'نیم الریاض' مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۳۵۷ء علامہ محمد عبد الباقی زرکنی حنفی ۱۰۵۰ھ 'شرح المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۵۷ء

۱۸۳ شیخ اشرف علی تھلوی متوفی ۱۳۳۳ھ، نشر الملب مطبوعہ تلج کینی لینڈ کراچی

کتاب فقہ حنفی

- ۱۸۵ شمس اللانہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۱۳۸۳ھ، 'المبسوط'، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۱۸۶ شمس اللانہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۱۳۸۳ھ، 'شرح میر کبیر'، مطبوعہ المکتبۃ الثورۃ الاسلامیہ، افغانستان ۱۳۰۵ھ
- ۱۸۷ علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری متوفی ۱۵۳۲ھ، 'خلاصۃ الفتاویٰ'، مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور ۱۳۹۷ھ
- ۱۸۸ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۵۸ھ، 'بدائع الصنائع'، مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی ۱۳۰۰ھ
- ۱۸۹ علامہ حسین بن منصور لوزجندی متوفی ۵۹۲ھ، 'فتاویٰ قاضی خاں'، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۶۰ھ
- ۱۹۰ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۵۳ھ، 'حدایہ لولین و آخرین'، مطبوعہ شرکت ملیہ لٹن
- ۱۹۱ علامہ محمد بن محمود بایرتی متوفی ۷۸۶ھ، 'عتایہ'، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
- ۱۹۲ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی متوفی ۷۸۶ھ، 'فتاویٰ تاتار خانیہ'، مطبوعہ لوارۃ القرآن کراچی ۱۳۱۱ھ
- ۱۹۳ علامہ ابوبکر بن علی حداد متوفی ۸۰۰ھ، 'الجوہرۃ النیرۃ'، مطبوعہ مکتبہ لدلویہ لٹن
- ۱۹۴ علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردری متوفی ۸۲۷ھ، 'فتاویٰ بزازیہ'، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۶۰ھ
- ۱۹۵ علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، 'بنایہ'، مطبوعہ ملک منز فیصل آباد
- ۱۹۶ علامہ کمال الدین بن مہام متوفی ۸۶۱ھ، 'فتح القدر'، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
- ۱۹۷ علامہ جلال الدین خوارزمی، 'کفایہ'، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
- ۱۹۸ علامہ معین الدین الحرمی المعروف بہ محمد ملا مسکین متوفی ۹۵۳ھ، 'شرح الکفر'، مطبوعہ جمعیتہ المعارف المصریہ مصر ۱۳۸۷ھ
- ۱۹۹ علامہ ابراہیم بن محمد جلی متوفی ۹۵۶ھ، 'غیتہ المستملی'، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۳۳ھ
- ۲۰۰ علامہ محمد خراسانی متوفی ۹۶۲ھ، 'جامع الرموز'، مطبوعہ مطبعہ فشی نوا کشور ۱۳۹۱ھ
- ۲۰۱ علامہ زین الدین بن نجیم متوفی ۹۷۰ھ، 'البحر الرائق'، مطبوعہ مطبعہ ملیہ مصر ۱۳۳۱ھ
- ۲۰۲ علامہ حامد بن علی قونوی رومی متوفی ۹۸۵ھ، 'فتاویٰ حامدیہ'، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۰۳ علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی متوفی ۹۸۲ھ، 'حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین'، مطبوعہ جمعیتہ المعارف المصریہ مصر ۱۳۸۷ھ
- ۲۰۴ علامہ خیر الدین رملی متوفی ۱۰۸۱ھ، 'فتاویٰ خیریہ'، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۰۵ علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ، 'الدر المختار'، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۲۰۶ علامہ سید احمد بن محمد حموی متوفی ۱۰۹۸ھ، 'غزعیون البصائر'، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۲۰۷ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، 'فتاویٰ عالمگیری'، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۰۸ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، 'منہ الخالق'، مطبوعہ مطبعہ ملیہ مصر ۱۳۳۱ھ
- ۲۰۹ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، 'تشیق الفتاویٰ الحامدیہ'، مطبوعہ دار الاشاعہ العربیہ کونست

- ۲۱ علامہ سید محمد امین ابن طہدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ 'رسائل ابن طہدین' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۱ھ
 ۲۲ علامہ سید محمد امین ابن طہدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ 'رد المحتار' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ
 ۲۳ لام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۳۰ھ 'قلوی رضویہ' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
 ۲۴ لام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۳۰ھ 'قلوی افریقیہ' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
 ۲۵ علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ 'بہار شریعت' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
 ۲۶ علامہ نور اللہ نعیمی متوفی ۱۳۰۳ھ 'قلوی نوریہ' مطبوعہ کبائس پرنٹرز لاہور ۱۹۸۳ھ

کتب فقہ شافعی

- ۲۷ علامہ ابو اسحاق شیرازی متوفی ۳۵۵ھ 'المہذب' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۳ھ
 ۲۸ لام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ 'احیاء علوم الدین' مطبوعہ دار المیہ بیروت ۱۳۱۳ھ
 ۲۹ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ 'شرح المہذب' مطبوعہ دار الفکر بیروت
 ۳۰ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ 'روئے الطالبین' مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۰۵ھ
 ۳۱ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ 'المجلی للفتاویٰ' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
 ۳۲ علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس ربیع متوفی ۱۰۰۳ھ 'نہایت المحتاج' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ
 ۳۳ علامہ ابو النبیاء علی بن علی شبراہلی متوفی ۸۷۷ھ 'حاشیہ ابو النبیاء علی نہایت المحتاج' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

- ۳۴ لام محسن بن سعید تونجی مالکی متوفی ۲۵۶ھ 'المدونۃ الکبریٰ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
 ۳۵ قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ 'بدایۃ المجتہد' مطبوعہ دار الفکر بیروت
 ۳۶ علامہ خلیل بن اسحاق مالکی متوفی ۷۷۷ھ 'مختصر خلیل' مطبوعہ دار صلوٰۃ بیروت
 ۳۷ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الطالب المغربي المعنی ۵۵۳ھ 'موہب الجلیل' مطبوعہ مکتبہ النجاشیہ
 ۳۸ علامہ علی بن عبد اللہ علی القرشی المعنی ۵۹۱ھ 'القرشی علی مختصر خلیل' مطبوعہ دار صلوٰۃ بیروت
 ۳۹ علامہ ابو البرکات احمد درر مالکی متوفی ۷۷۷ھ 'الشرح الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت
 ۴۰ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی متوفی ۵۳۸ھ 'حاشیہ لدسوقی علی الشرح الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

- ۴۱ علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۳۳۰ھ 'المنہج' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ھ

- ۲۳۱ علامہ مولیٰ الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۴۳۰ھ 'الکافی' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۳ھ
 ۲۳۲ شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ 'مجموع الفتاوی' مطبوعہ ریاض
 ۲۳۳ علامہ ابو الحسن علی بن سلیمان مولوی متوفی ۸۸۵ھ 'الانصاف' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۹ھ

کتاب شیعہ

- ۲۳۴ شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ 'الاصول من الکافی' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران
 ۲۳۵ شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ 'المفرد من الکافی' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران
 ۲۳۶ شیخ کمال الدین شمس بن علی بن شمس البحرانی المعنی ۶۷۹ھ 'شرح نوح البلاغ' مطبوعہ مؤسسۃ انصاریان ۱۴۰۷ھ
 ۲۳۷ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۲۶۰ھ 'حق الیقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران ۱۳۳۷ھ
 ۲۳۸ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۲۶۰ھ 'حیات القلوب' مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران

کتاب عقائد و کلام

- ۲۳۹ امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ 'المستند من الضلال' مطبوعہ لاہور ۱۴۰۵ھ
 ۲۴۰ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ 'شرح عقائد نسفی' مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی
 ۲۴۱ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ 'شرح المقاصد' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران ۱۴۰۹ھ
 ۲۴۲ علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۸۱ھ 'شرح المواقف' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران ۱۴۲۵ھ
 ۲۴۳ علامہ کمال الدین بن حمام متوفی ۸۶۱ھ 'مسارہ' مطبوعہ مطبعۃ السلطانیہ مصر
 ۲۴۴ علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بلین لبی الشریف الشافعی المتوفی ۹۰۶ھ 'مسارہ' مطبوعہ مطبعۃ السلطانیہ مصر
 ۲۴۵ علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۳ھ 'شرح فقہ اکبر' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البیہی ولولادہ مصر ۱۳۷۵ھ
 ۲۴۶ علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ 'کتاب العقائد' مطبوعہ تاجدار پبلشنگ کمپنی کراچی

کتاب اصول فقہ

- ۲۴۷ علامہ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری المتوفی ۷۳۰ھ 'کشف الاسرار' مطبوعہ دارالکتب العربی ۱۴۱۱ھ
 ۲۴۸ علامہ محب اللہ بہاری متوفی ۱۱۹۹ھ 'مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
 ۲۴۹ علامہ احمد جونپوری متوفی ۱۱۳۰ھ 'نور الانوار' مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی کراچی

کتاب متفرقہ

- ۲۴۹ شیخ ابو طالب محمد بن الحسن الحنفی ۱۳۸۶ھ 'قوت القلوب' مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۰۶ھ
۲۵۰ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی حنفی ۱۳۱۸ھ 'التذکرہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۷ھ
۲۵۱ شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی حنفی ۱۳۲۸ھ 'قائد جلیلہ' مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر ۱۳۷۳ھ
۲۵۲ علامہ عبد اللہ بن اسماعیل حنفی ۱۳۶۸ھ 'روض الریاحین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البلبلی ولولانہ مصر ۱۳۷۳ھ
۲۵۳ علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی حنفی ۱۸۸۶ھ 'کتاب التعریفات' مطبوعہ المطبعۃ الخیرتہ مصر ۱۳۰۶ھ
۲۵۴ امام احمد سرمدی مجدد الف ثانی حنفی ۱۳۳۳ھ 'مکتوبات امام ربانی' مطبوعہ مینہ پیشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۰ھ
۲۵۵ علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی حنفی ۱۳۰۵ھ 'اتحاف سلاۃ المتقین' مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۳۱ھ
۲۵۶ شیخ رشید احمد کنگوی حنفی ۱۳۳۳ھ 'قلوی رشیدیہ کمال' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۲۵۷ علامہ مصطفیٰ بن عبد اللہ الشیر بحاتی خلیفہ 'کشف القنون' مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ طہران ۱۳۷۸ھ
۲۵۸ امام احمد رضا قادری حنفی ۱۳۳۰ھ 'الملفوظ' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور
۲۵۹ شیخ وحید الزمان حنفی ۱۳۳۸ھ 'حدیث الہدی' مطبوعہ میو پریس دہلی ۱۳۲۵ھ
۲۶۰ شیخ اشرف علی تھانوی حنفی ۱۳۳۳ھ 'بہشتی زیور' مطبوعہ ناشران قرآن لیتھ لاہور
۲۶۱ شیخ اشرف علی تھانوی حنفی ۱۳۳۳ھ 'حفظ الامان' مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
۲۶۲ علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی 'نداء یا رسول اللہ' مطبوعہ مرکزی مجلس رضالاہور ۱۳۰۵ھ

سرٹیفکیٹ

میں نے ”تبیان القرآن“ جلد اول تصنیف شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی
مطبوعہ فرید بک شال اردو بازار لاہور کے پروف بغور پڑھے ہیں۔ میری دانست کے مطابق
اس تفسیر کے متن اور تفسیر میں درج آیات قرآنی کے الفاظ اور اعراب میں کوئی غلطی نہیں
ہے میں نے اطمینان کے بعد یہ سرٹیفکیٹ تحریر کی ہے۔

محمد ابراہیم فیضی
ظہور احمد فیضی

۱۰ جلد ۱

شرح مشکوٰۃ

تصنیف مکتبہ
عارف اہل تشیع مفتی محمد مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی مدظلہ
اردو ترجمہ و حواشی
حضرت مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ اللہ
علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

۱۰ جلد ۱

تصنیف
علامہ غلام رسول سعیدی شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی
اس صدی کی بہترین شرح جس میں عصر حاضر کے
جدید مسائل کا معتقانہ حل پیش کیا گیا ہے۔
● یہ شرح قارئین کو دوسری شرحوں سے
بے نیاز کرے گی۔

سنن نسائی مترجم

(۳ جلد)
امام ابو عبد الرحمن احمد بن شیبہ بن علی بن بحر نسائی
ترجمہ مولانا دوست محمد شاہ مولانا محمد عبدالتقادی

بخاری شریف مترجم

(۳ جلد)
امام الحدیث ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری
مترجم مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہ بھانپوری

مشکوٰۃ شریف مترجم

(۳ جلد)
امام ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب
مترجم افاضل شہیر مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہ بھانپوری

جامع ترمذی مترجم مع شمائل ترمذی

(۲ جلد)
محدث جلیل امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی مدظلہ
مترجم مولانا علامہ محمد صدیق سعیدی ہزاری

طحاوی شریف مترجم

مع خلاصہ مضامین
(سیٹ چار جلد پر مشتمل)
محدث جلیل امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی کھنکی مدظلہ
مترجم علامہ محمد صدیق ہزاروی مترجم ترمذی شریف رابض الضائین
تقدیم علامہ غلام رسول سعیدی شام سلم شریف

سنن ابن ماجہ مترجم

(۲ جلد)
امام حافظ ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ الربیع القزوی مدظلہ
مترجم مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہ بھانپوری

ریاض الضائین مترجم

(۲ جلد)
شیخ الاسلام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی
مترجم مولانا محمد صدیق ہزاروی مدظلہ
تقدیم محمد عبدالحکیم شرف قادری

سنن ابو داؤد شریف مترجم

امام ابو داؤد سلیمان بن ہاشم بختانی مدظلہ (۳ جلد)
مترجم مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہ بھانپوری

فرید نکست سال ۲۰۲۳ء لاہور ۳۱۲۱۶۳ فون ۲۲۲۸۹۹

شرح مشکوٰۃ

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی بریلوی

اردو ترجمہ و حواشی

علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی
علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

فیوض شریانی

افتح الرزانی

ترجمہ

از محبوب جانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ترجمہ مولانا مفتی محمد امجد ایسم قادری بدایونی مدظلہ العالی

شواہد الحق

فی الاستغاثۃ بالنبی الخالق

تصنیف، امام علامہ یوسف بن اسماعیل نہانی قدس سرہ

ترجمہ، مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ

موطا امام مالک

(مکمل)

ترجمہ تحشیہ علامہ مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری مدظلہ

صحیح البخاری سنن ابن ماجہ سنن ابوداؤد وغیرہ

حجۃ الاسلام

حضرت قطب الدین حکیم الامتہ مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ مولانا عبدالحق حقانی

غنیۃ الطالبین

از محبوب جانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ترجمہ، مولانا علامہ محمد صدیق ہزاروی سعیدی

تقدیم علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

فرید بک سٹال © ۳۸- اردو بازار لاہور فون ۳۱۲۱۴۳
۲۲۳۸۹۹

marfat.com

Marfat.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مُحَمَّدٌ
ﷺ

حَامِدٌ
ﷺ

مُجْتَبَى
ﷺ

قَسَمٌ
ﷺ

عَقْدٌ
ﷺ

وَقِيلَ
ﷺ

شَهَادَةٌ
ﷺ

إِشْرَافٌ
ﷺ

تَشْيِيقٌ
ﷺ

فَسْهَوٌ
ﷺ

بَلَشِيرٌ
ﷺ

تَلَوْنٌ
ﷺ

إِنْدَاعٌ
ﷺ

شَفَا
ﷺ

هَلَاكٌ
ﷺ

مَسَاحٌ
ﷺ

مِنْجٌ
ﷺ

تَهَامِي
ﷺ

أَمِي
ﷺ

مَسْجِلٌ
ﷺ

نَبِي
ﷺ

رَسُولٌ
ﷺ

إِبْرَاهِيمُ
ﷺ

نَبَاةٌ
ﷺ

عَزِيزٌ
ﷺ

حَزِينٌ
ﷺ

مُجْتَبَى
ﷺ

طَائِرٌ
ﷺ

مُتَضَوٍّ
ﷺ

خَيْرٌ
ﷺ

مُضْطَفٌ
ﷺ

لَيْسَ
ﷺ

إِنِّ
ﷺ

مِنْ
ﷺ

طَائِرٌ
ﷺ

مُتَضَوٍّ
ﷺ

مُتَيْنٌ
ﷺ

مُصْبِحٌ
ﷺ

مُصْبِحٌ
ﷺ

طَائِرٌ
ﷺ

مُتَضَوٍّ
ﷺ

مُتَيْنٌ
ﷺ

مُصْبِحٌ
ﷺ

مُصْبِحٌ
ﷺ

طَائِرٌ
ﷺ

مُتَضَوٍّ
ﷺ

مُتَيْنٌ
ﷺ

مُصْبِحٌ
ﷺ

مُصْبِحٌ
ﷺ

طَائِرٌ
ﷺ

مُتَضَوٍّ
ﷺ

مُتَيْنٌ
ﷺ

مُصْبِحٌ
ﷺ

مُصْبِحٌ
ﷺ

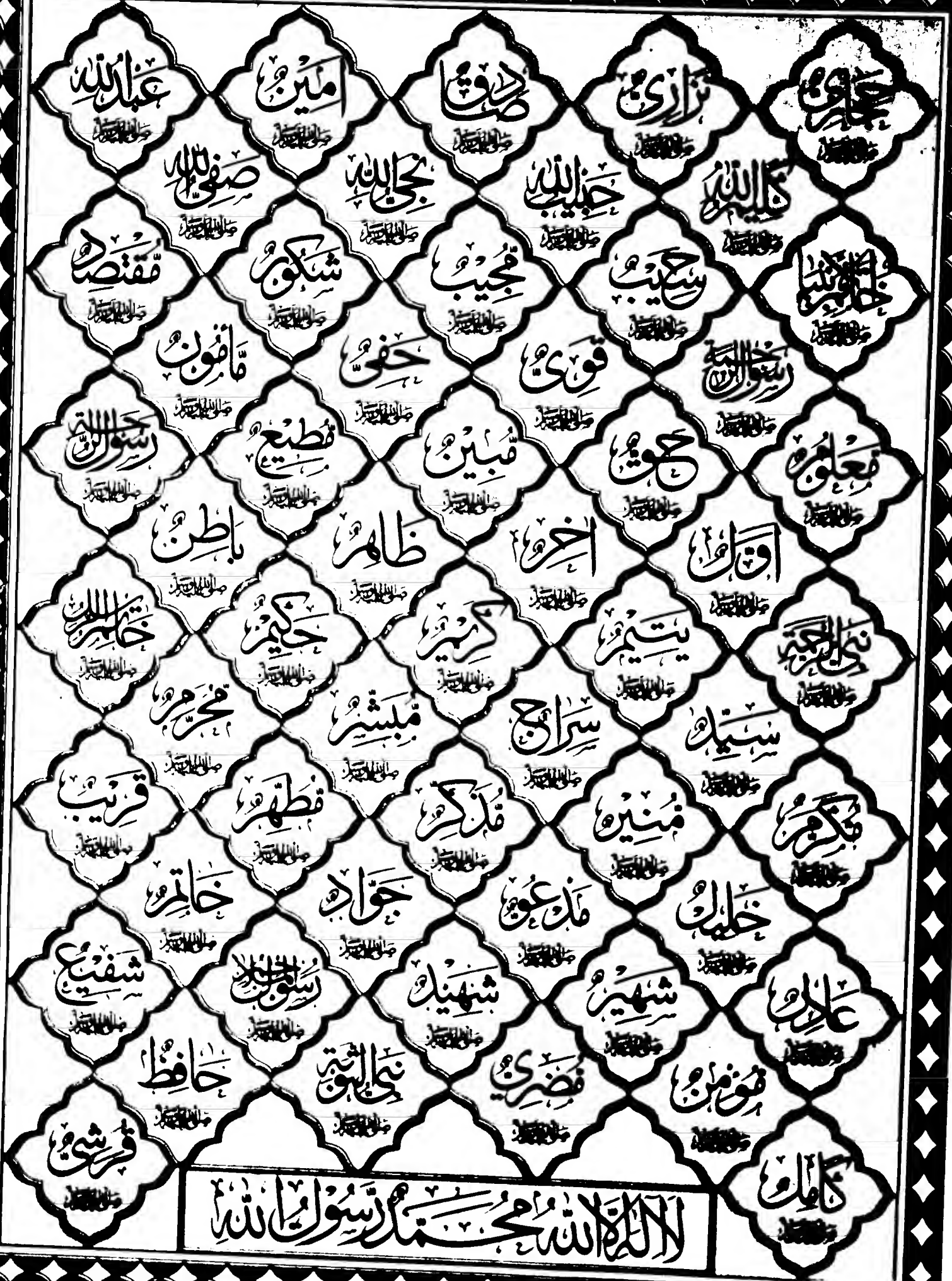
طَائِرٌ
ﷺ

مُتَضَوٍّ
ﷺ

مُتَيْنٌ
ﷺ

مُصْبِحٌ
ﷺ

مُصْبِحٌ
ﷺ



لا اِلهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُهُ